سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس 1428ھ / 2007ء

مقالاتِ سیرت

(مرد حضرات)

امتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور اُن کا تدارک

سیرتِ طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

(شعبہ تحقیق و مراجع)

وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ و عُشر

حکومتِ پاکستان اسلام آباد

سیرت النبی ﷺ کانفرنس 1428ھ / 2007ء

مقالاتِ سیرت

(مرد حضرات)

امتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور اُن کا تدارک

سیرتِ طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

(شعبہ تحقیق و مراجع)
وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر
حکومتِ پاکستان اسلام آباد

پیش لفظ

....

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ عظیم محسنِ انسانیت ہیں۔ آپ ﷺ ہی وہ شخصیت ہیں، جن کے فکر وعمل سے خوشگوار انقلاب آیا۔ اس حیات آفرین انقلاب کی بدولت نہ صرف اہلِ عرب کے حالات بدلے بلکہ عالمِ انسانیت کا یا پلٹ گئی اور تاریخ عالم نے امن و امان اور فلاح انسانیت کا دور دورہ دیکھا جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔

آپ ﷺ ہر لحاظ سے اور ہر معیار سے عظیم ترین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سالوں سے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر آج تک نہ جانے کتنی کتب مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں اور ان سب کا حاصل یہی ہے کہ امت مسلمہ ہر شعبہ زندگی کے متعلق محسن انسانیت، نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ ہدایات سے واقف ہو کر دامان مصطفی ﷺ سے وابستگی کو مضبوط کرے اور اپنے اندر حُبِ رسول ﷺ پیدا کرے۔

محسنِ انسانیت، حضور اقدس ﷺ کے امتی ہونے کے ناطے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ، آپ ﷺ کی کامل اتباع کرے اور دینِ اسلام کے عملی اور فکری داعی بن کر تمام دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنا دے۔ انہی مقاصد کے حصول کی روشنی میں، وزارتِ مذہبی امور ہر سال بارہ ربیع الاوّل کے موقع پر سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مقابلہ کتب سیرت ونعت رسول مقبول ﷺ اور کسی خاص عنوان پر مقالاتِ سیرت کے مقابلے بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالاتِ سیرت برائے سال ۲۰۰۷ء بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ امید ہے کہ یہ مقالات ہمارے فکر وعمل میں بیان کردہ تعلیمات

کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے مہمیز ثابت ہونگے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ ہماری اس کاوش کو قبول کرے۔ اس سے اُمتِ مسلمہ کو فائدہ پہنچائے، اتباع سنت کا سچا جذبہ بیدار کرنے کا ذریعہ بنائے اور آخرت میں محسنِ انسانیت خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وکیل احمد خان

سیکرٹری

فہرست مقالات سیرت 2007ء

(الف) خطبات

(ب) مقالاتِ سیرت

امتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ (ﷺ) سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

خطبات
و
مقالات

افتتاحی اجلاس

قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۷ء

افتتاحی اجلاس کے موقع پر جناب محمد اعجاز الحق، وفاقی وزیر مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر کا خطبۂ استقبالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان، جنرل پرویز مشرف صاحب،

وفاقی وصوبائی وزرائے کرام!

سیکریٹری وزارت مذہبی امور، جناب وکیل احمد خان

اسلامی ممالک کے سفرائے کرام

قابل صد احترام علماء مشائخ!

معزز خواتین وحضرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں آپ سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے قومی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانفرنس ۲۰۰۷ء میں شرکت کی دعوت قبول فرمائی۔ میں صدر محترم کا خاص طور پر شکر گزار ہوں جو بہت سی دوسری مصروفیات میں سے وقت نکال کر اس تقریب سعید میں تشریف لائے۔

حاضرین کرام!

۱۲ ربیع الاول، ایک ایسا دن ہے جو تمام زمانوں پر حاوی ہے، یہ وہ دن ہے جس نے قیامت تک کے انسانوں کی تقدیر بدل ڈالی۔ جس نے بنی نوع انسان کو شرف انسانیت سے آگاہ کیا۔ جس نے خالق اور مخلوق کے درمیان وہ رشتہ قائم کیا جو کائنات تخلیق کرنے والے کا مقصود تھا اور یہی ہے انسانی تاریخ کا وہ سب سے روشن دن جب اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کا آخری پیغام پہنچانے اس دنیا میں تشریف لائے۔

حکومت پاکستان گزشتہ اکتیس (۳۱) سالوں سے یہ دن سرکاری سطح پر مناتی چلی آ رہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرکاری اہتمام میں منعقد ہونے والی اس تقریب کو عظیم الشان قومی، ملی، علمی اور روحانی اجتماع کی حیثیت حاصل ہوگی۔ قومی سیرت کانفرنس کے عنوان سے ہر برس منعقد ہونے والی یہ تقریب کئی خصوصیات کی حامل ہے جن کا میں مختصر طور پر تذکرہ ضروری خیال کرتا ہوں۔ ہر سال کانفرنس کے لئے قرآن کریم کی کسی آیت یا حالات حاضرہ سے تعلق رکھنے والے کسی موضوع کا انتخاب کر کے ملک بھر کے اہل علم و دانش کو مقالات لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ منتخب مقالات کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جاتا ہے جو پوری قوم کے لیے دینی تعلیمات سے آگاہی کا ذریعہ بنتی ہے۔

کانفرنس کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اس موقع پر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل کتابوں کے مقابلے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ یہ قومی سطح پر اہل علم اور نعت گو شعراء کی حوصلہ افزائی کی ایک کوشش ہے جس سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف گوشوں کو نمایاں کرنے میں مدد ملی ہے۔

یہ کانفرنس، بذات خود ایسا علمی اجتماع ہے، جس میں علمائے کرام، مشائخ عظام اور اہل علم و دانش کے قیمتی خیالات سننے کا موقع ملتا ہے۔ اس سیرت کانفرنس کے لئے تجویز کردہ موضوع ہے:

''امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش، چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں''۔

یہ ایک اہم موضوع ہے جس کے لاتعداد گوشے اور پہلو ہیں۔ یقیناً صاحبان علم وفکر ہی اس موضوع سے انصاف کر سکتے ہیں۔ میں مختصر طور پر کچھ گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جنہیں آئندہ کی علمی گفتگو کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ میرے خیال میں امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور درپیش چیلنجوں میں سے سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ اور چیلنج یہ ہے کہ امت مسلمہ میں یکجہتی اور یکسوئی نہیں۔ ایک اللہ، ایک رسول ﷺ ایک قرآن اور ایک دین پر ایمان رکھنے والے سوا ارب مسلمانوں اور ستاون اسلامی ملکوں میں وہ یکجہتی نہیں پائی جاتی جو انہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دے۔ اتحاد اور یکجہتی نہ ہونے کے باعث امت مسلمہ کی پالیسیوں میں بھی یکسانیت نہیں۔ عالمی مسائل کے بارے میں ان کا موقف ایک جیسا نہیں۔ بعض اوقات تو ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ خود اسلامی ممالک ایک دوسرے سے محاذ آرائی کر رہے ہیں۔ اس افسوسناک صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کی اجتماعی آواز سامنے نہیں آ رہی اور نہ ہی اس آواز میں قوت پیدا ہو رہی ہے۔

امت مسلمہ کو درپیش دوسرا بڑا مسئلہ اور چیلنج یہ ہے کہ وہ علم، خاص طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی میں وقت کا ساتھ نہیں دے پا رہی۔ وسائل رکھنے کے باوجود اسلامی ممالک کی ترجیحات میں علمی، سائنسی، اور فنی ترقی کو وہ درجہ حاصل نہیں جو ہونا چاہئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا آغاز ہی لفظ ''اقراء'' سے ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ '' حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے، اسے جہاں پاؤ حاصل کرو''۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں مسلمانوں نے علم، سائنس اور ٹیکنالوجی پر زبردست توجہ خاص کی اور اس میدان میں ساری دنیا کی راہنمائی کی۔ لیکن رفتہ رفتہ ہم زوال کا شکار ہوتے چلے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب ہم سے بہت آگے نکل گیا۔

آج آپ دنیا پر نظر ڈالیں تو ایک نہائیت ہی افسوسناک صورت حال سامنے آتی ہے۔ صرف امریکہ میں یونیورسٹیوں کی تعداد ۵۷۵۸ ہے۔ صرف بھارت میں ۸۴۰۷ یونیورسٹیاں ہیں۔ جب کہ پورے عالم اسلام کی یونیورسٹیوں کی تعداد صرف ۵۰۰ ہے۔ معیار کے حوالے سے دنیا کی پہلی پانچ سو یونیورسٹیوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو کسی اسلامی ملک میں واقع ہو۔ عیسائی دنیا کی پندرہ ریاستوں میں شرح خواندگی سو فی صد ہے۔ پوری دنیا میں ایک بھی مسلمان ملک نہیں جس کی شرح خواندگی سو فی صد ہو۔ عیسائی دنیا کی مجموعی شرح خواندگی ۹۰ فی صد جب کہ مسلم

دنیا کی مجموعی شرح خواندگی صرف ۴۰ فی صد ہے۔ امریکہ میں ہر دس لاکھ امریکیوں میں چار ہزار سائنسدان ہیں۔ امت مسلمہ کے دس لاکھ افراد میں سائنسدانوں کی تعداد صرف ۲۳۰ ہے عیسائی دنیا اوسطاً اپنی مجموعی قومی آمدنی کا ۵ فی صد تعلیم پر خرچ کر رہی ہے جب کہ امت مسلمہ کے ممالک مجموعی قومی آمدنی کا ۲ (دو) فی صد سے بھی کم تعلیم کے لئے فراہم کر رہے ہیں۔

تعلیم سائنس اور ٹیکنالوجی پر توجہ نہ دینے کے سبب امت مسلمہ کی اقتصادی اور معاشی حالت بھی اچھی نہیں اور اسے بھی ایک بڑے مسئلے اور چیلنج کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اسلامی کانفرنس کے رکن ستاون ممالک کی مجموعی معیشت کا حجم ڈیڑھ کھرب ڈالر کے لگ بھگ ہے جب کہ صرف جاپان کی معیشت کا حجم 3.4 کھرب ڈالر ہے۔امریکی معیشت کا حجم ۱۱ کھرب ڈالر، برطانیہ کا 1.7 کھرب اور جرمنی کا ۲ کھرب ڈالر ہے۔ انسانی ترقی کے اشاریے کے مطابق دنیا کے پہلے ۳۰ ممالک میں ایک بھی مسلم ملک نہیں۔ اسلامی ممالک کے ۵۵ کروڑ باشندے غربت کی لکیر سے نیچے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم دنیا کے مقابلے میں کتنے پسماندہ ہیں۔

خواتین وحضرات!

امت مسلمہ کو درپیش تازہ ترین چیلنج یہ ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کی سچی تصویر نہیں ابھرنے پا رہی۔ بدقسمتی سے دنیا کے عظیم ترین مذہب کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کے ہم معنی بنا دیا گیا ہے۔ یقیناً اس میں غیروں کا کردار بھی ہے لیکن ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا جائے تو کچھ نہ کچھ قصور ہمارا اپنا بھی ہے۔ امت مسلمہ کو اجتماعی طور پر کوشش کرنا ہوگی کہ مغرب کا یہ غلط تاثر دور کیا جائے۔ ہمارے علماء مشائخ، دانشوروں، صحافیوں اور میڈیا کو اس حوالے سے اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔ اسلام تحمل، برداشت اور اعتدال کا دین ہے۔ اس دین کا درس یہ ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ایسا دین کس طرح خونخواری یا دہشت گردی کا سبق دے سکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مغرب کی نگاہوں میں ایک ایسا اسلام کا چہرہ ہے جو حقیقی نہیں۔ میرے خیال میں اس وقت یہ سب سے بڑا چیلنج ہے جس پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

یہ ہیں وہ بڑے بڑے چیلنج جو امت مسلمہ کو درپیش ہیں۔ ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسی بیدار قیادت کی ضرورت ہے جو تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے حالات کا جائزہ لے اور راہنمائی کرے۔ اس سلسلے میں صدر پاکستان، جنرل پرویز مشرف نے ایک وژن پیش کیا ہے جسے پورے عالم اسلام نے سراہا ہے۔ اس وژن کے ذریعے ہم نہ صرف طاقت حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت بھی واپس لا سکتے ہیں۔ میں علمائے کرام، مشائخ عظام اور اس کانفرنس کے تمام شرکاء سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مشن میں صدر مشرف کے ہاتھ مضبوط کریں۔

برادران عزیز!

محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیغام لے کر آئے اور جس کا عملی نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سیرت طیبہ میں پیش کیا، وہ تمام انسانیت اور جہانوں کے لئے رحمت اور اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم الرسل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت آخری شریعت ہے۔ اس میں دین بھی ہے اور دنیا بھی

ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری امت مسلمہ کو ایک لڑی میں پرو دیا، جب مسلمانوں نے اس پر عمل کیا وہ دنیا کی اک بے مثال اور طاقت ور قوم بن کر ابھرے، ظلمت اور ظلم سے دنیا کو نجات دلائی، لیکن جب اسے بھلا دیا گیا تو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا، ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کو عام کرنے اور اس پر عمل کرنے کے مشن کو بہر طور، نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ:

کی محمد (ﷺ) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محترم صدر پاکستان!

میں آپ کی اجازت سے، سیرت نگاری کے مقابلوں کے انعقاد کے طریق کار کے بارے میں محترم سامعین اور ناظرین کو آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، وزارت ہر سال عیدمیلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریب سے کافی عرصہ پہلے قومی، پاکستانی علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں کتب سیرت ونعت کے مقابلے، اسلامی موضوعات پر مقابلہ کتب خواتین اور سیرت ونعت پر خصوصی شمارے شائع کرنے والے رسائل و مجلّات کے مقابلوں کے انعقاد کے اعلان کے ساتھ ساتھ کسی مخصوص عنوان پر مرد حضرات اور خواتین کے لیے کبھی کبھی ایک ہی اور بعض اوقات علیحدہ علیحدہ مقابلہ مقالات سیرت کے انعقاد کا اعلان ملک بھر کے اخبار کے ذریعے کرتی ہے۔ موصول ہونے والی تمام ENTRIES کا وزارت میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس مرحلے میں منتخب ہونے والی ہر کتب کو کم از کم تین ماہرین پر مشتمل ججز کمیٹی (Judges Committee) کو تفصیلی جانچ پڑتال کے لئے ارسال کیا جاتا ہے۔ بعدازاں ان ماہرین کی رپورٹوں اور آراء کو ایک دوسری اعلیٰ کمیٹی، اپیکس کمیٹی، کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، جو ہر کتاب کا، اس کے بارے میں ججز کمیٹی (Judges Committee) کی طرف سے موصول شدہ رپورٹس کی روشنی میں جانچ پرکھ کے بعد، حسب حال انعام کا مستحق قرار پانے یا نہ پانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ انعامات کے فیصلے کے عمل کے بارے میں وزارت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہے۔ انعامات کا حتمی فیصلہ اپیکس کمیٹی کے معزز اراکین ہی کرتے ہیں۔ حسب روایت اس سال بھی مقابلے منعقد ہوئے اس ضمن میں وزارت کو کل اناسی (۷۹) کتب سیرت ونعت اور ۱۰۴ مقالات سیرت موصول ہوئے۔ ان میں سے ابتدائی جائزہ کے بعد منتخب ہونے والی ۵۷ کتب اور جملہ مقالات سیرت کو ججوں کی کمیٹیوں کو جانچ پڑتال کے لئے بھیجا گیا۔ اپیکس کمیٹی (Apex Committee) کے فیصلے کے مطابق اس سال کے مقابلوں میں، انعامات کا حق دار قرار پانے والوں کو وزیر اعظم پاکستان اپنے دست مبارک سے کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں انعامات عطا فرمائیں گے۔ دانشور، علماء کرام اور ماہرین اس اجلاس کے بعد کے اجلاس میں کانفرنس کے موضوع پر اظہار خیال فرمائیں گے۔

انہی الفاظ کے ساتھ میں ایک بار پھر محترم صدر پاکستان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے افتتاحی خطاب سے قومی سیرت کانفرنس کا افتتاح فرمائیں۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

قومی سیرت کانفرنس

خطاب جنرل پرویز مشرف

صدر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

اسلام آباد یکم اپریل ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب محمد اعجاز الحق صاحب، وزیر مذہبی امور

جناب ڈاکٹر عامر لیاقت حسین، وزیر مملکت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر

منسٹرز، پارلیمنٹیریز

سیکریٹری وزارت مذہبی امور، وکیل صاحب

چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، خالد مسعود صاحب

محترمہ میری لین، میری بہن

تمام علماء اور مشائخ

معزز ملکی اور غیر ملکی مہمان

خواتین وحضرات

السلام علیکم!

مجھے آج بے انتہاء خوشی ہے اور فخر ہے کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دن سیرت کانفرنس سے آپ لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملا۔ یہ سیرت کانفرنس سن ۱۹۷۶ء سے ہر سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یوم پیدائش یعنی عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر Celebrate ہوتی ہے۔ میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں Minister for Religious Affairs, Minister of state اور سیکرٹری صاحب کو کہ انہوں نے یہ تقریب منعقد کی اور مجھے یہ موقع ملا کہ میں آپ سے بات کرسکوں۔ عنوان آج کی اس تقریب کا ''امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل راہنمائی کی روشنی میں'' میرے خیال میں یہ بہت موزوں Subject ہے جس کو ہمیں سنجیدگی سے analyze کرنا چاہئے، اس کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اس سے بیشتر میں اپنے کچھ خیالات کا اظہار کروں، آج کے دن تلاوت بہت خوبصورت ہوئی ہے، قاری صاحب کو اور نعت خوان بہن جو یہاں بیٹھی ہوئی ہیں، ان کی چھوٹی بہن نے بھی بہت اچھی نعت پڑھی تھی پچھلی دفعہ مجھے یاد ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ

سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مقالات اور کتابوں کا Competition ہوا ہے اس میں جو بھی Winners ہیں وہ چار Provinces کے Winners ہیں۔ اس طرح چار مقالات اور چار کتابوں میں یہ آٹھ Winners ہیں اور ساتھ ہی یہ قاری صاحب اور میری بہن نعت خواں بھی ہیں۔ ان تمام کو عمرہ پر بھیجیں گے اور اس کے علاوہ ان سب کو پچیس پچیس ہزار روپے ہماری طرف سے دیئے جائیں گے۔ اب میں subject کے اوپر آتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کھل کے، کہ مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ میں کوئی اسلام کے اوپر عالم ہوں یا میں بول سکتا ہوں، میں اس قابل نہیں ہوں لیکن ایک Practical observer اپنے آپ کو ضرور سمجھتا ہوں۔ یہ Practical application جو زمین پر میں دیکھتا ہوں، اپنے اردگرد دیکھتا ہوں، اعمال میں دیکھتا ہوں اس کا میں ضرور observer ہوں اور آنکھیں کھول کر رکھتا ہوں، کان کھول کر رکھتا ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں تو اس لیئے میں سمجھتا ہوں کہ ہم آج ایک ایسے موڑ پر کھڑے ہیں کہ ہمیں سنجیدگی سے دیکھنا چاہیئے، سوچنا چاہیئے ایمانداری سے سوچنا چاہیئے۔ اس سوچ میں منافقت نہیں ہونی چاہیے اور میں کھل کر بات کروں گا۔ بہت معذرت خواہ ہوں کہ میری عادت ہے کھل کر بات کرنے کی ہوسکتا ہے کسی کو برا لگے لیکن میں اپنے دل کو تسلی ضرور دیتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ ایمانداری سے بات کی جائے اور کیونکہ یہ اتنا اہم Subject ہے کہ اس میں کچھ چھپانے یا نہ بولنے میں believe نہیں کرتا ہوں۔ تیس سال سے یہ کانفرنس منعقد ہورہی ہے سن ۱۹۷۶ء سے ۲۰۰۷ء ہوگیا۔ اکتیس سال۔ کیا ہم نے سیکھا اس کانفرنس کے ذریعے؟ کیا ہم آگے بڑھے یا بہتری کی طرف گئے یا ہم پیچھے کی طرف گئے ہیں؟ ہمارے حالات بدتر ہوئے ہیں، میری نظر میں ہم پیچھے گئے ہیں آگے نہیں گئے، آگے نہیں بڑھے۔ ہماری تلاوت، میں ہمیشہ سنتا ہوں بہت غور سے ترجمہ سنتا ہوں کیونکہ تلاوت مجھے سمجھ نہیں آتی لیکن ترجمہ میں بہت غور سے سنتا ہوں اور مجھے افسوس ہوا ہے کہ وہ ترجمہ کتنا خوبصورت اور اعمال ہمارے کتنے بدتر۔ جو بھی ترجمہ ہوگا اس کے بالکل برعکس ہم Practical Application میں دیکھتے ہیں۔ تو یہ کہاں تھے ہم، کس دنیا میں رہ رہے ہیں، کیوں ہم یہ کر رہے ہیں۔ تضاد ہے Teaching میں فعل میں اور Practice میں تضاد ہے، dichotomy ہے یا تو ہم جو کچھ کہتے ہیں زبان سے، دماغ اور دل میں وہ نہیں ہے، کیوں؟ کیوں یہ کہتے ہیں ہم؟ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں ہم، ہر جگہ یہی ہے، ہر طرف یہی ہے یہ کیوں ہے؟ میری نظر میں میرے خیال میں اسلام کو یرغمال بنا لیا گیا ہے، it has been hijacked کچھ ایسے عناصر جو اسلام کی اتنی enlightened اور صحیح سمجھ نہیں رکھتے ہیں انہوں نے اس کو hijack کر لیا ہے۔ لہٰذا ایک خلفشار پیدا ہو رہا ہے ہمارے معاشرے کے اندر اور ہمارے دلوں میں، دماغوں میں اندرونی طور پر اور یہ جڑ ہے سارے Problem کی۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ: Interpretation of the correct spirit of Islam and then its Practical application in our life

ہماری interpretation میں ہمارے اندرونی جھگڑے ہیں، جھگڑے صرف نہیں ہیں ہم مرنے مارنے کو تیار ہیں۔ اس کے لیئے جب کہ اجتہاد اور اجماع کا concept اسلام میں یہ ہے کہ discussion کرو، consensus develop کرو، مارو مت، لڑو مت۔ ہر شخص کی اپنی عقل ہے اس کو اپنی عقل استعمال کر کے جو وہ بولتا ہے اس کو بولنے دو،

آرام سے سنو اور کوشش یہی کرو کہ اگر اس کی سوچ آپ سے بہتر ہے تو اس کی بات مان لو اپنی سوچ کو تبدیل کر لو۔ لیکن افسوس سے مجھ کو کہنا پڑتا ہے کہ ہم نہیں کرتے ہیں یہ، ہم کسی اور کی بات سننے کو تیار نہیں ہیں۔ نہ صرف یہ ہم اس کے ساتھ بات کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں، ہم اس topic کو کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں، ہم لڑنا چاہتے ہیں اس سے، ہم لڑنے مرنے کو تیار ہیں یہ کہاں کا اسلام ہے، کیسے ہم آگے جائیں گے۔ اگر آپ سوچ پر پابندی لگا دیں کسی کی وہ انسان وہ معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا اگر سوچ پر control ہو جائے if you control thinking تو ترقی نہیں ہو گی۔

اسلام آگے بڑھا عروج پر پہنچا کیونکہ سوچ کو وسیع کیا گیا Knowledge acquire کی گئی پھر ہم آگے بڑھے۔ لیکن اگر ہم سوچ پر قبضہ کر لیں کہ سوچو نہیں، کہو مت، کچھ نہیں کرو، کچھ نہیں سوچو جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو، یہ اسلام نہیں ہے میری نظر میں، میری ناچیز نظر میں یہ نہیں ہے اسلام، اس طریقے سے اسلام آگے نہیں گیا سوچ کو کھولو، وسیع کرو، دماغ کو وسیع کرو، دل کھولو، چھاتی کھولو، نئے ideas کو adopt کرو اور آگے جاؤ دنیا میں۔ یہاں بند کیا جاتا ہے سوچ کو، آپس میں تفرقات ہیں۔ ابھی میں کراچی گیا تھا وہاں جب ایک bomb blast ہوا تھا اور پتا نہیں پچاس ساٹھ لوگ شہید ہوئے، میں گیا ادھر معذرت کرنے اور عامر لیاقت بھی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے دو ڈھائی گھنٹے انہوں نے کوشش کی، سب نے کوشش کی، میں وہاں بیٹھا رہا انتظار میں کہ ہمارے، دیوبندی اور بریلوی بھائیوں کو ساتھ بیٹھا دوں اور میں بات کر لوں ایک دفعہ۔ ڈھائی گھنٹے بعد بھی نہیں بیٹھے اور میں پھر ان سے الگ الگ ملا تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کیا یہ طریقہ ہے اسلام کو آگے لے جانے کا؟ ہم جب آپس میں ہی اندرونی طور پر ایک نہیں ہیں تو کہاں یکجہتی ہو سکتی ہے۔ ملکوں میں، ستاون ملک ہیں ان میں یکجہتی کیسے ہو گی؟ ایک ہی ملک میں یکجہتی نہیں ہے لہذا میری بہنو اور بھائیو! introspection is required ہمیں اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنا ہو گا، اپنی بغلوں میں جھانکنا ہو گا اور دیکھنا ہو گا کہ سب سے پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار کیا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی teachings کیا تھیں؟ ہم کتنا ان کو follow کر رہے ہیں؟ ان کی Personal example کیا تھی؟ کتنا ہم اس Personal example کو follow کرتے ہیں؟ اسلام، مسلمان امہ کہاں تھی ہم کہاں تھے اور کہاں آ گئے ہیں؟ مختصر طور پر میں تھوڑی سی اس کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔

سب سے پہلے تو سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیں دیکھنا ہے کہ کونسی ایسی qualities تھیں جنہوں نے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچا اور اس کے بعد کونسی qualities تھیں کہ اسلام کو اتنی تیزی سے دنیا میں پھیلایا، کونسی qualities تھیں؟ کیوں اور کیسے ہوا یہ، یہ معجزہ کیسے ہوا، miracle live miracle کیسے ہوا یہ۔ میری نظر میں سب سے بڑی quality حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایمانداری ہے۔ اب معاشرے میں دیکھیں اپنے آپ کو دیکھیں، ہم اگر دیکھیں ایک بے ایمانی سے بھرا ہوا معاشرہ ہے، جھوٹ عام ہے سچائی کا پتا ہی نہیں ہوتا کہ سچ کونسا ہے۔ ایکدم اگلے دن جو کچھ ہوتا ہے اس میں ہزاروں ہی جھوٹ آ جاتے ہیں کہ سچ غائب ہو جاتا ہے۔ ناانصافی ہر طرف ہے compassion کسی دوسرے کو اگر وہ غلطی پر بھی ہے معاف کرنا compsaaion دکھانا موجود نہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں اردو میری اتنی جامع

نہیں ہے، مجھے اردو کا لفظ نہیں آتا تو میں انگریزی کا لفظ بول دیتا ہوں۔ برداشت، tolerance within اپنے اندر جو میں نے شروع میں بات بتائی ہے مسلمانوں کے اندر برداشت ایک دوسرے کو tolerate کرنا، برداشت کرنا دوسرے کے views کو اس وقت کی ضرورت ہے۔ یہاں تو فرقے ہیں، بٹے ہوئے ہیں، شیعہ ہے، سنی ہے، دیوبندی ہے، بریلوی ہے، اہل سنت بنے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے views ہی کو نہیں برداشت کرتے ہم، تو دوسرے مذہبوں کو کیا برداشت کریں گے اگر ہمارے اپنے اندر ہی برداشت نہیں ہے۔ عام لوگ کہتے ہیں history بتاتی ہے کہ یہودیوں تک کو میرے خیال میں اسلام کے دوران جہاں بھی وہ تھے، ادھر یہودیت flourish ہوئی ہے۔ ان کا خیال رکھا گیا ہے tolerate کیا گیا ہے۔ christianity کے اندر وہ اتنے flourish نہیں ہوئے جتنے اسلام کے درمیان ہوئے۔ سپین میں آپ کو پتا ہی ہوگا تاریخ میں سب سے زیادہ Judaism اگر flourish ہوئی ہے سپین میں اسلام کے دوران میں ہوئی ہے، مطلب ہم تو دوسرے religions کو tolerate کرتے رہے ہیں اب تو ہم اندورنی طور پر اپنے آپ کے اندر ہی نہیں tolerate کرتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ میری نظر میں اگر ہم نے دنیا کو اسلام کی طرف لانا ہے۔ انہیں draw کرنا ہے۔ میں ایک فوجی ہوں کوئی شخص کسی کو follow نہیں کرتا orders سے۔ Personal example سے follow کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی مثال لیں کہ گولی آرہی ہے سامنے آپ کھڑے ہوئے ہیں تو ہزار آدمی کبھی نہیں بھاگے گا۔ Personal example سے کردار کی example دکھائیں تو لوگ آپ کے پیچھے آئیں گے۔ یہی ہمیں معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کا کردار پہلے چالیس سال میں لوگوں کو معلوم تھا جبھی وہ اسلام کی طرف ایک دم کھینچ کر آئے کیونکہ آپ کا کردار تھا۔ اب تو بنے ہوئے ہیں ہم۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی ہدایت دی ہمیں اور فرمایا چین تک بھی جانا پڑے علم حاصل کریں۔ اعجاز الحق صاحب نے، منسٹر صاحب نے اتنی وضاحت کی۔ کہاں ہیں ہم؟ کیا ہے؟ بدترین most illiterate دنیا میں مسلمان ہیں۔ یونیورسٹیز کی example دے رہے ہیں، اب ہم لگانے کی کوشش کررہے ہیں پاکستان میں۔ کہاں ہے علم؟ کیا علم ہے؟ یہاں تو میں کہنا چاہوں گا کہ جتنا بھی ہمارا علم پہلے اسلام میں تھا وہ مدرسوں کے ذریعے تھا۔ مدرسے centers ہوا کرتے تھے اور "centers of Knowledge and excellence . of science. medicine. astronomy. and mathematics" سب مدرسوں سے آئی ہے۔ اب میں بھی یہی چاہتا ہوکہ ہمارے مدرسے بھی وہی ہوں، ہمارے مدرسوں سے بھی لوگ ان subjects میں آگے نکلیں دنیا میں۔ پھر اس دور میں رواداری، بھائی چارہ، یکجہتی بہت تھا یہ میں نے بہت کہہ دیا اب تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تو مجموعی طور پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں گمراہی، لاعلمی، ہوس کاری اور مکاری سے رہائی دلوائی۔ یہ میں نے مجموعی طور پر سوچا کہ ہمیں اس زمانے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا راستہ دکھایا، یہ راستہ ہمیں دکھایا اس لئے ہم کہاں پہنچ گئے تھے جیسے میں نے بتایا کہ جب تک مدرسے Centre of science, medicine, mathematics,astronomy, تھے ہم lead کرتے رہے دنیا کو۔ پانچ صدیاں پیچھے ہی چلتے گئے اب کہاں پہنچ گئے ہیں ہم میں سب سے زیادہ لاعلمی ہے detail میں نہیں جانا چاہتا ہوں میرے خیال میں منسٹر صاحب نے بہت اچھے طریقے سے وضاحت کی ہے۔ سب سے غریب ترین ملک مسلمان ملک

ہیںtwenty two out of forty five میرے خیال میں forty seven سینتالیس میں سے بائیس غریب ترین، پسماندہ ترین ملک مسلمان ملک ہیں۔ جو امیر ملک ہیں اسلام میں وہ بھی میں بتاتا چلوں وہ دنیا میں کہیں بھی نہیں ہیں۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں کے برابر بھی نہیں ہیں جو ہمارے امیر ترین ملک ہیں۔ پسماندہ ترین، غریب ترین دس ہزار ٹن چاول، گندم کے لیے بھیک مانگ رہے ہیں اور یہ ہم نہیں دیتے انھیں غیر مسلمان ملک دیتے ہیں تو پھر یکجہتی کیسے ہوگی وہ ان سے مل رہا ہے تو ہم یکجہتی کی کیا بات کریں۔ اگر ہم اپنے بھائیوں کو، بہنوں کو، مسلمان ممالک کو خود کچھ نہیں دے سکتے ہیں، ان کی بہتری نہیں کر سکتے ہیں تو یکجہتی کہاں ہوگی۔ sovereignty خودمختاری کیسے ہوتی ہے، sovereignty کیا ہے۔ جتنا آپ کی dependence ہوگی کسی اور پر اتنا ہی آپ اپنی خودمختاری اس کی جھولی میں ڈال دیتے ہو that is sovereignty جتنا آپ کم کسی سے لو گے اتنی ہی آپ کی خودمختاری ہوگی۔ آج مسلمان ملکوں میں کوئی خودمختار نہیں ہے۔ تو لہٰذا اب جب خودمختار نہیں ہیں تو وہ اسی کی طرف دیکھتے ہیں جو ان کو دیتا ہے اور وہ دوسرے ہیں ہم نہیں ہیں۔ یکجہتی نہیں ہے ایک ہماری OIC ogranization ہے۔ کیا ہے OIC میں، کوئی یکجہتی نہیں ہے اور یکجہتی ہو بھی نہیں سکتی ہے یہ یاد رکھیں۔ یکجہتی ہو ہی نہیں سکتی ہے جب تک کہ ہم پسماندگی سے آگے نہ نکلیں خودمختاری اپنی لیں ایک دوسرے کی مدد کریں مسلمانوں کے اندر، اپنا فنڈ ہو، اپنے ذرائع ہوں اور اگر کسی کو دس ہزار ٹن چاول چاہئے تو ہم دیں اسے اگر کسی کو ترقی کے لیے یونیورسٹی چاہئے، کالج چاہئے، ہاسپٹل چاہئے ہم دیں اسے پھر یکجہتی ہوگی۔ اتنا آسان نہیں ہے۔ کہنے سے نہیں ہوگی کہ یکجہتی ہونی چاہیے، نہیں ہوسکتی۔ تو لہٰذا دنیا میں آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ امہ میں کیا ہو رہا ہے فلسطین ہے، لبنان ہے، عراق ہے، افغانستان ہے، کشمیر ہے ہر جگہ دیکھ لیں آپ کیا ہو رہا ہے۔ تباہی ہو رہی ہے، bomb blast ہو رہے ہیں، خودکش حملے ہو رہے ہیں، لوگ مر رہے ہیں، کون مر رہا ہے؟ مسلمان اور کون۔ سارا جان اور مال کا نقصان مسلمانوں کا ہے۔ اب پاکستان کی طرف دیکھیں ذرا، اسلام کے نام پر کیا ہو رہا ہے، اسلام کے نام پر۔ foreigners آئے ہوئے ہیں القاعدہ کہو انہیں یا جو مرضی کہو foreigner ہیں اور بغیر اجازت کے آئے ہوئے ہیں۔ آپ میں سے کوئی مجھے جا کر دکھائے ذرا کسی اور ملک میں پاسپورٹ اور ویزہ کے بغیر۔ نہ پاسپورٹ اور ویزہ ہے آ رہے ہیں جا رہے ہیں۔ کیا ہم نے بنایا ہوا ہے اپنے ملک کو، کیا سلسلہ ہے اور صرف یہی نہیں اگر آج آ رہے ہیں ٹھیک ہے سو بسم اللہ اگر آرام سے آپ آنا چاہ رہے ہیں اور ہمارے ملک کے لیے کچھ contribution کرنا چاہ رہے ہیں، اپنے ملک کے لیے کچھ بہتری کرنا چاہ رہے ہیں لیکن اگر دنیا میں دہشتگردی پھیلانا چاہ رہے ہیں اور ہمیں اس سے نقصان پہنچانا چاہ رہے ہیں اور ہمارے ملک کے اندر اگر یہی کر رہے ہیں پیسے ہتھیار، Explosives دے رہے ہیں تو یہ کہاں کا نظام ہے، یہ یہاں ہو رہا ہے۔ نقصان سارا ہمارا۔ کوئی طالبان کہہ رہا ہے کوئی طالبانائزیشن کہہ رہا ہے۔ نام چھوڑیں۔ طالبان تو ظاہر ہے ہمارے مدرسوں کے بچے ہیں وہ تو militancy میں نہیں ہیں لیکن میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کچھ ہیں بھی۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نہیں ہیں بالکل تو بالکل ہیں جی۔ کچھ مدرسے ایسے ہیں جو ملوث ہیں ہتھیار رکھے ہوئے ہیں، explosives ہیں، ہمیں معلوم ہے۔ میں ان کو کہوں گا کہ جہاں کہیں بھی فرسودہ خیال، rigidness,intolerance جہاں بھی سکھائی جاتی ہے چاہے گھر میں ہے، چاہیے مسجد میں

ہے، چاہے مدرسے میں ہے، وہ غلط ہے۔ tolerance سکھائیں، بھائی چارہ سکھائیں، کردار سکھائیں اور rigidity نہ سکھائیں خیال کو بند مت کریں۔خیال کو کھولیں، دماغ کو کھلوائیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس کو یہ نہ سمجھیں میں کسی کو Indicate نہیں کر رہا ہوں میں یہ کہہ جو رہا ہوں کہ جو بھی اچھا کر رہا اور مجھے معلوم ہے بہت لوگ اچھا کر رہے ہیں، بعض مدرسے بہت اچھے ہیں تو کئی ہیں جی جو بہت اچھا کر رہے ہیں لیکن کچھ ہیں جو غلطیاں کر رہے ہیں ان کو آپ زیادہ روک سکتے ہیں۔ کیونکہ میں جب کرتا ہوں تو وہ تو پھر اسلام اور کفر کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جب کہ میں تو ہر جگہ پر کہتا پھرتا ہوں کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے حرم شریف میں اندر جانے کی سعادت مجھے بخشی ہوئی ہے، روزہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے اندر میں گیا ہوا ہوں ایک دفعہ نہیں چھ چھ،سات سات دفعہ گیا ہوا ہوں۔ میں حرم شریف کی چھت پر گیا ہوا ہوں اور وہاں سے میں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ہوا ہے تو میں تو ہر جگہ یہ کہتا ہوں لیکن کہیں بھی اگر میں کچھ کہتا ہوں تو ایک دم سے اسلام اور کفر کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ بدقسمتی ہے ہماری۔ معاشرے میں انتہاء پسندی، bombing خودکش حملے سب سے پہلے تو باہر ہو رہے تھے اب دنیا کی بات میں نہیں کروں گا لیکن اب ہمارے بھی کچھ حضرات نے شروع کر دیا ہے اور اسلام کے نام پر، میں بتا رہا ہوں یہ ساری چیزیں کیوں کہ میں نے تین لوگوں کے خودکش حملوں کی کیسٹ دیکھی ہے سی ڈی دیکھی ہے اور دل روتا ہے آدمی کا دیکھ کر۔ اگر آپ دیکھنا چاہئیں کبھی یعنی ایک young لڑکا، جوان لڑکا آ رہا ہے اور باندھا ہوا ہے اس نے explosive اور مجھے کہتے ہیں کہ جو بھی خودکش حملہ کرتا ہے وہ ایک سی ڈی بناتے ہیں اس کی۔ اور وہ اپنے ماں باپ سے، بھائی بہنوں سے بات کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے بارے میں پریشان مت ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں، میں جا رہا ہوں میں جنت جا رہا ہوں اور آپ کے لیے جنت کا راستہ کھول رہا ہوں، یہ کیا ہے؟ عام طور پر یہی کہہ رہے ہیں یا تو ان کو پڑھایا جاتا ہے کہ یہ کہو تم۔ پتا نہیں مجھے لیکن عام طور پر یہی کہتے ہیں وہ اپنے بھائی بہنوں کو، ماں باپ کو اور پھر چلے جاتے ہیں اور جہاد پر نکل جاتے ہیں اور جہاد کی misinterpretation اسے میں کہوں گا۔ آپ ابھی یہ دیکھیں لاقانونیت دیکھیں آپ یہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو دیکھیں وہ سمجھتے ہیں کہ میں ڈر رہا ہوں حکومت ڈر رہی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں میں اور کسی سے نہیں ڈرتا۔

لیکن یہاں ڈرنے، بہادری اور دلیری کی بات نہیں ہے کرنے کو تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ تین ہزار خواتین ہیں ادھر، ڈنڈے لے کر۔ یہ زیب ہی نہیں دیتا میرے خیال میں جو ہو رہا ہے وہاں۔ دوسری طرف لال مسجد میں وہ دو، ڈھائی ہزار لوگ ہیں۔ ہم attack کر سکتے ہیں۔ کہیں یہ نہ ہو جائے کہ خواتین بھی ماری جائیں اور مسجد کو بھی نقصان ہو۔ یہ کرنا ہے۔ کیسے کرنا ہے؟ یہ سوچنا ہے۔ بہادری دکھانے کو تو میں چلتا ہوں ادھر۔یہ بات تو نہیں ہے کہ حکومت کر نہیں سکتی یا میں کچھ نہیں کر سکتا۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن آدمی سوچتا ہے کہ کیا خواتین کو مارنا شروع کر دیں۔ مسجد کو نقصان پہنچائیں۔ کیا کریں؟ آپ لوگوں سے میری گزارش یہی ہے کیونکہ جب میں کچھ بولتا ہوں تو پھر وہی اسلام اور کفر کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے۔ آپ سے میری گزارش ہے کہ آپ کھل کر آگے آئیں۔ اپنی بہنوں سے گزارش ہے آپ لوگ کھل کر آگے آئیں اور ان کو کہیں کہ بھئی کر کیا رہے ہیں آپ؟ کیا سلسلہ ہے؟ اور وہی اپنے views دوسروں پر زبردستی مسلط کرنا۔ پورے

پاکستان کے معاشرے کو وہ تبدیل کرنے چلے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکے گا۔ ایسے ہی پاکستان کو نقصان پہنچاؤ گے اور کچھ نہیں ہوگا کچھ نہیں نکلے گا۔ جہاد کے اوپر کیونکہ میں نے بات کی ہے تو میں بولنا چاہوں گا۔ کون جہاد کی call دے سکتا ہے؟ ہر دوسرا آدمی جہاد پر چل رہا ہے۔ یہ یکجہتی ہے؟ یہ اسلام کی یکجہتی ایسی تھی شروع میں جب اسلام پھیلا تھا۔ نہیں۔ایک central authority تھی جبھی تو اسلام دنیا میں پھیلا تھا auyhority سینٹر سے آ رہی تھی۔ یکجہتی تھی Unity commmand تھی، آرڈر ایک جگہ سے آتا تھا، ہزار جگہ سے آرڈر نہیں ہو سکتے وہ تو بکھر جائیں گے تو لہذا کسی کو حق نہیں پہنچتا جہاد کی call کا۔ صرف حکومت call دے سکتی ہے جہاد کی، میری understanding یہی ہے۔ پھر جہاد کیا ہے؟ جہاد پھر کیا لڑنا مرنا ہے۔ جہاد کو جہاد اکبر بھی ہم کہتے ہیں، ہمیں سکھایا گیا ہے اسلام میں ہے۔ یہ جو جہاد اکبر ہے وہ کہاں ہے؟ کوئی پتا نہیں ہے بالکل چھوڑا ہوا ہے نظرانداز کیا ہوا ہے، وہ تو بعض کے نزدیک ہے ہی کچھ نہیں۔ بس لڑنے مرنے کا نام ہے جہاد۔ نہیں جی جہاد اکبر بہت بڑی چیز ہے۔ یہی جو علم کی باتیں ہو رہی ہیں، یہی پسماندگی اور غربت کی باتیں ہو رہی ہیں، اس جہاد کی طرف غور کریں، جہاد ہی کے سلسلے میں میں بتانا چاہوں گا آپ کو کیونکہ اب مجھے موقع ملا ہے۔ اب دیکھیں اس کی وجہ سے ملک اوراسلام کی بدنامی ہو رہی ہے، حکومت کی بھی بدنامی، میری بھی بدنامی missing people آپ سن رہے ہوں گے، دیکھ رہے ہوں گے کہ جی Human rights کی organizations دنیا سے کہتی ہیں کہ جی missing people ہیں یہاں بدنام کون ہو رہا ہے۔ کہا جاتا ہے حکومت اٹھا رہی ہے لوگوں کو ہم کسی کو نہیں اٹھاتے ہیں۔ میں ان چیزوں میں believe نہیں کرتا ہوں جو پہلے ہوتی رہی ہیں پاکستان میں کہ گاڑی میں بندوق ڈال دو اور بندے کو سات سال کے لیے بند کردو، یہ ہم نہیں کرتے ہیں اور نہ یہ ہو رہا ہے۔ آپ کو تھوڑا سا میں بتانا چاہتا ہوں یہ ایک بیگم صاحبہ ہیں مسز جنجوعہ، آپ نے سنا ہی ہوگا، اخباروں میں پڑھا ہوگا، سولہ نام لیکر گھوم رہی تھیں وہ کیونکہ جو ان کے husband ہیں جنجوعہ صاحب ان کے والد spceial service group کے ہیں۔ میں بھی spceial service group کا آدمی ہوں، commandoes کا آدمی ہوں، وہ میرا ساتھی ہے اور اگر آپ جانتے ہیں فوج کو تو commandoes دیکھے گا تو گلے ملے گا۔ انہوں نے مجھے letter لکھا ہے اور میں نے معلوم کروایا کہ کدھر ہے یہ اور میں آپ کو اب بتاتا ہوں پورے ہائی کورٹس میں تمام provinces کے کورٹس میں میں نے check کروایا کہ کتنے ہیں یہ missing یہ کس نے کروایا ہے؟ کون ہے یہ؟ تینتالیس نام نکلے وہ تو سولہ کی بات کررہی تھیں، تینتالیس نام معلوم ہوئے کہ یہ ہیں missing پھر اس کی تفتیش ہوئی investigition میں نے کہا، معلوم کرو یہ کدھر ہیں۔ تینتیس کا سراغ مل گیا جن میں سے تیس لوگ رہا ہوئے ہیں اور نام جو بھی تھے، برے آدمی تھے، آزاد پھر رہے ہیں ان کے نام بھی چھپواؤں گا میں، میں بتا رہا ہوں۔ دس کا بھی پتا ہو گیا ہے ان میں سے تین یہاں سے نہیں پکڑے گئے، افغانستان سے پکڑے گئے۔ وہ وہاں بیٹھے ہیں۔ اور باقیوں کے خلاف پرچے کٹے ہوئے ہیں اور cases ہیں۔ دس لوگ ہیں جن کا پتا نہیں ہے، ان دس میں وہ جنجوعہ صاحب بھی شامل ہیں اور جنجوعہ صاحب کدھر ہیں، جنجوعہ صاحب کی بیگم کو معلوم ہے یہ۔ تبلیغ پر گئے پشاور، Raiwind میں تو ہمیں معلوم ہے، پشاور میں تبلیغ کے لیے گئے ہیں یا کسی اور مقصد کے لئے مجھے نہیں معلوم۔ ادھر سے یہ بھی ہمیں معلوم ہوا کہ جیش محمد کو join کیا

انہوں نے، ان کی تصویر بھی میں چھپواؤں گا، پھر آپ خود ہی دیکھ لیں کہ کہاں گئے ہوں گے وہ۔ پتا نہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے بعد کہاں گئے ہیں۔ باقی رہے تو، مجھے یا کسی کو بالکل نہیں معلوم کہ یہ کہاں گئے ہیں؟ کیا وہ کہیں نکل گئے ہیں۔ باہر جہاد پر نکل گئے ہیں، کہاں نکل گئے ہیں، کسی کو نہیں پتا۔ اس کے بعد میں ایک اور بات بھی بتاؤں کہ ابھی Human Rights Orgsnization نے ایک سو تینتالیس نام کی ایک list پکڑا دی ہے وہ list چھبیس مارچ کو آئی ہے، پانچ دن پہلے میں نے اس کو دیکھا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دکھاؤ مجھے کیا ہے بھئی یہ چکر۔ ان میں سے پچاس فیصد کا نام لکھا ہوا ہے پنجاب۔ محمد سیف پنجاب۔ ارے بھائی ہم سارے محمد سیفوں کو پکڑ لیں۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ 42 % کا province دیا ہوا ہے، سندھ اور شہر دیا ہوا ہے۔ ہم اب شہر میں گھومتے رہیں اس نام کو لے کر۔ تو کیا ہو رہا ہے یہ ہمارے ساتھ اور باقی نو فیصد ان کے addresses ہیں، ان میں check کروں گا، اب تک کوئی بارہ، چودہ ایسے ہیں جن کے addresses بھی ہیں ان کو check ہم کریں گے۔ وہ کدھر ہیں، ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ باقی کوئی details پتا ہو تو آدمی آگے چلے۔ میں اتنی detail میں صرف اتنا بتانا چاہ رہا تھا کہ کس لیئے دنیا میں ہماری بدنامی ہے۔ اسلام کی بھی بدنامی ہے کہ لوگ یہاں خود ہی نکل جاتے ہیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام کی بدنامی ہے، جہاد پر نکلے ہوئے ہیں لوگ۔ اور میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے اپنی speeches میں وہ اتنی دردناک ہے، میں دوبارہ یہاں بھی repeat کر دوں کہ ایک باپ نے مجھے letter لکھا کہ ان کا بیٹا غائب ہے اور مجھے کہہ رہے ہیں کہ بیٹا دلواؤ ہم ڈھونڈیں اسے، میں نے ہی intelligence والوں کو کہا کہ ڈھونڈو اس کو، کدھر ہے، کس نے غائب کیا؟ سکول سے غائب ہے۔ سولہ، سترہ سال کا ہے۔ مل گیا وہ، وہ بھی جہاد کرنے جا رہا تھا۔ اس کو ورغلایا گیا چل بھئی ماں باپ سے پوچھے بغیر چل پڑا۔ یہ میں نے اتنا time لگا دیا کیونکہ میری نظر میں ہمارے معاشرے میں ایک خلفشار پیدا ہو رہا ہے۔ مائیں، بہنیں، باپ، بھائی اپنے لوگوں کو الجھا رہے ہیں وہ۔ غائب ہو جاتے ہیں، نکل جاتے ہیں اور پیچھے لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں کہ روتے رہیں۔ اس معاشرے کو ہم نے صحیح کرنا ہے اور اس میں میں آپ کی توجہ بھی چاہتا ہوں اور آپ اپنی اپنی capacity میں کریں، جیسے مرضی کریں، وہ آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں تو لہذا میرے بھائیو اور بہنو! ہم کر کیا رہے ہیں اپنے ساتھ، میری نظر میں ہم اسلام کے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں، ایک نے بڑا اچھا remark pass کیا تھا کہ مسلمان تو ہیں پاکستان میں لیکن اسلام تو چین اور جاپان اور scandanavian countries میں ہے۔ ہم مسلمان ضرور ہیں لیکن صحیح اسلام، اس کی روح spirit کو ہم نے چھوڑ دیا ہوا ہے۔ حقوق اللہ پر پورا زور ہے اور حقوق العباد کو totally نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ میرے بھائیو اور بہنو ہم ایسے ترقی نہیں کر سکتے I don't think so ہم آگے نہیں جا سکتے اس طریقے سے، یہ راستہ نہیں ہے آگے جانے کا۔ ہر آتا جاتا ہے، ہم آئے ہوئے ہیں چلے جائیں گے کل۔ پاکستان کو اگر آگے جانا ہے اور ہماری آگے آنے والی نسلوں کو آگے جانا ہے تو یہ راستہ نہیں ہے آگے جانے کا اور ہم نقصان اٹھائیں گے۔ قومیں زوال کی طرف چلتی ہیں، نیچے چلتی جاتی civilizations کو آپ نے پڑھا ہو گا۔ اوپر کی بھی civilizations ہوتی ہیں، اور زوال کی طرف جاتی ہوئی civilizations بھی ہوتی ہیں۔ زوال کی طرف چلتی ہیں ختم ہو جاتی ہیں، جو اوپر چل رہی ہوتی ہیں وہ اوپر چلتی ہیں اور

پچاس،سو سال میں عروج پر پہنچتی ہیں۔ یہ راستہ زوال کا راستہ ہے، نیچے لے جانے کا راستہ ہے۔ ہم نیچے چلتے جائیں گے اورختم ہو جائیں گے خدانخواستہ۔ تو لہذا وقت اب آ گیا ہے کہ ہم introspection کریں جیسے میں نے کہا، اپنے آپ کو آئینے میں دیکھیں، میں نے کچھ Points لکھے تھے تو ان کو دیکھیں Paradoxes ہیں، ایک تفرقات ہیں۔ Dichotomy and Paradoxes یعنی تضادات ہیں۔

نمبرایک، کیا اسلام امن کا مذہب ہے یا خانہ جنگی کا مذہب ہے؟ کونسا مذہب ہے یہ؟ ظاہر ہے امن کا مذہب ہے۔ لیکن Practice میں لائیں جی۔ Practice میں تو دنیا نہیں سمجھ رہی ہے کہ یہ امن کا مذہب ہے اور دنیا پڑھتی نہیں ہے۔ دیکھیں دنیا اسلام اورقرآن شریف نہیں پڑھتی نہ اس کا ترجمہ پڑھتی ہے، دنیا تو دیکھتی ہے کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں وہ اسلام ہے۔ دوسری بات اسلام کیا یکجہتی لاتا ہے یا بکھر رہا ہے؟ بکھر رہے ہیں ہم اسلام کی وجہ سے۔ کیا ہمارے لئے یکجہتی آ رہی ہے یا ہم بکھر رہے ہیں؟ اس کا جواب دیں۔ ہم بکھر رہے ہیں، اندورنی طور پر بکھر رہے ہیں۔ کیا اسلام دوسرے مذہبوں کے خاتمے میں یقین رکھتا ہے کہ ان کو ختم کیا جائے سارے مذہبوں اور دوسروں کو یا ان کے ساتھ مل جل کر ایک co-existence میں believe کرتا ہے اور اس co-existence کے ذریعے، ایک personal example کے ذریعے وہ اگر آنا چاہتے ہیں ہماری طرف تو بیشک وہ آئیں۔ جیسے میری بہن آئی ہیں، ان کے ساتھ زبردستی تو نہیں ہوا، یہ ایک exmaple سے آئی ہیں، اپنی مرضی سے آئی ہیں، اسلام قبول کیا ہے۔ there must have been somebody who motiviated you and through personal example and that is why you started learning you started reading you started knowing about Ialam and then you converted through conviction not by force not by orders, no body changes by orders

روس میں جب میں Central Asian Republics میں جاتا ہوں، وہاں کئی دفعہ مساجد میں میں جاتا ہوں علماء سے ملتا ہوں۔ ستر سال وہ ہی بتا رہے تھے مجھے، قرآن شریف banned تھا، قرآن شریف پڑھنا وہاں ban تھا، ستر سال تقریباً لیکن اسلام نہیں ختم ہوا۔ آج بھی وہ کہتے تھے کہ قرآن شریف ہم سمگل کر کے، قرآن شریف چھپا کر، سمگل کر کے لاتے تھے۔ موم بتیوں میں پڑھتے تھے، تو وہ نہیں ختم ہوا۔ تو میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کوئی زبردستی نہیں کرسکتا۔ تو ہمیں مل جل کر دوسرے مذہبوں کے ساتھ رہنا ہے اور پھر اپنی ایک ایسی Personal example دینی ہے، سامنے پیش کرنی ہے علم کی، development کی، کردار کی کہ وہ کہیں کہ یہ لوگ تو کیا لوگ ہیں۔ یہ انصاف ہے۔ وہ پھر convert ہوں گے۔ چوتھی بات اسلام کیا ایک ترقی پسند مذہب ہے یا ایک regressive یا Progressive ہے، یا قدامت پسند ہے۔ ترقی پسند ہونا چاہئے لیکن کچھ عناصر جو views رکھتے ہیں وہ تو ہمیں پیچھے لے جائیں گے۔ interpretation اسلام کی۔ کس کو حق ملتا ہے کہ وہ اسلام کی interpretation کرے؟ علماء کو حق ملتا ہے، سب علماء کو حق ملتا ہے، جتنے بھی ہیں لیکن یہ کوئی کہے کہ نہیں صرف مجھے حق ہے، میری interpretation صحیح ہے باقی سب غلط ہیں تو یہ بالکل غلط ہے۔ آخر میں essence of Islam جو روح ہے وہ حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد ہے جسے میں نے کہا حقوق العباد کو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے، یہی

ہمارا قصور ہے اور اسلام کو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے جب تک اس پر واپس نہیں ہم آئینگے اور دل و دماغ سے نہیں آئیں گے تو آگے نہیں جا سکیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہاں competition ہوا ہے سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا، لوگوں نے اپنے ideas لکھے ہیں، وہ ideas سب پڑھیں کھل کر پڑھیں تا کہ دوسروں کے ideas بھی absorb کر سکیں آپ لوگ۔ یہی میں نے باتیں کرنی تھیں، مجھے معلوم ہے میں نے بہت لمبی باتیں کی ہیں جیسے میں نے کہا کہ کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ میں کوئی عالم ہوں اسلام کا لیکن میں دماغ حاضر رکھتا ہوں اور آنکھ سے دیکھتا ہوں اور کان سے سنتا ہوں اور Practical application دیکھتا ہوں تو اس سے مجھے بہت افسوس ہوتا ہے تو میری دعا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ راست دکھائے اور پاکستان کو ترقی کی طرف لے کر جائے۔ اللہ تعالیٰ عوام کو خوشحالی کی طرف لے کر جائے اور اللہ تعالیٰ اسلام کی صحیح روشنی ہمیں دکھائے اور امہ کو اپنے عروج پر لے کر جائے۔ Thank you

اختتامی اجلاس

قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۷ء کے اختتامی اجلاس میں جناب محمد اعجاز الحق، وفاقی وزیر مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر کے استقبالیہ کلمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

واجب الاحترام وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

محترم ڈاکٹر خالد مسعود، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

جناب ڈاکٹر عامر لیاقت حسین، وزیر مملکت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر

جناب وکیل احمد خان، سیکریٹری وزارت مذہبی امور

مہمان محترم حجۃ الاسلام سید عمار الحکیم

وزراء وسفراء کرام

مشائخ وعلماء عظام

معزز حاضرین محفل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں ۳۱ ویں قومی سیرت کانفرنس کی اس تقریب سعید میں عزت مآب وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان محترم شوکت عزیز اور آپ سب کا خیر مقدم کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہو کہ آپ سب نے ہماری درخواست کو پذیرائی بخشی اور اس محفل میں شرکت فرمائی۔

جناب وزیر اعظم!

حقیقت یہ ہے کہ سیرت کانفرنس یا اس قسم کی محفل کا انعقاد، دولت ایمان و یقین کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس ذات گرامی کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنا ہے جس کے لیے خالق ارض و سماء نے پوری کائنات کو تخلیق کیا۔ دوسرا اہم مقصد لوگوں میں سیرت نویسی کی تحریک اور سیرت خوانی کا شوق پیدا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں وزارت مذہبی امور ہر سال قومی اور علاقائی زبانوں میں سال کے دوران میں لکھی گئی کتب سیرت کے مقابلے منعقد کرتی ہے اور مستحق افراد کو انعامات سے نوازتی ہے۔

معزز خواتین وحضرات!

سیرت نگاری کے مقابلوں کا ایک اور اہم مقصد، مغرب کے ان اعتراضات کا جواب دینا ہے جو اسلام اور پیغمبر

اسلام کی شخصیت اور مشن پر عائد کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول میں ہمیں بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

عزیزانِ گرامی!

محسن انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کی مبارک محنت سے ایسا خوشگوار انقلاب آیا کہ لوگوں کے دل بدلے، دماغ بدلے، عادتیں بدلیں، بلکہ پورا نظام حیات ہی بدل گیا، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً رہنمائی نہ فرمائی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرلحاظ سے اور ہر معیار سے عظیم ترین ہیں، یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سالوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر آج تک نہ جانے کتنی کتب مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں اور ان سب کا حاصل یہی ہے کہ امت مسلمہ ہر شعبہ زندگی کے متعلق محسن انسانیت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ ہدایت سے واقف ہوکر دامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی کو مضبوط کریں اور اپنے اندر حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کریں، سیرت طیبہ ایک ایسا پاکیزہ موضوع ہے، جس پر اظہار خیال کے لیے زمانوں کی ضرورت ہے، کیونکہ توصیف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی ادا کرسکتی ہے البتہ اللہ جل شانہ اپنے جس بندے پر اپنے فضل وکرم کا خاص دروازہ کھولنا چاہتے اس تعریف مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

محسن انسانیت، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اطاعت کریں اور دین اسلام داعی بن کر تمام دنیا کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنادیں۔

جناب وزیر اعظم پاکستان!

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی وزارت نے آپ کی اجازت سے، اس کانفرنس کا موضوع ''امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک۔ سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں'' مقرر کیا۔ اسی عنوان پر خواتین وحضرات کے مابین مقابلہ مقالات سیرت بھی منعقد ہوا۔

موضوع کے ضمن میں حسب روایت مجھے بھی کچھ نہ کچھ کہنا ہے۔ اگرچہ میں خود کو اس قابل تو نہیں سمجھتا تاہم میں اپنے خیالات کو مختصر الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے نزدیک سب سے اہم چیلنج جو امت مسلمہ کو درپیش ہے، وہ یکجہتی، وحدت اور اتحاد و یگانگت کا فقدان ہے۔ لہٰذا ان تمام عوامل کی بیخ کنی لازمی ہے، جو ایک وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوں۔ ان میں سرفہرست برادری ازم قبائلی عصبیت، علاقائیت، قومیت، فرقہ واریت ہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ دہشت گردی اور سفاکیت اور خودکش حملے ہیں۔ دہشت گردی اس آکاس بیل کی مانند ہے، جو پوری دنیا پر پھیل گئی ہے اور یہ ہردور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ کبھی ڈھکے چھپے انداز میں اور کبھی کھلے عام، کبھی بم دھماکوں کی صورت میں اور کبھی خودکش حملوں کی صورت میں، کبھی روایتی اور کبھی غیر روایتی ہتھیاروں سے، غرضیکہ ہر روپ اور ہر انداز میں کہیں نہ کہیں قیامت ڈھاتی اور اشرف المخلوقات کو لقمہ اجل بناتی رہی ہے۔ آج بھی اپنی تمام اشکال لیے ہر کہیں موجود ہے۔

دین اسلام اتفاق و اتحاد کا مذہب ہے۔ یہ اخلاق اور محبت، بھائی چارے اور آزادی فکر کا دین ہے۔ یہ دین کسی پر ظلم و تشدد ہوتا نہیں دیکھ سکتا بلکہ زندگی کے ہر لمحے میں امن و سلامتی چاہتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنے اصولوں اور فرائض میں شامل کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام مذہبی انتہاپسندی کی آڑ میں کسی پر ظلم و زیادتی جبر و تشدد کا ہرگز روادار نہیں۔

جناب عالی اب دیکھنا یہ ہے کہ دورجدید کے تقاضے اور چیلنجز کیا ہیں۔ یہ چیلنجز بے شمار ہیں البتہ ان میں سے سب سے پہلے ہمیں اپنے ملک سے دہشت گردی اور فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے اجتہاد کرنا ہوگا۔ موجودہ دور اپنے ساتھ بے شمار چیلنج اور مواقع لے کر آیا ہے یہ وقت ہمارے لئے بڑا اہم ہے ایک طرف چیلنجوں کا سامنا ہے دوسری طرف ہمیں ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہے۔ معاشرے میں کچھ عناصر نے تشدد پسندی کے ذریعے پاکستان کا امیج متاثر کیا ہے اس غلط تاثر کو دور کرنا ہمارے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ ہماری قومی تہذیب اور مذہبی نظریات کے بارے میں جو سوالات اٹھائے جارہے ہیں ان کا جواب اسلام کی صحیح تعلیمات کے ذریعے ہی دیا جا سکتا ہے۔

محترم حاضرین!

ہماری یہ پالیسی ہونی چاہیئے کہ ہم ایک طرف دنیا کی بڑی طاقتوں کے ساتھ برابری کے اصولوں پر تعلق استوار کریں تو دوسری طرف مظلوم اقوام کے حق خود ارادیت کے لیے کوشش کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہم داخلی طور پر مضبوط ہوں، داخلی اور خارجی حالات کے پیش نظر، آج کے مبارک دن کی مناسبت سے ہمیں یہ عزم کرنا ہوگا کہ ہم من حیث القوم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں رکھیں گے اور ایک اکائی بن کر تمام داخلی و خارجی حالات کا پوری جرأت کے ساتھ مقابلہ کر کے ملکی فضاء کو پرامن بنائے رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیں گے۔

اسلام ایک مکمل، میانہ روی، معتدل اور امن پسند دین ہے۔ لہذا یہ دانش و عقل کا تقاضا ہے کہ ہمیں ہر قسم کے اختلافات کو بھلا کر وطن عزیز کی سلامتی، خوش حالی اور تابناکی کی طرف دھیان دینا ہوگا۔ ایک ایسا ملک بنانا ہوگا جو اسلامی ہو۔ جو رواداری کا امین ہو، جو مسلمانوں اور عام انسانوں کو رہنمائی میسر کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امت وسط کہا ہے کہ یہ ہمیشہ اعتدال کی راہ پر چلتی ہے۔

جناب وزیراعظم پاکستان!

آج کی سیرت کانفرنس کے کل دو اجلاس ہوئے ہیں۔ پہلا افتتاحی، دوسرا یہ اختتامی اجلاس جس کی صدارت آپ فرمارہے ہیں۔

جناب عالی!

وزارت ہر سال قومی، پاکستانی علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں کتب سیرت و نعت کے مقابلے، اسلامی موضوعات پر مقابلہ کتب خواتین اور سیرت و نعت پر خصوصی شمارے شائع کرنے والے رسائل و مجلات کے مقابلوں کے انعقاد کے اعلان کے ساتھ ساتھ کسی مخصوص عنوان پر مرد حضرات اور خواتین کے لیے مقابلہ مقالات سیرت کے انعقاد کا

اعلان کرتی ہے۔ موصول ہونے والی تمام ENTRIES کا وزارت میں ابتدائی طور پر جائزہ لیا جاتا ہے۔ منتخب ہونے والی کتاب کو کم از کم تین ماہرین پر مشتمل Judges کمیٹی کو جانچ پڑتال کے لئے ارسال کیا جاتا ہے۔ پھر ان ماہرین کی رپورٹوں اور آراء کو ایک دوسری اعلیٰ کمیٹی، اپیکس کمیٹی، کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جو ہر کتاب کا، اس کے بارے میں ججز کمیٹی (Judges Committees) کی طرف سے موصول شدہ رپورٹس کی روشنی میں جانچ پرکھ کے بعد، حسب حال انعام کا مستحق قرار پانے یا نہ پانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ انعامات کے فیصلے کے عمل کے بارے میں وزارت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ انعامات کا حتمی فیصلہ اپیکس کمیٹی کے معزز اراکین ہی کرتے ہیں۔

اس سال بھی مقابلے منعقد ہوئے۔ اس ضمن میں وزارت کو کل ۹۷ کتب سیرت و نعت اور ۱۰۴ مقالات سیرت موصول مقابلے منعقد ہوئے۔ ان میں سے ابتدائی جائزہ کے بعد منتخب ہونے والی ۷۵ کتب اور جملہ مقالات سیرت کو ججز کی کمیٹیوں کو جانچ پڑتال کے لئے بھیجا گیا۔ اپیکس کمیٹی (Apex Committee) کے فیصلے کے مطابق اس سال کے مقابلوں میں انعامات کا حق دار قرار پانے والوں کو وزیر اعظم پاکستان اپنے دست مبارک سے کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں انعامات عطا فرمائیں گے۔

میں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمیں اسلام کی حقیقی تعلیمات کی حقیقی سمجھ عطا کرتے ہوئے باہمی تفرقات، نفرت و عناد اور دشمنی سے بچائے اور ہمیں اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں وطن عزیز کے روز و شب منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے ساتھ ہی میں عالی جناب وزیر اعظم پاکستان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس سال مقابلہ کتب سیرت و نعت اور مقابلہ مقالات سیرت میں انعام کے حق دار قرار پانے والے خوش نصیب خواتین و حضرات میں اپنے دست مبارک سے انعامات تقسیم فرمائیں اور اس کے بعد اپنا اختتامی خطاب پیش فرمائیں۔ شکریہ

پاکستان پائندہ باد

وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان محترم شوکت عزیز

کا قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس ۲۰۰۷ء سے اختتامی خطاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب اعجاز الحق صاحب

ڈاکٹر عامر لیاقت صاحب

جناب وکیل احمد خاں صاحب

ڈاکٹر خالد مسعود صاحب

عراق سے آئے ہوئے معزز مہمان عمار الحکیم صاحب

میرے بزرگو! بھائیو اور بہنو!

السلام علیکم!

آج اس مقدس دن میں آپ سب سے ملاقات ہوئی۔ میں آپ سب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ یہاں آئے۔ اس دن کی افادیت ہر مسلمان کے لیے واضح ہے۔ ماشاء اللہ آج اس ہال میں ایسی شخصیات بیٹھی ہوئی ہیں جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دین کی طلب اور دین کے بارے میں اور معلوم کرنا اور تجزیہ کرنا ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ آپ سب نے ہمیں بہت سکھایا ہے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ میں وزارت مذہبی امور کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس اہم دن میں، انہوں نے یہ سیرت کانفرنس منعقد کی ہے اور ایسی جتنی بھی کانفرنسز ہوں میری نظر میں کم ہیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے پورے ملک کو، پوری اپنی امہ کو ایک پلیٹ فارم پر لانا ہے۔ ہمارا دین اسلام ہے اور برصغیر کے مسلمانوں نے بڑی قربانیاں دے کے اس ملک کو حاصل کیا ہے۔ یہ وہی پاکستان ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا اور میں نے اکثر اپنی تقاریر میں کہا ہے کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ اس قلعہ کی حفاظت کرنا ہم سب کا فرض ہے اور خدانخواستہ اگر پاکستان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو یہ ہمارے دین کا نقصان ہوگا۔ ہمیں مل کے اپنے دین اور اپنے ملک کی خدمت کرنی ہے اور بہتری کی طرف چلنا ہے۔ اس میں ہر فرد نے اپنا کردار ادا کرنا ہے اور ان شاء اللہ ہم کریں گے۔ ہم ہمیشہ جو بھی اقدام کریں گے اور ہماری حکومت جو بھی پالیسی لائے گی، وہ ہمیشہ ان اصولوں پر قائم رہے گی۔ ہمارے دین اور ہمارا ملک سے زیادہ ہمارے لیے کچھ اہم نہیں ہے اسی کی بہتری کے لیے ہم کام کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ کرتے رہیں گے۔

آج کا دن ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ بتاتا ہے وہ اسی دن دنیا میں تشریف لائے اور آپ ﷺ کی زندگی سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ سچ، دیانت، رواداری، امن، ایثار اور قربانی یہ سب چیزیں ہیں، جن

پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں عمل فرمایا اور جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھائی ہیں۔ آج ہم ان چیزوں پر عمل کریں تو ہمارا ملک، ہمارا مذہب، ہمارا دین اور ہم سب اور مزید آگے بڑھیں گے اور دنیا میں ایک مقام اور وقار پیدا کریں گے۔

حضور ﷺ ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرو۔ آپس میں اتحاد پیدا کریں یتیموں، بیواؤں، کمزوروں اور بیماروں کی مدد کریں ان کو کبھی نہ بھولیں۔ ان کو بھی ہماری ضرورت ہے اسی طرح قومیں ترقی کرتی ہیں اسی طرح ملک ترقی کرتے ہیں خاص طور پر خواتین اور بچوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ تاکید کی ہے کہ ان کا خاص خیال رکھا جائے۔ آج مجھے بڑی خوشی ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں ہماری بہنیں اور بیٹیاں یہاں موجود ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہماری حوصلہ افزائی ہوتی ہے کیونکہ ہمارے دین میں ہمیشہ خواتین کے کردار کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو اجاگر کیا گیا ہے جو طریقہ کار ہے، ہماری جو سوچ ہے اور ہماری روایتیں ہیں ان میں رہتے ہوئے بھی خواتین کو سپورٹ کرنا ہے۔ خواتین کے حقوق کا مطلب ویسٹرنائزیشن نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی کسی کو نہیں ہونی چاہیے ہم اپنے آداب میں رہ کر بہت کچھ کر سکتے ہیں آج، ہماری بہنیں اور بیٹیاں بہت کچھ کر سکتی ہیں ان شاء اللہ حکومت آپ کا ساتھ دے گی۔

ہمارے دین نے ہمیں اخلاص بھی سکھایا ہے اور افہام وتفہیم سے مسائل کا حل ڈھونڈنے کا حکم ہے اگر بھائی چارہ ہو اور نیت صاف ہو، رواداری کا ماحول ہو، امن کا ماحول ہو تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا، جس کا حل نہ مل سکے۔ ہمیں کبھی بھی کسی کو یہ اجازت نہیں دینی چاہیے کہ دین کے نام پر وہ کوئی ایسا اقدام کریں جس سے سب کو نقصان ہو۔ ہمیں کبھی یہ اجازت ملی ہے اور نہ ہی کبھی ملے گی اگر آپس میں ہمارا اتحاد ہو تو آپ دیکھیں گے کہ ہم ہر محاذ پر کامیاب ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

اسلام کی تاریخ دیکھیں، ابھی کچھ دن پہلے میری بڑی خوش نصیبی تھی، اعجاز الحق صاحب بھی میرے ساتھ تھے ہم ازبکستان گئے اور بخارا اور سمرقند گئے۔ خواتین وحضرات! وہاں ایک عجیب سماں تھا ہمیں وہاں بتایا گیا کہ جب سوویت یونین تھا، ستر سال سے مساجد بند پڑی تھیں اور تالے لگے ہوئے تھے۔ ایک مسجد کے بارے میں بتلایا گیا کہ یہ فرٹیلائزر کا گودام تھا، ویئر ہاؤس تھا اور یہاں کوئی عبادت نہیں ہوتی تھی اب ماشاء اللہ وہاں کے صدر نے بڑا کام کیا ہے اور ایک ایک کر کے ہر چیز کو درست کیا ہے۔ وہاں ہمیں ایک مدرسے میں جانے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ خاص طور پر مدرسے کے انچارج مجھے بچوں سے ملاقات کے لیے لے کر گئے۔ پوری کلاس اور استاد کو ہم نے پاکستان آنے کی دعوت دی تاکہ وہ یہاں کے حالات بھی دیکھیں۔

مدارس کے بارے میں، میں یہ کہوں گا کہ کسی کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یہ میں نے بہت دفعہ کہا ہے اور صدر پاکستان نے بہت دفعہ کہا ہے کہ مدارس اور دینی تعلیم کسی بھی دین کا اہم جزو ہیں۔ دنیا میں آپ کہیں بھی چلے جائیں ہر دین (انگریزی میں سرمینیز کہتے ہیں) سرمینیز کا سلسلہ ہے۔ ہمارے دین میں بھی ہے یہ تعلیم کسی بھی معاشرے کو بہتر کرنے کا نہایت بہترین ذریعہ ہے اور وہی دین پھر ہماری نئی اور نوجوان نسل کو صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا۔

اب یہ ہے کہ اگر کوئی عنصر دینی تعلیم کے ذریعے، ہماری نوجوان نسل میں منفی سوچ پیدا کرے، جس سے وہ صحیح

راستے سے ہٹ جائے تو حکومت کو علماء کو اور مشائخ کو اپنی آواز بلند کرنی چاہیے۔ اگر ہمیں کوئی ایسا قدم نظر آئے جس سے ہمارے دین کو نقصان ہو تو ہمیں اس کا تدارک کرنا چاہیے کیونکہ عالم اسلام پر اور خاص طور سے پاکستان پر آج پوری دنیا کی نظریں ہیں۔ پوری دنیا میں ہر موقع پر، ہمارے دین اسلام کے بارے میں بحث ہوتی ہے، چاہے کوئی بھی سبجیکٹ ہو، کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طریقہ سے وہ کہتے ہیں کہ دیکھیں جی اسلام میں یہ ہو رہا ہے یا خدانخواستہ کوئی غلط بات منسوب کر دی جاتی ہے ہم ہر جگہ یہ واضح کرتے ہیں کہ ہمارا دین امن پسند ہے۔ ہمارا دین بھائی چارے، امن اور رواداری کو فروغ دیتا ہے یہ جو حادثے جن کا ابھی اعجاز الحق صاحب نے ذکر کیا ہے اور جن کا ذکر صدر پاکستان نے آج اس کانفرنس کی صبح کی افتتاحی نشست میں بھی کیا تھا وہ حادثے ہمارے دین کے مطابق نہیں ہیں۔ ہمارا دین یہ نہیں کہتا جس سے کسی کو نقصان پہنچے جس سے کسی کی جان جائے، اس کی کیا غلطی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں اپنے مدارس میں نوجوان نسل کو صحیح تعلیم اور صحیح اصولوں سے آگاہ کرنا ہے اور ہم ماشاء اللہ کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ہم مدارس میں اصلاحات لا رہے ہیں تیرہ (13000) ہزار مدارس رجسٹر ہو چکے ہیں ان میں اصلاحات کر رہے ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، دنیا میں کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے جس میں اصلاحات کی ضرورت نہ ہو اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں آج اصلاحات کی ضرورت نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ یہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ ان کے مسائل کیا ہیں ہمیں جان لینا چاہیے کہ پوری دنیا تبدیل ہو رہی ہے، دنیا میں نئی نئی چیزیں آ رہی ہیں، ہمیں اپنی سوچ کو بدلنا ہے مگر اصول بدلنا اور سوچ بدلنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہم اصولوں پر قائم ہیں اصولوں پر ہم کبھی کمپرومائز نہیں کریں گے۔

پہلے زمانے میں، ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں نہ جہاز تھے نہ ٹرین تھی وہ آتے جاتے تھے۔ اب ماڈرن طریقے اور ذرائع ہیں جنہیں ہم استعمال کر رہے ہیں۔ ہر شعبہ میں تبدیلی آ رہی ہے ہم سنٹرل ایشیاء، سمرقند اور بخارا گئے میں واپسی کے سفر پر جناب اعجاز الحق سے بات کر رہا تھا کہ آپ وہاں دیکھیں کہ ماشاء اللہ امام بخاری صاحب اور بہاء الدین نقشبندی صاحب سب کے مزاروں پر ہم گئے، ہم نے وہاں قوم وملک اور آپ سب کی طرف سے وہاں حاضری دی۔ وہاں آپ دیکھیں کہ کیا رونق ہے ان کو دور علم کا زمانہ تھا۔ مسلمان سائنسدان اور نامور حساب دان وہاں پیدا ہوئے وہ دنیا کا ایک ایسا مرکز تھا جہاں تعلیم، علم تھا۔ یہ بھی اسلام تھا اور آپ دیکھیں کہ آج تک علم حاصل کرنے کے لیے جو کام وہاں ہوا ہے۔ وہ شخصیات آج تک دنیا میں مانی جا رہی ہیں اور اس کی وجہ سے آج ہمارا دین میں پھلا پھولا ہے اور ہمیں اس کو آگے لے کر چلنا ہے۔ آج کل کے حالات میں جو بھی ہوں، ضروریات جو بھی ہوں، ان کے مطابق ہمیں اپنی سوچ کو بدلنا ہے میں یہ بھی کہوں گا کہ اس ضمن میں کوئی کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ ہم اپنے اصولوں سے ہٹ جائیں گے یاد رہے کہ ہم اپنے اصولوں سے کبھی نہ ہٹیں ہیں اور نہ ہی ہٹیں گے۔

مدرسوں میں تعلیم کی بات کے ضمن میں یہ یاد رہے کہ دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم دونوں ہی ضروری ہیں۔ دونوں شعبوں میں ہمیں ترقی کرنی ہے۔ ہم کسی سے پیچھے رہنا نہیں چاہتے پاکستان سولہ کروڑ عوام کا ملک ہے اس ملک نے اگر ترقی کرنی ہے تو ہمیں علم حاصل کرنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ اگر علم حاصل کرنے کے لیے چین بھی جانا ہو تو دور نہیں

ہے۔علم حاصل کرو اورہم نے دیکھا کہ علم کے ذریعے اسلام اتنا پھیلا جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا تو دنیاوی تعلیم اور دینی تعلیم دونوں کو حاصل کرنا ضروری ہے جب سب مین سٹریم میں آئیں گے تو سب کا فائدہ ہو گا اگر آپ کو تعاون کی ضرورت ہے اور اگر کسی کو نہیں ضرورت تو اللہ تعالیٰ آپ کو اور برکت دے اور اگر ہماری مدد کی ضرورت ہے چاہے کریکولم ہو، اس میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے اور ان شاء اللہ ہم کرتے رہیں گے مدرسوں کو جو رول ہے ہے اور میں کہوں گا معذرت کے ساتھ جو دینی تعلیم ہے وہ گھر میں بھی ہوسکتی ہے، مدرسوں میں بھی ہوسکتی ہے، سکول اور کالج میں بھی ہوسکتی ہے ہر جگہ ہمیں اس میں ایک بیلنس پیدا کرنا ہے کیونکہ اس سے ایک انسان کا کیرکٹر بنتا ہے۔

خواتین وحضرات! میرے بزرگو اور بھائیو!

آج کا اسلام اسے دنیا میں بہت چیلنجز کا سامنا ہے دنیا میں کافی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں جس کی وجہ سے اسلام کے بارے میں غلط سلط باتیں پیدا ہوئی ہیں۔ مگر میں جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، صرف ان کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتا ہم اپنے آپ کو بھی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں ہم نے اپنے دین کے بارے میں غلط رویوں کو ختم کرنا ہے، اس دین کی فلاسفی اور اس دین کی اقدار کو اس دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ ہم دنیا سے بھاگ نہیں سکتے ہمیں دنیا میں رہنا ہے ہمیں دنیا کو بتانا ہے کہ بھائی چارہ، رواداری اور امن و امان اسلام کا خاصہ ہے اور یہ ایسا دین ہے جو آج کل اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ آج آپ دیکھیں کہ پاکستان ایک جوہری طاقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے یہ طاقت کسی اور مسلم ملک کو حاصل نہیں ہے۔ یہ بھی ہمارے سائنسدان، ہمارے بزرگ اور ہمارے لوگوں کی محنت کا ثمر ہے آپ سب کی دعائیں شامل حال رہیں جس سے ہم اس مقام پر پہنچے۔

پاکستان کا دنیا میں ایک رتبہ ہے جو اسلامی دنیا میں کسی اور ملک کا نہیں ہے اسلامی ممالک میں اتحاد کا مسئلہ ہے وسائل بہت ہیں، مسائل بھی ہیں۔ وسائل کو ہم نے استعمال کرنا ہے اور مسائل کو حل کرنا ہے پوری امہ کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ یہ نہ ہو سکے ہم میں اتحاد ہوگا تو ان شاء اللہ ہم آگے بڑھیں گے ہمیں ملکی لیول پر اتحاد و اتفاق کی دنیا کو ایک مثال دینی ہے کہ کس طرح ہم اپنا کام کر سکتے ہیں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے دین کی اور ملک کی بدنامی ہوتی ہے کچھ چیزیں آج ہو رہی ہیں اس سے ہمیں افسوس بھی ہوتا ہے کہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ، جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں انہیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اگر کسی نے انہیں بہکا دیا ہے اور غلط رستے پر ڈال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں درست رستے پر ڈالے۔ وہ بھی ہمارے بھائی ہیں، بہنیں ہیں، بیٹے ہیں اور بیٹیاں ہیں۔ جو ایسے اقدام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو صحیح راستے پر ڈالے کیونکہ اسی میں ہماری بہتری ہے ہماری بھی اور ہمارے ملک کی بھی ہم نے اس ملک کے لیے قربانیاں دیں اور اس ملک کے لیے ہم نے محنت کی اور عالمی دنیا میں بھی، جب ہمارے ہاں امن ہوگا، بھائی چارہ ہوگا، رواداری ہوگی، علم حاصل کرنے کا چلن ہوگا تو ترقی ہوگی اور آپ دیکھیں گے کہ ملک اور پوری امہ کا، دنیا کے کونے کونے میں نام روشن ہوگا۔ ہم کسی سے کم نہیں ہیں ہمارے میں کوئی کمی نہیں ہے ہمارا اگر کوئی کمزور پہلو ہے تو وہ اتحاد کا نہ ہونا ہے یہ جو فرقہ واریت، تشدد جیسی چیزیں ہو جاتی ہیں ان سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہے اس میں سب کا نقصان ہے۔ اس میں کسی کی جیت نہیں ہے جیت

اس وقت ہوتی ہے جب امن قائم ہو جیت اس وقت ہوتی ہے جب ترقی ہو جیت اس وقت ہوتی ہے جب ہم سب اپنے دین، اپنی دنیا اور اپنے ملک کی خدمت کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس سے ہم بھاگ نہیں سکتے اس کا مقابلہ کرنا ہے اور ان شاء اللہ ہم کریں گے اس میں سے ہم لوگوں کے بیچ رستے نکالیں گے بھاگنے سے کچھ نہیں ہوگا سامنا کریں گے اور اپنے ذہن سے اپنے علم وحکمت سے اس کا مقابلہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

خواتین وحضرات!

آج میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں بھائی چارہ، رواداری کی ضرورت ہے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کی ضرورت ہے آپ دیکھیں کہ ایک سال پہلے آج کا دن تھا نشتر پارک کراچی میں اتنی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ اب تک اس مسئلہ کی تحقیق ہو رہی ہے ہم نے ایک دن بھی نہیں چھوڑا یہ پیچیدہ مسئلہ ہے ابھی بھی کارروائی جاری ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی تہہ تک ہم پہنچیں گے۔ ان شاء اللہ

جن لوگوں نے ہمارے دین کو نقصان پہنچایا ہے، جن لوگوں نے ہمارے ملک کو نقصان پہنچایا ہے جن لوگوں نے قیمتی جانیں ضائع کی ہیں، ان کو حساب دینا پڑے گا۔ حکومت اس پر پیش رفت کر رہی ہے اور جیسے جیسے نتائج آئیں گے ہم آپ کو آگاہ کریں گے۔ ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سانحہ میں شہید ہونے والوں کی مغفرت کرے ان کے درجات بلند کرے۔

ماشاء اللہ اتنے علماء اور بزرگ یہاں بیٹھے ہیں میں آپ سے یہی کہوں گا کہ جیسا کہ میرے بھائی اعجاز الحق نے کہا ہے ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں آپ کا اہم رول ہے۔ آپ اپنا رول ادا کریں اور کبھی خدانخواستہ کوئی ایسا شخص، کوئی ادارہ ایسا منفی کام کر رہا ہو جس سے دین کو نقصان پہنچے گا تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ آواز بلند کریں اور اس کو روکیں۔ چونکہ ہم نے اپنے ملک کو بہتر کرنا ہے یہ نہیں کہ اگر آپ کو براہ راست اثر نہیں کرتا تو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ جی ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے اگر کوئی بہک گیا ہے، گمراہ ہوگیا ہے اور صحیح رستے سے ہٹ گیا ہے یہ جان لینا چاہیے کہ یہ ہم سب کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہم مل کر اس مسئلہ کا حل نکالیں آپ کا بہت اہم رول ہے آپ بزرگان دین ہیں۔

خواتین وحضرات!

مجھے اعجاز صاحب نے بتایا ہے کہ جن لوگوں نے آج یہاں پہلے سیشن میں تلاوت کی اور نعت خوانی کی ان لوگوں کو صدر صاحب نے عمرے کا ٹکٹ دیا اور ان کے لیے عمرہ کا اعلان کیا۔ اس سیشن میں جن لوگوں نے تلاوت کی اور نعت رسول مقبول ﷺ پڑھی ان کو میں عمرہ پر بھیجنے کا اعلان کرتا ہوں۔

ماشاء اللہ ابھی دو ماہ پہلے مجھے سعودی عرب جانے اور عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں کہ یا اللہ ہمارے دین کو مستحکم کر۔ ہمارے دین کو اس کی صحیح روشنی میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرما۔ پاکستان کو پوری دنیا میں ممتاز اور روشن مقام عطا فرما۔ پاکستان کے خلاف کام کرنے والوں کو ناکام بنا۔ (آمین)

خواتین وحضرات!

آخر میں، میں یہی کہوں گا کہ آج ہم سب یہاں موجود ہیں ان میں خواتین بھی ہیں، ہمارے بزرگ بھی ہیں اور ہمارے باہر سے آئے ہوئے مہمان بھی ہیں اور بھی اہم شخصیات یہاں موجود ہیں۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ پاکستان کے لیے، ہمارے دین کے لیے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لیے، ہم سب مل کے یہ تہیہ کریں کہ ان سب کو بہتری کی طرف لے کر جائیں گے۔ اپنے دین اور اپنے ملک کی ہم نے خدمت کرنی ہے۔ اسے بہتری کی طرف لے کر جانا ہے اور آپ سب کی دعا سے، آپ سب کی محنتیں ہونگیں۔ آپ سب کی دعائیں ہوں گیں تو ان شاء اللہ پاکستان عظیم سے عظیم تر ملک بنتا چلا جائے گا اور پوری دنیا میں اس کی عزت، وقار اور امیج بہتر سے بہترین کے ابھرے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو اللہ تعالیٰ آپ سب کو ملک و دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پاکستان پائندہ باد۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی-کراچی

الحمدُ للّٰہ ربّ العالمین والعاقبۃُ للمتّقین والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ سیّدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین. وبعد:

قال اللّٰہُ تعالیٰ فی کلامہ المُبین: "وَلَا تَھِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○ اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ط وَتِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَا وِلُھَا بَیۡنَ النَّاسِ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُھَدَآءَ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ○(۱)

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے — جو قلب کو گرما دے، جو رُوح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے — پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سُوئے حرم لے چل — اس شہر کے خُوگر کو پھر وسعت صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر — اس محملِ خالی کو، شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو — وہ داغِ محبت دے، جو چاند کو شرما دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے(۲)

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ''اُمّتِ مسلمہ'' دورِ حاضر میں ان گنت مسائل اور بے شمار چیلنجز سے دوچار ہے، اسلام کی پوری تاریخ میں اُمّتِ مسلمہ کو عروج و زوال، متعدد مسائل اور چیلنجز کا سامنا رہا ہے، چنانچہ کبھی فتنۂ تاتار نے ہماری عظمت وشوکت کو تاراج کیا، علم و حکمت کے اسلامی مرکز بغداد کے سقوط سے عظیم علمی روایات اور ثقافتی ورثے کو خطرات لاحق ہوئے، تو کبھی قرطبہ وغرناطہ اور اندلس کی عظیم اسلامی میراث زوال پذیر ہوئی۔ اقبال نے اس کے متعلق کہا تھا:

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
غلغلوں سے جس کے لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے!(۳)

بالآخر ۲۸ رجب ۱۳۴۲ھ بمطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو اُمّتِ مسلمہ کے عظیم مرکز اور مثالی اسلامی مملکت ''خلافتِ عثمانیہ'' کا خاتمہ ہُوا، اس طرح اُمّتِ مسلمہ کے دینی وملّی اتحاد، شان وشوکت، سطوت وعظمت اور طویل دورِ اقتدار اور حکمرانی کا خاتمہ ہوا، جس کے متعلق اقبال نے کہا:

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل   خشت بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

اس وقت سے اُمّتِ مسلمہ بے پناہ مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہے، تاہم دورِ حاضر میں اسے جو مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں، پیشِ نظر تحقیقی مقالے میں اسوۂ نبویؐ، سیرتِ طیبہؐ اور اسلام کی مثالی ہدایات وتعلیمات کی روشنی میں اس حوالے سے جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کا حل اور تدارک پیش کیا گیا اور موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مسائل اور چیلنجز کا احاطہ کرتے ہوئے علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کی تاسیس:

اسلام کی وسعت پذیری اور ہمہ گیری نے جب مختلف رنگ ونسل سے وابستہ قوموں، گروہوں اور افراد کو اپنے دامن میں سمیٹا تو ان کی انفرادی شناخت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک معاشرتی شناخت عطا کی۔ یہ شناخت نسلی، گروہی، علاقائی اور لسانی علامتوں سے متصادم نہیں تھی، بلکہ ان پر محیط تھی، اور ان کو اپنے جلو میں لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس لیے کہ یہ شناخت نظریاتی تھی۔ قرآنِ کریم نے اس شناخت کی بنیاد رکھ دی تھی، جب اس نے یہ اعلان کیا:

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔" (۴)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، پھر تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو۔ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ قابلِ تکریم وہ ہے، جو زیادہ متقی ہے۔

انسانی معاشرت کا ارتقاء مشیت ایزدی کو مطلوب ہے۔ معاشرت کی مادّی تنظیم اور اس کا تنوع انسان کی محنت، ضرورت اور تسکین کا ذریعہ ہے۔ اسے اس نے اپنے ماحول کے مطابق پروان چڑھانا ہے۔ اس کا استحکام و زوال اور اس کی ترقی و انتشار خالصتاً قوانینِ فطرت کے مطابق ہے۔ ہر مداخلت اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی بڑا انقلاب مطلوب ہوتا ہے۔ انسانی معاشرت منظم ہوتی ہے، ترقی کرتی ہے اور زوال پذیر ہوجاتی ہے۔ اس کی جگہ نئی معاشرت وجود میں آتی ہے اور یوں یہ سلسلہ چلتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک پہلو ایسا رکھا ہے جس کا تعلق اخلاقی وروحانی قوانین سے ہے۔ یہ وہ بنیادی ضوابط ہیں، جن سے کسی معاشرے کی صحت کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ ربّانی اصطلاح میں یہی ضوابط وہ معیارات ہیں، جن کو نظر انداز کرکے معاشرے بالآخر زوال پذیر ہوجاتے ہیں۔ انسانی معاشرت کے مختلف مراحل ہیں، ایک مرحلہ وہ ہے جہاں معاشرہ تمام مادّی شناختوں سے بالاتر ہوکر ایک اخلاقی روحانی اور فکری و نظریاتی مقام حاصل کرتا ہے، وہ مقام ہے جہاں نسلی، لسانی گروہی اور علاقائی نسبتیں ایک بڑی نسبت میں گم ہوجاتی ہیں، یہ ایک مثبت، نفع بخش اور تعمیری نظمِ معاشرت ہے، جو وسیع تر انسانی بنیادوں پر منظم ومستحکم ہوتی ہے۔ یہی وہ تنظیم جسے قرآن اُمّت کہتا ہے۔ اسلام نے انسانی اجتماعیت میں اس تنظیم کو متعارف کرایا جو نظریاتی و رُوحانی ہے اور یہ حیاتِ انسانی میں تعمیری کردار ادا کرنے کے لیے تشکیل دی گئی ہے۔ اسے صرف اور صرف اسلام کا اختصاص اور اس کی انفرادیت سمجھنا چاہیے۔

اسلام میں اُمّت کا تصور۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

''اُمّت'' ایک خصوصی اسلامی تصور ہے، جو اسلام کے نظریاتی و معاشرتی پہلوؤں کا مظہر ہے۔ اس خصوصی تصور کی بنا پر مسلمان دنیا میں منفرد اجتماعیت کے حامل ہیں۔ (ایضاً ص ۳۰۵)

''اُمّت'' کے لغوی معنی جماعت، گروہ اور طریقے کے ہیں۔ مشہور ماہر لغت ابن منظور الافریقی کے بقول:
''الامّة'': الجیل و الجنس من کلّ حي. (۵)

اُمّت کے معنی ہر جاندار کے گروہ یا جنس کے ہیں۔ کلّ جیل من النّاس هم امّة علیٰ حدة(۶) لوگوں کا ہر گروہ علیحدہ اُمّت ہے۔ الائمة والامّة: الشّرعة والدّین و فی التنزیل انّا وجدنا ابآء نا علی اُمّة. (۷) اُمّت کے معنی شریعت اور دین کے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے: ہم نے اپنے آباء کو ایک دین پر پایا۔ قرآن مجید میں اُمّت اور اس کے متعلقات چونسٹھ دفعہ استعمال ہوئے ہیں اور اسے کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلق جماعت یا گروہ کے معنی میں بھی اور جو زندگی کی علامت رکھتے ہیں۔ جیسے انسانوں کی جماعت یا گروہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ قرآن میں ہے: ''لِکُلِّ اُمَّةٍ اجل اذا جآء اجلهُم لا یستاخرُون ساعةً وّلا یستقدمُون''. (۸) ہر گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے، وہ وقت جب آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ''وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَاطٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ''(۹) اور زمین پر جو چلنے پھرنے والا یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا گیا: ''تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ''. (۱۰)

یہ جماعت گزر چکی ان کو وہ ملے گا جو انہوں نے کیا اور جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔ خاص گروہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ ربانی ہے: ''وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ'' (۱۱) اور تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلانے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ قرآن کریم نے مختلف گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے کئی اُمتیں گزر چکی ہیں۔ مثلاً ''کَذٰلِکَ اَرْسَلْنٰکَ فِیْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوْا عَلَیْهِمُ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَهُمْ یَکْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ''۔ (۱۲) اور اسی طرح ہم نے آپ کو ایک اُمت میں جس سے پہلے کئی اُمتیں گزر چکی ہیں بھیجا تاکہ آپ ان کو وہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے، پڑھ کر سنائیں اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح نظریاتی گروہ کے لیے بھی اُمّت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، قرآن ابراہیم علیہ السّلام کو ایک اُمت قرار دیتا ہے۔ یعنی ربانی ہدایت پر چلنے والا گروہ۔ ارشاد ہوا: ''اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا. وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ''۔ (۱۳) بلاشبہ، ابراہیم ایک اُمت تھے، اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو اور مشرکوں میں سے نہ

تھے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام اپنی ذات میں وہ صفات رکھتے تھے جو ربّانی ہدایت یافتہ خدا ترس اُمّت میں پائی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا وہ فرد ہونے کے باوجود ایک اُمّت کا نمونہ تھے، اس لیے انہیں اُمّت کہا گیا۔(۱۴) اُمّت کے تصور میں دو باتیں خاص طور پر قابلِ غور ہیں، ایک یہ کہ اس کی اساس نظریہ اورتصور پر قائم ہے، اس میں نسل، خاندان یا جغرافیائی وحدت فیصلہ کن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے لیے ایک شخصی قیادت کا وجود ضروری ہے، جو اس کے مادی وجود کومجتمع رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شخصیت اُمّت کے اجتماعی وجود کے لیے ناگزیر ہے۔ اُمّت کے لیے نسل، رنگ یا جغرافیائی حدود ضروری نہیں، کیوں کہ یہ اجزاء قومیت کے وجود کے لیے ناگزیر قرار دیئے گئے ہیں۔ قوم کی نظریاتی سمت بعد میں متعین ہوتی ہے، نسلی اور وطنی اساس پہلے طے ہوتی ہے۔ اُمّت کا مادی تشخص اس کی نظریاتی اساس کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اس لیے نظریاتی وحدت اورعقیدے کی یگانگت اُمّت کے وجود کے لیے ناگزیر ہے۔

قرآن یہ بتاتا ہے کہ آغاز میں انسانیت ایک اُمّت تھی۔ بعد میں اختلافات پیدا ہوئے اور ایک اُمّت مختلف اُمّتوں میں تبدیل ہوگئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ"۔ (۱۵) اور سب لوگ پہلے ایک ہی اُمّت تھے پھر جدا جدا ہوگئے اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہوچکی نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان میں فیصلہ کردیا جاتا۔ یعنی مشیت الٰہی میں یہ طے شدہ ہے کہ انسانیت اُمّتوں میں تقسیم ہوگی وہ بہ جبر تمام لوگوں کو ایک اُمّت نہیں بنانا چاہتا۔ انسانوں کے اختیار و ارادہ کی آزمائش ہے کہ وہ کس طرح عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ. وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"۔(۱۶) اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی جماعت بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو عمل تم کرتے ہو ان کے بارے میں تم سے ضرور پوچھے گا۔ اللہ کے اس نظام میں جہاں کئی اُمّتیں اپنا اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں، ایک نئی اُمّت تشکیل دی گئی، یہ اُمّت سب سے آخری اُمّت ہے، اسی اُمّت کی آرزو اور دعا ابراہیم علیہ السّلام نے کی تھی۔ کعبۃ اللہ کی بنیاد کو اٹھاتے ہوئے یہ دعا ان الفاظ میں کی گئی: "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"۔ (۱۷)

اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھیو اور پروردگار ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر توجہ فرما بے شک تو توجہ فرمانے والا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں حضوراکرم ﷺ کی بعثت کے سلسلے میں دعا کا ذکر ہے۔ گویا مشیتِ الٰہی نے ایک نئی اُمّت کی تشکیل کا جو فیصلہ کیا تھا، اس کے لیے ابراہیمؑ کی آرزومندی کو بنیاد بنایا۔ قرآن مجید نے اس اُمّت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ"۔ (۱۸) جتنی اُمّتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم ان میں سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" (۱۹) اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمّت معتدل

بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

اُمتِ مسلمہ کی تشکیل:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور مشیتِ ایزدی کے فیصلے کا نتیجہ بعثتِ نبویؐ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے ایک نئی جماعت وجود میں آنی شروع ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں یہ جماعت نشوونما پاتی اور تربیت کے مراحل سے گزرتی رہی۔ ہجرتِ مدینہ نے اُمت کے استحکام کو نیا موقع عطا کیا۔ یہیں پر یہ اُمت تکمیل پذیر ہوئی۔ اس کے تمام خدوخال واضح ہوئے۔ یہ ایک منفرد اُمت کی حیثیت سے پروان چڑھی۔ اس کی تشکیل میں ان تمام عوامل کو دخل ہے جو کسی بھی اُمت کی تشکیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اُمت ایک روحانی اساس پر منظم ہو رہی تھی۔ جس کو خاتم النبیین ﷺ کی پیغمبرانہ شخصیت کی قائدانہ رہنمائی اور سرپرستی حاصل تھی۔

اُمتِ مسلمہ کے لیے نبی کریم ﷺ کی شخصیت کی حیثیت مرکزی ہے۔ انہی کے نام پر اس اُمت کا تشخص اور اس کی پہچان قائم ہے۔ شخصیت کے علاوہ نظریے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اُمتِ مسلمہ کے تشکیلی اجزا کو بیان کیا جائے تو وہ تین بنتے ہیں۔ نظریہ، شخصیت اور مادی مرکز اجتماعیت۔ اگر غور کیا جائے تو نظریہ اساس فراہم کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت ایک انسانی نمونہ مہیا کرتی ہے اور کعبۃ اللہ اجتماعیت کو مرکزیت عطا کرتا ہے۔(۲۰)

اُمتِ مسلمہ کی خصوصیات و امتیازات:

اُمتِ مسلمہ ایک خصوصی جماعت ہونے کی وجہ سے بعض امتیازات کی حامل ہے جو کسی اور جماعت کو حاصل نہیں۔ ان امتیازات کے باعث یہ اُمت اپنا تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئی ہے، گو اسے کئی مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ بالخصوص دورِ حاضر میں اسے شدید بحرانوں کا سامنا ہے۔ ذیل میں ان امتیازات کو بیان کیا جا رہا ہے جن کی بنا پر یہ اُمت دوسری اقوام سے مختلف، منفرد اور ممتاز ہے۔ (۱) اُمتِ مسلمہ کی اوّلین خصوصیت ربانی رہنمائی ہے۔ یہ اُمت وحی الٰہی کی رہنمائی پر مستحکم ہوئی ہے، دنیا کی کسی جماعت کو یہ اساس میسر نہیں ہے۔ ایک رب، ایک رسول اور ایک قبلہ اسے ایک وحدت عطا کرتا ہے۔ وحی الٰہی کا اتباع ایک واجب امر ہے جو پیغمبرؐ سے لے کر عام مومن تک ہر شخص کے ایمان کا جز ہے۔

وحی الٰہی کا ادارہ پوری انسانی تاریخ میں موجود رہا ہے۔ ربّانی ہدایت یہ ایک ایسا ذریعہ ہے، جو وحدت فکر انسانی مہیا کرتا ہے۔ قرآن نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“۔(۲۱) غالب و دانا اسی طرح تمہاری طرف وحی بھیجتا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی طرف بھیجتا رہا۔ چوں کہ وحی الٰہی فکری وحدت کا منبع ہے، اس لیے حضور اکرم ﷺ کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ اس کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی کریں۔ ”وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا. مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا. وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ“۔ (۲۲) اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح القدس کے ذریعے پیغام بھیجا۔ آپؐ نہ تو کتاب جانتے تھے، نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس کو نور بنایا

ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں، ہدایت کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپؐ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔

قرآن مجید وحی الٰہی کا آخری ایڈیشن اور ہدایت ربّانی کا جامع مجموعہ ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اسی سے وابستہ رہیں اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے پر ان کی مستند دینی زندگی کا دارومدار ہے۔ ''واعتصمُوا بحبلِ اللّٰہِ جمیعاً وّلا تفرّقُوا''۔(۲۳) اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور گروہ تقسیم نہ ہوجائے۔ مفسرین کے مطابق جبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے جو مسلمانوں کی فکری وحدت کی شاہ کلید ہے۔

(۲) اس اُمّت کی دوسری خصوصیت ہے کہ یہ نسلی تفریق کو ناجائز سمجھتی ہے۔ قرآن نے اس کی رہنمائی کرتے ہوئے بتایا کہ تمام انسانوں کی تخلیق کا نقطہ آغاز ایک جوڑے کی پیدائش سے ہے۔ اس سے پوری انسانیت کی تخلیق و توسیع ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' یٰاَیُّھا النّاسُ انّا خلقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وجعلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قبآئل لِتعارفُوْا۔ اِنَّ اَکْرمکُمْ عِنْد اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔''۔ (۲۴) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرسکو۔ اللہ کے ہاں تم میں سے وہ شخص زیادہ قابل تکریم ہے جو زیادہ متقی ہے۔ ''یٰاَیُّھاالنّاسُ اتّقُوْا رَبّکُمُ الّذِیْ خلقکُمْ مِّنْ نّفْسٍ وَّاحدۃٍ وَّخلق منْھا زوْجھا وبثّ منْھُما رِجالًا کثِیْرًا وّنسآءً۔'' (۲۵) اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد پھیلا دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے مشہور خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ''یاَیُّھا النّاس! الا انّ ربّکُم واحد وانّ اباکُم واحد''۔(۲۶) لوگو سنو! بلاشبہ تمہارا رب ایک اور تمہارا باپ ایک ہے۔

اسی خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا فضلَ لعربیّ علیٰ اعجمیّ ولا لعجمیّ علیٰ عربیّ ولا لاحمر علیٰ اسود ولا لاسود علیٰ احمر الّا بالتقویٰ۔''(۲۷) کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ عجمی کو عربی پر نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر سوائے تقویٰ کے۔ اگرچہ اُمّت میں جغرافیائی، لسانی اور نسلی تعصبات در آئے ہیں اور ان کی وجہ سے اُمّت مسلسل نقصان اٹھا رہی ہے تاہم اس کے اجتماعی ضمیر نے ان تعصبات کو قبول نہیں کیا اور فکری لحاظ سے یہ اُمّت اب بھی دنیا کی سب سے زیادہ روادار اور انسان دوست جماعت ہے۔(۲۸)

(۳) اُمّتِ مسلمہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایمان رکھنے والے لوگوں کو عالمگیر اخوت کا احساس دلاتی ہے۔ ایمان اور نظریہ کی بنیاد پر تمام مسلمان آپس میں بھائیوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اخوت ایک روحانی اور ایمانی رشتہ ہے جو مادّی رشتوں سے زیادہ اہم ہے۔ قرآن مجید نے کہا: اِنّما الْمُؤْمِنُوْن اِخْوۃٌ (۲۹) بلاشبہ تمام مومن بھائی بھائی ہی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ معاشرتی بُرائیوں میں مبتلا ہوکر باہمی تعلقات کو خراب کرنے کی بجائے رشتہ اخوت کو مضبوط کریں۔ کونوا عباداللّٰہ اخوانا (۳۰) اللہ کے بندو سب بھائی بھائی بن جاؤ۔(۳۱) ☆ ''عن النُّعمان بن بشیرؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: تری المُؤمنین فی تراحمھم وتوادّھم وتعاطُفھم کمثل الجسد اذا شتکیٰ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسّھرو الحمیٰ۔''(۳۲) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو ایمان والوں کو آپس کی رحمت، محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا۔ جب کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو تمام بدن کے

اعضا بیداری اور تپ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

☆ وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: المُؤمنون كرجل وّاحدٍ ان اشتكى عينهٗ اشتكى كُلّه وان اشتكى رأسهٗ اشتكى كُلّهٗ.''(۳۳) انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام مسلمان ایک آدمی کی مانند ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اگر سر دکھتا ہے تو سارا بدن دکھنے لگتا ہے۔

☆ ''عن ابی موسیٰؓ عن النّبیؐ قال: المؤمن للمؤمن کا لبُنیان یشدُّ بعضهٗ بعضاً ثُمّ شبک بین اصابعه''۔(۳۴) ابوموسیٰؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: مومن مومن کے لیے مکان کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں۔ (۴) اُمّتِ مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اعتدال پرور اُمّت ہے اور افراط و تفریط سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.'' (۳۵) اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک میانہ رو اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور رسول ﷺ تم پر گواہی دے۔ اسی اعتدال اور میانہ روی اور خیر و بھلائی کے فروغ اور بدی کو روکنے کی صلاحیت کے باعث اسے بہترین اُمّت قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.''(۳۶) تم بہترین اُمّت ہو، جسے لوگوں کے لیے تشکیل دیا گیا ہے کہ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔

اعتدال افراط و تفریط کی درمیانی راہ ہے۔ قرآن نے اُمّت مسلمہ کو اعتدال پرور اُمّت (Moderate) قرار دیا ہے۔ اعتدال اس اُمّت کی بنیادی خصوصیت ہے۔ (۵) انسانی تاریخ میں اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ ہر رسول کی بعثت کے ساتھ ایک اُمّت کی تشکیل بھی کرتا رہا ہے۔ یہ اُمّت اس پیغام کی امین ہوتی اور پیغمبر کی عطا کردہ تعلیمات کے مطابق نظام تشکیل دیتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ چونکہ اس سلسلے کی آخری کڑی اور انبیاء کی جماعت میں آخری نبیؐ ہیں، اس لیے آپؐ کی اُمّت بھی آخری اُمّت قرار پائی۔ آپؐ کا ارشاد ہے: ''نحن آخر الأُمم.''(۳۷) ہم آخری اُمّت ہیں۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے۔''انا آخر الانبیاء و انتُم آخرُ الاُمم.''(۳۸) میں آخری نبیؐ ہوں اور تم آخری اُمّت ہو۔

آخری اُمّت ہونے کی وجہ سے یہ آخری پیغام کی بھی امین ہے، اسی لیے اس نے نہ صرف اس پیغام کو تھامے رکھنا ہے بلکہ اسے آگے پہنچانے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہنا ہے چونکہ حضور اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آنا اس لیے اب اُمّت کو کارِ پیغمبری انجام دینا ہے۔ اللہ کے پیغام کی حفاظت بھی کرنا ہے اور اسے دنیا تک پہنچانے کا اہتمام بھی کرنا ہے۔(۳۹) (۶) اس اُمّت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجموعی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوگی۔ اس میں معروف افراد اور گروہ تو پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ہدایت ربانی ضائع ہو جائے اور اُمّت بالجملہ گمراہ ہو جائے۔ ان میں ہمیشہ ایسے افراد اور گروہ رہیں گے جو حق پر قائم ہوں گے اور حق کا پرچار کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''انّ اُمّتی یلاتجتمع علی ضلالةٍ فاذا رأیتم الاختلاف فعلیکم بالسّواد الأعظم.''(۴۰) بلاشبہ میری اُمّت گمراہی پر کبھی مجتمع نہ ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کے ساتھ ہو۔ چونکہ اللہ کی کتاب محفوظ ہے اور حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ موجود ہے، اس لیے ہر

زمانے میں یہ فریم ورک رہنمائی کا کام دیتا رہے گا۔

اُمتِ مسلمہ۔ وسائل، مسائل اور درپیش چیلنجز۔ ایک نظر میں:

''اُمتِ مسلمہ'' بلاشبہ اس وقت ہر لحاظ سے زبوں حالی کا شکار ہے۔ نظریاتی طور پر دیکھیے تو یہ اپنے نظریۂ حیات سے وابستہ نہیں بلکہ ذہنی افلاس کا شکار ہے، سیاسی لحاظ سے دیکھیے تو بظاہر آزادی حاصل کر لینے کے باوجود یہ اپنے فیصلے خود نہیں کر سکتی۔ معیشت کے لحاظ سے اکثر مسلمان ممالک بین الاقوامی یہودی اور مغربی معاشرتی اداروں اور حکومتوں کے مقروض ہیں اور اپنی معیشت کے بارے میں خود فیصلے نہیں کر سکتے جو مسلمان ممالک امیر ہیں ان کی اصل دولت مغربی بینکوں میں ہے اور مغربی ممالک کے کام آ رہی ہے، جب کہ بہت سے غریب مسلم ممالک کے عوام نان جویں کو ترس رہے ہیں۔ خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کی تعداد ۴۵ کروڑ سے بھی زیادہ ہے جو کل مسلم آبادی کی ایک تہائی سے بھی زیادہ ہے۔ دفاعی لحاظ سے دیکھیے تو اسلامی دنیا اسلحے میں خود کفیل نہیں بلکہ مغرب کی محتاج ہے۔ مسلم ممالک کے درمیان کوئی دفاعی معاہدہ نہیں اور طاقتور مغربی ممالک جب چاہتے ہیں مسلمان ممالک کو نرم چارے کی طرح کھا جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت کا یہ حال ہے کہ کوئی مسلمان ملک بھاری مشینری یا الیکٹرانک مصنوعات نہیں بنا سکتا یہ سب ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں۔ سارے مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار دنیا کے مجموعی قومی پیداوار کا محض چار فیصد ہے۔ تعلیم کا یہ حال ہے کہ اکثر مسلم ممالک میں شرح تعلیم تیس چالیس فیصد سے زیادہ نہیں۔ تربیت کا کہیں اہتمام ہی نہیں۔ اخلاقی ابتری کا یہ حال ہے کہ کرپٹ ترین ممالک میں ہمیشہ اسلامی ملکوں کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔ (۴۱)

ہماری سماجی حالت یہ ہے کہ ہم کافروں جیسا بننا چاہتے ہیں، تمدن و ثقافت میں غیروں اور دشمنوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ زراعت میں مسلم دنیا خود کفیل نہیں اور پیٹ بھرنے جیسی بنیادی ترین ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بھی ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہے۔ مسلمان ممالک کے نزدیک سائنس و ٹیکنالوجی کی یہ اہمیت ہے کہ یہ اپنی قومی مجموعی آمدنی کا صرف 0.5 فی صد سائنس و ٹیکنالوجی پر صرف کرتے ہیں دنیا کے ۷۵ فی صد کے لگ بھگ معدنی وسائل کی مالک اسلامی دنیا مفلوک الحالی کا شکار ہے۔ اس پر ۷۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ کے قرضے ہیں۔ تمام مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار تقریباً ۱۲ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے جب کہ فرانس کی قومی پیداوار ۱۵ ہزار ارب ڈالر، جرمنی کی ۲۴ ہزار ارب ڈالر اور جاپان کی ۵۵ ہزار ارب ڈالر سالانہ ہے۔ صرف ان تین ممالک کا جی ڈی پی ۹۴ ہزار ارب ڈالر بنتا ہے، جو سارے اسلامی ممالک کے مجموعی جی ڈی پی سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے۔ انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے اسلامی ممالک کی آبادی دنیا بھر کی آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے۔ عالمِ اسلام لگ بھگ تین کروڑ مربع کلومیٹر رقبے پر محیط ہے۔ صرف پانچ اسلامی ممالک سعودی عرب، عراق، متحدہ عرب امارات، کویت اور ایران کے دریافت شدہ تیل کے ذخائر ۶۵۸،۳ بلین بیرل ہیں، لیکن دنیا کی برآمدات میں ہمارا حصہ صرف ۷،۵ فی صد ہے، عالمی معیشت میں ہمارا حصہ ۵ فی صد سے بھی کم ہے، اتحاد و یک جہتی کا یہ عالم ہے کہ مسلم ممالک کی باہمی تجارت ان کی مجموعی تجارت کا صرف ۱۰ فی صد ہے، گویا ۹۰ فی صد تجارت پر اغیار قابض ہیں۔ (۴۲)

ماہر معاشیات محمود احمد مرزا مسلم دنیا کی پسماندگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' آج کل قوموں کی ترقی کا انحصار سائنس وٹیکنالوجی پر ہے جب کہ کیفیت یہ ہے کہ مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد کی تعداد مایوس کن ہے۔ مسلم ممالک میں اوسطاً دس لاکھ افراد میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے آگاہ افراد صرف ۴۲۰۰ ہیں۔ معاشی اعتبار سے تیزی سے ترقی کے لیے یہ شرح کم ازکم تین گنا زیادہ ہونی چاہیے۔ بعض صنعتی ممالک میں یہ شرح ۱۵ گنا ہے۔ جیسا کہ ہم آگاہ ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں ترقی، ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کے ذریعے واقع ہوتی ہے۔ جہاں تک ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کا تعلق ہے اس شعبے میں مسلم ممالک کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد میں سے صرف ایک اعشاریہ اٹھارہ فیصد افراد ریسرچ اور ڈیولپمنٹ میں مصروف ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑے رسالوں میں مسلم ممالک کے لکھنے والے ماہرین کا حصہ صرف ایک فیصد ہے۔ دنیا میں ہر سال سائنس پر تقریباً ایک لاکھ کتب چھپتی ہیں، ان میں سے ایک بھی مسلم ممالک میں نہیں لکھی جاتی۔ پورے عالمِ اسلام میں یونیورسٹیوں سمیت اعلیٰ تعلیمی ادارے تقریباً ایک ہزار ہیں۔ بیشتر یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سماجی تعلیم اور سائنس وٹیکنالوجی پڑھانے اور سکھانے کی سہولتیں ناقص ہیں۔ خیال رہے کہ صرف ایک ترقی یافتہ ملک جاپان میں ایک ہزار سے زیادہ اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں ہیں۔

غرض یہ کہ جس پہلو سے دیکھیے مسلم اُمت زبوں حالی کا شکار ہے اور یہ وہ حقائق ہیں جو ہمارا منہ چڑاتے ہیں اور تلخ ہیں، لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔'' (۴۳) اب ذرا مسلم دنیا کی اسٹریٹیجک لوکیشن کا اندازہ کیجیے۔ مسلم انڈونیشیا بحرالکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے تو مسلم مراکش بحرمتوسط کے نکڑ کا پہرے دار ہے اور آج اگر جبل الطارق مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں مراکش کا شہر طنجہ مسلمانوں کی اہم چوکی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا بڑاعظم افریقہ مسلم اکثریت کا بڑاعظم ہے، جہاں باسٹھ فیصد سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یونان، اٹلی، اسپین اور فرانس سے قطع نظر کیجیے اور دیکھیے تو بحر متوسط (بحیرۂ روم) عالمِ اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے۔ اس کا ۶۵ فیصد حصہ آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ نہر سویز اور بحر قلزم کی مشہور آبی شاہراہیں بھی مسلمانوں کی ہیں اور وہ خلیج فارس بھی، جس پر ایک مدت سے بڑی طاقتوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں، مسلمانوں ہی کی ہے اور باب المندب بھی مسلمانوں ہی کا ہے اور درۂ دانیال اور باسفورس پر ترکی بیٹھا ہوا ہے۔ مشرق میں آتے ہوئے دیکھیے۔ انڈونیشیا اور ملائیشیا کا محل وقوع ایسا ہے کہ جس کسی کو بھی گزرنا ہے، انہیں دونوں کے بیچ سے گزرنا ہے۔ پھر آبنائے ملا کا بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور جزائر مالدیپ بھی۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے درمیان بحرعرب کے ساحل پر پاکستان کھڑا ہے اور خلیج بنگال میں بنگلہ دیش۔ اس خطے کی سیاسی، جغرافیائی اور عسکری اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ چار بڑاعظموں، یعنی امریکا کو چھوڑ کر ایشیا، افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا کے بری، بحری اور فضائی راستوں کا باہمی رابطہ اس خطے سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ افریقہ اور ایشیا کے سمندر اور بحیرۂ روم کی تنگ پٹیاں، جو بین الاقوامی تجارت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں، وہ عالمِ اسلام میں واقع ہیں۔ عالمِ اسلام کو اس شہ رگ کو دبانے اور بند کرنے کی طاقت بھی حاصل ہے اور اگر یہ ایسا چاہے تو بین الاقوامی اقتصادی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ سکتا ہے۔ (۴۴)

مسلم ممالک کی دفاعی افواج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ نیٹو اور وارسا پیکٹ کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے۔ صرف پاکستان کو ہی دیکھیئے جو ایٹمی ملک بھی ہے اور روایتی اسلحہ برآمد بھی کر رہا ہے کئی دوسرے ممالک اسلحے کی برتری میں اپنے حریفوں سے بہت پیچھے ہیں، لیکن یہ بھی تو دیکھیئے کہ اس کمزوری کے باوجود انہوں نے اپنے جذبۂ جہاد سے جارح قوتوں کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، فلپائن، عراق، افغانستان میں مسلمانوں نے جو مزاحمتی جدوجہد کی ہے اور کر رہے ہیں وہ خود تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ افغانستان اور عراق کو دشمن نے پچھاڑ دیا لیکن وہاں گوریلا جنگ جاری ہے اور انشاء اللہ ایک دن کامیاب ہوکر رہے گی۔ پاکستان بھارت کے مقابلے میں چھوٹا سا ملک ہے، لیکن وہ اس کے مقابلے میں تن کر کھڑا ہے، غرض دنیا میں جہاں بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی ظلم و زیادتی ہوتی ہے اب اسے برداشت نہیں کیا جاتا بلکہ کمزوری کے باوجود اسے چیلنج کیا جاتا ہے۔ زرعی اور معدنی دولت بھی مسلم دنیا کو بدرجۂ اتم ودیعت ہوئی ہے۔ دنیا کی کل پیداوار میں مسلم دنیا کی پیداوار کا تناسب بڑی حد تک تسلی بخش ہے۔ پیٹرول اور تیل کے ضمن میں بھی مسلم دنیا کو ایک طرح کی اجارہ داری حاصل ہے۔ صرف مشرقِ وسطیٰ میں دنیا کی کل پیداوار کا ۴۰ فی صد تیل نکلتا ہے۔

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ مسلم امہ کی حالت اتنی بھی تشویشناک نہیں جتنی بعض حضرات سمجھتے ہیں اور دوسروں کو سمجھاتے ہیں۔ بلاشبہ ابھی منزل دور اور کٹھن ہے اور مشکلات بہت ہیں، لیکن بہرحال اُمّت آگے ہی بڑھ رہی ہے پیچھے نہیں جارہی اور ایسی بھی مایوسی کی بات نہیں کہ آدمی دل ہار بیٹھے۔ (۴۵) مسلمانوں کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔ یہ محض دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ سارے Indicators اسی کی طرف اشارے کر رہے ہیں کہ سحر طلوع ہونے کو ہے، رات کی تاریکی چھٹنے کو ہے اور یہ باطل کے اندھیروں کے مقدر میں ہے کہ وہ چھٹ کر رہیں۔ سچ فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اور اس سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے: جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ. اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۴۶) حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔

بے شک باطل ہے ہی مٹ جانے والی چیز ۔۔۔ ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب:
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے ۔۔۔ یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے (۴۷)

عرب ورلڈ اور دیگر اہم اسلامی ممالک میں تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر کا تخمینہ:

(دنیا میں پائے جانے والے تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر میں سے مندرجہ ذیل اسلامی ممالک میں پائے جانے والے ذخائر کا تخمینہ ملاحظہ ہو، جس سے اسلامی دنیا کے وسائل کا پتا چلتا ہے)

☆	نام ملک	تیل کے ذخائر	قدرتی گیس کے ذخائر
☆	ایران	دنیا کے ذخائر کا 8.9 فیصد	دنیا کے ذخائر کا 25 فیصد
☆	بحرین	210 ملین بیرل (1997ء میں ذخائر)	110 بلین کیوبک میٹر (1997ء میں ذخائر)
☆	عراق ☆☆ ☆	112.5 بلین بیرل (1999ء میں ذخائر)	3100 بلین کیوبک میٹر (2000ء میں ذخائر)

☆	سعودی عرب	دنیا کے ذخائر کا 25 فیصد	5,800 بلین کیوبک میٹر (2000ء میں ذخائر)
☆	قطر	3700 بلین بیرل (1999ء میں ذخائر)	8500 بلین کیوبک میٹر (دنیا کے ذخائر کا 12 فیصد)
☆	کویت	95.6 بلین بیرل (1999ء میں ذخائر)	1490 بلین کیوبک میٹر (1999ء میں ذخائر)
☆	متحدہ عرب امارات	97.8 بلین بیرل (1996ء میں ذخائر)	6000 بلین کیوبک میٹر (1996ء میں ذخائر)(۴۸)

عروج و زوال کا فطری اور ابدی قانون اور اُمّتِ مسلمہ:

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف یہ یقین دلاتے ہوئے بلایا کہ میری پیروی تمہیں آخرت ہی کی نہیں، دنیا کی بھی فلاح بخشے گی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کے سامنے اس وعدۂ الٰہی کا اعلان کیا تھا "لئن شکرتُم لازیدنکُم"۔ (اگر تم نے شکر گزاری کی روش اختیار کی تو تمہیں مزید بخشش عطا کروں گا) اور جب تک ان کی قوم اس روش پر چلتی رہی، اللہ کا وعدۂ بشارت پورا ہوتا رہا، حتیٰ کہ عظمت و شوکت میں ان کی قوم سب سے اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچ گئی۔ " یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ"۔(۴۹) اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور یہ کہ میں نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت بخشی۔ لیکن جب انہوں نے یہ راہ ترک کر دی تو ان کے اوپر سے عزت و اقبال کی قبا بھی اتار دی گئی اور "ضُرِبت علیھِمُ الذِّلّۃ والمسکنۃ"۔ کی مُہر ان پر لگا دی گئی۔ کاش! "اگر یہ اہلِ کتاب توراۃ کو اور انجیل کو اور ان ہدایتوں کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے بھیجی گئی تھیں، تو رزق ان کے اوپر سے بھی برستا اور نیچے سے بھی اُبلتا۔"

غرض ساری اقوام کے لیے یہ عمومی قانون الٰہی رہا ہے کہ "وَلَوْاَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ"۔(۵۰) اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی راہ پر چلتے تو ہم ان کے اوپر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ جنہوں نے ایمان اور خدا پرستی کا راستہ اختیار کیا "فَاٰتٰھُمُ اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَۃِ."۔(۵۱) تو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی اجر دیا اور آخرت کا بھی بہترین اجر عطا فرمایا۔

ان متفق شہادتوں کی موجودگی میں کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ اور فیصلہ بدل جاتا۔ چناں چہ دنیوی فلاح کے بارے میں ٹھیک اسی طرح کا وعدہ اس اُمّت سے بھی کیا گیا جیسا گزشتہ اُمتوں سے کیا جاتا رہا ہے۔ اور یہ ہر مرحلے میں کہا گیا۔ مکے کے تاریک و صبر آزما دور میں بھی اور مدینے کے پُرخطر ماحول میں بھی۔ انہیں بھی خطاب کیا گیا جو اسلام لا چکے تھے اور انہیں بھی جو ابھی دائرۂ اسلام میں نہ آئے تھے۔ چناں چہ مکے میں قریش کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے اللہ کا ارشاد ہے: "وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا."(۵۲) اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور پھر اس کی طرف رجوع کرو تو وہ تمہیں زندگی کا اچھا سامان عطا

فرماتا رہے گا۔ اور اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ ''اگر تم میرا لایا ہوا پیغام قبول کرلو گے تو وہ دنیا میں بھی تمہاری خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور آخرت میں بھی۔'' اور ایک موقع پر اپنے چچا ابوطالب سے کہا تھا ''میں انہیں (یعنی قریش کو) صرف ایک بات کی تلقین کرتا ہوں۔ ایسی بات کہ جس کی بدولت سارا عرب ان کا مطیع اور سارا عجم ان کا باج گزار ہوجائے گا۔'' پھر اسی طرح ایمان لا چکنے والوں سے خطاب فرمایا گیا: گویا جس طرح آخری فلاح کے لیے ''ایمان'' اور ''عملِ صالح'' ایک لازمی شرط ہے، اس طرح دنیوی فلاح و سعادت کے لیے بھی ''ایمان'' اور ''عملِ صالح'' شرط اوّلین ہے اور اسی لیے مسلمانوں (اُمّتِ مسلمہ) کا عروج و زوال اسی شرط پر موقوف ہے۔

''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.''(۵۴) نہ تم پریشان ہو اور نہ خوف زدہ، کامیابی تمہارے لیے ہے بشرطیکہ تم سچے مومن ہوجاؤ۔ گویا اُمّتِ اسلامیہ کے لیے عروج و زوال کا یہ قانون دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ایمان، عمل صالح، دینی اور اخلاقی اقدار سے گہری وابستگی اور قرآن و سنت کی اتباع پہلی اور آخری شرط ہے۔(۵۵)

اُمّتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا تدارک سیرتِ طیبہؐ سے حاصل راہنمائی کی روشنی میں

☆ قرآن وسنت اور اسلام کی بنیادی اقدار سے دوری:

عصرِ حاضر میں اُمّتِ مسلمہ جن بے شمار مسائل سے دوچار ہے، ان میں سب سے اہم اور بنیادی نوعیت کا مسئلہ داخلی ہے، جو ہماری ذات اور دینی وملّی تشخص سے وابستہ ہے۔ وہ ہے اپنے مرکز، اپنی اساس اور اپنی بنیاد دین سے دوری، (قرآن و سنت، اسلامی تعلیمات، اسلامی شعائر اور دینی اقدار سے دوری۔ یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی بنیاد پر آج اُمّتِ مسلمہ کم و بیش پوری دنیا میں بے شمار مسائل اور ان گنت چیلنجز سے دوچار ہے۔ اسے مرکز سے دوری اور دین فراموشی نے کہیں کا نہیں رکھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک ارب ۴۷ کروڑ، ۶۲ لاکھ ۳۳ ہزار سے زائد مسلمان ہیں۔ اس طرح الحمدللہ دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے۔ دنیا میں ایک ہندو اور ایک بودھ کے مقابلے میں دو مسلمان اور ایک یہودی کے مقابلے میں ۱۰۰ مسلمان ہیں، دنیا میں ۶۱ اسلامی ممالک ہیں۔ ان میں سے ۵۷ او آئی سی کے رکن ہیں۔(۵۶)

لیکن یہ دنیا میں تیسری بڑی قوت ہونے کے باوجود انتہائی کمزور، بے بس اور بے انتہا مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہیں۔ اس کا سبب صرف اور صرف ایک ہے، وہ یہ کہ وہ دین فراموشی اور خودفراموشی کی راہ پر گامزن ہیں۔ انہوں نے اپنے بنیادی تشخص اور اپنی حیثیت کو فراموش کردیا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں:

قلب میں سوز نہیں، رُوح میں احساس نہیں ۔۔۔ کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں(۵۷)

اقبال مزید کہتے ہیں:

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی ۔۔۔ فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے ۔ شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود ۔ وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود(۵۸)

جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت ہمارے دین کا شعار اور مسلم اُمّہ کا دینی و ملی ورثہ ہے۔ ہمارے اسلاف چونکہ دین سے وابستہ تھے، اسلامی اقدار اور صفاتِ عالیہ سے مزین تھے، اس لیے دنیا میں انہیں عزت و شوکت، اقتدار اور افتخار ملا اب صورتِ حال یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ نے قرآن اور اس کی تعلیمات، نبی اکرمؐ حضرت محمدؐ کے پیغام، آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات پر عمل کم کردیا ہے، اغیار کی تہذیب و ثقافت اور ان کی اقدار پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے یہ ان گنت مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہیں۔ اسی لیے وہ دنیا میں سمندر کے جھاگ کی مانند بے وقعت ہیں، تباہی اور بربادی کا شکار ہیں کہ:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر ۔ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر(۵۹)

قوموں کے عروج و زوال کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ابدی اصول ہے کہ: ''ذٰلِکَ ...... سمیعٌ علیم(۶۰) ''یہ اس لیے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالیں اللہ اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لیے کہ اللہ سنتا اور جانتا ہے۔'' اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ''انّ اللّٰہ لایُغیّرُ .... ما بانفُسھم''(۶۱) اللہ اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے، نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔'' یہی وہ حقیقت ہے جس کی ترجمانی اس شعر میں کی گئی ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

چنانچہ اُمّتِ مسلمہ اگر آج بھی دین سے وابستہ ہوجائے، قرآن سے اپنے تعلق کو جوڑ لے، اپنے آباء کی ثقافت اور ورثے کو اپنالے، اسلامی اقدار سے وابستہ ہوجائے، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوجائے تو مسائل اور چیلنجز کی اس آگ میں بھی گلستان کا ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا ۔ آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا(۶۲)

اللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت کا وعدہ ضرور فرمایا ہے: چنانچہ فرمایا گیا: ''انّھم لھُمُ المنصُورُون''(۶۳)یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور فرمایا گیا: ''وانّ جُندنا لھُم الغالبُون''۔(۶۴) ہمارے ساتھ بھی ''وانتُمُ الاعلون اور لیستخلفَنّھُم'' کے وعدے ضرور پورے ہوکر رہیں گے، خواہ ہماری آنکھیں کامرانی کا منظر نہ دیکھ سکیں۔ جو بات ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ روشن مستقبل کے حصول کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے قرآن و سنت سے ربط و تعلق، دین سے گہری وابستگی، رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیبہ کی اتباع۔ جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ۔ نصرت الٰہی کے بغیر تو ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا، کجا کہ منزل سر ہوجائے۔ ''ان ینصرکُمُ اللّٰہُ فلا غالبَ لکُم'' (۶۵) اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔ لیکن یہ نصرت الٰہی صرف انہی کو حاصل ہوتی ہے جو جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ''اِن تنصُرُوا اللّٰہ ینصرُکم ویُثبّت اقدامکُم''۔(۶۶) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے

قدم مضبوط جما دے گا۔ جس سچے ایمان کے ساتھ سربلندی کا وعدہ مشروط ہے، اس کی صداقت کی کسوٹی بھی جدوجہد ہی ہے۔''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ''۔ (۶۷) حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ سچے لوگ ہیں۔

اپنے اعمال و اقدامات کا جائزہ و احتساب اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کی روش پر کاربند رہنا بھی ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ.''(۶۸) ان کی دعا بس یہ تھی کہ ''اے ہمارے رب، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہوگیا ہو، اسے معاف کردے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔'' یہاں تک کہ فتح و نصرت دیکھ کر بھی یہی روش رہے: ''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ''۔ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔(۶۹)

تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی پامالی:

اُمّتِ مسلمہ کے زوال کی ایک بڑی وجہ تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی پامالی ہے۔ چنانچہ عصر حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کو جو اہم مسائل درپیش ہیں ان میں یہ مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ہمارا شان دار ماضی، مثالی تہذیب اور عظیم اسلامی ورثہ ہے جس سے دور رہ کر ہم عظمت و شوکت حاصل نہیں کرسکتے، عظمت رفتہ کے حصول اور ملت کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم دین پر عمل پیرا ہوں، اپنی تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو اپنائیں کہ قوم رسول ہاشمیؐ کی ایک خاص تہذیب ہے جسے اپنا کر ہی وہ اپنا منفرد اور ملی تشخص برقرار رکھ سکتی ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ

ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی(۷۰)

موجودہ دور میں اُمّتِ مسلمہ کے زوال اور انحطاط کی بنیادی وجہ اپنی تہذیبی اور خلاقی اقدار سے دوری ہے، ہم نے اپنی عظمت رفتہ کو فراموش کردیا ہے۔ یہ دورِ حاضر میں اُمتِ مسلمہ کا ایک بنیادی مسئلہ ہے قرآن کریم اور سیرتِ طیبہ کی روشن و راہ نما تعلیمات سے یہی پتا چلتا ہے کہ عروج اور زمین کی نیابت اللہ کے نیک بندوں کو ہی ملتی ہے، یہ قدرت کا اٹل اور انمٹ فیصلہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ''عروج و زوال کے فطری اصول'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''تم کرۂ ارض کی کوئی قوم لے لو اور زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو، جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آتی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو دیکھو گے کہ اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے یعنی ایک قوم قابض ہوئی پھر مٹ گئی اور دوسری وارث ہوگئی۔ پھر اس کے لیے بھی مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لیے جگہ خالی ہوگئی۔ قرآن کہتا ہے یہاں وارث و میراث کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ چاہیے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور

ہوتے ہیں، کیوں ہوتے ہیں اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں۔(۷۱) فرمایا، اس لیے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے کہ: ''انّ الارض یرثُھا عبادی الصالحُون.'' (۷۲) کہ زمین کے وارث میرے نیکوکار بندے ہی ہوں گے۔

تورات، انجیل اور قرآن تینوں نے وراثت ارض کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور یہ ترکیب صورتِ حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے۔ وراثت ارض کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے، جو صالح نہ رہے، ان سے نکل جائے گی، جو صالح ہوں گے، ان کے ورثہ میں آ نے گی۔ یہ قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔ ''فلن تجدلسُنّتِ اللّٰہ تبدیلًا ولن تجدلسُنّتِ اللّٰہ تحویلاً''۔(۷۳) سوتم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔عرب دنیا کے نامور اسکالر اور محقق ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی اپنے ایک مقالے ''المبشرات بانتصار المسلمین'' میں لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کچھ اصول و قوانین مقرر فرمائے ہیں جنہیں سنتِ الٰہی کہا جاتا ہے، یہ خدائی ضابطے جس طرح حضرت آدمؑ کی اگلی نسلوں میں تھے، بالکل اسی طرح ان کے بعد کی نسلوں میں بھی جاری اور نافذ ہیں، اس سنت الٰہی کا معاملہ کافروں اور مسلمانوں کے ساتھ یکساں ہوتا ہے، یہ قوانین الٰہی کبھی اور کسی معاملے میں تبدیل نہیں ہوتے۔'' (۷۴)

علاّمہ محمد یوسف قرضاوی مزید لکھتے ہیں: ''تاریخی شواہد سے اس بات کا واضح اشارہ مل رہا ہے کہ تہذیب وتمدن کی شمع پھر مشرق (اہلِ ایمان/ اُمّتِ مسلمہ) کے ہاتھوں میں آنے والی ہے کیوں کہ اُمّتِ مسلمہ کے پاس اسلام کا ایسا زندہ پیغام اور مثالی تہذیب و اقدار ہیں جو مغرب کے پیغام سے بالکل مختلف اور منفرد ہیں، مغرب نے اپنی بے خدا تہذیب کے ذریعے دنیائے انسانیت کو جس رُوحانی کرب اور اخلاقی بے راہ روی کی دلدل میں پھنسا دیا ہے، صرف اسلام کا طاقت ور اور رُوحانی پیغام ہی اسے اس دلدل سے نکال سکتا ہے، تاہم شرط یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کو اس کا صحیح ادراک ہو اور وہ دنیا کی امامت و قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے لیے پوری تیاری کرے اور اپنے اندر اس بارِگراں کو اٹھانے کی اہلیت پیدا کرے۔(۷۵) ورنہ یہ حقیقت ہے کہ

خلافِ پیمبرؐ کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

غربت، افلاس اور بے روزگاری:

''غربت، افلاس اور بے روزگاری'' ایک ایسا بنیادی مسئلہ ہے، جس سے بیشتر مسلم ممالک بالخصوص غریب اور پسماندہ ممالک بشمول اسلامی جمہوریہ پاکستان دوچار ہیں، یہ ایک انتہائی حساس اور فوری حل طلب مسئلہ ہے۔غربت، افلاس اور بے روزگاری ایسے معاشروں اور مسلم ممالک میں جہاں انفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ، صدقات خیرات کو عبادت اور دینی فریضے کا درجہ حاصل ہو، حد درجہ افسوس ناک ہے۔کاش ہم اس بنیادی حقیقت سے واقف ہوتے کہ غربت کے سمندر میں امارت کے جزیرے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتے۔اگر ہم اکٹھے تیر نہیں سکتے تو لازماً ہم اکٹھے ڈوب جائیں گے۔مسلم دنیا اس وقت انتہائی امیر بھی ہے اور انتہائی غریب بھی۔اس کا حل ایک ہی ہے، یعنی دولت کی منصفانہ تقسیم، اور غریب اور پسماندہ مسلم ممالک کی مدد۔(۷۶)

چنانچہ خوراک کے معاملے میں بھی مسلم دنیا خود کفیل نہیں ہے، حالانکہ اکثر و بیشتر مسلم ممالک کا تعلق و انحصار زراعت پر ہے۔ مسلم اُمہ اپنی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے غیر مسلم ملکوں کی محتاج ہے، غیر ملکی امداد اور عالمی قرضے جو گل کھلا رہے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے ہماری خود مختاری اور آزادی کی لگام دوسروں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔(۷۷) یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے جائز اور حلال ذرائع سے حاصل شدہ مال و دولت کو اللہ کا انعام، خاص نعمت اور اس کا فضل قرار دیا ہے۔'' چنانچہ قرآن کریم میں اس حوالے سے مختلف ہدایات اور تعلیمات اس حقیقت کا اظہار کرتی نظر آتی ہیں۔(۷۸)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی اپنی کتاب ''مشکلات الفقر و کیف عالجہا الاسلام'' میں لکھتے ہیں: یہ حقیقت ہے کہ غریبی دین و ایمان کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے، خصوصاً ایسی جگہ جہاں دولت کی فراوانی ہو، یہ خطرہ اس وقت پیدا ہوسکتا ہے کہ جب غریب جفاکش اور محنتی ہو اور اس کا دولت مند پڑوسی انتہائی کاہل اور سست ہو، ایسے حالات میں غریب لامحالہ اس وسوسے کا شکار ہوجاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ اس کے ساتھ رزق کی تقسیم میں امتیاز اور جانب داری برت رہا ہے۔'' (محمد یوسف القرضاوی، ڈاکٹر/مشکلات الفقر و کیف عالجہا الاسلام، مترجم نصیر احمد ملی، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۴ء، ص ۲۸) عقیدے کی خرابی کو دیکھ کر علما نے کہا ہے کہ جب غریبی کسی بستی کا رخ کرتی ہے تو بے دینی اس کے پیچھے پیچھے ہولیتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: بے صبرے اور فاقہ کش عموماً بدترین کافر ثابت ہوتے ہیں۔(۷۹) رسولِ اکرمؐ کا یہ ارشادِ گرامی بالکل بجا ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا: ''کادالفقرُان یکون کُفراً''۔(۸۰) قریب ہے کہ غریبی کفر تک پہنچا دے۔ ایک موقع پر آپؐ نے کفر اور فقر دونوں سے پناہ مانگی، آپؐ نے فرمایا: اللّٰھُمّ انّی اعوذُبک من الکُفر والفقر''۔(۸۱)۔ اے اللہ، میں ذلت اور ناداری اور ظالم یا مظلوم بننے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ مسلم ممالک سے افلاس، غربت اور بے روزگاری کے خاتمے کے لیے مندرجہ بالا تعلیمات کو مشعلِ راہ بنا کر فوری اور انقلابی اقدامات ناگزیر ہیں۔

ہر مسلم ملک کے پاس محنت کشوں کی ایک دولت موجود ہے، اس کے علاوہ زمین اور سرمایہ بھی ہے اور ایسے باصلاحیت افراد کی بھی کمی نہیں، جو مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ کے لیے ان سب عوامل کو یکجا کرسکتے ہیں۔ آسان زبان میں یوں کہہ لیں کہ کم سے کم خرچ کے عوض زیادہ سے زیادہ پیداوار مقصود ہے۔ دوسری قوموں نے مختلف تیکنیکوں مثلاً وسیع پیمانہ پر پیداوار، کفایات پیمانہ (Economies of Scale) مصنوعات میں تخصیص بہتر ٹیکنالوجی اور کارکردگی میں اضافے کے ذریعے یہ مقصد حاصل کرلیا ہے۔ ان سب کو ممکن بنانے کے لیے انسانی وسائل کی ترقی کاروباری منتظمین کو مراعات کی فراہمی اور قانونی ڈھانچے میں تبدیلی پر توجہ دینا ہوگی، ایسے نمونے موجود ہیں، جنھیں بنیادی اسلامی تقاضوں کی تکمیل کے لیے مثال بنایا جاسکتا ہے۔(علی نواز میمن/ملّتِ اسلامیہ، کراچی، انجمن اردو ترقی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۲) منتخب مسلم اور غیر مسلم ممالک میں مختلف شرح نمو کی حالت میں فی کس آمدنی، بیان کردہ برسوں میں دوگنی ہونے کی توقع ہے:

ملک	فی کس آمدنی فی صد شرح نمو	۲ فی صد شرح نمو	۳ فی صد شرح نمو	۴ فی صد شرح نمو
۱۹۹۲ء (ڈالر)	سال ۲۰۶۲ء	سال ۲۰۲۷ء	سال ۲۰۱۶ء	سال ۲۰۱۰ء

یوگنڈا	۱۷۰	۳۴۰	۳۴۰	۳۴۰
پاکستان	۴۲۰	۸۴۰	۸۴۰	۸۴۰
مصر	۶۴۰	۱۲۸۰	۱۲۸۰	۱۲۸۰
مسلمانوں کا اوسط	۱۰۳۴	۲۰۶۸	۲۰۶۸	۲۰۶۸
امریکہ	۲۳۲۴۰	۴۶۴۸۰	۴۶۴۸۰	۴۶۴۸۰
سوئٹزرلینڈ	۳۶۰۸۰	۷۲۱۶۰	۷۲۱۶۰	۷۲۱۶۰

یہ بات واضح ہے کہ اگر اقتصادی ترقی کا سفر موجودہ انداز میں جاری رہا تو پھر امیر اور غریب ملکوں کے درمیان تفاوت بڑھ جائے گا۔ مثلاً ۹۲۔۱۹۶۰ء کے درمیانی عرصے میں ایک گروپ کی حیثیت سے مسلمانوں کی اوسط شرح نمو ایک فیصد تھی۔ گویا اسی شرح پر یوگنڈا کی فی کس آمدنی میں اگر اگلے ستر برسوں میں ایک سوستر ڈالر اضافہ ہوگا تو سوئٹزرلینڈ کی فی کس آمدنی میں ۳۶۰۸۰ ڈالر کا اضافہ ہوجائے گا۔ شرح نمو زیادہ ہونے کی صورت میں فی کس آمدنی کے اضافے میں کم عرصہ لگے گا تاہم مسلمانوں کے لیے لازمی ہے کہ مغرب کے مقابلے میں ان کی شرح نمو زیادہ ہو ورنہ وہ کبھی بھی مغرب کے برابر نہیں پہنچ سکیں گے۔ جب تک مسلم ممالک کی ترقیاتی پالیسیوں میں زبردست تبدیلیاں رونما نہیں ہوتیں، اس وقت تک شرح نمو میں کسی اضافے کی توقع عبث ہے۔ صورتِ حال کی بہتری کے لیے مالیہ کی حرکت پذیری، اخراجات، قرضہ، انسانی وسائل کے فروغ اور دفاع سمیت اقتصادی ترقی پر اثر انداز ہونے والے تمام اہم عوامل پر از سرنو غور و خوض کرنا ضروری ہے۔ بیشتر مسلم ممالک میں اقتصادی ترقی کی شرح دو یا تین فیصد ہے، جو کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ اس فرق کو کم کرنے کے لیے اس سے کہیں زائد شرح ترقی کا حصول ان کے لیے ضروری ہے۔ (جیسا کہ چین اور کوریا میں ہے) مسلم رہنماؤں پر لازم ہے کہ وہ پانچ، دس، بیس اور پچاس سالہ ولولہ انگیز ترقیاتی منصوبوں پر عملدرآمد پر متفق ہوجائیں اور مسلم ممالک سے غربت، افلاس اور بے روزگاری جیسے سنگین اور فوری حل طلب مسائل کے خاتمے کے لیے موثر اور مربوط اقدامات کریں۔ مسلمانوں کو ایک گروپ کی حیثیت میں اور دوسروں کے تعاون سے مندرجہ ذیل اقدامات کی ضرورت ہے:

(الف) زیادہ سے زیادہ تحقیق، توسیعی کام اور قدرتی وسائل کے تحفظ کے ذریعے خوراک کی فراہمی میں اضافہ۔

(ب) مناسب ذخائر کا اہتمام، قبل از وقت انتباہی اشاروں پر توجہ اور متعلقہ شعبوں میں زیادہ سے زیادہ تحقیق کے ذریعے خوراک کی رسد میں استحکام

(ج) ایسی مسلم معیشتوں کے تیز رفتار فروغ میں اشتراکِ عمل کیا جائے، جو سب کو خوراک کی مطلوبہ مقدار کے حصول کے لائق بنائیں۔ (۸۲)

جہالت، ناخواندگی اور فرسودہ نظامِ تعلیم:

موجودہ دور میں اُمتِ مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں، ان میں جہالت، ناخواندگی اور فرسودہ نظامِ تعلیم بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ بدقسمتی سے علم اور تعلم کے حوالے سے یہ مسئلہ اس قوت کو درپیش ہے، جن کی اساس اور بنیاد ہی علم اور تعلیم

ہے۔ چنانچہ حکم ''اقرأ'' سے ان کے لیے آسمانی اور الہامی پیغام کا آغاز ہوا اور دنیا کو اس نے تعلیم و تہذیب سے منور کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بنی نوع آدم نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں، بلکہ علم اور روشنی سے کیا ہے۔ چناں چہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تخلیقِ آدم کے بعد خالقِ کائنات نے انسانِ اوّل (حضرت آدمؑ) کو سب سے پہلے جس عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا، وہ علم تھا۔ ''علم'' ہی کی بدولت اللہ علیم وخبیر اور عالم الغیب والشہادہ نے حضرت آدمؑ اور بنی نوعِ آدم کو جملہ مخلوق پر عزت وعظمت اور فضیلت بخشی۔ اسے لائقِ عزت وتکریم ٹھہرایا گیا۔ علم وحکمت کے مثالی اور ابدی خزینے، صحیفۂ ہدایت قرآن کریم نے ایک بڑا معنیٰ خیز اور فکر انگیز مکالمہ نقل کیا ہے، جو تخلیقِ آدمؑ کے وقت اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان ہوا تھا، اس مکالمے کا آغاز اس طرح ہوا: ''وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً''ہ (۸۳) (ترجمہ) ''اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں'' پھر فرمایا گیا: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا''ہ (۸۴) ''اور اللہ نے آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی''

یہ اشیاء کا علم ہی ہے جو بنی نوع انسان کو باقی مخلوق حتیٰ کہ ملائکہ تک پر عزت وعظمت اور فضیلت عطا کرکے اسے جملہ مخلوق سے ممیز اور مسجودِ ملائک کا تاجِ زریں عطا کرتا ہے۔ ''سورۂ بنی اسرائیل'' میں اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا: وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًاہ (۸۵) ترجمہ: ''اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی، اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا میں سواری دی، اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر بڑائی دے کر فضیلت دی''۔ کو زیادہ سے زیادہ بنیادی ضروریات میں سے ایک ضرورت سمجھا، وہاں باعثِ تخلیقِ کائنات، ہادیٔ اعظم، مُعلّمِ بنی نوعِ آدم، حضرت محمد ﷺ نے اسے اوّلین ضرورت قرار دیا۔ ابلاغِ علم اور تعلیم وتعلّم کو امّت کا بنیادی فریضہ قرار دیا گیا۔ تعلیم اور علم کی بنیاد پر بنی نوع آدم کی جملہ مخلوق پر عظمت وفضیلت اور خلافتِ ارضی کے حوالے سے قرآنِ کریم میں اشارۃً کہا گیا: وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ(۸۸) ترجمہ: ''اور خرچ کرو اس میں سے جس میں اس نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے'' معلّمِ انسانیت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: عن انسؓ قال، قال رسول اللہ ﷺ طلبُ العلمِ فریضۃٌ علی کلّ مسلم (۸۹) ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

حصول وابلاغِ علم کی فضیلت واہمیت: تعلیماتِ نبوی ا کی روشنی میں:

معلّمِ انسانیت ﷺ نے علم، تعلیم اور اہلِ علم کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، آپؐ نے حصولِ علم کو امّت کا دینی، ملّی اور اجتماعی فریضہ قرار دیا، آپؐ نے ابلاغ اور فروغِ علم کے فضائل بیان فرمائے، اور کتمانِ علم کو انفرادی اور اجتماعی جرم اور گناہِ عظیم قرار دیا۔ آپؐ کی ان تعلیمات اور فرامین کی بہ دولت دورِ رسالت میں علم اور تعلیم کا ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہوا، مکۂ معظّمہ میں دارِ ارقم مدینۂ منورہ میں صفہ اور دیگر درس گاہوں کے ذریعے وہ علمی اور تعلیمی انقلاب برپا ہوا جس نے دنیا کو مثالی تہذیب اور آئینِ حیات عطا کیا، جس کا تذکرہ ہم آگے جاکر کریں گے، ذیل میں اس حوالے سے آپؐ کے ارشاداتِ گرامی ملاحظہ ہوں:

☆ "عن ابی ھریرۃؓ قال، قال رسول اللّٰہﷺ: من یُردِ اللّٰہ بہ خیراً یفقّھہ فی الدّین" (۹۰) "حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا: اللہ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دینی بصیرت عطا کرتے ہیں۔"

☆ "عن ابنِ عبّاسؓ قال، قال رسول اللّٰہﷺ: فقیہ واحدٌ اشدُّ علی الشّیطان من الفِ عابد "۔(۹۱) "حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلے میں ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔"

☆ "عن انسؓ قال، قال رسول اللّٰہﷺ: من خرج فی طلبِ العلم فھو فی سبیل اللّٰہ حتّٰی یرجع"۔(۹۲) "حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے (گھر سے) نکلے، وہ جب تک گھر واپس نہ آجائے، اللہ کی راہ میں ہے۔"

☆ "عن انسؓ قال، قال رسول اللّٰہﷺ: طلبِ العلم فریضۃٌ علیٰ کلِّ مسلم". (۹۳) "حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: حصولِ علم ہر مسلمان پر واجب ہے۔"

مندرجہ بالا اسلامی ہدایات و تعلیمات کے باوجود آج اُمّتِ مسلمہ کی تعلیمی حالت کسی پر مخفی نہیں۔ وہ مہذب معاشرے میں جہالت اور ناخواندگی کا شکار ہیں۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں دیگر اقوام سے حد درجہ پیچھے ہیں۔

۱۹۹۱ء کے اعداد و شمار اور حالیہ کم و بیش بیشتر غریب اور پسماندہ مسلم ممالک کے تعلیمی جائزے کے مطابق اونچی آمدنی کے حامل ملکوں میں بالغان کی شرح ناخواندگی چار فیصد، بحیثیت مجموعی پوری دنیا میں پینتیس فیصد اور کم آمدنی والے ملکوں میں ناخواندگی کی شرح چالیس فیصد تھی۔ کم از کم سترہ مسلم اکثریتی ممالک میں بالغان کی شرح ناخواندگی پچاس فیصد سے بیاسی فیصد تک تھی۔ مسلم افریقہ میں ستر فیصد سے زائد افراد ناخواندہ تھے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں پینسٹھ فیصد، مصر میں باون فیصد، ایران میں چھیالیس فیصد اور الجزائر میں تینتالیس فیصد افراد ناخواندہ تھے۔(۹۴)

مختلف ممالک میں شرح خواندگی: ایک جائزہ

نام ملک	شرح خواندگی	نام ملک	شرح خواندگی	نام ملک	شرح خواندگی
افغانستان	۲۹ فی صد	آرمینیا	۹۹ فی صد	آسٹریلیا	۹۰ فی صد
آذربائیجان	۹۷ فی صد	ایران	۶۵ فی صد	جاپان	۹۹ فی صد
قازقستان	۹۷٫۵ فی صد	اسلامی جمہوریہ پاکستان	۴۷ فی صد	جمہوریہ سلووک	۱۰۰ فی صد
زمبیا	۸۱ فی صد (مرد) ۶۵ فی صد (عورتیں)	بھارت	۶۲ فی صد (مرد) ۳۴ فی صد (خواتین)	ملاوی	۲۲ فی صد(۹۵)

جبکہ دنیا بھر میں ۵۶ اسلامی ممالک کی مجموعی اوسط شرح خواندگی ۲۰ تا ۳۰ فی صد ہے۔ اسلامی ممالک میں سب سے اعلیٰ درجے والا ملک برونائی ہے، جس کا عالمی رینک ۲۵ واں ہے۔ اس کے علاوہ کویت، بحرین، قطر، ملائیشیا اور متحدہ عرب امارات کو اعلیٰ درجے کی فہرست میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کا عالمی مقام ۱۳۹ واں ہے۔(۹۶)

معلمِ انسانیت، فخرِ آدمیت، سرورِ کائنات، امام الانبیاء، ہادیٔ اعظم، حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور حکم اقرأ کے فیضان سے علوم وفنون، فکر و فلسفے، مثالی تہذیب و تاریخ، سائنس و ٹیکنالوجی اور عظیم تہذیب وتمدن کا آغاز ہوا اور دنیا علمی، تہذیبی و ثقافتی حوالے سے نئے دور میں داخل ہوئی اور اُمّتِ مسلمہ کئی صدیوں تک تعلیم، تہذیب و ثقافت، سائنس اور ٹیکنالوجی میں دنیا کی امام رہی۔ موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی اسی مثالی عہد کی یادداشت اور پیداوار ہے۔

مکہ و مدینہ، کوفہ و بغداد، قرطبہ وغرناطہ، قاہرہ و دمشق، موصل و نیشاپور نے دنیا کو علم اور تہذیب وتمدن کے نور سے روشن کیا۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے دورِعروج میں اندلس کی اسلامی ثقافت یورپ کی سب سے بلند اور ترقی یافتہ ثقافت تھی۔مشہور مورخ اور سیاح ابنِ حوقل نے بیان کیا ہے کہ اس وقت اسلامی دنیا میں تعلیم وتعلّم (Education & literacy) کی ترقی یہاں تک تھی کہ صرف سسلی جیسے چھوٹے شہر میں ۳۰۰ پرائمری اسکول تھے۔ اسی طرح مکہ و مدینہ، دمشق، حلب، بغداد، موصل، مصر، بیت المقدس، قرطبہ، نیشاپور، خراسان اور کئی دیگر اسلامی شہر اسکولوں، کالجوں اور اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی اداروں اور جامعات سے معمور تھے، جامعہ نظامیہ بغداد جو پانچویں صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی اس میں باقاعدہ طلبہ کی تعداد ۶۰۰۰ رہتی تھی۔ اس قابلِ فخر تہذیب و ثقافت کی علمبردار اور ماضی میں شان دار علمی اور تہذیبی روایات کی امین اُمّتِ مسلمہ تعلیمی حوالے سے کس مقام پر ہے، اس حوالے سے حقائق انتہائی افسوسناک ہیں۔

تین چوتھائی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو اپنے سالانہ بجٹ کا چار فی صد بھی تعلیم پر خرچ نہیں کرتے، حالت یہ ہے کہ پوری مسلم دنیا سائنس وٹیکنالوجی پر اپنی مجموعی پیداوار کا صفر اعشاریہ پانچ (۰٫۵) فی صد سے بھی کم خرچ کرتی ہے، ہر دس لاکھ باشندوں میں صرف ایک سائنس مل پاتا ہے۔(۹۷) اس وقت پوری اسلامی دنیا میں صرف ۵۰۰ یونیورسٹیاں ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کو اگر ہم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کریں تو ایک یونیورسٹی ۳۰ لاکھ مسلمان نوجوانوں کے حصے آتی ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں صرف امریکہ میں ۵ ہزار ۷ سو ۵۸ یونیورسٹیاں ہیں اور ٹوکیو شہر میں ۱۰۰۰ یونیورسٹیاں ہیں، عیسائی دنیا کے ۴۰ فی صد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں، جب کہ اسلامی دنیا کے صرف دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اکیس لاکھ لوگوں میں سے صرف ۲۳۰ لوگوں کو سائنس کا علم ہوتا ہے، جب کہ امریکہ کے دس لاکھ شہریوں میں سے ۴ ہزار اور جاپان کے ۵ ہزار شہری سائنس دان ہوتے ہیں۔ پوری عرب دنیا میں صرف ۳۵ ہزار فل ٹائم ریسرچ اسکالرز ہیں جب کہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد ۲۲ لاکھ ہے۔ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اعشاریہ دو فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے جب کہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ تحقیق اور تعلیم وصرف ہے۔ اس وقت دنیا میں ۲۰۰ بڑی یونیورسٹیاں ہیں، ان دوسو یونیورسٹیوں میں سے ۵۴ امریکہ، ۲۴ برطانیہ، ۱۷ آسٹریلیا، ۱۰ چین، ۱۰ جاپان، ۱۰ ہالینڈ، ۹

فرانس، ۹ جرمنی، ۹ کینیڈا اور ۷ سوئٹزرلینڈ میں ہیں۔ ان دوسو یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کی صرف ایک یونیورسٹی ہے، جب کہ اس فہرست میں بھارت کی تین یونیورسٹیاں آتی ہیں۔ اگر ہم اس فہرست کا ذرا سا کڑا جائزہ لیں تو دنیا کی پہلی بیس یونیورسٹیوں میں ۱۸ یونیورسٹیاں امریکہ میں ہیں، کمپیوٹر کے پہلے دس بڑے ادارے امریکہ میں ہیں اور دنیا کے ۳۰ فی صد غیر ملکی طالب علم امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، پوری دنیا میں امریکہ اعلیٰ تعلیم پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتا ہے، امریکہ اپنے جی ڈی پی کا دو اعشاریہ چھ فیصد ہائر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں یورپ ایک اعشاریہ دو اور جاپان ایک اعشاریہ ایک فیصد خرچ کرتے ہیں۔(۹۸)

قرآن کریم میں ایک مقام پر فرمایا گیا: ''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ''۔(۹۹)

آسمانوں اور زمین کی خلقت اور دن رات کی کمی بیشی میں اور ان کشتیوں (اور جہازوں) میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان (تمندن) لے کر چلتے ہیں اور اس بارش میں جسے اللہ بادل سے برتا تا ہے اور پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ (خشک) ہو چکنے کے بعد زندہ (تر و تازہ) کر دیتا ہے اور ان (طرح طرح کے) حیوانات میں جو اس نے روئے زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور اس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتا ہے (ان تمام ظاہر میں) یقیناً عقل مندوں کے لیے وجودِ باری کی نشانیاں موجود ہیں۔

دلائل ربوبیت کے سلسلے میں قرآنِ حکیم کی یہ ایک بہت ہی جامع آیت ہے، جس میں مختلف مظاہر ربوبیت کا تذکرہ کرکے اہلِ علم و دانش کو ان مظاہر میں موجود نظامِ فطرت کے حقائق منظرِ عام لانے کی تاکید کی گئی ہے، یعنی ان مظاہر کے نظاموں میں طبیعی و حیاتیاتی نقطۂ نظر سے جو ''علمی شہادتیں'' باری تعالیٰ نے اپنے وجود، اپنی وحدت و یکتائی، اپنی زبردست قدرت و خلاقی اور اپنی ربوبیت و الوہیت کے اثبات کی غرض سے رکھ چھوڑی ہیں، ان کا کھوج لگایا جائے، تاکہ یہ دلائل منکرین و معاندین پر حجت بن سکیں کہ اس پوری کائنات میں ایسی کوئی چیز یا ایسی کوئی سائنسی حقیقت موجود نہیں ہے جو شرک و مظاہر پرستی اور الحاد و مادیت کے لیے دلیل بن سکے بلکہ یہ تمام مظاہرِ فطرت اپنی انوکھی صنعت وکاری گری اور اپنے عجیب وغریب نظاموں کے باعث لامحالہ طور پر ایک انوکھی اور حیرت ناک ہستی کے وجود کی خبر دے رہے ہیں، جس کے کرشموں کو انسان صحیح طور پر سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔ یہ وہ آیت ہے جو تمام سائنسی علوم پر محیط ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن عظیم کی ایک بہت ہی اہم اور جامع ترین آیت ہے، جس میں آٹھ قسم کے دلائل ربوبیت بیان کیے گئے ہیں جو زمین سے لے کر آسمان تک تمام مظاہر ربوبیت پر محیط ہیں اور ان مظاہر و دلائل کی تفصیل اور ان میں موجود حقائق و معارف کے استنباط کے لیے حسب ذیل علوم کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

علم تخلیق کائنات (Cosmology)، فلکیات (Astronomy)، فلکی طبیعیات (Astrophysics)، موسمیات (Meteorology)، ارضیات (Geology) ارضی طبیعات ((Geophysics، علم جغرافیا (Geography) علم معدنیات (Mineralogy)،طبیعیات (Physics)، کیمیا (Chemistry) حیاتیات (Biology) واضح رہے، اوپر جن علوم کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ جدید سائنس کے بنیادی علوم شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے ضمن میں مزید کئی علوم ان کی شاخوں کے طور پر وجود میں آچکے ہیں اس لحاظ سے یہ آیتِ کریمہ تمام سائنسی علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(قرآن کریم کی یہ آیت خاص طور پر اور بعض دیگر آیات نظام کائنات پر غور وفکر،مظاہر قدرت پر تفکر و تدبر اور سائنسی بنیاد پر تسخیر کائنات کا پتا دیتی ہیں۔)(۱۰۰)

مسلم ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت پیچھے ہیں۔ اس سلسلے میں ۲۰۰۰ء میں بڑے دلچسپ اعدادوشمار تھے، چنانچہ جاپان میں ہر ۱۰ لاکھ کی آبادی میں ساڑھے تین ہزار سائنس داں اور انجینئر تھے، امریکہ میں دو ہزار سات سو، یورپ میں سولہ سو، ایشیا میں (جاپان شامل نہیں) ۱۰۰ اور افریقہ میں ہر ۱۰ لاکھ کی آبادی میں سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد ۵۰ تھی، مسلمانوں کے اعدادوشمار دستیاب نہیں تھے مگر قیاس یہی ہے کہ سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد ڈیڑھ سو اور سو فی ملین کے درمیان تھی۔ اس سے کسی حد تک مغرب کی ترقی اور مسلمانوں کی واضح پسماندگی کا سبب سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسی رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ دنیا بھر میں نوے فی صد تحقیق تقریباً پینتیس ملکوں میں مرتکز ہے جن کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا پچیس فیصد ہے۔(۱۰۱) اس کے باوجود مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بدستور ناخواندہ اور ناقص تربیت یافتہ ہے۔ سائنس اور تحقیق کے شعبوں میں تو مسلمان اور بھی پیچھے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان تقریباً مکمل طور پر مغرب کے دست نگر ہیں۔(۱۰۲) جب تک تعلیمی پالیسی میں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تعلیم کی مد میں اخراجات میں نمایاں اضافہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک مسلمان بنیادی علم، سائنسی تحقیق اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی میں پیچھے ہی رہیں گے۔ ٹیکنالوجی اور سائنس سے طویل المیعاد وابستگی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سائنسی کاوشوں میں مغرب سے ٹیکنالوجی کی منتقلی اور تعاون کا عمل بھی مفید ثابت ہوگا۔(۱۰۳)

اُمّتِ مسلمہ میں رابطے کا فقدان، اتحاد و یکجہتی کی کمی:

اُمّتِ مسلمہ کو دورِ حاضر میں جن بنیادی مسائل کا سامنا ہے، اس میں ایک اہم اور بنیادی نوعیت کا مسئلہ یہ ہے کہ مسلم اُمّہ میں باہم رابطے کا فقدان ہے، ان کی سوچ ایک نہیں، ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمان اور ان کی ۶۱ اسلامی ریاستیں اپنی حیثیت اور وجود کھوبیٹھی ہیں، وہ ایک منتشر اور ایک غیر منظم قوم کے طور پر اپنے آپ کو آج دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں ان میں اتحاد و یک جہتی کی شدت سے کمی محسوس کی جارہی ہے۔ صیہونی طاقت، عالمی استعمار اور مغربی طاقتیں انہیں تر نوالہ سمجھ کر ایک ایک کرکے ہڑپ کر رہے ہیں، نیٹو کے نام پر غیر مسلم اقوام اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں۔ فی زمانہ اُمّتِ مسلمہ کا عالم یہ ہے کہ مسلم دنیا کے ممالک میں باہمی تعاون نہ ہونے کے برابر ہے، مسلم دنیا کی

کل موجودہ تجارت تقریباً ۱۲۰ ارب ڈالر ہے لیکن اس میں سے برادر اسلامی ممالک کی باہمی تجارت فقط ۱۵ ارب ڈالر پر مشتمل ہے۔ دفاعی استحکام کا یہ حال ہے کہ موجودہ مسلح افواج کی تعداد نیٹو اور وارسا پیکٹ (سابقہ) کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے، لیکن اس کے باوجود فلسطین، کشمیر، افغانستان، عراق وغیرہ پر مغربی جارحیت کا جواب نہیں دیا جاسکا، مشترکہ دشمن، مشترکہ دفاع اور مشترکہ سلامتی کا بھی تصور موجود نہیں، آج تک باہمی جنگوں اور تنازعات کو حل کرے گا، کوئی ثالثی، پنچایتی مصالحانہ نظام قائم نہیں ہوسکا، جب کہ رابطے کا فقدا اور اُمہ میں عدم اتحاد مسلم دنیا کا سب سے بڑا روگ ہے۔(۱۰۴) ان کا عمل اس حوالے سے قرآن وسنت اور رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیبہ کے قطعاً منافی ہے۔ قرآن وسنت اور سیرتِ طیبہ میں ہمیں اس حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

اتحاد و یگانگت اور وحدتِ امّت کا تصور:

اسلام نے تمام امتِ مسلمہ کو جسدِ واحد اور ایک برادری قرار دیا ہے۔ اخوت و اجتماعیت کا یہ رنگ اسلامی عبادات کا مظہر ہے، خصوصاً حج کے موقع پر بلاتفریقِ رنگ ونسل امتِ مسلمہ کا ہر فرد مساوات کا عملی مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔ نماز بھی مسلمانوں کی اخوت واجتماعیت کا مظہر ہے، قرآنِ کریم نے تمام اہلِ ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا ہے، اس کی وحدت، یگانگت اور اخوت و اجتماعیت کا اظہار کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: ☆ **"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ"** (۱۰۵) بلاشبہ، مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا: **"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ..... لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ"** (۱۰۶) اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا (متفرق نہ ہونا) اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح خدا تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

رسولِ اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے: **"عن النعمان بن بشیرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، مثل المومنین فی تراحمهم وتوادّهم وتعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضوٌ تداعیٰ له سائرالجسد بالسّهروالحمیٰ."** (۱۰۷) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا، تو ایمان داروں کو باہمی رحمت ومحبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا، جب کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے (تو اس کے سبب) تمام بدن کے اعضاء بیماری اور تپ کو بلاتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ نے مدینۂ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جو اہم اقدام فرمایا، وہ انصار و مہاجرینؓ کے درمیان رشتۂ اخوت کا قیام تھا۔ خود دربارِ نبویؐ مختلف نسلی، نسبی وملکی پھولوں کا گل دستہ تھا، اس میں عداس نینوائیؓ، صہیب رومیؓ، ذوالکلاع حمیریؓ، ابوسفیان امویؓ، کرز فہریؓ، بلال حبشیؓ، ضمادازدیؓ، عدی طائیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو حارث مصطلقیؓ، سلمان فارسیؓ، طفیل

دوسیؓ، ثمامہ نجدیؓ، ابو عامر اشعریؓ، سراقہؓ مدلجیؓ پہلو پہلو بیٹھے نظر آتے تھے اور ہر فرد اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔(۱۰۸) تاہم ہم آج ان تعلیمات کو فراموش کر کے اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل، نام و نسب کے حصار، فرقہ بندی اور قومیت اور وطنیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان بتوں کو توڑنا ہوگا، عصبیت، قومیت اور وطنیت کی ان زنجیروں سے آزاد ہونا ہوگا، اسی میں ہماری کامیابی کا راز اور نجات پوشیدہ ہے، یہی ہماری بقا اور عروج کا واحد راستہ ہے۔ شاعر مشرق کیا خوب کہتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(۱۰۹)

سودی معیشت، اقتصادی بدحالی اور بیرونی قرضوں پر انحصار:

یہ ایک تلخ اور کرب ناک حقیقت ہے کہ مسلم دنیا کے بیش تر ممالک کا انحصار سودی نظام معیشت پر ہے، وہ شدید اقتصادی بدحالی سے دوچار ہیں۔ بیرونی قرضوں اور عالمی امداد کے سبب ان کی دینی و ملّی غیرت وحمیت اور خود داری گویا رہن رکھ لی گئی ہے۔ بقول حبیب جالب ''قرض دے کر غریب ملکوں کو چھین لیتے ہیں روح آزادی''۔ اُمتِ مسلمہ کی مجموعی آبادی ڈیڑھ ارب کے قریب اور ۶۱ اسلامی ممالک پر مشتمل ہے، اس کی معیشت اور اقتصادیات کلی طور پر مغرب کے رحم وکرم پر ہے، مغرب جب چاہے اس کا گلا گھونٹ دے جب چاہے، اپنی گرفت ڈھیلی چھوڑے، پوری مسلم دنیا مل کر پوری دنیا کی مجموعی قومی پیداوار (جی این پی) کے صرف چار فی صد کی مالک ہے، ان چار فی صد میں سے بھی تین فی صد پیداوار تیل پیدا کرنے والے ملکوں کے حصے میں آتی ہے، اقتصادی عدم مساوات کا اتنا بڑا تضاد ہے کہ انتہائی رئیس بشمول اسلامی ملکوں کے ساتھ انتہائی غریب مسلم ممالک بھی رہ رہے ہیں، تقریباً ۴۰ کروڑ مسلمان افلاس کی کم سے کم سطح سے بھی نیچے گر کر انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔(۱۱۰) المیہ یہ ہے کہ کوئی ایک مسلمان ملک بھی بجا طور پر صنعتی ملک کہلانے کا مستحق نہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ملک نے کروڑوں ڈالر کے خرچ سے جدید ترین ریفائنری اور پیٹروکیمیکل پلانٹ نصب کیے ہیں، جب کہ دوسری طرف وہ ایک سوئی بھی بنانے کی قابلیت بھی نہیں رکھتا۔ کسی اسلامی ملک کو بھاری مشینیں بنانے کی توفیق نہیں صنعتوں میں کام کرنے والی ہلکی بھاری مشینیں بھی بیرونی ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں۔(۱۱۱)

دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ غریب اسلامی ممالک عالمی اور بیرونی قرضوں پر انحصار کے باعث مغرب کے رہینِ منت ہوتے جا رہے ہیں۔ مسلم ممالک میں خود انحصاری کی باتیں تو بہت کی جاتی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے غیر مسلموں سے مشروط غیر ملکی امداد اور بیرونی قرضوں کی جگہ کسی متبادل انتظام کے لیے کوئی کام نہیں کیا ہے۔ مسلمان اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے ذاتی مفاد سے قطع نظر اگر وہ کوئی ایسا قدم اٹھاتے ہیں جو مغرب کے مفادات کے منافی محسوس کیا گیا تو پھر بعد میں کسی مرحلے پر طاقت ور اور منظم مغربی ممالک انہیں اقتصادی مار ماریں گے بلکہ شاید وہ ان کے خلاف فوجی

کارروائی بھی کر ڈالیں۔ غیر مسلموں سے ملنے والی غیر ملکی امداد پر انحصار کم کیا جانا چاہیے۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کو بہت سے اقتصادی مسائل کا سامنا ہے۔ بحیثیت مجموعی وہ معاشی طور پر کمزور ہیں۔ انہیں کم فی کس آمدنی، وسیع البنیاد غربت، وسائل کی ناقص تقسیم، اونچے درجے کی ناخواندگی، ناقص تربیت یافتہ افرادی طاقت، وسیع پیمانہ پر بے روزگاری، بدعنوانی، وسائل کے غلط استعمال، بیرونی قرضوں پر انحصار اور غیر ملکی امداد پر حد سے زائد انحصار جیسے مسائل درپیش ہیں۔ ان مسائل کا حل اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام کے نفاذ اور اس حوالے سے تعلیمات نبویؐ کی پیروی میں مضمر ہے۔ مغرب، عربوں کے مال کو ہتھیا کر خود اس کو سرمایہ کاری میں لگا رہا ہے، آج عالمِ عرب قرضوں کے بوجھ تلے دبا جارہا ہے، ایک اندازے کے مطابق عالم عرب ہر منٹ میں تقریباً ۵۰ ہزار ڈالر قرض لیتا ہے، جب کہ اتنی ہی مقدار یورپ ہر منٹ سرمایہ کاری پر لگا رہا ہے، چنانچہ ۱۹۹۵ء میں یورپ نے ۱۴۶۵ ارب ڈالر سرمایہ کاری پر لگائے، جب کہ ۱۹۸۶ء میں یورپی ممالک نے ۶۸۹ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی تھی یورپ کی جتنی دولت سرمایہ کاری میں لگ رہی ہے، اتنی ہی مقدار کا عالم عرب ہر سال مقروض بھی ہوتا ہے، سیاسی اور اقتصادی عدم استحکام اور مغرب کی نفسیاتی ماتحتی کا نتیجہ ہے کہ جب یہ رقم سود سمیت مغربی ممالک میں واپس آتی ہے تو اس بھاری بھرکم نفع کو مغربی بالادستی قائم کرنے ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔(۱۱۲)

۷۱ اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف ۲ ٹریلین ڈالر ہے، جب کہ امریکا صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے ۱۲ ٹریلین کماتا ہے، امریکا کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا ۱۳ ٹریلین ڈالر ہے، امریکا کی اسٹاک ایکسچینج وال اسٹریٹ ۲۰ ٹریلین ڈالر کی مالک ہے، صرف کوکا کولا کمپنی کے نام کی قیمت ۹۷ ارب ڈالر ہے، دنیا میں اس وقت ۳۶ ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں، ان میں سے ۲۵ ہزار کا تعلق امریکا سے ہے، دنیا کے ۲۵ امیر ترین لوگوں میں سے ۱۲ کا تعلق امریکا سے ہے۔ دنیا کی ۵۲ فی صد فیکٹریاں عیسائی دنیا میں ہیں، جب کہ دنیا کی ۷۰ فی صد صنعتوں کے مالک عیسائی اور یہودی ہیں، دنیا کی دس ہزار بڑی ایجادات میں سے ۶۱۰۳ ایجادات امریکی جب کہ ۸۳۱۵ ایجادات عیسائیوں اور یہودیوں نے کی تھیں، اسلامی دنیا جتنی رقم کا تیل فروخت کرتی ہے، امریکا اور یورپ اس سے دوگنی رقم کی ہر سال متعدد دیگر ذرائع سے کماتے ہیں، ہمارے سارے تیل کی مالیت امریکا کی برگر بنانے والی تین کمپنیوں کے سالانہ ٹرن اوور کے برابر ہے۔ امریکا کے سروسز کے شعبے کی آمدنی پوری اسلامی دنیا کے مجموعی جی ڈی پی سے زیادہ ہے اور ہم ۷۱ اسلامی ممالک ہر سال ایکسپورٹس سے جتنی رقم حاصل کرتے ہیں، اتنی رقم ہالینڈ صرف پھول بیچ کر کما لیتا ہے۔(۱۱۳)

جدید عسکری نظام اور دفاعی امور سے بے اعتنائی:

دورِ حاضر میں ''اُمتِ مسلمہ'' کی بے حسی، بے بسی، کمزوری اور غیر موثر قوت ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی اُمتِ مسلمہ اور اس کے رکن ممالک اپنے دفاع سے غافل ہیں۔ وہ جدوجہد اور جہاد کے راستے کو چھوڑ چکے ہیں، جدید عسکری نظام اور دفاعی امور سے بے اعتنائی برت رہے ہیں، وہ ان کی اہمیت سے غافل ہیں۔ حالانکہ قرآن نے تو یہ حکم دیا تھا کہ ''واعدُّوا لھُم ما استطعتُم .... ولا تُظلمون''۔(۱۱۴) اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے)

زور سے اور گھوڑوں کو تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد ہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جنہیں تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے، ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے، اس کا ثواب تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا۔ قرآن کریم کی اس آیتِ مبارکہ میں ایک ابدی اصول اور ضابطہ طے کر دیا گیا کہ اُمّتِ مسلمہ کو کفار اور دیگر غیر مسلم دشمنوں کے مقابلے میں تمام جدید ترین ہتھیار اور ٹیکنالوجی حاصل کرنا چاہیے یہ اسلام کے عسکری اظہار کی اساس ہے۔

فاتحِ بدر و حنین، نبی الملاحمؐ کی سیرتِ طیبہ میں ہر ضابطۂ زندگی اور اصول ملتا ہے۔ عسکری اور فوجی لحاظ سے جو اقدامات ضروری ہیں اور جس سازوسامان اور اسلحے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے، اس لحاظ سے جدید ترین اسلحے کے حصول، مجاہدین اسلام کی دینی وعسکرت تربیت، دفاعی اور جنگی حکمت عملی، جدید اسلحہ سازی، دفاعی امور پر بھرپور توجہ اور اس کا حصول یہ بھی آپؐ کی عسکری زندگی اور سیرتِ طیبہ کا اہم حصہ رہا ہے۔ چنانچہ اہم دفاعی اور جنگی امور مثلاً اندرونی استحکام، فوجی تربیت، نوعیت جنگ کا درست اندازہ، مادی وسائل کی فراہمی، تیاری اسلحہ، اسلحے کے استعمال کی تعلیم، جنگی اور دفاعی منصوبہ بندی، میدانِ جنگ کے نقشے کی ترتیب، غور کردہ اقدام، حکمت عملی اور تدبر، جنگی کمانڈروں کا انتخاب وغیرہ پر آپؐ کی بھرپور نظر رہتی تھی اور آپؐ ان کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے۔(۱۱۵) مندرجہ ذیل جدول میں امریکہ، بھارت، برطانیہ، جاپان، اسرائیل اور چین کی تقابلی فوجی افرادی طاقت کا خلاصہ دینے کے علاوہ مسلم افواج کی مجموعی تعداد بھی پیش کی گئی ہے:

ملک	بری فوج	بحری فوج	فضائی فوج	کل تعداد
امریکہ	۷۳۱۷۰۰	۷۷۹۵۰۰	۵۱۷۴۰۰	۲۰۲۸۶۰۰
بھارت	۱۱۰۰۰۰۰	۵۵۰۰۰	۱۱۰۰۰۰	۱۲۶۵۰۰۰
برطانیہ	۱۴۹۶۰۰	۶۱۸۰۰	۸۸۷۰۰	۳۰۰۱۰۰
جاپان	۱۵۶۰۰۰	۴۴۰۰۰	۴۶۰۰۰	۲۴۶۰۰۰
اسرائیل	۱۳۴۰۰۰	۱۰۰۰۰	۳۲۰۰۰	۱۷۶۰۰۰
چین	۲۲۰۰۰۰۰	۲۶۰۰۰۰	۴۷۰۰۰۰	۳۰۳۰۰۰۰
تمام مسلم ممالک	۳۷۳۹۰۳۰	۲۳۲۷۰۰	۵۲۱۷۰۰	۴۴۹۳۹۳۰

عددی اعتبار سے مسلم ممالک کی مجموعی مسلح افواج بہت بڑی اور اہمیت کی حامل نظر آتی ہیں۔ بہت سے مسلم ممالک کے پاس نسبتاً جدید فوجی ادارے موجود ہیں۔ ترکی، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، شام، ایران اور سعودی عرب نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ دیگر ممالک مثلاً بنگلہ دیش، نائیجیریا، مراکش، تیونس، اردن، ملائیشیا، الجزائر اور کویت کے پاس معقول حد تک فوجی سازو سامان موجود ہے۔ یہ گروپ آپس میں مل کر کام کریں تو افرادی قوت اور روایتی فوجی سامان کے لیے ایک دوسرے کی جملہ ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ مشترکہ طور پر ان گروہوں کی مسلح افواج بہت سے دشمنوں کے مقابلے میں مسلم ممالک کا دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ انفرادی طور پر مسلم ممالک کی یہی فوجیں مختصر، کمزور اور مدد کے لیے غیر ملکی فوجوں کی دستِ نگر

ہیں۔ جو کسی المیے سے کم نہیں۔ اُمّتِ مسلمہ کو اس شعبے پر بطور خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔(۱۱۶)

عہدِ نبویؐ دور خلافتِ راشدہؓ اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں جدید عسکری نظام، جدید ترین ہتھیاروں کے حصول، اسلحہ سازی اور عسکری اور فوجی تربیت اور دفاعی امور کو اولیت حاصل رہی۔ اللہ کی ذات پر اعتماد اور بھروسے کے ساتھ مادّی وسائل اور جدید ترین ہتھیاروں کو بھی اہمیت دی گئی، اسلحہ سازی کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کیے جاتے تھے، اس طرح ایمانی قوت، اللہ پر توکّل اور دفاعی امور پر بھرپور توجہ کی بدولت مسلم افواج نے عظیم دفاعی معرکے طے کیے اور اسلامی تاریخ میں اپنا نام روشن کیا۔ آخر وقت کے مورخ اور مفکر نے انہیں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا:

یہ غازی، یہ تیرے پُراسرار بندے ۔۔۔ جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا ۔۔۔ سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ۔۔۔ عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن ۔۔۔ نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی(۱۱۷)

اب آیئے زمینی حقائق کی طرف، دنیا میں ایک ارب ۴۷ کروڑ ۶۲ لاکھ ۳۵ ہزار سے زائد مسلمان ہیں۔ ۶۱ اسلامی ممالک ہیں۔ جنہیں اُمّتِ مسلمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اس حوالے سے کس مقام پر ہیں چشم کشا اور افسوس ناک رپورٹ ملاحظہ فرمایئے: اپنے دل سے پوچھیے اس وقت دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت کون ہے؟ کس ملک کے پاس بڑی فوج ہے، کس کا دفاعی بجٹ زیادہ ہے، کس کے پاس دنیا میں سب سے زیادہ جوہری ہتھیار ہیں، میزائل کس کے پاس زیادہ ہیں، کس کے طیارے پوری دنیا کا چکر لگا سکتے ہیں، وہ کون سا ملک ہے جو اڑتے ہوئے طیاروں میں پیٹرول بھر سکتا ہے، جس کے پاس توپیں اور ٹینک ہیں، جو لیزر گائیڈڈ بموں سے ہزاروں میل دور تباہی مچا سکتا ہے، کس کے مصنوعی سیارے دنیا کی ایک ایک انچ پر نظریں گاڑھے بیٹھے ہیں، کون ہے جو ہزاروں میل دور بیٹھ کر آپ کے چشمے کا نمبر معلوم کرسکتا ہے اور کون ہے جو دنیا کا ہر کمپیوٹر اور ہر ٹیلی فون مانیٹر کر رہا ہے، یقیناً آپ کا جواب ہوگا امریکہ، آپ کی بات درست ہے امریکہ کے بعد برطانیہ، جرمنی، فرانس، اٹلی اور روس آتے ہیں اور اس کے بعد چین اور بھارت کا نمبر آتا ہے جب کہ بدقسمتی سے ایک بھی اسلامی ملک دفاعی سازوسامان بنانے والے ممالک کی فہرست میں شامل نہیں، پورے عالمِ اسلام میں پاکستان واحد ملک ہے، جس کے پاس ایٹم بم ہیں، اسلامی بلاک کے کسی ملک میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ کسی یورپی ملک کے بغیر اپنا دفاع کر سکے، آپ پوری اسلامی دنیا کی فوجی تنصیبات اور فوجی اثاثوں کا تجزیہ کریں، ان کے پاس رائفل سے لے کر جہاز تک امریکہ اور یورپ کے ہوں گے، وہ رائفلوں کی گولیاں تک کسی عیسائی ملک سے لے رہے ہوں گے۔

یہ ہے اسلامی دنیا کی صورتِ حال، یہ ہیں ہمارے زوال کی بعض وجوہات، قدرت کا قانون ہے جب بھی کوئی چیز بلندی سے گرتی ہے تو وہ ہمیشہ نیچے آتی ہے، قدرت نے آج تک دنیا کے کسی شخص، کسی قوم کے لیے اپنا یہ قانون تبدیل نہیں کیا، دنیا میں کامیابی اور فتح کے لیے خود کو طاقتور ثابت کرنا پڑتا ہے، یہ بھی قدرت کا قانون ہے، قدرت نے اپنا یہ قانون اپنے انبیائے کرام تک کے لیے تبدیل نہیں کیا تھا، حضرت آدمؑ سے لے کر رسولِ اکرمؐ تک دنیا کے ہر نبی کو جدوجہد

کرنی پڑی تھی۔ اور وقت کے ہر دور میں صرف وہی تہذیب قائم رہی جس کے پاس فوج، علم اور ٹیکنالوجی تھی لیکن بدقسمتی سے اس وقت عالم اسلام ان تینوں شعبوں میں بہت پیچھے ہے، بدقسمتی سے ہم سب زنگ آلود تلوار لے کر میزائلوں کے سامنے صف آراء ہیں۔(۱۱۸) یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس کا ادراک کرتے ہوئے یہی عسکری امور، جدید فوجی سازوسامان، جنگی ہتھیاروں کے حصول، اسلحہ سازی اور دفاعی امور پر بھرپور توجہ دینی ہوگی۔

''میڈیا وار'' اور مسلم دنیا میں ذرائع ابلاغ کا غیر موثر کردار:

روس کی شکست و ریخت کے بعد مغرب سمجھ رہا ہے کہ اب دنیا میں مغرب کی بالادستی کی راہ میں واحد رکاوٹ اسلام ہے۔ اسے اس بات کا بھی خوف ہے کہ اگر دنیا کے کسی خطے میں اسلام اپنی صحیح ہیئت کے ساتھ نافذ ہوگیا تو کمیونزم کی طرح مغربی نظامِ حیات (ویسٹرن سولائزیشن) بھی ریت کی دیوار کی طرح ڈھے جائے گا۔ اس خوف سے مغرب دنیا کی اسلام دشمن طاقتوں کو ساتھ ملا کر اسلام کے مقابلے پر صف آرا ہو گیا ہے۔ اس کے نزدیک اسلام پر کاری ضرب لگانے یا اسے ختم کرنے کا تاریخ میں ایسا سنہری موقع اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ آج کے دور میں اسلام پر مغرب کا یہ حملہ ایک نئے رخ سے ہے جسے ہم میڈیا وار کہہ سکتے ہیں۔ درحقیقت آج کا دور میڈیا کا دور ہے۔ اس کی طاقت ایٹم بم سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ میڈیا لاکھوں کروڑوں انسانوں کے ذہن و دماغ کو جس طرف چاہے، موڑ دیتا ہے۔ غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ مغرب محض موثر اور طاقتور میڈیا کے ذریعے ہمارے ذہنوں پر حکومت کر رہا ہے۔ وہ میڈیا کے ذریعہ ہماری سوچ کو متاثر کرتا ہے اور منصوبے کے تحت اسے خاص رخ پر ڈالتا ہے۔ یہ دور جسمانی غلامی کا نہیں، ذہنی غلامی کا ہے۔ اب مغرب نئی تیاریوں اور نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر سامنے آیا ہے۔ وہ جسم کے بجائے انسانی ذہنوں کو غلام بنانا چاہتا ہے۔ ذہنی غلامی، جسمانی غلامی سے کہیں زیادہ بدتر اور خوفناک ہوتی ہے اور اس دور میں ذہن وفکر کو غلام بنانے کا سب سے موثر ذریعہ میڈیا وار ہے۔ اس وقت ایک اہم مسئلہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی میڈیا کی یلغار ہے۔ ہمیں نہ صرف میڈیا کے اس بے رحم حملے کو روکنا ہے بلکہ میڈیا کا متبادل فراہم کرنا بھی وقت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، جس پر بہ حیثیت مسلمان ہمارے وجود و بقا کا دارومدار ہے۔ اگر اب بھی ہم نے غفلت برتی تو تاریخ اور آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ میڈیا وار کے اس نازک دور میں اُمّتِ مسلمہ، ۶۱ اسلامی ممالک اور اہلِ فکرودانش کی یہ ذمے داری ہے کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے اسلامی اقدار و تعلیمات اور مسلم اُمّہ کی تہذیب و ثقافت کو اجاگر کرنے، اسلام کی ترویج و اشاعت اور مغربی دنیا کے اعتراضات و شبہات کے ازالے کے لیے استعمال کریں۔

ذرائع ابلاغ کا مشنری استعمال:

مغرب کا حیا سوز اور اباحیت پسند سیکولرزم جہاں مسلمانوں میں بے حیائی و بداخلاقی فروغ دینے میں ذرائع ابلاغ کو استعمال کر رہا ہے، وہاں اپنے معاشرے میں شکست خوردہ عیسائیت عالمِ اسلام میں تخریب کاری کے لیے مشنری سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ اس کے بے شمار ریڈیو اسٹیشن اور ٹیلی ویژن چینلز عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تحقیر و توہین میں مصروف

ہیں۔ دنیا میں ان کے تقریباً 50 مشنری ریڈیائی اشاعتی ادارے مصروف کار ہیں۔(۱۱۹)

ذرائع ابلاغ کا مثبت استعمال: ایک ناگزیر ضرورت:

جدید ذرائع ابلاغ ایک طاقتور ہتھیار ہے، اگر مسلمان معاشرے اسے سلیقہ مندی سے استعمال کرنا سیکھ لیں اور مسلمان حکومتیں کافر معاشروں کی تقلید سے آزاد ہو جائیں تو ان ذرائع سے اسلامی معاشرے کی اصلاح استحکام اور قوت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ انہیں اسلام کی دعوت، فروغ تعلیم، جہالت کے خاتمے، سیاسی و معاشی اور فکری و ثقافتی شعور کی پختگی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مسلم معاشروں میں جو خرافات اور توہم پرستانہ نظریات موجود ہیں، ان کے ازالے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح مسلم دشمن ذرائع ابلاغ کے اٹھائے ہوئے اعتراضات اور منفی پروپیگنڈے کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ پھر مسلم معاشرے اگر آزاد ہوں اور ان کے ہاں اجتہادی صلاحیتیں ہوں تو ذرائع ابلاغ کو صحت مند تفریح کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔(۱۲۰)

صالح اور موثر قیادت کا فقدان اور ناکام خارجہ پالیسی:

دورِ حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کو جو متعدد مسائل درپیش ہیں، ان میں سے ایک اہم مسئلہ مسلم ممالک میں صالح اور موثر قیادت کا فقدان اور ناکام خارجہ پالیسی ہے، بیش تر مسلم ممالک آزاد ہونے کے باوجود اپنی پالیسیوں میں آزاد نہیں ہیں، خودداری اور خود انحصاری کا ہتھیار پھینک کر ہم کاسۂ گدائی اور کشکول لیے غیر مسلم اقوام، عالمی استعمار اور مغربی ممالک کے دستِ نگر ہیں۔ یہ غلامی کے وہ ہتھیار ہیں، جن کے سبب اُمتِ مسلمہ غیروں کے رحم و کرم پر ہے۔ عالمی امداد اور بیرونی قرضوں پر انحصار جب تک رہے گا، یہاں حکومتیں آزاد پالیسی وضع کرنے میں ناکام رہیں گی۔ یہی وہ بنیادی سبب ہے کہ مسلم امہ کی آواز عالمی عدالت میں غیر موثر ہو کر رہ گئی ہے۔ چناں چہ عالمی اداروں اقوام متحدہ، سلامتی کونسل، بین الاقوامی عدالتِ انصاف اور دیگر عالمی فورمز پر مسلم اُمّہ کی آواز اور مظالم پر احتجاج غیر موثر نظر آتا ہے۔ اس کا سبب صرف اور صرف ایک ہے، شاعرِ مشرق علاّمہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں(۱۲۱)

مسلم ممالک کو عالمی امداد کے حصار اور قرضوں کے بوجھ سے نکل کر خودداری، خود انحصاری، قناعت پسندی، دینی حمیت اور ملّی غیرت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ مغرب کی غلامی کا طوق اتار کر ذوقِ یقیں پیدا کرنا ہوگا۔ اس حوالے سے ہمیں شہنشاہِ دو عالم، سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ کا اسوۂ حسنہ، آپؐ کی سیرتِ طیبہ، خلفائے راشدینؓ کے طرزِ حکمرانی کا مثالی نمونہ، مسلم فاتحین اور مثالی مسلم حکمرانوں کے کردار و عمل کو دیکھنا ہوگا۔ صالح اور موثر قیادت، اُمتِ مسلمہ کی بنیادی ضرورت اور دینی و ملّی تقاضا ہے، عالمی اداروں میں ہماری آواز اور احتجاج اسی وقت موثر ہوگا، جب ہم خودداری کی راہ اپنائیں گے، ہماری خارجہ پالیسی بھی اسی وقت کامیاب ہوگی، جب ہم متحد، منظم اور موثر قوت کے طور پر دنیا کے سامنے آئیں گے۔

اُمّتِ مسلمہ میں خودداری اور احساس وشعور کی کمی:

ایک اہم مسئلہ اُمّتِ مسلمہ کو یہ درپیش ہے کہ وہ اپنے منصب اور مرکز سے دور ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو مقام، منصب اور ذمّے داریاں تفویض فرمائی تھیں، وہ اسے فراموش کر بیٹھی ہے، اسے خود فراموشی اور خدا فراموشی کی سزا مل رہی ہے۔ اس کے بارے میں تو قرآن کریم میں فرمایا گیا تھا۔ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا."۔ (۱۲۲) ''اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی اُمّت بنایا، تاکہ اور لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ ہو اور تمہارے مقابلے میں رسول گواہ ہوں۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ."۔ (۱۲۳) ''تمام اُمّتوں میں تم سب سے بہتر اُمّت ہو کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔'' "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"۔ (۱۲۴) ☆ تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے، جو دنیا کو نیکی کی دعوت دے بھلائی کا حکم کرے اور بُرائی سے روکے، وہی فلاح یافتہ ہیں اور فرمایا گیا۔

ان تینوں آیتوں میں میں اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مسلمہ کا حقیقی مشن، مقصدِ تخلیق اور قومی امتیاز و شرف اس چیز کو قرار دیا ہے کہ دنیا میں اعلانِ حق ان کا سرمایہ زندگی ہے۔ اور وہ دنیا میں اس لیے کھڑے کیے گئے ہیں کہ خیر کی طرف داعی ہوں اور نیکی کا حکم دیں اور بُرائی کو جہاں کہیں دیکھیں، اس کو روکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ من حیث المجموع اُمّتِ مسلمہ اپنے اس دینی و ملّی فریضے سے غافل ہے۔ اس میں احساس اور شعور کی کمی ہے، اُمّت اپنی حیثیت اور مشن کو فراموش کر چکی ہے۔ اس حوالے سے ہمیں کتاب اللہ، سنّتِ رسولؐ اور اُسوۂ نبویؐ سے ہر ممکن راہ نمائی لیتے ہوئے اس احساس اور تمنا کو زندہ کرنا ہوگا، جو ہماری قلوب کو گرما دے اور ہماری روحوں کو تڑپا دے۔

اُمّتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرتِ طیّبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

☆ مغربی میڈیا اور میڈیا وار

اُمّتِ مسلمہ کی دینی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کے خلاف ایک عظیم چیلنج:

۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر ''بال'' میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا، یہ منصوبہ انیس (۱۹) ''پروٹوکولز'' کی صورت میں دنیا کے سامنے عرصہ ہوا آ چکا ہے، اس منصوبے کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہتے ہیں۔ اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تمیں یہودی انجمنوں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا، انہوں نے جہاں یہ طے کیا تھا کہ تمام دنیا پر حکومت کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے وہیں اس دستاویز سے بھی ذرائع ابلاغ کو بھی بنیادی اہمیت دی گئی تھی۔ بارھویں دستاویز میں صحافت کی غیر معمولی اہمیت، اس کی تاثیر و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ ''اگر ہم (یہودی) پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے

کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضے کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔ ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہوکر اس کی باگ کو اپنے قبضے میں رکھیں گے۔ ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں۔ (۱۲۵)

ہم ایسے اخبارات کی سرپرستی کریں گے، جو انتشار و بے راہ روی، جنسی، اخلاقی انارکی طرف لے جانے والا ہوں، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کردیں گے۔ اس کے لیے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے۔ (۱۲۶) انہوں نے طے کیا کہ ہم دنیا کو جس رنگ کی تصویر دکھانا چاہیں گے، وہ پوری دنیا کو دیکھنا ہوگا۔(۱۲۷) یہودیوں نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے بڑی غیر معمولی ذہانت سے مختلف خانوں میں رنگ بھرنا شروع کردیا، اس سے پہلے انہوں نے ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر تمام دنیا کی نظروں میں اپنی خصوصیات (ذلت وخواری، بدطینتی، حرص و لالچ، قساوتِ قلبی، شرپسندی، انسانیت دشمنی) کو بدلنے، اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے اور اپنی تمام قومی خصوصیات کو مسلمانوں کے سر منڈھنے کی بھرپور کوشش کی، بالفاظِ دیگر یہودی میڈیا نے اپنی قوم کے چیچک زدہ چہرے کو پلاسٹک سرجری کے ذریعے خوبصورت بنانے کی جدوجہد پر اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں، یہ معمولی کام نہ تھا، اس لیے کہ صدیوں سے مسیحی و اسلامی لٹریچر اور دنیا کی انسانی تاریخ یہودیوں کی مکاری، دغابازی، انسانیت دشمنی، شرپسندی اور سازشی داستانوں سے بھری ہوئی تھی، بغیر اس عمل جراحی کے یہودیوں کے مقاصد کا حصول ناممکن تھا۔(۱۲۸)

۱۸۴۸ء میں امریکا کے پانچ بڑے روزناموں نے مل کر ''ایسوسی ایٹڈ پریس'' نامی خبر رساں ایجنسی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۰۰ء میں یہ ایجنسی ایک عالمگیر کمپنی کی صورت اختیار کرگئی، جس نے امریکی برِاعظم سے شائع ہونے والے تمام اخبارات و رسائل کو خبریں فراہم کرنے اور دنیا بھر میں ان اخبارات و رسائل کو تقسیم کرنے کا کام بھی سنبھال لیا۔ اس کمپنی میں ۹۰ فیصد حصہ یہودی سرمایہ کاروں کا ہے۔ ۱۹۸۴ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس ایجنسی سے تیرہ سو (۱۳۰۰) روزنامے اور تین ہزار سات سو اٹھاسی (۳۷۸۸) ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ رہے۔ سیٹلائٹ اور دیگر ذرائع سے روزانہ سترہ ملین الفاظ (ایک کروڑ سترہ لاکھ) پر مشتمل مضامین میڈیا کو فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کمپنی کا سرمایہ سو فی صد یہودیوں کا ہے اور ۹۵ فی صد کارکن یہودی ہیں۔(۱۲۹)

مغربی صحافت کی مسلمانوں پر تہذیبی اور ثقافتی یلغار:

مغربی صحافت مسلسل مسلمانوں کا تعاقب کر رہی ہے اور بیشتر کالم نگار، قلم کار اور تجزیہ نگار یہودی یا صیہونی طرزِ فکر سے متاثر ہیں۔ عالمی صیہونیت کے زیرِ اثر جو رسائل و جرائد نکلتے ہیں، وہ سب یہود اور اسرائیل کے مفاد میں لکھتے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کی جو تصویر کشی کی جاتی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے کہ مسلمان انتہائی وحشی اور جنونی قوم ہیں، یہ تمدن سے اس طرح عاری ہیں جس طرح ریڈ انڈین امریکی تمدن سے عاری رہے۔ ان رسائل میں مسلمانوں کی تصاویر اور کارٹون مضحکہ خیز انداز سے دیئے جاتے ہیں، مثلاً ایک بیوقوف شخص پیٹرول پمپ کے پیچھے کھڑا حماقت بھری نظروں سے تیل ڈالتے ہوئے

گاڑیوں کو دیکھ رہا ہے۔ ایک اور شخص متعدد بیویوں کے جھرمٹ میں چلا آ رہا ہے۔ ایک متعصب اور ضدی مسلمان تلوار اور سنگین لیے کھڑا ہے۔ مغربی جرائد دنیا میں برپا ہونے والی اسلامی تحریکات کے خلاف نفسیاتی جنگ کے مختلف اسالیب سے پُر ہوتے ہیں۔ مثلاً ان جرائد میں عنوانات اس طرح ہوتے ہیں: ''سیاہ افریقہ سے سائبیریا تک اسلامی لہر دنیا کو فتح کرتی جارہی ہے۔'' یہ مضمون ایک فرانسیسی مجلّہ ''باری ماتش'' میں شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ عربی مجلّہ ''الاصلاح'' میں چھپا۔ ''اسلامی نشاۃ ثانیہ کی آندھیاں دنیا کو خوفزدہ کر رہی ہیں۔'' ''اسلامی گھوڑے تیار کھڑے ہیں اور مغرب پر لرزہ طاری ہے۔'' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام کے خلاف نہ صرف الیکٹرانک میڈیا بلکہ پرنٹ میڈیا کی طوفانی یلغار بھی جاری ہے۔ مغربی اخبارات مسلمانوں کی بیداری سے خائف ہیں۔ وہ حکمرانوں کو اکساتے رہتے ہیں کہ اسلامی تحریکوں کو کچل دو، مبادا یہ تمہارے اقتدار کے لیے خطرہ بن جائیں۔(۱۳۰)

ہمارے دشمن کا مؤثر ہتھیار ''میڈیا'' صرف حصولِ اطلاعات کا ذریعہ نہیں کشمکش کا میدان بھی ہے اور محاذِ جنگ بھی۔ اس سے ہمارے اعلیٰ سماجی اقدار، اخلاقیات، انسانی و سماجی بندھن بُری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ مغربی میڈیا نہایت مہارت سے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ میں بدل دیتا ہے۔ اس وقت دنیائے عالم میں میڈیا وار زور وشور سے جاری ہے۔ دنیا کو ایک خاص رخ پہ ڈالا جارہا ہے۔ یہ جنگ کن کن شکلوں میں ہو رہی ہے، طریقۂ واردات کیا ہے؟ کہاں کہاں سے دنیائے اسلام اور اسلام پر حملے ہو رہے ہیں۔ کن اقدار کو تبدیل اور کن میں تشکیک پیدا کی جارہی ہے ان پر تسلسل سے نظر رکھنا، باخبر رہنا اور ان حملوں کا توڑ کرنا ناگزیر ہے۔(۱۳۱)

نئے سیاسی نظام کی تشکیل میں اور اہداف کے حصول کے لیے استعمار کا اصل ہتھیار میڈیا ہی ہے۔ (۱۳۲)
اسلام کے احیاء اور عالمی اسلامی تحریکوں کو بنیاد پرستی اور دہشت گردی سے منسلک کرنے کا سارا عمل یہودی ونصرانی میڈیا کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں ہندوؤں کا تشدد اور دہشت گردی دنیا کے سامنے لانے سے گریز کی پالیسی برسوں سے چل رہی ہے جب کہ مجاہدین کو درانداز، چھاپہ مار اور دہشت گرد کے نام سے متعارف کرانا بھی پالیسی کا حصہ ہے۔ فلسطین میں اسرائیل کی دہشت گردی، قتل و غارت گری اور انتہائی ظلم و جور سے آنکھیں بند کر کے آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے۔ میڈیا وار میں مغرب کا سب سے بڑا حلیف بھارت ہے، خصوصاً ثقافتی جنگ میں بڑے پارٹنر کا کردار ادا کر رہا ہے اور سب سے زیادہ اثرات پاکستانی معاشرے پر ڈالنے میں ہمہ تن مصروفِ عمل ہے۔

میڈیا کی جو تصویر اوپر بیان کی گئی ہے ''محض نمونہ'' کے طور پر ہے۔ مغربی میڈیا کے اثرات سے مقابلہ مسلم عوام کی سیاسی بیداری سے ہی ممکن ہے۔ یہ اسلامی تحریکوں کا فرض اولین ہے کہ عوام میں شعور پیدا کریں۔ دوسرا اہم کام مسلم اُمّہ کا یہ ہے کہ میڈیا کے میدان میں خالص اسلامی و سیاسی شعور سے آراستہ ایک ٹیم تیار کریں جو کفر کے حملوں کا توڑ کر سکے۔ آنکھیں بند کر لینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ تیسرا اہم کام میڈیا (ذرائع ابلاغ) اداروں پر مسلم عوام کا سیاسی و سماجی دباؤ ہے۔ جس سے دب کر یہ ادارے دشمن کا دستِ راست بننے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔(۱۳۳) علامہ اقبال کے الفاظ میں:

دنیا کو ہے پھر معرکۂ رُوح و بدن پیش تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا(۱۳۴)

اسلامی اقدار کے تحفظ اور مغربی میڈیا کے بڑھتے ہوئے چیلنج سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئیں۔ قرآن و سنّت کا دامن تھام لیں۔ اعلیٰ اوصاف اپنالیں، مذموم مشاغل ترک کردیں۔ یاد رکھیے! اسلامی اقدار کے احیاء اور موجودہ چیلنجز سے نمٹنے کے لیے ہمیں نئے اصولوں کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کے دیئے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان باہر سے آنے والی نئی ہوا کو قبول کرسکتا ہے، مگر اسلامی ضمیر کو غیر اسلامی ضمیر سے بدل کر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی ساری تہذیبیں اور مذہب مٹ گئے، لیکن اسلام آج بھی زندہ و تابندہ اور قابلِ عمل ہے۔ یہی اس کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس سچائی کی خاطر مسلمان جمود کے بجائے متحرک ہوجائیں تو آن ماضی آج بھی ان کے قدم چومنے کے لیے بے تاب نظر آئے گی۔ اقبالؒ مسلمانوں کو خودی کا درس دیتے ہوئے ان کی پستی کی وجہ اغیار کی اندھی تقلید قرار دیتے ہیں۔

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من(۱۳۵)

بہرکیف یہ صورتِ حال شدّت سے اس ضرورت کی اہمیت واضح کر رہی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کو اجتماعی سطح پر ابلاغی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ لیکن شعوری کوشش اور منصوبہ بندی و منصوبۂ عمل کے بغیر اس طوفان کی لہروں میں ہماری قومی و انفرادی حیات کا غرق ہوجانا فطری بات ہوگی۔ اُمّتِ مسلمہ کو فوری طور پر مندرجہ ذیل اقدامات کرنے چاہئیں:

☆ مسلم ماہرین اور دانش ور مل کر قومی مقاصد اور ترجیحات کا تعین کرکے قومی ابلاغی پالیس تشکیل دیں۔
☆ میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کو تربیت دی جائے۔ عوام کو اس کے مفید اور مضر پہلوؤں سے آگاہ کیا جائے۔
☆ ابلاغی منصوبہ بندی کا شعور اجاگر کرکے مؤثر منصوبہ بندی فراہم کی جائے تاکہ ہم اپنے مقاصد و اہداف کا تعین کرکے ملّی مفادات اور اسلامی اقدار کو فروغ دے سکیں۔
☆ نظامِ تعلیم کی اسلامائزیشن کی جائے اور اس کے ذریعے ذرائع ابلاغ کا مفید استعمال سکھایا جائے۔
☆ یہ حقیقت ہے کہ ایک مومن زندگی کی غلط اقدار کے ساتھ مصالحت نہیں کرسکتا بلکہ وہ فاسد قدروں سے نبرد آزمائی کرتا ہے، اس کا کام حیات انسانی کی بگڑی ہوئی قدروں کی اصلاح ہے، اس سلسلے میں اسے تخریب سے بھی کام لینا پڑے تو صحیح ہے، یہ بنائے تعمیر و اصلاح ہوگا۔ چنانچہ اقبال یہی فرماتے ہیں:

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے(۱۳۶)

''میڈیا کی یلغار'' یوں تو پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے، لیکن اس کا اصل ٹارگٹ مسلمان قوم ہے۔

عالم گیریت۔ (گلوبلائزیشن) اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے خلاف ایک عالمی سازش۔ ایک اہم چیلنج:

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی اور ابدی حقیقت ہے کہ اسلام نے انسانیت کو ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب عطا کی، ایک مثالی اور ابدی ضابطۂ حیات عطا فرمایا، ایک ایسا فلسفۂ حیات عطا فرمایا جس نے انسانی تہذیب وتمدن پر گہرے اور انمٹ نقوش مرتب کیے، مشرق ومغرب غرض دنیا کے ہر خطے اور ہر قوم پر اس کے مثالی اثرات مرتب ہوئے، جس کے نتیجے میں دنیا ایک ایسے ضابطۂ حیات سے متعارف ہوئی، جس نے زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں ان کی رہنمائی کی، چنانچہ اسلام نے مذہب، معاشرت، سیاست، معیشت، تہذیب وتمدن، اخلاق اور انسانی زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کی قیادت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

اسلام ایک آفاقی دین اور ابدی ضابطۂ زندگی ہے، جب کہ مسلم اُمّہ بلاتفریق رنگ ونسل اور قوم وملّت ایک اُمّت ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے غیر اسلامی اور غیر انسانی امتیازات کا خاتمہ فرما کر پوری انسانیت اور مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا۔ مسلم اُمّہ کا تصور عالمگیر حیثیت کا حامل اور بین الاقوامّیت کے اصولوں پر مبنی ہے، آپؐ نے عرب وعجم، کالے اور گورے ہر انسان کو آدمؑ کی اولاد قرار دے کر پوری انسانیت کو ایک برادری اور مسلم اُمّہ کو جسدِ واحد، ایک اُمّت قرار دیا، مساوات اور اخوت و اجتماعیت کا یہ رنگ دینی مساوات اور ملّی یگانگت کا مظہر ہے۔ رُوحِ اسلام نے اخوت، اجتماعیت اور فلاحِ انسانیت کا وہ تصوّر عطا کیا، جس کی مثال پوری انسانیت اور مذاہب کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، تاہم اُمّت اور ملّت کا یہ تصوّر صرف اور صرف اسلامی اخوت و اجتماعیت اور دینی وملّی یگانگت پر مبنی ہے، اس نظریے نے وحدتِ اُمّت کے تصوّر کو اُجاگر کیا اور قومِ رسولِ ہاشمیؐ ایک عالمگیر اُمّت اور ملّت قرار پائی۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

اپنی ملّت پہ قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر ۔۔۔ خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ (۱۳۷)

اس طرح گویا اسلامی عالمگیریت کا وہ اصول وضع ہوا جس نے پوری اُمّہ کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا، خدمت اور فلاحِ انسانیت اس کی بنیاد قرار پائے۔ (۱۳۸) یہ ایک عالمگیر مذہب ''دینِ اسلام'' اور عالمگیر اُمّت ''مسلم اُمّہ'' کی خصوصیت ہے، جب کہ عہدِ حاضر میں اکیسویں صدی کے آغاز پر جبر واستبداد، ظلم واستحصال، استعماریت پسندی اور معاشی استحصال پر مبنی جو دو اصول صلیب کے علمبرداروں اور صہیونیت کے ترجمانوں یورپ اور امریکا نے انسانیت کے سامنے پیش کیے، وہ ''نیورلڈ آرڈر'' اور ''گلوبلائزیشن'' ہیں۔ (۱۳۹) عالمی استعمار اور صہیونیت کے یہ دو ہتھیار وہ ہیں جن کے ذریعے وہ عالمگیریت کے نام پر پوری دنیا کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں، یہ عالمگیر سطح پر اسلام اور مسلم اُمّہ کے خلاف بالخصوص اور پورے مظلوم انسانیت کے خلاف بالعموم ایک عالمی سازش ہے۔ (۱۴۰)

جس کا مقصد عالمگیر سطح پر معاشی استحصال کے سوا کچھ نہیں۔ یہ اقتصادی اور معاشی طور پر انسانیت کو مفلوج کر دینے کی عالمی کوششوں کا حصہ ہے۔ The International Encyclopedia of Business Management" کے مطابق یہ ایک عالمی تہذیب کے پھیلاؤ اور اسے وسعت دینے کے لیے نقشِ راہ ہے۔

عالمگیریت کیا ہے؟ مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی آراء:

☆ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (عالمی تجارتی تنظیم) جو عالم گیریت کی سب سے بڑی داعی ہے، اس کی کچھ اس طرح تعریف کرتی ہے کہ: ''عالم گیریت دنیا کے ممالک کے درمیان اس اقتصادی تعاون کا نام ہے۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد کسٹم اور جغرافیائی حدود کو ختم کرنا اور پوری دنیا کو ایک عالمی منڈی میں تبدیل کرنا ہے۔''(۱۴۱) ☆ امریکہ کے ماہر سیاسیات ''جیمس روزانو'' گلوبلائزیشن کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ: ''یہ اقتصاد، سیاست، ثقافت اور آئیڈیالوجی (نظریات) کی تبدیلی کی ایک راہ ہے، جس پر چلنے کے بعد صنعتیں، ایک ملک میں محدود نہ رہ کر پوری دنیا میں پھیل سکتی ہیں اور انسانوں کے ذریعے استعمال ہونے والے سامان میں یگانگت قائم ہوسکتی ہے۔(۱۴۲) ☆ مشہور امریکی مصنف ''ولیم گریڈر'' ۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والی کتاب ''عالم واحد۔ مستعدون ام لا'' (عربی ترجمہ) میں گلوبلائزیشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''یہ بین الاقوامی صنعت اور عالمی تجارت میں برپا انقلاب کے نتیجے میں سامنے آنے والا طریقۂ کار ہے یہ طریقۂ کار ترقی و تباہی دونوں پر یکساں قدرت رکھتا ہے اور عالمی سرحدوں سے بے پرواہ ہوکر اپنے راستے پر گامزن رہتا ہے، یہ ترقی کا جتنا بڑا سبب ہے، اتنا ہی خطرناک بھی ہے۔(۱۴۳) ☆ عالمی تجارتی انسائیکلو پیڈیا (The International Encyclopedia of Business Management) نے گلوبلائزیشن کی یہ تعریف کی ہے: ''یہ ایک عالمی تہذیب کے پھیلاؤ اور اس کو وسعت دینے کے لیے نقش راہ ہے۔''(۱۴۴)

☆ ''علی حرب'' عالم گیریت کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں کہ: ''عالم گیریت ایک تہذیبی ترقی کا نام ہے، جس کی بنا پر اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی تبادلہ ہوتا ہے اور نہایت سہولت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ معلومات، افکار و خیالات اور اموال منتقل ہوجاتے ہیں۔''(۱۴۵) ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ گلوبلائزیشن ایک ایسی تحریک ہے، جو اقتصادی میدان میں آزاد تجارت کی داعی ہے، جو جغرافیائی حدود کو تسلیم نہ کرکے کسی بھی شخص کو دنیا کے کسی بھی کونے میں تجارت کرنے کی اجازت دیتی ہے، سیاست کے میدان میں یہ کسی بھی ملک میں، وہاں کی مقامی حکومت اور اس ملک کی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتی۔ تہذیب و ثقافت کے میدان میں یہ پورے عالم میں ایک ہی تہذیب اور ایک ہی ثقافت کو نافذ کرنا چاہتی ہے۔

☆ ڈاکٹر ''ترکی الحمد'' کہتے ہیں کہ: ''گلوبلائزیشن سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کا طریقۂ کار ہی نہیں، بلکہ اس طریقۂ کار کو اپنانے کی ہمہ گیر دعوت کا نام ہے، یہ پوری دنیا پر تسلط کے ارادے کو بلاواسطہ طور پر وجود بخشنے کا ایک ذریعہ ہے، مختصراً عالم گیریت، اقتدار و بالادستی کی طرف پیش قدمی کرنے اور ہر نافع چیز کو معدوم کرنے کا نام ہے۔(۱۴۶) ☆ ڈاکٹر ''مصطفیٰ النشار'' کہتے ہیں کہ: ''عالم گیریت کا مطلب ہرگز مختلف تہذیبوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب تمام مقامی اور قومی تہذیبوں کو مٹا کر پوری دنیا کو مغربی رنگ میں رنگ دینا ہے۔''(۱۴۷) ☆ ڈاکٹر ''عبدالوہاب المسیری'' کہتے ہیں کہ: ''عالمگیریت مغربی روشن خیالی کی دعوت و تحریک کا نام ہے، جس کا مقصد تہذیبی اور انسانی خصوصیات کا خاتمہ کرنا ہے۔''(۱۴۸)

☆ ڈاکٹر ''مصطفیٰ محمود'' کہتے ہیں کہ: ''یہ کسی بھی قوم کے دینی، معاشرتی اور سیاسی انتساب کو ختم کرنے کا داعی

ہے تا کہ اس قوم کی حیثیت بڑی طاقتوں کے ادنیٰ خادم کی سی رہ جائے۔(۱۴۹) ایک تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ: ☆ گلوبلائزیشن ایک ایسی تحریک ہے، جس کا مقصد مختلف اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی نظاموں، رسوم و رواج اور دینی، قومی اور وطنی امتیازات کو ختم کر کے، پوری دنیا کو امریکی نظریے کے مطابق، جدید سرمایہ دارانہ نظام کے دائرے میں لانا ہے۔(۱۵۰) ☆ ڈاکٹر ''صادق جلال العظم'' گلوبلائزیشن کی تعریف کرتے ہیں کہ: ''یہ تمام ممالک کو ایک مرکزی ملک (امریکہ) کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے۔'' (۱۵۱) ☆ بہت سے مفکرین نے نہایت مختصر انداز میں عالم گیریت کی یہ تعریف کی ہے کہ: ''گلوبلائزیشن کے معنیٰ ہیں ''حدود کا اختتام'' یہ جامع تعریف بڑی طاقتوں کے منصوبے کی ترجمانی کرتی ہے کہ مستقبل میں ہر قسم کی حد بندی، خواہ اس کا تعلق اقتصاد سے ہو یا سیاست سے، تہذیب سے ہو یا ثقافت سے، علم و دانش سے ہو یا طرزِ زندگی سے، ختم کر دی جائے گی اور دنیا مختلف رنگوں کے بجائے ایک ہی رنگ کی ہوگی۔''(۱۵۲)

جس کے تحت مغرب پوری دنیا کے نظام کو اپنے عسکری، سیاسی اور اقتصادی مفادات و ترجیحات کے تابع بنانا چاہتا ہے تا کہ وہ عرصۂ دراز تک اپنی عالمی یکتائی کے زور پر بین الاقوامی سرمایہ داریت اور استحصالیت کو تحفّظ دے سکے۔ اس عالمی نظام کے پس پردہ محرکات اور ترجیحات میں اہم ترین احیائے اسلام کی تحریکوں کو کچلنا، اسلام اور مسلم اُمّہ کے خلاف فضا قائم کرنا اور مسلم دنیا کی بالخصوص اور پوری دنیا کی اقتصادی اور معاشی حالت کو کنٹرول کرنا اور اس پر اجارہ داری قائم کرنا اس کے بنیادی اہداف ہیں، جب کہ ''گلوبلائزیشن'' کی عالمگیر تحریک گو کہ عہدِ حاضر میں متعارف کرائی گئی ہے، تاہم یہ تحریک ایک منظّم، مربوط اور طے شدہ سازش کا حصّہ ہے، چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں گلوبلائزیشن کے معنی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے منظّم طور پر کوششوں کا آغاز ہوا، اگرچہ لفظ گلوبلائزیشن کا وجود اس وقت نہیں ہوا تھا، چنانچہ ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے مشہور شہر باسل میں صہیونیوں کی پہلی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں ۵۰ عالمی یہودی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے ۳۰۰ یہودیوں نے شرکت کی، انہوں نے اس کانفرنس میں عالمی صہیونی حکومت کے قیام اور پوری دنیا کو غلام بنانے کا منصوبہ بنایا اور نہایت خفیہ طریقے سے چند ایسی تجاویز پاس کیں جن کو صہیونیت کے علمبرداروں کی زبان میں ''پروٹوکولز'' کہا جاتا ہے۔ یہ پروٹوکولز ایک کتاب کی صورت میں مرتب ہیں، جو ۱۹/۱۱ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے گیارہویں اور انیسویں باب میں عالمی حکومت کا تخیل ملتا ہے۔(۱۵۳) ان پروٹوکولز میں یہودی مفکرین نے آنے والی نسلوں کو یہ وصیت کی کہ وہ عظیم تر اسرائیل، بہ الفاظ دیگر عالمی صہیونی حکومت کے قیام کے لیے تمام مادی وسائل پر قبضہ کرلیں تا کہ ان کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت مستقبل کی مملکت کی راہیں ہموار کردے۔ ذرائع ابلاغ کو اپنے کنٹرول میں لے لیں تا کہ رائے عامہ ہموار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ ''گلوبلائزیشن'' کا نظریہ آج اقتصادی، (معیشت) اور میڈیا کی راہ سے ایک مؤثر طاقت بنتا جارہا ہے۔(۱۵۴)

بیسویں صدی سے اکیسویں صدی تک کے سفر میں ''گلوبلائزیشن'' کے لیے راہیں ہموار کی گئیں اور آج یہ ایک عالمی حقیقت کا رُوپ دھار چکی ہے، چند سیاسی اور اقتصادی حالات نے ''گلوبلائزیشن'' یا عالم گیریت کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا اور عہدِ حاضر میں اسے نظریے سے حقیقت اور فکر و خیال سے ایک زندہ اور عالمگیر حقیقت کا رُوپ دے دیا گیا

ہے۔(۱۵۵) آج ''گلوبلائزیشن'' کی اس منظم تحریک کے سبب مغرب عربوں کے مال کو ہتھیا کر خود اس کو سرمایہ کاری میں لگا رہا ہے۔ وسائل سے مالا مال عرب دنیا قرضوں کے بوجھ تلے دبی جارہی ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق عالم عرب ہر منٹ میں تقریباً ۵۰ ہزار ڈالر قرض لیتا ہے جب کہ اتنی ہی مقدار یورپ ہر منٹ میں سرمایہ کاری پر لگا رہا ہے۔(۱۵۷)

''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت کا ایک مقصد اقتصادی میدان میں مقامی حکومت کی قوت اور اقتدار کا خاتمہ کر کے عالمی معیشت پر اسرائیلی اور امریکی بالادستی قائم کرنا ہے اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ آزاد تجارت و معیشت کے نام نہاد نعرے کے ذریعے پوری دنیا کی دولت سمیٹ کر چند ہاتھوں میں لے جانا چاہتی ہے۔ یہ اقتصادی اور معاشی استحصال کا وہ عالمگیر ہتھکنڈا ہے جس کے ذریعے چند بالادست با اختیار عالمی طاقتیں دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہیں۔ یہ معاشی استحصال کا عالمگیر ہتھیار اور ظلم و استبداد کا استعماری پیمانہ ہے۔ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ ''گلوبلائزیشن'' یا عالمگیریت محض سیاسی یا اقتصادی تحریک ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ براہِ راست اسلام اور مسلم اُمّہ پر حملہ بھی ہے کیوں کہ اسلام ہی وہ آفاقی عالمگیر اور ابدی ضابطۂ حیات ہے جو معاشی استحصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور معاشی میدان میں دیانت و امانت کے اصول کو متعارف کرا کر خدمتِ خلق اور فلاح انسانیت کا ابدی او عالمگیر اصول عطا کرتا ہے یہ ہر دور کے معاشی استحصال پر مبنی باطل اور ظالمانہ نظام کے سامنے جہاد کا علم بلند کرتا ہے۔(۱۵۸)''گلوبلائزیشن'' اسلام اور مسلم اُمّہ کے خلاف عالمی سازشوں کے جن منصوبوں پر گامزن ہے اور جو تانے بانے بُن رہا ہے، جو سازشیں کر رہا ہے، اس پر ایک نظر ڈالیے: ☆ عالمگیریت (گلوبلائزیشن) کی یہ کوشش ہے کہ مسلمانوں کے دینی عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے جائیں، تاکہ مسلمان اپنے دین و مذہب سے دُور ہو کر اپنے مذہب کا سہارا نہ لے سکیں جو دراصل ان کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ ☆ مغربی مادہ پرست اور ملحدانہ افکار و خیالات کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے کے مقصد سے، مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کو مغربی طاقتوں کے زیر اثر کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے پاس کوئی مرکز نہ رہ سکے۔ ☆ ہر ملک میں اسلامی عقیدے کی جگہ مادی فلسفہ کو مسلط کر دیا جائے، تاکہ مسلمان اسلامی عقائد سے روشنی نہ پا سکیں۔

☆ اسلام کو حکومت اور سیاست سے بے دخل کر دیا جائے اور مغربی اقدار پر مبنی ''سیکولر'' فلسفے کی بنیاد پر حکومتوں کی تشکیل دی جائے۔(۱۵۹) چنانچہ آج ہر مسلم ملک میں ایسی تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں جو آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام پر اسلامی شریعت کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف ہیں ان اداروں کو فکری اور مادی طور پر مغرب کی حمایت حاصل ہے۔ ان کا مقصد اسلامی تہذیب و ثقافت کی مخالفت کرنا اور اسلامی قوانین کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ عرب مصنف محمد مخزون رقمطراز ہیں: ''اس ثقافتی حملے کا ہدف چند وجوہ کی بناء پر صرف اور صرف مسلمان ہیں، اس لیے کہ وہ زبردست مادی رسائل سے مالا مال ہیں، مغرب کو اس امر کا بخوبی علم ہے کہ اس کے عزائم اور مقاصد اس وقت تک پورے نہیں ہوسکتے جب تک اُمتِ مسلمہ کا دینی، مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی تشخص برقرار ہے۔(۱۶۰) سب سے زیادہ خطرناک امر یہ ہے کہ عالمگیریت کے قائدین براہِ راست اسلامی شعائر، اصول و اقدار پر حملے کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ کسی طرح اسلام کے مسلمہ عقائد کا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ حتیٰ کہ روئے زمین اسلام کے ماننے والوں

اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں سے خالی ہو جائے۔

عالمگیریت اور اُمّتِ مسلمہ:

عالمگیریت کی تحریک کے نتیجے میں جو تبدیلیاں آئیں گی، اس کا حاصل یہ ہوگا کہ سرمائے اور اشیاء کی منتقلی آسان ہوگی اور شاید افراد کی آمدورفت بھی آسان ہوگی۔ چونکہ مغربی کلچر بدکرداری پر مبنی ہے، اس لیے سب سے پہلا اثر تو اخلاقی ہوگا۔ بدکرداری کو فروغ ملے گا۔ سرمایہ دار ممالک کے بدکردار افراد کو دولت کی وجہ سے ہر قسم کے اقدام کی اجازت ہوگی اور حکومتیں ان کو تحفظ فراہم کریں گی۔ لوگوں کو تسلی دی جائے گی کہ سرمایہ کاری بڑھ رہی ہے۔ طوائف کلچر کی حوصلہ افزائی ہوگی کیوں کہ عصمت فروشی بھی تو سرمایہ لانے کا باعث بنے گی اور سرمایہ سے محبت کرنے والی حکومتیں اسے ''جنسی صنعت'' (Sex Industry) قرار دینے میں کوئی تامل نہ کریں گی۔ مسلم دنیا پر پہلا اثر جو عالمگیریت کا ہوگا وہ حیا باختگی اور اخلاقی فساد کا ہوگا۔ مسلمان معاشروں میں جو تھوڑی بہت مزاحمت ہے، وہ عالمگیریت کے بوجھ تلے دم توڑ دے گی (خدا نہ کرے کہ ایسا ہو) مسلم معاشروں پر عالمگیریت کا جو دباؤ ہوگا، اس کی وجہ سے انہیں اپنے معاشروں میں دینی روایت کو قائم رکھنا ہوگا، انہیں زبان کی حفاظت کرنا ہوگی اور اپنے معاشرتی اداروں کا دفاع کرنا ہوگا اور سب سے اہم اپنے تشخص کو بدلتے ہوئے حالات، نئے تقاضوں اور تغیر پذیر عالمی ماحول میں قائم رکھنے کی جدوجہد کرنا ہوگی۔(۱۶۱)

اُمّتِ مسلمہ کا لائحۂ عمل:

مغربی تہذیب کے موجودہ چیلنج اور دنیا کی واحد بڑی طاقت کی عیاں جارحیت کے سامنے دو ہی راستے کھلے ہیں۔ ایک مکمل اطاعت کا اور دوسرا اپنے تشخص کے تحفظ کا۔ مسلم ممالک کے اربابِ اختیار تو شاید پہلے راستے کو منتخب کریں، کیوں کہ اس میں ان کی اپنی حفاظت کا راز پنہاں ہے اور ان کے مفادات مغربی تہذیب کے غلبے سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا وہ اس طریق کار کا ساتھ دیں گے اور عالمگیریت کے لیے سہولتیں بہم پہنچائیں گے، لیکن مسلم ممالک کے اہلِ دین بالخصوص اور عوام بالعموم شاید اپنی اقدار کی تباہی اور اپنے تشخص کی معدومی کو قبول نہ کریں۔ اسلامی اخلاق و اقدار کے تحفظ کے لیے شاید کوئی اقدام کریں اور اس طرح خطرہ ہے کہ مسلم معاشرے داخلی طور پر تصادم کی راہ پر چل نکلیں'' جو کسی طرح بھی اُمّت کے مفاد میں نہیں ہوگا۔ مسلم معاشروں کے لیے الگ الگ اسٹریٹجی اختیار کرنے کی بجائے ایک متحدہ لائحۂ عمل اختیار کرنا ہوگا، کیوں کہ عالم گیریت کے سلسلے میں مغرب نے متحدہ اسٹریٹجی اپنائی ہے، مثلاً شریعت کے نفاذ کی مخالفت میں تمام مغربی ممالک متفق ہیں آزاد خیالی کے حق میں سب متحد ہیں، لادین مغربی جمہوریت کے حق میں سب متحد ہیں اور نام نہاد انسانی حقوق کی پاسداری میں سب متفق ہیں، لہٰذا اُمّتِ مسلمہ کو متحدہ لائحہ عمل تیار کرنا اور اپنانا ہوگا۔(۱۶۲) جب تک مسلمان اپنے عقیدے پر مضبوط ایمان کو اختیار نہیں کریں گے، اس وقت تک اس حملے کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اُمّتِ مسلمہ کا ہر فرد تجدید عہد کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مستحکم کرنے کا انتظام کرے، تاکہ وہ اس جارحیت میں ثابت قدم رہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے اپنی محبت و اطاعت کے تعلق کو مضبوط کرے اور اس کے خلاف کوئی چیز قبول نہ کرے، حبِ الٰہی اور حب رسول

ﷺ مسلمان کا حصار اور اس کا کامیاب ہتھیار ہے، اُمت نے اب تک ہر چیلنج کا مقابلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سُوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعتِ صحرا دے

احساسِ عنایت کر آثار مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے(۱۶۳)

بنیاد پرستی۔ انتہا پسندی اور عالمی دہشت گردی پر مبنی چیلنج

بنیاد پرستی۔ مختصر تاریخی و تحقیقی جائزہ:

''بنیاد پرستی'' یا ''فنڈامینٹلزم'' کی اصطلاح مغرب کی پروٹسٹنٹ دینیات کے تناظر میں انیسویں صدی کے آخر میں سامنے آئی اور بیسویں صدی کے آغاز میں اس کا چلن عام ہوا۔ اسے غیر مسیحی مذاہب اور بالخصوص اسلام کے پیروکاروں پر منطبق کرنا اصولاً درست نہیں، غیر مسیحی مذاہب ''اصلاح مذہب'' اور ''نشاۃ ثانیہ'' کے نتیجے میں ''دنیاویت پرستی'' (Secularization) کے اس عمل سے نہیں گزرے، جس کا ردِّ عمل The Fundamentals: A Testimony to the Truth (اشاعت: ۱۹۰۹ء) کی شکل میں سامنے آیا تھا۔ مغرب کے سیکولر، لبرل حکمرانوں نے ''بنیاد پرستوں'' کو علم و تجربہ کے مخالف کے طور پر پیش کیا، انہیں تنگ نظر قرار دیا اور دنیا میں جہاں کہیں بھی لوگوں نے احیائے دین کی بات کی، جھٹ ان پر ''بنیاد پرست'' ہونے کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ عالمِ اسلام کے حوالے سے مذہبی مدارس کے فارغ التحصیل علماء ہوں یا اسلامی تحریکوں کے کارکن، ان کے ایمان و عقیدہ میں کوئی فرق نہیں، مگر مدرسے کا فارغ التحصیل، اگر اپنی سرگرمیاں تبلیغ و تدریس تک محدود رکھے ہوئے ہے تو وہ ''روایت پسند'' مسلمان ہے اور اگر وہی شخص راسخ العقیدہ باعمل مسلمان ہے، کسی دینی تحریک میں شامل ہے تو وہ ''بنیاد پرست'' ہے۔ مزید برآں مغربی ذرائع ابلاغ نے اپنے ملک کے ایک عام آدمی کو باور کرا دیا ہے کہ ''بنیاد پرست'' کوئی مذہبی شخص نہیں بلکہ ضدی، کم عقل، تشدّد اور آمریت پسند ہے، جو اپنے مقاصد کے لیے تشدّد اور دہشت گردی کا راستہ اختیار کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔(۱۶۴)

مذکورہ بالا پس منظر میں ''بنیاد پرستی'' اور ''بنیاد پرست'' کی اصطلاحات کا استعمال توجہ کا طالب ہے، تاہم تاریخی پس منظر سے عدم آگہی یا ''ڈیٖل بازی'' کے طور پر ''بنیاد پرستی'' کی نئی نئی تعریفیں کی جا رہی ہیں۔ جب کہ بنیاد پرست سے مراد ایسے افراد ہیں، جو مذہب کی بنیادی تعلیمات کو مانتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہو جائیں، نیز ان کا مطمحِ نظر روحانی سکون کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کا دفاع اور دنیاوی عروج بھی ہو، بنیاد پرست کہلاتے ہیں۔ کون؟(۱۶۵) دنیا کا ہر فرد کسی نہ کسی مذہب کے دائرے میں آتا ہے اور ''بنیاد پرست'' کی تعریف پر پورا اترتا ہے۔ اس وقت دنیا میں جتنے بھی مذاہب موجود ہیں وہ سب کے سب ''بنیاد پرست'' ہیں، کیوں کہ ہر مذہبی آدمی اپنے مذہب کی تعلیمات سے انکار نہیں کر سکتا۔(۱۶۶)

تاہم مغرب کے متعصب حلقوں نے دورِ حاضر میں مسلمانوں کے لیے بنیاد پرست کی اصطلاح بالکل منفی معنیٰ میں استعمال کی ہے۔ جس کا مقصد عالمی سطح پر مسلمانوں کو غیر متمدن، غیر مہذب، جاہل، بدکردار، دہشت گرد کے طور پر پیش کرنا ہے۔ مشہور مغربی مصنفہ کیرن آرم اسٹرانگ اپنی کتاب "Islam a short Sistory" میں لکھتی ہیں: مغربی میڈیا اکثر و

بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ ''بنیاد پرستی'' کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد، جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہوجاتی ہے، ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جب کہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہوچکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسایت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیشس مت بھی موجود ہے۔ عقیدے کی یہ قسم سب سے پہلے امریکہ میں عیسائیت میں بیسویں صدی کے شروع میں رونما ہوئی تھی۔(۱۶۷) وہ مزید لکھتی ہیں: ماضی پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ بنیاد پرستی سب سے پہلے جدیدیت کے شوکیس امریکہ میں پیدا ہوئی اور باقی دنیا میں بعد میں۔ درحقیقت تینوں توحیدی مذاہب میں سے اسلام میں بنیاد پرستی سب سے آخر میں تب رونما ہوئی جب ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے عشروں میں جدید ثقافت اسلامی دنیا کے اندر جڑ پکڑنا شروع ہوئی۔ اس وقت تک بنیاد پرستی عیسائیوں اور یہودیوں میں خوب راسخ ہوچکی تھی جو کہ جدیدیت کے تجربے سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔(۱۶۸)

بنیاد پرستی: ایک سیاسی نعرہ:

مغرب کے ہی بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ بنیاد پرستی دراصل ایک سفارتی اور سیاسی نعرہ ہے، جس کی آڑ لے کر مغربی ممالک دنیا میں اقتصادی اور معاشی برتری کی منزل حاصل کرنا چاہتے ہیں۔(۱۶۹) ''بنیاد پرستی'' (Fundamentalism) دور حاضر میں احیائے اسلام کی تحریکوں، مسلمانوں میں اصلاحی کوششوں اور اسلام کے بطور نظامِ زندگی متعارف کرانے کی کاوشوں کے لیے استعمال کی جانے والی اصطلاح ہے۔ بنیاد پرستی دراصل ایک مسیحی فرقے کے لیے بولی جانے والی اصطلاح ہے۔ یہ فرقہ مذہبی احیاء اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کو ریاست کے معاملات پر مقدم رکھتا تھا، جو لوگ ریاست اور خداوند کے درمیان ترجیح کا فیصلہ کرتے ہوئے خداوند کی طرف ہوئے وہ بنیاد پرست کہلائے۔ جدید مغربی تہذیب کے خلاف ان کے رویوں نے رائے عامہ کو ان کے موافق نہ رہنے دیا۔ جس سے حالات پر ان کی گرفت نہ رہی۔(۱۷۰) مسلمانوں پر یا اسلام پر بنیاد پرستی کی اصطلاح کا استعمال بالکل غلط ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''یورپ کے صلیبی ذہن نے اسلام اور اہلِ اسلام پر ضرب لگانے کے لیے کبھی استعمار اور کبھی جدید تہذیب کے عنوان سے حملے کیے مگر وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکے۔ اب وہ اُمّتِ مسلمہ کے اپنے خون کو اس مکروہ مقصد کے لیے استعمال کرنے چلے ہیں۔ صیہونی سازشوں اور صلیبی کارستانیوں سے تحریک اسلامی کی راہ روکنے کے لیے کبھی مسلمانوں کو خونخوار درندہ کبھی دقیانوسی مذہب پرست، کبھی متعصب جنونی اور کبھی رجعت پسند کا لقب دے کر گردن زدنی قرار دیا جاتا رہا ہے۔ اب تازہ ترین ہتھیار ''بنیاد پرست مسلمان'' کا ہے۔ اری ٹیریا، فلپائن، آذر بائی جان، تاجکستان اور افغانستان کے تمام حریت پسند مسلمان ان کے نزدیک ''بنیاد پرست'' اور قابل گردن زدنی ہیں۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار آزادی جمہور کے چیمپئن ہر جگہ مسلمانوں کے قتل عام پر نہ صرف خاموش ہیں بلکہ خوش بھی ہیں۔ آذر بائیجان میں مسلمانوں کی تحریک آزادی کو روسی ٹینک کچلتے ہیں تو چچا سام کی طرف سے پُرمسرت تائید ہوتی ہے، مگر دیوار برلن ٹوٹتی ہے تو مشرقی یورپ کے عیسائی

گوروں کی آزادی کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے اس دیوار کے ٹکڑے کرسمس کا تحفہ اور ڈیکوریشن پیس کے طور پر ہر امریکی کے گھر میں سجتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بنیاد پرست اور بنیاد کے منکر مسلمان کی اصطلاحیں کبھی مستعمل ہی نہیں ہوئیں۔ بنیاد پرست کی اصطلاح عیسائی یورپ کی ایک قدیم تاریخی بیماری کا نام تھا جس کے گورکھ دھندے نے علم اور سائنس کا راستہ روکنے کی شرمناک کوششیں کی تھیں۔ اسی طرح کمیونزم کی دنیا میں بھی ''بنیاد پرست کمیونسٹ'' کی اصطلاح مروج رہی اور خاصی بدنامی کا باعث سمجھی گئی، مگر اسلامی دنیا پر ''بنیاد پرست'' ہونے کا الزام دراصل اسلامی تحریکوں کو کچلنے کی شیطانی چال کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ دراصل مسلمانوں کو یہ لقب دے کر بدنامی کا چغہ پہنانا چاہتے ہیں۔(۱۷۱) بنیاد پرستی وہ قدیم تحریک ہے، جو امریکہ کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں میں ۱۹ ویں صدی میں اُبھری۔ بنیاد پرستی کی تحریک کی جڑیں دراصل امریکہ میں پائی جاتی ہیں۔ یہ ۱۸۳۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان کا معاملہ ہے۔

۱۸۸۰ء اور ۱۸۹۰ء کے دوران بائیبل پر لبرل انداز میں تنقید نے بنیاد پرستی کی اس تحریک کے لیے بہت سے حامی پیدا کر دیے تھے۔ اس تحریک کے کارکنوں کو سرگرم پلیٹ فارم دینے کے لیے ڈی ایل موڈی نے نارتھ فیلڈ کانفرنسوں کا آغاز کر دیا۔ اس طرح حوصلہ افزائی پانے پر ایک نئی تحریک Students Volunteer Movement کا آغاز ہوا۔ اس سارے عمل میں جو تحریکیں اٹھ رہی تھیں، ان میں یہ خیال بہت پختہ نظریے کی صورت میں ڈھل چکا تھا کہ انجیل مقدس کی حکمرانی اور تقدس کا دفاع کیا جانا ضروری ہے۔ ۱۹۰۲ء میں امریکن بائیبل لیگ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے لیے ۱۲ ابواب پر مشتمل ایک دستاویز تیار کی گئی جسے "The Fundamentals" کا نام دیا گیا۔

چنانچہ "Millennium" تحریک کے حامیوں نے نیویارک سٹی اور فلاڈلفیا میں کانفرنسوں کا اہتمام کیا۔ ان کانفرنسوں میں ایک بڑی اور مضبوط تنظیموں عالمی مسیحی بنیاد پرست کانفرنس کے بعد Worlds Christian Fundamentalist Association نے جنم لیا۔ اس کانفرنس کے بعد Millennium تحریک نے اپنا نام بدل لیا۔ اب بنیاد پرست تحریک اگلے تیس سالوں پر حاوی ہونے کے لیے تیار تھی۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اصطلاحات خود مغربی دنیا اور ان کی مذہبی تاریخ کا حصہ ہیں۔(۱۷۲)

انتہا پسندی: تاریخی اور تحقیقی جائزہ:

انتہا پسندی انگریزی کی اصطلاح "Extremism" کا ترجمہ ہے، جو ہمارے ہاں پہلے پہل اخبارات میں استعمال ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مختلف مذہبی گروہوں پر چسپاں ہونے لگی۔ انگریزی زبان کا یہ لفظ Extreme سے نکلا ہے، جس کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ انتہائی دُور دراز، مرکز سے بعید ترین، سخت، شدید، انتہا پسند، آخری سرے کا، انتہا، حد، سرا وغیرہ۔(۱۷۳) اس کا مطلب ایسا رویہ ہے جو معمول کے مطابق نہیں ہے۔ کسی معاشرے کے فکری و عملی پیمانوں سے باہر اور تہذیبی حدود سے خارج ایسا رویہ جس میں دلیل اور افہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام انتہا پسند نہیں بلکہ معمول کا ایک نظریۂ حیات ہے جو تعمیرِ شخصیت اور استحکامِ اجتماعیت میں خاص کردار ادا کرتا ہے۔(۱۷۴)

یہ ایک تاریخی، ابدی اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا داعی، تحمل وبرداشت، عفوودرگذر، رواداری اور احترامِ انسانیت کا سب سے عظیم علمبردار ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسان کا ہر فرد بلاتفریقِ مذہب وملت احترام کا مستحق ہے۔ وہ رنگ ونسل، بدامنی اور دہشت گردی، عدم برداشت اور انتہا پسندی کے ہر غیر اسلامی اور غیرانسانی جذبے سے یکسر پاک ہے۔ اسلام ''سلامتی'' اور ایمان ''امن'' سے عبارت ہے۔ اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی اور احترامِ انسانیت کا درس دیا ہے۔ اس نے پرامن بقائے باہم کے لئے بلاتفریقِ مذہب وملت، ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ'' (۱۷۵) نظریہ عطا کرکے غیر جانبداری، اعتدال پسندی اور امن وسلامتی کا فلسفہ عطا کیا۔ اسلام نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کا رب سارے جہانوں کا رب ہے، اس کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ'' رحمٰن ورحیم'' ہے۔ انسانیت کے نام اس کے ابدی اور آفاقی پیغامِ ہدایت، قرآن کریم فرقان حمید کی پہلی سورۃ ہی الحمدللہ ..... کے بعد ''الرّحمٰن الرّحیم'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تین سو سے زائد آیاتِ مبارکہ میں اللہ کی صفتِ رحمت کا ذکر ہے۔ انسانیت کے ہادیٔ اعظم، سیدِ عرب وعجم، پیغمبرِ آخرواعظم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمة لّلعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ؐ کی پوری حیاتِ طیبہ، صبروبرداشت، عفوودرگذر، رواداری، میانہ روی اور اعتدال پسندی سے عبارت ہے۔ مذہبی انتہا پسندی اسلام کی روح اور اسلامی تعلیمات کے منافی عمل ہے۔

یہودیت اور عیسائیت کی انتہا پسندی:

قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے''ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد ہیں۔'' ''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ'' (۱۷۶) ایک اور موقع پر یہودیوں اور عیسائیوں (جو درحقیقت آسمانی مذاہب ہونے کے دعویدار تھے) کے متعلق قرآن نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ ان کا کہنا تھا: ''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ'' (۱۷۷) فراعنۂ مصر اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندبنسی خاندان موجود تھے۔ شاہانِ ایران جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہلِ ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی جز شامل ہے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ (۱۷۸) جب کہ عہدِ جاہلیت کے عربوں کا یہ نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور و پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکے کے باشندے ہیں، لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔ (۱۷۹)

ڈاکٹر محمد حمیداللہ ''بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت'' کے زیرعنوان دنیا کے مذاہب اور ان تہذیبوں کا مذہبی، سیاسی، تمدنی اور تاریخی جائزہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''غرض اس زمانے میں جدھر بھی دیکھو، دنیا میں تباہی اور فتنہ وفساد ہی تھا، کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدمؑ کی اولاد ہیں۔ (۱۸۰) مغربی دانش ور جے

ایچ ڈینی سن (J.H.DENISON) رقم طراز ہے: ''پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے، جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے۔(۱۸۱)

سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران میں یہودیوں کی انتہا پسندی اور ان کے ایک ایک عیب کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ ان کی مذہبی انتہا پسندی، سنگ دلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے، جو اسلام سے ۵۰، ۶۰ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودیوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڑھوں میں آگ جلا کر ان میں جھونک دیا۔ قرآنِ کریم نے اس مذہبی انتہا پسندی اور ظلم وتشدد پر مبنی پُردرد داستان کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ''قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ اِذۡهُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ وَّمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ'' (۱۸۲) گڑھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڑھے جب وہ ظالم ان کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، ان کا گناہ یہی تھا کہ وہ غالب اور خوبیوں والے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔

یہودیوں کی پوری مذہبی تاریخ جبر وتشدد، قتل و غارت گری اور مذہبی انتہا پسندی سے عبارت ہے۔ متعدد انبیائے کرام کو انہوں نے قتل کیا، حضرت عیسیٰؑ اور خود رسولِ اکرمؐ کے قتل کی کوششوں میں وہ پیہم مصروف رہے۔ ان کی انتہا پسندی اس درجے عروج پر تھی کہ وہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ مختلف قبائل اور مختلف فرقوں کے افراد باہم دست و گریباں رہتے۔ بعثتِ نبویؐ کے وقت ان کی انتہا پسندی اس درجے عروج پر تھی کہ وہ ایک دوسرے کے وجود تک کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ آپس میں قتل وخوں ریزی کا بازار ان میں گرم تھا۔ ایک طاقت ور قبیلہ دوسرے کم زور قبیلے کو قتل اور بے گھر کر دیتا تھا۔(۱۸۳) قرآن نے ان کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے: ''ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَ تُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ'' (۱۸۴) پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود انہیں اپنے اوپر اتنا زعم تھا اور مذہبی انتہا پسندی میں وہ اتنا آگے تھے کہ انبیاءؑ کی اولاد ہونے کے ناطے وہ یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ:

''نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'' (۱۸۵) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ ہیں۔ ساتھ ہی انہیں یہ دعویٰ بھی تھا کہ: ''وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً'' (۱۸۶) اور انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی لیکن چند روز۔ علاوہ ازیں ''تورات'' میں مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:(۱۸۷)

☆ جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے قبضے میں کر دے، تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر...... ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہو، جیتا نہ چھوڑیو۔ (۱۸۸)

☆ خداوند نے ساؤل کو حکم دیا: سو تو اب جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ ان کا ہے، یک لخت حرم کر (قتل کر) اور ان پر رحم مت

کر، بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیرخوار، بیل، بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔ (۱۸۹)☆ تورات کے مطابق خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ کو حکم ملتا ہے: ''جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کردے تو، تو انہیں مار اور حرم کر، نہ تو ان سے کوئی عہد کر اور نہ ان پر رحم کرے۔

عیسائیت اور انتہا پسندی:

بعثتِ نبویؐ کے وقت عیسائی مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم تھے، چنانچہ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو جلا وطن ہونا پڑا۔ اس جنگ کے علاوہ ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا اور بار بار معمولی باتوں پر کشت وخون کی نوبت آجاتی، پادریوں نے اپنے مذہبی منصب کو حصولِ جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے دیا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی کے بقول عیسائی پادریوں کے اسقفِ اعظم سینٹ سرل نے انتہا پسندی کے نتیجے میں جو سفاکیاں کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے پوری ایک کتاب درکار ہے۔ایک مرتبہ اس نے اپنے مُریدوں کو ہمراہ لے کر غیر مسلح یہودیوں پر حملہ کیا اور ان سب کو جلاوطن کردیا۔ ان کی عبادت گاہیں زمیں بوس کردی گئیں، یہ واقعات ایسے ہیں جن کے ذکر سے آج بھی قلم لرزتا ہے، مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کے یہ سب سے روشن کارنامے ہیں۔ (۱۹۰) یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی، جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا تھا۔ یعقوبی، نسطوری اور دیگر عیسائی فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز علاقوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور تھے۔ (۱۹۱)

پانچویں صدی عیسوی میں چرچ کا مشن تھا کہ جہاں جہاں اس کے پاس سیاسی قوت موجود ہے، یعنی مغرب اور مشرق دونوں جگہ وہاں دوسرے مذاہب اور عقائد کا خاتمہ کردیا جائے۔ ۴۵۳ء میں ایک قانون کے تحت جو لوگ عیسائی نہیں تھے، ان کی اور منحرفین کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں، سزاؤں میں موت کی سزا تجویز ہوئی کہ جس میں انہیں مصلوب کیا جاتا تھا، زندہ جلا دیا جاتا تھا، یا جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔ (۱۹۲) تلمود یہودیوں کی معتبر کتاب ہے، جس کے مطالعہ سے ان کی انسانیت دشمنی اور مسخ فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہودی تلمود سے چند اقتباسات مسیحیوں کے متعلق ملاحظہ فرمائیں:

☆ ہر یہودی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دن میں تین بار مسیحیوں پر لعنت بھیجے اور یہ دعا مانگے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسیحیوں کو نیست و نابود کردے۔ ☆ مسیحیوں کا قتل ہر یہودی کے بنیادی فرائض میں سے ہے، اگر یہودی مسیحی کو قتل نہ کرے تو ان کے قتل کے اسباب مہیا کرے، پھر ان کی بربادی کے اسباب فراہم کرے۔ ☆ مسیحیوں کا قتل ان کے فرائض میں ایک ہے، جن کی تنفیذ ہر یہودی پر واجب ہے۔ ☆ مسیحیوں کا قتل ان کارناموں میں سے ایک ہے جن پر یہودی قاتل کو اللہ تعالیٰ بھرپور بدلہ عطا فرمائے گا۔ ☆ مسیحیوں نے ارتداد اختیار کرلیا تھا، اگر وہ یہودی مذہب اختیار نہیں کرتے تو وہ اللہ اور یہود کے دشمن ہیں۔ ☆ مسیحیوں کے ساتھ کسی عہد کی پابندی کسی یہودی کے لیے قطعاً ضروری نہیں۔ ☆ مسیحی گرجا گھر غلاظت کا مرکز اور ان گرجا گھروں کے واعظ مسیحی پادریوں کی حیثیت بھونکنے والے کتوں کی طرح ہے۔ ☆ یہودیوں کو چاہیے کہ وہ مسیحیوں کے ساتھ بے عقل اور رذیل جانوروں جیسا معاملہ کریں۔ ☆ مسیحی گرجا گھر گمراہیوں کا مرکز اور بت پرستی کا اڈہ

ہیں، ان کا تباہ کرنا ہر یہودی کا بنیادی فرض ہے۔ ☆ یہودیوں کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا اور جھوٹی گواہی دینا جائز ہے تاکہ وہ غیر یہودیوں کو نقصان پہنچا سکیں۔ ☆ یہودی اللہ کی منتخب قوم ہے، غیر یہودی جانوروں سے بدتر ہیں۔ ☆ ہم یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے خدمت کے لیے دو طرح کے جانور عطا کیے ہیں، ایک تو گدھے، کتے، خنزیر، مختلف قسم کے پرندے، دوسرے مسیحی، مسلمان اور بدھسٹ وغیرہ۔ انسان اور جانوروں میں جو فرق ہے، وہی یہودی اور غیر یہودی کے درمیان ہے، غیر یہودی کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں۔ یہودی کے سامنے اگر بھوکے کتے اور غیر یہودی بیٹھے ہوں تو کتوں کو کھلانا افضل ہے۔ یہ خلاصہ ان عقائد کا ہے، جو یہودی مسیحیوں کے متعلق رکھتے ہیں۔ ان سے یہودیوں کی انتہا پسندی اور تعصب و شدت پسندی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(۱۹۳)

دہشت گردی اور اسلام۔تجزیہ، پس منظر اور اعتراضات وشبہات کا ازالہ:

دہشت گردی کا لفظ انگریزی لفظ "Terrorism" کا ترجمہ ہے۔ انگریزی لغت کی کتابوں میں "Terror" کے بارے میں جو وضاحت ملتی ہے،اس حوالے سے مختلف مفکرین اور دانشوروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تاہم وہ دہشت گردی کی کسی جامع تعریف پر متفق نہیں۔(۱۹۴) دہشت گردی کی اصطلاح ہمارے عہد میں اتنی کثرت سے استعمال ہوئی ہے اور اتنے متنوع مفاہیم میں استعمال ہو رہی ہے کہ اس کی کوئی مستند تعریف نہیں کی جاسکتی۔

دینِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ پر جبر و تشدد، زبردستی، جنگ جوئی اور تلوار کے زور پر اسلام کی اشاعت کے الزام و اتہام دھرنے والوں میں مستشرقین کے بد باطن گروہ کے ترجمان اگناز گولڈ زیہر (۱۸۵۰ـ۱۹۲۱ء) (۱۹۵) IGNAZ GOLDZIHER ولیم منٹگمری واٹ (۱۹۰۹ـ۱۹۷۹ء) (۱۹۶) W-MONTGOMERY WATT (۱۹۷) سر ولیم میور (۱۸۱۹ـ۱۹۰۵ء) WILLIAM MUIR SIR (۱۹۸) سٹینلے لین پول (۱۸۵۴ـ۱۹۳۱ء) STANLEY LANE POOLE ڈی ایس مارگولیتھ (۱۸۵۵ـ۱۹۴۰ء) (۱۹۹) D.S.MARGO LIOTH کے نام قابلِ ذکر ہیں، جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو (نعوذ باللہ) انسانیت دشمن، تشدد پسند، جنگ جو ثابت کرنے، اسلام کی اشاعت کو جبر و تشدد پر مبنی قرار دینے اور جہاد کو قتل و غارت گری سے تعبیر کرنے پر اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے ہیں۔ ذیل میں چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ جس سے ان کے افکار و نظریات کے جاننے میں مدد مل سکے گی۔

برطانوی اسکالر سٹینلے لین پول (STANELY LANE POOL) بھی اسلام اور پیغمبرِ اسلام دشمنی میں مستشرقین سے کم نہیں، وہ ان ہی کی روایتی اور اندھی پیروی کرتے ہوئے اسی خود ساختہ نظریے کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''اسلام نے اس وقت مستقل اور عالمگیر دین کی حیثیت اختیار کی جب اس نے زرہ پہنی اور جنگجو دین بنا۔'' (۲۰۰) ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار مشہور مستشرق ڈی ایس مارگولیتھ (MARGOLIOUTH.D.S) دینِ اسلام کو دینِ حرب قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے: ''اسلام ہجرت کے آٹھویں سال سے تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔'' (۲۰۱) اس ناقابلِ تردید حقیقت کا اعتراف مغربی دنیا کے دریدہ دہن مستشرق ڈبلیو منٹگمری واٹ (WATT.W.MONTGOMERY) کو بھی ہے، وہ رقم طراز ہے: ''مشکل یہ ہے کہ ہم اس گہرے تعصب کے وارث ہیں جس کی جڑیں قرونِ وسطیٰ کے جنگی

پروپیگنڈے میں پیوست ہیں۔ اب اس کا وسیع پیمانے پر اعتراف کیا جانا چاہیے۔تقریباً آٹھویں صدی عیسوی سے عیسائی یورپ نے اسلام کو اپنا عظیم دشمن سمجھنا شروع کیا، جوعسکری اور روحانی دونوں حلقۂ اثر میں اس کے لیے خطرہ تھا۔ اسی مہلک خوف کے زیرِ اثر عیسائی دنیا نے اپنے اعتقاد کو سہارا دینے کے لیے اپنے دشمن کوممکنہ حد تک انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے پیش کیا...... وہ مزید لکھتا ہے: بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں تراشا گیا اسلام کا تصور اہلِ یورپ کی فکر اور سوچ پر غالب رہا ہے۔(۲۰۲)

مستشرقین کے اس تمام تر منفی اور باطل پروپیگنڈے کی تردید قرآن و سنت، عہدِ نبویؐ، عہدِ خلافت راشدہ اور اسلام کی عسکری تاریخ سے ہوتی ہے۔ ان کا یہ پروپیگنڈا باطل اور بے بنیاد ہے، اس کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں، یہ وہ اعتراض ہے جس کا جواب خوش قسمتی سے خود مستشرقین اور منصف مزاج غیر مسلموں کی کتب میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ معروف مستشرق T.W.ARNOLD کی کتاب "THE PREACHING OF ISLAM" اس منفی پروپیگنڈے کا مسکت جواب ہے۔موصوف نے اپنی اس کتاب میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام ایک تبلیغی اور دعوتی مذہب ہے، نیز اس کی عالم گیر اشاعت میں جبر وتشدد اور تلوار کا کردار نہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیمات، اثر انگیزی اور تبلیغ کی بدولت لوگوں کے قلوب کو فتح کیا اور یوں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہیں ہم وار ہوئیں۔قرآن حکیم نے انتہائی واضح الفاظ میں مسلمانوں کو حکم دیا:"لَآاِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ. قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ "(۲۰۳)

دین میں کوئی (جبر) زبردستی نہیں، بے شک واضح ہوگئی ہے ہدایت گم راہی سے۔ ایک اور موقع پر فرمایا گیا:"فَذَكِّرْ. اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ". (۲۰۴) ہاں آپؐ انہیں سمجھاتے رہا کریں، آپؐ کا کام تو سمجھانا ہی ہے، آپؐ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں۔ ان آیاتِ مبارکہ سے اس امر کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ اسلام میں دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے جبر وتشدد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام اس کی صریح نفی کرتا ہے، یہ اس حوالے سے قرآن کی جامع پالیسی ہے اور یہی درحقیقت مستشرقین اور دیگر غیر مسلم حلقوں کے بے بنیاد اعتراضات وشبہات کا علمی اور مدلل جواب ہے۔

دہشت گردی کے مقاصد:

اگر چہ دہشت گردی کی مستند تعریف نہیں کی جاسکی۔ تاہم جو معنی بیان کیے گئے ہیں، اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دہشت گردی ایک ایسا عمل ہے جس میں منصوبہ بندی کے ساتھ تشدد اور تباہی کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ دہشت گردی کا ایک واقعہ بھی ہوسکتا ہے اور کئی واقعات کا تسلسل بھی۔ خوف و ہراس کی ایسی فضا پیدا کرنا جس سے مطلوبہ نتائج حاصل کیے جاسکیں، دہشت گردی کا ماحول کہلائے گا۔ اصل مقصد ایک ایسی فضا تیار کرنا ہوتا ہے، جس سے لوگوں میں اضطراب پیدا ہو اور مطلوبہ مقاصد حاصل ہوسکیں۔ مقاصد میں سیاسی، معاشی اور مذہبی پہلو شامل ہیں۔(۲۰۵)

اُمّتِ مسلمہ بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار:

ریاستی دہشت گردی کی ایک اور بدترین صورت عالمی دہشت گردی ہے، جب ایک ملک دوسرے ملک پر حملہ آور ہوتا ہے، ہوس ملک و زر کے لیے جنگیں لڑنے والے فاتحین نے غارت گری سے دوسرے ملکوں پر قبضہ کیا اور ان کے وسائل کو لوٹا۔ مغرب کی دہشت گردی اپنی روایت رکھتی ہے۔ رومیوں نے جب عیسائیت قبول کی تو غیر عیسائی اقوام کے خلاف ان کا رویہ دہشت گردانہ تھا۔ اس کی کوکھ سے جنم لینے والی یورپی مملکتیں دہشت گردی اور تشدد پسندی کی راہ پر چلتی رہیں، مذہب کے نام پر یہ تشدد قرونِ وسطیٰ میں جاری رہا۔ اس کے بعد یہ دہشت گردی عالمِ اسلام پر مسلط ہوئی۔ صلیبی جنگیں (۱۲۰۴ء۔۱۰۹۵ء) مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی اور بربریت کا بدترین نمونہ تھیں۔ اس دوران مسلمانوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کیا گیا۔ دورِ حاضر میں مغرب میں مسلمانوں کے خلاف جولٹریچر تیار ہُوا ہے اور اب جو سیاسی بیانات، ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگرام اور تبصرے آ رہے ہیں، ان کی بنیاد یہی زہریلا لٹریچر اور یہی روایت ہے جو قرونِ وسطیٰ میں مرتب ہوئی۔ بین الاقوامی دہشت گردی کی قیادت عظیم طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ اسرائیل، ہندوستان اور روس اپنے اپنے دائرے میں دہشت گردی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور انہیں عالمی برادری کی حمایت حاصل ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار عراق اور افغانستان ہوئے ہیں اور مزید ممالک کا نام فہرست میں شامل ہے، اس طاقت نے عالمی دہشت گردی کی اصطلاح مسلمانوں پر چسپاں کر کے ان کے خلاف جارحانہ اقدام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اسرائیل اور ہندوستان نے اس کی پیدا کردہ اس عالمی فضا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فلسطین اور کشمیر میں دہشت گردی وقتل و غارت اور ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے، یہی کچھ روس چیچنیا میں کر رہا ہے۔ عالمی ضمیر نام کی اگر کوئی شے ہوسکتی ہے تو وہ بھی ان مظالم پر خاموش ہے۔ دنیا اس وقت واضح طور پر کفر و اسلام میں منقسم ہے اور مسلمان ظلم و دہشت گردی کی زد میں ہیں۔(۲۰۶)

مغربی دنیا کی انتہا پسندی اور عالمی دہشت گردی

مختصر تاریخی حقائق کی روشنی میں:

دنیا کی تاریخ میں سب سے زبردست خون ریزی اس صدی میں مغرب کے ہاتھوں ہوئی، دنیا کی تاریخ میں لڑی جانے والی جنگوں کے مقتولین کی کل تعداد سے کئی ہزار گنا زیادہ افراد پچھلی صدی میں مغرب کے ہاتھوں مارے گئے، ان کی کل تعداد دس کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی ہولناک تفصیل ایک محقق کے قلم سے پڑھیے:

تین سو سال: دس کروڑ انسانوں کا قتل:

سائنس کی ترقی اور صنعت و حرفت کے عروج کے گزشتہ تین سو سال اپنے دامن میں عالمِ انسانیت کے لیے بے پناہ مصائب، مشکلات اور تکالیف لے کر آئے۔ مغرب نے ''آزادی، خوشحالی، مسرت اور خوشیوں'' کے نام پر دس کروڑ انسانوں کو ذبح کر ڈالا۔ اس دوران ظلم اور بربریت کا سیلِ رواں اور لہو رنگ تاریخ کے بے شمار صفحات وجود میں آئے ہیں،

جس کی سطر سطر سے آہیں، آنسو اور لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ مغرب جس نے سچ تک پہنچنے کے لیے واحد ذریعہ عقل کو قرار دیا تھا، عقل کے ذریعے تین سو سال تک تاریکیوں میں بھٹکتا رہا۔ اس سفر کے دوران چین، روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، اسرائیل، کوریا، یوگوسلاویہ، ویت نام پر عراق، افغانستان، الجزائر، فلسطین، کشمیر میں تہذیب جدید کے نمائندوں نے ماڈرن ازم اور مارکس ازم کے نام پر دنیا کو دس کروڑ انسانوں کے خونی لاشے دیئے۔ یہ تعداد بہت کم ہے، کیوں کہ عالمی ذرائع ابلاغ مغرب کے قبضے میں ہیں، مگر کم تعداد بھی پوری دنیا کی تاریخ میں لڑی جانے والی تمام جنگوں کے مقتولین کی کل تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ٹائن بی کے مطابق دنیا کی معلومہ تاریخ ساڑھے چھ ہزار سال کی تاریخ ہے، جس میں چھ ہزار سال مسلسل جنگوں کے سال ہیں، لیکن ان چھ ہزار سالوں کے کل مقتولین کی تعداد مغربی تہذیب کے تین سو سال کے مقتولین کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔(۲۰۷)

اس کے برخلاف مذہبی حکمرانی کی چند جھلکیاں اسلامی تاریخ سے دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ خاتم المعصومین ﷺ کی وفات تک مسلمان تیس لاکھ مربع کلومیٹر رقبے پر غالب آ چکے تھے، مگر اتنی عظیم الشان فتوحات میں مسلمانوں کے صرف ڈیڑھ سو افراد شہید ہوئے اور مزاحمت کرنے والے گروہوں میں سے صرف چند سو افراد ہلاک ہوئے۔ امن، صلح اور محبت کی ایسی کوئی مثال مغرب کے یہاں دستیاب ہے؟(۲۰۸) حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ سے لے کر خلافتِ عثمانیہ تک اسلامی ریاست دنیا کے طول وعرض میں آٹھ سو برس تک پھیلتی رہی، مگر اس آٹھ سو برس کی تاریخ میں مسلم اور غیر مسلم مقتولین وشہداء کی کل تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں رہی۔ محمد بن قاسمؒ نے ہندوپاک کا بہت بڑا علاقہ فتح کیا، جو کئی لاکھ مربع میل پر مشتمل تھا، لیکن مقتولین کی تعداد صرف چند سو افراد تک محدود رہی، مگر صلیبی جنگوں میں اور چنگیزی حملوں میں دنیا نے لاکھوں انسانوں کو خون میں نہاتے ہوئے دیکھا۔ مغربی تہذیب دراصل صلیبی تہذیب اور چنگیزی تہذیب ہے جو کہ دنیا کو انسانیت کا درس تو دیتی ہے، مگر خود انسانیت سے محروم ہے، مسلمانوں کے شہر بغداد پر حملے میں ۳۵ لاکھ افراد کو شہید کیا گیا تھا، مگر عالمِ اسلام کے ہاتھوں آج تک اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا کبھی قتل عام نہیں ہوا۔

مغرب کی مختلف جنگوں میں ہلاک شدگان: اعداد وشمار کی روشنی میں:

(۱) انگلستان وفرانس کی جنگ۔ ۱۱۵ سالہ اس جنگ میں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ (۲) جرمنی، فرانس، آسٹریلیا، سویڈن ۳۰ برس کی جنگ میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی مارے گئے، یورپ کی دوتہائی آبادی ہلاک ہوگئی، جو باقی بچی، اس کی حالت نہایت ابتر تھی۔ (۳) امریکی خانہ جنگی ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۵ء تک جاری رہی۔ اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں اور دوسرا فریق جنوبی ریاستیں تھیں۔ جنگ کا سبب غلامی کا مسئلہ تھا اس میں تین لاکھ آدمی شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے، ایک ارب پونڈ اخراجات ہوئے۔ (۴) ۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ۱۲۰ جنگیں لڑی گئیں۔ جن میں سے صرف دس مرتبہ رسمی اعلانِ جنگ ہوا ان جنگوں میں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ (۵) روس نے کمیونزم کے ابتدائی ایام میں ۱۹ لاکھ افراد کو سزائے موت دی، ۲۹ لاکھ لوگوں کو مختلف سزائیں دی گئیں، پچاس لاکھ افراد کو جلاوطن کیا گیا۔ مشرقی یورپ میں کمیونسٹوں کے ہاتھوں مرنے والوں کی تعداد جن میں لیبر کیمپوں میں مقید یورپی قیدی بھی

شامل ہیں، ۲۶ لاکھ سے زیادہ ہے۔ تازہ ترین اعدادوشمار کے مطابق روس کے سرخ انقلاب سے لے کر ۱۹۸۰ء تک کل ۶۸ لاکھ افراد قتل کیے گئے۔ (۶) کوریا کی معمولی سی جنگی کشمکش میں صرف دو سال کے اندر ۵۰ لاکھ مرد عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ اس وقت کوریا کی معاشی بدحالی کا یہ حال ہے کہ ۵۰ لاکھ لوگ صرف قحط اور بھوک سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس جنگ میں ایک کروڑ افراد زخمی ہوئے۔ (۷) چین میں کمیونزم کے نفاذ کے لیے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دی گئی اور لاکھوں افراد ہلاک کیے گئے۔ (۸) امریکہ کی جانب سے پابندی کے باعث پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے۔ (۹) ویت نام کی جنگ میں ۷۰ لاکھ آدمی مارے گئے۔ (۱۰) افغانستان کی جنگ میں ۲۰ لاکھ آدمی مارے گئے۔ (۱۱) فلسطین کی جنگ میں ۷ لاکھ افراد مارے گئے۔ (۱۲) ایران، عراق جنگ میں ۲ لاکھ افراد مارے گئے۔ (۱۳) الجزائر میں فرانس نے ۷۰ لاکھ افراد قتل کیے، تاکہ آزادی کو روکا جا سکے، اس وقت اسلامک فرنس کے دو لاکھ آدمی قتل کردیے گئے ہیں۔ (۱۴) یوگوسلاویہ کو توڑنے کے لیے آئی ایم ایف اور مغرب نے سرب اور کروشیائی قومیتوں کا زہر بھر کر ۴۰ لاکھ انسانوں کو بے گھر اور دس لاکھ انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ (۱۵) عراق، کویت جنگ مغرب کی مسلط کردہ تھی، جس میں دس ہزار لوگ مارے گئے۔ (۱۶) ۱۹۷۱ء سقوطِ پاکستان کے وقت تیرہ لاکھ آدمی مارے گئے۔ (۱۷) روس کی مختلف ریاستوں میں جاری جنگیں جن میں ہزاروں لوگ مارے جا رہے ہیں۔ ۱۸۵۴ء تا ۱۹۰۵ء یورپ میں لڑی گئی جنگوں میں لاکھوں انسان مارے گئے۔ ☆ جنگِ عظیم اوّل میں تہتر لاکھ اڑتیس ہزار انسان مارے گئے۔ ☆ جنگِ عظیم دوم میں چار کروڑ پینتیس لاکھ انسان مارے گئے۔ یہ مہذب مغربی دنیا کی انتہا پسندی، دہشت گردی اور عالمی جارحیت کی ایک جھلک ہے، ورنہ ان کی پوری تاریخ انتہا پسندی اور دہشت گردی سے عبارت ہے۔ (۲۰۹)

اُمّتِ مسلمہ اور عالمی دہشت گردی۔ حقائق کیا ہیں؟

۱۱ ستمبر کے سانحے کے بعد عالمی میڈیا خصوصاً یہودی میڈیا دن رات پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔ حالانکہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ دہشت گردی کا شکار جتنا ''مسلمان'' ہیں، اتنا اس روئے زمین میں کوئی اور نہیں۔ اس وقت انڈونیشیا سے مراکش تک جو وسیع ہلالی حلقہ قائم ہے، وہ زبردست دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ کہیں یہ دہشت گردی کر کے خونِ مسلم یہودی بہا رہا ہے تو کہیں ہندو، کہیں ظلم و استبداد کی سیاہ رات کے موجب یونانی ہیں تو کہیں سرب۔ کہیں روسی افواج اسلام پسندوں کے جذبۂ حریت کو کچلنے کے لیے خوفناک ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں۔ آج اُمّتِ مسلمہ عالمی برادری سے پوچھتی ہے کہ اسلام اور مسلمان دہشت گردی کا شکار ہوکر ''دہشت گرد'' کیسے ہیں؟

اس وقت دنیا کی آبادی چھ ارب سے زائد ہے، جس میں مسلمان ایک ارب چالیس کروڑ ہیں۔ یوں دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے۔ کیا اس طرح ہر چوتھے فرد کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا ہے۔ اس وقت آزاد مسلم ممالک کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے، جب کہ اسلامی سربراہ کانفرنس کے رکن ممالک کی تعداد ۵۶ ہے۔ اتنی کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کا قبلہ اوّل یہودیوں کے زیرِ تسلط ہے۔ ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگیں ہوئیں۔ اس کے نتیجے میں صحرائے سینا، شرم الشیخ کی بندرگاہ، غزہ کی پٹی، یروشلم، بیت اللحم، جبرون، قطرہ کے شہروں پر اسرائیل نے

دہشت گردی سے قبضہ کرلیا۔ اسرائیل نے اردگرد کے فلسطینی کیموں میں پناہ گزین فلسطینیوں پر دہشت گرد حملے کیے۔ معصوم فلسطینیوں کو قتل کیا گیا۔ بچوں کو ذبح کر کے ان کے خون سے سرزمین عرب لہو رنگ ہوئی۔ ان گزرے ہوئے سالوں میں روزانہ فلسطینیوں کو شہید کیا جاتا ہے، ان کی عزتیں محفوظ نہیں، ان کے بچوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جارہا ہے۔ حال ہی میں لبنان پر اسرائیلی حملے میں جارحیت اور دہشت گردی کا مظاہرہ مہذب دنیا کے منہ پر طمانچہ ہے۔ مغربی ممالک خصوصاً امریکہ اس بات پر روشنی ڈالیں گے کہ اکیسویں صدی میں ''دہشت گردی'' کی انتہا کیوں کی گئی، کیا فلسطین کے مسلمان ''انسان'' نہیں ہیں۔

یہودیوں کے بعد دنیا کی ظالم ترین اور عیارترین قوم ہندو ہے۔ اس نے آج تک وطنِ عزیز ''پاکستان'' کو قبول نہیں کیا۔ اس نے تقسیم کے برطانوی مسودے کی دھجیاں اڑا کر مسلم اکثریت والے علاقوں پر قبضہ جمایا۔ ایک ارب ۱۰ لاکھ والے ملک ''بھارت'' نے ہمیشہ ۱۴ کروڑ نفوس پر مشتمل ''پاکستان'' کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا۔ ان گزرے ہوئے ۵۷ سالوں میں کئی دفعہ جنگیں مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ تین دفعہ باقاعدہ جنگیں ہوئیں۔ جس میں پاکستان کا ایک بازو اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگیا۔ کشمیر میں ۸۰ ہزار سے زائد معصوم اور بے گناہ کشمیریوں کا لہو بہایا گیا، ان کی املاک کو منہدم کیا گیا۔ عورتوں کی عزتوں کو پامال کیا گیا۔ معصوم بے گناہ بچوں کو شہید کیا گیا۔ اس دوران دنیا خاموش تماشائی بنی رہی۔ ہزاروں مسلمان بوسنیا، چیچنیا میں قتل کیے گئے۔ مغربی دنیا خصوصاً امریکہ ان تمام واقعات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ الجزائر سے لے کر مشرقِ وسطیٰ تک دہشت گرد سرگرمیوں میں کون ملوث ہے؟ اسلام امن اور رواداری کا مذہب ہے۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اس مذہب نے ہمیشہ مظلوموں کی دادرسی کی لیکن آج اس پر ہونے والے مظالم پر آواز اٹھانے والا کوئی نہیں، جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں تو دہشت گردی ہو ہی رہی ہے لیکن دنیا میں جہاں جہاں اقلیت میں مسلمان ہیں، وہاں بھی ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔

تھائی لینڈ میں پٹانی کی ایک قدیم مسجد کروز (KRUZE) کے مقام پر واقع ہے، اس کو ۱۹۸۹ء میں فائن آرٹس ڈیپارٹمنٹ بنا دیا گیا۔ کمپوچیا کو مسلمانوں کا مقتل کہا جاسکتا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں پول جاٹ کی کمیونسٹ حکومت یہاں برسرِاقتدار آئی۔ انقلاب کے دوران ۱۰ لاکھ بے گناہ شہری ہلاک ہوئے۔ ۲۵۰۰۰۰ میں سے ۱۳۰۰۰۰ ہزار مسلمان بچے باقی سب قتل کردیے گئے۔ لائبیریا کے صوبہ (NIMBA) میں ۷۰ فیصد مسلمان ہیں، ۱۹۹۰ء میں مسلمانوں کے دو بڑے شہروں بکانن گلوبلائزیشن (BUCHANAN) اور سانی کولی (SANNI QULLIE) میں زبردست غارت گردی ہوئی، یہاں ۲۰۰۰ مسلمانوں کو قتل کیا گیا، جن میں ۷۰ امام اور علماء بھی شامل تھے۔ ۲۰۰ مسلمانوں کو زندہ جلایا گیا۔ ۲۰ گاؤں مکمل تباہ کیے گئے۔ ۱۰۵ مسجدیں زمیں بوس کی گئیں۔ ۱۳۰۰۰۰ مسلمان گنی اور ۲۷۰۰۰ آئیوری کوسٹ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں برما کے جنرل ساما تگ کے حکم پر مسلمانوں کے خلاف کارروائی میں ۵۰۰ سے زائد مسلمان گرفتار ہوئے۔ اس کارروائی میں سیکڑوں مسلمانوں کو گولی ماری گئی۔ ہزاروں مسلمان بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ ہجرت کر گئے۔ اس کارروائی میں ۱۰۰۰۰ سے زائد مسلمان شہید ہوئے۔ اراکان کے روہنگیا مسلمان عرصۂ دراز سے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں ماگھ

(MAGH) فرقے کے ہاتھوں ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ ۵ لاکھ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کے بعد پھر مسلمانوں کا قتل عام ہوا، اس میں ہزاروں افراد قتل کیے گئے۔

سری لنکا میں ۲۵۰۰۰۰ لاکھ مسلمان دہشت گردی کی بنا پر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ جون ۱۹۹۰ء کے دوران ۸۰۰ مسلمان شہید کیے گئے۔ ستمبر ۱۹۹۰ء تک تاملوں کے ہاتھوں ایک ہزار مسلمان شہید ہوئے اور ۳۹ مساجد نذر آتش ہوئیں۔ فلپائن میں اب تک ہزاروں مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ اسرائیلی حکومت مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے امداد فراہم کر رہی ہے۔ البانیہ میں کئی عشروں تک مسلمان ہونا عذاب میں مبتلا ہونے کے مترادف تھا انڈونیشیا میں ظلم وستم کی جو کارروائیاں ہوئیں، دنیا اس سے بھی باخبر ہے۔ ان حالات میں جب کہ مسلمان خود دہشت گردی کا شکار ہیں، اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے کا مقصد تعصب، تنگ نظری اور اسلام دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟ حالاں کہ حقائق تو یہ ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ کے لیے عالمی دہشت گردی ایک چیلنج ہے۔ اکیسویں صدی میں ہر سال ۱۰ کروڑ سے زائد مسلمان دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔(۲۱۰)

تہذیبوں کے تصادم کا خودساختہ استعماری نظریہ اُمّتِ مسلمہ کو درپیش ایک اہم چیلنج

تہذیبوں کا تصادم: تجزیہ و پس منظر:

اکیسویں صدی کی آمد کا اعلان علمی اور عالمی سیاسی حلقوں میں بعض پیش گوئیوں اور دعووں کے ساتھ ہوا۔ مغربی سرمایہ داروں نے اشتراکیت کی پسپائی کو اپنی فتح مندی سے تعبیر کرتے ہوئے نئے عالمی نظام کے نعرے کے ذریعے ایک نئے معاشی سامراجی دور کے قیام کا اعلان کیا اور عالمی سطح پر ایسی تنظیمیں قائم کیں جو معاشی شاہراہوں پر اپنی پوری گرفت رکھ سکیں۔ چنانچہ NAFTA, WTO اور APEC کی شکل میں عملاً چند اقوام کی معاشی قیادت کے منصوبے کو عملی شکل دی گئی۔ اس طرح شمال کی جنوب پر معاشی حاکمیت کو نئی صدی کے حوالے سے مستحکم اور موثر بنانے کی کوشش کے ساتھ ابلاغِ عامہ، تعلیم اور ثقافت کے شعبوں میں بھی عالمگیریت کے زیرِ عنوان مغرب کی نمائندہ اقوام ہی پر نہیں جاپان جیسی معاشی طور پر ترقی یافتہ قوم پر حاوی ہونے کے لیے مناسب اقدامات کیے گئے۔

جب کہ فکری محاذ پر مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کے عکس کو ذہن میں لاتے ہوئے نوے کی دہائی میں امریکی مورخ سیموئل ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں نیویارک کے معروف سہ ماہی رسالے Foreign Affairs میں ایک مضمون میں تہذیبی ٹکراؤ کی پیش گوئی کی۔(۲۱۱) اس مضمون نے غیر معمولی طور پر علمی حلقوں میں ایک فکری ہل چل پیدا کی۔(۲۱۲)

عالمی سیاسی حلقوں میں شاید اس کے اثرات کچھ عرصہ کے بعد ظاہر ہوتے لیکن ۱۱ ستمبر کو امریکہ عالمی تجارتی مرکز کے انہدام کے نتیجہ میں عالمی بساط پر جو واقعات رونما ہوئے ہیں، انہوں نے ہنٹنگٹن کے مفروضے کی فنی اور فکری کمزوریوں کے باوجود بڑی حد تک اس کے تصور کی تصدیق کردی، چنانچہ صدر امریکہ کا پہلا ردِّعمل ہی اس بات کا مظہر تھا کہ یہ ایک نئی صلیبی جنگ کے آغاز کا اعلان ہے اور انہوں نے بزعم خود یہ اعلان بھی کردیا کہ یہ جمہوریت اور تہذیب کے خلاف بربریت اور

دہشت گردی کی طرف سے حملہ ہے، جس کا جواب وہ مستقل جنگ کی شکل میں نہ صرف امریکہ بلکہ یورپی اقوام کو ساتھ ملا کر دیں گے۔ اس طرح امریکہ اور برطانیہ نے مشترکہ طور پر ۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء سے ''تہذیبی جنگ'' کو ایک انسانیت سوز ریاستی دہشت گردی کی شکل میں عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ مفروضہ جو کل تک محض ایک مورخ کا قیاس تھا، ایک تاریخی حقیقت میں تبدیل ہو گیا۔(۲۱۴)

ان واقعات کے پس منظر میں جو تبدیلیاں عالمی طور پر وجود میں آئی ہیں، ان کی طرف بھی چند اشارے ضروری ہیں۔ پہلی بات تو یہ واضح ہو چکی ہے کہ بار بار یہ کہنے کے باوجود کہ یہ جنگ مسلمانوں یا اسلام کے خلاف نہیں ہے، اس واقعہ کے بعد صرف اور صرف مسلمانوں کو امریکہ اور برطانیہ میں، جرمنی اور فرانس میں، کینیڈا اور آسٹریلیا میں غرض مغربی دنیا میں نہ صرف ملزم بلکہ مجرم گردانتے ہوئے متعصّبانہ طرزِ عمل اور تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔(۲۱۵) سیموئیل پی ہنٹنگٹن ایک موقع پر لکھتا ہے: تہذیبوں کے درمیان قوت کا توازن تبدیل ہو رہا ہے۔ مغرب اثر و رسوخ کے حوالے سے زوال پذیر ہے، ایشیائی تہذیبیں اپنی معاشی، فوجی اور سیاسی قوت کو بڑھا رہی ہیں۔ اسلام کی آبادی دھماکہ خیز انداز میں بڑھ کر ملکوں اور ان کے ہمسایوں کے لیے عدم استحکام کا سبب بن رہی ہے، نیز غیر مغربی معاشرے عمومی طور پر اپنی ثقافت کی قدر کا از سرِ نو اثبات کر رہے ہیں۔(۲۱۶)

''تہذیبوں کا تصادم'' نامی کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کو درج ذیل عنوانات دیئے گئے ہیں: حصۂ اول: تہذیبوں کی دنیا (A World of Civilizations) حصۂ دوم: تہذیبوں کا بدلتا ہوا توازن (The Shifting Balance of Civilizations) حصہ سوم: تہذیبوں کا ابھرتا ہوا نظام (The Emerging Order of Civlizations)۔حصہ چہارم: تہذیبوں کے تصادم (Clashes of Civilizations) حصہ پنجم: تہذیبوں کا مستقبل (The Future of Civilizations) سیموئل پی ہنٹنگٹن نے اس بنیادی مفروضے کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ سرد جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد عالمی سیاست معاشی اور تہذیبی بنیادوں پر از سرِ نو صورت پذیر ہو رہی ہے۔ تہذیب اور ثقافت ہی وہ مرکزی نقطہ ہے، جس کے اردگرد ملکوں کے باہمی تعلقات پنپ رہے ہیں، خواہ ان کی نوعیت دوستی کی ہو یا مخاصمت کی، تعاون کی ہو یا تضاد کی، نیز یہ کہ ان ملکوں میں معاشی، سیاسی اور فوجی اتحاد ہو رہے ہیں، جو ایک ہی ثقافتی اور تہذیبی پس منظر رکھتے ہیں۔(۲۱۷) ''اس کتاب کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ثقافت اور ثقافتی تشخص، جو کہ وسیع ترین سطح پر تہذیبی تشخص ہوتے ہیں، سرد جنگ کے بعد کی دنیا میں تعاون، مخاصمت اور جھگڑوں کے تانے بانے کو تشکیل دے رہے ہیں۔ اس کتاب کے پانچوں حصوں میں اسی مرکزی مفروضے کی جزئیات پر بحث کی گئی ہے۔''

تہذیبوں کا تصادم اور اسلام:

''اسلام کا مستقبل'' یہ وہ سوال ہے، جو اس وقت مشرق و مغرب کے علمی حلقوں میں بڑے شد و مد سے اٹھایا جا رہا ہے۔ یہ موضوع اس وقت سے سنجیدہ و مربوط موضوع کی شکل اختیار کر گیا ہے کہ جب سے ہارورڈ یونیورسٹی کے یہودی پروفیسر سموئل ہنٹنگٹن نے ۱۹۹۳ء میں ''تہذیبوں کے مابین تصادم'' (Clash of Civilizations) کا نظریہ پیش

کر کے پیش گوئی کی کہ مستقبل میں مغرب اور اقوامِ عالم کے درمیان کشمکش نہ تو معاشی ہوگی نہ سیاسی بلکہ تہذیبی ہوگی۔ اس ضمن میں انہوں نے اسلام کو مغرب کے مقابلے میں ایک متصادم تہذیب کے طور پر پیش کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل میں ویسٹرن سویلائزیشن کے لیے اسلام کا خطرہ دکھا کر اسلام کے خلاف محاذ آرائی کے لیے دعوتِ فکر دی گئی ہے۔(۲۱۸)

مغربی حلقوں میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی وجہِ فکر بنی ہوئی ہے، مسلمان امریکہ میں دوسری بڑی اکثریت بن چکے ہیں اور یورپ میں ان کی آبادی ۲۵ ملین کے قریب پہنچ رہی ہے۔ یورپ (ای ای سی) کے کئی ملکوں میں اسلام کو دوسرا بڑا مذہب تسلیم کیا جاچکا ہے۔ حقیقت میں موجودہ دور فکر ونظر کا دور ہے اس وقت اقوامِ عالم کے درمیان عسکری کے بجائے فکری ونظریاتی تصادم برپا ہے۔ کمیونزم کی ناکامی کے بعد مغربی دنیا سمجھنے لگی ہے کہ اب دنیا کے لیے مغربی نظریۂ فکر اور نظامِ زندگی اپنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں جب کہ اسلام ایک مکمل نظریۂ فکر رکھتا ہے، جس میں آج بھی اتنی افادیت و کشش ہے کہ دنیا کے تمام نظریات و افکار پر حاوی و غالب آجائے۔ اسلام کی پوری تاریخ ثابت کرتی ہے کہ اسلام کی صرف دعوت ہی اسلام کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اسلام فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اگر وہ اپنی اصلی صورت میں کسی انسان کے سامنے لایا جائے تو وہ سیدھا آدمی کے دل میں اتر جاتا ہے، وہ آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی صداقت کا اعتراف کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی ذات میں ایک تسخیری طاقت رکھتا ہے۔ وہ لوگوں کو متاثر ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ اب تک نظریہ کو کاٹنے والی تلوار وجود میں نہیں آسکی۔ اسلام کے نظریۂ فکر کی تلوار کبھی کند نہیں ہوئی۔ اس کے ہر دور میں قطع نظر اس کے وہ دور سیاسی وعسکری اعتبار سے مسلمانوں کے غلبے کا دور تھا یا مغلوبیت کا اسلام نے اپنی شاندار فتوحات برابر جاری رکھیں۔ زمانے کی موجودہ تبدیلی، عسکری محاذ سے فکری محاذ کی طرف عین اسلام کے مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب اسلام کے نظریے کی طاقت سے خوف زدہ ہے، وہ اسلام کو اپنی فکر و دعوت پیش کرنے کا موقع دیئے بغیر پروپیگنڈے اور میڈیا کے زور پر ختم کر دینا چاہتا ہے۔ سیموئل ہنٹنگٹن کہتا ہے کہ مستقبل میں مغربی تہذیب کی برتری کو چیلنج کرنے والی سب سے بڑی ممکنہ طاقت مسلم تہذیب ہی ہے۔(۲۱۹)

جب کہ سابق امریکی صدر نکسن کہتا ہے کہ ہمیں فوری طور پر اسلام سے کوئی خطرہ نہیں، کیوں کہ مسلمان اتنے منتشر اور باہم دست وگریباں ہیں کہ انہیں دشمن کا ہوش ہی نہیں۔(۲۲۰) لیکن غلط ہم بھی نہیں کہتے، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کمیونزم کا پیدا کردہ خلاء صرف مسلم تہذیب ہی پُر کرسکتی ہے۔ مغرب کی تہذیب جن خرابیوں کی وجہ سے ڈول رہی ہے، ان کا علاج صرف اسلام ہی کے پاس ہے، لہٰذا صرف اسلام ہی متبادل ہے، صرف مسلم تہذیب ہی متبادل تہذیب ہے جو مغربی تہذیب کی باطل نظریات پر مبنی کمزور دیواروں کو دھکا دے کر گرا دے گی اور خود اس کی جگہ لے لے گی۔ شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، نا پائیدار ہوگا(۲۲۱)

اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات:

(۱) اسلامی تہذیب کا نظام ایک سلطنت کا سا نظام ہے۔ اس میں خدا کی حیثیت عام مذہبی تصور کے لحاظ سے محض ایک ''معبود'' کی سی نہیں ہے، بلکہ دنیوی تصور کے لحاظ سے بھی وہی حاکم مطلق بھی ہے، وہ دراصل اس سلطنت کا شہنشاہ ہے، رسول اس کا نمائندہ ہے۔ قرآن اس کی کتاب آئین ہے اور ہر وہ شخص جو اس کی شہنشاہی کو تسلیم کر کے اس کے نمائندے کی اطاعت اور اس کی کتاب آئین کا اتباع کرنا قبول کرے،اس سلطنت کی رعیت ہے۔ (۲) یہ تہذیب دین اور دنیا دونوں کی جامع ہے۔ یہ ایک ایسا وسیع نظام ہے، جو انسان کے افکار و خیالات، اس کے شخصی کردار و اخلاق، اس کے انفرادی عمل، اس کے خانگی معاملات، اس کی معاشرت اس کے تمدن، اس کی سیاست سب پر حاوی ہے۔ (۳) یہ کوئی قومی یا نسلی تہذیب نہیں ہے، بلکہ صحیح معنوں میں انسانی تہذیب ہے۔ یہ انسان کو بہ حیثیت انسان خطاب کرتی ہے اور ہر اس شخص کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے جو توحید، رسالت، کتاب اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے۔ اس طرح اس تہذیب نے ایک ایسی قومیت بنائی ہے جس میں بلا امتیاز رنگ ونسل و زبان ہر انسان داخل ہوسکتا ہے، جس کے اندر تمام روئے زمین پر پھیل جانے کی استعداد موجود ہے اور جو تمام بنی آدم کو ایک نظم ملت میں پیوستہ کردینے اور ان سب کو ایک تہذیب کا متبع بنا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(۴) ہمہ گیری اور آفاقیت کے ساتھ اس تہذیب کی نمایاں خصوصیت اس کا زبردست نفوذ اور اس کا وہ طاقت ور اثر ہے جس سے وہ اپنے متبعین کو شخصی و اجتماعی حیثیت سے اپنے آئین کا پابند بناتی ہے۔ (۵) دنیوی نقطۂ نظر سے یہ تہذیب ایک صحیح اجتماعی نظام قائم کرنا اور ایک صالح اور پاکیزہ سوسائٹی کو وجود میں لانا چاہتی ہے، مگر ایسی سوسائٹی کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے، جب تک کہ اس کے افراد اخلاق فاضلہ و صفات حسنہ سے متصف نہ ہوں۔ اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ افراد کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے تاکہ وہ مخرب اور منتشر افکار کی آماجگاہ نہ رہیں، صحیح اور پاکیزہ ذہنیت ان کے اندر راسخ کی جائے تاکہ ان میں ایک ایسی مضبوط سیرت پیدا ہوسکے جس سے اعمالِ صالحہ کا صدور ہونے لگے۔ اسلام نے اپنی تہذیب میں اس قاعدے کی پوری رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ افراد کی تربیت کے لیے وہ سب سے پہلے ان میں ایمان کو راسخ کرتا ہے جو ایک اعلیٰ درجے کی مضبوط سیرت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ (۶) اس تہذیب کے ایمانیات میں ایک طرف وہ تمام قوتیں موجود ہیں، جو انسان کے اندر اخلاقِ حسنہ و ملکات فاضلہ پیدا کرنے والی اور ان کی پرورش اور حفاظت کرنے والی ہیں۔ پھر یہی ایمانیات اس میں وہ عمدہ اوصاف بھی پیدا کرتے ہیں جو دنیا میں حقیقی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ یہ اس عظیم تہذیب کا ایک مجمل خاکہ ہے جو اسلام قائم کرتا ہے، اگر ہم تشبیہ کے پیرائے میں اس کو ایک عمارت تسلیم کرلیں تو یہ ایک ایسی عمارت ہے جس کو مستحکم کرنے کے لیے نہایت گہری نہر کھودی گئی، پھر چھانٹ چھانٹ کر پختہ سے پختہ اینٹیں مہیا کی گئیں اور ان کو پگھلائے ہوئے سیسے سے پیوستہ کردیا گیا ہے، پھر عمارت اس شان کے ساتھ بنائی گئی کہ بلندی میں آسمان تک اٹھتی چلی

جائے اور وسعت میں آفاق پر پھیلتی جائے، مگر اس وسعت و رفعت کے باوجود اس کے ارکان میں ذرا تزلزل واقع نہ ہو اور اس کی دیواریں اور اس کے ستون چٹان کی سی مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔(۲۲۲)

زوال پذیر تہذیبِ مغرب۔ تباہی کے دہانے پر اعداد و شمار کی روشنی میں مختصر جائزہ:

دوسری جنگِ عظیم کے بعد ان مغربی دنیا کے آباد اور خوش حال ممالک میں ایک اداس نسل ابھر آئی ہے، جن کے پاس ہر چیز موجود ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ یہ لوگ عرفِ عام میں ''دھتکاری ہوئی نسل'' (ٹھکرائی ہوئی نسل) کہلاتے ہیں۔ جنہوں نے بے مقصدیت کے فلسفے کو پھیلایا۔ تمام اصولوں اور تمام نظاموں کا مذاق اڑایا اور ان کی سوچ اور طور طریقے دنیا کے تمام بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ خودکشیوں کا تناسب اور نفسیاتی امراض کا گوشوارہ بھی اس ثقافت و تمدن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ نفسیاتی طریقۂ علاج کے مطابق یہ عجیب بات سامنے آئی ہے کہ زندگی کے معیار کے بہتر سے بہتر ہونے کے ساتھ یہاں انسان کا اطمینانِ قلب روبہ انحطاط ہے اور یہ شکایت ایک امریکی ماہرِ نفسیات نے کی ہے۔ جن ممالک نے زیادہ ترقی نہیں کی وہاں خودکشیوں اور نفسیاتی امراض کے مریض بھی کم تعداد میں ہیں۔ یہ بات ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ترقی آخر کس مرض کی دوا ہے؟ چنانچہ امریکہ میں ہر ہزار میں سے چار افراد نفسیاتی و دماغی امراض کے اسپتالوں میں داخل ہیں۔ نیویارک اسٹیٹ میں دماغی اسپتالوں میں داخل ہونے والے مریضوں کی تعداد ۵۰۵ فی ہزار ہے۔ امریکی پبلک ہیلتھ سروس نے ۱۹۷۸ء میں ایک سرکاری رپورٹ شائع کی۔ اس رپورٹ کے مطابق ہر پانچواں امریکی شدید ذہنی و اعصابی صدمے (Break Down) کا شکار ہے یا اس کے قریب پہنچنے والا ہوتا ہے۔ اس نتیجے کی بنیاد معقول شواہد اور تجزیے ہیں۔

سویڈن میں خودکشی کرنے والے، شراب پینے والے اور ذہنی امراض کے شکار لوگ بہت بڑی تعداد میں ہیں، جب کہ قومی آمدنی شرح تعلیم، روزگار اور سماجی تحفظ کے معیار کے لحاظ سے یہ ملک سب سے آگے ہے۔ عالمی ادارۂ صحت نے مختلف ممالک کے درمیان خودکشی کی شرح کے تناسب کے گوشوارے جنیوا سے شائع کیے۔ اس فہرست میں پہلی آٹھ پوزیشنیں مغربی جرمنی آسٹریلیا، کینیڈا، ڈنمارک، فن لینڈ ہنگری، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ نے حاصل کیں۔ ان آٹھ ممالک میں مَردوں کی فوتگی کی تیسری وجہ خودکشی ہے، جن کی عمر ۱۵ اور ۴۵ سال کے درمیان تھی۔(۲۲۳)

امریکہ: جرائم کی دلدل میں:

مادی ترقی اور اقتصادی خوشحالی نے انسان کو انسانیت کے مقام سے کس طرح گرا دیا ہے، امریکی محکموں کے اعداد و شمار اس کی شہادت فراہم کرتے ہیں۔ امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ برائے قومی صحت کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ کی پندرہ فیصد آبادی کسی نہ کسی ذہنی مرض میں یا دماغی الجھن میں مبتلا ہے۔ جب کہ امریکہ کی ۱۰،۹ فیصد آبادی ذہنی صحت کو بحال کرنے یا برقرار رکھنے کے لیے ادویات کا استعمال کرتی ہے۔(۲۲۴) ۱۹۹۲ء کے دوران ۶ ۵۵۴ افراد کاروں کے نیچے آکر ہلاک ہو گئے، مرنے والوں کے خون کے لیبارٹری ٹیسٹ سے معلوم ہوا کہ کم و بیش ایک تہائی افراد شراب پی کر سڑکوں پر ٹہل رہے تھے اور موت کا نوالہ بن گئے وہ لوگ جو شراب پی کر ڈرائیونگ کرتے ہیں ان کی تعداد سیکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے۔

۱۹۹۳ء کی پہلی سہ ماہی میں چار لاکھ بارہ ہزار شادیاں سرانجام پائیں اور شادی کے تین ماہ کے اندر اندر دو لاکھ بانوے ہزار طلاقیں وقوع پزیر ہوئیں۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ اکثر شادیاں ناکام ہوجاتی ہیں۔۱۹۹۲ء میں بارہ لاکھ پندرہ ہزار اور ۱۹۹۱ء میں گیارہ لاکھ ستاسی ہزار طلاقیں وقوع پذیر ہوئیں، اس کثرت سے طلاقوں کی وجہ سے شادی کرنے والے نوجوانوں کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ کثرتِ شراب نوشی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے سبب اکثر امریکی فطری موت نہیں مرتے۔ ۱۹۹۲ء کے دوران مرنے والوں میں سے ۲۹،۷۶۰ نے خودکشی کی جب کہ HIV جراثیم (ایڈز) کی موجودگی کی وجہ سے ۳۳۵۹۰ افراد کی موت واقع ہوئی جب کہ ۲۶۵۷۰ افراد اپنے ہی بھائی یا باپ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ۳۰ سے ۴۰ سال کی عمر کی چالیس فیصد عورتیں طلاق حاصل کرلیتی ہیں۔ ۴۵ سال کی عورتوں میں طلاق کا تناسب ۳۶ فیصد ہے۔ امریکی بیورو آف سینسس کے مطابق طلاق کی اکثر وجہ یہ بنتی ہے کہ ان لڑکیوں نے باضابطہ شادی سے قبل غیر مَردوں سے جنسی تعلقات برقرار رکھے تھے یا رجسٹر شادی سے قبل بچے یا بچوں کو جنم دیا تھا۔ طلاق حاصل کرنے کے پانچ سال کے اندر اندر پچھتر فیصد عورتیں دوبارہ شادی کرلیتی ہیں، بچوں کے اندر ذہنی تناؤ اور جرائم کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ خاندان میں اکٹھے رہتے ہیں، ان میں سے اکیس فیصد گھرانے ایسے ہیں کہ جہاں ماں یا باپ کے ساتھ ایک بچہ اس کے سابق شوہر، بیوی کا ہوتا ہے اور اس کے نتائج سامنے آتے رہتے ہیں۔(۲۲۵) ۱۹۹۲ء میں ۱۹ سال سے کم عمر لڑکیوں نے جن بچوں کو جنم دیا، ان میں سے پینسٹھ فیصد ناجائز اولاد تھے۔ ہسپانوی آبادی میں یہ شرح ساٹھ فیصد اور سفید نسل میں چھپن فیصد ہے۔ ۱۹۹۲ء کے دوران امریکہ کی دس بڑی جیلوں میں مجرموں کی تعداد یہ تھی۔

☆ کیلیفورنیا ۱۰۹۴۹۶ ☆ نیویارک ۶۱۷۳۶ ☆ ٹیکساس، ۶۱۱۷۸، فلوریڈا ۴۸۳۰۲، مشی گن ۳۹۰۱۹، اوھائیو ۳۸۳۷۸، الی نائے ۳۱۶۴۰، جارجیا ۲۵۲۹۰، پنسل مانیا ۲۴۹۷۴، نیوجرسی ۲۲۶۵۳ جب کہ مغرب کے گیارہ ترقی یافتہ ملکوں میں قتل کی شرح ملاحظہ ہو، جس سے مغرب کے تہذیبی انتشار کا پتہ چلتا ہے:

ذیل میں دنیا کے گیارہ ترقی یافتہ مغربی ملکوں میں ہر ایک لاکھ افراد میں قتل کا تناسب درج کیا جارہا ہے، جس سے مغربی دنیا کے تہذیبی و اخلاقی بگاڑ اور انحطاط کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆ امریکہ میں ۱۳.۹ فیصد مرد اور ۴.۱ فیصد عورتیں ☆ چیکوسلواکیہ میں ۳.۴ فیصد مرد اور ۱.۳ فیصد عورتیں ☆ ہنگری میں ۳.۱ فیصد مرد اور ۱.۹ فیصد عورتیں ☆ کینڈیا میں ۲.۷ فیصد مرد اور ۱.۴ فیصد عورتیں ☆ آسٹریلیا میں ۲.۴ فیصد مرد اور ۱.۵ فیصد عورتیں ☆ اٹلی میں ۲.۴ فیصد مرد اور ۰.۶ فیصد عورتیں ☆ اسپین میں ۲.۰ فیصد مرد اور ۰.۴ فیصد عورتیں ☆ فرانس میں ۱.۵ فیصد مرد اور ۰.۹ فیصد عورتیں

☆ مغربی جرمنی میں ۱.۱ فیصد مرد اور ۱.۱ فیصد عورتیں ☆ جاپان میں ۰.۹ فیصد مرد اور ۰.۶ فیصد عورتیں اور ☆ برطانیہ میں ۰.۸ فیصد مرد اور ۰.۶ فیصد عورتیں۔(۲۲۶) گویا اس حوالے سے بھی امریکہ نمبر ون ہے۔

بہبودِ آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر اُمتِ مسلمہ کی افرادی قوت اور آبادی کو محدود کرنے کا عالمی چیلنج:

نئے عالمی نظام کے حامی و داعی اہلِ مغرب اس کے قائل ہیں کہ انسانی آبادی کو کم ہونا چاہیے، دوسری طرف جنگِ عظیم کے بعد مشہور برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل نے انسانی تباہی دیکھ کر یہ تاثر ظاہر کیا تھا کہ پچاس ملین انسان اگر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو کیا ہوا یہ تعداد تو بہت معمولی ہے، ہر روز دنیا کی آبادی میں پانچ لاکھ اسی ہزار نفوس کا اضافہ ہوتا رہتا ہے، جنگ نے اپنا کام پورا نہیں کیا، اس کی ضرورت ہے کہ انسانی آبادی کو کم کرنے کے لیے جراثیمی ہتھیاروں کا استعمال کیا جائے تاکہ دنیا غیر ضروری انسانوں سے خالی ہوجائے اور اس روئے زمین پر صرف آزاد اور خوشحال انسان رہ سکیں۔(۲۲۷) ۱۹۶۰ء میں پال ارچ نامی مصنف نے ''آبادی کا بم'' نامی کتاب میں لکھا کہ ''اس وقت انسانی آبادی کا بم پوری دنیا کو تباہ کو تباہ کر رہا ہے ہم اس پر قابو نہیں پار ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی میں اس کینسر کی تمام علامتوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس آپریشن کے لیے ہمیں وحشت و بربریت سے کام لینا پڑے، ایسا غیر انسانی فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔''(ایضاً ص ۶۷)

بین الاقوامی بینک کے صدر رابرٹ میکنارا نے اکتوبر میں اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ''انسانوں کی آبادی کو ایک کھرب تک بڑھنے سے روکنے کے دو ہی طریقہ ہمارے سامنے ہیں، پہلی شکل تو یہ ہے کہ غیر معمولی سرعت سے پیدائش پر روک لگائیں، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وفات کے تناسب میں اضافہ کردیا جائے، ان دونوں صورتوں کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔۱۹۷۴ء میں کیسنجر، جارج بش اور برنٹ اس کوکرافٹ پر مشتمل ایک کمیٹی نے دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی تھی، جو امریکی حکومت کی قومی سلامتی امور سے متعلق تھی، اس سروے کو جائزہ ۲۰۰ کہا جاتا ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ تیرہ ایسے ممالک ہیں جو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی بنا پر امریکی مفاد کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں، ان میں بعض غیر مسلم ممالک کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، مصر، ترکی، انڈونیشیا، نائیجریا، ایتھوپیا کے ممالک کا بطورِ خاص تذکرہ کیا گیا تھا اور تجویز کیا گیا کہ ان ملکوں پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا ضروری ہے تاکہ وہ آبادی کم کریں۔(۲۲۸)

چنانچہ اس سروے کے بعد ہی امریکی صدر نے پوری دنیا میں آبادی کو کم کرنے کی پالیسی کی تنفیذ کو اپنا مشن بنا لیا۔ مذکروہ بالا ممالک میں خصوصاً اور اسلامی ملکوں میں عموماً آبادی کو ختم کرنے کے دو طریقے اختیار کیے جارہے ہیں، ان میں سیاسی اور دینی بنیادوں پر خوں ریزی، نسلی اور وطنی بنیادوں پر خانہ جنگی کے سلسلے برابر جاری ہیں، مغربی میڈیا اس آگ کو ہوا دے رہا ہے ایران وعراق، افغانستان، سری لنکا، الجزائر، تیونس، مصر و شام، ہندوستان میں پنجاب، کشمیر اور آسام و ناگالینڈ وہ علاقے ہیں، جہاں کی آبادی مغربی ملکوں سے اسلحہ لے کر برادر کشی کے ذریعے نئے عالمی نظام کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم بنا رہی ہے۔ افریقی ممالک میں نائجیریا، صومالیہ، سوڈان، بورنڈی، روانڈا، زائر اور یورپ میں بوسنیا والبانیہ اور کوسوو میں مغربی ممالک براہِ راست نسل کشی میں حصہ لے رہے ہیں۔(۲۲۹) ۱۹۹۴ء میں قاہرہ کی آبادی کانفرنس میں جو رپورٹ پیش

کی گئی تھی، اس میں اس بات پر تشویش ظاہر کی گئی کہ ابھی تک آبادی پر کنٹرول پوری طرح نہیں ہو رہا ہے، اس لیے ۲۰۱۵ء تک تمام ملکوں کو چاہیے کہ بچے اور خاندان کو محدود کرنے کے لیے مانع حمل اشیاء کا استعمال لازمی کرائیں۔

مسلم ممالک میں فیملی پلاننگ اسلامی اقدار کے لیے خطرہ:

مسلم ممالک میں مسلمانوں کی آبادی کم کرنے کے لیے عالمی سطح پر جو سامراجی کوششیں ہو رہی ہیں، اس مقصد کے لیے سرکاری خزانے، عالمی تنظیمیں اور مختلف سرمایہ دار ادارے بڑی بڑی رقوم فراہم کر رہے ہیں۔ مغربی ممالک خصوصاً امریکہ دلکش نعروں کے پردے میں اپنے اہداف اور مفادات کی جنگ لڑتا ہے۔

اپریل ۱۹۷۴ء میں ہنری کسنجر نے تحریک کی قیادت کرتے ہوئے کہا کہ مسلم و عرب ممالک کی بڑھتی ہوئی آبادی (طاقت) کا مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ یادداشت (NSSM) نیشنل سیکورٹی اسٹڈیز میمورنڈم کہلائی۔ اس دستاویز کو خفیہ رکھا گیا، کیوں کہ یہی امریکی مفاد میں تھا۔ عرب ممالک میں مسلم نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو یورپ نے اپنے لیے بڑا خطرہ قرار دیا۔ اس میں مختلف اندیشے ظاہر کیے۔ مثلاً ''مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے دنیا میں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔ عالمی سیاست پر مسلمانوں کا تسلط ہوجائے گا۔ بنیادی، اقتصادی ڈھانچے، قوت، وسائل اور روزگار پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجائے گا۔ فوجی قوت میں اضافہ مسلمانوں کے حق میں جائے گا۔''(۲۳۰) یہی وہ وجوہات اور دُور رس پالیسیاں ہیں، جن کی تکمیل کے لیے مسلم ممالک کو سماجی بہبود، امداد باہمی اور خوش کن نعروں کی صورت میں رقوم مل رہی ہیں۔ مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے ٹی وی، ریڈیو، اخبارات و رسائل سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت مہم چلائی جارہی ہے۔ اور اس طرح یورپ کے منصوبوں کو خود اس کے آلہ کار اور تنخواہ دار بن کر ہم مسلمان پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں۔ یورپ اس طرح مسلمانوں کو اخلاقی، جنسی بے راہ روی، اسلامی اقدار کے خاتمے اور عریانیت و فحاشی کی تعلیم دے رہا ہے اور ساتھ ہی اپنے خفیہ منصوبے پر عمل کر رہا ہے، تاکہ کسی بھی وقت مسلمان عددی اکثریت کے باعث غالب نہ ہوجائیں۔

مغربی آبادی کی بدستور کمی اور خاندانی نظام کی تباہی۔ ایک جائزہ:

مغرب میں خوشحالی کی یہ عجیب کیفیت ہے کہ مرد و عورت کے پاس نہ دولت ہے، نہ وقت، اس لیے وہ بچے پیدا نہیں کرتے، یہ محض دعویٰ نہیں ہے، اس کا تازہ ترین ثبوت اٹلی کی حکومت کا تازہ فیصلہ ہے۔ امریکی اخبار ''لاس اینجلس ٹائمز'' کے مطابق اٹلی میں مقامی آبادی تیزی سے کم ہو رہی ہے، دو ہزار پچاس تک یہ آبادی ایک تہائی رہ جائے گی۔ اخبار کے مطابق زیادہ تر جوڑے اس وجہ سے بچے پیدا کرنے میں دلچسپی نہیں لیتے کہ ان کے پاس اسے پالنے کے لیے نہ پیسہ ہوتا ہے، نہ وقت، لہٰذا اٹلی کی حکومت نے بچے پیدا کرنے والے جوڑے کو چودہ ہزار امریکی ڈالر ادا کرنے کی اسکیم شروع کی ہے۔(۲۳۱) اٹلی میں مغربی تہذیب نے عجیب ستم ڈھایا ہے کہ ماں باپ اولاد سے محروم ہیں، کیوں کہ دونوں کے پاس نہ وقت ہے، نہ دولت، لہٰذا ماؤں کی ممتا نے محبت کے عجیب و غریب طریقے اختیار کیے ہیں۔ روم کے گلی کوچوں میں عورتیں اپنی ممتا کی پیاس لاکھوں بلیوں کو دودھ پلا کر بجھاتی ہیں۔ ریاستی ذرائع و وسائل بلیوں کے لیے وقف ہیں۔ امیر عورتیں اپنے

بچوں کو پیدا ہونے سے روکتی ہیں کہ انہیں دودھ نہ پلانا پڑے،لیکن جانوروں کی خدمت میں کوشاں ہیں۔ اس کی تفصیلات ہوش ربا ہیں۔ اعدادو شمار اور مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:(۲۳۲) چین جو مغربی تہذیب کا خوشہ چیں ہے، اس کا حال بھی بہت ابتر ہے۔ ایک خاندان ایک بچے کی حکمت عملی، جو ۱۹۸۴ء میں وضع کی گئی، اس کا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ چین میں لڑکیوں کی آبادی خطرناک حد تک کم ہوگئی ہے اور چینی مردوں کی تعداد میں اضافے کے باعث انہیں شادی کے لیے چینی لڑکیاں دستیاب نہیں۔(۲۳۳)

یورپی ممالک کی شرح آبادی: ایک نظر میں:

(۱) آرمینیا ۶۴ء۰ فیصد (۲) آسٹریلیا ۰۱ء۰ فیصد (۳) بیلاروس ۶۱ء۰ فیصد (۴) بیلجیم ۰۵ء۰ فیصد (۵) بلغاریہ ۶۴ء۰ فی صد (۶) کروشیا ۱۵ء۰ فیصد (۷) قبرص ۵۳ء۰ فیصد (۸) چیک جمہوریہ ۱۷ء۰ فیصد (۹) ڈنمارک ۵۹ء۰ فیصد (۱۰) ایسٹونیا ۴۵ء۰ فیصد (۱۱) فن لینڈ ۰۸ء۰ فیصد (۱۲) فرانس ۲۹ء۰ فیصد (۱۳) جارجیا ۳۱ء۰ فیصد (۱۴) جرمنی ۱۴ء۰ فیصد (۱۵) یونان زیرو فیصد (۱۶) ہنگری ۳۸ء۰ فیصد (۱۷) آئس لینڈ ۴۷ء۰ فیصد (۱۸) آئرلینڈ ۲۶ء۰ فیصد (۱۹) اٹلی ۱۲ء۰ فیصد (۲۰) لاتویا ۶۵ء۰ فیصد (۲۱) لیخن اشٹائن ۴۵ء۰ فیصد(۲۲) لگژمبرگ ۳۲ء۰ فیصد (۲۳) لتھوانیا ۲۷ء۰ فیصد (۲۴) مقدونیہ ۵۶ء۰ فیصد (۲۵) مالدووا ۱۲ء۰ فیصد (۲۶) ہالینڈ ۲۹ء۰ فیصد (۲۷) ناروے ۲۶ء۰ فیصد (۲۸) جنوبی امریکہ کا ملک پناما ۳۶ء۱ فیصد (۲۹) پولینڈ ۰۳ء۰ فیصد (۳۰) پرتگال ۱۳ء۰ فیصد (۳۱) رومانیہ ۱۵ء۰ فیصد (۳۲) روس ۴۲ء۰ فیصد (۳۳) سان مارینو ۲۶ء۰ فیصد (۳۴) سربیا ۱۹ء۰ فیصد (۳۵) سلوواکیہ ۰۹ء۰ فیصد (۳۶) سلووینیا ۰۸ء۰ فیصد، (۳۷) اسپین ۰۱ء۰ فیصد (۳۸) سویڈن ۰۸ء۰ فیصد (۳۹) سوئٹزرلینڈ ۰۱ء۰ فیصد (۴۰) یوکراین ۶۸ء۰ فیصد (۴۱) برطانیہ ۰۱ء۰ فیصد، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یورپ میں آبادی بڑھنے کے بجائے بدستور تیزی سے کم ہورہی ہے، اس کے برعکس مذہبی معاشروں اور مسلم دنیا میں آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس کے باعث چند مسائل بھی درپیش ہیں، لیکن یہ مسائل ان مسائل سے بہت کم ہیں، جن کا سامنا یورپی ممالک کو ہے۔

مسلم دنیا کی شرح آبادی: ایک نظر میں:

(۱) افغانستان ۸ء۲ فیصد (۲) البانیہ ۲۱ء۱ فصد (۳) الجزائر ۲۷ء۱ فیصد (۴) آذربائیجان ۹۲ء۰ فیصد (۵) بحرین ۵۶ء۱ فیصد (۶) بنگلہ دیش ۶۷ء۱ فیصد (۸) برونائی ۶۷ء۱ فیصد (۹) برکینا فاسو ۳۷ء۲ فیصد (۱۰) چاڈ ۲۷ء۳ فیصد (۱۱) جزائر قمر ۹۹ء۲ فیصد (۱۲) کوتے دی آئیور ۳۳ء۲ فیصد (۱۳) جبوتی ۵۷ء۲ فیصد (۱۴) مصر ۶۸ء۱ فیصد (۱۵) آئریٹریا ۰۶ء۳ فیصد (۱۶) گامبیا ۸۶ء۲ فیصد (۱۷) ایتھوپیا ۶۳ء۲ فیصد (۱۸) گھانا ۸۷ء۱ فیصد (۱۹) گنیا ۳۳ء۲ فیصد (۲۰) گنیا بساؤ ۲۹ء۲ فیصد (۲۱) انڈونیشیا ۵۶ء۱ فیصد (۲۲) ایران ۲۲ء۱ فیصد (۲۳) عراق ۸۲ء۲ فیصد (۲۴) اردن ۲ء۲ فیصد (۲۵) قازقستان ۷۱ء۰ فیصد (۲۶) کویت ۹۶ء۱ فیصد (۲۷) کرغیزستان ۷ء۱ فیصد (۲۸) لبنان ۳۶ء۱ فیصد (۲۹) لیبیا ۴۱ء۲ فیصد (۳۰) ملیشیا ۹۱ء۱ فیصد (۳۱) مالدیپ ۹۶ء۱ فیصد (۳۲) مالی ۳ فیصد(۳۳) ماریطانیہ ۹۲ء۲ فیصد (۳۴) مراکش ۸۷ء۱ فیصد (۳۵) نائجیر ۷۷ء۲

فیصد (۳۶) نائیجریا ۵۱ء۲ فیصد (۳۷) عمان ۳۷ء۳ فیصد (۳۸) پاکستان ۱۶ء۲ فیصد (۳۹) قطر ۱۴ء۱ فیصد (۴۰) سینیگال ۸۸ء۲ فیصد (۴۱) سیرالیون ۵۸ء۲ فیصد (۴۲) صومالیہ ۸۸ء۲ فیصد (۴۳) سوڈان ۴۷ء۲ فیصد (۴۴) سعودی عرب ۱۶ء۳ فیصد (۴۵) شام ۲۵ فیصد (۴۶) تاجکستان ۲۵ فیصد (۴۷) تیونس ۱۸ء۱ فیصد (۴۸) ترکی ۲ء۱ فیصد (۴۹) ترکمانستان ۹۴ء۱ فیصد (۵۰) ازبکستان ۸۱ء۱ فیصد (۵۱) یمن ۴ء۳ فیصد (۵۲) متحدہ عرب امارات ۴۴ء۱ فیصد (۲۳۴)

یہ اعداد وشمار یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ مغربی ممالک دنیا کی آبادی بالخصوص مسلم دنیا میں اضافے پر مغرب کی تشویش کا سبب کیا ہے، اُمّتِ مسلمہ کی آبادی میں تیز ترین اضافہ اور اپنی آبادی میں خطرناک حد تک کمی پر اہلِ مغرب کی تشویش بلاوجہ نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مغربی ممالک اپنی آبادی میں اضافہ چاہتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کی بہیتری کوششیں کرلیں، اس کے باوجود خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوسکا۔ مغرب کو اس پر بھی حیرت ہے کہ سابق سوویت روس میں غیر مسلم اقوام کے ہاں شرح پیدائش منفی تھی، جب کہ مسلمانوں کے ہاں پیدائش کی شرح مثبت تھی۔ سابق سوویت یونین کی حکومت نے اس پر قابو پانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ جب مغرب اپنی آبادی میں اضافہ نہ کرسکا تو انہوں نے دوسری ترکیب اختیار کی اور وہ ترکیب یہ تھی کہ مسلمانوں اور مذہبی معاشروں کی آبادی کو بڑھنے سے روکا جائے، اس کو خاندانی منصوبہ بندی کا خوشنما نام دیا گیا، پاپولیشن ایکسپلوژن (آبادی کا دھماکہ) جیسے خطرے کی خبر دی گئی اور نظریہ یہ پیش کیا گیا کہ آبادی اگر اسی طرح بڑھتی رہی تو وسائل گھٹتے چلے جائیں گے اور ایک گھڑی وہ آئے گی کہ وسائل ختم ہوجائیں گے اور انسان پر بھوک اور افلاس کا سایہ چھا جائے گا۔ جس ملک میں آبادی زیادہ ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں مذہب آج بھی ایک قوت ہے، کیوں کہ آبادی میں اضافہ نکاح اور خاندان اور قربانی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ تمام کام روایتی، مذہبی معاشروں میں ہی ممکن ہیں، مذہبی معاشرے نے مغرب کے فلسفے کو رد کیا تو اس کے بعد یہ جھانسہ دیا گیا کہ آبادی اگر یونہی بڑھتی رہتی تو رہنے کی جگہ نہیں رہے گی اور آج بیشتر مسلمان اور غیر مسلم دانشور اس فریب میں مبتلا ہیں، حالانکہ اگر اس کی حقیقت معلوم کی جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ بھی ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔

عالمِ مغرب کی شرح افزائی: سب سے کم:

مغربی تہذیب کو آبادی میں تیزی سے کمی کا سامنا ہے، لہٰذا چند دانشور یہ پیش گوئی کررہے ہیں کہ یہ اس کے عروج کی آخری صدی ہے؟ یہ نہ کسی دیوانے کے بڑ ہے اور نہ ہی کوئی پیش گوئی ہیں، جس کی کامیابی ناکامی کا مساوی امکان ہو، بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کی طرف ہماری رہنمائی مغرب کے پروردہ علوم خود کررہے ہیں۔ ان علوم میں اہم ترین علمِ شماریات ہے۔ انیسویں صدی سے لے کر اب تک اور اس سے پہلے بھی مغرب نے اپنے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے علمِ شماریات پر بہت زیادہ انحصار کیا ہے۔ آج یہی شماریات مغرب کے زوال کی یقینی منزل کی طرف واضح اشارے کررہی ہیں۔(۲۳۵) یہی وہ خدشات اور اندیشے ہیں جن کی بناء پر اہلِ مغرب مسلم ممالک میں آبادی کے حوالے سے سب سے زیادہ فکر مند نظر آتے ہیں، جب کہ اُمّتِ مسلمہ کے لیے رسول اللہ کا یہ ارشادِ گرامی ایک سَندِ افتخار کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میں روزِ محشر اپنی امّت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ربّانی منصوبہ ہے، جس کے لیے

کسی بھی قسم کی پلاننگ اور منصوبہ بندی ہرگز کارآمد نہ ہوگی۔ تاہم اُمّتِ مسلمہ کو اس مغربی چیلنج سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔

''این جی اوز'' کی خدمتِ خلق اور سماجی بہبود کے نام پر اسلام دشمن سرگرمیاں

اُمّتِ مسلمہ کو درپیش ایک عالمی چیلنج:

بیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں دنیا میں ایسی سیاسی اور جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ عالمی نقشہ نئے سرے سے مرتب کیا گیا۔ سوویت یونین کے انہدام اور اس کے نتیجے میں سرد جنگ کے خاتمے نے دنیا میں سیاسی اور اقتصادی گروہ بندی کو نئی جہت عطا کی۔ عالمی سیاسی منظر دو قطبی سے یک قطبی شکل اختیار کر گیا۔ اس یک قطبی دنیا میں امریکہ بلاشرکت غیرے عالمی طاقت بن کر اُبھرا۔ امریکی سیاسی و انتظامی اداروں اور تحقیق و دانش کے اداروں (Think Tanks) نے یہ خیال عام کرنا شروع کر دیا کہ گزشتہ تاریخ اپنے منطقی انجام کو پہنچی اور آئندہ جب بھی تاریخ مرتب کی جائے گی تو اس میں امریکی قیادت میں مغرب کی مرضی کو بنیادی عمل دخل ہوگا۔ ان کے دانش وروں نے تہذیبوں کا ایک مثلث بھی دنیا کے سامنے متعارف کرایا، جس کے تینوں سروں پر بالترتیب عیسائی مغرب، عالم اسلام اور چین دکھائے گئے۔ مدعا یہ تھا کہ آئندہ تہذیبوں کی جو جنگ ہوگی، ان میں مذکورہ بالا تہذیبیں فریق ہوں گی۔ اس حوالے سے سیموئل ہنٹنگٹن اور فرانسس فوکویاما کی کتابوں The Clash of Civilization (تہذیبوں کا تصادم) اور The End of History (تاریخ کا اختتام) نے کافی شہرت پائی۔(۲۳۶)

عالمی سطح پر نئی صف بندی میں عالمِ اسلام عملی طور پر تماشائی بنا رہا۔ اس نئی صف بندی میں اقوام متحدہ اور اقتصادی امداد کی عالمی تنظیمیں یعنی بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) اور عالمی بینک امریکہ کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہے۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ غالب تہذیبیں دنیا کو نئی اصطلاحات اور طرزِ زندگی عطا کرتی ہیں۔ اسلامی تہذیب غالب تھی تو یہ کام اس نے کیا اور آج مغرب کا بول بالا ہے تو اس کا طرزِ زندگی اور اصطلاحیں باقی دنیا اپنی رہی ہے۔ ان نئی اصطلاحات اور مظاہر میں سے ایک غیر حکومتی تنظیمیں یا این جی اوز (NGO's) ہیں۔ ''این جی او'' ہر اس تنظیم یا ادارے کو کہتے ہیں، جو متعین مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہو اور جس کے انتظامی اور مالیاتی امور حکومتی اثرات سے آزاد ہوں۔(۲۳۷)

تاریخی پس منظر:

این جی اوز کا تصور انیسویں صدی عیسویں کے دوران امیر صنعتی ممالک میں پروان چڑھا، جہاں خوش حال اور درمیانے طبقے نے اپنے ہاں کے غریب اور غیر مراعات یافتہ لوگوں کی بہبود کے لیے کام شروع کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ وسائل پر محض امیروں کی اجارہ داری نہ رہے بلکہ اس کا ایک حصہ غریبوں کو بھی منتقل کیا جائے۔ دوسری طرف یہ سماجی کارکن سیاسی عمل کے لیے آواز اٹھاتے رہے۔ مزید برآں اس وقت کے مسائل یعنی غلاموں کی حالتِ زار بچوں کی مشقت اور بالغ رائے دہی جیسے امور یہ پر اپنا موقف سامنے لاتے رہے۔ دوسری طرف عیسائی مشنری اداروں کا ایک ہی مقصد تھا، یعنی یہ کہ دنیا کو مشرف بہ عیسائیت کیا جائے۔ ان مشنری اداروں کے اثرات انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے اوائل میں

برصغیر میں بھی نظر آنے لگے۔ آج بھی پاکستان کے ہر قابلِ ذکر شہر اور قصبے میں مشنری اداروں کے قائم کردہ ادارے ابھی تک کام کر رہے ہیں۔ اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ این جی اوز کا اصل ہدف اور حقیقی ایجنڈا کیا ہے؟

عالمی تناظر میں جب ہم عالم گیریت اور منڈی کی معیشت کے رجحانات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عالمی برادری ان تنظیموں کی مددومعاون اور پشت پناہ ہے۔ بین الاقوامی سیاسی اور مالیاتی ادارے ان کی اخلاقی اور مادی مدد پر کمربستہ ہیں۔ گزشتہ ۱۰ سال سے اقوام متحدہ کی براہِ راست نگرانی میں مختلف موضوعات پر عالمی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں، جن میں دنیا بھر کی این جی اوز اور سربراہانِ حکومت پہلو بہ پہلو بیٹھ کر ان مسائل کے بارے میں عالمی سطح پر پالیسی وضع کرتے رہے، چنانچہ ۱۹۹۲ء میں ریوڈی جنیرو کی ارضی سربراہ کانفرنس، ۱۹۹۴ء کی آبادی کانفرنس منعقدہ قاہرہ، کوپن ہیگن میں ۱۹۹۶ء کی سماجی سربراہ کانفرنس اور اسی سال بیجنگ میں عالمی خواتین کانفرنس اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال ستمبر ۲۰۰۰ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا میلینیم سربراہی اجلاس تھا، جس میں ریکارڈ تعداد میں سربراہانِ مملکت و حکومت، بادشاہوں اور دیگر اعلیٰ سطحی عہدیداران نے شرکت کی۔ اس اجلاس کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری ہوا، اس میں نئے ہزاریئے کے لیے ایک واضح ایجنڈا پیش کیا گیا۔ اس اعلامیے میں این جی اوز کے بارے میں واضح طور پر کہا گیا ہے: ''نجی شعبے اور این جی اوز کے ذریعے ہم اقوام متحدہ کے خوابوں کو تعبیر دیں گے۔'' چنانچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ترقی کا جدید تصور این جی اوز کے ذریعے عام کرنے کے عمل کو اقوام متحدہ کی سند اور حمایت حاصل ہے اور اسلامی دنیا اس پورے پروگرام کی حامی ہے۔ (۲۳۸)

این جی اوز برملا ملک دشمن سرگرمیوں اور ملّت کے مفاد کے منافی حرکات میں مشغول رہی ہیں۔ یہ تنظیمیں بظاہر تعلیم، صحت، ترقی، انسانی حقوق، تحفظ ماحول اور عورتوں و بچوں کے متعلق مسائل کے حوالے سے جدوجہد کرتی نظر آتی ہیں، لیکن درپردہ مسلمانوں کے مسلمہ عقائد، نظریات اور پاکیزہ معاشرتی روایات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور مسلمانوں کی شرم و حیاء کا جنازہ نکال دینے کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ اسلامی قوانین کا استہزاء اڑا کر مسلمانوں میں ان کی وقعت ختم کرتی ہیں۔ قانون، تحفظِ ناموس رسالت ﷺ کو نعوذ باللہ جبری قانون گردانتی ہیں۔

مسلم ممالک میں این جی اوز کے اہداف:

☆ این جی اوز کا سب سے پہلا اور بنیادی حرف تو یہی ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں اسلامی تعلیمات اور اقدار و روایات کی نفی کرتے ہوئے مغربی افکار و نظریات کو فروغ دیں اور یوں ہمارے پورے معاشرتی ڈھانچے کو مغربی قالب میں ڈھالنے کی سعی کریں۔ ☆ چند این جی اوز کا اصل مقصد ہی نیم خواندہ اور بے علم مسلمانوں کو اس بنیاد پر گمراہ کرنا ہے کہ قرآن (استغفراللہ) چودہ سو سال پُرانی کتاب ہونے کی وجہ سے ناقابلِ قبول اور ناقابلِ عمل ہو چکا ہے۔ لہٰذا قرآن و سنّت کو بالائے طاق رکھ کر انجیل یا زبور جیسی آسمانی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے، جن میں بقول ان کے ہر دور میں وقت و حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی اور ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ ☆ کچھ این جی اوز اسلامی تعلیمات میں ابہام پیدا کر کے شدومد کے ساتھ سادہ لوح مسلمانوں کی غربت اور بے بسی سے فائدہ اٹھا کر انہیں

پیسے کے بل بوتے پر بھی عیسائی بنا رہی ہیں۔(باوثوق ذرائع کے مطابق پاکستان کے بہت سے مسلمان نوجوان لڑکیاں اور لڑکے ان این جی اوز کے ہاتھوں عیسائی مذہب میں داخل ہو چکے ہیں، جب کہ بنگلہ دیش میں پچاس ہزار سے زائد مسلمان عیسائیت قبول کر چکے ہیں اور اب افغانستان کے اندر اور پاکستان میں موجود افغان بستیوں میں بھی یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے)

☆ کچھ این جی اوز آزادیٔ نسواں کے دلفریب نعرے کے ساتھ مادر پدر آزاد معاشرے کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہیں اور اس مقصد کے لیے وہ جدید تعلیم و تربیت کی آڑ میں نئی نسل کے اندر اس طرح کا شر اور فساد پیدا کر رہی ہیں کہ وہ اسلام، اسلامی اقدار اور والدین سے باغی ہوکر جو جی میں آئے کرتے پھریں۔ انہیں روکنا یا ٹوکنا خلاف تہذیب اور ان کے ذاتی حقوق میں بے جا مداخلت متصور ہو۔ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دینا، خاندان سے بغاوت اور کورٹ میرج کرنا، ان کے پسندیدہ موضوعات ہوتے ہیں، اس سلسلے میں این جی اوز تحفظِ نسواں کے نام پر گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں کی پشت پناہی کرتی، میڈیا کے ذریعے ان کی عزتوں کو سرِ عام اُچھالتی اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے آزادانہ میل ملاپ اور دوستی کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں اور بوقتِ ضرورت قانونی تحفظ بھی فراہم کرتی ہیں۔(۲۳۹)

☆ مسلم ممالک میں مسلمان عورتوں پر ظلم وستم کی بے بنیاد داستانیں پوری دنیا تک پہنچانا اور اس کے لیے صرف اور صرف مذہب اسلام کو ذمے دار ٹھہرانا تو این جی اوز کی پُرانی پراپیگنڈہ مہم ہی کا حصہ ہے۔ ☆ اپنے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر اب تو بعض این جی اوز تعلیمی نصاب تک میں دخل اندازی کر رہی ہیں تاکہ ان کے مذموم مقاصد پایہ تکمیل کو پہنچ سکیں۔''اکنامسٹ'' کی اس چونکا دینے والی رپورٹ سے اس موقف کی مکمل توثیق، تائید اور وضاحت ہوجاتی ہے کہ این جی اوز کے کردار سے معاشروں سے احتساب، محاسبہ، جواب دہی، اقتدار میں لوگوں کی شراکت، عوام کی رائے کی اہمیت، خداخوفی، دین داری، قربانی، رحم دلی، بندوں سے محبت، شرافت، ایثار، خاندان، محبت، اجتماعی مفاد، اجتماعیت، رائے عامہ کے مفادات جیسے الفاظ لغت سے خارج ہوجائیں گے، کیوں کہ یہ تنظیمیں نہ کسی کو جواب دہ ہوں گی، نہ کسی کی رائے کی محتاج ہوں گی، انہیں عالمی استعماری قوتوں اور بین الاقوامی مالیاتی وصنعتی و کاروباری اداروں کا مکمل عالمی تعاون حاصل ہوگا اور این جی اوز کا واحد مقصد پوری دنیا پر سرمایہ داروں کی عالمی حکومت کا قیام ہوگا۔(۲۴۰) عیسائیت اپنے پھیلاؤ کے لیے آفاتِ ارضی و سماوی یعنی زلزلوں، سیلابوں، بیماریوں یا منشیات کے عادی لوگوں کے علاوہ غربت کے مارے عوام کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ مثلاً بوسنیا، کوسوو، چیچنیا کی تباہی کے بعد کیمپوں سے امداد کے نام پر محسنوں کے رُوپ میں مسلمان بچوں کو یورپی ممالک میں لے جایا گیا۔ ترکی کے زلزلہ زدگان ہوں یا بھارت کے مسلمان، افغان ہوں یا ایرانی یا عراقی مسلمان این جی اوز کی رفاہی سرگرمیوں کی آڑ میں مسلمانوں کے دین و ایمان کے سودے ہوتے ہیں۔ یوں یہ این جی اوز اسلام، اُمّتِ مسلمہ اور اسلامی شعائر و اقدار کے خلاف منظم طور پر مصروفِ عمل ہیں۔ رفاہی اور امدادی سرگرمیوں کی آڑ میں عیسائیت کی ترویج اور ارتدادی سرگرمیوں کا یہ کھیل کم و بیش پوری اسلامی دنیا میں جاری ہے۔ تاہم اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائیت کی بڑھوتری کی شرح فیصد خاص تشویش ناک ہے۔ خصوصاً اہم علاقوں میں Strategic Point پر مثلاً ہمیں تازہ ترین اعداد و شمار نہیں مل سکے، مگر میسر اعداد و شمار

بھی کم چونکا دینے والے ہیں) یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں، سوچنے کی ہے۔

بعض سرحدی اضلاع میں عیسائیت کی ترویج کی شرح

بہاولنگر	۱۵۷ فیصد	سکھر	۳۳۶ فیصد
خیرپور	۱۸۰ فیصد	رحیم یار خان	۲۳۲ فیصد
ٹھٹھہ	۹۵۰ فیصد	تھرپارکر	۲۴۳ فیصد
حیدرآباد	۷۶۵ فیصد	بہاولپور	۵۲۴ فیصد
فاٹا اور اسلام آباد (وفاق)	۹۶۵ فیصد(۲۴۱)		

صوبائی سطح پر عیسائیت کی تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح

پنجاب	۱۶۴ فیصد
سندھ	۲۸۲ فیصد
سرحد	۹۸۶ فیصد
بلوچستان	۴۱۱ فیصد

پاکستان: کیتھولک چرچ۔ اعداد وشمار:

مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے مختلف طبقے اپنے بارے میں مختلف اعداد وشمار پیش کرتے رہتے ہیں۔ ۱۹/اپریل ۱۹۹۸ء کے ''دی کرسچین وائس'' میں کیتھولک چرچ کے بارے میں حسب ذیل تقابلی جدول شائع ہوا ہے، جس سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائیت کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

	۱۹۷۳ء	۱۹۹۸ء	اضافہ
پیرش (حلقے)	۷۶	۱۰۷	۴۰٫۸ فیصد
ڈایوسیس پادری	۶۷	۱۳۷	۱۰۵٫۵ فیصد
مذہبی پادری	۱۶۲	۱۲۹	۲۰ فیصد
برادران	۷۱	۳۲	۵۵ فیصد
خواہران	۵۸۵	۷۲۳	۲۳٫۶ فیصد
کیتھولک آبادی	۳۴۴۲۰۰	۱۰۱۷۰۰۰	۱۹۵٫۶ فیصد
کل آبادی	۴۵۰۰۰۰۰۰	۱۳۰۰۰۰۰۰۰	۱۸۳٫۸ فیصد(۲۴۲)

اسلام میں خدمت خلق اور سماجی بہبود کا جامع اور ہمہ گیر تصور:

پیغمبرِ رحمت، محسن انسانیت، رہبر آدمیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ گرامی اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے

''رول ماڈل'' ہے۔ آپؐ نے خدمتِ خلق، کفالتِ عامہ اور سماجی بہبود کے حوالے سے گراں قدر تعلیمات اور اسوۂ حسنہ ہمارے لیے مشعلِ راہ چھوڑا ہے۔ آپؐ کی پوری حیاتِ طیّبہ انسانیت کی دینی اور دنیوی فلاح اور فوز و کامرانی سے عبارت ہے۔ آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

''عن ابی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الیٰ عیالہ''۔(۲۴۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہ ہے، جو اس کے کنبے سے اچھا سلوک کرتا ہے۔''

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ خدمتِ خلق، کفالتِ عامہ اور سماجی بہبود کے حوالے سے اسوۂ نبویؐ کی اتباع اور اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے کہ یہی تعلیمات ہمارے لیے مینارۂ نور اور ہمارے دور کے مسائل کا حل ہیں۔ این جی اوز کی منفی سرگرمیوں کا خاتمہ اور تدارک اسی صورت ممکن ہے کہ اس سلسلے میں ہم تعلیماتِ نبویؐ پر عمل پیرا ہوں، یہی ہماری تہذیب اور شاندار ورثہ ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی سرکارِ دو جہاںؐ کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے کیا خوب کہتے ہیں:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ　　یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ(۲۴۴)

نیو ورلڈ آرڈر: اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کو درپیش ایک عالمی چیلنج

نیا عالمی نظام: مقاصد او اہداف:

نیا عالمی نظام منظم اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سامنے لایا گیا۔ اس عالمی نظام کے قیام سے پہلے اس کی بھرپور منصوبہ بندی کی گئی، صیہونی پروگراموں میں اس کا تخیل پیش کیا گیا۔ پھر اس کے نفاذ کے لیے وسائل و ذرائع متعین کیے گئے، آخر میں امریکہ جیسے مادی دولت سے مالا مال ملک کو تجربہ گاہ بنا کر یہودیوں کے مختلف گروہوں نے متحد ہو کر اس نقشے میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، اس بنیادی مقصد کو بروئے کار لانے اور نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے زمانے کے تقاضوں، بدلتے ہوئے سیاسی و اقتصادی ماحول اور وقت کی نبض کو پہچانتے ہوئے وسائل و ذرائع اور طریقۂ کار میں جزوی تبدیلیاں کی جاتی ہیں۔(۲۴۵)

نئے عالمی نظام کا سیاسی ڈھانچہ:

طے کیا گیا کہ بہتر اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ ایک انسانی سماج کی تشکیل و تعمیر کے لیے تمام ملکوں کے درمیان مصنوعی حدود ختم کر دی جائیں، ان ملکوں کی خصوصی تہذیبی اور سیاسی شناخت ختم کر دی جائے، صرف اور صرف ایک عالمی

نظام ہو، جو ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل و تعمیر کرے۔ عالمی قوت کی حیثیت سے سوویت یونین کے منتشر ہونے کے بعد امریکہ نے جس نئے عالمی نظام کا خاکہ تیار کیا، اس کے چار اہم ستون ہیں، ان چاروں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں جب تک ممکن ہو، امریکہ کو واحد سپر پاور کی حیثیت حاصل رہے اور کوئی متبادل قوت وجود میں نہ آئے۔ یہ چار ستون جن پر امریکی عمارت تعمیر ہوگی۔ اس طرح ہیں۔

(۱) عالمگیریت "GLOBALISATION" جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے، جس میں آزاد تجارت، سرمایہ کی آزاد حرکت اور کثیر المقاصد بین الاقوامی کمپنیوں کے ذریعے عالمی معیشت پر مغربی اقوام اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ کے تسلط کو دائمی شکل دی جائے۔ (۲) اس نظام کا دوسرا ستون سیاسی ہے، یعنی انفرادی آزادی، جمہوریت، حقوقِ انسانی کا تحفظ اور مذہبی رواداری کی ترویج، اور اس کے پردے میں ان ممالک میں ایسے نظاموں کا قیام عمل میں لایا جائے جن کو سیاسی جوڑ توڑ، مالی وسائل، معاشی مراعات اور ذرائع معلومات کے توسط سے فکری کنٹرول اور تہذیبی غلبے کے ذریعے بہ آسانی متاثر کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اس نظام کا تیسرا ستون ٹیکنالوجی ہے، خصوصیت سے نیوکلیر اور ہائی ٹک (HI-TECH) کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر مغربی اقوام کی اجارہ داری ہے، نئے دفاعی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابلِ چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے جہاں سے بھی کوئی خطرہ ہو (خواہ وہ کتنا ہی موہوم کیوں نہ ہو) اسے ختم کرنے کا ہے۔ (۴) اس نظام کا چوتھا ستون نئی سیاسی حصار بندی ہے، جسے بہت ہی ہوشیاری لیکن عیاری کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے، اس میں ''نیٹو'' کی توسیع، مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل کی عسکری بالادستی کے قیام کے بعد اس کے معاشی غلبہ کے لیے عربوں کے ساتھ صلح کے معاہدہ کی کوشش، وسطِ ایشیا میں ایک بار پھر روس اور مغرب سے منسلک ریاستوں کے مسلمان ریاستوں پر اثر انداز ہونے کے نظام کے دروبست، ہندوستان کو ایک ایشیائی قوت کے طور سے آگے لانے کی کوشش، تاکہ اسلامی ممالک اور وہاں سرگرمِ عمل اسلامی تحریکوں پر قابو پانے کا منصوبہ پورا کیا جائے۔ مغربی میڈیا کے ذریعے مندرجہ بالا چاروں ستونوں کو مستحکم بنانے میں امریکہ اور اس کی حلیف طاقتیں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر رہی ہیں۔ (۲۴۶)

پہلی جنگِ عظیم کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ، دوسری جنگِ عظیم کے بعد اسرائیل کا قیام اور اب سرد جنگ کے خاتمے پر امریکا کے نیو ورلڈ آرڈر کا نفاذ اس صدی کے سب سے اہم واقعات اور عوامل ہیں، جو گویا اکیسویں صدی کے عالمِ اسلام کی حیثیت کا تعین کریں گے۔ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر سامراجیت کے نئے دور کا آغاز ہے۔ اشتراکیت کے خاتمے کے بعد عالمِ اسلام کی اجتماعی حیثیت کا خاتمہ امریکہ کی ترجیحات میں سرِ فہرست ہے اور نیو ورلڈ آرڈر کے تحت امریکہ تیزی سے اپنے مفادات کی تکمیل میں مصروف ہے۔ عالمِ اسلام نے اجتماعی طور پر امریکہ کے اس نیو ورلڈ آرڈر کے چیلنج کو قبول کرنے کے بجائے معذرت خواہانہ رویّہ اپنا رکھا ہے۔ نام نہاد اسلامی حکومتوں کے داعی سربراہان اور جاہ و حشمت کے متلاشی حکمران امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے آگے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ مفتوح ہونے کے اس احساس نے تابناک ماضی اور عظیم روایات کی سرخیل اُمّتِ مسلمہ کے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا ہے۔ حالیہ عالمی سیاسی تناظر میں عالمِ اسلام کے زوال کے کئی اسباب ہیں،

مگر اُمّتِ مسلمہ کی بے عملیت، داخلی انتشار اور احساسِ کمتری کی اصل وجہ وہ فکری جمود اور انحطاط ہے، جس کا مسلمان بطور ملت ایک عرصہ سے شکار ہیں۔ یہ بات بآسانی واضح ہو جاتی ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر دراصل اُمّتِ مسلمہ کے موجودہ زوال کو دائمی بنانے اور رہی سہی غیرت وحمیت بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کی گہری سازش ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کا مفہوم:

نئے عالمی نظام کا تصور امریکا کی خارجہ پالیسی میں اس وقت اُبھرا، جب امریکہ اور روس نے جنیوا معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ جنیوا معاہدے پر دستخط کر دینے سے روس چالیس سال سے جاری سرد جنگ کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گیا اور امریکہ واحد فاتح کی حیثیت سے ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ دنیا میں BI POLAR نظام کی جگہ UNI POLAR نظام نے لے لی اور امریکہ نے نیو ورلڈ آرڈر کی شکل میں پوری دنیا پر بلاشرکت غیرے اپنی حکمرانی اور سربراہی کے تصور کو عملاً ایک نظام بنانے کی کوششیں شروع کر دیں، گویا نیو ورلڈ آرڈر سے مراد امریکہ کی وہ خارجہ پالیسی ہے، جس کے تحت وہ پوری دنیا کے نظام کو اپنے فوجی، سیاسی اور اقتصادی مفادات وترجیحات کے تابع بنانا چاہتا ہے تاکہ وہ عرصہ دراز تک اپنی ''عالمی یکتائی'' کے زور پر بین الاقوامی سرمایہ داریت اور استحصالیت کو تحفظ دے سکے۔(۲۴۷)

نیو ورلڈ آرڈر یا نئی سامراجی حکمت عملی:

اگرچہ نیشنل سیکیورٹی کونسل، پینٹا گون اور سی آئی اے جیسے ادارے کئی سالوں سے بین الاقوامی سیاست میں ہونے والی تبدیلیوں اور امریکہ کی اُبھرتی ہوئی طاقت کا بھرپور جائزہ لے رہے تھے۔ تاہم ایک نئی سامراجی حکمتِ عملی کا باضابطہ اعلان امریکہ کے سابق صدر، جارج بش نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے ایک خطاب میں کیا۔ جارج بش نے ان افتتاحی کلمات کے ذریعے نیو ورلڈ آرڈر کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کیا اور اپنے اغراض ومقاصد کا اظہار کیا اور بنیادی طور پر نیو ورلڈ آرڈر کو اسلحہ کی تخفیف اور بین الاقوامی امن کے قیام کی پالیسی قرار دیا۔(۲۴۸)

امریکن نیشنل سیکیورٹی کونسل کی سفارشات اور اُمّتِ مسلمہ کا مستقبل:

نئی سامراجی حکمت عملی کے نفاذ کے بارے میں امریکن نیشنل سیکیورٹی کونسل کی سفارشات پر مبنی ایک رپورٹ ۶ مارچ ۱۹۹۱ء کو وائس آف امریکہ سے نشر کی گئی، جسے قطر کے ایک روزنامے ''الراعیۃ'' نے بھی اپنے 4 جنوری ۱۹۹۲ء کے شمارے میں شائع کیا۔ اس رپورٹ کی تلخیص ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ: ☆ مستقبل میں امریکہ کسی ملک کو فوجی طاقت بننے کی اجازت نہیں دے گا۔ جیسا کہ ایران اور عراق فوجی طاقتیں بنے۔ کسی ملک کو امریکی مفادات کے خلاف کام کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا کرے گا، اسے سبق سکھایا جائے گا۔ ☆ عرب مسلمان ممالک کو تباہ کن ہتھیار فروخت نہیں کیے جائیں گے، صرف محدود پیمانے پر ہتھیار دیئے جائیں گے۔ ☆ خلیج کے ممالک کی دولت کی تقسیم کے لیے ایک بینک برائے تعمیرِ نو(Bank for reconstruction) قائم کیا جائے گا، جسے خلیجی ممالک ہی چلائیں گے۔ لیکن اس کی پالیسی اور نگرانی کا کام امریکہ، انگلینڈ اور فرانس کے پاس ہوگا۔ ☆ ان تمام عرب ریاستوں میں نظامِ حکومت تبدیل کر دیئے

جائیں گے، جو امریکی مفادات اور پالیسیوں کے خلاف ہوں گے۔ ☆ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کی تہذیب و ثقافت کو تبدیل کیا جائے گا اور اختیارات بتدریج ان افراد کے ہاتھوں میں منتقل کر دیئے جائیں گے، جو مغربی تعلیم یافتہ ہوں گے۔ ☆ شام اور مصر کی موجودہ حکومتوں سے تعاون کیا جائے گا اور انہیں بنیاد پرست تحریکوں کو کچلنے میں مکمل امداد دی جائے گی۔

نیو ورلڈ آرڈر اور اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکنے کے اقدامات:

"ANSC" کی رپورٹ میں اسلام کے تیزی سے مقبول ہوتے ہوئے رجحانات اور اسلام پسند تحریکوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ پر بھی خصوصیت کے ساتھ گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کے مؤثر روک تھام کے لیے درج ذیل اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

☆ مسلمانوں کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں مصروف رکھا جائے گا، تا کہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔ ☆ ان ریاستوں کی حکومتیں تبدیل کروا دی جائیں گی، جو نفاذِ اسلام کے لیے سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہیں۔ جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتداء کر دی ہے، انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔

مؤثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔ اسلام پسند عناصر (بنیاد پرستوں) کو کسی ملک میں بھی تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک رسائی حاصل کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔ خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کیے جائیں گے بلکہ یہ افرادی قوت فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے حاصل کی جائے گی۔ ان لوگوں کے ذریعے خلیجی ریاستوں کی تہذیب و ثقافت تبدیل کر دی جائے گی۔ اسلامی اقدار اور اسلامی رسومات کو ختم کر دیا جائے گا۔ وہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے افراد کے لیے روزگار پر مکمل پابندی لگا دی جائے گی۔ تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

اسلام پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔ وہ ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے، انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ نیشنل سیکیورٹی کونسل کی اس رپورٹ کے تمام اقدامات کو نیو ورلڈ آرڈر کے تحت قابلِ عمل قرار دیا گیا ہے اور اس پر تیزی سے عمل درآمد ہو رہا ہے۔(۲۴۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ کا یہ نیا عالمی نظام کا ایجنڈا مغربی تہذیب کے ڈوبتے جہاز کو سہارا دینے کی ایک آخری کوشش ہے، امریکہ اس وقت تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے، جب اس کی ثقافتی، تہذیبی، اخلاقی، معاشی، اقتصادی قدریں زوال پزیر ہیں۔ وہ ایک مُردہ اور شرم و حیا سے عاری تہذیب کی نمائندگی کر رہا ہے۔ تاہم اب دنیا میں اس کا زوال یقینی امر ہے۔(۲۵۰) یاد رکھیے۔ اگر آج اُمتِ مسلمہ کے حکمران اور عوام نیو ورلڈ آرڈر کی سامراجی حکمت عملی کی روک تھام کے لیے مؤثر تدابیر اختیار نہیں کریں گے تو اکیسویں صدی مسلمانوں کے زوال اور غلامی و بدحالی کا نہایت

بھیانک نقشہ پیش کرے گی۔ جس کے بعد عالمِ اسلام کا باعزت اور باغیرت طریقے سے جینا دوبھر ہو جائے گا اور عالمِ اسلام نئی عالمی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔ اس لیے اُمّتِ مسلمہ کو اس نازک موڑ پر انتہائی محتاط رویّے اور کردار کا مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ نیو ورلڈ آرڈر کی سامراجی سیاست کے جال میں پھنسنے کی بجائے اس جال کو ہمیشہ کے لیے کاٹا جا سکے۔

قرآن کا پیغام اُمّتِ مسلمہ کے نام:

متذکرہ بالا موضوع کے حوالے سے درج ذیل قرآنی ارشادات پر توجہ مبذول کرنا ضروری ہے۔ یہ حقیقت میں اُمّتِ مسلمہ کے نام قرآن کا پیغام ہے۔ ''ولن ترضیٰ عنک الیھُودُ ولا النّصاریٰ حتّیٰ تتّبع ملّتھُم قُل انّ ھُدیٰ اللّٰہ ھُو الھُدیٰ ولئن اتّبعت اھواء ھُم بعد الّذی جائک من العلم مالک من اللّٰہ من وّلیٍ وّلا نصیر.''۔(۲۵۱) ''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ تم ان کی ملت (تجویز کردہ نظام) کی پیروی اختیار کر لو، فرما دیجیے کہ حقیقت میں اللہ کی (عطا کردہ) ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور اگر تم اپنے علم (وحی الٰہی پر مبنی ہدایت) کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات (ہدایات) پر چلو گے تو تمہیں عذاب خدا سے بچانے والا نہ کوئی دوست (میسر) ہوگا اور نہ کوئی تمہارا مددگار ہوگا (جو تمہیں تباہی سے نکال سکے) دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔''ولا یزالُون یُقاتلُونکُم حتّیٰ یردُّوکُم عن دینکُم ان استطاعُوا.''(۲۵۲) (مسلمانو! خبردار رہو) یہ لوگ ہمیشہ تم سے جنگ (سیاسی، فوجی اور اقتصادی دباؤ کے حربے) جاری رکھیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں (اور تمہیں اپنے وضع کردہ کافرانہ نظام کے تابع چلائیں۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے) (اور اگر تم اپنی راہ سے پھر گئے تو دنیا و آخرت کی تباہی تمہارا مقدر بن جائے گی)

ایک اور مقام پر ارشادِ ربّانی ہے: یآ ایّھا الّذین اٰمنُو ان تُطیعُوا الّذین کفرُوا یردُّوکُم علیٰ اعقابکُم فتنقلبُوا خٰسرینo بل اللّٰہُ مولٰکُم وھُوخیرُالنّٰصرین.''(۲۵۳) ''مسلمانو! اگر تم نے کفر کے سرغنوں کا کہا مان لیا (اور ان کے کافرانہ نظام اور آرڈر کے تابع چل پڑے) تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر کر (مرتد) کر دیں گے، پھر تم بڑے خسارے (یعنی دنیوی و اخروی تباہی) میں پڑ جاؤ گے۔ (یاد رکھو) یہ تمہارے مددگار نہیں بلکہ تمہارا مددگار تو اللہ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے۔

مذکورہ صورتِ حال واضح ہو جانے کے بعد اُمّتِ مسلمہ کے ہر فرد کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ تمام باتیں بجا مگر میں اکیلے فرد کی حیثیت سے بھلا کیا کر سکتا ہوں؟ موجودہ زوال کی بنیادی یہی سوال ہے یعنی کچھ نہ کر سکنے اور حالات میں بہتری پیدا نہ ہو سکنے کا یقین۔ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا اور حالات سے لاتعلق ہو جانا، یاد رکھیں حالات سے لاتعلقی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ اب ہمیں اس مایوسی کا خاتمہ کرنا ہوگا اور ہر فرد کو حالات کی بہتری اور اچھے مستقبل کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اس بات کا یقین پیدا کریں کہ حالات میں بہتر تبدیلی کیسے آ سکتی ہے۔ اس یقین کی بنیاد اللہ کی تائید و نصرت اور حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت پر رکھیں۔ اُمّتِ مسلمہ پر سیاسی زوال پہلی مرتبہ نہیں آیا، پہلے بھی ہم بارہا اس کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ سقوطِ بغداد کے بعد تو نصف صدی تک اسلامی حکومت موجود نہ رہی، لیکن ہر بار ہم

نے حوصلے اور ہمت سے حالات کا مقابلہ کیا اور ذلّت کو عزت، پستی کو بلندی اور غلامی کو غلبے سے بدلا۔ بقول شاعر:

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے(۲۵۴)

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ عروج و زوال ایک مسلسل عمل ہے، جو قوموں کی تاریخ کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے آج ہم اپنے دورِ زوال سے گزر رہے ہیں تو یقیناً زوال کی اسی شبِ تاریک میں سے عروج کا سویرا بھی طلوع ہو گا۔

خطبۂ حجۃ الوداع: احترامِ انسانیت اور بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور۔ مثالی ورلڈ آرڈر:

اُمّتِ مسلمہ کے لیے قرآن و سنّت ابدی ضابطۂ حیات اور دائمی ورلڈ آرڈر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے لیے صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ سرورِ کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرامین اور ان کے احکام کی اتباع اور پیروی ضروری ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں ایک ابدی چارٹر اور مثالی ورلڈ آرڈر جاری فرمایا ہے۔ جس کی اتباع اور پیروی میں نہ صرف مسلم اُمّہ بلکہ قیامت تک آنے والی انسانیت کی فلاح اور نجات مضمر ہے۔ رحمت عالم، محسنِ انسانیت، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) کے موقع پر، میدان عرفات میں ایک لاکھ تیس ہزار جاں نثاروں اور اپنے سچے جانشینوں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے جسے اس کی اہمیت اور اہتمام شان کے باعث حجۃ الاسلام، حجۃ ابلاغ، حجۃ التمام اور حجۃ الکمال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔(۲۵۵) اس خطبۂ عظیم کو مقاصد اسلام و شریعت اور آپؐ کی تعلیم و تبلیغ کے سلسلہ میں نہایت ممتاز مقام حاصل ہے، جو اُمّتِ مسلمہ اور عالم انسانیت کے لئے ابد تک ایک مینارۂ نور، امن و سلامتی اور عدل و مساوات کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک عظیم دستور حیات ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مستحکم فرمایا اور روایات جاہلیت کی مشرکانہ رسوم کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، ان تمام محرمات کی حرمت کی توثیق فرمائی جو تمام ادیان میں حرام ہیں، یعنی دوسروں کا خون، مال، عزت کا احترام، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، باہمی حقوق کی وصیت اور ''واعتصمُوا بحبل اللّٰہ'' کی تاکید فرمائی۔ جسے پڑھ کر اور سن کر یہ یقین تازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ ﷺ رحمۃ للعالمین اور ''کافۃ للنّاس بشیراً وّنذیراً۔'' ہیں۔ یہ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے کہ حضرت رسول امین ﷺ اپنے آخری حج کے موقع پر، حجاج کرام کے ہمراہ، میدان عرفات کے قریب مقام ''نمرہ'' پر پہنچے، اور خیمہ زن ہوئے، پھر جب دھوپ ڈھل گئی تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی ''قصوا'' طلب فرمائی، اور کجاوہ نشیں ہوکر میدان عرفات کے متصل مقام ''عرفہ'' میں تشریف لائے، اور ناقہ قصواء پر ہی حاضرین سے خطاب فرمایا۔

''لوگو! رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے سب کے سب آدم علیہ السلام (کی اولاد ہو) اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے (پیدا کیا گیا ہے) (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدمؑ و حواؑ) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور

بڑا باخبر ہے، نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے، کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہ، حاضرین نے جواب دیا! ہاں۔"(۲۵۶)

ملٹی نیشنل کمپنیاں، اُمتِ مسلمہ کی معاشی، اقتصادی اور تہذیبی اقدار کے خلاف ایک چیلنج:

گزشتہ نصف صدی سے اقتصادی گلوبلائزیشن کو رواج دینے کی خاطر، مغرب اور امریکہ نے آزادانہ تجارت اور اوپن مارکیٹ کا نعرہ بلند کیا ہے، اس مقصد کے لیے جہاں مختلف ممالک کے درمیان معاہدے کرائے گئے، وہیں آزادانہ تجارت کو پوری دنیا میں فروغ دینے کے لیے مختلف تنظیموں کا قیام عمل میں آیا۔ مغرب نے نصف صدی قبل جس آزادانہ تجارت کا نعرہ بلند کیا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک ملک کی کمپنیاں دوسرے کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کریں، کارخانے قائم کریں، مصنوعات تیار کریں اور وہاں فروخت کریں، اس غیر ملکی اور براہِ راست سرمایہ کاری کو (Foregn Direct Investement) کہا جاتا ہے، آسانی کے لیے (FDI) بھی بولا جاتا ہے۔(۲۵۷)

گزشتہ صدی کی نویں دہائی کے آغاز میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تعداد ۴۵ ہزار تھی، جو تقریباً ۲ لاکھ ۸۰ ہزار چھوٹی کمپنیوں پر قابض تھیں، ۳۷ ہزار کمپنیاں یعنی ۸۲ فی صد ۱۴ ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھتی تھیں اور ۹۰ فی صد کمپنیوں کے ہیڈ کوارٹرز انہی ممالک میں قائم تھے۔ صرف ۱۰ فی صد کمپنیاں ایسی تھیں جو ۱۴ ترقی یافتہ ممالک کے علاوہ دیگر ملکوں سے تعلق رکھتی تھیں، جب ۹۰ فی صد ملٹی نیشنل کمپنیاں پوری دنیا میں تجارت کر کے، صرف ۱۴ ترقی یافتہ ممالک کی معیشت مستحکم کریں گی تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عدم توازن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(۲۵۸) ۱۴ ترقی یافتہ ممالک کی ۳۷ ہزار ملٹی نیشنل کمپنیوں نے جس انداز میں آزادانہ تجارت سے فائدہ اٹھایا اور دیگر ملکوں میں براہِ راست سرمایہ کی (FDI) کی، اس کا پتا مشہور اقتصادی رسالے "اکنامسٹ (Economist) کی رپورٹ سے چلتا ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

> "ساتویں دہائی کے آغاز میں اچانک "FDI" میں اضافہ ہو گیا، جو آٹھویں دہائی کے آنے تک آسمان کو چھونے لگا، تیسری دنیا کے مختلف ملکوں میں اربوں کھربوں ڈالرز کی سرمایہ کاری کی گئی، آج اس غیر ملکی سرمایہ کاری "FDI" کی رفتار پہلے سے تین گنا زیادہ تیز ہے۔ ۱۹۹۶ء میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے (FDI) کی وجہ سے ایشیائی ممالک میں ۸۰ ارب ڈالرز کا نفع حاصل کیا، جب کہ اسی سال لاطینی امریکہ سے ۳۹ ارب ڈالرز کا نفع ہوا۔(۲۵۹) جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے تو اس کی ۸۰ فی صد تجارت ملٹی نیشنل کمپنیاں کرتی ہیں، جو پورے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی ہیں، ان کمپنیوں سے امریکہ کو کتنا فائدہ ہوتا ہے، اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ کی ۱۰۰ بڑی کمپنیوں نے (جو پوری دنیا کی دولت کے پانچویں حصے کے مالک ہیں) ۱۹۹۵ء میں ۲ ٹریلین ڈالرز کا نفع کمایا۔(۲۶۰)

دنیا بھر کی ملٹی نیشنل کمپنیوں پر امریکہ، یورپ اور جاپان کی مکمل اجارہ داری ہے، سرمایہ کاری کے ذریعے حاصل ہونے والا نفع، ان ممالک کی معیشت کو مستحکم کرتا ہے اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکان کی جیبیں بھرتا ہے، (FDI) کے بہت

قلیل حصے سے، ان ممالک کے علاوہ دیگر ملکوں کی کمپنیاں نفع حاصل کر پاتی ہیں، ایک اندازے کے مطابق امریکہ، یورپ اور جاپان کا پوری دنیا کی ۴ء۷۹ فی صد دولت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جب کہ ۴۵ سے ۷۰ فی صد لوگوں کو عالمی دولت کا صرف ۱۶ فی صد حصہ ہی مل پاتا ہے، بہ الفاظ دیگر دنیا کی تقریباً دو تہائی آبادی عالمی دولت سے محروم ہے، گویا وہ اس عالم کے جغرافیے سے باہر کسی دنیا میں زندگی بسر کر رہی ہے۔(۲۶۱) ان حقائق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیاں کس طرح پوری دنیا کی معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں پر حاوی ہیں۔ یہ کس طرح سودی اور استحصالی نظام کا جال پھیلائے ہوئے ہیں گوکہ ان کے اہداف سے پوری دنیا متاثر ہو رہی ہے، تاہم بطو خاص اس سے مسلم دنیا اور اُمّتِ مسلمہ کی معاشی، اقتصادی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار بُری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ اس کے لیے منظّم منصوبہ بندی سودی نظام سے نجات اور مسلم ورلڈ کی معیشت کو مستحکم کرنا اور تجارت کو فروغ دینا ضروری ہے۔

چنانچہ آج اسرائیل، امریکہ، برطانیہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کے گٹھ جوڑ نے مسلمانوں کے وسائل اور دولت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہر میدان میں غاصبانہ قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کی ہے۔ کالونیاں بنا کر ہم پر حکومت کرنے والے اب ہماری اقتصادیات پر قبضہ جما کر ہمیں اپنا دست نگر بنا رہے ہیں۔ اس وقت مسلمان دنیا کی ۲۰ فی صد آبادی ہیں اور ۲۳ فی صد رقبہ کے مالک ہیں، مگر عالمی معیشت میں ان ۶ مسلم ممالک کا حصہ صرف ۴ فی صد ہے، مگر اس کمزور اور ناتواں جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کے لیے غیر مسلم دنیا نے جال پھیلایا ہے اور ہماری مارکیٹیں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات سے بھری پڑی ہیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی مصنوعات کے فروغ کے لیے وہ سرمایہ صرف کر کے فحش اور عریاں اشتہارات کے ذریعے ہمارے ذہنوں کو پراگندہ اور اخلاقی تباہی کا سامان کر رہے ہیں تاکہ کمزور معیشت اور کمزور اخلاقی اقدار کسی جگہ بھی ایک مضبوط فوجی قوت نہ بن سکے اور وہ بے دریغ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے رہیں، معصوم بچوں اور نہتے شہریوں کو قتل کرتے رہیں اور ہماری عزتیں پامال کرتے رہیں۔ ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ۳۰ تا ۶۰ فی صد منافع اسرائیل کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے۔ ہمارا ایمان ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ دشمن کی سازشوں کو پہچانیں۔

عالمِ اسلام کے نامور مفکر ڈاکٹر محمد یوسف قرضاوی نے ایک موقع پر واضح کیا کہ فتنہ عالمگیریت کے اس دورِ جدید میں ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ملکوں کی بنی ہوئی چیزوں کو ترجیح دیں، جنھیں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے خونی شکنجے کا سامنا ہے، جن کے خونی پنجے براعظموں کی گہرائی تک پیوست ہو چکے ہیں، ہماری مسلم مصنوعات کو ان ملٹی نیشنل کمپنیوں سے سخت خطرہ لاحق ہے، ہمارے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اپنی پیداوار کو بچائیں۔(۲۶۲) یہ ڈاکٹر قرضاوی کی بصیرت افروز باتیں تھیں، اس طرح کی چشم کشا اور دلوں کے بند دریچے کھولنے والی کھری کھری باتیں اب ہر عالم دین کی نوک زبان اور نوک قلم پر ہیں، بہت سے عرب علماء نے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے خلاف فتوے جاری کیے ہیں اور عرب ممالک میں ان کی مصنوعات کا باقاعدہ بائیکاٹ کیا جا رہا ہے۔

حقائق شرمناک بھی ہیں اور تلخ بھی۔ اس وقت دنیا میں تیل پیدا کرنے والے گیارہ بڑے ممالک ہیں: الجیریا، انڈونیشیا، ایران، عراق، کویت، لیبیا، نائجیریا، قطر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور وینزویلا۔ ان گیارہ ممالک میں دس

مسلمان ہیں۔لیکن دلچسپ حقیقت ملاحظہ کیجیے: ان گیارہ تیل پیدا کرنے والے ممالک میں صرف وینزویلا ایسا ملک ہے جس کی آئل کمپنی کا نام دنیا کی پانچ سو بڑی کمپنیوں میں شامل ہے جب کہ باقی دس اسلامی ممالک کی کوئی کمپنی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی فہرست میں شامل نہیں۔ یہ واضح رہے وینزویلا ایک غیر مسلم ملک ہے۔ یہ بھی ملاحظہ کیجیے! امریکہ میں بیسیوں ایسی آئل کمپنیاں ہیں، جو آئل پیدا کرنے والے مسلم ممالک سے تیل خرید کر آگے بیچتی ہیں،اور اس خرید وفروخت میں اتنا نفع کما لیتی ہیں کہ ان کا شمار نہ صرف دنیا کی بڑی کمپنیوں میں ہوتا ہے بلکہ وہ دنیا کی پہلی بیس کمپنیوں میں رکھی اور دیکھی جاتی ہیں۔اس کے برعکس وینزویلا عربوں سے کہیں کم تیل پیدا کرتا ہے،لیکن غیر مسلم ریاست ہونے کے باعث نہ صرف وہاں آئل کمپنی بن گئی بلکہ اسے دنیا کی بڑی کمپنیوں میں شامل ہونے کا موقع بھی دیا گیا۔تیل ہی نہیں بلکہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی زندگی کے ہر شعبے، ہر ذریعے اور ہر وسیلے پر مکمل اجارہ داری قائم ہے۔ یہ کمپنیاں ٹڈی دل کی طرح حملہ کرتی ہیں اور پل بھر میں سارے وسائل چاٹ جاتی ہیں۔(۲۶۳) یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں پراڈکٹ کی تشہیر کے نام پر بھی کئی مقاصد حاصل کر رہی ہیں: مثلاً: ☆ انعامی اسکیموں کے ذریعے عوام میں جوئے، لاٹری کی ترویج جن سے دوسری بے شمار اخلاقی بیماریں جنم لیتی ہیں۔ ☆ انعام حاصل کرنے کے لالچ میں زیادہ خریدنے کا رجحان، اسراف کا چسکا اور قوتِ خرید میں کمزوروں میں شدید احساس محرومی اور اس پر ردِ عمل۔ ☆ پبلسٹی کے لیے ماڈلز کو اپنے مخصوص ومطلوب انداز میں پیش کر کے ان سے حیا چھین لینا اور پھر بے حیائی کے ان ماڈلز کے ذریعے بہتوں کو یہ راستہ دکھانا۔ ☆ الیکٹرونک میڈیا میں پروگرام اسپناسر کرنے کے نام پر انتہائی غلیظ پروگرام پیش کروانا شامل ہیں۔(۲۶۴)

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے تجارت ومعیشت کے لیے اخلاقی اور دینی اقدار عطا کی ہیں، یہ سود اور استحصال سے پاک معیشت کی تعلیم دیتا ہے کہ ہماری دینی اور ملی ذمے داری ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اہداف سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے مسلم ممالک کی معیشت کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کریں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے متبادل ایسا نظام متعارف کرائیں، جس سے اسلامی دنیا ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اہداف اور اثرات سے آزاد ہو سکے۔

جدیدیت اور روشن خیالی کے نام پر فکری آزادی اور تجدد پسندی کا چیلنج

مغربی میڈیا کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار:

یورپی تہذیب اور علم جدید کے زیرِ اثر عالمِ اسلام میں ایک اور غیر معمولی نوعیت کا خطرناک رجحان پیدا ہوا ہے اور وہ ہے آزاد خیالی کا فیشن، یعنی زندگی کے بارے میں مادر پدر آزادی کا تصور، دینی واخلاقی قدروں سے آزادی کا نظریہ اور آخرت وخدا خوفی سے انحراف کا انداز اُمّتِ مسلمہ اور عالمِ اسلام پر جدیدیت کا یہ فتنہ یونانی فکر وفلسفے کے حملے اور تاتاریوں کی یلغار سے زیادہ خطرناک ہے۔ شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال اس نوعیت کی آزادی افکار سے سخت بیزار ہیں اور اسے ابلیس کی ایجاد قرار دے کر مردود قرار دیتے ہیں جو ہر پابندی سے آزاد ہو اور مرکزِ اسلام سے کٹ چکی ہو۔ بالِ جبریل میں''آزادیِ افکار'' کے عنوان سے مادر پدر روشن خیالی اور آزاد خیالی پر وہ یوں تنقید کرتے ہیں:

جو دونی فطرت سے نہیں لائقِ پرواز — اس مرغکِ بیچارہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا — ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیّاد!
اس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک — جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد!
گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ — آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد!(۲۶۵)

جو لوگ فکر و تدبّر کا مثبت سلیقہ نہیں رکھتے اور ان کی فکر محکم دینی بنیادوں پر استوار نہیں ہوتی، ان کے لیے آزادی افکار تباہ کن اور حیوانیت سکھانے کی ایک سازش ہے۔ اقبال ضربِ کلیم میں ''آزادیِ فکر'' کے عنوان سے اپنے اس نقطۂ نظر کو یوں بیان کرتے ہیں:

بمصطفیٰؐ برساں کہ دیں ہمہ اوست — گر باونہ رسیدی، تمام بو لہبی است

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم دنیا میں جدیدیت، روشن خیالی، تجدد پسندی اور فکری آزادی کے نام پر مغرب کی تہذیبی، ثقافتی یلغار کے سامنے بند باندھا جائے، اسلام کی تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو اجاگر کیا جائے اسوۂ نبوی کو راہ عمل بنایا جائے۔ دینی اقدار سے اپنے تعلق اور رشتے کو مضبوط کیا جائے کہ

آزادیِ افکار سے ہے ان کی تباہی — رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیِ افکار — انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ(۲۶۶)

اس روشن خیالی، ماڈرن ازم اور آزادیِ فکر نے عقل کو ہر بند سے آزاد کردیا اور مغربی علوم کے تحت نام نہاد دانشوری (Intellectualism) کی ایسی وبا پھیلی، جس نے بہت سے بنیادی معتقدات اور اعمال کو زبردست نقصان پہنچایا اور اخلاص، صداقت، حق پرستی اور ایثار و مروت کا جنازہ نکال دیا۔ اقبال نے اُمّتِ مسلمہ کے اس زوالِ فکر وعمل پر یوں ماتم کیا ہے:

سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجوے — کیفِ حق از جامِ ایں کافر مجوے
دانشِ حاضر حجابِ اکبر است — بت پرست و بت فروش و بت گراست(۲۶۷)

''تہذیبی و ثقافتی یلغار کو میڈیا کے بل بوتے پر مسلمانوں کی ذہنی وفکری تبدیلی کے لیے بروئے کار لایا جارہا ہے۔ جس کی بدولت مسلم دنیا میں روشن خیالی کے نام پر جدّت پسندی یا جدیدیت کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ مغرب زدہ افراد، جو بہت قلیل سہی مگر مسندِ اقتدار پر براجمان ہیں یا اس پر اثر انداز ہوتے ہیں، وہ مغرب کی ہر مفید اور غیر مفید چیز کو نسخۂ کیمیا سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے مغربی اقدار معاشرے میں رائج ہو رہی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ چیلنج شدید تر ہوجائے گا اور آئندہ نسلیں اس کا تدارک بھی نہ کرسکیں گی۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے بہت پہلے کہا تھا:

مشرق تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں — مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ چودہ سال سے جاری کفر و اسلام کی کشمکش کے بعد آج یورپ بڑی آسانی سے یہ کہہ

سکتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں سے ان کا کلچر، ثقافت اور روایت سب کچھ چھین لیا ہے۔ مغرب کی آزادیٔ فکر اور انسانیت و اخلاقیات سے ماوراء تہذیب پر اقبالؒ بڑے معنی خیز اور بصیرت افروز انداز میں فرماتے ہیں:

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی　　　رکھتے نہیں جو فکر و تدبّر کا سلیقہ(۲۶۸)

اسلام ہمیں مستقل اور پائیدار قدروں سے روشناس کراتا ہے۔ لہٰذا اخلاقی قدروں کی تغیر پذیری کو سختی سے رد کردینا چاہیے اور مسلمان معاشروں میں نئی اقدار سے روشناس کراتا ہے۔ لہٰذا اخلاقی قدروں کی تغیر پذیری کو سختی سے رد کردینا چاہیے اور مسلمان معاشروں میں نئی اقدار کی مزاحمت کرنی چاہیے۔ حیاء، عفت، غیرت، عدل، احسان، معروف و منکر اور شفقت و رحمت جیسی قدروں پر ہی معاشرے کا وجود منحصر ہے۔ یہ ختم ہوگئیں تو معاشرے کا اسلامی تشخص ختم ہوجائے گا۔ مسلمان معاشرے اپنی رُوحانی اساس کے استحکام میں اسلام کی عطا کردہ اخلاقی قدروں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کی اصل قوت اور سرچشمۂ حیات ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کا حل۔ علاّمہ محمد یوسف القرضاوی کی نظر میں:

عرب دنیا کے نامور اسکالر اور معروف محقق علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے حال ہی میں شائع ہونے والے اپنے ایک فکر انگیز مقالے میں دورِ جدید میں اُمّتِ مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کو پیش کرتے ہوئے انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس کے حل کے لیے تجاویز پیش کی ہیں، اس مضمون میں سے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں: وہ لکھتے ہیں: ''دورِ حاضر کے مسائل اور چیلنجز سے نمٹنے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُمّتِ مسلمہ مستقبل کے لیے درست نقطۂ نظر اختیار کرے، صحیح منصوبہ بندی کرے اور عملی استعداد کو بڑھانے کی تدابیر بھی کرے۔ یہ ہمارا اوّلین فرض ہے، تاکہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔ اس حوالے سے چند اُمور توجہ کے لیے پیش کیے جارہے ہیں: ☆ اسلامی تشخص: مسلمانوں کو سب سے پہلے خود اپنے مقام اور مرتبے کا ادراک کرنا ہوگا۔ اس پر کاربند ہوکر ہی ہم اپنی منفرد و ممتاز حیثیت کو دنیا بھر سے منوا سکتے ہیں۔ اسلام ہماری شناخت اور تشخص ہے۔ اسی بناء پر ہم عالم جدید میں اپنی قائدانہ حیثیت کو تسلیم کروانے کی پوزیشن میں ہیں۔ ☆ مرجع اساسی کا تعین: اُمّتِ مسلمہ کو اپنے اساسی مرجع کا تعین کرتے ہوئے اپنے احکامات و تعلیمات کو وہیں سے اخذ کرنے اور اپنی تہذیب و تمدن کو انہی بنیادوں پر استوار کرنے کا اہتمام بھی کرنا ہوگا۔ بلاشبہ ہمارا بحیثیتِ اُمّت مرجع ''دینِ اسلام'' ہے۔ یہ عالمی اسلامی تحریک نہ تو خود اعتدال کو ترک کرنے والی ہو اور نہ کوئی اسے حدود و توازن سے تجاوز کرنے پر مائل کرسکتا ہو۔ تشدّد کی بے جا رنگ آمیزی کا وصف نہ ہو، بلکہ یہ تعمیر کرنے کی قوت رکھتی ہو، اس کے بنیادی اوصاف میں حیاتِ جدید کی نوید ہو، نہ کہ مایوسیاں پھیلانا، کیوں کہ مایوسیوں کا بالآخر انجام اعضا و قویٰ کا معطل ہونا ہوتا ہے۔ ☆ نیا عالمی منصوبہ: اُمّتِ مسلمہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا عالمی اسلامی منصوبہ تشکیل دے، جس پر عمل پیرا ہوکر پس ماندگی کی حالت کو بدل کر ترقی اور سبقت لے جانے کی فضا پیدا ہوسکے۔ ہم بلاشرکتِ غیرے ایک ہزار سال تک دنیا کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ ہماری تہذیب و تمدن ساری دنیا میں رائج تھی۔ ہم پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ جہالت و پس ماندگی ہماری سرشت کا حصہ نہیں اور نہ ہی ہماری موجودہ حالت اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہے۔ حصولِ ترقی کے لیے ضروری

ہے کہ مسلمانوں میں رائج فلسفۂ تعلیم میں مثبت تبدیلیاں لائی جائیں۔ ☆ عالمی صیہونی تحریک کا مقابلہ: اُمّتِ مسلمہ کے لیے ممکن نہیں کہ تہذیب و تمدن کی بلندیوں کو چھولے، جب تک کہ وہ اپنے وجود کے خلاف ہونے والی عالمی صیہونی سازش کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے شکستِ فاش نہ دے دے۔ اسی طرح نصرانیت اور ہندومت کی سازشوں کو سمجھنا اور ان کا مقابلہ کرکے انہیں شکست دینا بھی اسی کا جز ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کے احیاء کے لیے یہ ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اور حکومتی و عسکری سطح پر نئے عزم اور ولولے سے پختہ بنیادوں پر کام کا آغاز کیا جائے۔ وہ طرزِ فکر وعمل اپنایا جائے، جس سے ہر مسلمان نفسیاتی، فکری اور تہذیبی و تمدنی حوالے سے اپنا سر بلند کرکے چل سکے۔ ہمارے دینی لٹریچر میں یہ بچی بشارتیں موجود ہیں کہ اسلام عالم گیریت حاصل کرے گا اور ساری دنیا میں اس کا ڈنکا بجے گا۔ ہماری تاریخ بھی شان دار اور سچے عالمگیر حقائق پر مبنی ہے۔ اس لیے بجا طور پر مستقبل میں مزید کامیابیوں اور سرفرازیوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ☆ ہمہ جہت ترقی کے لیے جدوجہد: جس ہدف کو ہمیں خاص اہمیت دینی چاہیے اور جس کے حصول کے لیے ہمیں کمر بستہ رہنا چاہیے، وہ اسلامی معاشرے کی ہمہ جہت مجموعی ترقی کا حصول ہے۔ اس کے لیے بھرپور اور دُور رس منصوبہ بندی کی جائے۔ ہماری جغرافیائی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے اور بشری قوت (انسانی وسائل) بھی اپنی جگہ وافر ہیں۔ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ ہم ان بیش بہا قیمتی خزانوں کے صحیح استعمال کو جان جائیں اور انہیں درست انداز سے زیرِ تصرف لاکر مجاہدانہ انداز سے جینے کا ڈھنگ سیکھ لیں۔ ☆ منصفانہ معاشرے کا قیام: ترقی کے حصول کے لیے ہمیں معاشرتی ظلم و زیادتیوں کے خلاف بھی علمِ جہاد بلند کرنا ہوگا۔ ☆ خواتین کی اہمیت: یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کو صحیح مقام و مرتبہ دیا جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر خواتین کو درست مقام حاصل ہوگا تو اولاد کے ایامِ طفولیت بہتر گزریں گے، خاندان خوش وخرم رہے گا اور زندگی پرسکون بسر ہوگی۔ ☆ منصفانہ سیاسی نظام کا قیام: اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا اہداف اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے، جب تک کہ منصفانہ سیاسی نظام رائج نہ کیا جائے۔ وہ نظام جس سے تمام شہریوں کو ان کے صحیح حقوق حاصل ہوجائیں، جو انسان کے مقام و مرتبے اور آزادیِ رائے کا احترام کرنے کا ضامن اور انسانی جان و مال وعزت کا رکھوالا ہو۔ یہ ایسا نظام ہو، جس سے رُوحِ شورائیت بیدار ہو اور خیر خواہی اور ذمّے داری کا جذبہ پروان چڑھے۔ ☆ وحدتِ اُمت: اُمت کے جسدِ ملّی پر ایک اور بھی گہرا گھاؤ ہے، جسے جلد از جلد درست کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے ''افتراق و اختلافِ اُمّت'' اس کا وحدتِ اُمّتِ اسلامیہ کے نسخۂ کیمیا سے علاج ہونا چاہیے، کیوں کہ کٹی پھٹی اور بکھری اُمّت کا کوئی مستقبل نہیں۔ کبھی یہ ایک تھی، اب مختلف اقوام کا مجموعہ بن چکی ہے، جو الگ الگ گروہوں کی شکل اختیار کرچکے ہیں۔ ☆ بیداری اُمّت کی ضرورت: ان اہداف کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانانِ عالم کو پھر سے بیدار کیا جائے۔ اس کے لیے موجودہ معیار ایمان و اخلاق کو اوپر اٹھانے کی سعی کرنی ہوگی، یہاں تک کہ آج کے مادی مسلمان میں رُوحانیت کی بلندی وعظمت پھر سے جاگ اٹھے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی سوچ اور فکر کو بلند کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ بلند اہداف کا تعین اور اُمید کی فضا تیار کرنا بھی ضروری ہے۔

اس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے ان تمام اداروں کو باہم مل کر فضا تیار کرنی ہوگی جو تربیتِ انسان میں موثر کردار رکھتے ہوں۔ الغرض تمام ادارے اس فرض کی ادائیگی میں شریک ہوں، تا کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان، اسلام کے سچے پیغام اور آخرت کے دائمی گھر، سب کی آبیاری ہو سکے۔ یہ ہیں وہ اہم نکات جنہیں پیش نظر رکھ کر ہم بحیثیتِ اُمّت ترقی کر سکتے ہیں۔ ہم مادی، رُوحانی، تہذیبی، بشری ہر نوع کے خزانوں سے مالا مال ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اکیسویں صدی میں ہم اپنی عظمتِ رفتہ کو پا کر پھر شوکت و رفعت کو بحال کر سکیں، تاہم یہ اسی وقت ممکن ہوگا، جب اُمّتِ مسلمہ کو ایسی نئی قیادت مل جائے جو خلوصِ نیت، عزمِ مصمم اور عملِ پیہم سے اپنا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کرے۔(۲۶۹)

خلاصۂ بحث: موجودہ دور میں امتِ مسلمہ جن مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہے۔ اس کا حل اور تدارک اسی میں نظر آتا ہے کہ مسلم امہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع اختیار کرے، دین کے لیے مر مٹنے کا جذبہ پیدا کرے، دین پر استقامت اور اسلام کی سر بلندی کے لیے ایثار و قربانی کی راہ اپنائے۔ اپنی صفوں میں اتحاد، اخوت اور اجتماعیت کا وہ مثالی جذبہ پیدا کرے جو ہمارے دین کا امتیاز اور مسلم امہ کا دینی و ملّی شعار ہے۔ آج ہم جن مسائل اور چیلنجز سے دوچار ہیں، اس کی بنیادی وجہ ہمارا داخلی انتشار اور مسلم امہ میں اتحاد و یکجہتی کا فقدان ہے۔ اسلام کی دینی و تہذیبی اقدار سے دوری، اسوۂ نبویؐ اور تعلیماتِ نبویؐ سے انحراف، خودفراموشی اور خدا فراموشی ہے۔ ورنہ اللہ کی یہ سنت اور اس کا وعدہ ہے کہ: ''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O ''(۲۷۰) نہ تم پریشان ہو اور نہ خوف زدہ، کامیابی تمہارے لیے ہے بشرطیکہ تم سچے مؤمن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ ضرور فرمایا ہے: چنانچہ فرمایا گیا: ''اِنَّهُمْ لَهُمُ المنصُوْرُون''(۲۷۱) یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور فرمایا گیا: ''وانّ جُندَنا لَهُم الغالبُون''۔(۲۷۲) ہمارے ساتھ بھی ''وانتُمُ الاعلون اور ليستخلفنّهُم'' کے وعدے ضرور پورے ہو کر رہیں گے، خواہ ہماری آنکھیں کامرانی کا منظر نہ دیکھ سکیں۔ جو بات ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ روشن مستقبل کے حصول کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے قرآن و سنت سے ربط و تعلق، دین سے گہری وابستگی، رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرتِ طیّبہ کی اتباع۔ جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ۔ نصرتِ الٰہی کے بغیر تو ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا، کجا کہ منزل سر ہو جائے۔ ''ان يّنصركُمُ اللّٰهُ فلا غالبَ لكُم'' (۲۷۳) اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والا نہیں۔ لیکن یہ نصرتِ الٰہی صرف انہی کو حاصل ہوتی ہے جو جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ''ان تنصُرُوا اللّٰه ينصرُكُم ويُثبّت اقدامكُم''۔(۲۷۴) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔

جس سچے ایمان کے ساتھ سربلندی کا وعدہ مشروط ہے، اس کی صداقت کی کسوٹی بھی جدوجہد ہی ہے۔ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْن''۔(۲۷۵) حقیقت میں تو مؤمن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ سچے لوگ ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دین کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ پھر ہمیں دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکے

گی۔ کوئی ہمیں میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔ اس کے لیے دینی، تہذیبی، اخلاقی اور ملی اقدار پر عمل ناگزیر ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کی عظمت و شوکت اور دین کی سربلندی اسلام کے دامن سے وابستہ رہنے میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ابدی فیصلہ ہے کہ ''وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا.''۔ (۲۷۶) تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح کہ اس نے ان سے پہلے کے لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا تھا اور ان کے لیے اس دین کی جڑیں بڑی مضبوط جما دے گا، جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کی موجودہ حالت خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں:

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہشیار ہوگا(۲۷۷)

ایک اور موقع پر اقبال کیا خوب کہتے ہیں:

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے(۲۷۸)

تجاویز و سفارشات:

☆ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ، دین کی سربلندی، ترویج و اشاعت اور اُمّتِ مسلمہ کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم دین کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ قرآن و سنت، اسوۂ نبویؐ اور تعلیماتِ نبوی ؐ کو مشعل راہ بنائیں۔
☆ اُمّتِ مسلمہ کا اتحاد وقت کی ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے، ہمیں ''بُنیانِ مرصوص'' کی طرح مضبوط اور متحد ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد قائم کرنا ہوگا۔
☆ تمام سیاسی، علاقائی، گروہی اور فروعی اختلافات کے خاتمے کے لیے پوری مسلم امہ کو اپنا مؤثر کردار ادا کرنا ہوگا۔
☆ عالمگیریت جیسے عالمی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام کے آفاقی اور عالمگیر پیغام کو عام کیا جائے۔
☆ اُمّتِ مسلمہ یورپی یونین کی طرز پر اپنی علیحدہ یونین بنا کر اپنی کرنسی اور دفاع کا مشترکہ نظام وضع کرے، تاکہ

مغرب، عالمی استعمار کے دباؤ اور انکی جارحیت سے نمٹنا ممکن ہو سکے۔

☆ مسلم ممالک کی سطح پر اُمّتِ مسلمہ کے ریسرچ اسکالرز، مختلف شعبوں کے ماہرین، سائنسدانوں اور مختلف پیشہ ورانہ خدمات کے حامل ماہرین کی خدمات سے مشترکہ طور پر بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

☆ اُمّتِ مسلمہ ذرائع ابلاغ پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے مضبوط اسلامی اطلاعاتی مرکز کے قیام کو فوری طور پر یقینی بنائے، تاکہ مغربی میڈیا کی تہذیبی و ثقافتی یلغار کو روکا جا سکے۔

☆ OIC کو دیگر عالمی اداروں کی طرح فعال اور طاقت ور ادارہ بنایا جائے۔ تاکہ وہ اپنا موثر کردار ادا کر سکے۔

☆ اُمّتِ مسلمہ کی دولتِ مشترکہ کا قیام ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس کے قیام کے لیے موثر اقدامات عمل میں لائے جائیں۔

☆ اُمّتِ مسلمہ کے تمام اداروں خصوصاً OIC کا فرض ہے کہ وہ عالمی سامراجیت، مغرب کے اقتصادی غلبے سے بچنے کے لیے مسلم ممالک کی مشترکہ تجارتی منڈی قائم کریں۔

☆ بین الاقوامی تجارت کے فروغ کے لیے اسلامک یونینز (Islamic Unions) قائم کی جائیں اور بلاسودی معیشت کے فروغ کے لیے اسلامی بینک قائم کیے جائیں۔ سرمایہ داری اور سودی نظام بینکاری سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ بیرونی امداد اور عالمی قرضوں پر انحصار کے بجائے خود انحصاری اور خودداری کی راہ اپنائی جائے۔

☆ تمام مسلم ممالک اپنے وسائل کو یکجا کر کے تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی، دفاع اور تجارت کو مضبوط کرنے پر صرف کریں۔ ان امور کو مضبوط کئے بغیر اُمّتِ مسلمہ کا مستقبل محفوظ اور باوقار نہیں ہو سکتا۔

☆ مسلم ممالک میں اسلامی اقدار کے تحفظ، سائنس، جدید علوم اور تحقیق پر بنیادی توجہ دی جائے اور "Human Resource Development" کے مشترکہ منصوبے شروع کئے جائیں۔

☆ عالمِ اسلام کے مسائل اور تنازعات کے حل کے لئے World Islamic Court of Justice قائم کی جائے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) (آل عمران/۱۳۹:۱۴) (۲) (اقبال، محمد، علامہ، ڈاکٹر/کلیاتِ اقبال، کراچی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۲۱۲) (۳) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص ۱۳۴) (۴) (الحجرات/۱۳) (۵) (ابنِ منظور الافریقی/لسانی العرب، بیروت، ۱۹۵۶ء، ۱۲/ ۲۷) (۶) (ایضاً ۱۲/ ۲۳) (۷) (ایضاً ۱۲/ ۲۳) (۸) (یونس/۱۴۹) (۹) (الانعام/۴۹) (۱۰) (البقرہ/۱۴۱) (۱۱) (آلِ عمران/۱۰۴) (۱۲) (الرعد/۳۰) (۱۳) (النحل/ ۱۲۰) (۱۴) (بحوالہ، خالد علوی، ڈاکٹر/اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۶) (۱۵) (یونس/۱۹) (۱۶) (النحل/۹۳) (۱۷) (البقرہ/ ۱۲۸) (۱۸) (آلِ عمران/۱۱۰) (۱۹) (البقرہ/۱۴۳) (۲۰) (خالد علوی، ڈاکٹر/اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۰۹) (۲۱) (الشوریٰ/۳) (۲۲) (الشوریٰ/۵۲) (۲۳) (آلِ عمران/۱۰۳) (۲۴) (الحجرات/۱۳) (۲۵) (النساء/۱) (۲۶) (احمد بن حنبل/المسند ۵/۱۵۰، رقم الحدیث

۲۳۴۷۹) (۲۷) (ایضاً حوالہ سابقہ) (۲۸) (خالد علوی، ڈاکٹر/اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۲۹) (۲۹) (الحجرات/۱۰) (۳۰) (احمد بن حنبل/المسند ۱/۴۳،۴۵) (۳۱) (دیکھیے: خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام ص ۳۳) (۳۲) (بخاری، محمد بن اسماعیل/الجامع، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس، رقم الحدیث، ۱۵۵۱)(۳۳) (مسلم/الجامع الصحیح، کتاب البر، باب تراجم المومنین رقمالحدیث ۱۱۳۱) (۳۴) (بخاری/الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ/۳۸) (۳۵) (البقرہ/۱۴۳) (۳۶) (آل عمران/۱۱۰) (۳۷) (احمد بن حنبل/المسند ۵/۳) (۳۸) (ایضاً حوالہ بالا) (۳۹) (خالدعلوی، ڈاکٹر/اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۳۳) (۴۰) (ابنِ ماجہ/السنن، کتاب الفتن ۵٦۷) (۴۱) (محمد امین، ڈاکٹر/مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحۂ عمل، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۲)(۴۲) (ایضاً ص ۱۳۳) مزید دیکھیے: علی نواز میمن/ملتِ اسلامیہ، مترجم صفوت قدوائی، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۸، ۱۴۹) (۴۳) (ایضاً ص ۱۳۴) (۴۴) (سید قاسم محمود۔ مسلم دنیا ایک تعارف، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۵ء، ص ۵) (۴۵) (محمد امین، ڈاکٹر/مسلم نشاۃ ثانیہ، ص ۱۳۷) (۴۶) (بنی اسرائیل/۸۱) (۴۷) (محمد امین، ڈاکٹر/مسلم نشاۃ ثانیہ، ص ۱۴) (۴۸) (بحوالہ: The Statesman's Year Book 2002, Edited by Barry Turner) (۴۹) (البقرہ/۱۲۲)(۵۰) (الاعراف/۹٦)(۵۱) (آل عمران/۱۲۸) (۵۲) (ھود/۳)(۵۳) (النور/۵۵)(۵۴) (آل عمران/ ۱۳۹) (۵۵) (دیکھیے، خورشید احمد، پروفیسر/اسلامی نظریۂ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ص ۵۱۹)(۵٦) (بحوالہ: ایکسپریس روزنامہ، کراچی، ۵/اگست ۲۰۰٦ء) (۵۷) (اقبال، ڈاکٹر محمد/کلیات اقبال، کراچی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹٦ء، ص ۲۰۲)(۵۸) (ایضاً ص ۲۰۳)(۵۹) (ایضاً ص ۲۰۴) (٦۰) (الانفال/۵۳) (٦۱) (الرعد/۱۱)(٦۲) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص ۲۰۵)(٦۳) (الصافات/۱۷۲) (٦۴)(الصافات/۱۷۳) (٦۵) (آل عمران، ۱٦۰) (٦٦) (محمد/۷)(٦۷)(الحجرات/۱۵۔ نیز دیکھیے: آل عمران۲۰۰، ھود/۱۱۲، حٰم السجدہ/۳۰۔۳۲ الاحقاف/۱۳،۱۴، الطور/۴۸،۴۹)(٦۸) (آل عمران/۱۴۷) (٦۹) (النصر/۳) (۷۰) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص ۲۴۸) (۷۱)(آزاد، ابوالکلام/قرآن کا قانون عروج و زوال، لاہور، مکتبہ جمال، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۰) (۷۲) (الانبیاء/۱۰۵) (۷۳) (تحویلاً، الفاطر/۴۳)(۷۴) (محمد یوسف القرضاوی/المبشرات بانتصار المسلمین، ''مترجمہ: عبدالحلیم فلاحی (غلبۂ اسلام یک بشارتیں) لاہور، منشورات، ۲۰۰۴ء، ص ۳) (۷۵)(ایضاً ص ٦) (۷٦)(سید قاسم محمود/مسلم دنیا، ص ۷) (۷۷)(ایضاً ص ۷) (۷۸)(دیکھیے سورۃ الضحیٰ/ ۸، سورۂ نوح/۱۰۔۱۱،۲۲، الانفال/۷۰) (۷۹) (ایضاً ص ۴۸) (۸۰) (مشکوٰۃ/کتاب الآداب، رقم الحدیث، ۵۱،۵۰) (۸۱) (احمد بن حنبل/المسند ۵/۳٦، رقم الحدیث ۱۹۸٦۸، ابن ماجہ/السنن، کتاب الدعاء، رقم الحدیث ۳۸۸۴) (۸۲)(علی نواز میمن/ملّتِ اسلامیہ، ص ۱۱۵) (۸۳) (البقرہ/۳۰) (۸۴) البقرہ/ آیت ۳۱ (۸۵) بنی اسرائیل/آیت ۷۰ (۸٦) البقرہ/ آیت ۲۴۷ نیز دیکھیے ندوی، سیّد ابوالحسن علی/ انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی وتعمیری کردار، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، ۱۹۸۸، صفحہ ۵۸ (۸۷) Will Durant, The Story of Civilization, London, Vol, ii, Page, 256 (۸۸) سورۃ الحدید/آیت ۷، علامہ ابن حزم اندلسی ''کتاب الاحکام'' میں نصاب تعلیم کی تجدید کے بعد رقم طراز ہیں: ''حاکمِ وقت پر بقدرِ نصاب وسائلِ تعلیم کی فراوانی لازم ہے، مرد، عورت، آزاد، غلام کسی کو بھی اس حق سے گریز کا موقع نہیں دیا جاسکتا، خلیفۂ وقت پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو تحصیلِ علم کا پابند کرے، دیکھیے: الاحکام فی اصول الاحکام، مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۳۷۴ھ ۵/ ٦۹۱، ٦۹۲ (۸۹) احمد بن حنبل، امام/ المسند، مصر، دارالمعارف، ۱۹۳٦، ۱۲/ ۱۸۰ (۹۰) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام/ الجامع الصحیح، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۴، ۵/ ۴۸ ابن عبدالبر/ جامع بیان العلم وفضلہ، مدینہ منورہ، المکتبۃ العلمیہ ۱/ ۲٦ (۹۲) ابنِ ماجہ/ السنن، قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۳، ۱/ ۸۱ (۹۳) ابن ماجہ/ السنن، قاہرہ، مطبع

مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۳ء، ا/ ۸۱ (باب فضل العلماء) (۹۴)(بحوالہ: علی نواز میمن/ملت اسلامیہ، ص ۱۱۹)(۹۵) (بحوالہ: The Hutchinson's Encyclopedia,1999) (۹۶) (اسلامی دنیا،تعلیم میں بھی پیچھے (مضمون) روزنامہ جنگ سنڈے میگزین، ۲ دسمبر ۲۰۰۱ء) (۹۷) (سید قاسم محمود/مسلم دنیا ایک تعارف، ص ۷) (۹۸)(روزنامہ ایکسپریس،کراچی، یکم اگست، ۲۰۰۶ء) (۹۹)(البقرہ/۱۶۴) (۱۰۰)(مزید دیکھیے: الروم/۲۲، النازعات/ ۲۷۔۳۷،حٰم السجدۃ/۱۲۔۳۷، الحجر/۱۶،۱۹،۲۱، ق/۶۔۸، ابراہیم/۳۳،الزمر/۵، الفاطر/۱۳، الانبیاء/۳۳، یونس/۶،النحل/۱۲، الفرقان/۶۲، النور/۴۴، التکویر/۱۴۔۱۶، الجاثیہ/۱۲، النحل/۱۴، الحج/ ۶۵، النحل/۱۰،۱۱، البقرہ/۱۵۹،۱۶۰) (۱۰۱) (علی نواز میمن/ملت اسلامیہ ص ۱۲۰) (۱۰۲) (ایضاً ص ۱۲۱) (۱۰۳) (ایضاً ص ۱۲۱) (۱۰۴) (سید قاسم محمود/مسلم دنیا، ایک تعارف، ص ۸) (۱۰۵) الحجرات/۱۰ (۱۰۶) آلِ عمران.....۱۰۳ (۱۰۷) مسلم/ الجامع الصحیح ۸/۲۰، باب تراحم المومنین (۱۰۸) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/محسنِ انسانیتؐ، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸۸ (۱۰۹) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص۲۰۲) (۱۱۰) (سیّد قاسم محمود/مسلم دنیا ایک تعارف، ص ۷) (۱۱۱) (ایضاً ص ۷) (۱۱۲) (یاسر ندیم/ گلوبلائزیشن اور اسلام، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۴ء، ص ۱۸۸) (۱۱۳) (بحوالہ: روزنامہ ایکسپریس، کراچی، یکم اگست ۲۰۰۶ء) (۱۱۴) (الانفال/ ۶۰) (۱۱۵) (سید واجد رضوی/ رسول اللہؐ میدان جنگ میں، لاہور، مکتبہ مدنیہ،۱۹۹۲ء، ص ۷۹، نیز دیکھیے: ڈاکٹر محمد حمیداللہ/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت/عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ، لاہور، ادارہ اسلامیات/خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی) (۱۱۶) (ملتِ اسلامیہ/علی نواز میمن/کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۱ء، ص ۶۲) (۱۱۷) (اقبال/کلیات، ص ۱۰۵) (۱۱۸) (بحوالہ: ایکسپریس، کراچی، روزنامہ، یکم اگست، ۲۰۰۶) (۱۱۹) (خالد علوی/اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۴۳۸) (۱۲۰) (ایضاً، ص ۴۳۹) (۱۲۱) (اقبال/کلیاتِ اقبال ۲۷۱)(۱۲۲) (البقرہ/۱۴۳) (۱۲۳) (آلِ عمران/۱۰۴) (۱۲۴) (آلِ عمران/۱۱۰) (۱۲۵) (نذرالحفیظ ندوی/مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۱ء، ص ۹۳) (۱۲۶) (ایضاً ص ۹۴) (۱۲۷) (ایضاً ص ۹۵) (۱۲۸) (حوالہ سابقہ، ۹۵) (۱۲۹) (نذرالحفیظ ندوی/مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، کراچی، ص ۹۸، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ایضاً ص ۱۴۴۔۱۴۷) (۱۳۰) (عطاء الرحمٰن منگلوری/میڈیا کی یلغار، راول پنڈی، ظلال القرآن فاؤنڈیشن،۲۰۰۲ء، ص ۲۷) (۱۳۱) (ایضاً، ص ۳۰) (۱۳۲) (ایضاً، ص ۳۱) (۱۳۳) (حوالہ سابقہ ص ۳۳) (۱۳۴) (اقبال، ڈاکٹر محمد/کلیاتِ اقبال، کراچی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، ص ۶۵۸) (۱۳۵) (اقبال/کلیاتِ اقبال) (۱۳۶) (اقبال/کلیاتِ اقبال) (۱۳۷) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص ۴۴۸) (۱۳۸) (یاسر ندیم/گلوبلائزیشن اور اسلام، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۴ء، ص ۴۷) (۱۳۹) (ایضاً، ص ۴۷) (۱۴۰) (ایضاً ص ۴۸) (۱۴۱) الرائد، لکھنو، ۱۳/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ، العولمۃ وتاثیرھا علی العالم الاسلامی از مانع حماد الجہنی) (۱۴۲) العولمۃ: از صالح الرقب ص ۵، بہ حوالہ العولمۃ بین النظم التکنولوجیۃ الحدیثۃ از نعیمہ شومان) (۱۴۳) (ایضاً ص ۵) (۱۴۴) "The International Encyclopedia of Business Management, 1996 vol1, p.1649 (۱۴۵) صدمۃ العولمۃ فی خطاب الحبّۃ، از علی حرب، اخبار السفیر عدد ۸۰۱۲، ۱۹۹۸ء (۱۴۶) خلیج ٹائمز ۵/۲/۲۰۰۰ (۱۴۷) رسالہ المنتدی عدد ۱۹۳، اگست ۱۹۹۹ء (۱۴۸) ماہنامہ المستقبل عدد ۱۳۰، صفر ۱۴۲۳ھ مئی ۲۰۰۲ء (۱۴۹) رسالہ الاسلام وطن عدد ۱۳۸، ص:۱۲، ۱۹۹۸ء (۱۵۰) العولمۃ، از صالح الرقب ص:۲ (۱۵۱) ما العولمۃ؟ از حسن حنفی و صادق جلال العظم، طبع دارالفکر بیروت، ص: ۱۳۶ (۱۵۲) (یاسر ندیم/گلوبلائزیشن اور اسلام، ص ۶۷، ۶۸) (۱۵۳) (الرائد، ماہنامہ لکھنو، ص ۲۴، ۱۴۲۴ھ، مقالہ: بروتوکولات حکماء صہیون) (۱۵۴) (یاسر ندیم/گلوبلائزیشن اور اسلام ص ۴۲) (۱۵۵) (ایضاً ص ۷۶) (۱۵۶) (ایضاً ص ۷۶) (۱۵۷) (حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/مقدمہ، کتاب گلوبلائزیشن اور اسلام/یاسر ندیم، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۴ء) (۱۵۸) (ایضاً ص

۱۱) (۱۵۹) (دیکھیے: یاسر ندیم/گلوبلائزیشن اور اسلام، ص ۱۱۰، ۱۱۱) (۱۶۰) (یاسر ندیم/ اسلام اور گلوبلائزیشن، ص ۳۳۷) (۱۶۱) (خالد علوی، ڈاکٹر/ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۶۴۱) (۱۶۲) (ایضاً ص ۶۴۲) (۱۶۳) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص ۲۱۲) (۱۶۴) (بحوالہ: عالم اسلام اور عیسائیت، سہ ماہی، اسلام آباد، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۸۹) (۱۶۵) (ظفر احمد/ بنیاد پرست کون؟، لاہور، البدر پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۸) (۱۶۶) (ایضاً ص ۱۷) (۱۶۷) (دیکھیے: کیرن آرم اسٹرانگ/مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، مترجم محمد احسن بٹ، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۰) (۱۶۸) (ایضاً ص ۱۸۱) (۱۶۹) (مرزا احمد الیاس/ بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، لاہور، حرا پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۱) (۱۷۰) (ایضاً ص ۳۴) (۱۷۱) (ایضاً ص ۳۵) (۱۷۲) (ایضاً ص ۳۰) (۱۷۳) (Oxford Concise Dictionary of Polotics, Oxford (۱۷۴) Univiersity Press, 1944) (۱۷۵) (Websters New Rrevised University, Dictionary, P.458) الکافرون/ ۶ (۱۷۶) المائدہ / ۱۸ (۱۷۷) البقرہ/۱۱۳ (۱۷۸) عبدالمعید/عہدِ نبویؐ کا اسلامی معاشرہ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۱۹۹۷ء (۱۷۹) ابن ہشام/السیرۃ النبویۃ، قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء، ۱/۱۹۹ (۱۸۰) محمد حمیداللہ/رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹ (۱۸۱) DENISON, J.H/EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION, LONDON, 1928.P.262 (۱۸۲) البروج/۴ تا ۸ (۱۸۳) تفصیل کے لیے دیکھیے، Encyclopedia of Jews Religion, 1965 (۱۸۴) البقرہ۔ ۸۵ (۱۸۵) المائدہ/۱۸ (۱۸۶) البقرہ/۸۰ (۱۸۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: Encylopedia of Religion and Ethics, New York, 1931 (۱۸۸) استثناء ۲۰، ۱۳، ۱۶ (۱۸۹) سموئیل اول ۱۵:۳ (۱۹۰) استثناء ۷:۳۲۱، بحوالہ: غلام رسول چوہدری/مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء، ص ۳۹۴ (۱۹۱) شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۴۰۸ھ، ۴/۱۲۲ (۱۹۲) PETER, EDWARD/INQUISITION, UNIVERSITY OF CALIFORNIA PRESS, 1989, P.6 نیز دیکھیے ڈاکٹر مبارک علی/ یورپ کا عروج، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۴۷ (۱۹۳) (نذرالحفیظ ندوی/مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص ۱۳۲) (۱۹۴) دیکھیے: (Webster,s New College Dictionary 3rd Edition 1832) (۱۹۵) GOLDZIHER/INTRODUCTION TO ISLAMIC THEOLOGY AND LAW, PRINCETON UNIVERSITY PRESS, 1981, P.22,23,26 (۱۹۶) WATT, W, MONTGOMERY/ISLAMIC SURVEYS, EDUNBURG UNIVERSITY PRESS, 1972, P.5,6 (۱۹۷) MUIR, SIR WILLIAM / MOHAMET AND ISLAM, LONDON, 1986, P. 107, 228 (۱۹۸) LANEPOOL, STANLEY THE MOORISH IN SPAIN. LAHORE, 1967, P.51 (۱۹۹) MARGOLIOTH, D. S/MOHAMMADAN ISM AND THE ISLAMIC WORLD, DEEP & DEEP PUBLISHERS, DELHI, 1988, P.91 (۲۰۰) LANEPOOL, STANELY / THE MOORISH IN SPAIN, P.51 (۲۰۱) MARGOLIOTH, D. S / MOHAMMADAN ISM AND THE ISLAMIC WORLD, P.9 (۲۰۲) ظفر علی قریشی / شان رسالت میں گستاخی کی بحث کا تنقیدی جائزہ، سرگودھا، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ۱۹۹۵ء، ص ۳۹ (۲۰۳) البقرہ / ۲۵۶ (۲۰۴) الغاشیہ/ ۲۱، ۲۲ (۲۰۵) (خالد علوی، ڈاکٹر/اسلام اور دہشت گردی، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۲۰۰۴ء، ص ۳۷) (۲۰۶) (ایضاً ص ۴۴) (۲۰۷) (بحوالہ: ماہنامہ ساحل، جون ۲۰۰۵ء، ص

٦٧) (٢٠٨) (ایضاً ص ٦٨) (٢٠٩) (بحوالہ ساحل ماہنامہ، کراچی، جون ٢٠٠٥ء) (٢١٠) (بحوالہ: شاہدہ لطیف، امریکہ، اسلام اور عالمی امن، لاہور، حیدر پبلی کیشنز، ٢٠٠١ء، ص ١٨٨۔١٩٠ اختصار) (٢١١) (Samuel P.Huntengton "The Clash oh Civilization, Foreign affairs New York Volume 72, No.3 Summer 1993, PP.23.49, Abou Huntijah, : If not civilization what? Paradigm of past-cold war period", Foreign affairs New York, Vol 72, No.5, Nov.Dec 1993,pp.186.198 (٢١٢) (بحوالہ: ڈاکٹر انیس احمد/تہذیبی تصادم، مغرب اور عالم اسلام، سہ ماہی، اسلام آباد، اکتوبر، دسمبر ٢٠٠١ء، ص ٣) (٢١٣) (ڈاکٹر انیس احمد/تصادم ایضاً ص ٤) (٢١٤) (ایضاً حوالہ سابقہ) (٢١٥) (ایضاً حوالہ سابقہ ص ٧) (٢١٦) (حوالہ سابقہ ٢١) (٢١٧) (سیموئل پی ہنٹنگٹن/تہذیبوں کا تصادم، مترجم محمد احسن بٹ، لاہور، مثال پبلشنگ، ٢٠٠٣ء، ص ١٧) (٢١٨) (محمد انور/یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، کراچی، مکتبہ ارسلان، ٢٠٠٣ء، ص ٦٥) (٢١٩) (Samuel Huntingtion, Clash of Civilization and the Remaking of world order Touchstone, New York, 1997) (٢٢٠) (Richard Nixon, Victory without war, Sidgwick and Jackson, London, 1988) (٢٢١) (اقبال، ڈاکٹر محمد/کلیاتِ اقبال، ص ١٤١) (٢٢٢) (خورشید احمد، پروفیسر/اسلامی فلسفۂ حیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی، ص ١٧٧،١٧٨) (٢٢٣) (محمد انور/یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ٨٤) (٢٢٤) (ایضاً ص ٢٩٢) (٢٢٥) (حوالہ سابقہ ص ٢٩٣) (٢٢٦) (بحوالہ: امریکا گناہوں کی دلدل میں، مترجم، محمد احسن بٹ، لاہور، نگارشات، ٢٠٠٣ء، ص ١٠٧) (٢٢٧) (نذر الحفیظ ندوی، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص ٦٦) (٢٢٨) (حوالہ سابقہ ص ٦٧) (٢٢٩) (ایضاً ص ٦٨) (٢٣٠) (عطاء الرحمٰن منگلوری/میڈیا کی یلغار ایک بڑھتا ہوا چیلنج، ص ٤٤) (٢٣١) (جنگ، کراچی، ١٠ فروری، ٢٠٠٥ء) (٢٣٢) (The Gaurdian News Service 13, November 2004) (٢٣٣) (بحوالہ: ماہنامہ ساحل، کراچی، جون، ٢٠٠٥ء، ص ٥٩) (٢٣٤) (بحوالہ: ماہنامہ ساحل کراچی، جون ٢٠٠٥ء ص ٦١۔٦٢) (٢٣٥) (ایضاً ص ٧٧) (٢٣٦) (محمد متین خالد/حقوق انسانی کی آڑ میں این جی اوز کا کردار، ملتان، مجلسِ تحفظ ختم نبوت، ٢٠٠٣ء، ص ٤٣٦) (٢٣٧) (ایضاً ص ٤٣٧) (٢٣٨) (ایضاً ص ٤٤١) (٢٣٩) (ایضاً ص ٢٦٤) (٢٤٠) (بحوالہ: ماہنامہ ساحل، کراچی، ذی الحجہ ١٤٢١ھ) (٢٤١) (متین خالد/حقوق انسانی کی آڑ میں، ص ٢٠٦) (٢٤٢) (بحوالہ: عالمِ اسلام اور عیسائیت، سہ ماہی، اسلام آباد، جولائی، ستمبر ١٩٩٨ء) (٢٤٣) (مشکوٰۃ/باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ٢/٦١٣) (٢٤٤) (حالی، مولانا الطاف حسین/مسدس حالی، لاہور، بزم اقبال، ٢٠٠٣ء، ص ٥١) (٢٤٥) (نذر الحفیظ ندوی/مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، ص ٨٤) (٢٤٦) (ایضاً ٢٩۔٣٠) (٢٤٧) (محمد طاہر القادری، ڈاکٹر/نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام، لاہور، منہاج القرآن، ١٩٩٨ء، ٩) (٢٤٨) (ایضاً۔ص ٢٣) (٢٤٩) (ایضاً۔ ص ٣٢) (٢٥٠) (محمد سلیم، ڈاکٹر/ نیا عالمی نظام اور مسلمانوں کا مستقبل، لاہور، شیخ۔ مطبوعات، ١٩٩٦ء۔١٧) (٢٥١) (البقرہ/ ١٢٠) (٢٥٢) (البقرہ: ٢:٢١٧) (٢٥٣) (آل عمران/ ١٤٩۔١٥٠) (٢٥٤) (اقبال/کلیاتِ اقبال، ص ٣٤٣) (٢٥٥) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی/بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ ص ٢٧٨، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد۔ (٢٥٦) خطبۂ حجۃ الوداع کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: بخاری/صحیح بخاری، طبع دہلی، ٢٣٤/١۔ مسلم/صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ٣٩٤/١۔٤٠٠۔ ابوداؤد/سنن ابو داؤد، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ٢٦٢/١۔ ابن ماجہ/سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ص ١٩٤۔ ابن حجر عسقلانی/فتح الباری، الطبعۃ الخیریۃ مصر، القاہرۃ، ص ٢٠/١١۔ احمد بن حنبل/المسند، دارالمعارف مصر ١٩٥١ء، ٦١٨٦/٩۔ علی متقی الھندی

ر کنز العمال فی سنن الأ قوال،مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن۱۹۵۴ء،۱۵۹/۵۔۱۶۶۔ حافظ ابو بکر الھیثمی رمجمع الزوائد ومنبع الفوائد،بیروت،ص۲۶۵۔ص۲۷۴۔ ابن قیم الجوزی رزاد المعاد فی ھدی خیر العباد،مطبعۃ الأ زھریۃ مصر، القاھرۃ ۱۳۶۶ھ۔ ملّا علی القاری رمرقاۃ الفاتیح،مکتبۂ امدادیہ ملتان،۲۹۸/۵۔ ابن ھشام رالسیر ۃ النبویۃ،دارالفکر بیروت،۲۵۳/۴۔ ابن جریر الطبر ی رتاریخ الطبر ی،دارالمعارف مصر، ۱۴۸/۳۔ ابن سعد رالطبقات الکبریٰ،دارالفکر بیروت،۱۷۲/۲، ۱۳۷۶۔ ابن الأ ثیر الجزری رتاریخ الکامل،طبع مصر،۱۴۶/۲۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی ربذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ،سندھی ادبی بورڈ حیدر آبادسندھ،ص۲۷۸۔ الجاحظ رالبیان والتبیین،مطبعہ الا ستقامۃ القاھرۃ ۱۹۴۷ء، ۲۹/۲۔ جلال الدین السیوطی رالاتقان فی علوم القرآن،مصر القاھرۃ ۱۹۵۱ء، ۱۷۸/۱۔ احمد زکی صفوت رجمھرۃ خطب العرب،مصر۱۹۳۲ء، ۱۵۷/۱۔ شبلی نعمانی رسیرت النبیؐ مکتبہ مدنیہ لاہور ۱۴۰۸ھ،۹۳/۲۔۹۴، (۲۵۷) (یاسر ندیم/گلوبلائزیشن اور اسلام،ص ۲۲۷) (۲۵۸) (ایضاً ص ۲۳۰) (۲۵۹) (The Economist, Nov.22.1997 P.108) (۲۶۰) (یاسر ندیم/گلوبلائزیشن اور اسلام،ص ۲۳۱) (۲۶۱) (ایضاً ص ۲۳۳) (۲۶۲) (مسعود مفتی/ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اسلام دشمنی، لاہور،عرفان پبلشر،ص۲۰۴) (۲۶۳) (ایضاً ص ۲۰۶) (۲۶۴) (ایضاً ص۱۴۲) (۲۶۵) (اقبال/کلیاتِ اقبال ص ۳۶۰) (۲۶۶) (ایضاً ص ۵۳۷) (۲۶۷) (اقبال/اسرار رموز ص ۲۸) (۲۶۸) (اقبال/کلیاتِ اقبال ص ۵۳۷) (۲۶۹) (بحوالہ: ترجمان القرآن، ماہنامہ، لاہور، اپریل ۲۰۰۱ء، مضمون: اکیسویں صدی اور ہماری ذمہ داریاں) (۲۷۰) (آل عمران/۱۳۹:۱۴) (۲۷۱) (الصافات/۱۷۲) (۲۷۲) (الصافات/۱۷۳) (۲۷۳) (آل عمران، ۱۶۰) (۲۷۴) (محمد/۷) (۲۷۵) (الحجرات/۱۵۔ نیز دیکھیے: آل عمران۲۰۰، ہود/۱۱۲، حٰم السجدہ/۳۰۔۳۲ الاحقاف/۱۳،۱۴، الطور/۴۸،۴۹) (۲۷۶) (النور/۵۵) (۲۷۷) (اقبال/کلیاتِ اقبال ص ۱۴۰) (۲۷۸) (ایضاً /کلیاتِ اقبال ص ۱۹۴)

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

سعید احمد صدیقی - کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لِلّٰہِ رَبِّ العالمین وَالصَّلوٰۃُ والسَّلام عَلٰی سیّد الرّسل وَ خاتَمِ النَّبِیّینَ اَمّا بعد! کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ......(۱)

تم (اُمت مسلمہ) بہترین اُمّتِ ہو، لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالی گئی ہو تم بھلای کا حکم دیتی ہو اور برائیوں سے روکتی ہو اور اللہ پر تم ایمان لاتے ہو۔

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے   اُمّتِ پہ تری آ کے عجب وقت آن پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتی اُمت کے نگہباں   بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے(۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ اُمت مسلمہ آج شدید مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ اور اس کو وہ چیلنجز درپیش ہیں کہ اگر اس نے صحیح خطوط پر اس سے نبرد آزمائی نہ کی تو اس کو اپنی بقا کا چیلنج درپیش ہوگا، اندرونی اور بیرونی دونوں خطرات سے وہ گھری ہوئی ہے، اندرونی خطرات کو ہم مسائل کے حوالے سے دیکھیں گے جب کہ بیرونی خطرات کو ہم چیلنجز کے ترازو میں پرکھیں گے۔ ہادی برحق، رسول رحمت، نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تا قیامت تک کے مسائل اور چیلنجز کا حل پیش کرتی ہیں۔ اگر اُمّتِ مسلمہ ان سے رہنمائی حاصل کر کے پیارے نبی ﷺ کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہوگی تو نہ صرف وہ مسائل اور چیلنجز سے نپٹ سکتی ہے بلکہ پوری دنیا کو نبی رحمت کے دامن سے وابستہ کر کے رہنمائی و شعور و کشائی حاصل کر سکتی ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی رقم طراز ہیں:

> ''اُمّتِ مسلمہ کو اپنے اساسی مرجع کا تعین کرتے ہوئے اپنے احکامات و تعلیمات کو وہیں سے اخذ کرنے اور اپنی تہذیب و تمدن کو انہی بنیادوں پر استوار کرنے کا اہتمام بھی کرنا ہوگا۔ نیز اختلاف کی صورت میں وہی ہمارا مرجع ہونا چاہئے۔ بلاشبہ ہمارا بحیثیت اُمّتِ مرجع ''دین اسلام'' ہے جس سے مراد کسی خاص زمانے کا اسلام، کسی خاص ملک کا اسلام، یا کسی خاص مسلک کا اسلام نہیں اور نہ ہی کسی خاص مکتبہ فکر کا اسلام ہے، بلکہ دور اولین کا وہ اسلام ہے جو ہر قسم کی بدعات اور ملاوٹ سے پاک تھا۔ یعنی فرقوں میں بٹ جانے سے پہلے کا وہ صحیح اسلام، جو تاویلات و تشریحات کی بھول بھلیوں میں کھو جانے سے پہلے کے دور نبوی ﷺ اور خیر القرون کا اسلام ہے''۔(۳-۱)

اُمّتِ مسلمہ کا مقام و مرتبہ تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن دنیا کے تمام لوگوں کی گواہ ہوگی، جبکہ رسول ﷺ اُمّتِ کے جیسا کہ اشارد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً(۳)

اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو ایک اُمّتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

اُمّتِ مسلمہ عصرِ حاضر میں: انڈونیشیا سے مراکش تک جو وسیع ہلالی حلقہ قائم ہے، وہ زبردست مسلم آبادی رکھتا ہے۔ مسلم انڈونیشیا بحرالکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے، مسلم مراکش بحرمتوسط کے نکڑ کا پہرے دار ہے اور آج اگر جبل الطارق مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہے تو اس کے مقابلے میں مراکش کا شہر طنجہ مسلمانوں کی اہم چوکی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا براعظم افریقہ مسلم اکثریت کا براعظم ہے جہاں باسٹھ فیصد سے بھی زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یونان، اٹلی، اسپین اور فرانس سے قطع نظر کیجئے اور دیکھئے تو بحرمتوسط (بحرۂ روم) عالمِ اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے۔ اس کا ۶۵ فیصد حصہ آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ نہر سویز اور بحرقلزم کی مشہور آبی شاہراہیں بھی مسلمانوں کی ہیں اور وہ خلیج فارس بھی، جس پر ایک مدت سے بڑی طاقتوں کی حریصانہ نظریں لگی ہوئی ہیں، مسلمانوں ہی کی ہے۔ باب المندب بھی مسلمانوں ہی کا ہے اور درہ دانیال اور باسفورس پر ترکی بیٹھا ہوا ہے۔ مشرق میں آتے ہوئے دیکھئے، انڈونیشیا اور ملائشیا کا محل وقوع ایسا ہے کہ جس کسی کو بھی گزرنا ہے، انہی دونوں کے بیچ سے گزرنا ہے۔ پھر آبنائے ملا کا بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور جزائر مالدیپ بھی۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے درمیان بحرعرب کے ساحل پر پاکستان کھڑا ہے اور خلیج بنگال میں بنگلہ دیش۔(۴)

اس خطے کی سیاسی، جغرافیائی اور عسکری اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ چار براعظموں، یعنی امریکہ کو چھوڑ کر ایشیا، افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا کے بری، بحری اور فضائی، راستوں کا باہمی رابطہ اس خطے میں سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔ افریقہ اور ایشیا کے سمندروں اور بحیرۂ روم کی تنگ پٹیاں، جو بین الاقوامی تجارت کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہیں، وہ عالم اسلام میں واقع ہیں۔ عالم اسلام کو یہ شہ رگ دبانے اور بند کرنے کی طاقت بھی حاصل ہے۔ اور اگر یہ ایسا کرنا چاہے تو بین الاقوامی اقتصادی زندگی مفلوج کر کے رکھ سکتا ہے۔ مسلم دینا کی عددی قوت کو مختصراً یوں سمجھئے کہ دنیا میں تقریباً ہر چوتھا آدمی مسلمان ہے۔ دنیا کی کل آبادی ۱۹۸۷ء میں پانچ ارب تھی، جو اٹھارہ سال بعد ۲۰۰۵ء میں ساڑھے چھ ارب سے تجاوز کر چکی ہے۔ مسلمانوں کی کل تعداد ایک ارب چالیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ آزاد مسلم ممالک کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ اسلامی سربراہ کانفرنس کے رکن ممالک کی تعداد ۵۷ ہے۔(۵)

قدرتی اور جغرافیائی فائدے کے علاوہ زرعی اور معدنی دولت بھی مسلم دنیا کو بدرجۂ اتم ودیعت ہوئی ہے۔ دنیا کی کل پیداوار میں مسلم دنیا کی پیداوار کا تناسب ملاحظہ ہو: پٹ سن ۹۰ فیصد، قدرتی ربڑ ۷۰ فیصد، عربی گوند ۸۵ فیصد، مسالے ۹۷ فیصد، کھجور کا تیل ۶۵ فیصد، کپاس ۳۵ فیصد، معدنیات میں سے ٹن ۵۱ فیصد اور فاسفیٹ ۳۲ فیصد۔ یہ بالکل اجارہ داری کی سی صورت ہے۔ اس کے علاوہ کچا لوہا، قدرتی گیس، تانبا، ایلومینیم، کوئلہ، باکسائٹ، مینگانیز، کرومائٹ، یورینیم، سونا

چاندی اور کوبالٹ میں بھی اسلامی ممالک ثروت مند اور زرخیز ہیں۔ پیٹرول کی ضمن میں بھی مسلم دنیا کو ایک طرح کی اجارہ داری حاصل ہے۔ صرف مشرق وسطیٰ میں دنیا کی کل پیداوار کا ۴۰ فیصد نکلتا ہے۔(۶)

مندرجہ ذیل جدول میں امریکہ، بھارت، برطانیہ جاپان، اسرائیل اور چین کی تقابلی فوجی افرادی طاقت کا خلاصہ دینے کے علاوہ مسلم افواج کی مجموعی تعداد بھی پیش کی گئی ہے:

ملک	بری فوج	بحری فوج	فضائی فوج	کل تعداد
امریکہ	۷۳۱۷۰۰	۷۷۹۵۰۰	۵۱۷۴۰۰	۲۰۲۸۶۰۰
بھارت	۱۱۰۰۰۰۰	۵۵۰۰۰	۱۱۰۰۰۰	۱۲۶۵۰۰۰
برطانیہ	۱۴۹۶۰۰	۶۱۸۰۰	۸۸۷۰۰	۳۰۰۱۰۰
جاپان	۱۵۶۰۰۰	۴۴۰۰۰	۴۶۰۰۰	۲۴۶۰۰۰
اسرائیل	۱۳۴۰۰۰	۱۰۰۰۰	۳۲۰۰۰	۱۷۶۰۰۰
چین	۲۳۰۰۰۰۰	۲۶۰۰۰۰	۴۷۰۰۰۰	۳۰۳۰۰۰۰
تمام مسلم ممالک	۳۷۳۹۰۳۰	۲۳۲۷۰۰	۵۲۱۷۰۰	۴۴۹۳۹۳۰

(خاکہ افواجی طاقت)(۷)

فوجی ساز و سامان:

بہت سے مسلم ممالک کے پاس نسبتاً جدید فوجی ادارے موجود ہیں، ترکی، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، شام، ایران اور سعودی عرب نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ دیگر ممالک مثلاً بنگلہ دیش، نائجیریا، مراکش، تیونس، اردن، ملائیشیا، الجزائر اور کویت کے پاس معقول حد تک فوجی ساز و سامان موجود ہے۔ یہ گروپ آپس میں مل کر کام کریں تو افرادی قوت اور روایتی فوجی سامان کے لئے ایک دوسرے کی جملہ ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ مشترکہ طور پر ان گروپوں کی مسلح افواج بہت سے دشمنوں کے مقابلے میں مسلم ممالک کا دفاع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ انفرادی طور پر مسلم ممالک کی یہی فوجیں مختصر، کمزور اور مدد کے لئے غیر ملکی فوجوں کی دست نگر ہیں۔(۸)

بیرونی ٹیکنالوجی پر انحصار: تمام مسلم ممالک جدید ترین ساخت کے فوجی سامان اور ٹیکنالوجی کے لئے کسی نہ کسی حد تک مغرب، روس یا چین پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ اپنے اپنے پاس ترقی یافتہ عسکری، صنعتی اداروں کی موجودگی میں مغربی قوموں کو فنی شعبوں میں مسلمانوں سے کوئی زیادہ خطرہ نہیں۔(۹)

اسلام میں اُمّتِ کا تصور: اسلام میں اُمّتِ کا ایک قومی تصور ہے۔ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی تصور کیا جاتا ہے۔ نظریاتی اتحاد اور وحدت مذہب کی وجہ سے ہم خیال اور ہم مذہب لوگوں میں قدرتی یکجہتی پائی جاتی ہے۔ یہ نہ صرف مسلمانوں میں ہے بلکہ دوسرے مذاہب اور ہم نظریہ لوگوں کے درمیان بھی ہوتی ہے۔ لیکن اسلام اُمّتِ مسلمہ کے اندر مختلف حکومتوں اور مملکتوں کا مخالف نہیں ہے۔ اسلامی سیاسی فکر میں حکومت کی تشکیل کے عمرانی معاہدے کے نظریہ کو تسلیم کیا

جاتا ہے۔ مدینہ میں پہلا اسلامی دستور ایک میثاق کے تحت بنایا گیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں کو جو خطوط تحریر فرمائے تھے ان کے مضمون سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کی مختلف حکومتوں کے وجود کا قائل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں کو یہ یقین دلایا کہ تم اسلام قبول کرلو تو تمہاری حکومت تمہارے پاس ہی رہے گی۔ جدید دور میں یہ تصور کافی وسیع ہوگیا ہے۔ اب کوئی شخص ایک سے زیادہ حکومتوں کا شہری ہوسکتا ہے اور وہ جس ملک میں ہوگا اس کے قانون اور دستور کا پابند ہوگا۔ مسلمانوں نے حبشہ میں جو رویہ اختیار کیا تھا اس سے بھی یہی اصول نکلتا ہے۔(۱۰)

اہل مغرب کا نامناسب اعتراض: لیکن تعجب ہے کہ اہل مغرب اور اکانومسٹ کے محققین کو اُمّتِ مسلمہ کا تصور چبھتا ہے۔ ایک ہندو جہاں بھی ہو وہ ہندو ہوسکتا ہے اور کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ ایک یہودی جہاں بھی ہو وہ یہودی ہوسکتا ہے اور یہودی ریاست کے لئے دنیا کے یہودی فنڈز بھی فراہم کرسکتے ہیں اور افرادی قوت بھی فراہم کرسکتے ہیں بلکہ ایک یہودی اپنے مذہب کی وجہ سے اسرائیل کا شہری تصور کیا جاتا ہے اور اسے شہریت دی جاتی ہے اور فلسطین کے اصل باشندوں کو کیمپوں میں رہنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اپنے ملک فلسطین میں صرف پرمٹ پر داخل ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ جائز اور معقول ہے مگر مسلمانوں کا اپنے آپ کو ایک اُمّتِ کہنا غداری ہے۔(۱۱)

موجودہ صورتحال:

اب جاکر انسانوں نے کچھ علاقائی تنظیمیں قائم کی ہیں۔ یورپی یونین، امریکن یونین، سارک، آسیان وغیرہ لیکن ابھی تک وہ اُمّتِ مسلمہ یا اسلام کی بنیاد پر کوئی اتحاد بنانے کی اجازت نہیں دے رہے یا اس تصور کو وہ پسماندہ تصور سمجھتے ہیں حالانکہ علاقائی، لسانی اور نسلی اتحاد سے نظریاتی اور دینی اتحاد بہت ہی مضبوط ہوتا ہے۔ حالانکہ اسلام واحد اُمّتِ کا تصور انسانی اتحاد کے لئے دیتا ہے کسی حکومت کے قیام کے لئے نہیں۔(۱۲)

قومی حکومتیں اور معاشی جزیرے:

اسلام کا معاشی تصور یہ ہے کہ تمام دنیا اور اس کے معاشی خزانے تمام انسانوں کے لئے ہیں اور جنت اور دوزخ بھی تمام انسانوں کے لئے ہیں۔ دنیا کی معاشی تقسیم اور آخرت میں فلاح وخسران کا تصور زبان، نسل اور علاقے کی بنیاد پر نہ ہوگا۔

اسلام جب بھی دنیا پر ایک غالب قوت ہوگا تو ایسے ذخائر جن کا تعلق پوری انسانیت سے ہے اس کے لئے مناسب بین الاقوامی اتھارٹی قائم کرے گا، جس طرح الناس شرکاء فی الماء والکلاء والنار (کہ لوگ پانی، گھاس اور آگ میں شریک ہیں) پانی تو عام ہے۔ کلا اور النار میں وہ تمام چیزیں آسکتی ہیں جو پاور اور انرجی کا کام دیتی ہیں۔(۱۳)

اُمّتِ کے بجائے قومیت کا تصور:

مسلمانوں کو اُمّتِ متحدہ اور ملت واحدہ بنائے رکھنے کا راز، اسلامی قومیت، کے تصور میں مضمر تھا۔ اس پر جغرافیائی وطنی قومیت کے تصور کی فکری یلغار ہوئی، ملت نے اسے بحالت اکراہ ہی گوارا نہیں کیا بلکہ بہ شرح صدر اسے پسند اور قبول

بھی کرلیا۔ اب وطنی قومیت پرستی اس کا متوازی یا ذیلی دین بن گئی اور وطن ایک ایسا خدا بن گیا ہے جس کا تعارف اقبال نے ''ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے'' کے الفاظ میں کرایا تھا۔ اس کے اثرات ونقصانات عالمی المیوں اور بحرانوں کی شکل میں اظہر من الشمس ہیں۔ الگ الگ اوطان میں منقسم ومنتشر۱۴۰ کروڑ مسلمانوں کی اکثریت ۶۲،۶۰ ایسے حکمراں سرداروں کی رعیت میں ہے جن میں سے بیش تر دشمنان اسلام کے حلیف یا مملوک ہیں۔ اب اس بت سے بے زاری کے مظاہرے کی رسم صرف سال میں ایک بار پانچ دن کے لئے دوانِ حج باقی رہ گئی ہے۔(۱۴)

مغرب کی تہی دامنی اور تجدد اصطلاحات کا فتنہ اُمتِ مسلمہ کے مقابلے میں: اُمتِ مسلمہ کے مقابلے میں دور جدید کا مغرب، فکری اور اخلاقی لحاظ سے تہی دامن ہے۔ اس کے پاس تعمیر سیرت وکردار کا کوئی خاکہ نہیں ہے۔ اس کا علم معاشیات اور سماجیات، اس کا فلسفہ اور اس کا ادب، اس وقت محض نئی اصطلاحات کے سہارے زندہ ہے۔ وہ مقومات اور معانی جو ہمیشہ سے مہذب انسانیت کی شناخت رہے ہیں، ان کو محض جدید اصطلاحات کا جامہ پہنادیا جاتا ہے۔ انہیں اصطلاحات میں گلوبائزیشن (Globilisation)، امپاورمنٹ (Empowerment)اختیار بخشی اور بے شمار ایسی اصطلاحات ہیں جو بے معنی ہیں یا محض ہمہ دم تجدد کی جو یا انسانیت کی تشفی کا سامان بہم پہنچاتی ہیں۔

مغرب، تازگی فکر ونظر کے لحاظ سے تہی دام کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مغرب کی تمام تر کاوش صرف سائنس اور ٹیکنالوجی پر مرکوز ہے۔ مغرب نے ان اخلاقی اور سماجی بنیادوں سے صدہا برس پہلے اپنا تعلق توڑ لیا تھا۔ جو اس کے سماج کو استحکام بخشتی تھی، اور سیرت وکردار کی تعمیر کرتی تھی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کو اپنا واحد ہدف قرار دینے کے بعد، جب مغرب کو اس امر کا احساس ہوا کہ سماجی اور معاشی میدانوں میں افکار تازہ کا قحط ہے، تو اس نے تجدد اصطلاحات کا آسان راستہ اختیار کرلیا ہے۔(۱۵)

مغربی طاقتوں کا مشترکہ ایجنڈا- اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے حوالے سے مختصر جائزہ:

لیکن حقیقت اتنی سادہ نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کے غلبہ کا ایک ایجنڈا اور ہے جو تمام مغربی طاقتوں کا مشترکہ ایجنڈا ہے۔ وہ ہے مغرب کی تجارتی اور معاشی برتری۔ اس کی تہذیب اور ثقافت کا غلبہ، نیا عالمی نظام (New World Order) ہئیت اور طریق کار کی تبدیلی کا نام نہیں ہے، بلکہ مغربی انداز اور تصور کا غلبہ اور ان کی اشاعت ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ متعدد حربے اختیار کرتا ہے، جس مین ایک حربہ نئی اور خوش نما اصطلاحات کا لبادہ اُڑھا کر ان خیالات اور تصورات کو قابل قبول بناتا ہے جن سے عام انسانیت ابا کرتی رہی ہے تاکہ اباحیت اور جنسی آزادی، جیسے تصورات بھی عام ہو جائیں۔ اقوام متحدہ کی بین الاقوامی آبادی فنڈ کی کانفرنس نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ گلوبائزیشن بھی درحقیقت عالمی غلبے کا ایک خوشنما رنگ ہے تاکہ بقول جگر مرادآبادی:

میں چمن میں چاہے جہاں رہوں — مرا حق ہے فصل بہار پر

جنسی مساوات (Gender Equality) کے تحت سیکس کی آزادی اور خاندان کی تباہی و بربادی کے لئے واحد پیرنٹ فیملی (Single Parent Family) کی اصطلاح درحقیقت ان گھناؤنی اقدار کا خوش رنگ لباس ہے، جو مغرب

برآمد کرنا چاہتا ہے۔(۱۶)

گلوبلائزیشن اور اس کے مضمرات اُمّتِ مسلمہ پر:

بیسویں صدی جاتے جاتے ایک اور بھی تحفہ دے گئی ہے جو بظاہر نہایت خوش نما ہے لیکن بہ باطن اتنا ہی خبیث ہے۔ وہ تحفہ معیشت کی عالمگیریت کا ہے۔ جس کا مفہوم آزاد تجارت ہے، قوانین وضوابط کی کمی ہے، معاشی سرحدوں کو کھول کر بین الاقوامی سطح پر سرمایہ اور مشین کی آمدورفت کو بے روک ٹوک فروغ دینا ہے۔ کمپیٹیشن کو ہر شعبہ زندگی میں ممکن بنانا ہے، مگر یہ پوری حکمت عملی امیر ممالک کے لئے انتہائی مفید ہے، لیکن غریبوں کے لئے مفید کم ہے اور نقصان دہ زیادہ! کمپیٹیشن اگر امیر اور فاقہ مست کے درمیان ہو تو وہ کمپیٹیشن نہیں کہلاتا۔ اس کا ایک ثبوت وہ تمام معاہدے ہیں جو گزشتہ دو دہائیوں کے درمیان ہوئے ہیں، جن کا آخری کرشمہ ''بین الاقوامی تجارتی تنظیم'' WTO کی شکل میں دیکھنے میں آیا ہے۔ اگرچہ ورلڈ ڈیولپمنٹ رپورٹ ۱۹۹۹ء کے مطابق گلوبلائزیشن کا مخالف رجحان لوکل تمناؤں اور آرزوؤں کی شکل میں بھی جنم لے رہا ہے۔

اُمّتِ مسلمہ پر سود کا شکنجہ:

قطع نظر اور دوسرے پہلوؤں کے، عالمی معیشت کا ایک اہم رخ وہ مالیاتی نظام ہے جس کے سامنے تیسری دنیا کے تمام ممالک بے بس ہوگئے ہیں۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ اسی کے ذریعہ پوری دنیا پر معاشی استعمار اپنے پنجے گاڑ رہا ہے۔ یہ اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے، یہ مالیاتی نظام اپنی تمام خوبیوں (بلکہ خباثتوں) کے ساتھ اکیسویں صدی میں وارد ہوگا، جیسا کہ بنکوں، منجمنٹ کے اداروں، مالیاتی سنگھ پریورا (WB & IMF) کے بیانات، اقدام اور مجوزہ پالیسیوں سے بھی ظاہر ہے، اور تیسری دنیا کے ممالک کی بے بسی سے بھی۔(۱۷)

ہمارے حکمرانوں کی روش:

جب اُمّتِ مسلمہ یا اس کی قیادت اپنے خصوصی کردار سے بے نیاز ہوکر اپنا منصوبہ بناتی ہے تو اس کی بصیرت بھی سلب ہو جاتی ہے۔ اس کے کردار کا استحکام بھی ختم ہو جاتا ہے، اس کی تمیز خیر وشر ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان ملکوں کی حکومتوں نے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنے بیش بہا انسانی وسائل ضائع کیے۔ کتنوں کو ذبح کیا، کتنوں کی زبان بند کی۔ اپنے ہی بہترین سائنس داں، قانونی ماہرین، پروفیسر، صحافی، علماء اور فقہاء کو یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا یا انہیں ملک بدر ہونے پر مجبور کردیا۔ شام سے الجانی، علی الطنطاوی، اس کی اہم مثال ہیں۔ مصر کے سید قطب اور حسن البنا دوسری مثالیں ہیں۔ اور کتنی ہی ایسی مثالیں ہیں جن کا ریکارڈ حاصل کرنا بھی مشکل ہے۔ ہوش مند ملتیں اپنے انسانی سرمایہ کی قدر کرتی ہیں، اور بے وقوف کاسہ لیس ان کو اپنے آقا کی نذر کردیتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

رنگِ گل کا ہے سلیقہ، نہ بہاروں کا شعور آہ کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے

ہمارے ملک عزیز میں بھی اسلامی تعلیمات سے بے نیاز ایجنڈے بنائے گئے۔ کسی نے بیلداری کو مسلمانوں کے امراض کا علاج بتایا، کسی نے سودیشی تحریک اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ کسی نے ملک کی تقسیم کو شافی قرار دیا۔ مگر حاصل کیا نکلا؟ (۱۸)

اُمّتِ مسلمہ کا کردار۔ قرآنِ کریم کی روشنی میں:

اسلامی تعلیمات اُمّتِ مسلمہ کی قوت کا سرچشمہ ہیں۔ اسلامی کردار میں ایسی کشش ہے جو دشمنوں کے قلب کو متاثر کرتا ہے۔ جس نے ان کو خیرباد کہا، وہ چاہے جتنی کوشش کرلے، وہ مقام واپس نہیں لاسکتا جس پر یہ ملت فائز تھی۔ ملت اسلامیہ کا ایجنڈا واحد نکاتی ایجنڈا ہے۔ اس ایجنڈے کی تعمیل اور تنفیذ کے لئے اس کی بعثت ہوئی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً ط (۱۹)

اور اسی طرح تو ہم نے مسلمانو تم کو ایک اُمّتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔

اس دنیا میں حق کی شہادت دینا اس کا مقصد وجود ہے۔ اس لئے تمام انبیاء پیدا کئے گئے تھے۔ اور اب اس فریضہ کی ادائیگی اس ملت کا فریضہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ (۲۰)

اس فریضہ کی ادائیگی سے اس کی عزت اور وقار وابستہ ہے۔ اس کی عالمی ہیبت ہمیشہ اس بے لاگ پیغامِ حق سے وابستہ تھی اور آئندہ بھی اس سے وابستہ رہے گی۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (۲۱)

عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۲۲)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔

اس پیغامِ حق کے پہلے مخاطب خود مسلمان ہیں۔ بنی اسرائیل کا جرم یہی تھا کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (۲۳)

تم دوسروں کو نیکی کا راستہ دکھاتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟

اُمّتِ مسلمہ ہی وہ واحد جمعیت ہے جو عدل و انصاف پر قائم کی گئی تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ۔(۲۴)

اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو۔

اور یہی وہ صدا ہے جو کردار کو ایسی مستحکم بنیاد عطا کرتی ہے اور اسے رفعت انسانی کے ایسی خوشگوار وادیوں میں پہنچا دیتی ہے جو کسی کو میسر نہیں ہے۔ یہ صدائے توحید ہے اور غایت تعمیر، دنیا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِيْ السَّمَاءِ ۞تُؤْتِيْ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ط(۲۵)

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہو اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہوں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔

اس دور میں آپ کا سب سے اہم وظیفہ یہی ہونا چاہئے کہ آپ انسانیت کو اس نعمت سے واقف کرائیں کہ ان کی گم گشتہ جنت کی بازیافت اسی سے وابستہ ہے۔

یہی وہ وظیفہ ہے جو مومن بندے کو مسلسل جہاد کرنے پر آمادہ کرتا ہے، ہمہ رخ مجاہد بناتا ہے۔ مسلمان کبھی کاہل اور سست گام نہیں ہوتا، بلکہ ہمہ دم رواں دواں سیلاب ہے، اس کا کردار! مسلمانوں نے محنت کرنے کا شیوہ چھوڑا جب وہ اس وظیفہ کو بھول گئے۔ جب انہوں نے اس دین کو صرف آخرت کا ایجنڈا تصور کرلیا اور دنیا کو بھول گئے۔ حالانکہ ان کے رب نے انہیں جو دعا سکھائی تھی وہ یہ تھی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِيْ الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۞(۲۶)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔

اگر یہ ملت، علم سے اسی طرح وابستہ رہتی جس طرح اس کا دین متقاضی ہے، تو آج ہم ملت اسلامیہ کی وسعت جہالت پر نوحہ خواں نہ ہوتے، اس واحد نکاتی ایجنڈے کی اساس علم ہے۔ اس کی عافیت حقیقی، علم کا فروغ ہے۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک خداترس بندے وہی ہوتے ہیں جو علم وخبر سے بہرہ ور ہوں۔

اُمت مسلمہ کے خلاف تہذیبی اور ثقافتی یلغار اور اس کے اہداف و مقاصد:

سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، اسریٰ نعمانی، امینہ ودود، نوال السعادی وغیرہ مسلم معاشرے کے ایسے فتنے ہیں جنہوں نے اپنی فتنہ انگیزی کی ابتداء لبرل ازم مساوات مرد وزن، مسلم معاشرے کے گھٹن جیسے موضوعات پر مضامین لکھنے اور لیکچر دینے سے کی۔

اسلام دشمن پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے ان افراد کو منظر عام پر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ لوگ ایسے نام نہاد ایشوز پر بات کرتے ہیں، جس سے مسلم حلقوں میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ اس قسم کے فتنے اسلام کی اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ ابھی امینہ ودود کے فتنے نے سر اٹھایا تھا کہ ایک نیا فتنہ اور اسلام کا نام نہاد مفکر اور اسلام کے جدید

ایڈیشن کے دعوے دار نے سر اٹھالیا۔ یہ شخص طاہر اسلم گورا ہے۔ طاہر اسلم گورا ٹورانٹو کینیڈا میں New Islam Foundation اور Independent Muslim Media Net Work کا بانی ہے۔ اس سے پہلے یہ شخص ٹورنٹو کینیڈا سے ہفت روزہ ''وطن'' شائع کرتا رہا، جسے فرزندانِ اسلام نے اسلام دشمنوں اور مسلمان دشمن 'نفت روزہ'' قرار دیا۔ بنیادی طور پر یہ شخص افسانہ نگار اور ناول نگار ہے، پاکستان سے اس شخص نے افسانوں کے مجموعے چھپ چکے ہیں، اس کے ناولوں اور شعری مجموعوں کے روسی، ازبک اور انگریزی زبانوں میں تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے اس کاموں میں Pan Canadian Journalists for free Writers Union of Canada Expression جیسے ادارے اور دیگر بین الاقوامی اداروں اور تنظیمات نے ان کا بہت ساتھ دیا۔ اس کا انتہائی متنازعہ کام ''نئے اسلام کا اعلان'' کینیڈا اور امریکہ کے غیور مسلمانوں میں کڑی تنقید کا نشانہ بن رہا ہے اور اس کے اسلام دشمن افکار و نظریات کی مختلف ذرائع سے اشاعت پر شدید غم وغصہ پایا جاتا ہے۔(۲۷)

۱۱ر ستمبر کا واقعہ۔ حقائق کیا ہیں؟:

سانحہ گیارہ ستمبر کے بعد طاہر گورا نے نیا اسلام New Islam کے نام سے ایک نئی مہم جوئی شروع کر دی ہے۔ اس مہم پر بھی قادیانی پشت پناہی کا الزام ہے۔ کینیڈا سے اسلام پر چھپنے والی متنازعہ کتاب The Trouble With Islam جس کی مصنفہ ارشاد مان جی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی طاہر گورا نے کیا اور طبع کروایا۔ اس اردو ترجمے کا نام ''دھتکاری مسلمان کیسے بنی'' رکھا گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسریٰ نعمانی، امینہ ودود، ارشاد مان جی، طاہر گورا یہ بڑے گہرے اور بے تکلف دوست ہیں۔ میرے پیش نظر طاہر گورا کا طویل ترین مضمون ''کیا اسلام جدید ضابطہ حیات بن سکتا ہے؟'' جس میں اس نے اسلام میں جدیدیت، ماڈرن ازم، اعتدال پسندی، روشن خیالی کا خوب خوب تڑکا لگایا ہے۔ مضمون پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ نام نہاد دانشور اور افسانہ نگار اسلام دشمنی میں کس سطح پر اترا ہوا ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان شہرت کے بھوکے، پیسے کے پجاری، لوگوں کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ گئی ہے کہ گیارہ ستمبر کے سانحے کے بعد جو بھی اسلام اور مسلمانوں پر حملے کرے گا فائدے میں رہے گا اور ان لوگوں کو اس بات کا بھی ادراک اور شعور ہے کہ اسلام میں جدید رجحانات کی مہم چلانے کے لئے اسلام میں نت نئی ترجیحات کا تعین کرنے کے لئے اور اسلام کی انوکھی تشریحات پیدا کرنے کے لئے امریکہ اور کینیڈا سے زیادہ کوئی موزوں مقام نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کا محافظ ہے۔

نورخدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا(۲۸)

صلیبی جنگوں کے اثرات اور تاریخی حقائق:

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اُمتِ مسلمہ کے یہ باغی اور اسلام میں جدیدیت کا تڑکہ لگانے والے اسلام کا نیا ایڈیشن پیش کرنے والے نئے لوگ نہیں ہیں۔ ایسی کوششیں پہلے بھی کی جاتی رہی ہیں، پچھلے دشمنان اسلام کا تو ذکر ہمیں تواریخ میں مل جاتا ہے، لیکن ان کی داستان تک نہ ہوگی، داستانوں میں۔ مذہبی انتہاپسندی کے مظاہر دنیا میں کل بھی

موجود تھے، آج بھی موجود ہیں اور رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ مشہور برطانوی مفکر ومورخ برناڈ شا نے لکھا ہے:

''میں کسی ایسے دین یا اجتماعی نظام کو نہیں جانتا جو اس قسم کے عمدہ قوانین اور تعلیمات پر مشتمل ہو جن پر اسلام مشتمل ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ آئندہ سو سال میں برطانیہ اور یورپ اسلام کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے''(۲۹)

معروف انگریز دانش ور تھامس کارلائل نے لکھا ہے:

''قرآن کریم کے احکامات اس قدر عقل وحکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرسکتا ہے''۔

غیر مسلم دانشوروں کا بے لاگ تجزیہ

ڈاکٹر کراہل لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں عقاید، اخلاق اور ان کی بناء پر قوانین کا مکمل مجموعہ موجود ہے، اس میں ایک وسیع سلطنت کی بنیادیں رکھی گئی ہیں۔ تعلیم، عدالت، حربی انتظامات پر مشتمل نہایت محتاط قوانین موجود ہیں۔''

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا ہے کہ:

''وہ وقت دور نہیں جب قرآن کریم اپنی مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کرلے گا''۔

پروفیسر ڈاکٹر ہربرٹ لکھتے ہیں:

''قرآن کریم اخلاقی ہدایات، اور حکمت و دانائی کی باتوں سے لبریز ہے۔ قرآن کریم نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی ہے، جن افراد نے اس کے مضامین پر غور کیا ہے وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ وہ ایک مکمل قانون ہدایت ہے، انسانی حیات کی کوئی بھی شاخ لے لیں ناممکن ہے کہ اس شعبے میں اس کی تعلیمات رہنمائی نہ کرتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو ایک سمجھ دار آدمی بیک وقت دنیوی اور روحانی ترقی کرسکتا ہے۔''(۳۰)

مجھے امریکہ کے ان غیور مسلمان خواتین وحضرات کی اس بات سے سو فیصد اتفاق ہے کہ اگر یورپ، امریکہ کے مسلمانوں نے فکر و تدبر سے اسلام کے ان باغیوں کی تحریر کو پڑھا تو وہ اپنے مذہب وعقیدے پر اور بھی مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے، مذہب فطرت کی آواز ہے اسے نہ ''نیا اسلام'' کی آواز ختم کرسکتی ہے نہ جدیدیت ختم کرسکتی ہے اور نہ ہی روشن خیالی کی صدائیں اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں۔(۳۱)

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ(۳۲)

اللہ تعالیٰ کی سنت انسانوں کے بارے میں:

قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ایک سنت ہے۔ قرآن کریم سے انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہمارے سامنے آئی ہے وہ یہ ہے:

☆...... اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہی اس کا خالق و مالک اور رب ہے۔(۳۳)

☆...... انسان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں عبد (بندہ و غلام) کی ہے اور اسے یہی زیبا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مالک و آقا کی خوش نودی چاہے اور اس کی عبادت و اطاعت کرے۔(۳۴)

☆...... اس زمین اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبد ہے۔(۳۵)

☆...... زمین اور کائنات کی ہر چیز طبعاً (Per Force) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کر رہی ہے صرف انسان اور جن دو مخلوقات ایسی ہیں جنہیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔(۳۶)

☆...... انسان کو زمین اور کائنات میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہے اور ہر چیز اس کی دسترس میں رکھی گئی ہے۔(۳۷)

☆...... انسان عبد ہونے کے باوجود خلیفۃ اللہ انہی معنوں میں ہے کہ اسے مذکورہ بالا دونوں طرح کے اختیارات حاصل ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اپنی زندگی گزارنے میں خود مختار ہے، چاہے تو اپنی مرضی سے گزارے اور عبد ہونے کا انکار کردے اور چاہے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزارے۔ دوسرے یہ کہ وہ چاہے تو کائنات میں تصرف کرے اور چاہے تو نہ کرے یا چاہے تو اپنی مرضی سے تصرف کرے اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے صرف نظر کرلے یا چاہے تو یہ تصرف اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرے۔(۳۸)

☆...... اللہ تعالیٰ نے انسان کے عبد ہونے کی حقیقت کا احساس اس کی فطرت میں رکھا ہے، یعنی انسان اگر اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کا رویہ اختیار نہیں کرتا تو گویا اپنی فطرت سے لڑتا ہے اور اس کا یہ رویہ کائنات کی ہر شے کے رویے سے متصادم اور اس سے عدم آہنگ ہوتا ہے۔(۳۹)

☆...... انسان اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے بلکہ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اس کا نظام یہ ہے کہ انسان کمزور پیدا ہوتا ہے، پھر وہ بتدریج قوت پکڑتا ہے، پھر خود بخود اس کے قویٰ میں انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ مر جاتا ہے۔(۴۰)

☆...... اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی بتایا ہے کہ دنیا کی یہ مختصر زندگی اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے اور اس کا امتحان اس امر میں ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رویہ اختیار کرتا ہے یا نہیں۔ اس کو صحیح فیصلے تک پہنچنے میں مدد دینے کے لئے اللہ تعالیٰ انسانوں ہی میں سے بعض کو اپنے نمائندے کے طور پر مقرر کرتا ہے اور انہیں تفصیلی رہنمائی مہیا فرماتا ہے تاکہ وہ انسانوں کو اچھی طرح سمجھا سکیں...... تاکہ انسان درست فیصلہ کرسکیں۔(۴۱)

☆...... اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا ہے کہ دنیا کی اس عارضی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جو ہمیشہ کی زندگی

ہوگی، وہاں انسان کو دنیوی زندگی میں اختیار کردہ رویے اور اعمال کا حساب دینا ہوگا۔(۴۲)

☆...... اور یہ بھی کہ انسان اگر یہ دنیوی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے گزارے گا تو اُخروی زندگی میں اسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور اسے ہر قسم کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے نوازا جائے گا۔(۴۳) اور اگر انسان یہ دنیوی زندگی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گزارے گا، اور اپنی مرضی سے یا اللہ کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق گزارے گا، تو اسے اخروی زندگی میں اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرنا ہوگا اور وہ بدترین سزا کا مستحق ہوگا۔(۴۴)

انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اسکیم کے ان بنیادی نکات کی وضاحت کے بعد آیئے اب غور کرتے ہیں کہ انسانوں کے عروج و زوال کے بارے میں اس کی سنت کیا ہے؟ یہاں ہمیں فرد اور معاشرے میں فرق کرنا ہوگا کیونکہ دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت الگ الگ ہے۔(۴۵)

افراد کے عروج و زوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت: ☆......اللہ تعالیٰ کے سامنے انسان کی ذمہ داری اور آزمائش اس کی انفرادی حیثیت سے ہے اور آخرت میں ہر انسان کو اپنے ذاتی اعمال کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی، نہ کہ دوسروں کے بارے میں۔ گویا یہ ذمہ داری انفرادی ہے، اجتماعی نہیں اور فرد مسئول ہوگا نہ کہ قوم اور معاشرہ۔(۴۶)

☆......فرد کی صلاحیتوں کا عروج و انحطاط اکتسابی نہیں طبعی ہے یعنی کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ جوان نہ ہو یا پھر بوڑھا نہ ہو اور اسے موت نہ آئے بلکہ یہ سب کچھ قانون قدرت کے تحت طبعی طور پر اور خود بخود ہوتا رہتا ہے۔(۴۷)

☆...... اگر فرد اللہ کی اطاعت کا دم بھرتا ہو اور معاشرہ اللہ سے نافرمانی کی راہ پر چل رہا ہو تو ظاہر ہے یہ فرد دنیا میں ترقی وعروج نہیں پاسکتا بلکہ اسے معاشرے کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اغلب یہ ہے کہ دکھ اور تکلیف کی زندگی بسر کرنا پڑے گی، گو اسے یہ اطمینان قلب حاصل ہوگا کہ وہ مقدور بھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے۔(۴۸) اور آخرت کی کامیابی تو انشاء اللہ اس کے لئے ہوگی ہی۔(۴۹)

☆...... یہاں یہ یاد رہے کہ اسلام کے نزدیک کامیاب انسان وہ ہے جو آخرت میں کامیاب ہو، خواہ دنیا میں اسے اسباب زندگی وافر نہ بھی ملیں اور یہاں وہ ترقی وعروج نہ بھی پاسکے، بلکہ خواہ اسے یہاں دکھ اور تکلیفیں ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔(۵۰) اسی طرح اسلام کے نزدیک ناکام انسان وہ ہے جو آخرت میں ناکام ہو خواہ دنیا میں بظاہر وہ ترقی وعروج پر ہو، اسے اسباب دنیا وافر ملیں اور وہ دنیا کی نعمتوں سے خوب بہرہ ور ہو۔(۵۱) اس اسلامی اصول کی وجہ نہایت معقول اور منطقی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے نزدیک یہ دنیا عمل کی جگہ ہے نتیجے کی نہیں۔ لہٰذا عمل کی جگہ پر کامیابی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرے اور ناکامی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل نہ کرے۔ رہے اسباب دنیا تو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا وہ تو کافر اور مسلم سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے فراہم کئے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر دنیا کی زندگی کا امتحان گاہ ہونا بے معنی ہو جاتا ہے۔(۵۲)

اگر اُمّتِ مسلمہ اجتماعی طور پر اپنے اپنے معاشرہ میں طویل منصوبہ بندی کے تحت تعلیم، ٹیکنالوجی، تحقیق سیاسی

استحکام، طاقتور میڈیا کے اجراء اور اتحاد اُمّت کے لئے کام کرے تو ہم مسائل اور چیلنجز پر قابو پا سکتے ہیں۔

تعلیم و تربیت:

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا، جب تک اس میں تعلیم عام نہ ہو۔ تعلیم سے مراد ہے شیوع علم اور اس میں ہر قسم کی تعلیم شامل ہے۔ دینی اور دنیوی، بنیادی او راعلیٰ، نظری اور عملی، تجربہ و تحقیق پر مبنی ہو یا عقل و فکر پر۔ تعلیم ہی کے عظیم ہتیار کے ذریعے ہم مسائل اور چیلنجز پر قابو پا سکتے ہیں، اس لئے ہم تعلیم کے حوالے سے کچھ گفتگو کریں گے۔

حسن اتفاق دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کے طور پر جس شخص کا انتخاب کیا وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا۔ ''اور اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کس کو منتخب کرنا ہے''۔ (۵۳) لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے اس پیغمبر پر پہلی وحی بھیجی تو اسے پڑھنے ہی کا حکم دیا۔

اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ (۵۴)

پڑھو اور یقین رکھو کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ وہی ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یعنی پیغام ہدایت بھیجنے والا بھی معلم اور العلیم اور جو پیغام بھیجا گیا وہ یہ کہ ''پڑھو'' اور پھر ڈیوٹی یہ لگائی کہ ''دوسروں کو پڑھاؤ''

کَمَا أَرْسَلْنَا فِیکُمْ رَسُولاً مِّنکُمْ یَتْلُوا عَلَیْکُمْ آیَاتِنَا وَیُزَکِّیکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُم مَّا لَمْ تَکُونُواْ تَعْلَمُونَ ○ (۵۵)

اور ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول (ﷺ) بھیجا ہے، جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے، تمہیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

چنانچہ اس پیغمبر کی ساری عمر تعلیم میں ہی گزر گئی اور تحدیث نعمت اور اظہار حقیقت کے طور پر فرمایا کہ میں تو ہوں ہی معلم (انما بعثت معلّما) (۵۶) اور آخری عمر میں جب حج کے موقع پر سارے مسلمان اکھٹے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے؟ تو سب نے کہا ''ہاں''۔ اس پر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور عرض کیا، ''اے اللہ! گواہ رہنا'' (۵۷) یہ تھے پیغمبر اسلام، معلم انسانیت۔ اور اسلام میں علم کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس لئے کہ صحیح علم کے بغیر آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے اور نہ اس کائنات میں اپنی حیثیت کو۔

وَالرَّاسِخُونَ فِیْ الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ کُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ ○ (۵۸)

اور جو لوگ پختہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم (متشابہ آیات پر بھی) ایمان رکھتے ہیں کیونکہ سبھی طرح کی آیتیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہوں۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌO(۵۹)

بے شک اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہوں۔

اسی لئے قرآن نے فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔(۶۰) بلکہ اہل علم کا درجہ تو بہت بلند ہے۔(۶۱) اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے، چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں: طلب العلم فريضةٌ علىٰ كل مسلم(۶۲) لیکن اس سے یہ نہیں سمجھا جائے کہ اس حکم میں صرف دینی علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے بلکہ بنیادی علم یعنی لکھنا پڑھنا جاننا بھی اس سے مراد ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اور مدینے میں بھی ایسے لوگ کم تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کمی کو پورا کرنے کا اتنا خیال تھا کہ بدر میں جو پڑھے لکھے قیدی تھے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں، چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت جیسے عالم نے اس موقع پر ہی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔(۶۳) اس میں سائنسی تعلیم بھی شامل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلْ سِيْرُوا فِيْ الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَO(۶۴)

اے نبی (ﷺ) ان سے کہو کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور مسلمانوں کو مظاہر فطرت کے مشاہدے پر ابھارتا ہے:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِيْ الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَO(۶۵)

بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا، دن اور رات کا بدلنا، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا تیرنا اور ان سے لوگوں کا فائدہ اٹھانا، آسمان سے بارش کا برسنا اور اس کے ذریعے زمین کا زندہ ہو جانا، روئے زمین پر طرح طرح کے جانوروں کا پایا جانا، ہواؤں کا چلنا اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کا حکم کے تابع ہونا، یہ ان لوگوں کے لئے اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور مسلمانوں کو کائنات کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ تمہارے لئے ہی تو بنایا ہے:

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِيْ الْأَرْضِ۔(۶۶)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے۔

زبان دانی اور دوسرے امور میں غیروں سے استفادہ:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُم مَّا فِيْ الْأَرْضِ جَمِيْعاً(۶۷)

اور اسی (اللہ) نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

اس میں دوسری زبانیں سیکھنا بھی شامل ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ عبرانی سیکھو تو انہوں نے تھوڑے سے عرصے میں عبرانی زبان سیکھ لی۔(۶۸)

اس میں دینی تعلیم کے علاوہ دوسرے امور میں غیروں سے استفادہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا یعنی علم وحکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ جہاں سے بھی ملے وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے۔(۶۹)

اسی میں نظری تعلیم ہی نہیں عملی فنون بھی شامل ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ میں نیزہ بازی اور تیراندازی کی مشقوں کی تحسین فرمائی۔(۷۰)

اس میں تربیت وتزکیہ بھی شامل ہے یعنی تعلیم سے مقصود محض علم دینا نہیں بلکہ اس علم کے مطابق شخصیت کی عملاً تعمیر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض گنوائے وہاں تعلیم کے ساتھ تزکئے کا ذکر ضرور کیا ہے، دیکھئے بطور مثال:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِيْ ضَلالٍ مُّبِيْنٍO(۷۱)

بے شک اللہ نے اہل ایمان پر احسان کیا کہ انہی میں سے ان کے درمیان ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا، ان کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

قرآن کریم وسنت مبارکہ کی ان تعلیمات اور ان پر عمل ہی کا یہ اعجاز تھا کہ بہت جلد مسلمانوں میں شرح خواندگی سو فیصد ہوگئی، جگہ جگہ مدارس کھل گئے، بلکہ ہر مسجد ایک مدرسہ بن گئی اور آنے والی صدیوں میں مسلمانوں نے نظری اور سائنسی علوم میں محیر العقول ترقی کی۔

تعلیم خود مقصود ہے:

اسلام کی نظر میں تعلیم خود مقصود ہے، اسلام وہ واحد مذہب ہے جو تعلیم کو وسیلہ اور سبب نہیں، خود مقصد ومقصود قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کو ایک دینی فرض(۷۲) مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

''دنیا نے علم کو ہمیشہ وسیلہ سمجھا، مگر مسلمانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علم کو کبھی وسیلہ نہیں سمجھا بلکہ مقصد سمجھا، علم دین وسیلہ نہیں مقصد ہے، اس کو کسی وسیلے کے لئے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے، مسلمانوں نے کبھی بھی علم کو اس لئے حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعہ سے معیشت حاصل کریں، یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوں گے، مسلمانوں نے ذریعہ معیشت کسی اور چیز کو بنایا اور علم کو صرف علم کے لئے سیکھا اور اسی کو مقصد بنایا''۔(۷۳)

تعلیم بنیادی ضرورت:

اُمّتِ مسلمہ کے فرائض اور ذمے داریوں کے حوالے سے مختصر جائزہ: اسلام پہلا مذہب اور تمدن (Culture) ہے، جس نے تعلیم کو ہر انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔ جب کہ اس سے قبل یہ تصور موجود نہ تھا بلکہ ہر معاشرہ اور قبیلہ صرف اپنے اعلیٰ طبقے کی تعلیم پر قانع تھے اور وہ قبیلے کے سردار اور امراء وغیرہ (Upper Class) اور مذہبی پیشواؤں (Priestly Class) کی تعلیم و تربیت کو ضروری قرار دیتا اور اس کا اہتمام کرتا تھا، عام افراد اس تعلیمی نظام سے خارج سمجھے جاتے تھے، انہیں طبقہ اشرافیہ کی طرح تعلیم حاصل کرنے کا حق نہ تھا۔(۷۴) یہاں تک کہ یونان اور چین کے ہاں بھی جنہوں نے علم و تمدن کے میدان میں نمایاں، بلکہ غیر معمولی ترقی کی، تمام انسانوں کی تعلیم کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ وہ اہل علم کے ایک خاص طبقے کی تعلیم کے محرک اور داعی تھے۔ افلاطون بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازتا ہے۔(۷۵) اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے بلاتفریق طبقات و قبائل و بلاتخصیص مرد و زن سب کے لئے بلاامتیاز و بلااختصاص، عام تعلیم کا آوازہ بلند کیا اور نبی امی ﷺ نے فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم (۷۶) علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یعنی تعلیم ہر چھوٹے بڑے امیر، غریب، مرد، وعورت اور کالے، گورے ہر ایک پر فرض ہے اس باب میں کسی طبقہ فکر کی نہ تو تخصیص ہے نہ امتیاز ہے۔

تعلیم فرض ہے:

تعلیم چونکہ ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے اسی لئے ہر ایک پر اس کا حصول فرض ہے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلاَ تَكْتُمُونَهُ (۷۷)

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد کیا کہ اس (کتاب) کا مطلب لوگوں سے ضرور بیان کرنا اور چھپانا مت۔

ان آیات میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ذریعے اہل کتاب کے علما سے یہ عہد لیا تھا کہ جو احکام اور شہادتیں کتاب اللہ میں ہیں، ان کو صاف صاف کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر لوگوں تک پہنچائیں اور ان کی اشاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے، مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ علوم دینی کے فروغ میں (جوان پر فرض ہے) کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں، نہ انہیں چھپائیں۔(۷۸) اسی طرح حدیث میں علم کے حصول کو فرض قرار دیا گیا ہے۔(۷۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اچھا ادب (سکھانے) سے بہتر عطیہ (تحفہ) نہیں دے سکتا۔(۸۰) یہ اس لئے ہے کہ تعلیم اسلام کی نظر میں فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا جائے گا اور اس کا پہلا قدم گھر سے والدین کی نگرانی میں بچپن ہی میں اٹھایا جائے گا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا

غلام اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ قرآن اور دینی مسائل سیکھے۔(۸۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو اور اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔(۸۲)

تعلیم انسانی ترقی کا ذریعہ:

قرآن کے بقول تعلیم انسانی ترقی کا ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا گیا: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا. (۸۳)

عظمت و جلال ربانی سے متاثر ہونا اور اس کے اثر سے ہیبت ماننا خشیت کا مفہوم ہے۔عظمت و جلال ربانی سے متاثر ہوکر اس کی بارگاہ میں جھکنا، ایمان کی قوت کا اعلیٰ ثمر ہے، قرآن کریم کی مختلف آیات میں کہیں مغفرت اور اجر کریم کا کہیں ہدایت پانے اور ہدایت قبول کرنے کا اور کہیں رضا الٰہی کے حاصل ہونے کا ذریعہ، اس خشیت الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں بلند مراتب میں انسان کی بہبودی اور سعادت ابدی منحصر ہے۔ ان سعادتوں کے مظہر خشیت الٰہی کو جب علم والوں کے ساتھ مخصوص فرمادیا گیا تو منطقی طور پر ساری سعادتیں علم کے دامن سے وابستہ ہوگئیں۔(۸۴) قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا یَسْتَوِیْ الْأَعْمَی وَالْبَصِیْرُ O وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّوْرُ O وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ O وَمَا یَسْتَوِیْ الْأَحْیَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ۔(۸۵)

اور برابر نہیں نابینا اور بینا اور نہ ظلمتیں اور نور اور نہ سایہ اور لو اور برابر نہیں زندہ اور مردہ، معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی نظر میں علم بینائی ہے روشنی ہے، سایہ اور حیات ہے، جبکہ اس کے مقابل جہالت اندھا پن ہے، تاریکی ہے، اور موت ہے، غالباً اس سے زیادہ موثر پیرایہ بیان علم و جہل کے تقابل کا ہو ہی نہیں سکتا۔(۸۶)

تعلیم رفع درجات کا سبب:

تعلیم رفع درجات کا سبب بھی ہے انسان کا جب اہل علم میں شمار ہوتا ہے وہ علم سے بہرور ہوکر اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے (اپنے ظرف اور اس کی توفیق کے بقدر) متصف ہوتا ہے، تو اس اس درجات بڑھادیے جاتے ہیں اس کا مرتبہ بلند کردیا جاتا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنکُمْ وَالَّذِیْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ O(۸۷)

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور جن کو علم دیا گیا ان کے درجات بلند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اس آیت میں انسان کی ترقی مدارج کے دو ذریعے بیان فرمائے گئے ہیں، ﴿۱﴾ ایمان، ﴿۲﴾ علم، معلوم ہوا کہ ایمان اور علم دونوں دوش بہ دوش مل کر انسان کو ترقی کی منازل طے کراتے ہیں۔(۸۸)

تعلیم کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

تعلیم کی اہمیت کو احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک جہان معنی اور ایک گنجینۂ علم و حکمت سے انسان آشنا ہوتا ہے، احادیث میں تعلیم کو انسان کی اولین ضرورت اور اس حصول بڑی فضیلت کا باعث قرار دیا گیا ہے، چند احادیث ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱-تعلیم دینے والے یعنی معلم ،ور استاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خیر کی تعلیم دینے والے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ، فرشتے، اہل آسمان، اہل زمین، حتی کہ چونٹیاں اپنے بلوں میں مچھلیاں پانی میں دعائے خیر کرتی ہیں۔(۸۹)

۲- طالب علم کو یہ بشارت سنائی کہ فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔(۹۰)

۳-ایک روایت میں آپ ﷺ نے عالم کو چاند سے تشبیہ دی، فرمایا! عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت، علماء تو انبیاء کے وارث ہیں۔(۹۱)

۴- آپ ﷺ نے طلب علم میں سرگرداں افراد کو جنت کی بشارت سنائی، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کوئی راستہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔(۹۲)

۵- اور طالب علم کو ایک یہ بشارت سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم کی طلب میں گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے، جب تک لوٹ نہ آئے۔(۹۳)

۶-ایک حدیث میں آپ ﷺ نے طلب علم کو بھوک سے تعبیر فرمایا، فرمایا! لوگوں میں سے زیادہ بھوکا طالب علم ہے، اور سب سے زیادہ پیٹ بھرا وہ ہے جسے علم کی طلب نہ ہو۔(۹۴) یعنی اصل بھوک علم کی بھوک ہے۔

۷- ہر طرح کا حامل یا عالم ہے یا طالب علم، ابن مسعودؓ سے منقول ہے فرمایا: یا تو عالم بن، یا طالب علم، اس کے علاوہ بھلائی کی کوئی صورت نہیں۔(۹۵)

۸- ایک روایت میں عالم کو عابد پر فضیلت دیتے ہوئے فرمایا، دین کی سمجھ رکھنے والا شخص شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔(۹۶)

۹- اور ایک مقام پر عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی کمتر شخص پر۔(۹۷)

۱۰-طالب علموں کے رزق کی ذمے داری اللہ تعالیٰ کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص علم طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل بن جاتا ہے۔(۹۸)

۱۱-حصول علم کو آپ ﷺ نے کفارہ گناہ قرار دیا۔ فرمایا: جو شخص علم حاصل کرتا ہے اس کا یہ عمل اس کے (عمل) ماضی کا کفارہ بن جاتا ہے۔(۹۹)

۱۲- عالم کی موت کو آپ ﷺ نے ایک بہت بڑا سانحہ قرار دیا۔ عالم کی موت سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا

ہے جس کو بند نہیں کیا جا سکتا، خواہ لیل و نہار کتنے ہی بدل جائیں۔(۱۰۰)

۱۳- راہ علم میں محرومی بھی باعث ثواب ہے، مخبر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اسے حاصل کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دو حصے ثواب لکھے گا اور جو شخص کسی علم کی تحصیل میں لگا اور اسے حاصل نہ کرسکا تو اس کے لئے ایک حصہ ثواب ہوگا۔(۱۰۱)

یہ چند احادیث کا انتخاب پیش کیا گیا ورنہ تو صرف اسی موضوع پر احادیث کی بڑی بڑی کتب موجود ہیں۔ جن سے اسلام میں علم و تحصیل علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (۱۰۲) اس عنوان پر گفتگو کا اختتام ابن شہاب زہری کے اس قول پر کرتے ہیں۔ امام مالک ان سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص دین کے معاملے میں مجھ سے مشورہ کرے اور میں غور و فکر کے بعد اسے راہ حق بتادوں تاکہ اس کے دین کی اصلاح ہو جائے تو میرے نزدیک یہ ایک سو غزوات میں شرکت سے بہتر ہے''۔(۱۰۳)

مقاصد تعلیم:

اب اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ اسلام کے مقاصد تعلیم کیا ہونے چاہئیں؟ اگرچہ اوپر کی گفتگو میں اس جانب چند اشارے تو ہوئے مگر اس موضوع کو کھول کر کے زیادہ وضاحت سے پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی روشنی میں اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک مثالی اور مستند نظام تعلیم کی تشکیل کی جا سکے، لیکن تعلیم کی اغراض و مقاصد پر غور کرنے سے قبل ضروری ہے کہ یہ دیکھیں کہ خود انسان کیا ہے اور اسلام اسے کیا حیثیت دیتا ہے، جس کے لئے تعلیم کی بات کی جا رہی ہے۔

انسان کیا ہے؟:

قرآن کریم میں ارشاد مبارک ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ(۱۰۴) ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے۔

فروغ تعلیم اور اُمّتِ مسلمہ کا کردار:

ابن العربی فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انسان سے بڑھ کر کوئی خوبصورت چیز پیدا نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا، اسے حی، عالم، قادر، صاحب ارادہ، معلم، سننے والا، صاحب بصیرت مدبر اور حکیم بنایا''۔(۱۰۵)

قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر بیرونی جہاں کی تمام خصوصیات ودیعت رکھی گئی ہیں اس کے عالم روح کے نازک حقائق بھی موجود ہیں، اور عالم خلق کے اہم عناصر بھی اسی طرح نفس ناطقہ بھی موجود ہے، جو خود عالم عناصر کی پیداوار ہے۔ انسان کی اسی جامعیت کے سبب کائنات کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں۔ اس کے اندر ملکی صفات بھی موجود ہیں، اور درندوں کی خصوصیات بھی۔ چوپاؤں کی کیفیتیں بھی پائی جاتی ہیں اور شیطانی خباثت بھی۔ یہ ان

صفات کاملہ الٰہیہ سے متصف ہے، جو حیات علم قدرت ارادہ سمع بصر کلام اور محبت سمیت صفات الٰہیہ کا پرتو ہیں۔ یہ نور عقل سے مزین ہے۔ یہ انورِ ظلی اور انوارِ حقانیہ و ذاتیہ کا مورد ہے۔ انہیں خصوصیات کے سبب اسے خلعت خلافت عطا کی گئی اور اسی سبب سے اسے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.(۱۰۶) ''میں زمین میں خلفہ بنانے والا ہوں'' فرمایا گیا۔(۱۰۷) جو صفات اوپر بیان ہوئی ہیں، تمام صفات انسانوں میں پیدائشی طور پر موجود ہیں۔مگر بالقوہ، بالفعل نہیں۔ ان میں مفید اورمثبت صفات کو روبہ عمل لانا اور انہیں متحرک کرنا نیز منفی صفات اور ان کے مقتضائے عمل کو دبانا ہی منشائے خداوندی ہے۔ یہی حکم خداوندی بھی ہے اور یہی غرض و غایت اولیں بھی۔

تصورِ تعلیم پر ضرب:

فکری یلغار نے اُمّتِ مسلمہ کے تصورِعلم پر کاری ضرب لگائی ہے۔ جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف وتعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریہ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصد عین، خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب ایسی باتیں سنانے والے بھی کم یاب ہیں اور سننے و ماننے والے بھی کم یاب، کہ ''علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است'' (وہ علم، جو حق کی طرف راہ نمائی نہ کرے، جہالت ہے)، اور ''اللہ تعالیٰ سے کرے دور، وہ تعلیم بھی فتنہ''۔ لہٰذا بیش تر ملی تعلیمی سرگرمیوں، ملت کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کی تقریباً تمام تحریکوں اور تعلیمی کارروانوں کواسی خدا بے زار اور دین بے زار نظریہ تعلیم سے قوت محرکہ و توانائی ملتی ہے۔ کبھی اسلام کے تئیں کچھ رعایت کا خیال آجاتا ہے تو طلب العلم فریضة کی حدیث اور سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کا حوالہ بھی دے دیا جاتا ہے، لیکن بالآخر تان ٹوٹتی ہے کیریئر، روزگار، تمول، دولت مندی، مادی خوش حالی، معاشی ترقی کے انہی اہداف پر جنہیں غیر اسلام نے متعین ومقرر کیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ ہماری تعلیم یافتہ نسلوں کی کھیپ کی کھیپ مادہ پرستوں کی بھیڑ میں گم ہوتی جا رہی ہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتگی کا، یہ گویا ایک لازمہ سا بن گیا ہے کہ یا تو مدارس، اسلامی درسگاہوں اور دینی تعلیمی جامعات کی تحقیر کی جائے، یا ان کے نصاب تعلیم کو جدید کاری کے نام پر یہ کہہ کر سیکولرائز کرنے کا غلغلہ بلند کیا جائے کہ ان تعلیمی اداروں کے فارغین کسی کام کے نہیں رہ جاتے اور بس ملا، مولوی، امام اور مؤذن بن کر رہ جاتے ہیں، جو جدید و اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں گویا ایک حقیر، بے کار اور اپاہج طبقہ ہے۔(۱۰۸)

تحقیق: تحقیق کی بنیاد تین امور ہیں:

ایک حریت فکر، دوسرے غور وفکر اور تیسرے مشاہدہ و تجربہ، اب آیئے دیکھیں کہ کس طرح قرآن و سنت ان تینوں رویوں کی آبیاری کرتے ہیں۔

حریت فکر:

حریت فکر سے مراد یہ ہے کہ آدمی چیزوں کو روایتی طور پر محض اس لئے تسلیم نہ کرلے کہ یہ پہلے سے اسی طرح سے چلی آ رہی ہیں بلکہ انہیں ٹھونک پرکھ کے اور ثبوت و دلیل (Reason and Rationality) کے ساتھ مانے۔

چنانچہ قرآن کریم کفار کے اس رویے کی مذمت کرتا ہے کہ وہ میرٹ پر پرکھے بغیر اسلام کی تعلیم کو محض اس لئے رد کر دیتے ہیں کہ یہ ان کے آباواجداد کی تعلیم کے خلاف ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ O(۱۰۹)

اور جب مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا ہے۔ تو کیا اس صورت میں بھی وہ اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے جب کہ وہ نہ عقل سے کام لیتے تھے اور نہ سیدھی راہ جانتے تھے۔

توحید اسلام کا مرکزی تصور ہے:

قرآن نے بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور جہاں بھی اس کا ذکر کیا ہے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ صرف ایک موقعہ دیکھئے:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاء مَاء فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَO أَمَّن جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَاراً وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَاراً وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزاً أَإِلَهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ O(۱۱۰)

بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر اس نے خوشنما باغات اگائے جبکہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم ان کو اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الہ بھی ہے؟ بلکہ ایسا سمجھنے والے راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو رہنے کے قابل بنایا، اس میں دریا جاری کئے اور پہاڑ کھڑے کئے اور سمندروں میں میٹھے اور کھاری پانی کو باہم مختلط ہونے سے بچایا۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الہ بھی ہے جو یہ کچھ کر سکتا مگر اکثر لوگ سمجھ کر نہیں دیتے۔

نماز کا حکم دیا تو فرمایا:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ (۱۱۱) بے شک نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

روزے کا حکم دیا تو فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَO(۱۱۲)

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار

بن جاؤ۔

حج کا حکم دیا تو فرمایا:

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ O(۱۱۳)

تاکہ وہ مقامات حج پر (تجارت سے) فائدے حاصل کریں اور اللہ نے جو مویشی انہیں دے رکھے ہیں ان خاص دنوں میں ان کی قربانی کریں اور ان کا گوشت خود بھی کھائیں اور مسکینوں محتاجوں کو بھی کھلائیں۔

غور وفکر:

یہ بھی قرآن کریم کا مستقل اسلوب ہے کہ وہ مسلمانوں کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ بطور نمونہ صرف دو مثالیں دیکھئے: ایک جگہ مومنوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ..... O(۱۱۴)

جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔

دوسری جگہ غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى......(۱۱۵)

کیا یہ اپنے وجود کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے؟ (اگر کرتے تو سمجھ جاتے کہ ان کی طرح) اللہ نے زمین و آسمان اور اس سب کچھ کو جو ان کے درمیان ہے، ایک مدت تک کے لئے ایک خاص مقصد سے پیدا کیا ہے۔

تجربہ ومشاہدہ:

جیسا کہ سطور بالا میں آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم لوگوں کو لکیر کا فقیر اور سنے سنائے اندھے مقلد مسلمان نہیں بناتا بلکہ ان کو دلائل دیتا ہے، احکام کی حکمتیں بتاتا ہے، غور وفکر پر اکساتا ہے، اسی طرح وہ ان کو تجربہ ومشاہدہ کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِيْنَ O وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ O(۱۱۶)

اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تمہارے اپنے اندر بھی، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

قُلْ سِیْرُوا فِی الْأَرْضِ فَانظُرُوا کَیْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ (۱۱۷)

اے نبی (ﷺ) ان سے کہو زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔

قُلْ سِیْرُوا فِی الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَO(۱۱۸)

اے نبی (ﷺ) ان سے کہو زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ حق کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟

اس طرح اسلام آزادانہ سوچ، غور وفکر اور تجربہ و مشاہدہ کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں تحقیق پر ابھارتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان علم وتحقیق میں دنیا سے بہت آگے نکل گئے اور ان کے قائم کردہ معیار علم وتحقیق میں دنیا سے بہت آگے نکل گئے اور ان کے قائم کردہ معیار علم وتحقیق کا کوئی قوم صدیوں تک مقابلہ نہ کر سکی اور ایسا صرف سائنس و ٹیکنالوجی ہی میں نہیں ہوا بلکہ دینی و سماجی علوم میں بھی مسلمانوں کا یہی رویہ تھا یہاں تک کہ علامہ اقبال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن صیاد کے مشاہدے کو نفسیات کی پہلی تجربی تحقیق قرار دیتے ہیں۔(۱۱۹)

سیاسی استحکام:

اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سربسر تسلیم کرنے کا اور ان احکام کی نوعیت یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں پر مشتمل ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گزاری جائے تا کہ آخرت میں، جو دارالجزاء ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی خوشنودی اور اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اب دنیا کی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو احکام دئے ہیں وہ انفرادی نوعیت کے بھی ہیں اور اجتماعی نوعیت کے بھی۔ ان اجتماعی نوعیت کے احکام پر اس وقت تک عمل نہیں ہوسکتا جب تک حکومتی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے قیام ریاست وحکومت کو واجب قرار دیا ہے اور قرآن کریم بتاتا ہے کہ انبیاء اس کے لئے ہمیشہ دعا گو اور کوشاں رہے ہیں چنانچہ دیکھئے کہ حضرت لوط علیہ السلام پر اسلامی احکام پر عمل کے حوالے سے جب مشکل وقت آپڑا تو انہوں نے کہا: کاش مجھے اقتدار کی پشتیبانی حاصل ہوتی۔(۱۲۰) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعثت کے بعد فرعون کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوئے پہلا مطالبہ ہی یہ کیا کہ بنی اسرایل کے اقتدار اعلیٰ کو بحال کرو۔(۱۲۱) اور مکہ میں جب حق و باطل کی کشمکش تیز ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی کہ:

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّیْ مِن لَّدُنکَ سُلْطَاناً نَّصِیْراًO(۱۲۲)

کہو اے اللہ میں جہاں بھی جاؤں عزت سے جاؤں اور جہاں سے بھی نکلوں عزت سے نکلوں اور مجھے اپنی جناب سے فاتحانہ غلبہ نصیب فرما۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکومت عطا فرمائی اور اسے استحکام بخشا۔ پھر مسلمانوں نے اس تقاضے کو اس طرح پورا کیا کہ اس اسلامی حکومت کو وسعت دی اور آج بھی الحمدللہ مسلمان کرۂ ارض کے ایک وسیع حصے پر قابض ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے عوام خوش ہوں اور بدترین

حاکم وہ ہیں جن سے عوام تنگ اور ناراض ہوں۔(۱۲۳)

سیاسی مناصب میں میرٹ پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا۔(۱۲۴)اور اقتدار نااہلوں کے ہاتھ میں چلے جانے کو قربِ قیامت کی نشانی قرار دیا۔(۱۲۵) جائز اور قانونی طور پر قائم شدہ مسلم حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت کو بغاوت قرار دیا اور اس کی سزا موت مقرر کی۔(۱۲۶) مسلمانوں کو ہر حال میں اطاعت حکام کا حکم دیا۔(۱۲۷) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلم حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ نکٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔(۱۲۸) اور حکمرانوں کو ہر صورت میں ظلم و جور سے منع کیا اور فرمایا کہ عادل حکمران جنت کے اعلیٰ ترین درجوں میں ہوگا اور عوام پر ظلم کرنے والے اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔(۱۲۹)

میڈیا کا کردار اور اُمّتِ مسلمہ:

میڈیا کا کردار یہ ہے کہ اپنی بات احسن اور موثر انداز میں دوسروں تک پہنچائی جائے تاکہ ان پر آپ کا نقطہ نظر خوب واضح ہو جائے اور وہ اس کے قائل ہو جائیں یا اگر آپ کے مخالف آپ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کریں تو اس کا اس طرح توڑ کیا جائے کہ آپ کو کم سے کم نقصان پہنچے۔ یہ چیزیں ہمیں قرآن و سنت نے خوب سکھائی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھئے فرماتے ہیں:

قَالَ رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلاً وَّنَهَاراً ○ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِيْ إِلَّا فِرَاراً○وَإِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَاراً ○ثُمَّ إِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَاراً ○ ثُمَّ إِنِّيْ أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَاراً ○ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً○(۱۳۰)

اور حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب میں اپنی قوم کو رات اور دن بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب بھی انہیں بلایا کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں، اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لئے، ضد کی اور بڑا غرور کیا، پھر میں نے انہیں برملا پکارا، انہیں کھلی تبلیغ کی اور انہیں چپکے سے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال لیجئے انہیں جب اللہ تعالیٰ نے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا تو انہوں نے کہا کہ میری زبان میں تو لکنت ہے، اپنی بات عمدگی سے نہ کہہ سکوں گا چنانچہ ان کے بھائی ہارون کو ان کا نائب بنادیا گیا۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ لیکن اپنی بات نرمی اور دھیمے انداز میں کہنا:

اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى○ فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى○(۱۳۱)

(اے موسیٰ! تم اور تمہارا بھائی) دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شائد وہ نصیحت قبول کرے یا اپنے برے انجام سے ڈر جائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی کہ:

اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۱۳۲)

اے نبی ﷺ! آپ اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت سے بلائیں، عمدہ طریقے سے انہیں نصیحت کریں اور اچھے طریقے سے ان سے بحث کریں۔

یہ بھی فرمایا کہ ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہو مبادا کہ وہ تمہارے اللہ کو برا بھلا کہیں:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ...... (۱۳۳)

اے مسلمانو! جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ بھی حد سے گزر کر جہالت کی بناء پر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مقرر تھے۔ آپ ﷺ کی آواز بلند اور پاٹ دار تھی۔ تیز نہ بولتے تھے تاکہ مخاطب اچھی طرح سمجھ جائیں۔ حسب ضرورت ہاتھوں سے اشارے بھی کرتے تھے۔ آواز میں زیر و بم بھی تھا۔

کفار کے جھوٹے پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لئے آپ ﷺ حضرت حسانؓ بن ثابت کے لئے مسجد میں ممبر رکھوا دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب حسان حق کی مدافعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے اس کی اعانت کرتے ہیں۔ (۱۳۴)

مغربی میڈیا کے اثرات۔ ایک جائزہ:

آج اُمّتِ مسلمہ جس عظیم قوت سے محروم ہیں وہ میڈیا کی طاقت ہے، جبکہ مغرب نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اُمّتِ مسلمہ کو بدنام کیا اور اس کو مختلف ناموں سے پکارا۔ مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے اُمّتِ مسلمہ کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست (Fundamentalist)، دہشت گرد (Terrorist)، جنونی (Fanatics)، انتہا پسند (Extremist) سے یاد کر کے اپنے خلاف اُمّتِ مسلمہ کے غصے کی لہر میں اضافہ کیا۔ (۱۳۵)

میڈیا کے ذریعے اہل مغرب نے ان عوامل کا اظہار کیا: ☆خلاف فطرت تو خلاف طبیعت امور، ☆عزت نفس کی مجروحی، ☆غصب حقوق، ☆خیانت اور بدیانت، ☆غداری اور دغابازی، ☆ظلم و بربریت، ☆غداری اور دغابازی، ☆بغض و عداوت، ☆بہتان طرازی، ☆وعدہ خلافی، ☆دورخاپن، ☆بے حیائی وفحش گوئی۔

دہشت گردی افکار و نظریات۔ ایک جامع تبصرہ:

The word terrorism was first used in France to describe a new system of government adopted during the French Revolution (1789-1799) regime de la terreur (Reign of Terror) was intended to promote democrecy and popular rule by ridding the

revolution of its enemies and thereby purifying it. However, the oppression and violent excesses of the terreur transformed it into a feared instrument of the state. From that time on, terrorism has had a decidedly negative connotation. The word, however, dont gain wider popularity until the late 19th century when it was adopted by a group of Russian revolutionaries to describe their violent struggle against tsarist rule. Terrorism then assumed the more familiar antigovernment associations it has today.(136)

انگریزی زبان میں دہشت کے لئے لفظ Terror استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کے لئے استعمال ہونے والا لفظ Terrorism ہے جس کے معنی ہیں تشدد اور دھمکی کا استعمال۔

What is Terrorism?

The systematic use of terror (such as bombing, killing and kidnappings) as a means of forcing some political objective when used by a govt, it may signal efforts to stifle dissat; used by insurrectionists or guerrillas, it may be part of an overall effort to effect desire political change.(137)

More than 2,000 years ago the first known acts of what we now call terrorism were perpetrated by a radical offshoot of the Zealots, a Jewish sect active in Judea during the 1st century AD. The Zealots resisted the Roman Empire's rule of what is today Israel through a determinied campaign primarily involving assassination. Zealot fighters used the sica, a primitive dagger, to attack their enemies in broad daylight, often in crowded market places or on feast days-essentially wherever there were people to witness the violence. Thus, like modern terrorists, the

Zealots intended their actions to comunicate a message to wide target audience: in this instance, the Roman occupation forces and any jews who sympathized or collaborated with the invaders.(138)

مغربی لٹریچر اور اسلامی لٹریچر میں بنیاد پرستی کی اصطلاحات مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ اس لئے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں بنیاد پرستی کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اسلام میں بنیاد پرستی یہ ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادوں پر اپنی فکر ونظر اور کردار وعمل کو استوار کیا جائے۔ ان بنیادوں میں ایک عقیدہ توحید ہے اور چار دوسرے اعمال ہیں۔ اعمال میں سے زکوٰۃ تو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے۔ حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ کھانے پینے سے رکنے کا نام ہے جو کفار بھی کرتے ہیں، لہٰذا اسلامی بنیاد پرستی کا عملی مظہر صرف نماز ہے اسی لئے اسے دین کا ستون اور مسلم و کافر میں فرق بتایا گیا ہے۔ پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ نمازی ہو۔ یعنی وہ خدا کو واحدہ لاشریک مانتا ہو اور نماز کا پابند ہو۔

It has only been fifty years, but with the power of the world media, the Zionist leadership now feels free to do whatever it wants to destroy the Palestinian people. Millions of people, women and children, are in poverty in refugee camps. The blood of innocent people is being shed, because the cause of this violence continues to exist, namely Zionism. Just lately, on the 3rd of October 2001, one of the greatest Zionist leaders has boasted tht the controls America, even though we are forbidden to interfere in politics.(139)

لیکن یورپ میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ان دونوں اصلاحات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یورپ میں بنیاد پرستی کے جن معنوں میں مستعمل ہے اس میں سے بعض معنوں کے اعتبار سے ایک مسلمان بنیاد پرست ہوتا ہے، مثلاً یورپی بنیاد پرستوں کا یہ دعویٰ تھا کہ بائبل حرف بحرف کلام الٰہی ہے یہی دعویٰ قرآن کریم کے بارے میں مسلمان کا ہے۔ قرآن کریم حرب بحرف کلام الٰہی ہے اور درست ہے یہ اور بات ہے کہ اہل یورپ کا دعویٰ سو کے قریب مختلف الالفاظ انجیلوں کی موجودگی میں ثابت ہے یا نہیں جبکہ قرآن کریم کی روایت میں ایک لفظ کا اختلاف بھی آج تک ثابت نہیں کیا جاسکا اور الفاظ قرآن کریم کے بارے میں ایک ''اختلاف بہرحال ہوا کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں'' یہ اختلاف اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان ہوا اس میں اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ یہ الفاظ کلام

الٰہی میں۔(۱۴۰)

مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ "بنیاد پرستی" کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہوچکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہیں۔(۱۴۱)

بنیاد پرستی کا مفہوم جو بھی ہو، اس کا تشدد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ جہاد و مزاحمت کرتے ہیں ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے، ان کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف جہاد اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، ان کے لئے اہل مغرب کی جانب سے بنیاد پرستی کی پھبتی کسنا ایک کھلا نفاق ہے۔ نیز جو لوگ دنیا کے مختلف مقامات پر تشدد کرتے ہیں چاہے ان کے اسباب مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں یا معاشی ہوں دنیا کو چاہئے کہ وہ ان کے حقیقی اسباب معلوم کرے۔ آئرلینڈ کے لوگ جو تشدد کرتے ہیں وہ عیسایت کی تعلیم نہیں ہے یا جنوبی افریقہ میں سفید فاموں نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ عیسائی تھے مگر عیسائیت کی یہ تعلیم نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جگہ بعض مسلمان اپنے معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو ان کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔(۱۴۲)

I do not differentiate between war and terrorism. Terrorism is war and war is terrorism. If you look at the historical role of violence in the world, we see that violence has had a profound effect on the history of the world. Reardless of one's thoughts on violence, It is impossible to understand the world in which we live, without examining acts of violence have helped to create the world in which we now live. All the empires, of which the British Empire was the most recent, now replaced by the American empire, we see that it too was built on violence and world conquest. When I was born in 1925, 20% of the world's population was govermed by London. All of this was built on violence. If you look at all empires, Greek, Roman, and so forth, all were built on violence, and could not exist had it not

been for acts of violence.(143)

دنیا کی عسکری قوت ہو یا سیاسی قوت یہ سب یہودی مالی قوت کے زیرنگیں ہو چکے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ساری دولت سارے وسائل و ذرائع دراصل ان کے مالی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت اگر چہ اس کلی اجارہ داری کو بعض مصلحتوں کے تحت تین ادارے چلا رہے ہیں جو سراسر یہودی ہیں یعنی واحد قطب امریکہ، ماقبل کی تیسری قوت کا دوسرا شعبہ یعنی آئی ایم ایف اور عالمی بینک اور تیسری قوت کا پہلا شعبہ براہ راست یہودی عالمی مالی نظام۔(۱۴۴)

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لئے دنیا میں باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ عراق امریکہ جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام ہے۔ عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں۔(۱۴۵)

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی دہشت گردی کا ایک مہرہ ہے۔ آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ پاکستان ۸۸ تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہ تھا۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہماری مجموعی پیداوار کی شرح ترقی ۶٫۳ فیصد سالانہ تھی۔ غربت کی شرح ۱۷ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ر فیصد تھی۔ مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ''سہارا'' دیا تو یہ صورتحال ہوگئی کہ سالانہ شرح ترقی ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۴ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ر فیصد اور صنعتی شرح نمو۲ فیصد پر آ گئی۔(۱۴۶) معاشی بالادستی قائم کرنے کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی ملک کو برداشت نہیں کہ دوسرے ملک کی معیشت سنبھل جائے۔

امن وسلامتی کی راہ میں حقیقی رکاوٹ:

آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب وتمدن، برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کئے ہوئے ہیں۔ جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے کہ جوہری اسلحہ صدی کے اختتام سے پہلے وسیع پیمانے پر تقسیم ہو، یہ امریکہ عوام کی قومیسلامتی کے لئے کوئی خوش کن راستہ نہیں ہے۔

مغرب کی انتہاپسندی اور دہشت گردی:

امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ کہتے ہیں: ''امریکہ طرز حیات، اقدار اور اداروں کو روبہ عمل لانے کی کوشش ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ امریکی طاقت محدود ہے بلکہ اس لئے کہ بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کر سکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کے مخالف ہے۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں کے آگے سپر ڈالنے کے لئے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟''(۱۴۷)

کالمیر جانس کہتا ہے کہ: ''امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ کہیں امریکہ خود تو ایک سرکش سپر پاور نہیں بن گئی۔(۱۴۸)

۱۸۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ ۱۹۰۵ء میں گورنر اسٹان برگ کا قتل ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی مثالیں ہیں۔ اس عرصے میں زارِ روس کے خلاف مارزوف کی سربراہی میں بننے والی تنظیم Noro da Naya Volv نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں بننے والی ایک اور روسی تنظیم Boevaya نے سرکاری وزراء کے قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زیادہ بڑی کارروائیاں کیں۔ جن میں روسی گورنروں اور بونگی، بگڑ والوچ، وزیر داخلہ لیف کے قتل سمیت اوپیرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء تک یورپ میں بھی دہشت گردی عروج پر رہی۔ ۱۸۸۱ء میں بننے والی انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑا دیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا کہ فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈیٹز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر کارنٹ اور اسپین کے وزیراعظم انتونیو کارنواس، آسٹریلیا کی فرمانروا ملکہ الزبتھ، اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے۔ چین میں جوئے بازوں اور اسمگلروں کی سرپرستی میں بننے والی Boxer Relelliom نامی تنظیم دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔(۱۴۹)

امریکہ نے خود ۱۳۰ تنظیم دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔(۱۵۰) عبدالمجید ساجد (۱۵۱) نے ماہنامہ ساحل نے (۱۵۲) ولیم بیلم نے اپنی کتاب روگ اسٹیٹ (۱۵۳) اور نوم چومسکی نے (۱۵۴) اپنی کتاب میں امریکی دہشت گردی اور مختلف ممالک میں مداخلت کی ۱۸۸۹ء تا ۲۰۰۳ء تک مکمل فہرست پیش کی ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد نوم چومسکی کے الفاظ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔(۱۵۵) امریکہ اقوام متحدہ کیسلامتی کونسل کا واحد رکن ہے جس نے تنہا دوتہائی قراردادیں ویٹو کیں۔ باقی کا پچاس فیصد برطانیہ نے استعمال کیا (دونوں ممالک نے (۱۵۶) فیصد وٹوز استعمال کئے)(۱۵۷) گویا انہوں نے ہمیشہ دیگر اقوام سے طاقت کی زبان میں بات کی ہے، مساوات کی بنیاد پر نہیں، یہی وجہ ہے کہ امریکہ دہشت گردی کے جواب میں دنیا بھر میں دہشت گردی کی لہر چل پڑی ہے۔ اس نظام کی ناکامی کا اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ثبوت چاہئے لیکن امریکی صدر و اسٹیبلشمنٹ آج بھی عوام کو غلط رہنمائی کر رہے ہیں، جس کا ثبوت جارج بش کا یہ بیان ہے کہ:

> American are asking why do they (terroists) hate us they hate what we see right here in the chamber, a democratically elected governmnent. Their leaders are self-appointed. They hate freedom, our freedom of religion, our freedom of speech, our freedom to vote and assemble and disagree with each other.(158)

ولیم ہیلم کے بقول خود امریکہ دہشت گردوں کی جنگ کہلاتا ہے۔ امریکہ میں جو دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں، ۱۔آرین نیشنز، Aryan Nations، ۲۔بلیک لبریشن Black Liberation Army، ۳۔کرسچن پیٹر یوٹس ڈیفنس لیگ Christian Patriots Defence League، ۴۔کوویلنٹ دی سورڈ اور آرم آف لارڈ C.S.A، ۵۔جیوش ڈیفنس لیگ Jwesh Defence League، ۶۔کوکلس کلان Kukluxklan، ۷۔میچیروس Macheteros، ۸۔موو Move، ۹۔نیونازی Noe Nazi، ۱۰۔نیوورلڈ لبریشن فرنٹ New World Liberation Front، ۱۱۔اومیگا Omega، ۱۲۔دی آرڈر The Order، ۱۳۔پوسے کومیٹیٹس Posse Comititus، ۱۴۔پورٹوریکن آرمڈ فورسزادی ریوولوشن Puerto Riccan Armed Forcess the Revolution، ۱۵۔اسکن ہیڈز Skin Heads، ۱۶۔سیمبیونیز لبریشن Sembionese Liberation Army، ۱۷۔یونائیٹڈ فریڈم فرنٹ United Freedom Front، ۱۸۔ویدراندر گراؤنڈ Weather Under Ground، (۱۵۹)

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے دنیا کی تاریخ تبدیل ہوگئی ہے، امریکہ کے خلاف پہلی بار اسلحہ اٹھایا گیا، یقیناً گیارہ ستمبر کا حملہ ایک ظالمانہ اقدام تھا، لیکن غیر معمولی ہرگز نہیں تھا۔ برسوں سے دنیا اس سے کہیں زیادہ مظالم کا سامنا کر رہی ہے۔ امریکہ اور یورپ جسے چاہیں حملوں کا نشانہ بنائیں مگر وہ چاہتے تھے کوئی ان پر حملہ نہ کرے یہ امریکی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ بندوقیں ان کی سمت سیدھی کی گئی ہیں۔ یقیناً یہ تاریخ کا ایک ڈرامائی موڑ ہے۔(۱۶۰)

بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ انتہاپسندی کی ہی قبیح شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتہاپسندی کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔

مغربی دنیا نے ۱۴ راگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اول کا میدان گرم کیا جو بعدازاں ۱۵۵۶ء دنوں تک جاری رہی، جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد۲۲ملین، اپاہج اور معذور ہوجانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بیلجئم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لئے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جاسکتا ہے۔(۱۶۱)

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ملین حمل ساقط ہوئے، ۱۳ ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہوگئیں۔(۱۶۲) امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو چھوٹے بم گرائے گئے۔ جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔(۱۶۳)

اُمّتِ مسلمہ کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو روکنے کے اقدامات:

امریکن نیشنل سیکورٹی کی رپورٹ میں اسلام کے تیزی سے مقبول ہوتے ہوئے رجحانات اور اسلام پسند تحریکوں

کے بڑھتے ہوئے اثرونفوذ پر بھی خصوصیات کے ساتھ گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی موثر روک تھام کے لئے درج ذیل اقدامات تجویز کئے گئے ہیں۔

۱- اُمتِ مسلمہ کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں مصروف رکھا جائے گا تاکہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔

۲- ان ریاستوں کی حکومتوں میں تبدیل کروا دی جائیں گی، جو نفاذ اسلام کے لئے سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہیں۔ جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتداء کر دی ہے انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔

۳ مؤثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۴- پسند عناصر (بنیاد پرستوں) کو کسی ملک میں بھی تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک رسائل حاصل کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۵- خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کئے جائیں گے، بلکہ یہ افرادی قوت فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے حاصل کی جائے گی، ان لوگوں کے ذریعے خلیجی ریاستوں کی تہذیب و ثقافت تبدیل کر دی جائے گی۔ اسلامی اقدار اور اسلامی رسومات کو ختم کر دیا جائے گا۔ وہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے افراد کو روزگار پر مکمل پابندی لگادی جائے گی۔

۶- تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

۷- پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔

۸- ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

انسانیت کے تمام مسائل کا حل۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی پیروی میں:

Muhammad, may God bless him and grant him peace, warned his compannions to avoid extremes which he explained was the cause of the destruction of earlier communities. Terrorists it appears, fell that this injunction does not apply to them. Terrorism is an act against God. Anyone who tries to justify such atrocities ultimately fails, since both the Sacred Law and theology abhor such acts as moral sins that run contrary to the

essence of Islam. The Quran instructs Muslims in times of adversity to act with justice, perseverance and patience. Terrorists apparently never think of relating their acts to the elementary principle that Islam places great value on the sancitity of human life. If someone kills another person unless it is in retaliation for someone else or for causing corruption in the earth it is as if he had murdered all mankind, is a verse of the Quran, which is disregarded by the fanaticism of hate.(164)

اسلام - دین امن و سلامتی :

طلوع اسلام سے قبل جنگ و جدل، قتل وخون، انتہاپسندی اور عدم برداشت کی کئی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ بقول ''ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔(۱۶۵) عربوں کے دور جاہلیت میں جذبہ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لئے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔(۱۶۶) اسلام نے عرب کے چرواہوں کو جو ظلم و ستم کے عادی تھے، انسان بنادیا اور ان کے اندر رحم و کرم، حلم و تواضع پیدا کردی۔ ان میں پریم کے جذبات پیدا کردیئے یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے، مگر چند ہی روز میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچادیا۔(۱۶۷) ہر مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے مذاہب ختم ہو جائیں اور ان سب کی جگہ ان کا مذہب لے لے، اور ہر مذہب میں جبر و زبردستی داخل کرنا جائز ہے، لیکن اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِ (۱۶۸) دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہوچکی ہے۔

آپ ﷺ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔(۱۶۹) شریعت اسلامی دوسروں کے عقائد کے احترام کرتی ہے اور جبروزبردستی سے عقائد کو دوسروں پر ٹھونسنے سے انکاری ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر کہا گیا ہے کہ:

اَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۱۷۰) اب کیا آپ زبردستی کریں گے لوگوں پر کہ باایمان ہو جائیں۔

آج پھر اُمّتِ مسلمہ میں بیداری کی لہر ہے، تمام تر مسائل اور چیلنجز کے باوجود اسلام ان لوگوں کے گھروں میں پھیل رہا ہے جو اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کے خلاف صف آرا ہیں۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے(۱۷۱)
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شہر پھر ہوشیار ہوگا

مغرب نے میڈیا کے زور پر ہی اُمّتِ مسلمہ کی حق تلفی کرتے ہوئے دن کو رات کہا: دینی طرزِ زندگی کو انتہا پسندی کا نام دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی دن کو رات کہے اور سایہ کو دھوپ۔ تسمیة الاشیاء بغیر اسماء ھا. (۱۷۲)

ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے نزدیک غیر مسلموں کو کافر کہنا بھی انتہا پسندی اور تعصب ہے۔ حالانکہ ایمان کی یہ بنیاد ہے کہ مومن اس بات پر یقین رکھے کہ وہ حق پر ہے اور اس کے مخالفین باطل پر ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں رواداری کی گنجائش نہیں۔(۱۷۳)

یورپ کی اصل کوشش یہ ہے کہ جس ''نظام زندگی'' کو اس نے اختیار کر رکھا ہے ساری دنیا اسے اختیار کرے اور اس کی مزاحمت نہ کی جائے اور یورپ خود کو ایک مجسم نظام کی حیثیت سے پیش کر کے جو نمونہ لاتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرنے کے ہر حربے پر پورا اترتا ہے۔ انسانی زندگی کی بے وقعتی، خاندانی نظام کی بربادی، سماجی رابطوں کی مادی تعمیر، دولت کی سرمایہ دارانہ تقسیم، اختیارات کا ایک طبقے میں ارتکاز، نسلی و لسانی فسادات، ایک یورپی قوم کی دوسری یورپی قوم پر برتری کی خواہش ہے۔ ترقی کو خود تک محدود کر کے رکھنا اور ٹیکنالوجی کے ذریعے قوموں کو بلیک میل کرنا، یہ سارے وطیرے یورپ کے ہیں۔(۱۷۴)

مشنری کھلم کھلا کہتے ہیں اسلام رجعی اور متاخر ہے کیونکہ اس کے ماننے والے رجعی اور پسماندہ ہیں اور مسیحیت ترقی یافتہ اور مہذب ہیں، کیونکہ ان کی مذہبی دنیا مہذب اور ترقی یافتہ ہے۔(۱۷۵)

مسلمان دہشت گرد نہیں:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ ظالم کی طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، پس جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد دنیا سے ظلم وتشدد، جارحیت، خون ریزی، غارت گری، دہشت گردی اور بدامنی کا مکمل طوور پر استیصال اور خاتمہ کرنا ہے۔(۱۷۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک اہم پہلو بحیثیت ''داعی امن و اخوت'' ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو دیا اور جو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار تھا اس میں توحید الٰہی کے رشتہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا۔ مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے اپنی حکمت عملی سے بہترین سیاسی رہنمائی سرانجام دی اور ریاست مدینہ کے استحکام کے لئے بہترین مثالیں دیں کہ ان تمام رسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا جو امن واخوت کو درہم برہم کرنے اور معاشرہ کی تباہی کا سبب تھی۔(۱۷۷)

سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد اہل مغرب نے اسلام کو دشمن نمبر ایک قرار دے کر اس کا راستہ روکنے اور مسلمانان

اسلام کو ناکام بنانے کی حکمت عملی اختیار کی اور بنیاد پرستی کی اصلاح استعمال کر کے اس کو دہشت گرد اور اس کا فلسفہء حیات کو فقط دہشت گردی کا محافظ قرار دینا شروع کر دیا۔(۱۷۸)

محنت :

کوئی قوم جب تک قوت عمل نہ رکھتی ہو، ترقی نہیں کرسکتی اور یہ قوت عمل نتیجہ ہوتی ہے اس کے تصور حیات سے اس کی وابستگی کا۔ اگر کسی قوم کا تصور زندگی یہ ہو کہ دنیا بری چیز ہے اور اس میں دلچسپی لینا برا تو رہبانیت اور مذمت دنیا کا یہ وطیرہ اسے زندگی میں جدوجہد پر کیسے ابھار سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کسی قوم کا نظریہ حیات اسے عمل پر ابھارتا ہو لیکن وہ اس نظریہ حیات پر عمل ہی نہ کرے تو وہ دنیا میں ترقی کیسے کرسکتی ہے؟ آیئے اب دیکھیں کہ اسلام کس طرح ہمیں عمل اور محنت پر ابھارتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسی کے لئے تسخیر کی گئی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌO(۱۷۹)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتی کو بھی جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ وہی اپنے حکم سے آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ دنیا کو استعمال کرے اور اس سے اپنا حصہ وصول کرے:

وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (۱۸۰) اور اس دنیا سے اپنے حصے کو نہ بھولو۔

اس کے ساتھ ہی قرآن نے مسلمانوں کو عمل پر اکسایا لیکن ساتھ ہی خبردار بھی کر دیا کہ جو کچھ کرو گے اس کے نتائج کے ذمہ دار تمہی ہو گے۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَO(۱۸۱)

اور اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہیں کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور تمہارے عمل کو اللہ، اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان دیکھیں گے اور تم جلد اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو ظاہر اور غیب کا علم رکھتا ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا، جو تم کرتے رہے تھے۔

اور عمل صالح کو ایمان کا لازمی نتیجہ اور جزو لاینفک قرار دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلاًO(۱۸۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے۔

تنظیم:

کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک وہ منظم نہ ہو، کیونکہ قوت تنظیم ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس جماعت میں تنظیم نہ ہو اس میں قوت عمل پیدا ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ ایک مضبوط ریاست کا نظم ونسق بھی اگر ڈھیلا پڑ جائے اور اس کی انتظامی مشینری فعال نہ رہے تو اسے بگڑنے اور تباہ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ اسلام کے سارے اصول اور ادارے مسلمانوں کو منظم کرتے ہیں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا اخلاق و معاشرت سے۔ نماز ہی کو لیجئے، مسلمانوں پر باجماعت نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض کی گئی، جس میں محلے کے لوگ اکھٹے ہوتے ہیں۔ پھر ہر ہفتے جمعہ فرض کیا گیا، جس میں ساری آبادی جمع ہوتی ہے اور سال میں دوبار عید فرض کی گئی، جس میں اردگرد کی ساری آبادی جمع ہوتی ہے، پھر حج فرض کیا گیا جس میں ہر سال ساری اُمّتِ اور سارے مسلم ممالک کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان ساری سطحوں پر منظم اجتماعات سے باہمی اخوت میں اضافہ ہوتا ہے اور مسائل کی تنقیح اور حل کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ پھر نماز میں صف بندی کا حکم دیا گیا اور صفوں کو سیدھا رکھنے کی سختی سے تاکید کی گئی، پھر صفوں میں بھی ترتیب رکھی گئی کہ پہلے بڑے کھڑے ہوں پھر بچے اور آخر میں عورتیں۔ پھر یہ حکم دیا کہ ارکانِ نماز میں سختی سے امام کی پیروی کرو۔ نہ اس سے پہلے رکوع و سجود کرو اور نہ اس کے رکوع و سجود کے بعد اس کی پیروی میں تاخیر کرو۔(۱۸۳) معاشرت میں دیکھئے تو معاشرے کی بنیادی اکائی کے طور پر خاندان کو منظم کیا گیا اور وہاں ہر فرد کا دائرہ کار متعین کیا گیا اور میاں بیوی اور والدین و اولاد سب کے حقوق و فرائض صراحت سے طے کر دیئے گئے۔ سیاسی حوالے سے دیکھئے تو اسلام نے ریاست وحکومت کے قیام کو مسلم معاشرے کے لئے فرض قرار دیا اور ایک حکومت اور ایک حکمران کا تصور دیا اور یہاں تک فرمایا کہ ایک آئینی حکمران کے ہوتے کوئی دوسرا دعویٰ حکمرانی کرے تو وہ واجب القتل ہے۔(۱۸۴) اسلام نے تنظیم کا یہاں تک حکم دیا کہ اگر دو آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو ضرور امیر بنالیں۔(۱۸۵)

منصوبہ بندی:

یہ کائنات جس میں ہم رہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی بے نظیر منصوبہ بندی کا ایک شاہکار ہے۔ جس طرح تدریج کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور پھر ان میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی انسان کو ضرورت پڑنے والی تھی، اس کی منصوبہ بندی کے بارے میں اگر اسان غور کرے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی توجہ دلائی ہے، چنانچہ فرمایا:

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ طِبَاقاً مَّا تَرَی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَی مِن فُطُورٍ O ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِأً وَهُوَ حَسِيْرٌ O(۱۸۶)

اس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے تم خدائے رحمان کی اس تخلیق میں کوئی نقص نہیں دیکھو گے۔ پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لو کہیں تمہیں کوئی نقص دکھائی دیتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ دوڑا کر دیکھو، تمہاری نظر تھک

ہار کر ناکام واپس لوٹ آئے گی۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ لیجئے۔ آپ ﷺ کو بنی اسماعیل میں پیدا کیا اور وہ بھی صحرا کے بدوؤں میں جہاں کردار اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ ﷺ کو مشقت میں پروان چڑھا کر کندن بنایا (باپ، ماں پھر دادا کا فوت ہو جانا اور پرورش کرنے والے چچا کا غریب ہونا وغیرہ)۔ پھر ایک مالدار خاتون سے شادی، تجارت کا تجربہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انسانی اوصاف کا اثبات سے پہلے صدیق و امین کہلائے، پھر اللہ کی رہنمائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منصوبہ بندی پر غور کیجئے: پسے ہوئے طبقے (غلاموں وغیرہ) کو منظم کرنا، مکہ میں مظالم بڑھنے پر صحابہؓ کو ہجرت حبشہ کا حکم دینا۔ مکہ میں دعوت کی زرخیزی کم دیکھ کر طائف میں پاؤں جمانے کی کوشش کرنا، مدینہ ہجرت کرنا، مدینہ کی صورت حال میں متبادل مرکز قائم کرنا۔ ہجرت کی منصوبہ بندی دیکھئے: کافروں کو جل دینے کے لئے غار میں چھپ جانا، مدینہ جانے کے لئے عام راستہ کو غیر معروف راستہ اختیار کرنا تاکہ کوئی پکڑ نہ سکے۔ مدینہ منورہ کا نظام قائم کرنا اور یہودیوں کو ساتھ ملا لینا، کفار مکہ کی اقتصادی شہ رگ پر ہاتھ ڈالنا، مدینہ کے معاشرے اور ریاست کے سارے شعبوں کو منظم کرنا بھی، بالآخر بغیر کشت و خون کے مکہ فتح کر لینا پھر ساری دنیا کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دینا، مسلمانوں کو متحد کرنا۔ غرض ایک ایک بات پر غور کرتے جایئے، تو عقل کام نہیں کرتی کہ کس حیرت انگیز منصوبہ بندی سے آپ ﷺ نے یہ سارے کام کئے۔ (۱۸۷)

پابندی قانون:

کوئی قوم اور جماعت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ برضا و رغبت ان قوانین اور قواعد و ضوابط کی پابندی نہ کرے جو حکومت نے قوم کے اختیار کردہ نظریہء حیات کے نفاذ کے لئے وضع کئے ہوں۔ یاد رہے کہ تعزیر اور سزا کے ڈر سے قانون کی پابندی کرنا اطاعت کا آخری اور ناپسندیدہ ترین درجہ ہے۔ اطاعت کا حسن اور نتیجہ خیزی اس امر میں مضمر ہے کہ افراد معاشرہ قانون پر خوشی و رضامندی سے عمل کریں۔

اس کی ایک مثال حضرت ماعزؓ کا واقعہ ہے کہ جن سے جرم زنا سرزد ہو گیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور صراحت سے کہا کہ ان سے یہ جرم سرز ہو گیا ہے اور وہ اس کا اقرار اس لئے کر رہے ہیں کہ دنیا ہی میں اس کی سزا کاٹ لیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ جائیں چنانچہ انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ (۱۸۸)

اور اسی طرح کا حیرتناک واقعہ حضرت ابومحجن ثقفیؓ کا ہے جو شاعر تھے اور مدح شراب کے جرم میں قید تھے۔ قادسیہ کی جنگ جاری تھی۔ حضرت محجنؓ نے سالار کی اہلیہ کی منت کی کہ انہیں جہاد میں حصہ لینے کے لئے آزاد کرے اور وعدہ کیا کہ اگر وہ زندہ رہے تو واپس آ کر خود ہتھکڑی پہن لیں گے۔ ان کی منت سماجت سے متاثر ہو کر سپہ سالار کی اہلیہ نے انہیں آزاد کر دیا۔ حضرت ابومحجنؓ نے بہادری کے جوہر دکھائے اور بیسیوں کافروں کو تہہ تیغ کیا اور شام کے وقت واپس آ کر جیل کے کمرے میں بیٹھ گئے اور ہتھکڑی پہن لی۔ ان کو لڑتے ہوئے پہچان لیا گیا اور سپہ سالار کی تفتیش پر واضح ہو گیا کہ وہی لڑنے کے لئے گئے تھے۔ سپہ سالار (حضرت سعدؓ بن ابی وقاص) نے خوش ہو کر ان کی سزا معاف کر دی اور انہوں نے بھی وعدہ کیا کہ آئندہ اپنے شعروں میں شراب خانہ خراب کی مدح نہ کریں گے۔ (۱۸۹)

ایثار وقربانی:

کسی جماعت کے افراد میں جب تک اپنے ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہو وہ ترقی نہیں کرسکتی کیونکہ ایک آدمی کا ذاتی مفاد خواہ وہ بظاہر بڑا ہی کیوں نہ ہو، اجتماعی مفاد کے مقابلے میں حقیر ہوتا ہے، خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک لازمی صفت یہ بتائی کہ وہ ہمیشہ ایثار پیشہ ہوتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَO(۱۹۰)

اور وہ انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں، اور جنہوں نے اپنے آپ کو لالچ سے محفوظ رکھا وہی فلاح پائیں گے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں میں یہ سپرٹ پیدا کی کہ وہ دوسروں کی ضرورتوں کا خیال رکھیں، چنانچہ مومنوں کی یہ صفت گنوائی کہ وہ:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيماً وَّ اَسِيرًا(۱۹۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

چنانچہ ان کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صحابی کو اس کے کسی دوست نے بکرے کی سری بھیجی۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اس کو بھجوادی۔ اس نے بھی یہی سوچ کر آگے کسی اور بھائی کو بھجوادی۔ اس طرح سات گھروں کے چکر لگا کر وہ سری پھر اسی آدمی کے پاس پہنچ گئی۔(۱۹۲) اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی تمیز بھی نہ تھی، چنانچہ بدر میں جو مشرکین مکہ گرفتار کئے گئے اور کفالت کے لئے مختلف مسلمان گھروں میں بانٹ دئے گئے، ان میں سے بعض نے گواہی دی کہ مسلمان ہمیں کھانے کو سالن روٹی دیتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے تھے۔(۱۹۳)

کسی اعلیٰ سے اعلیٰ نظریہء حیات کا محض جان لینا اور مان لینا کافی نہیں ہوتا جب تک آدمی اس پر پختہ یقین نہ رکھے اور ثابت قدمی سے اس پر ڈٹا نہ رہے اور اس پر عمل اور اس کے نفاذ کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے پر تیار نہ ہو، چنانچہ قرآن کریم کہتا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ O(۱۹۴)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر وہ ثابت قدم رہے تو یقیناً ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم اندیشہ نہ کرو اور غم نہ کرو اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

یہاں استقامت سے مراد ہے ثابت قدم رہنا، ہر حال میں اس پر ڈٹے رہنا، اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرنا۔

قدرت کا اٹل فیصلہ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَO(۱۹۵)

اور ہم تمہیں بعض آزمائشوں میں ضرور مبتلا کریں گے، جیسے دشمن کا خطرہ، فاقے کا ڈر، مال کا نقصان، جان کی ہلاکت اور قحط کی مصیبت اور پھر خوشخبری ہے ان کے لئے جو ثابت قدم رہیں۔

غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو اپنی بعض کمزوریوں اور غلطیوں کی وجہ سے زک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر دل شکستہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے سامنے تو ایک بڑا مقصد ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی) جبکہ کافر جن کے سامنے کوئی بڑا مقصد حیات نہیں وہ بھی تو شکستیں کھانے کے باوجود تم سے برابر مقابلہ کئے جا رہے ہیں۔

ہر مرحلے پر صبر و آزمائش:

وَلاَ تَهِنُواْ فِي ابْتِغَاء الْقَوْمِ إِن تَكُونُواْ تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّهِ مَا لاَ يَرْجُونَ وَكَانَ اللّهُ عَلِيماً حَكِيماًO(۱۹۶)

اور دشمن کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو تمہارا دشمن بھی تمہاری طرح دکھ اٹھاتا ہے۔ لیکن اللہ سے اجر و ثواب کی جو امیدیں تم رکھتے ہو وہ نہیں رکھتے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور عملاً دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دین پر قائم رہنے کے لئے کتنی مصیبتیں اٹھائیں اور تکلیفیں سہیں۔ ان کو گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ تپتے صحرا میں لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیئے جاتے، مارا پیٹا جاتا۔ معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا، یہاں تک کہ لوگ جانیں بچانے کے لئے شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر جب مدینے میں ان کو ذرا سہارا ملا تو وہاں بھی ان کو نیست و نابود کرنے کے لئے ان پر مسلح حملے کئے گئے۔ غرض کون سی قربانی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو نہ دینی پڑی یہاں تک کہ سختیوں سے گھبرا کر اور جدوجہد کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلتے دیکھ کر بعض لوگ مضطرب ہو گئے اور پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے، روایت میں آتا ہے کہ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا، آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

"تم سے پہلے وہ لوگ ہو گزرے ہیں جنہیں زندہ حالت میں آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا یا لوہے کی کنگھی سے زندہ حالت میں ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا، لیکن وہ اپنے ایمان پر قائم

رہے۔ خدا کی قسم! وہ وقت آنے والا ہے جب ایک شخص اکیلا صنعاء سے چل کر حضرموت تک پہنچے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا مگر تم جلدی کرتے ہو۔" (۱۹۷)

(مطلب یہ کہ اپنے ایمان پر قائم رہو، اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آئے گی) اور جب اللہ تعالیٰ تک یہ فریاد پہنچی تو حکم صادر ہوا:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْاْ مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاء وَالضَّرَّاء وَزُلْزِلُواْ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللّهِ أَلا إِنَّ نَصْرَ اللّهِ قَرِيبٌ O (۱۹۸)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آرام اور مزے سے جنت میں داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جن سے پہلے لوگوں کو سابقہ پیش آیا تھا، وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے، انہیں جسمانی اذیتیں دی گئیں اور خوف و ہراس نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وقت کا رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (کہو) اللہ کی مدد (بہت) قریب ہے۔

سائنس و ٹیکنالوجی:

سطور بالا میں ہم دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کرچکے ہیں کہ لیکن سائنس و ٹیکنالوجی کی اہمیت کے پیش نظر انہیں یہاں دہراتے ہیں) کہ اسلام: دنیا کی بہتری چاہتا اور مسلمانوں کو تسخیر کائنات پر ابھارتا ہے۔

مظاہر قدرت پر غور وفکر کی دعوت:

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ......O (۱۹۹)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے تمہارے لئے مسخر کررکھا ہے۔

هُوَالَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَافِی الاَرْضِ جَمِیْعاً ......(۲۲۰)

اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔

سیرت طیبہ اُمّتِ مسلمہ کیلئے تعلیم و تعلم کی حوصلہ افزائی کرتی ہے:

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔(۲۰۱) نیز آپ ﷺ ہمیشہ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔(۲۰۲)

اسلام تحقیق پر اکساتا اور غور وفکر کی دعوت دیتا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ O (۲۰۳)

اور اسی نے تمہارے لئے زمین و آسمان کی سب چیزوں کو مسخر کیا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں آن لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

تجربہ و مشاہدہ کی حمایت کرتا ہے:

قُلْ سِيْرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ......(۲۰۴)

اے نبی ﷺ ان سے کہو تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا۔

امور کو ان کی بہترین شکل میں انجام دینے کی تلقین کرتا ہے یعنی Excellence کا حکم دیتا ہے، چنانچہ حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے پہلے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ (یعنی عقیدہ) پھر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ یعنی اعمال اور اس کے بعد پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ یعنی ان اعمال کو بہترین طریقے سے انجام دینے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے وہ طریقہ بتا دیا یعنی اللہ تعالیٰ کی حضوری کا تصور (۲۰۵) ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

ان اللّٰه کتب الاحسان علی کل شیء (۲۰۶)

یعنی اللہ نے تم پر یہ فرض کیا ہے کہ ہر کام بہترین طریقے سے کرو۔

اور یہاں مہمات امور کی بھی قید نہیں کہ نماز، روزہ اور جہاد جیسے امور بہترین طریقے سے انجام دو بلکہ فرمایا کہ چھوٹا سے چھوٹا کام ہو تو بھی بہترین طریقے سے کرو چنانچہ فرمایا:

''اگر جانور ذبح کرنا ہو تو بھی اچھی طرح کرو اور چھری پہلے اچھی طرح تیز کرلو''۔(۲۰۷)

اسلام نے مسلمانوں کے معاشی استحکام اور معاشی ترقی کے لئے واضح اور متعین ہدایات دی ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں، دولت کی چند ہاتھوں میں ترکیز سے منع کیا اور اس کی تقسیم کا اس طرح معقول انتظام فرمایا کہ اس کا رخ دولت مندوں سے ضرورت مندوں کی طرف ہو گیا:

مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِO(۲۰۸)

اور جو مال اللہ اپنے رسول ﷺ کو دوسری بستیوں سے بطور فے دلوا دے تو اس میں حق ہے اللہ کا، اس کے رسول ﷺ کا، رسول کے مومن رشتہ داروں کا، یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ مال صرف تمہارے مال داروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماًO(۲۰۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ البتہ باہم رضامندی سے تجارت کے ذریعے جو مال حاصل کرو وہ کھا سکتے ہو۔

خرچ کرنے میں اعتدال کا حکم دیا، بخل سے بھی منع کردیا اور اسراف سے بھی۔

وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ

مَا بَخِلُواْ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاللّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌO(۲۱۰)

جن لوگوں کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا ہے مگر وہ مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔ جس مال و دولت میں وہ بخل کر رہے ہیں اس کا قیامت کے دن انہیں طوق پہنایا جائے گا۔

وکُلُواْ وَاشْرَبُواْ وَلاَ تُسْرِفُواْ إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَO(۲۱۱)

اور کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

زکوٰۃ کی صورت میں غریبوں اور مسکینوں کی مدد قانونی طور پر فرض کر دی اور اسے عبادت کا درجہ دے دیا:

وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُواْ لأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌO(۲۱۲)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور تم اپنے لئے جو بھلائی بھی آگے بھجواؤ گے اس کا اجر اللہ کے ہاں ضرور پاؤ گے۔

زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالی طور پر پسے ہوئے طبقے کی مدد کرنا اغنیاء کا اخلاقی فرض قرار دیا:

وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ......(۲۱۳)

اور ان (امیروں) کے مال میں حق ہے سوالیوں کا اور محروموں کا۔

سود یعنی محنت کے بغیر سرمائے کو نفع اندازی کے لئے استعمال کرنے سے روک دیا اور اس کی قباحتوں کے پیش نظر اسے اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ O فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ O(۲۱۴)

اے ایمان والو! اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور تمہارا جو سود لوگوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔

محنت و مشقت کا حکم دیا اور فرمایا کہ بہترین رزق وہ ہے جو آدمی اپنی محنت سے کمائے(۲۱۵) اور محنت و مشقت سے اپنے بچوں کو رزق حلال مہیا کرنے والے کو مجاہد قرار دیا اور کاہلی اور بے عملی کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جو بے محنت کئے مانگ کر کھاتا ہے قیامت کے دن اللہ کے حضور اس ذلت سے حاضر ہوگا کہ اس کے چہرے پر ذرا بھی گوشت نہ ہوگا(۲۱۶)

حلال و حرام کے تعین کے بعد اسلام نے جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت و ملکیت کو مقدس قرار دیا اور چوری ڈکیتی کے ذریعے انسان کو اس سے محروم کرنے پر کڑی سزائیں تجویز کیں اور اس کی حفاظت کی خاطر جان دینے کو شہادت

قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاء بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌO(۲۱۷)

اور چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو، یہی ان کے کئے کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا بھی۔

إِنَّمَا جَزَاء الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَاداً أَن يُقَتَّلُواْ أَوْ يُصَلَّبُواْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلافٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ الأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌO(۲۱۸)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کے مرتکب ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دئے جائیں یا انہیں ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔(۲۱۹)

یہ معاشی تعلیمات انقلابی نوعیت کی تھیں اور ناممکن تھا کہ ان کا مثبت نتیجہ نہ نکلتا۔ چنانچہ جب صحابہ کرامؓ ہجرت کرکے مدینہ منورہ گئے تو اس وقت مالی طور پر قلاش تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سب کو فقر و فاقہ کا سامنا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک دس سال ہی میں حالات بہت سدھر گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے تک پہنچتے دولت کی ریل پیل ہوگئی اور سوشل سیکیورٹی کا فعال نظام قائم کردیا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن بعدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک وقت وہ آیا کہ بعض بستیوں میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ رہا۔

حربی قوت۔ ایک ناگزیر ضرورت:

جنگ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر دو چیزوں کو آلات حرب پر ترجیح دیتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی نصرت کی توقع اور دوسرے انسان، اور ان دونوں کی اہمیت کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں۔

اسلام کی مستقل پالیسی یہ ہے کہ تمام دنیوی معاملات میں پہلے اسباب فراہم کرنے کی مقدور بھر کوشش کرو، پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت کی امید رکھو۔ چنانچہ ایک آدمی نے آپﷺ سے توکل کے بارے میں پوچھا تو آپﷺ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو (کہ وہ گم نہیں ہو جائے گا)(۲۲۰) اسی طرح پہلے آپﷺ نے بدر کے میدان میں ساری زندگی کی جمع پونجی لاکر حاضر کردی پھر (جذب کے عالم میں) کہا کہ اے اللہ! یہ لوگ اگر آج مٹ گئے تو تیرا نام کون لے گا؟(۲۲۱) یہ دعا گھر بیٹھے نہیں مانگ لی، حالانکہ آپﷺ اللہ کے محبوب پیغمبر تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق تھے۔ چنانچہ جنگ کے حوالے سے بھی قرآن کریم کہتا ہے کہ تمہارے پاس اتنا اسلحہ ضرور ہونا چاہیئے جس سے

کافروں پر تمہارا رعب بیٹھ جائے۔

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ O (۲۲۲)

اور اے مسلمانو! جس قدر تم سے ہو سکے فوجی قوت اور گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے دشمنوں پر، تمہارے دشمنوں پر اور ان لوگوں پر تمہاری ہیبت رہے، جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

اس ہدایت اور سپرٹ کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے مسلمان اسلحے میں بھی ہمیشہ اپنے دشمنوں سے آگے رہے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مدینہ میں شام کے وقت کھلے میدان میں تیراندازی اور نیزہ بازی کی مشق کی جاتی تھی۔(۲۲۳) اور روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو اس وقت منجنیق استعمال کی (۲۲۴) جو اس زمانے کے اسلحہ جنگ میں جدید ترین ہتھیار تھا پھر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں بحری بیڑا بنالیا گیا جس نے سمندروں میں مسلمانوں کی بالادستی کو مستحکم کردیا۔

اتحادِ اُمّت - وقت کی ایک اہم ضرورت:

اُمّتِ مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سرفہرست اس اُمّت میں اتحاد کا فقدان ہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں اس طرف ہماری بھرپور رہنمائی کی گئی ہے۔ اتحاد اُمّت ایک شرعی تقاضہ ہے اور اُمّت کے عروج و ترقی کے لئے ازبس ضروری و لازمی ہے۔ قرآن کریم نے جابجا اتحاد اُمّت کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سب سے بڑی رحمت ونعمت قرار دیا ہے اور اس کو اعتصام بحبل اور اسی طرح کی تعبیرات عظیمہ سے موسوم کیا ہے۔ مسلمانوں کے اوّلین مادہ تکوین اُمّت یعنی اہل عرب کو مخاطب کرکے اور پھر تمام عرب وعجم سے فرمایا:

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً (۲۲۵)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب تم دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی تو تم اس کی نعمت کے سبب بھائی بھائی بن گئے۔

''سب مل جل کر اور اکٹھے ہوکر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو، سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ وابستہ ہو اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے وہ سرفراز کئے گئے ہیں''۔(۲۲۶)

مولانا آزاد مزید فرماتے ہیں: ''اختلاف و انتشار کی زندگی کو بقاء و قیام نہیں ہوسکتا وہ بلا کی ایک آگ ہے جس کے دہکتے ہوئے شعلوں کے اوپر کبھی قومی زندگی نشوونما نہیں پاسکتی''۔(۲۲۷)

اُمّتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان :

اللہ تعالیٰ نے دلوں کے جڑنے سے پہلے اہل عرب کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۝(۲۲۸)

اور تمہارا حال یہ تھا کہ آگ کے دہکتے ہوئے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے پر اللہ نے تمہیں بچالیا، اللہ اپنے فضل و رحمت کی نشانیاں اسی طرح کھولتا ہے تاکہ کامیابی کی راہ پالو۔

خدائے بزرگ و برتر نے اتحاد و امت کو اپنی نعمت قرار دیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ انسانی تدبیر سے ممکن نہ تھا بلکہ یہ تو اللہ کی توفیق اور رحمت سے ممکن ہوا اور وحی الٰہی کی وجہ سے بکھرے ہوئے ٹکڑے جڑ کر ایک بنے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۝(۲۲۹)

اے ہمارے محبوب ﷺ اگر تم زمین کا سارا خزانہ خرچ ڈالتے تو بھی تم ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ان کے رسول میں الفت پیدا کردی، بیشک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

اتحاد و یکجہتی- اُمّتِ کی بقا اور استحکام کی علامت :

شریعت کا ظہور اور وحی الٰہی کا نزول قرآن کریم نے ان دونوں چیزوں کا بھلا نتیجہ اجتماع و اتحاد اُمّتِ کو قرار دیا کیونکہ تفرقہ و انتشار شریعت اور وحی الٰہی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، افتراق و انتشار شریعت اور وحی الٰہی سے دشمنی اور منہ موڑنے کے نتیجے میں پیش آتا ہے، جیسا کہ مختلف سورتوں میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَا اخْتَلَفُواْ حَتَّى جَاءهُمُ الْعِلْمُ (۲۳۰)

تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد

وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَهُم......(۲۳۱)

اور ہم نے دن اس کام کی روشن دلیل دیں، تو انہوں نے اختلاف نہ کیا مگر بعد اس کے کہ علم ان کے پاس آچکا۔

وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلَـئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۝(۲۳۲)

تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں:

آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیشہ اور ہر موقع پر اُمّتِ مسلمہ کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کی کیونکہ میں اسی میں وحدت

وقوت کا اور نصرت الٰہی کا راز پوشیدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیکم بالجماعة وایاکم الفرقة (۲۳۳)

اسلام اس حوالے سے اس قدر حساس ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والے ہر سبب کو ختم کرنے کے لئے تلوار تک کو بے نیام کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حتّٰی لاَ تَکون فتنةٌ (۲۳۴)

اور ان سے کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے۔

ہادی برحق نبی آخرالزماں ﷺ نے اُمّت کے اتحاد کی خاطر ارشاد فرمایا:

فمن اراد اَنْ یفترق امرھذہِ الامَةِ وَھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان (۲۳۵)

''جو شخص اس اُمّت کو جب تک وہ متحد ہو پراگندہ کرنا چاہے تو اسے تلوار پر رکھ لو خواہ وہ کوئی بھی ہو''۔

شَرَعَ لَکُم مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصَّی بِهِ نُوحاً وَالَّذِیْ أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهِ إِبْرَاهِیْمَ وَمُوسَی وَعِیْسَی أَنْ أَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِیْهِ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَیْهِ اللَّهُ یَجْتَبِیْ إِلَیْهِ مَن یَشَاءُ وَیَهْدِیْ إِلَیْهِ مَن یُنِیْبُ○(۲۳۶)

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اے نبی ﷺ اسی دین کی وحی ہم نے آپ ﷺ کی طرف کی ہے، اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو، موسیٰؑ کو، اور عیسیٰؑ کو دیا تھا، کہ اس دین پر قائم رہو اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرو۔

مومنوں کے باہمی تعلق کی مثال جسم انسانی کی سی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو بخار اور بے آرامی ہوتی ہے۔ (۲۳۷)

مسلمانوں کی مثال ایک عمارت کی سی ہے جس کی اینٹیں باہم دگر پیوست ہو کر ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی اور عمارت بناتی ہیں۔ (۲۳۸)

اتحاد کا دامن ہر حال میں تھامنے کی ہدایت:

اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسلمان کفر کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے ان کے ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ میں ایک شخص ایک زخمی کو پانی پلانے لگا تو قریب سے آواز آئی 'پانی'۔ اس نے اشارہ کیا کہ میرے بھائی کو پانی پلاؤ۔ وہ وہاں پہنچ کر زخمی کو پانی پلانے لگا تو ایک تیسرا زخمی پکار اٹھا، پانی، اس زخمی نے کہا کہ پہلے میرے دوسرے بھائی کو پانی پلاؤ۔ وہ وہاں پہنچا تو اس کی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ چکی تھی۔ وہ پانی پلانے والا واپس پہلے زخمی کے پاس پہنچا تو وہ بھی واصل بحق ہو چکا تھا۔ وہ دوسرے زخمی کی طرف لوٹا تو وہ بھی اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ اتحاد و ایثار کی یہ مثالیں تاریخ میں یکتا ہیں اور جب مسلمانوں میں اتحاد کی یہ سپرٹ پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا کہ یہ تمہاری دانش و منصوبہ بندی کا نتیجہ نہیں بلکہ تم پر ہماری مہربانی اور ہماری بھیجی ہوئی تعلیمات کا نتیجہ ہے:

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِیْعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْکُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَیْکُمْ إِذْ کُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ

بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ○(۲۳۹)

اور اللہ کا یہ انعام نہ بھولو جو اس نے تم پر کیا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اس سے پہلے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے، مگر اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

انہی تعلیمات نے مسلمانوں کو رنگ، نسل، زبان، خاندان، علاقے کے اختلاف کے باوجود ایک متحد اُمّت بنادیا یہاں تک کہ قریش کا نامور سردار اور عربوں کا عظیم قائد (عمرؓ ابن خطاب) افریقہ کے ایک حبشی غلام کو سیدنا بلال علیہ السلام کہہ کر پکارتا تھا اور عباسی خلیفہ معتصم غصے سے لبیک کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوگیا، جب اسے پتہ چلا کہ ایک مسلمان بچی نے سندھ کے پانیوں سے اسے مدد کے لئے پکارا ہے اور اس نے ایک لشکر جرار اس بچی کی فریاد رسی کے لئے بھیجا جس نے راجہ داہر کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، جس نے مسلمانوں کے لئے فتح ہند کے دروازے کھول دیئے۔

اُمّتِ مسلمہ کے اتحاد کے حوالے سے شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں: اُمّتِ مسلمہ کا یہ حال ہے کہ وہ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی ہے جو ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ حالانکہ ان کے پاس اتحاد کے مضبوط ترین عناصر موجود ہیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(۲۴۰)

اب حال یہ ہے کہ اسلام غریبوں کا دین بن کے رہ گیا۔ بااثر لوگ اسلام، اسلامی نظام، اسلامی عمل و کردار سے دور ہیں حالانکہ اسلام کو اپنانے میں امراء اور بااثر لوگوں کو پیش پیش رہنا چاہئے تھا تا کہ وہ مقام حاصل ہوسکتا جو عظمت کا راستہ ہے:

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب — زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب — پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے — زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے(۲۴۱)

آج اسلام کے بے اثر ہوجانے میں علماء واعظین اور اساتذہ کے کردار کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی — برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی — فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے — یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے(۲۴۲)

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اُمّتِ مسلمہ میں اتنی تحریکات ہیں وہ آخر کامیابی سے ہمکنار ہوکر اُمّتِ مسلمہ کو غلبے سے ہمکنار کیوں نہیں کرتیں، اور مسلمانوں کے موجودہ مسائل اور چیلنجز کو ختم کیوں نہیں کر دیتیں، دراصل بات یہ ہے کہ کوئی بھی تحریک کلی طور پر کامیابی سے ہمکنار نہیں، کیونکہ اسلامی تحریکات میں کچھ خامیاں ہیں۔ مثلاً

عجلت اور بے صبری:

عجلت کار شخص میں تحمل و بردباری اور صبر اور ٹھہراؤ کی خوبی نہیں ہوتی۔ وہ چاہتا ہے کہ آج بوئے اور کل صبح ہی کاٹ لے، بلکہ صبح پودا لگائے اور شام کو اس کا پھل پالے۔ یہ چیز نہ تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہے اور نہ دنیا میں ایسا کوئی اصول کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ وہ اس بات پر قادر تھا کہ ''کن'' کہہ دیتا اور ''فیکون'' کی صورت میں نتیجہ سامنے آ جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اس سنت کے ذریعے سے تامل اور تحمل کی تعلیم دے۔ اس نے اپنے پیارے نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ابتلاؤں اور آزمائشوں سے گزار کر فتح و نصرت سے نوازا۔ یہاں تک کہ ابتداء میں طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں جہاد کر کے اپنا بچاؤ کرنے کی بھی اجازت نہ دی اور تاکید کر دی کہ:

كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلاةَ ......(۲۴۳) اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔

وان الله على نصرهم لقدير ......(۲۴۴) اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا امر صادر کرنے تک اپنے نبی ﷺ اور مومنین کو صبر و تحمل کی روش پر قائم رہنے کا حکم دیا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ (۲۴۵)

پس اے نبی ﷺ، صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے معاملے میں جلد نہ کرو۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ○(۲۴۶)

پس اے نبی، صبر کرو، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ○(۲۴۷)

اے نبی، صبر سے کام کئے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ○(۲۴۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو۔ باطل پرستوں سے مقابلے میں پامردی دکھاؤ۔ حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امید ہے فلاح پاؤ گے۔

عجلت کاری کے نتیجے میں تحریک اسلامی مکمل تیاری سے قبل ہی سخت معرکوں میں کود پڑی۔ ایسی مشکلات کو بھی اس نے قبل از وقت دعوت دے دی جو اس کی طاقت سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ بیک وقت مشرق و مغرب سے ٹکرا گئی اور اپنے آپ کو ایسی مشکل راہوں پر ڈال لیا جن سے ہٹنا اب اس کے بس میں نہیں رہا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عجلت کی روش کو سخت ناپسند کیا ہے کیونکہ نتائج کے اعتبار سے یہ بہت بری روش ہے۔ قرآن کریم میں ایسے اشارے موجود ہیں جو عجلت و بے صبری کے برے انجام پر دلالت کرتے ہیں:

وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝(۲۴۹)

اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے پہلے لے آئی اے موسیٰ؟ اس نے عرض کیا وہ بس میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں۔ میں جلدی کر کے تیرے حضور آ گیا ہوں تا کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے۔ فرمایا: اچھا تو سنو، ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر ڈالا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف پلٹے تو وہ قوم کے گمراہ ہونے کی وجہ سے غضب اور تاسف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی کی ڈاڑھی کے بال پکڑ کر غصے میں کہا:

يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝ أَلَّا تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝ قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝(۲۵۰)

اے ہارون، جب تم نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو چکے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ ہارون نے جواب دیا: اے میری ماں کے بیٹے، میری ڈاڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ۔ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔

بنی اسرائیل میں شرک کے جرم کے پھوٹ پڑنے پر ہارون علیہ السلام نے صبر و تحمل کا شیوہ اختیار کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے بھائی موسیٰ کے آنے تک بنی اسرائیل باہمی پھوٹ اور خلفشار سے بچے رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے آنے پر ان کے مشورے سے نئی صورت حال کا کوئی حل سوچا جائے گا۔

حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ صبر و تحمل کی روش کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے۔ جبکہ عجلت اور اوچھا پن شیطانی خصلتوں میں سے ہے۔ ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اس بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جو جلدی نہ کرے اور کہے میں نے دعا تو کی تھی، ابھی قبول نہیں ہوئی۔

مبالغہ:

عواطف و جذبات جب غالب آ جاتے ہیں تو ایک تیسری آفت اندر سے رونما ہوتی ہے۔ وہ مبالغے کا حد سے بڑھ کر معاملات و مکالمات میں شامل ہو جانا ہے۔ اس آفت میں تو صرف تحریک اسلامی نہیں، پوری اُمت ہی گرفتار ہے۔

ظاہری معاملات میں ہم دو انتہاؤں میں سے کسی ایک پر کھڑے ہوتے ہیں، تفریط کا شکار ہوتے ہیں یا افراط کا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی جس صفت سے مدح فرمائی ہے وہ تو ''الوسط'' یعنی میانہ روی ہے۔

اُمتِ مسلمہ کا امتیاز:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً......(۲۵۱)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمتِ وسط بنایا۔

یہ خوبی تحریک اسلامی سے رخصت ہوگئی ہے۔ تحریک کی صفوں میں بھی مبالغہ اور حد سے بڑھی ہوئی نمائش، فہمائش اور تعریف و مذمت کا رجحان تقویت پکڑ گیا ہے۔ اپنی تعریف آپ کی جاتی ہے۔ اسی طرح سے فخر و تکبر ان مہلکات میں سے ہے جو کسی فرد یا قوم کے مقدر ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن کریم یہ اشارہ دیتا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئاً (۲۵۲)

ابھی غزوۂ حنین کے روز تمہیں اپنے کثرت تعداد کا غرور تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: دو چیزوں میں ہلاکت ہے، غرور اور قنوطیت (۲۵۳)

موسیٰ بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ کے سامنے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت برپا ہوگی تو رومیوں (عیسائیوں) کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی''۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا ''ذرا غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس شخص نے کہا: ''میں تو وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا'' عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: ''اگر یہ بات ہے تو پھر ضرور ان میں چار خصائل ہوں گے۔ ۱- آزمائش کے وقت وہ سب سے زیادہ حلم و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوں گے، ۲- مصیبت سے گزرنے کے بعد بہت جلدی سنبھلنے کی صلاحیت کے مالک ہوں گے، ۳- مسکینوں، تیموں اور ضعیفوں کے ساتھ بھلائی کرنے والے ہوں گے اور حاکموں کے ظلم سے بچانے والے ہوں گے۔ (۲۵۴)

امن و سلامتی اور انسان کا دوستی کا مثالی پیغام:

قرآن حکیم نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ کسی سے محبت یا نفرت کے معاملے میں ہمیں عدل کو فراموش نہیں کردینا چاہیے۔ محبت و لگاؤ خواہ اپنی ذات کے ساتھ ہو یا اپنی جماعت کے ساتھ، اور نفرت اپنے دشمنوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ ○ (۲۵۵)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّٰهَ(۲۵۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسب رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔

اسلام ہی امن عالم کا ضامن ہے:

آج مغرب اپنے تمام ذرائع کے ہمراہ یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ اسلام ایک انتہاپسند، قدامت پرست، اور دہشت گرد، مذہب ہے۔ وہ ہر مسلمان کو دہشت گرد، اور اسلام کو دہشت گردی کی فیکٹری قرار دیتا ہے، اور اس کے ساتھ لبرل ازم کے نام پر مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی حرارت نکالنے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ فحاشی اور بے حیائی کو نہایت تیزی سے دلوں میں اتار دینے میں کوشاں ہے۔

ان حالات کے پیش نظر عصر حاضر اُمّتِ مسلمہ سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ مغرب کے پروپیگنڈے کا نہ صرف مؤثر جواب دے بلکہ یہ ثابت کرے کہ: ''اسلام ہی ساری دنیا کو بھلائی دینے والا دین ہے۔'' ''یہ اُمّتِ عالم گیر امن کی دعوے دار اُمت ہے۔'' ''ان کی کتاب دنیا کو روشنی فراہم کرنے والی کتاب ہے۔'' ''ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آنے والا رسول ہے''۔ ''مغرب کو بتایا جائے کہ خود ان کے بڑے بڑے دانش ور تسلیم کرتے ہیں کہ:''

He was the only man in history who was supremely successful on both the religions and secular levels.(257)

یہ بھی واضح کیا جائے کہ جن کا مزاج ہی: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲۵۸) ہو وہ تشدد اور دہشت گردی جیسے برے راستے پر کبھی نہیں نکل سکتے۔

حقوق نسواں:

آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے معاملے میں انصاف نہیں کرتا۔ اُسے خبر ہی نہیں کہ اس دین کے نام لیواؤں کا خدا تو انہیں حکم دیتا ہے کہ:

عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔(۲۵۹) اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، سہو۔(۲۶۰) مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔(۲۶۱) ان سے ان کا نبی کہتا ہے ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو'' (۲۶۲) اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپ ﷺ سے تعلیم کے لئے ملنے کی درخواست کی تو آپ

ﷺ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا اور الگ جگہ کا تعین فرمادیا۔ (۲۶۳)

اسلام خواتین کے بارے کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے: ا۔اسلامی نظام تعلیم میں لڑکیوں کے لئے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے ۔۲۔ان کے لئے نصاب تعلیم الگ ہونا چاہئے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔(۲۶۴)

عصبیت سے مبرا:

غیر مسلموں کے پروپیگنڈے کے برعکس قرآن کریم کی تعلیمات اور ارشادات نبی کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبے سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔(۲۶۵)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خداترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔(۲۶۶)

بہترین مدنیت:

اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے۔ وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا (۲۶۷)

یعنی ترک تمدن بدعت ہے۔

مساوات انسانی کا بہترین نمونہ:

اسلام مساوات انسانی کا ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اسلام اس اصول کی پوری پاس داری کرتا ہے۔

اب اگر اُمّتِ مسلمہ حقیقت اور انصاف کی نظر سے دیکھے تو عصر حاضر سے سب سے بڑا چیلنج اُسے اور صرف اُسے درپیش ہے۔ اسے اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ سے کئے گئے وعدوں پر پورا ترنے کا ایک سنہری موقع نصیب ہو رہا ہے۔ اب تساہل سے کام لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسے اپنا کڑا احتساب کرنا ہوگا۔(۲۶۸)

چند ناگزیر تقاضے:

ان حالات میں اب اس اُمّتِ مسلمہ پر لازم ہے کہ:

اپنی منتشر صفیں درست کرے: انتشار کے نتیجے میں اس نے آج تک بڑے نقصان اٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں ۵۰ سے زیادہ اسلامی مملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام بے پناہ قدرتی وسائل اور خزانوں سے معمور ہیں، لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ان میں سے کوئی مجبور ہے تو کوئی

معذور، ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی میں ایک دوسرے کیسلامتی سے بھی کھیل جانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر اب عالم اسلام پر لازم ہو گیا ہے کہ:

☆ اسلامی ممالک کی تنظیم O.I.C کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنایا جائے۔

☆ اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جائے اور اس فنڈ سے غریب مسلم ممالک کی ترقی کے لئے ہر شعبے میں ان کی امداد کی جائے۔

☆ اسلامی ممالک کی تنظیم کے تحت ایک مشترکہ اسلامی فوج قائم کی جائے تاکہ ہر جارحیت کا متحد ہوکر بروقت سدباب کیا جاسکے۔

☆ تمام اسلامی ممالک متحد ہوکر جدید سائنسی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلے میں کثیر تعداد میں طلبہ، اساتذہ اور ماہرین کے باہمی تبادلے سے ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی مشترکہ سعی کریں۔

☆ جدید سائنسی علوم کے حصول کی کوششوں کے ساتھ دینی اور شرعی علوم کے حصول کا حکومتی اور اسلامی ممالک کی تنظیم کی سطح پر متحدہ اور مشترکہ انتظام کیا جائے۔ ماضی قریب میں غیر ملکی تسلط نے بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو ان کے مذہبی علوم سے دُور رکھنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں نے مجرمانہ حد تک ان کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ آج مسلمان اپنے دینی علوم حاصل کرنے میں شرم کیوں محسوس کرتا ہے؟

☆ ہر حکومت عوام میں پائی جانے والی نفرتوں کو دور کرنے کے لئے سرکاری سطح پر۔

...... لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال کو سختی سے روکے۔

...... مناظرہ بازی کے رواج کا سختی سے سدباب کرے (مناظرہ بازی کے چسکے نے ہمیں رسوائیوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔

...... منافرت اور انتشار پھیلانے والے لٹریچر پر کڑی پابندیاں عائد کرے۔

...... مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلم عوام کے اندر تہذیبی شعور Civic Sense بیدار کرنے کا خصوصی اہتمام کرے تاکہ ہر گھر کے اندر اور باہر طہارت، جو ایمان کی ایک بنیادی شرط ہے، پوری ہوتی نظر آئے۔

اُمّتِ مسلمہ کا کردار۔ چند ناگزیر تقاضے

(مسائل اور چیلنجز کے حوالے سے مختصر جائزہ)

حقوق انسانی کا اسلامی تصور اُجاگر کرنا: آج اُمّتِ مسلمہ پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی، معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوق انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

عفو و درگزر، صبر و استقلال اور عدل و انصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دے جس کی مثال سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

اسلام کی روحانی اقدار کو اجاگر کرنا:

اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو ''الاحسان'' کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اپنے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔

مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنا: آج اُمّتِ مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت، شفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لئے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصاف حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ از خود اس طرف کھچے چلے آئیں۔ (۲۶۹)

ہر مسلمان دین کا سچا داعی بن جائے:

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں لگ جائے۔ وہ خدا کے سچے دین کا سچا داعی بن جائے۔ وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے جو جہاں بھی جائے، اس کے ارگرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ الفاظ کی کرنوں سے جگمگانے لگے۔ اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بودوباش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی سیرت سے آیا کرتی تھی۔ وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمربستہ ہو جائے۔ وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بن جائے۔ اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو اور اس پر نظر پڑے تو اللہ یاد آ جائے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا　　　آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

نیا عالمی منصوبہ:

اُمّتِ مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا عالمی اسلامی منصوبہ تشکیل دے جس پر عمل پیرا ہوکر پس ماندگی کی حالت کو بدل کر ترقی اور سبقت لے جانے کی فضا پیدا ہو سکے۔ ہم بلاشرکت غیرے ایک ہزار سال تک دنیا کی قیادت کرتے رہے ہیں۔ ہماری تہذیب وتمدن ساری دنیا میں رائج تھی۔ ہم نے ساری دنیا کے لوگوں کو آداب حیات سکھائے تھے۔ ہم پر یہ واضح رہنا چاہئے کہ جہالت و پس ماندگی ہماری سرشت کا حصہ نہیں اور نہ ہی ہماری موجودہ حالت اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہے۔ اس لئے یہ درست نہ ہوگا کہ ہم انقلابات زمانہ کے شانہ بشانہ نہ چلیں۔ اس دور کی خاصیت اطلاعی و ابلاغی و فضائی انقلابات ہیں جن سے منہ موڑے رکھنا یا پہلو تہی برتنا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔ کیا ہم کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے دور

میں پرانے آلات و وسائل پر ہی اکتفا کئے رہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

حصول ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں رائج فلسفہ تعلیم و نظام تعلیم میں مثبت تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ اسلامی معاشرے میں اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ ماہرین تیار ہوں، جو نئی ایجادات کی قدرت رکھتے ہوں۔ اس وقت ساری دنیا میں مسلمان ماہرین اور سائنس دان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات پیدا کرنے ہوں گے کہ اسلامی معاشرے میں خدمات انجام دینے کے لئے وہ اپنے ممالک میں بخوشی واپس آسکیں۔ ہمیں شرح خواندگی کی کمی کو بھی دور کرنا ہوگا اور اس کے لئے قابل عمل منصوبہ بنانا ہوگا۔(۲۷۰)

عالمی صیہونی تحریک کا مقابلہ:

اُمتِ مسلمہ کے لئے ممکن نہیں کہ تہذیب و تمدن کی بلندیوں کو چھولے جب تک کہ وہ اپنے وجود کے خلاف ہونے والی عالمی صیہونی سازش کا مقابلہ کرتے ہوئے اسے شکست فاش نہ دے دے۔ اسی طرح نصرانیت اور ہندومت کی سازشوں کو سمجھنا اور ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دینا بھی اسی کا جزو ہے۔ یہ ہدف زبانی دعووں اور امن وسلامتی کے نام پر کئے جانے والے معاہدوں سے، جن کا واضح مقصد ان قوتوں کے سامنے سرِتسلیم خم کر دینا ہے، حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے لئے بصیرت افروز پختہ سوچ اور گہرے ایمانی جذبات کا پایا جانا ضروری ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے احیا کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوامی سطح پر اور حکومتی وعسکری سطح پر نئے عزم اور ولولے سے پختہ بنیادوں پر کام کا آغاز کیا جائے۔ وہ طرزِ فکر وعمل اپنایا جائے جس سے ہر مسلمان نفسیاتی، فکری اور تہذیبی وتمدنی حوالے سے اپنا سر بلند کر کے چل سکے اور عظیم تر اسرائیل (اور اکھنڈ بھارت) کے خوابوں کو پاش پاش کرنے کے لئے حوصلہ پا سکے۔

ہمہ جہت ترقی کے لئے جدوجہد:

جس ہدف کو ہمیں خاص اہمیت دینی چاہئے۔ اور جس کے حصول کے لئے ہمیں کمربستہ رہنا چاہئے وہ اسلامی معاشرے کی ہمہ جہت مجموعی ترقی کا حصول ہے۔ اس کے لئے بھرپور اور دوررس منصوبہ بندی کی جائے۔ یہ انسانی وسائل کو انسانی ترقی کے لئے سرگرم کرنے سے ممکن ہے۔ یعنی انسان ہی اس کا محور ہے اور خود انسان ہی اس کے حصول کا ذریعہ ہے جو موجودہ وسائل کو بہترین انداز سے استعمال کرتے ہوئے ترقی کی منازل طے کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ ہمہ جہت ترقی مسلمانوں کی اقتصادی ترقی، پیداوار کے متوازن استعمال اور معاشرے میں اس کی منصفانہ تقسیم، لوٹ کھسوٹ اور ملاوٹ و بدعنوانی کو ترک کرنے سے ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوسکے تو اُمتِ مسلمہ اقتصادی دباؤ سے نکل آئے گی۔ مسلمان ممالک میں خود کفالت کی صورت پیدا ہوسکے گی، اور آپس میں ایک دوسرے کی ضروریات و احتیاجات کو پورا کرنا ممکن ہوگا۔(۲۷۱)

منصفانہ معاشرے کا قیام:

ترقی کے حصول کے لئے ہمیں معاشرتی ظلم و زیادتیوں کے خلاف بھی علم جہاد بلند کرنا ہوگا۔ یہ فساد اور ظلم وجور مسلمانوں کے معاشرے میں عام ہے۔ ہمارے لئے لازم ہے کہ عدل اجتماعی کو قائم کریں، جس سے حق دار کو اس کا حق ملنے

کی ضمانت فراہم ہو۔ یہاں تک کہ ہر بے روزگار کو بہتر روزگار، مزدور کو اچھی اجرت، بھوکے کو روٹی، مریض کو دوا، بے سہارا کو سہارا، بے لباس کو لباس، ہر محنت کرنے والے کہ بہترین صلہ اور محتاج کو کفایت کرنے والا وسیلہ فراہم ہو جائے۔ (حقیقی منصفانہ معاشرہ وجود میں لائے کی کوشش، ترقی اسلام کی کوشش ہے جس کا احیا اشد ضروری ہے)

خواتین کی اہمیت:

یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کو صحیح مقام و مرتبہ دیا جائے۔ خواتین کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ خواتین معاشرے کا عددی لحاظ سے نصف حصہ ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں، گھر اور معاشرے پر ان کے براہ راست مثبت یا منفی ہر دو طرح سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمان مردوں کے لئے ضروری ہے کہ خواتین کے ساتھ ان کے اوّلین فریضے کی ادائیگی میں معاونت کریں جو گھر کی نگہداشت، خاوند کا خیال اور نسل انسانی کی تربیت کرنے کے اعلیٰ اعمال پر مشتمل ہے۔ اس میں دورائے نہیں (جنہوں نے تجربات کرنے تھے، کر لئے پھر بھی یہی نتیجہ نکلا) کہ خواتین سے یہ مقام کوئی اور نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے درست انداز سے ادا ہی کرسکتا ہے۔ لہٰذا خواتین کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جانا چاہئے تاکہ وہ اچھی بیوی، بہترین ماں، اور مفید شہری ثابت ہوسکیں۔

منصفانہ سیاسی نظام کا قیام:

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا اہداف اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتے، جب تک کہ منصفانہ سیاسی نظام رائج نہ کیا جائے۔ وہ نظام جس سے تمام شہریوں کو ان کے صحیح حقوق حاصل ہو جائیں، جو انسان کے مقام و مرتبے اور آزادی رائے کا احترام کرنے کا ضامن اور انسانی جان و مال وعزت کا رکھوالا ہو۔ یہ ایسا نظام ہو جس سے روح شورائیت بیدار ہو اور خیر خواہی اور ذمہ داری کا جذبہ پروان چڑھے۔ یہ نظام اسلام کے شرعی طرز سیاست پر مبنی ہونا چاہئے۔ جس کا بنیادی مقصد اُمّتِ مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ ہو۔

بیداری اُمّت کی ضرورت:

ان اہداف کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانان عالم کو پھر سے بیدار کیا جائے۔ اس کے لئے موجودہ معیار ایمان و اخلاق کو اوپر اٹھانے کی سعی کرنی ہوگی یہاں تک کہ آج کے مادی مسلمان میں روحانیت کی بلندی وعظمت پھر سے جاگ اٹھے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ صرف مادی ترقی اُمّتِ مسلمہ کے احیائے نو کا سامان نہیں کرسکتی۔ البتہ مادیت وروحانیت کے باہم اشتراک سے یہ ترقی ضرور ممکن ہے۔ (۲۷۲)

حاصل کلام:

۱- آج اُمّتِ مسلمہ کے جو حالات ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کرکے طویل المعیاد منصوبے بنائے جائیں۔ جن کی رو سے آج کے اس خواب کو کل کی حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے۔

۲- زوال کا وقت ہی وہ مناسب وقت ہوتا ہے جب عروج کے لئے پلاننگ کی جائے۔

۳- دل گرفتگی اور مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتی اور پرامیدی اور خوش امیدی زندہ رہنے اور جدوجہد کرتے رہنے پر اکستاتی ہے، لہٰذا اس مقالے میں یہی دوسری پالیسی اختیار کی گئی ہے۔

۴- قومیں یا تہذبیں عام طور پر ضعف و ادبار کے بعد دوبارہ نہیں اٹھ سکتیں لیکن مسلم تہذیب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کے نظریاتی مآخذ محفوظ اور موجود ہیں۔

۵- اُمّتِ مسلمہ کے زوال کا بنیادی داخلی سبب اپنے نظریہء حیات سے عدم وابستگی اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہے۔ اس کے زوال کا بنیادی خارجی سبب مغربی تہذیب کی اسلام اور مسلم دشمنی اور مسلمانوں کی اس تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی پیروی کرنے کا رجحان ہے۔

۶- مسلم اُمّت کے زوال سے نکلنے اور عروج کی طرف بڑھنے کا بنیادی نسخہ یہ ہے کہ انسان سازی کا کام کیا جائے، یعنی اسلامی اصولوں پر تعمیر شخصیت و کردار اور فکری و تحقیقی بالادستی کا کام، جس کا ذریعہ ہے صحیح اصولوں پر تعلیم و تربیت تزکیہ اور دعوت و اصلاح کا کام ہو سکے۔

۷- مغرب کی ساری پالیسیاں اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی ہیں۔

۸- یہ سمجھنا کہ مغرب کی پیروی سے مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے جانا مشرق کو ہوا اور جایا مغرب کو جائے۔

۹- مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ وہ متحد نہیں۔

۱۰- اور یہ کہ مسلم حکمرانوں کی سوچ اور عمل مسلم عوام کی سوچ اور عمل کے برعکس ہے۔ کیونکہ یہ حکمران دین سے دور ہیں، حب دنیا اور حب جاہ و منصب میں مبتلا ہیں اور اپنے اقتدار اور مفادات کے لئے مغرب کے گماشتے بنے ہوئے ہیں۔

۱۱- مسلم علماء، دینی ادارے، جماعتیں اور تحریکیں بھی زیادہ تر صحیح رخ میں کام نہیں کر رہیں۔ وہ اس پر غور کریں۔

۱۲- اگر مسلمان حکمت عملی سے کام لیں تو مغرب کے ساتھ دعوت و ڈائیلاگ اور جہاں مجبوری ہو وہاں مزاحمت کی پالیسی بیک وقت بھی اپنائی جا سکتی ہے اور اپنائی جانی چاہیے۔

۱۳- دینی مدارس کو، جو ایسے علماء پیدا کر رہے ہیں جنہیں حالات کے تقاضوں کی خبر ہے اور نہ وہ مغربی افکار اور اس حوالے سے مسلم دنیا کو درپیش چیلنجز کو سمجھتے ہیں، اپنا طریق کار بدلنا چاہیے۔

۱۴- اسی طرح وہ تبلیغی و اصلاحی جماعتیں جو ایسے اسلام کی تبلیغ کرتی ہیں جو زندگی کے مسائل و کشاکش سے بحث نہیں کرتا نہیں بھی اپنی حکمت عملی تبدیل کرنی چاہیے۔

۱۵- مسلمان اگر آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو انہیں کردار سازی کے ساتھ تعلیم و تحقیق میں آگے بڑھنا ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ یہ تعلیم و تحقیق نہ مغرب سے مرعوبیت پر مبنی ہو اور نہ لکیر کی فقیر ہو بلکہ اس میں اجتہادی شان اور تخلیقیت پائی جاتی ہو۔

۱۶- ضرورت ہے اُمّتِ کی سطح پر ایک تجزیاتی وتحقیقی ادارے اور تھینک ٹینک کی، جو مسلمانوں زوال کے اسباب اور عروج کے طریق کار پر مسلسل کام کرتا رہے اور اپنے نتائج فکر سامنے لاتا رہے۔ اسی طرح ہمیں ایک ''مرکز مطالعہ'' جیسے تجزیاتی وتحقیقی ادارے کی بھی ضرورت ہے جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف مغرب اور یہود و ہنود و نصاریٰ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو سامنے لاتا رہے اور ان کا تجزیاتی وتحقیقی مطالعہ اُمّتِ کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ مسلم عوام عوام وخواص کی ذہنی وفکری تربیت بھی ہو اور ان سازشوں کا بروقت تدارک بھی کیا جاسکے۔

حرف آخر:

ہم آخر میں یہی کہیں گے کہ اُمّتِ مسلمہ اگرچہ مسائل میں گھری ہوئی ہے تعلیم وٹیکنالوجی میں پیچھے ہے، اتحاد و اتفاق اور قیادت کا فقدان ہے، دنیائے کفر اس کو مٹانے کے درپے ہے، اس کی تہذیب و ثقافت پر حملہ آور ہے، پوری دنیائے کفر ایک نکتے پر متفق ہے، کہ مسلمانوں کو تبدیل کردو یا پھر ختم کردو ان تمام حالات کے باوجود اُمّتِ مسلمہ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے، اپنے اللہ سے لو لگا کر صراط مستقیم پر گامزن ہوکر طویل المعیاد منصوبہ بندی کر کے جدوجہد کی جائے کسی ایک ملک یا قوم کے زوال سے اُمّتِ مسلمہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اُمّتِ مسلمہ کے دشمن نورحق کا خاتمہ نہیں کرسکتے کیونکہ اُمّتِ مسلمہ کی حقیقت چشم اقوام سے مخفی ہے۔ نور توحید کو ابھی اور پھیلنا اور پھولنا ہے اب ہم یقین محکم، عمل پیہم اور خالق کے اس قول پر یقین رکھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہونا ہے:

وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَO (۲۷۳)

ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تمہی غالب رہو گے، اگر تم سچے مومن بن جاؤ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں(۲۷۴)

اور انشاء اللہ وہ دن بھی آئے گا جب شاعر مشرق کی یہ پیش گوئی پوری ہوگی:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے(۲۷۵)

إِنْ أُرِيدُ إِلاَّ الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلاَّ بِاللّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُO(۲۷۶)

حواشی

۱- القرآن سورۂ ال عمران، آیت ۱۱۰۔ ۲- حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۳۱۷۔ ۲-أ القرضاوی، علامہ محمد یوسف، اکیسویں صدی اور ہماری ذمہ داریاں، ماہنامہ ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۱ء۔ ۳- القرآن سورۂ البقرہ، آیت ۱۴۳۔ ۴- سید قاسم محمود، اسلامی دنیا، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۵ء ص۵۔ ۵- سید قاسم محمود، مسلم دنیا، محولہ سابقہ ص۶۔ ۶- سید قاسم محمود، مسلم دنیا، محولہ سابقہ ص۶۔ ۷-علی نواز میمن، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۱ء، ص ۶۳۔ ۸-علی نواز میمن، ملت اسلامیہ، محولہ سابقہ، ص ۶۳۔ ۹-علی نواز میمن، ملت اسلامیہ، محولہ سابقہ، ص ۶۳۔

۱۰- سید معروف شاہ شیرازی، اسلام اور مغرب کی موجودہ عالمی کشمکش، راولپنڈی، جلال القرآن فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء، ص ۹۷۔ ۱۱- ایضاً، ص ۹۸۔ ۱۲- ایضاً، ص ۹۹۔ ۱۳- ایضاً، ص ۹۹۔ ۱۴- زین العابدین، فکری یلغار، ترجمان القرآن، ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۵۶۔ ۱۵- فضل الرحمٰن فریدی ڈاکٹر، دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت، مکتبہ خلیل، لاہور، س ن، ص ۲۸۔ ۱۶- ایضاً ص ۲۸۔ ۱۷- ایضاً ص ۳۴۔ ۱۸- ایضاً ص ۳۶۔ ۱۹- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳۔ ۲۰- رواہ الترمذی عن حنفیۃ وقال: حدیث حسن۔ ۲۱- القرآن سورۃ المنافقون، آیت ۸۔ ۲۲- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۳۹۔ ۲۳- القرآن سورۃ لبقرہ، آیت ۴۴۔ ۲۴- القرآن سورۃ النساء، آیت ۱۳۵۔ ۲۵- القرآن سورۃ ابراہیم، آیت ۲۴،۲۵۔ ۲۶- القرآن سورۃ لبقرہ، آیت ۲۰۱۔ ۲۷- حافظ حقانی میاں قادری، ڈاکٹر، ماہنامہ مسیحائی کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۔ ۲۸- ایضاً، ص ۱۹۔ ۲۹- ایضاً، ص ۲۰۔ ۳۰- ایضاً، ص ۲۱۔ ۳۱- ایضاً، ص ۲۱۔ ۳۲- اقبال بحوالہ مسلم نشاۃ ثانیہ، ڈاکٹر محمد امین، لاہور، بیت الحکمت، ص ۳۸۔ ۳۳- القرآن سورۃ الحجرات، آیت ۱۳، سورۃ ص، آیت ۷۱۔ ۳۴- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۲۰۷، سورۃ الذاریات، آیت ۵۶، سورۃ فتح، آیت ۲۹۔ ۳۵- القرآن سورۃ حم سجدہ، آیت ۴، سورۃ الرعد، آیت ۱۶، سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۶۔ ۳۶- القرآن سورۃ ال عمران آیت ۸۳، سورۃ الرحمٰن، آیت ۳۳۔ ۳۷- القرآن سورۃ الحج، آیت ۶۵، سورۃ لقمان، آیت ۳۹۔ ۳۸- القرآن سورۃ الکہف، آیت ۲۹، سورۃ الدھر، آیت ۳۔ ۳۹- القرآن سورۃ الاعراف، آیت ۱۷۲۔ ۴۰- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۵۶، سورۃ غافر، آیت ۶۸۔ ۴۱- القرآن سورۃ الملک، آیت ۲، سورۃ نساء، آیت ۶۴، سورۃ الکہف، آیت ۱۱۰۔ ۴۲- القرآن سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۶، سورۃ القارعہ، آیت ۱۱تا۶۔ ۴۳- القرآن سورۃ المائدہ، آیت ۱۱۹، سورۃ طٰہ، آیت ۷۵،۷۶۔ ۴۴- القرآن سورۃ الحج، آیت ۱۹،۲۲، سورۃ المومن، آیت ۷۰-۷۷۔ ۴۵- ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل، لاہور ۲۰۰۴ء، بیت الحکمت، ص ۴۱۔ ۴۶- القرآن سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۵، سورۃ فاطر، آیت ۱۸۔ ۴۷- القرآن سورۃ الرحمٰن، آیت ۲۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۱۰، سورۃ نحل، آیت ۷۰۔ ۴۸- القرآن سورۃ الرعد، آیت ۲۸۔ ۴۹- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۸۵، سورۃ المائدہ، آیت ۱۱۹۔ ۵۰- القرآن سورۃ رعد، آیت ۲۴، سورۃ الانعام، آیت ۳۴، سورۃ نحل، آیت ۹۶۔ ۵۱- القرآن سورۃ الکہف، آیت ۲۹۔ ۵۲- ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشاۃ ثانیہ، ص ۴۴۔ ۵۳- القرآن سورۃ الانعام، آیت ۱۲۴۔ ۵۴- القرآن سورۃ العلق، آیت ۳-۵۔ ۵۵- القرآن سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۱۔ ۵۶- سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء علی طلب العلم۔ ۵۷- صحیح بخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاہد الغائب۔ ۵۸- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۷۔ ۵۹- القرآن سورۃ فاطر، آیت ۲۸۔ ۶۰- القرآن سورۃ الزمر، آیت ۹۔ ۶۱- القرآن سورۃ یوسف، آیت ۷۶۔ ۶۲- سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔ ۶۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴، القاہرہ، ۱۳۷۹ھ۔ ۶۴- القرآن سورۃ العنکبوت، آیت ۲۰۔ ۶۵- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۴۔ ۶۶- القرآن سورۃ لقمان، آیت ۲۰۔ ۶۷- القرآن سورۃ بقرہ، آیت ۲۹۔ ۶۸- ابوداؤد، کتاب العلم، باب روایۃ حدیث اہل الکتاب۔ ۶۹- سنن ترمذی، کتاب العلم، باب (ماجاء) فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ ۷۰- صحیح بخاری، کتاب الجہاد باب التحریض علی الرمی۔ ۷۱- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۶۴۔ ۷۲- خطاب طلبائے دیوبند ۱۹۵۵ء۔ ۷۳- ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۷۶۔ ۷۴- Encyclopedia of Britanica 1984 6/317,318 ۷۵- اسلامی نظریہ حیات، ص ۴۲۹۔ ۷۶- ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، السنن، دارالمعرفہ بیروت ۹۸، ج ۱، ص ۹۷، رقم ۲۲۴، ہیثمی نورالدین علی بن ابوبکر، مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۲، رقم ۴۷۲، ۴۷۳، طبرانی، المعجم الکبیر، رقم ۱۰۴۳۹۔ ۷۷- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۸۷۔ ۷۸- ابن کثیر، ابوالفد، اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، عیسی البانی الحلبی مصر، ج ۱، ص ۴۳۶۔ ۷۹- ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۳۵۔ ۸۰- ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع السنن، دارالفکر بیروت ۴۹، ج ۳، ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹، بیہقی، ابوبکر احمد حسین، شعب الایمان، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۰ء، ج ۲، ص ۲۵۶۔ ۸۱- قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج ۳، ص ۱۲۱-۱۳۱۔ ۸۲- دارمی، ج ۱، ص ۸۴، رسم ۲۲۱، الدارقطنی علی بن عمر، السنن، مدینہ منورہ، ج ۴، ص ۸۲۔

۸۳- القرآن سورۃ فاطر، آیت ۲۸۔ ۸۴- مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شیرانی، مسلمانوں کی قدیم تعلیم کا نصف العین، شمولہ سہ ماہی اسلام اور عصر
جدید، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، انڈیا، ج ۳۲، ضمنی ۱۴، اکتوبر ۲۲۰، ص ۸،۹، بہ تصرف قلیل۔ ۸۵- القرآن سورۃ فاطر، آیات ۱۹ تا ۲۲۔ ۸۶-
اسلام اور عصر جدید، ص ۸،۹، بہ تصرف قلیل۔ ۸۷- القرآن سورۃ المجادلہ، آیت ۱۱۔ ۸۸- اسلام اور عصر جدید، ص ۸۔ ۸۹- ترمذی، ج ۴، ص ۱۳۔
۹۰- ترمذی ایضاً، ص ۳۲۱، رقم ۲۶۹۱، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، السجستانی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، کتاب العلم، باب الحث علی طلب، العلم، ج ۳،
ص ۳۱۳، رقم ۳۶۴۱ ابن ماجہ، ج ۱، ص ۹۶، رقم ۲۳۔ ۹۱- ترمذی ابوداؤد دانب ماجہ محولہ بالا۔ ۹۲- ترمذی، ج ۴، ص ۲۹۴، رقم ۶۵۵، حاکم،
ابوعبداللہ نیساپوری، المستدرک، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۹۰، ج ۱، ص ۱۶۵۔ ۹۳- ترمذی، ص ۲۹۵، رقم ۲۶۵۲۔ ۹۴- علی متقی الہندی، کنز
العمال، احیا التراث الاسلامی بیروت، رقم ۲۸۶۸۴۔ ۹۵- دارمی، ص ۱۰۹، رقم ۳۳۷۔ ۹۶- ابن ماجہ، ج ۱، ص ۹۶، رقم ۲۲۲۔ ۹۷- ایضاً،
ص ۳۱۳، رقم ۲۶۹۴، دارمی، ص ۱۰۰، رقم ۲۸۹۔ ۹۸- کنز العمال، رقم ۲۸۷۰۱۔ ۹۹- ترمذی، ص ۲۹۵، رقم ۲۵۵۷۔ ۱۰۰- مجمع الزوائد، ج ۱،
ص ۳۷۴، رقم ۹۸۴، دارمی، ج ۱، ص ۱۰۶، رقم ۳۲۴۔ ۱۰۱- مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۳۰، رقم ۵۰۲، کنز العمال، رقم ۲۸۸۳۸۔ ۱۰۲- مولانا محمد شہاب
الدین ندوی، اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۹۴ء۔ ۱۰۳- مولانا عبدالقیوم حقانی، سراغ زندگی، القاسم اکیڈمی نوشہرہ،
۲۰۰۱ء، ص ۱۰۰۔ ۱۰۴- القرآن سورۃ التین، آیت ۴۔ ۱۰۵- قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، بہ ذیل آیت تفسیر سورۃ تین۔ ۱۰۶- القرآن سورۃ بقرہ،
آیت ۔ ۱۰۷- تفسیر مظہری، ج ۱۰، ص ۲۹۷۔ ۱۰۸- محمد زین العابدین منصوری، فکری یلغار، ترجمان القرآن، ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۵۲۔ ۱۰۹- القرآن
سورۃ بقرہ، آیت ۱۷۰۔ ۱۱۰- القرآن سورۃ النمل، ۶۰، ۶۱۔ ۱۱۱- القرآن سورۃ العنکبوت، ۴۵۔ ۱۱۲- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۳۔ ۱۱۳-
القرآن سورۃ الحج، آیت ۲۸۔ ۱۱۴- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۹۱۔ ۱۱۵- القرآن سورۃ الروم، آیت ۸۔ ۱۱۶- القرآن سورۃ الذاریات،
۲۰، ۲۱۔ ۱۱۷- القرآن سورۃ العنکبوت، آیت ۲۰۔ ۱۱۸- القرآن سورۃ الانعام، آیت ۱۱۔ ۱۱۹- Allama Muhammad Iqbal, The
Reconstuction of Religious Thought in Islam, p-13, Iqbal Academy, Lahore, 1989 ۱۲۰- القرآن سورۃ ہود،
آیت ۸۰۔ ۱۲۱- القرآن سورۃ الاعراف، آیت ۱۰۴، ۱۰۵۔ ۱۲۲- القرآن سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۰۔ ۱۲۳- صحیح مسلم، کتاب الامارہ، خیار الائمہ و
شرارھم۔ ۱۲۴- القرآن سورۃ النساء، آیت ۵۸۔ ۱۲۵- صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسلام ماھو و بیان خصالہ۔ ۱۲۶- صحیح مسلم، کتاب الامارہ،
باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول۔ ۱۲۷- القرآن سورۃ النساء، آیت ۵۹۔ ۱۲۸- صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی
غیر معصیۃ۔ ۱۲۹- صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب وجوب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر۔ ۱۳۰- القرآن سورۃ نوح، آیت ۵-۱۰۔ ۱۳۱- القرآن
سورۃ سورۃ طہ، آیت ۴۳-۴۴۔ ۱۳۲- القرآن سورۃ سورۃ نحل، آیت ۱۲۵۔ ۱۳۳- القرآن سورۃ سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸۔ ۱۳۴- امام ابوعیسیٰ، سنن
ترمذی دارالسلام، ریاض، ص ۹۹، کتاب الادب، باب ماجاء فی انشاء والشعر۔ ۱۳۵- Esposito: The Islamic Threat, Myth or
Reality. P 196 ۱۳۶- http://encarta.msn.com/encyclopedia-1/ Terrorism.html ۱۳۷- The New
۱۳۸- Encyclopaedia Britannica/ Scurlock Tirah IX/Chicaqo, William Benton, Publisher, 1972, p-904
۱۳۹- http://encarta.msn.com/ encyclopedia_ 761564344 1/ Terrorism.html Robbi A Grohman,
Neturei Karta, UK/ Middle East and Terrorism, http://www.islamic-studies. org/ terrorconfer.
pro.htm ۱۴۰- سید معروف شاہ شیرازی، اسلام اور دہشت گردی، لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷۵۔ ۱۴۱- کیرم آرم اسٹرانگ
مسلمانوں کا سیاسی عروج زوال، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۰۔ ۱۴۲- ایضاً حوالہ نمبر ۶۳، ص ۱۷۵ - ۱۷۹۔ ۱۴۳- International
One-day Conference/ Jewish, Christian, Muslim religious leaders And Politicians Discuss:

Terrorism Tuesday 13th November 2001, London, Rt. Hon. Tony Benn, Member of British
Parliament, UK/ Peace and Justice. ۱۴۴- اسرار عالم، عالم اسلام کی صورتحال، کراچی، ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۰ء، ص۶۷۔
۱۴۵- Zbigniew Brezenski/Out of Control Global Turmoil on the eve of the twenty first century/ New
York/ P214 ۱۴۶- ساحل، مدیر منتظم ڈاکٹر خالد علی انصاری، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، ص ۵۰۔ ۱۴۷- اتھکس اینڈ انٹرنیشنل افیئرز، مئی ۲۰۰۰ء۔
۱۴۸- ایضاً۔ ۱۴۹- ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۱، نومبر، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۴۱-۴۲۔ ۱۵۰- احمد سلیم نیا عالمی نظام اور پاکستان (مقالات) مقالہ
جوہر میر، لاہور، فکشن ہاؤس مزنگ روڈ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۔ ۱۵۱- جنگ سنڈے میگزین، ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ء، ص۶-۷۔ ۱۵۲- ماہنامہ ساحل، کراچی،
ج ۱۳، ش ۱۰، اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۳ تا ۴۶۔ ۱۵۳- ولیم بیلم، روگ اسٹیٹ ترجمہ بدمعاش امریکہ، مترجم سید ناصر علی، ص ۱۷۱۔ ۱۵۴-
Chomsky Noam, World Ordr old and New' London pluto press 1994-96 ۱۵۵- ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳،
ص ۱۰۔ ۱۵۶- احمد سلیم، نیا عالمی نظام اور پاکستان، ص ۶۵۔ ۱۵۷- ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۱، نومبر دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۷۹۔ ۱۵۸- ایضاً،
ص ۸۹-۹۶۔ ۱۵۹- ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش ۱۱، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۸۹-۹۶۔ ۱۶۰- ایضا، ۸۹-۹۶۔ ۱۶۱- مجتبیٰ موسوی، مغربی تمدن
کی ایک جھلک، دہلی، ترقی اردو بورڈ، ص ۷۶۔ ۱۶۲- ایضاً، ص ۷۶۔ ۱۶۳- ایضاً، ص ۷۷۔ ۱۶۴- Harun Yahya, islam
denouncesterroris, Brostp, Amal Press, January 2002, P9 ۱۶۵- زین العابدین میرٹھی، پیغمبر اسلام کا پیغام امن وسلام،
نقوش رسول نمبر ﷺ، ج سوم، ص ۴۶۰۔ ۱۶۶- محمود شکری آلوسی، بلوغ الارب فی احوال العرب، مترجم ڈاکٹر وحسن، لاہور، مرکزی اردو بورڈ،
ج ۳، ۱۹۶۷ء، ص ۵۲۔ ۱۶۷- پنڈت گوپال کرشن، مہاپرش محمد ﷺ۔ ۱۶۸- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۰۔ ۱۶۹- پنڈت گوپال کرشن، ایڈٹر
بھارت سماچار بمبئی، مقالہ مہاپرش محمد ﷺ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۲۵۔ ۱۷۰- القرآن سورۃ یونس، آیت ۹۹۔ ۱۷۱- شاعر علامہ اقبالؒ۔ ۱۷۲- القرضاوی
علامہ یوسف، اسلامی بیداری انکار اور انتہاپسندی کے نرغے میں- مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۲۶۔ ۱۷۳- ایضاً ص ۳۳۔ ۱۷۴- مرزا محمد الیاس،
بنیاد پرستی اور تہذیبی کش مکش، حرا پبلیکیشنز، ۱۹۹۴ء، ص ۱۹۔ ۱۷۵- محمد قطب، انسانی زندگی میں جمود و ارتقا، ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی، کراچی، فضلی
پبلیشکنز ۱۹۹۳ء، ص ۵۴۔ ۱۷۶- محمد اقبال کیانی، اسلامی جنگیں، دہشت گردی یا امن کی ضمانت، ماہنامہ محدث مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۲۱۔ ۱۷۷- ڈاکٹر
حافظ محمد ثانی، رسول اکرمؐ اور اروادری، کراچی ۱۹۱۹ء، فضلی سنز، ص ۵۸۔ ۱۷۸- مرزا محمد الیاس، محولہ سابقہ، ص ۲۶۹۔ ۱۷۹- القرآن سورۃ الحج،
آیت ۶۵۔ ۱۸۰- القرآن سورۃ القصص، ۷۷۔ ۱۸۱- القرآن سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۵۔ ۱۸۲- القرآن سورۃ الکہف، آیت ۳۰۔ ۱۸۳- صحیح مسلم،
کتاب الصلوٰۃ، باب تحریم سبق الامام برکوع اور بسجود ونحوھما۔ ۱۸۴- صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب اذ ابویع لخلیفتین۔ ۱۸۵- صحیح مسلم، کتاب الجہاد،
باب سفر الاثنین۔ ۱۸۶- القرآن سورۃ الملک، آیت ۳-۴۔ ۱۸۷- شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ادارہ دارالاشاعت، کراچی ۲۰۰۵ء۔ ۱۸۸- صحیح
مسلم، کتاب الحدود، باب من اعتراف علی نفسہ بالزنی۔ ۱۸۹- ابن کثیر، البدایہ والنھایۃ، ج ۲، ص ۸۵، مکتبہ المعارف بیروت ۱۹۶۶ء۔ ۱۹۰-
القرآن سورۃ الحشر، آیت ۹۔ ۱۹۱- القرآن سورۃ الدھر، آیت ۸۔ ۱۹۲- مولانا جلیل احسن ندوی، زادراہ، ص ۳۴۲، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
۱۹۸۷ء۔ ۱۹۳- ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۷۵، عیسیٰ بابی الحلبی، القاہرہ، ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۴- القرآن سورۃ حم السجدہ، آیت ۳۰۔ ۱۹۵-
القرآن سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۵۔ ۱۹۶- القرآن سورۃ نساء، آیت ۱۰۴۔ ۱۹۷- صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات، النبوۃ فی الاسلام۔ ۱۹۸-
القرآن سورۃ بقرہ، آیت ۲۱۴۔ ۱۹۹- القرآن سورۃ لقمان، آیت ۲۰۔ ۲۰۰- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۲۹۔ ۲۰۱- سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب
فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔ ۲۰۲- سنن ابن ماجہ، ابواب الدعاء، باب دعاء رسول ﷺ۔ ۲۰۳- القرآن سورۃ الجاثیہ، آیت ۱۳۔ ۲۰۴-
القرآن سورۃ العنکبوت، آیت ۲۰۔ ۲۰۵- صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی ﷺ، عن الایمان والاسلام والاحسان۔ ۲۰۶- صحیح

مسلم، کتاب الصید، باب الامر باحسان الذبح والقتل۔ ۲۰۷- صحیح مسلم، کتاب الصید، باب المر باحسان الذبح والقتل۔ ۲۰۸- القرآن سورۃ الحشر، آیت ۷۔ ۲۰۹- القرآن سورۃ نساء، آیت۲۹۔ ۲۱۰- القرآن سورۃ المائدہ، آیت ۱۸۰۔ ۲۱۱- القرآن سورۃ الاعراف، آیت ۳۱۔ ۲۱۲- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۰۔ ۲۱۳- القرآن سورۃ الذاریات ۵۱، آیت ۱۹۔ ۲۱۴- القرآن سورۃ البقرہ، آیات ۲۷۸، ۲۷۹۔ ۲۱۵- صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ۔ ۲۱۶- صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس تکثرا۔ ۲۱۷- القرآن سورۃ مائدہ، آیت ۳۸۔ ۲۱۸- القرآن سورۃ مائدہ، آیت ۳۳۔ ۲۱۹- صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من قاتل دون مالہ۔ ۲۲۰- سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث اعقلھا وتوکل۔ ۲۲۱- صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر۔ ۲۲۲- القرآن سورۃ الانفال، آیت ۶۰۔ ۲۲۳- صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب التحریض علی الرمی۔ ۲۲۴- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲، ص ۲۰۰، القاہرۃ، ۱۳۶۷ھ۔ ۲۲۵- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۳۔ ۲۲۶- ابوالکلام آزاد، قرآن کا عروج اور زوال، ۲۰۰۴، لاہور، مکتبہ جمال، ص ۴۳۔ ۲۲۷- ابوالکلام آزاد، قرآن کا عروج اور زوال، ۲۰۰۴، لاہور، مکتبہ جمال، ص ۴۳۔ ۲۲۸- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۳۔ ۲۲۹- القرآن سورۃ انفال، آیت ۶۳۔ ۲۳۰- القرآن سورۃ یونس، آیات ۹۳۔ ۲۳۱- القرآن سورۃ الجاثیہ ۴۵، آیت ۱۷۔ ۲۳۲- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۵۔ ۲۳۳- احمد بن حنبلؒ، المسند، بیروت، دارالاحیار القرآن، العربی، ۱۹۹۳ء، ج ۶، ص ۵۱۱، رقم ۲۲۶۳۵۔ ۲۳۴- القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۳۔ ۲۳۵- مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، ج ۳، ص ۲۳۱، رقم ۱۸۵۲۔ ۲۳۶- القرآن سورۃ شوریٰ، آیت ۱۳۔ ۲۳۷- صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم۔ ۲۳۸- صحیح مسلم، کتاب البر، باب تراحم المومنین وتعاطفہم وتعاضدھم۔ ۲۳۹- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۰۳۔ ۲۴۰- اقبال، کلیات اقبال، الشیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء، لاہور ص ۲۰۲۔ ۲۴۱- اقبال، کلیات اقبال، الشیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء، لاہور ص ۲۰۲۔ ۲۴۲- اقبال، کلیات اقبال، الشیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء، لاہور ص ۲۰۳۔ ۲۴۳- القرآن سورۃ نساء، آیت ۷۷۔ ۲۴۴- القرآن سورۃ حج، آیت۔ ۲۴۵- القرآن سورۃ الاحقاف، آیت ۳۵۔ ۲۴۶- القرآن سورۃ الروم، آیت ۶۰۔ ۲۴۷- القرآن سورۃ نحل، آیت ۱۲۷۔ ۲۴۸- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۲۲۰۔ ۲۴۹- القرآن سورۃ طہٰ، آیات ۸۳-۸۵۔ ۲۵۰- القرآن سورۃ طہٰ، آیات ۹۲ تا ۹۴۔ ۲۵۱- القرآن سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳۔ ۲۵۲- القرآن سورۃ توبہ، آیت ۲۵۔ ۲۵۳- علامہ قرضاوی، ماہنامہ اشریعہ، اگست ۲۰۰۲، ص ۱۹۔ ۲۵۴- علامہ قرضاوی، ماہنامہ اشریعہ، اگست ۲۰۰۲، ص ۲۰۔ ۲۵۵- القرآن سورۃ نساء، آیت ۱۳۵۔ ۲۵۶- القرآن سورۃ المائدہ، آیت ۸۔ ۲۵۷- Dr. Michal Hart, the 100 ۲۵۸- القرآن کریم سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۶۔ ۲۵۹- القرآن کریم البقرہ، آیت ۲۲۸۔ ۲۶۰- القرآن سورۃ نساء، آیت ۱۹۔ ۲۶۱- القرآن، نساء، آیت ۳۲۔ ۲۶۲- مسلم، ج ۱، ص ۳۹۔ ۲۶۳- مسند احمد، ج ۱۳، ص ۸۵۔ ۲۶۴- ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل، انسانِ کامل، لاہور ص ۲۴۵۔ ۲۶۵- القرآن سورۃ امائدہ، آیت ۷۔ ۲۶۶- القرآن سورۃ امائدہ، آیت ۸۔ ۲۶۷- القرآن سورۃ الحدید، ۲۷۔ ۲۶۸- پروفیسر سعید اکرم، عصر حاضر اور اسلامی معاشرے کی تشکیل، ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۶۷۔ ۲۶۹- پروفیسر سعید اکرم، عصر حاضر اور اسلامی معاشرے کی تشکیل، ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۶۹۔ ۲۷۰- قرضاوی علامہ یوسف اکیسویں صدی اور ہماری ذمہ داریاں، ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۱ء، ص ۴۹۔ ۲۷۱- قرضاوی علامہ یوسف اکیسویں صدی اور ہماری ذمہ داریاں، ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۱ء، ص ۵۰۔ ۲۷۲- قرضاوی علامہ یوسف محولہ سابقہ ص ۵۲۔ ۲۷۳- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۳۹۔ ۲۷۴- اقبال، جواب شکوہ کلیات اقبال، لاہور ۱۹۷۵ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۰۷۔ ۲۷۵- اقبال، کلیات اقبال، لاہور ۱۹۷۵ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۲۰۸۔ ۲۷۶- القرآن سورۃ ہود، آیت ۸۸۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر حمید اللہ- لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا-فکری وتہذیبی مسائل

حق و باطل کے مابین عروج و زوال کی کشمکش اور غلبے کی مسابقت کو مشیت خداوندی میں ایک تکوینی مسلمہ کا مقام حاصل ہے۔ اہل باطل اس امر سے واقف ہیں کہ اہل حق پر مکمل غلبے کے لیے محض جنگی مشینوں سے یورش اور فوجی یلغار کافی اور دیرپا نہیں ہوسکتی، کیوں کہ دوسری اقوام سے مختلف، ملت اسلامیہ کی قوت و توانائی اور عزم و حوصلہ کا اصل سرچشمہ اساسیاتِ دین اور اس کی اسلامی تہذیبی اقدار اور اخلاقی ضابطے ہیں۔ لہذا اس قوت کو مضمحل اور کمزور کر دینا صرف فکری و نظریاتی یلغار ہی سے ممکن ہے۔

باطل نے صدیوں اس کے لیے محنت اور تیاری کی ہے۔ مستشرقین کا ایک بڑا طائفہ ایک طویل عرصہ متعدد پہلوؤں سے اسلام کے مطالعے اور تحقیق وتصنیف میں غیر معمولی محنت، کاوش اور جانفشانی کے ساتھ مصروف کار رہا ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم کیے گئے ہیں جن میں دراساتِ اسلامی کے مآخذ و مصادر بیشتر یہودی و نصرانی مفکرین، اسکالرز اور مصنفین کی کتابیں رہی ہیں اور ایسے ہی اساتذہ کی سرپرستی ونگرانی میں اسلامک اسٹڈیز میں ڈاکٹریٹ کے طلبہ (مسلم و غیر مسلم ریسرچ اسکالرز) اسلامیات پر تحقیق کرتے اور پی ایچ ڈی کی اسناد حاصل کرتے رہے ہیں۔ بیشتر یہی اسکالرز ہیں جو صدی دو صدی سے اسلام کی تشریح وتعبیر کر رہے ہیں۔ یہ جدید دور میں جدید اسلام کے ترجمان متصور کیے جاتے ہیں اور نئی نسلوں کی علمی وفکری رہنمائی بیش تر انہی کے اور ان سے فیض یافتہ دانش وروں کے ہاتھوں میں ہے۔

مقاصد اور حکمتِ عملی

اس فکری یلغار کے مقاصد متعدد ہیں اور اس کے اثرات بے شمار اور وسیع۔ ذیل میں اختصار سے ان میں سے صرف چند کا مجمل تذکرہ کیا جارہا ہے:

ا- امت مسلمہ کے پاؤں اساسیاتِ دین کی زمین سے اُکھڑ جائیں وہ عقائد وعبادات کی رسمیات ومظاہر تک سمٹی رہ کر نظریات و افکار، اخلاق وکردار اور اطوار وتہذیب کی وسیع تر زمین پر پہلے تشکیک وتذبذب، پھر مرعوبیت و احساسِ کمتری اور بالآخر شکست خوردگی سے دو چار ہو کر ایک پست حوصلہ و مغلوب قوم بن کر رہ جائے۔ اگر کچھ فعال ومتحرک ہو بھی تو صرف دفاعی سطح پر۔

۲- قرآن و سنت کے بجائے دیگر ذرائع علم سے ملت رہنمائی اخذ کرنے کی خوگر بن جائے۔

۳- اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور تہذیبی اقدار، ملت کو تاریک خیالی، قدامت پسندی محسوس ہونے لگیں۔ وہ انہیں بنیاد پرستی اور شدت پسندی پر محمول کرنے لگے اور یہ یقین کرنے لگے کہ جب تک اسلام اور شریعتِ اسلامی کی جدید تعبیر نہ ہو، یہ عصرِ جدید کا ساتھ دینے والا، عہدِ حاضر کے ساتھ چلنے والا دین ہرگز نہ رہ سکے گا۔

۴- عورت کے مقام و حیثیت، خاندان، معاشرے اور تمدن میں اس کے رول سے متعلق اسلام کے اعلیٰ و ارفع اصولوں، تعلیمات اور قوانین کو مسلمانوں کی نگاہ میں صرف غیر معتبر ہی نہیں بلکہ حقیر بنا دیا جائے۔

۵- باطل قوتوں کے مظالم، استبداد، استحصال اور استعمال کی مزاحمت کرنے والی قوت بازو کو جس جس منبع اور جس جس مخرج سے غذا اور توانائی بہم پہنچ سکتی ہو، اسے فکری یلغار اور پروپیگنڈا مشینری سے اتنا بدنام کر دیا جائے کہ خود ملت کی صفوں سے ایسے مفکر، دانش ور علما، صحافی، قائد اُٹھ کھڑے ہوں جو باطل کوششوں کے مزاحمت کاروں کے خلاف ایسے بیانات، فتوے اور تحریریں جاری کرنے لگیں کہ ان کی نظر میں اسلام کے چہرے پر لگے 'بدنامی کے داغ' دھل جائیں۔

۶- اسلام کے احیاء و غلبے کے لیے سرگرم تحریکاتِ اسلامی کو...... جو باطل کے لیے خطرہ اور چیلنج ہیں...... اس قدر بدنام کر دیا جائے کہ عام مسلمان ان سے دور رہنے ہی میں عافیت محسوس کریں۔

فکری و تہذیبی یلغار اور اس کے اثرات

یوں تو ملتِ اسلامیہ اپنی پوری تاریخ میں طرح طرح کی سازشوں اور فتنوں سے نبرد آزما ہوتی رہی ہے، تاہم ان کی کیفیت، نقصانات اور دائرہ ہائے اثر زمان و مکان، ہر دو اعتبار سے محدود اور عارضی ہو رہے ہیں، لیکن بین الاقوامیت، عالم گیریت اور مواصلاتی تیز رفتاری و ہمہ گیری کے موجودہ دور میں فکری حملوں، سازشوں اور فتنوں میں وسعت، زود اثری اور تیز رفتاری آ گئی ہے۔ تقریباً ۲۰۰ سال کے دورِ انحطاط میں ایک طرح کی سیاسی غلامی نے فکری اثر پذیری اور غلامی کے لیے ملی رجحان کو ہموار کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر فکر و نظر یہ اور علم و دانش کا کوئی بھی گوشہ اور اخلاقیات و معاشرت، علوم و عمرانیات، تہذیب و ثقافت اور معاشیات و اقتصادیات کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان حملوں کی زد میں اور اس یلغار سے کم یا زیادہ متاثر نہ ہوا ہو۔

• **اُمت کے بجائے قومیت کا تصور:** مسلمانوں کو امت متحدہ اور ملت واحدہ بنائے رکھنے کا راز 'اسلامی قومیت' کے تصور میں مضمر تھا۔ اس پر جغرافیائی وطنی قومیت کے تصور کی فکری یلغار ہوئی، ملت نے اسے بحالتِ اکراہ ہی گوارا نہیں کیا بلکہ بہ شرح صدر اسے پسند اور قبول بھی کر لیا۔ اب وطنی قومیت پرستی اس کا متوازی یا ذیلی دین بن گئی اور وطن ایک ایسا خدا بن گیا ہے جس کا تعارف اقبال نے 'ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے' کے الفاظ میں کرایا تھا۔

• **خدا کے بجائے جمہور کی بالا دستی:** ''اجتماعی نظام اور تمدنی ساخت کی صورت گری میں فیصلہ کن رول ادا کرنے میں انسان اور انسانوں کا مجموعہ خود کفیل و خود مختار ہے اور اس کا یہ کام، نیز اس کے لیے یہ کام جمہور کریں گے''۔ یہ ایک سراسر باطل فکر

ہے اور اسلام سے براہِ راست متصادم ہے۔ اس فکر پر اگر کہیں ایک نظام 'بالقوۃ' قائم و نافذ ہو تو اسلام اسے گوارا کرنے اور اس کی کچھ خوبیوں سے استفادہ کا موقع تو دیتا ہے لیکن اسے بہ رضا و رغبت 'بالحق' تسلیم کر لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس فکر کی شدید و متواتر یلغار نے مسلمانوں کو نہ صرف اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خدا کے منصب پر جمہور کے تمکن کو بطورِ امر واقعہ گوارا کر لیں بلکہ اس موقف پر بھی پہنچا دیا کہ وہ اسے قانوناً بھی سند قبولیت دے دیں۔ اس فکری یلغار نے مسلمانوں کے بڑے بڑے اہل علم و دانش کو بھی یہ باور کرا دیا کہ یہی صورتِ حال ملت اسلامیہ کی آخری اور مطلوبہ منزل ہے۔

⊙ **ادیانِ باطل اور رواداری کا غلط تصور:** دین کی جامعیت اور ہمہ جہتی کے تصور کو خارجی یلغار نے سمیٹ کر نہایت ہی غیر فعال اور محدود کر دیا تو خود ملت کی نگاہ میں اسلام کی امتیازی حیثیت تقریباً معدوم ہو گئی اور یہ دیگر ادیان کے گویا مساوی دین قرار پایا۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ کا درست ترجمہ تو برقرار رہا لیکن اس کی معنویت کھو گئی۔ بڑے بڑے ذہین و زیرک مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ بات درست قرار پائی کہ دین حق اور ادیانِ باطلہ کے درمیان خوش خلقی، خیر سگالی اور پُر امن بقائے باہمی بحال رہنا چاہیے۔ یہ ایک بڑا نظریاتی المیہ ہے کہ سورۃ الکافرون جو ادیانِ باطلہ سے بے زاری و براءت کا اظہار و اعلان تھی اس کی ایسی تاویل کی جانے لگی کہ تمام ادیان اسلام کے نزدیک ٹھیک ہیں۔ اس طرح کلامِ الٰہی کو بھی مساوات بین الادیان کا ترجمان قرار دے کر اسے سیکولرازم کی اس تعبیر کا حامی بنا دیا گیا جس کے مطابق سارے ادیان یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ نتیجتاً فریضۂ دعوت کو ملی ایجنڈے میں اور کارِ دعوت کو ملّی سرگرمیوں میں جگہ ہی نہیں ملی...... الا ما شاء اللہ! فکری یلغار کا یہ مقصد پورا ہونے لگا کہ ملت اسلامیہ اپنے دعوتی کردار سے محروم ہو جائے اور ملکی و عالمی منظر نامے پر کمزور و باطل ادیان کو قوی و توانا دین حق کی پیش رفت کا خطرہ چیلنج باقی نہ رہ جائے۔

⊙ **اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی کوشش:** فکری یلغار کے مذکورہ بالا اثرات نے اسلام کا اصل چہرہ ایسا گرد آلود اور دھندلا بنا دیا ہے کہ اس کے حقیقی چہرے سے ملت کا سوادِ اعظم ایک اجنبیت اور غیر انسیت محسوس کرنے لگا ہے۔ اس صورتِ حال پر حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی، گویا صادق آنے لگی ہے ''اسلام جب آیا تو اجنبی تھا۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھر سے اجنبی بن جائے گا......''۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکاتِ اسلامی، اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کرنے کی وجہ سے ہر جگہ خود افرادِ ملت کے ذریعے مطعون، معتوب و مغضوب ہیں۔ بڑا دل چسپ المیہ ہے کہ ایک طرف باطل قوتوں کی چیرہ دستویں سے گلہ و شکوہ بھی ہے اور دوسری طرف تحریکاتِ اسلامی پر الزام و اتہام، انکی کردار کشی اور مخالفت و مزاحمت بھی۔

⊙ **تصورِ تعلیم پر ضرب:** فکری یلغار نے اسلام کے تصورِ علم پر کاری ضرب لگائی ہے، جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف و تعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریۂ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصدِ عین، خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب ایسی باتیں سنانے والے بھی کم یاب ہیں اور سننے و ماننے والے بھی کم یاب، کہ ''علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است'' (وہ علم جو حق کی طرف راہ نمائی نہ کرے، جہالت ہے) اور ''اللہ سے کرے دور، وہ تعلیم بھی فتنہ''۔ لہٰذا بیش تر ملی تعلیمی سرگرمیوں، ملت کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کی تقریباً تمام تحریکوں اور تعلیمی کاروانوں کو اسی خدا بے زار اور دین بے زار نظریۂ تعلیم سے قوتِ محرکہ و توانائی ملتی ہے۔ کبھی اسلام کے تئیں کچھ

رعایت کا خیال آ جاتا ہے۔ تو طلب العلم فریضة... کی حدیث اور سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کا حوالہ بھی دے دیا جاتا ہے لیکن بالآخر تان ٹوٹتی ہے کیریئر، روزگار، تمول، دولت مندی، مادی خوش حالی، معاشی ترقی کے انہی اہداف پر جنھیں غیر اسلام نے متعین ومقرر کیا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ ہماری تعلیم یافتہ نسلوں کی کھیپ کی کھیپ مادہ پرستوں کی بھیڑ میں گم ہوتی جا رہی ہے اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتگی کا، یہ گویا ایک لازمہ سا بن گیا ہے کہ یا تو مدارس، اسلامی درسگاہوں اور دینی تعلیمی جامعات کی تحقیر کی جائے، یا ان کے نصابِ تعلیم کو جدید کاری کے نام پر یہ کہہ کر سیکولرائز کرنے کا غلغلہ بلند کیا جائے کہ ان تعلیمی اداروں کے فارغین کسی کام کے نہیں رہ جاتے اور بس ملا، مولوی، امام اور مؤذن بن کر رہ جاتے ہیں جو جدید و اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں گویا ایک حقیر، بے کار اور اپاہج طبقہ ہے۔

⊙ **معاشی تصورات پر زد:** مضبوط معیشت اور بہتر معاشی حالت کسی بھی قوم کے لیے ایک خیر عظیم کا درجہ رکھتی ہے لیکن دیگر قوموں کے برعکس ملتِ اسلامیہ کی یہ امتیازی پوزیشن ہے کہ اس کی معیشت اسلامی عقائد و اخلاقیات سے وابستہ اور اسلامی پیمانہ ہائے رد و قبول سے مشروط ہے۔ کسبِ حلال کے ساتھ کمزور معاشی حالت بھی، کسبِ حرام کے ساتھ ملت میں کروڑ پتیوں، ارب پتیوں کی بھیڑ لگ جانے سے بہر حال اور بدرجہا بہتر ہے۔ اس پسِ منظر کے پیشِ منظر میں ایک زبردست فکری یلغار ہے جس نے عوام وخواص کے بڑے حصے کو مذکورہ فرق کے تئیں غفلت و بے اعتنائی سکھائی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سودی قرض کے سرمایے سے صنعت کاری کی تدابیر بتائی جا رہی ہیں۔ کوئی دانش ور سودی معیشت کو مباح بتا رہا ہے تو کوئی پسندیدہ، اور کوئی ناگزیر۔ سودی معیشت و اقتصاد کے حق میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت ہو رہی ہے۔ قرآن اور احادیث کی سخت تنبیہ اور وعید سے بچنے کے لیے سود اور ربا میں فرق ثابت کیا جا رہا ہے۔ دار الاسلام اور دار الکفر کی فرسودہ فقہی بحثیں زندہ کی جا رہی ہیں۔ مسلمانانِ ہند و پاک پر خارجی اور داخلی، ہر دو سطح سے ان کی 'معاشی پس ماندگی' کے اعداد و شمار کی یورش ہے اور اس کے ساتھ، دولت مندی، اور انتہائی دولت مندی کی حرص و آز کی تیز و تند لہریں ہیں۔ اس مجموعی کیفیت کے درمیان زندگی کی صالح خدا پرستانہ تعبیر کمزور پڑ رہی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستانہ تعبیر کو فروغ مل رہا ہے۔

⊙ **صارفیت کا فتنہ:** انڈسٹریلائزیشن کی غیر معمولی ترقی، صنعت و حرفت کی بے پناہ وسعت اور مصنوعات کے بے تھاہ سمندر سے ایک فکری سونامی کی زبردست لہریں اُٹھ رہی ہیں جسے صارفیت (consumerism) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک خاموش اور غیر محسوس فکری یلغار ہے کہ انسان کو جتنا زیادہ سکون و آرام درکار ہو، مارکیٹ میں دستیاب اتنی ہی زیادہ مصنوعات خرید خرید کر اُٹھا لائے اور اپنے گرد اُن کے ڈھیر لگا دے۔ اس کی حقیقی ضرورت کیا ہے اور کتنی ہے، اس سے قطع نظر، خریداری کا فیصلہ اس بات پر ہو کہ اس کی قوتِ خرید کتنی ہے اور دکانوں میں، سپر مارکیٹوں میں اور پلازاؤں میں کتنی اشیائے صرف دستیاب ہیں، فیشن اور ڈیزائنر فیشن کے کتنے آئٹمز، کتنے اور کیسے ملبوسات، تکثیرِ حسن و جمال کے کیسے کیسے کاسمیٹکس، مکان کی زیبائش اور ڈرائنگ روم کی آرائش کی کتنی اشیا کاؤنٹروں، ہینگروں اور شوکیسوں سے دل و دماغ میں ہیجان بپا کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کو اسراف اور بخل کے درمیان ایک معتدل و متوازن زندگی جینے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اسراف کرنے والے کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا تھا۔ سادگی اور قناعت کی زندگی کے وعظ و تذکیر کے سلسلے جاری کیے گئے تھے لیکن صنعت

کاروں و سرمایہ داروں اور بڑے بڑے تجارتی اداروں کی طرف سے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے ہر وقت ہر آن ہونے والی اشتہاری یلغار نے مسلمانوں کی بھی فکر ونظر کی چولیں ہلا کر رکھ دیں، اور منت پر کنزیومرزم کا فتنہ پوری طرح مسلط ہوگیا کوئی خوش نصیب گھرانہ ہی ہوگا جو اس سے محفوظ و مامون ہوگا۔

⊙ **تحدید آبادی کے تصور کی پذیرائی:** ملحدوں، ڈارون ازم پر ایمان رکھنے والوں اور مالتھس کے پرستاروں کی بات ہو، یا دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی، اقوام عالم میں یہ شرفِ امتیاز امتِ مسلمہ اور صرف امت مسلمہ کو حاصل ہے کہ یہ خدا تخلیقِ عام اور تخلیق انسانی کے درمیان حقیقی تعلق کا ادراک رکھتی ہے اور بخوبی جانتی ہے کہ یہ اللہ کا منصوبۂ عظیم ہے کہ یہ زمین انسانی آبادی سے معمور بھی ہو اور اس آبادی کو قوانینِ فطرت کے تحت چیک اور کنٹرول بھی کیا جاتا رہے۔ ان دونوں پہلوؤں سے اللہ خلاّق اعظم نے انسان کی سرشت اور نفس کے اندر سے لے کر خارج میں روئے زمین، نیز زمین کے اندر و باہر کی لامحدود وسعتوں تک اتنے اہتمامات و انتظامات کیے ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ اس آفاقی و بدیہی حقیقت کے علی الرغم جب امت مسلمہ پر یہ فکری یلغار ہوئی کہ چھوٹا کنبہ خوش حالی کی ضمانت اور قلیل آبادی ملک کی ترقی کی ضمانت ہے تو کچھ خوش نصیب نفوس کو چھوڑ کر اکثریت کا ...... اور بالخصوص مسلم دانش وروں کا، اللہ کی رزاقیت پر یقین و اعتماد پانی کے بلبلے کی طرح ٹوٹ گیا۔ یہ فرق (قصداً یا بلا قصد) نظرانداز کیا جانے لگا کہ خالص انفرادی اور ذاتی سطح پر شوہر، بیوی کے لیے اس بات کا جواب کہ وہ زچہ بچہ (ماں اور نو مولود) کی صحت و زندگی سے متعلق کسی ناگزیر کیفیت میں (نہ کہ معاشی بنیاد پر) ضبطِ تولید کا فیصلہ کریں، ایک الگ بات ہے جس کی اجازت اسلام دیتا ہے، جب کہ مسلم قومی پالیسی کے طور پر ضبط ولادت کے حق میں، اسکی افادیت کے دلائل دینا، عامۃ المسلمین کو اس کی ترغیب دینا، مسلم سماج میں اس کے لیے ذہنی ہمواری پیدا کرنا، حتی کہ اس کے مستحب و مستحسن ہونے کی تحریک چلانا بالکل دوسری بات ہے جو اسلامی فکر سے صرف انحراف اور بغاوت کے مترادف ہے۔

⊙ **دہشت گردی کا الزام اور تاویلیں:** ۱۵، ۲۰ سال قبل تک دنیا کے کئی ملکوں اور خطوں میں مسلمان، دشمن طاقتوں کے ظلم و استبداد اور استعمار کے خلاف وطنی و قومی جذبے سے حربی مزاحمت کرتے رہے تھے۔ پھر ان مزاحمتی تحریکات کو اسلامی ڈائمنشن دیا گیا اور فطری طور پر اس مزاحمت کو جہاد سے موسوم کیا گیا۔ پہلے دشمن طاقتیں اس مزاحمت کو 'دہشت گردی' کہا کرتی تھیں یا 'مسلم دہشت گردی' اب اسے 'اسلامی دہشت گردی' یا 'جہادی دہشت گردی' کا نام دے دیا گیا۔ یہ اصطلاحات مسلم انٹلکچولز، زعما اور علما کے اعصاب پر فکری یلغار بن کر حملہ آور ہوئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اہلِ علم و دانش نے بیش تر، اسے سچ مچ دہشت گردی ہی باور کرلیا، خواہ دل سے، خواہ زبردست دباؤ کے تحت۔ وہ اسلام کی مدافعت کے نام پر، لغوی معنوں میں لفظ جہاد کی تعریف تشریح وتعبیر میں لگ گئے اور اس کے اصطلاحی مفہوم کو دبا دیا، چھپایا جانے لگا یا اس کی ایسی تاویلات کی جانے لگیں جو دشمن طاقتوں کو پسند آجائیں۔ اس کے لیے یہ بھی کیا گیا کہ بارہ تیرہ صدی قبل مرتب کی گئی ایسی شرائط کی تکمیل حقیقی اسلامی جہاد قرار پانے کے لیے لازم بتائی گئی جو اول تو قرآن و احادیث میں منصوص نہیں ہیں اور دوسرے، موجودہ دور اور حالات وکوائف میں ان کی کوئی معنویت (Relevance) ہی باقی نہیں رہی ہے۔ اس فکری یلغار

نے انہیں اتنا مرعوب اور خوف زدہ کر دیا کہ بقول مولانا مودودیؒ، اسلام کے یہ وکلا اسلامی نقطۂ نظر کو ایسے رنگ میں پیش کرنے لگے جو دشمنانِ اسلام کو پسند آ جائے۔

مولانا نے لکھا تھا کہ ''اسلام کو اسلام کے اپنے رنگ میں پیش کر دیجیے۔ لوگوں کو پسند آ جائے تو بہت اچھا، نہ پسند آئے تو کوئی پرواہ نہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولوالعزم لوگوں کا اسوہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے۔''

کون سنتا ہے فغانِ درویش!

دہشت گردی کی وہ قسم جس میں بے قصور اور عام شہری مارے جائیں، سب سے زیادہ مسلمانوں کے ذریعے مذمت کی مستحق ہے خواہ مجرم کوئی بھی ہو، بلکہ اگر مجرم مسلمان ہو تو اس کی اور زیادہ مذمت اور سخت سزا کا مطالبہ مسلمانوں کو، دیگر قوموں سے بڑھ کر کرنا چاہیے۔ لیکن دشمنانِ اسلام کی مذکورہ بالا حکمت عملی اور فکری یلغار سے متاثر، مسلم دانش ور، صحافی، علماء اور قائدین کی اکثریت نے ایک یکسر غلط رویہ اختیار کیا۔ وہ کوئی حادثہ ہونے کے فوراً بعد مجرم کی مذمت اور اس کے حوالے سے اسلام کا دفاع اس طرح کرنے لگ گئے گویا انہوں نے تفتیش کر کے یہ یقین کر لیا ہو کہ حادثے کے مجرم مسلمان ہی ہیں حالانکہ نہ عالمی سطح پر، اور نہ ملکی سطح پر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات رہ گئی ہے کہ بیش تر حادثوں میں کچھ دیگر مسلم دشمن عناصر، تنظیمیں اور ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں اور حادثے کے بعد آناً فاناً مسلمانوں کے نام سے میڈیا اور ملک گونج اُٹھتا ہے۔ اس رویے کا اثر یہ ہوا کہ دہشت گردی کے حوالے سے پوری ملت کی، اغیار کی نظروں میں مجرمانہ تصویر بنانے اور اسے احساسِ جرم میں مبتلا کر دینے میں خود ہم ایک بڑا رول ادا کرنے لگے اور کسی بھی مسلمان کو، کسی بھی جگہ اور ہر حادثے کے بعد پکڑ لیے جانے کی فضا ہموار کر دی۔ آج کل پوری دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

⊙ **عائلی زندگی اور خاندان کی توڑ پھوڑ:** ازدواجی اور عائلی زندگی، معاشرہ اور تہذیب و تمدن کی عمارت کی بنیاد کے پتھر ہیں۔ یہ پتھر غیر مسلم معاشروں میں کمزور ہو رہے، ٹوٹ رہے یا اپنی جگہ سے کھسک رہے ہیں۔ لہذا پوری عمارت یا تو شگاف زدہ ہو رہی ہے یا منہدم ہو رہی ہے۔ اسلام کا فیض ہے کہ مسلم معاشرہ اب تک اس تخریب سے محفوظ ہے۔ دشمنانِ اسلام کو، ظاہر ہے کہ یہ بات کیوں کر گوارا ہوتی...... خصوصاً جب مسلم معاشرے کے اس امتیاز کی کشش غیر مسلم معاشروں کے مردوں اور عورتوں اور نوجوانوں کو اسلام کی طرف کھینچنے لگی ہو۔ لہذا اس محاذ پر طلاق اور تعدد ازدواج کے بارے میں حقوقِ نسواں اور مساواتِ مرد و زن کے نہایت خوب صورت ناموں سے ایک زبردست فکری یلغار کی گئی، جس سے اہل فکر و نظر، اہل علم و تفقہ، اہل دانش و بینش کے...... حتی کہ اہل دین و تقوی کے بھی، جو شرعی قوانین کے محافظ و نگراں تھے...... دینی اعصاب چَرمَرا اُٹھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شرعی قوانین نامکمل، ناکافی اور ناقص نظر آنے لگے۔ شریعتِ کاملہ ومطہرہ کی شرائطِ نکاح سے زائد اشتراط فی النکاح کا نفاذ ضروری قرار پایا۔ شوہر کے لیے عقدِ ثانی کو، شریعت پر مستزاد سخت شرط کے ساتھ مشروط کیا جانے لگا۔ شریعت کی روح اور شرعی قوانین میں مضمر عظیم حکمتیں ناقابلِ التفات ٹھہریں۔ فکری یلغار کے دباؤ کی شدت میں اس بدیہی حقیقت کا خیال بھی نہ آیا کہ یہ بظاہر دونوں نیک کام، عملاً مسلم ازواج اور خاندانوں پر...... اور بالآخر مسلم سماج پر...... وہی راستہ کھول دیں گے جو کچھ دور جا کر غیر مسلم معاشروں اور گھرانوں کو تباہی سے دو چار کرتے رہے ہیں اور اس

تباہی کے مناظر ہم معاصر تہذیب میں شب و روز کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مسلم عورت، خصوصی ہدف

مسلم سماج میں کچھ عورتیں، کچھ مخصوص امور میں سچ مچ مظلوم و مقہور ہیں، تاہم بحیثیتِ مجموعی مسلم عورت دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ محسوس طور پر، باعزت، باعصمت، باوقار، محفوظ و مامون اور مطمئن ہے۔ اس کی یہ عمومی پوزیشن، نیز اس کی وہ کشش جس کی تحریک پر غیر مسلم خواتین دائرہ اسلام میں مسلسل کھنچتی چلی آ رہی ہیں، دشمنانِ اسلام کو فطری طور پر ایک آنکھ نہیں بھا سکتی۔ اس پوزیشن کی بقا اور اس کی بحالی میں وہ شہوانیت، اباحیت، فحاشی، بے لگام جنسی لذتیت اور موت کا پیش منظر دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے عورت کے تعلق سے اسلامی اصول، اخلاقیات اور قوانین کے خلاف زبردست منصوبہ بندی کر کے، نقشۂ کار بنا کر، طریقۂ کار متعین کر کے اسلام پر حملے اور ملتِ اسلامیہ پر فکری یلغار کے دہانے کھول دیے۔ معلوم ہوا کہ ایسے بے شمار موجود ہیں جو دشمنوں کی سازشوں کو یا تو سمجھنے کی صلاحیت اور ظرف نہیں رکھتے، یا قصداً سمجھنا نہیں چاہتے، یا دشمنوں سے اتنے زیادہ مرعوب ہیں کہ اس کمزوری کا مداواہ وہ مسلم سماج اور اسلامی تہذیب کو تبدیل کر دینے میں تلاش کر دیتے ہیں۔

⊙ **گھر کی سربراہی کا مسئلہ:** ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اجتماعیت کو، خواہ وہ فیملی ہو یا بڑے بڑے ادارے، حسنِ انتظام اور ڈسپلن عطا کرنے کے لیے ایک منتظم، ذمہ دار اور سربراہ کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔ فیملی کے لیے اس سربراہ کو قرآن نے 'قوام' کہا ہے۔ دوسرے معاشروں میں قوام کا منصب جنسی مساوات کے نام پر یا تو ختم ہو چکا ہے یا آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اسی مناسبت سے گھرانے بکھر رہے اور فیملیاں کمزور ہو رہی ہیں۔ یہ صریح زیاں منصۂ شہود پر ہونے کے باوجود کچھ مسلم دانش ور قرآن کو خاطر میں نہ لا کر مرد کی قوام کی حیثیت کو مشکوک بنا رہے ہیں یا چیلنج کر رہے ہیں اور فنی مکاری کو بروئے کار لا کر، قرآن کے تصورِ مساواتِ مرد و زن کی تاویل کرنے سے نہیں چوکتے۔

⊙ **معاشی آزادی پر زور:** عورت کی تخلیقی ہیئت اور مرد کے مقابلے میں اس کی مخصوص امتیازی نفسیاتی، جذباتی، اعصابی ساخت، نیز اس کے مخصوص وظیفہ ہائے حیات کی مناسبت سے اسلام نے اس پر (استثنائی و انفرادی حالات کو چھوڑ کر) کسبِ معاش اور مشقت طلب کاموں کا بار نہیں رکھا تھا۔ لیکن اب اس پر اس دلیل کے ساتھ ان ذمہ داریوں اور مشقتوں کا بار رکھا جانے لگا ہے کہ اسلام نے اسے شوہر کا غلام نہیں بنایا ہے۔ اسے آزادی اور کسبِ معاش کا حق حاصل ہے۔ اس بات کو 'ویمن ایمپاورمنٹ' کے گمراہ کن لیکن خوشنما لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا جا رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک یہ سارے کمالات الحاد زدہ، دین بیزار، نام نہاد، روشن خیال، آزد رو، لبرل اور پروگریسیو مسلمان ہی کیا کرتے تھے۔ اب مؤقر دینی جامعات کے فارغین بھی میدان میں اُتر آئے ہیں۔ ایسی ہی ہے یہ عظیم فکری یلغار اور ایسے ہی غیر معمولی ہیں اس کے اثرات۔ اس یلغار پر اربوں ڈالر اور غیر معمولی محنت صرف کی جا رہی ہے۔ فیمنسٹ تحریک کی عالم گیر تنظیمات...... جن کے منصوبوں، عزائم، حکمت عملی اور سرگرمیوں سے ملت کا بڑا طبقہ ناواقف یا غافل ہے، اس یلغار میں کارگر اسلحے کا کام کر رہی ہیں۔

یہ ہیں موجودہ فکری یلغار کی طویل اور شاخ در شاخ داستان کے چند شذرات اور اس کے اثرات کی چند جھلکیاں۔ اُمت مسلمہ کو ایک بڑا خطرہ اور چیلنج درپیش ہے، تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی تحریکات کے ہاتھوں بحمد اللہ فکرِ اسلامی کا احیا ہورہا ہے اور اس کی پیش رفت بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ زیادہ منظم اور مربوط ہو، اور اس پر زیادہ وسائل صرف کیے جائیں۔

۲- سماجی و ثقافتی مسائل

ہمارے سماجی و ثقافتی مسائل میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سرِفہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی (Modernization) سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہرحال دینا ہے لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ ﷺ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔ (البقرۃ ۲: ۱۷۷)

اسی طرح آپ ﷺ کا طریقِ تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی احسان و ایثار، شجاعت و حمیت صبر و استقامت، عفو و درگزر، حلم و بردباری، سخاوت و فیاضی حسنِ اخلاقِ صدق و توکل، رواداری اور حسنِ ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رُخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ (النسآء ۴: ۵۸)

فرقہ پرستی، گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت و اخوت کے عنصر کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"انسان آدم کی اولاد ہے اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔" (۱)

آپ ﷺ نے تعصب پر جان دینے، تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں (۲)۔ آپ ﷺ نے مومن کی جان و مال اور آبرو کو ایک دوسرے کے لیے حرام قرار دیا۔ (۳) تعلیم و تربیت کی طرف حضور ﷺ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے "**انما بعثت معلما**" فرما کر تمام عمال حکومت اور علماء کو تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور سب کو عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے یکساں ذمہ دار قرار دیا۔ (۵)

آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لیے بھی آنحضرتﷺ کے ان اقدامات پر بھرپورعمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جدید آلات سے ہی فلاح اور اصلاح کا کام لیا جائے۔ اسلامی پروگرام اخلاقیات پر مبنی ڈرامے اور فلمیں، نصابِ تعلیم کی تشکیلِ نو، اساتذہ کی تربیت، حکمرانوں کا طرزِ عمل، رشوت، سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور پولیس کی اصلاح ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کما حقہ مدد مل سکتی ہے۔

۳- اقتصادی مسائل

بلا شبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالمِ اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لیے اپنی منڈی بنانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں مگر امتِ مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک بے شمار مادی وسائل کے باوجود اندرونی اور بیرونی طور پر ان گنت اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اُسی معاشرے میں روبہ عمل آ سکتی ہیں جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے روشن خیال مفکرین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

> ''وہ مسلم ممالک جہاں زکوۃ اور عُشر کا مرکزی اور حکومتی نظام قائم ہو ان کے معاشرے میں اس نظام سے ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی بلکہ اس کا نقصان یہ ہوا کہ یہ ادارے بعض حکمرانوں کے سیاسی استحکام میں ایک وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے استعمال ہوئے یا سیاسی حکومت کو اَخلاقی جواز مہیا کرنے میں۔ اسلام کو خاص طور پر قانونِ وراثت، نظامِ زکوۃ، آبادی اور ملکیت زمین کے مسائل پر تخلیقی کام کرنا ہو گا۔ خاص طور پر جاگیردارانہ نظام کے ان پہلوؤں پر جہاں وہ مذہب کے نام پر اپنا جواز پیدا کرتے ہیں۔''(۲)

یہ تو رہی اندرونی صورتِ حال، بیرونی صورتِ حال بھی خاصی گھمبیر ہے۔ اسلامی ممالک نہ تو کوئی مشترکہ معاشی منڈی رکھتے ہیں، نہ موثر بینکاری نظام، نہ باہمی امداد تعاون کا کوئی موثر نظام ہے نہ ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کرنے کا کوئی لائحہ عمل۔ امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایہ اور قیمتی وسائل مغربی ممالک کے رحم و کرم پر ہیں۔ اقتصادی مسائل ہی کے حوالے سے امت مسلمہ کا ایک اہم مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری پسماندگی بھی ہے۔

اگر ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کا جائزہ لیں، تاریخ، فلسفہ، سائنس، فلکیات، ادب، طب اور فنونِ لطیفہ غرضیکہ وہ کونسا علم و ہنر کا شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں تاریخ کا حصہ نہیں۔ صرف سائنس ہی کو لیجئے۔ خوارزمی، جابر بن حیان، ابن الہیثم، موسیٰ بن شاکر، الکندی، بوعلی سینا اور نہ جانے اور کتنے سائنسدان، ریاضی دان، کیمیا دان اور ماہرینِ طب اس امت نے پیدا کیے مگر اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے اس میدان میں امتِ مسلمہ کی زبوں حالی محتاجِ بیان نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سیرت النبیﷺ ہی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے علم و ہنر کا راستہ اپنایا جائے۔

آنحضرتﷺ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی لیکن آپﷺ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دلانا، صفہ جیسا ادارہ قائم کرنا، ہر مسلمان (مرد، عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور خود کو معلم کہلوا کر معلم کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کرنا۔ آپﷺ کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے سیرت النبیﷺ میں حصولِ علم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت و افادیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے پھر قرآن پاک کی کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم و فنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ تسخیرِ کائنات اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے اور یہ بات بلا خوف و تردید کی جا سکتی ہے:

"قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے جو اس سے ہدایت لے گا یہ اسے تمام علوم کے حصول کی طرف راہنمائی کرے گا۔" (خطبات بہاولپور-ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

اقتصادی میدان میں اگر آنحضرتﷺ کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصارِ مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالا دستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔

آپﷺ نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لیے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔ زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کیے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت و حرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا۔ آپﷺ نے فرمایا:

"جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے۔" (۷)

آپﷺ نے بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سدِ باب فرمایا۔ اس سلسلے میں آپﷺ نے **بیع الحاضر للبادی** (شہری کے دیہاتی کا مال فروخت کرنے) سے منع فرمایا(۸)۔ آپ نے تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر کیے۔ آپﷺ نے ذرائع نقل و حمل کو آسان بنایا۔ اس سلسلے میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل و حمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کارروائی کی۔ آپﷺ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔

آپﷺ نے ملاوٹ ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری، ناپ تول میں کمی، ربا، اسراف، تبذیر، کام چوری اور گداگری وغیرہ جیسے قبیح افعال کو ممنوع قرار دیا۔ دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا۔ رزق حرام اور حبِ دنیا کی مذمت کی۔ رزق حلال اور کسبِ معیشت کے لیے ترغیب دی۔ کفالت عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے خود کو لاوارث کا وارث قرار دیا۔(۹)

آپﷺ کے عہد میں ریاست کی آمدنی غریبوں، اپاہجوں، بیواؤں، ناداروں کے علاوہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر

بھی خرچ کی جاتی تھی۔ امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی تھی لیکن اگر اس سے کفالت عامہ نہ ہو تو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ غرباء اور مساکین زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں۔ آپ کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیت المال کی رقم سے مسلمانوں میں برابر تقسیم فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بچوں کے وظائف مقرر کیے گئے۔ بوڑھے اور معذور ذمیوں کا جزیہ بیت المال سے ادا کیا گیا۔ یعنی اسلامی بیت المال سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستحقین کو بھی امداد دی جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے قومی خزانے کی حیثیت اور اس پر حکام اور رعایا کے حقوق کا تذکرہ بھی کس قدر جامع اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

> ''اے لوگو! میرے اور آپ کے مال کا وہ تعلق ہے جو یتیم کے مال اور اس کے ولی کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر میں مالدار ہوں گا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر فاقہ کی نوبت آ جائے تو عام رواج کے مطابق کھانے کے لیے لے لوں گا۔ مجھ پر تمہارے بہت سے حقوق ہیں جن کے لیے تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو۔ (۱۰)

اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ اکثر مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے تھے اور اگر کسی شخص کو اس طرح کا کام کرتے دیکھتے جو اس کی برداشت سے باہر ہوتا تو اس کے آجر کو اس کی طاقت کے مطابق کام لینے کا حکم دیتے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے محتسب بھی مقرر کر رکھے تھے۔ ایک بار آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ایک آجر بیمار مزدوروں کی عیادت کو نہیں جاتا۔ آپ نے محتسب کو ہدایت کی کہ آجر سے باز پرس کی جائے اور اس کو ایک طبیب مقرر کرنے کی فہمائش کی جائے اور اس کی آمدنی طبیب کا بوجھ نہ اُٹھا سکے تو بیت المال کی طرف سے فوراً طبیب مقرر کر دیا جائے۔ (۱۱)

ان تعلیمات و اقدامات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے لیے اقتصادی مسائل کے حل کا منہاج کیا ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر منظور احمد کا یہ خیال کسی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی سیاسی حاکمیت اور سیاسی غلبہ معاشی ترقی کے سائے میں آگے بڑھے گا۔ جن قوموں، تہذیبوں اور ملکوں کے پاس معاشی ترقی کا کوئی قابلِ عمل اور واضح نقشہ موجود نہ ہو گا۔ ان کا مستقبل درخشاں نظر نہیں آتا۔ (۱۲)

۴۔ سیاسی مسائل

الف: مسلم ریاستوں کے داخلی مسائل

ب: عالم اسلام کے باہمی تعلقات

ج: عالمِ اسلام کے خارجی مسائل

(الف) اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید اسلامی فلاحی ریاستوں کا قیام ناگزیر ہے۔ محمد عربی ﷺ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیرِ سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔ (۱۳)

داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لیے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

i- سیرۃ النبیؐ کے مطابق سیاسی نظام کی تشکیل نو

ii- امن امان کا قیام

iii- ریاستی اداروں کی اصلاح

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے لکھا تھا:

''کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کی دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی۔ ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحابِ علم اور اہل دانش میں ارکانِ مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہوگی۔'' (۱۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبۂ خلافت میں فرمایا تھا:

''لوگو میں تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہوں میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کروں اور اگر میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔'' (۱۵)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر رکھتے ہوں۔

ii- داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمیں درپیش دوسرا اہم مسئلہ امن و امان کے قیام سے متعلق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی فرمائی۔ اور آپ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا:

''ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے

سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔''(۱۶)

iii- داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمارا تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا استحکام اور اصلاح ہے۔ آنحضرتﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔ اسی ضمن میں سیرت النبیﷺ اور خلافتِ راشدہ کی راہنمائی حسبِ ذیل ہے:

- سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔
- سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔
- تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرزِ عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے۔
- افسران و ملازمین کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔
- سرکاری خزانے میں کسی بھی قسم کی لاپرواہی، کوتاہی اور خورد برد کرنے والے ذمہ داران کو سزا کا مستحق سمجھا جائے۔
- انصاف و احتساب کے معاملے میں حاکم و محکوم، امیر و غریب اور افسر و ماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔
- حکام، افسران اور ملازمین سب کو سیرتِ رسول اکرمﷺ اور خلفائے راشدین کے طرزِ بود و باش، سادگی میانہ روی اور سرکاری خزانے کے بے تحاشہ استعمال سے گریز کرنے جیسے اقدامات کو اپنانا چاہیے۔

(ب) عالمِ اسلام کے باہمی تعلقات

اکیسویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم سیاسی مسئلہ عالم اسلام کے باہمی تعلقات کا ہے۔ آج سے بیس برس قبل پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر ایک معروف اسلامی دانشور نے کہا تھا:

''اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے۔ لہٰذا قدرتی طور سے حضورﷺ اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے ...... جس طرح حضورﷺ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوا تھا اور آپ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے۔ بلاشبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے مگر پندرھویں صدی جملہ قرائن کی رو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیانِ مرصوص بنالیں۔''(۱۷)

بہر حال سیرت النبیﷺ کا پیغام تو آج بھی یہی ہے، بقول اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

کاش یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو

(ج) عالمِ اسلام کے خارجی مسائل

دنیا کی دوسری بڑی طاقت کی شکست وریخت کے بعد طاقت کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس تناظر میں ہمیں اپنے خارجی مسائل کے حل کے لیے بھی سیرۃ النبیﷺ کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔ اس ضمن میں ہر اسلامی ریاست کو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لیے خود کفیل ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امن کی راہیں میدانِ جنگ سے ہو کر گزرتی ہیں۔ مسلمانوں کو فنونِ حرب اور عسکری قوت میں اس قدر طاق اور خود کفیل ہونا چاہئے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ آنحضرتﷺ کے عہد کی زیادہ تر غزوات اور سرایا کا مقصد جارحیت کی مدافعت اور جنگ برائے امن تھا۔ آنحضرتﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امتِ مسلمہ اکیسویں صدی کے چیلنجز سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے مگر اس کے لیے آنحضرتﷺ کے اس حکم کو لازماً سامنے رکھنا ہوگا:

''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ پس جہاں اسے ملے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔''(۱۸)

ایک عالمگیر مسلم برادری کی بنیاد ڈالنے کے لیے قرآن نے تمام خدا پرستوں کی وسیع برادری کا تصور دیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبات ہی میں کہا ہے:

> ''عہدِ حاضر کے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح اور اسلام کے اس وقت تک منکشف شدہ مقاصد سے یہ استنباط کرے کہ روحانی جمہوریت کا قیام اسلام کا آخری نصب العین ہے۔''(۱۹)

امت مسلمہ کا وجود اقامتِ دین اور شہادتِ حق ہے۔ دنیا میں کامیاب زندگی اور آخرت میں نجات اللہ کی نازل کردہ ہدایت یعنی دینِ حق پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے اپنا زاویہ فکر رکھتا ہے اسلامی تحریک مغرب کے سیکولر ماڈل کو مسترد کرتی ہے جو اسلام کو فرسودہ نظریہ حیات قرار دیتی ہے اور اپنے اطلاعاتی ماحول کے ذریعہ سیکولر ذہن بنانا چاہتی ہے جو مغرب کے لیے نرم گوشہ رکھتا ہو یا مغرب کو اپنے لیے ماڈل سمجھتا ہو۔ لبرل تعلیمی نظام اسلام کے خلاف مغرب کی سازش ہے جو مسلمان معاشرے کو اپنے اندر ختم کرنا چاہتا ہے۔ مغرب اسلامی تحریکوں کی قیادت کو بدنام کرنے کے لیے انہیں نااہل، متروک، بے مغز، عقیدہ پرست رجعت پسند اور تاریک خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(۲۰)

ڈاکٹر منظور احمد نے اس ضمن میں لکھتا ہے:

> ''اسلامی معاشرہ پچھلے پانچ سو سال سے ظاہری سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔ اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا اور زمانہ جدید میں جو تخلیقی قوتیں کارفرما ہیں اور فکر نے جو نئے نئے راستے نکالے ہیں ان کا کوئی ردعمل اسلامی مفکرین کے ہاں نہیں پایا جاتا۔(۲۱)

جدید عقلیت پسند مفکرین کا نقطہ نظر یہ ہے

۱- اسلامی معاشرے میں مذہب اور خیالات کی مکمل آزادی ہوتی ہے اور کسی کو دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔

۲- اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی نہ گزار سکتے ہوں تو ان کو صبر کرنا چاہئے یا ہجرت۔

۳- اسلامی حکومت کے قیام کی صورت میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی پوری آزادی ہو گی اور ان کے حقوق میں ان کے مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

۴- اسلامی ریاست ایک جمہوری اور سوشلسٹ ریاست ہو گی۔

۵- عورتوں کے بنیادی حقوق میں جنس کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہیں ہو گا۔

۶- ریاست معاشی نظام کو اس طرح منظم کرے گی کہ سرمایہ داری اور بغیر محنت کی کمائی معاشرے میں جگہ نہ پائے۔ اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے۔ اسی طرح معاشرے میں اشیاء کی گردش کے قانون بنائے جائیں گے۔ جائیداد اور املاک کو مشترکہ ملکیت میں رکھنے کی اور ان کو آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔

۷- کسی گروہ کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ حکومتِ وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے اس لیے کہ معاشرے میں افراتفری اور شورش کی بہ نسبت امن وامان زیادہ قیمتی ہے۔ (۲۲)

یہ وہ چند نکتہ ہائے نظر ہیں جو مختلف الخیال مفکرین اسلامی ریاست، اسلام کی تفہیم اور جدید چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ سب کے نزدیک خیالات کا ماخذ قرآن وسنت ہیں لیکن تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند، قدامت پرست، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال، منکرِ حدیث اور بعض اوقات مرتد جیسے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے ان حالات میں کیا ہمارے مفکرین اسلامی فکر کی کسی ایک نہج پر متفق ہوسکیں گے۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ صرف زبانی کلامی سیرت النبیؐ پر کاربند ہونے کی تلقین وتبلیغ نہ کی جائے بلکہ اس وسعتِ نظر، رواداری، حکمت، حلم و بردباری، قوتِ برداشت، روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرت النبیﷺ کا امتیازی نشان ہے۔

اسلام اعتدال کا دین ہے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہمیں اپنی ثقافت اقدار کی نگہبانی بھی کرنی ہے اور حکمت و دانائی کے موتیوں کو چن کر جدید چیلنجز کا مقابلہ بھی کرنا ہے اس موجودہ معروضی صورت حال میں حسبِ ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

ا- فکری یک جہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیشِ نظر اجتہاد ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ اب اجتماعی اجتہاد کے لیے ادارے تشکیل دیے جائیں جن میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ اقبال ''علماء کو مجالسِ قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہئے تاکہ وہ قانون

سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کر سکیں۔''(۲۳)

ii- ایک ایسی جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام لازمی ہے جس کا ماڈل آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ہمیں ان ابہامات کو بھی دور کرنا ہے جو اسلام سے متعلق غیر مسلموں کے حقوق، خواتین کے حقوق، اقلیتوں کے حقوق، تشدد پسندی، دہشت گردی، تکفیر اور فرقہ واریت کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

iii- اخلاقی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مغرب بھی اخلاقی اور روحانی انتشار میں مبتلا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اخلاقی اور روحانی زوال ہی عصرِ حاضر کا سب سے خطرناک اور تباہ کن مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکی دور میں سب سے زیادہ توجہ فرد کی ذاتی اصلاح، اخلاق و اعمال کی درستگی اور تزکیہ و تربیت پر مبذول فرمائی۔ اس اخلاقی انقلاب کی بنیاد خوفِ خدا، عقیدہ آخرت اور وحدانیت کی بالیدگی پر رکھی گئی تھی۔

iv- اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں اپنے سماجی و ثقافتی مسائل سے بھی نبرد آزما ہونا ہے جن میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار لسانی اور گروہی اختلافات قوم پرستی، مادہ پرستی اور مغرب سے مرعوبیت اور محاذ آرائی سرِ فہرست ہیں۔ ان مقاصد کے لیے بھی سیرت النبی ﷺ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے جس نے لوگوں کو ایمانی قوت سے مالا مال کر کے باہمی ہمدردی، ایثار و قربانی، شجاعت وحمیت، صبر و استقامت، عفو و درگزر، حلم و بردباری، رواداری اور وسعتِ نظر جیسے اوصاف سے متصف کیا۔

v- اسلامی ممالک کو اپنی اقتصادی صورت حال پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کو ختم کرنا ہے سود کے مسئلے سے گلو خلاصی کرانی ہے۔ اسلامی ممالک کو باہمی اقتصادی روابط کو فروغ دینا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیش رفت کو مزید تیز کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ایمان اور اخلاقیات کا دامن بھی تھامے رکھنا ہے۔

vi- اسلامی ریاستوں کو اپنے داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لیے اور داخلی امن و امان کے قیام کے لیے بھی سیرت طیبہ ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہوگا جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

الف: بے لاگ عدل و انصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لیے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کا یہی طریقہ عمل تھا۔

vii- اگرچہ عالم اسلام کے اتحاد کا کوئی عملی پروگرام ابھی سامنے نہیں آیا تاہم یہ رجحان بڑی تیزی سے اُبھر رہا ہے کہ امت مسلمہ اپنے تمام اختلافات وسائل کو پس پشت ڈال کر باہمی تعاون کا راستہ اختیار کرے۔ (۲۴) اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسی جنت ارضی قائم ہو جس میں ساری دنیا کے انسان مکمل اطمینان اور سکون سے رہ سکیں (اقبال) اس مقصد کے لیے بھی سیرتِ طیبہ ہماری راہنما ہے۔

viii- عالم اسلام کو درپیش خارجی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر اسلامی ریاست کو اپنی مدافعت اور

حفاظت کے لیے خود کفیل ہونا ضروری ہے۔

ix- آنے والے سالوں میں مذہب کے احیاء کے عالمی رجحان کے باوجود ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ قوم پرستی اور سیکولرازم زیادہ مضبوط ہو سکتے ہیں۔لہٰذا ہمیں عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے سیاسی مسائل حل کرنے چاہئیں تاکہ غیر مسلم ممالک میں اقلیتیں بھی محفوظ رہ سکیں۔

x- ہمیں آنحضرتﷺ کے طریقہ کار کی وسعتِ نظر کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اسلامی ریاست مدینہ کے آغاز میں آپ نے اختیار فرمائی۔ سب کو اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی۔ آج بھی اسی قسم کے معاہدات غیر مسلم ریاستوں سے کیے جا سکتے ہیں۔ انتہاء پسندی، محاذ آرائی اور منفی رجحانات کی بجائے مفاہمت اور اچھے تعلقات سیرۃ النبیﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔

xi- آخری بات جو سیرت طیبہ اور عصری مسائل کے حوالے سے بہت اہم ہے، وہ بازگشت ہے جو مغرب میں ''تہذیبوں کے تصادم'' کے حوالے سے زیرِ بحث ہے مغرب کے مفکرین یہ کہہ رہے ہیں کہ آئندہ تصادم تہذیبوں کے درمیان ہوگا۔ اور اب کمیونزم کے خاتمے کے بعد ہماری اصل حریف اسلامی طاقتیں ہیں۔ (۲۵) اسلام مغربی تہذیب کے لیے خطرہ ہے اور اس خطرہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مغربی مفکرین ابھی اس پر متفق نہیں ہوئے لیکن اس کے لیے متعدد طریقے وضع کیے جا رہے ہیں۔ (۲۶)

اس خطرے سے ہمیں کیسے نمٹنا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات عام مسلمانوں کے سوچنے کی نہیں بلکہ مسلمان مفکرین اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکوں کے قائدین اور مسلمان ریاستوں کے سربراہوں کو وہ لائحہ عمل وضع کرنا ہوگا۔ جس سے تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ یقیناً ہمیں اپنے افکار و کردار پر بھی نظر ثانی کرنی ہوگی۔ مفاہمت اور مذاکرات کے دروازے بھی کھولنے ہوں گے اور مغرب کو بھی اس بات پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ بھی اپنے دوہرے معیار اور منفی پروپیگنڈے سے باز آجائے کیونکہ تمام معاشی، سماجی، تعلیمی اور ثقافتی معاملات میں باہمی تعاون ہی سے ترقی خوشحالی اور امن ممکن ہے۔

سیرۃ النبیﷺ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے امن و اخوت عدل و انصاف، افہام و تفہیم اور صلح و آشتی کی نوید ہے۔ بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی خواہشاتِ نفس کو ترک کر کے اس نظامِ حیات کے پیروکار بن جائیں جس کی روشنی سے چراغِ مصطفوی نے عرب و عجم کے تاریک ایوانوں کو منور کر دیا۔ آپﷺ کا ارشاد ہے

> ''خدا کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کرے۔''(۲۷)

درپیش چیلنج اور ان کا حل

ان حالات میں اُمتِ مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سرکارِ دو جہاں، رحمت کون و مکانﷺ اور آپﷺ کے پیروکاروں کی سیرت کا ورق ورق دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دے اور دنیا خود دیکھ لے کہ اسلام اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کیا ہیں۔

⊙ **علم وتحقیق:** اسلام، علم کے زیور سے آراستہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اسلام علم حاصل کرنے اور رموزِ کائنات کا کھوج لگانے پر جتنا زور دیتا ہے، کوئی اور مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسلامی معاشرے میں جاہلوں اور بے علم لوگوں کو ہرگز وہ مقام نہیں مل سکتا جو صاحبِ علم لوگوں کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہئے کہ تو عالم ہو، متعلم ہو، علم سننے والا اور علم سے محبت رکھنے والا ہو، اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو (یاد رکھ) ہلاک ہو جائے گا۔ (۲۸)

آپﷺ نے علم کو ان امور میں شامل کیا ہے جن پر رشک کیا جا سکتا ہے آپﷺ ہمیشہ دعا فرماتے: ''میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔'' (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

اس طرح آپﷺ نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو دلوں سے جہالت کے اندھیرے نکال کر ان کی جگہ علم کی شمعیں جلا دیتا ہے۔

⊙ **حقوقِ نسواں:** آج مغرب الزام دیتا ہے کہ اسلام عورتوں کے معاملے میں انصاف نہیں کرتا۔ اُسے خبر ہی نہیں کہ اس دین کے نام لیواؤں کا خدا تو انہیں حکم دیتا ہے: ''عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔'' (البقرۃ ۲:۲۲۸) ''اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو، سہو۔'' (النسآء ۴:۱۹) ''مردوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں۔'' (النسآء ۴:۳۲) ان کا نبیﷺ ان سے کہتا ہے: ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔'' (۲۹)

اسلام نے تعلیم کو کبھی ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا۔ خواتین نے جب آپﷺ سے تعلیم کے لیے ملنے کی درخواست کی تو آپﷺ نے ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر کر دیا اور الگ جگہ کا تعین فرما دیا۔ (۳۰)

اسلام خواتین کے بارے کہیں رکاوٹ نہیں ڈالتا۔ انہیں برابری کا حق دے کر ان کی پوری حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہاں، اپنی تعلیمات کی روشنی میں اتنا ضرور تجویز کرتا ہے: ۱- اسلامی نظامِ تعلیم میں لڑکیوں کے لیے تعلیم کا انتظام الگ ہونا چاہئے۔ ۲- ان کے لیے نصابِ تعلیم الگ ہونا چاہئے کیوں کہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہوتی ہے۔ (۳۱)

اب اگر ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلامی معاشرہ خواتین کو حصولِ علم کا ہر موقع فراہم کرتا ہے اور انہیں پورا تحفظ فراہم کرتا ہے تو اس کی 'روشن خیالی' میں کہاں کمی رہ جاتی ہے۔ البتہ یورپ اگر اہلِ ایمان کی قندیلِ ایمانی کو بے حیائی اور فحاشی کی تعلیم سے مدھم کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہے:

دِیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملّت   ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

⊙ **عصبیت سے مبرا:** غیر مسلموں کے پروپیگنڈے کے برعکس قرآنِ مجید کی تعلیمات اور ارشاداتِ نبی کریمﷺ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ تعصب کی مذمت کی ہے اور معاشرے کو ہمیشہ اس برائی سے پاک رکھنے کی سعی کی ہے۔

''اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبے سے روکا تھا تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرو۔'' (المائدۃ ۵:۷)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (المائدۃ ۵:۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو معاہدہ لکھوایا اس کے الفاظ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح کہ نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے مالوں میں کمی کی جائے گی اور مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔

حکمرانِ امویہ، عباسیہ، اندلسیہ و فاطمیہ کے عہدِ حکومت میں اقوامِ غیر کا صدیوں تک آباد رہنا مسلمانوں کی بے تعصبی کی روشن دلیل ہے۔ اورنگزیب عالم گیر کو متعصب قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے زیادہ لمبی ہے۔ سیاستِ حاضرہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ بے تعصبی اور رواداری ہی ان کے زوال کا سبب بنی۔ ایک سیر چشم مسلمان یہ اعتراض تو تسلیم کرسکتا ہے لیکن یہ کبھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔ (۳۲)

⊙ **بہترین مدنیت:** اسلام اعلیٰ ترین مدنیت کا حامل معاشرہ فراہم کرتا ہے وہ کہیں بھی انسان کو رہبانیت کا درس نہیں دیتا۔ ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا﴾ (الحدید ۵۷:۲۷)، یعنی ترکِ تمدن بدعت ہے۔

اسلام نسان کی خودی کی تعمیر کر کے اسے ایسا روشن خیال بنا دیتا ہے جس کی دنیا اور دین کے درمیان فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اسے معاشرے کا ایسا فرد بنا دیتا ہے جس کی زندگی کا کوئی پہلو کمزور نہیں رہتا۔ وہ اسے اپنے خالق کا سچا بندہ، والدین کا سعادت مند بیٹا، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے والا، تمدن کا پورا محافظ، فرماں بردار، راست گو، امانت دار، صلح پسند، فساد کا دشمن اور نسلِ انسانی کا دوست بنا دیتا ہے......اور پھر ایسے افراد مل کر جو معاشرہ تشکیل دیتے ہیں تو اس میں اعلیٰ ترین مدنیت از خود ہر طرف سے جھلکتی نظر آتی ہے۔

⊙ **مساواتِ انسانی کا بہترین نمونہ:** اسلام مساواتِ انسانی کا ایسا علم بردار معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں ہر شہری کو وہ تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں جن کا وہ حق دار ہوتا ہے۔ اسلام اس اصول کی پوری پاس داری کرتا ہے۔ اعلیٰ ترین تمدن کا دعوے دار یورپ، تمام دعوؤں کے باوجود عملاً ایسا نہیں کرتا۔ برطانیہ کی سلطنت میں اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز، سب شامل ہیں، لیکن ان کا کوئی باشندہ آج تک برطانیہ کا وزیرِ اعظم نہیں بن سکا۔ کوئی کیتھولک اس عہدے تک نہیں پہنچ سکتا۔ دوسری طرف تاریخِ اسلام شہادت دیتی ہے کہ یہاں ایک غلام کا بیٹا بھی دربارِ رسالتؐ سے فوجوں کی سپہ سالاری کا عہدہ پا سکتا ہے۔ ایک زرخرید غلام کے بیٹے کا نکاح سید البشر ﷺ کی پھوپھی زاد بہن سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ اپنے غلام کو مارتے ہیں۔ رسولِ خدا موقع پر پہنچ کر فرماتے ہیں: ''جو قدرت اس غلام پر تجھے حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر حاصل ہے''۔ ابو ذرؓ زمین پر گر پڑتے ہیں اور غلام سے کہتے ہیں: اپنا پاؤں میرے رُخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔

عدالت میں ایک یہودی اور حضرت علیؓ کو برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر کیا عظیم منشور انسانی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: لوگو! خبردار رہو۔ تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (۴۳)

حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن پر چل کر مسلمانوں نے عملاً ایک عالم گیر اور روشن خیال معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا اور دنیا کو ماننا پڑا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر نسل کے لوگ اکٹھے کر کے محض ایک عقیدے کی بنا پر انہیں ایک اُمت بنا سکتا ہے۔

آج زمانہ گواہی دے رہا ہے کہ انسان کے اپنے تخلیق کردہ نظریات دنیا کو فساد کے سوا کچھ نہیں دے سکے۔ گذشتہ چند صدیوں میں دنیا نے بے شمار نظاموں اور اِزموں کو آزما کر دیکھ لیا ہے۔ انسان پریشان سے پریشان ہوتا جا رہا ہے۔ آج پھر مجبوراً اسے اسلام ہی وہ واحد سہارا دکھائی دیتا ہے جو اس کی مشکلات اور اس کے مصائب میں اس کی دستگیری کر سکتا ہے اور اسے سُکھ اور چین فراہم کر سکتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام ہی وہ واحد چراغ ہے جو دنیا کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل سکتا ہے تو اس چراغ کی لو بڑھانے کا فریضہ کون انجام دے؟

اس سوال کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ اس چراغ کو جلائے رکھنے کا کام وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو اس چراغ کے علم بردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اپنے آپ کو انبیاء کا وارث تصور کرتے ہیں، جن سے ان کے نبی برحقؐ نے اپنے تکمیلِ مشن پر پوچھا تھا: کیا میں نے بات پہنچا دی؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! تو پھر ان کے ہادیؐ نے انہیں حکم دیا تھا: جو موجود ہے وہ ان لوگوں تک میری یہ بات پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔

اب اگر اُمتِ مسلمہ حقیقت اور انصاف کی نظر سے دیکھے تو عصرِ حاضر کا سب سے بڑا چیلنج اسے اور صرف اُسے درپیش ہے۔ اسے اپنے رب اور اپنے نبی ﷺ سے کیے گئے وعدوں پر پورا اُترنے کا ایک سنہری موقع نصیب ہو رہا ہے۔ اب تساہل سے کام لینے کی کوئی گنجائش نہیں اسے اپنا کڑا احتساب کرنا ہوگا۔

چند ناگزیر تقاضے

ان حالات میں اب اس امتِ خیر پر لازم ہے:

⊙ **اپنی منتشر صفیں درست کرے:** انتشار کے نتیجے میں اس نے آج تک بڑے نقصان اُٹھائے ہیں۔ آج دنیا میں ۵۰ سے زیادہ اسلامی مملکتیں موجود ہیں۔ یہ تمام بے پناہ قدرتی وسائل اور خزانوں سے معمور ہیں لیکن کتنے دُکھ کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح معنوں میں آزاد مملکت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان میں سے کوئی مجبور ہے تو کوئی معذور۔ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ غیر مسلم آقاؤں کی خوشنودی میں ایک دوسرے کی سلامتی سے بھی کھیل جانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔

جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر اب عالمِ اسلام پر لازم ہو گیا ہے کہ:

- اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنایا جائے۔
- اسلامی ممالک کا ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جائے اور اس فنڈ سے غریب مسلم ممالک کی ترقی کے لیے ہر شعبے میں ان کی امداد کی جائے۔
- اسلامی ممالک کی تنظیم کے تحت ایک مشترکہ اسلامی فوج قائم کی جائے تاکہ ہر جارحیت کا متحد ہو کر بروقت سدّ باب کیا جا سکے۔
- تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر جدید سائنسی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اس سلسلے میں کثیر تعداد میں طلبہ، اساتذہ اور ماہرین کے باہمی تبادلے سے ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی مشترکہ سعی کریں۔
- جدید سائنسی علوم کے حصول کی کوششوں کے ساتھ دینی اور شرعی علوم کے حصول کا حکومتی اور اسلامی ممالک کی تنظیم کی سطح پر متحدہ اور مشترکہ انتظام کیا جائے۔ ماضی قریب میں غیر ملکی تسلط نے بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو ان کے مذہبی علوم سے دُور رکھنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں نے مجرمانہ حد تک ان کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ آج مسلمان اپنے دینی علوم حاصل کرنے میں شرم محسوس کرتا ہے؟
- ہر حکومت عوام میں پائی جانے والی نفرتوں کو دُور کرنے کے لیے سرکاری سطح پر:

...... لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال کو سختی سے روکے۔

......مناظرہ بازی کے رواج کا سختی سے سدّ باب کرے (مناظرہ بازی کے چسکے نے ہمیں رسوائیوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔)

......منافرت اور انتشار پھیلانے والے لٹریچر پر کڑی پابندیاں عائد کرے۔

......مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلم عوام کے اندر تہذیبی شعور (civic sense) بیدار کرنے کا خصوصی اہتمام کرے تاکہ ہر گھر کے اندر اور باہر طہارت، جو ایمان کی ایک بنیادی شرط ہے، پوری ہوتی نظر آئے۔

⊙ **حقوقِ انسانی کا اسلامی تصور اُجاگر کرنا:** آج امتِ مسلمہ پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ اسلامی، معاشرتی اور انسانی صفات کا عملی مظاہرہ کرے اور حقوقِ انسانی کے تحفظ کا وہ نمونہ پیش کرے جو اس کے اسلاف نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ عفو و درگزر، صبر و استقلال اور عدل و انصاف کے ذریعے وہ معاشرہ تشکیل دے جس کی مثال سرکارِ دو جہاں ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔

⊙ **اسلام کی روحانی اقدار کو اُجاگر کرنا:** اسلام نے روحانیت کی تعلیم کو 'الاحسان' کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ اسلام میں عبادات کا مقصد ہی انسان کو روحانی تسکین فراہم کرنا اور اسے اپنے اللہ کے قریب تر لے جانا ہے۔

دل کی اصلاح بدن کی اصلاح کی ضامن ہوسکتی ہے۔ آج انسان کے دل اور بدن میں کوئی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ اس ہم آہنگی کا واحد ذریعہ اللہ کا ذکر اور صحیح معنوں میں عبادات کی بجا آوری ہے۔ اس سلسلے میں قرآن اور سیرت کا مطالعہ حد درجہ معاون ثابت ہوسکتا ہے لیکن کاش اُمتِ مسلمہ اس کا احساس کرے۔ آج ہم قرآن اور سیرت کے مطالعے کی دعوت دیتے ہوئے کیوں شرما جاتے ہیں؟ ہمیں قرآن وسنت کے مطالعہ کی اہمیت کا کیوں احساس نہیں ہوتا۔؟

⊙ **مذاہب کے درمیان مشترکہ اخلاقی اقدار کو اُجاگر کرنا:** آج اُمتِ مسلمہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مل جل کر فروغ دے، جو اسلاف سے اس نے میراث میں پائی تھیں اور جنہیں اب وہ کافی حد تک گنوا بیٹھی ہے اور جو تمام آسمانی مذاہب میں مشترک ہیں، صداقت، امانت، دیانت، ایفائے عہد، انصاف، باہمی محبت وشفقت اور تعظیم کی صفات نہ صرف اس کے اندر پیدا ہو جائیں بلکہ ان کے فروغ کے لیے ہر مسلمان انفرادی سطح پر بھی ان کا عملی نمونہ بن جائے۔ ہر مومن ان اوصافِ حمیدہ کا اس طرح مظاہرہ کرے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کے خلاف بھری کدورت نہ صرف نکل جائے بلکہ وہ از خود اس طرف کھنچے چلے آئیں۔

⊙ **ہر مسلمان دین کا سچا داعی بن جائے:** آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مومن کا جسم اور روح دونوں صحیح معنوں میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی پیروی میں لگ جائیں۔ وہ خدا کے سچے دین کا سچا داعی بن جائے۔ وہ ہدایت کا ایسا چراغ بن جائے جو جہاں بھی جائے، اس کے ارد گرد کا ماحول اس کے کردار اور اس کے پاکیزہ اخلاق کی کرنوں سے جگمگانے لگے۔ اس کے لباس، خوراک، رہن سہن، بودو باش، بول چال اور معاملات سے وہی خوشبو آئے جو آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی سیرت سے آیا کرتی تھی۔ وہ حق کا پیغام گھر گھر پہنچانے پر کمر بستہ ہو جائے۔ وہ اپنے اللہ کا فرمان اور پیغمبر ﷺ کی آواز بن جائے۔ اسے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہو اور اس پر نظر پڑے تو خدا یاد آ جائے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا | آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ہذا ما عندی وصلی اللہ علی النبی وآلہ وسلم

مصادر و مراجع

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتب بالخصوص ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف''، ''حجۃ اللہ البالغۃ''۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتب بالخصوص ''الحسبۃ فی الاسلام'' اور ''رفع الاعلام عن ائمۃ الاعلام۔ سید مودودیؒ کی کتب بالخصوص ''عصرِ حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل''۔ ''تفہیمات'' اور ''رسائل و مسائل''۔ مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر ''معارف القرآن''۔ جناب پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تالیفات بالخصوص ''ضیاء القرآن'' اور ''ضیاء النبیؐ''۔ جناب نعیم صدیقی کی کتاب ''محسنِ انسانیت''۔ جناب صفی الرحمٰن مبارکپوری کی کتاب ''الرحیق المختوم''۔ مقالات سیرت نبوی زیر اہتمام سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کانفرنس منعقدہ ۱۱-۱۳ فروری ۲۰۰۰ء۔

شعبہ اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور کے زیر اہتمام ایم اے اسلامیات کے مقالہ جات بھی اس موضوع سے متعلق درج ذیل مقالات سے بھر پور فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

	موضوع	لائبریری نمبر
۱۔	دورِ حاضر میں احیائے اسلام کی عالمی تحریکیں	۱۹۸۵/۵ء
۲۔	مسلم معاشرے پر مغربی تہذیب کے مضر اثرات اور ان کا انسداد	۱۹۸۷/۵ء
۳۔	فلسفہ مذہب_عصرِ حاضر کے آئینے میں	۱۹۸۷/۵۸ء
۴۔	عصر حاضر کے فکری وتہذیبی مسائل	۱۹۹۰/۹ء
۵۔	نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اسلام	۱۹۹۲/۳۶ء
۶۔	دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ کے مسائل	۱۹۹۵/۱۱ء
۷۔	عصرِ حاضر میں اشاعتِ اسلام کی راہ میں حائل مسائل ومشکلات	۱۹۹۰/۲۹
۸۔	موجودہ دور کے تعلیاتی مسائل اور اسلام میں ان کا حل	۱۹۹۹/۲
۹۔	عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی زبوں حالی	۲۰۰۲/۲
۱۰۔	عالمِ اسلام کے خلاف مغربی دنیا کی سازشیں_ایک جائزہ	۲۰۰۲/۳ء
۱۱۔	نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں	۲۰۰۳/۲۷ء
۱۲۔	عصری تہذیبی تصادم اور امتِ مسلمہ	۲۰۰۳/۲۸

مصادر وحوالہ جات

۱- الترمذی، کتاب المناقب، باب ۷۳، ص۲۰۵۴۔ ۲- ابو داؤد، کتاب لادب، باب۱۱۱، التفاخر فی لاحساب، ص۱۵۹۸۔ ۳- صحیح مسلم، کتاب البر، حدیث رقم ۳۲، ص۱۱۲۷۔ ۴- ابن ماجہ، کتاب السنۃ (مقدمہ) باب ۱۷فضل العلماء، ص۲۴۹۱۔ ۵- ابن سعد، الطبقات الکبرٰی، ۔ ۶- المعارف (لاہور)، اپریل، جون، ۱۹۹۴ء۔ ۷- کنز العمال، الفصل الثالث فی انواع الکسب۔ ۸- صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۶۹، ص۱۶۸۔ ۹- صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ۲ الحلال میں، ص۱۶۰۔ ۱۰- شبلی نعمانی، الفاروق، ۲/۲۵۹۔ ۱۱- محمد ایوب قادری، اسلام کا نظام اقتصاد، مطبوعہ نقوش انمول نمبر، ۹/۳۵۸۔ ۱۲- ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ص۱۲۸۔ ۱۳- الطاف جاوید، جدید اسلامی ریاست، اکیسویں صدی کے تناظر میں، مطبوعہ المعارف لاہور، جنوری، مارچ، ۱۹۹۵ء، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ۱۴- خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ص ۲۹۵۔ ۱۵- ابن سعد، الطبقات الکبرٰی، ۳/۱۲۹۔ ۱۶- صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب۲۵، علامات النبوۃ، ص۲۹۰۔ ۱۷- سید محمد عبداللہ، عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام، ص۷، مطبوعہ ماہنامہ 'فکر ونظر' اگست ۱۹۸۱ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ ۱۸- مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الاول، ص۳۴، طبع کراتشی، پاکستان، ص ۴۱۔ ۱۹- خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ص۴۶۲۔ ۲۰- قاضی حسین احمد، اسلامی تحریکیں خدشات اور امکانات، ص۶۱، مطبوعہ ترجمان القرآن، اکتوبر ۱۹۹۸ء۔ ۲۱- ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ۱۱۹۔ ۲۲- اسلام کا نظریہ حیات، ص۲۰۲-۲۰۵۔ ۲۳- علامہ اقبال، The construction۔ ۲۴- مشترکہ اعلامیہ، تہران اسلامی کانفرنس، منعقدہ ۹-۱۱ جولائی، ۱۹۹۸ء۔ ۲۵- دیکھیے پروفیسر سموئیل کا مضمون"Clash a co"۔ ۲۶- عبدالرشید صدیقی، تحریک اسلامی اور اس کے عالمی اثرات، ص۴۷، مطبوعہ ترجمان القرآن، ۲۰۰۰ء۔ ۲۷- مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بکتاب والسنۃ، ص۳۰، مطبعہ نور محمد کراچی، پاکستان۔ ۲۸- مجمع الزوائد، ۱/۱۲۲۔ ۲۹- صحیح مسلم، ۱/۳۹۔ ۳۰- مسند احمد، ۱۳/۸۵۔ ۳۱- خالد علوی، انسانِ کامل، ص۲۴۵

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد طیب خان سنگھانوی-کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصّلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

قال اللّٰہ تعالٰی: ذَلِکَ بِأَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّراً نِّعْمَۃً أَنْعَمَہَا عَلَی قَوْمٍ حَتَّی یُغَیِّرُواْ مَا بِأَنفُسِہِمْ وَأَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌO کَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِن قَبْلِہِمْ کَذَّبُواْ بآیَاتِ رَبِّہِمْ فَأَہْلَکْنَاہُم بِذُنُوبِہِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَونَ وَکُلٌّ کَانُواْ ظَالِمِیْنَO(۱)

یہ اس لئے کہ جو نعمت خدا کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالے، خدا اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ خدا سنتا جانتا ہے جیسا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا ہوا تھا۔ (ویسا ہی ان کا ہوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا، تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کرڈالا اور فرعونیوں کو ڈبودیا اور وہ سب ظالم تھے۔

خلافت عثمانیہ کا خاتمہ اُمّتِ مسلمہ کے زوال کا نقطۂ آغاز:

۲۸ رجب ۱۳۴۲ ہجری بمطابق ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو استعماری کفار، برطانیہ کی سرکردگی میں، عرب اور ترک غداروں کی مدد سے، ریاست خلافت کو تباہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مجرم زمانہ مصطفیٰ کمال نے استنبول میں خلافت کے خاتمے کا اعلان کیا، خلیفہ کا محاصرہ کیا اور آج کے دن صبح کے وقت خلیفہ کو ریاست بدر کردیا۔ یہ وہ قیمت تھی جو برطانیہ نے مصطفیٰ کمال سے، اسے شہرت دلانے اور سیکولر جمہوریہ ترکی کا بیمار صدر بنانے، کے بدلے طلب کی۔(۲)

خلافت کا خاتمہ وہ شدید زلزلہ تھا جس نے اسلامی علاقوں کو ہلاکر رکھ دیا، جوکہ مسلمانوں کی عزت و وقار کا مظہر تھی اور اللہ رب العالمین کی خوشنودی کا ذریعہ تھی۔(۳) بقول اقبال

چاک کردی ترکِ نادان نے خلافت کی قبا سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ(۴)

اس کے بعد اسلامی ممالک میں استعماری کفار کا اثر و رسوخ قائم ہوگیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے علاقوں کو تقسیم کیا، اُمّتِ مسلمہ کو چیر پھاڑ کر ۵۵ ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ بقول اقبال

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل خشت بنیادِ کلیسا بن گئی خاک حجاز(۵)

اور ان میں سے ہر ایک پر اپنے ایجنٹ کو بطور حکمران مقرر کردیا، جو ان کے اشاروں پر چلتے تھے، اور ان کا حکم بجالاتے تھے۔ کفار نے ہی ان حکمرانوں کے لئے تمام اہم پالیسیاں مرتب کیں اور خلافت کی واپسی کو روکنے کے لئے ہر حربہ

استعمال کیا، خواہ وہ حربہ کتنا ہی قبیح اور شرانگیز کیوں نہ ہو۔ کفار نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرپور اور شرانگیز پالیسیوں پر عمل درآمد کے لئے ان ایجنٹ حکمرانوں کو ہراول دستے کے طور پر استعمال کیا۔(۶) پھر انہوں نے اس زلزلے میں ایک اور جھٹکے کا اضافہ کیا اور اسراء و معراج کی مقدس سرزمین میں یہودیوں کو ریاست مہیا کی اور انہیں اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے ذرائع فراہم کئے۔ ان ذرائع میں اولین ذریعہ اردگرد کے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کے ذریعے یہودی ریاست کو امن وسلامتی مہیا کرنا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان حکمرانوں نے یہودیوں کے خلاف جھڑنے والی ہر جنگ میں شکست کو ممکن بنایا جس نے یہودیوں کو وہ طاقت اور ساکھ عطا کی جس کے وہ مالک نہ تھے۔ ان حکمرانوں نے اس پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ انہوں نے فلسطین کے مسئلے کو اسرائیل کو فتح کر کے اس کے وجود کا جز سے خاتمہ کرنے کی بجائے ۱۹۶۷ء کے چند مقبوضہ علاقوں پر مذاکرات میں تبدیل کرنے کی ہرممکن کوشش کی، یوں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔(۷)

اُمتِ مسلمہ استعمار کے نرغے میں:

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد (۸) امریکہ نے مغرب کی قیادت سنبھال لی اور اس نے یورپ کی کالونیوں پر اثرورسوخ جمانے کے لئے یورپ کے ساتھ مخاصمت شروع کردی۔ امریکہ یہ گمان کرتا تھا وہ اُن علاقوں کا فطری وارث ہے جو مغرب کے اثر و رسوخ میں ہیں کیونکہ اسی نے دوسری جنگ عظیم میں مغرب کو بچایا ہے۔ یورپ بالخصوص برطانیہ اس بات کو آسانی سے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ پس مسلمان ممالک کافر ریاستوں کی آپس کی استعماری کشمکش کا میدان کارزار بن گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغرب بالخصوص امریکہ اور سابقہ سوویت یونین کے درمیان ایک اور کشمکش جاری تھی جو اس سے زیادہ شدید تھی۔(۹) جبکہ مسلمان اپنے غدار حکمرانوں کی غداری کے سبب اس باہمی مخاصمت کا ایندھن بنے ہوئے تھے۔ جہاں تک وسائل اور علاقوں پر کنٹرول کی شکل میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کا تعلق ہے تو یہ اس ریاست کے ہاتھ آتا جو اس کشمکش میں کامیابی حاصل کرتی۔ بالآخر ان دوگرہوں کی باہمی کشمکش امریکہ اور روس کے درمیان معاہدے پر منتج ہوئی اور دونوں ممالک نے بین الاقوامی سیاسی مفادات کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ پھر سوویت یونین ٹوٹ گیا، لیکن یورپ اس قابل نہ تھا کہ وہ امریکہ کے مقابلے کے لئے سوویت یونین کی جگہ لے سکے۔(۱۰)

سوویت یونین کے انہدام، یورپ کے عدم اتحاد اور یورپ کی طرف سے امریکہ کے سامنے کمزوری دکھانے کے باعث امریکہ بین الاقوامی سیاست پر مکمل طور پر حاوی ہوگیا، اور وہ طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہوگیا۔ اس نے اِدھر اُدھر حملے کرنے شروع کر دیئے۔(۱۱) اس نے ایران اور عراق کے درمیان خلیج کی پہلی جنگ بھڑکائی اور پھر عراق کو کویت سے نکالنے کے لئے خلیج کی دوسری جنگ کا آغاز کیا۔ بش کے باپ بش سینئر کے صلیبی بیانات نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے دل میں موجود نفرت کو ظاہر کردیا۔ امریکہ بلاروک ٹوک دنیا میں دندناتا رہا، یہاں تک کہ ۱۱ر ستمبر کا واقعہ رونما ہوگیا جس کے تمام تر راز ابھی تک آشکار نہیں ہوئے۔(۱۲)

پوری دنیا پر تسلط کی اس جدوجہد میں امریکہ نے دنیا کو دوحصوں میں تقسیم کردیا، یا تو اس کے سامنے جھک جاؤ یا پھر اسکی جارحیت اور حملے کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔(۱۳) پس ہم نے افغانستان پر اس کی ظالمانہ کارروائیوں کا

مشاہدہ کیا جس کے بعد عراق میں بھی یہی سلسلہ دوہرایا گیا۔ امریکہ نے اقوام متحدہ کے قانونی جواز کو نظرانداز کر دیا، یہاں تک کہ اس نے بین الاقوامی آداب کا بھی لحاظ نہ کیا۔ اس نے پرانے یورپ اور نئے یورپ کی بات کر کے یورپ کا تمسخر اڑایا اور اپنی اس جارحیت پر عملدرآمد میں دوست یا دشمن، کسی کی پروا نہ کی۔(۱۴)

امریکہ نے ایسے وحشیانہ فعل سرانجام دیئے ہیں کہ جنگل کا درندہ بھی انہیں کرتے ہوئے شرما جائے۔ شمالی افغانستان میں قلعہ جنگی کے بارے میں جو کچھ شائع ہوا، جب قیدیوں کو اکھٹا کر کے ٹینکوں، ہتھیاروں اور جہازوں کے ذریعے موت کے گھاٹ اتارا گیا اور جو کچھ افغانستان کی بگرام ائربیس پر ہوا اور اب بھی جاری ہے، اور گوانتاناموبے کے جزیرے میں جن جرائم کا ارتکاب کیا گیا، منظر عام پر آنے والے یہ واقعات اصل کارروائیوں کا محض چند فیصد ہیں اور افغانستان میں ایسے فعل اب بھی جاری ہیں۔ یہ سب اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ امریکہ اپنے اندر کس قدر شر اور خباثت سمیٹے ہوئے ہے۔(۱۵)

علاوہ ازیں اس نے عراق کی ابوغریب جیل اور فلوجہ میں جو جرائم سرانجام دیئے وہ انتہائی قبیح اور گھناؤنے ہیں۔ گھروں کے تقدس کی پامالی، لوگوں کی عزتوں کو تار تار کرنا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا بے دریغ قتل، غرض یہ کہ عراق میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ امریکہ انسانیت کی تمام تر صفات سے محروم ہو چکا ہے اور انسانیت کے مقام سے گر کر جانوروں کے درجے کو جا پہنچا ہے۔(۱۶)

اُمت مسلمہ: مسائل اور چیلنجز کی زد میں:

خلافت کے انہدام کے بعد سانحے اور مصیبتیں بارش کے قطروں کی مانند مسلمانوں کے علاقوں پر برسنے لگیں۔ برطانیہ نے، جو اس وقت کفر کا سردار تھا، خلافت کو تباہ کرنے اور ارض مقدس پر یہودی وجود کا پودا لگانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اس نے انڈیا کو مسلمانوں کے حکمرانوں سے چھیننے کے بعد، اس کا زیادہ تر حصہ ہندوؤں کے حوالے کر دیا، جبکہ ایک چھوٹا پسماندہ حصہ مسلمانوں کو دے دیا۔ پھر برطانیہ نے کشمیر کا زخم لگایا تاکہ اُمتِ مسلمہ کے جسم سے لہو رستہ رہے، پس برطانیہ نے اس حقیقت کے باوجود کشمیر کو ہندوؤں کے تسلط میں دے دیا کہ اس کی آبادی کا بیشتر حصہ مسلمان ہے۔ اس وقت سے آج تک کشمیر بھارتی مظالم کی چکی میں پس رہا ہے اور یہ مظالم ہزاروں تک جا پہنچے ہیں۔(۱۷)

یہودی ریاست نے فلسطین میں تاریخ کے سب سے گھناؤنے جرائم سرانجام دیئے اور وہ ابھی بھی انہیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ جنین کا قتل عام بلکہ نسل کشی، اس کی گواہی دیتا ہے۔ یہودی ریاست کے جرائم سے انسان تو کیا، درخت اور پتھر بھی محفوظ نہیں۔ یہودیوں نے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا بے دریغ قتل کیا، گھروں کو مسمار کیا اور درختوں کو اکھاڑ پھینکا۔ ان کاموں میں اسے کافر مغرب کی پشت پناہی حاصل ہے جس کی قیادت امریکہ کر رہا ہے، جس کی خاطر وہ مسلمان ممالک میں اٹھنے والی کسی بھی قوت کے خلاف محاذ آرا ہے۔ امریکہ مسلمان ممالک کی قوت کے ذرائع، خاص طور پر ایٹمی ہتھیاروں کے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے۔ اگرچہ یہودیوں کے پاس ایسے ہتھیار کئی سالوں سے موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ ان ہتھیاروں کی تیاری میں یہودی ریاست کی مدد کر رہا ہے اور اسے ایٹمی ہتھیاروں سے متعلق کسی بھی قسم کے دباؤ یا مسئلے سے

تحفظ فراہم کرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف وہ ایٹمی ٹیکنالوجی کے استعمال پر مسلمان ممالک کی چھان بین کرتا ہے، خواہ یہ استعمال پرامن مقاصد کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔(۱۸)

اور جہاں تک سوویت یونین کا تعلق ہے، تو اس نے کریمیا کے مسلمانوں کو دربدر کردیا، وسط ایشیاء کے کئی مسلمانوں کو ہلاک کرڈالا اور گرفتاریوں اور ریاست بدری کے ذریعے تاتارستان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اور ابھی بھی روس چیچنیا میں مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر رہا ہے۔ وہ مسلمانوں کے دیہاتوں اور شہروں کو ملیامیٹ کر رہا ہے اور ان کے خلاف زمین سوز حکمت عملی (Scorch earth policy) جاری رکھے ہوئے ہے۔ گروزنی کا شہر اس کا واضح ثبوت ہے۔(۱۹)

اور ہم نے فرانس کی نفرت کا بھی مشاہدہ کیا جب یوگوسلاویہ کے ٹوٹنے کے بعد اس نے بوسنیا میں مسلمانوں کو سربیا اور کروشیا کی طرح کی ایک علیحدہ ریاست قائم کرنے سے روکنے کی پالیسی اختیار کی۔ یہ ان وحشیانہ جرائم کے علاوہ ہے، جو فرانس نے پچاس کی دہائی کے شروع میں الجزائر کے خلاف سرانجام دیئے تھے۔(۲۰)

مسلمان علاقوں کی موجودہ تقسیم سے بڑھ کر کافر مغرب نے اسلامی علاقوں کو تقسیم در تقسیم کرنے کی پالیسی اپنائی تاکہ مسلمانوں کے روابط اور تعلقات ختم ہو جائیں اور وہ بکھر کر رہ جائیں۔ جیسا کہ ہم اس وقت عراق میں دیکھ رہے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی کے حصے بخرے کئے جا رہے ہیں اور نسلی فیڈرل ازم کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ اور جو کچھ سوڈان میں ہو رہا ہے جہاں جنوبی سوڈان کو علیحدہ کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد دارفور، مشرقی سوڈان اور شمال مشرقی سوڈان کی علیحدگی کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ اسی طرح مشرقی تیمور کو انڈونیشیا سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا اور آچے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی علیحدگی کی تیاری ہے۔ اور الجیریا کے مشرقی علاقے امزگ میں اور پاکستان میں جہاں مشرقی حصے کو مغربی حصے سے جدا کرنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ کفار ہمارے ممالک میں نسلی جذبات کو ابھارنے اور جغرافیائی و قبائلی کشیدگی پیدا کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں تاکہ تقسیم شدہ مسلمان ممالک کو مزید توڑا پھوڑا اور ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔(۲۱)

آج اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے خلاف عالمی استعمار اور مغربی قوتوں کا اتحاد:

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت، صلیبی مغرب کے منہ سے ظاہر ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے۔(۲۲) ہم آپ کو ان کی نفرت کی یاد دہانی کراتے ہیں کیونکہ یاددہانی مومنوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے۔(۲۳)

پہلی جنگ عظیم (۲۴) کے خاتمے پر جب جنرل ایلن بی بیت المقدس پر قبضے کے بعد وہاں پہنچا تو اس نے یہ الفاظ کہے: ''آج صلیبی جنگوں کا اختتام ہوا ہے۔(۲۵) یہ جنرل، عثمانی ریاست کو اسلامی ریاست کا تسلسل سمجھتا تھا۔ جب عثمانی ریاست کو جنگ میں شکست ہوئی تو اس نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کی ریاست کا خاتمہ ہوگیا اور اب یہ دوبارہ نہیں لوٹے گی۔ نتیجتاً اس کے گمان اور ارادوں کے مطابق اسلامی علاقوں پر ان کا کنٹرول بلامخالفت جاری رہے گا۔ حددرجے افسوس ناک، ذلت آمیز اور عجیب بات تو یہ ہے کہ عرب فوج کا سردار فیصل، جس نے عثمانی فوج کے خلاف بغاوت کی تھی اور

اسلامی ریاست کے خلاف جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، وہ اس وقت ایلن بی کے ساتھ کھڑا تھا لیکن ایلن بی نے یہ بات کہتے ہوئے ظاہری طور پر بھی اس بات کی پرواہ نہ کی کہ فیصل مسلمان ہے۔ بلکہ اس نے بلند آواز میں اس بات کا اظہار کیا کہ اسلامی ریاست یعنی ریاست عثمانیہ کو شکست ہوگئی اور کافر مغرب نے صلیبی جنگ جیت لی ہے۔ اگر فیصل میں ذرہ برابر بھی شرم ہوتی تو وہ کم از کم ایلن بی کی اس بات پر احتجاج ضرور کرتا۔ لیکن وہ اس وقت ہی تمام تر شرم سے عاری ہوگیا تھا جب اس نے اپنی ریاست کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، جب اس کے باپ حسین بن علی نے اسلامی ریاست کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور وہ مسلمان کے خلاف جنگ میں انگریزوں کے ساتھ مل گیا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر فرانسیسی جنرل گورو، صلاح الدین کی قبر پر آیا تو اُس نے اس صلیبی جنگ میں اپنی کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اے صلاح الدین! ہم واپس آ گئے ہیں''(۲۶) پچاس کی دہائی میں فرانسیسی وزارت خارجہ کے ایک عہدیدار نے کہا: ''اسلامی دنیا ایک دیو ہے جسے جکڑ دیا گیا ہے۔ آؤ ہم اپنی تمام تر قوت لگا دیں تاکہ یہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔(۲۷)

ساٹھ کی دہائی میں یوجین روسٹو، جو کہ اس وقت امریکہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں پلاننگ ڈویژن کا سربراہ اور صدر جانسن کا مشیر بھی تھا، نے کہا: ''مشرق وسطیٰ میں مغربی دنیا کا ہدف اسلامی تہذیب کو تباہ کرنا ہے اور اسرائیل کا قیام اس منصوبہ کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ صلیبی جنگوں کے تسلسل کے سوا کچھ نہیں۔(۲۸)

۱۹۹۰ء کے آغاز میں صحافی ڈیوڈ ہال کا ایک مضمون، تاریخ کے دھارے کی تبدیلی، کے عنوان سے واشنگٹن پوسٹ اور جاپان ٹائمز میں شائع ہوا، جس میں اس نے کہا کہ سوویت یونین کے انہدام کے بعد اوّلین دشمن اسلام اور اس کی تہذیب ہے۔(۲۹)

۱۹۹۰ء کے وسط میں ایک اور صلیبی، سابق فرانسیسی وزیراعظم مائیکل ڈیبری، نے اپنے ایک مضمون، جو لوکوتھیڈ ین ڈبرے نامی اخبار میں شائع ہوا، میں کہا کہ اسلام اب یورپ کا دشمن بن چکا ہے اور سب سے پہلے وہ فرانس کا دشمن ہے اور (فرانس کو) جنوب یعنی اسلامی خطوں سے خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔(۳۰) اسی طرح جرمن میگزین، ڈیرش ہیگل، نے اپنے ۱۹۹۱ء کے آٹھویں شمارے میں ''مغربی تہذیب کو اسلام سے لاحق خطرات!'' کے بارے میں ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مغرب نے صلیبی جنگوں کے دوران بیت المقدس میں صلاح الدین کے ہاتھوں ہونے والی شکست کا بدلہ لے لیا ہے، مغرب نے دو مرتبہ اس کا بدلہ لیا۔

اول: اس نے اسلامی خلافت کو تباہ کرنے میں مصطفیٰ کمال کی بھرپور مدد کی۔

دوم: اس نے اسلامی علاقوں کے دل یعنی فلسطین میں یہودیوں کو ریاست قائم کرنے میں مدد دی اور اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

گویا صدیوں سے کافر مغرب کے دل اسلام کے خلاف صلیبی نفرت سے لبریز ہیں۔(۳۱)

اگست ۱۹۹۰ء کے آغاز میں اپنے فوجیوں کو کویت بھیجتے وقت بش سینئر نے تقریر کی جس میں اس نے انہیں

عیسائیت کی خاطر لڑنے پر ابھارا۔ بش نے امریکہ کے تمام چرچوں سے کہا کہ وہ ان افواج کے لئے دعا کریں۔ یہ تقریر جزیرۂ نما عرب اور خلیج کے مسلمان ممالک کے خلاف ایک نئی صلیبی مہم کا آغاز تھا۔(۳۲)

بش جونیئر نے ۱۱ستمبر کے واقعے کے بعد ۱۶ستمبر ۲۰۰۱ء کو کہا کہ وہ افغانستان کے خلاف صلیبی حملے کی تیاری کر رہا ہے۔(۳۳) پھر کفار نے میڈیا، تعلیم اور غلط افکار کی ترویج اور تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کے خلاف جنگ شروع کردی۔ انہوں نے جمہوریت کے مطالبے کو تیز تر کر دیا اور اسے خوبصورت لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا تاکہ اسے مسلمانوں کے لئے قابل قبول بنایا جاسکے۔ جمہوریت کی اصلیت کو بیان کرنے کی بجائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بجائے انسان کو حلال اور حرام متعین کرنے کا اختیار دیتی ہے، انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف حکمران کے انتخاب کا طریقہ کار ہے۔ کفار نے ایسا مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کیا تاکہ وہ جمہوریت کے نام پر اس چیز کو قبول کرلیں کہ انسانوں کے رب کی بجائے انسان خود احکام شریعہ یعنی حلال وحرام وضع کرے۔(۳۴)

مسلمانوں کے خلاف کفار کی نفرت ہر موقع پر ظاہر ہو رہی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:(۳۵)

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ

(اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے)

یعنی ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو کہ نظر آ رہی ہے۔ اور اب ہم ایسے قوانین دیکھ رہے ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے دہشت گردی، کے خلاف جنگ کے نام پر اپنے آپ کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ کسی بھی مسلمان کو قصور وار ٹھہرائے بغیر زیرحراست رکھ سکتے ہیں۔ گویا ہر مسلمان مجرم بن گیا ہے جب تک کہ اس کی بے گناہی ثابت نہ ہو جائے۔ اس بات نے ان کے انسانی حقوق اور رائے کے اظہار کی آزادی کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی کھول دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کسی بھی معاملے کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہو تو وہ ان حقوق کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔(۳۶)

اور آخرکار ان کی جرأت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کی جیلوں میں ''قرآن کریم کی بے حرمتی'' کر رہے ہیں۔ اس امر کے باوجود کے مسلمانوں کی تعداد ۱٫۵ ارب سے تجاوز کرچکی ہے، کسی نے بھی اس بات کی پرواہ نہ کی، نہ امریکیوں نے اور نہ ہی یہودی ریاست نے۔ انہوں نے اس پر معذرت کرنا بھی گوارا نہیں کیا، کیونکہ آج مسلمان کمزور ہیں، ہماری معیشت غیر مستحکم ہے، ہم جدید تعلیم وعلوم سے ناواقف اور سائنس وٹیکنالوجی سے عاری ہیں، نیز ہم میں طاقت وخون کا ہی نہیں بلکہ ایمان، تنظیم اور یقین محکم کا بھی فقدان ہے۔(۳۷)

اُمّتِ مسلمہ کو مسائل اور چیلنجز سے دوچار کرنے میں اسلام دشمن قوتوں کا کردار:

نیز اُمّتِ مسلمہ کو مزید مسائل سے دوچار کرنے اور عالم اسلام کو سیاسی، معاشی اور مذہبی ہر سطح پر مزید بحران کا شکار کرنے کے لئے امریکن نیشنل سیکورٹی کونسل کی رپورٹ میں درج ذیل اقدامات تجویز کئے گئے ہیں۔

۱- مسلمانوں کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں مصروف رکھا جائے گا۔ تاکہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور

امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔

۲- ان ریاستوں کی حکومتیں تبدیل کروادی جائیں گی، جو نفاذ اسلام کے لئے سنجیدگی سے کوشش کررہی ہیں۔ جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتدا کردی ہے انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل کردیا جائے گا۔

۳- مؤثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۴- اسلام پسند عناصر (بنیاد پرستوں) کو کسی ملک میں بھی تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک رسائی حاصل کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائیگا۔

۵- خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کئے جائیں گے، بلکہ یہ افرادی قوت فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے حاصل کی جائے گی۔ ان لوگوں کے ذریعے خلیجی ریاستوں کی تہذیب و ثقافت تبدیل کردی جائے گی۔ اسلامی اقدار اور اسلامی رسومات کو ختم کردیا جائے گا۔ وہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے افراد کو روزگار پر مکمل پابندی لگادی جائیگی۔

۶- تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

۷- اسلام پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔

۸- وہ ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کردیا جائے گا۔(۳۸)

آج مسلم امہ کی یہ حالت ہے کہ تمام مغربی اقوام ہمارے خلاف جمع ہوگئی ہیں اور ہم لالچی اور ہوس زدہ ملک کے لئے مال غنیمت بن گئے ہیں، اور ہمارے ممالک مختلف اقوام کی آپس کی محاذ آرائی کا میدان کارزار بن گئے ہیں، اور دشمن اقوام ہمارے خلاف ایک دوسرے کو دعوت دے رہیں ہیں اور ہم پر استعماری کفار کے اثر ورسوخ کا غلبہ ہے۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کل جب پوری مسلم امہ و عالم اسلام خلافت کے سائے تلے جمع تھا تو......

اُمّتِ مسلمہ کی شان اور امتیاز:

ہم بہترین اُمّت تھے جو انسانوں کے لئے کھڑے کئے گئے، خاتم النبیین، امام المجاہدین، رحمت العالمین ﷺ کی اتباع کرنے والے۔(۳۹)

ہمارے آباؤاجداد خلفائے راشدین اور فاتحین کے سردار تھے۔(۴۰) ہم ان متقی اور مضبوط لوگوں کی اولاد ہیں جو اللہ تعالی کی خاطر اس طرح جہاد کرتے تھے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔(۴۱)

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

آج تاریخ ہمیں مخاطب کرکے کہتی ہے کہ اے مسلمانو.........! تم ان لوگوں کی اولاد ہو جنہوں نے اندلس کو فتح

کیا تھا اور وہاں اسلامی تہذیب کو پھیلایا تھا۔(۴۲)

تم معتصم کی اولاد ہو کہ جب رومیوں نے ایک مسلمان عورت پر ظلم کیا تھا اور اُس عورت نے پکارا تھا: "وامعتصماہ" "ہائے معتصم" تو اس نے ایک عورت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے لشکر کو روانہ کیا تھا۔(۴۳)

تم ہارون الرشید کی اولاد ہو، جب روم کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے سے پھر گیا اور اس نے مسلمانوں پر ظلم کیا، تو اس نے اس ظلم کا جواب دیا۔ ہارون رشید نے لکھا: "ہارون امیر المومنین کی طرف سے روم کے کتے نکفورس کی طرف: میرا جواب تم کسی سے سنو گے نہیں، بلکہ تم اسے اپنی آنکھوں سے زمین پر دیکھ لو گے، جب ہماری افواج تمہیں فتح کریں گی، اور واقعی ایسا ہوا، بادشاہ تک اس خط کے پہنچنے سے قبل مسلمانوں کی افواج روم کی بندرگاہ پر پہنچ چکی تھیں۔(۴۴) تم اس کی اولاد ہو جو بادلوں کو مخاطب کر کے کہتا تھا: تم کہیں بھی جا کر اپنی بارش برساؤ، لیکن جہاں بھی تمہارا پانی گرے گا وہ مسلمانوں کا علاقہ ہی ہوگا۔(۴۵)

تم فاتح صلاح الدین کی اولاد ہو جس نے صلیبیوں کو شکست فاش دی۔(۴۶) تم قطز اور بیبرس کی اولاد ہو جنہوں نے تاتاریوں کو مغلوب کیا۔(۴۷) تم نوجوان کمانڈر محمد الفاتح کی اولاد ہو جس نے قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کیا جب اس کی عمر ۲۳ سال سے بھی کم تھی۔(۴۸) اور اللہ تعالیٰ نے اسے یہ شرف بخشا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کی، جب آپ ﷺ نے قسطنطنیہ کی فتح کے بارے میں ارشاد فرمایا: "کیا ہی اچھا وہ امیر ہوگا اور کیا ہی اچھا وہ لشکر ہوگا"(۴۹) محمد الفاتح نے ۸۵۷ھ بمطابق ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کرے اور اپنے انعام سے نوازے۔

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں　　توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری!

تم سلیمان القانونی کی اولاد ہو، جس سے فرانس نے سولہویں صدی میں اُس وقت مدد طلب کی جب فرانس کے بادشاہ کو قیدی بنالیا گیا تھا۔ اور فرانس کی نظر میں اسلامی خلافت کے سوا کوئی اور عادل قوت نہ تھی جو کہ اسے چھڑا سکے۔ پس فرانس نے ۱۵۲۵ء میں مسلمانوں کے خلیفہ سے مدد طلب کی۔(۵۰) تم سلیم سوئم کی اولاد ہو، جس کے الجزائر کے والی کو، اُس وقت کی ریاست ہائے متحدہ امریکہ ۶۴۲ ہزار ڈالر مالیت کا سونا سالانہ ٹیکس کے طور پر دیا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں الجزائر میں موجودہ امریکی قیدیوں کو آزاد کرانے اور امریکی بحری جہازوں کو روم اور بحر اوقیانوس سے امن و حفاظت کے ساتھ گزرنے کے بدلے امریکہ نے ۱۲ ہزار سونے کے لیرے (روم کی کرنسی) ادا کرنے کا معاہدہ کیا کہ عثمانی بحریہ سمندر میں اس کے جہازوں پر حملہ نہیں کرے گی۔(۵۱)

یہ پہلی مرتبہ تھا کہ امریکہ اس بات پر مجبور ہوا کہ وہ اپنی زبان کی بجائے کسی اور ریاست (عثمانی ریاست) کی زبان میں معاہدہ کرے۔ اور یہ معاہدہ ۲۱ رصفر ۱۲۱۰ھ بمطابق ۵ ستمبر ۱۷۹۵ء کو ہوا۔(۵۲)

تم عبدالحمید دوئم (۵۳) کی اولاد ہو، جسے یہودی، بیت المال کے لئے لاکھوں کی پیش کش کر کے دھوکہ نہ دے سکے۔ اور نہ ہی بین الاقوامی دباؤ نے اس کے عزم و استقلال میں کوئی کمی پیدا کی جو یہودیوں نے اس کے خلاف جمع کیا تھا

تا کہ وہ انہیں فلسطین میں بسنے کی اجازت دے دے۔ اس نے یہ مشہور الفاظ کہے: ''میں اس بات کو پسند کروں گا کہ کوئی میرے جسم میں خنجر گھونپ دے بجائے یہ کہ فلسطین کو اسلامی ریاست سے کاٹ دیا جائے'' وہ دُور اندیش تھا جب اس نے کہا: ''یہودی اپنے لاکھوں اپنے پاس رکھیں..... اگر ایک دن اسلامی ریاست خلافت تباہ ہوگئی تو پھر خواہ وہ فلسطین کو مفت لے جائیں۔(۵۴) یہی ہوا جب ایجنٹ حکمران فلسطین سے ہاتھ دھوبیٹھے اور اسے یہودیوں کے حوالے کردیا، یہی نہیں بلکہ انہوں نے یہودیوں کی سلامتی کا تحفظ کیا اور یہودیوں کے سامنے اپنی شکست کو یقینی بنایا، جس کی وجہ سے یہودی ریاست کو اس کی حیثیت سے بڑھ کر اہمیت اور ساکھ حاصل ہوگئی۔

خلیفہ نے اپنے اور خلافت کے خلاف کفار کی شدید سازشوں کے باوجود انیسویں صدی کے آخر میں، اُس وقت کی ایک بڑی طاقت برطانیہ کو مجبور کیا کہ وہ لندن میں خلافت کے سفیر کے سامنے باضابطہ طور پر معافی پیش کرے، کیونکہ ۱۸۹۰ء میں ایک انگریز شہری نے ایسا مواد شائع کیا تھا جو اسلام دشمنی پر مبنی تھا۔ جبکہ آج کافر مغرب اور یہودی تمام جہانوں کے رب کے کلام قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے ہیں لیکن معذرت پیش کرنا تو ایک طرف انہوں نے معذرت سے ملتے جلتے کوئی الفاظ کہنا بھی گوارا نہیں کیا۔ کیونکہ آج مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں، جو کہ قرآن کریم کو بطور دستور اپنائے اور ریاست کے تمام تر وسائل کو اُن کفار کے خلاف متحرک کرے جو قرآن کریم کی ذرہ برابر بھی بے حرمتی کرتے ہیں۔(۵۵)

تم ان فاتحین کی اولاد ہو جنہوں نے اندلس میں تہذیب کو پھیلایا اور وہاں سے یہ تہذیب پورے یورپ میں پھیلی۔ ان مسلمانوں کی اولاد ہو جنہوں نے پنڈولم والی گھڑی ایجاد کی اور اسے یورپ کے اُس وقت کے سب سے مشہور بادشاہ شارلیمین کے سامنے پیش کیا، لیکن بادشاہ کے مصاحبوں نے جو لوگوں میں سب سے فاضل تھے، گمان کیا کہ اس گھڑی کے اندر بھوت اور جنات ہیں۔(۵۶)

تم ان لوگوں کی اولاد ہو جنہوں نے اس وقت عظیم الشان توپ ایجاد کی جب پوپ نے یہ ماننے سے ہی انکار کر دیا تھا کہ ایسی توپ تیار کی جاسکتی ہے، جب آسٹریا کے ایک انجینئر نے اس کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی۔ پوپ نے اس تصور کو یہ سوچ کر مسترد کردیا کہ ایسی چیز ایجاد کرنا پاگل پن اور جنات کی کارستانی ہے۔ اے مسلمانو! وہ تمہاری سوچ اور تہذیب تھی اور اس کے مقابلے میں یہ مغرب کی سوچ اور تہذیب تھی۔(۵۷) چنانچہ جوابِ شکوہ میں اقبال نے کیا خوب فرمایا کہ:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر   اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

فارسی میں ملاحظہ فرمائیے!

خوار از مہجوئی قرآں شدی   شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

اے چو شبنم بر زمین افتندۂ   در بغل داری کتابِ زندۂ!

مندرجہ بالا تاریخی حقائق ہمیں اس عزت و وقار، شان و شوکت اور طاقت و قوت کی یاد دہانی کراتے ہیں جو کبھی ہمیں حاصل تھی، ہم دنیا کے لئے مینارۂ نور تھے، دنیا کے مظلوم ہمارے پاس امن و تحفظ حاصل کرتے تھے۔ ان میں عام

لوگ ہی نہیں بلکہ بادشاہ بھی شامل تھے۔ دشمن ہم سے خوف کھاتے تھے اور ہمارے دوست ہماری عزت کرتے تھے۔ ہم علاقوں کو فتح کرتے تھے اور دنیا میں عدل قائم کرتے تھے۔ لہٰذا ....! بقول اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا (۵۸)

سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں تدارک اور لائحہ عمل:

تاریخ کی روشنی میں ذرا غور کیجئے تو معلوم ایسا چلتا ہے کہ زمین گھوم کر وہیں آ پہنچی ہے جہاں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی، جب روم اور فارس کی سلطنتیں موجود تھیں۔(۵۹) کچھ سلطنتیں بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں، جب کہ کچھ اپنی طاقت میں مگن تھیں، اور کسی دوسری طاقت کو خاطر میں نہ لاتی تھیں۔ انہوں نے غور نہ کیا کہ اسلام عرب کے دلوں میں ایک طاقت بن کر داخل ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ عربوں کو ویسا ہی سمجھتی رہیں جیسا کہ وہ دورِ جاہلیت میں تھے۔ انہوں نے اسلام کے پیغام کو اس قدر حقیر جانا کہ کسریٰ نے یمن میں اپنے گورنر کو لکھا: ''میں نے سنا ہے کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو رسول سمجھتا ہے۔ جاؤ اور اسے پکڑ کر میرے سامنے پیش کرو۔(۶۰) اس کے چند سالوں بعد جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کی طرف سفیر بھیجے۔ تو کسریٰ نے اس پیغام کو پھاڑ دیا جو قاصد اس کی طرف لے کر گیا تھا۔ دراصل یہ اس کے تخت کے پرزے پرزے ہونے کی علامت تھی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَزق اللّٰه ملكه: (۶۱) اللہ نے اس کے تخت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

تکبر اسے تباہ کر دیتا ہے جو اس میں مبتلا ہو جائے، خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔(۶۲) دنیا کی سب سے مضبوط طاقت کی حقیقت اس وقت یہی ہے۔ پس مسلم امہ کو دنیا میں دوبارہ غلبہ حاصل کرنے کے لئے سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں ازسرِنو عہد نبوی ﷺ کی طرز حکمرانی اور نظام خلافت راشدہؓ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے ماضی کو دوبارہ سے دہرائیں، جدید علوم کے حصول کو یقینی بنائیں، سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کریں، اپنی معیشت کو مستحکم کریں، اور اسلامی طرز زندگی کو اپنائیں، پس پھر وہ دن دور نہیں کہ ہماری عظیم ترین ریاست واپس لوٹے گی، اور چاردانگ عالم میں حق اور عدل کو پھیلائے گی۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ : اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ بقول اقبال (۶۳)

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے — شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی!

اُمت مسلمہ کے اسی غلبے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔(۶۴)

ثم تكون خلافة على منهاج النبوة پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہوگی۔

بقول اقبال (۶۵)

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے — کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟(۶۶)

موجودہ عالمی حالات کے ضمن میں تین اہم سطحوں کا مختصراً تجزیہ وتذکرہ ضروری ہے۔ سب سے اوپر اور سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ، جسے ہم عام طور پر امریکہ کہہ دیتے ہیں، اس وقت روئے ارضی پر واحد سپریم طاقت ہے۔ دنیا یک قطبی ہوچکی ہے، اور امریکہ ٹیکنالوجی اور اپنی عسکری قوت کے اعتبار سے اس وقت معاذ اللہ یہ کہنے کے لئے حق بجانب ہے کہ: ''لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ'' یعنی آج کس کے ہاتھ میں اختیار ہے؟ قیامت کے دن تو جواب دیا جائے گا کہ: ''لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ'' (۶۷)''اللہ کے لئے جو تنہا ہے اور قہار ہے'' لیکن آج دنیا کی سطح پر اس کا جواب یہی ہے کہ ''امریکہ''۔

دوسرے یہ کہ ایک تہذیب نے عالمی سطح پر اس پورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کی تین سطحیں ہیں اور یہ تہذیب بے خدا ہی نہیں، خلاف خدا ہے۔ پہلی سطح سیاسی ہے، یعنی سیکولرازم کہ ہمارے اجتماعی معاملات میں، ریاست اور حکومت کے معاملات میں، قانون سازی کے معاملات میں کسی خدا، کسی آسمانی ہدایت، کسی وحی، کسی شریعت کا کوئی دخل نہیں۔ یہ سیکولرزام آج پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ دوسری سطح مالیاتی ہے اور پوری دنیا میں سود کی بنیاد پر بینکنگ سسٹم رائج ہے۔ یہ سود ہماری پوری معیشت کے اندر تانے بانے کی طرح بنا ہوا ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن جوا ہے، جو ہمارے ہاں تو بہت ہی زیادہ پھیل گیا ہے۔ ہر شے کو بیچنے کے لئے لاٹری کا پراسیس ہے۔ ویسے بھی دنیا کے اندر اسٹاک ایکسچینج اور دولت کے الٹ پھیر کی بنیاد یہی جوا ہے۔ اس نظام کا تیسرا ستون انشورنس ہے۔

سماجی سطح پر بے حیائی، عریانی، فحاشی آزاد جنس پرستی ہے۔ چاہے وہ جنس پرستی مرد و عورت کے درمیان (Heterosexual) ہو چاہے وہ دوعورتوں (lesbians) کے درمیان ہو اور چاہے دو مردوں (Gays) کے درمیان ہو، اس کی کھلی اجازت ہے۔ خاندانی نظام تباہ و برباد ہوگیا ہے۔ مغرب میں تو یہ نظام بتمام و کمال وجود میں آچکا ہے، جبکہ مشرق کی طرف بھی یہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک سیلاب کی شکل میں امڈا آ رہا ہے۔ اسی کلچر، اسی تہذیب کو ہماری ساری نسل دیکھ رہی ہے۔ اور ظاہر بات ہے اس میں چمک دمک ہے، جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔(۶۸)

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے(۶۹)

یہ جھوٹے نگینے ہیں، لیکن چمکدار تو بہت ہیں۔ یہ نظام زہر کی طرح سرایت کر رہا ہے۔اس کے علاوہ اس تہذیب کو فروغ دینے کے لئے بین الاقوامی سطح پر بڑی عظیم کانفرنسیں ہوچکی ہیں۔ عریانی و فحاشی کا یہ جو سیلاب آ رہا ہے جسے اب یونائیٹڈ نیشنز اسمبلی نے سوشل انجینئرنگ (سماجی تعمیر) کا نام دیا ہے، اس کا ہدف بھی شمالی افریقہ اور خاص طور پر ایشیا کے مسلمان ممالک ہیں، جہاں بحیثیت مجموعی خاندانی نظام ابھی کچھ برقرار ہے، شرم و حیا کی کچھ نہ کچھ وقعت اور قیمت ہے، عفت وعصمت کی کوئی قدر ہے۔

تیسری سطح پر ایک مذہبی کشاکش ہے۔ یہ کشاکش ذرا خفیہ سی ہے، اسے عام لوگ نہیں جانتے۔ اس مذہبی کشاکش

میں اس وقت سب سے موثر کردار یہودیوں کا ہے، جو اس وقت عالم انسانیت کی عظیم ترین سازشی قوت ہے۔ سازشیں کرنا (Conspiracies) اور طویل المیعاد پروگرام بنا کر ان کو پورا کرنا، اس میدان میں اس قوم کے مدمقابل کوئی نہیں آ سکتا۔ اور ان کا پروگرام یہ ہے کہ پوری دنیا پر ان کا اقتصادی قبضہ ہو جائے۔ براہِ راست فوجی قبضہ نہیں، بلکہ اقتصادی قبضہ۔ مزید برآں مشرقِ وسطٰی کے اندر ایک بڑی ریاست گریٹر اسرائیل قائم کر کے، پھر مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو گرانا اور اس کی جگہ پر اپنا تھرڈ ٹیمپل تعمیر کرنا اور اس میں حضرت داؤدؑ کا تخت لا کر رکھ دینا۔ یہ ہے ان کا پروگرام اور اس کے اوپر وہ عمل پیرا ہیں۔ دوسری طرف تمام عیسائی قوتیں ان کے تابع ہو چکی ہیں۔ البتہ بعض عیسائی، خاص طور پر پروٹسٹنٹ، ان میں بھی خاص طور پر Baptists اور ان میں بھی اخص الخصواص کے اعتبار سے Evengelists یہودیوں کے مکمل آلہ کار ہیں۔ اور نوٹ کر لیجئے کہ صدر بش Evengelist ہے۔ عیسائی دنیا خاص طور پر یورپ کے کیتھولک عیسائی جن کی فرانس، جرمنی، اسپین اور اٹلی میں اکثریت ہے، یہ اصل میں فلسطین میں ایک عیسائی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔

یقیں پیدا کر اے ناداں، یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!(۷۰)

گویا مسلمانوں کے خلاف دونوں ہیں۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے دوسرے ملینیم کے شروع میں کروسیڈ شروع ہوئی تھیں، اب یہ فائنل کروسیڈ ہونے والا ہے۔ یہ کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا لفظ بش کی زبان پر بھی آ گیا تھا۔ پہلے والے کروسیڈ کا مقصد یہ تھا کہ ارضِ مقدس پر ان کا قبضہ ہو جائے۔ یہ علاقہ یہودیوں کے لئے بھی ارضِ مقدس ہے، عیسائیوں کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی۔ البتہ یہودیوں کی پشت پناہی کر کے عیسائی وہاں یہودی مملکت کیوں قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اسے ذرا سمجھ لیجئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب گریٹر اسرائیل بن جائے گا، بڑی عظیم جنگ آرمیگاڈان ہو گی، عربوں کا خون خرابہ کیا جائے گا، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ گرا دیئے جائیں گے، وہاں پر معبد سلیمانی بن جائے گا اور وہاں تخت داؤدؑ لا کر رکھ دیا جائے گا، تب حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے اور اس تخت داؤدؑ پر بیٹھ کر دنیا میں حکومت قائم کریں گے۔ لہٰذا ان کی یہ خواہش ہے کہ حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں جلد از جلد آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ سارے واقعات جلد از جلد واقع ہو جائیں۔

ایک بات مزید واضح رہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا مشترک دشمن اسلام اور مسلمان ہیں اور ان کا سب سے بڑا ٹارگٹ پاکستان ہے۔ اس وقت کی عالمی صورت حال یہ ہے اور بحالاتِ موجودہ اسلام کے بحیثیت دین، ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے نافذ ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہاں اسلام صرف ایک مذہب کی حیثیت سے زندہ رہ سکتا ہے۔ صرف ہمارے عقائد، عبادات اور سماجی رسومات جو انفرادی زندگی تک محیط ہیں، مغرب کو گوارا ہیں، باقی سیاسی نظام، معاشی نظام اور سماجی نظام وہ ہو گا جو تین سطحیں بیان ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی نظام کو وہ دنیا میں برداشت نہیں کر سکتے۔ اور اس معاملے میں اس وقت سب سے بڑا گٹھ جوڑ امریکہ اور یہودیوں کا ہے۔(۷۱)

لہٰذا اس پورے پس منظر میں یہ بات واضح ہے کہ اس وقت مسلمانوں اور دینِ اسلام کا مستقبل نہایت ہی تاریک

ہے۔ البتہ یہ صرف مستقبل قریب کی بات ہے، مستقبل بعید میں کیا ہونا ہے(۷۲)

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے　　ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے(۷۳)

کی کیفیت کب اور کیسے پیدا ہوگی۔ اس ضمن میں، میں پھر یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبوتﷺ کے نقش قدم پر نظام خلافت راشدہؓ کا دوبارہ احیاء، مکمل اسلامی طرزِ حیات، اتحاد بین المسلمین، جدید علوم کا حصول معیشت کا استحکام اور جدید ترین ٹیکنالوجی میں مہارت اُمتِ مسلمہ کے لئے انتہائی ناگزیر ہے۔(۷۴)

عالم اسلام کی بے بسی اور اقوام متحدہ کا غیر موثر کردار:

کرۂ ارض کو عالمی جنگوں اور تباہی سے بچانے، بین الاقوامی تنازعات کو پرامن طور پر بات چیت کے ذریعہ حل کرانے، معاشی و معاشرتی امدادِ باہمی اور تعاون کی فضا قائم کرنے کے ساتھ ساتھ جمہوری روایات کے فروغ اور دنیا کے تمام خطوں کے لوگوں کو مساوی حقوق دلانے کی خاطر ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا۔ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں کی تباہ کاریوں اور خصوصاً دو عالمگیر جنگوں میں کشت و خون کی ندیوں کا نظارہ کرنے، لاکھوں خاندانوں کے تتر بتر ہونے اور بے شمار مالیت کی املاک راکھ کا ڈھیر بن جانے کے بعد عالمی سیاست کے کرتا دھرتا پانچ بڑے Big Five اس نتیجے پر پہنچے کہ ''اب بہت ہوگیا'' اقوام عالم کو امن درکار ہے۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام متحدہ کی پیدائش اور لیگ آف نیشنز کی وفات کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا۔(The League is Dead, Long Live UNO)(75)

۱۹ر ابواب اور ۱۱۱ر دفعات پر مشتمل (اور ان کی ذیلی دفعات) منشور تنظیم کے مختلف اداروں کے افعال، طریقہ کار اور مقاصد و فرائض پر مبنی تھا، مگر اس میں خاص طور پر جو امور زیر بحث رہے، وہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے اس عزم مصمم کا اظہار کرتے ہیں کہ:

☆ آنے والی نسلوں کو جنگ و جدل کی ان عالمی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں سے نجات دلائی جائے، جو دو مرتبہ نسل انسانی پر آفت ڈھا چکی ہیں، اور ناقابل بیان مصائب و آلام نازل کر چکی ہیں۔

☆ مساوی حقوق اور حق خودارادی کے اصولوں کا احترام کرتے ہوئے قوموں کے مساویانہ حقوق پر ایقان کی توثیق۔

☆ رنگ و نسل، ذات پات، مذہب، ثقافت اور قومیت کی بنیاد پر تمام تفرقات کا خاتمہ اور انسانیت کے احترام کی سربلندی۔

☆ غربت، جہالت اور بیماریوں کے عفریت کا قلع قمع اور ان سے نمٹنے کے لئے اقوام عالم کو آپس میں تعاون پر آمادہ کرنا۔

☆ کسی بھی ریاست کے اندرونی معاملات میں دوسرے ملک کی مداخلت کو روکنا اور جارح و غاصب کے خلاف حتی الامکان کارروائی کی سفارش کرنا۔

☆ اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے مابین امدادِ باہمی اور تعاون کی فضا قائم کرنے کی غرض سے بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری کو ممکن بنانا۔

☆ انسانی عزت و وقار سب کے لئے قابل تکریم ہوگی۔

☆ معاشی، سماجی و ثقافتی مسائل طے کرنے کے لئے بین اقوامی تعاون حاصل کرنا۔

☆ تمام رکن ممالک اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اختیار کردہ کارروائی میں اقوام متحدہ کو ہر قسم کی امداد دیں گے اور کسی ایسی مملکت کو امداد دینے سے باز رہیں گے، جس کے خلاف اقوام متحدہ انسدادی یا ناقدانہ کارروائی کر رہی ہو۔

☆ رکنیت کے دروازے ان تمام امن پسند ریاستوں کے لئے کھلے ہیں جو منشور کے مطابق فرائض و واجبات کو قبول کریں گی۔(۷۶)

منشور کی دفعہ ۷ اقوام متحدہ کے اداروں کی بابت ہے، جس کے مطابق اقوام متحدہ کے چھ بنیادی ادارے ہیں: ا۔جنرل اسمبلی، ۲۔سلامتی کونسل، ۳۔اقتصادی و سماجی کونسل، ۴۔امانتی کونسل، ۵۔بین الاقوامی عدالت انصاف، ۶۔سیکٹریٹریٹ۔(۷۷)

یہ اقوام متحدہ کے منشور کے وہ اغراض و مقاصد تھے جن کی توثیق ابتداء میں ۴۱ ریاستوں نے کی۔ اراکین کی تعداد محدود ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دوسرے جنگ عظیم میں جن ملکوں نے محوری (نازی جرمنی، فاشی اٹلی، اور توسیع پسند جاپان) طاقتوں کا ساتھ دیا تھا، ان کی فوری شرکت خارج از امکان تھی۔ امن و امان تخفیف اسلحہ، صحت، تعلیم اور انسانی حقوق کے حوالے سے اقوام متحدہ نے اس کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کے حصول کے لئے یہ تنظیم وجود میں آئی تھی۔(۷۸)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی ہوس زر اور ہوس زمین نے دنیا کی اکثریت کو بھیانک غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بہتر مستقبل کے نام پر انسان انتہائی ذلت آمیز طرز زندگی اپنانے پر مجبور ہیں۔ کروڑوں انسان علم کی روشنی سے بے نور ہیں اقوام متحدہ کے ادارے یونیسیف کے مطابق ۱۱۳ر ملین بچے کبھی اسکول ہی نہیں گئے اور مزید ۱۵۰ر ملین بچے بنیادی تعلیم میں مہارت حاصل کرنے سے قبل ہی اسکول چھوڑ جاتے ہیں۔

عالمی مالیاتی اداروں نے پوری دنیا کے غریب ممالک کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ عالمی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ بینک غریب ممالک میں صرف قرض نہیں دیتے بلکہ انہیں ''مفید'' مشوروں سے بھی نوازتے ہیں۔(۷۹) اور اب تو کچھ دنوں بعد ڈبلیوٹی او کی آمد آمد ہے، جس کے ذریعہ رہی سہی کسر بھی نکال لی جائے گی۔ ان مالیاتی اداروں کے بارے میں حبیب جالب نے کیا خوب کہا تھا۔(۸۰)

قرض دے کر غریب ملکوں کو چھین لیتے ہیں روح آزادی

اس وقت تقریبا ۱۵۰ر ممالک کی معیشت پر ان کی مضبوط گرفت ہے۔(۸۱) ان میں سے ہر ملک اوسطاً ۴۰ر بلین ڈالر کا مقروض ہے اور قرضوں پر سود کی رقم اصل زر سے بھی بڑھ گئی ہے۔ کئی خطوں میں انسانوں کی آزادی پر مفاد پرستی کے زہریلے ہتھیار لٹکا دیئے گئے ہیں اور معاشی مفادات وقوت کی دوڑ میں انسانیت کے بنیادی تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے۔

ایک ناقدانہ تنقیدی جائزہ:

عسکری ماہرین کے مطابق ۱۹۴۵ء سے اب تک دنیا میں سو سے زائد خوفناک جنگیں ہوچکی ہیں جن میں مجموعی طور

پر آٹھ کروڑ ۹۰ لاکھ ۳۷ ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں۔ اس وقت بھی دنیا کے ۶۸ ممالک میں کشیدگی اور سرحدی جھڑپیں جاری ہیں ۴۲؍ بڑے تنازعات میں ہر سال ایک سوملین ڈالر خرچ ہو جاتے ہیں کاش، یہ وسائل جو ہتھیاروں اور جنگوں پر صرف ہو رہے ہیں دنیا کی معاشی مسائل کے حل کے لئے بروئے کار لائے جاتے۔(۸۲) بہت سے ایسے مسائل و تنازعات ہیں جو ہنوز سرد خانہ کی نذر ہیں۔ مثلاً فلسطین اور تنازعۂ کشمیر اقوام متحدہ کی قرادادوں کی موجودگی کے باوجود مشرق وسطی اور جنوبی ایشیاء میں کشیدگی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔(۸۳)

اقوام متحدہ کی قرار داد ۱۸۱ کے مطابق فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جانا تھا، جس کے تحت اسرائیلی ریاست کا قیام تو عمل میں آ گیا مگر فلسطینی حکومت کے قیام کا معاملہ ابھی تک کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ اقوام متحدہ کا فرض ہے کہ وہ اسرائیل پر دباؤ ڈالتی کہ وہ ظلم وستم کا راستہ ترک کر کے امن وسلامتی اور ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر عمل پیرا ہو، لیکن اقوام متحدہ امریکی قفل مصلحت کے ذریعہ پابند سلاسل ہے۔ کہنے والے درست ہی کہتے ہیں کہ امریکہ کو اسرائیل نے اور اقوام متحدہ کو امریکہ نے یرغمال بنا رکھا ہے۔(۸۴)

ایک جانب فلسطین صیہونی پنجہ استبداد میں ہے تو دوسری طرف کشمیر جل رہا ہے، مگر اقوام متحدہ کی حیثیت خاموش تماشائی یا جانب دار ریفری سے زیادہ نہیں۔ مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ نے ۱۳؍ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵؍ جنوری ۱۹۴۹ء کو دو قراردادیں منظور کیں۔ جن کے نتیجے میں کشمیر میں سیز فائر کر دیا گیا اور تنازعہ کشمیر کے پرامن تصفیے، فوجوں کے اخراج اور استصواب رائے کے اصول طے کر دیئے گئے۔ ان پر عمل درآمد کے انتظار میں تین نسلیں جانوں کا نذرانہ دے چکی ہیں، مگر اقوام متحدہ کی حیثیت نشستند، گفتند و برخاستند کی عملی تفسیر سے زیادہ نہیں رہی جس کے باعث اقوام متحدہ کی کشمیر سے متعلق قراردادوں کے عمل درآمد کی مبادیات سے منحصر رہا ہے۔(۸۶)

وہی قتل بھی کرے ہے، وہی لے ثواب الٹا۔(۸۵) کے مصداق امریکہ اور برطانیہ ڈھٹائی کے ساتھ مذکورہ کاروائیوں کو عظیم کارنامہ گردانتے ہیں۔ امریکہ کے مشہور زمانہ دانش ور پروفیسر نوم چومسکی، زیڈ میگزین میں رقم طراز ہیں کہ:
''اگر اقوام متحدہ کی عراق پر پابندیاں اور بعدازاں امریکی چڑھائی اس لئے تھی کہ وہ کویت پر حملہ آور ہوا تھا اور مشرق وسطی کے خطے میں قیام کے لئے خطرہ تھا تو اسرائیل پر کیوں پابندیاں نہ لگائی گئیں جو پہلے فلسطینی علاقے، بعد میں لبنان میں داخل ہوا اور ہنوز شام و ایران اس کے جارحانہ حملے کی دھمکیوں کی زد میں ہیں''۔(۸۷)

چومسکی کا کہنا ہے کہ کیا مشرق وسطی کے امن کے لئے صرف عراق ہی خطرہ تھا؟ عراق پر حملے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ امریکہ کی اگلی مہم ایران سے متعلق ہوگی۔ سیاسی مبصرین کی استغرائی ساعتوں کو ایک مرتبہ پھر طبل جنگ بجنے کی آوازیں اور تباہی کے گونجتے نقارے سنائی دے رہے ہیں۔ امریکہ مسلسل اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ جوہری توانائی کی پیش رفت روکنے کے بارے میں معاہدے توڑنے کے حوالے سے ایران کو اقوام متحدہ کیسلامتی کونسل کے ''حوالے'' کردیا جائے۔(۸۸)

دنیا کے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اسرائیل امریکہ کے ذریعہ امریکہ اسرایل کے

ذریعہ عالم اسلام کو تباہ کرنے کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہے۔ اگرچہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے سربراہ محمد البرادی ایک سے زائد مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ ''ہمارے معائنہ کاروں کو ایران میں ایسے کوئی شواہد نہیں ملے کہ ایران کے پاس جوہری ہتھیار یا وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں۔(۸۹) اس قسم کی باتیں عراق پر حملے سے پہلے اور بعد میں مختلف رپورٹوں کی صورت میں واضح ہوتی رہی ہیں لیکن کس نے کان دھرے؟ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان بھی کئی مہینوں بعد ڈری سہمی آواز میں اتنا کہنے کی جسارت کر سکے کہ: ''عالمی قوانین بار بار شرمناک طریقے سے نظرانداز کئے جارہے ہیں۔''(۹۰)

اب ایسے بدقسمت ممالک کی فہرست میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، جہاں امریکہ اپنے گماشتوں کے ذریعے قابض ہے یا پھر اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے وہاں عدم استحکام کو فروغ دینے کا سبب بن رہا ہے۔(۹۱) بنظر غائر دیکھا جائے تو مسلمان ممالک کی اکثریت دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔(۹۲) اور اقوام متحدہ میں رکنیت ایک تہائی کے لگ بھگ ہے۔(۹۳) لیکن اب تک سلامتی کونسل کے مستقل اراکین ممالک میں کسی مسلمان ملک کو شامل نہیں کیا گیا۔(۹۴) کیا یہ اہل مغرب کی بنیاد پرستی نہیں؟ جو عالمی وسائل اور معاملات پر غاصب بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

من ازیں بیش نداتم کہ کفن دزدے چند　　بہر تقسیم قبور انجمن ساختہ اند(۹۵)

''میں اس سے کچھ زیادہ نہیں جانتا کہ چند کفن چوروں نے قبروں کی تقسیم کی خاطر انجمن بنالی ہے''

علامہ اقبال نے مذکورہ شعر انجمن اقوام کے بارے میں کہا تھا۔ آج یہ شعر اقوام متحدہ کے عالمی ادارے پر بھی حرف بہ حرف صادق نظر آتا ہے۔ درحقیقت ویٹو پاور وہ جادوئی چھڑی ہے، جس نے جمہوریت اور جمہوری اصولوں کے فروغ کی خاطر بننے والی اس تنظیم میں مطلق العنانیت کی روایت قائم کی۔(۹۰)

ایسی پالیسیاں مرتب کی جائیں جو دنیا کی تمام اقوام بلاتخصیص قوم و مذہب اور خطہ، انسانیت کی ترقی، بقا اور سالمیت کی ضامن ہوں، ایسا تب ہی ممکن ہوگا کہ اقوام کا یہ موقر ادارہ خود اتنا مضبوط و مستحکم ہو کہ طاقت وروں کے فیصلوں کو ''ویٹو'' کر سکے۔(۹۷)

الغرض من حیث المجموع یہ ادارہ اپنے مقاصد کے حصول میں زیادہ کامیاب نہیں رہا۔ اس کی مجموعی کارکردگی پر اظہار اطمینان کرنا اور مستقبل میں اس سے زیادہ خوش گوار اور حوصلہ افزاء توقعات وابستہ کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ غیر جانب دار ممالک کی تنظیم، یورپی یونین، افریقی ممالک کا اتحاد، اسلامی سربراہ کانفرنس(۹۸) آسیان، سارک،(۹۹) عرب لیگ،(۱۰۰) سیکا، ایلو(۱۰۱) اور اسی نوعیت کی متعدد دوسری عالمی اور علاقائی تنظیموں کے منظر عام پر آنے سے کسی نہ کسی پہلو اقوام متحدہ کے غیر موثر ہونے کے نظریے کو تقویت ملتی ہے۔ تاہم یہ ایک خوش آئندہ بات ہے کہ اس تنظیم کے باعث تیسری عالمی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے اقوام متحدہ جس راستے پر گامزن رہی ہے، اس کے بارے میں نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مشکلات سے بالکل خالی تھا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سفر سراسر خوش گوار تھا لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اس راستے پر تعمیری شاہ راہیں قائم کرکے سفر جاری رکھا جانا چاہئے۔(۱۰۲)

کمزور ممالک کی رائے کو فوقیت اور بڑی طاقتوں کے چنگل سے خلاصی حاصل کرنی ہوگی، تب ہی اقوام متحدہ

انسانیت کی خدمت کے مشن کو کامیابی سے ہم کنار کرا سکتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو اقوامِ متحدہ کا وہی حشر ہوگا جو لیگ آف نیشنز کا ہوا تھا۔(۱۰۳)

اُمت مسلم کی نشاۃ ثانیہ کیونکر ممکن ہے؟

کسی مملکت یا سلطنت کے ختم ہونے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ زمین ختم ہو جائے، وہ سرزمین آسمان میں چلی جائے یا پاتال میں دھنس جائے، بلکہ سلطنتوں یا مملکتوں کے خاتمے کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ (Balkanization) ہو جائے، اس کے حصے بخرے ہو جائیں اور سابق نام باقی ہی نہ رہے۔ یعنی دنیا کے نقشہ پر پھر اس نام سے کوئی خطہ نہ ہو۔ اور یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ پچھلی یعنی بیسویں صدی عیسوی اس اعتبار سے بے مثال ہے کہ اس کے آغاز میں ایک عظیم سلطنت عثمانیہ ختم ہوئی، اس کے حصے بخرے ہوئے، ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور سلطنت عثمانیہ کا نام دنیا میں ختم ہوگیا۔ اب نقشے میں آپ کو سلطنت عثمانیہ کا نام لکھا ہوا کہیں نظر نہیں آئے گا، حالانکہ وہ (Great Ottoman Empire) تھی، جو (Great Roman Empire) کی طرح تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پورا شمالی افریقہ، پورا مغربی ایشیا اور پورا مشرقی یورپ اس میں شامل تھا۔ لیکن اس عظیم سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے ہوئے، لے دے کے ترکوں کے پاس ترکی نام کا ایک چھوٹا سا ملک رہ گیا۔ اس سلطنت کا نام ختم ہوگیا۔ اب آپ کو ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہیں چلے گا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کہاں ہوتی تھی؟ اور یہ معاملہ ہوا ہے پچھلی صدی کے آغاز کے بیس سالوں کے اندر اندر تقریباً دوسری دہائی کے خاتمے پر۔ اس کے برعکس پچھلی صدی کی آخری دہائی میں ۱۹۹۰ء کے قریب روس ختم ہوگیا۔ جو دنیا کی ایک سپر پاور تھی۔ آج دنیا کے نقشے میں روس نام لکھا ہوا کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ تو کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے، ابھی کچھ عرصہ ہوا ہے۔

مملکتوں کے ختم ہونے کی ایک دوسری شکل بھی ہے۔ وہ یہ کہ لکیر بھی برقرار رہے، نام بھی برقرار رہے، لیکن اس کی کوئی خود اختیاری نہ ہو، اس کے اندر کوئی (Self Determination) نہ ہو، اس میں اپنے اصولوں کے دفاع میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ ہو اور وہ کسی دوسری بڑی سلطنت و مملکت کے تابع مہمل کی شکل اختیار کر لے یا یوں کہیے کہ سیٹلائٹ یعنی طفیلی ملک بن جائے۔(۱۰۴) اس وقت تمام عالم اسلام بشمول پاکستان ہم پر قرآن مجید کی وہ آیت راست آتی ہے جو یہود و نصاریٰ سے خطاب کر کے کہی گئی تھی:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ(۱۰۵)

(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے اے اہل کتاب! (اے یہودیو اور عیسائیو!) تم کسی شے پر قائم نہیں ہو (تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے، تمہاری کوئی جڑ نہیں ہے) جب تک تم تورات، انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف (زبور اور دیگر صحیفے وغیرہ) نازل کیا گیا ہے قائم نہیں کرتے۔

اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا منہ ہی نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، ہماری دعا ہمارے منہ پر دے

ماری جائے گی، کہ کس منہ سے دعا کرتے ہو؟ تم نے ہمارے قانون، ہماری ہدایت کو تو نافذ کیا ہی نہیں۔ ہمیں مسلم اُمّہ بشمول پاکستان کو اس وقت یہی صورت حال درپیش ہے۔ مذہبی اعتبار سے نتیجہ یوں نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ سے ہم نے وعدہ خلافی کی۔ ہم نے کہا تھا اے اللہ! ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے تیرے نبی ﷺ کا دیا ہوا نظام قائم کریں گے۔ اللہ نے تو وعدہ پورا کر دیا لیکن ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی۔

سورۃ الاعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب کچھ اسرائیلیوں نے کہا تھا: اے موسیٰ! آپؑ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ستایا جاتا تھا اور اب بھی ستایا جا رہا ہے، یعنی آپ کی تشریف آوری سے ہماری حالت میں تو کوئی فرق نہیں آیا، تو انہیں موسیٰؑ نے جواب دیا:

عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَO (۱۰۶)

قریب ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے۔ فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو تباہ کر دے۔ اور زمین میں تمہیں خلافت عطا کرے، (حکومت اور طاقت دے) پھر وہ دیکھے گا تم کیا کرتے ہو۔

اسی امتحان میں ۵۹ برس گزار چکے ہیں اور ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس وعدہ خلافی کا نتیجہ کیا ہے؟ جب کوئی قوم اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرے تو دنیا میں اس کی یہ سزا ملتی ہے کہ اس قوم کے اندر اجتماعی طور پر نفاق اور منافقت کا مرض پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ نفاق اور منافقت اللہ کو کفر سے بھی زیادہ ناپسند ہے۔ جیسے کہا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۱۰۷)

منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اس لئے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کیا گیا۔ چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا:

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (۱۰۸)

ان کے لئے آپ ﷺ خواہ استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ ﷺ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

سورۃ توبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَO فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَO فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقاً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ O(۱۰۹)

اور ان (مدینے کے منافقوں) میں ایک قسم اُن کی ہے جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا۔ کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا (غنی اور دولت مند کر دے گا) تو ہم خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور نیک لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا تو انہوں نے

بخل سے کام لیا۔ تجوریوں کے دروازے مقفل کردیئے۔ تو اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری پیدا کردی قیامت کے دن تک کے لئے بسبب اس خلاف ورزی کے جو انہوں نے اللہ سے وعدہ کرنے کے بعد کی۔

یہاں کے الفاظ بہت خطرناک ہیں: اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ (۱۱۰) لرزہ طاری کردینے والے ہیں۔

وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَO(۱۱۱) اور بسبب اس کے جو وہ جھوٹ بولتے رہے۔

اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے کہ ہم ایسا کریں گے تو پوری مسلم امہ بشمول پاکستانی قوم اس وقت اس اعتبار سے اجتماعی منافقت کا شکار ہوچکی ہے۔ صرف کچھ افراد ہیں جو اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یہ بھٹکی ہوئی قوم اپنی راہ اور منزل کو دوبارہ یاد کرلے۔ ''کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو'' تو ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ استثناءات سے تو قانون بالکل ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ (Exceptions prove the rule) وہ قانون یہ ہے کہ آج ہم بحیثیت مجموعی دنیا کی منافق ترین قوم ہیں۔ ہمارے ہاں تین قسم کے نفاق آ چکے ہیں۔ ایک پورا عالم اسلام قومی نفاق میں مبتلا ہے۔ دوسرا نفاق کردار کا ہے، یعنی جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آیة المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان(۱۱۲)

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے، کہیں امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے۔:

وان صام وصلی وزعم انه مسلم (۱۱۳)

چاہے وہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔

یہ تین چیزیں ہمارے ہاں عوامی سطح پر تو جس طرح ہیں سب کو معلوم ہے۔، لیکن قابل توجہ اور قابل حذر بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو جتنا اونچے درجے پر ہے اتنا ہی جھوٹا ہے، اتنا ہی وعدہ خلاف اور اتنا ہی بڑا خائن ہے۔ سینکڑوں ہزاروں تو کیا اب اربوں کی خیانتیں ہوتی ہیں، غبن درغبن ہے۔ گویا مسلم امہ اس وقت اپنے اپنے ممالک میں قومی سطح پر نفاق کے مریض ہیں۔

وطن عزیز کے حوالے سے اس نفاق کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ''عذاب ادنیٰ'' کی شکل میں ۱۹۷۱ء میں ہم پر نازل ہوا۔ ہمیں زبردست شکست ہوئی، ہمارے ۹۳ ہزار فوجی ہتھیار پھینک کر ہندوستان کی قید میں چلے گئے۔ پاکستان دولخت ہوا۔ ہمارے ٹائیگر جنرل نیازی نے جنرل اروڑہ کو اپنا پستول پیش کیا۔ یہ بدترین اور شرمناک ترین شکست تھی۔ یہ عذاب ادنیٰ ہے۔ ورنہ بحیثیت امہ جن مسائل کا ہمیں سامنا ہے وہ سب کے سامنے عیاں ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ السجدہ میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَO(۱۱۴)

ہم انہیں مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جھنجوڑنے اور بیدار کرنے کے لئے چھوٹا عذاب بھیجا کرتا ہے، کبھی قحط کی شکل میں، کبھی سیلاب کی شکل میں، شاید کہ لوگ جاگ جائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن ہم نے عذاب ادنیٰ سے، جو ایک حادثہ فاجعہ تھا، کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ پھر اب عذاب اکبر ہے۔ جو سر پر کھڑا ہوا ہے۔ اور یہ عذاب اکبر بھی دنیا کا ہے۔ دنیا میں عذاب اکبر یہ ہوتا ہے کہ کسی قوم کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ یہ دنیا میں مختلف قوموں پر آتا رہا ہے، قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح وغیرہ پر یہ عذاب آیا تھا کہ:

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (۱۱۵)

پھر ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

جڑ اگر برقرار رہے تو وہ پودا دوبارہ اُگ سکتا ہے، لیکن جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو اب پودے کے دوبارہ اگنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ان اقوام کے لئے یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

لَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (۱۱۶)

اب ان کے مسکینوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

قوم ثمود نے چٹانیں تراش کر جو محل بنائے تھے، ان میں رہنے والا اب کوئی نہیں ہے۔ اور یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ:

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (۱۱۷)

جیسے وہ کبھی آباد ہی نہیں تھے۔

نسیاً منسیاً ہو گئے۔ یہ ہے عذاب اکبر! بنی اسرائیل جو سابقہ اُمت مسلمہ تھی جب ان پر بخت نصر کے ہاتھوں پہلا عظیم ترین عذاب آنے والا تھا، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا بنایا ہوا معبد (مسجد اقصیٰ) اس طرح مسمار کر دیا گیا کہ اس کی کوئی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں رہیں، اور چھ لاکھ یہودی موقع پر قتل کئے گئے، جبکہ چھ لاکھ کو وہ ہانک کر (Babylonia) لے گیا، جہاں وہ سو برس تک حالت غلامی میں رہے، جسے وہ (Era of Captivity) کہتے ہیں۔ (اُس وقت عراق کو سلطنت بابل کہتے تھے اور بخت نصر اس وقت کا نمرود تھا، اس لئے کہ عراق کے بادشاہوں کو نمرود کہا جاتا تھا) تو جب یہ سزا آنے والی تھی اس وقت بنی اسرائیل کے انبیاء یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقیل (علیہ السلام) مسلسل انذار کرتے رہے اور کہتے رہے کہ دیکھو درخت کی جڑ پر کلہاڑا رکھا جا چکا ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ کلہاڑا تو گرتا ہے رکھا نہیں جاتا، لیکن آپ کے علم میں ہوگا کہ جلاد پہلے تلوار گردن پر رکھ کر معین کرتا ہے کہ اسے یہاں ضرب لگانی ہے، پھر وہ ضرب لگاتا ہے۔ اسی طرح کلہاڑے کو بھی پہلے لکڑی پر رکھا جاتا ہے کہ یہاں پر کلہاڑا مارنا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے انبیاء آگاہ کرتے رہے کہ اب تو ہوش میں آ جاؤ اور جاگ جاؤ۔ لیکن ''یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالم پیری'' کے مصداق کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور انہیں عبرت ناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ حالی کے الفاظ ہیں:

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا؟
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا(۱۱۸)
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دور اور طوفاں بپا ہے گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی! پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی(۱۱۹)

تو اس وقت یہی ہمارا حال ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سورہ الاعراف میں ایک شخص بلعم بن باعوراء کا ذکر ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِيْ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا (۱۲۰)

(اے نبیﷺ!) انہیں پڑھ کر سنایئے اس شخص کے حالات جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں۔

بعض لوگوں نے آیات کا ترجمہ ''علم'' کیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے آیات معجزوں کو بھی کہتے ہیں اور کرامات کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے خرق عادات واقعہ نبیوں کے لئے معجزہ ہوتا ہے اور غیر نبی اور اولیاء اللہ کے لئے یہ کرامات ہوتی ہیں۔ تو بنی اسرائیل میں کوئی صاحب کرامت بزرگ تھا، جو بہت بڑا عالم بھی تھا اور زاہد بھی۔ فرمایا جا رہا ہے ہم نے اسے اپنی آیات عطا کیں:

فَانْسَلَخَ مِنْهَا (۱۲۱)

تو وہ ان سے نکل بھاگا۔

اس نے اپنے اس مقام کو چھوڑ دیا۔ تورات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ وہ ایک عورت کے چکر میں پھنس گیا اور پھر اس کی ساری نیکی، سارا تقویٰ ختم ہوگیا۔

فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ (۱۲۲)

تو اب شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔

پہلا فیصلہ انسان کا اپنا ہوتا ہے۔

فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (۱۲۳)

پھر وہ ہوگیا بہت ہی گمراہ لوگوں میں۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا (۱۲۴)

اگر ہم چاہتے تو اسے مزید بلندی عطا فرماتے۔

وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (۱۲۵)

لیکن وہ تو زمین میں دھنستا چلا گیا۔

وَاتَّبَعَ هَوٰهُ (۱۲۶)
اور وہ اپنی خواہشات (حیوانی خواہشات) کی پیروی میں لگ گیا۔
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (۱۲۷)
اس کی مثال کتے کی سی ہے، اس پر اگر تم بوجھ لاد دو گے تب بھی وہ ہانپے گا اور اگر چھوڑ دو گے (کوئی چیز نہ لادو) تب بھی وہ ہانپے گا۔
اس کے اندر حرص اتنی زیادہ ہے کہ ہر وقت اس کی زبان باہر نکلی رہے گی اور رال ٹپکتی رہے گی۔ اب آگے فرمایا:
ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (۱۲۸) یہی مثال اس قوم کی ہے جو ہماری آیات کو جھٹلا دے۔
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۲۹) آپ یہ واقعہ بیان کر دیجئے شاید کہ یہ کچھ غور وفکر کریں، اگلی آیت میں فرمایا:
سَآءَ مَثَلًا نِ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ O
بہت ہی بری مثال ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے اوپر ہی ظلم کرتے رہے۔
قرآن کریم کی یہ مثال پوری مسلم امہ بشمول پاکستان پر صادق آتی ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے — اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد — دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے (۱۳۱)

اُمت مسلمہ کی بربادی میں استعماری قوتوں کا کردار:

پچھلے پانچ سالوں میں ہونے والے واقعات بشمول ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء عراق، فلسطین و لبنان اور افغانستان میں جاری دہشت گردی کے خلاف جنگ سے مسلم دنیا براہ راست متاثر ہوئی ہے۔ نتیجتاً مسلم دنیا میں امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ بھی ہوا۔ اس نفرت کی صرف یہی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ لاوا کافی عرصے سے پک رہا تھا۔ (۱۳۲) دنیا کے مسلمان ممالک کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار قدرتی وسائل سے نوازا ہے۔ (۱۳۳) مقام افسوس ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان عتاب کا شکار ہیں۔ (۱۳۴) اور جہاں مسلمان آزاد ہیں وہاں آپس میں لڑ رہے ہیں۔ (۱۳۵) آج ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ وہ مسلمان جو صدیوں دنیا پر حکومت کرتے رہے آج عتاب کا شکار کیوں ہیں؟ (۱۶۳) وہ ممالک جو کل تک امریکہ کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوتے تھے، آج بھیگی بلی کیوں بنے ہوئے ہیں۔
آج سعودی عرب کے فرماں رواں امریکی وزیر خارجہ کو ۱۵ر سال میں منتخب حکومت کی یقین دہانیاں کروا رہے ہیں۔ عراق کا مسودہ آئین اب تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ ایران کی پرامن جوہری سرگرمیاں قابل اعتراض قرار دی گئی ہیں۔ (۱۳۷) کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کے باوجود امریکہ اسے جوہری توانائی فروخت کر رہا ہے۔ (۱۳۸) فلسطین میں اسرائیل مظالم کی نئی داستانیں رقم کر رہا ہے۔ (۱۳۹) گو کہ فلسطین کے عوام کو غزہ سے یہودی انخلاء کا لالی پاپ بھی دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر فلسطین اور عالم اسلام قبلہ اوّل کی آزادی چاہتے ہیں۔ (۱۴۰) افغانستان میں حالات اب تک قابو میں نہیں

آ سکے۔ اسامہ بن لادن کی تلاش میں شروع کی جانے والی جنگ اب کوئی اور روخ اختیار کرچکی ہے۔(۱۴۱) القاعدہ کا نام لے کر امریکہ کسی بھی ملک میں چڑھائی کرسکتا ہے۔(۱۴۲)

دراصل سویت یونین کا شیرازہ بکھرنے کے بعد دنیا میں طاقت کا توازن برے طریقے سے خراب ہوگیا اور دنیا امریکہ کے رحم وکرم پر آ گئی۔ سویت یونین کے خاتمے کے فوراً بعد امریکہ کے جارحانہ عزائم واضح ہونا شروع ہوگئے اور اس نے دنیا کے پولیس مین کا کردار ادا کرنا شروع کردیا۔ عراق نے کویت پر قبضہ کیا تو اس قبضے کو چھڑانے کے لئے امریکہ نے عراق پر حملہ کردیا۔ جنگ کے خاتمے کے باوجود امریکہ نے خطے میں قیام جاری رکھا۔(۱۴۳)

امریکہ اور مسلم ممالک:

امریکی خارجہ پالیسی پہ نگاہ ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک اور جغرافیائی اعتبار سے اہم مسلم ممالک پر قابض ہونا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ کسی بھی حدتک جانے سے گریز نہیں کررہا۔ امریکہ اس موقع کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح مسلم ممالک کے وسائل پر قابض ہوا جائے اور یہ موقع ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء نے فراہم کردیا۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کردیا، گویا امریکہ کو دنیا کے دوسرے ممالک خصوصاً مسلم ممالک میں دخل اندازی کی اجازت مل گئی۔

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد کے انتقال کے بعد نئے فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے امریکی سیکرٹری خارجہ کو یہ یقین دہانی کروائی ہے کہ ۱۵ سال میں سعودی عرب میں منتخب نظام حکومت لایا جائے گا۔(۱۴۴) سیاسی اصلاحات کی جائیں گی۔ امریکی عہدیداران کا کہنا ہے کہ سعودی حکومت سے امریکہ کو بہت سی توقعات ہیں۔ اس خطے کے عوام اب تبدیلی چاہتے ہیں اور خطے کے رہنماؤں کو اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے اور نئے فرماں رواں کی طرف سے ۵ اصلاح پسندوں کو معافی اور رہائی دراصل شاہ عبداللہ کی مدبرانہ سیاسی سوچ کی آئینہ دار ہے۔(۱۴۵)

۱۹۹۰ء کی عراق امریکہ جنگ سے قبل امریکی فوجوں نے سعودی عرب میں ڈیرہ جمالیا اور اب تک براجمان ہیں۔ دراصل امریکہ کی نظر سعودی عرب سے نکلنے والے تیل پر ہے۔ یاد رہے کہ سعودی حکومت دنیا میں تیل کا سب سے بڑا برآمد کنندہ ہے۔(۱۴۶)

عراق میں امریکی مداخلت اور قبضے کے بعد انتخابات کروائے گئے، مگر اب تک آئین کے مسودہ پر اتفاق رائے نہیں ہوسکا ہے۔ عراق میں حالات دگرگوں ہیں اور اب غالبًا یہ امریکہ کے گلے کی ہڈی بن چکا ہے۔ امریکی رائے عامہ تو اس بات پر پہلے ہی منقسم تھی، مگر اب امریکی سیاستدان واشگاف الفاظ میں امریکی افواج کی واپسی کا مطالبہ کررہے ہیں، مگر صدر جارج بش کا کہنا ہے کہ عراق کی صورت حال قابو میں آنے تک امریکہ عراق سے فوجیں واپس نہیں بلائے گا۔ فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے سیاستدان جارج بش کو ویت نام یاد دلانے کی کوشش کررہے ہیں، مگر غالبًا ان کے کانوں پر جوں رینگتی معلوم نہیں ہوتی۔(۱۴۷)

ایران کے جوہری پروگرام پر سخت تنقید کی جارہی ہے مگر تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جو کئی لوگوں کی نظروں

سے اوجھل ہے۔ ایران کو امریکہ برائی کا محور قرار دیتا ہے۔ امریکہ ایرانی حکومت کو کمزور کرنے کے لئے سالانہ اربوں ڈالر کا فنڈ مختص کرتا ہے اور کھلے عام ایران کو کمزور کرنے کی بات کرتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کے خفیہ ادارے دوسرے ممالک میں خفیہ طور پر کارروائیاں کرتے ہیں، مگر اعلانیہ طور پر ایسا کرنا تعجب خیز ہے۔ امریکہ کا یہ عمل بھی ایک ایسے ملک کے خلاف ہے، جو ایک جمہوری ملک ہے اور جہاں باقاعدگی سے انتخابات ہوتے رہتے ہیں۔(۱۴۸)

افغانستان پر امریکہ نے اسامہ بن لادن کی تلاش میں حملہ کیا تھا۔ اب ظاہر ہونے والی خفیہ معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسامہ کے فرار کا علم امریکہ کو پہلے سے تھا، مگر پھر بھی حملہ کیا گیا اور افغانستان پر قبضہ کرلیا گیا۔ افغانستان پہاڑوں اور میدانی علاقوں پر مشتمل ملک ہے اور اس کے پاس قدرتی و وسائل کی کمی ہے اور امریکی قبضے کے پیچھے اور کئی عوامل موجود ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا افغانستان میں بیٹھ کر امریکہ چین کی سرگرمیوں کو نگاہ میں رکھ سکتا ہے۔

سب سے حیران کن طرزِ عمل لیبیا کا ہے، اپنے ملک کے دو باشندوں کے لئے طویل لڑائی لڑنے کے بعد اب لیبیا کی طرف سے ماضی کے رویہ پر ندامت کا اظہار! یاد رہے کہ لیبیا میں بھی تیل پیدا ہوتا ہے اور ۲۰۱۰ء تک بیرونی امداد سے بیس لاکھ بیرل روزانہ کی اوسط سے تیل نکلنے کا تخمینہ لگایا گیا ہے؟ ان تمام حالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ کس طرح دنیا کے وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ چین کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکہ بھارت کو تیار کر رہا ہے(۱۴۹)اور بھارت کے تمام مظالم جو وہ کشمیریوں پر ڈھا رہا ہے، سے صرف نظر کئے ہوئے ہے۔(۱۵۰) یہ تمام حالات مسلم امہ میں انتشار کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنی میراث علم کو چھوڑ دیا اور غیر ممالک نے ہماری میراث پہ قبضہ جمالیا۔(۱۵۱)

کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی کسی دہشت گردی کے واقعے میں مسلمان ملوث کر دیئے جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دہشت گردی کا عمل کرنے والے مسلمان ہوں، مگر اس کی منصوبہ بندی کے پیچھے کون ہے؟ اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش نہیں کی گئی! عقل حیران ہے کہ دنیا کا کوئی مسلمان ملک تو امریکہ سے ٹکرانے کی سوچ بھی نہیں سکتا مگر القاعدہ جیسی تنظیم، جو کوئی باقاعدہ فوج بھی نہیں رکھتی امریکہ کے لئے کس طرح دردِ سر بنی ہوئی ہے؟(۱۵۲)

پچھلی تین دہائیوں سے مسلمانوں کو انتہاپسندی اور تشدد کی وجہ قرار دیا جارہا ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ امریکہ کی مخالفت کے باوجود ہم اس کو نجات دہندہ سمجھتے ہوئے امریکہ سے ہی مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ امریکی دخل اندازیوں سے خود امریکی فوجی نالاں ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ کئی امریکی فوجیوں نے دوسرے ممالک میں پناہ کی درخواست کر رکھی ہے اور وہ جنگ کے میدان میں جانے سے کترا رہے ہیں۔

امریکی دخل اندازی کی ایک مثال پاکستانی نصاب پر امریکی انتظامیہ کی تنقید ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کس حد تک دوسرے ممالک کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے۔ امریکی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ پاکستانی نصاب میں نفرت کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، کیا ہم تاریخ کو بدل دیں۔ ہٹلر نے یہودیوں کے ساتھ جو کیا تو کیا اسرائیل کے نصاب میں وہ واقعات موجود نہیں ہیں۔(۱۵۳) صلیبی جنگیں تاریخ کا حصہ ہیں، کیا اس کا ذکر کرنے سے نفرت پھیلتی ہے۔(۱۵۴)

حقیقتاً جس طرح پوپ جان پال دوم نے یہودیوں سے ہٹلر کے رویہ اور یہودیوں کے قتل عام پر معافی مانگی تھی، اسی طرح امریکی صدر جارج بش کو اور امریکی انتظامیہ کو اپنے مظالم پر نادم ہوکر عالم اسلام سے معافی مانگنی چاہئے، نہ کہ ایسے مطالبات کئے جائیں جن سے ہمارے مستقبل کے معمار تاریخ سے نابلد رہ جائیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم امہ بھی خواب غفلت سے بیدار ہو اور القاعدہ جیسی تنظیمیں جو بظاہر تو امریکہ کے خلاف ہیں، مگر درپردہ امریکی عزائم کی تکمیل کر رہی ہیں۔ ان کی بھرپور مذمت کرے، کیونکہ اب یہ راز بھی طشت ازبام ہوگیا ہے کہ اسامہ افغانستان سے کس طرح فرار ہوا؟ اب یہ مسلم ممالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عوام کو امریکی عزائم سے آگاہ کریں اور القاعدہ سے نفرت کا اظہار کریں۔ جو لوگ اسامہ کو نجات دہندہ کا درجہ دے رہے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ نجات دہندہ چھپ کر وار نہیں کیا کرتے اور نہ ہی راہ فرار اختیار کرتے ہیں بلکہ بھرپور طریقے سے سامنے آ کر مظالم کا مقابلہ کرتے ہیں۔(۱۵۵)

یہ بات سب جانتے ہیں کہ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ اور وہ دہشت گردی کی آڑ میں خاص طور پر مسلم ممالک کو اپنا نشانہ بنا رہی ہے، عراق اور افغانستان میں دہشت گردی کے نام پر جس درندگی کا مظاہرہ کیا گیا اور بے گناہ لوگوں کو شہید کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ یہ دنیا کی تاریخ کا سیاہ ترین باب کہلائے گا، اگر اسامہ بن لادن جرمنی میں یا یورپ کے کسی اور ملک میں چھپا ہوتا تو کیا امریکہ اسی طرح اس ملک کے خلاف جارحانہ اقدام کرتا؟

بے شک امریکہ سپر پاور ہے اور اس بات کو سب تسلیم بھی کرتے ہیں، لیکن سپر پاور ہونے کے ناتے اس کو یا کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ چھوٹے ملکوں پر حملہ آور ہو اور بے گناہ لوگوں کا قتل عام کرے۔(۱۵۶)

اُمتِ مسلمہ کی حالت زار، مسائل اور درپیش چیلنجز:

(چشم کشا حقائق پر مبنی ایک تحقیقاتی رپورٹ)

فلسطین میں ہر روز درجنوں بے گناہ فلسطینی بچے، بوڑھے، نوجوان، مرد اور عورتیں اسرائیل کے مظالم کا شکار ہو رہے ہیں۔ عراق میں ہر روز بے شمار عراقی امریکی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ افغانستان کے پہاڑ امریکی جنگی جہازوں کی کارپٹ بم باری سے سیاہ ہوگئے ہیں اور ہر روز درجنوں افغانیوں کو طالبان کہہ کر قتل کیا جا رہا ہے، یہ قتل غارت گری پاکستان کی سرحدوں کے اندر بھی در آئی ہے۔ کشمیر کی جنگ میں اب تک ساٹھ ستر ہزار بے گناہ کشمیری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر امریکہ کے قبضے میں ہیں۔ عرب ملکوں کے تیل کی دولت امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں کے بینکوں میں ہے۔ پاکستان امریکہ کی جارحانہ مہموں میں فرنٹ لائن اسٹیٹ بنا ہوا ہے۔ پاکستان کے شہروں میں امریکہ کی خفیہ ایجنسی کے اہلکار پوری آزادی کے ساتھ دہشت گردوں کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں۔ مسلم ملکوں کی تنظیم او آئی سی امریکہ کا ایک فرماں بردار ذیلی ادارہ بنی ہوئی ہے۔(۱۵۷)

دنیا میں مسلم ملکوں کی تعداد ۵۷ ہے، آبادی سوا ارب سے زیادہ ہے، مسلم ممالک قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ مسلم ملکوں خاص طور پر مشرق وسطیٰ میں اسرائیل تقریباً ۷۰ لاکھ آبادی کا چھوٹا سا ملک ہے۔ اسلامی ملکوں کے کئی شہروں کی آبادی اسرائیل کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ افرادی طاقت کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے مسلم ملک بے پناہ قدرتی وسائل

سے مالا مال ہیں، لیکن اسرائیل مشرق وسطیٰ کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے۔ جس ملک کے ساتھ جو چاہے سلوک کرتا ہے لیکن کسی مسلم ملک یا اجتماعی طور پر امہ میں اتنا دم نہیں کہ وہ اسے روک لے، روکنا تو دور کی بات ہے اسرائیلی مظالم پر کھل کر اس کی مذمت کرنا بھی کسی مسلم ملک کے بس کی بات نہیں۔

امریکہ آج کی دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ امریکہ اپنی اس سپر پاوری کو کس طرح استعمال کر رہا ہے اس سے قطع نظر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ امریکہ نے یہ مقام کس طرح حاصل کیا؟ انہوں نے اپنی درس گاہوں کی تشکیل جدید علوم پر کر کے ترقی کی سمت کا واضح تعین کیا، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مہارت حاصل کر کے دنیا پر اپنی برتری کے لئے راہ ہموار کی، تحریر تقریر کی آزادی دے کر معاشرے میں تحقیق ایجاد اور نئی نئی سمتوں میں غور وفکر کے دروازے صنعت وتجارت کے میدانوں میں اپنی سیکولر پالیسیوں کی وجہ سے اس تیزی سے پیش رفت کی کہ ساری دنیا کی معیشت کو اپنا زیر نگیں بنالیا۔(۱۵۸) اگر آج دنیا کے ہر شخص کی زبان پر یہ سوال ہے کہ اسلامی دنیا لبنان، فلسطین، عراق، افغانستان اور کشمیر کی صورتحال پر کیوں خاموش ہے؟ تو اس سوال کے پیچھے زوال کی طویل تاریخ ہے۔

انسان کی دس ہزار سالہ تاریخ میں جس قوم نے بھی ترقی کی اس میں تین خوبیاں تھیں، وہ علم میں دوسری قوموں سے برتر تھی، اس کی معیشت مضبوط تھی اور وہ باقی قوموں سے طاقتور تھی، ترقی کا یہ فارمولہ آج تک دنیا میں کارفرما ہے لیکن افسوس اسلامی ممالک ان تینوں شعبوں میں دنیا سے بہت پیچھے ہیں۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب ۴۷ کروڑ ۶۲ لاکھ ۳۳ ہزار ۴ سو ۰۷ مسلمان ہیں، دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، دنیا میں ایک ہندو اور ایک بودھ کے مقابلے میں دو مسلمان اور ایک یہودی کے مقابلے میں ۱۰۰ مسلمان ہیں، دنیا میں ۶۱ اسلامی ممالک ہیں، ان میں سے ۵۷ او آئی سی کے رکن ہیں، لیکن یہ دنیا کی تیسری بڑی قوت ہونے کے باوجود انتہائی کمزور، حقیر اور بے بس ہیں، کیوں؟ اس کا جواب ہمیں ترقی کے تین بڑے اصولوں میں ملتا ہے۔(۱۵۹)

دنیا میں ترقی کا پہلا اصول علم ہے، اس وقت پوری اسلامی دنیا میں صرف ۵۰۰ یونیورسٹیاں ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کو اگر ہم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کریں تو ایک یونیورسٹی ۳۰ لاکھ مسلمان نوجوانوں کے حصے آتی ہے جب کہ اس کے مقابلے میں صرف امریکہ میں ۵ ہزار ۷ ۵۸ یونیورسٹیاں ہیں اور ٹوکیو شہر میں ۱۰۰۰ یونیورسٹیاں ہیں، عیسائی دنیا کے ۴۰ فیصد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں، جب کہ اسلامی دنیا کے صرف دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں، اسلامی دنیا میں اکیس لاکھ لوگوں میں سے صرف ۲۳۰ لوگوں کو سائنس کا علم ہوتا ہے، جب کہ امریکہ کے دس لاکھ شہریوں میں سے ۴ ہزار اور جاپان کے ۵ ہزار شہری سائنس دان ہوتے ہیں، پوری عرب دنیا میں صرف ۳۵ ہزار فل ٹائم ریسرچ اسکالرز ہیں جب کہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد ۲۲ لاکھ ہے۔ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اشاریہ دو فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے جب کہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ تحقیق اور علم پر لگاتی ہے۔ اس وقت دنیا میں ۲۰۰ بڑی یونیورسٹیاں ہیں، ان دوسو یونیورسٹیوں میں سے ۵۴ امریکہ، ۲۴ برطانیہ، ۱۷ آسٹریلیا، ۱۰ چین، ۱۰ جاپان، ۱۰ ہالینڈ، ۹ فرانس، ۹ جرمنی، ۹ کینیڈا اور ۷،۸ سوئزرلینڈ میں ہیں، ان دوسو یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کی صرف ایک یونیورسٹی ہے جب کہ اس فہرست

میں بھارت کی تین یونیورسٹیاں آئی ہیں، اگر ہم اس فہرست کا ذرا سا کڑا جائزہ لیں تو دنیا کی پہلی بیس یونیورسٹیوں میں ۱۸ یونیورسٹیاں امریکہ میں ہیں، کمپیوٹر کے پہلے دس بڑے ادارے امریکہ میں ہیں اور دنیا کے ۳۰ فیصد غیرملکی طالب علم امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، پوری دنیا میں امریکہ اعلیٰ تعلیم پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتا ہے، امریکہ اپنے جی ڈی پی کا دو اشاریہ چھ فیصد ہائر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں یورپ ایک اشاریہ دو اور جاپان ایک اشاریہ ایک فیصد خرچ کرتے ہیں۔ امریکہ ٹیکنالوجی اور ایجادات میں دنیا میں پہلے نمبر پر آتا ہے، اس کی کمپنیاں تحقیق پر دنیا میں سب سے زیادہ رقم خرچ کرتی ہیں، امریکہ تحقیقی اداروں کے معیار میں سب سے آگے ہے اور اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ نوبل انعام یافتہ سائنس دان امریکہ میں ہیں۔ چین اور بھارت علم اور ٹیکنالوجی میں نئی طاقت بن کر ابھر رہے ہیں، امریکی ماہرین کا خیال ہے، چین ۲۰۴۵ء میں امریکہ کی جگہ لے لے گا، اس کی وجہ یونیورسٹیاں اور ٹیکنالوجی ہے، چین میں اس وقت ۹۰۰۰ اور بھارت میں ۸۴۰۷ یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ دونوں ممالک ہر سال ۹ لاکھ ۵۰ ہزار انجینئر پیدا کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں امریکہ میں ہر سال صرف ۷۰ ہزار نئے انجینئر مارکیٹ میں آتے ہیں، اس وقت دنیا میں ۱۲۰ کیمیکل پلانٹس بن رہے ہیں، ان میں سے ۵۰ چین میں ہیں، لہٰذا آپ دیکھ لیجئے اس وقت ہر وہ ملک ترقی یافتہ ہے جو علم، یونیورسٹیوں اور شرح خواندگی میں دنیا سے آگے ہیں اور ہر وہ ملک پسماندہ ہے جو علم میں پیچھے ہے اور بدقسمتی سے اسلامی دنیا اس شعبے میں دنیا میں سب سے پیچھے ہے!

ترقی کا دوسرا اصول معیشت ہوتی ہے، ۶۱ اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف ۲ ٹریلین ڈالر ہے جب کہ امریکہ صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے ۱۲ ٹریلین کماتا ہے، امریکہ کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا ۱۳ ٹریلین ڈالر ہے، امریکہ کی اسٹاک ایکسچینج وال اسٹریٹ ۲۰ ٹریلین ڈالر کی مالک ہے، صرف کوکا کولا کمپنی کے نام کی قیمت ۹۷ ارب ڈالر ہے، دنیا میں اس وقت ۳۶ ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان میں سے ۲۵ ہزار کا تعلق امریکہ سے ہے، دنیا کے ۲۵ امیر ترین لوگوں میں سے ۱۲ کا تعلق امریکہ سے ہے۔ دنیا کی ۵۲ فیصد فیکٹریاں عیسائی دنیا میں ہیں جب کہ دنیا کی ۷۰ فیصد صنعتوں کے مالک عیسائی اور یہودی ہیں، دنیا کی دس ہزار بڑی ایجادات میں سے ۶۱۰۳ ایجادات امریکہ جب کہ ۸۳۱۵ ایجادات عیسائیوں اور یہودیوں نے کی تھیں، اسلامی دنیا جتنی رقم کا تیل فروخت کرتی ہے، امریکہ اور یورپ اس سے دوگنی رقم کی ہر سال شراب بیچتے ہیں، ہماری سارے تیل کی مالیت امریکہ کی برگر بنانے والی تین کمپنیوں کے سالانہ ٹرن اوور کے برابر ہے۔ امریکہ کے سروسز کے شعبے کی آمدنی پوری اسلامی دنیا کے مجموعی جی ڈی پی سے زیادہ ہے اور ہم ۶۱ اسلامی ممالک ہر سال ایکسپورٹس سے جتنی رقم حاصل کرتے ہیں اتنی رقم ہالینڈ صرف پھول بیچ کر کما لیتا ہے۔ اب آ جائیں طاقت کے اصول کی طرف، ذرا اپنے دل سے پوچھئے اس وقت دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت کون ہے؟ کس ملک کے پاس بڑی فوج ہے، کس کا دفاعی بجٹ زیادہ ہے، کس کے پاس دنیا میں سب سے زیادہ جوہری ہتھیار ہیں، میزائل کس کے پاس زیادہ ہیں، کس کے طیارے پوری دنیا کا چکر لگا سکتے ہیں، وہ کون سا ملک ہے جو اڑتے ہوئے طیاروں میں پیٹرول بھر سکتا ہے، جس کے پاس توپیں اور ٹینک ہیں، جو لیزر گائیڈڈ بموں سے ہزاروں میل دور تباہی مچا سکتا ہے، کس کے مصنوعی سیارے دنیا کی

ایک ایک انچ پر نظریں گاڑھے بیٹھے ہیں، کون ہے جو ہزاروں میل دور بیٹھ کر آپ کے چشمے کا نمبر معلوم کر سکتا ہے اور کون ہے جو دنیا کا ہر کمپیوٹر اور ہر ٹیلی فون مانیٹر کر رہا ہے، یقیناً آپ کا جواب ہوگا امریکہ، آپ کی بات درست ہے امریکہ کے بعد برطانیہ، جرمنی، فرانس، اٹلی اور روس آتے ہیں اور اس کے بعد چین اور بھارت کا نمبر آتا ہے، جب کہ بدقسمتی سے ایک بھی اسلامی ملک دفاعی سازوسامان بنانے والے ممالک کی فہرست میں شامل نہیں ہیں، پورے عالم اسلام میں پاکستان واحد ملک ہے جس کے پاس ایٹم بم ہیں، اسلامی بلاک کے کسی ملک میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ کسی یورپی ملک کے بغیر اپنا دفاع کر سکے، آپ پوری اسلامی دنیا کی فوجی تنصیبات اور فوجی اثاثوں کا تجزیہ کرلیں، ان کے پاس رائفل سے لے کر جہاز تک امریکہ اور یورپ کے ہوں گے، وہ رائفلوں کی گولیاں تک کسی عیسائی ملک سے لے رہے ہوں گے!(۱۶۰)

یہ ہے اسلامی دنیا کی صورت حال، یہ ہیں ہمارے زوال کی اصل وجوہات، قدرت کا قانون ہے جب بھی کوئی چیز بلندی سے گرتی ہے تو وہ ہمیشہ نیچے آتی ہے، قدرت نے آج تک دنیا کے کسی شخص، کسی قوم کے لئے اپنا یہ قانون تبدیل نہیں کیا، دنیا میں کامیابی اور فتح کے لئے خود کو طاقتور ثابت کرنا پڑتا ہے، یہ بھی قدرت کا قانون ہے۔ قدرت نے اپنا یہ قانون اپنے انبیاء کرامؑ تک کے لئے تبدیل نہیں کیا تھا، حضرت آدمؑ سے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کے ہر نبی کو جدوجہد کرنی پڑی تھی، اور وقت کے ہر دور میں صرف وہی تہذیب قائم رہی جس کے پاس فوج، علم اور ٹیکنالوجی تھی، لیکن بدقسمتی سے اس وقت عالم اسلام ان تینوں شعبوں میں بہت پیچھے ہے، بدقسمتی سے ہم سب زنگ آلود تلواریں لے کر میزائیلوں کے سامنے صف آراء ہیں، ہم سب کی گردنوں میں جہالت کے طوق پڑے ہیں اور ہم سب کشکول لے کر غیروں کے دروازوں پر کھڑے ہیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انتظار کر رہے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اپنے سارے اصول بدل دے گا، ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام اپنے نبیوںؑ کے لئے تبدیل نہیں کیا تھا وہ ہمارے لئے بدل دے گا، ہم کس قدر سادہ لوگ ہیں، ہم ڈیڑھ ارب لوگ جو ۲۱ ویں صدی میں ایک نئی بندوق ایجاد نہیں کر سکتے، جو عالمی سطح کی یونیورسٹی نہیں بنا سکتے، اور جو انٹرنیشنل سطح کا برگر اور کوکا نہیں بنا سکتے، جو اپنا تیل بیچنے کے لئے عیسائی کمپنیوں کے محتاج ہیں، جو اپنی مذہبی کتابیں تک یہودیوں کے پریسوں پر عیسائیوں کی روشنائی سے چھاپتے ہیں اور جن کے مقدس مقامات میں یہودی کمپنی کا ائیر کنڈیشن سسٹم لگا ہے ان لوگوں کا خیال ہے اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنا نظام بدل دے گا، کیا یہ ممکن ہے؟ (۱۶۱)

وَلَنْ تَجِدَ الْسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلاً ○ (۱۶۲)

تم ہرگز نہ پاؤ گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی۔

بقول اقبال

اس کی بربادی پر آج آمادہ ہے وہ کار ساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف ونوں!(۱۶۳)

اُمّتِ مسلمہ کے اہم مسائل اور اُن کا حل : اسوۂ نبوی ﷺ سے حاصل راہ نمائی کی روشنی میں:

اس امر میں شک کی گنجائش نہیں کہ ''آج'' کا دامن اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک یقینی روشن مستقبل کے بھرپور امکانات سے لبریز ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آج کل جو حوادث و واقعات پیش آ رہے ہیں وہ مایوسی پیدا کرتے ہیں، ناکامی و مغلوبیت اور پس ماندگی کی خبر دیتے لگتے ہیں۔ اپنا افتراق و انتشار اور اختلاف اور اس کے تباہ کن نتائج دیکھ کر دل بیٹھنے لگتے ہیں۔ اغیار کی سیاسی، فوجی اور ابلاغی قوت و بالادستی اور ان کے مکروفریب کی کامیابی دیکھ کر حوصلے پست ہونے لگتے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود، ہمارے اس یقین میں کوئی کمی نہیں آتی کہ کل کا سورج طلوع ہوگا تو ہمارے لئے عزت و سربلندی اور ترقی کی خوش خبری لے کر آئے گا۔

یہ روشن مستقبل کب طلوع ہوگا؟ یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ اس کا علم اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے، جس کے پاس غیب کی ساری کنجیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے نصرت و فتح کا قطعی وعدہ ضرور فرمایا:

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝(۱۶۴)

ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمایا: ''اے نبیؐ'' صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اب خواہ تمہارے سامنے ہی ان کو ان کا کوئی حصہ دکھادیں جن سے ہم انہیں ڈرا رہے ہیں، یا (اس سے پہلے) تمہیں دنیا سے اٹھالیں'۔ (۱۶۵) ہمارے ساتھ بھی اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کے وعدے ضرور پورے ہوکر رہیں گے، خواہ ہماری آنکھیں کامرانی کا یہ منظر نہ دیکھ سکیں۔

جو بات ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ روشن مستقبل کے حصول کا صرف ایک ہی راستہ ہے، اور وہ ہے جدوجہد کا راستہ، انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ۔ نصرت الٰہی کے بغیر تو ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا، کجا کہ منزل سر ہو جائے۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔ (۱۶۶) لیکن یہ نصرت الٰہی صرف انہی کو حاصل ہوتی ہے جو جدوجہد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (۱۶۷)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔

جس سچے ایمان کے ساتھ سربلندی کا وعدہ مشروط ہے، اس کی صداقت کی کسوٹی بھی جدوجہد ہی ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝(۱۶۸)

حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔

﴿۱﴾ اس مقصد کے لئے راہ کے امکانات وخطرات کا، موافق ومخالف عوامل اور قوتوں کا، حال اور مستقبل کا زیادہ

سے زیادہ ممکن صحیح اندازہ کرنا۔ ایسی حکمت عملی اختیار کرنا جس سے منزل مطلوب تک پہنچنا ممکن نظر آئے۔ اپنے اعمال و اقدامات کا جائزہ و احتساب اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر استغفار کی روش پر کاربند رہنا۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّاأَن قَالُوارَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَO(۱۶۹)

ان کی دعا بس یہ تھی کہ "اے ہمارے رب، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہوگیا ہو، اسے معاف کردے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر"

یہاں تک کہ فتح و نصرت دیکھ کر بھی یہی روش رہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً O(۱۷۰)

اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔

سب سے ضروری اور اہم شرط للّٰہیت اور اخلاص ہے۔ پوری جدوجہد اور جدوجہد کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا چاہئے، اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رضا الٰہی کی جستجو، جنت کی تمنا و طلب اور اس کے لئے بھاگ دوڑ اور مسابقت اسی للّٰہیت ہی کی تعبیر ہے۔ آج غلبہ دین کی جدوجہد کو جو بڑے بڑے مسائل درپیش ہیں، ان کی بڑی وجہ ہمارے نزدیک اسی مطلوب اخلاص اور للّٰہیت میں کمی یا کمزوری ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جس قدر اخلاص بڑھے گا، للّٰہیت رچے گی اور بسے گی، اس کا رنگ زندگی پر چھائے گا، اس قدر ہمارے مسائل حل ہوں گے، ہماری کمزوریاں اور خرابیاں دور ہوں گی، ہمارے اندر مضبوطی اور شوق وطلب میں اضافہ ہوگا، اور ہم نصرت الٰہی کے مستحق بنیں گے۔

﴿۲﴾ دوسری اہم اور ضروری شرط ہے، زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ہر طرح، ہر معیار اور ہر انداز کے انسانوں کو دینی جدوجہد کے دائرے میں جمع کرنا، اور ان کی جو بھی استعداد و صلاحیت ہو اسے دین کے کام میں لگا دینا۔ للّٰہیت اگر روح ومقصود بنیاد ہے، تو انسان دینی جدوجہد کا مرکز و محور ہے۔

اس سلگتے مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے کئی پہلوؤں سے غور وفکر اور اقدامات کی ضرورت ہے۔ دینی جدوجہد میں انسان کی قدر و قیمت، اس کی ضرورت اور اس کا مقام جاننے اور تسلیم کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر ایک دفعہ ہم نے اس بات کو سمجھ لیا کہ معاشرہ اور انسان کیسے ہی بگڑے ہوئے ہوں، اسی معاشرے اور انہی انسانوں میں سے وہ قوت پیدا کرنا ہے، اور وہ پیدا ہوسکتی ہے، جو اصلاح و تبدیلی اور غلبہ و سربلندی کا کام کرسکے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بعد، کامیابی کا راز انسانی قوت میں اور مال و اسباب اور اسلحہ و سامان میں پوشیدہ ہے۔

هُوَ الَّذِيَ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَO(۱۷۱)

وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَO (۱۷۲) اے نبی ﷺ تمہارے لئے اور تمہارے

پیرو اہل ایمان کے لئے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔

﴿۳﴾ایک بڑا مسئلہ حسن اخلاق کا ہے، لوگوں کے دل جیتنے، ان کو ساتھ لانے، اور جوڑے رکھنے، اور ساتھ چلانے کے لئے سب سے موثر قوت حسن اخلاق کی قوت ہے۔ یہ حسن اخلاق، رفعت و رحمت، نرمی و فیاضی، عفو و درگزر اور اکرام و احسان سے عبارت ہے۔ اصل کارگر اور موثر قوت نہ نظریئے میں ہے، نہ کتاب میں، نہ کلام میں، نہ تحریر و تقریر میں، نہ ڈپلومیسی اور پبلک ریلیشن میں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ آج کے دینی جدوجہد کرنے والوں کے اخلاق کو نبی کریم ﷺ کے خلق عظیم سے وہ کم سے کم نسبت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے کم سے کم نسبت کے حصول کے بغیر انسان جمع نہ ہوں گے، مخالفین کے دل مسخر نہ ہوں گے، اسلام کے غلبے کے لئے قوت فراہم نہ ہوگی، اور نتیجتاً دین کا قیام ایک امر محال ہوگا۔ خواہ ہمارے پاس اسلحہ کے ڈھیر ہوں، سیاسی اقتدار بھی ہو، دلائل و براہین کا انبار بھی ہو۔

﴿۴﴾ چوتھا مسئلہ اختلافات کا افتراق و نزاع بن کر وحدت اور شیرازہ بندی کو غیر معمولی نقصان پہنچانے کا مسئلہ ہے، اور اختلافات کے باوجود متحد رہنے، ساتھ مل کر کام کرنے اور دینی قوتوں کو متحد رکھنے کا مسئلہ ہے۔ جہاں انسان جمع ہوں گے، وہاں اختلافات لازماً ہوں گے۔ رائے کے اختلافات بھی ہوں گے، مزاج کے بھی، مفادات کے بھی۔ ان اختلافات سے کوئی مفر نہیں۔ دور صحابہؓ میں بھی نہیں تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ سے لے کر جنگ جمل وصفین تک کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اختلافات سے بچنا ممکن نہیں، لیکن اختلافات کو افتراق، تنازع اور مخاصمت بننے سے روکنا ممکن ہے۔ تفرقوا اور لاتنازعوا ہی کی تاکید قرآن کریم نے فرمائی ہے۔ لیکن اس پہلو سے بھی مسلمان بہ حیثیت مجموعی اور دینی جدوجہد کرنے والے، خاص طور پر، جن کمزوریوں کا شکار ہیں وہ عیاں ہیں۔

﴿۵﴾ پانچواں مسئلہ اجتہادی امور اور تدابیر کو نصوص کا درجہ دینے، بنیادی اور اصل مقاصد کے بجائے جزئیات و فروعات پر توجہ اور مسائی کو مرکوز کرنے، اور پھر دینی احکام میں غلو اور تشدد اور بال کی کھال نکالنے پر اصرار کا مسئلہ ہے۔ اُمّتِ میں تو یہ مرض عام ہے، اور اس کے زوال اور انتشار کا ایک بڑا سبب ہے۔ دینی قوتوں میں بھی اس مرض کا غلبہ صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

﴿۶﴾ ایک اور سلگتا مسئلہ اتحاد اور یک جہتی کا ہے۔ اُمّت اور معاشرے میں بھی، دینی قوتوں میں بھی، اور مشترک مقاصد کے لئے سیاسی قوتوں میں بھی۔ مسلم معاشرے ہر جگہ مختلف نوعیت کے تفرقوں اور انتشار کا شکار ہیں۔ دینی فرقہ وارانہ اختلافات بھی ہیں، سیاسی اختلافات بھی ہیں، جنہوں نے اُمّتِ کو باہم نبرد آزما گروہوں میں پھاڑ کر رکھ دیا ہے۔

﴿۷﴾ ساتواں مسئلہ سیاست ایسی موثر کرنا ہے جو مطلوب نتائج کا پھل دے سکے۔ سیاست بھی ایک ذریعہ ہے، معاشرے میں قوت و طاقت کے سرچشموں میں اپنے اثر و رسوخ کو بڑھانے، یا انہیں اپنے ہاتھ میں لینے کا۔ سیاست کا مقصد دینی مقاصد کا حصول ہونا چاہئے، اور جو سیاست ان مقاصد کے لئے ہو وہ دینی سیاست ہے، عبادت ہے۔ لیکن سیاسی تدابیر کو، جو اللہ کی نافرمانی پر مبنی نہ ہوں، احکام دینی کا مقام دینے کی روش صحیح نہیں، مگر یہ روش بھی بہ کثرت پائی جاتی ہے۔ اس طرح دینی قوتوں کا دائرہ عمل بھی محدود ہو جاتا ہے اور دائرہ حمایت بھی۔ تدابیر میں حالات کی مناسبت سے تغیر و تبدل کے

بغیر کبھی بھی کامیاب سیاست نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ تغیر و تبدل ناممکن ہو جاتا ہے۔

﴿۸﴾ آٹھواں مسئلہ: مغرب کی فوجی، سیاسی، ثقافتی، علمی اور ابلاغی بالاتری اور تسلط کا ہے۔ عالمی قیادت تقریباً تین سو سال سے اہل مغرب کے پاس ہے۔ زبان ان کی ہے، اصطلاحات ان کی ہیں، ادارے ان کے ہیں، قوانین ان کے ہیں، تجارت ان کی ہے، عالمی تجارت پر ان کا کنٹرول ہے، ذرائع ابلاغ ان کے قبضے میں ہیں، اپنی فوجی قوت کو وہ ناقابل شکست سمجھتے ہیں۔ لبرل ازم، منڈی کی معیشت اور مغربی جمہوریت کی فتح اور عالمی غلبے کو وہ اپنی حتمی فتح قرار دیتے ہیں۔ غلبہ دین کے معنی یہ ہیں کہ قیادت عالم، اہل مغرب کے بجائے اہل اسلام کے ہاتھ میں آئے۔ مغرب کے ساتھ تہذیبی کشمکش اور اس میں فتح، بہت بڑا مسئلہ ہے۔ صرف نعروں، ہنگاموں اور جذبات کے اظہار سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔ اس کے لئے علم و حکمت، اجتہاد اور جہاد تینوں کی ضرورت ہوگی۔

﴿۹﴾ نواں مسئلہ عورت اور نوجوان کا ہے۔ عورت آبادی کا نصف حصہ ہے۔ ایک طرف مسلم معاشروں میں اسے وہ مقام حاصل نہیں جو اسلام نے اسے دیا ہے، یا اسلام کی رو سے اسے دیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف مغرب نے معاشرے میں عورت کے مقام اور عورت مرد کے تعلقات میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر کے، انہیں بالکل نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ آنے والے زمانے میں تہذیبی مسائل میں عورت کا مسئلہ سرفہرست ہوگا۔ اس کا مقام اور اس کے حقوق، اس مسئلے پر بھی ہمارے ہاں بڑا فکری اور عملی خلا ہے، جس کو پر کرنا ضروری ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ غلبہ دین کی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں پر جائزے، غور و خوض، نظر ثانی، تجدید یا تغیر کا عمل شروع ہو جائے گا، تو نصف صدی کی محنت سے جو پھل ہم نے جمع کئے ہیں، وہ گلنے اور ضائع جانے کے بجائے برگ و بار لائیں گے۔ قوموں اور جماعتوں کے لئے انحطاط، زوال اور بگاڑ مقدر نہیں، نہ جمود اور تعطل، اجتہاد و جہاد سے قوت اور شباب کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

مسلم امہ کو درپیش چیلنجز اور ان کے بہتر مستقبل کیلئے اقدامات

معروف علمائے کرام، مذہبی دانشوروں اور سیرت نگاروں کا اظہار خیال:

کچھ ہی عرصے پہلے کی بات ہے ماہ ربیع الاول کے ماہ مبارک میں ایک سیرت کانفرنس کا روز نامہ جنگ کے توسط سے انعقاد عمل میں لایا گیا تھا۔ اس اہم سیرت کانفرنس کا موضوع ہی ''مسلم امہ کو درپیش چیلنجز اور اس کی بہتر مستقبل کے لئے اقدامات نیز عصر حاضر کے مسائل اور ان کا حل اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں'' تھا۔ اس منفرد کانفرنس میں ملک کے ممتاز سیرت نگاروں معروف علمائے کرام اور مذہبی دانش وروں نے شرکت فرمائی اور اظہار خیال کر کے اپنی قیمتی آراء سے پوری مسلم امہ کو مستفید کیا، میرے نزدیک ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کی مناسبت اور ضرورت و اہمیت کے پیش نظر میں اپنے اس مقالے میں ان آراء اور مفید مشوروں کو پیش کروں بصورت دیگر یہ مقالہ اپنی افادیت کے اعتبار سے تشنہ و ادھورا رہ جائے گا۔ لہٰذا جائزے کے اعتبار سے ماہرین کا نقطہ نظر پیش ہے۔

حافظ حسین احمد صاحب (۱۷۳) : میڈیا نے ایک ایسا تاثر عام کیا ہے کہ تمام مسلم امہ کے خلاف دیگر اقوام کو متحد اور صف آراء کرنے کے لئے مسلمہ امہ کے حوالے سے ایک عظیم پروپیگنڈا شروع کیا گیا ہے۔ مسلم امہ کو جن چیلنجز کا سامنا ہے وہ بیرونی نہیں اندرونی ہیں، اصل میں اس کی سنگینی کا زیادہ تاثر ہوتا ہے کہ بد قسمتی سے جتنے بھی اسلامی ممالک ہیں ان میں عنان اقتدار پر اور برسر حکومت طبقہ، عوام کی سوچ کے خلاف ہے۔

سید مشاہد حسین (۱۷۴): اس وقت مسلم امہ کو تین بنیادی چیلنجز کا سامنا ہے اور یہ چیلنجز تمام اُمّتِ مسلمہ کیلئے ہیں۔ ایک تو بنیادی چیلنج یہ ہے کہ جو اسلام ہمارا مذہب ہے اس کو دانستہ طور پر یا غیر دانستہ طور پر مغربی میڈیا، مغربی دانش ور اور شاید کچھ مغربی حکومتیں بھی انتہاپسندی کے ساتھ نتھی کر رہی ہیں اسلام اعتدال کا مذہب ہے، برداشت کا مذہب ہے اور جمہوری سوچ کا مذہب ہے، جس کو غلط طریقے سے پیش کیا جا رہا ہے۔ دوسرا چیلنج یہ ہے کہ مختلف مسلم ممالک کو آج جو مسائل ہیں، خواہ وہ مسئلہ دہشت گردی کا ہو یا انتہا پسندی کا، نیوکلیئر کا، ڈرگ کلچر کا، ان سب کو مسلمانوں کے ساتھ نتھی کیا جا رہا ہے، کہ جو مسلمان علاقے ہیں یہ ان علاقوں سے متعلق مسائل ہیں۔

تیسرا چیلنج یہ ہے کہ ہم اپنے مفادات کا مشترکہ طریقے سے کس طرح دفاع کریں اور جو ہمارے الگ الگ ایشوز ہیں، جن پر دباؤ پڑتا ہے چاہے پاکستان ہو، ایران ہو، سعودی عرب ہو، مصر ہو یا ملائیشیا ہو، ان کے مختلف مسائل ہیں، پھر فلسطین بھی آتا ہے، کشمیر اور عراق بھی آتا ہے کہ ان کو کس منظم طریقے سے اور مشترکہ طریقے سے ان سارے ایشوز کے دفاع کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کریں؟ اسلام کا جو صحیح تصور اور تشخص ہے وہ پیش کیا جائے۔ بنیادی طور پر ہمیں یہ حکمت عملی تیار کرنی پڑے گی۔ بہتر ہے کہ ہم سارے وسائل، ساری توانائی اور جو عمل و حکمت ہے، اس کو اکھٹا کریں، ایک ایسے مقصد کے لئے جن پر ہم یقین رکھتے ہیں، جو کہ ہمارا کاز ہے اور آئندہ ہماری نسلوں کا کاز ہوگا۔ میرے خیال میں مسلم امہ میں دانش کا فقدان ہے۔ تنگ نظری بھی ہے، تو یہ دور کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ہماری روایتی نالائقی جو مسلمانوں کی ہے، دوسری رکاوٹ خوف ہے، امریکہ سے خوف۔ کئی حکمرانوں کو اپنے عوام سے خوف ہے اور تیسری یہ ہے کہ اسٹیٹس کو اپروچ کہ بس کام چلائے جاؤ کہ کام چل رہا ہے۔ یہ ذہنی انتشار کا مسئلہ ہے۔

میاں محمد اسلم (۱۷۵) مسلمہ کے لئے اصل چیلنج بیرونی کی بجائے اندرونی ہے۔ مسلمان کئی سو سال سے زوال کا شکار ہیں، لیکن اب حالات کا رخ بدل رہا ہے اور ہم نے زوال کا ایک طویل سفر طے کرلیا ہے۔ پہلے تعلیم کی کمی نے حالات و واقعات کی حقیقت سمجھنے کی ہماری صلاحیت ختم کی، پھر اتحاد کے فقدان نے ذہنی انتشار پیدا کر کے مسلمانوں کو بے وزن بنایا اور باہم اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے دشمنوں نے اُمّتِ مسلمہ میں شگاف ڈال دئے۔ حقیقی قیادت سے محرومی نے مسلمانوں کو غیروں کی کٹھ پتلیوں کا پیروکار بنادیا اور غربت اور معاشی غلامی نے ہماری سیاسی آزادی ختم کردی۔ آج کے تمام چیلنجز کا جواب اور حل خود مسلمانوں کے پاس ہے۔ مستقبل کے چیلنجز کا جواب دینے کے لئے سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ مسلمان قرآن کریم و سنت پر عمل کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ دوسری ضرورت اتحاد کی ہے۔

برتر از گردوں، مقام آدم است   اصل تہذیب، احترام آدم است(۱۷۶)

اسلام کو دہشت گردی کے ساتھ جوڑنے کا سبب یہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے پھیلاؤ سے خائف ہیں۔ اس وقت دنیا میں اسلام تیزی سے پھیلنے والا سب سے بڑا مذہب ہے۔ حالات کا تقاضہ ہے کہ مسلمان ایک بڑی سیاسی جدوجہد کی نیت کر کے میدان میں آ جائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد (۱۷۷) : آج مسلم امہ کو جو مسائل درپیش ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اس وقت اسلامی دنیا انتشار کا شکار ہے۔ آج کے تناظر میں غربت، ناخواندگی، دہشت گردی، انتہاپسندی، فرقہ واریت، اتحاد کا فقدان اور دیگر بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں مسلم امہ مبتلا ہے۔ علامہ سعادت علی قادری (۱۷۸): اللہ تعالیٰ کے دین کی یہ عظیم خدمت ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کو ان امراض اور مسائل سے آگاہ کیا جائے، جو اس کی ایمانی قوت اور قومی وحدت کے لئے خطرہ ہوں، نیز ان سے نجات و حفاظت کے لئے موثر تدابیر بتائی جائیں۔

قرآن کریم کا پیغام ہے کہ ''زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ (۱۷۹) اور (لوگوں پر) احسان کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا، اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ (۱۸۰) اور فساد، قتل سے زیادہ برا ہے۔ (۱۸۱) ہم پر دہشت گردی کا الزام لگ چکا ہے، پوری اُمّتِ مسلمہ اس کی لپیٹ میں آ چکی ہے، جس سے نجات کے لئے ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کو اپنانا اور نہایت تدبیر و تدبر سے کام لینا ہوگا۔ یہ ایک بڑا چیلنج ہے جس کا مقابلہ ہماری بقا اور دین کی بقا کے لئے ناگزیر ہے۔ احمد سعید کرمانی (۱۸۲): مسلم امہ کو بنیادی طور پر تین اقسام کے مسائل کا سامنا ہے۔ پہلا یہ کہ بیرونی دنیا کے مسائل، دوسرا یہ کہ اندرونی (ملکی مسائل) اور تیسرا ہمسایہ ممالک سے تعلقات میں مسائل۔

ہم اُمّتِ واحدہ ہیں۔ آج سے تقریباً ۹۰ برس پہلے سید جمال الدین افغانی نامی مجاہد نے مسلمان ممالک کے مسائل حل کرنے کے لئے پین اسلام ازم کا نعرہ بلند کیا تھا۔ انہوں نے مغربی ممالک، اسلامی ممالک اور ہندوستان کے دورے کئے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ آج پین اسلام ازم اور اسی جذبے کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

انوارالحسن علوی (۱۸۳): اُمّتِ مسلمہ کو آج تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ جہاں اسے بے پناہ مشکلات اور مسائل کا سامنا ہے، جن کی بنا پر مسلمانوں کو اپنی بقا کی خاطر لڑنا پڑ رہا ہے۔ لیکن اسلام ہمیشہ زندہ رہنے والا دین ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ بہت جلد ان تمام مسائل پر قابو پالے گا۔ مسلم امہ کے مسائل کو ۵ اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ☆اقتصادی چیلنجز، ☆سیاسی چیلنجز، ☆سیکیورٹی چیلنجز، ☆نظریاتی چیلنجز، ☆تہذیبی چیلنجز۔

عالمِ اسلام اپنے پس ماندہ سماجی و معاشرتی ڈھانچے کی وجہ سے معاشی میدان میں دیگر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ مغربی دنیا نے عالمی سطح پر اقتصادی اجارہ داری کا ماحول پیدا کر رکھا ہے۔ مسلم دنیا کو آئی ایم ایف پر انحصار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنی اقتصادی بقا اور ترقی کے لئے مواقع خود پیدا کرنے ہوں گے، اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ممالک اپنی دولت اور توانائی کو مسلم دنیا کے اندر ہی رکھیں۔ ہمیں باہمی برآمدات میں اضافہ کرنا ہوگا۔ مشترکہ اسلامی منڈی اور اسلامی گروپوں کو مضبوط کرنے کے لئے کانفرنس بلوانی چاہیئے۔ اُمّتِ مسلمہ کو چاہیئے کہ وہ اپنا سیاسی کردار

زندہ کرے، جس کے ذریعے وہ اُمّتِ کے تمام مفادات کی محافظ ہو اور عالمی امن وسلامتی کی ضامن ہو۔ امریکہ دنیا بھر کے سیاسی و معاشی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

ڈاکٹر نورالدین جامی (۱۸۴) : مسلم امہ اس وقت فکری انحطاط کا شکار ہے۔ اغیار نے اس مرکزیت کو ختم کیا جو مسلم امہ کی پہچان تھی۔ مسلم امہ کی مثال جسد واحد کی طرح ہے۔ اس کے مخالفین نے مرکزیت کے تصور کو پامال کرنے کے لئے نیشنلزم کا حربہ استعمال کیا۔ انہوں نے علاقے، حدود اور زبان سے قومیں بننے کا تصور دیا۔ یہ سب عصبیت کی بنیاد پر ہوا، جس کے نتیجے میں مسلم قومیں منتشر ہوگئیں، اسلام نے ہمیں فکری وحدت کا تصور دیا ہے جو شخص کلمہ پڑھتا ہے وہ بلاتفریق مسلم امہ کا ایک رکن بن جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ان بنیادوں پر معاشرہ استوار کرنے کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے فراہم کی ہیں۔

علامہ شاہ مصباح الدین شکیل (۱۸۵): زندگی مسائل کا مجموعہ ہے، یہ جب اجتماعی حیثیت سے قوموں تک پہنچتی ہے۔ تو مسائل بڑی وسعت اختیار کر لیتے ہیں۔ گفتگو مختصر کرنے کے لئے میں نے صرف ایک مسئلے کو چنا ہے۔ مسلم امہ کا سب سے اہم مسئلہ میری نظر میں ان کا انتشار اور عدم اتحاد ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے شمار مسائل میں مبتلا ہیں۔ یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے، جس پر زیادہ گہرائی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے۔ یوں یہ بات ابدی حقیقت بن کر ہمارے سامنے آ گئی کہ آج کے مسلم امہ کے حکمراں جو صرف اپنے اغراض و مقاصد کے دست نگر بنے ہوئے ہیں، وہ قرآن کے اس حکم سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ جہاں تک مسلم امہ کا تعلق ہے، وہ دین کے اعتبار سے منقسم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں مسلم امہ کا انتشار کیوں بڑھ گیا ہے، کہنے کو ۵۷ آزاد اور خودمختار مسلم مملکتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ مادی وسائل سے سرفراز فرمایا ہے۔ کلیدی مقامات پر ان کی حکمرانی ہے۔ اپنی تعداد کے لحاظ سے ایک ارب سے زیادہ ہیں، لیکن اس کے باوجود اقوام عالم میں بے وقعت ہیں یا کر دیئے گئے ہیں، یہ انتشار تمام مسائل میں اہم ترین مسئلہ ہے۔ اہل مغرب نے ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں روزانہ اسرائیل فلسطینیوں پر حملے کر رہا ہے، حالانکہ فلسطین کے اطراف اسلامی مملکتیں موجود ہیں، جن کے پاس بے پناہ وسائل و اختیارات ہیں، لیکن ان حکمرانوں کو دین سے دور کر دیا گیا ہے۔ وہ مسلمانوں کا خون بہتا ہوا دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ اس لحاظ سے میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اگر مسلمانوں یا مسلمہ امہ کو متحدہ کیا جاسکتا ہے تو وہ ایک ہی نکتہ ہے اور وہ جہاد ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شجر اسلام کی جڑ توحید اور رسالت ہے، اس کی طاقت زکوٰۃ ہے۔ اس کی چوٹی اور افضل عمل جہاد ہے۔ (۱۸۶)

تمام عبادتوں کا حاصل یہی جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دینا افضل ترین عمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث اور قرآن کریم میں جگہ جگہ جہاد کی تلقین کی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہجرت کا دروازہ بند ہوگیا لیکن جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ (۱۸۷)

پروفیسر ڈاکٹر محمد نیاز (۱۸۸) : موجودہ دور میں مسلمانوں کے جو مسائل نظر آتے ہیں ان میں کچھ سیاسی، مذہبی اور کچھ خالص مذہبی نوعیت کے ہیں۔ آج نئی نئی اصطلاحات ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ عالمی برادری کی اصطلاح، دہشت گردی کی اصطلاح، انتہاپسندی کی اصطلاح، بنیاد پرستی وغیرہ کی اصطلاحیں سننے میں آ رہی ہیں اسی تسلسل میں گیارہ ستمبر کے

واقعے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو رویہ اپنایا گیا، اس سے یہ تاثر ابھرا کہ گویا دہشت گرد اور مزید انتہا پسند مسلمان ہیں۔

پروفیسر قاری بدرالدین (۱۸۹) : اگر سرکار دوعالم کے اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہم اس پر عمل پیرا ہوں تو ہمارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں برداشت سلیقہ اور خود آپ نے اس کا عملی مظاہرہ فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے برداشت کے سلسلے میں جو تعلیم اُمّت کو دی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دینی اور دنیوی معاملات میں برداشت کا مادہ پیدا کریں۔ معاشرے سے بدامنی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ آج دنیا میں تمام فسادات اور اختلافات اس عدم برداشت کی وجہ سے رونما ہو رہے ہیں۔ رواداری، تحمل و برداشت، اتحادِ اُمّت، اسلام کا پیغامِ امن وسلامتی، قرآن و سنت سے وابستگی سے عصر حاضر کے مسائل کے حل میں راہ نمائی ملتی ہے۔ پرامن بقائے باہمی کی بنیاد پر غیرمسلم ممالک سے اتحاد اور دوستی کی راہ اپنائیں۔ خوداری، پرامن بقائے باہمی اور پوری عزت و آبرو کے ساتھ یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے، جب ہم تحمل و برداشت اور رواداری کو غیرمسلم اقوام میں عام کریں۔

پروفیسر محمود حسین صدیقی (۱۹۰) : محسن انسانیت، نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا، آپ ﷺ کی تعلیمات، آپ ﷺ کے ارشادات، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ قیامت تک انسانیت کے لئے ہدایت و راہ نمائی کا مثالی سرچشمہ ہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی درحقیقت ہمارے آج اور ہر عہد کے مسائل کا حل ہے۔ حافظ عبدالحمید ازہری (۱۹۱) : عصر حاضر کے مسائل انسان کے ساتھ خاص نہیں۔ انسان کائنات کا حصہ ہے اور کائنات میں خالق کائنات کے قوانین جاری و ساری ہیں جو اٹل ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ حکیم الاُمّت نے اس حقیقت کو نہایت بلیغ پیرائے میں بیان فرمایا: (۱۹۲)

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک   دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم (۱۹۳)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تکریم بخشی، برکات و خیرات سے مالامال زمین کی خلافت عطا کی، جب تک ہمارا نظام حکومت اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوگا اس وقت تک کسی بھی معاملے میں بہتری نہیں ہوگی۔ جس کے پاس طاقت ہے اسی کا قانون ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برابری و مساوات کا درس دیا۔

فضل عباس نقوی (۱۹۴) : آج اگر ہم پر مغربیت غالب آ رہی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مشرکین بھی بہت بڑی تعداد میں تھے۔ لیکن وہ کیوں غالب نہیں آسکے۔ آج چودہ سو سال بعد مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اس طرح معاشرہ خود بہ خود ٹھیک ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں قیامت تک کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ ہم نے ان تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ قرآن پاک پڑھے، سمجھے اور اُس پر عمل کرے۔ اسی طرح معاشرہ اور حکومت کا نظام درست کیا جاسکتا ہے۔ جھوٹ، دھوکا، بدعنوانی، سود حقوق کی پامالی، تشدد ان تمام برائیوں کے خلاف اسلام میں واضح احکامات ہیں، عفو و درگزر، راست بازی، ایمان داری، دیانت داری، شفقت، محبت فرائض کی ادائیگی اور کسی کو تکلیف نہ دینا، یہ تمام خوبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں موجود ہیں۔ (۱۹۵) بقول شاعر (۱۹۶)

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف
اٹھو و گرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو، زمانہ چال قیامت کی چل گیا(۱۹۷)
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ
کہ رسم خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری(۱۹۸)
بیا تا کارِ ایں اُمّت بسازیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر
دلے درسینہ ملا گدازیم(۱۹۹)

مولانا سعید احمد صدیقی (۲۰۰) : حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ میں ہمیں صرف مسلم امہ بلکہ تمام انسانیت کے مسائل کا حل ملتا ہے۔ لہٰذا معلم اعظم ہی حکمت و بصرت کا اصل سرچشمہ ہیں، آپ ﷺ کی اتباع میں ہماری نجات ہے۔ قرآن حکیم فرمان حمید آپ ﷺ کے متعلق گواہی دیتا ہے کہ:

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ O(۲۰۱) تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

چنانچہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

یا الناس! انی قدترکت فیکم ماان اعتصمتم فلن تضلوا ابدا، کتاب اللّٰہ، و سنۃ نبیہ ﷺ (۲۰۲)

اے لوگو! میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

رہنمائے کارواں انسانیت ﷺ کی سیرت ضیاء میں انسانیت کے اضمحلال اور تھکان کا مداوا تلاش کریں۔(۲۰۳)

سیرت مطہرہ ﷺ کی روشنی میں چند تجاویز:

☆ عالمی برادری میں منفی پروپیگنڈے اور غلط فہمی کی بنیاد پر جو ایک عموی تاثر قائم ہو رہا ہے کہ اسلام عدم رواداری، انتہاپسندی اور دہشت گردی کا مذہب ہے اپنے رویے سے اس کو ختم کیا جائے اور معاشرے میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو اپنایا جائے۔

☆ جان و مال کے تحفظ اور انتہاپسندی کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے میں قرآن و سنت اور اسلامی شریعت کا نظام نافذ کیا جائے، قصاص و دیت کے قوانین اور حدود وتعزیرات کے نظام کو موثر و مربوط بنایا جائے۔

☆ ایک ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ ہر سطح پر تعلیم کو عام کیا جائے، بین الاقوامی ضرورت و مانگ

کے مطابق ایسے افراد تیار کئے جائیں جو کہ اقوامِ عالم کی ضرورت بن جائیں اور ان میں سے ہر فرد ہمارے معاشرے کا سفیر ہو اور اسوۂ حسنہ ﷺ کا حامل ہو۔

☆ معاشرے میں مثبت اور تعمیری طرزِ عمل پیدا کرنے کے لئے ہر محلے میں جدید لائبریری، ہیلتھ کلب، کمیونٹی سینٹر اور تعلیمی باغ قائم کئے جائیں، جس سے معاشرے میں مثبت تبدیلی پیدا ہونے کے ساتھ امن وسکون اور محبت و یگانگت پیدا ہوگی۔

☆ معاشرے سے معاشی ناہمواری کا خاتمہ کیا جائے، معاشی ترقی، غربت کے خاتمے اور عدل وانصاف کے حصول کو آسان اور عام کرنے کی سعی کی جائے۔

☆ دینی اداروں میں جس طرح جدید تعلیم کی ترویج کی کوشش کی جارہی ہے اسی طرح عصری تعلیمی اداروں میں بھی دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہوتا کہ مستقبل کے معمار جدید تعلیم وٹیکنالوجی کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے بھی حامل ہوں۔

☆ معاشرہ میں فلاحی، رفاہی اور دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ ہر سطح پر بیدار کیا جائے، اساتذہ طلبہ، علماء اور ہر طبقے کے افراد کو اس میدان میں سرگرمِ عمل کیا جائے۔ یہاں تک کہ ہر فرد اپنی ذات میں خدمتِ خلق کا ادارہ بن جائے۔

☆ انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کیا جائے، اس کے لئے نئی بستیاں بسائی جائیں کیونکہ انتہائی بڑھتی ہوئی گنجان آبادی فتنہ وفساد، ظلم واستحصال، ذہنی وروحانی واخلاقی تربیت کی کمزوری، خودغرضی، مسائل اور انتہاپسندی کا سبب بنتی ہے۔

☆ اسلام دوستی، حب الوطنی، دینی اور ملی یگانگت کے جذبے کو فروغ دیتے ہوئے معاشرے میں صبر و برداشت تحمل و بردباری اور رواداری کو فروغ دیا جائے۔ اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کی ضامن ہے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ○ (۲۰۴)

☆ آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کو زندگی کے ہر رُخ، ہر پہلو، ہر شعبے میں انفرادی و اجتماعی اور قومی و بین الاقوامی سطح پر غلبہ اور ترقی کے حصول کے لئے جو سیاسی و مذہبی، معاشی و معاشرتی، علمی و تعلیمی پیش رفت درکار ہے۔ اس کی کامیابی و کامرانی کا راز صرف اور صرف نبوی ﷺ انقلاب ہی میں مضمر ہے۔ (۲۰۵) لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں انقلاب نبوی ﷺ کا ایک مختصر جائزہ پیش کریں۔

بقول شاعر (۲۰۶)

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

﴿۱﴾ انقلاب نبوی ﷺ مشعل راہ!

سیرت نبوی ﷺ کے سیاسی وعسکری اعتبار سے نظری پہلو کا جائزہ:

فلک کا جورِ مسلسل جواب دے اس کا　　ہم اپنے حال میں کب انقلاب دیکھیں (۲۰۷)

دنیا کے دوسرے انقلاب (۲۰۸) سے انقلابِ محمدی ﷺ اس اعتبار سے بنیادی طور پر مختلف ہے کہ دوسرے دنیوی

انقلاب کے نظریات انسانوں کے ذہن کی پیداوار تھے۔ بالشویک یعنی اشتراکی انقلاب کا فلسفہ کارل مارکس کے ذہن کی اختراع تھا۔ اسی طرح انقلاب فرانس کا فلسفہ والٹیئر، روسو اور بہت سے مفکرین کے ذہنوں کی پیداوار تھا۔ مگر اسلامی انقلاب کا فلسفہ اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ ہے، جو وحی کے ذریعہ سے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔ لہٰذا اس نظریہ کی نشر و اشاعت کے معنی ہیں قرآن حکیم کی نشر و اشاعت، اس کی تبلیغ، اس کے ذریعہ سے دعوت، اس کے ذریعہ سے تبشیر و انذار اور اس کے ذریعہ سے تذکیر و نصیحت۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آلہ انقلاب اور ذریعہ انقلاب قرآن کریم تھا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم انسان کے لئے جو ہدایت لے کر آیا ہے اس میں یقیناً انفرادی زندگی کے لئے بھی راہنمائی ہے اور اجتماعی زندگی کے لئے بھی۔ قرآن کریم کے موضوعات انفرادی اعمال و افعال کو بھی محیط ہیں اور اجتماعی اقدار کو بھی۔ لیکن انقلابی عمل کے لئے قرآن کریم کے اس حصہ کو نمایاں کرنا ہوگا جس کا تعلق اجتماعی نظام کے ساتھ ہے۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو آج جس عظیم انقلاب کی ضرورت ہے وہ انقلاب اگر آئے گا تو خالصتاً اس نہج پر آئے گا کہ جس نہج پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب بپا کیا تھا۔ امام مالکؒ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول منقول ہے کہ:

لایصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولہ

یعنی اس اُمتِ کے آخری حصہ کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اس طریق پر کہ جس پر اس کے پہلے حصہ کی اصلاح ہوئی تھی۔ اس قول کے متعلق میرا تاثر اتنا یقینی ہے جتنا اس پر کہ کل سورج طلوع ہوگا۔ پھر یہ کہ اس کارگاہ عالم کی زندگی کا آخری دور شروع ہو چکا ہے۔ حالات اس رخ پر جا رہے ہیں، جن کی خبر نبی اکرم ﷺ نے دی تھی۔ پانچویں بات یہ کہ آخری دور میں اسلام کے عالمی غلبہ کی جو خبر الصادق والمصدق ﷺ نے دی تھی، اس کا بھی عمل یقیناً شروع ہوگا۔ البتہ یہ کہاں سے شروع ہوگا اور کس خطہ ارضی کو یہ سعادت نصیب ہوگی، یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ سے مایوس ہوکر نبی اکرم ﷺ نے اپنے طور پر طائف کا انتخاب فرمایا تھا، لیکن طائف میں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا وہ کون نہیں جانتا۔ یوم طائف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کا سخت ترین دن قرار دیا تھا۔ (۲۰۹) وہاں سے آپ ﷺ کو ناکام واپس آنا پڑا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا مدینہ منورہ کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک وہاں پہنچے بھی نہیں کہ وہاں انقلاب آ گیا۔ تمہیداً چھ افراد حج کے موقع پر ایمان لائے۔ اگلے سال ان میں سے پانچ اور سات دوسرے افراد یعنی کل بارہ افراد حاضر خدمت ہوگئے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جسے کتب سیرت مطہرہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (۲۱۰)

اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا جاں نثار شاگرد دیجئے جو ہمیں قرآن کریم پڑھائے اور یثرب (۲۱۱) میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت مصعبؓ کی ایک سال کی تعلیم قرآن اور دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں اگلے سال بہتر ۷۲ مرد اور تین ۳ خواتین کل پچھتر ۷۵ افراد نے آ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور یہ بیعت ہجرت کی تمہید بن گئی۔ اسے بیعت عقبہ ثانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (۲۱۲) ان ۷۵ پچھتر انصارؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ہمارے

یہاں تشریف لائیے۔ اگر قریش یثرب پر حملہ آور ہوں گے تو ہم آپ ﷺ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں استقبال کی تیاریاں تھیں۔ کئی دن سے لوگ روزانہ شہر سے باہر آ کر آپ ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر رہتے تھے۔ یہاں مکہ میں قریش خون کے پیاسے ہیں، جہاں تیرہ برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس دعوت دی۔ یہاں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو تین دن رات غارِ ثور میں روپوش رہنا پڑا۔ پھر یہ کہ تعاقب ہو رہا تھا۔ سراقہ بن مالک جو بعد میں دولت ایمان سے بہرہ مند ہو گئے دو مرتبہ قریب پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حفاظت فرمائی۔ مکہ کا حال تو یہ ہے اور اہل مدینہ سراپا انتظار آپ ﷺ کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں اور آپ ﷺ کا وہاں ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے داخلہ ہو رہا ہے۔(۲۱۳)

تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت میں ہے کہ وہ کس جگہ کو سعادت عطا فرمائے، کون سے مقام کو چن لے۔ یہ اسی کا انتخاب ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عالمی سطح پر دین حق کے غلبہ کا آغاز کس ملک سے ہوگا، لیکن یہ بات پورے یقین و وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ آخری دور کے بارے میں جن واقعات و حالات کی خبریں احادیث نبوی ﷺ میں دی گئی ہیں، وہ دور آ چکا ہے، اس کا آغاز ہو گیا ہے۔ کسی نہ کسی خطہ ارضی کو یہ سعادت حاصل ہو کر رہے گی کہ اسے اللہ تعالیٰ صحیح اسلامی انقلاب کے لئے منتخب فرمائے، اور یہ انقلاب بالکل اسی نہج پر آئے گا، جس نہج پر برپا فرمایا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں اسی نہج پر انقلاب آئے گا، جو عالمی سطح پر غلبہ دین کی تمہید بنے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ پاکستان کا یہ خطہ ارضی، جو حقیقت کے اعتبار سے مملکت خداداد ہے، یہ ہمارے قوت بازو اور ہماری جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے، اسے اللہ تعالیٰ اس سعادت کے لئے قبول فرما لے۔ بظاہر احوال تو مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیرے سامنے آتے ہیں، پھر امید بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔ بقول شاعر(۲۱۴)

آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

اس کی شانِ والا تبار یہ ہے:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (۲۱۵) اسے ہر شے پر قدرت حاصل ہے، وہ شر سے خیر برآمد کرتا ہے جس کا کہیں سے گمان تک نہیں ہوتا۔

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

لہٰذا ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور قدرت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم معروضی طور پر Objectively غور کریں اور سمجھیں کہ انقلاب کا ''محمدی ﷺ طریق'' ہے کیا؟

﴿۲﴾ نبوی ﷺ انقلاب کا طریق کار اور ہمارا کردار

سیرت نبوی ﷺ کے سیاسی و عسکری اعتبار سے عملی پہلو کا جائزہ:

ایک بات تو بالکل آغاز ہی میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات و حالات کے حوالوں اور (References) حوالوں کے بغیر اصولی طور پر جان لینی چاہئے کہ انقلاب کسی بھی نوع کا ہو اس کے لئے چند مختلف مراحل طے کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ بات سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معروضی مطالعے سے حددرجہ واضح ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ سیرت مطہرہ ﷺ کے دوران جو حالات و واقعات پیش آئے انہیں خاص سے عام کرکے یعنی (Generalize) کرکے جو اصول و مبادی مستنبط ہوتے ہیں ان کی روشنی میں انقلابی عمل کے مراحل و مدارج اور لوازم طے کئے جائیں گے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ اس مستنبط خاکے میں رنگ بھرنے کے لئے ہمیں سیرت مبارکہ ﷺ سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ کیا ہے؟

اور تیسری بات جو عملی اعتبار سے بہت ضروری ہے یہ ہوگی کہ ہمارے حالات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سعید کے حالات میں بہرحال چودہ سو ۱۴۰۰ برس سے کچھ زیادہ ہی مدت کا فاصلہ ہے۔ اس دوران حالات میں بہت کچھ تغیر وتبدل ہوا ہے اور انسان کے تمدنی وعمرانی تصورات میں بہت کچھ ارتقاء ہوا ہے۔ پھر ایک نمایاں ترین فرق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا انقلابی عمل ایک خالص مشرکانہ وکافرانہ ماحول میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا جبکہ ہمیں اسلامی انقلاب کے لئے جو کام کرنا ہے وہ پہلے درجے میں ہمیں مسلمانوں میں کرنا ہے، اور دوسرے درجے میں ہمیں کافروں میں کرنا ہے، لہٰذا ان حالات کی بنا پر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ جو طریق کار ہمیں سیرت النبی ﷺ میں ملتا ہے آیا بعینہ وہی اختیار کرنا لازمی ہے یا اس طریق کار میں ہمیں درپیش حالات کے فرق وتفاوت کی وجہ سے کہیں کچھ اجتہاد کرنا ہوگا۔(۲۱۷)

انقلابی عمل کے لوازم و مراحل:

موجودہ دور میں انسانی زندگی کو عام طور پر دوحصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی۔ مذہب کا تعلق انفرادی زندگی سے سمجھا جاتا ہے اور اجتماعیت کے لئے بنیاد ہے سیکولرازم یعنی لادینیت، لامذہبیت نہیں۔ اس لئے کہ سیکولرازم مذہب کو تسلیم کرتا ہے لیکن اسے صرف انفرادی زندگی میں محدود قرار دیتا ہے۔ اس انفرادی مذہبی زندگی کے بھی تین حصے ہیں، عقیدہ، عبادت، اور چند سماجی رسوم۔ ادھر اجتماعی زندگی کے بھی تین حصے ہیں۔ معاشرتی نظام، معاشی نظام اور سیاسی نظام۔ گویا تین گوشے انفرادی زندگی کے اور تین گوشے اجتماعی زندگی کے ملا کر کل ''چھ'' گوشے ہوگئے۔ اسی طرح انقلابی عمل کو بھی چھ مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔

ا۔ انقلابی نظریہ اور اس کی اشاعت:

انقلابی عمل کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ کوئی انقلابی نظریہ، کوئی انقلابی فکر، کوئی انقلابی فلسفہ موجود ہو، جس کی خوب

نشرواشاعت کی جائے۔ ظاہر بات ہے کہ انقلاب کسی انقلابی نظریہ کی بنیاد پر آتا ہے۔ اس کا نقطہ آغاز یہ ہے کہ اس نظریہ کی نشرواشاعت کی جائے، اسے پھیلایا جائے، اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور لوگوں کو اس نظریہ کی افادیت کا دلائل سے قائل بنایا جائے۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ انقلاب تب ہی آئے گا جب انقلابی نظریہ اجتماعی زندگی کے ان تین گوشوں میں سے کسی ایک سے لازماً متعلق ہو جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اگر مذہبی اصلاح کا کام ہو رہا ہو، عقائد کی تصحیح ہو رہی ہو۔ عبادات کی ادائیگی کی ترغیب وتشویق ہو رہی ہو اور اس کے نتیجے میں ان کی ترویج ہو رہی ہو تو یہ مذہبی کام ہیں یا بالفاظ دیگر روحانیت اور اخلاقی اصلاح کے کام ہیں، لیکن انقلابی عمل کا آغاز تو کسی ایسے نظریہ کی بنیاد پر ہوگا جس کا تعلق انسان کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی سے ہو۔ اس لئے کہ درحقیقت انقلاب کا محل، مقام اور میدان اجتماعی زندگی کا دائرہ ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظریہ، کوئی ایسا فلسفہ، کوئی ایسا فکر ہو جو انسان کی اجتماعی زندگی کے کسی گوشے کے بارے میں انقلابی تبدیلی کا علمبردار ہو اور وہاں جو نظام قائم ہے وہ اس کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔ اسی سے انقلابی عمل کا آغاز ہوگا۔

۲۔ انقلابی جماعت کی تشکیل وتنظیم:

انقلابی عمل کا دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اس انقلابی نظریہ کو ذہناً قبول کرلیں ان کو منظم کیا جائے۔ اس طرح ایک انقلابی جماعت وجود میں آئے۔ اس جماعت کے لئے دو چیزیں لازمی ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ اس کے (Cadres) اس کی درجہ بندی بالکل نئی ہونی چاہئے۔ پرانے نظام کے تحت لوگوں کو جو درجہ بندی ہے اگر وہی درجہ بندی اس جماعت کے اندر بھی رہے تو پھر وہ انقلابی جماعت نہیں ہوگی۔ یہاں تو بالکل نئی درجہ بندی ہوگی کہ کون کس قدر گہری وابستگی اس انقلابی نظریہ سے رکھتا ہے؟ کس نے اس انقلابی نظریہ کے تقاضوں کو خود اپنے آپ پر لازم کیا ہے اور کون اس انقلابی نظریہ کے لئے کتنی قربانی دے چکا ہے اور کتنی مزید دینے کو تیار ہے، جس نے جتنی پیش قدمی کی ہے اتنا ہی وہ آگے چلا جائے گا چاہے سابقہ نظام میں وہ شودروں اور اچھوتوں میں شمار ہوتا ہو اور سب سے گھٹیا اور ہیچ سمجھا جاتا ہو، اس کی کوئی حیثیت نہ ہو۔ لیکن اگر اس نے اس انقلابی نظریہ کو خلوص واخلاص اور گہرائی کے ساتھ قبول کیا ہے اس کے ساتھ اس کی مکمل ذہنی اور عملی وابستگی ہے، اس کے لئے وہ قربانیاں دے رہا ہے تو وہ توقیر وتکریم اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے پیدائشی برہمنوں سے کہیں آگے نکل جائے گا۔ اگر یہ بات نہیں ہوگی تو وہ جماعت انقلابی جماعت نہیں ہے۔

دوسری چیز یہ کہ اس پارٹی کا نظم اگر آرمی ڈسپلن جیسا نہ ہو تو یہ پارٹی انقلاب نہیں لاسکتی۔ کوئی ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن، کوئی انجمن ٹائپ کی شے، کوئی چار آنے کی ممبری والی جماعت یا کوئی ایسی ہئیت اجتماعیہ انقلاب نہیں لاسکتی۔ ہر اجتماعی کام کی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے اسی نوع کی انجمن یا ادارہ یا جماعت کی ضرورت ہے۔ کوئی اصلاحی کام کرنا ہے تو کوئی انجمن بنالیجئے۔ کوئی تعلیمی کام کرنا ہے تو کوئی ادارہ قائم کر دیجئے۔ مذہبی دعوت وتبلیغ کا کام کرنا ہے تو کوئی جمعیت بنالیجئے۔ انتخابی سیاست کا کام کرنا ہے تو ممبری کی کوئی فیس مقرر کرکے بڑے پیمانے پر اپنے ہم خیال افراد کی ممبر سازی کر لیجئے، ایک سیاسی جماعت بنالیجئے۔ لیکن اگر انقلاب لانا ہے تو اس کیلئے ایسی ''پارٹی'' درکار ہوگی جس کے ایک تو (Cadres) بالکل

نئے ہوں اور دوسرے اس کا ڈسپلن مضبوط ہوکہ جو حکم ملے مانا جائے۔ یہ نہیں ہوگا تو انقلاب نہیں آ سکتا۔ اس لئے کہ ایک جمے ہوئے نظام کو اکھاڑ پھینکنا ہے۔ ایک مضبوط طاقت کے ساتھ ٹکراؤ کا مرحلہ آنا ہے۔ اس میں ڈھیلی ڈھالی انجمن ٹائپ ایسوسی ایشن کام نہیں دے سکتی۔

۳۔ٹریننگ اور تربیت

انقلابی عمل میں تیسرا مرحلہ ٹریننگ یعنی تربیت ہے۔ جو ہر انقلابی عمل کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر انقلابی کارکنوں کی تربیت نہ ہوتو وہ خام ہیں، کچے ہیں تربیت ہوگی تو وہ پختہ ہوں گے، بقول شاعر (۲۱۸)

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر!

کچے اور خام لوگوں کو جمع کرلیں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگلے مرحلہ میں جاکر جواب دے جائیں گے۔ وہ خالی کارتوس ثابت ہوں گے اور ٹھس ہوکر رہ جائیں گے۔ یہاں ضرورت ہے کہ ہر کارکن پختہ ہو، اس بات کو علامہ اقبال نے اپنے انداز میں خوب بیان کیا ہے۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو(۲۱۹)

یہی وجہ ہے کہ ہر انقلابی پارٹی کے (Training Camps) ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بات اہم ہے کہ یہ تربیت انقلاب کے نظریہ اورفکر کی مناسبت سے ہوگی۔ اگر انقلاب خالص مادی اقدار والا ہے تو ان کارکنوں کی روحانی تربیت کرنا بیکار ہے۔ لیکن اگر پیش نظر ایسا انقلاب ہے جس کے اہم ترین ابعار اخلاقی اور روحانی ہیں،تو تربیت میں ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر یہ چیزیں انقلابی کارکنوں میں نہیں ہوں گی تو انقلاب کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں کہاں سے آجائیں گی؟ لہٰذا ایسے انقلاب کے کارکنوں کے لئے اخلاقی و روحانی تربیت بھی لازمی ہوگی، بلکہ اس کو اقدمیت و اولیت کا درجہ حاصل ہوگا۔ پس یہ ابتدائی تین مرحلے ہیں ان تینوں کا حاصل یہ ہے کہ تربیت یافتہ کارکنوں پر مشتمل ایک انقلابی جماعت وجود میں آجائے جو ایک طاقت اور ایک قوت بن جائے۔

انقلابی عمل کا جزوِ لاینفک: تصادم

انقلابی عمل کے اگلے تین مرحلوں کا جامع عنوان ہے ''تصادم''-- لفظ تصادم اگرچہ ناپسندیدہ ہے، اچھا نہیں لگتا اور امن پسند لوگ اس سے ناگواری محسوس کریں گے لیکن یہ بات طے ہے کہ انقلاب تصادم کے بغیر نہیں آتا۔ ''جس کو ہو دین دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

مذہبی اصلاح کا کام کرنا ہے، تو کسی تصادم کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف عام نوعیت کی روحانی تربیت گاہیں کھولنی ہوں اور خانقاہی نظام بنانا ہو تب بھی کسی تصادم کی ضرورت نہیں ہے، خانقاہ میں کوئی مربی، کوئی شیخ بیٹھے ہیں، جو وہاں خود چل کر آئے گا اسے وہ اپنے تربیتی پروگرام میں شامل کرلیں گے، کوئی تصادم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر عالمی سطح پر نظام بدلنا مقصود و

مطلوب ہو اور پھر تصادم سے بھی گریز ہو تو یہ ممکن نہیں، یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسے دو متصادم چیزوں کو جمع کرنے کی خواہش ہو۔ یہ خواہش اپنی جگہ کتنی ہی اچھی ہو لیکن یہ محال مطلق ہے تصادم تو انقلاب کے لوازم میں سے ہے۔

پھر یہ ایک بدیہی امر ہے کہ تصادم کا آغاز اصل میں انقلابی جماعت کرتی ہے۔ اس لئے کہ ایک جگہ ایک نظام قائم ہے۔ جیسا بھی ہے وہ چل رہا ہے۔ اگر ظالمانہ، استبدادی اور استحصالی ہے تو مظلوم طبقات اس نظام کو برداشت اور تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ایک جماعت ابھرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نظام غلط ہے، ہم اس کو بدل کر رہیں گے، تو درحقیقت تصادم کا آغاز اس جماعت نے کیا۔ اس نے اس نظام کو غلط قرار دے کر اس کو بدلنے کے عزم کا اظہار کیا جو وہاں ایک طویل عرصہ سے چلا آرہا ہے، جس کے ساتھ لوگوں کی اقدار اور مفادات وابستہ ہیں، جو ان کے یہاں قابل احترام روایات کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ انقلابی جماعت کہتی ہے کہ یہ غلط نظام ہے۔ گویا کہ تصادم کا آغاز اصلاً انقلابی جماعت کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے تین مدارج ہیں۔

تشدد وتعذیب کے جواب میں صبر محض:

تصادم کے عمل میں پہلا درجہ یعنی صبر محض کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انقلابی جماعت اس نظام کو غلط و فاسد قرار دیتی ہے تو لوگ اس جماعت کو آزاد تو نہیں چھوڑ دیں گے، پہلے وہ اس کے انقلابی فکر اور نظریہ کو چٹکیوں میں اڑائیں گے۔ استہزاء و تمسخر کریں گے، فقرے چست کریں گے، مذاق اڑائیں گے، کہیں گے کہ ان کا دماغ خراب ہوگیا ہے، دیوانے اور مجنون ہیں۔ لیکن اگر اس انقلابی جماعت کا قائد اور اس کے معدودے چند ساتھی اس وار کو جھیل جاتے ہیں اور نظریہ کی نشرواشاعت کا عمل جاری رہتا ہے اور لوگ اس کو قبول کر کے جماعت میں شامل ہو رہے ہیں تو مخالفین کو محسوس ہوگا کہ یہ ہوا کا کوئی معمولی جھونکا نہیں ہے، اس میں تو ایک زبردست آندھی اور طوفان کے آثار پوشیدہ ہیں، جو ہمارے تمام مفادات کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر لے جائیں گے۔ لہٰذا اب وہ تشدد پر اتر آئیں گے اور عقوبت و ایذا رسانی کی کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ یہ معاملہ پیش آنا لازمی ہے۔ لیکن اس دور کے لئے اس انقلابی جماعت کا پہلا مرحلہ یہ ہوگا کہ ماریں کھاؤ، لیکن نہ اپنے موقف سے ہٹو اور نہ ہی ہاتھ اٹھاؤ۔ اس لئے کہ اگر اس جماعت نے بھی retaliate کیا یعنی بدلہ میں اس نے بھی ہاتھ اٹھالیا، اور وہ جماعت بھی Violent ہوگئی، تو جو جما جمایا نظام ہے اسے اس جماعت کو کچلنے اور نیست و نابود کرنے کا قانونی و اخلاقی جواز مل جائے گا۔ چنانچہ ان کو یہ جواز نہ دیا جائے۔ بے جواز ماریں اور پیٹیں، ایذا رسانی کرتے رہیں۔ لیکن ان کو یہ الزام لگانے کا موقع ہرگز نہیں ملنا چاہئے کہ یہ جماعت خود بھی متشدد ہے اور عوام الناس کو بھی تشدد اور بدامنی کے لئے ابھار رہی ہے۔

اس عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہنے سے وہ لوگ ایذا رسانی اور مار پیٹ سے تو باز نہیں آئیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلے گا کہ اس معاشرے کی خاموش اکثریت اس جماعت کے حق میں ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ قدرتی طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ہیجان پیدا کردے گا کہ آخر یہ لوگ کیوں پیٹے جارہے ہیں، ان کو ایذائیں کیوں دی جارہی ہیں؟ آخر ان کا جرم کیا ہے؟ کیا انہوں نے چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے یا کسی غیراخلاقی حرکت کا ارتکاب کیا ہے؟ یہ

اکثریت ہمیشہ خاموش ہوتی ہے، لیکن اندھی اور بہری تو نہیں ہوتی، وہ دیکھتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور اس کے قلوب و اذہان میں اس انقلابی جماعت کے لئے ہمدردی کے جذبات اور احساسات غیر محسوس طریق پر پروان چڑھتے رہتے ہیں۔ اور یہ چیز بھی درحقیقت اس انقلابی نظریہ اور فکر کے پھیلنے میں اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے لئے بڑا پیارا مصرع ہے کہ: جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ:

اندر ہی اندر دل تو مفتوح ہو رہے ہیں، چاہے زبانیں خاموش ہیں، لوگوں میں جرأت نہیں کہ وہ سامنے آ جائیں۔ لیکن وہ انقلابی نظریہ اور فکر لوگوں کے ذہن و قلب میں راسخ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے علمبرداروں کے لئے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اقدام اور چیلنج:

اس کے بعد جب جدید علوم کے حصول، معیشت کے استحکام اور جدید ترین ٹیکنالوجی سے مزین طاقت اتنی فراہم ہو جائے کہ وہ انقلابی جماعت یہ محسوس کرے کہ اب ہم کھلم کھلا اور برملا اس غلط نظام کو چیلنج کر سکتے ہیں اور اس نظام کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو اس مرحلہ پر یہ صبر محض (Passive Resistance) اپنے اگلے مرحلے یعنی اقدام میں داخل ہو جاتا ہے، اب حکمت عملی تبدیل ہوگی۔ یعنی یہ کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ ان کے تشدد کا جواب بھرپور طریقے پر دو یا اس نظام کی کسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑو!

مسلح تصادم:

اس چیلنج کے نتیجے میں چھٹا اور آخری مرحلہ شروع ہوگا اور وہ ہے مسلح تصادم، جب تک وہ انقلابی جماعت اقدام نہیں کر رہی تھی یعنی ماریں کھا رہی تھی اور ہاتھ نہیں اُٹھا رہی تھی تب تک اور بات تھی، اب اگر اس جماعت نے بھی ہاتھ اُٹھا لیا تو وہ نظام اس پر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہوگا۔ اور یہ ہے وہ آخری مرحلہ جس کے اندر جسمانی ٹکراؤ ہو کر رہتا ہے۔ اسی کے لئے اصطلاح ہے مسلح تصادم یعنی (Armed Confilict) ظاہر بات ہے کہ جب یہ چھٹا مرحلہ شروع ہو جائے تو اب فریقین کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہا۔ اب تو تاریخ بتائے گی، حالات فیصلہ کریں گے اور دو میں سے ایک نتیجہ بہرحال نکلنا ہے اور وہ ہے تخت یا تختہ۔ تیسرا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر پہلے پانچ مراحل صحیح طور پر طے ہوئے ہیں، انقلابی عمل مستحکم ہوتے ہوئے اور (Consolidate) کرتے ہوئے آگے بڑھا ہے، صحیح تربیت ہوئی ہے، صحیح تنظیم ہوئی ہے اور خاص طور پر یہ کہ پہلے پانچوں مراحل کو طے کرنے کا صحیح حق ادا کیا گیا ہے تو انقلابی جماعت کامیاب ہو جائے گی، انقلاب وقوع پذیر ہو جائے گا اور اس انقلابی نظریہ کے مطابق نظام یکسر تبدیل ہو جائے گا۔ ورنہ اسے کچل کر رکھ دیا جائے۔ انقلابی عمل کے یہ چھ مراحل ہیں، یعنی تین تین کے دو گروپ، پہلے تین مراحل کا حاصل ہے: کسی انقلابی نظریہ، فکر، فلسفہ کو قبول کرنے والوں کا ایک تربیت یافتہ اور منظم جماعت کی شکل میں وجود میں آ جانا۔ دوسرے حصہ کے بھی تین مراحل ہیں اور وہ ہیں: صبر محض، اقدام اور مسلح تصادم اور اس کا

نتیجہ تخت یا تختہ۔

انقلاب کی توسیع وتصدیر:

اب اگر انقلاب کامیاب ہو جائے تو ایک ساتواں مرحلہ مزید شروع ہوگا۔ اس انقلاب کی توسیع کا ہوگا اس لئے کہ ایک نظریاتی انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جغرافیائی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوتا۔ وہ ایک فکر، ایک فلسفہ، ایک نظریہ کی بنیاد پر آتا ہے۔ اور نظریہ وہ شے ہے جس کے لئے نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہے نہ ویزا کی حاجت۔ نظریہ کے لئے سرحدیں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ نظریہ تو امریکہ جیسے دور دراز ملک سے چلتا ہے اور پاکستان پہنچتا ہے۔ نظریہ کے بڑے مضبوط پر ہوتے ہیں جن کے ساتھ وہ اڑتا ہوا سرحدوں کے تمام موانعات (Barriers) کو عبور کرتا ہے۔ اگر اس نظریہ میں جان ہے تو وہ دوسرے ممالک میں اپنی جڑیں قائم کرے گا جس کے نتیجے میں انقلاب کی توسیع ہوگی اور وہ پھیلے گا۔ جیسے انقلاب فرانس، فرانس تک محدود نہیں رہا اور بالشویک یعنی اشتراکی انقلاب صرف روس تک محدود نہیں رہا۔ انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ پہلے کسی ایک ملک، کسی ایک علاقے میں آتا ہے، وہاں اس کے ثمرات کا ظہور رہوتا ہے، پھر اس کی بین الاقوامی سطح پر توسیع کا عمل شروع ہوتا ہے۔

کامل انقلاب کی واحد مثال: انقلاب محمدی ﷺ

انقلاب کے یہ سات مراحل (۳+۳+۱) میں نے سیرت محمدی ﷺ کے اخذ کئے ہیں۔ اس کے سوا میرے نزدیک ان کا کوئی اور ماخذ نہیں ہے، کیونکہ کامل اور ہمہ گیر انقلاب کا منہاج اور نقشہ صرف سیرت محمدی ﷺ سے ہی مل سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں کامل انقلاب صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا ہے۔ باقی دنیا کے جو انقلابات مشہور ہیں وہ جزوی انقلاب تھے، فرانس کے انقلاب سے صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا، معاشی نہیں بدلا، معاشرتی نہیں بدلا، روحانی و اخلاقی نہیں بدلا، عقائد نہیں بدلے۔ روسی انقلاب سے صرف معاشی ڈھانچہ بدلا، سیاسی ڈھانچہ میں ایک جزوی تبدیلی ہی آئی کہ صرف ایک پارٹی کے نمائندوں پر مشتمل حکومت کا نظام قائم ہوگیا۔ البتہ انسانی زندگی کے چھ کے چھ گوشوں یعنی عقائد، عبادات، اور سماجی رسوم کے علاوہ معاشرتی نظام، معاشی و اقتصادی نظام اور سیاسی نظام کو تاریخ انسانی میں صرف ایک مرتبہ بدلا گیا اور یہ بدلا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے! پس جسے کامل، ہمہ گیر، گھمبیر اور (Total Revolution) کہا جائے تو وہ ہے ہی صرف ایک، اور وہ ہے رسول آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا انقلاب۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب میں ڈھونڈے سے بھی کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جو یکسر تبدیل ہوکر نہ رہ گئی ہو۔ محمد رسول اللہ والذین معه' کی جدوجہد سعی و کوشش محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کے نتیجہ میں لکھوکھا مربع میل زمین کے ایک ملک کے رہنے والوں کی زندگیوں میں ایک ایسا انقلاب عظیم برپا ہوگیا کہ ان کی سوچ بدل گئی، ان کا فکر بدل گیا، ان کے عقائد بدل گئے، ان کی اقدار بدل گئیں، ان کے عزائم بدل گئے، ان کے مقاصد بدل گئے، ان کی آرزوئیں بدل گئیں، ان کی تمنائیں بدل گئیں، ان کے دن بدل گئے، ان کی راتیں بدل گئیں، ان کی صبحیں

بدل گئیں، ان کی شامیں بدل گئیں، ان کی زمین بدل گئی، ان کا آسمان بدل گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے انہیں زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہوگئی۔ جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے۔ جو اُمی محض تھے وہ متعدد علوم وفنون کے موجد بن گئے۔ جو بے شمار ذمائم اخلاق میں مبتلا تھے وہ مکارم اخلاق کے معلم و داعی بن گئے۔ جو زانی اور نفس پرست تھے، وہ عصمت وعفت کے محافظ بن گئے۔ جو بے قید حصولِ معاش کے عادی اور اسراف وتبذیر کے خوگر تھے وہ مال و دولت کے امین بن گئے۔

یہ تھی گھمبیر تا ہمہ گیری اور برکت اُس انقلاب کی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا فرمایا۔(۲۲۰) پھر صرف یہی بات قابل ذکر نہیں ہے کہ کسی ایک انسانی زندگی میں انقلابی عمل کی تکمیل دنیا میں صرف ایک بار ہی ہوئی ہے، بلکہ سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ انقلابی عمل کے یہ تمام کے تمام سات مراحل آپ کو ایک فردِ واحد کی زندگی میں نظر آجائیں، یہ ممکن ہی نہیں۔ اس کی کوئی نظیر ہی نہیں سوائے خاتم النبیین سید المرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ایک فردِ واحد ۶۱۰ عیسوی میں ایک انقلابی دعوت لے کر کھڑا ہوتا ہے اور ۶۳۰ء میں یعنی کل بیس برس میں عرب میں انقلاب تکمیل پاجاتا ہے۔ باقی دو سال اس انقلاب کی توسیع کے عمل میں گزرے ہیں۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد مختلف سربراہان مملکت کو دعوتی خطوط ارسال کئے گئے تھے اور سفارتیں بھیجی گئی تھیں۔(۲۲۱) ۸ھ میں مکہ فتح ہوگیا۔(۲۲۲) اس کے بعد کے دو سال کے عرصہ میں جنگ موتہ ہوئی، جس میں سلطنت روما جیسی وقت کی سپر طاقت کے ساتھ مسلح تصادم ہوا۔(۲۲۳) اس کے بعد ۹ھ میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں سفر تبوک ہوا۔ اس موقع پر تیس ہزار جان نثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں تھے۔(۲۲۴)

پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند دن قبل حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں شام کی ایک مہم کے لئے لشکر ترتیب فرمایا۔ وہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ مرض نے شدت اختیار کی اور ربیع الاول ۱۱ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی۔(۲۲۵) اندازہ کیجئے کہ اکیس بائیس برس کے لگ بھگ، مختصر ترین عرصہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی انقلاب کی از ابتداء تا انتہاء بنفس نفیس تکمیل فرمادی، جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہ پہلے موجود تھی نہ تا قیامت ملے گی۔ دنیا کے دوسرے دو انقلابات مشہور ہیں، یعنی انقلاب فرانس اور انقلاب روس۔ ایک طرف تو یہ انقلابات جزوی تھے اور دوسری طرف قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان انقلابات کا فکر دینے والے کوئی اور تھے اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور، پھر انقلابی فکر پیش ہونے اور اس کے نتیجے میں عملاً انقلاب بپا ہونے میں اچھا خاصا زمانی فاصلہ ہے۔ انقلابِ فرانس اس فکر کے نتیجہ میں رونما ہوا جو والٹیر اور روسو جیسے بے شمار مصنفوں کی کتابوں کے ذریعے کافی عرصے تک پھیلتا رہا۔ اسی طرح انقلاب روس کی اساس کارل مارکس کی کتاب ''داس کیپیٹل'' پر قائم ہوئی، لیکن خود مارکس کی زندگی میں ایک گاؤں میں بھی انقلاب کے عملاً برپا ہونے کا امکان تک پیدا نہ ہوسکا۔ مارکس جرمنی کا رہنے والا تھا، لیکن انقلاب روس میں آیا اور اس کی موت کے قریباً پچاس سال بعد لینن جیسی فعال شخصیت کے ہاتھوں آیا۔ اور وہ بھی اس لئے کہ روس کے داخلی معاملات اس حد تک بگڑ گئے تھے کہ وہ بالشویک انقلاب کے لئے سازگار ہوگئے تھے۔ مگر اکیس بائیس برس کے لگ بھگ ایک مختصر سے عرصہ میں ایک عالمگیر انقلاب کی تکمیل جس میں انقلاب کے جملہ مراحل کی

تکمیل دنیا کی تاریخ میں صرف ایک بار ہوئی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوئی ہے۔ بعد میں رونما ہونے والے انقلابات میں اصل راہنمائی سیرت مطہرہ سے ہی لی گئی ہے۔ بقول علامہ اقبال:(۲۲۶)

ہرکجا بینی جہانِ رنگ و بو	آنکہ از خاکش بروید آرزو!
یازنورِ مصطفیٰ او را بہاست!!	یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سعید و مبارک دور کے بعد دنیا نے جو کچھ سیکھا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سیکھا ہے یا پھر انسان ٹھوکریں کھا کھا کر چار وناچار اسی منزل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے کہ جس منزل پر پہنچایا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے! لہٰذا یاد رہے کہ انقلابی عمل کے تمام مراحل کے استنباط کے لئے اصل ماخذ صرف اور صرف سیرت النبی ﷺ ہے۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام (۲۲۷)

رازِ انقلاب بقول قرآن ملاحظہ فرمائے:

☆ خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے اوصاف نہیں بدل دیتی۔(۲۲۸) بقول شاعر(۲۲۹)

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی	نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

☆ انسان کو اس کی کوشش کے مطابق ملتا ہے۔(۲۳۰)

☆ اور فکر نہ کرو اور غمگین نہ ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم صاحب ایمان ہو۔(۲۳۱)

بقول شاعر اقبال

درس قرآن اگر آج ہم نے نہ بھلایا ہوتا	یہ زمانہ نہ زمانے نے دیکھایا ہوتا(۲۳۲)
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے	نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے(۲۳۳)
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے	یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے(۲۳۴)

ان شاء اللہ تعالیٰ

حواشی وحوالہ جات

۱- سورۃ انفال، آیت ۳ ۵ تا ۵۴۔ ۲- ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام)، یونیورسٹی پبلی کیشنز اینڈ ایجوکیشنل ایڈ کراچی- ص۱۴۔ ۳- ایضاً ص۲۰۔ ۴- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۵- ایضاً ۴۵۔ ۶- ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام)، یونیورسٹی پبلی کیشنز اینڈ ایجوکیشنل ایڈ کراچی-ص۴۵۔ ۷- محمد یوسف بلوچ، پروفیسر، ترکان عثمان، فریدی بک سینٹر، کراچی، ص۱۰۳۔ ۸- ایضاً۔ ۹- ایم شفیق اعوان، مشرق وسطیٰ (جدید دنیائے اسلام، یونیورسٹی پبلی کیشنز اینڈ ایجوکیشنل ایڈ کراچی، ص۱۳۴۔ ۱۰- ایضاً ص ۱۵۱۔ ۱۱- ایضاً ص ۱۳۳۔ ۱۲- ایضاً، ص ۱۳۴۔ ۱۳- سانحہ ۹/۱۱ کے بعد محترم صدر پرویز مشرف صاحب امریکہ سے پاکستانی دوستی کو مزید مستحکم کرنے کے سلسلے میں جو پہلی تقریر یا خطاب فرمایا تھا اس میں انہوں نے اس بات کی کھلی وضاحت کی تھی اور تمام پاکستانیوں کے مستقبل سے واسطہ فیصلوں کی بنیاد بھی یہی امر تھا- مزید تفصیلات کے

لئے دیکھئے ماہنامہ میثاق لاہور، اپریل ۲۰۰۴، ص ۶۳۔ ۱۴- نجم سیٹھی، ریاستی وغیر ریاستی دہشت گری، ادارتی صفحہ، ۲۸ جولائی ۲۰۰۶ء، روزنامہ ایکسپریس کراچی، ۔ ۱۵- ذوالفقار ارشد گیلانی، ۹/۱۱، مسلم امہ پر جنگ مسلط کرنے کا امریکی منصوبہ، ۱۱ ستمبر ۲۰۰۶ء، روزنامہ ایکسپریس کراچی۔ ۱۶- ایم جے گوہر، نوائے خامہ، حکمرانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں- ۱۷/ جون ۲۰۰۶ء روزنامہ ایکسپریس کراچی۔ ۱۷- ایم شفیق اعوان، مشرق وسطی (جدید دنیائے اسلام) یورنیورسٹی پبلی کیشنز کراچی، ص ۱۳۶۔ ۱۸- عباس مہکری، نشیب وفراز، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، جنوری ۲۰۰۶ء۔ ۱۹- نذیر ناجی، سویرے سویرے، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، جون ۲۰۰۱ء۔ ۲۰- ایم-شفیق اعوان، مشرق وسطی، (جدید دنیا اسلام) یونیورسٹی پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۳ء ص ۱۵۱، ۔ ۲۱- ایضا، ص ۱۷۱۔ ۲۲- وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ۔ ۲۳- القرآن۔ ۲۴- پہلی جنگ عظیم، ۲/ اگست ۱۹۱۴ء۔ ۲۵- جنرل ایلن بی کے اس جملے سے بخوبی مسلم امہ کے خلاف نفرت و عداوت کا اظہار ہوتا ہے۔ ۲۶- فرانسیسی جنرل گورو کا یہ زہرآلود جملہ بحیثیت ایک چیلنج پوری اُمّتِ مسلمہ و عالم اسلام کو لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے۔ ۲۷- کیا یہی مغرب کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی ہے؟ ۲۸- اس بات کی تصدیق تو خود صدر بش سے ۹/۱۱ کے بعد نکلنے والے جملے سے ہوچکی ہے کہ اسلام کے خلاف دراصل صلیبی جنگوں کا ہی تسلسل ہے۔ ۲۹- موجودہ عالمی حالات اسی بیان کی تصویر کشی کرتے نظر آ رہے ہیں۔ ۳۰- یہی وجہ ہے آج عالم اسلام ایک جانب تنہا ہے اور دوسری جانب تمام عالم کفر اسلام کے مقابلے میں متحد ہے۔ ۳۱- پوری عالمی و اسلامی تاریخ اس بات کی گواہی کے لئے کافی ہے۔ ۳۲- اسرار احمد، ڈاکٹر، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۲۳۔ ۳۳- صدر بش جونیئر کے اس متنازعہ بیان کا تو الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا بھی روز روشن کی طرح گواہ ہے۔ ۳۴- اسرار احمد، ڈاکٹر، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۲۹۔ ۳۵- القرآن۔ ۳۶- اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، مرکزی انجمن خدام القرآن، مارچ ۱۹۹۹ء ص ۳۷۹۔ ۳۷- جاوید چودھری، ہم سمجھتے ہیں کہ، ادارتی صفحہ، ۱۰/ ستمبر ۲۰۰۶ء روزنامہ ایکسپریس، کراچی۔ ۳۸- Harun Yahya/ Islamdenounces terroris/ Bristo/ Amal Press January 2002/ P9۔ ۳۹- تم وہ بہترین اُمّت ہو جسے لوگوں کی اصلاح کیلئے میدان لایا گیا ہے-(القرآن)۔ ۴۰- تاریخ شاہد ہے۔ ۴۱- یعنی یہ جہاد بالسیف قرآن و سنت کے عین مطابق تھا، اور غیر متنازعہ و بالاتفاق تھا، لہٰذا مسلمانوں نے فتوحات کی ایک عظیم تاریخ رقم کرڈالی۔ ۴۲- ۹۳ھ میں ولید اوّل کے دور مشہور فاتح موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں اندلس کی عظیم الشان فتح عمل میں آئی اور اندلس کو کاتھ خاندان کے مظالم سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ ۴۳- معتصم اپنے بھائی مامون کا ولی عہد تھا- اس کا پورا نام محمد کنیت ابواسحاق اور لقب معتصم باللہ تھا- ۲۱۸ھ میں مسند خلافت پر بیٹھا تھا۔ ۴۴- محمد خالد، تاریخ اسلام، فریدی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۱ تا ۲۲۔ ۴۵- محمد خالد، تاریخ اسلام، فریدی بک سینٹر، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۹۹۔ ۴۶- گیلبن Gibbin لکھتا ہے کہ ”اس سے زیادہ شریف اور مشہور یادگار ایک فاتح کی ناموری کی اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے نام سے کسی ملک میں ٹیکس مقرر کیا جائے- یہ فخروشرف دنیا بھر میں صرف صلاح الدین ایوبی کو حاصل ہوا- جو اس کی شان و ہیبت کو ظاہر کرتی ہے- ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس آزاد ہوا۔ ۴۷- محمد خالد، تاریخ اسلام، مکتبہ فریدی، اردو بازار کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۱۔ ۴۸- ۱۲ اپریل ۱۴۵۳ء، بمطابق ۲۶ ربیع الثانی ۸۵۷ھ کو محمد ثانی نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، یہ ترکوں کا قسطنطنیہ کا ساتواں محاصرہ تھا۔ ۴۹- الحدیث۔ ۵۰- محمد عزیز، ڈاکٹر، ترکانِ عثمان، فیصل بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۱ء، مارچ، ص ۴۷۔ ۵۱- یہ ایک تاریخی حقیقت ہی نہیں بلکہ ماضی میں مسلمانوں کی طاقت وقوت اور شان و شوکت کی ایک عظیم داستان ہے۔ ۵۲- علی محمد شاہین، پروفیسر، عثمانی ترک، مکتبہ فریدی، جنوری ۲۰۰۰ء، کراچی، ص ۱۰۹۔ ۵۳- سلطان عبدالمجید ثانی، ۲۳/ دسمبر ۱۸۷۶ء میں اپنے بھائی مراد خامس کی معزولی کے بعد تخت نشین ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔ ۵۴- محمد یوسف بلوچ، پروفیسر، ترکان عثمان، فریدی بک سینٹر، اردو بازار کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۱۲۳۔ ۵۵- آج ڈنمارک اور

مغرب کی طرف سے توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کیا گیا وقتی طور پر مسلمانوں میں ایک مصنوعی لہر مذہبی غیرت کے نام پر دوڑی اور پھر سب مسلمان دوبارہ خواب غفلت میں مدھوش ہو کے سو گئے۔ ۵۶- بلاشبہ اس دور میں مسلمانوں کی شان و شوکت اور طاقت کا راز ہی یہی تھا کہ وہ ہر میدان میں آگے تھے وہ متحد و منظم تھے، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، ان کی معیشت مستحکم تھی، اور وہ جدید ترین ٹیکنالوجی سے مزین تھے۔ ۵۷- یہ تاریخی حقائق دراصل مسلمانوں کی عظمت کی داستان ہے۔ ۵۸- شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ ۵۹- حالات حاضرہ کی روشنی میں امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل اس کی مثل ہیں، لیکن ان کا انجام بھی روم اور فارس ہی کی مثل ہوگا- انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۶۰ -نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم، فیروز اینڈ سنز، لاہور، ص ۵۹۴۔ ۶۱ - الحدیث۔ ۶۲ -تھوڑے ہی عرصہ بعد کسریٰ (خسرو پرویز) اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہوا اور پھر اس کی سلطنت کے پرخچے اُڑ گئے- اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدینؓ کو اس کا وارث بنادیا گیا ..... (طبری، ۲:۳، ۱۵۷۲) بعد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس موضوع پر محققانہ و مفصل بحث کی ہے اور اس خطرے سے متعلق اسلام دشمن مستشرقین کے اعتراضات کا شافع جواب دیا ہے (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۳۴ تا ۲۵۴)۔ ۶۳ - القرآن۔ ۶۴ - شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۶۵ - الحدیث۔ ۶۶ - شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۶۷ - شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۶۸ - القرآن۔ ۶۹ - علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، شاعر مشرق۔ ۷۰- علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، شاعر مشرق۔ ۷۱- اسرار احمد، ڈاکٹر، ماہنامہ میثاق لاہور، اشاعت خصوصی، موجودہ عالمی حالات، اسلام اور پاکستان، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء، ص ۳۹ تا ۴۲۔ ۷۲- ایضاً، ص ۴۵۔ ۷۳- شاعر مشرق، محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۷۴- محمد عبدالحمید مہر، مولانا، نبوی ﷺ سیاست، مکتبہ راشدیہ، جامعہ عربیہ بیدارشاء العلوم حمادیہ، سکھر، رجب المرجب ۱۴۲۴ء، ص ۱۱۰۔ ۷۵- ۱۹۱۹ء میں معاہدہ ورسلز کے تحت بین الاقوامی امن کو قائم رکھنے کی خاطر لیگ آف نیشن کا قیام عمل میں لایا گیا تھا لیکن یہ غیر موثر ثابت ہوئی۔ ۷۵- آج اقوام متحدہ بظاہر آزاد لیکن درحقیقت امریکہ کا ایک طفیلی ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ ۷۶- اقوام متحدہ لیگ آف نیشنز کے مقبرے پر قائم تاج محل، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۵۔ ۷۷- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، اقوام متحدہ کا قیام، ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۲۔ ۷۸- ایضاً، ص ۱۱۵۔ ۷۹- ایضاً، ص ۱۱۸۔ ۸۰- شاعر حبیب جالب۔ ۸۱- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدات، ادارہ تحفظات، لاہور، ص ۱۱۸۔ ۸۲- ایضاً ص ۱۱۸۔ ۸۳- ایضاً ص ۱۲۱۔ ۸۴- ایضاً ص ۱۲۵۔ ۸۵- ایضاً ص ۱۳۰۔ ۸۶- شاعر۔ ۸۷- ایضاً ص ۱۳۵۔ ۸۸- ایضاً ص ۱۳۴۔ ۸۹- محمد البرادعی، جوہری حفظ ماتقدم پر فکرنو.....! ادارتی صفحہ نمبر ۱۳، روزنامہ ایکسپریس، کراچی ۱۷ر جون ۲۰۰۶ء۔ ۹۰ - نزہت مرزا، دنیا کی سب سے طاقتور قوم اور اقوام متحدہ! ادارتی صفحہ نمبر ۱۵، روزنامہ ایکسپریس، کراچی، ۲۶ر جولائی، ۲۰۰۴ء۔ ۹۱ - ذوالفقار ارشد گیلانی، نائن الیون کا سانحہ اور امریکی منصوبہ، اشاعت خصوصی، روزنامہ کراچی سٹی، کراچی، پیر ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۹۲- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، اقوام متحدہ کا قیام، ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۱۳۔ ۹۳- مختار احمد بٹ، اقوام متحدہ اور عالم اسلام، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۹۴- مرتضیٰ انجم، اقوام متحدہ، لگ آف نیشنز کے مقبرے ہر قائم تاج محل، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۷۔ ۹۵- شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ ۹۶- معاذ حسن، سی ٹی بی ٹی اور اسلامی بم، دارالشعور، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء، ص ۳۷۲۔ ۹۷- ایضاً، ص ۳۷۷۔ ۹۸- اسلامی سربراہ کانفرنس یعنی O.I.C کی تنظیم کا قیام ستمبر ۱۹۶۹ء میں عمل میں آیا اور ۲۲ر ستمبر ۱۹۶۹ء کو رباط (مراکش) میں پہلی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۹۹- سارک۔ ۱۰۰- عرب لیگ مصر کے شاہ فاروق نے قائم کی تھی۔ ۱۰۱- ۱۹۶۴ء میں ایران، پاکستان اور ترکی کے درمیان علاقائی تعاون برائے ترقی (ریجنل کوآپریشن برائے ڈیولپمنٹ) (RCD) / ایکو E.C.O یعنی اقتصادی تعاون کی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا جس پر ایران کی جانب سے ایرانی سربراہ رضا شاہ پہلوی، پاکستان کے سربراہ ایوب خان اور ترکی کے صدر جمال گرسل نے اس معاہدہ پر دستخط کئے اور یہ اجلاس ترکی کے شہر استنبول میں منعقد ہوا۔ ۱۰۲- مختار احمد بٹ، اقوام متحدہ اور عالم اسلام، ادارتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶،

ستمبر ۲۰۰۶ء۔۱۰۳- مرتضیٰ انجم، اقوام متحدہ، لیگ آف نیشنز کے مقدمے پر قائم تاج محل، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ کراچی، ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۷۔۱۰۴- اسرار احمد، ڈاکٹر سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، مکتبہ انجمن خدام القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۳۔ ۱۰۵- القرآن۔ ۱۰۶- القرآن سورۃ الاعراف، آیت ۱۲۹۔ ۱۰۷- القرآن سورۃ نساء، آیت ۱۴۵۔ ۱۰۸- القرآن سورۃ توبہ، آیت ۸۰۔ ۱۰۹- القرآن سورۃ توبہ، آیت ۷۵ تا ۷۷۔ ۱۱۰- القرآن۔ ۱۱۱- القرآن سورۃ توبہ آیت ۷۷۔۱۱۲- الحدیث۔۱۱۳- الحدیث، مسلم شریف۔۱۱۴- القرآن، سورۃ السجدہ آیت ۲۱۔ ۱۱۵- القرآن۔ ۱۱۶- القرآن۔ ۱۱۷- القرآن۔ ۱۱۸- مرض کی دوا کے بارے میں حدیث نبویﷺ ہے: ''اللہ نے جو بھی مرض پیدا کیا ہے اس کی دوا بھی پیدا کی ہے''۔ ۱۱۹- شاعر، الطاف حسین حالی، مولانا، مسدس حالی، کراچی، فضلی سنز، ص ۳۵۲۔ ۱۲۰- القرآن، سورۃ الاعراف۔ ۱۲۱- ایضاً۔ ۱۲۲- ایضاً۔ ۱۲۳- ایضاً۔ ۱۲۴- ایضاً۔ ۱۲۵- ایضاً۔ ۱۲۶- ایضاً۔ ۱۲۷- ایضاً۔ ۱۲۸- ایضاً۔ ۱۲۹- ایضاً۔ ۱۳۰- ایضاً۔ ۱۳۱- شاعر، الطاف حسین حالی، مولانا، ۔۱۳۲- سید عمار زیدی، مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۴ ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۹۔۱۳۳- معاذ حسن، سی ٹی بی ٹی اور اسلامی بم، دارالشعور، لاہور جنوری ۲۰۰۲ء، ص ۴۵۱۔۱۳۴- جاوید چودھری، ہم سمجھتے ہیں کہ.....! اوارتی صفحہ، روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اگست ۲۰۰۶ء۔ ۱۳۵- طاہر خان، پروفیسر، اسلامی دنیا کا زوال! آخر کیوں؟، اوارتی صفحہ، روزنامہ امن کراچی، ۲۳/جنوری ۲۰۰۲ء۔ ۱۳۶- جاوید چودھری، ہم سمجھتے ہیں کہ.....! اوارتی صفحہ، ایکسپریس کراچی، یکم اگست ۲۰۰۶ء۔ ۱۳۷- حالانکہ کل جب شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی، امریکہ کا وفادار تھا، تب خود امریکی تعاون سے ۱۹۵۰ء میں TNRC یعنی تہران نیوکلیئر ریسرچ سینٹر کی بنیاد رکھی گئی تھی، اور اسکا نظم ونسق اٹامک انرجی آرگنائزیشن آف ایران کے سپرد کیا گیا تھا۔ ۱۳۸- رشید پٹیل، آخر امریکی غلامی ہی کیوں؟، اوارتی صفحہ، روزنامہ جنگ، دسمبر ۲۰۰۵ء۔ ۱۳۹- آج انصاف کے علمبرداروں کو اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت پر کندہ یہ الفاظ جو کہ اسرائیلی جارحیت اور توسیع پسندانہ عزائم کا منہ بولتا ثبوت ہے- آخر کیوں نظر نہیں آئے کہ، اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں'' (سنڈے میگزین، روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۲)۔ ۱۴۰- اگر چہ یہ پوری مسلم امہ کی اوّلین خواہش ہے تاہم حالیہ اسرائیل کی جانب سے لبنان پر ۳۳ دن جاری رہنے والی دہشت گردی جس کے باعث لبنان کا ایک بڑا حصہ تباہی و بربادی کے بعد کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے نیز دیگر اسرائیلی و امریکی عزائم کے تناظر میں مسلم امہ کی یہ خواہش مستقبل قریب میں پوری ہونے کی کوئی نوید مستقبل نظر نہیں آئی۔ ۱۴۱- اگر چہ چند ہی دن قبل اسامہ کی پاکستان میں ٹائیفائیڈ کی بدولت موت کی افواہ کا بڑا پروپیگنڈہ مغرب کی جانب سے سامنے بھی آیا، تاہم کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس خبر کی تصدیق نہ ہونے کے سبب اس سے اتفاق نہ کیا گیا۔ ۱۴۲- صفدر عباس نقوی، لبنان کی تعمیر نو، سنڈے میگزین، روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۔ ۱۴۳- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، آپریشن ڈیزرٹ سٹارم (عراق ۱۹۹۰ء) ادارہ تحقیقات، لاہور، جون ۲۰۰۵ء، جن ۲۶۲۔۱۴۴- روزنامہ نوائے وقت، ۱۵/اگست ۲۰۰۵ء، ص ۷۔ ۱۴۵- سید عمار زیدی، مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۴/ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۔ ۱۴۶- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، ادارہ تحقیقات، جون ۲۰۰۵ء، ص ۳۳۹۔ ۱۴۷- ایضاً، ص ۲۴۲۔ ۱۴۸- ثمرین اختر یوسف زئی، ایرانی کا ایٹمی پروگرام، تاریخی حقائق پر مبنی رپورٹ، سنڈے میگزین، روزنامہ ایکسپریس، یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۸۔ ۱۴۹- حالیہ امریکی و بھارتی ایٹمی تعاون کا معاہدہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ۱۵۰- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، ادارہ تحقیقات، جون ۲۰۰۵ء ص ۲۳۹۔ ۱۵۱- جاوید چودھری، ہم سمجھے ہیں کہ.....! ادارتی صفحہ، روزنامہ ایکسپریس کراچی۔۱۵۲- اگلی سطور میں ان ہی تاریخی حقائق کے سربستہ رازوں پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔۱۵۳- اگر چہ ایرانی صدر محمود احمدی نثراد کی جانب سے نظریہ ہولوکاسٹ منظر عام پر آ کر مغرب ومشرق میں تہلکا مچا چکا ہے، تاہم اسرائیل اس نظریہ کو قبول کرنے سے مسلسل انکاری ہے۔۱۵۴- محمد خالد، تاریخ اسلام، صلیبی جنگیں، مکتبہ فریدی، اردو بازار کراچی، مئی ۱۹۹۴ء، ص ۵۶۔ ۱۵۵- سید عمار یاسر زیدی،

مسلم امہ کے خلاف امریکی عزائم، سنڈے میگزین، روزنامہ جنگ، ۵ ستمبر ۲۰۰۵ء، ص۱۱۔ ۱۵۶- ریاض احمد صدیقی، عالمی دہشت گرد، اداراتی صفحہ، روزنامہ جنگ کراچی، پہلی قسط، جمعہ المبارک ۲۲، ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۱۵۷- جاوید چودھری، ہم سمجھے ہیں کہ.....! اداراتی صفحہ، روزنامہ ایکسپریس کراچی- یکم اگست ۲۰۰۶ء۔ ۱۵۸- مرتضیٰ انجم، بین الاقوامی امن معاہدے، ادارہ تحقیقات، جون ۲۰۰۵ء، ص۱۰-۴۱۔ ۱۵۹- مختار احمد بٹ، اقوام متحدہ اور عالم اسلام، اداراتی صفحہ، روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۱۶۰- جاوید چودھری، ہم سمجھتے ہیں کہ.....!، اداراتی صفحہ، روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اگست ۲۰۰۶ء۔ ۱۶۱- مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے، اسرار احمد، ڈاکٹر، اسلام اور پاکستان کا مستقبل، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۴ء۔ ۱۶۲- القرآن۔ ۱۶۳- شاعر مشرق، محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۱۶۴- القرآن سورۃ الصفات، ۱۷۲ تا ۱۷۳۔ ۱۶۵- القرآن سورۃ المومن، آیت ۷۷۔ ۱۶۶- القرآن سورۃ ال عمران آیت۱۶۔ ۱۶۷- القرآن سورۃ محمد، آیت ۷۔ ۱۶۸- القرآن سورۃ الحجرات، آیت ۱۵۔ ۱۶۹- القرآن سورۃ ال عمران، آیت ۱۴۷۔ ۱۷۰- القرآن سورۃ النصر، آیت ۳۔ ۱۷۱- القرآن سورۃ انفال، آیت ۶۲۔ ۱۷۲- القرآن سورۃ انفال،آیت ۶۴۔ ۱۷۳- ڈپٹی پارلیمانی لیڈر، متحدہ مجلس عمل۔ ۱۷۴- چیئرمین خارجہ امور کمیٹی سینٹ۔ ۱۷۵- ایم این اے و نائب امیر جماعت اسلامی، صوبہ پنجاب۔ ۱۷۶- شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ ۱۷۷- پروفیسر شعبہ علوم القرآن و السنہ، جامعہ کراچی۔ ۱۷۸- مذہبی اسکالر علامہ سعادت علی قادری۔ ۱۷۹- القرآن۔ ۱۸۰- القرآن۔ ۱۸۱- القرآن۔ ۱۸۲- سابق سفیر احمد سعید کرمانی۔ ۱۸۳- صدر پاکستان عوامی تحریک انوارالحسین علوی۔ ۱۸۴- سابق سفیر ڈاکٹر نور الدین جامی۔ ۱۸۵- الحدیث۔ ۱۸۶- الحدیث۔ ۱۸۷- الحدیث۔ ۱۸۸- پرنسپل، ماڈل دینی مدرسہ، کراچی۔ ۱۸۹- چیئرمین شعبہ عربی وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی۔ ۱۹۰- ڈائریکٹر، سیرت چیئر، جامعہ کراچی۔ ۱۹۱- خالد علوی، ڈاکٹر، ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد۔ ۱۹۲- دارالعلوم محمدیہ، راول پنڈی۔ ۱۹۳- شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال۔ ۱۹۴- عالم دین۔ ۱۹۵- انچارج، حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر، اشاعت خصوصی، روزنامہ جنگ کراچی، ماہ ربیع الاول، پیر ۳ مئی ۲۰۰۴ء۔ ۱۹۶- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۱۹۷- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۱۹۸- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۱۹۹- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۲۰۰- ریسرچ اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی۔ ۲۰۱- القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۱۔ ۲۰۲- محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، لاہور، کتب خانہ فیضی، جلد۳، ص۵۸۵۔ ۲۰۳- محمد حسین ہیکل، اردو ترجمہ، ابویحیٰ امام خان، حیاۃ محمد لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۳ء، ص۲۸۔ ۲۰۴- القرآن، سورہ ہود، آیت ۸۸۔ ۲۰۵- سعید احمد صدیقی، مولانا، روشن خیالی، اعتدال پسندی اسلامی معاشرے کی تشکیل وضرورت، ششماہی علوم اسلامیہ انٹرنیشنل، جلد۱، شمارہ۱، ص۱۰۴، ۱۰۵۔ ۲۰۶- شاعر مشرق، اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۲۰۷- شاعر مشرق، اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۲۰۸- بعض الفاظ ہیں جن کے معنی دور حاضر کے ماحول اور تہذیبی آثار نے بدل دیئے ہیں، مثلاً انقلاب کے معنی توڑ پھوڑ اور شکست و ریخت کے سمجھے جاتے تھے، آج کل انقلاب کے ساتھ تعمیر کا تصور بہت کم آذہان میں آتا ہے- تاہم انقلاب کے ضمن میں ہمیں انقلاب نبوی ﷺ پوری انسانی تاریخ میں ہمیں خالص تعمیری انقلاب کے روپ میں نظر آئی ہے۔ ۲۰۹- بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل) ایور نیو بک پبلیشر، لاہور، جنوری ۲۰۰۰ء، ص۱۱۔ ۲۱۰- نصیر احمد ناصر، پیغمبر اعظم و آخر، فیروز اینڈ سنز، کراچی۔ ۲۱۱- یثرب، دراصل مدینہ کا پرانا نام تھا، آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے قبل یہ شہر اسی نام سے جانا جاتا تھا- لیکن ہجرت کے بعد یثرب آپ ﷺ سے منسوب ہوکر مدینۃ النبی ﷺ کہلایا جانے لگا اور آج تک اس نام سے موسوم ہے۔ ۲۱۲- عبدالمصطفیٰ اعظمیؒ، سیرت مصطفیٰ ﷺ، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص۲۷۔ ۲۱۳- بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل) ایور نیو بک پبلیشر، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۵۔ ۲۱۴- شاعر مشرق، محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر۔ ۲۱۵- القرآن۔ ۲۱۶- شاعر مشرق، محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر۔ ۲۱۷- اسرار احمد، ڈاکٹر، رسول انقلاب، کا طریق انقلاب، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص۲۳۔ ۲۱۸- شاعر، اکبر الہ آبادی۔ ۲۱۹- شاعر مشرق، محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر۔ ۲۲۰- اسرار احمد، ڈاکٹر، رسول انقلاب، کا طریق انقلاب، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص۲۷۔ ۲۲۱- نصیر احمد

ناصر، ڈاکٹر، پیغمبر اعظم و آخر، فیروز سنز لمیٹڈ کراچی، ص۵۸۔۲۲۲- ایضاً، ص ۶۰۸۔۲۲۳- ایضاً، ص ۶۰۶۔۲۲۴- ایضاً، ص ۶۲۳۔ ۲۲۵- بشیر احمد تمنا، پروفیسر، تاریخ اسلام (مکمل)، ایورنیو بک پیلس، لاہور، جنوری ۲۰۰۰ء، ص۹۷۔ ۲۲۶- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔ ۲۲۷- رسول انقلاب ﷺ کا طریقۂ انقلاب، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص۶۱۔ ۲۲۸- القرآن۔ ۲۲۹- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔۲۳۰- القرآن۔ ۲۳۱- القرآن۔۲۳۲- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔۲۳۳- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔۲۳۴- شاعر مشرق محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر اکرام الحق الازہری- اسلام آباد

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على السيّد المبعوث رحمة للعالمين و علٰى آله و أصحابه الطيبين والطاهرين و أما بعد:

مذاہب عالم اور تقابلِ ادیان کا ادنیٰ طالب علم اس بات سے بخوبی شناسا ہے کہ اسلام انسانیت کے لیے وہ آخری پیغام ہے جو کہ آمنہ کے لعل، عبد اللہ بن عبد المطلب کے فرزند ارجمند، سید الاولین والآخرین، امام الأنبیاء، سیدنا حضرت محمد ﷺ کے دل پر عربی زبان (۱) میں آخری الہامی کتاب یعنی قرآن مجید کی زندہ و جاودان معجزہ کی صورت میں منجم کرکے اتارا گیا۔ (۲) اس کا دائرہ پند و نصیحت اور منہج زمان و مکان کے لحاظ سے عالمگیر ہمہ وقتی شمولی اور عمومی ہے۔ (۳) جو انسانی زندگی کے تمام اطراف پر حاوی ہے جو اپنے روز اول سے تا صبح قیامت بے کم و کاست ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہیگا جس کا وعدہ رب ذو الجلال نے خود یوں فرمایا ہے انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون (۴) اس تناظر میں بلاشبہ اسلام دورِ حاضر کے جملہ مسائل اور درپیش چیلنجز کا اکمل حل پیش کرتا ہے اس کے لیے اُمتِ مسلمہ اسلام کے مسائل اور سیرت نبوی على صاحبها الصلاة والتسليم کا کماحقہ ہمہ گیر مطالعہ ضروری ہے۔

دین اسلام اتفاق واتحاد کا مذہب ہے۔ یہ اخلاق اور محبت، بھائی چارے اور آزادی فکر کا حامی ہے۔ یہ دین محسنین، متطہرین، صابرین، متوکلین، مقسطین، متقین، مطہرین سے قرآن کریم میں والہانہ محبت کا بیانگ دہل اعلان کرتا ہے۔ یہ دین کسی پر ظلم وتشدد ہوتا نہیں دیکھ سکتا بلکہ زندگی کے ہر لمحے میں امن وسلامتی چاہتا ہے۔ اور اس مقصد کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنے اصولوں اور فرائض میں شامل کرتا ہے۔ (۵) اسی طرح اسلام مذہبی انتہا پسندی کی آڑ میں کسی پر ظلم و زیادتی جبر وتشدد کا ہرگز روادار نہیں کیونکہ فلسفہ انسانیت میں یہ انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ تصور کرتا ہے۔ یہ دین انسان کی عزت وعظمت کے بارے میں اس قدر حساس ہے کہ یہ ایک انسان کی دوسرے کے ساتھ بدکلامی، بدگمانی، بدی، بہتان، بے حیائی، کو نہ صرف انسانی قدروں کے خلاف سمجھتا ہے بلکہ ان رذائل کو گناہ تصور کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے لیے عصمت، طہارت، تقویٰ پرہیزگاری، تزکیہ نفس، نیکی، ثابت قدمی، حسن سلوک، خشیت الٰہی، رضائے الٰہی، صدق، مساوات، عفو و درگزر اور عمل صالح کو انسانی قدر و منزلت کی علامات اور صفات قرار دیتا ہے اور یہ سارے حوالے نبی ﷺ کی سیرت و کردار کے روشن حوالے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے تیئس سال کی مختصر مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کردیا جو آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے مشن کے سخت مخالف رہے۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ اس مختصر مدت میں جزیرہ نما عرب کے باسی جو کہ علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن سے

بالکل عاری تھے وہ پوری دنیا میں علم وحکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے وہ آپس میں شیر وشکر ہوگئے۔(۶)یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں بہت سے غیر مسلم حقیقی اسلام کو جاننے کے لیے بے چین ہیں۔کونسل فار امریکن اسلامک ریلیشنز(CAIR) کے عرب افیئر ز کے ڈائریکٹر البیومی نے لندن کے ایک روزنامہ''الحیاۃ'' کو دیئے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ''غیر مسلم امریکن اب اسلام کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں''۔(۷)

پوری دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں اسلام کا پیغام پھیل نہ رہا ہو۔اسلام پر فاشزم کا لیبل لگانے کی کوشش بھی باطل کی تمام تر کوششوں کی طرح ناکام ثابت ہوگی جیسے ابوجہل کے منفی پروپیگنڈے کا الٹا اثر ہوا کہ لوگ متجسس ہوکر پیغمبر اسلام، ان کی تعلیمات، قرآن مجید کو جاننے کی کوشش کرتے تو متاثر ہوکر بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیتے۔(۸) اور اسی طرح اسلام اور رسولِ اسلام ﷺ نے باطل کی طرف سے جملہ تحدیات اور چیلنجز کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ اکثر باطل قوتیں آپؐ کے لائے ہوئے الہامی دین کے نغمہ سرا اور گرویدہ ہوئے اور بہت سے اس حقیقت پسندی کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

اُمّتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل وچیلنجز اور سیرتِ نبویؐ میں اُن کا حل :

آج عالم اسلام میں اخلاق و ایمانیات، تہذیب و ثقافت، معیشت، معاشرت اور تعلیم وتعلم کے میدانوں میں جو زبوں حالی ہے اور سیاسی طاقت کا دیوالیہ پن ہے اس پر ہر صاحب ادراک اور ذی ہوش مسلمان مشوّش ہے۔اسلام نہ صرف الہامی پند و نصائح کا مجموعہ ہے بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کے عملی حل بھی فراہم کرتا ہے۔اسلام انفرادی و اجتماعی دونوں سطح پر مثبت نتائج دیتا ہے۔اسلام بہترین ضابطہ حیات ہے کیونکہ یہ ایک علمی اور آفاقی مذہب ہے جو کسی مخصوص علاقہ، رنگ ونسل یا شہرت کے لوگوں تک محدود نہیں ہے۔(۹) مغرب کے ہاں تمیز کی یہ ساری صورتیں مساوات کے علمبردار پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے آخری عالمی خطبہ حجۃ الوداع میں اپنے قدموں تلے روند ڈالی اور تقویٰ کو اللہ کے ہاں کامیابی کے لیے معیار مقرر فرمایا۔(۱۰) اس بات کے پیش نظر اُمّتِ مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل اور موجودہ دور کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے طریقہ ہائے کار سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہی ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی (Fundamentalism and Terrorism):

مذہبی چیلنجز میں آج مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ہے۔آیئے پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ انتہا پسندی اور بنیادی پرستی کے کیا معنی ہیں۔انسائیکلوپیڈیا انکارٹا، دہشت گردی کی تعریف یوں کرتا ہے:

"The systematic use of terror (such as bombing, killing and kidnappings) as a means of forcing some political objective when used by a govt, it may signal efforts to stifle dissat; used

by insurrectionists or guerrillas,It may be part of an overall effort to effect desired political change." (11)

وکی پیڈیا بنیاد پرستی کی تعریف یوں کرتا ہے:

"In comparative religion, fundamentalism has come to refer to several different understandings of religious thought and practice, through literal interpretation of religious texts such as the Bible or the Qur'an and sometimes also anti-modernist movements in various religions." (12)

دہشت گردی اور بنیاد پرستی کی ان تعریفوں کو مغربی سیاسی اور الیکٹرانک میڈیا اسلام اور مسلمانوں پر اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے چسپاں کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں نہایت غلط معلومات بھی نتھی کردی جاتی ہیں۔ یہی وہ غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک یا ان کے خلاف پرتشدد کاروائیوں کے پس پشت کارفرما ہوتے ہیں۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے اس سال کے خطاب بہ عنوان State of the Nation (جنوری ۲۰۰۶) میں کھل کر کہا گیا ہے کہ" ہمارا اصل مقابلہ" سیاسی اسلام" (Political Islam) اور "اسلامی بنیاد پرستی" (Islamic Fundamentalism) سے ہے" اور یہی وہ نکتہ نظر ہے جو "سیموئیل پی ہنٹنگٹن" نے پوری چابکدستی کے ساتھ مغرب کے پالیسی سازوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے وہ کہتا ہے کہ" مغرب کا اصل مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں، خود اسلام ہے۔ یہ ایک مخصوص تہذیب ہے جس کے وابستگان اپنے تمدن کی برتری کے قائل ہیں اور اقتدار و اختیار سے محرومی کی وجہ سے پریشان ہیں۔" اگرچہ انتہا پسندی کی بے شمار مثالیں ہندومت، یہودیت اور عیسائیت میں ملتی ہیں لیکن بین الاقوامی میڈیا میں صرف مسلمانوں اور اسلام کو اس کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

اسلام کے بارے میں مغربی نقطہ نظر:

یورپ اور عالم اسلام میں قائم تعلقات جس اساس و بنیاد پر قائم ہیں اس کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔ ان تعلقات کی اصل بنیاد اب تک یہی ہے کہ یورپ آج بھی اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اس کے اور عالم اسلام کے مابین صلیبی جنگیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ یہ ابھی تک جاری ہیں۔ (۱۳) مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا نصب العین یورپ کے لیے ہمیشہ سے مرکزی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ لیکن اس کے حصول کے حوالے سے تدابیر اور طریق ہائے کار میں اس کے ہاں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے۔ یورپ اس نتیجہ تک پہنچ چکا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس وقت تک تباہ و برباد نہیں کرسکتا جب تک وہ اسلام کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب نہ ہوجائے۔ (۱۴) سابق امریکی نائب وزیر خارجہ آئی یوجین روستو صلیبی جنگ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ" ہم یورپ والوں اور مسلمانوں کے مابین صلیبی جنگوں کو ہر قیمت پر جاری رکھا جانا چاہیے۔ (۱۵) پوری دنیا پر یورپ کے تسلط ہونے، اس تسلط کو برقرار رکھنے، پوری دنیا کو اپنے مفادات کی منڈی بنانے اور

اسے اپنے ہی مفادات اور مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہنے کے راستے میں اہم ترین اور بنیادی رکاوٹ جو سدِ سکندری سے بھی بڑھ کر ہے وہ فقط اسلام ہی ہے۔ (۱۶) لارنس براؤن لکھتا ہے کہ'' اسلام ہی وہ آہنی دیوار ہے جو کہ ہم یورپ والوں کے استعمار کے راستے میں بری طرح حائل ہے''۔ (۱۷) سابق برطانوی وزیر دفاع، وزیر خارجہ اور وزیر اعظم گلیڈ اسٹون کہتا ہے کہ'' اسلام کو نیست و نابود کیے بغیر کمیونزم کے لیے ازبکستان میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں کہیں بھی جڑیں پکڑسکنا ناممکنات میں سے ہے'' (۱۸) معروف دانشور ولیم جیمفورڈ بالکراف قرآن پاک کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار یوں کرتا ہے کہ'' اگر قرآن پاک صفحہ ہستی سے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ عالم عرب سے نابید کر دیئے جائیں تو تبھی یہ دعویٰ کرسکنا ممکن ہوسکے گا اور یہی برصغیر میں لارڈ میکالے کی سرزہ سرائی بھی تھی۔ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب و ثقافت کو قبول کرلیں گے اور اسی صورت میں ہی تمام عرب اور دوسرے مسلمان بھی آہستہ آہستہ محمد ﷺ کی تعلیمات اور ان کی نبوت و رسالت اور ان کی کتاب (قرآن پاک) سے دور ہٹ سکیں گے۔'' (۱۹) رسالت محمدی ﷺ کے خلاف یورپ کی یہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں ہے۔ جب سے اسلام اور عیسائیت کا آمنا سامنا ہوا ہے اس وقت سے عیسائیت اور یورپ نے اسلام کے خلاف اپنی جنگ کا مرکز و ہدف ذات محمد ﷺ اور رسالت محمدی ﷺ کو بنایا ہے۔ (۲۰)

اشاعتِ اسلام بزورِ شمشیر کا قدیم و جدید مغربی تصور:

لفظ اسلام "سَلَمَ" سے ماخوذ ہے۔(۲۱) اس کا ایک مفہوم زینہ یا سیڑھی کا بھی ہے جس سے پستی یا بلندی کی طرف مائل ہونے کا تصور ملتا ہے۔(۲۲) دین اسلام کی روز افزوں مقبولیت اور اس کی عالمگیریت سے گھبرا کر بعض غیر مسلم اور بالخصوص مستشرقین اسلام کا دقیق مطالعہ اور حق تک رسائی کے باوجود ضد، عناد اور کینہ پروری سے کام لیتے ہوئے یہ شوشہ چھوڑتے آئے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ (۲۳) مخالفین اسلام دین اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔اس سلسلے میں انگریز مورخ A. S. Tritton اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

> A.S. TRITTON: "The picture of the Muslim soldier advancing with a sword in one hand and the Qur'an in the other is quite false." (24)

مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد کسی مخصوص فرد، گروہ یا قوم کی ہوس ملک گیری، جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تشفی وتسکین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن ظلم، دہشت گردی اور سفا کی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہوجانے کی صورت میں مفتوحین کی جان ومال اور عزت و آبرو، ہر چیز کو غارت کردیتا ہے۔(۲۵) اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اس عام غلط فہمی کا بہترین جواب نامور مؤرخ ڈی لیسی اولیری نے اپنی مشہور کتاب میں لکھتا ہے:

"History makes it clear however, that the legend of fanatical

Muslims sweeping through the world and forcing Islam at the point of the sword upon conquered races is one of the most fantastically absurd myths that historians have ever repeated."(26)

مسلمانوں نے اسپین پر تقریباً 800 سال حکومت کی۔ اسپین میں مسلمانوں نے لوگوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے (مسلمان بنانے) کے لیے کبھی تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ بعد ازاں صلیبی عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔حد تو یہ ہے کہ پورے اسپین میں کسی ایک مسلمان کو بھی یہ اجازت نہ تھی کہ وہ آزادی سے اذان ہی دے سکتا۔مجموعی طور پر مسلمان سرزمین عرب پر چودہ سو سال سے حکمران ہیں۔ اس کے باوجود آج بھی وہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو کپتی عیسائی (کوپٹک عیسائی) ہیں یعنی وہ عیسائی جو وہاں نسل درنسل آباد چلے آرہے ہیں۔ اگر مسلمانوں نے تلوار استعمال کی ہوتی تو اس خطے میں کوئی عرب بھی ایسا نہ ہوتا جو عیسائی رہ پاتا۔ ہندوستان پر بھی مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی آج ہندوستان کی آبادی کا 80 فیصد سے زائد حصہ غیر مسلموں پر مشتمل ہے ہندوستان میں غیر مسلموں کی اتنی بڑی اکثریت خود اپنی زبان سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ برصغیر میں بھی اسلام طاقت کے زور سے ہرگز نہیں پھیلا۔ (۲۷)

نامور مورخ ومحقق پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی تصنیف ''دعوت اسلام'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحین نے عیسائیوں سے جس رواداری کا مظاہرہ کیا اور جس کا سلسلہ ان کے بعد آنے والی نسلوں نے بھی جاری رکھا ان کو دیکھتے ہوئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جن عیسائی قبائل نے اسلام قبول کیا انہوں نے برضا و رغبت ایسا کیا۔ (۲۸)

شانِ رسالت ﷺ میں غیر مسلموں کی گستاخی اور مسلمانوں کے جذبات:

ناروے، ڈنمارک اور بعض دیگر یورپی ممالک میں کچھ لوگوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے گستاخانہ خاکے بنائے اور شائع کیے ہیں یہ عزت مآب جناب رسول اللہ ﷺ شان میں توہین اور سراسر گستاخی ہے جو حرام، قطعاً ناجائز اور سنگین جرم ہے۔ (۲۹) 12 افراد کے گستاخانہ خاکے 30 ستمبر 2005ء میں ڈنمارک کے اخبار Jyllands Posten کی اشاعت میں The Painting of a Portrait of Islam's Prophet کے عنوان سے شائع کیے گئے اور اس دعویٰ سے کیے گئے کہ اس طرح مسلمانوں کی ''تنگ نظری'' کا علاج ہو سکے گا۔ ان خاکوں کو ہر کسی نے ناخوش گوار، اشتعال انگیز اور توہین آمیز قرار دیا۔ واشنگٹن پوسٹ نے انہیں A Calculated Insult قرار دیا۔مگر عالم اسلام کے تمام احتجاج کے باوجود ایڈیٹر، کارٹونسٹ، مغربی میڈیا کی اکثریت اور وہاں کی سیاسی قیادت نے آزادی صحافت، آزادی اظہار رائے اور سیکولر جمہوریت کا سہارا لیکر ان کا دفاع کیا اور معذرت کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ (۳۰)

یکم فروری 2005ء میں فرانس (روزنامہ فرانس سواغ)، اٹلی (روزنامہ کالاسٹیمپا)، جرمنی (روزنامہ ڈائی ویلٹ)

اور ہسپانیہ (روزنامہ روزنامہ ایل پیر یڈیکو) کے اخباروں نے بھی پیغمبر اسلام کی مبینہ توہین پر مبنی ڈینش آرٹسٹ کے متنازع خاکے شائع کیے ہیں۔اخبارات کے مالکان کا کہنا ہے کہ یورپی اخباروں میں کارٹونوں کی اشاعت کا بنیادی مقصد ڈنمارک کے اخبار کے ساتھ اظہار یکجہتی ہے۔ (۳۱) جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی ہی املاک کو نقصان پہنچا اور بہت سے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں ناموسِ رسالت ﷺ کے دفاع میں مظاہروں کے دورانجامِ شہادت نوش کر بیٹھے۔ یہ مسئلہ ابھی ٹھنڈا بھی نہیں ہوا تھا کہ گذشتہ ہفتہ ڈنمارک کے بعض ٹی وی چینلز نے آپ ﷺ کی شان مزید گستاخی کرتے ہوئے مووی‌ز چلائیں اور مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی۔

آج بھی رسالت محمدی ﷺ مغرب کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ جہاں موقع ملے، ذات گرامی ﷺ پر بھی گندگی ڈالنے سے اجتناب نہیں۔لیکن اب یہ کام بالعموم مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے گنتی کے چند سلمان رشدی (بھارتی نژاد شاتم رسول) اور تسلیمہ نسرین (بنگالی نژاد دریدہ دہن) قسم کے لوگوں کے سپرد کردیا گیا ہے۔ اپنا اسلوب بدل دیا گیا ہے۔ اب کچھ لوگ حضور ﷺ کو پیغمبر تسلیم کرنے کے دعوے دار ہیں۔ لیکن تورات کے اسرائیلی انبیاء کی طرح کا پیغمبر۔ کچھ لوگ وحی کی حقیقت اور نوعیت ہی کو ---مکالمہ---- اور مفاہمت کے نام پر بدلنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کچھ سینٹ پال [م:۶۴ء] کی طرح کے ''مصلح'' کے ورود[ازقسم، مرزا غلام احمد قادیانی۔م : ۱۹۰۸ء] کے متمنی ہیں جو اسلامی شریعت سے نجات دے۔ (۳۲) مغرب کے نزدیک اگر کوئی شخص انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کرے، چاہے اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو ان کے نزدیک ایسا جرم معمولی سزا کا مستوجب تو ضرور ہوگا کیونکہ اس نے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے لیکن اسے آزادی اظہار رائے کے ناطے کسی طرح بھی مجرم نہیں گردانا جائے گا۔ (۳۳)

اس دور میں دین اسلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی جو توہین ہورہی ہے یہ مخالفین اسلام کی سوچی سمجھی سازش ہے۔مرزا غلام احمد قادیانی، سلمان رشدی ملعون، تسلیمہ نسرین، گوہر شاہی، یوسف کذاب، یونس شیخ، شہباز، اور بے شمار غیر ملکی این جی اوز اس قسم کی سازشوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں بلکہ ان کے وجود کا مقصد ہی اس سازشوں کو پروان چڑھانا ہے۔ (۳۴)

جہاد یا دہشت گردی:

پروپیگنڈہ ایک ایسا فن ہے جس کی بنیاد اس دعویٰ پر ہے کہ جھوٹ کو سو مرتبہ دہرایئے، سچ محسوس ہونے لگ جائے گا۔ یہ دعویٰ کسی اور شعبہ میں کامیاب ہوا یا نہیں لیکن اسلام اور خاص طور پر ''جہاد'' کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے میں جس طرح کامیاب ہوا ہے، تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی مل سکے۔ درحقیقت یورپ اپنی پوری تاریخ میں صرف ایک ایک مرکز پر جمع ہوا اور وائے بدنصیبی کہ اس کا یہ اتحاد صلیبی جنگوں کی شکل میں عالم اسلام کے خلاف ہوا۔ ان جنگوں میں یورپ کی شکست اس کے لیے ایک بہت بڑے جاں گسل صدمے کا موجب تھی۔ (۳۵) معترضین کو جہاد کا حربہ ایسا مل گیا ہے کہ اسے جا و بے جا ہر موقع پر پیش کردیتے ہیں۔ گویا اسے مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا کرانے کے لیے ایک آلہ بنا رکھا ہے اور یہ ایک ایسا ڈراؤنا اور خوفناک لفظ ہوگیا ہے کہ اہل یورپ اسے سن کر اس طرح چونک اٹھتے ہیں جیسے کبھی نپولین کے

نام سے وہاں کے تاجدار سہم جایا کرتے تھے۔ (۳۶) پوپ بینیڈکٹ 16 نے اپنے حالیہ دورہ جرمنی کے سلسلے میں منگل بتاریخ 12 ستمبر 2006ء کو ریجنز برگ یونیورسٹی میں اپنے خطاب میں اسلام کے نظریہ جہاد کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ پوپ نے چودہویں صدی عیسوی کے عیسائی بادشاہ مینوئیل دوم کے حوالے سے کہا کہ ''انہوں نے ایک ایرانی شخص سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام نے دنیا کو تشدد کے سوا کچھ نہیں دیا'' (۳۷) انہوں نے اسلام کے تصور جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہوئے تاثر دیا کہ اسلام تشدد کو جائز قرار دیتا ہے۔ (۳۸)

قوانین اسلام کی تبدیلی میں غیر مسلم حکومتوں کی مداخلت:

اسلامی قوانین اس وقت مغربی استعمار کا ہدف ہیں وہ انہیں ایک ایک کر کے ختم کرنے کے درپے ہے۔ (۳۹) پاکستان میں نافذ جملہ اسلامی قوانین بالخصوص حدود آرڈیننس اور توہین رسالت کے قوانین سمیت دیگر اسلامی دفعات سب اس کے نشانے پر ہے کہ ان سب کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے۔ اس وقت حدود آرڈیننس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ڈانڈے بھی مغربی استعمار کے ساتھ ملتے ہیں۔ (۴۰)

8 نومبر 2005ء کو امریکی حکومت کی جانب سے International Freedom Report جاری کی گئی جس میں پاکستان میں حدود قوانین، توہین رسالت کے قانون، آئین پاکستان کی اسلامی دفعات، اقلیتوں کے حقوق، خواتین کے حقوق سمیت تمام اسلامی شقوں پر زبردست تنقید کی گئی ہے اور اس میں جابجا ان قوانین کو عالمی انسانی حقوق کے منافی قرار دیتے ہوئے یکسر ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔(۴۱)

اسلامی تشخص کے خاتمے کے مغربی عزائم اور مسلمانوں کی بے حسی:

سارے مذاہب میں اسلام ایک ممتاز دین ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے سیرت کے ساتھ ساتھ اسلامی صورت اور تشخص کی بھی وضاحت کی اور مرد و زن کے لیے ایک خاص وضع قطع کی حد بندی کی جس سے ان کی پہچان و تشخص برقرار رہے۔ اس سلسلے میں فرانس کے کئی اسکولوں میں مسلمان طالبات کو محض اس لیے معطل کر دیا گیا کیونکہ وہ اسکارف سے سر ڈھکتی تھیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ سر ڈھانپنے کی مسلمانوں کی روایت فرانس کی سیکولر روایات کے لیے خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ کچھ عرصہ قبل فرانس کے وزیر انصاف نے ایک مقامی جیوری کی مسلمان خاتون رکن کو حجاب پہن کر عدالت میں آنے سے منع کر دیا تھا۔ حالیہ چند برسوں کے دوران فرانس سمیت کئی یورپی ممالک میں مسلمان خواتین کے سر ڈھانپنے پر پابندی عائد کرنے کے مطالبات زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ سنگاپور میں ایک اسکول کی چار مسلمان طالبات کو اس لیے معطل کر دیا گیا تھا کہ وہ سکارف پہنتی تھیں۔ یہاں نہ صرف مسلمان طالبات سکارف پہننے پر پابندی عائد کی گئی بلکہ وہ خاتون وکیل جو اس مقدمہ میں طالبات کا دفاع کر رہی تھیں ان پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ روس میں خواتین پر زور دیا گیا تھا کہ وہ پاسپورٹ کی تصاویر کے لیے اپنے اسکارف اتار دیں۔ غیر تو غیر ترکی کا قانون بھی اجازت نہیں دیتا کہ خواتین سرکاری عمارتوں یا تقاریب میں سر پر سکارف پہنیں۔ (۴۲)

فرانسیسی صدر ژاک شیراک کو تعلیمی اداروں میں ایسے لباسوں کے استعمال پر پابندی لگانے کے مسئلے پر وسیع تر حمایت حاصل ہے جنہیں پہننے سے مذہبی شناخت ہوتی ہو۔ اگرچہ اس سلسلے میں دوسرے مذاہب کا بھی ذکر ہوتا ہے مثلاً یہودیوں کی مخصوص ٹوپی شیتل اور عیسائیوں کی صلیب کا، لیکن سبھی جانتے ہیں کہ اصل معاملہ مسلمان لڑکیوں کے حجاب اوڑھنے کا ہے۔ (۴۳) اسی طرح شمالی جرمنی کی ریاست بدین، ویرٹمبرگ میں خواتین اساتذہ کے سر ڈھکنے یا حجاب پہننے پر پابندی لگادی گئی ہے۔ مسلمان خواتین کے حجاب پر پابندی عائد کرنے والی یہ پہلی جرمن ریاست ہے۔ جرمنی کی سولہ میں مزید پانچ ریاستیں اس پابندی کو جلد لاگو کرنے والی ہیں۔ (۴۴)

فرانس کے وزیر تعلیم لک فیری نے کہا ہے کہ اسکولوں میں سر ڈھانپنے کے خلاف قانون میں توسیع کرکے داڑھی اور رومال پر بھی پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ تاہم سکھ افراد اس قانون کے باوجود بھی اپنی روایتی پگڑی پہن سکیں گے۔ (۴۵) آسٹریلیا میں خواتین کے ایک فٹبال میچ اس وقت روک دیا گیا جب عفیفہ سعد سفید سکارف سے سر ڈھانپ کر اور لمبا ٹراؤزر پہن کر میچ کھیل رہی تھیں۔ مسلمان خاتون کھلاڑی کو تنبیہ کی گئی کہ میچ کھیلنے کے لیے اسے اپنا سر کا سکارف یا حجاب اتارنا ہوگا۔ (۴۶) امریکہ کے محکمہ انصاف نے ریاست اوکلاہوما کی ایک گیارہ سالہ مسلمان بچی کے سر ڈھانپنے پر پابندی کے خلاف شکایت درج کی۔ اسے دو مرتبہ اوکلاہوما کے مشرقی شہر مسکوجی کے ایک اسکول سے محض اس وجہ سے معطل کردیا گیا کہ وہ سکارف سے اپنا سر ڈھانپتی تھی اور حکام کا کہنا تھا کہ سکارف پہننے سے اسکول کے یونیفارم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ (۴۷) ترکی اگرچہ مسلم اکثریت کا ملک ہے لیکن سرکاری طور پر سیکولر ہے اور اس کی تمام یونیورسٹیوں اور سرکاری عمارتوں میں سکارف لینے پر پابندی ہے۔ انسانی حقوق کے لیے یورپی عدالت نے ترکی کی یونیورسٹی میں اسلامی طریقے سے سر ڈھانپنے پر لگائی جانے والی پابندی کی تائید کی ہے۔ (۴۸) سابق برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا نے مسلمان عورتوں کے چہرے کو نقاب سے چھپانے پر زبردست تنقید کی ہے اور مضحکہ خیز قرار دیا ہے۔ (۴۹)

جنسی مساوات:

جنسی مساوات کے تحت سیکس کی آزادی اور خاندان کی تباہی و بربادی کے لے سنگل پیرنٹ فیملی (Single Parent Family) کی اصطلاح درحقیقت ان گھناؤنی اقدار کا خوش رنگ لباس ہے جو مغرب برآمد کرنا چاہتا ہے۔ (۵۰)

ذرائع ابلاغ کا چیلنج:

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دشمنان اسلام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میڈیا کے ذریعے مذہب اسلام کے خلاف منفی تحریک چلارہے ہیں اور اس کو مجروح اور داغدار کرنے میں تمام تر وسائل بروئے کار لارہے ہیں۔ (۵۱) موجودہ دور میڈیا کا دور ہے اور بین الاقوامی طور پر اس وقت پورے میڈیا پر مغرب اور اس کے کارندوں کا قبضہ ہے چنانچہ اسوقت دنیا بھر کے اخبارات، رسائل، جرائد، ریڈیو، ٹی وی، کیبل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ مغربی پروگرام کو رواج دینے کے

لیے وقف ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ کی وساطت سے مغرب جہاں اُمتِ مسلمہ میں حیا سوز تہذیب وتمدن اور ایمان کش افعال و کردار کو پروان چڑھا رہا ہے وہاں پوری اُمتِ مسلمہ کو ذہنی پسماندگی، ڈر،خوف، بزدلی، بے غیرتی، بے شرمی، بے ایمانی، جھوٹ، فریب، لوٹ کھسوٹ، چوری، ڈکیتی مار دھاڑ کے زہریلے انجکشن دینے میں مصروف ہے۔(۵۲)

میڈیا وار کا سدّ باب :

یورپی میڈیا اور اس کے ہم نوا اور ان کی حکومتیں ایک منظم سازش کے تحت اسلام، مسلمانوں اور خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس اور آخری کتاب قرآن پاک کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں اور پھر وہ ان سازشوں کو آزادی صحافت کا نام دیتے ہیں۔ اظہار رائے کا نعرہ لگانے والے ڈنمارک کے اخبار جیلنڈ پوسٹن نے اپریل ۲۰۰۳ء میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کارٹون شائع کرنے سے انکار کردیا تھا۔ (۵۳)

آنحضرت ﷺ نے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ میڈیا وار کا چیلنج قبول کرتے ہوئے اپنے محدود وسائل کو استعمال میں لاکر موقع ومحل کے اعتبار سے بھرپور انداز میں دشمنانِ اسلام کے خلاف یہ ہتھیار استعمال فرمایا۔ (۵۴) ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز پر مثبت انداز میں حق کی آواز اٹھانے والوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا محاذ بھی خالی ہے جس سے یہود ونصاریٰ اور اسلامی معاشرے میں ان کے ایجنٹ بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر علماء حق کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھنے والوں کو اس پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ (۵۵) اسلام پر فاشزم کا لیبل چسپاں کرنے کی کوشش کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی بات ہے۔ آئی ٹی اور میڈیا کے اس دور میں یہ بات کہنے کے لیے کوئی ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ فاشزم درحقیقت مغرب کی پہچان اور طرہ امتیاز ہے۔ (۵۶)

معاشی مسائل وچیلنجز :

دورِ حاضر میں پوری دنیا چند بڑے ممالک کے معاشی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ معاشیات میں اب عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ سوشلزم اور کیپیٹلزم دونوں غریب اور امیر کے خوفناک فرق کو دور نہیں کرسکتے۔ (۵۷) یورپ کے مفکرین نے جس افراط وتفریط کو اختیار کیا اس کی سزا سب سے زیادہ غریب عوام کو بھگتنی پڑی جو نجات کی امید لیکر ان داناؤں کے پیچھے چل کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بیچارے جاگیرداروں کی چکی سے نکلے تو سرمایہ داری کے جال میں پھنسے اور اس سے نکلنے کی کوشش کی تو سوشلزم نے انہیں دبوچ لیا۔ (۵۸)

دولت مشترکہ میں شامل 53 ممالک نے مطالبہ کیا ہے کہ IMF اور World Bank میں اصلاحات کے لیے ٹائم فریم طے کیا جائے اور ترقی پذیر ممالک کے قرضے معاف کردیے جائیں۔ دہشت پسندانہ کاروائیوں کو اگر غربت اور محرومی کا ردعمل قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے مزید کہا کہ انتہا پسندی کا فروغ کسی مذہب کے باعث نہیں بلکہ غربت، احساس محرومی اور استحصال کے باعث ہے۔ (۵۹) نائجر، مالی، جنوبی سوڈان، صومالیہ جیسے ممالک تقریباً دوامی قحط کا

شکار ہیں۔ تیسری دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایک سے پندرہ برس کی عمر کے بچے ناقص اور ضرورت سے کم غذاؤں کی وجہ سے آنکھ اور پیٹ کے امراض کا شکار ہیں۔ (۶۰)

معاشی آفاقیت:

معیشت کی عالمگیریت کا مفہوم آزاد تجارت ہے۔ معاشی سرحدوں کو کھول کر بین الاقوامی سطح پر سرمایہ اور مشین کی آمدورفت کو بے روک ٹوک فروغ دینا ہے۔ یہ پوری حکمت عملی امیر ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے لیکن غریبوں کے لیے افادیت کم ہے اور نقصان دہ زیادہ۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ یہ اُمّتِ مسلمہ کے لیے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے۔ (۶۱)

مسلمانوں کو عالمی سطح پر جو چیلنج درپیش ہے اس کا ایک پہلو آفاقیت ہے۔ عالمی ساہوکاروں اور عالمی سرمایہ داریت کے منتظمین نے پوری دنیا کو اپنے شکنجہ میں لینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کے معاشی وسائل پر کنٹرول اور انسانی معاشروں کو مغربی معاشرت و اخلاق کے نمونہ پر ڈھالنا ان کا ہدف ہے۔ عالمی میڈیا عالمگیریت کو خوبصورت بنا کر پیش کر رہا ہے اور انسانیت کو یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ اس کی فلاح و بہبود اسی میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ عالمی استعمار کا دوسرا نام ہے۔ چہرے کو روشن کر کے پیش کیا جارہا ہے اور اندرونی تاریکی کو پوشیدہ رکھا جارہا ہے۔ (۶۲)

معاشی زبوں حالی اور بیرونی قرضے:

اسلامی ترقیاتی بینک (IDB) کی رپورٹ 2006ء کے مطابق مسلم ممالک کے کل بیرونی قرضے 737 ملین ڈالر ہیں۔ جس میں صرف ترکی اور انڈونیشیا میں سے ہر ایک 100 بلین ڈالر بیرونی قرضوں کے ساتھ تمام اسلامی ممالک میں سرفہرست ہیں۔ پاکستان کے بیرونی قرضے اس وقت 37.265 بلین ڈالر ہیں۔ دوسری طرف خوش آئند بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے مجموعی بین الاقوامی ذخائر بشمول سونا جو 1990ء میں 314 بلین ڈالر تھے اضافے کے ساتھ 2004 میں 380 بلین ڈالر ہوگئے ہیں۔ (۶۳) ورلڈ بینک کے مطابق 2002 میں 57 مسلم مالک میں سے صرف 40 ممالک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ تھا اور اس وقت اسلامی ملکوں کے کل 634 بلین ڈالر کے قرضے ان کی گروش نیشنل پروڈکٹ (GNP) کا تقریباً 66 فیصد تھے اور ان میں 80 فیصد قرضے طویل المعیاد جبکہ 20 فیصد یا تو IMF کا کریڈٹ تھا یا پھر مختصر المیعاد قرضے تھے۔ (۶۴)

سود:

سودی قرض کے سرمایے سے صنعت کاری کی تدابیر بتائی جارہی ہیں۔ کوئی دانشور سودی معیشت کو مباح بتارہا ہے تو کوئی پسندیدہ اور کوئی ناگزیر۔ سودی معیشت و اقتصاد کے حق میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت ہورہی ہے۔ قرآن اور احادیث کی سخت تنبیہ اور وعید سے بچنے کے لیے سود اور ربا میں فرق ثابت کیا جارہا ہے۔ دارالاسلام اور دارالکفر کی فرسودہ فقہی بحثیں زندہ کی جارہی ہیں۔ مسلمانانِ ہند پر خارجی اور داخلی ہر دو سطح سے ان کی ''معاشی پسماندگی'' کے اعداد و شمار کی

یورش ہے اور اس کے ساتھ ''دولت مندی'' اور انتہائی دولت مندی کی حرص و آز کی تیز و تند لہریں ہیں۔ جس کے نتیجے میں خدا پرستانہ تعبیر کمزور پڑ رہی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستانہ تعبیر کو فروغ مل رہا ہے۔ (۶۵) مسلم ممالک کی داخلی معیشت پر بین الاقوامی سودی اداروں کا اثر نمایاں ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک صرف قرض اور نام نہاد امداد نہیں دیتے بلکہ قرض داروں کی پالیسی اور ضوابط کو کنٹرول کرتے ہیں۔ ملکی معیشت کی تشکیل نو کی شرائط عائد کرتے ہیں۔ یہ معاشی استعمار کا دور ہے۔ سودی سرمایہ پرستی نے جو کلچر فروغ دیا ہے وہ مروت، انسانیت، شفقت اور باہمی خیر خواہی کا کلچر نہیں ہے بلکہ بے رحمانہ مسابقت کا کلچر ہے حرص و آز کا کلچر ہے۔ (۶۶)

اسلامی ممالک کے وسائل پر ناحق اور بہیمانہ تسلط:

مغربی دنیا اور امریکہ کی نظریں کافی عرصہ سے اسلامی دنیا کے وسائل بالخصوص تیل کے وسائل پر جمی ہوئی ہیں۔ اسی محرک کی وجہ سے انہوں نے اسلامی ممالک میں اپنی فوجوں کو لاکر ڈیرے ڈال لئے ہیں۔ عراق کے خلاف موجودہ کارروائی کے پیچھے بھی یہی محرک کام کر رہا تھا۔ (۶۷) امریکی عوام دنیا میں تیل کے سب سے بڑے صارفین ہیں جو مجموعی پیداوار کا لگ بھگ 27 فیصد تیل خود استعمال کر لیتے ہیں اور باقی 63 فیصد تیل پر دنیا کی آبادی کے معاملات کا دارومدار ہے۔ امریکہ کے لیے یہ بھی کسی چیلنج سے کم نہیں ہے کہ یورپی ممالک، چین، جاپان، ایشین ٹائیگرز سمیت دیگر ترقی پذیر ممالک بھی تیل کی فراہمی کے حصول کی دوڑ میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ (۶۸) ۱۹۵۸ء میں امریکی صدر آئزن ہاور نے اپنے ادارہ نیشنل سیکورٹی کونسل سے یہ سوال کیا کہ مشرق وسطی کے لوگ ہم سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔ این ایس سی نے جواب دیا:

> "They believe that the United States is seeking to protect its interest in near East Oil by supporting the statusquo and opposing political or economic progress. (69)

نوم چومسکی اپنے مضمون میں لکھتا ہے کہ ''11 ستمبر کے واقعات کے بعد عرب دنیا میں جو سروے کیا گیا اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو وجوہات آئزن ہاور کے زمانہ میں امریکہ سے نفرت بارے میں موجود تھیں وہ آج بھی اسی طرح درست ہیں۔'' (۷۰) انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں معلومات کا پوشیدہ رہنا ممکن نہیں لہذا جب یورپی اور مغربی دنیا کی خوشحالی اور بلند معیار زندگی لوگوں کے سامنے آتا ہے تو اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے ان میں غصہ اور اشتعال پیدا ہوتا ہے اور انہیں یہ باتیں مہمیز کرتی ہیں کہ مغرب کی ترقی و خوشحالی بعض مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ اور ان کا استعمال ہے۔ (۷۱)

جغرافیائی سرحدوں کی تبدیلی کی مغربی سازشیں:

برطانوی نژاد امریکی پروفیسر برنارڈ لیوس جس کو اسلامی تاریخ اور مشرق وسطی کے معاملات پر عبور حاصل تھا 1975ء میں ایک خطرناک منصوبہ لیکر سامنے آیا۔ پروفیسر لیوس نے اپنے منصوبے میں مشرق وسطی کی سرحدوں میں

تبدیلیاں لانے، مسلم ممالک کو آپس میں لڑانے، اسرائیل کو مشرق وسطیٰ میں مغربی مفادات کے نگران کے طور پر مزید طاقتور بنانے، کردستان کی ریاست قائم کرنے، افغانستان کو تین، عراق کو تین، بھارت اور پاکستان کو مزید حصوں میں تقسیم کرنے کی تجاویز سمیت مشرق وسطیٰ کے تیل پر اور مسلم ممالک کے قدرتی وسائل پر قبضہ کرکے ان ممالک کو آئندہ آزادانہ حکمت عملی اپنانے کے قابل نہ رکھنے کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ 1975 سے 2006 تک پروفیسر لیوس سے رالف پیٹرز تک مشرق وسطیٰ اور دیگر مسلم ممالک کی جغرافیائی سرحدوں میں تبدیلیوں کی تجاویز اور نقشوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ (۷۲)

انٹرنیٹ پر ''خونی سرحدات'' (Blood Borders) کے عنوان سے شائع ہونے والے مضمون میں مشرق وسطیٰ کے پرانے نقشوں کے ساتھ نئے نقشے شائع کیے گئے ہیں۔ جس میں ایران و پاکستان کے بلوچوں کے نام سے نئے ملک میں ظاہر کیا گیا ہے اور پاکستان کے پختونوں کو افغانستان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ مکہ اور مدینہ کو نئی ریاست کے ساتھ سعودی عرب کو تقسیم، عراق کو شیعہ اور سنی عراق میں تقسیم کرکے نقشے دکھائے گئے ہیں۔ عظیم تر اسرائیل کے نقشے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ جس کے لیے اسلام فرقوں اور قومیتوں کے نام پر خون ریزی کا بازار گرم رکھنے اور اُمّتِ مسلمہ کی وحدت کو مزید پارہ پارہ کرنے کی جامع سازشوں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ (۷۳)

مسلمانوں پر مغربی تہذیبی و ثقافتی یلغار:

آج جب کہ مغرب، مسلسل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طبل جنگ بجا رہا ہے اور دنیا کو مستقبل میں اسلام اور مغرب کے درمیان ایک زبردست تہذیبی معرکہ برپا ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنی طرف سے اس جنگ کے لیے پوری تیاریاں بھی کر رہا ہے اور جو کچھ پیش قدمی اس وقت کرنا ممکن ہیں وہ بھی کر رہا ہے۔ (۷۴)

مغربی اور اسلامی نظام تعلیم و مقاصد تعلیم کا مسائل اور فرق:

مغرب نے پچھلی تین صدیوں میں عالم اسلام میں جو تباہی مچا رکھی ہے اس کے مختلف پہلو ہیں۔ ہر پہلو اپنی جگہ اہم ہے۔ سیاسی مسئلہ ہو یا معاشی، فکری ہو یا ثقافتی، اخلاقی ہو یا معاشرتی ہر جگہ مغرب کی فسوں کاری کارفرما نظر آتی ہے۔ لیکن تخریبی قوتوں کا جس میدان میں شدید حملہ ہوا وہ تعلیم کا میدان ہے۔ اس میدان میں فکر و نظر، ایمان و یقین، اخلاق و عقیدہ، آداب و تہذیب غرض ہر وہ چیز جو ہماری شناخت کا پتہ دیتی تھی اور جس میں ہمری زندگی کا بقا مضمر تھی سب کچھ ہی اس کی زد میں آ گئے۔ لارڈ میکالے کا وضع کردہ تعلیمی نظام نے جس بگاڑ کو جنم دیا ہے اس کی گرفت آج بھی ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی پر قائم ہے۔ (۷۵)

مغربی تعلیم کا مقصد مادی سہولتیں، مادی آسائشیں ہیں مغربی تعلیم کا مقصد خود غرضی ہے حتیٰ کہ بسا اوقات معاشرہ کے مفادات بھی پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ ''میکالے'' فلسفہ تعلیم پر مبنی موجودہ نظام تعلیم کا مقصد اقبال کے الفاظ میں ''دو کف جو'' کا حصول ہے اس سے شکم کی تسکین تو ہو سکتی ہے مگر دل و دماغ تو بدستور تشنہ رہتے ہیں۔ مغرب کے غلبہ نے اسلامی تعلیم کا مقصد ذہنوں سے مٹایا نہیں تو دھندلا ضرور کر دیا ہے اسلیے آج اسلام کے مقصد تعلیم کی وضاحت کی ضرورت

ہے اور اسے عام کرنے کی ضرورت ہے۔ (۷۶) پورے عالم اسلام میں سالانہ پی ایچ ڈی کی تعداد 600 ہے جبکہ اکیلے برطانیہ میں ان کی تعداد 2000 ہے۔ (۷۷)

حصولِ تعلیم کی شرح:

اقوام متحدہ نے انسانی ترقی کے ترتیبی مقام (Human Development Index Rank-(HDI)) کے حوالے سے اپنی رپورٹ شائع کی جو آبادی، شرح خواندگی، مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلیمی تناسب اور حکومتوں کی جانب سے مہیا کردہ تعلیم اور صحت سے متعلق سہولتوں کے حوالے سے تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق دنیا کے 178 ممالک میں سے صرف 6اسلامی ممالک ایسے ہیں جو رپورٹ کے اعلیٰ مقام پر آتے ہیں۔ اپنے عوام کو بہتر سہولتیں اور اپنے وسائل کو کافی حد تک بہتر طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ 22اسلامی ممالک درمیانی سطح اور باقی 23 ممالک ترقی کے بالکل نچلے معیار پر ہیں۔تعلیم پر خرچ کے ضمن میں بھی اسلامی ممالک کی صورتحال نہایت افسوس ناک ہے۔ تین چوتھائی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو اپنے بجٹ کا 4 فیصد بھی تعلیم پر خرچ نہیں کرتے۔ اس وقت او آئی سی ممالک میں 380 جامعات ہیں جبکہ صرف ٹوکیو میں 120 جامعات پائی جاتی ہیں اور پورے جاپان میں جامعات کی کل تعداد 1000 ہے۔(۷۸)

مخلوط نظامِ تعلیم کی اخلاقی خرابیاں:

تعلیم کا ایک اہم مسئلہ مخلوط تعلیم بھی ہے جو دن بدن قبولیت عام حاصل کر رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی بدولت فحاشی، عیاشی اور جنسی کشش جتنی عام ہوئی ان لعنتوں کے پنپنے کے مواقع کھلے عام پیدا کیے جا رہے ہیں۔(۷۹) مخلوط تعلیمی نظام کلیسائی نظام تعلیم کی پیداوار ہے۔ اسلام کے کسی دور میں اس کا وجود نہیں ملتا۔ (۸۰) مرد و عورت بالغ ہوں یا قریب البلوغ ہوں، جنہیں فقہاء کی زبان میں مراہق کہا جاتا ہے ان کا آپس میں اختلاط شرعاً سخت گناہ ہے۔ بے پردہ ہو کر کسی عورت کا کسی نامحرم مرد کے سامنے آنا سخت ممنوع ہے۔حضور اکرمﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ'' عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے'' (۸۱)

جس ادارے میں بالغ طلبہ و طالبات مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہاں کسی مرد یا عورت کو کام کرنا شرعاً جائز نہیں۔ استاد ہونے کی حیثیت سے عورتوں پر نظر ڈالنا اور بے حجاب ہو کر سامنے آنا درست نہیں۔حضور اکرمﷺ کی خدمت میں مسائل پوچھنے کے لیے عورتیں آتی تھیں تو پردے کے پیچھے سے پوچھتی تھیں۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (۸۲)

سیرت طیبہﷺ سے حاصل رہنمائی میں درپیش مسائل وچیلنجز کا تدارک:

دوسری جنگ عظیم کے دوران برنارڈ شاہ نے مفکرین کی طویل بحثیں سننے کے بعد کہا کہ'' اگر آج محمدﷺ آجائیں تو دنیا کے مسائل کو حل کرنے میں اتنی دیر نہیں لگائیں گے جتنی کہ میں اس چائے کے کپ کو خالی کرنے میں لگاتا ہوں۔ (۸۳)

اقتصادی استحکام کی ذمہ داریاں ار اُس کے فوائد:

معیشت ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، ہمیں اس استحکام کو حاصل کرنے کے لئے عوام کے لئے چھوٹے قرضے اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے چاہئیں جن عرب ممالک نے اپنا پیسہ مغرب کے بینکوں میں رکھا ہوا ہے۔ انہیں چاہئے مسلم بینکوں اور مسلم ملکوں میں منتقل کریں اور ایسے کاموں میں لگائیں جس سے مسلم بینکوں اور ملکوں کی پوزیشن بہتر ہو اور آئی ایم ایف جیسے استحصالی اداروں سے قرض لینے کا تعلق محدود یا بالکل ختم کر دیا جائے اسلام نے دو باتوں کی تعلیم دی ہے، پہلی خود انحصاری دوسری سادگی جسے اپنائے بغیر استحکام ممکن نہیں۔ مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں معاش کا مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے حکومت کا کام ہے وہ خیال رکھے، جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے اور پاک صاف اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل ہے۔(۸۴) قرآن کریم نے چار باتیں پیش کی ہیں، زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے۔(۸۵) دن معاشی دوڑ دھوپ کے لئے ہے۔(۸۶) معاشی پیداوار کا ارتکاز نہ ہو، سب کو ملے۔(۸۷) خوشحالی میں خدا کو یاد رکھے، ورنہ معاش کا دائرہ تنگ ہو جائے گا۔(۸۸) ہر انسان پر لازم کیا گیا کہ وہ معاشی ذرائع تجارت صنعت، حرفت، ملازمت کے ذریعہ ضروریات زندگی حاصل کرے۔(۸۹) انقلابات زمانہ سے ۱۲ ارب ڈالر پاکستان میں محفوظ ہیں پاکستان اگر انہیں یورو میں تبدیل کر لے تو مستقبل کے متوقع خسارہ سے محفوظ رہے گا، نصف رقم سے قرض ادا کر دے، ۲۵ر فیصد سے نوجوان کو چھوٹے قرض مہیا کر دے اور ۲۵ فیصد توازن ادائیگی وخسارہ کے لئے محفوظ رکھے اور مسلم ممالک میں اسلحہ کی کھپت پیدا کرے، اسطرح لامحدود زرمبادلہ میں اضافہ ہوگا اور ساری اُمّتِ مسلمہ ہماری سیادت وقیادت میں جمع ہو جائے گی۔

رفاہی اداروں کے قیام اور خدمت کی ذمہ داری:

اپنے لئے تو ہر جانور بھی جیتا ہے یہ جینا بھی کوئی جینا ہے۔ جینا ہے تو خلق خدا کے لئے جیو خلق خدا کی خدمت کرو، خود انحصاری اور خود کفالت کی عملی صورت یہ ہے کہ عوام کی خدمت کے لئے زیادہ سے زیادہ رفاہی ادارے قائم کئے جائیں، آج ہمارے ان اداروں اور ان میں کام کرنے والے رضا کاروں، ڈاکٹروں پر القاعدہ کا نام لے کر پابندی لگائی جا رہی ہے، گرفتاریاں کی جا رہی ہے۔ ان کے اثاثے ضبط کئے جا رہے ہیں تاکہ عالمی نظام کا نفاذ آسان ہو جائے۔ ہمیں دس روپے دے کر دس جگہ ڈھنڈورا پیٹیں۔ ہم پر ظلم کریں اور اگر ہم اپنے بھائیوں کے زخم پر مرہم رکھیں تو وہ بھی نہ رکھنے دیا جائے، اس بین الاقوامی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں زیادہ سے زیادہ رفاہی ادارے قائم کرنا ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: والله فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیه ''جب بندہ اپنے بھائی کی خدمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔'' (۹۰) اسی طرح جو اپنے بھائی کے مسائل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مسائل حل کرتا ہے۔(۹۱) جو اپنے بھائی کی مشکل دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مشکل دور کرتا ہے۔(۹۲) آپ ﷺ نے فرمایا: من قضٰی لأ خیه حاجة کان بمنزلة من خدم الله عمره ۔(۹۳) اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنا ایسا ہے جیسے ساری عمر اللہ تعالیٰ کی

خدمت کرنا ہے۔ حالی نے کیا خوب کہا ہے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا	مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا	وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ	یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

محکمہ نصاب و نظام تعلیم اور اداروں کا قیام:

علم انسانیت کی معراج، معرفت حق کا زینہ، روحانی اور مادی ترقی کا سرچشمہ، دینی و دنیوی کمال کو اوج ثریا تک پہنچانے کا مؤثر ذریعہ، دنیاوعقبیٰ کی کامیابی کا موجب تہذیب وثقافت کی روح رواں، انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور ذہنی قوتوں کی نشوونما کا واحد ذریعہ ہے۔ قرآن کریم نیا آپؐ کے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد ہی تعلیم کتاب وحکمت بیان کیا ہے۔(۹۴) اس موضوع پر اردو عربی انگریزی میں کئی ہزار کتب لکھی گئی ہیں۔(۹۵) علم ہی وہ صفت ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دیگر پر فضیلت دی۔(۹۶) اسی علم کی بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت منگوایا۔(۹۷) اسی کی بدولت عام انسانوں کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔(۹۸) آپ ﷺ نے اس کی اہمیت کو نمایاں کرنے کے لئے فرمایا **انما بعثت معلما** (۹۹) میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور علماء میرے وارث ہیں۔(۱۰۰) آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مسجد کی تعمیر کی جس میں مدرسہ کا اجراء فرمایا، مکہ مکرمہ میں تین خفیہ درسگاہیں تھیں۔ (۱۰۱) مدینہ میں درسگاہ صفہ کے علاوہ تین مساجد بنی زریق، قباء بقیع الخضمات میں تعلیمی ادارے قائم کئے۔(۱۰۲) یہ سلسلہ پھیلتا گیا، حتی کہ بقول قاضی اطہر مبارکپوری نوے درسگاہیں قائم ہوگئیں۔(۱۰۳) اور ان درسگاہوں میں اس زمانہ کے جدید علوم کے ساتھ جدید زبانیں سیکھنے کی ترغیب بھی دی گئی، ہمیں بھی چاہئے عہد حاضر کے علوم و ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ بہترین ادارے قائم کریں اور علم کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کریں، آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِی وَزِدْنِیْ عِلْماً۔(۱۰۴) اے اللہ مجھے جو علم عطا کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرما اور جو علم فائدہ پہنچانے والا ہو وہی مجھے عطا فرما اور میرے علم میں اضافہ فرما۔

عسکری طاقت میں اضافے کا قرآنی ونبوی وطیرہ پر عمل:

ملیشیا کے سابق وزیراعظم مہاتیر محمد نے اسلامی دنیا پر زور دیا ہے کہ وہ یہودیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنے قوت بازو کے علاوہ عقل کا بھی استعمال کریں کیونکہ یہودی ان کے بقول دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی علوم پر بھی توجہ دیں کیونکہ ہمیں بندوقیں، توپیں، بم، جہاز، طیارے اور ٹینک اپنے دفاع کے لیے درکار ہیں۔(۱۰۵)

اسلامی علمی تراث، روایات اور تہذیب کا احیاء:

مسلمان ممالک کو پوری سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اپنے ہاں اسلامی تہذیب کے احیاء اور فروغ کی فکر اور کوشش

کرنی چاہیے۔ آج تہذیبی میدان میں ہم بڑے عظیم خطرات سے گھیرے ہوئے ہیں اور یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کو مضبوط تر کیا جائے اور غیر مسلم تہذیبوں کو بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے مضبوط بند باندھے جائیں۔ (۱۰۶)

تعلیمی مسائل کا حل

مشترک اور متوازن نظام تعلیم کا قیام:

نظام تعلیم کا مسئلہ تمام مسلمان ممالک کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ تمام ہی مسلمان ممالک میں مختلف اور متضاد نظام تعلیم چل رہے ہیں۔ اس پر مشنری تعلیمی ادارے مستزاد ہیں جو ایک تیسرا ہی عنصر ہمارے معاشروں میں پیدا کر رہے ہیں اور استعماری طاقتوں کے لیے مفید مطلوب عناصر تیار کر رہے ہیں۔ (۱۰۷) فکری یلغار نے اسلام کے تصور علم پر کاری ضرب لگائی ہے جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف وتعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریہ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصد عین، خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ (۱۰۸) یورپ نے عربوں سے تہذیب حاصل کی یورپ میں عربوں کے علوم سپین، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پہنچے اگر عربوں کا نام یورپ کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یورپ کی نشاۃ ثانیہ سو سال پیچھے جا پڑتی ہے۔ (۱۰۹)

سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کا حصول:

مسلم طلبہ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کریں۔ یورپ تو اپنے اداروں میں مسلم طلبہ کو ان مضامین میں داخلہ دیتا ہی نہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ مسلم سائنس دان جو نیوکلیئر سائنسز میں ماہر ہیں مسلم ممالک میں اس علم کو فروغ دیں۔ مسلم ممالک کی یونیورسٹیاں یہ تعلیمی ذمہ اٹھاسکتی ہیں کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم میں ایسے قائدین کی ٹیم تیار کریں جو عمرانی اور معاشرتی میدانوں میں ایسے سائنس دانوں کو تیار کریں جن کی اسلامی ممالک کو ضرورت ہے۔ (۱۱۰) اسلامی ممالک نے کروڑوں ڈالر کے اخراجات سے جدید ترین آئل ریفائنری اور پلانٹ نصب کیے ہیں اور دوسری طرف وہ ایک سوئی بنانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ (۱۱۱)

کوئی بھی اسلامی ملک بھاری مشینری بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے لیے انہیں بیرون ملک سے درآمدات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی دنیا کا تعلیم بالخصوص سائنس وٹیکنالوجی سے غفلت برتنا اور انہیں نظر انداز کرنا ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل کا زیادہ حصہ تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں پر صرف کریں۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کے تقاضوں کے تحت جدید تعلیم اور اطلاعاتی تعلیم (Information Technology) کا دائرہ اپنے ملکوں میں وسیع کیا جائے۔ (۱۱۲) اکیسویں صدی کی جنگ صرف اور صرف علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ جیتی جائے گی۔ (۱۱۳) قرون وسطیٰ میں سائنس کی ترقی مسلمانوں کی بدولت تھی۔ (۱۱۴)

غیر ملکی زبانوں کی تعلیم:

مسلمانوں نے ہمیشہ تعلیمات نبویہ ﷺ سے استفادہ کرتے ہوئے جدید علوم وفنون کو حاصل کیا اور اس کے لئے جس زبان کو سیکھنے کی ضرورت پڑی اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔ زید بن ثابتؓ کا سریانی زبان سیکھنا آپ مطالعہ کر چکے مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں، عنایت رسول نے عبرانی سیکھی۔(۱۱۵) بغداد کے عالم زین الدین کو عربی رومی فارسی اور ترکی زبانوں پر عبور تھا۔(۱۱۶) تفضل حسین نے انگریزی اور رومی زبان سیکھی۔(۱۱۷) مخدوم چریا کوٹی نے سنسکرت سیکھی۔(۱۱۸) نصرت علی خاں دہلوی نے فارسی عربی ترکی انگریزی ہندی پانچ زبانیں سیکھیں، شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزی سیکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا۔(۱۱۹) قاضی اطہر مبارکپوریؒ لکھتے ہیں عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاں سیکڑوں غلام تھے ان میں سے ہر ایک الگ الگ زبان میں بات کرتا تھا اور ابن زبیرؓ ہر ایک سے اس کی زبان میں بات کرتے تھے۔(۱۲۰) حضرت حنظلہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے سریانی زبان میں مہارت حاصل کی۔(۱۲۱) اسی طرح البیرونی نے ہندی فلسفہ پر عبور حاصل کرنے کے لیے 43 سالہ عمر میں سنسکرت سیکھی۔

عالمی اسلامی عدالت کا قیام:

مسلمان ممالک مل کر ایک ایسا ادارہ قائم کریں جو ان کے باہمی اختلافات کی صورت میں تصفیہ کرائے یا ثالثی کا کام انجام دے تاکہ مسلم ممالک کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئے۔ اگر ''ہیگ'' میں عالمی عدالت انصاف قائم ہوسکتی ہے تو مسلمان ممالک اس طرح کا کوئی ادارہ کیوں قائم نہیں کرسکتے۔(۱۲۲)

باہمی تجارت کا فروغ اور درآمدات و برآمدات میں خود انحصاری:

مسلمان ممالک کو باہمی تجارت کے فروغ کے مسئلہ پر بھی غور کرنا چاہیے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جو چیز کسی مسلمان ملک سے مل سکتی ہے وہ کسی دوسرے ملک سے ہرگز نہ منگوائی جائے۔(۱۲۳)

اقلیات اسلامیہ کا تحفظ:

سب مسلمان ملکوں کو مل کر مسلم اقلیتوں کو سنبھالنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اس وقت کئی ملکوں میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کیا جارہا ہے اور ان کے قومی تشخص کو ختم کرکے ان کو غالب تہذیب میں ضم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔(۱۲۴)

خود کفالت کی سعی:

جن قوموں میں فقر و فاقہ کو برداشت کرکے اللہ رب العزت کے عطا کردہ وسائل پر انحصار کرنے کا حوصلہ پیدا ہوجاتا ہے تو انقلابات زمانہ ان کے قدم چومتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ ایک مسلم فرد سے لیکر اجتماعی طور پر پوری ملت اسلامیہ کو خودداری اور عزت نفس کا پاسبان دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرد کو تبذیر اور اسراف سے اسی لیے منع فرمایا تاکہ وہ اپنے محدود وسائل میں رہ کر باعزت زندگی گزار سکے اور کسی دوسرے کا دست نگر نہ بنے۔(۱۲۵) اگر خالد بن ولیدؓ زہر کی پڑیا کو منہ میں

ڈال دیتے ہیں، اگر قادسیہ کے غازی اپنے گھوڑے دریا کی لہروں کے سپرد کردیتے ہیں اور فاروق اعظمؓ اکناف عالم میں اسلام کا جھنڈا لہراتے ہیں تو ان کے جسم وجاں میں خون کی طرح توکل علی اللہ کا عقیدہ گردش کرتا ہے۔

آج بھی اگر عمائدین حکومت اپنے نمونہ عمل کے ساتھ توکل علی اللہ پر مبنی خود انحصاری کے جذبے کا عملی نمونہ پیش کریں اور اُمّتِ فرامین قرآن کی روشنی میں ''ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ'' کا نعرہ بلند کرکے قومی تعمیر نو کے عمل میں شب و روز اپنی خداداد صلاحیتوں کو صرف کرے تو یہود و ہنود، کوئی بھی دشمنِ اسلام رحمۃ للعالمینﷺ کی اس اُمّت کے مقابلے میں صف آرا نہیں ہوسکتا۔(۱۲۶)

۱۔ قرآن سے دوری

۲۔ مسلمانوں کے باہمی افتراق

نتائج وخلاصہ:

آج سے چودہ سو سال قبل جب دنیا کفر وضلالت، جہالت و سفاہت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ بطحا کی سنگلاخ پہاڑیوں سے رُشدو ہدایت کا ماہتاب نمودار ہوا اور مشرق ومغرب، شمال وجنوب غرض دنیا کے ہر ہر گوشہ کو اپنے نور سے منور کیا اور ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس اوج ترقی پر پہنچایا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رُشد و ہدایت، صلاح و فلاح کی وہ مشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں سے اس شان و شوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو نا قابل انکار ہے لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستان ہے جس کا بار بار دہرانا، نہ تسلی بخش ہے اور نہ کارآمد اور مفید جبکہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور ہمارے اسلام کے کارناموں پر بدنما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عزت و عظمت، شان و شوکت، دبدبہ وحشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار ہیں لیکن جب ان اوارق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت وخواری، افلاس و ناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں نہ زوروقوت ہے نہ زرو دولت ہے، نہ شان وشوکت ہے، نہ باہمی اُخوت و الفت، نہ عادات اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔ اغیار ہماری اس زبوں حالی پر خوش ہیں اور برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو ناقابل عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب وتمدن کا سبق پڑھایا وہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر تمدن ہے؟ رہنمایان قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالت زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لیے جدوجہد کی مگر'' مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''

آج جبکہ حالت بد سے بدتر ہوچکی اور آنے والا زمانہ ماسبق سے بھی زیادہ پُر خطر اور تاریک نظر آرہا ہے ہمارا

خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابل تلافی جرم ہے لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں، ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس ذلت وخواری کے عذاب میں مبتلا کیے گئے ہیں۔ (۱۲۷)

اُمّتِ مسلمہ جو خیر اُمّت ہے جسے اُمّتِ وسط کہا گیا اور جسے اللہ کے آخری نبی نے قیامت تک اس کائنات کے لیے ''دعوت حق'' کے ابلاغ کا فریضہ سونپ دیا اس وقت تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ اسلامی تہذیب کا اصل مقابلہ مغربی تہذیب سے ہے جو فطرتاً اور اصلاً اسلامی تہذیب وتمدن کی اصل حریف اور ازلی دشمن ہے اور اس خطرناک ترین دشمن کا مقابلہ ہر سطح پر کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر اس اُمّتِ مسلمہ کا عروج عمل صالح، اتحاد، اجتہاد اور جہاد کے بغیر ناممکن ہے اُمّتِ مسلمہ ''خیر اُمّت'' اسی وقت بن سکتی ہے جب اس اُمّتِ کا ہر فرد ہر گروہ اور ہر مکتب فکر رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا مجسم نمونہ بن جائے اور اُمّتِ مسلمہ مجسم قرآن بن جائے اور تاریخ کے اس دور میں واپس پلٹ جائے جب مدینہ کی گلیوں میں رسول اللہ صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ اللہ کی کبریائی کا اعلان کر رہے تھے۔ قرآن کی یہ آیت ترجمہ: ''اے اللہ ہمیں کافروں کے لیے فتنہ نہ بنا'' اُمّتِ مسلمہ کے عہد موجود کی مکمل ترجمانی کرتی ہے۔ (۱۲۸)

یہ اُمّت اور اس اُمّت کا ہر گروہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر خود احتسابی کی اس عظیم الشان نبوی سنت کو زندہ کرے جس نے رسول اللہ کو رحمت للعالمین بنادیا تھا جب تک اس اُمّتِ کے علماء، صلحاء، اتقیاء، فقہاء، صوفیاء، رہنما مجاہدین، مختلف سیاسی، فکری اور انقلابی تحریکیں اپنے نامہ اعمال کا دیانت دارانہ اور منصفانہ احتساب نہیں کریں گی اس اُمّتِ کی تقدیر کبھی نہیں بدل سکتی تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو کس طرح احتساب کے لیے پیش فرمایا۔ (۱۲۹)

اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو ہر طرح کے قومی وسائل پر مکمل اختیارات حاصل ہیں لیکن ملی غیرت حمیت سے محروم اس مفاد پرست طبقے نے قومی وسائل کو زیادہ تر ذاتی خواہشات وتعیشات اور من پسند ترجیحات کے لیے ہی استعمال کیا یہ طبقہ اگر قوم کے نوجوانوں کو اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی فراہم کرتا، موجودہ عصری تقاضوں کے پیش نظر ہر علم وفن میں ملک وملت کو خود کفیل بناتا، دفاعی صلاحیت کو ناقابل تسخیر حد تک ترقی دیتا، باشندگان وطن کے دلوں میں سرفروشی اور فداکاری کا جذبہ جدوجہد روشن کرتا تو کوئی بڑا سے بڑا مخالف بھی کسی اسلامی ملک کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہ کرتا اور آج بے بسی کی وہ حالت نہ ہوتی جس کی دہشت بیٹھی ہوئی ہے یہ صورتحال برقرار رہی تو کہا جاسکتا ہے کہ افغانستان وعراق کے بعد کون کون سے ملک امریکا کی اگلی شکارگاہ بننے والے ہیں۔ (۱۳۰)

ہر وقت زبانوں پر سائنس اور ٹیکنالوجی کی مالا جپنے والے یہ حکمران اور بیوروکریسی کے کل پرزے جواب دیں کہ انہوں نے تعلیم، ٹیکنالوجی، کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسکولوں کے نام پر پچھلے ۶۰ سال کے طویل دورانیے میں کس قدر کھربوں کی دولت لٹائی لیکن نہ تو کوئی معقولی مثالی ادارہ اور نہ ماہرین کی ایسی جماعت تیار کرسکے جو فرعونی اور چنگیزی عزائم کا راستہ روک سکتی یہ بھی کتنا بڑا المیہ ہے کہ یہ حکمران طبقہ اپنے ملکوں میں موجودہ قدرتی وسائل کو کسی بیرونی معاونت ومشاورت کے بغیر استعمال کرنے کی بھی صلاحیت سے محروم ہے کہ ان کے بازوؤں میں اس کی کوئی طاقت ہے اور نہ اس غرض کے لیے درکار علم ودانش کی مطلوبہ استعداد ان کے پاس ہے۔ (۱۳۱)

جب تک عیش پسندی، آرام طلبی اور مغرب پرستی کا کلچر تبدیل نہیں ہوگا اور جب تک سادگی، جفاکشی اور ملی غیرت و حمیت کے جذبات تو احساسات روشن نہیں ہونگے، مسلم عوام کے سروں پر فرعونیت و چنگیزیت کی تلوار لٹکی رہے گی اور ایک ملک کے بعد دوسرا ملک اور دوسرے ملک کے بعد تیسرا ملک جارحیت کا شکار بنتا رہے گا لیکن حکمران طبقہ بھی نشانہ عبرت بننے سے بچ نہیں سکے گا۔ (۱۳۲)

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمانوں بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

بالا سطور کی روشنی میں آخر میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ دنیا و آخرت کا کوئی بھی مسئلہ ہو، ہمارے دین میں اس کا حل موجود ہے۔ دنیا بدل سکتی ہے، زمانے تبدیل ہو سکتے ہیں، تہذیبیں کروٹ لے سکتی ہیں، انسانوں کے مزاج اور طبائع مختلف ہو سکتے ہیں، مگر ہمارے دین میں ہر زمانے کے لیے، ہر طبقے کے لیے، ہر مزاج کے لے، ہر ضرورت کے لیے واضح ہدایات موجود ہیں۔ عبادت ہو یا معاشرت، معیشت ہو یا ثقافت، ہر ایک کے متعلق ہمارے دین میں بغیر کسی ترمیم و تغیر کے احکامات موجود ہیں۔ دنیا آسمان کے اوپر چلی جائے یا زمین کے نیچے ہمارے دین میں اس کے لیے رہنمائی ضرور ملے گی۔

اے راہنمایانِ اُمتِ مسلمہ! اے دانشورانِ عظام! میں اقبال کا یہ پیغام آپ کی خدمت میں پہنچانے کی جسارت کررہا ہوں کہ اپنے گردوپیش کو نہ دیکھیے، اللہ کے باغیوں کی حق پرستوں کو مٹانے کی سازشوں کی پروا نہ کیجئے۔ 'واعدوا لهم ما استطعتم'' کے فرمان رب اور اعمل لدنیاک کأنک تعیش أبداً واعمل لآخرتک کأنک تموت غداً فرمانِ سید الکونین پر عمل کیجئے۔ حب رسول اللہ ﷺ کی شمع کو اپنے سینوں میں فروزاں کیجئے، لا الہ الا اللہ کا صبح و شام ورد کیجئے، اللہ جل شانہ اپنی نصرت و اعانت کا کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ (وما علینا الا البلاغ)

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الشعراء، آیت ۱۹۴، ۱۹۵۔ ۲۔ دکتور محمد بکر اسماعیل، ''دراسات فی علوم القرآن''، دار المنار للطباعة والنشر والتوزیع، ۹ شارع الباب الأخضر، میدان الحسین القاھرہ مصر، اشاعت اول ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۲۔ ۳۔ ڈاکٹر عبد الکریم زیدان، ''اصول الدعوۃ''، مطبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، اشاعت ۳، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۵۲ وما بعد مزید سید شمس الحق افغانی ''علوم القرآن''، امجد اکیڈمی ۴۰ اُردو بازار لاہور، سن اشاعت درج نہیں صفحہ ۶۷۔ ۴۔ سورۃ الحجر، آیت ۹۔ ۵۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰ (کنتم خیر أمة أخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر)۔ ۶۔ مفتی محمد تقی عثمانی، ''آنحضرت ﷺ کا انداز تعلیم و تربیت اور اس کے انقلابی اثرات''، کراچی، ماہنامہ البلاغ، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۔ ۷۔ شکیل رشید، ''یورپ اور امریکہ میں تیزی سے اسلام پھیلنے کا سبب بن گیا''، مزید تفصیل کے لیے http://www.alhayat.com/

حیدر آباد دکن، روزنامہ مصنف / ۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۸۔ راؤ پرویز علی رضا، ''اسلام انتہا پسندی کا نہیں۔ شائستگی کا دین ہے''، کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ / ص ۶۔ ۹۔ سورۃ النساء، آیت ۱۔ ۱۰۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۳ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ''صحیح مسلم''، باب حجۃ النبی ﷺ، جلد ۱، حدیث ۳۹۷، صفی الرحمان مبارکپوری، ''الرحیق المختوم''، دار الریان للتراث، شارع الھرم، قاھرہ مصر، سن اشاعت ۱۹۸۸ء، طبع ششم، صفحہ ۵۴۳۔
۱۱۔ http://encarta.msn.com/encyclopedia_761564344 _1/Terrorism.html
۱۲۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Fundamentalism ۱۳۔ علامہ جلال العالم، مترجم: قاضی ابوسلمان محمد کفایت اللہ، ''اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں''، لاہور، دار ابلاغ پبلیشرز ۲۰۰۵ء، صفحہ ۹۰۔ ۱۴۔ ایضاً، صفحہ ۱۱۷۔ ۱۵۔ علامہ جلال العالم، معرکۃ المصیر، بیروت، صفحہ ۹۴۔ ۱۶۔ علامہ جلال العالم مترجم قاضی ابوسلمان محمد کفایت اللہ / اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں''، صفحہ ۹۸۔ ۱۷۔ علامہ جلال العالم، التبشیر و الاستعمار، بیروت، صفحہ ۱۸۴۔ ۱۸۔ علامہ جلال العالم، الاسلام و التنمیہ الاقتصادیہ، بیروت، صفحہ ۵۶۔ ۱۹۔ جذور البلاء، صفحہ ۲۰۲۔ ۲۰۔ خرم مراد، ''اسلام اور مغرب میں کشمکش''، لاہور، منشورات، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۴۔ ۲۱۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز احمد / مذاہب عالم میں تصور خدا''، لاہور، دار النوادر، ۲۰۰۵، صفحہ ۶۷۔ ۲۲۔ پروفیسر علی اوسط صدیقی، ''اسلامی نظام تعلیم و نظریہ پاکستان''، کراچی، طاہر سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲۔ ۲۳۔ محمد ارشد، ''اشاعت اسلام اور تلوار''، کراچی، ماہنامہ بینات، اپریل ۲۰۰۳ء، صفحہ ۲۱۔ ۲۴۔ A.S. Tritton/ ISLAM/ London / 1951 / Page 21 ۲۵۔ پروفیسر حسن الدین ہاشمی، ''اسلامیات''، کراچی، رشید اینڈ سنز، ۱۹۹۶ء، صفحہ ۶۳۔ ۲۶۔ De Lacy O'Leary/ISLAM AT THE CROSSROADS/London/1923/P.8 ۲۷۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز احمد / مذاہب عالم میں تصور خدا / لاہور / دار النوادر / ۲۰۰۵ / ص ۷۷۔ ۲۸۔ T.W.Arnold/Preaching of Islam/London/1913/Page 51 ۲۹۔ مفتی عبدالرؤف سکھروی / توہین رسالت / کراچی / ماہنامہ بینات / اپریل ۲۰۰۶ء / ص ۱۸۔ ۳۰۔ پروفیسر خورشید احمد / توہین آمیز خاکے / لاہور / قومی پریس / مارچ ۲۰۰۶ء / ص ۹۔ ۳۱۔ www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2006/09/Printable /060201_france_cartoon_si.shtml ۳۲۔ خرم مراد، ''مغرب اور اسلام میں کشمکش''، لاہور، ۲۰۰۶ء، منشورات، صفحہ ۹۔ ۳۳۔ محمد کاشف شیخ، ''اسلامی قوانین مغرب کے نشانے پر'' کراچی، روزنامہ جنگ، ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۵۔ ۳۴۔ قاری عبدالوحید قاسمی، '' کیا توہین رسالتؐ نام نہاد آزادی صحافت کا حصہ ہے؟'' کراچی ہفت روزہ ختم نبوت، ۸ تا ۱۵ اپریل ۲۰۰۶ء، صفحہ ۹۔ ۳۵۔ مولانا چراغ علی (مرحوم)، ''جہاد دہشت گردی یا دفاع''، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۲۱۔ ۳۶۔ مولانا عبدالحق بی اے، ''مقدمہ تحقیق الجہاد''، لاہور، مثال پبلیشنگ، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۲۵۔ ۳۷۔ www.bbc.co.uk/urdu/pakistan/story/2006/09/printable /060914_pope_criticism_shtml ۳۸۔ پروفیسر شمیم اختر / اسلام کے خلاف پوپ کی ہرزہ سرائی / کراچی / ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل / ۲۲ ستمبر ۲۰۰۶ء ص۔ ۳۹۔ http://www.hrcp-web.org/report _ncsw.cfm ۴۰۔ محمد کاشف شیخ / اسلامی قوانین مغرب کے نشانے پر / کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۵۔
۴۱۔ http://www.state.gov/g/drl/rls/irf/2005/51621.htm
۴۲۔ www.bbc.co.uk/urud/regional/story/2003/printable/031211_fracne_headscarf_na.shtml
۴۳۔ www.bbc.co.uk/urud/news/story/2003/12/printable/0312120_hijab_france_sen.shtml
۴۴۔ www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2004/o4/prin

table/040401_scarf_ban_germany_uj.s
www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2004/01/prin-۴۵
www.bbc.co.uk/urdu/ -۴۶ table/040121_Scarf_beard_na.shtml
regional/story/2004/04/Printable/040427_Soccer_scarf_na.shtml)
able/-4-331 www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2004/03/Print-۴۷
/regional/story/2005/11/Prin www.bbc.co.uk/urdu -۴۸ _headscarf_us_na.Shtml
table/051110 turkey Scarf Sen.shtml
/10/Printable061005 www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2006-۴۹
۵۰۔ ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت / لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۲۸۔ _straw_reaction_fz.shtml
۵۱۔ مولانا عمر و فاروق لوہاروی / عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا / کراچی / ماہنامہ بینات / جون ۲۰۰۵ء / ص ۲۱۔ ۵۲۔ مولانا سعید احمد جلال پوری / مغربی میڈیا کی یلغار / کراچی / ماہنامہ بینات / فروری ۲۰۰۵ء / ص ۳۔ ۵۳۔ قاری عبدالوحید قاسمی / کیا توہین رسالت ﷺ نام نہاد آزادی صحافت کا حصہ ہے؟ / کراچی / ہفت روزہ ختم نبوت / ۸ تا ۱۵ اپریل ۲۰۰۶ء / ص ۹۔۱۰)۔ ۵۴۔ مفتی عتیق الرحمان / ذرائع ابلاغ کی جنگ اور اسلام / کراچی / ماہنامہ بینات / اپریل ۲۰۰۳ء / ص ۴۱۔ ۵۵۔ مفتی عتیق الرحمان / ذرائع ابلاغ کی جنگ اور اسلام / کراچی / ماہنامہ بینات / اپریل ۲۰۰۳ء / ص ۴۴۔ ۵۶۔ راؤ پرویز علی رضا / اسلام انتہا پسندی کا نہیں۔شائستگی کا دین ہے / کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۶۔ ۵۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمان / دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر / ۲۰۰۴ء / ص ۱۹۷۔ ۵۸۔ بابر سلیمان / دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر / ۲۰۰۴ء / ص ۵۲۳۔ ۵۹۔ اداریہ / روزنامہ خبریں / کراچی / ۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۱۰۔ ۶۰۔ ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت / لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۱۰۔ ۶۱۔ ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت / لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۳۳۔۳۴۔ ۶۲۔ ڈاکٹر خالد علوی / اسلام اور عالمگیریت / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی / ۲۰۰۶ء / ص ۵۔ ۶۳۔ apter-1-1426H.pdf http://www.isdb.org/31Annualreport/ch ۶۴۔ ڈاکٹر مرزا اختیار بیگ / مسلم ممالک کے بیرونی قرضوں کا حجم / کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء / ص ۵۔ ۶۵۔ محمد زین العابدین منصوری / فکری یلغار / لاہور / ماہنامہ ترجمان القرآن / ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۵۹ مزید ڈاکٹر سید محمد طنطاوی شیخ الازہر "معاملات البنوک"۔ ۶۶۔ ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت / لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۵۴۔ ۶۷۔ محمد نسیم خان / دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور، زکوۃ و عشر / ۲۰۰۴ء / ص ۲۵۲۔ ۶۸۔ ظفر محی الدین / تاریخ کا انصاف اور امریکہ / کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۶۔ ۶۹۔
Naom -۷۰ www.newsfrombabylon.com/Iraq/Propagnad_and_why _do_they_hate_us.html/
-۷۱ www.Guardian.co.uk Chomsky/Drain the Swamp and there will no more Mosquitoes/
اداریہ / روزنامہ خبریں / کراچی / ۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۱۰۔ ۷۲۔ ظفر محی الدین / تاریخ کا انصاف اور امریکہ / کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۶۔ ۷۳۔ www.armedforcesjournal.com ۷۴۔ خرم مراد / مغرب اور اسلام میں کشاکش / لاہور / منشورات / ص ۲۔ ۷۵۔ سلمیٰ بی بی / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ء / ص ۴۵۸۔

۷۶۔ پروفیسر سید محمد سلیم / اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات و افکار / لاہور / ادارہ تعلیمی تحقیق / ۱۹۸۹ء / ص ۱۴۰۔ ۷۷۔ ارشاد احمد حقانی / عالم اسلام کی تعلیمی زبوں حالی / روزنامہ جنگ / کراچی / ۲۱ اپریل ۲۰۰۲ء۔ ۷۸۔ http://www.maxwell.syr.edu/maxpages/faculty/ gmbonham/2000-Fall-IR-Projects/ebsite-Group/ICN/Copy%20of%20ICNweb/Conflict%20Resolution%20P..htm ۷۹۔ مسز طاہرہ منہاس / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ / ص ۳۶۲ ۔۸۰۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ / ص ۱۸۔ ۸۱۔ ترمذی شریف۔ ۸۲۔ منظور الحسن صاحب / مخلوط تعلیم اور اسلامی نقطہ نظر / قلمی مذاکرہ (مقالہ) صفحات ۴۷۔۴۹۔ ۸۳۔ جمیل احمد خان / بصیرت کامل / کراچی / ۲۰۰۱ء / ص ۳۱۔ ۸۴۔ حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، ص/ ۳۹۹۔ ۸۵۔ سورۃ الحجر ۱۵/ ۲۰۔ ۸۶۔ سورۃ النباء، ۷۸/ ۱۱۔ ۸۷۔ سورۃ الزخرف ۴۳/ ۳۲۔ ۸۸۔ سورۃ طٰہٰ ۲۰/ ۱۲۴۔ ۸۹۔ حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ص/ ۴۰۳۔ ۹۰۔ سنن ترمذی کتاب البر والصلة باب ماجاء في السترة على المسلم، ۴/ ۳۲۶۔ ۹۱۔ القشیری، مسلم بن حجاج صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم ظلم المسلم، ۷/ ۱۱، اور صحیح بخاری کتاب المظالم باب لایظلم المسلم، ۳/ ۹۸، ۹۲۔ ۹۲۔ السیوطی، جلال الدین، جامع الصغیر، بیروت دار المعرفة، ۱۳۹۱ھ، ص/ ۱۷۹۱، ج/ ۲۔ ۹۳۔ ایضاً۔ ۹۴۔ سورۃ الجمعۃ/ ۲، سورۃ آل عمران/ ۱۶۴، سورۃ بقرہ/ ۱۲۹۔ ۹۵۔ دیکھیے مقالہ شیر نوروز خان اسلام اور تعلیم کتابیات سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، ج/ ۳۷ ش/ ۱/ جولائی ستمبر ۱۹۹۹ء۔ ۹۶۔ سورۃ بقرہ/ ۳۳ اور ۳۳۔ ۹۷۔ سورۃ النمل/ ۴۰۔ ۹۸۔ سورۃ المجادلۃ/ ۱۱، اور ۴۲۔ ۹۹۔ ابن ماجه، ابو اعبدالله محمد بن یزید سنن ابن ماجة بیروت دارالحیاء التراث العربی ۱۳۹۵، ص/ ۸۳، ج/ ۱، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم. ۱۰۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث صحیح سنن أبوداؤد محمد ناصر الدین البانی مکتبة العربية الدول الخليج ۱۴۰۹ھ، ص/ ۲۹۴، ج/ ۲، حدیث نمبر ۹۶، اور صحیح البخاری، ص/ ۱۸۹، ج/ ۱۔ ۱۰۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل صحیح البخاری کتاب الکفالة باب جوار أبي بكر اور سیرت بن ہشام، ص/ ۳۴۴، ج/ ۱، اور سیرت طیبہ ص/ ۳۰۱، ج/ ۱۔ ۱۰۲۔ ابن حجر عسقلانی الاصابة في تمیز الصحابة، ص/ ۹۰، ج/ ۲، فتوح البلدان لبلاذری، ص/ ۱۵۶، اور ۴۵۹، اور سیرت ابن ہشام، ص/ ۴۳۴، ج/ ۱۔ ۱۰۳۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر والقرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ص/ ۱۴۶ تا ۳۳۴۔ ۱۰۴۔ الترمذی، سنن الترمذی بیروت دارالکتب العلمیة، ۱۴۰۸ھ، حدیث نمبر ۳۵۹۹۔ ۱۰۵۔ ww.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2003/10/Printable/031016_mahathir_speech_fz.s ۱۰۶۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی / عصر حاضر میں اُمتِ مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل / لاہور / ادارہ معارف اسلامی / ۱۹۹۸ء / ص ۹۵۔ ۱۰۷۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی / عصر حاضر میں اُمتِ مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل / لاہور / ادارہ معارف اسلامی / ۱۹۹۸ء / ص ۹۵۔ ۱۰۸۔ محمد زین العابدین / فکری یلغار / لاہور / ماہنامہ ترجمان القرآن / ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۵۸۔ ۱۰۹۔ گستاؤلی بان مترجم سید علی بلگرامی / تمدن عرب / لاہور / ص ۵۱۳۔ ۱۱۰۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ / ص ۲۰۔ ۱۱۱۔ جنگ مڈویک میگزین / کراچی / ۲ دسمبر ۲۰۰۱ / ص۔ ۱۱۲۔ پروفیسر عبدالرزاق / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ / ص ۲۰۴۔ ۱۱۳۔ قاضی محمد مطیع الرحمٰن / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ / ص ۲۸۸۔ ۱۱۴۔ ڈاکٹر ڈریپر مترجم مولانا ظفر علی خان / معرکہ منصب و سائنس / لاہور / ۱۹۹۸ء / ص ۲۳۱۔ ۱۱۵۔ گیلانی، مولانا مناظر احسن، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، ج/

۲،ص/۴۰۔ ۱۱۶۔ ایضاً،ص/ ۴۰۔ ۱۱۷۔ ایضاً ۔ ۱۱۸۔ ایضاً،ص ۴۱۔ ۱۱۹۔ ایضاً، ج ۱،ص ۳۶۳۔ ۱۲۰۔ مبارکپوری، قاضی اطہر خیر القرون کی درسگاہیں،ص ۱۳۰۔ ۱۲۱۔ محمد عبد المعبود، مولانا، عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ تعلیم،ص ۷۱۔۷۲۔ ۱۲۲۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رعصر حاضر میں اُمّت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل ر لاہور ر ادارہ معارف اسلامی ر۱۹۹۸ء رص ۹۶۔ ۱۲۳۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رعصر حاضر میں اُمّت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل ر لاہور ر ادارہ معارف اسلامی ر۱۹۹۸ء رص ۹۸۔ ۱۲۴۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رعصر حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل ر لاہور ر ادارہ معارف اسلامی ر۱۹۹۸ء رص ۹۸۔ ۱۲۵۔ ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن رخود انحصاری۔۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ر کراچی ر ماہنامہ مسیحائی (ہادی اعظم نمبر) ر اپریل ۲۰۰۵ء رص ۱۶۳۔ ۱۲۶۔ ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن رخود انحصاری۔۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ر کراچی ر ماہنامہ مسیحائی (ہادی اعظم نمبر) ر اپریل ۲۰۰۵ء رص ۱۶۴۔ ۱۲۷۔ فضائل اعمال رپستی کے اسباب ۔ ۱۲۸۔ ساحل رجنوری ۲۰۰۱ء۔ ۱۲۹۔ ایضاً۔ ۱۳۰۔ البلاغ رمارچ ۲۰۰۳ء ر اُمّت کا مجرم کون۔ ۱۳۱۔ البلاغ رمارچ ۲۰۰۳ء ر اُمّت کا مجرم کون رص ۷۔ ۱۳۲۔ البلاغ رمارچ ۲۰۰۳ء ر اُمّت کا مجرم کون۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد رضا تیمور- وہاڑی

مقصد:

اسلام دنیا میں حق کے غلبہ کی ترغیب دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کا بنیادی مقصد دنیا میں اسلام کو غالب کرنا تھا(۱)۔ لیکن موجودہ دور میں دنیا کے نظام پر مغربی تہذیب اور سوچ کی حکمرانی ہے۔ مغربی تہذیب کی بنیاد وحی کے انکار اور انسانی عقل کی برتری پر ہے جسے اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ یہ نظریاتی اختلاف اپنی پوری شدت کے ساتھ آج کی دنیا میں کارفرما ہے۔ اس اختلاف کی شدت کے باوجود بہرحال تمام اسلامی دنیا اپنے نظام ہائے زندگی مغرب سے مستعار نظریات کے مطابق چلا رہی ہے۔ مغرب سے نظریات میں اختلاف اور عمل میں ہم آہنگی مسائل کا سب سب سے بڑا سبب ہے۔ مسلم امہ اپنے نظریات کو، سیریت طیبہ کی روشنی میں، کس طرح عمل سے ہم آہنگ کرسکتی ہے، یہی اس مقالہ کا بنیادی نکتہ ہے۔

دائرہ کار:

حضرت محمد ﷺ دنیا تکمیلِ دین کیلئے تشریف لائے، لہٰذا قیامت تک کے مسائل کے حل کیلئے سب سے پہلے انہی کی سیرت کو سامنے رکھنا اسلام کی پیروی کا تقاضا ہے۔ مسائل کی نوعیت داخلی ہوتی ہے جو کسی نظام میں اصلاح کا عمل رک جانے کے باعث معرض وجود میں آتے ہیں۔ چیلنج (مبارزت) خارجی اثر کا نام ہے جو داخلی مسائل کا بہتر متبادل پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا چیلنجز کا تعلق بھی نظام میں پیدا شدہ بگاڑ سے وابستہ ہے۔ مسلمان جب اپنے داخلی مسائل کا عملی حل نکالنے میں ناکام رہے تو ان کی جگہ مغربی نظام اپنے قدم جماتا چلا گیا۔ مسلم قومیتی ریاستوں (Nation States) جو استعماری غلبے کے خاتمے کے بعد معرض وجود میں آئیں، میں حکمران طبقہ نے بدستور نوآبادیاتی نظام کو رائج رکھا۔ حکمران طبقے کی کوشش یہ رہی کہ اسلام کو مغربی نظام سے ہم آہنگ کیا جائے۔ روایتی علماء نے مغربی نظام کو یکسر مسترد کردیا اور ازمنہ وسطیٰ کی اسلامی روایات کو زندہ کرنے پر زور دیا۔ البتہ ایک طبقہ مصلحین (Reformists) کا معرض وجود میں آیا جو مغرب کی مبارزت کو قبول کرتے ہوئے اس کا جواب دینے میں کوشاں ہوگیا۔ یہ طبقہ حکمران طبقہ کے برعکس مغربی نظام کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں لگ گیا تاکہ جدید نظام کو اسلام کی برتری کے ساتھ چلایا جاسکے۔ مسلم عوام اپنی عملی زندگی کی ضروریات کیلئے حکمرانوں اور روحانی تشفی کیلئے علماء یا صوفیاء کے محتاج بن گئے جبکہ مصلحین نے اسلام کے عملی نفاذ کیلئے ان کی سیاسی مزاحمت کی طرف رہنمائی کی۔ مذکورہ گروہوں کی کشمکش سیاسی منظر اور معاشرتی اقدار کو تبدیل کرنے کا سبب ٹھہری۔ لہٰذا مسائل اور چیلنجز کو انہی کے تناظر میں دیکھا جائے گا۔ ان مسائل کی نوعیت شروع سے آخر تک تقریباً ایک جیسی ہے البتہ

شدت میں بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ خاص طور پر ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد مختلف حوالوں سے تبدیلی کا عمل تیز تر ہوگیا ہے۔ سب سے پہلے ہم ان مسائل اور چیلنجز کا جائزہ لیں گے جو جدید دور میں اُمّتِ مسلمہ کو درپیش ہیں۔ آخر میں سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے حل کیلئے سفارشات پیش کریں گے۔ ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے زیادہ تر مثالیں پاکستان کے حوالے پیش کی جائیں گی۔

تحریری مواد کا جائزہ:

سیرت طیبہ اور عصری مسائل کے حوالے سے سب سے اہم کام ڈاکٹر محمد حمیداللہ مرحوم کا ہے۔ ان کے مختلف خطبات، کتب اور مقالات زیادہ تر اسی تناظر میں لکھے گئے ہیں۔ مقالہ کے عنوان کے حوالے سے ان کی وہ تقریر بہت اہم ہے جو انہوں نے ''سیرت طیبہ کا پیغام عصر حاضر کے نام'' کے عنوان سے کی۔(۲) چیلنجز کے حوالے سے مغرب اور اسلام کا تصادم ایک اہم موضوع ہے۔ جدید دور میں اسلامی احیاء کی تحریکیں انہی چیلنجز کا سامنا کرنے کیلئے معرض وجود میں آئی۔ ان تحریکوں کے مصلحین ومجددین نے مسائل کا تجزیہ کرکے ان کا جو اسلامی حل پیش کیا وہ استفادہ کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ اس ضمن میں ایک مرتب شدہ کام Poineers of Islamic Revival ہے جس میں اسلامی احیاء کی اہم شخصیتوں کے اصلاحی کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسلام اور مغرب کے درمیان اختلاف اور ہم آہنگی کو موجودہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور اس کے حل کیلئے وقتاً فوقتاً سفارشات پیش کی جاتی رہتی ہیں۔ اس حوالے سے ایک اہم کام Muslims and the West- Ecounter and Dialogue ہے جو ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور جان ایل اسپازیٹو کا مرتب کردہ ہے۔ پاکستان کی مختلف دینی اور سیاسی تحریکوں کا تجزیہ ڈاکٹر محمد فاروق خان نے اپنی کتاب ''اسلام انقلاب کی جد وجہد-غلطی ہائے مضامین'' میں کیا ہے۔ یہ کام جز میں کل کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ باقی مسلم دنیا میں بھی اسی طرز پر جماعتیں قائم ہیں۔ جدید دنیا نے مسلم فکر وعمل سے جو کچھ مستعار لیا ہے، وہ بھی موجودہ مسائل (خاص طور پر فکری نوعیت کے) حل کیلئے بہت اہم ہے۔ اس حوالے سے بہت اہم کام ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' ہے جو سید سلیمان ندوی کا ہے۔ یہ موضوع ہٰذا کے حوالے سے اس لئے اہم ہے کہ اس میں نظام زندگی کے ان اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کے ترک کرنے سے مسلمان زوال کا شکار ہوئے نیز ایسی سفارشات پیش کی گئی ہیں جو ان اصولوں کو جدید دنیا میں اپنانے سے متعلق ہیں۔ مقالہ ہٰذا کے حوالے سے ایک اور کتاب ''جدید دور کے مسائل اور ان کا حل-قرآن اور سیرت طیبہ کی روشنی میں'' ہے جسے ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی نے لکھا ہے۔ مسلم دنیا میں نظریاتی مسائل کے حوالے سے ایک مرتب شدہ کام The Islamic Impulse ہے جس میں تحقیقی نظریہ کے حوالے سے بہترین مقالات کو اکٹھا کیا گیا ہے۔

مسائل:

مسائل بے شمار ہیں لیکن اس وقت کا بنیادی مسئلہ مسلمانوں کے وجود اور ان کے نظریہ اور تہذیب کی بقا کا ہے۔ ان چیزوں سے متعلق جو ادارے ہیں ان کے مسائل کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

اسلام اور اُمّتِ مسلمہ۔۔۔ نظام سے ثقافت تک:

اسلام ایک نظام کی حیثیت سے دنیا میں آیا جس میں مادی اور روحانی دونوں طرح کی رہنمائی موجود ہے۔ مذہب اور دنیا میں ہم آہنگی کیلئے ضروری ہے کہ دونوں کے لئے رہنمائی ایک ہی مرکز سے حاصل کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں سیاست اور مذہب الگ الگ نہ ہوں۔ اس کا عملی نمونہ خود رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا جنہوں نے دینی اور دنیوی دونوں امور میں اُمّت کی رہنمائی کی اور اس کیلئے ہدایات چھوڑی ہیں۔ خلافت راشدہ بھی اسی صفت سے متصف تھی اسی لئے اسے خلافت علی منہاج النبوۃ کہتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خلافت راشدہ سے ایک عرصہ بعد تک بھی اُمّت ایک جسد واحد کی طرح تھی اور اپنے مسائل کیلئے مرکز سے رجوع کرتی تھی۔(۳) ایک متفقہ سیاسی نظام کی عدم دستیابی(۴) نے اسلام میں موروثیت کو ناگزیر کردیا جس عواقب نا اہل جانشینوں کی ناعاقبت اندیش حکمت عملیوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ مسلسل سیاسی غلطیاں جہاں آپس کے افتراق کا باعث بنیں وہاں انہوں نے بیرونی غلبہ کی راہ کو بھی ہموار کیا۔ سیاست کی موشگافیوں اور منافقت نے زہاد کا ایک طبقہ پیدا کردیا جو بعد میں باقاعدہ تصوف کی شکل اختیار کرگیا۔ اس طبقہ نے اپنے آپ کو سیاست سے الگ کرکے معاشرہ میں روحانیت کو فروغ دیا تاکہ انسانوں کو ریاکاری سے دور رکھا جاسکے۔ صوفیاء معاشرہ میں اپنا اثر قائم کرنے میں بہت حد تک کامیاب رہے۔ علماء نے اسی نہج پر شریعت کو سنبھالا اور اپنی ذمہ داری کو شریعت کے مسائل بتانے تک محدود کرلیا۔ علمائے حق نے بھی سیاست سے عملاً لاتعلقی کو ہی ترجیح دی۔ اس رویہ نے حکمرانوں کو اپنے من مانیاں کرنے میں آزاد کردیا۔ کسی بڑی مزاحمت کی عدم موجودگی میں ان کی گرفت اقتدار پر مضبوط ہوتی چلی گئی۔ دوسری طرف انہوں نے اپنے موروثی اقتدار کو بچانے کیلئے قدیم طرز حکومت کو اپنانا شروع کردیا۔ بنی عباس کے زوال کے زمانہ میں بننے والی خودمختار ریاستوں میں ترکوں اور ساسانیوں کا نظام حکومت کارفرما تھا(۵)۔ یہی وجہ تھی کہ جس کسی نے بھی نیک نیتی سے ان حکمرانوں کے خلاف مزاحمت کا علم بلند کیا وہ سیاست سے لاتعلق عوام کی حمایت حاصل کرنے سے محروم رہا۔ نتیجتاً ایسی مزاحمت کو کامیابی سے کچل دیا گیا۔اسلام سیاست، مذہب اور معاشرہ کی علیحدگی کا شکار ہوگیا۔عوام اپنی روحانی تسکین کیلئے صوفیا سے،شرعی مسائل کی دریافت کیلئے علماء سے اور عملی زندگی کی ضرورتوں کیلئے حکمرانوں سے رجوع کرتے۔مختلف علاقوں کی فتوحات سے مختلف ثقافتیں اسلام سے قریب ہوئیں۔ ایک مرکزی اور جامع نظام کے ختم ہونے کے باعث مسلمانوں نے ان ثقافتوں کے اثرات کو قبول کیا اور اپنے ہی اندر مختلف ثقافتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوگئے(۶)۔ اسلام ایک نظام سے شروع ہوکر مختلف ثقافتوں میں ڈھل گیا اور اور صرف خیر وبرکت کا ذریعہ رہ گیا۔ موجودہ دور کی حالت کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اسلامی عبادات سے مقصدیت کا حصول مطلوب نہیں جسے عملی زندگی میں اپنایا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ روزانہ پانچ وقت اپنی صفیں سیدھی کرنے والے مسجد سے باہر اپنی لائنوں کو سیدھا نہیں کرپاتے۔ رضاکارانہ طور پر پابندی سے کروڑوں روپیہ زکوۃ ادا کرنے کے باوجود معاشرہ محرومی اور غربت کا شکار ہے۔ ہر سال رمضان کے روزے رکھنے والے تحمل اور برداشت کے فقدان کا شکار ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اتنے بڑے حج کے مرکزی اجتماع کے باوجود بدترین انتشار کا شکار ہیں۔

دور حاضر میں مختلف اصلاحی اور احیاء کی تحریکوں نے اسلام کو پھر ایک نظام قائم کرنے کی کوشش کی اور مسلسل کر

رہی ہیں لیکن ابھی تک کوئی قابل عمل پیش کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ اپنی بھرپور جدوجہد کے علی الرغم مذہبی جماعتوں اور تحریکوں کی عوام میں مقبولیت بڑھنے کی بجائے کم ہوئی ہے(۷)۔ مسلمان اپنی مختلف ثقافتوں میں مغربی نظام کے زیر اثر زندگی گزار رہے ہیں اور اسلام ضخیم کتابوں کے اوراق میں طاقوں کی زینت بنا ہوا ہے۔

لامرکزیت --- عرب دنیا کی لاتعلقی:

اُمّتِ مسلمہ کا تصور آفاقیت کا آئینہ دار ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے پیرو اسی قدر انتشار کا شکار ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب تک، جسے رسول اللہﷺ نے متحد چھوڑا تھا، ایک نظام اور حکومت کے تحت نہیں۔ لہٰذا اُمّت کا تصور نظریئے کی حد تک تو ضرور موجود ہے اور یہ نظریہ کبھی کبھار احتجاجی جلوسوں کی شکل بھی اختیار کر جاتا ہے لیکن سیاسی طور پر اُمّت کی کوئی حیثیت نہیں(۸)۔ کوئی ایسا ادارہ موجود نہیں جو کسی اسلامی ملک کو کسی لائحہ عمل کے اپنانے پر مجبور کر سکے۔ اس حوالے سے عرب دنیا بدترین تغافل کا شکار ہے۔ بے پناہ دولت ہونے کے باوجود اپنے خارجی مسائل حل کرنے سے قاصر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کا مرکز ہونے کے باعث ان کے پاس ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس پر مسلمانوں کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں ان کی کوئی بھی کوشش مشاہدہ میں نہیں آئی۔ پاکستان نے اپنے قیام کے ساتھ ہی مسلم ممالک کو اکٹھ کرنے کی کوششوں کا آغاز کردیا تھا۔ اس سلسلہ میں ۱۹۴۹ء میں ایک کنونشن کا انعقاد کیا گیا جس میں ۱۲ مسلم ممالک نے شرکت کی لیکن پاکستان کے اس اقدام کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی(۹)۔ اسلامی دنیا کی تنظیم OIC شروع سے آخر تک ایک عضو معطل کی طرح ہے۔ اس کا بھی سب سے اہم اجلاس ۱۹۷۴ء میں پاکستان نے ہی منعقد کرایا تھا لیکن عرب دنیا کی عدم دلچسپی کے باعث اس کی ترقی میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی(۱۰)۔

طرز حکومت اور اس کا جواز --- ایک بنیادی مسئلہ:

کسی بھی نظام کو قائم کرنے کیلئے اقتدار ایک بنیادی چیز ہے اسی لئے رسول اللہﷺ نے ایک ریاست کے قیام کے طرف خاطر خواہ توجہ دی۔ تاہم بعد کے زمانے میں مسلمان حکومت کے اصول وقواعد طے کرنے میں کسی خاص دلچسپی اور تحریک کا مظاہر نہ کرسکے۔ خلافت راشدہ ایک مثالی حکمرانی ضرور تھی لیکن حکمران کے تقرر کیلئے کوئی تحریری ضابطہ نہ ہونے کی وجہ سے اس مثالی حکمرانی کا مظاہرہ ایک اچھی نیت کا رہین تھا۔ کوئی ایسی روایت قائم نہ ہوسکی جس کی پیروی کا حکمران طبقہ پابند ٹھہرتا۔ دوسرے لفظوں میں اصول حکمرانی کسی مضبوط ادارے کی شکل اختیار نہ کرسکے اور شروع لیکر آج تک مسلمانوں کی قسمت کسی اہل حکمران سے بندھی نظر آتی ہے۔ ایسے ہر حکمران کے بعد صورت حال ابتری کا شکار ہوجاتی ہے اور اس وقت تک نہ سنبھلتی جب تک کوئی دوسرا اہل حکمران منظر عام پر نہ آجاتا۔ حتیٰ کہ قحط الرجال نے اُمّتِ کو اصول حکمرانی میں یورپ کی پیروی پر مجبور کردیا۔ اس سے مسئلہ مزید بگڑ گیا۔ ایک مسلمان کا دل عمرؓ اور اورنگزیب کے ترانے گاتا تھا جبکہ عملی طور پر وہ یورپی نظام کا کل پرزہ بن گیا۔ یورپ سے سیاسی آزادی کے بعد مسلم ممالک کا جدید تعلیم یافتہ حکمران طبقہ اپنی بقا یورپ کے نظام میں ہی خیال کرنے لگا۔ علماء کے طبقے کا دباؤ یہ رہا کہ حکمران ان ملکوں میں اسلامی نظام کو نافذ

کریں لیکن اس کیلئے وہ کوئی لائحہ عمل پیش نہ کر سکے۔ ان کے پاس کوئی ایسا اصول نہیں جو ان حکمرانوں کوناجائز قرار دے سکے۔ کیونکہ مسلم ماضی اس سے بھی بدتر اصول حکمرانی سے مرکب ہے۔ حکمران کے منہ سے دین کی بات ہی اس کا جواز حکمرانی بن جاتا ہے۔ اسی لیے پاکستان میں جنرل محمد ضیاء الحق کو مذہبی حلقوں میں جو پذیرائی حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی حالانکہ وہ ایک ناجائز طریقے سے برسراقتدار آئے تھے۔ لہٰذا یہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ مسلم دنیا ابھی تک حکومتی جواز کا کوئی تعین نہیں کر سکا (۱۱)۔

جاگیرداری اور فوج--- طاقت اور وسائل کا ارتکاز:

یورپین اقوام سے آزادی حاصل کرنے کے بعد مسلم ممالک کی اصلاح میں ایک بہت بڑی رکاوٹ جاگیرداری نظام اور فوج کی حکمرانی کی ہے۔ یورپ کے جاگیرداری نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ مستقل بنیادوں پر تھا جبکہ مسلمانوں کے روایتی دور میں جاگیریں مستقل بنیادوں پر نہیں جاتی تھیں (۱۲)۔ مسلم دنیا میں جن لوگوں نے یورپین غلبے کی مدد کی انہیں جاگیروں سے نوازا گیا جن پر ان کا مستقل حق قائم ہوگیا۔ ہندوستان کے حوالے سے یہ مسئلہ خاص ہے۔ عرب دنیا میں تیل کی دریافت کے بعد اسی طرح کا رجحان پروان چڑھا (۱۳)۔ جاگیرداری تعلیم اور آزادی رائے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ چونکہ اقتدار پر بھی یہی جاگیردار جلوہ افروز ہوتے ہیں لہٰذا ایک متوازن معاشرے کے قیام کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ جاگیرداری کی مضبوطی میں بہت اہم کردار مذہبی پیشوائیت کا بھی ہے۔ یورپی نظام کے غلبہ نے علماء کی عملی سیادت کوختم کردیا جو مسلم حکومتوں میں ہوا کرتی تھی۔ اپنی بقا کیلئے علماء مختلف جاگیرداروں کی امداد پر بسر کرنے لگے۔ نتیجتًا وہ اس نظام کے خلاف آواز اٹھانے کے مجاز نہ رہے۔ علماء کے حوالے سے مایوس کن صورت حال یہ رہی کہ جو علماء جاگیرداری کے دست نگر نہیں تھے انہوں نے بھی اس کے خاتمے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ معاشرے میں طبقاتی کشمکش اور محرومی کا احساس جاگیرداری نظام کا مظہر ہے جس کے باعث ایک متوازن معاشرے کا قیام ناممکن ہے۔ سعودی عرب کی بادشاہت کی نوعیت بھی اسی طرح کی ہے۔ وہاں کے علماء اس بادشاہت کے نظام پر مطمئن ہیں اور اپنے روایتی پڑھنے پڑھانے کے کام میں مصروف ہیں۔ سعودری بادشاہت استعماری طاقتوں کی اتحادی ہے جو عالم اسلام کے لیے ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

نوآبادیاتی نظام کا سب سے منظم ادارہ فوج تھا۔ اس لیے یورپی اقوام کے جانے کے بعد مسلم ممالک میں جہاں کہیں بھی سیاسی عدم استحکام پیدا ہوا فوج نے مداخلت کر کے زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے چھوڑنے کا خیال ترک کردیا۔ پاکستان، انڈونیشیا، مصر اور عراق جیسے اہم اسلامی ممالک اس مظہر کی اولین مثالیں ہیں۔ ملک کے دفاع کی ذمہ دار ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے افواج کو مجاہدین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے تاکہ عوام کو مطمئن رکھا جاسکے۔ افواج کا انتظام عام آبادی سے الگ چھاؤنیوں میں کیا جاتا ہے تاکہ عوام سے ان کے فرق کو قائم کیا جاسکے۔ دفاع کے نام پر قومی خزانے کا ایک بہت بڑا حصہ فوج کو سونپ دیا جاتا ہے جس سے عام آدمی کا استحصال ہوتا ہے۔ تمام وسائل پر قبضہ ہونے کے باوجود جب کبھی ملک بیرونی خطرات کا شکار ہوتا ہے تو مسلم ممالک کی فوج اپنے تمام مقدمے اپنے دشمن کے ہاتھوں ہار جاتی ہے۔ مصر

اسرائیل کی جنگ ہو یا مشرقی پاکستان کا سقوط، مشرقی تیمور کی علیحدگی ہو یا طالبان کا محاصرہ، ناکامیوں اور ہزیمتوں کی مسلسل داستانیں ہیں جو مسلم ممالک کی افواج نے رقم کی ہیں۔ فوج کے ادارے کی بنیاد چونکہ تحکم پر اٹھائی جاتی ہے جس میں فرمانبرداری کے علاوہ کسی چیز کو دخل نہیں ہوتا اسلئے آزادی رائے ایک شجر ممنوعہ کی طرح کا جرم قرار پاتا ہے۔ میڈیا، مذہب اور عدالت تک پر پابندی کے مظاہرے عام دیکھنے میں آتے ہیں(۱۴)۔ دور حاضر میں فوج کا اقتدار عموماً مسلم ممالک کا خاصہ نظر آتا ہے، متمدن ممالک اس صفت سے خالی ہی نظر آتے ہیں۔

معاشی ناہمواریاں--- علاقائی اور طبقاتی تعصب کی راہ:

دولت کے اس ارتکاز اور من مانی تقسیم نے طبقاتی کشمکش اور علاقائی تعصب کو فروغ دیا۔ معاشی ناہمواریاں شروع دن سے مسلم دنیا کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ حکمران طبقہ وسائل کو اپنے مفاد کے علاقوں میں لگاتے ہیں جس سے نظرانداز کیے گئے علاقے محرومی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ملک کا ایک چھوٹا سا حصہ پورے ملک کے وسائل کو استعمال کر رہا ہوتا ہے اور چند لوگ پوری قوم کی دولت پر عیش کرتے ہیں۔ اس سے علیحدگی پسند تحریکیں جنم لیتی ہیں جنہیں ختم کرنے کے لیے فوج کو استعمال کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ تشدد اور امن کی غیر یقینی صورت حال ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب یہی معاشی ناہمواریاں تھی۔ آزادی کے ساٹھویں سال بھی پاکستان کی ایک تہائی آبادی غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہی ہے(۱۵)۔ آئے دن کے ہنگامے، جلوس اور ہڑتالیں معاشرے کا سکون برباد کیے ہوئے ہیں۔ غربت اور مہنگائی نے ہر شخص کیلئے سب سے بڑا مسئلہ اس کی بقا اور عزت کا بنادیا ہے جس کی وجہ سے وہ قومی سطح کے کسی کام میں اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔ حکومتی پالیسیاں صرف چند ذہنوں کی سوچ کی نمائندہ ہوتی ہیں اسی لیے قوم اور ملت کے تصورات انتہائی ماند پڑ چکے ہیں۔

تعلیم اور شعور کا فقدان--- فرقہ واریت کی راہ:

اسلام نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے لیکن خود اسی کے پیرو اس چیز سے سب سے زیادہ غفلت برت رہے ہیں۔ اولاً مسلم ممالک میں تعلیم کا معیار انتہائی ناقص ہے، ثانیاً مختلف طبقوں کے لیے نظام تعلیم مختلف ہے۔ ان میں دینی مدارس اور کالج یونیورسٹی بنیادی تقسیم ہے۔ البتہ کالج یونیورسٹی میں مزید تقسیم طبقاتی نظام کے حوالے سے ہے کہ جو ادارہ جتنا اچھا معیار رکھتا ہے اس کے اخراجات اسی قدر عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہیں۔ اول تو غربت کے باعث ایک بڑی تعداد تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے۔ اس چیز سے بچ جانے والے مدارس میں چلے جاتے ہیں اور وہاں پڑھنے کے دوران اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد معاشرے پر ایک بوجھ کی زندگی گزارتے ہیں۔ مدارس کے حوالے سے مایوس کن صورت حال یہ ہے کہ ہر مدرسہ اپنے فقہ کی تعلیم کے اندر قید ہے اور اسی کو حرف آخر جانتا ہے۔ طلبہ کو اسی چیز کی تعلیم دی جاتی ہے کہ ان کے سوا سب فرقے گمراہ ہیں۔ دوسرے نظریات کو پڑھنے کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ ان سب چیزوں کا لازمی نتیجہ بدترین فرقہ واریت ہے جو کہ اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام کے نفاذ میں ایک بڑی بات یہ بھی آڑے آتی ہے کہ کس

مکتبہ فکر کا اسلام نافذ کیا جائے۔ علماء اور مدارس نے اس چیز کے حل کیلئے کبھی کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی۔

جہاں تک کالج یونیورسٹی کا معاملہ ہے اس میں بھی سرکاری اداروں کے فارغ التحصیل طلبہ زبوں حالی کا شکار ہیں۔ خاص طور پر معاشرتی علوم (Social sciences) پڑھنے والے طلبہ چودہ یا سولہ سال کے بعد کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ نہ ان کے پاس کوئی ہنر ہوتا ہے اور نہ حکومت کے پاس ان کے لیے نوکریاں جن سے وہ اپنا معاش کما سکیں۔ نتیجتاً معاشرتی علوم کی طرف کوئی طالبعلم اپنی پسند سے نہیں جاتا جس کی وجہ سے مسلم ممالک میں ان علوم کا معیار نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ معاشرے میں شعور پیدا کرنے کے لیے معاشرتی علوم کی ترقی از حد ضروری ہے۔ خود اسلام کا مطالعہ بھی انہی علوم کے تحت آتا ہے۔ سعودی عرب جیسے وسائل اور دولت سے مالا مال ملک میں جدید معاشرتی علوم کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہاں فکری جمود پایا جاتا ہے۔ یورپ کی ایجاد کردہ ہر قسم کی سہولت وہاں موجود ہے اور وہ اس سے بے دریغ استفادہ کر رہے ہیں لیکن وہ افکار جن سے یورپ دنیا کی قیادت کر رہا ہے وہاں مفقود ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ وہاں کی بادشاہت اور ایک مکتبہ فکر کی پیروی ہے۔ چونکہ معاشرتی علوم تحکمانہ نظام کو چیلنج کرتے ہیں اس لیے مسلم ممالک میں ان کے معیار کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ جو چند ایک معیاری ادارے ہیں وہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور حکمرانوں کے تصرف میں ہیں اور ایسا ماحول دیتے ہیں جس میں عام آدمی کے مسائل کو سمجھنا اعلیٰ طبقہ کے بچوں کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔

معیاری تعلیم اور شعور کی کمی سے معاشرے میں تحمل کا فقدان ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا سب سے اہم وصف ہے۔ فرقہ واریت دشنام طرازی سے بڑھ کر قتل وغارت تک آ گئی ہے جس سے امن عامہ کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ایسی فضا میں جس کسی کا نعرہ پرکشش محسوس ہوتا ہے عوام اندھا دھند اس طرف دوڑ پڑتے ہیں اور نتیجہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ شعوری کی کمی نے مذہبی اور سیاسی دکانداروں کے لیے عوام کا استحصال بہت آسان کر دیا ہے۔

اجتہاد:

فرقہ واریت سے ہی متعلق ایک مسئلہ اجتہاد کا ہے۔ اجتہاد کا مقصد اصول دین کو وقت اور مقام سے ہم آہنگ کرنا ہے تاکہ زندگی کے ہر شعبہ کا تعلق دین سے قائم رہے۔ اجتہاد اسلام کا بہت اہم شعبہ ہے لیکن بدقسمتی سے دور حاضر میں اس سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا جا رہا۔ ایک معتبر رائے کے مطابق چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا(۱۶)۔ دور حاضر میں مصلحین کی طرف سے اجتہاد کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا ہے اور مسائل کا جدید تقاضوں کے مطابق حل بھی پیش کیا جاتا ہے لیکن باقاعدہ طور پر اجتہاد کو ایک ادارے کی حیثیت نہیں دی جا سکی۔ اجتہاد کی بات صرف ان حلقوں کی طرف سے کی جاتی ہے جو جدید تعلیم یافتہ ہیں لیکن دین کا فہم بھی رکھتے ہیں۔ جبکہ روایتی حلقوں کیطرف سے اس کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ یہ رویہ فرقہ واریت کو مزید گہرا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ہر فرقہ صرف اپنی ہی روایتی فقہ کی تعلیم دینے پر اکتفا کرتا ہے اور دوسرے کے نقطہ نظر کو پڑھنے سے باقاعدہ روکا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی حلقوں میں نئے تصورات ونظریات کو ہمیشہ شک کی نظر سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ معاشرے کا ایک بڑا حصہ اسی ڈگر پر چل رہا ہے جس کی

وجہ سے مصلحین کے پیش کردہ مسائل کے حل کا معاشرے پر کوئی خاص اثر نظر نہیں آتا۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مسائل:

اگرچہ عملی زندگی کی قیادت جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ہاتھ میں لیکن اسلام کے حوالے سے اس کا رویہ بھی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ علماء کی بنیاد پرستی کے باعث وہ اسلام کو بھی ایک مذہب کے طور پر لیتے ہیں اور عملی زندگی میں اس کا کوئی خاص حصہ تصور نہیں کرتے۔ اس کی وجہ ان کی اسلام سے لاعلمی ہے۔ اسلامیات لازمی کی نصابی کتاب کو وہ اسلام فہمی کے لیے کافی جانتے ہیں اور قرآن فہمی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ قرآن فہمی اسلام کے سمجھنے کا اصل ذریعہ ہے۔ اس سے بھی بڑھ کے غلط فہمی حدیث کے متعلق ہے۔ قرآن پر لب کشائی کی جرات تو ہر کسی کو نہیں ہوتی لیکن حدیث پر ہر کس وناکس طبع آزمائی کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ اس سے بھی نئے نئے فرقے معرض وجود میں آئے ہیں۔ قرآن اور حدیث کا علم بہت وسیع ہے اور اس سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ایک مؤثر نظام کی ضرورت ہے۔ اس سب کے فقدان کے باوجود ہر کوئی بڑے وثوق سے اسلام کے متعلق اپنے نظریات بے دریغ پیش کرتا ہے اور پر یقین رکھتا ہے۔ یہ ایک دوسری انتہا ہے۔ جدید طبقہ کے اس رویہ سے دینی حلقوں اور جدید نظام کے مابین خلیج مزید وسیع ہوجاتی ہے۔

چیلنجز

مغربی دنیا کا اتحاد:

مسلمانوں کی سالمیت کے لیے سب بڑا چیلنج مغربی ممالک کا اتحاد ہے۔ دفاع سے لے کر معیشت تک انہوں نے اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھا ہوا ہے۔ فرانس اور برطانیہ کا نظریاتی اختلاف بہت شدید ہے اور آج بھی محسوس کیا جاتا ہے لیکن دونوں کے درمیان ہر طرح کے روابط قائم ہیں(۱۷)۔ کم از کم بیرونی دنیا کے مقابلے میں یورپ اور امریکہ اکٹھے ہیں۔ ریاستہائے امریکہ مختلف النوع ثقافت کی ریاستوں، جنہیں مکمل داخلی خودمختاری حاصل ہے، کا مجموعہ ہونے کے باوجود مضبوط ہے اور دنیا پر اپنی دھاک بٹھائے ہوئے ہے۔ یورپی یونین میں جتنے ممالک ہیں ان کی ایک ہی کرنسی ہے اور سب کے لیے ایک جواز سفر (Visa) درکار ہے۔ مسلمان ممالک کے مابین ایسی مثال کوئی سے دو ممالک کے لیے بھی نہیں پائی جاتی۔ مغرب کا اتحاد سیکولرزم پر مبنی ہے جو کوئی باقاعدہ نظریہ نہیں ہے۔ اسلام ایک زیادہ مضبوط بنیاد ہے اتحاد کی جس میں باقاعدہ طور پر ایک اُمّت کا تصور پایا جاتا ہے لیکن عملی طور پر اس کی کوئی نظیر ہمیں جدید دور میں نہیں ملتی۔ جس طرح کا اتحاد مغرب نے قائم کرلیا ہے اس کی کوئی مثال ہمیں مسلمانوں کے روایتی دور میں بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح دفاع، تجارت اور دوسرے شعبوں میں میں بھی مغربی دنیا کا اشتراک پایا جاتا ہے۔

جمہوریت -- ایک متوازن معاشرہ کا قیام:

یورپ میں احیاء (Renaissance) اور روشن خیالی (Enlightenment) کی تحریکوں نے جمہوریت کو

فروغ دیا۔ یاد رہے کہ جمہوریت سیاست سے پہلے ایک معاشرت کے وجود میں ہے(۱۸)۔ غیر طبقاتی اور تحمل پر مبنی معاشرہ کہلاتا ہے۔ اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ ایسے معاشرے سے وجود میں آنے والی حکومت میں عوام کے جذبات کی مکمل نمائندگی ہوتی ہے۔ اس کے لیے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب (election) کے طریقے کو اپنایا گیا ہے۔ انتخابی عمل کے نتیجہ میں قائم ہونے والی سیاسی قیادت جمہوریت کی کلی طور پر نمائندہ نہیں ہوسکی کیونکہ مختلف ملکوں میں اس کا انداز انتخاب مختلف ہے۔ لہٰذا سیاست کے حوالے سے جمہوریت کا نفاذ شاید کہیں بھی کامل نہیں ہے لیکن مجموعی طور پر ایک متوازن معاشرہ یورپ میں ہر جگہ موجود ہے جو کہ جمہوریت کی اصل ہے(۱۹)۔ اسلامی معاشرے سے اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام میں وحی کو بالادستی حاصل ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی مرضی کو بالادستی حاصل ہے خواہ وہ کسی مذہب سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظریہ کو اسلام کسی طرح سے بھی قبول نہیں کرسکتا لیکن عملی طور پر جمہوریت کے ثمرات دیکھ کر مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ خاص طور پر سیاسی قیادت کی فراہمی کے لے انتخابی جمہوریت ایک سیدھا اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔ دور حاضر میں مسلمان، جن میں علماء بھی شامل ہیں، کی توانائی اس ضمن میں خرچ ہو رہی ہے کہ کس طرح سے جمہوری عمل اور اسلام کے مابین راہ کو ہموار کیا جائے۔ بعض نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا اور خلافت راشدہ کو اس سے تعبیر کیا لیکن یہ اس کے لغوی معنوں میں تو ہوسکتا ہے اصطلاح میں نہیں(۲۰) ایک طبقہ اسے سرے کفر قرار دیتا ہے اور ہر طرح کے انتخابی عمل کا رد کرتا ہے(۲۱) لیکن وہ اس کوئی عملی متبادل حل بھی ابھی تک تک پیش ہیں کرسکا۔ اسی وجہ سے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ ابھی تک جمہوریت ہی کو اپنی منزل سمجھتا ہے۔ جمہوریت ابھی تک مسلم معاشرے میں ناکام اس لیے ہے کہ اس کے لیے تعلیم اور شعور درکار ہے جس کی مسلم ممالک میں زبردست کمی پائی جاتی ہے۔ جبکہ مخالف طبقہ اس کی ناکامی کا سبب یہ بتاتا ہے کہ اس میں انسانوں کا گننا اہمیت رکھتا ہے اور ان کے کردار سے کچھ سروکار نہیں اس لیے اچھے لوگ کبھی برسر اقتدار نہیں آسکتے۔ لیکن وہ چیز بتانے سے بھی قاصر ہیں کہ وہ کونسا پیمانہ ہے جس سے انسانوں کے کردار کو ناپا جائے اور انہیں اقتدار سپرد کیا جائے(۲۲)۔

علماء مغربی نظام حکومت کے مقابلہ میں خلافت کا ذکر کرتے ہیں اور اسے قائم کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی لائحہ عمل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ خلافت راشدہ ایک مثالی حکمرانی ہونے کے باوجود بہت کم عرصہ چل سکی۔ وہ عرصہ بھی صحابہ کرامؓ کی ذات کا مرہون منت تھا۔ دوسرے لفظوں میں خلافت راشدہ کے لیے راشدون کا وجود ضروری ہے(۲۳)۔ خلافت اپنے آغاز سے اختتام تک (۱۹۲۳ء) زیادہ تر عرصہ رسمی حیثیت میں رہی ہے۔ خلافت علی منہاج النبوۃ کے لیے ماحول بھی اسی طرح کا درکار ہے اور رسمی خلافت سے یورپی جمہوریت ہر لحاظ سے بہتر نظر آتی ہے۔

نظام تعلیم:

یورپ کی فکری اور مادی ترقی میں اس کا نظام تعلیم بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نظام تعلیم مسلم دنیا میں بھی برتر حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اسی نظام کے تعلیم یافتہ زندگی کے ہر میدان میں قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود دینی حلقوں نے اس نظام کی اہمیت کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا۔ سیکولرزم چونکہ مغربی تہذیب کا خاصہ ہے اس لیے دینی حلقے دین کے حوالے سے مغربی نظام تعلیم کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جدید ذہن رکھنے والے چونکہ دینی رہنمائی علماء سے ہی حاصل

کرتے ہیں لہٰذا وہ بھی مغربی تعلیم اور دین کے درمیان ایک تضاد محسوس کرتے ہیں۔ مسلم دنیا کے لیے چیلنج یہی ہے کہ مغربی نظامِ تعلیم اور دین کے درمیان ہم آہنگی کیسے پیدا کرے۔

مغربی نظامِ تعلیم کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جس طرح سے ان کے ادارے ایک طالبعلم کو فکری اور عملی طور پر تیار کرتے ہیں وہ اپنی عملی زندگی میں اسی جذبہ سے کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ اسی طرز پر قائم مسلم ممالک کے اداروں کے فارغ التحصیل اپنے فرائض میں کوتاہی کے مرتکب نظر آتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مسلمان ایمان کو نماز روزے تک محدود خیال کرتے ہیں اور عملی زندگی کو دین سے الگ تصور کرتے ہیں۔ مدرسے کے ذکر سے فوراً ذہن میں علم کی بجائے خیر و برکت کا تصور ابھرتا ہے۔ جبکہ کالج یونیورسٹی کے ذکر سے ذہن میں ایک متحرک زندگی کا تصور ابھرتا ہے۔ گو موجودہ دور میں خود دینی حلقوں کے لوگ بھی کالج یونیورسٹی کی تعلیم کو ہی برتری دیتے ہیں لیکن فکر اور عمل میں تضاد کے باعث خاطر خواہ نتائج حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

اسلامی احیاء کی تحریکیں-- حال اور ماضی قریب کا فرق:

مغربی دنیا کے چیلنجز کے جواب میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عمل منظر عام پر آیا۔ جدید مفکرین اسے مغربی پالیسیوں کا ردعمل قرار دیتے ہیں جبکہ روایتی لکھنے والے اسے ماضی کی دینی کاوشوں کا تسلسل سمجھتے ہیں۔ اول الذکر میں حبیب چیٹی، حمید عنایت، فواد عجمی (۲۴) وغیرہ شامل ہیں، جبکہ ثانی الذکر میں ابوالحسن علی ندوی (۲۵)، ابوالکلام آزاد قابل ذکر ہیں (۲۶)۔ اس ضمن میں پین اسلامزم (Pan Islamism) کا تصور بہت اہم ہے۔ اسلامی احیاء کا تصور سرسید، افغانی، عبدہ، حسن البنا سے ہوتا ہوا سید قطب اور سید ابوالاعلیٰ مودودی تک آتا ہے اور اس کے بعد ۷۰ اور ۸۰ کی دہائیوں کی جہادی تحریکیں اس کی نگہبان بن جاتی ہیں اور اب تک یہ اس کی علمبردار ہیں۔

موجودہ دور کے حوالے سے اسلامی احیاء کا مسئلہ یہ ہے کہ آغاز میں ان تحریکوں کی نوعیت مصلحانہ (Reformist) تھی جبکہ بتدریج اس عمل میں تشدد کا پہلو آتا چلا گیا اور ان کی نوعیت متشددانہ (Radical) اور پھر عسکریت پسندانہ (Militant) ہوگئی (۲۷)۔ افغانی اور عبدہ نے اسلامی احیاء کی عمارت جن بنیادوں پر اٹھائی تھی حسن البنا نے اخوان المسلمون کی شکل میں اسے عملی بنادیا۔ سرسید کو مذہبی موشگافیوں میں طبع آزمائی نے قوم کی نظر میں الحادی بنادیا لیکن ان کا کام بھی بہرحال کسی سے کم نہیں تھا۔ مغربی تہذیب کے بارے میں جو رویہ افغانی اور عبدہ نے اپنایا، سرسید اس کا اظہار بہت پہلے کرچکے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ افغانی اور عبدہ نے ان عقائد کو نہیں چھیڑا جس کے باعث سرسید تکفیری فتووں کا نشانہ بنے۔ حسن البنا اور ان کے پیشرو لائحہ عمل میں مغربی نظام کے معترف تھے (۲۸)۔ ان حضرات کا مغرب سے اختلاف مذہب کی بالادستی کے بارے میں تھا کہ وحی کو انسانی عقل پر ہرصورت میں فوقیت دی جائے گی۔

حسن البنا نے اخوان المسلمون کو جن بنیادوں پر استوار کیا اور احیاء کا جو پروگرام تیار کیا وہ جدت اور روایت کا امتزاج تھا۔ بعد کے دور میں ابھرنے والی تحریکوں نے اسی طرز کی پیروی کی کیونکہ اس میں مغربی طرز سے ایک فرق پایا جاتا تھا۔ بہرحال یہ طرز مغرب کے چیلنج کو سامنے رکھ کر بنایا گیا تھا جس کے حسن البنا خود بھی معترف نظر آتے ہیں (۲۹)۔

حسن البنا کے بعد اخوان المسلمون میں تشدد کا رنگ عود آیا۔ سید قطب نے گو اپنی فکر کا آغاز زندگی کے فلسفہ سے کیا، لیکن بعد میں وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے نفاذ میں شدت کی طرف مائل ہوگئے جس کے باعث انہیں زندگی ہارنا پڑی(۳۰)۔ پاکستان میں مولانا مودودی کی جماعت اسلامی نے بھی یہی طرز اپنایا۔ مولانا مودودی کی حد تک تو جماعت میں ایک ٹھہراؤ کی کیفیت رہی لیکن ان کے بعد جماعت خود اپنے بانی فکر کی پیروی کو چھوڑ گئی(۳۱)۔ عرب اسرائیل جنگوں، ایران کے انقلاب اور جہاد افغانستان نے مصلحانہ فکر کو دینی حلقوں سے معدوم کردیا اور مسائل کے حل کے لیے طاقت کا استعمال ایک عقیدہ بن گیا جو جہاد کے نام سے پوری دنیا میں پھیل گیا۔ جہادی فکر نے مسلم معاشروں کو جذباتی رنگ میں رنگ دیا اور مغربی نظام سے بالکل متنفر کردیا۔ مغربی نظام میں اچھائی کے کسی بھی پہلو کا امکان رد کرنے پر زور دیا گیا۔ ان تحریکوں سے متاثر ہونے والے لوگ عملی زندگی سے مزید دور ہوگئے کیونکہ مسلم ممالک میں سارا نظام مغرب کا ہی چل رہا ہے جسے یہ لوگ کوئی بھی جگہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مسلم حکومتیں مغرب کی پروردہ ہیں جبکہ جہادی مغرب کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور کسی مصالحت کی راہ کو نہیں مانتے سوا اس کے کہ مغرب کے نظام کو ختم کرکے نہ صرف یہ کہ مسلم دنیا میں اسلام کا نفاذ کیا جائے بلکہ مغربی دنیا پر بھی جہادی یلغاروں سے اسلام کی بالادستی کو قائم کیا جائے۔ اس سے خود مسلم معاشرے میں ایک زبردست کھچاؤ کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے کیونکہ مغرب سے لڑنے سے پہلے جہادیوں کو اپنی حکومتوں سے تحفظات لاحق ہیں۔

سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سے رہنمائی:

اس سے پہلے ذکر ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ لہٰذا عقیدے اور اخلاق کی تربیت کے بعد سیاسی غلبہ اسلام کا دیا گیا ہدف ہے جو فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ باقی چیزوں کا تعین اسی غلبہ سے ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس وقت کے سیاسی حالات پر ایک نظر ڈالیں۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے وقت عرب میں تو کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہیں تھی۔ بڑی طاقتوں میں ایران اور بازنطینی سلطنت تھیں جن میں بادشاہ اور اس کے حواری ہی ہوا کرتے تھے۔ ہر سلطنت کا ہدف دوسرے علاقوں کو اپنے زیر نگیں کرنا ہوتا تھا اور بین الاقوامیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور چین تھے اور وہ بھی اسی طرح کی ابتری کا شکار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت رومی اور ایرانی آپس میں نبرد آزما تھے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کی بنیاد رکھی جس کا مقصد اسلام کو دنیا میں غالب کرنا تھا۔

سیاست وحکومت

مغرب کے اتحاد کا مقابلہ:

مکہ میں قریش رسول اللہ ﷺ کو صادق وامین ماننے کے باوجود ان کی رسالت سے انکاری تھے۔ یہ اس چیز کا مظہر تھا کہ مخالفت کی ضد ان کے آڑے آ گئی جو کسی طرح بھی ختم ہونے والی نہ تھی۔ اسی لیے اسلام کی دعوت کے لیے کسی

دوسری جگہ کا انتخاب ضروری ہوگیا۔ مدینہ آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مدینہ میں آباد قبائل میں ایک اتحاد قائم کیا جس کے لیے ایک تحریری معاہدہ عمل میں لایا گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی کا آغاز تھا جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، اسی لیے میثاق مدینہ کو دنیا کا پہلا تحریری دستور کہا جاتا ہے۔ اسی معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے جب یہودیوں کو ایک ایک کرکے مدینہ سے نکالا گیا تو ان کے ساتھی یہودی ان کی مدد سے باز رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل سے بھی معاہدے کیے کہ دفاع میں وہ مسلمانوں کے ساتھ اکٹھے ہوں گے(۳۲)۔ مدینہ کی راہ سے قریش کو تجارت کے لیے گزرنے کی اجازت اسی لیے نہیں تھی کیونکہ اس راہ میں مسلمانوں کے حلیف قبائل آتے تھے(۳۳)۔ غزوہ بدر کے بعد چونکہ مسلمانوں کی ایک دھاک قائم ہوگئی تھی اس لیے مدینہ اور بدر کی راہ کے درمیان جتنے قبائل تھے سب سے رسول اللہ ﷺ نے دفاعی معاہدے کیے۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں نے مکہ میں مقیم بنوخزاعہ کو اپنا حلیف بنایا۔ مکہ پر فوج کشی کا سبب یہی قبیلہ بنا تھا کیونکہ قریش نے ان پر حملہ کیا جس سے مسلمانوں پر بنوخزاعہ کا بدلہ لینا ضروری ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس پالیسی سے سارا جزیرۃ العرب ان کی وفات تک اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔

غور کیا جائے تو یہی وہ پالیسی ہے جو آج یورپ نے مسلمانوں کے خلاف اپنائی ہوئی ہے۔ کسی ایک مسلمان ملک پر حملے میں سارے یورپ نے فوجیں بھیجی ہوتی ہیں جبکہ دوسری طرف خود مسلمان ملک بھی اپنا ووٹ یورپ کے حق میں ہی ڈالنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں واضح رہنمائی موجود ہے کہ وہ بھی اپنے اندر معاہدات کے ذریعے اپنی دفاع اور معیشت کو مضبوط کریں۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ اتحاد کے سلسلہ میں دینی حلقوں کا نظریہ ایک عالمی خلافت کے قائم کرنے کا ہے۔ جدید دور کے مسائل اور بنیادی اختلافات کے حوالے سے یہ چیز عملاً محال ہے۔ قابل عمل حل آپس میں معاہدات کا ہے(۳۴)۔ اسی سے خلافت کی راہ کو بھی ہموار کیا جاسکتا ہے۔

جہاد:

کافروں کے خلاف جہاد کے حوالے سے بھی رسول اللہ ﷺ کا لائحہ عمل واضح ہے کہ سیاسی غلبہ کے بغیر گردنیں کٹوانا حالات میں ایک ہلچل تو ہوسکتی ہے لیکن تبدیلی کا شاخسانہ نہیں۔ لہٰذا جہاد کو اس طرح ٹولیوں کی صورت میں جاری رکھنا خود سیکولر مسلم حکومتوں کو مضبوط کرنے کا باعث ہے کیونکہ شہادتوں کے ثمرات بھی حکومتیں سمیٹتی ہیں اور جب ان پر بیرونی دباؤ آتا ہے تو وہ شہیدوں کے خون پر پانی بہانے میں کچھ دیر نہیں لگاتیں۔

حکمرانی کا جواز:

حکمرانی کے جواز کے حوالے سے بھی رسول اللہ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی میں ہدایت موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا معاہدوں کو تحریر کروانا اس کی طرف ایک واضح اشارہ تھا۔ حکمران کے انتخاب اور اس کی معزولی کے لیے ضروری تھا کہ ایک تحریری دستاویز تیار کرلی جاتی تاکہ بگاڑ کی صورت میں اسے پیش کیا جاسکتا۔ اس صورت میں کسی کا اس سے انحراف کرنا

آسان کام نہ ہوتا۔ لیکن ایسے کسی تحریری قانون کی غیر موجودگی میں بعد میں آنے والوں نے خلافت راشدہ کے اصول وقواعد کو پس پشت ڈال دیا اور اس وقت کوئی ایسا تحریری معاہدہ پیش نہیں کیا جاسکتا تھا جسے ہر حکمران ماننے پر مجبور ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ عباسیوں کے عہد میں کئی خلفاء کو مسند سے اتارنے کا ایک ہی طریقہ اپنایا جاتا اور وہ اس کا قتل ہوتا۔ حکمرانوں کو ماسوائے اللہ کا خوف دلانے کے اور کچھ نہ کیا جاسکتا تھا کیونکہ انہوں نے بھی اپنے جواز میں علماء کو اپنا حامی بنایا ہوتا تھا۔ موجودہ دور کی صورت حال بھی یہ ہے کہ دینی حلقوں کے پاس حکمران کی تقرری اور معزولی کا کوئی متفقہ لائحہ عمل نہیں ہے۔ ماضی کی طرح آج بھی حکومت کی بات آنے پر خلافت راشدہ کی مثال پیش کردی جاتی۔ دینی حلقوں کو چاہیئے کہ پوری توجہ سے تمام مکتبہ ہائے فکر کو اکٹھا کر کے حکمرانی کے لیے ایک متفقہ قانون وضع کریں جس میں جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے۔ اسی طرح سے مغربی جمہوریت کے چیلنج کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

علاقوں کا الحاق...... علاقائی تعصب کا خاتمہ:

رسول اللہ ﷺ نے ۷ ہجری میں مختلف حکومتوں کی طرف خطوط لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جس کا مقصد اسلام کی دعوت پوری دنیا میں پھیلانا تھا۔ اس میں بنیادی نقطہ یہ تھا کہ اگر کسی سلطنت یا علاقہ کا حکمران اسلام قبول کرلے تو وہ مسلمان کا بھائی ہے اور اسے بدستور حکمران ہی رہنے دیا جائے گا اور اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے گی۔ اس کی عملی مثال رسول اللہ ﷺ نے حبشہ اور بحرین کی حکومتوں کے حوالے سے کی کہ وہاں آپ ﷺ نے کسی کو مدینہ سے حاکم بنا نہیں بھیجا(۳۵)۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد جب تک عرب اپنی خصوصیات کے ساتھ حکومت کرتے رہے یہ پہلو نمایاں رہا*۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی حکمت شاید یہ ہوں کہ مفتوحہ علاقوں کے تشخص کو بحال رکھا جائے تاکہ ان میں باغیانہ خیالات پیدا نہ ہوسکیں۔ جدید اصطلاح میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ صوبائی خودمختاری کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ موجودہ دور میں مسلم حکومتوں کو اقتدار کے ارتکاز کی وجہ سے مرکز گریز قوتوں کا سامنا ہے۔ مسلم حکومتیں غیر مسلم طاقتوں سے تو مذاکرات کرنے میں ہر وقت تیار رہتی ہیں لیکن خود اپنے بھائیوں کے مسائل کو بزور طاقت دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پاکستان کے ضمن میں یہ بات بہت واضح ہے کہ وہ اپنا ایک بازو کھو کر بھی اپنے اندرونی مسائل کو طاقت سے دبانے پر مصر ہے۔ دینی حلقوں کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس پالیسی کو مسلم حکمرانوں پر واضح کریں تاکہ اس کے ثمرات حاصل کیے جاسکیں۔ مسلم حکومتوں کے پاس اسلام کا تصور ایک ایسی چیز ہے جس سے وہ اپنی عوام کو متحد رکھ سکتے ہیں لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب انہیں ملک میں مناسب نمائندگی دی جائے اور انہیں معاشی ناہمواریوں کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔

معیشت اور دولت کی تقسیم:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آکر ایک اور کام کیا جس کی طرف سب سے پہلے توجہ دی وہ مہاجرین مکہ کی بحالی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے مہاجرین کو انصار کے کنبوں کے حوالے کردیا اور اصول یہ رکھا کہ کمائیں گے مہاجر بھی لیکن جب تک وہ خود کفیل نہیں ہوجاتے انہیں ایک سہارے کا احساس رہے گا(۳۷)۔ موجودہ دور میں مسلم حکومتیں ٹیکس الگ

سے وصول کرتی ہیں اور لوگ رضا کارانہ طور پر زکوۃ الگ سے ادا کرتے ہیں۔ اول تو حکومت کا ہی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو حکومتی سطح پر حل کرے۔ حکومتیں چونکہ خود سیاسی ابتری کی شکار ہیں اس لیے جو دینی حلقے اسلام کے نفاذ کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں انہیں یہ چاہیے کہ وہ متحد ہو کر اپنے طور پر باقاعدہ ایک نظام وضع کریں جس میں حق داروں کا تعین کیا جائے اور ایک نظام کے تحت ان میں زکوۃ کو تقسیم کیا جائے۔ علاوہ ازیں جو لوگ کمانے کے قابل ہیں انہیں اسی نظام کے تحت کاروبار مہیا کیا جائے۔

دولت کی تقسیم کے حوالے سے یہ ہے کہ قریش کا معاشرہ تاجروں کا تھا۔ تاجروں کے معاشرے میں جاگیرداری کے برعکس ہر کسی کے پاس ترقی کرنے کے مواقع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری اقدار کے لیے تاجروں کا معاشرہ بہت موزوں ثابت ہوتا ہے۔ جدید دور میں جہاں کہیں بھی جمہوریت مستحکم ہے جاگیرداری نظام کے خاتمے کے باعث ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی تجارت کرتے تھے۔ خیبر کی فتح کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے زرعی زمینوں کو بدستور ان کے مالکوں کے پاس رہنے دیا اور اس میں سے خراج لینا منظور کیا(۳۸)۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے بھی عراق کی زمینوں کے معاملے میں یہی روش اپنائی(۳۹)۔ اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کو جاگیروں سے دور رکھنا مقصود تھا۔ لیکن بعد کی حکومتوں نے مسلم معاشرے کو ایک جاگیردار معاشرے میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ یورپی اقوام نے آ کر اس جاگیرداری کو اور بھی بدتر شکل دے دی جس سے آج تک مسلمان اپنی جان نہ چھڑا سکے۔ مایوس کن صورت حال یہ ہے کہ دینی حلقے اس رویہ کے خلاف کوئی آواز اٹھانے سے گریزاں ہیں(۴۰)۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ اسی بات کا درس دیتا ہے کہ جاگیرداری کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اسی سے ایک عادل حکومت اور متوازن معاشرے کا قیام ممکن ہے۔

نظام تعلیم:

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ قرآن کا مطلب ہی بہت زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے حوالے یہ دیکھنا ہے کہ انہوں نے جس طرح سے علم کی سرپرستی فرمائی وہ دور حاضر کے لیے کیا نمونہ پیش کرتی ہے جس سے مسلمان اپنے تعلیم کے مسائل کو حل کر سکیں۔ سب سے پہلے یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب صفہ کا جو گروہ تیار کیا تھا ان کی دیکھ بھال کے لیے وہ بہت توجہ دیا کرتے تھے۔ صدقہ وخیرات کو ان کے لیے حاصل کیا کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ کام کرنے کے قابل ہوتے انہیں اپنی روزی خود کمانے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے اس بات کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ علم حاصل کرنے کے ساتھ ایک طالبعلم کے لیے نہ صرف یہ کہ کوئی مضائقہ نہیں بلکہ پسندہ ہے کہ وہ خودکفیلی کی طرف بھی توجہ دے۔ جس طرح سے آج مدارس کے طلباء فارغ التحصیل ہونے کے بعد دوسروں کی امداد کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں جبکہ کالج یونیورسٹی کے طلباء باعزت روزی کماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یقیناً اسے پسند نہ فرماتے(۴۱)۔

علم کے حوالے سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا صرف قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا جائے جس پر کہ دینی مدارس کے

ارباب صاد کرتے ہیں یا دوسرے علوم کی بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی اجازت ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو عبرانی سیکھنے کو کہا تا کہ یہودی تورات کے پڑھنے میں آپ ﷺ سے غلط بیانی نہ کر سکیں۔ اسی طرح انہوں نے عبداللہ بن سلامؓ کو تورات پڑھنے کی ہدایت کی۔ عبداللہ بن عباسؓ کو بشارت دی کہ وہ قرآن اور تورات دونوں سے استفادہ کر سکیں گے، لہٰذا عبداللہ بن عباسؓ نے سریانی سیکھی۔ وہ ایک دن قرآن اور ایک دن تورات کی تلاوت کیا کرتے تھے(۴۲)۔ یہ بات بین المذاہب کے مطالعہ کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس سے اس چیز کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مذاہب کا بھی علم حاصل کرنا چاہیے۔ یہ تبلیغ دین کے سلسلہ میں بہت اہم چیز ہے۔ آج کل peace ٹیلیویژن پر جو بین المذاہب مکالمہ جات ہوتے ہیں، ان کے ملاحظہ سے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ اسی کو بنیاد بناتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرتی علوم کو بھی عام کیا جائے کیونکہ یہ قرآن اور حدیث کے سمجھنے میں مزید وسعت پیدا کر سکتے ہیں۔

مدارس کے حوالے سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کو پڑھنے پر بہت زور دیا کرتے تھے لیکن مدارس کے نصاب میں قرآن کی تعلیم واجبی ہوتی ہے۔ زیادہ تر زور فقہ کے مطالعہ پر دیا جاتا ہے جو اپنی روایتی نوعیت کے باعث موجودہ دور کے مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن میں دوسرے علوم کو حاصل کرنے کی طرف بھی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن بہت سارے جدید سائنسی حقائق کی بھی نشاندہی کرتا ہے(۴۳)۔ جبکہ مدارس کے رواتی نصاب کو پڑھ کر تیار ہونے والے علماء چاند اور مریخ کی سائنسی دریافتوں کو مذاق سے زیادہ کوئی اہمیت نیں دیتے۔

رسول اللہ ﷺ کسی بھی علم میں تخصص (specialization) کو اہمیت دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صحابی کے علاج کے لیے دو طبیبوں کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے کہا جو زیادہ جانتا ہے اس سے علاج کروایا جائے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس کو طب سے واقفیت نہیں اگر وہ لوگوں کا علاج کرے تو اسے سزا دی جائے(۴۴)۔ اس بات سے اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ پیشہ ورانہ تعلیم کے ادارے ہونا سیرت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کے عین مطابق ہیں۔ ان کے معیار کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سفارشات:

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی روشنی میں آخر میں ہم چند سفارشات پیش کرتے ہیں۔ مسلم حکومتوں کی خرابی کی بنیادی وجہ حکمران طبقہ میں جاگیرداری اور فوج کی بالادستی ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے حکومتی عہدوں پر اہل اور خداترس لوگوں کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے حکومت پر کسی ایک طبقہ کی اجارہ داری باقی نہ رہے۔ اس سلسلہ میں ایک قدم لوگوں میں زیادہ سے زیادہ شعور کو اجاگر کرنا ہے تا کہ وہ کسی سیاستدان کے ہاتھوں استعمال نہ ہوسکیں۔ حکومت کے بعد ذمہ داری ان لوگوں پر آتی ہے جو دین کے نفاذ کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ مختلف مکتبہ فکر کے دینی حلقے ہیں۔ انہیں سب سے پہلے تو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس کے لیے لائحہ عمل ترتیب دینا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک کام قرآن فہمی کو عام کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن ایک ایسی اساس ہے

جس پر لوگوں کو اکٹھا کرنا زیادہ آسان ہے۔ عام لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ مذہبی طبقہ کے ہاتھوں پیدا ہونے والی گروہ بندی سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دینی حلقوں کو بڑے پیمانے پر مکالمہ کا سلسلہ شروع کرانا چاہیے تاکہ مسلمان اپنے اختلافات کو سمجھ سکیں اور دوسرے کی رائے کو جان سکیں۔ اس سے ہم آہنگی پیدا کرنے میں بہت مدد لی جاسکتی ہے۔ جس طرح سے ہم نے بیان کیا کہ ٹیلیویژن پر جس طرح سے بین المذاہب مکالمہ کو رواج دیا گیا ہے اس طرح سے اسلام میں بین المسالک مکالمہ کو بھی رواج دیا جائے۔ اس سے وہ عناصر جو مذہب کے نام پر اپنی دکان چمکا رہے ہیں انہیں بے نقاب کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے۔ اس طرح عام لوگوں میں ان کے اثر کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں حج اور عمرہ کے موقع پر مسلم حکومتوں کو اور اگر وہ اس سے اعراض برتیں تو دینی حلقے مسلمانوں کے لیے ایسے کورسز کریں جو ان میں مرکزیت کا احساس پیدا کرسکیں۔ اس سے بھی فرقہ واریت اور ملکی قومیت کے جذبات کو کم کرنے اور بالآخر ختم کرنے میں مدد لی جاسکتی ہے۔

یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ دینی جماعتیں اپنے اجتماعات، جن کی نوعیت احتجاجی ہوتی ہے، پر کروڑوں روپے صرف کردیتی ہیں جو کہ آئے روز کی بات ہے۔ ان جماعتوں کا یہی پیسہ عوام کی معاشی اور تعلیمی حالت بہتر بنانے میں صرف کرنا چاہئے۔ اس سے احتجاجی سیاست کے مقابلہ میں زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہی۔ کیونکہ عوام کے استحصال کا ایک بڑا سبب شعور اور تعلیم کی کمی ہے لہٰذا ان چیزوں کے سد باب سے ہم حکمران طبقے کے لیے ایک زیادہ بڑا چیلنج پیدا کرسکتے ہیں۔ دینی مدارس کو ایسے پروگرام شروع کرنے چاہئیں جن سے ان کے فارغ التحصیل طلبہ عملی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لے سکیں اور معاشرہ پر بوجھ بن کر دین کے تصور کو خراب نہ کریں۔

جہاد کے حوالے سے عرض یہ ہے کہ ظالم طاقتوں کے خلاف مزاحمت ضروری ہے لیکن ان تنظیموں کو اس بات کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے کہ ان کے اندر سے جو خطرات پیدا کر ان کی تمام محنت پر پانی پھیر سکتے ہیں ان کا کیا سد باب ہونا چاہئے۔ لہٰذا جہاد کے علمبرداروں کو حکومتی سطح پر بھی اپنا کردار ادا کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے باہر والوں سے لڑنے سے قبل پہلے مدینہ کے اندر طاقتوں کو اپنا ہمنوا بنایا تھا۔

☆○☆○☆○☆

حواشی اور حوالہ جات

۱- ﴿ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون﴾ (الصّف: ۹) ۲- سید قاسم محمود، ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی بہترین تحریریں، (لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۳)، ص ۳-۲۷، اقبال اکادمی کے زیر اہتمام ۳۰/ اپریل ۱۹۹۲ء میں پاکستان میں کی۔ ۳- معاملہ گو خلافت راشدہ والا نہ تھا لیکن بنی امیہ کے خلفاء دین کی خود سرپرستی کرتے تھے، نیت خواہ کچھ بھی ہو۔ ہ جمعہ اور عیدین کے خطبات خود دیا کرتے تھے۔ مروان بن الحکم کے نماز عید کے بارے میں ابوسعید خدری کی روایت کے لیے دیکھئے، امام مسلم، صحیح مسلم، (لاہور: مکتبہ نعمانیہ، ۱۸۹۱)، جلد ۲، ص ۳۳۶، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جمع حدیث جیسے کام کی ابتدا اپنی خلافت میں کروائی۔ ۴- یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اولین

دور میں ہی خانہ جنگی کا ظہور ہوا۔ اگر ایک متفقہ قانون موجود ہوتا تو کم از کم صحابہ کرام کی حد تک کسی بغاوت یا خانہ جنگی کا احتمال نہ ہوتا ہے۔ سلاطین دہلی اور مغلوں کے حوالے سے یہ بات غور طلب ہے کہ ان کے سکوں روپے سا سانیوں کا عکس پیش کرتے تھے۔ کیقباد، کیخسرو، دارا شکوہ، اورنگزیب جیسے نام رکھنا اسی چیز کا مظہر تھا۔ اس کی مزید تحقیق ضیاء الدین برنی کے بیان سے ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں جو جاہ وجلال رائج ہوگیا اسے بامر مجبوری کے قبول کیا جائے۔ ضیاء الدین برنی، فتاویٰ جہانداری، مترجم: پروفیسر عتیق الرحمٰن (اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، ۲۰۰۴)، ص ۲۵۶۔ ۵- جس طرح سے ہندوستانی تہذیب ایرانی اور عرب تہذیب سے مختلف ہے۔ عرب میں آج بھی چار شادیاں کرنا کوئی مسئلہ نہیں جبکہ ہندوستان میں ہندو اثرات کی تحت دوسری شادی انتہائی ناپسندیدہ چیز خیال کی جاتی ہے۔ ۶- ڈاکٹر محمد فاروق نے پاکستان کے حوالے سے اسی نکتہ کو بنیاد بنایا کہ دینی جماعتیں بتدریج عوام میں اپنی حمایت کھو رہی ہیں اور اس کی بنیادی وجہ عملی لائحہ عمل کا فقدان ہے۔ دیکھیے، ڈاکٹر محمد فاروق خان، اسلامی انقلاب کی جدوجہد۔ غلطی ہائے مضامین، (لاہور: مورب، ۱۹۹۴)، ص ۲۱۔ ۷- گو مغرب آج اسلام کو ایک حریف کے طور پر تصور کرتا ہے اور اس کی مسلم ممالک کے خلاف کارروائی اسی چیز کا مظہر ہے لیکن مختلف مفکرین کے خیال کے مطابق یہ مغرب کی غلط فہمی اور خام خیالی ہے کہ وہ اسلام کو اپنا حریف سمجھتا ہے، اس لیے کہ مسلمان مجموعی طور پر مغرب کے خلاف کوئی سیاسی عزائم نہیں رکھتے۔ اسی بات کو ظفر اسحاق انصاری نے مختلف حوالوں سے بیان کیا، دیکھیے، Muslims and the West- Encounter and Dilogue، (اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۰۱)، ص ۴۔ ۸- حسین حقانی، Pakistan- Between the Mosque and Military، لاہور: آکسفورڈ، ۲۰۰۵) ص ۱۸۔ ۹- شوکت علی، Pan Movements in the Third World، (لاہور: پبلشرز یونائیٹڈ، سن ندارد)، ص ۲۴۱۔ ۱۰- دینی جماعتیں جو سیاست میں شامل ہیں وہ اپنے مختلف منشور رکھتی ہیں اور مسائل کے مختلف حل پیش کرتی ہیں۔ ایک آمر اگر ان کے مطابق چلے تو ان کے لیے جائز ہوتا ہے جس طرح کہ ضیاء الحق کی مثال ہے۔ اسی طرح نواز شریف کی جہادی تنظیموں پر پابندی کے رجحان کی وجہ سے جہادی تنظیموں نے صدر مشرف کے اقتدار پر قبضہ کرنے کا خیر مقدم کیا۔ حسین حقانی، حوالہ سابقہ، ص ۳۰۰۔ ۱۱- ہندوستان کے منصب داری اور زرعی نظام کے حوالے سے دیکھیے، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، The Administration of ths Mughal Empire، (کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۶۱)، ص ۱۶۱۔ ۱۲- یاد رہے کہ مسلم ممالک کے سرمایہ دارانہ نظام میں بھی جاگیرداری کی روح کارفرما ہے کیونکہ یہ سرمایہ دار آغاز میں جاگیردار تھے اور بعد میں تجارت پر بھی انہی کا قبضہ ہوا۔ سعودی عرب میں تیل کی تجارت گو سرمایہ داری ہے لیکن مزاج جاگیردارانہ ہے۔ ۱۳- پاکستان کے حوالے سے بات کریں تو ضیاء الحق کے دور میں ہائیکورٹ میں جو شریعت بنچ قائم کیے گئے اول تو ان پر پابندی لگائی گئی کہ حکومت کی کسی پالیسی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیا جائے گا لیکن جب اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو انہیں سرے سے ختم کرکے ایک وفاقی شرعی عدالت قائم کردی گئی جس کے اختیارات مزید کم کرکے صرف سفارشات تک محدود کر دیے گئے، دیکھیے انیتا ایم-ویس، *Islam and the State in South Asia*، *Islamic Reassertion in Pakistan*، (لاہور: وینگارڈ، ۱۹۸۷) ص ۱۲، موجودہ دور میں مشرف حکومت بھی کچھ اسی طرح کے کاموں میں مصروف ہے۔ ۱۴- نذیر ناجی، ''سویرے سویرے''، روزنامہ جنگ لاہور، ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۶ء۔ ۱۵- ڈاکٹر محمد اقبال، Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، (لاہور: سنگ میل، ۱۹۹۶)، ص ۱۳۲۔ ۱۶- برطانیہ کا اپنا انگلیکن چرچ ہے جبکہ فرانس والے کیتھولک ہیں اور ماضی میں ان کے درمیان حکومت کے مسئلے پر جنگیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ ۱۷- "classless rnd tolerant society" آکسفورڈ ڈکشنری میں democracy کے معنی۔ ۱۸- انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس، جلد ۷ (نیویارک: چارلز سکرائبرز سنز، ۱۹۵۸)، ص ۷۱۱، عبارت اس طرح ہے: Since the 17th century there has been an tendency to regard kingship a survival, unsuitable to a democratic political

society. American and French have subtitued a president of the republic. This involves once more the question of terminology. The president with a veto or a casting vote is a king in effect; the king who may only advise is not a king in effect. ۱۹- سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۷)، ص ۱۶۷۔ ۲۰- جماعۃ الدعوۃ کا موقف دیکھئے، عبد القدوس سلفی، اسلاف کی سیاست اور جمہوریت، (لاہور: سن ندارد)۔ ۲۱- ڈاکٹر محمد فاروق، حوالہ سابقہ، ص ۱۳۵۔ ۲۲- سلاطین دہلی کے حوالے سے ضیاء الدین برنی کے مرتب کردہ افکار کے لیے دیکھئے، محمد حبیب وبیگم افسر سلیم، سلاطین دہلی کا سیاسی نظام، (نئی دہلی: انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ، ۱۹۷۹)، ص ۳۵۔ ۲۳- بروس بی۔ لارنس، "Muslim Fundamentalist Movements: Reflection Toward a new Approach"، باربر افریز ستواسر، The Islamic Impulse، (لندن: کروم ہیم، ۱۹۸۷)، ص ۱۵۔ ۲۴- ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، (کراچی: ۱۹۷۲)۔ ۲۵- مولانا ابوالکلام آزاد، خطبات آزاد، (لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۰۴)۔ ۲۶- ایریک ڈیوس "The Concept of Revival and The Study of Islam and Politics"، باربر افریز، حوالہ سابقہ، ص ۳۹۔ ۲۷- مثال کے طور پر عبدہ کا نظریہ تھا کہ یورپی نظریات اسلام کے غلبے میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں، دیکھئے، یون ہداد، "Muhammad Abduh: Poineer of Islamic Reform"، علی راہنما، Poineers of Islamic Revival، (لندن: زیڈبکس لمیٹڈ، ۱۹۹۴)، ص ۳۴۔ ۲۸- یہی وجہ تھی کہ حسن البنا کسی مسجد میں درس دینے کی بجائے کافی ہاؤس میں اپنا نکتہ نظر بیان کرتے کیونکہ یہ زیادہ مؤثر ثابت ہوتا تھا۔ ان کے دوسرے امور بھی اسی طرح جدت کو اپنائے ہوئے تھے، دیکھئے، ڈیوڈ کامنز، Hasan al Banna"، علی راہنما، حوالہ سابقہ، ص ۱۳۲۔ ۲۹- چارلس ٹرپ، "Syed Qutb: The Political Vision"، علی راہنما، حوالہ سابقہ، ص ۱۷۱۔ ۳۰- مولانا مودودی اس بات کے مخالف تھے کہ حکومت انڈیا کے ساتھ جنگ کے معاہدے کے بعد کشمیر میں خفیہ طور پر کارروائیاں بھی جاری رکھے نیز ان کے خیال میں جہاد ایک اسلامی حکومت کے تحت ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن جماعت اسلامی نے افغان جہاد کی بنیاد پر ایک فوجی حکومت کو تسلیم کیا اور پھر کشمیر میں بھی جہاد کے لیے مدد روانہ کرنے لگے، دیکھئے، ولی رضا نصر، "Mawdudi and The Jama'at Islami: Origin, Yheory and Practice of Islamic Revivalism"، علی راہنما، حوالہ سابقہ، ص ۱۱۴۔ ۳۱- جہادی جنگ کے ذریعے سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر جماعۃ الدعوۃ کے مجلّہ الدعوۃ کے شروع کے نمبروں میں ایک کالم آیا کرتا تھا 'یہ ریڈیو جہاد ہے'۔ عنوان کے نیچے یہ عبارت درج ہوتی تھی 'اسلام کے معیاری وقت کے مطابق یہ وقت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ہے، اب آپ کلاشن کوف کی آواز میں خبریں سنیں'۔ مجلّہ الدعوۃ لاہور، فروری ۱۹۹۳ء۔ ۳۲- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۲۳۔ ۳۳- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ، (لاہور: پروگریسو بکس، سن ندارد)، ص ۸۲۔ ۳۴- حسن البنا کا موقف یہی تھا کہ مسلمان آپس میں معاہدات کرکے ایک لیگ قائم کریں، دیکھئے، ڈیوڈ کامنز، حوالہ سابقہ، ص ۱۳۵۔ ۳۵- سید قاسم محمود، حوالہ سابقہ، ص ۲۹۱۔ ۳۶- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۳۲۲۔ ۳۷- ایضاً، ص ۳۳۱، حضرت عمرؓ نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا اور وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے وہ کما نہیں سکتا اس لیے جزیہ دینے سے قاصر ہے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کردیا۔ ۳۸- صفی الرحمٰن مبارکپوری، (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۹۷)، ص ۲۰۹۔ ۳۹- شبلی نعمانی، الفاروق، (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۹۷)، ص ۲۰۵۔ ۴۰- مولانا مودودی نے ۱۹۵۱ء میں جاگیرداری کے خلاف بل کی مخالفت کی۔ ان کے مطابق ایک اسلامی حکومت کا قیام پہلے ہے باقی چیزیں اس کے ساتھ ٹھیک ہوجائیں گی۔ دیکھئے، ولی رضا نصر، حوالہ سابقہ، ص ۱۰۸۔ ۴۱- ایک دفعہ صفہ میں سے ایک لڑکے کی وفات ہوگئی تو اس کے سامان میں دو دینار برآمد ہوئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار

فرمایا کہ جس کے پاس دو دینار جیسی خطیر رقم ہو وہ کیونکر خیرات پر انحصار کرتا رہا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۲۷۰۔ ۴۲- ایضاً، ص ۲۷۴۔

۴۳- ایضاً، ص ۲۷۶، ایک مشہور مصنف بوکائی جو کہ ایک سرجن ہے اس کی مشہور تصنیف کا نام 'بائبل، قرآن اور سائنس' ہے۔ اس میں اس نے اس چیز کا ذکر کیا ہی کہ علم جنین کے متعلق جو تفصیلات قرآن مجید میں دی ہیں ان کا علم نہ یونان کے مشہور اطباء کو تھا اور نہ زمانہ حال کے یورپی لوگوں کو ہے۔ ۴۴- ایضاً، ص ۲۷۷۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزائی - کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ دنیا دارالامتحان اور مسائل وحوادث کی جگہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انِ الَّذِیْ خلقَ الْموْتَ وَالْحیوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحسَنُ عَمَلًا. (۱)

''وہ ذات جس نے موت ارزندگی کو ایجاد کیا، تاکہ تم لوگوں کو ازما کردیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے''

انسان کو پیدائش سے لیکر موت تک انفرادی اور اجتماعی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ. وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (۲)

''اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کرتمہاری آزمائش کریں گے ان حالات میں جولوگ صبر کریں انہیں خوشخبری دے دو''

لیکن قرآن و حدیث کی رہنمائی میں وہ ان مسائل کا حل ڈھونڈ نکالتا ہے، کیونکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اس میں زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی ملتی ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (۳)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دنی کو مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردیا اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کرلیا ہے''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے بارے میں جو تمام چیلنجز کا مقابلہ کرسکتا ہے، ارشاد فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۴)

''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے''۔

قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ. قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (۵)

''تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے''۔

اس آیت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں، یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتاب مبین پر صحیح عمل کرسکو گے۔ اوراس نمونے کے بغیر تمہیں صحیح طرح عمل کرنے میں دشواری ہوگی، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نور کتاب اللہ کی عملی تشریح کر کے دکھائے گا''(۲)

مذکورہ بالا ارشادات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام میں عصر جدید کے مسائل کا مکمل حل موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں کے لحاظ سے ایک بین الاقوامی سیرت ہے یہ ایک ذات اقدس کی زندگی کا دستور نہیں بلکہ نسل انسانی کے لئے تا ابد ایک مکمل دستور حیات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ دنیا کا ایک آئینہ ہے، جسمیں عصر حاضر کے طور و اطوار کی اصلاح موجود ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کو اگرچہ اس وقت بے شمار مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں، جن میں معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی اور تعلیمی مسائل اور چیلنجز، شامل ہیں، لیکن اس مشکل وقت میں یہ حقیقت تقویت ایمان کا باعث ہے کہ سیرت نبوی (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) نے قران وسنت کی تعلیمات اوراسوہ حسنہ کی صورت میں چودہ صدیاں قبل ہی عطا فرما دیا تھا، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عملی جامع پہنائے۔ ذیل میں اُمّتِ مسلمہ کو درپیش بعض اہم مسائل اور چیلنجز کے متعلق کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ فکری چیلنج:

موجودہ دور میں یوں تو عالم اسلام کو بے شمار مسائل درپیش ہیں، مگر غور کیا جائے تو ان مسائل کی جڑ اور اصل حدف ایک ہے اور وہ ہے مسلمانوں کا فکری طور پر مغرب سے مغلوب ہو جانا۔ چونکہ انسان کے تمام انفرادی واجتماعی مسائل اوران کے حل کے لئے اولین اساس و بنیاد اس کا نظریہ وفکر ہی ہوتا ہے، یعنی وہ کس نظریہ سے اپنے مسائل کو دیکھتا اور ان کا حل چاہتا ہے، خدا پرستی کی راہ سے یا مادہ پرستی کی راہ سے، اگر وہ صاحب ایمان ہے تو وہ اپنے تمام مسائل کا حل اس عقیدے اورایمان کی روشنی میں دریافت کرے گا، اگر وہ مادیت کا شکار ہے تو اس کی سوچ وفکر اورمسائل کے حل کا راستہ بالکل علیحدہ ہوگا، موجودہ دور میں اس کا نام سیکولر طرز فکر ہے۔ موجودہ وقت کا مغرب جس نظریہ وفکر کا علمبردار ہے اور اس کا پرجوش داعی ہے، وہ یہی مادی نظریہ وفکر ہے۔ اس نظریہ کے تحت مغرب نے یہ بات طے کردی ہے کہ مذہب انسان کا نجی معاملہ ہے اور اس کا دائرہ کار محض عقائد اور عبادات تک محدود ہے اور جہاں تک انسان کے انفرادی و اجتماعی مسائل و معاملات کا تعلق ہے، وہ سب عقل سے طے ہوں گے، خواہ وہ سیاسی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی، تمدنی ہوں یا نظام ونسق و قانون سے متعلق ہوں، مذہب کو ان میں مداخلت کی اجازت نہیں۔

مغرب کے اس فکر کے برخلاف اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا ماننا محض حقائق کا مجرد علم نہیں بلکہ فکر ونظر کا ایک بنیادی زاویہ ہے، جس پر انسانی حیات کے تمام شعبوں کے رخ کے متعین ہونے کا مدار ہے، اگر یہ فکر (عقیدہ توحید و رسالت) اس کی زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز نہیں، تو حقیقتاً

اس کا ایمان وعقیدہ غیر معتبر ہے، یہ ایسا ہی ہے گویا اس نے توحید کا اقرار کیا، نہ رسالت کو تسلیم کیا جیسے قرآن نے اعلان فرمایا کہ:

فَلا وَرَبِّکَ لَایُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا(۷)

''پس آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تنازعات میں حاکم تسلیم کر لیں۔ پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلوں پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور انہیں پوری تسلیم کر لیں''

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں ارشاد ہے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ. وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا(۸)

''اور (دیکھو) کسی مؤمن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا''۔

مزید ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ.(۹)

''ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے''۔

آپ ؐ کا سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہونا اور پھر آخری رسول ہونا اسکا کھلا تقاضا کرتا ہے کہ ہر انسان اور ہر زمانے کا انسان آپ ؐ پر ایمان لائے اور آپ ؐ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین مان کر لازماً اس کی پیروی کرے، اس لئے ایک مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب دنیائے انسانیت کی دینوی اور اُخروی فلاح صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد ہی اسلام کے اس فکر ونظریہ (توحید و رسالت) کو غالب و حاوی کرنا ہے۔ اس فکر ونظریہ کو غالب کرنے کیلئے سب سے پہلے دل کی اصلاح ضروری ہے، کیونکہ دل ہی پر افکار ونظریات یعنی عقائد کی حکمرانی ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

الا و ان فی الجسد امضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب(۱۰)

''آگاہ رہو کہ جسم کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سن لو کہ یہ دل ہے''

مغرب کی اس فکری چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے مولانا محمد عیسیٰ منصوری یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ:۔

''چونکہ اس وقت کا سب سے بڑا چیلنج یہی ہے کہ مغرب پوری طرح اُمّتِ مسلمہ کے دل و دماغ اور جذبات وفکر پر حاوی ہو چکا ہے...... اس لئے مغرب کی اس ہمہ جہت غلامی و تسلط سے نجات اور خلاصی کی صرف ایک راہ ہے، وہ یہ کہ مغرب کوفکر ونظریات کے میدان میں شکست سے دوچار کردیا جائے کہ اس کے انکار کی سطحیت، کمزوری اور بودا پن اوراس کا انسانیت کے لئے مہلک ومضرت رساں ہونا پورے طور پر واضح کردیا جائے اوراسلام وقرآن کے عطا کردہ نظریات وافکار کی برتری، ان کا انسانیت کے لئے نفع بخش ومفید ہونا علمی وعقلی طور پر ثابت کرکے عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لا کر مغرب کے ہولناک، مضرت رساں، خود غرضانہ اور گمراہ کن سیاسی، معاشی وتمدنی نظاموں اوراس کی دجالی و شیطانی فکر و سوچ کو سائنٹفک انداز میں واشگاف کیا جائے۔(۱۱)

۲- ریاستی دہشت گردی کا چیلنج:

دور حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کوایک اہم چیلنج یہ درپیش ہے کہ وہ ریاستی اور بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار ہیں، خاص کرعراق، افغانستان، فلسطین، کشمیر، چیچنیا اورفلپائن وغیرہ کے مسلمان امریکہ، اسرائیل، روس، ہندوستان اور دیگر ممالک کی دہشت گردی کی زد میں ہیں۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دہشت گرد ریاستوں نے عالمی میڈیا کے زور پر ان مسلمان مزاحمت کنندہ تحریکوں اورلوگوں کو دہشت گرد قرار دے کرقتل و غارت کا بازار گرم کررکھا ہے،اس دہشت گردی کے نتیجے میں جن کے گھر مسمار ہو رہے ہیں، نوجوان قتل ہو رہے ہیں، کھیتیاں جل رہی ہیں،عورتوں کی بے حرمتی ہورہی ہے اور بچے مررہے ہیں، الٹا وہ دہشت گرد قرار دیے جا چکے ہیں اور جوقتل و غارت میں مصروف ہیں وہ اُمّت کی پیغامبر ہیں۔ (۱۲)

اسی طرح خاص کر امریکہ میں سٹیج کیا گیا ۱۱رستمبر ۲۰۰۱ء کے دھماکوں کے واقعات کا ڈرامہ اور اس کی اساس پر ''دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جنگ'' اور اس کے ذریعے اسلام اور اس کے ذریعے اسلام اورمسلمانوں کا عالمی پیمانے پر شکار اور سارے اسلحہ اور سامان ہائے جنگ اورلشکر جرار کے ساتھ ہراسلامی ملک پر یکے بعد دیگرے دھاوا اور ہر ایک کو طرح طرح سے مجبور کرنا کہ اوہ اپنے ہاں نصاب ہائے تعلیم، طرز معاشرت اورمعیشت، نظام حکوم وغیرہ میں تبدیلی لائے، نیز ہراسلام پسند اوردیندار مسلمان کو''دہشت گرد'' قرار دے اور ہردینی عالم کو''بنیاد پرست''باور کرے اور ہر دینی مدرسے اوراسلامی یونیورسٹی کو دہشت گردی کا اڈا مانے اور ہر رفاہی ادارے اورانجمن کو دہشت گردی کی مؤید اور مالی امداد دینے والی تصور کرے اور اصلی وصحیح اسلام کو دہشت گردتسلیم کرے اور ایک ایسا''معتدل'' اسلام معرض وجود میں لائے جوزمانے سے ہم آہنگ اور امریکہ، سرائیل اور عالمی صیہونیت،مسیحت سے ہمدردی رکھتا ہو، جس کوصرف منافق اور مرتد ہی گوارا کرسکتا ہے اور سچا و پکا مسلمان جس کا دل اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دینی حمیت اوراسلامی غیرت سے لبریز ہو، ہرگز گوارا نہیں کرسکتا، یہ ساری پالیسیاں اسلام کے خلاف عالمی دہشت گردی کا حصہ ہیں''(۱۳)

اسلام اگرچہ امن وسلامتی کا دین ہے، جیسا کہ قرآنی آیات(۱۴)اور ارشادات نبویؐ(۱۵) سے ثابت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو؟ظلم نہیں کرنا چاہئے، ناحق خون نہیں بہانا چاہیئے، بے گناہ انسانوں کی جان ومال کو

نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے۔کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیے جو ناجائز تشدد کے زمرے میں آتا ہے،لیکن جہاں تک ظالم کا ہاتھ روکنے، کی طاقتوں کے تسلط سے نجات حاصل کرنے اور مظلوموں کی مدد کرنے کاتعلق ہے، اسلام اس سے نہیں روکتا، بلکہ اس مقاصد کے حصول کے لئے مسلح جدوجہد کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جسے جہاد کہتے ہیں۔

اسلام نے مسلح جدو جہد کی اجازت جن مقاصد کیلئے دی ہے وہ یہ ہیں:

۱) دفاعی:۔یعنی جب دوسرا آپ پر حملہ کرے تو دین اور اسلامی ریاست کے تحفظ کیلئے تلوار استعمال کی جائے۔

۲) دفعہ فتنہ: یعنی جب انسانوں پر ظلم کیا جائے اور دعوت دین کے دستوری اور قانونی راستے بند کردیے جائیں اورخدا کے بندوں کو انسانوں کی غلامی میں جکڑ لیا جائے تو شر اور فتنے کا مقابلہ کرنے کے لئے اور منکر کے تسلط کو توڑنے کے لئے قوت استعمال کی جائے(۱۶)

مسلمان اس وقت تک جن حالات سے دوچار ہیں دفاعی جہاد کے متقاضی ہیں، دشمن مسلمان ملکوں اور شہروں پر حملہ آور قابض ہیں،مسلمانوں کے بنیادی حقوق پامال ہورہے ہیں۔لہذا انہیں دفاع کا حق ہے اور ایسے حالات میں جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ارشادخداوندی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا. وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (۱۷)

''جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کررہے ہیں،انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشادفرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا. اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ(۱۸)

''لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جوتم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا''۔

ذات گھر،ملک وملت کے تحفظ اور ظلم کا بدلہ لینے کے علاوہ مظلوموں کی مدد کے لئے جہاد لازمی ہو جاتا ہے،قرآن مجید کا اعلان ہے:

وَمَالَكُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا. وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا. وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا(۱۹)

''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں،عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کردے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا''

جوشخص با جماعت اپنے حقوق کے تحفظ کی جدوجہد میں مارا جائے تو وہ شہید ہیں،سعد بن زیدؓ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جوشخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جوشخص اپنی ذات کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے عیال کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔''(۲۰)

جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد ایک ہی بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کا کلمہ بلند ہو اور اسلام پر عمل کرنے والے آزادی کے ساتھ خدا کی عبادت اور خدا کے دین پر عمل کرسکیں، جیسا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت و ناموری کے لئے اور کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، فرمایئے ! ان میں سے کس کی جنگ راہ الہیٰ میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

فمن قاتل لتکون کلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله(۲۱)

''جوشخص اس لیے جہاد کرے کہ اللہ کا دین بلند ہو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کا مقصد مقرر کر کے جنگ کو محدود کر دیا اور دنیا کو بتا دیا کہ اسلام کی غرض لوگوں سے ڈرنا یا قوموں کو تباہ کرنا نہیں ہے، بلکہ اسلام کے معنی ہی صلح اور امن ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قانون جنگ کا اعلان صرف اس وقت ہو سکتا ہے، جب مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے جس زمین یا ملک پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہوا وہاں سے ان کو بے دخل کیا جائے اللہ کے راستے سے روکا جائے اور دین قبول کرنے میں مزاحمت کی جائے۔مسلمانوں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا جائے یا اسلام کی توہین کی جائے اور دین کو بڑا کہا جائے، مسلمانوں کے مذہب کو گالیاں دی جائیں دشمن عہد کر کے بدعہدی کرے یا عہد کو توڑ دے دارالاسلام میں بدامنی اور فساد کیا جائے مسلمانوں کی کوئی جماعت دشمنوں کے پنجے میں گرفتار ہو جائے اور اس کو ستایا جائے، جب تک ان وجوہات میں سے کوئی وجہ موجود نہ ہو، جنگ نہ کی جائے۔(۲۲)

چونکہ بین الاقوامی دہشت گردی کی شکل میں مذکورہ بالا وجوہات میں سے اکثر موجود ہیں،اس لئے مسلمانوں کے لئے جہاد پر عمل کرنا ناگزیر ہے۔

۳۔ دعوتی جہاد کا فقدان:

عصر حاضر کی اُمتِ مسلمہ کو جس طرح بین الاقوامی دہشت گردی کا چیلنج درپیش ہے اور اس چیلنج کے تدارک کے لئے وہ مسلح جہاد سے روگردانی کا مظاہرہ کررہی ہے اسی طرح وہ علمی و دعوتی جہاد یعنی اسلام کی پر امن تبلیغ اور تبلیغ اور دلیل و استدلال کے ذریعے اسلامی نظام حیات کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو دین کی طرف بلانے سے بھی پہلو تہی کررہی ہے۔

در اصل جہاد کی دو قسمیں ہیں، ایک بدنی جہاد جو شر و فساد کو دور کرنے کے لئے ہاتھ یا ہتھیار کے ذریعے کیا جائے، جبکہ اس کی ضرورت پڑ جائے اسے عسکری جہاد بھی کہا جاتا ہے اور دوسرا قوی جہاد جو زبان سے کیا جائے اور یہ پر امن

تبلیغ کا کام ہے، جو جہاد کی اصل روح کے مطابق ہے اس لئے اصل جہاد یہی ہے، جو دعوت اسلامی کا دوسرا نام ہے اور اس کے لئے وہ تمام ذرائع استعمال کیے جاسکتے ہیں، جو اس کی کامیابی کیلئے ممکن ہو سکتے ہیں(۲۳)

یہ قولی جہاد جسے دعوتی جہاد بھی کہتے ہیں، فکری و اعتقادی شر و فساد کو ختم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور اس جہاد کو قرآن عظیم میں بڑا جہاد کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْشِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا(۲۴)

''اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (لیکن ہم نے ایسا کرنے کی بجائے کا یک جامع کتاب بھیج دی ہے جو تمام بستیوں کی ہدایت کے لئے کافی ہے) پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں''

مفسرین کے نزدیک وجاهدهم منها کا مرجع قرآن ہے، یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں(۲۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کو''زبان کا جہاد'' ہی فرمایا ہے۔(۲۶) جو اصل ہے قران کے ذریعے جہاد کرنے کی، اسی جہد قومی کی تائید میں ایک مزید حدیث اس طرح آئی ہے کہ

افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جابر (۲۷)

''سب سے بڑا جہاد جابر باشاہ کے سامنے انصاف کی بات کرنا ہے''

اس لحاظ سے''جہاد بالقول'' پر قران و حدیث دونوں متفق ہیں۔ اگر ہم موجودہ دور کے تقاضے کے مطابق علمی و قلمی جہد بھی کہہ سکتے ہیں، اس دعوتی یا علمی جہاد کی دین میں بڑی اہمیت ہے، اسی لئے بعض علماء نے علمی جہاد کو بدنی جہاد سے افضل قرار دیا ہے، جیسا کہ امام جصاص رازی نے صراحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

فجهاد العلم اصل و جهاد النفس فرع والاصل اولیٰ بالتفضل من الفروع(۲۸)

''علمی جہاد اصل ہے اور بدنی جہاد اس کی فرع ہے، اس اعتبار سے علمی جہاد افضل و اعلیٰ ہے''

واضح رہے کہ جہاد شرعی حیثیت سے ایک دائمی فریضہ ہے،، جسے بغیر کسی انقطاع یا تعطل کے قیامت تک ہمیشہ جاری رہنا چاہئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں شکلوں یعنی جہاد عسکری اور جہاد علمی میں سے کسی ایک کو مسلمان اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ہمیشہ ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جہاد اس وقت سے (برابر) جاری ہے، جب سے کہ اللہ نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، یہاں تک کہ میری اُمّت کا آخری شخص دجال سے جنگ نہ کرے''(۲۹)

چنانچہ تاریخی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاد بمعنی جنگ و جدل یعنی جہاد عسکری، مکی دور میں فرض نہیں تھا، بلکہ وہ مدنی دور میں فرض ہوا اور مکی دور میں جو جہاد فرض تھا، وہ جہد کی پہلی شکل یعنی قولی یا دعوتی جہاد تھا، جو پر امن تبلیغ کا نام ہے، کیونکہ مکی دور میں مسلمان مغلوب تھے اور اس بنا پر وہ عسکری جہاد پر عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے لہذا ہر دور کے مسلمانوں کے لئے یہ دو نمونے ہیں کہ ہر دور کے احوال و کوائف کے مطابق جو جہاد وقت کے لحاظ سے مناسب ہو، اس

پر عمل کر کے اپنا شرعی فریضہ ادا کرتے رہیں، اس اعتبار سے مسلمانوں کو جہاد سے منہ مڑنے کا کوئی موقع نہیں ہے، خواہ وہ کتنی بے سرو سامانی کے عالم میں ہوں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں اپنے وسائل کے مطابق اس فریضے کو انجام دیتے رہیں، کسی بھی حال میں انہیں مایوس ہو کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (۳۰)

''جن لوگوں نے ہمارے راستے میں جہاد کیا تو ہم ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیں گے، اللہ یقیناً صحیح طریقے سے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے''

چنانچہ ایک دوسری آیت میں مذکور ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو کسی کے دباؤ میں آ کر ہاتھ روک لینا یا گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ بے خوف وخطر ہو کر اپنی جدو جہد جاری رکھنا چاہئے چنانچہ مجاہدین کی تعریف میں ارشاد ربانی ہے:

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۔ (۳۱)

''وہ ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے''۔

اصل بات یہ ہے کہ جہاد ملت اسلامیہ کے لئے سراپا زندگی ہے، جبکہ ترک جہاد اس کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ آج عالم اسلام میں جتنے بھی مفاسد اور رخنے پیدا ہو گئے ہیں، وہ سب جہاد سے منہ موڑنے اور اس سے لا پرواہی برتنے کا نتیجہ ہے، جہاد سے روگردانی اغیار کی غلامی کا باعث ہے لہٰذا ملت کی تعمیر نو کے لئے ہمیں اس میدان میں دوبارہ آگے بڑھنا ضروری ہے اور یہ اکیسویں صدی کے چیلنج کا صحیح جواب ہوگا۔ (۳۲)

۴۔ دفاع اور آلات حرب سے غفلت:

دور حاضر میں مسلمانوں کی بے بسی کی ایک وجہ ان کی قیادتوں کا دفاعی تیاریوں سے غافل ہونا ہے، مسلمان قیادتوں نے عالم کفر کے عزائم کا صحیح ادراک نہیں کیا، آج دنیا کے غیر مسلم ممالک بالخصوص امریکہ اور یورپ نے اپنے اپنے ایٹمی پروگراموں کی تخلیق، تعمیر اور ترویج کو نہ صرف جائز رکھا ہوا ہے بلکہ ان گنت نوع کے جہنمی اسلحے اور وسیع تر تباہی کے ہتھیار بنائے ہیں (۳۳) اور انہیں اہل مشرق بالخصوص مسلمانوں پر آزمائے بھی ہیں اور انہی زبردست تباہی کے ہتھیاروں کے طفیل انہوں نے دنیا پر اپنی چودھراہٹ قائم کر رکھی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے پاس اپنے دفاع کے لئے کسی بھی قسم کے روایتی اور جدید ہتھیار کے بنانے یا انہیں حاصل کرنے کا حق نہیں دیتے۔ کفری طاقتوں کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی جان و مال عزت و آبرو اور گھر بار اور وطن و مملکت کے دفاع کے لئے تیاری کریں اور اس فرض سے جنگی ساز و سامان کے بنانے اور انہیں تیار رکھنے سے غفلت کا مظاہرہ نہ کریں، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۔ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۔ (۳۴)

''تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی، کہ اس

سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور ان کے سوا اوروں کو بھی"۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

یہ آیت جہاد کے لئے تیاری اسلحہ، تیروں اور شہسواروں کی تعلیم کی تربیت پر دلالت کرتی ہے"۔(۳۶)

شیخ احمد ملا جیون فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ یہاں بر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسلحہ اور گھوڑوں کی تیاری کا حکم بلیغ اور موکد انداز میں موجود ہے۔ آیت کے اندر ان سب کی دلیل ہے''(۳۶)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیرزنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا، آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے، اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب وضرب تیار ہوں وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں''(۳۷)

مولانا محمد ادریس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہو گا، اس لئے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لئے ہر مکان و زمان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کیے ہیں۔ ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہو گا، تاکہ کفر وشرک کا مقابلہ کر سکیں''(۳۸)

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث سے بھی اعداد آلات حرب وضرب کی تاکید وترغیب ملتی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:۔

''اور تیاری کرو کافروں کے ساتھ جنگ کے واسطے دو چیزیں جن سے تم قوت سے کر سکو خبردار بیشک قوت تیر اندازی ہے، خبردار بیشک قوت تیر اندازی ہے، خبردار بیشک قوت تیر اندازی ہے''(۳۹)

یعنی دشمن سے پنجہ آزمائی کے لئے جس تیاری کی ضرورت ہے، تیر اندازی اس کا ایک بڑا حصہ ہے، آپؐ نے اس سے تیر اندازی کے سوا دوسری تیاریوں کو طاقت اور قوت کا حصہ قرار دینے کی نفی نہیں کی، بلکہ لفظ کا عموم ان تمام آلات جنگ اور ہتھیاروں پر شامل ہے، جن سے دشمن کے مقابلے میں کام لیا جا سکتا ہے(۴۰)

دوسری روایت میں ارشاد ہے:۔

''اللہ ایک تیر پر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے اس کا بنانے والا، جس نے بنانے سے اس کی نیت خیر کی ہو، اس کا پھینکنے والا، تیسرا دینے والا تیر انداز کے ہاتھ میں۔''(۴۱)

اس حدیث سے بھی ہر قسم کی اسلحہ برائے جہاد بنانے، بنانے میں مدد دینے اور استعمال کرنے کی فضیلت ثابت

ہوتی ہے۔

۵۔ مسیحی وصیہونی سازش:

موجودہ صدی کے اوائل میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش یہ اعلان کررہے ہیں کہ ''امریکہ کے اتحادی اور خصوصاً مغربی ممالک ایک نئی صلیبی جنگ کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھیں، اس میں ہمیں ایک لمبے عرصے کے لئے انتہا پسندوں اورتخریب کاروں (مسلمانوں) کے خلاف لڑنا ہوگا، امریکہ اور مغرب کے لیئے یہ اکیسویں صدی کی پہلی جنگ ہے اور اسے ہمیں ہر حال میں جیتنا ہوگا'' اسی طرح عیسائیوں کے سابق روحانی پیشوا پوپ جان پال ایشیاء کے دورے کے سلسلے میں ہندوستان میں لاکھوں افراد کے سامنے علی الاعلان ان خیالات کا اظہار کر رہے ہیں کہ ''اکیسویں صدی اور نیا میلیلیم (ہزاریہ) عالم عیسائیت کی ترویج اروترقی کے لئے ہے اور ہم کوشش کریں گے کہ ایک بار پھر عالم عیسائیت جس کا آبائی وطن ایشیا ہی ہے، کو دوبارہ عیسائیت کی لپیٹ میں لے آئیں اور اس سلسلے میں ہماری ساری کوششیں اورتوانائیاں ایشیا ہی پر مرکوز رہیں گی'' (۴۲)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور آپؐ کی تحقیر و توہین پر مشتمل ڈنمارک اور مغرب کے ملکوں میں کارٹون کی اشاعت اوردفاع آزادی اظہار کے بہانے اس پر اصرار اور ہرطرح کے نقصانات کو اس حوالے سے برداشت کر لینے کے عزم کا اظہار اور کارٹون کے تخلیق کار کا صاف لفظوں میں بار بار یہ کہنا ہے کہ اس نے یہ کارٹون بالقصد اورسوچ سمجھ کر اس عقیدے اور ایمان کی ترجمانی کے لئے بنائے ہیں، کہ اسلام کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی دہشت گردی کے معلم اول اوراس مذہب کے بانی تھے، جس کی بنیاد دہشت گردی پر ہے(نعوذ باللہ) نیز یورپ اورامریکہ میں مسلمانوں اوراسلام کے خلاف ایسی فلموں کی تیاری اورنمائش جن سے اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ مغرب کی نسل نو کے ذہنوں میں انتہائی خراب اور قابل نفرت بنتی ہو اور بالآخر اسلام اورمسلمانوں کے خلاف دلوں میں ناپسندیدگی اور عداوت پیدا ہوتی ہو اور یہ یقین راسخ ہوتا ہو اور یہ تصور عام ہوتا ہو کہ مسلمان وحشی، درندہ صفت اورغیر مہذب اورنا آشنائے رواداری وملنساری لوگ ہیں، اور اسلام ددراز کار اورفرسودہ مذہب ہے، جو آج کی دنیا میں کوئی کردار ادانہیں کرسکتا۔ (۴۳)

اسی طرح عیسائیوں کے موجودہ پیشوا پاپائے روم پوپ بینڈکٹ نے بھی اسلام، جہاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''اسلام اور اپنے پیروکاروں کوتشدد پر اکساتا ہے، یہ خدا کی فطرت کے خلاف ہے، اسلام تلوار کے زور پر پھیلا'' اوراس طرح کے دیگر خیالات کا اظہار جس میں انہوں نے محسن انسانیت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہب اسلام کو وحشیانہ پن اور تاریکی کا مذہب قرار دیا(نعوذ باللہ)۔

ان مسلسل واقعات سے اس بات کا اظہار ہورہا ہے کہ عالم عیسائیت اور یہودیت کے خمیر اور رگ و ریشے میں اسلام اورداعی اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے سبق سیکھیں، جس نے اپنی زندگی کے مکمل سفر میں ہر کردار سے ثابت قدمی، عزم راسخ اوراستقامت و استقلال کا نمونہ پیش کیا، آپؐ نے کبھی کمزوری نہ دکھائی، نہ ہاتھ پر

ہاتھ رکھ کر بیٹھے، نہ باطنی شکست سے دوچار ہوئے، نہ ذہنی ہار کا احساس کیا، نہ ذہنی سقوط کو تسلیم کیا، آپؐ کا ایمان تھا کہ کمزور اللہ کی مدد وحکمت کے ساتھ بہت قوی ہوتا ہے، وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا اور قوی جس کے ساتھ اللہ کی مدد وحمایت نہ ہو، انتہائی ضعیف ہے، وہ کسی کا بال بھیگا نہیں کرسکتا، آپؐ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تھا کہ:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ. وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْم بَعْدِهٖ. وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن (۴۴)

''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے، ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے''

یہ بے شک صحیح ہے کہ ہم مادی ساز و سامان کے اعتبار سے فقیر ہیں ہم کمزور و نہتے ہیں، علم اور وضاحت کی دوڑ میں ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور نہ ہی اقتصادی حالت میں اور قوموں کو پہنچتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم اس کے بغیر بھی دنیا میں عظیم طاقت ہیں، ہمارا صرف وجود بڑی قیمت رکھتا ہے، ہمارے پاس وہ پیغام، وہ دعوت اور وہ دین ہے جو انسانیت کی غذا اور اس کی روح ہے...... ہمارے پاس وہ قانون اور شریعت ہے، جو آج بیسویں صدی کی تمام مشکلات اور پیچیدگیوں کا صحیح حل پیش کرتی ہے، صاف واضح اور بلیغ الفاظ میں کہ ہمارے پاس ایک پیغمبر کے وجود کی نعمت موجود ہے، جو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے(۴۵) یہیں وہ نور ہے جو صراط مستقیم دکھاتا ہے اور تاریکیوں اور گمراہیوں سے نکال کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔(۴۶)

۶۔ اُمّتِ مسلمہ کا افتراق اور زبوں حالی:

دنیا کے نقشے پر اگر نظر ڈالی جائے تو نظر آئے گا کہ بیشتر اسلامی ممالک جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے متصل ہے، لیکن یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ مذہبی و سیاسی اعتبار سے ان میں کوئی وحدت نہیں۔ آج مسلمان پوری دنیا میں جس زبوں حالی کا شکار ہیں، اس کے اہم اسباب میں سے قرآنی تعلیمات سے دوری اور آپس کا اختلاف و افتراق ہے، آج مسلمان ایک خدا ایک رسول، ایک قرآن، ایک کعبہ، ایک کلمہ، جیسی اُمّتِ واحدہ نے بنانے والی بنیاد دیں رکھتے ہوئے بھی مختلف عصبیتوں ں کا شکار ہیں، کہیں نسلی عصبیتیں ہیں اور کہیں لسانی و علاقائی۔ ان عصبیتوں کی وجہ سے اُمّت ٹکڑے ٹکڑے بن کر دشمنوں کے لئے نرم چارہ بن گئی ہے، ان حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان قرآن و سیرت نبویہؐ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے اندر اتحاد و اتفاق اور یگانگت پیدا کرے۔ قران حکیم نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے(۴۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں عمارت کی مانند ہے، جیسے ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھائیں''(۴۸) اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے حقیر گردانے اور نہ اس کو (مدد کے وقت) بے سہارا چھوڑ دے''(۴۹) ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے، نہ اسے بے سہارا چھوڑتا

ہے، ایک مسلمان کی عزت، اس کا مال اور اس کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے''(۵۰)

آج اسلام اور اسلامی دنیا کو جن بین الاقوامی خطرات اور چیلنجوں کا سامنا ہے، وہ آندھی اور طوفان کی طرح عالم اسلام کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اس کو گھیرنے اور اس کا استحصال کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، لہذا ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے عالم اسلام کو متحد ہونے کی جتنی شدید ضرورت ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔

۷- سائنس وٹیکنالوجی کا عدم حصول:

آج روئے زمین پر پچاس سے زیادہ مسلم ممالک پائے جاتے ہیں، جو قدرتی وسائل اور زرعی پیداوار سے مالا مال ہیں، لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے ہو جانے کے باعث وہ ان سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے، لہذا اس قدرتی دولت کو مغربی ممالک محض اپنی تکنیکی معلومات کے بل بوتے پر جی بھر کر لوٹ رہے ہیں، گویا وہ ان کی آبائی میراث ہو اور اس سلسلے میں مغرب کا ایک کھیل یہ بھی ہے کہ وہ ہماری خام پیداوار دونوں ہاتھوں سے بٹورنے کے باوجود ہمیں ''پیسہ'' دینے کے بجائے صرف ''ہتھیار'' دیتا ہے، تا کہ ہم آپس ہی میں لڑتے رہیں، اگر پیسہ دیتا بھی ہے تو اسے اپنے ہی (مغربی) بنکوں میں جمع کرالیتا ہے، تا کہ ہم اس پیسہ کا صحیح طور پر استعمال بھی نہ کر سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اپنی برتری جتانا اور کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا مغرب کے اس جال سے باہر نکلنے کیلئے ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی میں برتری حاصل کرنا موجودہ حالات میں ''فرض عین'' قرار دیا جا سکتا ہے، مگر اس مقصد کے لئے ہمیں مغرب سے ہتھیار اور دیگر آلات ضروریہ کو خریدنے کے بجائے فنی اور تکنیکی مہارت حاصل کر کے ہر قسم کے ہتھیار اور آلات خود تیار کرنا ہوں گے۔ اسلام دین کامل ہے، جو انسانوں کی ہمہ گیر فلاح و بہبود کا علمبردار ہے، ایک طرف وہ چاہتا ہے کہ ہماری زندگی خوشیوں سے بھر جائے تو دوسری طرف وہ دنیا کی زندگی کی بہتری، فلاح اور ترقی بھی خواہاں ہے جیسا کہ قرآنی دعا سے ظاہر ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۵۱)

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب سے نجات دے''

اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سے بہرہ ور کیا تھا(۵۲) مفسرین کے نزدیک علم السماء میں چیزوں کے اور ان کے خواص، علم کے اصول، صنعتوں میں استعمال ہونے والے آلات کی کیفیات، ان اشیاء کی ایجاد و اختراع وغیرہ شامل ہے(۵۳) گویا علم اسماء وہی چیز ہے جسے جدید اصطلاح میں سائنس کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ سائنس تمام موجودات عالم اور ان کے آثار وخواص اور ان کی حقیقت سے بحث کرتی ہے۔

صنعت و حرفت اور فنون جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں اور آلات حرب کا استعمال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے غزوہ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے، جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں

سے ایک منجنیق تھی، جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہئے اور دو دبابے تھے، جنہیں اس دور کے ٹینک کہا جاسکتا ہے(۵۴)زراعت اورمعدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ ؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (۵۵)''زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو'' غرض سائنس و ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا اور پھر اس کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا غیراسلامی اور غیرضروری نہیں ہے، بلکہ یہ عین تعلیمات الٰہی و نبویؐ کے مطابق ہے، جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے۔

''حکمت مؤمن کی گمشدہ چیز ہے، جہاں بھی ملے وہ اسے لے لے، کیونکہ وہی اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے''(۵۶)

۸۔غربت اور بے روزگاری:۔

دنیا کے بیشتر مسلم ممالک کے معاشی حالات اگر چہ خاصے بہترین ہیں، لیکن اسکے ساتھ ساتھ بعض مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جو انتہائی غریب ممالک میں شمار ہوتے ہیں، جن میں پاکستان، افغانستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، تنزانیہ، صومالیہ، نائجیریا، چاڈ وغیرہ شامل ہیں۔ ملت اسلامیہ کے ان غریب ممالک کے لئے غربت اور بے روزگاری موجودہ صدی کا ایک اہم معاشی چیلنج ہے، کیونکہ وہی ملک ترقی کے راہ پر گامزن رہیں گے جو معاشی لحاظ سے مستحکم ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ لوگوں کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ریاست ایسے اقدامات اٹھائے جن کی بدولت نہ صرف موجودہ پیداواراری وسائل بھرپور طریقے سے استعمال میں لائے جاسکیں، بلکہ افراد اور ملت خود انحصاری اور خودروزگاری کے ذریعے اپنی آمدنیوں کو بڑھاسکیں، اس کے ساتھ ساتھ افراد ملت کو متحرک کیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے روزی حاصل کرنے کے لئے معاشی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیں، مثلاً:

۱) قرآن حکیم ہمیں مثبت طور پر حصول رزق کی جدوجہد کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ(۵۷)

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں:

ولا تنس نصیبک من الدنیا(۵۸)''اوردنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو''

۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسب حلال کو فریضۃ بعد الفریضہ یعنی نماز کے بعدسب سے بڑا فرض قرار دیا ہے(۵۹) رزق حلال طلب کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ''جس دنیا طلب کی حلال اورسوال سے بچنے کے لئے اوراپنے بچوں کی مدد کے لئے اور اپنے پڑوسی کیساتھ سلوک کرنے کے لئے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا(۶۰) اسی طرح آپ ؐ نے ایک ایسے نوجوان کے بارے میں جو بڑی تیزی سے چلا جا رہا تھا، یہ ارشاد فرمایا''اگر وہ اس بات کیلئے کوشش کر رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے سے بچالے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے تو اس کا یہ عمل اللہ کے راستے میں ہے اور اگر وہ اپنے کمزور و ناتواں بوڑھے والدین اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہاہے، تا کہ انہیں

بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے اور انہیں آسودہ حال کردے، تو اس کا یہ عمل بھی اللہ کے راستے میں ہوگا''(۶۱)

۳) پیداوار بڑھانے کے ذرائع اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے آپؐ نے مال داروں کو حکم دیا کہ وہ بکریاں پالیں اورغریبوں کو حکم دیا کہ وہ مرغیاں پالیں تاکہ فراخی حاصل کریں(۶۲)

۴) تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ''نو حصے رزق تجارت میں ہے''(۶۳)

۵) اپنے ہاتھ سے کمانے والے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں کہ''اللہ تعالیٰ مؤمن اہل پیشہ،ضعیف اورسوال سے بچنے والے بندہ کو پسند کرتا ہے''(۶۴) اپنے ہاتھ سے کمانے کی ترغیب میں ارشادنبویؐ سے بھی ملتی ہے کہ''کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کھانا نہیں کھایا''(۶۵)

۹۔ غیروں پرخودساختہ انحصار:

اُمتِ مسلمہ کوعصرحاضر میں ایک اہم چیلنج یہ درپیش ہے کہ وہ سماجی اور معاشی میدانوں میں غیروں پر انحصار کرتے ہیں، جیسا کہ مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''یہ بات ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ تقریباً تمام مسلم ممالک سماجی اور معاشی میدانوں میں دوسروں پر انحصار اس اُمت کا ایسا معاشی مسئلہ بن چکا ہے کہ جس سے آج تمام مسلم اُمت دوچار ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر مسلمان ممالک، مغربی ممالک یا بین الاقوامی مالیاتی یا تمویلی اداروں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لے رہے ہیں اور بعض ممالک یہ بھاری مقدار میں سودی قرضے کسی ترقیاتی منصوبوں کی بجائے اپنے روزمرہ کے اخراجات کے لئے لے رہے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تشویشناک امر یہ ہے کہ اپنے سابقہ سود کی ادائیگی کے لئے حاصل کررہے ہیں، جسے ان کے حاصل کردہ قرضوں کا اثر خطرناک حدتک بڑھ چکا ہے۔ بیرونی قرضوں بر انحصار ہماری ایک ایسی بنیادی بیماری ہے جس کی وجہ سے ہماری اقتصادی زندگی حددرجہ متاثر ہوچکی ہے کہ قومی خوداعتمادی تقریباً مفقود ہوتی جارہی ہے اوراس نے ہمیں اس بات پر مجبور کررکھا ہے کہ ہم اپنے قرض دہندوں کے مطالبات کے آگے بلکہ بعض اوقات ایسے مطالبات کے آگے سرتسلیم ختم کردیں، جو ہمارے اجتماعی مفادات کے خلاف ہیں۔(۶۶)

قرضہ لینا اسلامی تعلیمات کی روسے اس قدر ناپسندیدہ عمل ہے کہ اس میں شدید مجبوری اورسخت ضرورت کے بغیر مبتلانہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ ارشادنبوی ہے۔''ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اوراس کی ادائیگی کا سامان نہ چھوڑا ہو''۔(۶۷)اسی طرح آپؐ مقروض کی نماز جنازہ پڑھنے سے اجتناب برتتے(۶۸)

معاشی برتری قوموں کو بہت سی غلامیوں سے نجات دلاتی ہے، اس اصول کو اسلام نے چودہ صدیاں پیشتر ہی واضح کردیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اليد العليا خير من اليد السفلي(۶۹)''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''

''نیچے والا ہاتھ بھیک مانگے یا قرض لے وہ نیچے ہی ہوتا ہے، برتری اور تفوق ہمیشہ اوپر والے ہاتھ ہی کو

حاصل رہتی ہے۔

غیروں پر انحصار درحقیقت ہمارا خود ساختہ ہی ہے، جس کے بارے میں ہم کسی دوسرے پر الزام نہیں لگا سکتے۔ اس خود ساختہ چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنے وسائل پر انحصار کرنا ہوگا اور الحمدللہ اس وقت ملت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے وسائل سے مالا مال کیا ہوا ہے، خود انحصاری پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صرف اپنے وسائل کو استعمال کریں اور حدود کے اندر رہتے ہوئے سادہ زندگی گزاریں سادگی کو اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا حصہ قرار دیا ہوا ہے(۷۰) اسی طرح ہمیں چاہئے کہ اسراف وتبذیر سے اجتناب کرے، ضرورت سے زائد مال ضرورت مندوں پر خرچ کرے اور جو کچھ ہے اس پر قناعت کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''آدمی کے لئے حق نہیں ہے سوائے تین چیزوں کے، ایک گھر جو اسے چھپائے اور حفاظت دے، دوم لباس جو اس کے ستر کو ڈھانپے اور کسی شکل میں روٹی پانی''(۷۱)ایک اور روایت میں ہے کہ''تم جائیدادیں نہ بناؤ، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری رغبت دنیا میں بڑھ جائے گی'(۷۳)خود انحصاری کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خود تو فاقہ برداشت کرے، لیکن دوسروں کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے، حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی راتیں متواتر بھوکے گزار دیتے تھے اور آپؐ کے گھر والوں کو بھی رات کا کھانا میسر نہ ہوتا اور آپؐ کی اکثر روٹی جو کی ہوتی تھی(۷۴)اسی طرح خود انحصاری کا عملی سبق ہمیں مقاطعہ بنو ہاشم سے بھی ملتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن لکھتے ہیں:

''تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بنو ہاشم اور ان کے تمام حامیوں سے یکلخت تمام تعلقات قطع کر دئے جائیں، کوئی بنو ہاشم سے نکاح کرے اور نہ اس سے میل جول رکھے جب تک کہ بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کردیں، اس حصار میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی، سوکھے ٹکڑوں پر گزارا کیا''(۷۵) وہ مزید لکھتے ہیں:

جب کوئی تجارتی قافلہ مکے آتا تو ابولہب یہ اعلان عام کرتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی چیز عام نرخوں پر فروخت نہ کرے بلکہ ان سے اضعافا مضٰعفة کی قیمت لے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، صحابہ کرامؓ مال خریدنے کے لئے آتے مگر نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر واپس چلے جاتے، ایک طرف اپنی تہی دستی، دوسری طرف کفار کی یہ چیرہ دستی، بھوک سے نڈھال بچوں کا تڑپنا اور بلبلانا مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا اور پوری جرأت اور عزم کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہنا خود انحصاری بلکہ یوں کہیے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے خدا انحصاری کی ایسی مثال تاریخ عالم میں بہت کم نظر آئے گی''(۷۶)

۱۰۔ ناخواندگی اور جہالت:

جہالت اور ناخواندگی مسلم اُمّت کے سامنے بہت بڑا چیلنج ہے، اسلامی ممالک میں جہالت کا تناسب بہت زیادہ مذہب اسلام کی ابتداء ہی پڑھنے کے حکم سے ہوئی پہلی وحیہ میں ارشاد فرمایا گیا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق(۷۷)''اپنے رب کے نام سے پڑھ) جس نے پیدا کیا''

علم کی فضیلت اس آیت سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ دعا بتلائی گئی ہے۔

وقل رب زدني علما (اے پیغمبر کہہ! اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر)(۷۹)

علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم (۷۹)''علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملت اسلامیہ کے سب سے پہلے معلم تھے، آپؐ نے پہلی منظم تعلیم گاہ مدینہ منورہ میں قائم فرمائی، صفہ نامی چبوترہ پہلا مدرسہ تھا اوراصحاب صفہ اس کے متعلق تھے، اس مدرسے میں ۷۰،۸۰ تک طالب علم تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دوسرے صحابہ کبارؓ بھی یہاں معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے تھے۔(۸۰)

تعلیم کے سلسلے میں اُمّتِ مسلمہ کو یہ بحران بھی درپیش تھا کہ ہم نے نصابِ تعلیم کو دو خانوں یعنی قدیم و جدید اور دینی و دنیوی میں تقسیم کیا ہوا ہے،ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں نظام ہائے تعلیم کا تفصیلی جائزہ لے کر ایک ایسا متوازن نصاب مرتب کیا جائے، جوعصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو، اس کی ایک صورت یہی ہے کہ قرآن و حدیث کے علوم کی بالا دستی برقرار رکھتے ہوئے ان کی روشنی میں سیاسیات،معاشیات،سماجیات اورسائنسی وفنی علوم کو نئی نسل تک منتقل کرنے کے لئے ہم اپنا کردار ادا کریں،تا کہ دین اسلام کی تمام شعبہ ہائے حیات میں بطور رہنما اور نظام کے اہمیت واضح ہو سکے۔

۱۱۔ اخلاقی انحطاط:

اخلاقی بے راہ روی اُمّتِ مسلمہ کے سامنے بہت بڑا چیلنج ہے نئی نسل روز بروز بہت زیادہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو رہی ہے،خاص کر مغرب کے ذرائع ابلاغ نے ہماری زندگی کے اسلوب کو بری طرح متاثر کیا ہوا ہے،مواصلات کے جدید نظام نے جہاں انسانیت کو بے شمار فوائد مہیا کئے ہیں،وہاں ڈش انٹینا، وی سی آر، انٹرنیٹ سی ڈیز کیبلز اور اس قسم کی دیگر ایجادات سے مغرب کی اخلاقی بے راہ روی کا سیلاب ہمارے معاشرے میں در آیا ہے، اخلاقی بے راہ روی اورمنشیات کے استعمال کی وجہ سے دنیا کو بے شمار اخلاقی اور معاشرتی مسائل کا سامنا ہے۔

اخلاقی بگاڑ کا سبب بیان کرتے ہوئے محمد قطب لکھتے ہیں:

''اسلام کی نظر میں معاشرے کے جملہ معاملات کی اساس اخلاق ہے اور اس کا ایک رشتہ اللہ سبحانہ، کی ذات سے پیوست ہے اور اخلاقی اصولوں کا معاملہ انسانوں کے ہاتھ میں نہیں دیا گیا.....مگر جب انسانیت اخلاق من اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک جاتی ہے تو اضطراب اور اختلاف سے قریب تر ہو جاتی ہے''۔(۸۱)

اخلاق میں سدھار پیدا کرنے کی غرض سے وہ لکھتے ہیں:

''اسلام میں زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح اخلاق کا بھی مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس عقیدے کے پیش نظر اخلاق طاغوت کے ہاتھوں میں جانے سے بچ جاتا ہے، کیونکہ طاغوت اپنے

وجود کو چھپائے اور انسانیت کے لئے فساد کو سہل بنانے کے لئے اخلاقی حلت پسندی کو ''تطور'' (ترقی) کے نام سے پیش کرتا ہے''(۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اخلاقی انحطاط کا واحد علاج (رجوع الی اللہ یعنی صراط مستقیم پر چلنا اور طاغوت سے اپنے آپ کو بچانا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

وَ اتَّبِعُوْنِ. هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۸۳)

''اور میری تابعداری کرو، یہی سیدھی راہ ہے اور شیطان تمہیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمہارا صریح دشمن ہے''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (۸۴)

''اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں، ان کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ اعلانیہ ہوں خواہ پوشیدہ''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق بے راہ روی کا ایک علاج یہ بتایا ہے کہ بری صحبت سے اجتناب اور اچھی صحبت کو اختیار کرنا چاہئے(۸۵) اسی طرح اخلاقی انحطاط کے دو بڑے سرچشموں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی حفاظت کے سلسلے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مایضمن لی ما بین لحیه و ما بین رجلیه اضمن له الجنة(۸۶)

''جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت دیتا ہے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''

عصرِ حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کو مذکورہ مسائل کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں، جن کا اس مختصر سے مقالے میں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال ان تمام مسائل و مشکلات کا حل اللہ کے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہی پیش کیا تھا، کیونکہ آپؐ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ بین الاقوامی سطح پر پوری انسانیت کے لئے ایک ایسا دستور زندگی اور اجتماعی نظام مرتب کیا جائے جو فطرت کے عین مطابق ہو اور جس کے ذریعے فرد، معاشرہ اور اقوام عروج اور ترقی کی منزلیں طے کرسکیں، یہ نظام آج ہمارے سامنے قرآن وحدیث کی شکل میں موجود ہے، جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة نبیة (۸۷)

''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ دی ہیں، جب تک تم انہیں پکڑے رہو کے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے''۔

☆○☆○☆○☆○☆○☆

حوالہ جات

۱۔ الملک، ۶۷:۲۔ ۲۔ بقرہ۲:۱۵۵۔ ۳۔ المائدہ۵:۳۔ ۴۔ الاحزاب، ۳۳:۲۱۔ ۵۔ المائدہ، ۵:۱۵۔ ۶۔ مولانا محمد تقی عثمانی، سیرت النبی اور ہماری زندگی، ماہنامہ،مسیحائی (ہادی اعظم نمبر)۸:۴،اپریل،۲۰۰۵ص ۴۲۔ ۷۔ النساء،۴:۶۵۔ ۸۔ الاحزاب،۳۳:۳۶۔ ۹۔ النساء،۴:۶۴۔ ۱۰۔ بخاری، کتاب الایمان، باب فصل من اتبر الدینہ۔ ۱۱۔ مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مغرب کا فکری چیلنج اور علماء کرام کی ذمہ داری، ماہنامہ، مسیحائی (ہادی اعظم نمبر) ۸:۴،اپریل ۲۰۰۵ص،۴۲۔ ۱۲۔ ڈاکٹر خالدعلوی، اسلام اور دہشتگردی، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی،۲۰۰۴ص،۴۳،۴۴۔ ۱۳۔ نور عالم خلیل آئینی، اسلام اورمسلمانوں کے خلاف دشمنانِ وقت کی طرف سے محاذوں کی تکثیر، الحق،۴۱،۱۲، ستمبر ۲۰۰۶ء ص،۲۸۔ ۱۴۔ الانفال، ۸:۶۱،النساء،۴:۹۰۔ ۱۵۔ بخاری کتاب الحج باب الخطبہ ایام منیٰ، نسائی، کتاب الایمان باب الصفۃ المؤمن ابن ماجہ کتاب الایمان، باب الحرمۃ دم المؤمن،ترمذی، ابواب التفسیر،تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ ۱۶۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، کراچی شعبہ تصنیف و تالیف، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۱ء ص ۵۴۳۔ ۱۷۔ الحج،۲۲:۳۹۔ ۱۸۔ البقرہ،،:۱۹۰۔ ۱۹۔ النساء،۴:۷۵۔ ۲۰۔ ترمذی، کتاب الدیات، باب فی من قتل دون مالہ فھو شھید۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی قتال اللصوص، ۔ ۲۱۔ مسلم، کتاب الجھاد، باب من قتل لتکون کلمۃ اللہ من العلیاء. ۲۲۔ ساجد مختیر الدین، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دفاعی اورجنگی حکمت عملی، ماہنامہ،مسیحائی۔ (ہادی اعظم نمبر) ۸،۴ اپریل،۲۰۰۵ء۔ ۲۳۔ شہاب الدین ندوی، اکیسویں صدی کا جہاد،قرآن حکیم کے حکم سے، الحق ۳۶:۸،مئی ۲۰۰۱ء ص۲۴،۲۵۔ ۲۴۔ الفرقان، ۲۵:۵۱،۵۲۔ ۲۵۔ القرطبی ابی عبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لا حکام القرآن، قاہرہ، دارالکتب العربی،۱۹۶۷ء ۱۳:۵۸، مظہری،قاضث محمدمثناء اللہ التفسیر المظہری، دھلی دائرۃ اشاعت العلوم لندوۃ المصنفین ،۷:۳۷۔ ۲۶۔ ابوداؤد، کتاب الجھاد،بابکراھیۃ ترک الغزو۔ ۲۷۔ ابن ماجہ، ابواب الفتن باب الامر بالمعروف و النھی عن المنکر۔ ۲۸۔ الجصاص ابی بکر احمد بن علی الرازی،احکام القرآن، لاہور،سہیل اکیڈمی،۱۹۹۱ء۳:۱۱۹۔ ۱۹۔ ابوداؤد، کتاب الجھاد، باب فی الغزو مع ایمۃ الجور۔ ۳۰۔ العنکبوت، ۲۹:۶۹۔ ۳۱۔ المائدہ، ۵:۵۴۔ ۳۲۔ شہاب الدین ندوی ، اکیسویں صدی کا جہاد،قرآن حکیم سے،الحق،۳۶:۸،مئی ۲۰۰۱ء ۲۸۔ ۳۳۔ ان ہتھیاروں کی تفصیل کیلئے دیکھئے ٹائمز اخبار، بحوالہ، ماہنامہ، الحق ۴۱:۱۲ستمبر ۲۰۰۶، ۲۷۔ ۳۴۔ الانفال، ۸:۶۰۔ ۳۵۔ رازی، فخ الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) دائرۃ العامرۃ،۴:۵۵۹۔ ۳۶۔ شیخ احمد ملاجیون، التفسیرات الاحمدیہ، پشاور، مکتبۃ حقانیہ،ص، ۴۴۱۔ ۳۷۔ شبیر احمد عثانی فوائد القرآن (تفسیر عثانی) مدینہ منورہ، ۱۹۸۹ء ص ۲۴۴۔ ۳۸۔ محمد ادریس کاندھلوی، معارف القرآن،لاہور،مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۸۲ء :۲۵۵۔ ۳۹۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ و ذم من علمہ ثم نسیہ۔ ۴۰۔ جصاص احکام القرآن،۳:۶۸۔ ۴۱۔ النسائی، کتاب الخیل والسبق والرمی، باب تادیب الرجل فرمہ۔ ۴۲۔ راشد الحق سمیع حقانی، عالم اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا اغار، ماہنامہ، الحق (اشاعت خصوصی) ۳۶،۱۱،ص،۳۔ ۴۳۔ مولانا نورعالم خلیل،اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنان وقت کی طرف سے محاذوں کی تکثیر، الحق،۴۱:۱۲، ستمبر،۶،۲۰۰۶ء ص،۲۹۔ ۴۴۔ آل عمران،۳:۱۶۰۔ ۴۵۔ الانبیاء، ۱:۱۰۷۔ ۴۶۔ ابوالحسن علی ندوی،اُمت مسلمہ کے اندازِ فکر میں انقلاب کی ضرورت، الحق،اگست تا نومبر ۲۰۰۱ء ص ۲۶۔ ۲۸۔ ۴۷۔ الحجرات،۴۹:۱۰۔ ۴۸۔ بخاری، کتاب الایمان باب فضل تعاون المؤمن۔ ۴۹۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ باب التحریم الظن و التجسس۔ ۵۰۔ ترمذی ابواب البر، باب ماجاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم۔ ۵۱۔ البقرہ،۲:۲۰۱۔ ۵۲۔ البقرہ،۲:۳۱۔ ۵۳۔ البیضاوی، عبداللہ بن احمد الشیر ازی، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبع لکھنوی، ۱۲۸۲،۱:۴۵،۴۶۔ ۵۴۔ ابی الفداء اسماعیل ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، مصدر مطبعۃ السعادہ، ۴:۳۴۸۔ ۵۵۔ کنز العمال للھدی، انواع الکسب، کتاب البیوع، ۴:۳۱ نحدیشث نمبر،۳۹۰۲۔ ۵۶۔ ترمذی، ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ ۵۷۔ الجمعہ،۶۲:۱۰۔ ۵۸۔ القصص،۲۸:۷۷۔ ۵۹۔ کنزالعمال للھدیٰ، کتاب البیوع باب فی الکسب، ۴:۵۔ ۶۰۔ ایضاً ۴:۱۲،حدیث نمبر۹۴۲۔ ۶۱۔ حافظ ابی قاسم سلیمان بن احمد الطبر انی المعجم الکبیر،داراحیاء

التراث العربی،۱۲۹:۱۹،حدیث نمبر۲۸۲۔ ۶۲۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب اتخاذ الماشیۃ۔ ۶۳۔ الجامع الصغیر للسیوطی، معشر فیض القدیر،۳:۲۲۴۔ ۶۴۔ ایضاً،۲۹:۲۔ ۶۵۔ بخاری، کتاب البیوع باب کسب الرجل و عملہ۔ ۶۶۔ مولانا تقی عثمانی، امت مسلمہ کی معیشت اور اسلامی خطوط پر اس کا اتحاد، الحق، اگست تا نومبر ۲۰۰۱ ص۱۳۷۔ ۶۷۔ ابوداؤد، کتاب البیوع باب فی التشدید فی الدین۔ ۶۸۔ نسائی، ابواب الجنائز، باب الصلوٰۃ من علیہ دین۔ ۶۹۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ باب لا صدقہ الا عن ظھر غنی۔ ۷۰۔ ابوداؤد اوائل کتاب الرجل۔ ۷۱۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الکفاف و القناعۃ۔ ۷۲۔ ترمذی، ابواب الزھد باب لیس لابن آدم حق فیما سوی حصال ثلاث۔ ۷۳۔ ایضاً، باب لاتتخذوا الضیعۃ فترغبوا فی الدنیا۔ ۷۴۔ ایضاً باب ما جاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۷۵۔ صاحبزادہ ساجد الرحمٰن،خود انحصاری، تعلیمات نبوی کی روشنی میں، مسیحائی، اپریل ۲۰۰۵ء ص۱۶۲۔ ۷۶۔ ایضاً ص۱۶۲،۱۶۳۔ ۷۷۔ العلق، ۹۶:۱۔ ۷۸۔ طٰہٰ ۲۰:۱۱۴۔ ۷۹۔ الجامع الصغیر للسیوطی ،۴: ۲۶۷۔ ۸۰۔ خورشید احمد اسلامی نظریہ حیات، ص۴۳۴۔ ۸۱۔ محمد قطب، جدید جاہلیت، ترجمہ، جاھلیۃ القرآن العشرین، مترجم، ساجد الرحمٰن صدیقی، لاہور البدر پبلی کیشنز، ۱۹۸۰ء ص۲۵۶۔ ۸۲۔ ایضاً ص ۲۵۸۔ ۸۳۔ الزخرف، ۴۳:۶۱،۶۲۔ ۸۴۔ الانعام،۶:۱۵۱۔ ۸۵۔ البخاری، کتاب البیوع باب فی العطاء و بیع المسنت۔ ۸۶۔ البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔ ۸۷۔ امام مالک، الموطا، کتاب الجامع باب النھی عن القول بالقدر۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

قاضی محمد مطیع الرحمٰن- ہری پور

موضوع زیرِ غور میں لفظ اُمتِ اسم مؤنث یعنی وہ گروہ جو کسی پیغمبر کا پیرو ہو جماعت، فرقہ، ظرافتؔ اولاد(۱) مسلم (ع جمع مسلمون فارسی اور اردو میں مسلمان، سلماناں اسم فاعل ہے اور اسلام (رک، بان) سے مشتق ہے جو عربی زبان کا ایک مصدر ہے اور اسی کا مادہ مسلم ہے۔ لغت عرب میں اس سے مراد انقیاد و اطاعت کرنا، سپردگی اور گردن جھکانا ہے۔

لسان العرب: اس لحاظ سے اس کے معنی ہوئے مطیع و منقاد سرتسلیم خم کرنے والا اور عجز و تواضع سے کام لینے والا۔ شریعت اسلامی میں مسلم کے معنی ہیں دین اسلام قبول کرنے والا اور اس کے احکام پر عمل کرنے والا۔ خشوع و خضوع اور صرف اسی کی عبادت کرنا، حضرت محمدؐ کے لائے ہوئے دین پر عمل پیرا ہونا، یہ دو الفاظ اسلام اور مسلم ادیان عالم کی تاریخ میں بے مثال حیثیت رکھتے ہیں۔ تقریباً تمام ادیان عالم ان کے ماننے والوں کی نسبت بادیان مذاہب یا کسی نہ کسی شخصیت کے نام سے ہوتی ہے۔ مثلاً یہود یا یہودی یہودہ سے کرسچین، عیسائی، مسیحی، نصرانی حضرت عیسیٰ مسیح ناصری علیہ السلام سے زرتشتی زرتشت سے اور بدھسٹ گوتم بدھ سے۔ اسلام میں شخصیت کے بجائے ایک معنوی نسبت کا اظہار ہے جو ایک ضابطہ حیات اور نظامِ زندگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اسلام اور مسلم کے معنی اور اصطلاحی مفہوم کے تعین کے سلسلے میں ہمیں بہت مدد اور رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی متعدد آیات میں اسلام اور مسلم (بصیغہ واحد، تثنیہ اور جمع) استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کے ان تمام قرآنی الفاظ کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات تین اہم معنی میں استعمال ہوئے ہیں ۱-سلامتی میں داخل و شامل ہونا، ۲- سپردگی و اطاعت، ۳- اقرار حق مثلاً سورہ بقرہ میں ہے۔ بلیٰ من اسلم وجهه لله اور وہ بھلے کام کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ آل عمران میں ہے۔ وله اسلم من في السموت والارض (لسان العرب بذیل مادہ) نے ثعلب سے یوں ہی نقل کیا ہے۔ الاسلام بالسان والایمان بالقلب یعنی اسلام کا تعلق زبان سے ہے اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے۔

اُمتِ مسلمہ کی ہیئت ترکیبی کا اصل الاصول کتاب اللہ اور سنت رسولؐ ہے جو اس ہیئت کا ماخذ اصلی ہے۔ کتاب و سنت ہی ہمیں وہ دستوری نظام فراہم کرتے ہیں جس کی بنیاد پر اس تہذیبی قلعہ کو تیار کیا جا سکتا ہے جو حقیقی امن، تحفظ، انصاف خوشحالی اور کامرانی کا گہوارہ ہوتا ہے۔ اس اُمتِ مسلمہ کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱- بڑی افرادی قوت:

اُمتِ اسلامیہ اس زمین کے رہنے والوں کے ایک چوتھائی حصہ پر مشتمل ہے اس عظیم اُمت کے افراد میں تقریباً ہر رنگ و نسل کے لوگ شامل ہیں یہ حقیقت اس بت کا واشگاف اعلان کرتی ہے کہ اس اُمتِ کے پاس ایک مکمل تہذیب کے

تمام عناصر دستیاب ہیں۔ ارشاد باری ہے ''اور یاد کرو اس وقت کو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے اور تمہیں کمزور سمجھا جاتا تھا، پھر اللہ نے تمہیں پناہ دی، تمہاری مدد کی اور تمہیں قوت فراہم کی۔(۱)

۲-محل وقوع:

اُمتِ اسلامیہ کی ایک خصوصیت اس کا محل وقوع اور اس کے وسائل ہیں جب ہم اُمتِ اسلامی کے جغرافیائی اور معاشی نقشہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کے اہم ترین سٹریٹجک مقامات اور اس کے بہترین قدرتی وسائل میں اس اُمت کا حصہ مقدار اور قدرو قیمت دونوں کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ بات غیر ملکی تسلط کے اہم اسباب میں سے ایک ہے اور یہی وجہ ہے کہ اغیار کو اس اُمت کی بیداری اور ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔

۳- اجتماعی رابطہ:

اسلام کی حکیمانہ شریعت نے اس اُمت کے افراد کے مابین جو مضبوط رشتہ قائم کر دیا ہے وہ اس اُمتِ کی بقاء اور استحکام کی حقیقی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس تعلق ہی سے وہ عمارت وجود میں آتی ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو قوت فراہم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام منفی رجحانات کے باوجود اس اُمت کے درمیان باہمی تعلق اور یکجہتی بدستور موجود ہے اور اس تعلق کو کمزور یا ختم کرنے کی تمام مکروہ سازشوں کے باوجود آج بھی اس کے افراد کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح و آشتی قائم رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم پر اس کی رحمت سایہ فگن ہو۔(۲)

۴- ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت:

مسلم امہ اپنی جگہ پر ایک محکم اور مضبوط بنیاد رکھتے ہوئے کھلے ذہن کے زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے'' یہ ایک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں پیوست ہے اور اس کی شاخ آسمان کو چھوتی ہے اس کی مثال ایک اسے سرسبز و شاداب، مضبوط اور توانا درخت کی ہے جو اپنی جڑ کو زمین میں خوب پیوست رکھتا ہے مگر اس میں نشوونما بھی ہے وہ اپنی خاص شناخت بھی رکھتا ہے وہ ہواؤں کے چلنے کے ساتھ حرکت بھی کرتا ہے لیکن اپنی بنیاد پر قائم دائم رہتا ہے نہ اپنی جگہ چھوڑتا نہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے ہمارے دین میں بھی وہ تعلیمات ہیں جن کی روشنی میں یہ تہذیبی اخذ وعطا کا عمل بخوبی جاری رہ سکتا ہے۔ ہماری تہذیب کی عمارت محض مادی دنیا کی ایجاد اور انکشافات پر نہیں کھڑی کی گئی۔ اسلام نے بیک وقت روحانی اور مادی قوتوں کو اہمیت دی ہے۔ روح اور مادہ سے مل کر ہی انسان ایک مربوط شخصیت بنتا ہے۔ اس کے طرز فکر اور طور طریقوں میں توازن قائم ہوتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کی تکمیل ہی سے انسانی شخصیت تہذیبی اخذ وعطا کے قابل ہوتی ہے۔

ان زریں اصولوں کے باوجود آج مسلم امہ جو زبردست قوت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے جو ۵۸ مسلمان مملکتوں پر مشتمل ہے اور جن کی افرادی قوت سوا ارب سے زائد ہے ایک تودۂ خاک کی مانند ہے جو کسی طوفان کا مقابلہ کرنے کی سکت

نہیں رکھتا۔ وہ ایک ڈولتی کشتی ہے جس سے طوفان بلاخیز کی خوفناک موجیں اٹھکیلیاں کر رہی ہیں۔ وہ ایک ایسا گنگا ہے جو سیلابی ریلے کے ساتھ بہنے پر مجبور ہے۔ وہ انسانوں کا ایک ایسا ریوڑ ہیں جس کی کوئی سمت ہے نہ اس کا کوئی رکھوالا۔ وہ گم گشتہ راہی ہیں جسے اپنی منزل کا پتہ ہے نہ اس کا کوئی شعور ہی انہیں حاصل ہے وہ ایک شہرخموشاں کی مانند ہیں جس میں زندگی کی کوئی حرارت ہے نہ توانائی دعائے ایمان ہے لیکن ضرب ید الہیٰ نہیں۔ نبی آخر الزمان حضرت محمدؐ سے جذباتی تعلق و وابستگی ضرور ہے لیکن اسوۂ رسولؐ اپنانے کے لیے تیارنہیں قرآن جیسا نسخۂ کیمیا ان کے پاس موجود ہے لیکن شدت مرض سے جان بلب ہونے کے باوجود اسے استعمال کرنے کے لیے تیارنہیں۔

نصف صدی سے زیادہ عرصے تک دنیا دو بلاکوں میں منقسم رہی۔ سرمایہ دارانہ بلاک اور دوسرا کمیونسٹ بلاک، پہلے بلاک کے قائد امریکہ و برطانیہ وغیرہ تھے اور دوسرے کے سوویت یونین روس جہاد افغانستان کے نتیجے میں جب روس شکست و ریخت کا شکار ہو گیا اور اس کی قائدانہ حیثیت ختم ہو گئی تو دنیا میں صرف سرمایہ دارانہ بلاک ہی ہے جس کی قیادت امریکہ وغیرہ کے ہاتھ میں ہے جو مذہبی لحاظ سے عیسائی ہے لیکن یہودی مکمل طور پر اس کے قائد و رہنما ہیں بقول علامہ اقبالؒ فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے۔

کمیونسٹ بلاک بھی اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کا شدید دشمن تھا اور اس نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی تاہم اس کا ایک فائدہ ضرور تھا کہ وہ امریکہ کی چوہدراہٹ کی راہ میں سدِ سکندری تھا۔ سوویت یونین کے بکھر جانے کے بعد یہ رکاوٹ ختم ہو گئی اور دنیا میں صرف امریکہ سپر پاور کے طور پر باقی رہ گیا۔ گویا اب عیسائیت اور یہودیت کا گٹھ جوڑ بھی عروج پر ہے اور امریکہ کی خودسری بھی اوج ثریا پر۔ انہی دو چیزوں نے نیو ورلڈ آرڈر کو جنم دیا جس کا مطلب امریکہ کی خواہش کے مطابق دنیا کا نظام اور نقشہ مرتب کرنا ہے یعنی جو حکومت یا حکمران اس کی خواہشات کو نظر انداز کرنے والا ہو وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے۔ وحشیانہ بمباری اور دہشت گردی کے ذریعے سے موت کی نیند سلا سکتا ہے اسے اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل کی کوئی پرواہ نہیں۔ افغانستان، عراق اور پھر لبنان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ لبنان میں مہلک ترین ہتھیار اور بم امریکہ کی ایماء پر ہی استعمال کیے گئے گویا وہ ''لمن الملک الیوم'' کا آوازہ بلند کر رہا ہے اس نہایت خطرناک دور میں اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ کیا وہ اپنی اپنی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی فنا کے گھاٹ اترنے میں اپنی باری کا انتظار کرتی رہے گی یا اپنی گزشتہ روشن تاریخ کا پاس کرتے ہوئے کردار و عمل کا ایسا رخ اختیار کرے گی جس سے وہ ذلت و ادبار کی موجودہ پستی سے نکل کر عظمت کی ان بلندیوں پر فائز ہو سکے جو کبھی اس کا طرۂ امتیاز تھی۔ نبیؐ نے فرمایا۔''الاسلام یعلو ولا یعلی''(۳) یعنی اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. ''(۴)

''بے دل نہ ہونا اور غم نہ کرنا' اگر تم مومن ہوئے تو تم ہی غالب رہو گے''۔

معلوم ہوا کہ اسلام غالب ہونے والا دین ہے۔ اس کے مقابلے میں تمام ادیان و مذاہب مغلوب ہوں گے۔ عزت و سربلندی اس کے ماننے والے مسلمانوں کا حق ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مسلم کامل اور مومن صادق ہوں مومنِ

صادق کے لیے اللہ تعالیٰ نے یوں وعدہ فرمایا:

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ. وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا. (۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں حاکم بنا دے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو اس نے حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جس کو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور ان کو خوف سے نکال کر امن عطا کرے گا وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن. (۶)

اور ہم نے نصیحت کے بعد زبور میں یہ بات لکھ دی کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اُمّتِ مسلمہ موجودہ مسائل اور چیلنجز

حصول علم:

زمانہ قدیم سے دور حاضر تک ہر متمدن و مہذب معاشرہ علم کی اہمیت سے واقف ہے۔ فطرت بشری سے مطابقت کی بناء پر اسلام نے بھی علم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اس کے ابتدائی آثار ہمیں نبیؐ کے عہد میں ملتے ہیں چنانچہ غزوۂ بدر (رمضان ۲ ھجری) کے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ کی رقم مقرر کی گئی تھی۔ ان میں جو نادار تھے وہ بلا معاوضہ چھوڑ دیئے گئے تھے۔ لیکن جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے انہیں حکم ہوا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا زید بن حارثؓ نے جو کاتب وحی تھے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔(۷) یہ معمولی واقعہ ہی اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ نبیؐ کی نگاہوں میں تحصیل علم کس قدر ضروری تھا۔ اسلام کی اس حقیقت پسندانہ سوچ کے باوجود عصر حاضر کا یہ عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کا جس قدر علمی عروج اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر کئی صدیوں تک قائم رہا اسی قدر وہ آج انحطاط پذیر ہے۔ اسلام سے قبل علم چند خاص طبقوں کے لیے مخصوص تھا۔ ارسطو یا افلاطون جیسے فلسفی ہوں یا کوئی متمدن ہر جگہ تعلیم وتعلم خاص لوگوں کا حق نظر آتا ہے یونان اور چین میں علمی ترقی دکھائی دیتی ہے لیکن اہل حل وعقد تعلیم عامہ کے قائل نہ تھے۔ ہندوستان میں یہ حق پنڈتوں کو حاصل تھا اور شودر حصول علم کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ لیکن اسلام نے علم کو ہر انسان کی ایک بنیادی ضرورت قرار دیا۔ نبیؐ نے فرمایا: "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**"(۸) یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ نبیؐ نے فرمایا جو شخص علم کے حصول کے لیے گھر سے نکلتا ہے اس کیلئے کائنات کی تمام اشیاء دعائیں کرتی ہیں۔ عالم کو عابد پر وہی حیثیت حاصل ہے جو چودھویں رات کے چاند کو پہلی رات

کے چاند پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔(۹)

نبیؐ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ دوسری زبانوں کا علم سیکھیں۔ آپؐ نے فرمایا زید تم میرے لیے یہودیوں کی کتاب سیکھو۔ زید تم سریانی سیکھو زید کہتے ہیں کہ ہمیں نے سترہ دنوں میں زبان سیکھ لی(۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ علوم دینیہ کے علاوہ دیگر علوم سیکھنے کی بھی اسلام میں کوئی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ آپؐ نے علم کے فروغ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کے پھیلائے ہوئے علم کا اجر وثواب ملتا رہتا ہے(۱۱) اسی طرح آپ نے علم نافع کا تصور دیا ایسا علم جس سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو اس سے آپ نے پناہ مانگی۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع''(۱۲) یعنی اے اللہ میں غیر نفع بخش علم سے تری پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔ اے اللہ مجھے تو نے جو علم دیا اس سے فائدہ دے اور ایسا علم دے جو فائدہ مند ہو۔(۱۳)

نبیؐ مسجد نبوی کے چبوترے پر خود کو تحصیل علم کے لیے وقف کر دینے والے اصحاب صفہ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ کوئی گہرا اور روشن راز تو ہے کہ قرآن مجید بار بار کائنات میں تفکر پر آمادہ کرتا ہے اور یہ قرار دیتا ہے کہ یہ عمل اللہ کی عبادت سے بھی افضل و اشرف ہے۔ آدمی پڑھتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ عالم کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے افضل ہے۔ ان شہیدوں کے لہو سے افضل ہے جو حساب لیے بغیر فردوس بریں کی وسعتوں میں داخل کیے جائیں گے۔

جدید ٹیکنالوجی کے حصول کا چیلنج:

اس حقیقت پسندانہ سوچ کے باوجود عصر حاضر کا یہ عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کا جس قدر علمی عروج اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر کئی صدیوں تک قائم رہا اسی قدر وہ آج انحطاط و تنزل کا شکار ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب پورا یورپ جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ مدارس اسلامیہ بالخصوص غرناطہ طلیطلہ اور بغداد میں علم کی قندیلیں روشن تھیں۔ یورپ کے بیشتر جویانِ علم مسلمان اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ طے کر کے اپنی علمی تشنگی دور کرتے تھے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کی موجودہ تہذیب و ترقی مسلمانوں کے سائنسی ارتقاء کی مرہون منت ہے۔ صقلیہ میں فریڈرک دوم اور اس کے جانشینوں نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں لاطینی میں بکثرت ترجمہ کرائیں۔ عربی کتابوں عربانی و لاطینی تراجم یورپ کے لیے سرچشمہ رحمت ثابت ہوئے۔ مسیحی یورپ نے مسلمانوں کے علوم راجر بیکن سے سیکھے جس نے خود آکسفورڈ کے علاوہ پیرس میں قیام کر کے مسلمانوں کے علوم سیکھے تھے۔ وہ برملا یہ اعتراف کرتا تھا کہ ''اس کے معاصرین کے لیے علم صحیح کا واحد ذریعہ صرف عربی زبان اور اس کے علوم ہیں اسے اعتراف تھا کہ اس نے ارسطو کا فلسفہ ابن رشد کی تصانیف کے تراجم سے سمجھا ہے۔(۱۴)

جدید علوم اور عیسائیت:

عیسائیت نے علم کو مذہب سے متصادم قرار دیا ہے۔ اس کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ جس شخص کو انہوں نے تحصیل

علم اور اس کی تدریس وتعلیم میں منہمک دیکھا اسے یا تو ختم کر دیا یا مستوجب سزا وتعزیر قرار دے دیا۔ مذکورہ شخص راجر بیکن کو جاگر گر اور شیطانی علم کا پرچار قرار دیا گیا اور کلیسا کی جانب سے سنائی گئی سزا کے مطابق اسے ۲۴ سال جیل میں گزارنے پڑے۔ اسی طرح گلیلیو گلیلی اور کوپرنیکس Copernicus (۱۴۷۳ء تا ۱۵۴۳ء) کو بھی اپنے افکار ونظریات کے عیسائیت سے متصادم ہونے کے باعث بے پناہ مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑا۔

سکندر اعظم نے ۳۳۴ قبل مسیح میں مصر پر قبضہ کیا۔ اسکندریہ کی بنیاد رکھی جو یورپ اور ایشیاء کی تجارت کا مرکز ہونے کے باعث رفتہ رفتہ تہذیب وثقافت اور فکر ودانش کا مرکز بن گیا۔ اس کے اندر موجودہ یونیورسٹی ۶۰۰ سال تک تشنگان علم کو سیراب کرتی رہی۔ کتب کی تعداد ۶ لاکھ سے زائد تھی۔ جو عیسائی مذہب کے سائنس کے خلاف تعصب کی نذر ہو گئی۔ ۳۹۰ء میں بشپ تھیوفیلسی کے فتویٰ کی بناء پر اسے نذر آتش کر دیا گیا جس کی کتب کی کوکھ سے مشہور سائنسدانوں نے جنم لیا تھا۔ جن میں اقلیدس، ارشمیدس، جالینوس اور بطلیموس وغیرہ شامل ہیں۔ اسی یونیورسٹی کی ایک معلّمہ ہائی پیشیاء (Hypatia) جو فلسفۂ ارسطو کی تشریحات میں مہارت رکھتی تھی سربازار برہنہ کی گئی۔ گھسیٹ کر گرجا لے جائی گئی اور وہاں مقدس عصائے پطرس کی متواتر ضربات سے اس کا سر پاش پاش کر ڈالا گیا۔

مسلمان اور فروغ علم:

مسلمان سائنسدانوں نے علم کائنات علم حشرات الارض وحیوانات، نباتات، جہاز رانی، جغرافیہ، طب، علم الابدان، ریاضی، کیمیا، طبیعات، فلکیات اور علم توانائی وغیرہ سے دنیا کو روشناس کرایا۔ جابر بن حیان، عبدالملک اصمعی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، یعقوب بن اسحاق الکندی اور الجاحظ (متوفی ۸۶۹ء) عظیم مسلمان سائنسدان تھے۔ نور الدین طوسی نے قوس قزح کی تشکیل کا ایک صحیح اور واضح حل پیش کیا۔ جابر بن حیان کئی کتب کا مصنف تھا۔ اس نے فولاد بنانے، چمڑا رنگنے، دھاتوں کو مصفّٰی کرنے اور وارنش کرنے کے بیسیوں طریقے ایجاد کیے۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی میدانِ ریاضی اور ہندسہ میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ جس نے پوری دنیا کو الجبرا وجیومیٹری سے آگاہ کیا۔

مسلم امہ اور جدید ٹیکنالوجی:

دور حاضر میں مسلم امہ کی سائنس وٹیکنالوجی میں پیش رفت نہایت مایوس کن ہے۔ اس کا اندازہ ان اعداد وشمار سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۵۸ آزاد اور خود مختار اسلامی ممالک کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا ۲۰ فیصد (تقریباً سوا ارب) ہے۔ اس آبادی کا تقریباً ۴۰ فیصد حصہ ان پڑھ ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں موجود یونیورسٹیوں کی تعداد تقریباً ۳۵۰ ہے۔ جن میں پنجاب یونیورسٹی لاہور (۱۸۸۲ء) انڈونیشیاء یونیورسٹی (جکارتہ ۱۹۵۰ء) تہران یونیورسٹی (دانش گاہِ طہران ۱۸۵۱ء) جامعہ ملک سعود (ریاض نومبر ۱۹۵۷ء) اور جامعۃ الازہر (قاہرہ مصر ۱۹۷۰ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان یونیورسٹیوں سے سالانہ تقریباً ایک ہزار افراد پی ایچ ڈی کرتے ہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ان اسلامی ممالک کی مجموعی افرادی قوت صرف ۸۰ لاکھ کے قریب ہے۔ جو ان شعبوں میں مصروفِ عمل عالمی آبادی کا تقریباً ۴ فیصد ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال ایک لاکھ سے زائد

سائنسی کتب اور ۲۰ لاکھ سے زائد سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ جب کہ اسلامی ممالک سے شائع ہونے والی سائنسی اور تحقیقی کتب اور مقالات کی سالانہ تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہ کرسکی۔ یہ ان اسلامی ممالک کا مجموعی حال ہے جن کی آزاد مملکتیں کرۂ ارض کے تقریباً تین کروڑ مربع کلومیٹر پر محیط ہیں۔ جو تیل کے پوری دنیا میں موجودہ ذخائر ے تین چوتھائی حصے کے مالک ہیں اور جنہیں اپنے لامحدود قدرتی وسائل سے استفادہ کی سہولت حاصل ہے اس کے باوجود علوم جدیدہ میں مغرب سے مسابقت کے بجائے غفلت اور تساہل نے اسلامی ممالک کو ترقی کی دوڑ میں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تحقیق پر مجموعی طور پر جو رقم خرچ کی جاتی ہے۔ صرف جرمنی اس سے دوگنا اور جاپان ۴ گنا رقم خرچ کرتا ہے۔ پاکستان اپنی قومی پیداوار کا بمشکل ۲ فیصد (۲۱ ارب روپے) عام تعلیم پر خرچ کرتا ہے۔ جبکہ امریکہ اپنی قومی پیداوار کا ۵ء۶ فیصد جاپان ۶ء۳ فیصد جرمنی ۸ء۴ فیصد اور فرانس ۱ء۶ فیصد تعلیم کے شعبے میں خرچ کرتا ہے۔

سترہویں صدی کے برطانیہ میں سائنس سوسائٹی کا ایک طوفان ابھر آیا تھا۔ جب برلن اور برطانیہ میں صنعتی عہد کی نیو اٹھائی جا رہی تھی۔ جب یورپ میں آکسفورڈ اور کیمرج کی بنیاد رکھی جا رہی تھی تو ہمارے بزرگ تاریخ انسانی کی سب سے خوبصورت عمارت تاج محل کی جزئیات پر عرق ریزی کر رہے تھے۔ وہ آرام اور سکون میں رہنا چاہتے تھے۔ مشینوں کا شور اور ان کی پیچیدگیاں انہیں گوارا نہ تھیں۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دینے والے بادشاہ کے دور میں کسی آکسفورڈ تو کجا کسی الازہر کی بنیاد بھی نہ رکھی جاسکی۔ یورپ نے مشین ایجاد کرلی اور جمہوریت بھی، مگر ہم گلی سڑی بادشاہت سے چمٹے رہے۔ خوئے غلامی کے مارے ہندوستان میں ہم نے زندگی کی باگ جاگیرداروں شہزادوں، والیوں، راجوں اور بادشاہوں کو سونپے رکھی اور مغرب نے سلطنت کے امور کی ذمہ داری پہلے جاگیرداروں سے چھین کر بادشاہ کو عطا کی، پھر بادشاہ سے پارلیمان کو اور آخر میں پارلیمان سے عام آدمی کے حوالے کردی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دور جدید کے تقاضے اور چیلنجز کیا ہیں۔ تین صدی پہلے کے صنعتی انقلاب کے بعد ہرگزرنے والے دن کے ساتھ ٹیکنالوجی کی اہمیت بڑھتی چلی جارہی ہے اگر نومبر کے گلابی جاڑے میں گندم کے بیج ڈال دینے کے بعد دسمبر میں ابر نہ برسے تو ہرگزرتے دن کے ساتھ پانی کی ضرورت شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے اگر جنوری کا آسمان بادلوں سے خالی رہے اور پھر فروری کے دن بھی بیت جائیں تو اپریل میں کھلیانوں سے صرف تھوڑا سا بھوسا سمیٹا جا سکتا ہے گیہوں ہیں۔ اُمتِ مسلمہ تعلیم کے میدان میں پہلے ہی اتنی پیچھے رہ گئی کہ گویا فروری کا آغاز ہو چکا اور اب مزید تاخیر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہاں تعلیم سے میری مراد جدید علوم بھی ہیں۔ ٹیکنالوجی بھی اور اللہ کی آخری کتاب اور سیرت رسولؐ پر غور وفکر بھی کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک سے بھی محرومی کے متحمل نہیں ہو سکتے ایک محرومی فی الجملہ ہماری دنیا اجاڑ دے گی اور دوسری آخرت برباد کر دے گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تلافی مافات کے لیے حصول علم کے لیے کمر کس لی جائے تو کیا تلافی ممکن ہے۔ میرا جواب ہو گا کہ جی ہاں ممکن ہے اور دلیل یہ ہے کہ پاکستان شرح خواندگی کے لحاظ سے ۱۳۲ نمبر پر ہے لیکن ایٹمی صلاحیت کے اعتبار سے چھٹے نمبر پر پاکستان جوہری سائنس اور میزائل سازی میں بھارت سے بہتر ہے۔ بھارتی سائنس

دانوں نے میزائل کا ٹھوس ایندھن بنانے میں پورے پانچ سال خرچ کیے لیکن پاکستان کے جس سائنسدان نے سوا دو سال میں دنیا کا بہترین میزائل تیار کیا اس نے یہ ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے کبھی ننگی آنکھ سے اس ہتھیار کو دیکھا تک نہیں تھا اور جب یہ میزائل داغا گیا تو عین نشانے پر لگا۔

سادہ سا حساب ہے کہ اگر پاکستان صرف ۱۰ برس میں وہ ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کر سکتا ہے جو عرب اور ایرانی سینکڑوں گنا وسائل کے باوجود تین عشروں میں نہیں حاصل کر سکے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ نسبتاً کہیں پسماندہ مصر کے کھیتوں میں کپاس کی پیداوار پاکستان سے تین گنا اور خود مشرقی پنجاب میں دگنا ہے پاکستان کی معیشت چند برس میں کوریا اور ملائشیاء کے ہم پلہ ہوسکتی اور زراعت اس قدر ترقی کر سکتی ہے کہ پانچ برس میں سینکڑوں ارب زرمبادلہ کمانے لگے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی دنیا من حیث المجموع اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لیے عصری علوم میں قرونِ اولیٰ کی طرح آج بھی پوری دنیا پر اپنی سیادت و بالادستی قائم کرے اور یونیسکو وغیرہ کی علمی امداد و معاونت سے مستغنی ہوکر اپنا مضبوط علمی بلاک تشکیل دے جس میں دینی علوم کے احیاء کے ساتھ عصری علوم کی مسلم ماہرین کے زیرنگرانی ازسرنو تدوین کی جائے تاکہ مغربی ممالک پر کلی یا جزوی انحصار کی بجائے مسلمان خود دنیا کے جملہ شعبوں میں استیلا و غلبہ حاصل کرسکیں۔

اُمتِ مسلمہ میں اتحاد قائم رکھنے کا چیلنج:

اُمتِ مسلمہ اس وقت ۵۸ ممالک پر مشتمل اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ ہر مسلم ملک ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے جو دوسری اکائیوں کے ساتھ مل کر ایک عظیم اتحاد کی شکل اختیار کر سکتا ہے لیکن سب سے پہلے ہر اکائی کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ ان تمام عوامل کی بیخ کنی لازمی ہے جو ایک وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوں ان میں سرفہرست برادری ازم، قبائلی عصبیت، علاقائیت، قومیت، فرقہ واریت ہیں۔ کسی بھی اسلامی ملک کو دیکھیں علاقائیت کا عفریت بھائی بھائی کے درمیان نفرت اور عداوت کے بیج بوتا نظر آئے گا۔ صومالیہ میں شمال و جنوب کی کشمکش پاکستان میں شیعہ وسنی اور صوبائیت پر مبنی تعصبات کی آویزش، بنگلہ دیش میں سلہٹ اور غیر سلہٹی افراد کے درمیان تفاخر کی کیفیت، عراق میں تمام تر مصائب کے باوجود اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اور پھر عربوں اور کردوں کے درمیان محاذ آرائی، افغانستان میں پختون، ازبک اور تاجک قوموں کے درمیان تنافس جو امریکہ کے حملہ کے وقت کھل کر ظاہر ہو چکا اس امر کی چند مثالیں ہیں۔ نبیؐ نے مدینہ میں جو معاشرہ قائم کیا تھا اس کی بنیاد مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت ومحبت اور لگانگت پر رکھی گئی تھی مہاجرین و انصار کے دونوں معزز لقب اپنے اپنے اوصاف حمیدہ کی بناء پر وحی الٰہی میں جگہ پا گئے۔

''وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا. ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.''(۱۵)

''یعنی جو مہاجرین و انصار سابق اور متقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ

ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے"۔

عرب ممالک میں قومیت کا نعرہ بڑی شان سے بلند کیا گیا لیکن یہ نعرہ یہودیوں کی چھوٹی ریاست کا مقابلہ کرنے یا اہل فلسطین کو ان کی سرزمین واپس لوٹانے میں عربوں کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ عرب لیگ آج ایک بے جان لاشہ ہے جو تجہیز و تکفین کا منتظر ہے۔ صدام اور حافظ الاسد کی بعث پارٹی کے نام سے ایک بے خدا تحریک نے آپس میں جنگ و جدل کا شکار ہو کر اپنے ساتھ پوری قوم کو ڈبو دیا۔ نبیؐ نے فرمایا۔

"المسلم للمسلم كالبنيان يشد بعضه بعضا"۔(١٦)

"مسلمان کے ساتھ مسلمان کا تعلق ایسا ہے جیسے ایک دیوار کے اجزاء جن کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کر دیا جاتا ہے"۔

لہٰذا اُمتِ مسلمہ عالمی سطح پر امن و آشتی اور اخوت و مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کی ذمہ دار ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب اُمتِ مسلمہ کے اندر اخوت اور اتفاق و اتحاد موجود ہو اور وہ میثاق مدینہ کی شق نمبر ۱۹ کہ "وان سلم المومنین وحدة" (مسلمانوں کا امن ایک ہے یعنی اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا) پر عمل پیرا ہو۔ او آئی سی کو اس قدر فعال کر دیا جائے کہ وہ یو این او سے زیادہ مؤثر ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی ان کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

معاشی ترقی کا چیلنج:

کسی بھی ملک کے مالیاتی نظام میں دیانت و امانت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اگر مالیاتی نظام میں بددیانتی، خیانت اور بے ایمانی سرایت کر جائے تو وہاں دولت کی تقسیم عادلانہ نہیں رہتی۔ افسران بدعنوانی میں ملوث ہو جائیں تو ناجائز ذرائع سے لوٹ کھسوٹ شروع ہو جاتی ہے۔ عوام سرکاری خزانے اور قومی آمدنی سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ کرپشن ایک طرف ملک کے اندر دولت کی تقسیم کو غیر عادلانہ بناتی ہے اور دوسری طرف سرکاری خزانہ عوام کی بجائے بااثر لوگوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ پوری قوم کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔ نبیؐ نے امانت و دیانت اور بددیانتی کا واضح تصور پیش کیا۔ فرمایا: "لا ايمان لمن لا امانة له" اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانتداری نہیں۔ آپؐ نے فرمایا "قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ سب سے پہلے اس اُمت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا(۱۷) نبی کریمؐ نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت

قرار دیا۔(۱۸) ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا. (۱۹) اور آپ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہوں۔ دوسری جگہ فرمایا۔اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ. (۲۰) بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ نکالا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کا ہر فرد بددیانتی، مالی ظلم، جھوٹ اور ناجائز ذخیرہ اندوزی سے کنارہ کش رہے۔ جہاں تک ریاست کا تعلق ہے نبیؐ نے ریاست اور اسلام کو دو جڑواں بھائی قرار دیا ہے۔ ریاست کا فرض ہے کہ وہ بحیثیت خلیفۃ اللہ اسلامی تعلیم کی روشنی میں شہریوں کے تمام حزن و خوف (بشمول معاشی خوف) دور کرے اور اس زمین کو جنت ارضی بنائے۔ بقول ڈاکٹر فضل الرحمٰن۔

"The Islamic State, as funchonig under the Sovereignty of God, and in the capacity of his recegerent, and as governed by the Divine law, is duty bound to to arranged and organise the economics of the state is such a way that every citizen obtains the basic necessities of life. Those necessities being food, clothing. health, shelter and education. There by obtaining all possible immunity room economic feer and sorrow."(21)

مسلم امہ جب تک اسلام کا معاشی نظام نہیں اپنائے گی کامیاب نہ ہو سکے گی۔ آج دنیا میں یا تو اشتراکی نظام کارل مارکس جس کا پیغمبر مانا جاتا ہے موجود ہے۔ جہاں ذاتی ملکیت کا وجود نہیں ہے نجی کاروبار کی ممانعت ہے اور جہاں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں یا پھر سرمایہ دارانہ نظام ہے جہاں دولت کی تقسیم غیر مساوی ہے یہ سود پر مبنی استحصال اور ظلم کا نظام ہے۔خود مغربی ماہرین اس سے مطمئن نہیں۔ الغرض دونوں نظام افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ پس اُمّتِ مسلمہ کا فرض ہے کہ اسلامی معاشی نظام کو ملک میں رواج دیا جائے۔ جہاں افراد اور ریاست کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔مسلم امہ آپس میں باہمی تجارت اور لین دین کو فروغ دے کر زیادہ سے زیادہ برکات حاصل کریں۔

مسلمان ممالک میں عدم اتحاد کا نقصان:

مسلمان ملکوں میں باہمی اتفاق و اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی قوت منتشر ہو چکی ہے۔ اگر تمام اسلامی ممالک متحد ہو جائیں تو اقوام متحدہ من مانی نہیں کر سکتی۔ اسلامی سربراہی کانفرنس مؤثر اور فعال ہو اور آپس کی تلخیاں اور کشیدگیاں دور ہوں پورا عالم اسلام ایک جسد واحد کی طرح اور ایک بنیاد مرصوص ہو اور اسلامی تعلیمات کا مظہر ہو۔

منصوبہ بندی کے فقدان کا چیلنج:

اللہ تعالیٰ نے اسلامی ممالک کو ایک تو افرادی قوت سے نوازا ہے۔ دوسرے ہر قسم کے قدرتی وسائل انہیں وافر

مقدار میں عطا کیے ہیں لیکن منصوبہ بندی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ہم غیروں کے محتاج ہیں۔ ہمارے اہل علم و ہنر دیارِ غیر میں کام کر رہے ہیں اور ان کی ترقی میں خوب تعاون کر رہے ہیں۔ ہم انہیں مناسب مراعات دے کر ملکی ترقی میں حصہ دار بنانے کے لیے تیار نہیں بلکہ ہم ان ماہرین کی حوصلہ شکنی کر کے ان کو ملک سے باہر رکھنے کا عمل کر رہے ہیں۔لہذا مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ ایسے جوہر قابل تلاش کریں ان کی حوصلہ افزائی کریں اور تمام اسلامی دنیا میں ان کے فیض کو عام کریں تاکہ بقیہ دنیا کے ساتھ ہم مقابلہ کر سکیں۔

دفاع کو مضبوط بنانے کا چیلنج:

عالم اسلام کی دفاعی حالت یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ مالدار ملک کویت اور سعودی عرب اور عرب امارات اپنے دفاع کے لیے مغربی ممالک کے محتاج ہیں۔ آج سے چند سال قبل صدام حسین نے کویت پر جارحانہ قبضہ کر لیا اور سعودی عرب پر بھی جارحیت کے ارتکاب کا اظہار کیا تو ان دونوں ممالک نے امریکہ و برطانیہ وغیرہ سے امداد طلب کی اور انہوں نے ہی آ کر صدام کی جارحیت سے ان دونوں کو بچایا جس کی بہت بھاری قیمت ان کو چکانی پڑی۔ بلکہ ابھی تک چکا رہے ہیں جس نے ان کی معیشت کو نیم جان کر دیا ہے۔ اسی طرح ۵۷ سال سے اسرائیل نے عربوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ حالانکہ عربوں کے مقابلے میں وہ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آباد ۳۰، ۳۵ لاکھ سے زیادہ نہیں جبکہ عرب کروڑ سے زائد ہیں اور دنیاوی وسائل سے مالا مال بھی ہیں لیکن چونکہ وہ اپنا مؤثر دفاع کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے اسرائیل سے مسلسل مار کھا رہے ہیں بالخصوص فلسطینی مسلمانوں پر اس نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے لیکن کوئی اسلامی ملک اس کا ہاتھ پکڑنے اور اسے سبق سکھانے کے قابل نہیں۔ عالم اسلام اپنے دفاع سے یکسر غافل ہے۔ حالانکہ قرآن کا حکم ہے۔

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ.'' (۲۲)

''جتنی طاقت تم تیار کر سکتے ہو تیار کرو اور گھوڑے بھی باندھے ہوئے تیار رکھو تم اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ڈراؤ۔''

حدیث میں نبیؐ نے فرمایا: ''الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرمی ألا ان القوة الرمی'' ''سن لو! قوت سے مراد تیر اندازی ہے، قوت سے مراد تیر اندازی ہے، قوت سے مراد تیر اندازی ہے''۔

نبیؐ نے تیر اندازی کا ذکر فرمایا اس لیے کہ اس وقت تیر اندازی ہی بڑا ہتھیار تھا آج کل میدانِ جنگ میں دشمن کو زیر کرنے کے لیے جو جدید ترین ہتھیار استعمال ہوتے ہیں اس سے وہی مراد ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ عالم اسلام اپنے وسائل جمع کرے۔ جس کے پاس مال و دولت ہے وہ مال و دولت دے جس کے پاس جذبہ و توانائی ہے وہ کام میں لائے اور یوں وہ اپنے وسائل اور صلاحیتیں جمع کر کے اپنے دفاع کو ناقابل تسخیر بنائے۔

اخلاقی پستی:

مغرب بے دین ہونے اور بے حیائی کو تہذیب کے طور پر اپنانے کے باوجود عمومی زندگی میں چند اخلاقی قدروں کا پاسبان ہے، امانت و دیانت اس کا شعار ہے۔ مسلسل لگن اور جدوجہد کرنے والا ہے علم و ہنر کا حامل اور قدردان ہے۔ اپنی ان خوبیوں کا وہ صلہ پا رہا ہے دنیا میں اس کی تجارتی ساکھ قائم ہے۔ پوری دنیا اس کی مصنوعات کی منڈی ہے اور گراں سے گراں تر ہونے کے باوجود لوگ انہیں آنکھیں بند کر کے لے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ خوشیاں ہیں جن کی تلقین ہمارے مذہب نے کی ہے ان خوبیوں میں ہمیں ممتاز ہونا چاہیے تھا۔ اخلاق و کردار کی بلندی ہمارا شعار ہونا چاہیے تھا لیکن بدقسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہم نے ان کی نقالی تو کر لی مگر ان کی خوبیاں نہ اپنا سکے۔ ہم نے سائنسی علوم میں ترقی نہیں کی مگر عورتوں کی بے پردگی، فیشن شو، ڈاگ شو، کتوں سے محبت اور مغربی لباس کی تقلید کرنے لگے۔ ان کی ترقی کا راز علم و ہنر، ان کی محنت لگن اور دیانت و امانت میں مضمر ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے زرقص دختراں بے حجاب
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانع علم و ہنر عمامہ نیست

اُمتِ مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں پھر اگر کہیں پر مسلمان اپنی بقاء وسلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہہ کرنے کی بجائے الٹا مسلمانوں ہی کو موردِ الزام ٹھہرا رہی ہیں حالانکہ اسلام نے بارہ سو سال سپر پاور کی حیثیت سے دنیا پر حکمرانی کی ہے لیکن وہ ہمیشہ حقیقی امن و سلامتی کے پیامبر بن کر ظلم کی ہر صورت کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ جس کی تاریخ شاہد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں انسانی خون کی بڑی قدر و قیمت ہے خواہ وہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا، اسلام ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کا خون ناحق بہایا جائے۔ نبیؐ کا ارشاد ہے۔

''قیامت کے دن بندے کا جس سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور لوگوں کے درمیان جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کے معاملات ہیں۔''(۲۳)

ایک دوسری حدیث ہے عبداللہ بن عمرؓ جس کے راوی ہیں نبیؐ نے فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها ليوجد من سيرة اربعين عاما. (۲۴)

''جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا۔ اسے جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے''۔

اسلام جہاد کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کیا جائے انہیں مذہبی عقائد، عبادات اور رسوم سے روکا جائے ان کی مال و جان اور عزت و آبرو کو لوٹنے کی کوشش کی جائے، ان کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا جائے تو ایسے مواقع پر اسلام مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لیے لڑائی کی اجازت دیتا ہے۔

عالمی میڈیا میں مؤثر نمائندگی کے حصول کا چیلنج:

ابلاغ عامہ کسی ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے جس ملک کے ابلاغ عامہ کے ذرائع جتنے جدید ہوں گے وہ ملک اسی قدر ترقی یافتہ متصور ہوگا۔ ترقی یافتہ ممالک کی نیوز ایجنسیز نے دنیا بھر میں خبروں کے حصول کے لیے جال پھیلا رکھا ہے۔ مواصلاتی سیارہ کے ذریعے خبروں کی تصاویر تک لے لی جاتی ہیں۔ اسلام دشمن ممالک اس میڈیا سے اپنی مرضی کی خبریں ہی دوسروں تک جانے دیتے ہیں۔ اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتے ہیں لہذا اسلامی ممالک کو اپنے اپنے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لیے اکٹھا ہونا چاہیے تاکہ دشمن کے اصل پروپیگنڈہ کا جواب دیا جاسکے۔ آج کے اس دور میں توپوں اور بندوقوں کی جنگ نہیں بلکہ اصل جنگ میڈیا کے ذریعے لڑی جا رہی ہے جو ایٹم بم سے بھی زیادہ ہلاکت خیزی رکھتی ہے۔ پس اسلامی تعلیمات کے ذریعے انتشار ختم کرنے، امن و سکون کے حصول کے لیے نیز دشمنان اسلام کے وار سے بچنے کے لیے میڈیا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

حرفِ آخر:

ترقی یافتہ اقوام ترقی کے ثمرات اپنے تک محدود رکھنا چاہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر عدم مساوات، حقوق سلبی اور نیچا دکھانے کا عمل جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر مذہبی، ملکی، علاقائی، نسلی تعصبات فروغ پا رہے ہیں اور مغربی ذرائع ابلاغ نے ایک سوچی سمجھی سکیم اور مربوط حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے اسلامی دنیا کے چھ ممالک بحرین، کویت، برونائی، متحدہ عرب امارات، قطر اور ملائشیاء کی مالی حالت تسلی بخش ہے مگر یہود و نصاریٰ کی چالوں سے ان کی اقتصادی خوشحالی روبتزل ہے۔ جنوبی ایشیاء اور افریقہ کی بعض ریاستیں زراعت میں خوشحالی سہی مگر بعض ممالک فاقوں کا شکار ہیں ایتھوپیا عدم غذائیت کا شکار ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہونے کے باوجود زراعت میں خود کفیل نہیں۔ کشمیر، افغانستان، فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا و لبنان کے مسلمانوں پر یہود و ہنود اور امریکہ و روس نے ان کی اپنی زمین ان پر تنگ کر دی ہے۔ مرکز اسلام سعودی عرب میں افواج غیر ڈیرے جمائے بیٹھی ہے اور اپنی مرضی سے خراج بصورتِ تیل وصول کر رہی ہے۔ لبنان پر بارود برسایا گیا۔ اسرائیل اور امریکہ نے مل کر اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی۔ مگر ناکام ہوئے مغربی اقوام نے مل کر اپنی یو این او بنائی جس سے وہ فیصلے اپنی مرضی سے صادر کراتے ہیں۔ اپنی کرنسی یورو بنالی جہاں وہ عالمی لین دین کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم امہ اس طرح کے اتحاد میں کیوں نہیں آتی۔ مسلمانوں کا خدا ایک، رسول ایک، ان کا منشور (قرآن) ایک اور ان سب کا کعبہ ایک انہیں سوچنا چاہیے کہ پھر سب مسلمان ایک کیوں نہیں ہوجاتے۔ دراصل اسلام ہی وہ پاکیزہ دین ہے جو زندگی کے ہر معاملے میں اپنے ماننے والوں کو صحیح رہنمائی کرتا ہے اسلام کے پیغام کو قولاً وعملاً دنیا بھر میں پہنچائیں، اتحاد و تعاون کو اپنا وطیرہ بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان دنیا میں اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ نہ پاسکیں۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کرلیتی ہے
لیکن کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مصادر ومراجع

۱- القرآن۔ ۲- القرآن۔ ۳- صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ۷۹۔ ۴- سورۃ آل عمران آیت:۳۹۔ ۵- سورۃ النور آیت: ۵۵۔ ۶- سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۵۔ ۷- سیرت النبیؐ از شبلی نعمانی ۱/۱۹۴۔ ۸- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ جلد اول ص ۸۱۔ ۹- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ جلد دوم۔ ۱۰- ابن سعد حافظ الطبقات الکبریٰ جلد دوم ص ۱۱۵۔ ۱۱- جامع ترمذی، امام جامع الصحیح بیان العلم جلد اول ص:۱۳۔ ۱۲- سنن ابن ماجہ باب النفاع بالعلم والعلم جلد اول ص ۹۲۔ ۱۳- سنن ابن ماجہ کتاب الدعاء ص ۱۲۸۰ حدیث ۳۸۳۳۔ ۱۴- مقالہ علم جلد، ۱۳، ۱۴ اردو دائرہ اسلامیہ لاہور۔ ۱۵- سورۃ توبہ آیت ۱۰۰۔ ۱۶- کنز العمال موسۃ الرسالہ جلد سوم ص ۶۱، حدیث ۵۵۰۰۔ ۱۷- کنز العمال مؤسۃ الرسالہ جلد سوم حدیث ۵۵۰۲۔ ۱۸- بیہقی شعب الایمان۔ ۱۹- سورۃ النساء آیت ۱۰۵۔ ۲۰- سورۃ الانفال آیت ۵۸۔ ۲۱- The Quranic Foundation 2 Vol II P-380 ۲۲- سورۃ الانفال آیت ۶۰۔ ۲۳- سنن نسائی ج سوم باب تعظیم الام ص ۸۲۔ ۲۴- ابن حجر عسقلانی بلوغ الحرام باب الجزیہ ص ۲۷۲ نور محمد اصح المطابق کتب کراچی۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد ریاض-صوابی

حرف آغاز:

دین حنیف کی علمبردار امت مسلمہ اس وقت تاریخ کے نازک دور سے گذر رہی ہے۔اپنوں کی سادگی، اغیار کی عیاری اور داخلی و خارجی محاذوں پر موجود اجتماعی، تہذیبی اور سیاسی مسائل نے اسے بیچ گرداب میں لا کھڑا کر دیا ہے۔ ایمانی فراست اور فاقہ کشی کی صفات سے عاری یہ امت اب جاہل، دہشت گرد و انتہا پسند اور جنونی و قدامت پرست کے القاب سے یاد کی جا رہی ہے۔ کفریہ طاقتیں اور غیر مسلم استعمار اپنے مضبوط میڈیا کے ذریعے یہ تشہیری مہم چلا رہے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد لوگ ہیں۔ قرآن War Book ہے اور جہاد اللہ کے نظریات حیات سے متصادم نظریہ ہے۔

المیہ یہ ہے کہ مسلمان آپس میں جسد واحد بن کر رہنے کی بجائے فرقوں، گروہوں اور مختلف علاقائی و لسانی تنظیموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں مالدار لوگ زر پرستی کی ایسی بیماری میں مبتلا ہیں کہ کوئی نصیحت ان کے حق میں کارآمد نہیں، غربت کے مارے مسلمان بھی پیٹ کے علاوہ دوسری کسی سوچ سے محروم نظر آتے ہیں۔ علماء اور عوام میں ایک خلیج پیدا ہو چکی ہے۔ حکمران طبقہ اپنی رعایا کی جگہ استعماری قوتوں کا آلۂ کار ہے اور اجتماعی و ملی مفادات کا صبح و شام ایسا خون ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے کہ سنجیدہ طبقہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا ہے کہ امت مسلمہ پر قیامت نازل ہو چکی ہے اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

گرفتہ چیناں احرام و مکی خفتہ در بطحا

امت مسلمہ کا تعارف اور سائز:

اس وقت دنیا کے نقشے پر 61 اسلامی ممالک ہیں جن میں 57 ممالک OIC کے رکن ہیں۔ ایک ارب 47 کروڑ 62 لاکھ 33 ہزار 4 سو 70 مسلمان اس وقت دنیا میں رہتے ہیں۔ دنیا کی کل آبادی کی نسبت مسلمان 20 فیصد ہیں اور ہر پانچواں شخص مسلمان ہے ایک ہندو اور ایک بدھ کے مقابلے میں دو مسلمان اور ایک یہودی کے مقابلے میں 100 مسلمان ہیں۔(۱)

مسلم امہ کی فوج کی مجموعی تعداد 66 لاکھ 76 ہزار 5 سو 60 بنتی ہے۔ 61 مسلم ممالک میں 56 ہر سال اپنے دفاع پر تقریباً 76 ارب 950 ملین ڈالرز خرچ کرتے ہیں یہ رقم دنیا کے کل دفاعی بجٹ کا ایک چوتھائی بنتی ہے۔(۲)

آب و ہوا اور جغرافیائی حالات کے اعتبار سے مسلم مقبوضہ ممالک انتہائی بہترین محل وقوع رکھتے ہیں قدرتی وسائل کا ستر فیصد حصہ ان کے پاس ہے۔ قدرت کی طرف سے اتنی فیاضی اور عنایتوں کے باوجود مسلمانوں کی اپنی نااہلی، سستی اور

دینِ اسلام سے بیزاری نے اس امت کو قعرِ مذلت میں پھینک دیا ہے۔ آج کے دور میں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے جتنے حالات سازگار ہیں کبھی نہ تھے لیکن بدقسمتی دیکھیے کہ خود ترقی معکوس چل رہا ہے۔ دینی انحطاط، اسلامی شعائر سے بیزاری اور مادہ پرستی نے اسے ثریا سے زمین پر دے مارا ہے۔ مسلمان تو قرآن اور اسلام کی وجہ سے معزز تھے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ اعزنا اللہ بالاسلام آج بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ سے مروی حضورﷺ کی یہ حدیث ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین.(۳) کی صدائے بازگشت بھی امتِ مسلمہ کو جھنجھوڑ رہی ہے لیکن آج کا مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دینی تعلیمات پر عمل کرنا ہی ہماری پستی، تنزلی اور رسوائی کا سامان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام خود مسلمان ممالک میں غریب الغربا ہے۔ داڑھی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صرف داڑھی اسلام ہے۔ کوئی مسلمان کہتا ہے کہ صرف نماز پڑھنے سے بندہ مسلمان نہیں ہوتا کوئی کہتا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔ کسی کو حج پر اعتراض ہے کوئی پردہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے اور اگر آپ قریب ہو کر مسلمانوں کا سروے کریں تو شاید کوئی حکم الٰہی اور سنت رسولﷺ ہو جو خود مسلمانوں میں مطعون نہ ہو۔ جس سے جس بھی رکن کا ذکر کرو وہ اسی کے بارے میں کہے گا کہ کیا صرف اسی میں اسلام ہے۔ حالانکہ یہ دین سے فرار کے خود ساختہ بہانے ہیں اسلام تو پورا دین ہے اور پورے دین میں داخل ہونے کا حکم ہے لیکن اس طرح کے جملے کسنا اور اسلامی شعائر کی توہین کرنا دین سے بیزاری کی دلیل ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً.(۴)

اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ، پورے کے پورے۔

مفسرین نے لفظ کافۃ کو دونوں کے لیے لیا ہے۔ یعنی اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ یا یہ کہ پورے اسلام میں تم داخل ہو جاؤ۔ جب یہ حکم واضح ہے تو پھر نکتہ چینی کا ہے کی۔

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز:

اس وقت امت مسلمہ کو بحیثیت مجموعی جن مسائل و چیلنجز کا سامنا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- صحیح قیادت سے محرومی:

امت مسلمہ کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ مسلم عوام اسلام سے انتہائی مخلص ہیں وہ اللہ رسولﷺ اور اسلام کے بارے میں دو رائے نہیں رکھتے جبکہ حکمرانوں کا قبلہ استعماری قوتیں ہیں۔ ان کی آشیرباد کے بغیر یہ اپنے کو ناکام سمجھتے ہیں اور ہر حال میں ان کی تائید اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ قیادت اور رعایا کا یہ تضاد جملہ اسلامی ممالک میں آپ کو نظر آئے گا۔ آج دنیا بھر میں مسلمان اس حوالے سے بڑے چیلنج سے دوچار ہے کہ مسلمانوں اور امت مسلمہ سے مخلص کوئی لیڈر و قائد پیدا کر سکے۔ اقبالؒ نے بھی اپنے وقت میں مشرق و مغرب کے استعارے میں یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ مشرق ساقی سے محروم ہے۔

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا

مشرق کا لفظ مسلم امہ کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ شاہی حکومتیں ہیں جو مسلمانوں کی جان نہیں چھوڑ رہیں۔ کہیں کہیں شاہی کو جمہوریت کی چادر بھی پہنائی گئی ہے لیکن حقیقی جمہوریت عنقا ہے۔

2- حقیقتِ اسلام کی جگہ اسلام کی صورت سے امیدیں:

ایک تلخ حقیقت اور مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام کے حقیقی تصور سے محروم ہو چکے ہیں اور اسلام کی صورت سے وہی امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں جو حقیقت کے ساتھ وابستہ تھیں اس وقت جو کچھ ہے وہ فقط صورت ہے۔ حقیقت نے سوائے چند افراد کی سطح پر چونکہ امت مسلمہ کا مسئلہ اجتماعی ہے جب تک امت کے اکثر افراد حقیقت نہیں اپنائیں گے تب تک مسئلہ جوں کا توں رہے گا۔ تاریخ میں جہاں مسلمانوں کے زوال و شکست کی داستانیں ہیں یہ صورت کی شکست کے واقعات ہیں صرف صورت نے امتِ مسلمہ کو ہر معرکہ میں رسوا کیا۔ مسلمانوں کی غلطی یہ تھی کہ صورت پر حقیقت کا بوجھ رکھ دیا اور وہ یہ بوجھ سہار نہ سکی۔ نام ونسب یا صورت کی مسلمانی سے مسائل حل نہیں ہو سکتے بلکہ حقیقی اسلام ہی مسلمانوں کے مسائل کے حل کا ضامن ہے۔

3- اجتماعی بے حسی و مایوسی:

مسلمان کی ایک بڑی بیماری ان کی اجتماعی بے حسی ہے۔ مایوسی ہر طرف چھائی ہوئی ہے اور لوگ جیسے کسی مہدی کے انتظار میں ہوں حالانکہ اگر مایوسی و بے حسی کا یہ پردہ چاک ہو گیا تو کسی بھی وقت حالات دگرگوں ہو سکتے ہیں۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ میں اقبالؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ ابلیس کہتا ہے کہ

ہے اگر مجھ کو کوئی خطرہ و اس امت سے ہے
جسکی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

آگے کہتا ہے

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

مایوسی کا یہ عالم ہے کہ آج مسلمان کہتا ہے کہ دین دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا۔ آج پھر وہی اسلام نہیں آ سکتا جو صحابہؓ کے دور میں تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اقبالؒ نے مایوسی کے یہ داغ دھونے کی اپنے اشعار میں بڑی سعی کی ہے۔

4- تنظیم واتحاد کا فقدان:

اتحاد بڑا قیمتی جوہر ہے اسی کی بدولت مسلمان دنیا میں موجود اپنے اسی فیصد مسائل حل کر سکتے ہیں۔ امت مسلمہ گروہوں، جماعتوں اور مسلکی و لسانی فرقوں میں ایسی بٹی ہوئی ہے کہ اس کی شیرازہ بندی کارے دارد۔ کافروں کی ترجیحات ایک ہیں لیکن مسلمان جو جسد واحد تھے ان کی ترجیحات الگ الگ ہیں وحدۃ کلمہ اور وحدت جماعت کا مکمل فقدان ہے۔ ایسا مسئلہ آپ کو نہیں ملے گا جس میں باہم مسلمان ممالک کے عوام اور حکمران آپس میں متحد ہوں مسلمانوں کے اس وقت کے

سلگتے مسائل پر مسلمانوں کا موقف ایک نہیں۔کشمیر کے بارے میں کئی اسلامی ممالک بھارت کے ہمنوا ہیں۔فلسطین کاز کے بارے میں کئی مسلمان ملکوں کے تعلقات اسرائیل سے قائم ہیں اور فلسطینیوں کے لیے آواز نہیں اٹھا سکتے۔اس بے اتفاقی اور بے نظمی کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

5-فرقہ واریت اور علاقائیت کا عفریت:

فرقہ واریت اور علاقائیت نے داخلی طور پر پوری امت مسلمہ کوعدم استحکام کا شکار بنایا ہے۔ یہ مسئلہ بہت پرانا ہے۔اقبالؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ

فرقہ بندی کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

لسانیت، وطنیت، قوم پرستی اور فرقہ واریت کا عفریت ایسا ہے کہ امت مسلمہ ان عوامل کی وجہ سے اسلامی اخوت کے رشتے میں پرو نہیں سکتی۔ یہ اس امت کو ذبح کرنے کی منحوس کوششیں ہیں۔فرقہ واریت اور قوم پرستی کے بھینٹ چڑھنے والے افراد سالانہ ہزاروں میں ہوتے ہیں جو بے مقصد موت مرتے ہیں بدامنی کا بہت بڑا سبب یہی عوامل ہیں اور بدامنی کی وجہ سے ملک میں سرمایہ کاری نہیں ہوتی اور اقتصادی ترقی رک جاتی ہے۔

6-کمزور معیشت:

معیشت آج دنیا میں ایک طاقت وقوت ہے جوممالک معاشی طور پر کمزور ہیں وہ دوسروں کےمحتاج اور زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں امت مسلمہ کا حال اس حوالہ سے انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ 61 اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف 2 ٹریلین ڈالرز ہے۔ جبکہ امریکہ صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے 12 ٹریلین ڈالرز کماتا ہے امریکہ کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا تیرہ ٹریلین ڈالرز ہے امریکی سٹاک ایکسچینج وال سٹریٹ 20 ٹریلین ڈالرز کی مالک ہے۔ دنیا میں اس وقت 36 ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان میں 25 ہزار کا تعلق امریکہ سے ہے۔(۵) اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امت مسلمہ اس میدان میں کہاں کھڑی ہے۔معیشت کوآج ام العلوم کہا جاتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ بحیثیت مجموعی ملا کر بھی جرمنی کے برابر نہیں بنتا۔صرف جاپان کی معیشت بھی پوری امت مسلمہ کی جی ڈی پی سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی جی ڈی پی کا اکثر حصہ بھی چند ممالک کے پاس ہے۔ باقی نان، مکان اور کپڑے کےمحتاج ہیں۔

7-کمزور دفاع:

امت مسلمہ دفاع کے حوالے سے قابل رحم پوزیشن میں ہے۔کوئی بھی ملک ایسا نہیں جو خود اس میدان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اکثر ممالک یورپ سے اسلحہ کے خریدار ہیں۔جن کے پاس اسلحہ سازی کے حوالہ سےتھوڑی سی مہارت ہے وہ مالی طور پر مستحکم نہیں۔ایک دوسرے پر انحصار کی بجائے مسلمان اپنے دفاع کے لیے یورپی ممالک اور امریکہ کو دیکھتے ہیں۔ خلیج کی جنگ میں کویت اور سعودی عرب نے اپنے دفاع کے لیے امریکی افواج کو طلب کیا اور آج تک امریکی افواج خلیج

میں براجمان ہیں۔ کسی بھی خلیجی ملک میں جو سارے کے سارے مسلمان ہی ہیں، میں قوت نہیں کہ اپنے ملک سے اس فوج کو چلتا کریں۔ NATO کے طرز پر مشترکہ فوج مسلمانوں کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے تاکہ یہ غیر مسلموں کے محتاج نہ رہے۔ مسلم دنیا کو آنکھیں کھول کر رکھنی چاہئیں کہ امریکہ اپنے دفاع پر پوری دنیا کے دفاعی بجٹ سے زیادہ خرچ کر رہا ہے۔ 400 بلین ڈالرز سے اس کا دفاعی بجٹ زیادہ ہے۔ امریکہ کے پاس 14 لاکھ لڑاکا فوج ہے اس کے اپنے مصنوعی سیارے اور ابلاغی نظام ہے۔ ناسا جیسا خلائی ادارہ وزارت دفاع کے تابع ہے۔ امریکی فوج کے پاس 324 سائنسی لیبارٹریاں ہیں۔ اسی فوج کے پاس سمندروں پر جہاز اتارنے، فضا میں اڑتے طیاروں میں پٹرول بھرنے، لیزر کے ذریعے زمین پر کھڑے چاند کی چٹانیں توڑنے اور ماؤں کے رحم میں لیٹے بچے کے دماغ اڑا دینے والی ٹیکنالوجی ہے۔(۶)

8- جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی سے ناواقفیت:

سائنس کی ترقی اب کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہر گھر میں سائنسی ایجادات پہنچ چکی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے آنے سے دنیا گلوبل ولیج بن گئی ہے۔ اس میدان میں ہمارا دین ہماری رہنمائی اعلیٰ اہداف کی طرف کرتا ہے۔ لیکن ہم نے تقلید کا راستہ اختیار کیا اور اپنی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا۔ امریکہ اور یورپ کا سکہ جو رائج الوقت ہے وہ ان میدانوں میں ترقی کرنے سے ہے۔ اقبالؒ بھی ان اشعار میں اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ

جو عالمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ

امت مسلمہ کا حال یہ ہے کہ اس وقت پورے عالم اسلام میں مختلف علوم کی مجموعی یونیورسٹیوں کی تعداد 500 ہے اس کے مقابلہ میں امریکہ میں 5 ہزار 7 سو 58 یونیورسٹیاں ہیں۔ جاپان کے ٹوکیو شہر میں 1000 سائنسی یونیورسٹیاں ہیں چین میں اس وقت 9000 یونیورسٹیاں اور بھارت میں 8407 یونیورسٹیاں ہیں۔ عرب دنیا میں فل ٹائم سکالرز کی تعداد 35 ہزار ہے جبکہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد 22 لاکھ ہے۔ اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اعشاریہ 2 فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے۔ جبکہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد تحقیق اور علم پر لگاتی ہے۔ اس وقت دنیا میں 200 بڑی یونیورسٹیاں ہیں ان میں 54 کا تعلق امریکہ، 24 کا برطانیہ، 17 کا آسٹریلیا، 10 کا چین، 10 ہالینڈ، 9 فرانس، 9 جرمنی، 9 کینیڈا اور 7 کا سوئٹزرلینڈ سے ہے۔ پوری مسلم دنیا کی ایک یونیورسٹی اس فہرست میں شامل ہے جبکہ صرف بھارت کی 3 یونیورسٹیاں اس میں شامل ہیں۔(۷)

ان اعداد و شمار سے سائنسی علوم میں امت مسلمہ کا گراف معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی نسبت سے باقی شعبوں کی ترقی کو قیاس کر لیں۔ کیونکہ سائنسی ترقی کے بغیر باقی شعبے کا حال بھی کسی پر مخفی نہیں۔

9- الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا سے غیر مسلح مسلم دنیا:

آج کے دور کو ذرائع ابلاغ کا دور کہا جاتا ہے اور جو ممالک اس شعبے میں کمزور ہیں وہ اسی حساب سے دنیا میں

متحرک ہیں۔ انٹرنیٹ کی ایجاد نے معلومات تک رسائی اور خبروں کا حصول بچوں کا کھیل بنا دیا۔ لمحہ بھر میں آپ دنیا کے کونے کونے سے خبریں اکٹھی کر سکتے ہیں۔ مسلمان اس میدان میں بھی کافی پیچھے ہیں۔ تربیت یافتہ افراد کی کمی بھی ہے۔ اور اپنا موثر اور فعال میڈیا بھی میسر نہیں۔ غیر مسلم قوتوں نے نائن الیون کے واقعہ کے بعد جس بے رحمی سے مسلم امہ کا میڈیا ٹرائل کیا ہے اس پر آنسو ہی بہائے جا سکتے ہیں۔ صبح مسلمانوں کو انتہا پسند کہا جاتا ہے اور شام کو وہ دہشت گرد بن چکے ہوتے ہیں۔ ہر تخریبی کاروائی میں مسلمانوں کا ہاتھ بتایا جاتا ہے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ مہم جاری ہے۔ مسلمانوں کے پاس مغرب اور غیر مسلم قوتوں کے توڑ کے لیے کچھ بھی نہیں۔ خلیج و افغانستان جنگ ابھی تک امریکہ نہیں جیت سکا ہے۔ لیکن ذرائع ابلاغ نے دنیا کو یہ یقین دلایا کہ امریکہ یہ جنگیں جیت چکا ہے۔ 2006ء میں OIC نے ملائیشیا کی تجویز پر اسلامی ٹی وی چینل لانچ کرنے کا اعلان کیا ہے جو غیر مسلم میڈیا کی جھوٹی خبروں کی تردید کر کے صحیح حقائق لوگوں تک پہنچانے کے لیے کام آئے گا۔ یہ دیر آید درست آید والی بات ہے لیکن اس شعبے میں مسلمانوں کو ابھی تک کافی سفر طے کرنا باقی ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں بھی مسلمانوں کی دلچسپی اور شمولیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ حالانکہ زندگی کی دوڑ میں ان شعبوں میں ترقی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

10- مغربی ثقافت کا مسلم معاشرہ میں نفوذ:

بہت پہلے اقبال نے کہا تھا کہ:

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ھنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود

یہ طعنہ تمام امتِ مسلمہ کو تھا کہ وہ مغرب سے اصل چیز سیکھنے کے بجائے ان کی ثقافت سیکھ گئی۔ سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کا سیکھنا ان کی ترقی کے اسباب وعوامل ہیں وہ اس میدان کے شہسوار اور امام ہیں۔ ان کی تہذیب تو خود حالت نزع میں ہے اور قریب الموت ہے۔ مسلمانوں نے مغربی ثقافت کو دل و جان سے اپنانا شروع کر دیا ہے ار آج بمشکل چند گھر مل سکتے ہیں جو مغربی ثقافت کے نفوذ سے محفوظ ہوں ورنہ مسلمان ممالک مغربی ثقافت کے رنگ میں رنگ چکے ہیں اور وضع قطع نیز شکل وصورت میں مغرب کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے ذرائع ابلاغ سے جو خبریں شورش زدہ علاقوں کی ملتیں ہی تو ان میں شہ سرخی میں یہ خبریں ہوتی ہیں کہ کشمیر میں عورت سے دوپٹہ چھین لیا گیا ہے۔ فلسطین میں چادر اور چار دیواری کا تقدس اسرائیلی درندوں نے پامال کر دیا ہے۔ لیکن ذرا یہی بتایئے کہ جب شاہراہوں پر بغیر دوپٹے کی خواتین نظر آتی ہیں اور جینز شرٹ میں ملبوس مسلمان لڑکیاں گاڑیاں چلاتی واک کرتی دکھائی دیتی ہیں تو یہ کس کافر کی کارستانی ہے۔ آج مسلم لڑکی خود اپنا دوپٹہ پھینک چکی ہے۔ اپنا لباس ادھورا کر چکی ہے اور اس پر ہمارے دانشور خاموش ہیں۔

اسلامی ثقافت کا جنازہ ہمارے گھروں سے نکل رہا ہے ہمارے نوجوان لڑکے ہاتھوں میں کنگن پہنتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گلے میں چین، کان میں بالیاں اور کلین شیو کر کے مغربی سٹائل کے بال کنگھی کر کے جب کہیں چلتے ہوئے نظر

آتے ہیں جو جنس کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ مغربی ثقافت کا نفوذ ہے جس کے آگے ہمارے بزرگ اور سنجیدہ لوگ بے بس نظر آتے ہیں۔ مغرب نے بڑے بے ضرر انداز سے مسلمانوں کو فتح کر لیا ہے اور بقول اکبر الہ آبادی

یوں قتل کے بچوں سے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کے فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

جن بزرجمہروں نے مغرب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے اہداف میں کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے۔

11- مسلمانوں کے علاقائی مسائل اور بے جان کردار:

مسئلہ جب غیر مسلم اقوام کا ہو تو فوراً حل ہو جاتا ہے لیکن جب مسئلہ مسلم دنیا کا ہو تو وہ لاینحل رہتا ہے اس کی وجہ ہمارے آپس میں اتحاد کا فقدان ہے۔ ہمارا احتجاج کوئی بھی سنجیدگی سے نہیں لیتا ہمیں امتِ مسلمہ سے کاٹ کر اپنے اپنے ملک اور علاقے تک محدود رہنے کی تاکید کر دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے ہماری آواز میں جان اور قوت نہیں۔ ہماری تنظیم OIC کا کردار سوالیہ نشان ہے۔ مسئلہ فلسطین ہو یا کشمیر، چیچنیا کا قبضہ ہو یا بوسنیا کا تنازع قبرص کا Issue ہو یا کوسوو کا سوئی ادھر ہی اٹکی رہتی ہے۔ کشمیر پر آدھے مسلم ممالک ایک طرف ہوتے ہیں اور دوسرے آدھے دوسری طرف۔ فلسطین کے مسئلہ پر کوئی اسرائیل کے خلاف ہوتا ہے تو کوئی مسلمانوں میں اس کا دوست۔ چیچنیا کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔ اور آپس میں تقسیم ہو کر مسلمان غیروں کے لیے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ دنیا کے کسی فورم پر ان کی شنوائی نہیں ہوتی لیکن ان کے ناراض ہونے کی کسی کو پرواہ نہیں۔ اس لیے کہ اجتماعیت اور دینی غیرت وحمیت والی حس کمزور ہو چکی ہے اور انہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ اگر ہمیں کوئی پابندیاں لگانے سے ڈراتا ہے تو کبھی ہم بھی مشترکہ طور پر کسی پر پابندی لگا دیں۔ ہم بھی کسی کا بائیکاٹ کریں اور اس طریقے سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروائیں۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔

12- OIC تنظیم کی عدم فعالیت:

OIC جو اپنے قیام سے لے کر آج تک گفتن، نشستن اور برخاستن کے علاوہ کوئی ایسی کارکردگی نہیں دکھا سکی جو اس کے وجود کا جواز فراہم کرے۔ یہ ایک غیر فعال تنظیم ہے۔ غیر مسلم اور مسلم دونوں اقوام میں اس کی آواز نہیں سنی جاتی۔ اس وقت امت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج ہے کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے کوئی فعال تنظیم بنانے یا اسی تنظیم کی تجدید کر کے اسے طاقتور بنائے اور اس کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو متحد کیا جائے۔ ڈاکٹر محمد مہاتیر سابق وزیراعظم جمہوریہ ملائیشیا اسی تنظیم کو Oh I see کہا کرتے تھے۔

13- مشترکہ فوج وکرنسی کی ضرورت:

مسلم امہ کو یورپی یونین اور NATO کے طرز پر اپنی مشترکہ فوج تشکیل دینی چاہیے جو مسلمانوں کے تنازعات میں حتمی کردار ادا کر سکے اس کا علیحدہ کمانڈ اینڈ کنٹرول اور الگ ساخت ہو۔ اس کے لیے تمام مسلمان ممالک فنڈ مہیا کریں اور باری باری مختلف ممبر مسلمان ممالک اس کی کمانڈ کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کی اپنی کرنسی ہو جیسے یورو ہے اور وہ آپس

میں اسی میں تجارت کریں۔ ڈالر کی محتاجی سے اپنی جان چھڑائیں۔ کئی سالوں سے ملائیشیا کی طرف سے اس مسئلے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے لیکن تا حال کچھ بھی نہیں ہوا۔

14- دہشت گردی اور انتہا پسندی کا الزام:

مسلمان لاکھ جتن کریں اس الزام و بہتان سے ان کی جان نہیں چھوٹتی کہ مسلمان انتہا پسند و دہشت گرد ہیں۔ جہاں بھی کہیں بم دھماکہ یا تخریبی کاروائی ہو اس کا تعلق ضرور مسلمانوں کے ساتھ نکالا جائے گا۔ آج دنیا میں امریکہ بہادر جو کچھ کہتا ہے سب اسی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ افغانستان پر حملہ ہو یا عراق پر بس اس کے ''وزنی دلائل'' نے سب کو مطمئن کر کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا اور پھر دنیا بھر میں مسلمانوں کا پیچھا اور تعاقب شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔

15- جہاد اور موت سے کراہیت:

امت مسلمہ کے ایک فی ہزار افراد بھی عملی جہاد میں شریک نہیں۔ جہاد کی جونسی قسم ہو اور دعوت تبلیغ اور نہی عن المنکر وامر بالمعروف ہو یا قتال، سب میں مجرمانہ غفلت والا رویہ ہے۔ موت سے کراہیت کی وجہ جسے حدیث میں وھن کہا گیا ہے بڑا مسئلہ ہے دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت نے مسلمانوں کو کہیں کا نہیں رہنے دیا تھا اور اب کفریہ طاقتیں اس پر ٹوٹ پڑ رہی ہیں۔

غربت بھی ایک مسئلہ ہے لیکن صحابہ کرامؓ آج کے غریب مسلمانوں سے زیادہ غربت کی زندگی گذار رہے تھے۔ لیکن وہ ہر مرحلہ میں ہر چیلنج و مسئلہ سے سرخرو ہو کر نکلے اس لیے تو حضورﷺ نے فرمایا کہ مال کی کمی سے تم پر نہیں ڈرتا بلکہ دنیا کی بہتات کا ڈر ہے کہ اس میں رغبت بڑھ جائے گی مال کی زیادتی کا مسئلہ ہے۔ کہ بندہ پھر کسی مشقت اور جہادی میدان کا نہیں رہتا۔ نیز دینوی آسائیشوں کی وجہ سے موت سے دل خوف کھاتا ہے اور پھر وہ کسی کافر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتا۔ بھوکا بٹیر بڑی دلیری سے لڑتا ہے تجربہ شرط ہے۔

تدارک سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں:

جناب رسول اللہﷺ کی حیات مبارکہ ہر پہلو سے مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اتباع کا حکم قرآن کریم میں دیا گیا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ(۸)

ترجمہ: کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کے خواستگار ہو تو میری تابعداری اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

آپﷺ کی زندگی قرآنی تعلیمات کے عین مطابق تھی حضرت عائشہ سے طویل حدیث میں یہ جملہ منقول ہے کہ

کان خلق نبی اللہ القرآن(۹)

ترجمہ: اللہ کے نبیﷺ کے اخلاق قرآن تھے۔

قرآن آپﷺ کی ذات میں مجسم تھا۔ قرآن میں ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ(۱۰)

ترجمہ: تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی ذات میں خوبصورت نمونہ ہے۔

اسی نمونے اور مثالی حیثیت کی وجہ سے آپ ﷺ کی پیروی و اطاعت کا حکم ملا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ.(۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور انسانیت کے لیے بالعموم کامیابی کی ضمانت اور نجات و خلاصی کا زینہ ہے۔ بحیثیت قائد آپ ﷺ نے اپنی رعایا سے پردے میں رہ کر زندگی نہیں گذاری بلکہ سفر و حضر میں صحابہ کرام کے شریک رہے۔ جو اپنی ذات کے لیے پسند کیا اس سے بہتر دوسروں کو دے دیا خود بھوکے رہے دوسروں کو کھلایا۔ اپنے آپ کو پیسے کے بغیر رکھا دوسروں میں درہم و دینار بانٹتے رہے۔ سفر میں جب ساتھی کی باری آتی تو اسے سواری پر بٹھاتے۔ کبھی اپنے صحابہ کرامؓ کو کسی معاملے میں اندھیرے میں نہیں رکھا۔ بحیثیت جنگی جرنیل آپ ﷺ ہر مشکل مرحلہ پر اگلی صف میں ہوتے تھے۔ غزوہ حنین میں جب مسلمان ایک موقع پر پیچھے کو دوڑ رہے تھے آپ ﷺ آگے Advance جا رہے تھے۔ انگلی پر زخم آیا تو فرمانے لگے:

هل انت الا اصبع دميت و فی سبيل الله مالقيت

تو ایک انگلی کے سوا کچھ نہیں لیکن تجھے اللہ کے راستے میں زخم آئے ہیں، یعنی خون آلود ہوئی ہے۔

غزوہ خندق میں کھدائی کے وقت پیٹ پر دو پتھر باندھ کر خود کھدائی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جدید سوچ کو جدید ہونے کی بنا پر کبھی رد نہیں کیا بلکہ اس کے فوائد پر نظر رکھی۔ اگر وہ مفید چیز تھی تو کبھی اسے قبول کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ غزوہ خندق اور جملہ غزوات میں یہی اصول کارفرما رہے کہ ہر دفعہ نئے انداز سے جنگی حکمت عملی تشکیل دیتے۔ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے اور ہر ایک کی رائے کا احترام کرتے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں جس نکتہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کا اتحاد ہے۔ قرآن کریم بھی یہی تاکید کرتا ہے کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا(۱۲)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور فرقوں میں نہ بٹو۔

اور احادیث میں بھی یہی تاکید ہے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ کی راویت ہے کہ

المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يخونه ولا يكذبه ولا يخذله(۱۳)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔

اس کے قریب مفہوم کی حدیث ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ

المسلم اخوا المسلم لا يظلمه ولا يسلمه(۱۴)

مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ کسی کے حوالے کرتا ہے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت میں مسلم کی بجائے مومن کا لفظ اور تمثیل ہے۔

المومن للمومن کا لبنیان یشد بعضه بعضا و شبک بین اصابعه (۱۵)

مومن دوسرے مومن کے لیے اس دیوار کی مانند ہے جس کا بعض حصہ بعض دوسرے کو مضبوط کرتا ہے اور اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں جوڑ دیں۔

اس طرح جسد واحد کی مثال بھی حدیث میں وارد ہے۔ نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مثل المومنین فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا شتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد باالسهر الحمی (۱۶)

مومنوں کی مثال آپس میں محبت میں اور باہم مہربان ہونے اور رحم کرنے میں جسم کی طرح ہے جب کوئی عضو کسی جسم کی شکایت کرے تو باقی جسم جاگنے اور بخار میں شریک ہوتا ہے۔

دراصل ان تمام روایات اور قرآنی آیات کا خلاصہ اتحاد کی تاکید ہے۔ اور اتحاد سے مسلمانوں کے 80 فیصد مسائل حل ہو جائیں گے۔ ہر میدان میں مشاورت اور باہمی تعلقات اور استفادہ میں اضافہ ہوگا اور جن مسائل و چیلنجز سے عالم اسلام دوچار ہے وہ رفتہ رفتہ حل ہونا شروع ہو جائیں۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ یہ الاهم فالاهم کے اصول پر چلتا ہے اس لیے شروع سے رسول اللہ ﷺ نے انسانوں پر ایمان کی محنت کی۔ ایمان میں قوت آنے کے بعد پھر عبادات کا حکم نازل ہوا اس کے بعد جہاد اور پھر معاملات کے احکامات آئے اب پھر سے مسلمانوں میں صحیح دین کی بیداری کے لیے یہی ترتیب اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ:

المومن لایلاغ من حجرو احد مرتین (۱۷)

ترجمہ: مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

لیکن ہمیں تو بار بار ایک ہی سوراخ سے ڈسنے کا بارہا تجربہ ہوا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اندر ایمانی فراست کی کمزوری ہے۔ ایمان کی طاقت کے بعد ہمیں علم اور ٹیکنالوجی نیز جدید سائنسی ایجادات کی قوت سے مسلح ہونا چاہیے اور پھر معیشت کی قوت کا حصول۔

وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَّمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ (۱۸)

ترجمہ: اور ان (دشمنوں) کے خلاف اپنی قوت بھرپور طریقے سے تیار رکھو اور گھوڑے بھی۔

قوۃ کا لفظ مطلق ہے حدیث میں جو نشانہ بازی (رمی) کو قوت کہا گیا ہے وہ اس مطلق کا ایک فرد ہے اس زمانے میں اسی قوت پر ترقی اور جیت کا انحصار تھا لیکن آج دنیا میں جنگیں معاشی اور سائنسی میدانوں میں جیتی اور ہاری جاتی ہیں۔ اس لیے اب ان قوتوں کے حصول میں لگنا اسلام اور حضور ﷺ کی سیرت کا منشا ہے۔ پھر انفرادی قوت تیار کر کے انہیں

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ(۱۹) مومنوں کو قتال کی ترغیب دیتے ہوئے اس پر عمل کرنا چاہیے اور محنت و جہد نیز جانبازی و جان سپاری کے لیے بھی ایمان والوں کو تیار کرنا چاہیے۔ کہ ان سب شعبوں کے عملی طور پر زندہ ہونے کی حضور ﷺ نے محنت کی ہے۔ یہی سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے سمجھ میں آتا ہے۔ ایک شعبہ دین سے پورا دین زندہ ہونے کا تصور سیرت طیبہ کے خلاف ہے۔ آج دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جبکہ سیاست دان علماء اپنی سیاست کو۔ دینی مدارس کے علماء صرف تدریس کو جبکہ تصوف والے اپنے تذکیہ کو۔ مجاہدین اپنے جہاد کو۔ سیرت طیبہ سے جو سبق اور رہنمائی ملتی ہے اس کی روشنی میں حضور ﷺ نے تعلیم کتاب بھی دی ہے تذکیہ بھی کیا ہے حکمت بھی سکھائی ہے جہاد بھی کیا ہے اور دین کی تبلیغ بھی کی ہے اور تمام شعبوں میں الاھم مالاھم کے اصول کے مطابق محنت کا حصہ ڈالا ہے۔

☆○☆○☆○☆

حوالہ جات

1۔ روزنامہ ایکسپریس مضمون جاوید چودھری تاریخ یکم اگست 2006ء۔ 2۔ ہفت روزہ ضرب مومن، مضمون نگار یاسر محمد خان تاریخ 4 تا 10 اگست 2006ء۔ 3۔ صحیح مسلم حدیث نمبر 718۔ 4۔ البقرہ آیت 208۔ 5۔ روزنامہ ایکسپریس مضمون جاوید چودھری یکم اگست 2006ء۔ 6۔ ہفت روزہ ضرب مومن مضمون یاسر محمد خان 4 تا 10 اگست 2006ء۔ 7۔ روزنامہ ایکسپریس، مضمون جاوید چوہدری یکم اگست 2006ء۔ 8۔ سورۃ آل عمران 31۔ 9۔ مسلم حدیث نمبر 746۔ 10۔ سورۃ الاحزاب 21۔ 11۔ سورۃ النساء 59۔ 12۔ سورۃ آل عمران 103۔ 13۔ جامع ترمذی حدیث نمبر 1928۔ 14۔ بخاری حدیث نمبر 81،70/5، مسلم 2580۔ 15۔ بخاری حدیث نمبر 72/5، مسلم 2585۔ 16۔ بخاری حدیث نمبر 367/10، مسلم 2586۔ 17۔ بخاری حدیث نمبر 439/10، مسلم حدیث نمبر 2998۔ 18۔ سورۃ الانفال آیت 60۔ 19۔ سورۃ الانفال آیت 65۔

☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد جعفر۔کوئٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیرھویں صدی عیسوی میں سقوط بغداد کا سانحہ جو منگول جنگجو ہلاکو خان کے ہاتھوں رونما ہوا۔ اس نے مسلم دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس سانحہ کے نتیجہ میں خلافت بنو عباس جو مسلمانوں کی سیاسی اور روحانی وحدت اور مرکز کی علامت تھی ہمیشہ کے لیے بغداد سے رخصت ہوئی۔ خلافتِ اسلامیہ کا مرکز بغداد ہلاکو خان کی افواج کی تاراج سے کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ جہاں بغداد کو کھنڈرات میں تبدیل کیا گیا۔ وہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان بھی لقمۂ اجل بنے۔ تہذیب و تمدن کے آثار مٹا دیے گئے۔ مساجد، درس گاہیں، مقابر شفاخانے، شاندار عمارات کو یا تو نذر آتش کر دیا گیا یا سونے چاندی اور زرو جواہر کی لالچ میں انہیں زمین بوس کر دیا گیا۔ علم و تحقیق کے میدان میں جو ترقی عباسی عہد خلافت میں ہوئی تھی۔ ہلاکو خان کی تاراج اور سقوط بغداد سے ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔ بغداد کی تباہی کو سید امیر علی نے اپنی کتاب A Short History of Saracens میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

"The destruction of Baghdad requires the pen of a master like Gibbon . The women and children who came out of their houses with the koran in their hands, imploring quarter , were trampled to death .Delicately nurtured ladies who had never braved the sight of crowds were dragged into open streets and subjected to the grosest brutalities, the artistic and literary treasures, collected with such labour and industry by sovereign after sovereign with the remains of the old persian civilization , were destroyed in the course of a few hours. For three days the streets ran with blood, and the water of the Tigris was dyed red for miles along its course. The horror of rapine,slaughter, and outraged humanity lasted for six weeks. The palaces, mosques and mausolea were destroyed by fire or levelled to the earth for their golden domes. The patrents in the hospitals, and the students and professors in the colleges, were put to the sword. In the mausolea the mortal remains of the shaikhs and pious imams, and in

the accademies the immortal works of great and learned men, were consumed to ashes, books were thrown into the five, or where the Tigris was near, buried in its waters.The accumulated treasaures of fire centuries were thus for ever lost to humanity , and the flower of the nation was Completely destroyed".

بغداد کی تباہی پر شعراء نے درد بھرے مرثیے لکھے۔ اس کے علاوہ مسلمان کچھ اور کر بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ وہ طاقت کھو چکے تھے۔ اس وقت ملت اسلامیہ سیاسی طور ر انتشار کا شکار تھی۔ اس میں وحدت و یکجہتی کا فقدان تھا۔ جس کا نتیجہ سقوطِ بغداد کی صورت میں اسے دیکھنا پڑا۔ تاریخ نے ایک بارپھر اپنے آپ کو دھرایا۔ بیسویں صدی کے اوائل اور آخر میں اور اکیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی ملت اسلامیہ کو اغیار کے ہاتھوں زخم سہنے پڑے۔ بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں ملت اسلامیہ کی سیاسی و روحانی وحدت کی علامت خلافت عثمانیہ کی بساط ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الٹ دی گئی جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد ملت اسلامیہ کے وسط میں صیہونی ریاست کی بنیاد رکھ کر اغیار نے ملت اسلامیہ کو مزید عدم استحکام کا شکار کیا۔ شفیق الاسلام فاروقی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں'' خلافت عثمانیہ کوختم کرنے اوراس کے نتیجہ میں فلسطین و بیت المقدس پر قبضہ کر کے ریاست اسرائیل کو قائم کرنے کی سازشیں نہ معلوم کتنی صدیوں سے عالم صیہونیت میں چل رہی تھیں۔ چنانچہ جونہی ۱۹۱۷ء میں خلافتِ عثمانیہ کی فوجوں کوشریف مکہ کے گھناؤنے کردار سے شکست ہوئی اس کے فوراً بعد ۱۹۱۷ء میں ہی برطانیہ کے وزیرخارجہ لارڈ بالفور (Bal four) نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کردیا۔ دوسری عالمگیر جنگ ختم ہونے کے بعد ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست کا قیام اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک صدسالہ صلیبی جنگوں سے بھی کہیں بڑھ کر اتنا عظیم المیہ ہے جس کو ذرا بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔(۲) گزشتہ صدی کے اختتام پر اورموجودہ صدی کے شروع ہوتے ہی مغربی استعماری طاقتوں نے عراق و افغانستان پر حملہ کر کے وہاں کے ہزاروں بے گناہ افراد کوقتل کیا۔ افغانستان پر حملے کا جواز ۹/۱۱ کے واقعہ کو بنایا گیا۔ جب کہ عراق پر حملے کا جواز وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں(Weapons of Mass Destruction) کی موجودگی کو بتایا گیا۔ ۹/۱۱ کا واقعہ اُمّتِ مسلمہ کے لیے ایک قیامت خیز طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔''۱۱ستمبر کے بعد ایسا لگتا ہے کہ دنیا کی گردش ایک لمحہ کے لیے رک گئی۔ اور جب حرکت میں آئی تو گردش کی متعین سمت تبدیل ہوگئی۔ اور (Reverse Direction) میں گردش کرنے لگی۔ انسانی اقدار کے معانی و مفاہیم بدل گئے۔احیائے اسلام کی جدو جہد کو دہشت گردی کا عمل کہا جارہا ہے۔ ہرظلم اور ہرطرح کی بربریت جائز۔ نہتے شہریوں اور پسماندہ آبادی پر کارپٹ بمباری، جائز قیدیوں کو پابند سلاسل کر کے گولیوں کی باڑھ کے سامنے کھڑا کر کے بھون دینا عظمتِ انسانی قرارد پایا۔ دکھی انسانیت کی خدمت کرنے والے مسیحاؤں کو مجرموں کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کیا گیا'' (۳)

۹/۱۱ کے سانحہ میں امریکہ کے شہر نیو یارک میں واقع ٹریڈ سنٹر کی دو بلند و بالا ۱۱۰ منزلہ عمارات (Twin Towers) دہشت گردی کے نتیجہ میں زمین بوس ہوگئی تھیں جس کے نتیجہ میں کوئی تین ہزار سے زیادہ بے گناہ انسان موت

کے منہ میں چلے گئے۔ ابھی (Twin towers) کا ملبہ زمین پر نہیں گرا تھا کہ اس دہشت گردی کا الزام مغربی میڈیا نے مسلمانوں پر عائد کرنا شروع کردیا۔ میڈیا کی قوت نے دنیا کو یہ باور کرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی کہ یہ تخریب کاری مسلمانوں کی کارستانی ہے۔ جو امن کے دشمن اور دہشت گرد ہیں۔ اسی واقعہ کو جواز بنا کر پہلے افغانستان پر چڑھائی کی گئی۔ کیونکہ امریکہ کے خیال میں اس تخریب کاری کا منصوبہ ساز اور (Mastermind) اسامہ بن الادن تھا۔ جو افغانستان میں پناہ گزین تھا۔ اگر اس تخریبی کارروائی کا سرغنہ اور منصوبہ ساز اسامہ بن الادن تھا۔ تو اس کی سزا افغانستان کے نہتے اور بے گناہ عوام کو کیوں دی گئی۔ انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ مجرم کو انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جاتا۔ اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھ دیگر منصوبہ سازوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ اسامہ بن لادن پانچ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک امریکہ کی دست برد سے محفوظ ہے۔ لیکن تخریبی کارروائی کا بدلہ امریکہ اور مغربی استعماری قوتیں پوری ملتِ اسلامیہ سے لے رہی ہیں۔ چونکہ ملت اسلامیہ مغرب کی یلغار کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ لہذا ہر بہانے سے اسے مزید کمزور اور منتشر کرنے کی کوششیں کی جاری ہیں۔

برطانیہ میں ۷ جولائی ۲۰۰۵ء کا واقعہ ہو یا ہوائی جہازوں کو فضاء میں تباہ کرنے کا مبینہ منصوبہ ہو۔ ان کا الزام فوری طور پر بلا تحقیق مسلمانوں پر لگادیا گیا۔ دہشت گردی کا کوئی بھی انصاف پسند اور مہذب انسان حمایتی نہیں۔ بلکہ بھرپور انداز میں اس کی مخالفت اور مذمت کرتا ہے اور ہر سطح پر دہشت گردی اور تخریب کاری کی حوصلہ شکنی ضروری ہے۔ لیکن ۱۱/۹ کے بعد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کیخلاف مغربی دنیا نے جو ریاستی دہشت گردی شروع کر رکھی ہے۔ جس کے مظاہر افغانستان اور عراق میں دنیا دیکھ چکی ہے وہ کئی گنا بھیانک اور تباہی کا موجب بن رہی ہے۔ یہ ریاستی دہشت گردی مزید دہشت گردی کو جنم دے رہی ہے۔ روزنامہ جنگ کے معروف کالم نگار جاوید چودھری نے مغربی استعمار کی زیادتیوں اور ریاستی دہشتگردی کی کچھ ان الفاظ میں تصویرکشی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''دنیا کا کوئی باشعور شخص اور دل رکھنے والا کوئی انسان، انسانیت اور آدمیت پر یقین رکھنے والا کوئی شہری سات جولائی اور گیارہ ستمبر کے اقدام کو صحیح نہیں کہے گا۔ کوئی باضمیر اور باشعور شخص ان کی حمایت نہیں کرے گا۔ قتل گورے کا ہو یا کالے کا۔ وہ عیسائی کا ہو یا مسلمان کا، وہ عراقی کا ہو یا امریکی کا۔ وہ محض قتل ہوتا ہے دہشت گردی دنیا کے کسی کونے میں ہو دہشت گردی ہی رہے گی۔ لیکن اس کے ساتھ سوچنے کی بات ہے کیا انسان صرف لندن اور نیو یارک میں بستے ہیں۔؟ کیا صرف لندن، نیو یارک اور تل ابیب میں آباد لوگ ہی بے گناہ اور معصوم ہیں؟ کیا صرف کسی گورے، کسی ٹام، ڈک اور ہیری کی نعش ہی انسانیت کی توہین ہے؟ کیا جم۔ ٹم اور بش ہی انسان ہیں اور ان کے خلاف ہونے والی کارروائیاں ہی دہشت گردی ہیں؟ اور کیا صرف سینٹرل لندن میں ہونے والے دھماکے ہی درندگی ہیں؟ سوچنے کی بات ہے کیا امریکی اور برطانوی مائیں ہی مائیں ہیں؟ گورے اور سرخ بچے ہی بچے ہیں؟ کیا صرف انگریزی بولنے والے ہی انسان ہیں؟ کیا صرف سرخ ہونٹوں سے نکلنے والی چیخیں ہی چیخیں ہیں؟ کیا صرف گوری چمڑی کا درد ہی درد ہے؟ اور کیا صرف مغربی جسموں کی تکلیف ہی تکلیف ہے؟ سوچنے کی بات ہے کیا افغانوں کا لہو لہو نہیں؟ کیا نجف۔ بغداد اور موصل کی نعشیں نعشیں نہیں؟ کیا غزہ اور

مغربی کنارے کی مائیں مائیں نہیں؟ کیا سوڈان کے بچے بچے نہیں؟ کیا گوانتا ناموبے کی چیخیں چیخیں نہیں؟ سوچنے کی بات ہے جب امریکی طیاروں نے افغانستان کی ایک بارات پر بم برسائے۔ جب ایک حملے میں پورا بے گناہ گاؤں قتل ہو گیا تھا۔ جب زمین پر معصوم بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور بچوں کی تین سو نعشیں پڑی تھیں۔ اور جب پینٹا گان نے اس قتل عام کو ''مس ٹیک'' قرار دیکر خود کو بری کر دیا تھا۔ تو اسوقت انسانیت کہاں تھی؟ سوچنے کی بات ہے آج جب دنیا میں سب سے زیادہ معذور لوگ افغانستان میں ہیں۔ آج جب افغانستان کو دینا کا سب سے بڑا قبرستان قرار دیا جاتا ہے آج جب افغانستان میں ایسا انسان باقی نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے بہتا ہوا خون نہ دیکھا ہو۔ جس نے کوئی نعش نہ دفنائی ہو اور جس کے ہاتھوں میں اس کے کسی عزیز نے دم نہ توڑا ہو تورا بورا کے پہاڑ ہوں یا قلعہ جنگی کی اندھی دیواریں۔ افغانستان کا چپہ چپہ امریکی بربریت، امریکی درندگی اور امریکی سفا کی کا گواہ ہے۔ سوچنے کی بات ہے جب افغانستان کے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو کنٹینروں میں بھرا گیا جب ان کنٹینروں کو صحرا میں چھوڑ دیا گیا۔ اس وقت انسانیت کہاں تھی؟ جب بغداد پر موت اتاری گئی جب موصل اور نجف پر لاکھوں ٹن بارود پھینکا گیا جب عراقی خواتین اغوا کی گئیں اور جب صحرا سے عورتوں کی برہنہ نعشیں ملیں جب ابوغریب جیل کے غریبوں پر کتے چھوڑ ے گئے۔ جب ان کے چہروں پر انڈرویئر چڑھائے گئے۔ جب زندہ انسانوں کو مردہ انسانوں کا لہو پینے پر مجبور کیا گیا؟ جب بے گناہ چہروں پر غلاظت ملی گئی۔ جب زخمی انسانوں کو نعشوں میں پھینک دیا گیا۔ جب معصوم لوگوں کے ہاتھوں پر بجلی کی تاریں باندھ کر انہیں سٹیج پر کھڑا کر دیا گیا۔ اسوقت تہذیب شائستگی اور انسانی حقوق کہاں تھے؟ اور سوچنے کی بات ہے جب فلسطین کے ہر صحن میں چھ چھ قبریں کھودی جا رہی تھیں۔ چھ چھ ماہ کے بچے توپ کے گولوں سے اڑائے جا رہے تھے۔ جب پورے گاؤں پر بلڈوزرز چلائے جا رہے تھے اور جب بچے کے جسم پر بم باندھ کر اسے ماں کی گود میں ڈالا جا رہا تھا۔ اسوقت یہ کیمرے، رپورٹر اور یہ ٹیلیویژن کہاں تھے؟ اسوقت یہ چیخیں، آہیں اور سسکیاں کہاں تھیں۔ اسوقت انہیں یہ محسوس کیوں نہیں ہوا؟ موت ہر شخص کے لئے اندوہناک ہوتی ہے۔ یہ لوگ پتا نہیں کیوں یہ بھول جاتے ہیں۔ تکلیف تکلیف ہوتی ہے۔ نعش نعش اور خون خون ہوتا ہے۔ اور دنیا میں کسی خون، کسی نعش، کسی تکلیف اور کسی درد کا کوئی مذہب، کوئی نسل اور کوئی نظریہ نہیں ہوتا۔ یہ محض نعشیں اور چیخیں ہوتی ہیں۔ پتا نہیں کیوں ان لوگوں نے سات جولائی اور گیارہ ستمبر سے سبق نہیں سیکھا؟ یہ لوگ اب تک فلسطینی، عراقی اور افغانی موت کو تھوڑی موت، مسلمانوں کی نعشوں کو چھوٹی نعشیں اور برطانوی اور امریکی نعشوں کو عظیم نعشیں اور امریکی اور برطانوی موت کو بڑی موت کیوں قرار دے رہے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے یہ لوگ اب تک افغانی اور برطانوی ماں کو الگ خانے میں کیوں رکھتے ہیں۔ یہ مظلوم کو محض مظلوم اور ظالم کو ظالم کیوں نہیں سمجھتے؟ سوچنے کی بات ہے (۴)

۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد جہاں افغانستان اور عراق کے معصوم عوام پر آتش و آہن کی بارش برسائی گی۔ جس کے نتیجے میں لا تعداد بے گناہ بوڑھے، بچے، جوان اور عورتیں موت کے آغوش میں چلی گئیں اور ہزاروں انسان معذور ہوئے۔ وہاں دوسری طرف میڈیا کے زور پر ۹/۱۱ کے واقعہ کو اس قدر تشہیر اور اچھالا گیا کہ عالمی طور پر مسلمان ہی موردِ الزام ٹھہرے۔ میڈیا نے ۹/۱۱ کے واقعہ کو اسقدر چالاکی کے ساتھ پیش کیا کہ خود ملتِ اسلامیہ اس واقعہ کی صداقت پر یقین کرنے

لگی کہ واقعتاً یہ تخریبی کارروائی مسلمانوں کی کارستانی ہے۔ اس واقعہ کے پیچھے القاعدہ کا ذہن کارفرما تھا۔ آج جب اس سانحہ کو پانچ سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ بعض امریکی دانشور اور انصاف پسندوں نے تحقیق کرکے ثابت کیا ہے کہ ٹریڈ سنٹرز میں (Twin Towers) کی تباہی جہازوں کے ٹکرانے کے نتیجہ میں نہیں ہوئی بلکہ ان عمارات کی تباہی کا باعث وہ دھماکہ خیز مواد جو پہلے ہی سے عمارات کے (Joints) میں رکھ دیا گیا تھا۔ عطاء الحق قاسمی اپنے کالم روزن دیوار محررہ ۱۱ جولائی ستمبر ۲۰۰۶ء (روزنامہ جنگ کوئٹہ) میں ''نائین الیون اور ڈاکٹر اسٹیون'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں ''اس وقت امریکہ عالم اسلام کو تہہ و بالا کرنے کی کوشش میں مشغول ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدر بش کی پشت پر بنیاد پرست عیسائیوں کی ایک بڑی لابی موجود ہے۔ خود صدر بش بھی بنیاد پرست ہیں۔ لیکن اس جنگ میں شامل مذہبی رنگ کے باجود اصل مقصد امریکہ کے دائرہ اثر کو پوری دنیا اور پہلے مرحلہ پر عالم اسلام تک پھیلانا ہے بلکہ یہ دوسرا مرحلہ ہے۔ کیونکہ سویت یونین کی تباہی کا پہلا مرحلہ کامیابی سے مکمل کیا جا چکا ہے۔ سویت یونین کے ٹکڑے ٹکرے ہونے کے فوراً بعد (اور یہ نائین الیون سے بھی پہلے کا واقعہ ہے) دنیا بھر کے تجزیہ نگاروں نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ امریکہ کا دوسرا بڑا نشانہ عالم اسلام ہوگا۔ وہ بظاہر منتشر ہے مگر وسائل سے مالا مال ہے۔ امریکہ کی نظر اس کے وسائل پر بھی تھی۔ اور اس ''ٹوٹے ہوئے تارے'' کے ''مہ کامل'' بننے کا خدشہ بھی لاحق تھا۔ مگر پورے عالم اسلام پر ہاتھ ڈالنے کے لیے امریکی عوام کے سامنے ایک جواز پیش کرنا ضروری تھا۔ کہ جمہوریت میں حاکم عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اورامریکی عوام جنگ و جدل کے حق میں نہیں ہیں۔ اس لیے امریکی عوام کا مشتعل ہونا ضروری تھا اور نائن الیون سے کم تر واقعہ انہیں مشتعل نہیں کر سکتا تھا۔ سو یہ سانحہ ہوا اور پوری دنیا میں اس کی بازگشت سنائی دی۔ اور امریکہ نے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے سلوگن کے ساتھ عالم اسلام پر چڑھائی کردی.... مگر نائن الیون کے سانحہ سے لے کر آج تک اس سانحہ کے حوالے سے جن شکوک و شبہات کا اظہار ہوا وہ شکوک و شبھات لانے والے خود اہل مغرب تھے۔ انہوں نے اس دہشت گردی کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی اور اپنی تحقیقات دنیا کے سامنے پیش کردی۔

اس سلسلے میں تازہ ترین تحقیق امریکہ کی ریاست یوٹا میں واقع (Brigham Young Unir) کے فزکس کے پروفیسر ڈاکٹر اسٹیون جونس کے حوالے سے سامنے آئی ہے۔ جن کا کہنا ہے کہ نائن الیون کی دہشت گردی خود امریکہ نے کی ہے اور ڈاکٹر اسٹیون کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے کہ انہیں جبری رخصت پر بھیج دیا گیا ہے۔ واشنگٹن سے نمائندہ جنگ منیر زیدی کی ایک ارسال کردہ رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر اسٹیون کا کہنا ہے کہ ۱۱۰ منزلہ یہ عمارتیں طیاروں کے ٹکرانے یا محض آگ لگنے سے مکمل طور پر بیٹھ نہیں سکتیں۔ ان کے مطابق یہ عادتیں اندرونی دھماکوں سے گری تھیں۔ یہ دھماکہ خیز مواد بلڈنگ جائنٹس میں رکھا جاتا ہے اور پھر وقفہ وقفہ کے ساتھ ریموٹ کنٹرول سے اڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح عمارت کا ملبہ اڑانے یا پھیلنے کے بجائے پوری عمارت چند سیکنڈ میں قالین کی طرح لپٹی ہوئی بیٹھ جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسٹیون نے ملبے سے حاصل شدہ مواد پر تحقیق کی تو اس میں Thermite پایا گیا۔ اور یہ مواد فوج (Detonation) میں استعمال کرتی ہے۔ ان کی یہ رپورٹ دس ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب (Cold Fushion) کی ریسرچ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اورانہوں

نے نائن الیون کی سچائی کی جو تحریک شروع کر رکھی ہے اس میں ۷۵ دوسرے پروفیسرز اور سکالرز بھی شامل ہیں'' (۵)

منیر زیدی نے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۶ء روزنامہ جنگ کوئٹہ میں اپنے کالم بعنوان ''میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر'' میں لکھتے ہیں کہ امریکی حکومت نے ۱۱/۹ کے سانحہ کے ثبوت خود ہی ضائع کر دیے۔ ان کے مطابق ''گزشتہ پانچ برس میں ۱۱ ستمبر کی تحقیقات کے بارے میں امریکی عوام کے شکوک میں اضافہ ہوا۔ ۷۵ پروفیسرز صاحبان پر مشتمل ایک گروپ قائم ہوا جس کا نام (9/11 Scholars for Truth) ہے۔ اس کے ایک سرکردہ ممبر (Steven Jones) ہیں جو (Brigham Young University) میں فزکس کے پروفیسر ہیں اس گروپ کا مشن یہ ثابت کرنا ہے کہ ۱۱ ستمبر ایک (Hoax) تھا'' (۶) جب سے روس کا شیرازہ منتشر ہوا ہے اس کے بعد سے امریکہ کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ اب چونکہ سپر پاور کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ کیمونزم کے خاتمے اور روس کے انتشار کے بعد اگر اسے خطرات لاحق ہو سکتے تھے تو صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظام سے تھے۔ چنانچہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت عالم اسلام کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ پہلے مرحلے میں افغانستان و عراق کو نشانہ بنایا گیا۔ ایران کو آئے دن امریکہ اور مغربی استعماری طاقتوں کی طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں۔ شام کو بھی ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ پاکستان میں نے ۱۱/۹ کے سانحہ کے بعد ہر طرح سے امریکہ کی معاونت کی تھی۔ اسے بھی مختلف بہانوں سے دباؤ میں رکھا جا رہا ہے۔ کبھی افغانستان پاکستان پر الزام عائد کرتا ہے کہ پاکستان سے طالبان افغانستان کے خلاف کارروائیاں کر رہے ہیں۔ پاکستان دراندازی کو روکنے میں ناکام رہا۔ یہاں تک کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی ISI پر افغان حکمران اور نیٹو افواج کے سربراہ نے الزام عائد کیا ہے کہ وہ افغان طالبان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ان الزامات سے مقصود پاکستانی حکومت کو مسلسل دباؤ میں رکھنا ہے۔ امریکہ اور مغربی استعماری قوتیں عالمِ اسلام کے خلاف جو کارروائیاں کر رہی ہیں ان کا مقصد اپنی تہذیبی اور عسکری بالا تری قائم کر کے ان کے وسائل کو اپنے تصرف میں لانا ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی اپنے ایک مضمون'' نئے عالمی نظام کی تشکیل اور اُمّتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں'' میں لکھتے ہیں'' اس عالمی نظام کا عسکری غلبہ تو واضح طور پر نظر رہا ہے لیکن عالم اسلام میں شاید اس کا پورا ادراک نہیں ہے کہ اصل کام تہذیبی غلبہ کے لیے ہو رہا ہے۔ امریکی پالیسی سازوں نے کافی عرصہ پہلے تہذیبی تصادم (Clash of Civilization) اور تاریخ کا اختتام (End of History) جیسے تصورات پیش کیے تھے۔ اصحابِ فکر مسلمانوں نے اسی وقت سے خطرے سے آگاہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن عالمِ اسلام کی بے شعور قیادتوں نے اسے سمجھا ہی نہیں۔ بلکہ الٹا یہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ غلط نظریہ ہے۔ یہ دور تہذیبوں کے تصادم کا نہیں بلکہ تہذیبوں کے مکالمے (Dialogue) کا ہے۔ بجائے تدبیر کرنے کے غفلت کی نیند سلا دینے کا انتظام کیا گیا۔'' (۷)

۱۱/۹ کے سانحہ کے بعد دنیا کے دو بڑے مذاہب اسلام اور مسیحیت میں بالخصوص اور دیگر مذاہب کے مابین بالعموم کشیدگی بڑھ گئی ہے۔ مسیحی دنیا میں اسلام کے خلاف منظم انداز میں ایک تحریک چلائی جا رہی ہے۔ تاکہ اسلام کو ایک دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دے کر مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں کا جواز ڈھونڈا جا سکے۔ کچھ ماہ قبل ڈنمارک کے اخبار

(Jylland Poster) میں نبی پاکؐ کے توہین آمیز خاکے چھاپ کر ملتِ اسلامیہ کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔مقصود یہی تھا کہ ملت اسلامیہ میں اشتعال پیدا کر کے اسے تشدد پسند اور امن مخالف ظاہر کیا جائے حال ہی میں مسیحائی دنیا کی سب سے بڑی شخصیت پوپ بینی ڈکٹ کی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی ہے اکرم سہگل نے ۲۱ ستمبر ۲۰۰۶ء کو روزنامہ جنگ کوئٹہ کے ادارتی صفحہ میں ''نائن الیون؟'' کے عنوان کے تحت اپنے کالم میں لکھا ہے''پوپ بینی ڈکٹ کے توہین آمیز بیان نے ہر جگہ مسلمانوں کے جذبات شدت سے مجروح کیے ہیں۔ اس بیان نے بھی واضح کیا کہ نائن الیون سانحہ کیونکر ہونے کے انتظار میں تھا۔ پوپ کے بیان نے حقائق کی بجائے تصورات پر مبنی مسخ عقائد کو اعتبار دیا'' (۸) پوپ بینی ڈکٹ کے ناپاک ریمارکس پر (جو اس نے اسلام اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دیے) مسلم دنیا سراپا احتجاج بن گئی یہاں تک یورپ کو معذرت کرنا پڑی۔ پیر فضل حق نے ۲۳ ستمبر ۲۰۰۶ء کو اپنے کالم بعنوان ''اسلام اور مسلمانوں پر تشدد کا ناروا الزام'' میں لکھتے ہیں ''پاپائے روم بینی ڈکٹ نے اگرچہ اسلام اور بانی اسلام کے بارے میں اپنے ناپاک ریمارکس پر یہ کہہ کر گول مول معذرت کر لی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ ان کے خیالات نہیں بلکہ چودھویں صدی کے بازنطینی بادشاہ سموئیل دوم کے الفاظ تھے۔لیکن ان کے اس بیان کے بعد دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کا دکھ اور کرب کم نہیں ہوا۔ دو اہم سوالات ان کے ذہن میں مسلسل ہلچل مچائے ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ اگر کلیسائے روم کے سربراہ ذاتی طور پر اسلام اور اس کی جہادی تعلیمات کے بارے مین وہ خیالات نہیں رکھتے جس کا اظہار انہوں نے سموئیل دوم کی فکری اختراع کو پیش کر کے کیا ہے تو پھر ان ناپاک الفاظ کو دہرانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس وقت نائن الیون کے واقعہ کے بعد دنیا کے دو بڑے مذاہب اسلام اور مسیحیت میں بالخصوص اور دیگر مذاہب میں بالعموم کشیدگی بڑھ گئی ہے اور مغرب کے منصف مزاج اہل دانش بھی اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ بین المذاہب منافرت کو کم کرنے کے لیے ان کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی پیدا کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور خود پاپائے اعظم محسوس کرتے ہیں کہ مذاہب کے درمیان مکالمہ اور بات چیت ہی آویزش اور تناؤ کے ماحول میں کمی لاسکتی ہے تو پھر انہوں نے ایک ایسا دل آزار قدم کیوں اٹھایا جس سے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے قلوب و اذہان منفی انداز میں متاثر ہوئے'' (۹) منو بھائی نے روزنامہ جنگ کوئٹہ (۷ اکتوبر ۲۰۰۶ء) میں اپنے کالم گریبان میں ''اسلام اور تلوار'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں ''رومتہ الکبریٰ کے بادشاہوں اور کلیسا کے سربراہوں کے دشمنی اور دوستی کے تعلقات نے کئی روپ بدلے۔کبھی انہوں نے ایک دوسرے کو برداشت نہ کیا اور کبھی شیر وشکر ہو گئے۔ رومن باشاہوں نے عیسائی مذہبی راہنماؤں کی گردنیں بھی اڑائیں اور ایک رومن پوپ نے بادشاہ ہنری چہارم کو برف باری کے دوران اپنی رہائش گاہ کے باہر تین دن تک ننگے پاؤں کھڑے رہنے کی سزا دی۔ لوگوں کے جسموں اور روحوں پر قبضہ کرنے کے مقابلے میں شریک اور شامل ان دونوں کے شیر وشکر ہونے کا تازہ ترین نمونہ بادشاہوں کی خصلت والے امریکی صدر جارج بش دوم اور قدامت پسند رومن کیتھولک عیسائیوں کے ۲۶۵ ویں پوپ بینی ڈکٹ پیش کرتے ہیں۔ جو عہد حاضر میں زمانہ قدیم کے کے تکبر اور غرور کے منفی اظہار کے مرتکب ہیں'' (۱۰)

۹/۱۱ کا سانحہ، ڈنمارک کے اخبار میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت ا، حال ہی میں پوپ بینی ڈکٹ کی ہرزہ رسائی

اور اس قسم کے واقعات کا تسلسل کے ساتھ رونما ہونا اس بات کی نشاندھی کرتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے خلاف مغربی استعمار صلیبی جنگ کا آغاز کر چکا ہے۔ کچھ سال قبل (Samual hntington) نے (Clash of Civilization) کا جو نظریہ پیش کیا تھا۔ دنیا کو اس کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ اسکا نشانہ ملت اسلامیہ کو بنایا جا رہا ہے۔ حال ہی میں مغربی استعمار کی اشیر باد سے اسرائیل نے لبنان پر آتش و آہن کی بارش برسا کر وہاں کے نہتے عوام کا قتل عام کیا۔ چونکہ ملت اسلامیہ عدم استحکام کا شکار ہے۔ اس کی صفوں میں اتحاد و یکجہتی نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہود و ہنود و نصاریٰ جب بھی اور جہاں چاہتے ہیں ملت اسلامیہ کو اپنی جارحیت کا نشانہ بناتے ہیں۔ جب تک خلافت عثمانیہ مضبوط تھی۔ اس وقت تک یہودیوں کو فلسطین کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جسارت نہیں ہوئی تھی۔ جونہی سلطنت عثمانیہ روبہ تنزل ہونا شروع ہوئی تو مغربی استعمار نے ارض فلسطین میں یہودیوں کی قومی ریاست اسرائیل کی بنیاد رکھی۔ اسرائیل کا عرب ممالک کے قلب میں وجود ملت اسلامیہ کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ اسرائیل نے مسلمانوں کے لئے ان گنت مسائل و مشکلات پیدا کیں اور ہر وقت ملت اسلامیہ کی سلامتی و بقا کو خطرات لاحق رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ جرم ضعیفی کی سزا ملت اسلامیہ بھگت رہی ہے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

آج اُمّتِ اسلامیہ بحیثیت مجموعی کفر کے پختہ استبداد میں گرفتار ہے اور کراہ رہی ہے۔ نت نئی مصیبتیں ان پر ڈھائی جا رہی ہیں۔ ان کے مسائل و مشکلات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ملت اسلامیہ کو اندرونی اور بیرونی محاذ پر کئی چیلنجز کا سامنا ہے۔ کچھ تو ملت اسلامیہ کے خود ساختہ ہیں اور اکثر مغربی استعمار کے تخلیق کردہ ہیں۔ ان مسائل و مشکلات اور چیلنجز کو جو ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

ا- اتحاد کا فقدان:

عصر حاضر میں اُمتِ مسلمہ کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ عدم اتحاد اور فکری انحطاط کا ہے۔ اغیار نے اس مرکزیت کو ختم کیا جو مسلم امہ کی پہچان تھی۔ مسلم امہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کے لیے اغیار نے نیشنلیزم کا حربہ استعمال کیا۔ انہوں نے علاقے، حدود اور زبان سے قومیں بننے کا تصور دیا۔ یہ سب عصبیت کی بنیاد پر ہوا۔ نتیجہ میں مسلم قومیں منتشر ہو گئیں۔ اُمّت اور ملت کا تصور ایک خیال بن کر رہ گیا۔ آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ مختلف فرقوں گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جو ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ حالانکہ ان کے پاس اتحاد کے مضبوط ترین عناصر موجود ہیں۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کے مابین عدمِ اتحاد کا رونا کچھ اس طرح رویا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

۲- سیاسی قیادت کا فقدان:

دور حاضر میں ملت اسلامیہ کے مشکلات و مسائل میں اضافہ کا باعث سیاسی قیادت کا فقدان بھی ہے۔ اگر ملت اسلامیہ کو صحیح قیادت نصیب ہو جاتی تو اس کے مسائل و مشکلات پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ قیادت کے فقدان کے باعث ملت اسلامیہ مغربی استعمار کے چنگل سے اپنے آپ کو آزاد کرانے میں ناکام رہی۔ ڈاکٹر خالد علوی کے بقول ''سرد جنگ کے دوران عالم اسلامی کی سیاسی قیادتیں نالائق، بے تدبیر اور قومی و ملی شعور سے بے بہرہ تھیں انہوں نے سپر پاورز کے ایجنٹ اور ذاتی مفادات کے محافظ کے طور پر اپنا وقت گزارا۔ اپنے ملکی وسائل کا تحفظ کیا اور نہ اپنے ملکوں میں سائنسی اور ٹیکنیکی طور پر ترقی کی طرف توجہ کی۔ اپنے ملکوں کو صارفین کی منڈی کے طور پر فروغ دیا خود کفالت کی منزل کی طرف کوئی قدم نہ اٹھایا بلکہ اپنے وسائل اسلحہ کی خریداری پر ضائع کیے۔ جو بوقت ضرورت انہیں کام آنے والا نہ تھا۔ یا ترقی یافتہ ممالک میں دولت کو رکھا جو کسی وقت بھی منجمد ہو سکتی تھی۔ سیاسی قیادتوں کی بے تدبیریوں اور ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں کی وجہ سے عالم اسلام کسی بھی میدان میں بھی ترقی نہ کر سکا۔ عالمی استعمار اور عالمی سود خوروں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ بعض ممالک کے وسائل پر قبضہ کر کے اور بعض کو قرضوں میں جکڑ کے اپنے قابو میں رکھا''(۱۲)

۳- نیو ورلڈ آرڈر:

اس وقت ۵۸ اسلامی ممالک کرہ ارضی پر موجود ہیں۔ جن کے پاس دنیا کے بڑے بڑے آبی، زرعی اور معدنی وسائل موجود ہیں۔ اس کے باوجود مسلم اقوام مسائل و مشکلات سے دوچار ہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ یا اسلامی احیاء کی تحریکیں جہاں سر اٹھاتی ہیں۔ استعماری طاقتیں ان کے خلاف متحد ہو جاتی ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کا مقصد سامراجی طاقتوں کے قبضہ اور بالا دستی کو برقرار رکھنا ہے۔ مسلم ممالک کا صاحب اقتدار طبقہ سامراج کی عالمگیریت (New World Order) کی بچھائی ہوئی بساط کا ایک مہرہ بنا ہوا ہے۔

۴- دہشت گردی:

مغربی میڈیا اور مغربی ممالک کے دانشور اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ دہشت گردی کی وجہ سے مسلم ممالک اور ملت اسلامیہ کو ہر سطح پر بدنام کیا جا رہا ہے۔ دور حاضر میں ملت اسلامیہ کو یہ بہت بڑا چیلنج درپیش ہے۔ اور دہشت گردی کا الزام اس تواتر کے ساتھ میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف لگایا جا رہا ہے تا کہ دنیا کی موجودہ نسلوں اور آئندہ نسلوں کو یہ باور کروا دیا جائے کہ اسلام جدید تہذیب، ترقی اور امن کا دشمن ہے۔ مغرب اسلام کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، مسلمانوں کے تہذیبی تشخص کو مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں ''مغرب اس وقت عالم اسلام کے تہذیبی تشخص کے خلاف جنگ لڑ رہا ہے۔ اس لیے وہ ابلاغ عامہ کے ذریعہ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک

جارحانہ یلغار جاری رکھے ہوئے ہے۔ تاکہ مسلمان ذہنی طور پر مغلوب ہو کر اسی بات کو مان لیں جو وہ کہہ رہے ہے۔ دہشت گردی، انتہاپسندی اور شدت پسندی وہ اصطلاحیں ہیں جو ان لوگوں کے لیے استعمال ہو رہی ہیں جو مغربی مقاصد کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ ان الزامات کو مسلسل دہرایا جا رہے ہے۔ صحافت، پالیسی ساز، معیشت دان، سیاسی راہنما، سفارت کار حتیٰ کہ مذہبی رہنما بھی انہیں اصطلاحوں میں بات کرتے ہیں۔ انہی اصطلاحوں کو عالم اسلام کے اندر بیٹھے ان کے ایجنٹ استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ اسلام متنازعہ ہو جائے۔ حضور اکرمؐ کی ذات مشتبہ ہو جائے اور قرآن غیر ضروری ہو جائے۔ اگر جہاد دہشت گردی ہے۔ اگر ظالم کی مزاحمت تشدد ہے اور اپنے تہذیبی تشخص کی مدافعت انتہاپسندی ہے۔ تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ بدقسمتی سے استعماریوں نے یہ جنگ مسلمان معاشروں کے اندر منتقل کردی ہے۔ مسلمان معاشروں کی مراعات یافتہ اقلیت استعماریوں کی زبان بولتی، انہیں کی اصطلاحیں استعمال کرتی اور انہی کے مقاصد کے لیے کام کرتی ہے۔ اس لیے عالم اسلام کے لیے شاید یہ اپنی تاریخ کا نازک ترین دور ہے۔ اس کی قیادتیں بزدل، بے بصیرت اور نالائق ہیں اور وہ اتنی خوفزدہ ہیں کہ اس خوف کو عوام تک منتقل کرنے کا منظم پروگرام بنائے ہوئے ہیں۔ اور استعمار کے ساتھ سازگاری کے بہانے تلاش کر رہی ہے۔ افغانستان پر ہماری اور عراق پر قبضہ کے بعد پورا عالم اسلام سہا ہوا ہے کہ اگلی باری کس کی ہے۔ کوئی تدبیر، کوئی منصوبہ بندی، کوئی اجتماعی شیرازہ بندی اور کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔ ایسا لگتا ہے کہ پورے عالم اسلام پر ایک سکوت مرگ طاری ہے۔ کشمیر، فلسطین اور چیچنیا لہولہان ہیں۔ لیکن کوئی حمایت اور دفاع کی بات نہیں ہوتی۔ امریکی ایمپائر کی توسیع جاری ہے اور سہمے ہوئے خوف زدہ لوگ باجگزار بنتے جا رہے ہیں۔" (۱۳)

کم علمی اور جہالت:

ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل چیلنجز میں ایک اہم چیلنج کم علمی اور جہالت ہے۔ علم ترقی کی راہیں کھولتا ہے۔ چونکہ اس جانب ملت اسلامیہ نے تغافل مجرمانہ کا مظاہرہ کیا جس کا نتیجہ اسے امریکی غلامی اور بالا دستی کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

معاشی بدحالی اور غربت:

اکثر مسلم ممالک معاشی بدحالی اور غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ غربت اور پسماندگی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ مغربی استعماری اور استحصالی اقوام نے ایسی تجارتی اور اقتصادی پالیسیاں وضع کی ہیں جن کی وجہ سے مسلم ممالک میں آسودگی اور خوشحالی مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ معاشی لحاظ سے مسلم دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کا بجٹ اسوقت تک نہیں بنتا جب تک مغربی ایجنسیاں اور ادارے امداد نہ دیں۔ ہم قرضے لیتے ہیں اور قرضے اتارنے کے لئے مزید قرضے لیتے ہیں۔ اوراسطرح بالاخر اپنی خود مختیاری و آزادی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مسلم ممالک قرضوں کے بوجھ تلے مزید دبتے جا رہے ہیں۔ بقول مرزا اختیار بیگ "اسلامی ترقیاتی بینک (IDB) کی رپورٹ ۲۰۰۶ء کے مطابق ۲۰۰۴ء میں مسلم ممالک کے کل بیرونی قرضے ۳۷ے بلین ہیں۔ جس میں صرف ترکی اور انڈونیشیا میں سے ہر ایک ۱۰۰ بلین ڈالر بیرونی قرضوں کے ساتھ

اسلامی ممالک میں سرفہرست ہیں پاکستان کے بیرونی قرضے اس وقت ۲۶۵ء۳۷ بلین ڈالر ہیں''(۱۴)

مغرب کی ثقافتی یلغار:

گلوبلائزیشن کے نام پر دنیا بھر میں بالعموم اور مسلم ممالک میں بالخصوص بیرونی تہذیب، تعلیم اور ثقافت مسلط کی جا رہی ہے۔ میڈیا کے ذریعے مغربی ثقافت وتہذیب مسلمان معاشرے میں در آئی ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی:

مستقبل میں تجارت اور ٹیکنالوجی میں برتری حاصل کرنے والی اقوام ہر میدان میں غالب ہوں گی۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ملت اسلامیہ نے کوئی پیش رفت نہیں کی۔ سائنس وٹیکنالوجی میں ہم پیچھے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم دنیا کی ان بڑی تہذیبوں کا مقابلہ کیسے کریں گے جو آج بہت آگے نکل چکی ہیں۔

غیر نمائندہ حکومتیں:

مسلم ممالک کا ایک اہم مسئلہ غیر نمائندہ حکومتیں بھی ہیں۔ عالم اسلام کے کسی بھی ملک میں حقیقی نمائندہ حکومت نہیں کہیں فوجی حکومتیں ہیں۔ کہیں بادشاہتیں اور کہیں نام نہاد جمہورتیں ہیں۔ جن کی جڑیں عوام میں نہیں۔ وہ عوام کی معتمد علیہ حکومتیں ہیں اور نہ حکمرانوں کو عوام سے کوئی خیر خواہی ہے۔ عوام کے درمیان حکمرانوں کی اعتباریت (Credibility) نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی بیرونی سازش کا مقابلہ کرنے کی ان مین صلاحیت نہیں ہوتی اور کسی بھی بحران میں یہ خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔

ان مسائل جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔ جن میں منشیات کی لعنت بے ورزگاری جنسی اور اخلاقی بے راہ روی، مادیت پرستی ماحولیاتی آلودگی اور بہت سے سیاسی اور معاشرتی مسائل درپیش ہیں۔ اگر ہمیں بحیثیت مجموعی مسائل ومشکلات کوحل کرنا ہے اور درپیش چیلنجز کا کامیابی کیساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ تو ہمارے پاس ان تمام مسائل، مشکلات کا حل صرف اور صرف آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی پیروی میں مضمر ہے۔ آنحضور اکرمؐ کی ذات اقدس کو اپنے لیے نمونہ عمل بنائیں گے تو ہمارے انفرادی و اجتماعی مسائل کا حل ہمیں مل جائے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ(۱۵) تمہارے لیے نبی پاکؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.(۱۶) ایک اور مقام پر کلام پاک میں آنحضور اکرم کی اطاعت وپیروی کا حکم کچھ اس طرح دیا گیا ہے۔ و ماآتاکم الرسول فخذوه و مانهاکم عنه فانتهوا.(۱۷) ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فان تطیعوه تهتدوا.(۱۸) کلام پاک میں بار بار اس بات کا حکم دیا گیا ہے اطیعو الله و اطیعو الرسول. اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ ان آیات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی کامیابی اور ان کے مشکلات مسائل کا حل آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور سیرت طیبہ کی پیروی میں ہے۔ آج ملت اسلامیہ کو جو سب سے

بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ وہ مسلمانوں کی صفوں میں یکجہتی کا فقدان ہے۔ اتحاد نہ ہونے کی وجہ ملت اسلامیہ پر کفر کے پنجۂ استبداد کی گرفت سخت سے سخت ہوتی جارہی ہے۔ اگر ہم آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے علاقائی، لسانی اختلافات کو بھلا کر ایک اُمتِ بن جائیں۔ تو اغیار کو ملت اسلامیہ کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جسارت نہیں ہوگی۔ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے۔(۱۹) ایک اور حدیث نبوی ہے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال ان کی دوستی، اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی۔ بدن میں جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اسی میں شریک ہو جاتا ہے نیند آتی، بخار آجاتا ہے۔(۲۰) آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتشار و افتراق پیدا کرنے والوں کو قتل کردینے کا حکم دیا۔ آپؐ نے فرمایا جو کوئی اس اُمتِ کے بندھے ہوئے رشتے کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے اس کی تلوار سے خبر لو خواہ کوئی ہو۔(۲۱) آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد انصار اور مہاجرین کو رشتہ مواخات میں منسلک کردیا۔ اس سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوا۔ عربوں کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سی سلطنت بھی قائم نہ کرسکے تھے ہمیشہ سے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے۔ اگر وہ آپس میں اپنے اپنے حقوق کی خاطر اس طرح برسرپیکار رہتے تو تباہ و برباد ہوجاتے۔ مگر جب اسلام کو قبول کر کے صدیوں پرانے تنازعات بھلا کر دیئے۔ جاہلی تعصبات ختم کر دیے تو ان کو وہ عروج حاصل ہوا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور چند ہی سالوں میں اس دور کی سپر پاور روم اور فارس کو اسلامی اقتدار کے زیرنگین لے آئے۔ یہ کامیابیاں دراصل تاریخ، حالات اور اسباب کا منطقی نتیجہ نہ تھیں۔ بلکہ یہ اس اخوت اور اتحادد کا ثمرہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے انہیں عطا ہوا۔(۲۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں مسلمانوں کے مابین قومی اور نسلی امتیازات یہ کہہ کر مٹا دیے کہ عربی کو عجمی پر کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔(۲۳) وہ عرب جو قبیلہ در قبیلہ منقسم تھے۔ جن کی صفوں میں کسی قسم کا اتحاد اور یگانگت نہیں تھی۔ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے ایسے متحد اور مضبوط ہوئے کہ گرد و نواح کی مضبوط اور مستحکم حکومتیں ان کے سامنے نہ ٹھہرسکیں اور اسلامی حکومت کے آگے سرنگوں ہوگئیں۔ آج بھی ملت اسلامیہ اللہ کی رسی کو تھام لے اور آپس میں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرے تو اغیار ان کی طرف کبھی بھی میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا۔

آج ملت اسلامیہ کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے وہ دہشت گردی کا الزام ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کا مجرم ٹھہرایا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ مغربی استعمار کی اور ان کے طاقتور میڈیا کی کارستانی ہے۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے اس کا دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں۔(۲۴) اسلام امن وسلامتی کا دین ہے فساد اور دہشت گردی کو مٹانے آیا ہے۔ دنیا میں اس وقت جو فساد بپا ہے اس کا علاج اسلام کے سوا کسی اور نظریے میں نہیں۔ اسلام عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ س ل م ہے۔ اس کے معنی اطاعت اور سپردگی ہے۔ اس کے معنی اُمتِ وسلامتی کے بھی ہیں۔ مسلمان جہاں اطاعت الٰہیٰ کا نمونہ ہے۔ وہاں امن و سلامتی کا پیکر بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم سے مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں جو کچھ منقول ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ مسلم اور مومن کی تعریف کرتے ہوئے نبی پاکؐ نے فرمایا۔ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔(۲۵) اور مومن وہ ہے جس سے لوگ کا اپنی جانوں مالوں کو مامون جانیں۔ ایک اور جگہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں اور مہاجر وہ ہے جس نے اس چیز کو ترک کر دیا جسے اللہ نے منع کیا۔(۲۶) نبی پاکؐ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا بلا شبہ تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے آپس میں اسی طرح قابل احترام ہیں جیسے تمہارے لیے یہ دن تمہارے اس شہر میں اس مہینے کے اندر۔ پھر آپؐ نے اسے بار بار دھرایا۔(۲۷)

اسلام دین امن وسلامتی ہے۔ لیکن اسے دفاع کا حق اللہ پاک نے دیا ہے اگر کفر اسلام کے مٹانے پر تل جائے تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ پوری قوت کے ساتھ دفاع کریں۔ اس وقت مسلمان پوری دنیا میں مظلوم ہیں۔ مختلف کافر قوتیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ ان کی بستیوں کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ ان کے وسائل کو لوٹا جا رہا ہے۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو مارا جا رہا ہے۔ ان کے جوانو ں اور بوڑھوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور الٹا عالمی سطح پر ان کے خلاف دہشت گردی اور تشدد کا الزام لگایا جا رہا ہے تا کہ مسلمان دفاع نہ کرسکیں۔ اور کافروں کے مظالم کا شکار رہیں۔ کفر فساد ہے اور کافروں نے ہمیشہ فساد برپا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کفر کے فساد کو روکنے کے لئے، ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے، دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام نے مسلمانوں کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ طاغوتی طاقتوں کے خلاف جدو جہد کریں۔ اسی کا نام جہاد ہے۔ جہاد فتنہ وفساد کو روکنے اور ظلم کو مٹانے کا نام ہے۔ دہشت گردی فساد انگیزی اور ظالمانہ کارروائی ہے جب کہ جہاد حق کے دفاع اور انصاف کے قیام کا نام ہے۔ دہشت گردی بلا امتیاز قتل و غارت اور بے دریغ تباہی و بربادی ہے اور جہاد جارحیت کا مقابلہ اور برسرپیکار فسادیوں کی مزاحمت ہے۔ دہشت گردی ایک منفرد طرز عمل ہے۔ جب کہ جہاد ایک مثبت اصول حیات ہے۔ جہاد اُمّتِ مسلمہ کے اجتماعی تشخص کی حفاظت کے لئے فرض کیا گیا ہے اور یہ ہمیشہ فرض رہے گا۔ ظالموں اور فسادیوں کے سامنے سرنگوں ہونے کے بجائے ان کے مقابلے میں شہادت حاصل کرنا جہاد کی عین روح کے مطابق ہے۔ نبی پاکؐ کا فرمان ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔ جو شخص اپنی ذات کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے عیال کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔(۲۸) اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ جارحیت اور دہشت گردی کے خلاف ہے۔ لیکن اپنے ماننے والوں کو عزت و وقار کی زندگی کے لئے دفاع کا حکم دیتا ہے۔ اس کے لیے مکمل تیاری کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے” اور جہاں تک ہو سکے اپنی قوت اور گھوڑوں کو تیار رکھنے سے ان کیلئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔(۲۹) آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپؐ نے امن وسلامتی کے قیام کے لیے، فتنہ وفساد کی بیخ کنی کے لیے کفار کے خلاف جہاد کیا۔ آپؐ نے ہمیشہ جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ کسی کا ناحق خون نہیں بہایا۔ قدرت پانے کے بعد لوگوں کو انتقام کا نشانہ نہیں بنایا۔

جہاں امن و آشتی کی بات ہوئی فوراً اس میں شریک ہوئے اور امن وسلامتی کے طریق کواولیت دی۔حلف الفضول میں آپؐ کی شرکت،صلح نامہ حدیبیہ،فتح مکہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

جہاں تک کم علمی اور جہالت کا تعلق ہے۔اس سلسلہ میں اگر ہم آنخضور اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کو دیکھیں اور آپؐ کی پیروی کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ نبی پاکؐ دنیا میں علم کا نور پھیلانے کے لئے اور کفر و جہالت کی تاریکی کو دور کرنے کیلئے تشریف لائے۔آپؐ کا فرمان ہے علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کیوں نہ جانا پڑے۔آپؐ نے فرمایا علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اورعورت پر فرض ہے۔آپؐ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ اقراء کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔جو علم وآگہی کی دلیل ہے۔آنخضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد نبوی میں صفہ کی درس گاہ کا قائم کرنا اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نبی پاکؐ کو تعلیم سے کس قدر شغف تھا۔اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کو دیکھا جائے تو اس سلسلہ میں نبی پاکؐ نے بعض صحابہ کرام کو مختلف قسم کے ہتھیار بنانے کا فن سیکھنے کے لئے دوسرے علاقوں میں روانہ کیا۔قرآن حکیم نے دشمن کے مقابلہ اور دفاعی وحفاظتی انتظامات کے لئے قوت اور طاقت کے حصول کا حکم دیا ہے۔اس کے مطابق آنخضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فنون حرب کو ترقی دی اوراپنے دور کے اہم ترین جدید ہتھیار استعمال کیے۔ڈاکٹر سید اذکیا ہاشمی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں'' اس دور کے جدید ہتھیاروں میں سے ایک ''دبابہ'' تھا۔یہ ایک خاص قسم کی گاڑی تھی جو تیر سے حفاظت کے لئے موٹا چمڑا منڈھ کر بنائی جاتی اور قلعہ شکنی کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔جسے آج کی دور کا ٹینک کہا جا سکتا ہے۔دوسری ''منجنیق'' تھی جس کے ذریعہ وزنی پتھر دشمنوں کی ضرف برسائے جاتے تھے۔اسے موجودہ زمانے کی توپ کہا جا سکتا ہے۔اسی طرح ''خبز'' دبابے ہی کی طرح ایک آلہ تھا۔لکڑی پر کھال منڈھ کر اسے چھتری کیطرح بنایا جاتا تھا تاکہ پیٹھ کو تیر سے محفوظ رکھا جائے۔نیز ''حسک'' ایک خار دار گھاس ہوتی تھی۔جسے قلعہ اور لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ مخدوش کیا جاتا تھا۔موجودہ دور کی بارودی سرنگیں اسی کی ترقی یافتہ شکل ہیں مقریزی نے لکھا ہے کہ آپؐ نے طائف کے قلعہ پر ''منجنیق نصب کی تھی اور قلعہ کے گرد''حسک'' بکھیری تھی اور دو صحابہ کوشام کے شہر جرش میں دبابے،منجنیق اور ضھور کی صنعت سیکھنے کے لئے بھیجا'' (۳۰)ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے آنخضور اکرمؐ نے آج سے چوردہ سو سال قبل مسلمانوں کو جدید فنونِ حرب سے روشناس کیا تھا۔آج مسلمان جدید فون کو سیکھ کر اپنے آپ کو مستحکم کر سکتے ہیں۔دشمن کو بے بس اور مرعوب کرنے اورکشت وخون سے بچنے کا ایک حربہ طاقت کا حصول ہے تاکہ حریف دشمن مرعوب ہوکر مقابلہ کی ہمت ہی نہ کر سکے۔

فقر،محتاجی،غربت اور افلاس میں مسلم ممالک کے اکثر افرد گرفتار ہیں۔آنخضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے''اے اللہ میں کفر،مفلس اور قرض کے غلبہ سے تیری پناہ مانگتاہوں'' (۳۱) بے روزگاری اور افلاس کے خاتمہ کے لئے نبی پاکؐ کے اسوہ سے جو تفصیلات معلوم ہوتی ہیں وہ درج ذیل اقدامات پر مشتمل ہوں گی۔

۱) افرادی قوت اور صنعتی و زرعی وسائل کے بھرپور استعمال سے لوگوں کی آمدنیوں اور روزگار کے مواقع بڑھانا''

۲) محروم طبقوں کی ذاتی جدو جہد ناکافی ہوتو ریاست کی طرف سے مدد(زکوٰۃ کے نظام کی صورت میں)

۳) زکوٰۃ کے نظام کے علاوہ صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب

۴) جدید صنعتی دور کی بے روزگاری کے سلسلہ میں سود کا خاتمہ اور صدقات نافلہ اور زکوٰۃ کے نظام کا قیام۔

رسول خداؐ کی سیرت ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ لوگوں کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ریاست ایسے اقدامات اٹھائے۔ جن کی بدولت نہ صرف موجودہ پیداواری وسائل بھرپور طریقے سے استعمال میں لائے جا سکیں بلکہ افراد ملت خود انحصاری اور خود روزگاری کے ذریعے اپنی آمدنی کو بڑھا سکیں۔ نبی پاکؐ کا فرمان ہے'' تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور رزق کی تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے'' اے اللہ مجھے رزق عطا فرما۔ تم کو دعا کے ساتھ اس کیلئے جدو جہد بھی کرنی چاہیے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی برساتا نہیں''(۴۲)ایک اور حدیث میں حضور اکرمؐ نے رزق کے حصول کے لئے جدو جہد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوئے نہ رہو۔ حضور اکرمؐ کے ارشاد'' رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو'' سے امام سرخسیؒ زراعت مراد لیتے ہیں۔ تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر پوری معیشت کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو رزق کے نو حصے تجارت میں ہیں۔(۴۴)

غرض ملت اسلامیہ کو جن مشکلات اور مسائل کا سامنا ہے اور مسلمانوں کو جو جو چیلنجز درپیش ہیں ان کا حل اور مقابلہ ملت اسلامیہ صرف اسی صورت میں کر سکتی ہے جب اسلام صحیح معنوں میں اس کے رگ و ریشہ میں اتر جائے۔ ایمان مضبوط ہو اور اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ ہو۔ دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور موت کا خوف باقی نہ رہے۔ بقول ڈاکٹر منصور علی'' مسلمانوں کی یہ حالت (حالت زار) اس لیے ہے کہ ان کے ایمان میں کسی نہ کسی قسم کا نقص موجود ہے۔ جس کی بنا پر وہ نتائج سامنے نہیں آرہے ہیں جو صورت دیگر سامنے آنے چاہیے تھے۔ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے حوالے سے جتنے کارنامے درج ہیں۔ سب کے سب زندہ ایمان والوں نے انجام دیے۔(۴۵)ایمان و یقین کی مضبوطی، آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع مسلمانوں کی دنیاوی و اخروی زندگی کی فلاح و کامرانی کا ضامن ہے۔ اقبال نے صحیح کہا تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا ہے تو انہیں اپنے اسلاف کی صفات عالیہ اپنے اندر پیدا کرنا ہوں گی۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اغیار کی نقالی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسی لیے وہ تباہی و بربادی کا شکار ہیں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

مسلمانوں کی ہر مشکل ہر تکلیف، چاہئے دینی ہو یا دنیاوی اس کا حل سیرت طیبہ کی پیروی و اتباع میں ہے۔ اپنے مقالے کا اختتام سید سلیمان ندوی کے الفاظ کے ساتھ کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمدؐ رسول اللہ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری اوردائمی اورعالمگیر راہنما نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اعلان فرمایا: ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ'' اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ! میری پیروی کرو'' اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو اگر دولت مند ہو تو

میری پیروی کرو۔ اگر غریب ہوتو میری پیروی کرو۔ اگر بے کس اور مظلوم ہوتو میری پیروی کرو۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے عابد ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر قوم کے خادم ہوتو میری پیروی کرو۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ چاہتے ہوتو میری پیروی کرو''(۳۸)

اللھم صلی علیہ وسلم و علیٰ الہ واصحابہ اجمعین

حواشی

(۱) Syed Amir Ali, A short History of Saracens Lahore (National Book Foundation 1975 P-398. (۲) مشفق الاسلام فاروقی، ''القدس کو یہودی رنگ میں رنگنے کی کوششیں'' ماہنامہ بیت المقدس (اسلام آباد) شمارہ نمبر ۱۱، جلد نمبر ۵، اگست ۱۹۹۵ء ص ۳۱، یہود کی سازشوں کے بارے میں مزید دیکھیں: Muhammad Yousuf Farooqi, Jewish Conspiracies Against Muslim Ummah (Lahore Tabha Publication) 2004۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی ''صیہونی عزائم۔ ایک تنقیدی جائزہ'' دعوۃ (اسلام آباد) فروری ۲۰۰۲ء، ص ۱۲ تا ۲۳۔ (۳) ایاز محمود رضوی، ''عالمی صورتحال اور مسلم امہ کا لائحہ عمل'' ماہنامہ البلاغ جون ۲۰۰۵ء ص ۳۱۔ (۴) روزنامہ جنگ (لندن) ۱۶ جولائی ۲۰۰۵ء (۵) عطاء الحق قاسمی ''نائن الیون اور ڈاکٹر اسٹیون'' روزنامہ جنگ کوئٹہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۶ء (۶) منیر زیدی ''میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر'' روزنامہ جنگ کوئٹہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۶ء (۷) ڈاکٹر خالد علوی، ''نئے عالمی نظام کی تشکیل اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داریاں'' ماہنامہ دعوۃ (اسلام آباد) جون ۲۰۰۳ء، ص ۲۶۔۲۷۔ (۸) اکرم سہگل، ''نائن الیون کیوں؟، روزنامہ جنگ کوئٹہ ۲۱ ستمبر ۲۰۰۶ء (۹) پیر فضل حق، ''اسلام اور مسلمانوں پر تشدد کا ناروا الزام'' روزنامہ جنگ کوئٹہ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۶ء (۱۰) منو بھائی، ''اسلام اور تلوار'' روزنامہ جنگ کوئٹہ ۷ اکتوبر ۲۰۰۶ء (۱۱) ایاز محمود رضوی، ''عالمی صورتحال اور مسلم امہ کا لائحہ عمل'' البلاغ جون ۲۰۰۶ء، ص ۳۱ تا ۳۷۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

پروفیسر رشید احمد قاسمی- بھمبر آزاد کشمیر

پورے عالم کے موجودہ مسائل:

ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر نہ کسی عیسائی کو شک ہے نہ کسی یہودی اور نہ ہی کسی مسلمان کو، مگر اس خالق کی تخلیق کردہ کائنات میں انسان نے شدید بدامنی اور تشدد کی فضا پیدا کی ہوئی ہے۔ کرہ ارض پر زمانہ قدیم سے طاقت کی حکمرانی رہی ہے۔ اسلام نے آ کر انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی اور اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام ولقد کرمنا بنی آدم سنا کر انسان کو عزت کی نوید سنائی۔ یہ نوید کسی خاص مذہب، گروہ، فرد یا جماعت کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے ہے۔

لیکن آج اقوام عالم اس نوید اور اعزاز کو شاید بھول چکے ہیں اور دنیا میں اکثر خطوں میں وہی طاقت کا قانون پھر سے لاگو نظر آ رہا ہے آج بھی قوی اقوام نے کمزور اور کم مراعات یافتہ انسانوں اور اقوام کو اپنے غلامی کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے تقریباً صدی قبل مختلف خطوں میں ممالک نے آزادی حاصل کی اور دنیا کے نقشہ پر بحیثیت آزاد ملک ظاہر ہوئے۔ لیکن تسلط اور دباؤ اسی طرح قائم ہے ایک وقت تھا جب روس اور امریکہ باہم مسابقت کی دوڑ میں تھے۔ اس وقت امن کی فضا آج کی نسبت بہتر تھی مگر سوویت یونین کے ٹوٹنے سے قوت کا توازن قائم نہ رہ سکا اور امریکہ تن تنہا ساری دنیا کی بڑی قوت بن گیا ہے۔ یوں قوت اور طاقت کے بے دریغ استعمال سے دنیا ایک خطرناک تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے۔

ویسے تو سامراجیت ہر کمزور ملک کو کھا جانے کی نظر سے دیکھ رہی ہے مگر زیادہ تر سامراجیت کا رخ اسلامی ممالک کی طرف ہے لیکن اسلامی ممالک کی طرف سے کوئی منظم جواب یا حکمت عملی وضع نہیں کی جا رہی ہے۔ فطرتاً مختلف جہادی گروہ نظریاتی جماعتیں تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق کہیں کہیں سامراج کا مقابلہ کررہے ہیں۔ حکمرانوں کو یا تو کرسی کی فکر لاحق رہتی ہے یا ان کے اندر قائدانہ صلاحیتوں کا فقدان ہے۔

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور چیلنجز:

دنیا کے تمام ممالک کی طرح امت مسلمہ بھی اس بے شمار مسائل اور چیلنجز سے نبرد آزما ہے۔ تہذیبوں کے ٹکراؤ اور جدّت پسندی کے عنوان سے ایک شدید ہیجانی کیفیت طاری ہے۔ ان حالات میں امت مسلمہ کو مخلص اور خداخوفی کی حامل قیادت کی شدید ضرورت ہے۔ جو اُمّتِ مسلمہ کو خوف اور ڈر کی فضا سے نکالنے اور سائنسی اور فنی ترقی کے میدان میں قوم کو لا کر مغرب کا مقابلہ کرے۔

اس وقت اُمّتِ مسلمہ جن بے شمار مسائل سے دوچار ہے ان میں چند بڑے بڑے چیلنجز درج ذیل ہیں۔

(1) متقی اور پرہیز گار قیادت کا فقدان
(2) معاشی ناانصافی اور غربت
(3) فنی تعلیم کی طرف عدم توجہی اور تربیت کا فقدان
(4) مذہبی انتہا پسندی
(5) امت مسلمہ میں باہمی اتفاق اور اتحاد کا فقدان

متقی اور پرہیز گار قیادت کا فقدان:

اس وقت پوری دنیا میں مادیت نے اپنے پرے پھیلائے ہوئے ہیں۔ اور اس کی زد میں اسلامی ملک بھی ہیں۔ خصوصاً اسلامی ممالک کے تقریباً سبھی سربراہان معاشی دباؤ میں ہیں۔ IMF اور ورلڈ بنک نے ایسا جکڑا ہوا ہے کہ کوئی ملک بھی اس قابل نہیں کہ غلامی کے اس جوتے کو اتار سکے۔ مادیت کے دباؤ کی وجہ سے مذہب کی گرفت دن بدن ڈھیلی ہو رہی ہے۔ اور عوام الناس اور حکمران طبقہ سے اللہ پر مکمل بھروسہ اور اسی کو عزت اور ذلت دینے والا سمجھنا، یہ اعتقاد دن بدن کم ہوتا جارہا ہے۔ انسان ایک پاکیزہ اور قابل عزت مخلوق ہے۔ لیکن اسے روزی اور روٹی کیلئے ذلیل اور رسوا کیا جا رہا ہے۔

مقام دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کا فرادا کا غمزہ خونریز ہے ساقی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمہاری اصل زندگی بعد الموت والی ہے۔ جس کیلئے حکمران نے بھی تیاری کرنی ہے اور رعایا نے بھی۔ مگر آج پوری مسلم امہ سوائے چند گنے چنے لوگوں کے صبح سے لے کر شام تک صرف دنیا کو سنوارنے کے پیچھے سرگرداں ہیں۔

۲۔ معاشی ناانصافی اور غربت:

امت مسلمہ کا دوسرا بڑا مسئلہ غربت اور معاشی عدم مساوات ہے۔ معاشی ناانصافی ایک ایسا محرک ہے جس سے بے شمار قباحتیں اور جرائم جنم لیتے ہیں۔ ایک حق دار کو جب حق نہیں ملے گا تو ایک وقت آئے گا جب اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا۔ پھر وہ اپنا حق لینے کیلئے دوسروں پر حملہ آور ہوگا۔ اس پورے اسلامی ممالک میں بعض ملک ایسے بھی ہیں جہاں جو لوگ فاقہ کشی پر مجبور رہو رہے ہی ں او ر چند ایسے ملک بھی ہیں جو ہزاروں بیرل پٹرول روزانہ گاڑیوں میں صرف کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں 1500 روپے ماہوار آمدنی والے تقریباً 46 فیصد ہیں اور 4000 سے اوپر آمدنی والے 9 فیصد ہیں۔ لیکن حکمرانی اور قیادت 9 فیصد والے کرتے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کے امیر ملک یا وہ ممالک جن کے پاس تیل کی دولت ہے اگر اکٹھے ہوکر ان ممالک کی مدد کریں جو IMF اور ورلڈ بنک یا امریکہ سے قرض لیتے ہیں۔ تو وہ ملک غربت کی چکی سے بچ سکتے ہیں۔ اس طرح ایک تو ان کی مدد ہوگی دوسرا ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع بھی مل جائے اور پھر اتحاد خود بخود وجود میں آئے گا۔

فنی تعلیم کی طرف عدم توجہی اور تربیت کا فقدان:

یہ دور سائنسی ترقی اور فنی عروج کا دور ہے۔ اُمّتِ مسلمہ جب تک جدید دور کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں نہیں اترے گی۔ دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ پوری اُمّتِ مسلمہ من حیث القوم ٹیکنیکل ایجوکیشن کی طرف اغماض برت رہی ہے۔ باصلاحیت نوجوانوں کو تحقیق اور کام کرنے کی سہولیات مہیا نہیں کی جارہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحقیقی ذہن رکھنے والے نوجوان سائنس دان ان ممالک کا رخ کرتے ہیں جہاں ان کو اچھا معاوضہ اور عزت ملتی ہے۔ یہ رویہ انتہائی خطرناک اور ناعاقبت اندیشانہ ہے۔ اُمّتِ مسلمہ وسائل کے لحاظ سے دنیا کی آبادی کا چوتھا حصہ ہے۔ اسلامی ممالک دنیا کے کل قدرتی ذخائر میں 25% کے مالک ہیں۔ تیل جیسی دولت کے 70% ذخائر صرف عرب ممالک کے پاس ہیں لیکن اوسط شرح خواندگی 20 سے 30 فیصد ہے۔

صرف جاپان میں ریسرچ کروانے والی جامعات اور ادارے تقریباً ایک ہزار کے قریب ہیں جبکہ اسلامی ممالک (سب میں) ایک ہزار کے قریب ایسے ادارے ہیں جو ریسرچ کروا رہے ہیں۔ عالم اسلام میں 10 لاکھ پر صرف ایک سائنس دان ملتا ہے اور امیر ممالک تعلیم پر بجٹ کا صرف 0.25 خرچ کر رہے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ منسلک جزاء تربیت ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انسان بڑا ڈاکو بن جائے۔ اسلام اس کے مخالف ہے۔ اسلام تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر زور دیتا ہے۔ تاکہ جو سائنس دان، محقق سامنے آئیں ان میں مذہب، ملک اور قوم کا درد موجود ہو۔ اور دو ملکی راز کسی قیمت پر فروخت نہ کریں۔ لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ تمام اسلامی ممالک باہمی تعاون سے نوجوانوں کو تحقیقی کام کرنے کی سہولیات مہیا کریں اور ان کو عزت اور اعلیٰ مقام دیں تاکہ مغربی دنیا کا مقابلہ جدید ہتھیاروں سے کیا جا سکے۔

4- مذہبی انتہا پسندی

مذہب دنیا میں امن و آشتی کا پیغام اور چارٹر ہوتے ہیں۔ مذہب ہی انسان کا احترام سکھاتا ہے۔ اگر مذہب کو ہتھیار بنا کر اختلافات اور تشدد اور انتہا پسندی کا رجحان پیدا ہوتا۔ اس سلسلہ ملک پاکستان میں گزشتہ کئی سالوں سے مختلف تنظیمیں کام کررہی ہیں جن کے نام پر تشدد اور دہشت گردی کے مظاہرے ہورہے ہیں۔ آج پوری مسلم امہ کو اس طرف توجہ دینی ہوگی کہ اسلام جو امن و سلامتی کا پیغام لے کر دنیا میں آیا اور پوری دنیا کو صلح کا پیغام دیا۔ کیا وجہ ہے کہ اس کے نام لیوا آج تشدد پر اتر آئے ہیں۔

5- امت مسلمہ میں باہمی اتفاق اور اتحاد کا فقدان

اس وقت مسلم امہ باہمی اتفاق و اتحاد سے بہت دور ہے۔ ہر ملک اپنے مفادات کیلئے کسی نہ کسی ملک کا کاسہ لیس بن چکا ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس کے دوران فرمایا کہ دنیا کے ایک ارب 3 کروڑ مسلمان آپس میں اختلافات کو ختم کر دیں تو ایک مضبوط بلاک بن سکتے ہیں۔ اور وہ بلاک امریکہ سے زیادہ قوی اور فعال ہوسکتا ہے۔
عراق میں جب صدر صدام برسراقتدار تھے تو ایران اور کویت کے ساتھ طویل جنگ لڑی اور بغیر وجہ کے ایران کی

سرحدوں پر کشیدگی پیدا کی۔ پھر کویت پر حملہ کیا۔ اس طرح امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو کویت میں مداخلت کا جواز مل گیا۔ عراق کو کویت سے نکلنا پڑا۔ نقصان کس کا ہوا؟ نقصان مسلم امہ کا ہوا۔ بالکل اسی طرح مغربی ممالک کبھی کسی کو آلہ کار بنا کر باہم لڑوا دیتے ہیں اور اپنے مخصوص مفادات حاصل کرتے ہیں۔ مسلم امہ کو یہ سوچنا ہوگا کہ بحیثیت مسلمان ہم سب ایک ہیں۔ تو پھر ہم سب کیوں ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکتے۔

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں:

حضور ﷺ نے عرب بلکہ پوری دنیا کی بگڑی ہوئی قوم کو صالح اور راست رو بنا دیا۔ آپؐ نے اپنی تعلیمات کی اساس اعتدال پسندی کے انسانی رویوں کو بنایا۔ نبی رحمتؐ نے کسی حال میں بھی جبر واستبداد کا سہارا نہیں لیا۔ آپ نے مخالفت کا جواب حلم و بردباری سے دیا۔ جاہلانہ انا کا جواب بے نفسی اورمتانت سے دیا۔ مکی زندگی میں مسلمانوں پر ظلم کا ہرحربہ آزمایا گیا نہ عظمت انسانی کا لحاظ رہا نہ ہم نسبی اور ہم وطنی کا۔ مگر نبی رحمتؐ ان رویوں کو جہالت اور بے اعتدالی کا مظہر گردانتے ہوئے رد کر دیا۔ ایک پرامن معاشرہ کے قیام کی تشکیل کیلئے آپؐ نے ثابت کر دیا کہ مسلمان ظلم کا بدلہ ظلم سے نہیں بلکہ ظلم کا ہاتھ روک کر لیتا ہے۔ مسلمان باہمی اختلاف تو کرسکتا ہے مگر عداوت نہیں۔

امت مسلمہ اس وقت جن مسائل سے دوچار ہیں۔ ان میں چند بڑے بڑے مسائل اور چیلنجز درج ذیل ہیں۔ ہم سیرت طیبہ کو رہنما بنا کر ان مسائل کا حل کر سکتے ہیں۔

-- باہمی اتفاق و اتحاد
-- مؤثر ابلاغ عامہ کی ضرورت
-- غربت اور معاشی بدحالی
-- تعلیم وتربیت
-- قیام عدل اور رواداری
-- موثر قیادت کی ضرورت...... قحط الرجال

باہمی اتفاق و اتحاد:

اس وقت امت مسلمہ کو جس چیز کی شدید ضرورت ہے وہ امت مسلمہ کا باہمی اتحاد ہے۔ اس اتحاد و اتفاق کا درس آپ ﷺ نے جب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست تشکیل پائی، دیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ علاقائی تعصبات کو چھوڑ کر اتحاد کی اساس حضورؐ کی ذات انور کو بنایا جائے۔ ان اباکم واحد۔ کی بنیاد کو مضبوط بنایا جائے۔

اس وقت امریکہ اور یورپ کے تابع فرمان مسلمان حکمرانوں نے اپنے ملک کو اس بری طرح علاقائی اور عالمی سیاست میں الجھا رکھا ہے کہ بظاہر اتحاد مشکل نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے کہا ہے کہ اگر اسلامی ممالک ایک بلاک بنالیں

اور اپنی کرنسی جاری کریں اور غریب ممالک کی مدد کریں تو امریکہ خود بخود غریب ہو جائے گا۔ اور مسلمان باہمی ایک فیصلہ پر اکٹھے ہوں گے۔

حضورﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے یہود سے معاہدہ کیا۔ اس کے بعد اطراف میں بسنے والے غیر مسلم قبائل سے صلح کے معاہدے کئے آپﷺ نے کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں جس سے اتحاد کو نقصان پہنچے۔ یہاں تک کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ بھی نامناسب سلوک نہ کیا۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی ہے جو نصف سطر ہے۔

نہ ہتھیار کو میان سے نکالا جائے گا اور نہ دھوکہ بازی کی جائے گی۔

اتفاق و اتحاد کی فضا اسی صورت میں پیدا ہو سکے گی جب ہم حضورﷺ کے بتلائے ہوئے اصولوں پر چلیں گے۔ آپ اتنی رواداری کا مظاہرہ کرتے کہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی احترام دیتے۔

آج ہم ایک دوسرے کو احترام دینا شروع کر دیں۔ رواداری کا مظاہرہ کریں اور جدِ واحد والے فلسفہ پر عمل کریں تو امت مسلمہ میں باہمی اتفاق و اتحاد کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ اور اتفاق و اتحاد کی وجہ سے دیگر درپیش مشکلات و خطرات ختم ہو سکتے ہیں۔ اگر امریکہ کو یہ علم ہو کہ میں نے ایران پر حملہ کیا تو 56 اسلامی ممالک سے میرے تعلقات صحیح نہیں رہیں گے تو وہ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایران کو چھیڑا جائے۔

افغانستان اور عراق کو تباہ کرنے کے بعد اب اگلا ہدف شام اور ایران نظر آ رہا ہے۔ لیکن دیگر اسلامی ممالک یا تو امریکہ کے حلیف بن چکے ہیں یا خاموش تماشائی ہیں۔ اسرائیل ایٹمی قوت بنتا ہے تو اسے اجازت ہے لیکن عرب ریاستوں کو ایٹمی قوت بننے کی پابندی ہے۔ لہٰذا جب تک سارے مسلمان یک جان نہیں ہو جاتے اس وقت تک سامراجیت کا مقابلہ ممکن نہیں۔ کاش مسلم ممالک کے حکمرانوں کو اس بات کا شعور دیا جائے۔

مؤثر ابلاغ عامہ کی ضرورت:

اس وقت دنیا میں میڈیا ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ اس وقت مغربی میڈیا پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کے گر سے مکمل طور پر واقف ہے۔ 9/11 کا واقعہ مسلمانوں کے خلاف سازش تھی۔ پانچ سال گذرنے کے بعد بھی اس سانحہ کی وجوہات کو تلاش نہیں کیا جا سکا۔ اور ابھی تک اس کی آڑ میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ عالمی میڈیا نے اسلام کو دہشت گرد کے طور پر پیش کیا ہے دنیا میں سب سے زیادہ خودکش حملے سری لنکا کے تامل ٹائیگرز کرتے ہیں مگر ان کے مذہب کو دہشت گردی سے منسلک نہیں کیا جاتا۔ مغربی میڈیا کا مقابلہ کرنے کے لیے اُمتِ مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ نیوز چینلز لانا ہوں گے۔ اور میڈیا کو مضبوط بنانا ہوگا تاکہ مغرب کے اعتراضات اور پروپیگنڈہ کا مؤثر اور بھرپور جواب دیا جا سکے۔

آپﷺ نے مدینہ پہنچ کر مختلف ممالک میں اسلامی وفود بھیجے اور ان تک اپنی تعلیمات پہنچائیں۔ اس دور میں ریڈیو اور TV تو موجود نہیں تھے۔ ایلچی اور مبلغ ہی یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے تھے۔ آپﷺ نے دنیا کے کونے کونے میں

اپنے مبلغ بھیجے اور ان کو دین کی دعوت دی۔ اس طرح اس دور میں یہ موثر ترین ذریعہ ابلاغ تھا۔

غربت اور معاشی بدحالی:

مسلم امہ کے بہت سے ملک انتہائی غریب ہیں۔ ایک تجزیہ کے مطابق غربت کی وجہ سے 20 فیصد بیماریاں بڑھ رہی ہیں۔ سانس کی بیماریوں کا تناسب 13 فیصد ہے۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلام نے تمام مسلمانوں کو جسد واحد کہا ہے۔ عراق اور افغانستان میں مجبوراً اور ضرورت مند پاکستان میں بسنے والے کا بھائی ہے۔ اس کی مدد اور معاونت کرنا اس پر ضروری ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے یہ سن کر ایک آدمی کو عوام کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ شریعت نے اسلامی ریاست کو تمام شہریوں کا والی قرار دیا ہے۔ سرپرستی اور ولایت کا تقاضا یہ ہے کہ ان افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے۔

اللہ ورسولہ مولی من لامولی لہ

السلطان ولی من لا ولی لہ

فقر اور غربت کے بارے میں مشکوۃ کی ایک حدیث ہے۔

کادالفقر ان یکون کفرا

تنگ دستی انسان کو بعض اوقات کافر بنا سکتی ہے۔

آج امت مسلمہ کے بہت سے ملک معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ جبکہ بہت سے ممالک عیاشیوں میں مصروف ہیں۔ انہیں احساس تک نہیں کہ ہمارے بھائی کس مشکل اور جبر سے وقت گذار رہے ہیں۔ حضور ﷺ کی حالت یہ تھی کہ وہ غیر مسلموں کی ضروریات کا بھی دھیان رکھتے۔ مکہ میں جب قحط پڑا تو روسائے قریش نے غلہ کی ترسیل کے لیے وفد بھیجا۔ آپ نے نہ صرف غلے کی ترسیل بحال کر دی بلکہ اپنی طرف سے ۵ سو اشرفی امداد بھی بھیجی۔ یہ تھا کا رویہ غیر مسلم اور ان لوگوں کے ساتھ تو جنہوں نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی بیت المال قائم کیا جائے۔ اس بیت المال سے غریب اور کم مراعات یافتہ ممالک کی مدد کی جائے اور بلاسود قرض دیا جائے تاکہ تمام مسلمان بھائی باوقار زندگی گزار سکیں۔

تعلیم کی طرف بھرپور توجہ خصوصی طور پر ٹیکنیکل تعلیم پر:

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ وہ حیات انسانی کے ہر پہلو کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ مسلمانان عالم نے جب تک تعلیم کو وظیفہ حیات بنائے رکھا وہ کامیاب رہے۔ عصر حاضر کا تقاضا سائنسی اور فنی تعلیم ہے۔ اس کا واضح ثبوت مغربی ممالک

کی ترقی ہے۔لیکن امت مسلمہ تمام تر وسائل اور سہولتوں کے باوجود سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔

1997ء میں برطانیہ کی وزارت عظمٰی کے امیدوار ٹونی بلیرڈ لندن میں قومی کنونشن میں اپنا منشور پیش کرتے ہوئے کہتا ہے وزیراعظم بننے کے بعد میری پہلی ترجیح تعلیم ہوگی۔ کیونکہ اس کی بدولت ماضی میں ہم نے دنیا کی رہنمائی کی۔ میری دوسری ترجیح تعلیم ہوگی کیونکہ اس کی بدولت ہم نے انسانیت کا دامن مختلف ایجادات سے بھر دیا۔ میری تیسری ترجیح بھی تعلیم ہوگی۔ میری چوتھی ترجیح بزرگ شہری ہوں گے۔ میں ان چاروں ترجیحات کے لیے ٹیکس لگاؤں گا جبکہ اس کے مخالف امیدوار ٹیکس کم کرنے کا وعدہ کر رہے تھے۔ٹونی بلیئر جیت گیا۔ آج وہ ملک سائنسی لحاظ سے دیگر ممالک کے لیے نمونہ ہے۔

کیا مسلم ممالک میں بھی کبھی ایسے ہوا؟

ہم تعلیم کی طرف سے مجرمانہ تغافل برت رہے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو درست نہ کیا تو حالات سب کے سامنے ہیں۔علم مومن کی میراث ہے۔ علماء کو ہی انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے علم کی تلاش، تحقیق اور جستجو مسلمان امت کی شناخت ہے۔ امت مسلمہ کو جہالت کی تاریکی سے ایسے ہی نکلنا ہوگا جیسے عرب کا معاشرہ ہدایات نبوی ﷺ کی روشنی میں تاریکی سے نکلا، تاریخ گواہ ہے کہ حالت جنگ میں مسند علم بچھا دی گئی اور مکہ کے اسیروں سے فروغ علم کا کام لے لیا گیا۔

موجودہ دور میں جدید علوم کی تدریس کے بغیر تصور جہانگیری اور جہانبانی خام خیالی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ سائنسی وتکنیکی علوم کے لیے محنت کی جائے ایک مربوط تعلیمی نظام جو امت مسلمہ کے ہرگروہ کی کفالت کرے وقت کی آواز ہے۔ امت مسلمہ کے تمام ملک مل کر تحقیقی ادارے قائم کریں اور پھر ہر ملک کے ذہین نوجوانوں کو وہاں تعلیم وتربیت دیں تاکہ مغربی ترقی کا وافی اور کافی جواب دیا جا سکے۔ امت مسلمہ کو اپنے بجٹ کا ایک خاصا حصہ سائنسی تعلیم کے لیے وقف کرنا ہوگا تاکہ ہمارے نوجوان جدید ہتھیاروں سے لیس ہوکر میدان عمل میں اتریں۔

عادلانہ نظام کا قیام۔۔۔اور باہم رواداری:

اسلام عالمی طور پر عدل اور عادلانہ نظام قائم کرنے کا مدعی ہے۔ چاہے کوئی اپنا ہو یا پرایا اسلام اس کے ساتھ عدل کے برتاؤ کا تقاضا کرتا ہے۔ امت مسلمہ کا دووئی بھی عدل قائم کرنا ہونا چاہیے۔

قرآن مجید میں ۴۳ مقامات پر عادلانہ نظام قائم کرنے کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ

وَاِذَاحَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ.

اسلام قیام عدل کے لیے ہر شخص سے تعاون کرنے پر زور دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى. وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُالْعِقَابِ

اسلام نے معاشرہ کو ایسا عادلانہ نظام دیا ہے جسے بغض اور عناد میڑھا نہیں کر سکتے۔

اس وقت امت مسلمہ کو ایک باہمی عادلانہ نظام رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ آج افغانستان پاکستان پر الزام لگانے سے کوئی موقع خالی جانے نہیں دیتا۔ جبکہ افغانستان کی موجودہ حکومت کے قیام میں پاکستان نے کتنی بڑی قربانی دی ہے۔

اس کا دوسرا حصہ رواداری کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اور ایک ملک دوسرے ملک کو اپنے پیمانے سے ماپے گا تو بات نہیں بنے گی۔ ذہن میں یہ خیال ہونا چاہیے کہ ہم نے کسی صورت بھی اپنے مسلمان بھائی ملک کو اپنے سے جدا نہیں کرنا ہے۔ تو ایسی صورت میں بعض تلخ اور کڑوی باتیں بھی معاف کرنا پڑیں گی۔ آپ ﷺ کی زندگی رواداری سے بھری پڑی ہے۔

امت مسلمہ باہمی رواداری اور عدل کا مظاہرہ کرنے کا اہتمام کرے تو ایک بہت بڑا مسلم بلاک وجود میں آ سکتا ہے۔ اور وہ بلاک اتنا مضبوط اور مؤثر ہو سکتا ہے کہ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے۔ خدا کرے ہمیں اس بات کا احساس ہو جائے کہ ہم ہماری بقا اور ترقی قیام عدل اور رواداری میں ہے۔

مؤثر قیادت کی ضرورت:

کسی ملک کی قیادت جب تک صحیح اور مخلص نہیں ہوگی اس وقت تک وہ ملک ترقی نہیں کر سکے گا۔ اس وقت امت مسلمہ کے اکثر حکمران اپنے عوام کے خلاف مغربی سازش کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ آج کے ہمارے حکمرانوں میں اکثر ذاتی مفادات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ قائدانہ صلاحیتوں سے یکسر عاری۔ گذشتہ صفحات میں جن امور پر ہم نے بحث کی ہے وہ معاش ہو یا تعلیم، قیام عدل ہو یا رواداری سب حکمرانوں کی مرہون منت ہیں۔ قحط الرجال کا دور ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں درج ذیل چند اوصاف جو ایک حکمران میں ہونے چاہیے لکھے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین:

ہمارے حکمران طبقہ میں خدا پر اعتماد کم ہے اور امریکہ پر زیادہ ہے۔ جب حکمرانوں کا رخ مغرب کی طرف ہو تو پھر اصلاح کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

وہ لوگ جو اللہ کو حقیقی معنوں میں رب مانتے ہیں ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں لیکن آج ہمارے اکثر حکمران لفظی طور پر تو خدا کو رب مانتے ہیں لیکن حقیقی طور پر وہ کسی اور قوت اور طاقت کو رب مان رہے ہوتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں ایک خوبصورت واقعہ لکھا ہے کہ ایرانی سپہ سالار رستم نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے درخواست کی کہ کسی آدمی کو بھیجیں تاکہ ہم اسلام کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرسکیں۔ آپ نے ربعی بن عامرؓ کو بھیجا۔

رستم نے بڑا خوبصورت دربار سجایا۔ سنہری تکیے، ریشمی فرش، خود تاج پہن کر سونے کے تخت پر بیٹھا۔ حضرت ربعی بن عامرؓ دربار میں داخل ہوئے اور رستم کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ ہم کو اللہ نے بھیجا ہے کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کی غلامی میں لائیں۔ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت اور کشادگی کی طرف لائیں۔

سارے درباری حیران تھے کہ ایک بدو کتنی بے تکلفی اور پراعتماد لہجے میں بات کر رہا ہے اور اس کے لیے تاج و تخت کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اہواز کا حکمران ہرمزان جب قید ہو کر آیا تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی ﷺ میں چٹائی پر سو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو آپؓ نے جو لباس پہنا ہوا تھا اس میں دس سے زیادہ چمڑے کے پیوند لگے تھے۔ ساتھیوں نے کہا کہ آپ اپنا کرتہ بدل لیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میری جو عزت ہے وہ اسلام کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ لباس کی وجہ سے۔ آج ہمارے حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ صبح اور لباس پہنیں گے اور شام کو اور، تب عزت ہو گی۔ حالانکہ ایک مسلمان کی عزت صرف اور صرف اسلام کی وجہ سے ہے۔

حکام کا خود کو خادم سمجھنا اور خزانہ کا امین سمجھنا:

اسلام نے حکمران کو سید القوم خادمھم کا رہنما اصول دیا ہے۔ وہ قومی خزانے کا مالک نہیں ہوتا بلکہ امین اور چوکیدار ہوتا ہے۔ آج کے حکمران بیرونی دوروں پر کروڑوں کے حساب سے خرچ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ درجنوں ان کے اہالی وموالی ہوتے ہیں۔ مہنگے ہوٹلوں میں قیام اور مہنگا سفر۔ یہ کام خادم کا نہیں ہوتا۔ حکمران تو قومی خزانہ کا امین ہوتا ہے۔

امت مسلمہ کے حکمران آج بھی خود کو عوام کا حقیقی معنی میں خادم سمجھنا شروع کر دیں اور قومی خزانہ کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھے تو امت مسلمہ میں انقلاب آ سکتا ہے۔ آج اگر ایران کے صدر محمدی نژاد ایک عام آدمی ہیں۔ ان کی باتوں میں کتنی صداقت اور حقیقت نظر آتی ہے۔

جرأت اور بے باکی:

مسلمان حکمرانوں میں حق گوئی اور بے باکی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت کے حوالہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان حکمران ہمیشہ جرأت کا مظاہرہ کرتے رہے چاہے ان کو اس کی کتنی ہی قیمت نہ ادا کرنا پڑی۔ لیکن آج ہمارے اکثر حکمران جرأت اور بے باکی سے عاری ہیں۔ آج امت مسلمہ کے سامنے جو حالات و واقعات پیش آ رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ اسرائیل فلسطینیوں پر ظلم ستم کرتا رہا مگر کوئی بھی غریب فلسطینیوں کی مدد کیلیے آگے نہیں بڑھا۔ جس کی وجہ سے وہاں تحریک انتفاضہ نے جنم لیا۔ اور جب فلسطینیوں نے ہتھیار اٹھائے تو ان کو دہشت گرد قرار دیا گیا۔

امریکہ کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں اپنے شہریوں کی ہلاکت تو یاد ہے مگر فلسطین افغانستان، عراق، کشمیر میں بے گناہ مسلمانوں کے مارے جانے کا کوئی احساس نہیں ہے۔ امریکہ کو وہ جمہوریت پسند ہے جس میں اس کا مفاد ہو۔ حماس اگر جیت جائے تو وہ جمہوریت نہیں۔ مسلم امہ کے حکمرانوں کو جو کچھ مغربی دنیا مسلمانوں سے کرا رہی ہے اس کا برملا اظہار کرنا چاہیے۔ مگر ہمارے حکمرانوں کو ذاتی مفاد عزیز ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے لاہور پریس کانفرنس کے دوران کہا کہ مجھے بنیاد پرست ہونے پر فخر ہے۔ انہوں نے مزید تجویز دی کہ تمام ملک ایٹمی ہتھیار تلف کر دیں تو دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے بارے میں سوچنا ہو گا کہ ہم ان سے کس طرح عہدے برآ ہو سکتے ہیں۔ امت مسلمہ کے حکمرانوں کو یہ پیغام سن لینا چاہیے۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر ۔۔۔ کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

خلاصہ کلام:

تمام معروضات کا خلاصہ ان چند الفاظ میں سمویا جا سکتا ہے کہ اگر حکمرانوں کے اندر جوہر ہو تو وہ امت مسلمہ کے جملہ مسائل کا حل کر سکتے ہیں۔ غربت کو دور کر سکتے ہیں۔ معاشی استحکام آ سکتا ہے۔ دہشت گردی ختم ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر حکمران قائدانہ صلاحیتوں سے عاری ہوں تو پھر......

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مل کر سیرت طیبہ کی رہنمائی میں درپیش مسائل اور چیلنجز کا تدارک کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

کتابیات

ابن تیمیہ	الامام تقی الدین احمد	السیاسۃ شریعۃ فی اصلاح الراعی والراعیۃ	بیروت
ابن حجر	العسقلانی	فتح الباری شرح بخاری	الریاض
ابن خلدون	عبدالرحمٰن	مقدمہ ابن خلدون	بیروت
اب قیم	شمس الدین	زاد المعاد	مصر
ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل	تفسیر ابن کثیر	لاہور
//	//	البدایۃ والنھایۃ	القاہرہ
الوسف	یعقوب بن ابراہیم	کتاب الخراج	مصر
حسن	ابراہیم	مسلمانوں کا نظم مملکت	کراچی
عبدالرزاق	عبدالرزاق	مصنف	بیروت
علی المتقی	الشیخ علامہ	کنز العمال	بیروت
الدھلوی	شاہ ولی اللہ	حجۃ البالغۃ	لاہور
قطب	سید محمد	اسلام میں عدل اجتماعی	لاہور
عودہ	عبدالقادر	اسلام کا فوجداری نظام	لاہور
ماوردی	ابوالحسن	الاحکام السلطانیہ	لاہور
منیر	ازھر منیر	بین الاقوامی واقعات	لاہور
حمید اللہ	ڈاکٹر حمید اللہ	رسول اکرم کی سیاسی زندگی	کراچی
//	//	خطبات بہاولپور	بہاولپور
الھاشمی	ڈاکٹر محمد طفیل	امام ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ	اسلام آباد
//	//	تدوین طقات	لاہور
مودودی	ابوالاعلیٰ	اسلامی ریاست	لاہور
صدیقی	نجات اللہ ڈاکٹر	؟؟؟ کا نظریہ مملکت	لاہور
سوہاروی	حفظ الرحمٰن	اسلام کا اقتصادی نظام	لاہور

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد سلیم الدین۔ گوجرانوالہ

مسلمانوں کا عروج و زوال تاریخ کے طالب علم کے لیے اپنے اندر ایک وسیع دلچسپی رکھتا ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں نے بے حد ترقی کی اور تقریباً آدھی سے زائد دنیا پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ اس وقت مسلم امہ کو ایک برتر طاقت کی حیثیت حاصل تھی۔ مسلمانوں نے ہر لحاظ سے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ وہ تاریخ کے صفحات میں رقم ہو گئے۔ مسلمانوں سے بالمقابل دنیا کی دوسری قوموں نے ان کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے زندگی بسر کرنے کے لیے جو فلسفہ اور انقلابی تصور بنی نوع انسان کو عطا فرمایا، آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی اس کی بنیاد پر ایک معاشرہ اور ریاست قائم کر کے دکھا دی۔ یہ ایک ایسا خاصہ ہے جو دنیا میں کسی اور شخص کو حاصل نہیں ہوا ہے۔ اور نہ تاقیامت حاصل ہو گا۔ مشاہیر عالم نے دنیا کو نظری طور پر بہت سے فلسفے اور انقلابی تصورات فراہم کیے لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے تصورات و نظریات کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مستشرقین اپنے متعصبانہ اور معاندانہ رویے کے باوجود آپ ﷺ کی عظمتِ انسانی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اسلام کی انقلابی دعوت کا آغاز دنیا کی تمام تہذیبوں سے الگ تھلگ اودی فاران میں ہوا۔ رب کریم نے اس دعوت کو پروان چڑھانے کے لیے تمام اسباب مہیا فرما دیے تھے۔ اس حقیقت کا ثبوت تاریخ سے مل چکا ہے کہ آنحضور ﷺ سے پہلے کسی بھی ریاست یا حکومت کا کوئی دستور یا آئین پیش نہیں کیا تھا۔ اگرچہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یونان اور ہندوستان میں حکومت اور شہری حقوق کے متعلق چند ایک دستاویزات موجود تھیں۔ تاہم ان کی اہمیت صرف علمی طور پر ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ پیغمبر انقلاب حضرت محمد ﷺ نے ہی دنیا کو سب سے پہلے آئین و قانون اور حقوق انسانی کا ادراک بخشا۔ بعثت کے بعد تیرہ سال آپ ﷺ نے مکہ میں گذارے جو جہد مسلسل سے تعبیر ہیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے کامل دس سال مدینہ منورہ میں گذارے اور پھر یہیں سے فتح مکہ کا قافلہ چلا اور اسلام سربلند ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہی دنیا کی پہلی آئینی و قانونی ریاست تشکیل دی۔ آپ ﷺ کی مراجعت رفیق الاعلیٰ کے چند سال بعد ہی مسلمانوں نے اپنی بے مثال فتوحات کی بدولت دنیا کے مختلف حصوں میں اپنی ریاست کو وسعت دے دی۔ مسلمان اس تیز رفتاری سے اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے جا رہے تھے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوئے انہوں نے مشرق و مغرب میں اپنی حکومت و مملکت کی حدیں وسیع کر لیں۔

ایک امہ کی حیثیت سے مسلمانوں نے نہ صرف سیاسی طاقت وقوت حاصل کی بلکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ نظریات بھی فراہم کیے۔ عقائد و فقہ، اخلاقیات و سیاسیات، علوم وفنون، فلسفہ و اصولِ قانون، ایجادات و اختراعات، تربیت نفس اور نظام اخلاق کے بارے میں انہوں نے اپنی ذہنی ودماغی جدوجہد کے ایسے نمونے پیش کیے جن سے دنیا آج تک

رہنمائی حاصل کر رہی ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا مورخ بھی اپنے متعصبانہ رویے کے باوجود مسلمانوں کے اس روشن دور کو جھٹلانے کی ہمت نہیں رکھتا ہے۔

اس شاندار ماضی کی حامل مسلم امہ کے مسلمانوں کی موجودہ حالت نہ صرف دگرگوں ہے بلکہ قابل افسوس بھی ہے۔ مسلمان تعداد میں ایک ارب سے زائد ہیں اور مسلم امہ ستاون سے زائد ممالک پر مشتمل ہے لیکن علم وعمل، ایمان و ایقال اور روحانی و اخلاقی اعتبار سے ان کی پستی کا کوئی عالم نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ و میدان میں مسلمان انفرادی و اجتماعی طور پر دوسری اقوام سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ جہالت و غلامی، سائنسی پسماندگی، اخلاقی اقدار کی پستی، معاشی ونظریاتی غلامی اور ملی انتشار کا ہر سو دور دورہ ہے۔ مسلم امہ کے پرعروج شاندار ماضی اور موجودہ دور کی پستی وتنزلی دیکھ کر ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے مسلم امہ میں تنزلی کا سفر شروع ہوا۔ ان اسباب کے ساتھ ساتھ مسلم امہ کو موجودہ دور میں ایسے بے شمار مسائل کا بھی سامنا ہے جو اس کی ماضی کی عظمتِ رفتہ واپس لانے میں رکاوٹ ہیں۔ ان بے شمار مسائل میں سے چند ایک کا مختصراً ذکر درج ذیل ہے۔

اُمتِ مسلمہ کے موجوہ مسائل:

اُمتِ مسلمہ، مسلمانوں کی ملت وحدت کا نام ہے۔ اُمت مسلمہ کی تشکیل عام طور پر قوم اور نیشن کے معنی سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ یہ رنگ ونسل، زبان وقوم اور جغرافیائی حدود جیسی بنیادوں سے ماوارء ہوتی ہے۔ اُمتِ مسلمہ کی تشکیل کی بنیاد صرف ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب پر ایمان لانے سے بنتی ہے۔ دنیا کے ایک خطے میں رہنے والا مسلمان، دنیا کے دوسرے خطے میں رہنے والے مسلمان سے صرف اسی بنیاد کی وجہ سے جڑا ہوا ہے۔ رنگ ونسل، زبان وقوم اور جغرافیائی حدود کا فرق اس بنیادی تعلق کو ختم نہیں کر سکتا ہے۔ مسلم امہ کو انہی اوصاف کی بنا پر دوسری اقوام سے قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

شاعر مشرق حضرت اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مسلم امہ پری دنیا میں ایک منفرد برادری ہے۔ اس ملت کی اساس اشتراک عقیدہ ہے۔ پوری مسلم امہ ایک جسد واحد کی مانند ہے۔ ایک جگہ کا درد دوسری جگہ محسوس ہوتا ہے اور اس کا ردعمل بھی ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے اس حقیقت کو واضح فرما دیا تھا کہ اسلام قیدِ وطن سے آزاد ہے۔ مسلم اُمہ کی بنیاد وطن کی بجائے دینی اشتراک ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اُمتِ مسلمہ کے حالات دیکھیں تو ہمیں چند مسائل ایسے نظر آتے ہیں جو موجودہ زمانے میں اُمتِ مسلمہ کو درپیش ہیں۔

جہالت وغربت:

مسلم امہ کے چند ممالک کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک اس مسئلے کا شکار ہیں۔ ملائیشیا، پاکستان، ترکی، ایران اور مصر

میں شرح خواندگی کچھ تسلی بخش ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کی اکثریت جہالت وغربت کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہے۔علم وحکمت بہت سے مسائل کا حل ہیں۔ وسائل کی کمی کے باوجودعلم وحکمت اورعقل مندی سے ان سے زادہ استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی علم وحکمت اورعقل مندی سے ان سے زیادہ استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی علم وحکمت مومن ومسلمان کی متاعِ گمشدہ ہے۔مسلم ممالک کو رب کریم نے قدرتی وسائل کا ایک کثیر حصہ عطا کیا ہے۔ ان وسائل کو ڈھونڈ کر استعمال کرتے ہوئے ساری جہالت وغربت دور ہوسکتی ہے۔ جہالت وغربت کے اندھیرے غیروں کی وجہ سےنہیں ہیں بلکہ خود ہماری اپنی غفلت ولاپرواہی سے ہیں۔

فرنگی انداز سیاست:

فرنگی اندازِ سیاست مسلم امہ کے اتحاد کے لیے زہر قاتل ہے۔کم وبیش ہرمسلم ملک نے اسی انداز سیاست کو سینے سے لگایا ہوا ہے۔فرنگی ومغربی سیاست نے قومیت کے موجودہ تصور کو پیش کیا ہے۔یہ تصور ملتِ اسلامیہ کے بنیادی عقیدے کے خلاف ہے۔ اسلامی تصور کے مطابق تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسی مغربی سیاست نے مسلمانوں کے اندر جذبہ قومیت کو زیادہ ابھارا ہے۔مسلم امہ میں قومیت کے تصور نے اتحاد اُمّت کو شرمندۂ تعبیر ہونے سے روکا ہوا ہے۔ اسلام کے سارے دمنوں نے ہمیشہ مسلم اتحاد کے جذبے کو پارہ پارہ کرنے کی کوششیں کی ہی۔صلیبی جنگوں کے آغاز سے لے کر آج تک اہلِ فرنگ اسی تگ ودو میں ہیں۔اہل فرنگ نے ہرزمانے میں اور ہرطریقے سے وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے کوئی کسرنہیں چھوڑی ہے۔ دوسری طرف مسلمان اپنی اسلامی برادری سیکٹ کر اپنے اتحاد کو کمزور کرتے گئے۔ خارجی ریشہ دوانیوں او رداخلی کمزوریوں کے باعث آج کے مسلمان کمزور اور ندھال ہیں۔ اپنی اصلی اورصحیح تعلیم بھول کر مسلمان ساری دنیا کے سامنے تماشہ بنے ہوئے ہیں۔ ایران وعراق کے بے مقصد دس سالہ طویل جنگ ،سعودی عرب ویمن کا سرحدی تنازعہ، عرب وعجم کے تنازعات مسلم ممالک کے درمیان ویزے اورآمد ورفت کی سخت ترین پابندیاں اور آپس کی شکر رنجیاں، انتشارِ اُمّت کی واضح مثالیں ہیں۔

اقتصادی ناہمواری اورسودی نظامِ معیشت:

قدرتی وسائل کا تقریباً ستر فیصد حصہ مسلم ممالک کے پاس ہے۔عرب ممالک تیل جیسے دولت سے مالا مل ہیں۔ دیگر ممالک کے پاس معدنیات، قدرتی اجناس قیمتی دھاتوں اور دیگر زیرِ زمین بے شمار دفینوں کے ذخائر موجود ہیں۔ اس تمام تر قدرتی وسائل کی فراوانی کے باوجود زیادہ تر مسلم اُمّت کے ممالک اقتصادی ناہمواری کا شکار ہیں۔لوگوں کو زندگی کی بنیادی سہولیات میسرنہیں ہیں۔صحت وصفائی کے مسائل اپنی جگہ پر ہیں۔ امیر طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے ارغریب طبقہ غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ کساد بازاری اور افراطِ زر وروں پر ہے۔ دولت کا ارتکاز ایک طبقے کے پاس ہے۔ اسی کے پاس زیادہ وسائل کا قبضہ ہے۔ علاوہ ازیں امیر ممالک اپنی دولت کومسلم امہ میں تقسیم کرنے کی بجائے غیرملکی بینکوں میں جمع کروا کر اُن کی معیشت کو سہارا دیے ہوئے ہیں اورسودی نظامِ معیشت کو فروغ دے رہے ہیں۔ سائنس وٹیکنالوجی میں پس ماندگی

کی وجہ سے مسلم امہ کے قدرتی وسائل پر عملاً غیر ملکی تسلط ہے جس سے مسلم اُمّت کا مزید اقتصادی استحصال ہو رہا ہے اور امہ یہ استحصال کروانے پر مجبور ہے۔ تمام غیر ملکی بینکوں کا کاروبار زیادہ تر مسلم ممالک کے سرمائے سے چلتا ہے۔ مذکورہ بینکوں میں سے زیادہ تر بینک یہودیوں کی ملکیت ہیں۔ اس طرح مسلم امہ کا سرمایہ غیر ملکی سودی معیشت کے فروغ میں ممدومعاون ثابت ہو رہا ہے۔ یہی سرمایہ اگر مسلم امہ کے مابین معیشت کے فروغ کے لیے استعمال ہو تو مسلم امہ کی ساری غربت، کساد بازاری، افراطِ زر، اقتصادی ناہمواری و غیر ملکی قرضے چشم زدن میں ختم ہو جائیں۔

غیر ملکی ثقافتی یلغار و تسلط:

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کی اپنی الگ اقدار ہیں۔ بہت سی اقدار اور روایات جو مغربی تہذیب و ثقافت کا خاصہ ہیں وہ اسلامی معاشرے میں ممنوع ہیں۔ موجودہ دور میں مسلم اُمتِ کی اکثریت غیر ملکی ثقافتی یلغار اور تسلط کا شکار ہیں۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلم اُمّتِ کو مغربی و غیر اسلامی ثقافت و تمدن کا دلدادہ بنایا جا رہا ہے۔ مسلم معاشرے میں بے حیائی، روشن خیالی اور مادر پدر آزادی کو فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ مسلم تہذیب و ثقافت اپنی الگ اور جداگانہ حیثیت برقرار نہ رکھ سکے۔ مزید براں مسلم امہ کے افراد اپنی روایتی شرم و حیا اور اسلامی اقدار سے دور ہوتے جائیں۔

اُمتِ مسلمہ زندگی کے اہم شعبوں سے متعلق غیر اسلامی و مغربی نظریات پر عمل پیرا ہے۔ نظامِ ریاست و حکومت، نظامِ معیشت نظامِ تعلیم اور تہذیب و ثقافت میں غیر ملکی و مغربی اور غیر اسلامی نظریات کی چھاپ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ بیشتر مسلم ممالک کے نصابِ تعلیم مغربی نظریات سے ہم آہنگ ہیں۔ نصابِ تعلیم سے اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کو نکالا جا رہا ہے۔ ان تمام اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کے جسں واحد سے ان کی اسلامی روح نکال کر اسے یک تن مردہ بنا دیا جائے جو راکھ کا ڈھیر بن جائے اور یوں ایک بہترین اور وسطی اُمّت کو ناکارہ بنا کر اسے ذلیل و رسوا کیا جائے۔

مسلم امہ ستاون سے زائد مسلم ممالک پر مشتمل ہے۔ کہنے کو تمام ممالک آزاد و خود مختار ہیں لیکن عملاً یہ مجبور و محکوم ہیں۔ ان ممالک کی خارجی و داخلی معاشی و تجارتی اور دوسری اہم پالیسیاں غیروں کی رہینِ منت ہوتی ہیں۔ تمام وسائل پر غیر ملکی تسلط قائم ہے۔ کوئی ملک بھی معاشی طور پر آزاد نہیں ہے۔ سودی اور یہودی معیشت نے ہر اسلامی ملک کو اپنے شکنجے میں کسا ہوا ہے۔ مسلم امہ کے ممالک برادر اسلامی ملکوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کی بجائے سامراجی، امریکی، ہنود و یہود اور دیگر غیر اسلامی ممالک کے مفادات کا تحفظ کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ صورت حال پیدا ہونے میں جہاں غیروں کی عیاری کارفرما ہے وہاں اُمّتِ مسلمہ کی اپنی سادگی اور خود فریبی بھی ممدومعاون ہے۔ امہ اپنے ہر مسئلے کے حل کے لیے دوسروں کی دستِ نگر ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل ختم کرنے کے لیے غیروں پر بھروسہ کرنا اور اپنے دور کا زِدماں حاصل کرنا حماقت و بیوقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

سائنس وٹیکنالوجی میں پسماندگی:

علم وحکمت کو مومن کی متاع گمشدہ کہا گیا ہے۔ اسلام علم، غور وفکر اور تدبر پر زور دیتا ہے۔ فہم وفراست مسلمان کا خاصہ ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح مسلمانوں نے اپنے شاندار دورِعروج میں سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں بھی بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ اس وقت پورا یورپ اور مغرب جہالت کے تاریک دور سے گذر رہا تھا۔ بلکہ اس عہد کو یورپ کا تاریک دور ہی کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے سائنس کی ہر شاخ میں بے شمار کامیابیاں حاصل کیں۔ یہ دور مسلمانوں کی سائنسی ترقی کے عروج کا دور کہلاتا ہے۔ موجودہ دور کی سائنسی ترقی کی بنیادیں مسلمانوں نے ہی رکھیں۔

اُمّتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل میں سائنس وٹیکنالوجی میں پس ماندگی بھی ہے۔ اسی پس ماندگی کی وجہ سے اُمّتِ مسلمہ اپنے تمام قدرتی وسائل کو نہ صحیح طور پر دریافت کرسکی ہے اور نہ اُن کا مناسب استعمال کرسکتی ہے۔ بے شمار قدرتی وسائل ہونے کے باوجود اُمّتِ مسلمہ دوسروں کی دست نگر ہے۔ جہالت اور غربت کی ایک بنیادی وجہ سائنس وٹیکنالوجی میں تنزلی اور پسماندگی ہے۔ پاکستان، ترکی، مصر، ملائیشیا اور ایران جیسے ممالک نے سائنس وٹیکنالوجی کی کچھ ابتدائی منازل طے کی ہیں تاہم اس سلسلے میں بہت سا سفر طے کرنا باقی ہے۔ پاکستان نے اپنے دستِ بازو اور وسائل سے ایٹمی ٹیکنالوجی میں کمال حاصل کیا ہے۔ تاہم اس کو مسلم امہ کی متاع مشترکہ بننے نہیں دیا جا رہا ہے تاکہ امہ کے دیگر ممالک اس توانائی سے استفادہ حاصل نہ کرسکیں۔ سائنس وٹیکنالوجی میں دسترس حاصل کر کے مسلم امہ نہ صرف اپنے کافی مسائل ختم کرسکتی ہے بلکہ ترقی کی منازل بھی طے کرسکتی ہے۔

آمریت وشخصی حکمرانی:

آمریت اور شخصی انداز حکمرانی بھی اسلامی امہ کے لیے ایک بڑا مسئلہ ہے۔ طاغوتی طاقتیں مسلم امہ کے ممالک میں آمریت اور شخصی انداز حکمرانی کی حمایت کرتی ہیں۔ اس طرح ان کے اپنے مفادات فرد واحد کی منظوری سے پورے ہو جاتے ہیں۔ آمریت اور شخصی حکمرانی کسی بھی قوم کو کمزور بنا دیتے ہیں۔ آمریت حریت فکر کو ختم کر دیتی ہے اور ملک وقوم جمود کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عوام اپنے آپ کو کاروبار مملکت وحکومت سے الگ تھلگ سمجھتے ہیں۔ آمریت میں حقوق انسانی کی پامالی ہوتی ہے۔ اسلام نے دنیا کو جو حقوق انسانی کا ادارک بخشا ہے اور تقدیس انسانیت کی تعلیم دی ہے آمریت ان کی نفی کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عوامی تائید کے بغیر حکمرانی کرنا قطعی طور پر ممنوع ہے۔ اسلام میں شخصی انداز حکمرانی بھی ممنوع ہے۔

اسلامی امہ کے مختلف ممالک آمریت کا شکار ہیں۔ کئی ممالک میں فوجی آمریت ہے تو دوسرے ممالک میں خاندانی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے۔ خود وطن عزیز پاکستان میں آدھے سے زائد عرصے میں فوجی آمریت رہی اور درحقیقت باقی ماندہ سول حکومت کے پس پردہ بھی فوجی آمریت ہی کارفرما رہی ہے۔ کسی بھی ملک کے لیے آمریت سے بڑی کوئی اور مصیبت ومسئلہ نہیں ہے۔ آمریت اپنے کسی قول وفعل کے لیے جواب دہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے فیصلوں کے

لیے کسی منظوری کے پابند ہوتی ہے۔

درپیش چیلنجز:

اسلامی امہ کو دین اسلام اور اس کے شعار کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے ہر دور میں مختلف قسم کے مسائل و چیلنجز درپیش رہے ہیں۔ کبھی اسلام کو متشدد ظاہر کیا جاتا ہے تو کبھی پیغمبر اسلام کی ذاتِ اقدس پر رکیک حملے کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات قرآنِ حکیم کی تدوین و ترتیب میں شکوک و شبہات ڈالے جاتے ہیں۔ تحاریک آزادی اور جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اسلام کو مسلمانوں کے دل سے اترانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں میں غلط فکری نظریات، عریانی و فحاشی اور بے راہ روی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

موجودہ دور میں ان چیلنجز کی شدت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ طاغوتی طاقتیں اسلام اور اسلامی شعائر کو مسلم امہ میں متنازعہ بنا رہی ہیں۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پیغمبر اسلام اور اسلام کی توہین کی جا رہی ہے۔ مسلم امہ کے جہاد او تحاریک آزادی کو دہشت گردی قرار دیا جا رہا ہے۔ بحمد تعالیٰ مسلم امہ کے علماء اور سکالرز نے نظری، فکری اور عملی پہلو کے اعتبار سے ان مسائل اور چیلنجز کا نہایت ہی خوش اسلوبی سے جواب دیا ہے۔ دلاول کو بہتر دلائل سے شکست دی ہے۔

چند اہم چیلنجز کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

توہین رسالت اور توہینِ اسلام:

مسلم امہ کو درپیش سب سے بڑا اور چیلنج توہینِ رسالت اور توہینِ اسلام ہے۔ تصورِ رسالت اسلامی معاشرے کی شیرازی بندی کرتا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی عظمت، محبت اور عشق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ایک ادنی سے ادنی مسلمان بھی ناموسِ رسالت کو اپنی جان سے زیادہ مقدم رکھتا ہے اور یہ ایمان کی نشانی ہے۔ غیر مسلم طاغوتی طاقتیں اسی تصور رسالت اور عشق نبی کریم ﷺ سے حیران و پریشان ہیں۔ وہ حیران ہیں کہ ایک شخص اپنی جان جیسی قیمتی چیز کو اپنے نبی ﷺ کی ناموس پر قربان کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں سے نبی کریم ﷺ کی عظمت و عزت کم کرنے اور انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ بد بخت طاغوتی طاقتیں اور انسان ہر وقت اپنی رکیک کوششوں میں غلطاں رہتے ہیں۔ لیکن یہ ذلیل و بدبخت اپنی کسی بھی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ ان کی ذلیل و رکیک حرکات نے نبی کریم ﷺ کی عزت و عظمت کو اور زیادہ کیا ہے اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ امہ کے افراد کے دلوں میں مزید جاگزین ہوا ہے۔

توہینِ رسالت کی موجودہ کاروائیاں نئی نہیں ہیں۔ ان کا سلسلہ اسلام کے صدرِ اول سے لے کر آج تک جاری ہے۔ ہر دور میں کچھ بدبختوں نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے جس کا خمیازہ انہوں نے اسی دنیا میں بھگت لیا ہے۔ ازلی اور ابدی رسوائیاں اور بدبختیاں اُن کے لیے مزید الگ انتظار کر رہی ہیں۔ ان بدبختوں اور بدنصیبوں کی سیاہ اور رکیک حرکات سے چراغ مصطفوی بجھنے کی بجائے مزید ضوفشاں ہو رہا ہے۔

توہین رسالت کے مرتکب مجرموں کے لیے ساری غیر مسلم طاقتوں کو حقوق انسانی یاد آ جاتے ہیں۔ ان بدبختوں

کے لیے سب ممالک کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ خصوصی برتاؤ کے مستحق گردانے جاتے ہیں۔ جن جن ممالک میں اُن کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت ہوتا ہے وہیں سے اُن کو مغربی ممالک میں بصد عزت واحترام سے پہنچا دیا جاتا ہے۔ ہر مسلم ممالک کے نام نہاد دانشور مسلمانوں سے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرائی جاتی ہے اور اسے شائع کیا جاتا ہے۔ پھر ان ذلیل لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی جاتی ہے۔ بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین، برطانیہ کا سلمان رشدی اور امریکہ کا انیس شورش، ایسے ہی بدبخت ہیں۔ یہ تمام بدبخت پولیس کے تحت پہرے میں اپنی زندگیاں گذارے پر مجبور ہیں اور دن رات میں کئی بات جیتے اور مرتے ہیں۔

حال ہی میں امریکہ میں ایک نیا شیطان سامنے آیا ہے۔ اس شیطان کا نام انیس شورش ہے۔ اس بدبخت نے معاذ اللہ عظمت وحرمت قرآن پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت کی ہے۔ الفرقان الحق کے نام سے قرآن کا عربی اور انگریزی میں جواب شائع کیا ہے۔ یورپ اور پورے عرب ممالک میں اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر ہو رہی ہے یہ سارا کام اسلام دشمن طاقتیں کر رہی ہیں۔ الفرقان الحق میں 77 کے قریب سورتیں ہیں جن میں قرآن مجید کی کئی آیت کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس شیطانی کتاب میں اسلامی تعلیمات کی تحقیر کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی، مسلمانوں کے تمسخر عظمتِ انجیل، عیسائیت کی تبلیغ، اسلامی احکامات، قرآنی تصورات اور جہاد وغیرہ کے متعلق ہرزہ سرائی کی گئی ہے۔

ستمبر 2005ء سے ڈنمارک اور دوسرے یورپی ممالک کے اخبارات میں اہانت آمیز کارٹونز کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس اشاعت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ اس ناپاک جسارت کے خلاف پورا عالم اسلام اور اُمّتِ مسلمہ سراپا احتجاج بن گیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف تمام غیر اسلامی دنیا نے ایک منظم انداز میں میدان جنگ سجا لیا ہے۔ پورا یورپ اور ہنود و یہود ڈنمارک کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خلااف اہانت آمیز کارٹونز شائع کر کے، اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق ہرزہ سرائی کر کے، اسلامی شعائر کا مذاق اڑا کر اور ننگی لڑکی کی پیٹھ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر تمام عالم کفر نے تہذیبوں کا تصادم شروع کر دیا ہے۔

توہین رسالت مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ پر حملہ ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے اپنی جان کو قربان کرنا ایک اعلیٰ سعادت سمجھتا ہے۔ مسلمان کے لیے ناموس رسالت متاع دو جہاں سے زیادہ افضل ہے۔ توہین رسالت کے مجرموں کے لیے کوئی رعایت یا درگذر نہی ں ہے۔ ان کو واصل جہنم کرنے کے علاوہ کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر مسلمان طاقت ور اورناقابل تسخیر ہوتے تو کسی کو بھی ایسی رکیک جسارت کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

ملی انتشار وفرقہ بندی:

موجودہ دور میں اُمّتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ ہر جانب قومیت کا جھگڑا کھڑا ہے۔ اُمّتِ مسلمہ فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اُمّتِ وسطیٰ کی وحدت پارہ پارہ ہوئی ہے۔ اسی ملی انتشار اور فرقہ بندی سے مسلمانوں پر ظلم و استبداد ہو رہا ہے۔ مسلمان آپس میں فرقوں اور ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تاہم غیر مسلم طاقتوں کے لیے وہ سارے ایک جیسے دشمن ہیں۔ اغیار کی سازشوں اور اپنوں کے بے وفائی سے جسد واحد جیسی اُمّتِ مسلمہ کا شیرازہ پراگندہ ہوگیا ہے اور مسلمان آپس میں

دست و گریبان ہیں۔

غیر ملکی قبضہ وظلم و استبداد:

مقبوضہ کشمیر، فلسطین، قبرص، چیچنیا، ارٹی میریا، بوسینیا اور تھائی لینڈ کے مسلمان پچھلے کئی عشروں سے غیر ملکی ظلم و استبداد کا شکار ہیں۔ اُن کو اپنے دین اسلام کے مطابق اپنی زندگیاں گذارنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ کروڑوں مسلمان طاغوتی طاقتوں کے ظلم و استبداد کا شکار ہو چکے ہیں۔ خون مسلم کی ارزانی کا کوئی عالم نہیں ہے۔ مقبوضہ کشمیر، فلسطین اور چیچنیا کے مسلمانوں کو الگ وطن بنانے کا حق نہیں دیا جا رہا ہے۔ فلسطین کے سینے میں طاغوتی طاقتوں نے اپنے لے پالک اسرائیل کا چھرا گھونپا ہوا ہے۔ افغانستان اور عراق جیسے خود مختار اسلامی ممالک پر دہشت گردی کی آڑ میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج نے قبضہ کیا ہے اور اسلامی ممالک پر دہشت گردی کی آڑ میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج نے قبضہ کیا ہے اور مسلمان ہر روز تہہ تیغ ہو رہے ہیں۔ ان کی عورتوں کی عصمت دری ہو رہی ہے اور املاک کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے۔ موجودہ دور میں مسلم امہ کے علاوہ شاید ہی کوئی اور قوم اس قدر ظلم و ستم اور غیر ملکی تسلط کا شکار ہو۔

مغرب کا فکری انتشار اور اسلام مخالف رویہ:

مغربی اور غیر مسلم طاغوتی طاقتیں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور زہریلا پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں۔ وہ اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت سے خائف ہیں۔ اسلام انسانی مساوات کا علمبردار ہے اور یہ انسانوں کو انسانوں کی محکومی سے آزاد کروا کے ایک اللہ کے سامنے جھکاتا ہے۔ انہی اوصاف کی بنا پر اسلام تیزی سے پھیلتا ہوا دین بن رہا ہے۔ اسلام کی آفاقی دعوت سامراجی اور طاغوتی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ پورا عالم کفر مسلمانوں کے جذبۂ ایمان اور جذبہ جہاد و شہادت سے لرزاں ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں اور ان کے دین کو بطور دہشت گردی کے پیش کیا جا رہا ہے۔ اُن کی تمام تحاریک آزادی اور غیر ملکی تسلط کے خلاف جدوجہد کو دہشت گردی قرار دیا جاات ہے۔ پھر تشدد اور دہشت گردی کے واقعہ میں مسلمانوں کو ملوث کر دیا جاتا ہے۔ عالمی ذرائع ابلاغ پر اثر رسوخ کے باعث عالم کفر اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرنے اور مخالف رویہ ابھارنے میں کامیاب رہا ہے۔

درپیش مسائل اور چیلنجز کا تدارک سیرت طیبہ سے حاصل کردہ رہنمائی کی روشنی میں:

اُمتِ مسلمہ کو اُمتِ وسطی اور ایک بہتر اُمت قرار دیا گیا ہے جسے دنیا کی قیادت کا منصب سنبھالنا ہے۔ اس کے لیے امہ کو اپنے مقصد حیات کا ازسر نو تعین کرنا ہوگا۔ اللہ کے دین کی سربلندی اور غلبہ، نظام صلوۃ و زکوۃ کا قیام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مقصد حیات بنانا ہوگا۔ دین و دنیا کی فوز وفلاح کے لیے منہاجِ نبوی ﷺ اور منہاج خلافتِ راشدہ کی طرز پر جدوجہد کرنا ہوگی۔ ملی انتشار اور فرقہ بندی کو ختم کر کے اتحادِ اُمتِ اور ملی شیرازہ بندی کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی۔ قرنِ اولی کی طرح اُمتِ مسلمہ کو جسد واحد بننا ہوگا۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں رہنے والے مسلمان کا دکھ درد پوری امہ کا درد ہوگا۔ اس اتحاد و یگانگت کی وجہ امہ کی دھاک بیٹھے گی اور عالمِ کفر کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ مسلم امہ سے ظلم و استبداد کا

خاتمہ ہو گا۔

قرآن وسنت اور سیرت طیبہ کی تعلیمات کی روشنی میں تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ آپس میں تفرقہ بازی سے منع کیا گیا ہے افضلیت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ اتحادِ اُمّت کا ایک عملی مظاہرہ بلادِ اسلامیہ کی دولتِ مشترکہ بنا کر کیا جا سکتا ہے۔ جب مختلف نظریات رکھنے والی متحارب اقوام ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو سکتی ہیں تو ایک اللہ، ایک رسول اور ایک کتاب اور ایک کلمہ کو ماننے والی امہ بلادِ اسلامیہ کی دولتِ مشترکہ کیوں نہیں بنا سکتی ہے۔ اس سے جہاں امہ کی عالمی طور پر قوت و طاقت میں اضافہ ہو گا وہاں محکوم و مظلوم اقوام کی داد رسی کے لیے بھی کام ہو گا۔ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی حمایت کرنا امہ کا فرض منصبی ہے۔

توہین رسالت اور توہین شعارِ اسلام جیسے واقعات کے متعلق دوٹوک موقف اپنانا ہو گا۔ اقوامِ مغرب اور عالم کفر کو باور کروانا ہو گا کہ ایسے واقعات مسلمانوں کے بنیادی عقیدے پر حملے کے مترادف ہیں اور ان واقعات کے مرتکب افراد کسی درگذر اور رعایت کے قابل نہیں ہیں۔ اسوۂ رسول ﷺ سے اس حقیقت کی گواہی ملتی ہے کہ توہینِ رسالت کے مرتکب افراد گردن زنی کے لائق ہیں۔ اُن کے جرم کی اس سے کم کوئی سزا نہیں ہے۔ عالمِ مغرب اور غیر مسلم ملت سے امہ بلا وجہ متحارب رویہ نہیں اپنائے گی۔ انفرادی و اجتماعی امن، اپنے مفادات کے تحفظ اور محکوم و مجبور مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کے لیے غیر مسلم اقوام سے مناسب معاہدات کیے جا سکتے ہیں۔ تاہم متحارب و جارحانہ رویہ اپنانے والی اقوام کے لیے امہ کو دفاعی لحاظ سے ناقابلِ تسخیر بننا ہو گا اور ہر قسم کے سامان حرب وضرب کو تیار رکھنا ہو گا۔ دنیا جہان کے مسلمانوں کے دفاع کی امہ ذمہ دار ہو گی اور مسلمانوں اور دوسری مجبور و محکوم اقوام سے ظلم وستم اور استبداد کا خاتمہ کروانا ہو گا۔

ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول سمیت ہر قسم کی سائنس و ٹیکنالوجی حاصل کی جائے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خود کفالت حاصل کی جائے۔ مسلم امہ مشترکہ طور پر سائنس و ٹیکنالوجی اور علم وفن کے اعلیٰ ادارے بنائے اور برادر اسلامی ممالک اس ضمن میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

اقوامِ مغرب کا اسلام مخالف رویہ بدلنے کے لیے اسلامی طرزِ حیات کے فکری، نظیری اور عملی پہلوؤں کو اقوامِ عالم کے سامنے پیش کرنا ہو گا۔ جہاد اور تحاریکِ آزادی کو دہشت گردی کی تعریف سے الگ کروانا ہو گا۔

امہ کے تمام برادر ممالک کو اپنا سرمایہ غیر ملکی بینکوں سے نکال کر ایک مشترکہ اقتصادی فنڈ بنا کر غیر سودی معیشت کو فروغ دینا ہو گا۔ اسطرح ساری امہ کے وسائل مشترک ہو جائیں گے اور غربت و افلاس چشم زدن میں ختم ہو جائے گی۔

مشکلیں اُمّتِ مرحومہ کی آساں کردے
مور بے مایہ کو ہمدوشِ ثریا کر دے

☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

عطاء الرحمٰن چوہان- آزاد کشمیر (راولپنڈی)

موجودہ مسائل:

☆ اسلام کے حقیقی تصورات سے عدم آگاہی

☆ مسلمانوں کے باہمی اختلافات (فقہی و علاقائی)

☆ مسلمانوں میں تصور اُمّت اور خلافت کا فقدان

☆ مسلم ممالک میں غیر نمائندہ حکمران

☆ جہالت اور غربت

مسائل کے حل کی راہ میں حائل رکاوٹیں:

☆ شدت پسندی اور دہشت گردی کا الزام

☆ غیر مسلموں تک اسلام کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنا

☆ بطور اُمّت دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا

☆ طاغوتی جارحیت

☆ اسلامی حکومت کا قیام

اُمّتِ مسلمہ ایک اعزاز، مقام اور مرتبے کا نام ہے۔ ہر مقام اور مرتبے کی اہلیت کے کچھ تقاضے اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مسلمہ کو خیر الامم قرار دیتے ہوئے اس کی یہ ذمہ داری بیان فرمائی کہ یہ نیکی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے۔ اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جب تک یہ اُمّت اس ذمہ داری کو پورا کرتی رہے گی، تب تک اللہ کی پسندیدہ قوم قرار پائے گی اور اللہ کی مدد اور نصرت کی حامل رہے گی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کارِ نبوت ہے۔ انبیا کرام کی بعثت کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ کے بعد ختم ہو گیا ہے اور یہ اہم ذمہ داری اللہ نے اس اُمّت کے سپرد کی ہے۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ اسے شهداء علی الناس سے بھی تعبیر کیا گیا۔ یوں اس اُمّت کی ذمہ داری قیامت تک اللہ کے پیغام کو بنی نوع انسان تک پہنچانا قرار پائی ہے۔ جتنی بڑی ذمہ داری ہے، اتنا ہی اس اُمّت کا اعلیٰ مقام اور مرتبہ بھی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو اسی وجہ سے اپنی اُمّت سے بے حد پیار تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی اُمّت کی شفاعت کا اعزاز بھی عطا فرمایا ہے۔ یوں یہ اُمّت سابقہ تمام امتوں پر فضیلت کی حامل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنی رحلت سے قبل اُمّت کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: کتاب اللہ و سنت رسول، جو ان سے

جڑا رہے گا گمراہ نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان اُمّت کے لیے ہر دور میں کامیابی اور کامرانی کا راہ نما اصول ہے۔ جب تک یہ اُمّت قرآن کریم اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے جڑی رہے گی کامیاب و کامران رہے گی۔

اُمّت مسلمہ نے ہر دور میں ہر طاغوت کو للکارا اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اپنے حقیقی خالق اور مالک کی بندگی میں دینے کی دعوت دی ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر ہر دور میں معرکۂ حق و باطل جاری رہا۔ اُمّت مسائل اور چیلنجز سے دوچار رہی۔ دور حاضر میں بھی اُمّت مسلمہ گوناگوں مشکلات کا شکار ہے۔ ان میں اُمّت کے اندرونی مسائل بھی ہیں جبکہ مغربی طاقتوں نے بھی اُمّت مسلمہ کے لیے کئی ایک مسائل کھڑے کر رکھے ہیں۔ ہر علاقے کے مسلمانوں کے اپنے مسائل ہیں، تاہم اگر پوری اُمّت کے مجموعی مسائل کا تجزیہ کیا جائے تو چند اہم مسائل کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اسلام کے حقیقی تصور سے عدم آگاہی

۲۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات (فقہی و علاقائی)

۳۔ مسلمانوں میں تصور اُمّت اور خلافت کا فقدان

۴۔ مسلم ممالک میں غیر نمائندہ حکمران

۵۔ جہالت اور غربت

ان مسائل کے علاوہ آج اُمّتِ مسلمہ کو بہت سارے چیلنجز بھی درپیش ہیں، جن کی فہرست بھی طویل ہے۔ چند اہم چیلنجز کو درج ذیل عنوانات کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے:

☆ شدت پسندی اور دہشت گردی کے الزامات

☆ غیر مسلموں تک اسلام کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنا

☆ بطور اُمّتِ مسلمہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا

☆ طاغوتی جارحیت

☆ اسلامی حکومت کا قیام

۱۔ اسلام کے حقیقی تصور سے عدم آگاہی:

موجودہ دور میں مسلمانوں کی اکثریت موروثی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو شعوری کوشش سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اکثریت ان افراد پر مشتمل ہے جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے، ان کے باپ دادا مسلمان تھے، لہٰذا وہ بھی مسلمان کہلائے۔ انہیں اسلام کی نعمت عظمیٰ بغیر کسی کوشش اور قربانی کے مل گئی ہے، اس لیے وہ اس کی اہمیت سے آگاہ نہیں۔ شاید اسی لیے وہ اس حقیقت کو جاننے کا بھی شوق نہیں رکھتے اور اسلام کے حقیقی تصور سے نابلد ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام محض چند رسومات اور عبادات کا نام ہے۔ وہ اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح پوجا پاٹ کا کوئی نظام خیال کرتے ہیں۔ گزشتہ کئی صدیاں مسلمانوں نے غلامی میں گزاری ہیں، جس کے نتیجے میں ایک مخصوص غلامانہ رویہ بھی پروان

چڑھا۔ اس دور میں جہاں مسلمانوں کے علمی مراکز نیست و نابود کر دیئے گئے وہاں نئی نسل کو دینی علوم اور فکر سے یکسر گمراہ کر کے خالصتاً وقتی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق سطحی علم اور ہنر مندی کی طرف موڑ دیا گیا۔ جس میں بظاہر کامیابی، روزگار اور ترقی کے مواقع دستیاب تھے۔ غلامی کے اس دور نے جہاں مسلمانوں کو معذرت خواہانہ رویہ دیا وہاں مسلمان کو ایک ناکام قوم قرار دے کر دوسروں کی اطاعت کرنے پر مائل کیا۔ غلامی کے اس دور نے مسلمانوں کی علمی اور فکری کمر توڑ کر رکھ دی۔ جو قوم فکری طور پر غلامی قبول کر لے، وہ اپنے پاؤں اور اپنے فکر پر کبھی کھڑی نہیں ہوسکتی۔ وہ تو دوسروں کے نقش قدم پر چلنے ہی کو کامیابی قرار دیتی ہے۔

اسی وجہ سے اُمّتِ مسلمہ اسلام کے حقیقی تصورات سے بیگانہ ہوئی۔ اس نے کامیابی اور کامرانی کے راستے اسلام کے بجائے دیگر نظام ہائے زندگی میں تلاش کرنے شروع کیے۔ اس کے نتیجے میں وہ نہ مسلم رہے اور نہ کچھ اور۔ ''خدا ہی ملا نہ وصال صنم'' کے مصداق وہ گمراہیوں میں بھٹکتے رہ گئے۔ بدقسمتی سے ان کے پاس مسلم کی پہچان باقی رہی اور نہ ہی کوئی اور روپ دھار سکے۔ وہ نام تو مسلمانوں والے رکھتے ہیں لیکن عملی زندگی میں وہ کئی ایک تہذیبوں کا ملغوبہ بن چکے ہیں۔ کہنے کو تو وہ مسلمان ہیں لیکن ان کے تعلیمی اداروں کا نصاب فرنگیوں کا ہے، ان کا مالیاتی نظام سود پر قائم ہے۔ ان کی بود و باش کہیں فرنگی، کہیں ہندی، کہیں یورپین اور کہیں فرانسیسی ہے۔ آج کا مسلمان اسی تاریخی تسلسل کی پیداوار ہے۔ وہ دنیا میں زندہ رہنے اور دین سے تعلق قائم رکھنے کے انہی افکار و نظریات پر خود کو مطمئن کر چکا ہے، جو غالب قوتوں نے ان کے دل و دماغ میں راسخ کر دیے تھے۔ اس لیے آج کے دور میں مسلمانوں کا سب سے اولین مسئلہ اُمّت کو اسلام کے حقیقی تصور دین سے متعارف کروانا ہے۔

اس مسئلے کا حل یہی ہے کہ مسلمانوں کو شعوری مسلمان بنانے کے لیے ان کا تعلق قرآن و سنت سے جوڑا جائے، تاکہ وہ اسلام کی حقانیت اور عالمگیریت سے آگاہ ہوسکیں۔ اس کام کا آغاز نوجوانوں کے اندر دینی علوم کا شوق بیدار کرنے سے کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں غیر مسلموں کی مسابقانہ روش بھی انہیں اسلام کی طرف مراجعت پر مجبور کر رہی ہے۔ ہمارے پاس واپس لوٹ کر آنے والے ان نوجوانوں کے لیے ایسا علمی اور تربیتی نظام ہونا چاہیے، جو انہیں اپنے دامن میں سمو لے۔ ایسے صاحب علم مربی ہونے چاہئیں جو ان کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کے تشفی بخش جواب دے سکیں، جو انہیں اسلام کے بارے میں مطمئن کرسکیں اور انہیں حقیقی معنوں میں بندگئ رب کا تصور دے سکیں۔ انہیں یہ بتلا سکیں کہ اسلام محض چند عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ پہلو اور عالمگیر نظام حیات ہے۔ آج انسانوں کے بنائے ہوئے سارے نظام ناکام ہو چکے ہیں۔ مذہب گریز اور خود پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات نے زندگی کو مشکل تر بنا دیا ہے۔ مادر پدر آزادی نے بے راہ روی کو جنم دیا اور آج مغربی دنیا خاندان تصور کو ترس رہی ہے، جہاں ماں باپ اور اولاد مل جل کر رہتے تھے۔ ان کا سارا نظام بکھر چکا ہے۔ وہ سکون کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ وہ روشنی کی تلاش میں ہیں۔ وہ امن اور محبت چاہتے ہیں۔ انسانیت کو امن و سلامتی، اخوت اور محبت صرف اور صرف اسلام ہی دے سکتا ہے۔ مختلف رنگ و نسل کے انسان صرف اسلام ہی کی آغوش میں پرامن، آزاد اور باوقار زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ خود مسلمان، اسلام کے حقیقی

تصور سے آگاہ ہوں۔ وہ پر اعتماد انسان اور شعوری مسلمان ہوں تب وہ دوسروں کو اپنی طرف مائل کر سکتے ہیں۔ آج کے مسلمان کو علم، اطمینان بلکہ حق الیقین اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ وہ دلیل کی بات کرتا اور سمجھتا ہے۔ اسے دلیل اور استدلال کی بھرپور قوت کے ذریعے دین کے قریب لایا جائے اور پھر اسی پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

۲-مسلمانوں کے باہمی اختلافات (فقہی وعلاقائی):

آج مسلمانوں کے اندر دین کے بنیادی علم سے ناواقفیت کی وجہ سے باہمی اختلافات کی خلیج بہت وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ جن امور کو قرآن وحدیث میں صریح طور پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اجتہاد کرنے کا راستہ کھلا رکھا گیا، ان میں رائے قائم کرنے کی اجازت ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ خلافت موقوف ہو چکی ہے اور اُمت کے پاس ایسا کوئی مشترک پلیٹ فارم نہیں جو ان امور پر کوئی مشترک رائے قائم کرنے کے لیے ہر مسلک اور ہر خطے کے علما کو جمع کرے اور کوئی مشترک رائے قائم ہو سکے اس لیے اپنے طور پر جن علما کرام اور ائمہ اُمت نے کسی معاملے میں اپنی رائے کا اظہار کیا، دوسروں کو ان کی رائے سے اختلاف کرنے کا حق حاصل ہے، تاہم اس علمی اور فکری اختلاف رائے کو اُمت کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے، ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کرنے اور جنگ وجدل کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اسلام تو پوری انسانیت کو یکجا کرنے، سب انسانوں کو زندہ رہنے کا حق دینے، دوسروں کی رائے کا احترام کرنے اور بالخصوص مسلمانوں کو باہم پیار ومحبت سے رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام نے رائے کے اختلاف کی بھی حدود مقرر کر رکھی ہیں، تاہم کسی بھی طور لڑائی جھگڑے کی گنجائش نہیں۔ اسلام تو اس وقت تک کسی مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا جب تک وہ کھل کر اسلام کا انکار نہ کرے، یہ سزا بھی کوئی انسان ازخود نہیں دے سکتا اور نہ ہی کوئی گروہ یہ کام اپنے طور پر کر سکتا ہے۔ اس کا حق صرف اور صرف ایک اسلامی ریاست کو حاصل ہے۔ ریاست بھی پابند ہے کہ وہ ایسے کسی معاملے کی کھلی اور غیر جانبدارانہ تحقیق کرے، فرد کو اپنے دفاع کا پورا حق دے اور اسے اپنی صفائی بیان کرنے کا پورا موقع دینے کے بعد کوئی حد نافذ کرے۔

صدیوں پہلے ائمہ اُمت نے بے شمار امور میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا لیکن باہمی احترام اور بھائی چارہ قائم رکھا انہی اختلافات پر آج معاملہ جنگ وجدل تک پہنچ چکا ہے۔ جس نے اسلام کے تصور اُمت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اُمت تو ایک جسم اور جان کی طرح ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان باہم ایک جسم کی طرح ہیں، اگر جسم کے ایک حصے میں تکلیف ہوگی تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرے گا۔ آج معاملہ اس کے برعکس محسوس ہو رہا ہے۔ مسلمان، مسلمان کی جان کا دشمن ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کو علمی اعتبار سے شکست دینا چاہتے ہیں، کچھ مناظرے اور بحثوں کے ذریعے دوسروں کو ہر حال میں شکست دینا چاہتے ہیں جبکہ ایک طبقہ دوسروں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ایک دوسرے کو مسلمان نہ سمجھنا ہے یا مسلمان سمجھتے ہوئے اختلافات کو اس قدر شدید تر کر دینا ہے کہ دوسرے کا وجود ناقابل برداشت ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس میں کچھ خفیہ ہاتھ شریک ہیں جو مسلمانوں کو باہم لڑا کر ان کی قوت کو کچلنا چاہتے ہیں۔ وہ فکری خلفشار پیدا کرنے سے قتل وغارت کروانے تک سارے وسائل بھی فراہم کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں چند ایک

تو ان کے شعوری آلہ کار ہیں جبکہ دیگر ان شعوری آلہ کاروں کی سازشوں کا شکار ہو کر لاشعوری طور پر ان ناپسندیدہ کاموں میں شریک ہیں۔ جس کے سبب نا صرف اُمّت کا اجتماعی تصور پامال ہو چکا ہے بلکہ اس سے جہاں باہمی اتحاد و اتفاق مفقود ہو چکا ہے وہاں دوسروں کی نظروں میں مسلمان بدامن، غیر مہذب اور عدم برداشت کے حامل قرار پائے ہیں۔ یہ معدودے چند لوگ ہیں لیکن ان کی بداعمالیوں نے پوری اُمّت کو شرمندگی سے دوچار کر رکھا ہے۔ اغیار کے ذرائع ابلاغ ان کی کارروائیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، جس سے مسلمانوں کا تشخص مجروح ہو رہا ہے۔

اس مسئلے کا حل یہی ہے کہ تمام مکاتب فکر کے قائدین اس کی سنگینی کو محسوس کریں۔ اختلافات کے بجائے اشتراکات کو فروغ دیں۔ مشترکہ امور میں اکٹھے ہو جائیں۔ اسلام کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کریں۔ مستشرقین کی طرف سے کیے گئے پروپیگنڈے کا مشترک طور پر توڑ کریں۔ ان کی مشترکہ کاوشوں کے نتیجے میں ان کے پیروکاروں میں بھی ہر سطح پر مشترک جدوجہد فروغ پائے گی، نفرتیں کم ہوں گی اور محبتیں بڑھیں گی۔ عالمی سطح سے گلی محلے کی سطح تک معتدل علمائے کرام پر مشتمل کمیٹیاں قائم کی جائیں جو اختلافات کی خلیج کو کم کرنے اور اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے کے لیے ہمہ وقت سوچ و بچار کرتی رہیں اور وقتاً فوقتاً اٹھنے والے مسائل کو بروقت حل کریں۔ مسلمان ممالک میں فروعی اختلافات کو ہوا دینے پر پابندی عائد کی جائے اور کسی بھی طرح کی تفرقہ بازی، فساد اور انتشار پھیلانے پر مکمل اور قانونی پابندی عائد کی جائے۔ اغیار کے ہاتھوں میں کھیل کر اُمّت کے مفادات کو نقصان پہنچانے والوں کی نشان دہی کی جائے اور انہیں پوری اُمّت کے سامنے بے نقاب کیا جائے تاکہ اس کی مکمل بیخ کنی ہو سکے۔

تمام اسلامی ممالک میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی طرز پر درس گاہیں قائم کی جائیں جہاں تمام مکاتب فکر کے طلبا ایک ہی درس لیتے ہوں اور باہم شیر و شکر رہیں۔ اس تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ اس طرح کے ادارے پوری اُمّت کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور ایک ایسی نسل تیار کی جا سکتی ہے جو نفرتوں سے پاک مستقبل کی تشکیل کر سکے۔

اسلام چونکہ تفرقہ اور انتشار کو ختم کر کے ایک جسم اور ایک جان ہونے کی دعوت دیتا ہے تو اسلام قبول کرنے والے ہر فرد کے لیے لازم ہے کہ اسلامی تعلیمات کی پابندی کرے۔ مسلمان دراصل اسلام کی حقیقی تعلیمات سے نابلد ہیں اور اس جہالت اور گمراہی نے انہیں شیر و شکر ہونے کے بجائے باہم دست و گریباں کر رکھا ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ انہیں بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد کروایا جائے۔ علمائے کرام کو متوجہ کیا جائے کہ وہ اختلافات کو ہوا دینے کے بجائے اتحاد و اتفاق کی تلقین کریں۔ اپنے مدارس اور مساجد کو اسلام کا حقیقی تصور اجاگر کرنے کے لیے استعمال کریں۔ یہ کام تب ہی ہو گا جب علمائے کرام تیار کرنے والے ان اداروں سے نفرتیں ختم کی جائیں۔ سرکاری سطح پر دینی مدارس کے نصاب تعلیم کو ازسرنو مرتب کرنے کے لیے تمام مکاتب فکر کے اعتدال پسند علما پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو ایک متوازن اور معتدل نصاب مرتب کرے اور یہی کمیٹی مدارس کے نظام کو مانیٹر بھی کرتی رہے۔ اگر دینی طلبہ کو اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا درس دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا پورا معاشرہ ان نفرتوں سے پاک نہ ہو جائے اور ہم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ایک طاقتور اُمّت نہ بن جائیں۔

۳۔مسلمانوں میں تصورِ اُمت وخلافت کا فقدان:

مسلمانوں کا تیسرا بڑا اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے حقیقی تصورات سے نابلد ہونے اور باہم تفرقہ بازی کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اُمت کے تصور سے بھی نا آشنا ہیں۔ آج کی دنیا میں انسان رنگ، نسل، زبان اور علاقائی تفریقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ انہی بنیادوں پر قومیں اور ملک وجود میں آ چکے ہیں۔ عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر ایک ملت اور قوم ہونے کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ یہ دراصل اسلام دشمنوں کی سازش ہے۔ عرب نیشنل ازم اور ترکی کی تفریق بھی ایک منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ بدقسمتی سے سارے حقائق جاننے کے باوجود ہم ابھی تک انہی بے معنی اور اسلامی تصورات کے برعکس تفریق میں بٹے ہوئے ہیں۔ دنیا بھر کے یہودی تو مختلف علاقوں میں رہائش پذیر ہونے اور مختلف زبانیں بولنے کے باوجود ایک ملت بنے ہوئے ہیں، یہی معاملہ عیسائیوں کا ہے لیکن صرف مسلمان ہی وہ طبقہ ہے جس نے خود کو عربی، افریقی، ترکی، فارانی، ایشیائی اور پھر مختلف لسانی گروپوں میں منقسم کر رکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا اور مثال دے کر وضاحت فرمائی کہ مسلمانوں کی مثال مٹھی کی طرح ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا۔ اسلام ایک طریق زندگی ہے، جو اس کو قبول کرتا ہے وہ اس ملت کا حصہ بن جاتا ہے، خواہ کسی بھی نسل، علاقے یا لسانی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلام جہاں مسلمانوں کو یکجا کرتا ہے وہاں اسلام مسلمانوں کے درمیان تفریق اور درجہ بندیوں کو بھی رد کرتا ہے۔ علاقائی، لسانی اور نسلی گروہ بندی کو اسلام نے کبھی بھی پسند نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو نسلی تفاخر میں مبتلا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک اُمت کا تصور ہی مسلمانوں کو موجودہ مسائل و مصائب سے نکال سکتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ارب تیس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ اسلام عددی لحاظ سے اب دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اس دنیا میں ترقی اور کامیابی کے لیے اوّلین ضرورت انسانی وسائل ہیں جن سے اُمت مسلمہ مالا مال ہے، جبکہ دیگر تمام چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگرچہ مسلم اُمت کی قوت کو کارآمد بنانے کے لیے انسانی وسائل کے ساتھ ساتھ علم و حکمت، مادی وسائل، دفاعی قوت اور اخلاقی برتری درکار ہے، تاہم ان سب سے پہلے اس عددی قوت کو ایک ملت اور ایک قوم بنانے کی ضرورت ہے۔ جب تک افرادِ ملت اپنی ذات اور گروہی حصار سے نکل کر ایک ملت میں خود کو ضم نہیں کر لیتے اور ان کی سوچ، فکر اور رویے اجتماعی فکر اور اجتماعی رویوں میں تبدیل نہیں ہوتے تب تک یہ سارے وسائل اور صلاحیتیں اُمت کے لیے کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ آج مسلمان بتدریج ترقی تو کر رہا ہے لیکن وہ کسی فرد اور کسی خاص جغرافیائی اکائی (ملک) کی ترقی قرار پا رہی ہے اور صرف وہی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ جن استعماری قوتوں سے جس مسلم ملک نے آزادی حاصل کی تھی ان کی سماجی اقدار اور علمی افکار نے ابھی تلک اسے گھیر رکھا ہے۔ مسلمانوں نے بطور مسلمان ابھی سوچنا اور اقدامات کرنا نہیں سیکھا۔ جس دن ہر مسلمان فرد اور گروہ خود کو ایک ملت کا حصہ سمجھنے لگے گا، اس کا رویہ یکسر تبدیل ہو جائے گا۔ اس کی سوچ کے دھارے بدل جائیں گے۔ اس میں جہاں دوسروں کے لیے قربانی اور ایثار کا جذبہ جنم لے گا وہاں اس میں ایک اعتماد بھی پیدا ہوگا کہ وہ اکیلا نہیں بلکہ ایک بہت بڑی ملت کا حصہ ہے۔ یہی اعتماد انسان کو حوصلہ اور عزم دیتا ہے، جس کی بدولت

انسان مشکل سے مشکل مراحل کو بآسانی طے کر لیتا ہے۔

ایک ملت کا تصور اسلام کا اولین درس ہے، اس کو سمجھنے کے لیے کسی علمی ذخیرے کی ضرورت نہیں، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کا مسلمان بنیادی اور لازمی اسلامی علم بھی نہیں رکھتا۔ یہ تصور ابھارنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو پیدائشی مسلمان سے فکری اور شعوری مسلمان میں تبدیل کیا جائے۔ بنیادی اسلامی علوم ہر گھر اور فرد کے لیے ضروری قرار دیے جائیں۔ یہ کام ہم اگلی نسل کے لیے نہیں چھوڑ سکتے، بلکہ آج اور ابھی سے ہر مسلمان میں یہ فکر بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے پرائمری سے سیکنڈری تک نصاب تعلیم میں لازمی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کے مابین فقہی اختلافات کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ملت کا حصہ سمجھنے اور ایک دوسرے کا احترام کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ فقہی اختلافات کو چند مفاد پرست لوگوں نے نفرتوں میں تبدیل کر رکھا ہے، درحقیقت اختلافات کی بنیاد علمی ہے۔ ایسے ثانوی حیثیت کے مسائل کی بنیاد پر کوئی رائے تو قائم کی جا سکتی ہے لیکن کوئی فوج تشکیل نہیں دی جا سکتی۔ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے درمیان محض فروعات میں اختلاف ہے، بنیادی عقائد میں سب ہم فکر ہیں۔

تصور اُمت و خلافت غیر مسلموں کے لیے ناقابل برداشت اصطلاحات ہیں۔ کیونکہ جب مسلمان خلافت کے جھنڈے تلے ایک اُمت بن جائیں گے تو وہ عالمی طاقت بھی کہلائیں گے۔ اغیار مسلمانوں کو کبھی بھی ایک قوت بنتے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ہوش سے کام لینا ہوگا اور ان تمام شگافوں کو بند کرنا ہوگا جن سے دوسروں کو ہمارے درمیان دیواریں کھڑی کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ مسلمانوں کی بقا اسی میں ہے کہ وہ انفرادی پہچان کو قربان کر کے ایک اُمت میں ضم ہو جائیں۔ یہ کام مشکل ضرور ہے، ناممکن نہیں۔ اگر ہر مسلمان کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے تو کام آسان ہو جائے گا۔ بس ہر مسلمان کے دل تک اس پیغام کو پہنچانے تک جو محنت اور حکمت عملی درکار ہے اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۴- غیر نمائندہ حکمران:

مسلمانوں کا ایک اہم مسئلہ مسلم ممالک میں غیر نمائندہ حکمرانوں کا تسلط ہے۔ مسلمانوں کو ہر میدان میں پیچھے رکھنے کے لیے استعماری طاقتوں نے مسلم ممالک پر اپنے پسندیدہ لوگ بطور حکمران مسلط کر رکھے ہیں، جو ان مسلمانوں کو ایک اُمت نہیں بننے دے رہے۔ انہوں نے استعماری طاقتوں کے ایما پر دیگر مسلمان ممالک کے ساتھ ایسے تنازعات کھڑے کر رکھے ہیں کہ ان کے عوام کبھی بھی ایک دوسرے کے قریب نہ آ سکیں۔ جب دو پڑوسی مسلم ممالک کے عوام متحد نہ ہو سکتے ہوں تو وہ ایک اُمت میں کیسے ڈھل سکتے ہیں۔ ایران اور عراق، کویت اور عراق، سعودی عرب اور ایران کے درمیان الغرض تمام مسلم ممالک کے درمیان کئی ایسے چھوٹے بڑے تنازعات کھڑے کر دیے گئے ہیں کہ ان کی بنیاد پر وہ کہیں نہ کہیں متصادم رہتے ہیں۔ وہ مفادات کے تضاد کے نام پر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا رہتے ہیں۔ یہ حکمران طبقہ خود تو سارے مفادات حاصل کر رہا ہے، انہیں عالمی طاقتوں کی پشت پناہی بھی حاصل ہے، جس کی بنیاد پر وہ اپنے ممالک میں جو چاہیں

کریں، کوئی ان کا راستہ روکنے والا نہیں۔ کہیں بادشاہت ہے اور کہیں فوجی حکمران، کہیں نام نہاد جمہوریت کے ذریعے من پسند لوگ مسلط کئے گئے ہیں۔ اُمّت کو بکھیرنے میں ان غیر نمائندہ حکمرانوں کا کردار کلیدی ہے۔ جب تک مسلم ممالک میں عوام کے حقیقی نمائندہ حکمران نہیں ہوں گے تب تک مسلم ممالک کے درمیان بہتر تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔ جب تک مسلم ممالک باہم مل کر نہیں رہیں گے تو اُمّت کا تصور خام خیالی ہے۔

افراد کے ساتھ ساتھ حکومتوں کا قبلہ درست کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ عوام تو حکمرانوں پر اثر انداز ہوتے ہی ہیں لیکن آج کے دور میں حکمران زیادہ موثر انداز میں عوام پر اثر انداز ہو رہے ہیں کیونکہ ان کے پاس ریاستی وسائل اور قوت بھی ہوتی ہے۔ آج بہت سارے ممالک میں عوام اور حکمرانوں کے درمیان وسیع فکری خلیج واضح نظر آ رہی ہے۔ مسئلہ کشمیر، فلسطین، عراق اور دیگر مسلم ایشوز پر حکمرانوں اور عوام کی رائے سوائے چند ممالک کے ہمیشہ مختلف ہی رہی ہے۔ جب تک یہ تناقضِ فکری ختم نہیں ہوتا، ہم ایک اُمّت کا روپ نہیں دھار سکتے۔ یہ غیر نمائندہ حکمران مسلمانوں کے اسی فیصد مسائل کی جڑ ہیں۔ کہیں یہ جمہوریت کے نام پر مسلط کیے جاتے ہیں اور کہیں جمہوریت کو بلڈوز کر کے فوجی آمروں کی صورت میں نجات دہندہ کے طور پر لائے جاتے ہیں۔ کہیں خاندانی بادشاہتیں استعماری طاقتوں کی پسندیدہ ہیں اور کہیں انقلابی زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی حقیقی آزادی کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے ان کی اپنی زمام کار اپنے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ اس کے لیے بہت زیادہ محنت اور بڑی جدوجہد درکار ہے۔ استعماری ایجنٹ مسلمانوں کے وسائل بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اگر مسلم دنیا سے ان استعماری کارندوں کا خاتمہ ہو جائے تو اسی فیصد مسائل ازخود حل ہو جائیں۔ یہ کام اسلام سے حقیقی محبت اور تصور اُمّت کے حامل اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمان قرآن سے تعلق کو مضبوط کر لیں اور مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی حفاظت کے لیے متفکر ہو جائیں تو وہ یقیناً سب سے پہلے اس بنیادی اور اہم برائی سے نجات کے لیے کوشاں ہوں گے۔

۵- غربت اور جہالت:

اُمّتِ مسلمہ کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ غربت اور جہالت ہے۔ اسلامی ترقیاتی بنک کی جاری کردہ 2006 کے مطابق 2004 میں مسلم ممالک کے کل بیرونی قرضے 737 بلین ڈالر تھے۔ اسی طرح تعلیمی اعتبار سے بھی اسلامی دنیا کا ریکارڈ زیادہ بہتر نہیں۔ جدید اور اعلیٰ تعلیم کے لیے تمام مسلم ممالک امریکا اور یورپ ہی کے محتاج ہیں۔ جبکہ مغربی دنیا نے فزکس اور نیوکلیئر ٹیکنالوجی سمیت کئی اہم شعبہ جات کے اداروں میں مسلم طلبہ کے داخلوں پر ہی پابندی عائد کر رکھی ہے۔ ان دونوں مسائل کو ہم نے یکجا اس لیے کر دیا ہے کہ غربت جہالت ہی کا منطقی نتیجہ ہے۔ جب ایک فرد جاہل ہوگا تو یقیناً وہ اپنے ذاتی معاشی مسائل کا حل ہی تلاش نہیں کر سکے گا۔ مسلم ممالک مجموعی طور پر دنیا بھر میں تعلیمی لحاظ سے بہت پس ماندہ ہیں۔ جس میں ان ممالک کے غیر نمائندہ حکمرانوں کی نیت اور شخصی مفادات کا بنیادی کردار ہے۔ جنھوں نے عوام کو جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے رکھا اور اُمّت کے وسائل کو لوٹ کر مغربی ممالک میں منتقل کیا۔ آج اُمّت کو درپیش مسائل کا جائزہ لیا جائے تو اصل مسئلہ جہالت اور غربت ہی قرار پائے گا، کیونکہ اگر ایک فرد کو پیٹ بھرنے کے لیے روٹی، پہننے کے لیے لباس،

بیماری کے لیے دوائی اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے وسائل میسر نہیں ہوں گے تو اپنی ذات میں کھو کر رہ جائے گا اور جو فرد اپنی ذات سے باہر نہیں نکل سکے گا، اسے اُمت کے تصور اور اُمت کے معاملات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی موقع پرستی نے پوری اُمت کو جہالت کے اندوہناک اندھیروں میں دھکیل رکھا ہے۔ مسلمان جب تک علم کی روشنی سے خود کو منور نہیں کر لیتے اور غربت کے بے رحم شکنجے سے نکل کر آسودگی حاصل نہیں کر پالیتے، تب تک اُمت کا تصور بیدار نہیں ہو سکتا۔

علم حاصل کرنا اسلام کا اولین درس ہے۔ اللہ کی طرف سے حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی بھی حصول علم کی ترغیب دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان کے لیے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا۔ علم ہی انسان کو خود اپنی، اپنے مالک و خالق اور اس کے نمائندوں (انبیائے کرام) کی پہچان دیتا ہے۔ ایک دور میں پوری دنیا مسلمانوں کے ہاں سے علم و ہنر سیکھتی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ مسلمانوں کے ہاں سے علم کا نام ہی ختم ہو گیا۔ تب غیروں نے ان کے ذریعے اپنے مفادات کے حصول کے لیے انہیں اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق خوئے غلامی کو پختہ تر کرنے والا مخصوص علم دیا، جس نے انہیں دین سے بیگانہ کر دیا۔ آج کے دور میں مسلمان جہالت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ایک طبقہ علم کی بلندیوں کو چھو رہا ہے (جو مجموعی اُمت کا دو یا تین فیصد بھی نہیں بنتا) لیکن ان کے ہاں دین کوئی قابل ذکر معاملہ نہیں۔ ایسا ہی ہونا تھا، کیونکہ وہ جس نصاب تعلیم کے ذریعے صاحب علم کہلائے اس کا لازمی نتیجہ یہی متوقع تھا کہ وہ دین اسلام کو محض پوجا پاٹ تک محدود رکھتے اور زندگی کے دیگر تمام معاملات میں وہ دوسروں سے رہنمائی لیتے۔ آج پوری اُمت انہی نیم خواندہ لوگوں کے ہاتھوں خوار ہو رہی ہے۔ دور غلامی میں اُمت نے دینی علوم میں بھی جستجو اور اجتہاد کا راستہ ترک کر دیا تھا جس کے باعث آج دینی درس گاہیں بھی جامد کر دینے والی تقلید کو فروغ دیتی ہیں۔ ان کے پاس بھی طوفان کی طرح اٹھنے والی مغرب کی نظریاتی لہروں کے آگے بند باندھنے کی کوئی تدبیر نہیں اور نہ ہی اسلام کی طرف مائل ہونے والے جدید تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کے شافی جوابات ہیں۔ یعنی اُمت کی بیداری اور تحریک کی قیادت کی اہلیت حاصل کرنے کے لیے ان اداروں میں بھی جامع اصطلاحات ضروری ہیں۔ غیروں کا مقابلہ کرنے اور خود کو ایک اُمت کے طور پر منوانے کے بجائے اُمت اندرونی مسائل میں الجھی پڑی ہے۔ جہالت نے غربت کو جنم دیا اور غربت، ایمان اور غیرت سب کو کھا جاتی ہے۔ اُمت کے ایک طبقے کو تو وسائل کی فراوانی کھوکھلا کر رہی ہے (جہاں تیل کی بدولت دولت کی ریل پیل ہے) اور دوسری طرف وسائل کی کمی نے بڑھتے ہوئے افرادی سرمائے کی ساری صلاحیتوں اور عزائم کو خاک آلودہ کر رکھا ہے۔ اُمت کی نشاۃ ثانیہ کے کام کا آغاز فروغ علم کی مہم سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ستر فیصد اُمت کو خواندہ کر دیں گے تو اس میں تصور اسلام اور اُمت بھی پیدا ہو جائے گا اور وہ باہم اتحاد و اتفاق بھی پیدا کر لیں گے۔ جس کے نتیجے میں اشتراک عمل پیدا ہو گا۔ جب اشتراک عمل پیدا ہو جائے تو پھر اجتماعی کاوشوں سے ہم اُمت کو وہ مقام اور مرتبہ دلا سکیں گے جو ہمارا خواب ہے۔

درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک:

اُمت مسلمہ کو درپیش اہم مسائل کا گزشتہ اوراق میں اجمالی سا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اب تک بیان کردہ مسائل

داخلی نوعیت کے تھے، جو زیادہ تر اُمّت کے اپنے تراشیدہ ہیں اور ان کا حل بھی انہیں خود ہی تلاش کرنا ہے۔ ان مسائل کے علاوہ اُمّت کو غیروں کی طرف سے بھی بہت سے چیلنجز درپیش ہیں۔ ان کی فہرست بھی خاصی طویل ہو سکتی ہے، تاہم ہم نے اُمّت کو درپیش اہم مسائل کو درج ذیل عنوانات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے:

☆ شدت پسندی اور دہشت گردی کے الزامات

☆ غیر مسلموں تک اسلام کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنا

☆ بطور اُمّت دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا

☆ طاغوتی جارحیت

☆ اسلامی حکومت کا قیام

☆ شدت پسندی اور دہشت گردی کے الزامات:

آج مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا چیلنج شدت پسندی اور دہشت گردی کا الزام ہے۔ ساری دنیائے کفر مسلمانوں کو ایک شدت پسند، فساد انگیز اور دہشت گرد کے طور پر پیش کر رہی ہے۔ عالمی میڈیا غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے اور جو مسلمانوں کو بدنام کرنے کی ہمہ وقت کوشش کر رہا ہے۔ مختلف ممالک میں ہونے والی دہشت گردی کی ہر کارروائی مسلمانوں سے منسوب کردی جاتی ہے۔ دہشت گردی کی اصطلاح چند سال پہلے تراشی گئی اور اس کو من پسند معانی بھی دیے گئے۔ گیارہ ستمبر 2001ء کو امریکہ میں ایک تجارتی مرکز کو نشانہ بنایا گیا، جس میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔ اس واقعہ کی عالمی ذرائع ابلاغ نے کئی سالوں تک تشہیر کی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغیر کسی تحقیق کے، اس کی ذمہ داری مسلمانوں سے منسوب ایک تنظیم القاعدہ پر عائد کردی گئی اور اپنے ہی وضع کردہ بین الاقوامی قانون اور قواعد وضوابط کو پامال کرتے ہوئے انصاف کی دھجیاں بکھیر دی گئیں اور مجاہدین کے ان واقعات کے ساتھ رابطوں کا کوئی ثبوت پیش کیے بغیر مسلمان ممالک پر چڑھائی کردی گئی۔

اس طرح کے سینکڑوں واقعات، بم دھماکوں اور فسادات کا الزام مسلمانوں پر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مسلمانوں ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کاموں کے لیے بھاری معاوضہ دے کر دہشت گردی کروائی جاتی ہے۔ آج دنیا میں ایک ہی پیغام نشر ہو رہا ہے کہ مسلمان شدت پسند ہیں، وہ ہٹ دھرم ہیں اور اپنے مقاصد کے لیے بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

یہ ساری کارروائیاں دشمنانِ اسلام، اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنے اور مسلمانوں کے خلاف اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کو جواز فراہم کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ افغانستان اور عراق میں ان کے اپنے تجارتی اور اسٹریٹیجک مفادات تھے، وہاں دہشت گردی کے الزامات لگا کر حملہ کیا گیا اور ان ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ خود امریکہ اور یورپ کے ممالک میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ یہ ممالک خوفزدہ ہیں کہ اگر ان ملکوں میں اسلام اسی تیزی سے پھیلتا گیا تو بتدریج یہ سارے ممالک خود بخود مسلم ممالک میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اسلام کی روشنی کو پھیلنے سے روکنے کے لیے انہوں نے دہشت گردی کا شور

مچا رکھا ہے۔ جہاں مسلمان اقوام متحدہ کے تسلیم شدہ حق آزادی کے لیے غاصبانہ قبضے کے خلاف بھی کوئی اقدام کرتے ہیں اسے بھی دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے۔ کشمیر، افغانستان، فلسطین اور عراق پر باہر سے حملہ کیا گیا اور مقامی لوگوں کی مزاحمت کو بھی دہشت گردی قرار دیا گیا۔ یہ وہ الزام ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ مخالفین کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی شواہد۔ صرف میڈیا کے زور پر یکطرفہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ اس زہریلے پروپیگنڈے کا جواب مسلم دنیا کی طرف سے اس لیے دینا ممکن نہ ہوا کہ مسلمانوں کے وسائل پر ان کے غیر نمائندہ حکمران مسلط ہیں۔ جو انہی استعماری طاقتوں کے آلہ کار ہیں جو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

اسلامی تحریکوں، مسلم سکالروں اور اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دیں۔ اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ جو نہ صرف انسانوں بلکہ ہر ذی روح کو زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک چیونٹی کو بھی بلا وجہ تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے۔ اسلام حالت جنگ میں بھی دشمنوں کو آگ اور پانی میں پھینکنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو جنگ کے دوران بھی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نشانہ بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ بہترین سلوک کی تلقین فرمائی اور خود جنگی قیدیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کی مثالیں قائم کی ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امن اور سلامتی کا دعوے دار مذہب شدت پسندی اور دہشت گردی کی بات کرے، اسے فروغ دینا تو دور کی بات ہے۔ اسلام نہ ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم برداشت کرتا ہے۔ اسلام کی واضح تعلیمات ہیں کہ ظالم کا ہاتھ روکو، جو لوگ اور قومیں انسانوں کے لیے جینا مشکل بنا دیں، اسلام ان کا ہم نوا بن کر انہیں تحفظ نہیں دیتا۔ اس لیے اسلام کے اس تصور اور اس پیغام کو اپنی اصلی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ایک بڑا چیلنج ہے۔

یہ کام جتنا مشکل ہے اتنا ہی اہم ہے۔ ہمیں اسلام پر لگائے گئے ان الزامات کو عملی طور پر بھی رد کرنا ہے اور دلائل کے ساتھ بھی۔ ہم نے دنیا پر واضح کرنا ہے کہ ہم امن اور سلامتی کے علمبردار ہیں۔ اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے مسلمان ممالک میں ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جو پوری دنیا کے لیے تحمل، بردباری اور برداشت کا عملی ثبوت ہو۔ اپنے ہاں ایک مثالی انسانی معاشرے کی تشکیل ہی غیروں کے پروپیگنڈے کا مثبت توڑ ہو سکتی ہے۔ ٹیکنالوجی کی ترقی نے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ آپ اپنے گھر میں بھی جو ماحول تشکیل دیں گے دنیا اس سے واقف ہو جائے گی۔ دوسرے مرحلے پر میڈیا کے ذریعے اس زہریلے پروپیگنڈے کا توڑ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے لیے یہ موقع بھی موجود ہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک میں ڈاکٹر سٹیون جونسن جیسے صاف گو لوگ ابھی موجود ہیں۔ ایسے لوگوں اور اداروں سے روابط کے ذریعے بھی اس پروپیگنڈے کا زور توڑا جا سکتا ہے۔ جب ان کے اپنے دانشور ہی ان کی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کریں گے اور اصل حقائق دنیا کے سامنے رکھیں گے تو وہ زیادہ اثر انگیز ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی ہر زبان میں ایسے ریڈیو اور ٹی وی پروگرام تیار کرنا ہوں گے تاکہ اس محاذ پر بھی مغربی پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔ یہ کام کوئی مسلمان ذاتی طور پر نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی ایک مسلم ملک یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کام کے لیے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایسا ادارہ تشکیل دینا ہے، جس میں اس شعبے کے ماہرین موجود ہوں اور یہ ادارہ ہمہ وقت ان پروپیگنڈوں پر نظر رکھے اور ان کا بروقت اور مناسب توڑ پیش کرتا رہے۔

☆غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا حقیقی تصور اجاگر کرنا:

آج کے دور میں دوسرا بڑا چیلنج یہ درپیش ہے کہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے کے ساتھ ساتھ اہل مغرب اسلام پر یہ الزام عائد کر رہے ہیں کہ یہ مذہب دنیا میں اپنے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو برداشت کرنے پر تیار نہیں اور اسلام کی تعلیم ہی یہ ہے کہ غیر مسلموں کو بلا وجہ اور بے دریغ قتل کیا جائے۔ یہ محض الزام ہی نہیں بلکہ مغربی ذرائع ابلاغ روزانہ کروڑوں روپے اس زہریلے پروپیگنڈے پر خرچ کر کے دنیا کو اسلام سے بیزار کرنا چاہتے ہیں۔ حد تو یہ ہوگئی ہے کہ عیسائیوں کے عالمی رہنما پوپ بینی ڈکٹ نے اسلام پر کھلی الزام تراشی کر کے مسلمانوں کے جذبات ہی مجروح نہیں کیے، بلکہ عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی مہم میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ عیسائی دنیا میں پوپ کی بات حتمی اور آخری ہوتی ہے۔ ان کے پروپیگنڈے کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام کو وحشیوں کا مذہب ثابت کیا جائے اور دنیا بھر میں مسلمان کو وحشی، انسان دشمن اور بے لگام جنگلی جنگجو کے طور پر پیش کیا جائے۔

اگر اصل حقائق پر نظر ڈالی جائے تو حضور اکرمﷺ کی حیات مبارکہ میں لڑی جانے والی 83 جنگوں میں صرف 334 افراد کی جانیں گئیں جن میں 117 مسلمان اور 217 کفار تھے جبکہ فرانس کی نو جنگوں میں چار لاکھ لوگ قتل ہوئے، کریمیا کی جنگ میں روس اور اتحادیوں کے چار لاکھ اسی ہزار لوگ مارے گئے، اسی طرح پہلی جنگ عظیم میں ایک کروڑ، دوسری جنگ عظیم میں 231 لاکھ افراد جان کی بازی ہار گئے۔ ویت نام میں امریکیوں نے جو قتل عام کیا پوری انسانیت اس پر شرمندہ ہے اور خود امریکی دانشور اور فوجی رفتہ رفتہ اس قتل عام سے پردہ اٹھا رہے ہیں۔ آج کے دور میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عراق، افغانستان، فلسطین میں ڈیزی کٹر بموں کے ذریعے کتنے لاکھ لوگ مارے، صحیح اعداد و شمار منظر عام پر آنے کے بعد دنیا ورطہ حیرت میں چلی جائے گی۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ قاتل، ڈاکو اور وحشی اسلام پر الزام لگا رہے ہیں۔

اسلام امن کا علمبردار ہے۔ انسانیت کی آخری امید یہی ہے۔ اسلام ہی نے انسان کو زندہ رہنے، آزاد رہنے اور انصاف فراہم کرنے کی ضمانت دی ہے۔ اب اُمت کے لیے یہ چیلنج ہے کہ وہ اپنے عمل، اپنے علم اور منظم جدوجہد سے اسلام دشمنوں کے اس پروپیگنڈے کا توڑ کریں اور اسلام کے حقیقی پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا کر اتمام حجت کریں۔ جب تک اُمت خود اپنا وجود تسلیم نہیں کرواتی اور اپنے وقار کے لیے کمر بستہ نہیں ہو جاتی، یہ کام نہیں ہو سکتا۔ آج اسلام مختلف مسالک کے نام تک محدود ہو کے ہی رہ گیا ہے۔ بہت کم ہیں جو اسلام کو فقہی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر براہ راست قرآن و سنت کی نظر سے دیکھیں۔ جب مسلمانوں ہی نے اسلام کو باندازِ دگر پیش کر رکھا ہے تو پھر غیر مسلم اس کی حقیقی تصویر سے کیسے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں کسی بھی حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کئی ایک راہیں میسر ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور انٹرنیٹ نے بات پہنچانا (Communication) آسان بنا دی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے حقیقی تصور سے آگاہی حاصل کی جائے اور اسے پوری دنیا تک پہنچا دیا جائے۔ یہ کام بھی انفرادی حیثیت کے بجائے اداروں کے کرنے کا ہے۔

☆بطورِ اُمت دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا:

آج مسلمان بکھرے ہوئے افراد کا ایک ہجوم ہے، انہیں موتیوں کی طرح یکجا کر کے ایک لڑی میں پرونے کی ضرورت ہے۔ انہیں ایک قیادت کے گرد جمع کرنے اور ایک عالمی قوم کا فرد ہونے کا تصور دینے کی ضرورت ہے۔ مسلمان ایک خدا اور ایک رسول ﷺ کو ماننے اور ایک عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ایک قوم اور ایک ملت بن جاتے ہیں۔ ایک ایسی قوم جو اپنے اجزا ترکیبی کو بہت ساری آزادیوں کے ساتھ اپنے اندر جذب کرتی ہے اور انہیں ایک قوت میں ڈھالتی ہے۔ اس اُمت کا حصہ بننے کی وجہ سے مسلمان دنیا میں اکیلا اور اجنبی نہیں رہتا۔ دنیا کے ہر کونے اور ہر علاقے میں اس کی برادری کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور موجود ہوتا ہے۔ اس عالمگیر برادری کا حصہ بننے کے فوائد کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔ پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ فرد خود کو اس اجتماعیت میں ضم کر دے اور اس کے فیصلوں کی دل و جان سے اطاعت کرے۔ یوں یہ اجتماعیت دنیا کی سب سے بڑی اجتماعیت بن سکتی ہے لیکن بدقسمتی سے عملی طور پر ایسا نہیں ہے، مسلمان فرقہ واریت، لسانیت اور علاقائیت کے سطحی اور بے مقصد خولوں میں بند ہیں۔ انہی تفریقوں کو انہوں نے سب کچھ قرار دے رکھا ہے، یہی ان کی زندگی کا نصب العین قرار پا چکا ہے۔ چند ایک نام نہاد قائدین کے اپنے تشخص اور مفادات کا تقاضا ہے کہ ان تفریقوں کو زندہ رکھیں۔ جو لوگ خود کو اُمت کے سمندر میں ضم کر کے اُمت کو تقویت دینے کے بجائے اپنی انفرادیت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں، وہ خواہ مذہبی پیشوا ہیں یا کٹھ پتلی حکمران، وہ سیاسی کارکن ہیں یا مذہب گریز (ترقی پسند، آزاد خیال اور بے لگام) خود پسند نام نہاد مسلمان۔ ان سب کو اسلام کا بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد کرواتا ہے، انہیں اسلام کے تصور حیات سے آشکار کرنا ہے اور اُمت کے تصور سے بہرہ ور کرنا ہے۔ یہ ایک بڑا چیلنج ہے، کیونکہ ایک ارب تیس کروڑ کے لگ بھگ انسانوں کو کسی ایک نکتے پر متفق کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ جب اتنی بڑی عددی قوت ایک جسم میں ڈھل گئی تو یہ دنیا کی سب سے بڑی قوت ہوگی۔ یہ قوت تب ہوگی جب اس کا نفع ونقصان ایک ہو اور یہ ایک جسم کے مانند ہوں گے۔ اس کا ایک قائد ہوگا اور سارے لوگ شرح صدر سے اپنے قائد کی اطاعت کریں گے۔ تب وہ اپنی ذات، اپنے علاقے، اپنی زبان اور اپنے ملک سے بلند ہو کر سوچیں گے۔ ان کی فیصلہ سازی میں ذاتی اغراض و مفادات کے بجائے اُمت کے مفادات و اغراض ہوں گے۔ جب سارے مسلمان حقیقی معنوں میں ایک اُمت بن جائیں گے تو ان کے آدھے مسائل از خود حل ہو جائیں گے اور بقیہ پچاس فیصد مسائل کے حل کے لیے بھی راہ ہموار ہو جائے گی۔

☆ اسلامی حکومت کا قیام:

آج چھپن سے زائد مسلم ممالک میں سے کسی ایک ملک میں بھی اسلامی نظام حکومت قائم نہیں حالانکہ یہ فرض ہر مسلمان پر عائد کیا گیا ہے۔ قرآن الحکیم میں اللہ تعالیٰ نے اقامتِ دین کی اہمیت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام ادیان (باطلہ) پر غالب کر دے، خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی بری لگے۔'' اس آیت کریمہ کی روح سے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ دین

اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دیا جائے۔ اس کا واضح مقصد ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے جس کے جملہ معاملات کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق چلائے جائیں۔ جہاں اسلامی تصور حیات کا عملی نمونہ پیش کیا جا سکے اور دنیا بھر کے لوگوں کو اس اسلامی ماڈل کو دیکھنے، اسلامی اور غیر اسلامی طرز ہائے حکومت اور نظریات زندگی کا تقابلی جائزہ لینے کا موقع ملے۔ ایک اسلامی ریاست اسلام کے بارے میں پھیلائی جانے والی سینکڑوں غلط فہمیوں اور پروپیگنڈے کا بھی مؤثر جواب ہو گی۔ یہ ماڈل دنیا پر اللہ کی طرف سے اتمام حجت کا درجہ بھی رکھے گا کہ دنیا بھر کے لوگوں تک اسلام کی عملی تصویر پیش کر دی گئی تھی اور کوئی انسان لاعلمی کا بہانہ نہیں بنا سکے گا۔

نئی نسل کے سامنے اسلام دشمن یہی پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ اسلام ایک ناکام مذہب ہے۔ مسلمانوں کی پسماندگی کو اسلام کی پسماندگی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے مسلمان نوجوان دنیا میں سینہ تان کر مسلمان کہلانے سے گریز کر رہے ہیں۔

اسی طرح مغرب نے اسلام کے بارے میں دہشت گردی کے ایسے من گھڑت الزامات لگائے ہیں کہ مغرب اور دیگر غیر مسلم ممالک میں بطور مسلمان زندہ رہنا مشکل بنا دیا گیا ہے۔ کہیں اسلام گالی بنا دیا گیا ہے اور کہیں مسلمان کا مطلب دہشت گرد بتا دیا گیا ہے۔ ان حالات اور چیلنجز کا تقاضا ہے کہ ہم اسلام کا حقیقی تصور دنیا کے سامنے رکھیں، جو ایک ماڈل اسلامی ریاست کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ جس کا لوگ کھلی آنکھوں سے مطالعہ کریں گے اور اس جیتی جاگتی تصویر سے انکار ممکن نہیں ہوگا۔ ان فوائد کے علاوہ بطور مسلمان، اُمّت کا ایک اہم فریضہ یعنی تکمیل شہادت حق کا فریضہ ادا ہو گا۔ اس لیے آج کے دور کے چند اہم اور مرکزی چیلنجز میں سے ایک اہم چیلنج اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جان گسل جدوجہد اور ترک وطن کے بعد مدینہ منورہ کو اپنا وطن قرار دیا اور طویل جدوجہد کے بعد وہاں ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ اسی اسلامی ریاست نے اسلام کی روشنی کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔

☆ طاغوتی جارحیت:

آج مسلم دنیا کے اہم ممالک افغانستان، عراق، فلسطین اور لبنان براہ راست طاغوتی جارحیت کا شکار ہیں۔ ان ممالک کا کسی سے کوئی براہ راست جھگڑا نہیں۔ عالمی طاغوتی طاقتیں کمزور مسلم ممالک کو نشانہ بنا کر دنیا کو اپنی طاقت سے ڈرانا چاہتی ہیں۔ افغانستان پر دہشت گردوں کو پناہ دینے کا الزام لگا کر راتوں رات ڈیزی کٹر بموں کی بارش کی گئی، عراق پر ایٹمی اور کیمیکل ہتھیار رکھنے کا الزام دھرا گیا اور اس جھوٹ پر اقوام عالم کو جمع کر کے اقوام متحدہ کے فولڈ میں عالمی بدمعاش قرار دے کر حملہ کیا گیا۔ بے گناہ انسانوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو آگ اور خون میں نہلایا جا رہا ہے۔ یہی معاملہ فلسطین کا ہے، فلسطینیوں کو جبراً بے دخل کر کے دنیا بھر کے یہودیوں کو وہاں بسانے کی سازش عالمی طاقتوں کے تعاون سے تیار کی گئی اور پچیس سالوں سے یہ طاقتیں اسرائیل کی پشت پر ہیں، انہیں اسرائیل کے مظالم نظر آتے ہیں اور نہ فلسطین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی دکھائی دیتی ہے اور نہ اسرائیل کے ایٹمی جراثیمی ہتھیار اور جدید ترین میزائل ٹیکنالوجی کا حصول انہیں عالمی قواعد کی خلاف ورزی لگتی ہے۔ اسی طرح وسط ایشیا کے ممالک میں بھی ایسی

حکومتیں مسلط کی گئیں ہیں جو اپنے عوام کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں لیکن دنیا کا کوئی ملک، انسانی حقوق کی کوئی تنظیم اور عالمی میڈیا کا کوئی چینل ان کی بات سننے اور دیگر لوگوں تک پہنچانے کے لیے تیار نہیں۔ یہ افغانستان اور عراق سے زیادہ خطرناک صورت حال ہے۔ اسی طرح لیبیا، سوڈان، ایران اور شام کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں اپنی مرضی کا نظام نافذ کرنے کے لیے اصلاحات کے نام پر تبدیلیاں کر رہے ہیں۔ لبنان کی جنگ کی کامیابی کی صورت میں پورے مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کرنے کا فریم ورک تیار تھا لیکن مسلم مجاہدین نے طاغوتی اتحاد کا راستہ روک لیا۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر ہونے والے حملے کو مسلمانوں پر حملے کا جواز بنایا گیا اور امریکی صدر بش نے صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ وہ خود کو سیکولر کہہ کر اپنی مذہبی جنونیت چھپانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں پر مذہبی انتہا پسندی کا الزام لگا کر انہیں دنیا کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں۔ الزامات سے آگے بڑھ کے کمزور مسلم ممالک کو ڈیزی کٹر بموں اور میزائلوں کی بارش سے نیست و نابود کرنا اسلام دشمنوں کا کھلا ایجنڈا ہے۔

ایسا کرنے کے لیے انہیں کسی جواز کی ضرورت نہیں، کمزور کا مسلمان ہونا ہی کافی ہے، ایسے میں دنیا کی ساری برائیاں انہی میں ہوں گی اور ساری دنیا کے فسادات کے ذمہ دار بھی یہی قرار پائیں گے۔ ان پر خود ہی الزام لگانا ہے اور خود ہی ان کی سزا کا تعین بھی کرنا ہے اور خود ہی عمل درآمد بھی کروانا ہے۔ آج دنیا میں مغربی طاغوت علمی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی بالادستی قائم کرنے کے بعد عسکری بالادستی کے ذریعے دنیا کی سپریم طاقت اور واحد مالک قرار پانے کے لیے جگہ جگہ طاقت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ الحمدللہ کمزور اور نہتے ہونے کے باوجود مسلم نوجوانوں نے عالمی بدمعاشوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ کفار نے جہاں جہاں مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش کی وہاں وہاں وہ مزید پھنستے چلے گئے۔ اب انہیں افغانستان، عراق اور فلسطین سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا۔ لبنان میں اچھی خاصی ہزیمت اٹھانے کے بعد پسپائی پر مجبور ہوئے۔

ان کا حملہ بظاہر کسی ایک ملک پر ہوتا ہے جبکہ عملاً وہ اُمت مسلمہ کو الگ، الگ کر کے مارنا چاہتے ہیں، تاکہ یہ اکٹھے بھی نہ ہوسکیں اور ان کی الگ الگ پہچان کو نشانہ بنایا جائے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اکثر مسلم ممالک پر انہی طاغوتی طاقتوں کے حواری حکمران مسلط ہیں اور وہ انہی کے تعاون اور خفیہ معلومات کی فراہمی سے اپنے اہداف حاصل کر رہے ہیں۔ ان ناعاقبت اندیش کاسہ لیس حکمرانوں کو اندازہ نہیں کہ آج وہ کسی کی خاطر دشمنان اسلام کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں تو کل خود ان کی باری ہوگی۔ شہنشاہِ ایران کے عبرت ناک انجام سے بھی کسی نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ وہ ساری زندگی جن کے لیے جیتا رہا، مرتے وقت انہوں نے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

آج مسلمانوں کو ایک اُمت کے طور پر خود کو منوانا ہے۔ جب مسلمان ایک اُمت بن گئے تو پھر دنیا کے کسی ملک میں یہ جرأت نہیں ہوگی کہ وہ اُمت مسلمہ کے کسی رکن کو میلی آنکھ سے دیکھ سکے۔ جب اُمت یہ طے کر لے گی کہ کسی بھی رکن پر حملہ پوری مسلم امہ پر حملہ تصور ہوگا تو مسلمانوں کو ترنوالہ سمجھنے والے اپنی اصلاح خود کر لیں گے اور مسلمانوں کو بھی اس عذاب اور عدم استحکام سے نجات مل جائے گی۔

نتیجہ (Conclusion):

گزشتہ اوراق میں دورِ حاضر میں اُمّتِ مسلمہ کے مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کے تدارک کی تدابیر کو بیان کیا گیا ہے۔ ان مسائل میں اسلام کا حقیقی علم کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں، جہالت کا خاتمہ اور اقتدارِ اعلیٰ کا حصول سرفہرست ہیں جبکہ چیلنجز میں اتحادِ اُمّت، اغیار کے الزامات کا رد، طاغوتی جارحیت کا مقابلہ اور اقامتِ دین کے لیے اسلامی حکومت کا قیام شامل ہیں۔ یہ مسائل اور چیلنجز کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں بلکہ ہر دور میں جب وقت کے ناخداؤں کو للکارا گیا، جب بے شمار خداؤں کے بجائے ایک اللہ کی دعوت دی گئی تو پوری دنیا مسلمانوں کے لیے مسائل کی آماج گاہ بن گئی۔ ساری اسلام دشمن قوتیں یکجا ہوگئیں اور انہوں نے اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے منصوبے بنائے، مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اگر ماضی کے مسلمانوں کے مصائب اور مشکلات پر ایک نظر دوڑائی جائے تو آج کے مسائل بے شمار پہلوؤں سے ان سے کہیں کم ہیں۔ ماضی کے مقابلے میں مسلمان آج زیادہ باوسائل اور بڑی تعداد میں ہیں۔ ان کے پاس علم و حکمت بھی زیادہ ہے اور سامان و جنگی تکنیک بھی وافر ہے۔ ماضی میں اپنی کم عددی اور مادی وسائل کی انتہائی قلت کے باوجود مسلمان بڑی سے بڑی مشکل سے کامیاب ہی نکلتے رہے ہیں۔ اگر اس کی وجوہات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا تعلق باللہ آج کے مسلمانوں سے کہیں بہتر تھا۔ اسی اعتبار سے ان کا اللہ پر توکل اور بھروسا بھی زیادہ قوی تھا۔ یہ دراصل ان کے ایمان کی کیفیت تھی۔ آج کے دور کا مسلمان بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں جیسی صفات پیدا کر کے، اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے جب پوری یکسوئی سے آگے بڑھے گا تو کامیابی اس کا مقدر ہوگی۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ایک اُمّت نہیں رہے اور بدقسمتی سے ایک اُمّت بننے کے لیے بھی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں ہو رہی۔ جو چند لوگ اُمّت کے تصور سے آگاہ ہیں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اکثریت اپنے اپنے خولوں (فقہی، علاقائی اور لسانی) میں بند ہے اور اسی کو کُل دین اور کُل کائنات تصور کر کے بٹی ہوئی ہے۔ ہمیں ان خود ساختہ خولوں سے نکلنا ہوگا، بلکہ ان خولوں کو ہمیشہ کے لیے توڑ کر ایک جھنڈے تلے خود کو اُمّت کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔

جب ہم اُمّت بن جائیں گے تو پھر اُمّت کے طور پر سوچنا شروع کریں گے۔ جب سوچ و فکر مشترک ہوگی تو پھر اقدامات بھی مشترک ہوں گے۔ جب منزل مشترک ہوگی، ہدف ایک ہوگا، دشمن اور دوست ایک ہوں گے تو پھر مسلمان ایک قوت ہوں گے۔ جب مسلمان قوت ہوں گے تو پھر دشمنوں کی تمام سازشیں دھری کے دھری رہ جائیں گی۔ دنیا طاقت کی زبان سمجھتی ہے اور طاقت والوں کی تقلید کرتی ہے۔ جب مسلمان طاقتور ہوں گے تو وہی اس دنیا کے قائد ہوں گے۔ ایک طاقت ور قوم، ملت یا اُمّت بننے کے لیے قرآن کی اس ہدایت پر قائم رہنا ہوگا: ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ'' پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ حضور اکرم ﷺ کی ساری تعلیمات مسلمانوں کو ایک جسم اور ایک جان بنانے پر مشتمل ہیں۔ جب مسلمان دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے راہنمائی لینا شروع کر دیں گے، تب ہر مشکل مرحلے پر انہیں راہنمائی ملے گی۔ ایسی راہنمائی جو کامیابی کی ضمانت ہوگی۔ (ان شاء اللہ)۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد مشتاق کلوٹا - کراچی

آفتاب ایک وقت میں کرہ ارض کے ایک ہی پہلو کو روشن کرسکتا ہے لیکن اس سراج منیر نے وقت واحد میں جاہلیت کی ظلمت و جہالت کی تاریکی، کفروشرک کی سیاہی، رسوم کے اندھیرے، رواج کی گھٹا، تقلید کی تیرگی کو اپنی نورانی شعاعوں سے اٹھاکردلوں کو نور ایمان سے، دماغ کو عقائد صحیحہ کے لمعات سے، آنکھوں کو کتاب مبین کے مطالعہ سے، دھندلے تذبذب کو دلائل سے، تاریک ظنون کو براہین مبینہ سے روشن فرمایا۔(۱) اس روشنی میں ہر ایک نے حقیقت اشیاء کو دیکھااور ہر ایک کی نگاہ خود اپنے آپ کو دیکھ سکنے کے قابل ہوئی۔ وہ جو انسانیت کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے تھے اب خود ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' (۲) ثابت ہوئے۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

اسلام تہذیبی اور جغرافیائی اعتبار سے دنیا کے ایک پسماندہ ترین خطے میں آیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے جاہل عربوں کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوم بنادیا اور انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسا جامع نظام پیش کیا جو روحانی اور مادی ہر دو اعتبار سے انسانی مسائل کے حل اور اس کے ارتقاو ارتفاع کا ضامن ہے۔ (۳)اسلام ایک آخری دین ہے جو حضرت **محمد(۴) داع (۵)الامی (۶) فائق (۷)متلقی القرآن (۸) العالم (۹) العلیم (۱۰) المعلم (۱۱) مصدق (۱۲) الحجتہ البالغہ (۱۳)، مبشراً (۱۴) صاحب المعراج (۱۵)المرتل (۱۶) الحکیم (۱۷) المزکی (۱۸) ھادی اعظم (۱۹) خاتم النبیین (۲۰) الظاھر (۲۱) امام الناس(۲۲)احمد(۲۳) سید الثقلین(۲۴) رفیع الذکر(۲۵)، عبداللہ(۲۶) المبتھل (۲۷)شاھداً(۲۸) المرتضی (۲۹) رؤف رحیم (۳۰) المجاھد(۳۱) ذوالقوۃ (۳۲) بشرکامل (۳۳)رسول کامل (۳۴) امام المتقین (۳۵) المسبح(۳۶)عبد کامل (۳۷) المنذر (۳۸) الموید(۳۹) المتوکل (۴۰) العابد (۴۱) الذکر(۴۲)** کو آخری کتاب یعنی قرآن پاک کے ذریعے عطا فرمایا گیا ہے اس کا دائرہ نصیحت عالمگیری اور دور قیامت تک ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا(۴۳)

ترجمہ: ''اے محمد! کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں''۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

''کان کل نبی یبعث الیٰ قومہ خاصہ و بعثت الی کل احمر و اسود''(۴۴)

ترجمہ: ''ہرنبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھااور میں تمام سرخ و سیاہ قوموں کی طرف

مبعوث کیا گیا ہوں''

لہٰذا آپ ﷺ کی تعلیمات عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کی پیش کردہ تعلیمات محض نظری نہیں بلکہ خود ان پر عمل کر کے انہیں عملی زندگی میں نافذ کیا۔ صرف حضرت محمد ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔ (۴۵) ارشاد ربانی ہے کہ

''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ''(۴۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو سارے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں جانتے''

آپ ﷺ کی ہستی رہتی دنیا تک کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''(۴۷)

ترجمہ: ''البتہ تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ موجود ہے''

اسلام کا ظہور درحقیقت دین ابراہیم کی حقیقت کی تکمیل تھی۔ اس لیے وہ ابتدا ہی سے اس حقیقت گم شدہ کی تجدید و احیاء میں مصروف ہوگیا جس کا قالب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں نے تیار کیا تھا۔ (۴۸)

According to Webster's Dictionary: ***The meaning of the word ISLAM***

Islam is an Arabic word meaning "submission (to Allah)" and is described as a "Deen" in Arabic, meaning "way of life" and/or "religion". It has an etymological relationship to other Arabic words, such as Salaam, meaning "peace".(49)

براعظم امریکہ سے لیکر ایشیاء تک، آسٹریلیا سے لیکر یورپ تک افریقہ سے لیکر انٹارٹیکا تک جہاں کہیں انسان آباد ہے وہ امن کا خواہشمند ہے۔ تشدد اور انتہا پسندی سے نفرت کرتا ہے۔ (۵۰)

اسلام انتہا پسندی کے الزام کی واشگاف تردید کرتے ہوئے دعویٰ کرتا ہے کہ دین اسلام اتفاق واتحاد کا مذہب ہے۔ (۵۱) یہ اخلاق اور محبت کا پیغام ہے۔ (۵۲) انسان کا ناصح ہے۔ (۵۳) یہ اخوت و بھائی چارے کا پیغام بر ہے۔ (۵۴) یہ آزادی فکر کا حامی ہے۔ (۵۵) یہ دین متعدین (۵۶) کافرین (۵۷) ظالمین (۵۸) مفسدین (۵۹) مسرفین (۶۰) خائنین (۶۱) مستکبرین (۶۲) فرحین (۶۳) کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس کی بجائے یہ دین محسنین (۶۴) متطہرین (۶۵) صابرین (۶۶) متوکلین (۶۷) مقسطین (۶۸) متقین (۶۹) مطہرین (۷۰) سے محبت رکھتا ہے۔ یہ دین کسی پر ظلم وتشدد ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ (۷۱) بلکہ زندگی کے ہر لمحے میں امن وسلامتی چاہتا ہے۔ (۷۲) اور اس مقصد کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اپنے اصولوں اور فرائض میں شامل کرتا ہے۔ (۷۳) یہ دین مذہبی انتہا پسندی کی آڑ میں کسی پر ظلم و زیادتی یا تشدد کا روادار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ فلسفہ انسانیت میں یہ انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ تصور کرتا ہے۔ (۷۴) یہ دین

انسان کی عزت وعظمت کے بارے میں اس قدر حساس ہے کہ یہ ایک انسان کی دوسرے کے ساتھ بدکلامی (۷۵) بدگمانی (۷۶) بدی (۷۷) بہتان (۷۸) بے حیائی (۷۹) کو نہ صرف انسانی قدروں کے خلاف سمجھتا ہے بلکہ ان رذائل کو نگاہ تصور کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے لیے پاک دامنی (۸۰) پاکیزگی (۸۱) تقویٰ و پرہیزگاری (۸۲) تزکیہ نفس (۸۳) نیکی (۸۴) ثابت قدمی (۸۵)، حسن سلوک (۸۶) خشیت الٰہی (۸۷)، رضائے الٰہی (۸۸) صدق (۸۹) مساوات (۹۰) عفو و درگزر (۹۱) عمل صالح (۹۲) کو انسانی قدروں و منزلت کی علامات اور صفات وقار دیتا ہے اور یہ سارے حوالے میرے نبی ﷺ کی سیرت و کردار کے روشن حوالے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے تئیس سال کی مختصر مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کردیا جو آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن کے سخت مخالف رہے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تئیس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے وہ پوری دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ (۹۳)

اسلام تیزی سے پھیلنے والا دین:

اسلام آج بھی نہ صرف امریکہ بلکہ پورے عالم میں تیز رفتاری کے ساتھ بڑھنے والا دین بنتا جا رہا ہے۔

The second-largest religion in the world after Christianity, Islam is also the fastest-growing religion. In the United States, for example, nearly 80 percent of the more than 1,200 mosques have been built in the past 12 years.(94)

مشہور و معروف امریکی میگزین میں ہلیری کلنٹن اسلام کے حوالے اس طرح رقم طراز ہے کہ

Islam is the fastest-growing religion in America, a guide and pillar of stability for many of our people."(95)

امریکہ کے ایک ادارے مڈل ایسٹ میڈیا اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق 11 ستمبر 2001 کے بعد صرف تین مہینوں میں 43 ہزار امریکی شہریوں نے اسلام قبول کیا (۹۶)۔ کونسل فار امریکن اسلامک ریلیشنز (CAIR) کے عرب افیئرز کے ڈائریکٹر العبیومی نے لندن کے ایک روزنامہ ''الحیاۃ'' (۹۷) کو دیئے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ''غیر مسلم امریکن اب اسلام کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہیں'' (۹۸) دنیا کا کوئی کونا ایسا نہیں ہے کہ جہاں اس کا پیغام سرایت نہ کررہا ہو۔ اسلام پر فاشزم کا لیبل لگانے کی کوشش بھی باطل کی تمام تر کوششوں کی طرح سعی نامشکور ثابت ہوگی جیسے ابوجہل کے منفی پروپیگنڈے کا الٹا اثر ہوا کہ لوگ متجسس ہوکر پیغمبر اسلام، ان کی تعلیمات، قرآن مجید کو جاننے کی کوشش کرتے تو متاثر ہوکر بہ رضا و رغبت اسلام قبول کرلیتے۔ (۹۹)

امت سے کیا مراد ہے؟

امت ہر اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا کوئی رابطہ اشتراک موجود ہو، خواہ یہ اتحاد مذہبی وحدت کی بناء پر ہو یا جغرافیائی یا وقتی (عصری) وحدت کی وجہ سے ہو اور خواہ اس رابطہ میں امت کے اپنے اختیار داخل ہو یا نہ ہو۔ امت باعتبار لفظ واحد کے ہیں اور باعتبار معنی کے جمع۔ جماعت کے علاوہ امت، مدت طریقہ اور دین کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔(۱۰۰)

امت مسلمہ کا تصور:

امت کے لغوی معنی جماعت، گروہ، خاندان، نسل اور طریقہ کے ہیں۔(۱۰۱) ابن منظور کے بقول ''الامة : الجیل و الجنس من کل حی'' ترجمہ ''امت کے معنی ہر جاندار کے گروہ یا جنس کے ہیں'' (۱۰۲) امت ایک خصوصی اسلامی تصور ہے جو اسلام کے نظریاتی و معاشرتی پہلوؤں کا مظہر ہے۔ اس خصوصی تصور کی بنا پر مسلمان دنیا میں منفرد اجتماعیت کے حامل ہیں۔ قرآن مجید میں میں امت اور اس کے متعلقات ۶۴ دفعہ استعمال ہوئے ہیں اور اسے کئی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔۔ مطلق جماعت یا گروہ کے معنی میں بھی اور جو زندگی کی علامت رکھتے ہیں جیسے انسانوں کی جماعت یا گروہ کے لیے بھی امت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔(۱۰۳) گروہ کے لیے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ

" لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ. اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ"

ترجمہ ''ہر گروہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے وہ وقت جب آ جاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے ہیں اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔'' (۱۰۴)

جماعت کے لیے قرآن میں اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ

''وما من دآبة فی الارض ولا طٰئرٍ یطیرُ بجنا حیه الا امم امثالکم''

ترجمہ ''اور زمین پر جو چلنے پھرنے والا یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں'' (۱۰۵)۔

ملت اسلامیہ کے ایک خاص گروہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ

''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ'' (۱۰۶) ترجمہ ''اور تمہارے درمیان ایک خاص امت ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے''۔

امت کا لفظ صرف افراد کے مجموعہ کے لیے ہی نہیں استعمال کیا گیا بلکہ ان کے عقیدے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مشرکین اپنے عقائد کی دلیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

" بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ" ترجمہ ''بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے اور انہی کے قدم پر چل رہے ہیں'' (۱۰۷)

اسی طرح نظریاتی گروہ کے لیے امت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔قرآن ابراہیم علیہ السلام کی امت کو ایک امت قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

"اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا. وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" ترجمہ "بلاشبہ ابرہیم ایک امت تھے اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو اور مشرکوں میں سے نہ تھے" (۱۰۸)۔

امت کا لفظ ایک مخصوص مدت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا جیسے

"وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ." ترجمہ "اگر ایک مدت معین تک ہم انسانوں سے عذاب روک دیں تو کہیں گے کونسی چیز عذاب کو روکے ہوئے ہے۔" (۱۰۹)

قرآن مجید نے امت محمدیہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ." (۱۱۰) ترجمہ "تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

"اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" (۱۱۱) ترجمہ "یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ

"وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" (۱۱۲) ترجمہ "اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے"

ایک جگہ امت مسلمہ کو "امت وسط" کا خطاب دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا." (۱۱۳) ترجمہ "اور اسی طرح ہم نے تم کو امت متعدل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہونگے"

ارشاد ہوتا ہے کہ

"لكل اُمةٍ جعلنا منسكاً" ترجمہ "ہر امت کے لیے ہم نے ایک طریق عبادت مقرر کیا ہے" (۱۱۴)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

"انا آخر الانبیاء و انتم آخر الامم" ترجمہ "میں آخر نبی ہوں اور تم آخری امت ہو" (۱۱۵)

امت اور قوم میں فرق:

اگرچہ بعض اوقات قوم اور امت کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے اور فی الحقیقت قوم اور امت بالکل مختلف معنی و مفہوم رکھنے والی اصطلاحیں ہیں۔ (۱۱۶) قرآن مجید میں "امت" کے لیے دوسرا لفظ "حزب" (گروہ، پارٹی، جماعت) آیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں مسلمانوں کے لیے لفظ "جماعت" بکثرت استعمال ہوا ہے۔قوم کا لفظ نہ

قرآن نے مسلمانوں کی جماعت کے لیے پسند کیا ہے اور نہ حدیث میں آیا ہے۔(۱۱۷) پاکستان میں بسنے والے ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان سب پاکستانی قوم کے افراد ہیں لیکن ان میں سے امت مسلمہ کے ارکان صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ امریکی قوم، روسی قوم، جرمن قوم، چینی قوم، جاپانی قوم، مصری قوم، ہندوستانی قوم وغیرہ دنیا کی سب اقوام کے جو افراد مسلمان ہیں وہ سب کے سب امت مسلمہ کے ارکان ہیں۔(۱۱۸)

امت کے لیے اتحاد امکانی، اتحاد رنگ ونسل اور اتحاد زبان کا ہونا ضروری نہیں۔ جب کہ قوم کے لیے ان امور کا ہونا ضروری ہے۔ امت کا ایک فرد افریقہ میں بس رہا ہو، دوسرا امریکہ میں تیسرا کسی اور دور دراز علاقہ میں یہ سب ایک ہی امت کے افراد کہلائیں گے۔ عقائد کے بدلنے سے ایک فرد امت سے نکل جاتا ہے جبکہ قومیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(۱۱۹)

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل وچیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں

آج عالم اسلام میں اخلاق و ایمانیات، معیشت، معاشرت اور تہذیب وثقافت کے میدانوں میں جو صورت احوال نظر آتی ہے اور بالخصوص عالم عرب میں آج جو کربناک منظر ہمارے سامنے ہے اسے دیکھ کر ہر صاحب بصیرت اور دردمند مسلمان سراپا استفسار بنا نظر آتا ہے۔(۱۲۰) زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے کیونکہ اسلام صرف الہامی پندو نصائح کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کے عملی حل بھی فراہم کرتا ہے۔ اسلام انفرادی و اجتماعی دونوں سطح پر مثبت نتائج دیتا ہے۔ اسلام بہترین ضابطہ حیات ہے کیونکہ یہ ایک عملی اور آفاقی مذہب ہے جو کسی مخصوص رنگ ونسل یا شہرت کے لوگوں تک محدود نہیں ہے۔(۱۲۱) آج یورپ میں جو فکری اور روحانی بحران ہے وہاں کے افراد مستقبل سے تئیں جو مایوس نظر آرہے ہیں اور ایسے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں جن سے آزادی حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر وہ اسلام اور اسلامی اصولوں کو اصل قائد و رہنما مان کر اپنی زندگی کے مراحل طے کریں گے تو ان کا مستقبل بحال ہوگا اور انہیں زندگی کا اصل لطف نصیب ہوگا اور ایک ایسا عالمی نظام وجود میں آئے گا جو دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کے بجائے ان کو تحفظ اور امن وسلامتی فراہمی کرے گا اور ان کی زندگی کی چول بیٹھ جائے گی۔(۱۲۲) ملک وملت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے بھی سیرت پاک ہی کو پیش نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ایمانیات میں اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی متفق علیہ ہے۔ یہی مرکو ہے جہاں سارے اختلافات ختم ہوجاتے ہیں اور انسانیت انتشار سے نجات پاکر ایک وحدت کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔(۱۲۳)۔

آپ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا

یاأیها الناس! انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم فلن تضلوا ابداً ؛ کتاب الله، وسنته نبیه ﷺ (۱۲۴)

ترجمہ: "اے لوگو! میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑو گے تو

کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت"۔

مذہبی چیلنج:

مذہبی چیلنجز میں آج مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا چیلنج انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ہے۔آیئے پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ انتہا پسندی اور بنیادی پرستی کے کیا معنی ہیں۔

What is Fundamentalism?

In comparative religion, fundamentalism has come to refer to several different understandings of religious thought and practice, through literal interpretation of religious texts such as the Bible or the Qur'an and sometimes also anti-modernist movements in various religions.(۱۲۵)

مسلمانوں کے بارے میں ایسے تصورات ہر طرح کے ذرائع ابلاغ میں مسلسل پیش کیے جاتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں نہایت غلط معلومات بھی نتھی کردی جاتی ہیں۔ یہی وہ غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک یا ان کے خلاف پرتشدد کاروائیوں کے پس پشت کارفرما ہوتے ہیں۔(۱۲۶)امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے اس سال کے خطاب بہ عنوان State of the Nation(جنوری ۲۰۰۶) میں کھل کر کہا گیا ہے کہ"ہمارا اصل مقابلہ"سیاسی اسلام" (Political Islam)اور"اسلامی بنیاد پرستی" (Islamic Fundamentalism) سے ہے"۔ (۱۲۷)اور یہی وہ نکتہ نظر ہے جو سیموئیل پی ہن ٹنگٹن نے پوری چابکدستی کے ساتھ مغرب کے پالیسی سازوں کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کی ہے وہ کہتا ہے کہ"مغرب کا اصل مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں، خود اسلام ہے۔ یہ ایک مخصوص تہذیب ہے جس کے وابستگان اپنے تمدن کی برتری کے قائل ہیں اور اقتدار و اختیار سے محرومی کی وجہ سے پریشان ہیں۔" (۱۲۸)مغربی میڈیا یہ تاثر دیتا ہے کہ"بنیاد پرستی" کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہوجاتی ہے ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی گلوبل حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہوچکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت میں بھی موجود ہے۔(۱۲۹)آج اگر کسی شخص کے سامنے"بنیاد پرست" کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ فوری طور پر ایسے کسی مسلمان کا تصور ذہن میں لاتا ہے جو دہشت گرد ہو۔(۱۳۰)آیئے دیکھتے ہیں کہ مختلف مذاہب کس طرح انتہا پسندی کی تعلیم دیتے ہیں۔

مذاہب اور اقوام عالم میں مذہبی انتہا پسندی اور فکری جمود

ہند وتعلیمات :

ہندومت تعلیمات کا خلاصہ ''دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلادو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کردو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔(۱۳۱) لیکن جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی خلاف منظم کاروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے خیالات کیا تھے اور ہندوؤں کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشیور اوَبلی رام کی اس رائے سے کیا جاسکتا ہے کہ ''ہندوستان کا پورا کو چک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔ (۱۳۲)قیام پاکستان سے قریباً ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے مسلم کش فسادات شروع ہوگئے تھے۔(۱۳۳)۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا ''اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لیکر مکہ تک تمام مسلمانوں کوختم کردو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے''(۱۳۴)

ہندوؤں کی مذہبی کتب مقدسہ فکری جمود اورقتل و غارت گری سے بھری ہوئی ہیں۔ یجر وید میں لکھا ہے۔ یہہ اگنی۔ غارت گری کی جنگ میں مال غنیمت لائے۔ (۱۳۵)رگ وید میں لکھا ہے کہ ہر بد گو کو قتل کردے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر۔ (۱۳۶) اے مینو (غضب کا دیوتا) ہم سے لڑنے والوں پر غالب آ، توڑے جا، قتل کیے جا، دشمنوں کو کچلے جا۔ (۱۳۷)آج بھی ہندوستان میں نچلی ذات کے ہندؤوں کا وقفہ وقفہ سے قتل عام ہورہا ہے۔ بابری مسجد تک شہید کردی گئی۔ ہزاروں مسجدیں سیل پڑی ہیں۔گولڈن ٹیمپل پر حملہ کرکے اس کو تباہ کیا گیا اور ملک بھر میں سکھوں کا قتل عام کیا۔ (۱۳۸)

یہود یت:

یہودیوں کے تشدد،فکری جمود اور انتہا پسندی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے جہاں یہ بتایا کہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں (۱۳۹)نقص عہد کرتے ہیں (۱۴۰)وہیں ان کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا ہے کہ **تقتلون الانبیاء بغیر حق** (۱۴۱)ناحق انبیاء کا قتل کرتے ہیں، ہمارے سامنے یہودیوں کی کوئی مسلم کتاب نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ کچھ زمانہ کے حملہ آوروں، کچھ احبار کی تصحیف کچھ امتداد زمانہ کے سبب اصل کتاب ناپید ہوچکی ہے۔(۱۴۲)یہود نے اپنے معاصر اہل مذہب پر زیادتیاں کیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول متی انجیل کے صلیب پر چڑھا دیا گیا، پیٹ پھاڑ کر انتڑیاں نکال دی گئیں۔(۱۴۳) جبکہ قرآن کہتا ہے کہ نہ سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا۔(۱۴۴)خود یہود کے ساتھ عیسائیوں نے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا بخت نصر نے ان کا قتل عام کیا، بیت المقدس کو آگ لگادی، ان کی مذہبی کتب جلادی، بحران میں اتفاقاً یہودی قتل ہوگئے تو حمیری یہودی حکمران ذونواس نے عیسائیوں کا قتل عام کیا۔(۱۴۵) یشوع کے متعلق آتا ہے''انہوں

نے ان سب (مفتوحین) کو جو اس شہر میں تھے کیا مرد، کیا عورت، کیا جوان، کیا بوڑھا، کیا بھیڑ اور کیا گدھا سب کو تہہ تیغ کیا" (۱۴۶)۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر یہودیوں نے ستر ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔(۱۴۷)

عیسائیت اور مجوسیت:

عیسائیت ایک الہامی مذہب ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کے لگ بھگ دو ارب پیروکار ہیں۔ اسلام وہ واحد غیر مسیحی مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کی تلقین کرتا ہے۔(۱۴۸) عیسائیت اپنے دور ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتا رہا لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرتناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزور شمشیر کچلا جائے گا۔ غیر مذہب کے لوگوں کے لیے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ تھا، ایک شدید ایذا کا اور دوسرا نا قابل برداشت جسمانی اذیت کا۔(۱۴۹)

معروف مسلم اسکالر محمد مارماڈیوک پکتھال کہتے ہیں کہ "کیا یہ سچ نہیں کہ ہسپانیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معناً اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ (۱۵۰)ایران کے نزدیک ہر غیر ایرانی وحشی اور باغی تھا اور یہی سبب تھا کہ یہ سلطنتیں جنگ میں ہر اخلاقی اقدار کو پامال کرتیں اور ایک دوسرے کے خلاف انتہاء پسندی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔(۱۵۱)۵۷۰ء میں حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعہ پورا لشکر نیست و نابود کردیا۔ اس حملے کا بنیادی سبب کلیسائے صنعاء کی اہانت کا بدلہ لینا تھا (۱۵۲)

بدھ مت:

بدھ مت کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ رہبانیت، تجرد، نفس کشی اور ترک دنیا کو اختیار کیا جائے۔ وہ زندگی کے محض تاریک پہلو ہی پر اپنی نظر مرکوز رکھتے ہیں۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو یہ فلسفہ حیات دیا کہ زندگی مصیبت ہے اور خواہش اس مصیبت کا سبب ہے۔ لہٰذا "یزدان" یا نجات کا راز فنا، ترک دنیا اور رہبانیت میں مضمر ہے۔ جس کے لیے خواہش احساس اور شعور کو پوری طرح مٹا دینا ضروری ہے۔(۱۵۳) یہ مذہبی انتہا پسندی ہے۔ اس تعلق سے واضح ہے کہ بدھ زندگی کے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کرنا چاہتے اور انقلاب سے نہیں گزرنا چاہتے، انسانی زندگی کے لیے کوئی اعلیٰ نصیب العین مقرر کرکے اس کی خاطر کاوش اور جدوجہد کو اپنا شعار بنانا چاہتے۔(۱۵۴)

روما:

قبل از اسلام دو اہم حکومتوں میں سے ایک روما کی حکومت ہے۔ وہاں دیگر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے علاوہ

مذہبی انتہا پسندی بھی عروج پر تھی اور یہ عالم تھا کہ جس کسی شخص کے بارے میں بھی یہ علم ہوتا تھا کہ وہ ان کی قید سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے تو وہ فوراً اس کے بارے میں الحاد و ارتداد کا فتویٰ دے کر اسے آگ میں جلا دیتے تھے یا اسے ایسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے تھے کہ جس سے جانوروں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔(۱۵۵) پھر رومی سلطنت میں ایک فتنہ عروج پر تھا۔ وہ تھا عیسائیوں کا باہمی تصادم، یہ تصادم عیسائیوں کے اس وقت کے دو معروف فرقوں کے مابین تھا، ایک تھے روم وشام کے ملکائی (Malkite) اور دوسرے تھے مصر کے مینوفرائس (Mnonphyrites) ان میں سے پہلے فرقے کے عقائد کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی جس نے اسے بہ جبر پوری ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مخالفین کو سخت ترین سزائیں دیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو بددین قرار دیتے رہے۔(۱۵۶)

تعلیمات نبویﷺ کی حاصل رہنمائی میں مذہبی انتہا پسندی کا تدارک:

خاتم النبیین، سید المرسلین، رحمت للعالمینﷺ نبی رحمت ہیں۔ آپﷺ کی پوری حیات مقدسہ اور سیرت طیبہ عفوودرگزر، رحمت و رافت اور مثالی مذہبی رواداری سے عبارت ہے۔ انسانیت کے محسن اعظم، ہادی عالم، رحمت مجسم، حضرت محمدﷺ نے غیر مسلم اقوام اور اقلیتوں کے لیے مراعات، آزادی اور مذہبی رواداری پر مبنی ہدایات اور عملی اقدامات تاریخ انسانی کے اس تاریک دور میں روا فرمائے کہ جب لوگ مذہبی آزادی و رواداری سے ناآشنا تھے اور مذہبی آزادی و رواداری کے مفہوم و تصور سے انسانی ذہن خالی تھا۔(۱۵۷) تعلیم اسلام میں معقولیت پسندی پر زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپﷺ کے پیش کردہ نظریہ حیات نے جزیرہ عرب میں علم کے پیاسوں اور عمل کے شیدائیوں کی ایک ایسی جماعت تیار کردی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ (۱۵۸)

بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ کرہ ارض پر ہماری کامیابی کا راز تعلیمات نبویﷺ میں مضمر ہے۔ جب تک ہم اپنے سفر کا آغاز ''منہاج النبوۃ'' کی روشنی میں نہ کریں تو ہماری کامیابی ممکن نہیں بلکہ ناکامی قطعی اور یقینی ہے۔ ہمیں بغیر لیت ولعل کے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ تعلیمات نبویﷺ کے سوا ہمارا اور کوئی چارہ نہیں۔(۱۵۹) ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں مذاہب کے دو عالمی مرکز اور سپر پاور ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کا مذہبی عدم رواداری کے حوالہ سے کردار مشہور یورپین مصنف ایچ جی ویلس (H.G.Wells) کے مطابق

> ''اب دنیا میں انسانوں کا کوئی ایسا طبقہ باقی نہیں رہا تھا جو زمانہ قدیم کے شرفاء کی طرح جرأت اور آزادی خیالی کا حامی ہوتا اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش وتحقیق یا جرات مندانہ اظہار خیال کا حامل ہوتا، اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی اور سماجی افراتفری تھی۔ ساتھ ہی ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں انسانی ذہن کند اور بنجر ہو چکا تھا۔ ایران اور بازنطینہ دونوں مملکتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزدانہ اظہار خیال پر بھی کڑے پہرے بٹھائے دیئے گئے تھے۔ (۱۶۰)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب (رواداری) اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹے اور نجات کے لیے قطعی ناموافق سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی اجنبی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خود غرضی ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی۔ بلکہ انجیل متی کی روایت پر اعتماد کیا جائے تو خود عیسیٰ علیہ السلام فرما چکے تھے کہ میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں۔ مجھے باقی دنیا سے تعلق نہیں، اور اپنے حواریوں یعنی فرستادوں اور مذہبی مبلغوں کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ چار دانگ عالم میں تو جائیں لیکن وہ تبلیغ عیسائیت صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں کریں۔ (۱۶۱) اس پر مستزاد تصور یہ تھا کہ عمل کو کوئی اہمیت نہیں۔ ہمارے ہم مذہبوں میں داخل رہنا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ وہ نجات ابدی کے لیے کافی ہے۔ (۱۶۲)

اسلام کے بارے میں مغرب کا نقطہ نظر:

یورپ اور عالم اسلام میں قائم تعلقات جس اساس و بنیاد پر قائم ہیں اس کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔ ان تعلقات کی اصل بنیاد اب تک یہی ہے کہ یورپ آج بھی اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اس کے اور عالم اسلام کے مابین صلیبی جنگیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ یہ ابھی تک جاری ہیں۔ (۱۶۳) مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا نصب العین یورپ کے لیے ہمیشہ سے مرکزی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ لیکن اس کے حصول کے حوالے سے تدابیر اور طریق ہائے کار میں اس کے ہاں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے۔ یورپ اس نتیجہ تک پہنچ چکا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس وقت تک تباہ و برباد نہیں کرسکتا جب تک وہ اسلام کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ (۱۶۴) سابق امریکی نائب وزیر خارجہ آئی یوجین روستو صلیبی جنگ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ہم یورپ والوں اور مسلمانوں کے مابین صلیبی جنگوں کو ہر قیمت پر جاری رکھا جانا چاہیے۔ (۱۶۵) پوری دنیا پر یورپ کے تسلط ہونے، اس تسلط کو برقرار رکھنے، پوری دنیا کو اپنے مفادات کی منڈی بنانے اور اسے اپنے ہی مفادات اور مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہنے کے راستے میں اہم ترین اور بنیادی رکاوٹ جو سدِ سکندری سے بھی بڑھ کر ہے وہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ (۱۶۶)۔ لارنس براؤن لکھتا ہے کہ ''اسلام ہی وہ آہنی دیوار ہے جو کہ ہم یورپ والوں کے استعمار کے راستے میں بری طرح حائل ہے''۔ (۱۶۷) سابق برطانوی وزیر دفاع، وزیر خارجہ اور وزیر اعظم گلیڈ اسٹون کہتا ہے کہ ''اسلام کو نیست و نابود کیے بغیر کمیونزم کے لیے ازبکستان میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں کہیں بھی جڑیں پکڑسکنا ناممکنات میں سے ہے'' (۱۶۸) معروف دانشور ولیم جیمفورڈ بالکراف قرآن پاک کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار یوں کرتا ہے کہ ''اگر قرآن پاک صفحہ ہستی سے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ عالم عرب سے ناپید کر دیے جائیں تو تبھی یہ دعویٰ کرسکنا ممکن ہو سکے گا کہ عرب آہستہ آہستہ مغربی تہذیب و ثقافت کو قبول کرلیں گے اور اسی صورت میں ہی تمام عرب اور دوسرے مسلمان بھی آہستہ آہستہ محمد ﷺ کی تعلیمات، ان کی نبوت و رسالت اور ان کی کتاب (قرآن پاک) سے دور ہٹ سکیں گے'' (۱۶۹) رسالت محمدی ﷺ کے خلاف یورپ کی یہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں ہے۔ جب سے اسلام اور

عیسائیت کا آمنا سامنا ہوا ہے اس وقت سے عیسائیت اور یورپ نے اسلام کے خلاف اپنی جنگ کا مرکز و ہدف ذات محمد ﷺ اور رسالت محمدی ﷺ کو بنایا ہے۔(۱۷۰)

اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈے کی سرپرستی:

لفظ اسلام ''سلام'' سے ماخذ ہے۔(۱۷۱)اس کا ایک مفہوم زینہ یا سیڑھی کا بھی ہے جس سے پستی یا بلندی کی طرف مائل ہونے کا تصور ملتا ہے۔(۱۷۲)دین اسلام کی روز افزوں مقبولیت اور اس کی عالمگیریت سے گھبرا کر بعض معترضین یہ شوشہ چھوڑتے آئے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔(۱۷۳)

مخالفین اسلام دین اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔اس سلسلے انگریز مورخ A. S. Tritton اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

A.S. TRITTON: "The picture of the Muslim soldier advancing with a sword in one hand and the Qur'an in the other is quite false." (۱۷۴)

مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔کافر کی جنگ کا مقصد کسی مخصوص فرد، گروہ یا قوم کی ہوس ملک گیری، جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تسکین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن ظلم، دہشت گردی اور سفاکی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہو جانے کی صورت میں مفتوحین کی جان و مال اور عزت و آبرو، ہر چیز کو غارت کر دیتا ہے۔(۱۷۵)

اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اس عام غلط فہمی کا بہترین جواب نامور مؤرخ ڈی لیسی اولیری نے اپنی مشہور کتاب میں لکھتا ہے

"History makes it clear however, that the legend of fanatical Muslims sweeping through the world and forcing Islam at the point of the sword upon conquered races is one of the most fantastically absurd myths that historians have ever repeated."(176)

مسلمانوں نے اسپین پر تقریباً 800 سال حکوت کی۔ اسپین میں مسلمانوں نے لوگوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے (مسلمان بنانے) کے لیے کبھی تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ بعد ازاں صلیبی عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ حد تو یہ ہے کہ پورے اسپین میں کسی ایک مسلمان کو بھی یہ اجازت نہ تھی کہ وہ آزادی سے اذان ہی دے سکتا۔(۱۷۷) مجموعی طور پر مسلمان سرزمین عرب پر چودہ سو سال سے حکمران ہیں۔ اس کے باوجود آج بھی وہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو کپٹی عیسائی (کوپٹک عیسائی) ہیں یعنی وہ عیسائی جو وہاں نسل در نسل آباد چلے آرہے ہیں۔ اگر مسلمانوں نے تلوار استعمال کی ہوتی تو اس خطے میں کوئی عرب بھی ایسا نہ ہوتا جو عیسائی رہ پاتا۔ ہندوستان پر بھی مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی آج ہندوستان کی آبادی کا 80 فیصد سے زائد حصہ غیر مسلموں پر مشتمل ہے

ہندوستان میں غیر مسلموں کی اتنی بڑی اکثریت خود اپنی زبان سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ برصغیر میں بھی اسلام طاقت کے زور سے ہرگز نہیں پھیلا۔ (۱۷۸) نامور مورخ و محقق پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی تصنیف ''دعوت اسلام'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحین نے عیسائیوں سے جس رواداری کا مظاہرہ کیا اور جس کا سلسلہ ان کے بعد آنے والی نسلوں نے بھی جاری رکھا ان کو دیکھتے ہوئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جن عیسائی قبائل نے اسلام قبول کیا انہوں نے برضا و رغبت ایسا کیا۔ (۱۷۹)

منفی پروپیگنڈے کا تدارک:

ہر دور میں اسلام اور تلوار کا مسئلہ تازہ کیا جاتا رہا ہے البتہ انداز مختلف دور میں مختلف رہے ہیں موجودہ دور میں پوپ کے حالیہ ریمارکس دراصل عیسائی دنیا کا اسلام کی سچائی اور انقلابی فکر کی روشنی کا تیزی سے پھیلنے کا خوف ہے حالیہ ریمارکس اسی خوف کا مظہر ہیں کیونکہ نائن الیون کے بعد امریکہ و یورپ میں اسلام کی مقبولیت و اشاعت تیزی سے بڑھ رہی ہے اب نئی نسل میں تحقیق و جستجو وحق کی روشنی کی تلاش بڑھتی جارہی ہے۔(۱۸۰) مذہب کے نام پر تلواریں اس وقت بے نیام ہوئیں جب رومن کیتھولک عیسائیوں نے اسپین کو مسلمانوں سے چھین لیا اور مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف دہشت گردی شروع کردی پابندی لگائی گئی کہ مسلمان اور یہودی عیسائی مذہب قبول کرلیں یا اسپین سے نکل جائے ورنہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ یہ مسلمانوں کے ممالک تھے جنہوں نے اسپین کے لاکھوں یہودیوں کو اپنے ہاں پناہ دی اور مکمل تحفظ فراہم کیا۔ یہودیوں کے خلاف ''ہالوکاسٹ (HOLO CAUST) کی صورت میں قتل عام کی کاروائی کسی مسلمان ملک میں نہیں رومن کیتھولک عیسائیوں کے سب سے ترقی یافتہ معاشرے میں اور سب سے مہذب ملک جرمنی میں ہوئی تھی جو رومن کیتھولک عیسائیوں کے 265ویں پوپ بنی ڈکٹ کا آبائی ملک اور معاشرہ بھی ہے۔(۱۸۱)

حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کے اخلاق حسنہ کا نتیجہ ہے کہ ہر دور میں اسلام نے ترقی کی اور اکناف عالم میں پھیلا۔ جہاں کہیں کسی جاہل مسلمان حکمران نے ظلم و تشدد سے کام لیا وہاں پر اسلام کی اشاعت متاثر ہوئی اور جس جگہ دین کے سچے داعئ اسلامی مکارم اخلاق سے اپنی کوششوں کو بروائے کار لائے وہاں پر اسلام کو عظمت حاصل ہوئی۔ (۱۸۲) انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ یہ دین اخلاق حسنہ کی وجہ سے ادیان عام پر غالب آکر کائنات انسانی کا واحد کامیاب دین ہوگا۔''ودین الحق لیظهره علی الدین کله'' (۱۸۳) کی آیت کریمہ میں اسی غلبہ اور عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی مختلف تشریحات سے گریز:

اس وقت مسلم امہ کو علمی میدان میں بہت بڑا چیلنج درپیش ہے۔ ایک طرف قدامت پسند علماء ہیں جو اصابت فکر و صلابت رائے سے محروم رسومات کو ہی دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ دوسری طرف تجدد پسند علماء کی کھیپ تیار ہورہی ہے جو دین کے ہر معاملے میں اپنے عقل ناقص کی پیوندکاری ضروری سمجھتے ہیں۔ علمی طور پر جو سرمایہ اس وقت جمع ہورہا ہے اس میں اسلامی فکر

کے احیاء کی غذا مفقود ہے۔ فروعات پر کتابوں کے انبار لگ رہے ہیں۔ ہر روز نت نئی سنتیں ایجاد ہو رہی ہیں (۱۸۴) مذہبی رہنما اور فرقے قرآن، حدیث اور شریعت کی تشریح و تعبیر میں ایک دوسرے کے مقابلے پر تلے رہتے ہیں اور اپنا نقطہ نظر منوانے اور دوسروں کے نقطہ نظر کو رد کرنے کے لیے انتہائی حد تک جانے پر آمادہ رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں بعض تنازعات صدیوں پرانے ہیں۔ جدید مسلم ملک میں داخلی شورش اور ہنگامہ آرائی اکثر اوقات تاریخی تعصبات اور تنازعات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہر گروہ دوسرے تمام گروپوں کو گمراہ سمجھتا ہے یہاں تک کہ ان کے خلاف اعلان جنگ کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ (۱۸۵) اسلام میں بذات خود کئی فرقے موجود تھے اور ہیں مثلاً شیعہ، شیعہ اسماعلیہ، شیعہ زیدیہ، فرقہ رباضیہ، فرقہ صفریہ، فرمیمونیہ، فرقہ جبریہ، فرقہ معتزلہ، فرقہ سلفیہ، دیوبندی، بریلوی، وہابی، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور چشتیہ وغیرہ۔ یہ تمام فرقے دین اسلام کی اپنے اپنے لحاظ سے تشریح و توضیح کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حق پر مانتے ہیں۔

انحرافی تحریکات کی سرپرستی:

QADYANIAT (قادیانیت): Mirza Ghulam Ahmad, founder of the Qadyani movement, was born in the village of Qadian in the Gurdaspur District of Punjab (India) in 1839 or 1840. In fact in 1879, at the age of about 40, he publicly announced his intention to write a fifty-volume book titled Barahin-e-Ahmadiyah (The Ahmadi Proofs). 23rd March 1889 he laid foundation of Qadyani movement. (186)

قادیانیت، منکرین ختم نبوت کا ایسا گروہ ہے جسے انگریز نے عالم اسلام کی بیخ کنی کے لیے خود کاشت کیا اور پھر اس کے تمام مفادات کا تحفظ کیا۔ یہ لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے باعث دن رات پوری امت مسلمہ، اسلام اور وطن عزیز کے خلاف تباہ کن ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ بیرونی ممالک سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام دشمن طاقتوں کی جاسوسی، اسلام کی تخریب اور امت مسلمہ کی جڑیں کاٹنے کا کام کرتے ہیں۔ عالم اسلام کے اول دشمن اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں ان کا مشن پوری سرگرمی سے کام کر رہا ہے۔ اسرائیل کی فوج میں باقاعدہ قادیانی موجود ہیں۔(۱۸۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانیت یہودیت کا چربہ اور مرزا غلام احمد قادیانی استعماری ایجنٹ ہے۔ قادیانیت کا کوئی مذہب نہیں بلکہ مغربی مفادات کی محافظ خالص سیاسی تحریک ہے جسے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے، ان کے دین و مذہب کی توہین و تنقیص، ان کی مقدس شخصیات بالخصوص سرور دو عالم ﷺ جیسی مقدس ہستی پر کیچڑ اچھالنے اور ان کا تمسخر و استہزاء اڑانے کے لیے منتخب کیا گیا۔(۱۸۸)

اسلامی تعلیمات میں عقیدہ توحید اور عقیدہ ختم نبوت بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ حدیث پاک ہے کہ ''انا خاتم النبیین، لانبی بعدی'' ترجمہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں''(۱۸۹) سورہ الاحزاب آیت نمبر ۴۰ میں اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے کہ " مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ "ترجمہ "محمدتم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں"

ربوہ والے حضورﷺ کے بجائے نعوذ باللہ مرزا صاحب کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ختم نبوت کے قائل ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ پہلے قادیان اور اب ربوہ میں صرف "خلیفے" آرہے ہیں کوئی نبی نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قادیانی مسئلہ دور غلامی کی یادگار ہے۔(۱۹۰)

توہین رسالت:

ڈنمارک اور بعض یورپین ممالک میں کچھ لوگوں نے سرکار دو عالمﷺ کے گستاخانہ خاکے بنائے اور شائع کیے ہیں یہ عزت مآب جناب رسول اللہﷺ شان میں توہین اور سراسر گستاخی ہے جو حرام، قطعاً ناجائز اور سنگین جرم ہے۔(۱۹۱) 12افراد کے گستاخانہ خاکے 30 ستمبر 2005ء میں ڈنمارک کے اخبار Jyllands Posten کی اشاعت میں The Painting of a Portrait of Islam's Prophet کے عنوان سے شائع کیے گئے اور اس دعویٰ سے کیے گئے کہ اس طرح مسلمانوں کی "تنگ نظری" کا علاج ہو سکے گا۔ ان خاکوں کو ہر کسی نے ناخوش گوار، اشتعال انگیز اور توہین آمیز قرار دیا۔ واشنگٹن پوسٹ نے انہیں A Calculated Insult قرار دیا۔ مگر عالم اسلام کے تمام احتجاج کے باوجود ایڈیٹر، کارٹونسٹ، مغربی میڈیا کی اکثریت اور وہاں کی سیاسی قیادت نے آزادی صحافت، آزادی اظہار رائے اور سیکولر جمہوریت کا سہارا لیکر ان کا دفاع کیا اور معذرت کرنے سے انکار کررہے ہیں۔(۱۹۲)

یکم فروری ۲۰۰۵ء میں فرانس (روزنامہ فرانس سواغ)، اٹلی (روزنامہ کالاسٹیمپا)، جرمنی (روزنامہ ڈائی ویلٹ) اور ہسپانیہ (روزنامہ روزنامہ ایل پیر یڈیکو) کے اخباروں نے بھی پیغمبر اسلام کی مبینہ توہین پر مبنی ڈینش آرٹسٹ کے متنازع خاکے شائع کیے ہیں۔اخبارات کے مالکان کا کہنا ہے کہ یورپی اخباروں میں کارٹونوں کی اشاعت کا بنیادی مقصد ڈنمارک کے اخبار کے ساتھ اظہار یکجہتی ہے۔(۱۹۳)

آج بھی رسالت محمدیﷺ مغرب کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ جہاں موقع ملے، ذات گرامیﷺ پر بھی گندگی ڈالنے سے اجتناب نہیں۔ لیکن اب یہ کام بالعموم مسلمانوں گھرانوں میں پیدا ہونے والے کنتی کے چند سلمان رشدی (بھارتی نژاد شاتم رسول) اور تسلیمہ نسرین (بنگالی نژاد دریدہ دہن) قسم کے لوگوں کے سپرد کردیا گیا ہے۔ اپنا اسلوب بدل دیا گیا ہے۔ اب کچھ لوگ حضورﷺ کو پیغمبر تسلیم کرنے کے دعوے دار ہیں۔ لیکن تورات کے اسرائیلی انبیاء کی طرح کا پیغمبر۔ کچھ لوگ وحی کی حقیقت اور نوعیت ہی کو --- مکالمہ ---- اور مفاہمت کے نام پر بدلنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ کچھ سینٹ پال [م:۶۴ء] کی طرح کے "مصلح" کے ورود [از قسم، مرزا غلام احمد قادیانی۔ م: ۱۹۰۸ء] کے متمنی ہیں جو اسلامی شریعت سے نجات دے۔ (۱۹۴)

مغرب کے نزدیک اگر کوئی شخص انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کرے، چاہے اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو ان

کے نزدیک ایسا جرم معمولی سزا کا مستوجب تو ضرور ہوگا کیونکہ اس نے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے لیکن اسے آزادی اظہار رائے کے ناتے کسی طرح بھی مجرم نہیں گردانا جائے گا۔اس دور میں دین اسلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی جو توہین ہورہی ہے یہ مخالفین اسلام کی سوچی سمجھی اسکیم ہے۔مرزا غلام احمد قادیانی، سلمان رشدی، ملعون تسلیمہ نسرین، گوہر شاہی، یوسف کذاب، یونس شیخ، شہباز، اور بے شمار غیر ملکی این جی اوز اس قسم کی سازشوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں بلکہ ان کے وجود کا مقصد ہی اس سازشوں کو پروان چڑھانا ہے۔(۱۹۵)ڈنمارک کے سرکاری ٹیلی ویژن نے ایک ویڈیو نشر کی جس میں حکومت کی اتحادی جماعت ڈینش پیپلز پارٹی کے نوجوانوں کارکنوں نے حضرت محمد ﷺ سے منسوب توہین آمیز خاکے بناتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔شراب پیتے اور گیت گاتے یہ نوجوان نجی طور پر منعقدہ ایک مقابلے میں توہین آمیز خاکے بنارہے ہیں۔(۱۹۶) ڈنمارک کے سرکاری ٹیلی ویژن پر دکھانے جانے والے بعض توہین آمیز خاکوں کی بین لاقوامی ذرائع ابلاغ نے جو منظر کشی کی ہے وہ انتہائی لرزہ خیز ہے اور اسے تحریر میں لانا ممکن نہیں۔(۱۹۷) سیفی السیفی اور مہدی نامی دوعرب عیسائیوں نے قرآن پاک کے مقابل ایک من گھڑت کتاب ''سچا قرآن'' اپنی طرف سے گھڑ کر دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔جس سے مسلمانوں میں مذہبی اشتعال پایا جاتا ہے۔یہ کتاب امریکہ میں شائع ہوئی۔ جبکہ انڈیا نے اس کتاب کی ملک میں درآمد، اشاعت، سرکولیشن، ترجمہ اور تشہیر پر پابندی عائد کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ مذکورہ کتاب بھارت کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے جبکہ یہ کتاب امریکہ، اسرائیل اور انٹرنیٹ پر فروخت ہورہی ہے۔(۱۹۸)

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

توہین رسالت کا تدارک :

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ جو کل انس وجن کے لیے ایک عظیم کائناتی پیغام لیکر تشریف لائے سب کے لیے قابل تعظیم ہیں۔کوئی ایسا قول وفعل سرزد نہیں ہونا چاہیے جس سے ان کو خفیف ترین اذیت وگزند پہنچے یا ان سے گستاخی کے مترادف ہو۔قرآن کریم مسلمانوں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کو اپنی جان اور عزیز واقارب سے زیادہ عزیز رکھیں۔(۱۹۹) آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کوئی بھی شخص اس وقت سے مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے اپنے بچوں، والدین، رشتہ داروں، دوستوں اور اس کے قریبی لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں''(۲۰۰)

مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ توہین رسالت کے مجرموں، کافروں، بے حرمتوں اور ان کے مددگاروں اور حمایتوں کو دوست نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''ان الذین یحآدون اللہ ورسولہ اولٰک فی الاذلین'' (۲۰۱)ترجمہ ''جنھوں نے کلمات کفر کہا اور جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے عداوت رکھتے ہیں وہ اس دنیا میں اور اگلی میں بھی ذلیل ترین انسانوں میں سے ہوں گے'' قرآن کے احکام بتاتے ہیں کہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے شاتم، دشمن اور الزام دھرنے والے ہی کافر و بے حرمت ہیں بلکہ ان مددگار اور دوست بھی وہی کچھ سمجھے جاتے ہیں۔اسے سب کے سب کی برسرعام تحقیر کرنی چاہیے اور اس کے بعد ان کو دردناک موت کا سامنا کرانا چاہیے۔(۲۰۲)

عورت کا مردوں کی امامت کرنا:

18 مارچ 2005ء کو تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک خاتون نے نیویارک میں جمعے کی نماز میں مشترکہ طور پر مردوں اور خواتین کی امامت کی۔ ڈاکٹر امینہ ودود نے جو ورجینیا کامن ویلتھ یونیورسٹی میں اسلامیات کی پروفیسر ہیں، نیویارک سٹی میں سو سے زائد مرد اور عورتوں کی مشترکہ طور پر جمعہ کے نماز میں امامت کی۔ نماز کا اہتمام ڈاکٹر امینہ اور ان کے کچھ ایسے ساتھیوں نے کیا تھا جو اسلام میں خواتین کو برابری کے حقوق کی علمبردار ہیں۔ نماز کا اہتمام ایک گرجا گھر میں کیا گیا تھا کیونکہ مسلم حلقوں میں سخت مخالفت کی وجہ سے کئی مساجد نے منتظمین کو جگہ دینے سے انکار کردیا تھا۔ نماز کے دوران گرجا گھر کے اردگرد پولیس نے حفاظتی انتظامات بھی سخت کر رکھے تھے۔ (۲۰۳) آپ ﷺ نے عورتوں کو نماز جمعہ، نماز جنازہ اور جہاد جیسے اہم فرائض سے مستثنیٰ قرار دے کر ان کی بنیادی ذمہ داری گھرداری کو اجر وثواب میں ان عظیم فرائض کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ (۲۰۴) یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس طرح کی تحریکوں کی باقاعدہ سرپرستی کی جاتی ہے۔

جہاد یا دہشت گردی:

پروپیگنڈہ ایک ایسا فن ہے جس کی بنیاد اس دعویٰ پر ہے کہ جھوٹ کو سو مرتبہ دہرایئے، سچ محسوس ہونے لگ جائے گا۔ یہ دعویٰ کسی اور شعبہ میں کامیاب ہوا یا نہیں لیکن اسلام اور خاص طور پر ''جہاد'' کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے میں جس طرح یہ کامیاب ہوا ہے، تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی مل سکے۔ درحقیقت یورپ اپنی پوری تاریخ میں صرف ایک ایک مرکز پر جمع ہوا اور وائے بدنصیبی کہ اس کا یہ اتحاد صلیبی جنگوں کی شکل میں عالم اسلام کے خلاف ہوا۔ ان جنگوں میں یورپ کی شکست اس کے لیے ایک بہت بڑے جاں گسل صدمے کا موجب تھی۔ (۲۰۵) معترضین کو جہاد کا حربہ ایسا مل گیا ہے کہ اسے جا و بے جا ہر موقع پر پیش کردیتے ہیں۔ گویا اسے مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا کرانے کے لیے ایک آلہ بنا رکھا ہے اور یہ ایک ایسا ڈراؤنا اور خوفناک لفظ ہوگیا ہے کہ اہل یورپ اسے سن کر اس طرح چونک اٹھتے ہیں جیسے کبھی نپولین کے نام سے وہاں کے تاجدار سہم جایا کرتے تھے۔ (۲۰۶)

امریکی صدر کئی بار مسلمان مجاہدین کو فاشسٹ کہہ کر مخاطب کرسکے ہیں جہاد جو اسلام کا اہم ترین رکن ہے اس سے تمام غیر مسلم دنیا ہمیشہ خوفزدہ رہی ہے۔ (۲۰۷) پوپ بینیڈکٹ 16 نے اپنے حالیہ دورہ جرمنی کے سلسلے میں منگل بتاریخ 12 ستمبر 2006ء کو ریجنز برگ یونیورسٹی میں اپنے خطاب میں اسلام کے نظریہ جہاد کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ پوپ نے چودہویں صدی عیسوی کے عیسائی بادشاہ مینوئیل دوم کے حوالے سے کہا کہ ''انہوں نے ایک ایرانی شخص سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام نے دنیا کو تشدد کے سوا کچھ نہیں دیا'' (۲۰۸) انہوں نے اسلام کے تصور جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہوئے تاثر دیا کہ اسلام تشدد کو جائز قرار دیتا ہے۔ (۲۰۹) پوپ بینیڈکٹ کے موجودہ بیان کے پیچھے صریحاً تعصب اور دشمنی کی آگ کارفرما ہے۔ جس کی اس اعلیٰ مذہبی عہدیدار سے قطعاً توقع نہ تھی۔ پھر خیال آتا ہے کہ جن کے کہنے پر گیارہویں اور چودھویں صدیوں میں نہتے مسلمان شہریوں کے خون کی ندیاں یورپ میں بہائی گئیں وہ بھی تو آخر پوپ ہی تھے یعنی پوپ اربن دوم

اور پوپ کلیمنٹ پنجم۔(۲۱۰)

غلط فہمی کا تدارک:

ابلاغ عامہ میں جہاد کو دہشت گردی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ جہاد اور دہشت گردی میں فرق یہ ہے کہ جہاد ظلم و زیادتی اور فتنہ وفساد کا مقابلہ کرنے اور اسے روکنے کا نام ہے جبکہ دہشت گردی فتنہ انگیزی اور ظالمانہ کاروائی ہے۔(۲۱۱) جہاد فی سبیل اللہ مومنوں کے ایک ہمہ جہت اور مسلسل عمل کا نام ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہر قسم کی دنیاوی الائشوں سے دلوں کو پاک صاف کرنا اور اللہ کی سرزمین سے ہر فتنے اور فساد کی سرکوبی ہے۔(۲۱۲) جہاد حق کے دفاع اور عدل و انصاف کے قیام کا نام ہے جبکہ دہشت گردی اندھا دھند قتل و غارت گری اور بے دریغ تباہی و بربادی مچادینے کا نام ہے۔ جہاد ایک مثبت اصول حیات ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی اور انسانیت کا تحفظ ہے۔(۲۱۳) مسلمان جہاد اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اور اسے زندگی سے نہیں میدان جنگ میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہونا زیادہ عزیز ہوتا ہے۔(۲۱۴)

اسلامی قوانین کی تبدیلی میں یورپ اور امریکہ کی دخل اندازی:

بدقسمتی سے گزشتہ چند برسوں سے مملکت اسلامی بیرونی ملکوں کی توجہات کا مرکز بن گیا ہے اور وہ یہاں سے اسلامی اثرات کو کھرچ کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔ حدود قوانین کو منسوخ کرنے کا ایجنڈا کوئی علیحدہ مسئلہ نہیں، مغرب کی سیاسی اور تہذیبی یلغار کا حصہ ہے۔(۲۱۵) اسلامی قوانین اس وقت مغربی استعمار کے نشانے پر ہیں وہ انہیں ایک ایک کر کے ختم کرنے کے درپے ہے۔(۲۱۶)

پاکستان میں نافذ جملہ اسلامی قوانین بالخصوص حدود آرڈیننس اور توہین رسالت کے قوانین سمیت دیگر اسلامی دفعات سب اس کے نشانے پر ہے کہ ان سب کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے۔ اس وقت حدود آرڈیننس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ڈانڈے بھی مغربی استعمار کے ساتھ ملتے ہیں۔(۲۱۷) 8 نومبر 2005ء کو امریکی حکومت کی جانب سے International Freedom Report جاری کی گئی جس میں پاکستان میں حدود قوانین، توہین رسالت کے قانون، آئین پاکستان کی اسلامی دفعات، اقلیتوں کے حقوق، خواتین کے حقوق سمیت تمام اسلامی شقوں پر زبردست تنقید کی گئی ہے اور اس میں جابجا ان قوانین کو عالمی انسانی حقوق کے منافی قرار دیتے ہوئے یکسر ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔(۲۱۸)

اسلامی مذہبی علامات کو ختم کرنا:

فرانس کے کئی اسکولوں میں مسلمان طالبات کو محض اس لیے معطل کر دیا گیا کیونکہ وہ اسکارف سے سر ڈھکتی تھیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ سر ڈھانپنے کی مسلمانوں کی روایت فرانس کی سیکولر روایات کے لیے خطرہ بنتی جارہی ہے۔ کچھ عرصہ قبل فرانس کے وزیر انصاف نے ایک مقامی جیوری کی مسلمان خاتون رکن کو حجاب پہن کر عدالت میں آنے سے منع کر دیا تھا۔ حالیہ چند برسوں کے دوران فرانس سمیت کئی یورپی ممالک میں مسلمان خواتین کے سر ڈھانپنے پر پابندی عائد کرنے کے

مطالبات زور پکڑتے جارہے ہیں۔ سنگاپور میں ایک اسکول کی چار مسلمان طالبات کو اس لیے معطل کردیا گیا تھا کہ وہ سکارف پہنتی تھیں۔ یہاں نہ صرف مسلمان طالبات سکارف پہننے پر پابندی عائد کی گئی بلکہ وہ خاتون وکیل جو اس مقدمہ میں طالبات کا دفاع کررہی تھیں ان پر بھی پابندی عائد کردی گئی۔ روس میں خواتین پر زور دیا گیا تھا کہ وہ پاسپورٹ کی تصاویر کے لیے اپنے اسکارف اتاردیں۔ ترکی کا قانون بھی اجازت نہیں دیتا کہ خواتین سرکاری عمارتوں یا تقاریب میں سر پر سکارف پہنیں۔ (۲۱۹)

فرانسیسی صدر ژاک شیراک کو تعلیمی اداروں میں ایسے لباسوں کے استعمال پر پابندی لگانے کے مسئلے پر وسیع تر حمایت حاصل ہے جنہیں پہننے سے مذہبی شناخت ہوتی ہو۔ اگرچہ اس سلسلے میں دوسرے مذاہب کا بھی ذکر ہوتا ہے مثلاً یہودیوں کی مخصوص ٹوپی اور عیسائیوں کی صلیب کا، لیکن سبھی جانتے ہیں ہیں کہ اصل معاملہ مسلمان لڑکیوں کے حجاب اوڑھنے کا ہے۔ (۲۲۰)

اسی طرح شمالی جرمنی کی ریاست بدین، ویرٹمبرگ میں خواتین اساتذہ کے سر ڈھکنے یا حجاب پہننے پر پابندی لگادی گئی ہے۔ مسلمان خواتین کے حجاب پر پابندی عائد کرنے والی یہ پہلی جرمن ریاست ہے۔ جرمنی کی سولہ میں مزید پانچ ریاستیں اس پابندی کو جلد لاگو کرنے والی ہیں۔ (۲۲۱)

فرانس کے وزیرتعلیم لک فیری نے کہا ہے کہ اسکولوں میں سر ڈھانپنے کے خلاف قانون میں توسیع کرکے داڑھی اور رومال پر بھی پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ تاہم سکھ افراد اس قانون کے باوجود بھی اپنی روایتی پگڑی پہن سکیں گے۔ (۲۲۲) آسٹریلیا میں خواتین کے ایک فٹبال میچ اس وقت روک دیا گیا جب عفیفہ سعد سفید سکارف سے سر ڈھانپ کر اور لمبا ٹراوزر پہن کر میچ کھیل رہی تھیں۔ مسلمان خاتون کھلاڑی کو تنبیہ کی گئی کہ میچ کھیلنے کے لیے اسے اپنا سر کا سکارف یا حجاب اتارنا ہوگا۔ (۲۲۳)

امریکہ کے محکمہ انصاف نے ریاست اوکلاہوما کی ایک گیارہ سالہ مسلمان بچی کے سر ڈھانپنے پر پابندی کے خلاف شکایت درج کی۔ اسے دو مرتبہ اوکلاہوما کے مشرقی شہر مسکوجی کے ایک اسکول سے محض اس وجہ سے معطل کردیاگیا کہ وہ سکارف سے اپنا سر ڈھانپتی تھی اور حکام کا کہنا تھا کہ سکارف پہننے سے اسکول کے یونیفارم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ (۲۲۴) ترکی اگرچہ مسلم اکثریت کا ملک ہے لیکن سرکاری طور پر سیکولر ہے اور اس کی تمام یونیورسٹیوں اور سرکاری عمارتوں میں سکارف لینے پر پابند ہے۔ انسانی حقوق کے لیے یورپی عدالت نے ترکی کی یونیورسٹی میں اسلامی طریقے سے سر ڈھانپنے پر لگائی جانے والی پابندی کی تائید کی ہے۔ (۲۲۵) سابق برطانوی وزیر خارجہ اور دارالعوام کے قائد جیک اسٹرا نے اپنے ایک مضمون میں مسلم خواتین کی طرف سے چہرے کو نقاب سے مکمل طور پر چھپانے کے عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مختلف ''برطانوی کمیونیٹیز'' کے درمیان بہتر اور مثبت تعلقات میں مشکل پیش آرہی ہے۔ انہوں نے اس مسلمان عورتوں کے چہرے کو نقاب سے چھپانے کے عمل کو مضحکہ خیز قرار دیا ہے۔ (۲۲۶)

روزنامہ ایکسپریس بتاریخ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۶ء کے مطابق برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے مسلمان خواتین کے نقاب

سے متعلق سابق وزیر خارجہ جیک اسٹرا کے بیان کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ جیک اسٹرا نے ایک اہم ایشو بڑے احسن طریقے سے اٹھایا ہے۔ برطانوی ہائیر ایجوکیشن منسٹر بل ریمل نے کہا ہے کہ وہ مسلم طالبات کے چہرے کے نقاب پر پابندی عائد کرنے والی جامعات کی حمایت کرتے ہیں۔(۲۲۷)

پچھلے دنوں بیلجیئم کے شمال میں ماسک نامی ٹاؤن نے ان مسلمان خواتین پر جرمانہ کرنا شروع کر دیا ہے جو پبلک میں روایتی برقعہ اوڑھتی ہیں۔ اب تک پانچ خواتین کو ایک سو یورو تک جرمانہ کیا گیا۔ اس برقعے کو مقامی میئر نے ''تقسیم کرنے والا اور جبر'' قرار دیا ہے۔ اس ماسک ٹاؤن میں مراکشی خاتون جرمانے کا پہلا ''نشانہ'' بنی۔ ٹاون کونسل کا کہنا ہے کہ یہ لباس کمیونٹیز کو تقسیم کرتا ہے اور منافرت پر اکساتا ہے۔(۲۲۸)

عورتوں کی آزادی:

مغرب میں عورت کے حقوق کی جدوجہد ایک تاریخ رکھتی ہے۔مغربی عورت کی موجودہ حیثیت اس جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس جدوجہد یا تحریک کو مختلف نام دیئے گئے حقوق نسواں، سفریجی تحریک، آزادی نسواں، نسائیت یا تحریک نسائیت۔ (۲۲۹) عورت کا مسئلہ دن بدن نازک سے نازک تر ہوتا جارہا ہے اور مغرب کا دماغ اس کو حل کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ موجودہ تہذیب نے عورت کی اصل حیثیت ختم کردی اور اپنے کو بھول کر اب وہ بھی دور جدید کی تہذیب کے سیلاب میں بہہ رہی ہے۔(۲۳۰)

جنسی مساوات کے تحت سیکس کی آزادی اور خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے واحد پیرنٹ فیملی (Single Parent Family) کی اصطلاح درحقیقت ان گھناؤنی اقدار کا خوش رنگ لباس ہے جو مغرب برآمد کرنا چاہتا ہے۔(۲۳۱) آج آزادی کے نام پر اشتہار کے لیے عورتوں کی تصاویر استعمال کی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے تاجر اپنی اشیاء کی فروخت کے لیے عورت کو ماڈل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور انہیں اخبارات، لیبل اور سائن بورڈ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں اور اس طرح عوام کے سطحی جذبات بھڑکا کر اپنی مصنوعات فروخت کرتے ہیں۔ (۲۳۲)

یورپ میں عورت کی آزادی نے عائلی نظام وسکون کا جنازہ نکال دیا ہے اور معاشرے میں گناہ کا تعفن بھر دیا ہے۔ وہاں خودکشیوں، طلاقوں اور حرام اولاد کی کثرت اسی آزادی کا نتیجہ ہے اور یہی چیز وہ اسلامی ممالک میں چاہتے ہیں۔ یورپ پروپیگنڈا کا ماہر ہے اس نے اپنی خواتین کی بے حیائی اور بے راہ روی کا نام آزادی رکھا ہوا ہے اور مسلم خواتین کی حیا وعصمت کو غلامی سے تعبیر کرتا ہے۔(۲۳۳) مغربی دنیا حقوق نسواں پر بہت زیادہ اتراتی ہے لیکن حقیقت میں عورت کی اپنی پہچان ہی نہیں ہے۔ وہ یا تو مس لیزا یا مسز تھامپسن۔ اس کے علی الرغم اسلام میں عورت خواہ وہ بیٹی ہو یا بیوی ہمیشہ فاطمہ رضی اللہ عنہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ پوری انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جس دور میں بھی حوا کی بیٹی نے حضرت مریم، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے کردار سے منہ موڑ کر نئی پود کی پرورش کے فرض سے سبکدوش ہوکر، جسم کی سجاوٹ اور نمائش کی طرف مائل ہوئی اپنے ساتھ پوری قوم کو لے ڈوبی۔ قدیم مصریوں کا زوال، یونانی قوم کا زوال، یونانی قوم کا زوال، رومیوں کا زوال، اہل مغرب کا زوال اور اب اہل اسلام کا زوال

اسی طرح سے ہوا (۲۳۴)۔ علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں کہ

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
اسی علم کو کہتے ہیں ارباب نظر موت

قومیت، لسانیت اور فرقہ پرستی کے نام پر گروہ بندی:

مسلمانوں کو تفرق و انتشار سے ہمکنار کرنے کے لیے ان میں مختلف قسم کے رجحانات باطلہ کو فروغ دیا اور مسلکی اختلافات کو ہوا دی۔ اس ضمن میں نہ صرف یہ کہ اہل تشیع میں نفوذ حاصل کر کے ان کا استحصال کیا بلکہ طبقہ صوفیاء میں بھی داخل ہو کر بعض طبقات کو آلہ کار بنایا۔ اس ضمن کی سب سے واضح مثال ''قادیانیت'' ہے۔(۲۳۵) ہندوستان میں انگریزی استعمار کا یہ فلسفہ مشہور تھا کہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' وہ قوموں اور زبانوں کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرتے تھے اور پھر انہیں آپس میں لڑا کر ان کا زور ختم کر دیتے تھے۔ (۲۳۶)

فرقہ پرستی میں ایک مذہب یا کسی ایک مذہبی فرقہ کے ماننے والے خود کو حق پر سمجھتے ہوئے دوسرے کو گمراہ اور فاسق و فاجر سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے عقائد کے لیے خطرہ گردانتے ہوئے انہیں اپنے سے دور رکھنا اور بعض حالات میں انہیں قتل کرنا بھی جائز سمجھ لیا جاتا ہے۔ (۲۳۷) روس نے اپنی ساری اسلامی ریاستوں کو زبان اور قوم کے نام پر تقسیم کیا اور ہر ایک کے لیے الگ الگ منشور بنائے۔ چنانچہ آزادی کے بعد بھی وہ مل نہ سکے الگ الگ ہی رہیں۔ صرف عالم عرب کو اتنا تقسیم در تقسیم کیا گیا کہ اب عرب کی آزادی کے بعد بھی ان کے 23 ممالک جو وجود میں آئے کسی کو لبنانی کا نام دیا کسی کو مصری بنایا تو کسی کو مراکشی ٹھہرا کر گمراہ کر دیا۔ ۵۷ اسلامی ممالک دنیا میں موجود ہیں جس کا فائدہ مغرب یہ ہوا کہ جس وقت جیسا چاہیں کسی بھی ملک کو آسانی سے رام کر سکتے ہیں اور باقی اسلامی ممالک تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ (۲۳۸)

تدارک سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں

اسلام میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ:

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے سابقہ عالمی نظام میں خواتین پر روا رکھے گئے تمام مظالم کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایها الناس ان لکم علی نسائکم حقا ولها علیکم حقا... واستوصوا بالنساء خیرا، فاتقوا الله في نسائکم''(۲۳۹)

ترجمہ ''اے لوگو! بے شک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں (ان کی پوری طرح حفاظت کرنا) عورتوں سے ہمیشہ بہتر سلوک کرنا اور عورتوں کے حقوق کے معاملے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔''

اسلام نے صدیوں پہلے عورتوں کو جائیداد کی ملکیت کا حق دیا۔ جب کہ عورتوں کو یہ حق انگلستان میں بارہ صدیوں

کے بعد 1881ء میں ملا۔ حالانکہ یہ ملک جمہوریت کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نے یہ قانون اسلام سے مستعار لیا اور ایک منظور کیا جو "The Married Women's Act" کہلایا۔ پیغمبر اسلام صدیوں پہلے یہ اعلان کر چکے تھے کہ ''عورتیں مردوں کا جزواں نصف ہیں۔ عورتوں کے حقوق محترم ہیں اور یہ کہ دیکھتے رہو کہ عورتوں کے ساتھ انہیں دیئے گئے حقوق کے مطابق سلوک کیا جارہا ہے یا نہیں (۲۴۰)

حدود قوانین میں تبدیلی سے گریز:

حدود قوانین کسی کا ذاتی قانون نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدود کو نافذ کرنے کے لیے اختیار کردہ قانون ہے۔ اس قانون سے نفاذ سے پہلے اس کے بارے میں نہ صرف پاکستان، بلکہ دوسرے مسلم ممالک کے علماء وفقہا سے اور ماہرین قانون سے مشورے کیے گئے۔ حدود قوانین پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں خواتین سے امتیازی سلوک کیا گیا ہے۔(۲۴۱) اگر یہ عین اسلامی نہیں ہے تو پھر عین اسلامی بنایا جائے۔

قومیت، لسانیت اور فرقہ پرستی کے نام پر گروہ بندی کا خاتمہ:

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان عصبیت کا شکار نہ ہوں (۲۴۲) آپ ﷺ نے عصبیت جاہلیہ کو رد کیا ہے (۲۴۳) اور فرمایا

> ''لیس منا من دعا الی عصبیته ولیس منا من قاتل فی عصبیةو لیس منا من مات علی عصبیة'' (۲۴۴)
>
> ترجمہ ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر جنگ کرے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر واقع ہو''۔

وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔(۲۴۵) جس ملک میں مسلمان گئے اور پھیلے وہاں کوئی نہ کوئی مذہبی فرقہ ضرور پیدا ہوتا رہا۔(۲۴۶) فرقہ بندیوں سے مسلمانوں میں جو انتشار پھیلا وہ ان کے سیاسی انتشار سے کم مہلک ثابت نہیں ہوا۔(۲۴۷) معاصر حکمران بھی اپنے سیاسی مصالح یا ذاتی دینی رجحانات کی وجہ سے بعض مذہبی فرقوں کے حریف اور فریق بن جاتے ہیں۔(۲۴۸)

رسول اللہ ﷺ نے عصبیتوں کے خاتمہ کے لیے عربوں کے تقریباً تمام اہم قبائل میں شادیاں کیں۔ اسوۂ رسول ﷺ کا اثر یہ ہوا کہ آقا و غلام، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے تھے اور قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ دنیا میں ایک طرف انسان نے بھائی چارے کو اتنا بھلا دیا تھا کہ دوسرے بھائی کو چھونا تو درکنار اس کا سایہ بھی اپنے سائے پر پڑنے دینا گوارا نہ کر سکتا تھا۔ علم و عرفان کے متعلق اتنی خود غرضی تھی کہ کوئی اجنبی چھونا تو درکنار محض سن بھی لیتا تو سزا میں پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال کر اسے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ انسان کے اصولی وفطری مساوات پر پرہیزگاری کے اکتسابی فضیلت و برتری کے نئے نظریے نے وہ تمام مصنوعی

اور انسان ساز بت ملیا میٹ کردیے جواب بھی غیر اسلامی سماجوں میں موجود اور انسانوں میں نہ ختم ہونے والی تلخی اور فساد انگیزی پیدا کررہے ہیں۔(۲۴۹) آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا دنیا اس کی مثال کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اسلام نے مکمل آزادی دی ہے جو چاہے اسلام قبول کرے جو چاہے کفر اختیار کرے (۲۵۰) آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو بھی رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وعن عبداللہ بن مسعود قال، قال رسول اللہ ﷺ ''سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر'' (۲۵۱) پس رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس میں قتل کفر قرار دیا گیا۔

فرقے ہیں کہیں، کہیں ذاتیں ہیں   کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں(۲۵۲)

ذرائع ابلاغ کا چیلنج

ذرائع ابلاغ یا میڈیا:

Media: Newspaper and braodcasting, by which information is conveyed to the general public. (253)

Mass media: is a term used to denote, as a class, that section of the media specifically conceived and designed to reach a very large audience (typically at least as large as the whole population of a nation state.(254)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دشمنان اسلام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میڈیا کے ذریعے مذہب اسلام کے خلاف منفی تحریک چلارہے ہیں اور اس کو مجروح اور داغدار کرنے میں تمام تر وسائل بروئے کار لارہے ہیں۔ (۲۵۵) ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر ''بال'' میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں اور فلسفیوں نے جمع ہوکر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا یہ منصوبہ ۱۹ دستاویز کی صورت میں پوری دنیا کے سامنے آچکا ہے۔ (۲۵۶) یہودیوں نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے بڑی غیر معمولی ذہانت سے کام لینا شروع کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے ذرائع ابلاغ کا سہارہ لے کر اپنے کو مظلوم ثابت کرنے کی زبردست مہم چلائی۔ عالمی میڈیا اسلامی انتہا پسندی کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے لیکن اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی اور صیہونی انتہاپسندی سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے اسرائیل کو مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ (۲۵۷)

اسلامی میڈیا مسائل و مشکلات سے باخبر کرنے کا نام ہے نہ کہ ان کو الجھا کر تجارت کرنا، یہ حقیقت ہے کہ جو شخص

پیغام حق پہنچانا چاہتا ہے اس کا مقصد تجارت نہیں ہے وہ ہمیشہ اپنے پیغام کی رسائی کے نتائج پر نظر رکھتا ہے۔رسول اکرم ﷺ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت جو ہدایات فرمائی تھیں ان میں ہر رہنمائی کے بعد اس کے نتائج اور ان کی نگرانی کا بھی حکم دیا تھا، پہلے ان یمنیوں سے یہ کہنا، جب وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر یہ کہنا، اور یہ بھی مان لیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا۔(۲۵۸)ملیشیا کے سابق وزیراعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد نے کے مطابق ''مغربی میڈیا پراپیگنڈہ سے اسلام اور دہشت گردی کے درمیان تعلق پیدا کررہا ہے۔(۲۵۹)موجودہ دور میڈیا کا دور ہے اور بین الاقوامی طور پر اس وقت پورے میڈیا پر مغرب اور اس کے کارندوں کا قبضہ ہے چنانچہ اسوقت دنیا بھر کے اخبارات، رسائل، جرائد، ریڈیو، ٹی وی، کیبل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ مغربی پروگرام کو رواج دینے کے لیے وقف ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مغرب جہاں امت مسلمہ میں حیا سوز تہذیب وتمدن اور ایمان کش افعال وکردار کو پروان چڑھا رہا ہے وہاں پوری امت مسلمہ کو ذہنی غلامی، ڈر، خوف، بزدلی، بے غیرتی، بے شرمی، بے ایمانی، جھوٹ، فریب، لوٹ کھسوٹ، چوری، ڈکیتی مار دھاڑ کے زہریلے انجکشن دینے میں مصروف ہے۔(۲۶۰)علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ

دنیا کو پھر ہے معرکۂ روح و بدن پیش　　تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ　　ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

میڈیا وار کا تدارک:

قرآن کریم میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کسی لفظ کا انتخاب کیا گیا ہے تو وہ ''دعوت'' کا لفظ ہے۔ اس تعبیر سے قرآن مجید ذریعہ ابلاغ اور اس سے وہ اسلام کی تعریف وتعارف کا کام لیتا ہے۔(۲۶۱)یورپی میڈیا اور اس کے ہم نوا اور ان کی حکومتیں ایک منظم سازش کے تحت اسلام، مسلمانوں اور خصوصاً خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس اور آخری کتاب قرآن پاک کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف ہیں اور پھر وہ ان سازشوں کو آزادی صحافت کا نام دیتے ہیں۔اظہار رائے کا نعرہ لگانے والے کے اخبار جیلنڈ پوسٹن نے اپریل ۲۰۰۳ء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کارٹون شائع کرنے سے انکار کردیا تھا۔(۲۶۲)آنحضرت ﷺ نے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ میڈیا وار کا چیلنج قبول کرتے ہوئے اپنے محدود وسائل کو استعمال میں لاکر موقع ومحل کے اعتبار سے بھر پور انداز میں دشمنان اسلام کے خلاف یہ ہتھیار استعمال فرمایا۔(۲۶۳)ریڈیو اور ٹیلی ویژن چینلز پر مثبت انداز میں حق کی آواز اٹھانے والوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا محاذ بھی خالی ہے جس سے یہود ونصاریٰ اور اسلامی معاشرے میں ان کے ایجنٹ بھر پور فائدہ اٹھارہے ہیں۔مگر علماء حق کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کچھ کرگزرنے کا جذبہ رکھنے والوں کو اس پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔(۲۶۴)اسلام پر فاشزم کا لیبل چسپاں کرنے کی کوشش کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی بات ہے۔ آئی ٹی اور میڈیا کے اس دور میں یہ بات کہنے کے لیے کوئی ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ فاشزم درحقیقت مغرب کی پہچان اور طرہ امتیاز ہے۔(۲۶۵)مسلم اہل علم و دانش اور ارباب سیم و زر کو چاہیے کہ اللہ

کی دی گئی نعمتوں کو دور حاضر کے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے پر لگائیں اور اس ایجاد کی کارستانیوں کا سدباب اسی کے ذریعے کریں۔ وما تنفقوا من شئی فی سبیل اللہ یوف الیکم و انتم لاتظلمون۔(۲۶۶)

معاشی مسائل و چیلنجز:

Poverty:(غربت) Descriptions of material need, typically including the necessities of daily living, like (food, clothing, shelter, and health care).Poverty in this sense may be understood as the deprivation of essential goods and services.(267)

معاش، روزگار اور غربت کا مسئلہ آج ساری دنیا میں مسئلہ نمبر ا کی حیثیت رکھتا ہے۔(۲۶۸) اس وقت پوری دنیا چند بڑے ممالک کے معاشی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ معاشیات میں اب عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں غریب اور امیر کے خوفناک فرق کو دور نہیں کرسکتے۔(۲۶۹)

یورپ کے مفکرین نے جن افراط و تفریط کو اختیار کیا اس کی سزا سب سے زیادہ غریب عوام کو بھگتنی پڑی جو نجات کی امید لیکر ان داناؤں کے پیچھے چل کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بیچارے جاگیرداروں کی چکی سے نکلے تو سرمایہ داری کے جال میں پھنسے اور اس سے نکلنے کی کوشش کی تو سوشلزم نے انہیں دبوچ لیا۔(۲۷۰)

دولت مشترکہ میں شامل 53 ممالک نے مطالبہ کیا ہے کہ IMF اور World Bank میں اصلاحات کے لیے ٹائم فریم طے کیا جائے اور ترقی پذیر ممالک کے قرضے معاف کردیئے جائیں۔ دہشت پسندانہ کاروائیوں کو اگر غربت اور محرومی کا ردعمل قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔انہوں نے مزید کہا کہ انتہا پسندی کا فروغ کسی مذہب کے باعث نہیں بلکہ غربت، احساس محرومی اور استحصال کے باعث ہے۔ (۲۷۱) WHO کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ترقی پذیر ممالک کی مجموعی آبادیوں کے 28 فیصد عوام ناقص غذا یا خوراک کی عدم دستیابی کے مہیب مسئلے سے دوچار ہیں۔ مجموعی آبادیوں کے 30 فیصد عوام غربت کی نچلی سطح پر زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔(۲۷۲) نائجر، مالی، جنوبی سوڈان، ملاؤ جیسے ممالک تقریباً دوامی قحط اور بھکمری کا شکار ہیں۔ تیسری دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایک سے پندرہ برس کی عمر کے بچے ناقص اور ضرورت سے کم غذاؤں کی وجہ سے آنکھ اور پیٹ کے امراض کا شکار ہیں۔ (۲۷۳)

Globlisation:(**عالمگیریت**) Globalisation or globalization is an umbrella term for a complex series of economic, social, technological, cultural and political changes seen as increasing interdependence, integration and interaction between people and companies in disparate locations. As a term 'globalisation' has been used as early as 1944 but economists began applying it around 1981. Theodore Levitt is usually credited with its coining through the article he wrote in 1983 for the

Harvard Business Review entitled "Globalization of Markets".(274)

معیشت کی عالمگیریت کا مفہوم آزادتجارت ہے۔ قوانین وضوابط کی کمی ہے، معاشی سرحدوں کو کھول کر بین الاقوامی سطح پر سرمایہ اور مشین کی آمدورفت کو بے روک ٹوک فروغ دینا ہے۔ یہ پوری حکمت عملی امیر ممالک کے لیے انتہائی مفید ہے لیکن غریبوں کے لیے مفید کم ہے اور نقصان دہ زیادہ۔ اس مالیاتی نظام کی شہ رگ سود ہے۔ یہ امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا چیلنج ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد اس کے دین نے اسے عطا کی ہے۔ (۲۷۵) مسلمانوں کو عالمی سطح پر جو چیلنج درپیش ہے اس کا ایک پہلو عالمگیریت ہے۔ عالمی ساہوکاروں اور گلوبل کیپٹلزم کے منتظمین نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ دنیا کے معاشی وسائل پر کنٹرول اور انسانی معاشروں کو مغربی معاشرت و اخلاق کے نمونہ پر ڈھالنا ان کا ہدف ہے۔ عالمی میڈیا عالمگیریت کو خوبصورت بنا کر پیش کر رہا ہے اور انسانیت کو یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ اس کی فلاح و بہبود اسی میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ عالمی استعمار کا دوسرا نام ہے۔ چہرے کو روشن کر کے پیش کیا جارہا ہے اور اندرونی تاریکی کو پوشیدہ رکھا جارہا ہے۔(۲۷۶)

انسانی فلاح کے برعکس عالمگیریت کا رجحان آئیڈیل نہیں بلکہ زمینی حقیقت کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ عالمگیر معاشی نظام کے موجودہ رجحان سے پسماندہ ممالک کی حالت خراب تر ہورہی ہے۔ ان کی تکنیکی پسماندگی، علوم وفنون کی پسماندگی اور جمہوری پسماندگی ان کی محرومیوں کو زیادہ گھمبیر بنارہی ہے۔ آج کی صورت حال میں انہیں صرف وہی حقوق ملیں گے جو ترقی یافتہ ممالک انہیں دینا چاہیں گے۔(۲۷۷)

عالمگیریت کے نتیجے میں بے حد خرابیاں پیدا ہورہی ہیں مثلاً عالمگیریت مزدور اور کارکن کے لیے نقصان دہ ہے۔ غریب اور امیر کے درمیان فرق بڑھ رہا ہے۔ یہ قومی حکومتوں کے لیے خطرہ ہے۔ اس سے کثیر القومی کمپنیاں طاقتور ہورہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو معاشی پالیسیاں تشکیل پارہی ہے نتیجتاً تمام سرمایہ کھنچ سب سے بڑی معاشی قوت کے ہاں جائے گا اور تیسری دنیا کے لوگ مزید غربت کا شکار ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرت اور ثقافت کا غلبہ ہوگا۔ طاقتور قوموں کے سوا باقی تمام قومیں محکوم ہوں گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کمزوروں قوموں کے قدرتی وسائل کی لوٹ مار اختیار مل جائے گا۔ اس سے کمزور ممالک کے اندر انتشار و فساد ہوگا۔ مذہبی اختلافات اور نسلی فسادات کی حوصلہ افزائی کی جائے گا تاکہ کمزور معاشرو ں سے عالمی ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کی لوٹ کھوسٹ کے خلاف مزاحمت پیدا نہ ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالمگیریت ایک عسکری خطرہ ہے۔(۲۷۸) آج یورپین یونین، ناٹو، ایسئین، جی 8، ڈی 8 اور APEC کے اتحاد بین الاقوامی تعاون اور یکجہتی کو فروغ دے رہے ہیں اور اپنے سیاسی، فوجی اور معاشی مسائل باہم مل کر حل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ایک وسیع تر اتحاد کا حصہ بن کر ان ممالک کے اختلافات تنازعے نہیں بن پاتے اور اتحاد کے فریم ورک ہی میں ان کے جھگڑوں کا تصفیہ ہوجاتا ہے۔ (۲۷۹)

اقتصادیات:

مسلمانوں کو بہت سے اقتصادی مسائل کا سامنا ہے۔ بحیثیت عمومی وہ معاشی طور پر کمزور ہیں۔ انہیں کم فی کس

آمدنی، وسیع البنیاد غربت، وسائل کی ناقص تقسیم، اونچے درجے کی ناخواندگی، ناقص تربیت یافتہ افرادی طاقت، وسیع پیمانہ پر بے روزگاری، بدعنوانی، وسائل کے غلط استعمال اور غیر ملکی امداد پر حد سے زائد انحصار جیسے مسائل درپیش ہیں۔(۲۸۰)اس وقت دنیا بھر میں طاقتور قومیں ہمہ گیر انداز میں کمزور اقوام کے گرد اقتصادی استحصال کے پنجے کی گرفت مضبوط کرتی جارہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمزور اور بے بس اقوام اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے طاقت ور اقوام کی دست نگر ہوگئی ہیں اور اس کے عوض اپنے تمام حقوق ان اقوام کے پاس گروی رکھ رہی ہیں۔(۲۸۱) ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بھی دنیا کو بالعموم اور اسلامی دنیا کو بالخصوص اقتصادی طور پر اپنا یرغمال بنارکھا ہے۔ (۲۸۲)اکانومسٹ لندن کے مطابق ۱۹۷۰ء میں امریکہ میں صرف ۱۷ ارب پتی تھے، تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق ان کی تعداد ۱۹۷ ہے اور ان کی تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے۔ امیر ترین تین ارب پتیوں کی ذاتی دولت دنیا کے ۴۸ ترقی پذیر ممالک کی خام دولت کے برابر ہے۔ دنیا کے ۲۰۰ ارب پتیوں کی دولت دنیا کے دو ارب انسانوں کی مجموعی دولت کے برابر ہے۔(۲۸۳)اسلامی ترقیاتی بینک (IDB) کی رپورٹ 2006ء کے مطابق مسلم ممالک کے کل بیرونی قرضے 737بلین ڈالر ہیں۔ جس میں صرف ترکی اور انڈونیشیا میں سے ہر ایک 100بلین ڈالر بیرونی قرضوں کے ساتھ تمام اسلامی ممالک میں سرفہرست ہیں۔ پاکستان کے بیرونی قرضے اس وقت 37.265بلین ڈالر ہیں۔ دوسری طرف خوش آئند بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے مجموعی بین الاقوامی ذخائر بشمول سونا جو 1990ء میں 314بلین ڈالر تھے اضافے کے ساتھ 2004میں 380بلین ڈالر ہوگئے ہیں۔(۲۸۴) ورلڈ بینک کے مطابق 2002میں 57 مسلم مالک میں سے صرف 40ممالک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ تھا اور اس وقت اسلامی ملکوں کے کل 634بلین ڈالر کے قرضے ان کی گروس نیشنل پروڈکٹ (GNP) کا تقریباً 66فیصد تھے اور ان میں 80فیصد قرضے طویل المعیاد جبکہ 20فیصد یا تو IMF کا کریڈٹ تھا یا پھر مختصر المیعاد قرضے تھے۔(۲۸۵)

Muslim Ummah has 70% of the energy resources and 40% of the raw material of the world but the combined GDP of the Ummah does not exceed $2000 billion. The individual GDP of Germany, Japana and UK is more than this. The highest GDP in the Ummah is that of Turkey which is about $210 billiion where as the small countries in Europe have GDP's in the extent of $300 billion approximately. though they are poor in these resources. (286)

مختلف اسلامی ممالک کے اقتصادی کوائف

نمبر شمار	ملک	فی کس آمدنی	غریب آبادی	افراط زر	بے روزگاری	عوامی قرضہ	بیرونی قرضہ

4.384 billion $	42.3 %	20 % (PA)	13 %	11.8%	$ 1700	Uzbekistan	1
8 billion $	NA	NA	5.2 %	23 %	$ 150	Afghanistan	2
1.3 B $	NA	NA	1.9 %	45 %	$ 1100	Burkina Faso	3
18.06 B $	43.3 %	40 %	5.6 %	35.6 %	$ 1900	Bangladesh	4
33.54 B $	72.7 %	7.7 %	2.9%	35 %	$ 2200	Pakistan	5
1 B $	NA	40 %	16.3%	60 %	$ 1000	Tajikistan	6
6.549 B $	6 %	NA	4.4 %	36 %	$ 600	Tanzania	7
366 M $	NA	50 %	2 %	NA	$ 1300	Djibouti	8
1.1 B $	NA	NA	6 %	80 %	$ 160	Chad	9
16.09 B $	87 %	18.7 %	8.8 %	NA	$ 1900	Sudan	10
3.009	54.2 %	48 %	0 %	54 %	$ 1600	Senegal	11
2.6 B $	NA	NA	NA	NA	$ 170	Somalia	12
93.95 B $	NA	NA	29.3%	NA	$ 1500	Iraq	13
1.5 B $	NA	7.2 %	3.5 %	50 %	$ 1600	Kyrgystan	14
232 M $	NA	20 %	3.5 %	60 %	$ 700	Comoros	15
3.25 B $		NA	14.8%	40 %	$ 330	Guinea	16
281 m $	NA	Nil	1 %	NA	$ 470	Maldives	17
3.3 b $	NA	14.6 %	4.5 %	64 %	$ 200	Mali	18
31.07 b $	28.6 %	NA	30.8%	60 %	$ 900	Nigeria	19
(۲۸۷)6.04 b$	39.5 %	35 %	10.8%	15.7 %	$ 640	Yemen	20

مسلم دنیا میں 86 فیصد آبادی کی فی کس آمدنی 2000 ڈالر سے کم، 76 فیصد کی 1000 ڈالر سے کم اور 267 فیصد کی فقط 500 ڈالر یا اس سے بھی کم ہے۔ جب مسلم دنیا کے وسائل پر نظر ڈالیں تو یہ تضاد افسوسناک نظر آتا ہے۔(۲۸۸)

تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

بھوک اور بے روزگاری کے خاتمے کے لیے اقدامات:

اسلام نے روزگار کے حصول کے دو طریقے بتلائے ہیں ایک حلال طریقہ ہے اور دوسرا حرام طریقہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُم" (۲۸۹) ترجمہ "اے ایمان والو! جو حلال اور طیب چیزیں ہم نے تمھیں عطا کی ہیں انھیں میں سے کھاؤ"

مسلم ممالک میں بہت سے لوگ بدستور فاقہ زدگی سے دوچار ہیں۔ صومالیہ اور سوڈان میں وسیع پیمانہ پر قحط کے چرچے عام ہیں۔ امریکہ کی ایک مخصوص انٹیلی جنس کی رپورٹ نے نیم صحرائی افریقہ کو دنیا کا سب سے زیادہ نزاعی خطہ قرار دیا ہے جہاں تقریباً تین کروڑ افراد ہنگامی امداد سے محرومی کی صورت میں غذائی کمی یا ہلاکت کے خطرہ سے دوچار ہیں۔ مسلم اکثریتی ممالک سوڈان، صومالیہ، سیئر الیون، چاڈ، مالی حتیٰ کہ نائجیریا کے لوگ بھی شامل ہیں۔ (۲۹۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ اور خیرات روز حشر اہل ایمان کے لیے سایہ بنیں گے جب کوئی سایہ نہیں ہوگا اور صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا اور سکرات موت سے نجات دلاتا ہے۔

عملاً دنیا کے تمام حصوں میں اقتصادی وسائل کی تقسیم غیر مساویانہ اور ناہموار ہے۔ جنوبی ایشیاء اور افریقہ کے مسلم ممالک میں وسائل کی ناقص تقسیم بڑی ہی تکلیف دہ ہے۔ مسلم ممالک میں فی کس آمدنی کے فرق سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسلام عوام کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وسائل میں انہیں ان کا بنیادی حصہ دیا جائے۔ (۲۹۱)

رسول اللہ ﷺ خود بھی کام کرتے تھے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔ تیل برآمد کرنے والے چند مالدار ملکوں کو چھوڑ کر تمام مسلم ممالک بے روزگاری کے سنگین مسئلے سے دوچار ہیں۔ بنگلا دیش، پاکستان اور مصر جیسے ممالک اور افریقہ میں بیشتر مسلم ممالک میں روزگار کے مواقع کا فقدان ہی اہم ترین اقتصادی مسئلہ ہے۔ (۲۹۲)

بلا سود اسلامی بینکاری:

حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیتہً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

ان کل ربا مو ضوع و لکن کلم روس اموالکم لا تظلمون ولا نظلمون قضی اللہ انہ لاربا (۲۹۳)

ترجمہ "بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم راس المال کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو۔ نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے۔"

سودی قرض کے سرمایے سے صنعت کاری کی تدابیر بتائی جارہی ہیں۔کوئی دانشور سودی معیشت کو مباح بتارہا ہے تو کوئی پسندیدہ اور کوئی ناگزیر۔ سودی معیشت و اقتصاد کے حق میں کتابوں کی تصنیف و اشاعت ہورہی ہے۔ قرآن اور احادیث کی سخت تنبیہ اور وعید سے بچنے کے لیے سود اور ربا میں فرق ثابت کیا جارہا ہے۔ دارالاسلام اور دارالکفر کی فرسودہ فقہی بحثیں زندہ کی جارہی ہیں۔ مسلمانان ہند پر خارجی اور داخلی ہر دوسطح سے ان کی ''معاشی پسماندگی'' کے اعداد وشمار کی یورش ہے اور اس کے ساتھ ''دولت مندی'' اور انتہائی دولت مندی کی حرص و آز کی تیز وتند لہریں ہیں۔ جس کے نتیجے میں خدا پرستانہ تعبیر کمزور پڑرہی ہے اور اس کی جگہ مادہ پرستانہ تعبیر کو فروغ مل رہا ہے۔(۲۹۴) عام بینکوں میں سرمایہ کاری کی بنیاد سود پر ہے۔ عام بینک یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ جمع کرنے والے افراد کو کم شرح سود دے کر قرض لینے والوں سے بڑی شرح وصول کرتے ہیں۔ اسلام کے مطابق بینکنگ کی صحیح بنیاد مضاربت ہے۔اسلام میں سودی کاروبار ناجائز ہے سود کے اصول پر کام کرنے سے چند لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اور مضاربت کے اصلو پر کام کرنے سے تمام لوگوں کو۔ سود اگر استحصال کا آلہ ہے تو مضاربت عمومی نفع بخش کی صورت ہے۔ (۲۹۵)

مسلم ممالک کی داخلی معیشت پر بین الاقوامی سودی اداروں کا اثر نمایاں ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک صرف قرض اور نام نہاد امداد نہیں دیتے بلکہ قرض داروں کی پالیسی اور ضوابط کو کنٹرول کرتے ہیں۔ملکی معیشت کی تشکیل نو کی شرائط عائد کرتے ہیں۔ یہ معاشی استعمار کا دور ہے۔ سودی سرمایہ پرستی نے جو کلچر فروغ دیا ہے وہ مروت، انسانیت، شفقت اور باہمی خیر خواہی کا کلچر نہیں ہے بلکہ بے رحمانہ مسابقت کا کلچر ہے حصر و آز کا کلچر ہے۔(۲۹۶) دور جدید ایک پیچیدہ دور ہے اس دور کے ادارے، تصورات اور اس دور کے معاملات اتنے پیچیدہ ہیں کہ اس کے لیے بڑی خصوصی مہارتیں درکار ہیں۔ اس وقت پاکستان اور دنیائے اسلام میں ''بلا سود بینکاری'' کا ایک بڑا چیلنج درپیش ہے۔ دنیا بھر کے بینک، مسلمان بینک کاروں کو چلنے نہیں دیتے۔ B.C.C.I کو چلانے والے کوئی مذہبی لوگ نہیں تھے اور نہ ہی وہ مذہبی انداز میں چلارہے تھے لیکن چونکہ بینک مسلمانوں کا تھا، دولت زیادہ تر مسلمانوں کی تھی اور اس کا زیادہ تر فائدہ کچھ مسلمانوں کو ہورہا تھا اس کے لیے اس کے ساتھ جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔(۲۹۷)

حضور ﷺ نے سود کو بدترین استحصالی عنصر قرار دیا۔ قرآن حکیم میں اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کھلی جنگ قرار دیا گیا۔ آج دنیا میں 160 اسلامی بینک قائم ہیں یہ آپ ﷺ کا فیض ہے کہ اب اسلامی بینکاری یورپ، ملائیشیا اور مشرق وسطیٰ میں مقبول ہورہی ہے۔(۲۹۸)

ملائیشیا میں اسلامی بینکاری کو نمایاں فروغ حاصل ہونے کے بعد اس کا دائرہ دنیا کے دیگر ممالک تک بھی وسیع ہوگیا ہے۔ اسلامی بینکوں کے اثاثوں میں 15 فیصد سالانہ اضافہ ہورہا ہے اور اب تک یہ اثاثے تین کھرب ڈالر تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ بات وال اسٹریٹ جرنل کی ایک خصوصی رپورٹ میں کہی گئی۔ ملائیشیا اسلامی بینکاری کا مرکز بن چکا ہے۔ جہاں ہر سال 40 ارب ڈالر سے زائد اسلامی بانڈز کا اجراء باقاعدہ طور پر ہورہا ہے۔ ملائیشیا میں قائم بعض ممتاز بین الاقوامی بینک جن میں ہانگ کانگ شنگھائی بینک، اور سٹی گروپ نمایاں ہیں بھی اسلامی بینکاری میں سرگرم عمل ہیں۔ سب سے حیران کن بات یہ

ہے کہ اسلامی بینکاری میں غیر مسلم ممالک نمایاں دلچسپی لے رہے ہیں۔(۲۹۹)

جاپان نے تیل پیدا کرنے والے اسلامی ممالک کے لیے اسلامک بانڈ کے اجرا کی منصوبہ بندی شروع کردی ہے۔ بینک حکام کے مطابق اسلامی بینکاری میں سود پر پابندی ہوتی ہے اور اس بینکاری کے تحت الکحل مشروبات اور سٹہ بازی جیسے کاروبار نہیں کیے جاتے اور یہ بینکاری روز بروز ترقی کی جانب گامزن ہے لہذا جاپان اسلامک بانڈ کے اجراء میں ملائیشیا سے مشاورت کرے گا۔ جاپان بینک فار انٹرنیشنل کارپوریشن (JBIC) کا کہنا ہے کہ بینک اس سلسلے میں ملائیشیا کے مرکزی بینک سے بات چیت کررہا ہے۔ جاپان نے اسلامک لیگل (شرعی) اسکالرز کا ایڈوائزری بورڈ بھی قائم کردیا ہے۔ جاپان گروپ 7 ممالک میں واحد ملک ہے جو اسلامک بانڈ ''سکوک'' کے اجرا کی تیاری شروع کررہا ہے۔(۳۰۰) برطانیہ میں سال 2003 کے دوران اسلامک بینک آف برطانیہ کی لندن سے شروعات ہوئی تھی جسے گزشتہ سال 5ویں بڑے بینک کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ سال 2004 میں سرمایہ کاری کے حصول کے لیے بھی اسلامک بانڈز جاری کیے گئے تھے۔ (۳۰۱) اسی طرح برطانوی محکمہ خزانہ اور بینک آف انگلینڈ نے برطانیہ میں اسلامی قوانین کے تحت گھر خریدنے کے لیے قرض اور اسلام بینکاری کے نظام کو فروغ دینے کی غرض سے اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔(۳۰۲)

اقتصادی استحکام:

کسی بھی ملک کی معیشت ریڑھ کی ھڈی کی حیثیت رکھتی ہے، ہمیں اس استحکام کو حاصل کرنے کے لئے عوام کے لئے چھوٹے قرضے اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے چاہئیں جن عرب ممالک نے اپنا پیسہ مغرب کے بینکوں میں رکھا ہوا ہے۔ انہیں چاہئے مسلم بینکوں اور مسلم ملکوں میں منتقل کریں اور ایسے کاموں میں لگائیں جس سے مسلم بینکوں اور ملکوں کی پوزیشن بہتر ہو اور آئی ایم ایف جیسے استحصال اداروں سے قرض لینے کا تعلق محدود یا بالکل ختم کر دیا جائے اسلام نے دو باتوں کی تعلیم دی ہے، پہلی خود انحصاری دوسری سادگی جسے اپنائے بغیر استحکام ممکن نہیں۔(۳۰۳)

اسلام کے نزدیک معاشی مسئلہ اس قدر اہم اور پیچیدہ نہیں ہے جیسا کہ دور حاضرہ کی اور حکومتوں اور ملکوں میں سمجھا جاتا ہے اور جس کے حل کرنے کے لیے سوشلزم اور کمیونزم جیسی تحریکوں کو جنم لینا پڑا۔(۳۰۴) مسلمان ممالک جب تک اپنا نظام معیشت ترتیب نہیں دیں گے اس وقت تک وہ سرمایہ دارانہ نظام کے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ بدقسمتی سے عالم اسلام کے معیشت دان ذہناً مغرب سے مرعوب ہیں کیونکہ وہ اس نظام کے پروردہ ہیں۔ کوئی ایک مجتہد پیدا نہیں ہوا جو سود سے پاک معاشی نظام مرتب کرکے دے۔ جب تک سود، سٹہ اور جوا ختم نہیں ہوگا اس وقت تک مسلمان مملکت کے پنپنے کی کوئی امید نہیں۔ عالمگیریت اسی سودی نظام کو مزید مستحکم کرنے کا نظام ہے جسے عالمی ساہوکار منظم کر رہے اور چلا رہے ہیں۔(۳۰۵)

مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں معاش کا مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے حکومت کا کام ہے وہ خیال رکھے، جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے اور پاک صاف اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی سہولت حاصل ہے۔(۳۰۶) قرآن کریم نے چار باتیں پیش کی ہیں، زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے۔(۳۰۷) دن معاشی دوڑ دھوپ کے لئے ہے۔(۳۰۸) معاشی پیداوار کا ارتکاز نہ ہو سب کو ملے۔(۳۰۹) خوشحالی میں خدا کو یاد رکھے، ورنہ معاش کا

دائرہ تنگ ہو جائے گا۔(۳۱۰) ہر انسان پر لازم کیا گیا کہ وہ معاشی ذرائع تجارت صنعت، حرفت، ملازمت کے ذریعہ ضروریات زندگی حاصل کرے۔(۳۱۱) معیشت کی صحت مند نشوونما کی جو بیماریاں بری طرح متاثر کرتی ہیں ان میں ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری، سٹہ بازی اور اسمگلنگ نمایاں ہیں۔(۳۱۲)

ذخیرہ اندوزی کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بازار میں اشیائے فروختنی لانے والا مجاہد کی شان رکھتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملحد کے مقام پر ہے"(۳۱۳)۔ سچے اور امین تاجر کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ"وہ تاجر جو سچ بولے اور امین ہو، وہ قیامت کو نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا" (۳۱۴)۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا"سامان روکنے والا مجرم ہے۔(۳۱۵)

حضرت محمد ﷺ نے غربت کو اسلام کے معاشی نظام کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست بن گئی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ

"الساعی علی الارملة و المسکین کا المجاهد فی سبیل الله او کالذی یصوم النهار و یقوم اللیل" (۳۱۶)

ترجمہ"بیوہ اور مسکین کی مدد کے لیے کوشش کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہو اور رات میں قیام کرتا ہو"

غیر مسلموں کے معاشی تسلط سے آزادی:

عہد نبوی ﷺ کی اسلامی ریاست ابتدا میں معاشی پسماندگی کا شکار تھی۔ آپ ﷺ نے غیر مسلم قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لیے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔(۳۱۷) زرعی پیداوار میں اضافہ کا رجحان پیدا کیا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ علاوہ ازیں مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کیے۔ (۳۱۸) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں نے اپنا معاشی اعتبار قائم کرلیا اور غیروں کے تسلط سے آزاد ہوگئے۔ آپ ﷺ نے غیر معاشی اجارہ داری حاصل کرنے والی قوموں کے خلاف عملی اقدامات فرمائے۔(۳۱۹)

قرضوں کے بارے میں عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ایک لعنت ہے کیونکہ اس سے قومی خزانے پر بوجھ اور ملکی وسائل کا ضیاع ہوتا ہے۔ جبکہ پوری مسلم دنیا قرض کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے جو ملت اسلامیہ کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے اس سے جان چھڑانے کے لیے مسلم رہنماؤں کو غور کرنا ہوگا البتہ مسلم ممالک قدرتی ذخائر اور مالی وسائل سے مالا مال ہیں اور ان ریسورسز کو بیرونی قرضوں کے کم کرنے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ صرف ضرورت مخلصانہ کوششوں اور سیاسی عزم کی ہے۔ جن کی بناء پر ہم اس خوفناک میکرو اکنامک ایشو کو حل کرسکتے ہیں اس سے قبل کہ پوری مسلم دنیا اپنی کمائی سے زیادہ خرچ کرنے کے چنگل میں جکڑ کر نہ رہ جائے۔(۳۲۰) اسلامی ممالک کو معاشی استحکام کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ غیر ضروری اخراجات اور شاہی عیاشیوں سے پرہیز کیا جائے۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ اسلامی معاشی بلاک اور اسلامک بینک کے قیام کے لیے خصوصی کوششیں کریں۔(۳۲۱)

اسلامی یونین کا قیام:

قرآن کریم کی کئی آیات مبارکہ ضرورتمندوں کی مدد کے لیے دولت خرچ کرنے پر زور دیتی ہے۔ اسلامی یونین کے تحت دو مسلم ممالک آپس میں تعاون کریں تو دونوں کو فائدہ پہنچے گا۔ دونوں کی آمدنی بڑھے گی اور ملازمتوں کے مواقع پیدا ہوں۔ ایک ملک اگر تیل پیدا کرے گا تو دوسرا پروسیس کرے گا جس ملک کی زراعت ترقی یافتہ ہے وہ کم ترقی یافتہ ملک کو تربیت اور اچھا بیج مہیا کرے گا۔ ایک ملک کے مین پاور کا استعمال دوسرے ملک میں کیا جاسکتا ہے جہاں مین پاور کی کمی ہو۔ کسٹم یونین کے ذریعے ڈیوٹیز وغیرہ سے نجات حاصل کرے۔ معاشی ترقی کے سبب ٹیکنالوجی کو فروغ ملے گا۔ مسلم ممالک کا معیار زندگی بلند ہوگا۔ ان کے آپس کے عدم مساوات مٹ جائے گی یا برائے نام رہ جائے گی۔ اس تعاون سے ان کی شرح ترقی میں تیزی آئے گی اور وہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہوجائیں گے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک مرکزی ادارے کا قیام ناگزیر ہے۔(۳۲۲) مسلمان ممالک کو باہمی تجارت کے فروغ کے مسئلہ پر بھی غور کرنا چاہیے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جو چیز کسی مسلمان ملک سے مل سکتی ہے وہ کسی دوسرے ملک سے ہرگز نہ منگوائی جائے۔(۳۲۳) آج یورپ میں بحیرہ اوقیانوس کے 15 ممالک کی تنظیم ''ناٹو'' کا پوری دنیا میں دبدبہ اس لیے قائم ہے کہ انہوں نے متحد ہوکر اقتصادی اور دفاعی طور پر اپنے کو مضبوط تر کرلیا ہے یہی راستہ اگر مسلم حکمراں بھی اپنا لیں تو امید ہے کہ انشاء اللہ بہت جلد مسلم ممالک کی اپنی دھاک دنیا پر بیٹھ جائے گی اور پھر کسی مظلوم پر دست درازی کی جرات نہ ہوسکے گی۔(۳۲۴)

مسلمانوں کو قرآنی اقدار اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کو اپنانا ہوگا۔ محتاج و محروم کے لیے ہر مومن کے مال میں حصہ ہوتا ہے جیسا کہ سورہ مومنون میں ارشاد ہوتا ہے ترجمہ: ''ان کے مال میں ایک حصہ مخصوص ہے محتاجوں اور سوال کرنے والوں کے لیے'' (۳۲۵) آخر علامہ اقبال نے کچھ سوچ کر ہی کہا تھا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے ۔ نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاک کاشغر

آپ ﷺ نے فرمایا جب بندہ اپنے بھائی کی خدمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے۔(۳۲۶) اسی طرح جو اپنے بھائی کے مسائل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مسائل حل کرتا ہے۔(۳۲۷) جو اپنے بھائی کی مشکل دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مشکل دور کرتا ہے۔(۳۲۸) آپ ﷺ نے فرمایا:

من قضٰی لأ خیه حاجة کان بمنزلة من خدم اللّٰه عمره۔ (۳۲۹)

اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنا ایسا ہے جیسے ساری عمر اللہ تعالیٰ کی خدمت کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضاً ثم شبک بین اصابعه(۳۳۰)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کے لیے مکان کی مانند ہے (یعنی سارے مسلمان ایک مکان کی مانند ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط رکھتا ہے)

پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک دست مبارک کی انگلیاں دوسرے دست مبارک کی انگلیوں میں داخل کیں۔

مسلمانوں کے مابین اتحاد و اتفاق کی ضرورت کو ہادی برحق ﷺ نے اس طرح سے واضح فرمایا:

"ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذفی النار" (۳۳۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں گرا"

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے مابین تعلقات کو استوار کرانے اور ان میں صلح کرانے کی اہمیت اور اس کے اجر کے متعلق ارشاد فرمایا:

الا اخبر کم بافضل من درجه الصیام و الصلوٰۃ الصدقته قالو بلیٰ یا رسول اللہ قال اصلاح ذات البین و فساد ذات البین حالقه (۳۳۲) **ترجمہ** کیا میں تم کو وہ بات بتاؤں جو درجے میں روزہ، نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ (ﷺ) آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں میل جول کرا دینا اور آپس کی پھوٹ مونڈنے والی ہے (یعنی دین کو سخت نقصان پہنچانے والی ہے) (۳۳۳)

حالی نے کیا خوب کہا ہے

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا   وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

زیردست اور افلاس زدہ لوگوں کے حقوق کا تحفظ:

خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے عالمی سطح پر عادلانہ اور غیر استحصالی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے یہ عظیم انقلابی اعلان بھی فرمایا:

ارقائکم ارقائکم اطعموھا مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون (۳۳۴)

ترجمہ "لوگو! زیردست انسانوں کا خیال رکھنا، زیردستوں کا خیال رکھنا۔ انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔"

غربت و افلاس کی وجہ سے انسان گداگری جیسے پیشے کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ اکثر فاقہ سے رہتے مگر آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی کے سامنے دامن سوال نہیں پھیلایا۔ (۳۳۵) سخت ضرورت پڑتی یا کسی محتاج کو دینے کے لیے پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لیکر کام چلا لیتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بہترین کھانا جو انسان کھاتا ہے وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کماتا ہے اور داؤد (علیہ السلام) اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ (۳۳۶) بقول الطاف حسین حالی

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ   یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

دفاعی و مادی وسائل کے چیلنجز

دفاعی کمزوری:

حربی برتری ہمیشہ معاشی استحکام اور سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ حالت یہ ہے کہ روایتی ہتھیار بھی تعلیم وتحقیق اور فنی مہارت کے بغیر نہیں بنائے جاسکتے۔ چہ جائیکہ بلیسٹک میزائل اور ایٹمی وار ہیڈ جن کے لیے انتہائی اعلیٰ کمپیوٹر اور الیکٹرانک ٹیکنالوجی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مدلم ممالک کی اس وقت حالت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اسلحے میں خود کفیل نہیں اور انہیں مہنگے داموں اسلحہ ترقی یافتہ قوموں امریکہ، یورپ اور روس وغیرہ سے حاصل کرنا پڑتا ہے اور وہ بھی فارن کرنسی میں۔ اور یہ قومیں جو اندر سے مسلم ممالک کی خیر خواہ نہیں، انہیں اپنی مرضی کا اسلحہ منہ مانگی قیمت پر دیتی ہیں اور جب چاہتی ہیں پرزوں کی سپلائی روک روک کر اس اسلحے کو بھی ناکارہ بنادیتی ہیں۔ عراق اور افغانستان جیسی جنگوں میں وہ اپنا نیا اسلحہ ٹیسٹ کرتی ہیں۔ (۳۳۷)

امریکہ اور اہل مغرب نے اس وقت وہ ہتھیار تیار کرلیے جو دوسری قوموں کے پاس نہیں۔ اس وقت امریکہ جنگی ٹیکنالوجی میں ساری دنیا سے آگے ہے اور اس کے بعد یورپ۔ افغانستان وعراق کی جنگ میں اس کے بغیر پائلٹ طیارے ہزاروں فٹ بلندی سے صحیح صحیح نشانہ لگاتے تھے۔ (۳۳۸) اکثر ترقی پذیر ملکوں کے معاشی مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کے ترقیاتی منصوبوں پر منفی اثر پڑا ہے۔ اس کے باوجود ان کے جنگی اخراجات میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اعداد وشمار تو یہ بتاتے ہیں کہ ان کے جنگی اخراجات مسلسل بڑھتے جارہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں تعلیم، صحت، تعمیرات اور دوسرے سماجی شعبوں کے لیے مخصوص کی جانے والی رقوم میں بتدریج کمی ہوتی جارہی ہے۔ (۳۳۹)

اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ پچیس برسوں کے دوران ترقی پذیر ملکوں کے فوجی اخراجات میں اوسطاً 7.5% سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوا ہے۔ یہ شرح ترقی یافتہ ملکوں کے جنگی اخراجات میں سالانہ اضافے کی شرح سے بھی زیادہ ہے۔ (۳۴۰)

کسی ملک کی فوج کو اگر سیاست کا چسکا پڑ جائے تو اس کا اصل نقصان اس ملک کے دفاع ہی کو پہنچتا ہے۔ اس طرح کے جو جنرل سیاسی اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں یہ نہیں کرتے کہ فوج کو چھوڑ دیں اور صرف سیاست پر قناعت کریں بلکہ فوج چونکہ ان کی قوت کا منبع ہوتی ہے اس لیے وہ فوجی عہدہ بھی اپنے پاس رکھتے ہیں اور سیاسی بھی۔ (۳۴۱)

شاید ہی کوئی ایسا غریب ملک ہو جس کے جنگی اخراجات صحت، تعلیم اور رہائشی سہولتوں کے لیے اس کے بجٹ کے برابر ہوں۔ لگتا ہے کہ صرف دفاع سے دلچسپی ہے نتیجہ یہ ہے کہ استاد کم اور سپاہی زیادہ ہیں۔ ترقی پذیر دنیا کی مجموعی صورتحال یہ ہے کہ اس کے فوجیوں کی تعداد، ڈاکٹروں اور استادوں کی تعداد سے آٹھ گنا زیادہ ہے۔ (۳۴۲)

مختلف اسلامی ممالک کے سیاسی وفوجی کوائف

نمبر شمار	ملک	آزادی کا سال	طرز حکومت	بری فوج	بحری فوج	فضائی فوج	کل تعداد
1	الجزائر	1962	فوجی	120000	7000	12000	139000

2	بحرین	1971ء	بادشاہت	5000	500	650	6150
3	بنگلادیش	1971	وزیراعظم	93000	7500	6000	106500
4	برونائی	1984	بادشاہت	3600	550	300	4450
5	مصر	1922	منتخب صدر	290000	20000	100000	410000
6	گیبن	1960	منتخب صدر	3250	500	1000	4750
7	انڈونیشیا	1945	منتخب کردہ صدر	215000	18000	35000	283000
8	ایران	...	منتخب صدر	475000	18000	35000	528000
9	عراق	1932	صدر/وزیراعظم	350000	1000	30000	381000
10	اردن	1942	بادشاہت	8500	400	14000	22900
11	لبنان	1945	منتخب کردہ صدر	17500	500	800	18800
12	ملائیشیا	1948	وزیراعظم	105000	10500	12400	127900
13	ماریطانیہ	1960	منتخب صدر	10500	450	150	11100
14	مراکش	1956	بادشاہت	175000	7000	13500	195500
15	نائجیریا	1960	فوجی حکومت	80000	5000	9500	94500
16	اومان	1951	بادشاہت	20000	3400	3000	26400
17	پاکستان	1947	وزیراعظم	500000	20000	45000	565000
18	قطر	1971	بادشاہت	6000	700	800	7500
19	سعودی عرب	----	بادشاہت	45000	9500	18000	72500
20	شام	1941	منتخب صدر	300000	4000	100000	404000
21	تیونس	1956	منتخب صدر	27000	4500	3500	35000
22	یمن	1953	منتخب صدر	60000	3000	2000	65000(۳۴۳)

اس وقت ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیا میں 194 آزاد ممالک کے پاس ساڑھے تین کروڑ مسلح افواج

موجود ہے۔ جن میں سے مسلم ممالک کے پاس دنیا کی کل افواج کی 25 فیصد فوج موجود ہے۔ چند مسلم ممالک ایسے بھی ہیں جن کے پاس فضائی اور بحری فوج نہیں جبکہ کچھ اسلامی ممالک خانہ جنگی کی حالت میں ہیں اور کچھ کے اعداد شمار دستیاب نہ ہو سکے۔

اسلامی ممالک کے وسائل پر قبضہ:

مغربی دنیا اور امریکہ کی نظریں کافی عرصہ سے اسلامی دنیا کے وسائل (خصوصاً) تیل کے وسائل پر جمی ہوئی ہیں۔ اسی محرک کی وجہ سے انہوں نے اسلامی ممالک میں اپنی فوجوں کو لا کر ڈیرے ڈال لیے ہیں۔ عراق کے خلاف موجودہ کاروائی کے پیچھے بھی یہی محرک کام کر رہا تھا۔(۳۴۴) امریکی عوام دنیا میں تیل کے سب سے بڑے صارفین ہیں جو مجموعی پیداوار کا لگ بھگ 27 فیصد تیل خود استعمال کر لیتے ہیں اور باقی 63 فیصد تیل پر دنیا کی آبادی کے معاملات کا دارومدار ہے۔ امریکہ کے لیے یہ بھی کسی چیلنج سے کم نہیں ہے کہ یورپی ممالک، چین، جاپان، ایشین ٹائیگرز سمیت دیگر ترقی پذیر ممالک بھی تیل کی فراہمی کے حصول کی دوڑ میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔(۳۴۵)

۱۹۵۸ء میں امریکی صدر آئزن ہاور نے اپنے ادارہ نیشنل سیکورٹی کونسل سے یہ سوال کیا کہ مشرق وسطیٰ کے لوگ ہم سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔ این ایس سی نے جواب دیا:

"They believe that the United States is seeking to proctect its interest in near East Oil by supporting the status quo and opposing political or economic progress.(346)

نوم چومسکی اپنے مضمون میں لکھتا ہے کہ "11 ستمبر کے واقعات کے بعد عرب دنیا میں جو سروے کیا گیا اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو وجوہات آئزن ہاور کے زمانہ میں امریکہ سے نفرت بارے میں موجود تھیں وہ آج بھی اسی طرح درست ہیں۔"(۳۴۷)

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس دور میں معلومات کا پوشیدہ رہنا ممکن نہیں لہٰذا جب یورپی اور مغربی دنیا کی خوشحالی اور بلند معیار زندگی لوگوں کے سامنے آتا ہے تو اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے ان میں غصہ اور اشتعال پیدا ہوتا ہے اور انہیں یہ باتیں مہمیز کرتی ہیں کہ مغرب کی ترقی و خوشحالی بعض مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ اور ان کا استعمال ہے۔(۳۴۸)

گزشتہ 30 برسوں میں امریکہ اور مغربی ممالک تیل کی کم قیمت کے سبب اقتصادی طور پر Survive کر سکے ورنہ جب 1974ء میں شاہ فیصل نے تیل کی قیمت بڑھائی تو امریکہ کی معیشت لڑکھڑا گئی تھی اور ڈالر کی قیمت 400 فیصد کم ہوگئی تھی۔ آج مسلم ممالک متحد ہو کر تیل اور گیس کی قیمت کنٹرول کرنے کے ذریعے مغرب کی معیشت کو کنٹرول کر سکتے ہیں اور اسرائیل کی بے جا حمایت کی قیمت اس سے وصول کر سکتے ہیں۔(۳۴۹)

اکیسویں صدی کو "انرجی کی صدی" قرار دیا جا رہا ہے۔ مسلم دنیا کی یہ برتری جو انرجی فیلڈ میں قدرت کی فیاضوں نے اسے عطا کی ہے رواں صدی میں مزید ابھر کر سامنے آئے گی۔ انرجی جدید معاشرے کا ناگزیر عنصر ہے۔ اس

کے بغیر شہروں کی تعمیر، کارخانوں کا قیام اور نقل و حمل ممکن نہیں ہیں۔ اس لیے قومیں انرجی کے وسائل پر قبضہ جمانے کی کوشش کریں گی۔ اسلامی دنیا اپنے انرجی وسائل کا اچھا نہیں کررہی ہیں۔ خام تیل پروسس کرنے کے لیے غیرملکی پلانٹ یا غیرملکی ماہرین یا دونوں استعمال کیے جارہے ہیں۔ بعض مسلم ممالک کے پاس اپنے انرجی وسائل کی تلاش کے وسائل تک نہیں ہیں۔(۳۵۰)

تہذیبوں کے تصادم کا خود ساختہ نظریہ واشنگٹن کے نظریہ سازوں کی ذہنی اختراع اور اس سے امریکہ کو ایک نئی سرد جنگ کے لیے گولہ بارود فراہم کرنا تھا اور وہ یہ کام بیس برسوں سے پوری تندہی سے کررہے ہیں اس حقیقت سے سب ہی آگاہ ہیں کہ گزشتہ ساٹھ برسوں سے اس دنیا کے صنعتی ممالک کا سب سے اہم مسئلہ تیل رہا ہے اور آج بھی جس کی وجہ سے مشرق وسطیٰ مسلسل نشانہ بنتا چلا آرہا ہے۔ امریکہ کا پوشیدہ ایجنڈا جواب اتنا پوشیدہ بھی نہیں رہا وہ ہے :ا۔امریکی دفاع کی تشکیل نو کرنا۲۔دنیا کے تیل کے ذخائر اور قدرتی وسائل پر اپنی گرفت رکھنا۔۳۔خلا وار سائبر اسپیس پر اپنے کنٹرول کو یقینی بنانا۔۴۔جاری صدی میں امریکہ کے عالمی کردار کو مؤثر بنانا اور ورلڈ آرڈر نافذ کرنا ہے۔(۳۵۱)

مغرب کی ترقی یافتہ دنیا میں تقریباً نصف تیل مسلم دنیا سے آتا ہے اور دنیا کو خوراک مہیا کرنے میں 40 فیصد حصہ مسلم ممالک کا ہے۔ زیادہ تر اقتصادی ماہرین تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کی معیشت اسلامی ممالک کے تیل اور گیس برآمدات پر انحصار کرتی ہے۔ خصوصاً خلیجی ممالک کی برآمدات پر سعودی عرب ہی میں دنیا کے معلوم ذخائر کا 25.4 ملتا ہے یعنی 262 ارب بیرل، 11 فیصد عراق میں، 9.6 فیصد متحدہ عرب امارات میں، 28.6 فیصد ایران میں، 9.2 فیصد کویت میں اور 13 فیصد بقیہ اوپیک ممبران ہیں۔ (۳۵۲)

جغرافیائی سرحدوں میں تبدیلی:

برطانوی نژاد امریکی پروفیسر برنارڈ لیوس جس کو اسلامی تاریخ اور مشرق وسطیٰ کے معاملات پر عبور حاصل تھا 1975ء میں ایک خطرناک منصوبہ لیکر سامنے آیا۔ پروفیسر لیوس نے اپنے منصوبے میں مشرق وسطیٰ کی سرحدوں میں تبدیلیاں لانے، مسلم ممالک کو آپس میں لڑانے، اسرائیل کو مشرق وسطیٰ میں مغربی مفادات کے نگراں کے طور پر مزید طاقتور بنانے، کردستان کی ریاست قائم کرنے، افغانستان کو تین، عراق کو تین، بھارت اور پاکستان کو مزید حصوں میں تقسیم کرنے کی تجاویز سمیت مشرق وسطیٰ کے تیل پر اور مسلم ممالک کے قدرتی وسائل پر قبضہ کرکے ان ممالک کو آئندہ آزادانہ حکمت عملی اپنانے کے قابل نہ رکھنے کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ 1975 سے 2006 تک پروفیسر لیوس سے رالف پیٹرز تک مشرق وسطیٰ اور دیگر مسلم ممالک کی جغرافیائی سرحدوں میں تبدیلیوں کی تجاویز اور نقشوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ (۳۵۳) انٹرنیٹ پر''خونی سرحدات''(Blood Borders) کے عنوان سے شائع ہونے والے مضمون میں مشرق وسطیٰ کے پرانے نقشوں کے ساتھ نئے نقشے سائع کیے گئے ہیں۔ جس میں ایران و پاکستان کے بلوچوں کے نام سے نئے ملک میں ظاہر کیا گیا ہے اور پاکستان کے پختونوں کو افغانستان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ مکہ اور مدینہ کو نئی ریاست کے ساتھ سعودی عرب کو تقسیم، عراق کو شیعہ اور سنی عراق میں تقسیم کرکے نقشے دکھائے گئے ہیں۔ عظیم تر اسرائیل کے نقشے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ منصوبہ بندی کی گئی

ہے۔ جس کے لیے اسلام فرقوں اور قومیتوں کے نام پر خون ریزی کا بازار گرم رکھنے اور امت مسلمہ کی وحدت کو مزید پارہ پارہ کرنے کی جامع سازشوں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ (۳۵۴)

تدارک سیرت طیبہ ﷺ کی حاصل رہنمائی میں

مضبوط دفاعی و حربی قوت کا حصول:

دفاعی و حربی لحاظ سے مسلم ممالک کا بہترین مفاد اسی میں ہے کہ وہ اتنے طاقتور ہو جائیں کہ اپنی سرحدوں کا دفاع کرنے کے علاوہ دوسرے مسلمان ملکوں کے اہم مفادات کے دفاع میں ان کی مدد بھی کر سکیں۔ اعلیٰ ٹیکنالوجی کے حصول یا اس کے فروغ میں مسلمانوں کی مدد کرنے کے سلسلے میں مغرب روز افزوں تذبذب میں مبتلا ہے۔ (۳۵۵)

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دفاعی میدان میں دشمن کے مقابلے میں بھر پور تیاری، حفاظتی تدابیر اور تمام ممکنہ وسائل اپنانے کی تاکید کی ہے تا کہ کسی دشمن اسلام کو امت مسلمہ کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھنے کی بھی جرات نہ ہو۔(۳۵۶) ارشاد ربانی ہے کہ

"یایھا الذین امنو ا خذو ا حذرکم"(۳۵۷) ترجمہ "اے ایمان والو اپنی احتیاط کر لو یا اپنے ہتھیار تیار رکھو"۔

اس میں صنعتی، عسکری، ایٹمی تنصیبات اور مواصلاتی نظام وغیرہ سب کی حفاظت شامل ہے۔ مفسرین کے مطابق "حذر" کا مفہوم بہت وسیع و جامع ہے ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے اس میں شامل ہے۔ حفاظتی نظام میں ذرا سی کوتاہی اور غفلت بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ

"وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً."(۳۵۸)

ترجمہ "اور کافر لوگ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے بے خبر رہو تا کہ وہ یکبارگی تم پر حملہ کریں"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

" وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّاللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ. لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ. اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ." (۳۵۹)

ترجمہ اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ

''نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آ]ندہ جو اسلحہ و آلات حرب وضرب تیار ہوں انشاء اللہ سب اس آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔ یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے''(۳۶۰)۔

آپ ﷺ کی تمام جنگیں دفاعی تھیں۔(۳۶۱) تاریخ اسلام گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کے دس سال دشمنان اسلام سے عملاً جہاد یا جہاد کی تیاری میں گزرے۔''آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے تھے۔ نشانہ بازی کی مشق بھی دلاتے، خود بھی وہاں جاتے اور اپنے سامنے گھڑ دوڑ کراتے۔ مقریزی نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پانچ اول آنے والے گھوڑوں کو انعام دیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ہتھیاروں، گھوڑوں اور اونٹوں کے خریدنے کی طرف بھی توجہ فرمائی''(۳۶۲) آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے جدید آلات حرب مثلاً دبابہ، منجنیق اور حسق وغیرہ کا بھی استعمال فرمایا۔ اس دور کے جدید ہتھیاروں میں سے ایک ''دبابۃ'' تھا یہ ایک خاص قسم کی گاڑی تھی جو تیر سے حفاظت کے لیے موٹا چمڑا منڈھ کر بنائی جاتی اور قلعہ شکنی کے لیے استعمال کی جاتی تھی(۳۶۳) اسے آج کے دور کا ٹینک کہا جاسکتا ہے۔ دوسری منجنیق تھی جس کے ذریعہ وزنی پتھر دشمنوں کی طرف برسائے جاتے تھے (۳۶۴) اسے موجودہ زمانے کی توپ کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ''ضبر'' دبابے ہی کی طرح ایک آلہ تھا لکڑی پر کھال منڈھ کر اسے چھتری کی طرح بنایا جاتا تھا تاکہ پیٹھ کو تیر سے محفوظ رکھا جائے۔ (۳۶۵) نیز''حسک'' ایک خاردار گھاس ہوتی تھی جسے قلعہ اور لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ مخدوش کیا جاتا۔(۳۶۶) موجودہ دور کی بارودی سرنگیں اسی کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔

ملیشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتر محمد نے اسلامی دنیا پر زور دیا ہے کہ وہ یہودیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنے قوت بازو کے علاوہ عقل کا بھی استعمال کریں کیونکہ یہودی ان کے بقول دنیا پر حکمرانی کررہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیاوی علوم پر بھی توجہ دیں کیونکہ ہمیں بندوقیں، توپیں، بم، جہاز، طیارے اور ٹینک اپنے دفاع کے لیے درکار ہیں۔(۳۶۷)

مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے:

مغرب کی سازشوں کے نتیجہ میں آج عالم اسلام منتشر ہے وہ اپنی دفاعی ضروریات کے پیش نظر طاقتور غیر مسلم ممالک سے دفاعی معاہدے کرنے پر مجبور ہے اور وہ ان کو صفوں میں انتشار پیدا کرکے اور باہم لڑا کر ان کے وسائل کو بے دردی سے لوٹ رہا ہے۔ اگر مسلمان ممالک متحد ہوکر باہمی دفاع معاہدے کریں اور اپنے وسائل کو اپنے دفاع پر صرف کریں تو وہ ہر قسم کے خطرات کے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ کفار مسلمانوں کے کبھی بھی ہمدرد و خیر خواہ نہیں ہوسکتے (۳۶۸)اسی لیے قرآن حکیم ان کے ساتھ دوستی لگانے سے منع کرتا ہے۔(۳۶۹)اور ان کو عدوی و عدوکم (۳۷۰) کہہ کر ہوشیار کرتا ہے کہ وہ تمہارے بھی اور میرے بھی دشمن ہیں اس لیے ان سے خیر کی توقع محال ہے۔ مسلم ممالک

کے درمیان مشترکہ دفاع کا معاہدہ ضروری ہے جس میں کسی ایک مسلمان ملک پر حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے اور سب اس کے دفاع کے پابند ہوں۔ مسلم ممالک مشترکہ سرمائے سے روایتی اور جدید اسلحہ سازی خصوصاً ایٹمی صلاحیت، میزائل و لیزر ٹیکنالوجی، طیارہ سازی وغیرہ کے مشترکہ ادارے قائم کرے۔ (۳۷۱)

تعلیمی، فنی و سائنسی چیلنجز

نظام تعلیم و مقصد تعلیم کا مسئلہ:

مغرب نے پچھلی تین صدیوں میں عالم اسلام میں جو تباہی مچا رکھی ہے اس کے مختلف پہلو ہیں۔ ہر پہلو اپنی جگہ اہم ہے۔ سیاسی مسئلہ ہو یا معاشی، فکری ہو یا ثقافتی، اخلاقی ہو یا معاشرتی ہر جگہ مغرب کی فسوں کاری کارفرما نظر آتی ہے۔ لیکن تخریبی قوتوں کا جس میدان میں شدید حملہ ہوا وہ تعلیم کا میدان ہے۔ اس میدان میں فکر ونظر، ایمان و ایقان، اخلاق و عقیدہ، آداب و تہذیب غرض ہر وہ چیز جو ہماری شناخت کا پتہ دیتی تھی اور جس میں ہماری زندگی کا بقا مضمر تھی سب کچھ ہی اس کی زد میں آ گئے۔ لارڈ میکالے کا وضع کردہ تعلیمی نظام نے جس بگاڑ کو جنم دیا ہے اس کی گرفت آج بھی ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی پر قائم ہے۔ (۳۷۲)

مغربی تعلیم کا مقصد مادی سہولتیں، مادی آسائشیں ہیں۔ مغربی تعلیم کا مقصد خود غرضی ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات معاشرہ کے مفادات بھی پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ''میکالے'' فلسفہ تعلیم پر مبنی موجودہ نظام تعلیم کا مقصد اقبال کے الفاظ میں ''دوکف جو'' کا حصول ہے۔ اس سے شکم کی تسکین تو ہوسکتی ہے مگر دل و دماغ تو بدستور تشنہ رہتے ہیں۔ مغرب کے غلبہ نے اسلامی تعلیم کا مقصد ذہنوں سے مٹایا نہیں تو دھندلا ضرور کردیا ہے۔ اسلیے آج اسلام کے مقصد تعلیم کو واضح کی ضرورت ہے اور اسے عام کرنے کی ضرورت ہے۔ (۳۷۳)

> The OIC region as a whole needs at least 12000 universities. The entire Muslim world constituting one-fifth of humanity, contributes barely 1000 research articles out of 100,000 science books and 2,000,000 research articles published annually. While the West has an average of 3000 science Ph.Ds per million population, our number is so dismally small that even the statistic was not available.(374)

پورے عالم اسلام میں سالانہ پی ایچ ڈی کی تعداد 600 ہے جبکہ اکیلے برطانیہ میں ان کی تعداد 2000 ہے۔ (۳۷۵) ممکن ہے کہ اس تعداد میں کچھ اضافہ ہوگیا ہو مگر یورپ کے مقابلے میں بہت ہی کم یہ اضافہ ہوگا۔

سائنس اور ٹیکنالوجی:

اس صدی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو ایک ایسی ترقی ملی ہے جو بیس یا پچیس برس قبل ناقابل قیاس تھی۔ اس ترقی سے دنیا کے فاصلے سکڑ گئے ہیں۔ سفر کی سرعت رفتار اب ہفتوں اور دنوں کے بجائے گھنٹوں میں تبدیل ہوگئی ہے۔ ابلاغ اور ترسیل کے ذرائع نے اخبار اور اطلاع کو ہر شخص کے قابل حصول بنادیا ہے۔ الیکٹرانک ذرائع سے دنیا کے ہر گوشے کی خفیہ نگرانی بھی کی جارہی ہے۔ پوری دنیا میں اپنی فکر، اپنے کلچر اور اپنے مفادات کی اشاعت بھی کی جاسکتی ہے۔ اس منظر نامے کا دوسرا سین یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی امرا اور طاقتوروں کی باج گزار بن گئی ہے۔ سائنس دان بھی ایک مافیا میں تبدیل ہوگئے ہیں جن کا مطمح نظر اپنی غیر معمولی اہمیت کا استحکام اور اغنیا کی خدمت۔(۳۷۶)

سائنس وٹیکنالوجی میں مسلمان بہت پیچھے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں تعلیم کم ہے۔ جو ہے اس کا کوئی معیار نہیں۔ عمدہ تجربہ گاہیں موجود نہیں۔ سائنسی ترقی پر خرچ کرنے کے لیے بجٹ نہ ہونے کے برابر ہے۔ (۳۷۷) سائنسی ترقی کے لیے اسلامی ممالک کی تنظیم کامسٹیک کا اجلاس ستمبر ۲۰۰۱ء میں اسلام آباد میں ہوا جس میں سارے مسلم ممالک نے مل کر آئندہ مالی سال کے لیے سات ملین ڈالر کا بجٹ بنایا۔ (۳۷۸) یہ بجٹ شرمناک ہے اگر یہ سات ہزار بلین ڈالر ہوتا تو بھی کم تھا۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم محض مغربی ٹیکنالوجی کے مستقل خریدار اور استعمال کنندہ ہیں۔ (۳۷۹)

مغرب نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں اس قدر ترقی کرلی ہے کہ آج وہ پوری دنیا کے سامنے سرفخر سے بلند کیے ہوئے ہے۔ کائنات کے ایک ذریعے چاند کو تو انہوں نے گزشتہ صدی میں ہی تسخیر کرلیا تھا اب موجودہ صدی میں چاند پر رہائش اختیار کرنے کے لے بعض امریکی کمپنیاں باقاعدہ پلاننگ کی ابتدا کرچکی ہیں۔ چند روز پہلے سائنسدان نے خلائی گاڑی چاند سے ٹکرادی اس سے جو گردوغبار کا طوفان اٹھا اس سے سائنسدان یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہے ہیں کہ چاند بھی کبھی زمین کا حصہ رہا تھا یانہیں۔(۳۸۰)

شرح خواندگی:

اقوام متحدہ نے انسانی ترقی کے ترتیبی مقام [Human Development Index Rank-(HDI)] کے حوالے سے اپنی رپورٹ شائع کی جو آبادی، شرح خواندگی، مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلیمی تناسب اور حکومتوں کی جانب سے مہیا کردہ تعلیم اور صحت سے متعلق سہولتوں کے حوالے سے تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق دنیا کے 178 ممالک میں سے صرف 6 اسلامی ممالک ایسے ہیں جو رپورٹ کے اعلیٰ مقام پر آتے ہیں۔ اپنے عوام کو بہتر سہولتیں اور اپنے وسائل کو کافی حد تک بہتر طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ 22 اسلامی ممالک درمیانی سطح اور باقی 23 ممالک ترقی کے بالکل نچلے معیار پر ہیں۔ تعلیم پر خرچ کے ضمن میں بھی اسلامی ممالک کی صورتحال نہایت افسوس ناک ہے۔ تین چوتھائی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو اپنے بجٹ کا 4 فیصد بھی تعلیم پر خرچ نہیں کرتے۔(۳۸۱)

According to Kenneth David, literacy of Christian world in 1980 was

on an average 90% and about 15 countries had a literacy of 100%. On the other hand, average literacy in the Muslim countries was less than 40% and none had 100% literacy. More or less the same situation continued afterwards and in 2001 UNDP reported an average of 60 percent literacy in Islamic countries and between 95 to 100% in the Western nations of Christians.(382)

اس وقت او آئی سی ممالک میں 380 جامعات ہیں جبکہ صرف ٹوکیو میں 120 جامعات پائی جاتی ہیں اور پورے جاپان میں جامعات کی کل تعداد 1000 ہے۔ (۳۸۳)

اس وقت پورے عالم اسلام سو ارب مسلمانوں میں، ستر کروڑ سے زائد افراد ناخواندہ ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور ناروے وغیرہ میں شرح تعلیم 99 فیصد ہے۔ امریکہ میں چار ہزار ریکارڈ یونیورسٹیاں ہیں۔ امریکہ تعلیم پر GDP کا 7.1(595.500 بلین ڈالر)، برطانیہ 5 فیصد (50 بلین ڈالر)، فرانس 11 فیصد (59 بلین ڈالر)اور جرمنی 9.5 فیصد (170 بلین ڈالر) خرچ کرتا ہے۔ (۳۸۴)

آیئے دیکھتے ہیں کہ مختلف اسلامی ممالک GNP کا کتنا فیصد تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔

% of GNP	ملک	% of GNP	ملک	% of GNP	ملک	% of GNP	ملک
2.4%	چاڈ	1.5%	برکینا فاسو	2.9%	بنگلا دیش	3.3%	آذربائیجان
2.2%	اریٹیریا	4.8%	مصر	5.0%	کوٹ ڈی آیوری	3.2%	بینن
7.3%	اردون	4.0%	ایران	1.4%	انڈونیشیا	4.0%	ایتھوپیا
0.9%	نائجیریا	2.5%	لبنان	3.7%	کویت	4.7%	قازقستان
4.4	موزمبیق	5.3%	مراکش	5.1%	ماریطانیہ	5.2%	ملائیشیا
3.5%	سینیگال	5.5%	سعودی عرب	3.0%	پاکستان	8.1%	ازبکستان
2.2%	مالی	2.2%	تاجکستان	4.2%	سیریا	6.5%	یمن
2.6	یوگنڈا	00	ترکمانستان	2.2%	ترکی	6.7%	تیونس
(۳۸۵)00	نائجر	5.1%	الجیریا	2.9%	کیمرون	3.1%	البانیا

The average literacy level of the Muslims is under 50% which is very

shameful for a nuclear and missile power like Pakistan. Amongst the worst impverished , 17, are Muslim countries. 386)

مختلف اسلامی ممالک میں شرح خواندگی:

شرح خواندگی	نام ملک	شرح خواندگی	نام ملک	شرح خواندگی	نام ملک	شرح خواندگی	نام ملک
58.6 %	Eritrea	91.3 %	Jordan	50 %	Cote D Ivoire	97%	Azarbaijan
70 %	Algeria	86.5	Albania	36 %	Afghanistan	99.3 %	Uzbekistan
23%	Bahrain	79 %	Iran	42.7 %	Ethopia	87.9 %	Indonesia
NA	Bosnia	43.1 %	Bangladesh	93.9 %	Brunei	26.6 %	Burkina Faso
98 %	Tukamanitan	99 %	Tajikistan	45.7 %	Pakistan	40.9 %	Benin
67 %	Togo	74.2 %	Tunisia	78.2 %	Tanzania	87 %	Turkey
78.8 %	Saudi Arabia	95 %	Suriname	70 %	Chad	20 %	Djibouti
76.9 %	Syria	23 %	Senegal	31 %	Sierra Leone	21 %	Sudan
NA	Palestine	75.8 %	Oman	40.4 %	Iraq	37.8 %	Somalia
56.5 %	Comoros	97 %	Kyrgystan	82.5 %	Qatar	98.4 %	Kazakhstan
42 %	Guinea Bissau	35.9 %	Guinea	79 %	Cameroon	83.5 %	Kuwait
87.4 %	Lebanon	40.1 %	Gambia	63 %	Gabon	99 %	Guyana
46.4 %	Mali	97.2 %	Maldives	41.7 %	Mauritania	82.6 %	Libya
88.7 %	Malaysia	57.7 %	Egypt	51.7 %	Morocco	77.9 %	U.A.E.
51 %	African Repub	21 %	Nigeria	17.6 %	Niger	48 %	Mozambique
				70 (۳۸۷)%	Uganda	30%	Yemen

مخلوط تعلیم کا مسئلہ:

تعلیم کا ایک اہم مسئلہ مخلوط تعلیم بھی ہے جو دن بدن قبولیت عام حاصل کر رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی بدولت فحاشی، عیاشی اور جنسی کشش جتنی عام ہوئی ان لعنتوں کے پنپنے کے مواقع کھلے عام پیدا کیے جا رہے ہیں۔(۳۸۸) مخلوط تعلیمی نظام کلیسائی نظام تعلیم کی پیداوار ہے۔ اسلام کے کسی دور میں اس کا وجود نہیں ملتا۔(۳۸۹) مرد و عورت بالغ ہوں یا قریب البلوغ ہوں، جنہیں فقہا کی زبان میں مراہق کہا جاتا ہے ان کا آپس میں اختلاط شرعاً سخت گناہ ہے۔ بے پردہ ہو کر کسی عورت کا کسی نامحرم مرد کے سامنے آنا سخت ممنوع ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تاکنے لگتا ہے'' (۳۹۰) جس ادارے میں مراہق یا بالغ طلبہ و طالبات مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہاں کسی مرد یا عورت کو کام کرنا شرعاً جائز نہیں۔ استاد ہونے کی حیثیت سے عورتوں پر نظر ڈالنا اور بے حجاب ہو کر سامنے آنا درست نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں مسائل پوچھنے کے لیے عورتیں آتی تھیں تو پردے کے پیچھے سے پوچھتی تھیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو(۳۹۱)۔

اسلامی ممالک کے نصاب میں تبدیلی:

ایک بات جو امریکی سیاستدان اور دانشور تواتر سے کہہ رہے ہیں وہ یہ کہ اسلامی ممالک میں نصاب کی تبدیلی ضروری ہے کیونکہ تعلیمی اداروں میں پڑھانے والے نصاب دہشت گرد اور انتہا پسند پیدا کر رہے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس نے بڑی وضاحت سے اس موقف کو دہرایا کہ کسی بھی ملک سے انتہا پسندی کا عنصر ختم کرنے کے لیے تعلیمی اصلاحات بہت ضروری ہیں۔(۳۹۲) مصری حکومت نے امریکی سفارشات پر عمل کرتے ہوئے اپنے تعلیمی نصاب میں سے وہ تمام غزوات خارج کر دیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے کیے تھے۔ یہودیوں کی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی پر جو معمولی واقعات نصاب میں پڑھائے جاتے تھے وہ بھی خارج کیے جا چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ٹی وی کے مصری ملا قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ان کو آیات کو چھوڑ دیتے ہیں جن میں یہودیوں کا ذکر ہے۔(۳۹۳)

کسی بھی ملک کی تعلیمی ترقی کا اندازہ وہاں کے تعلیمی اداروں میں رائج نصاب سے لگایا جا سکتا ہے۔ نصاب سازی، نصاب پر نظر ثانی اور نصاب کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہمیشہ سے ضروری خیال کیا گیا ہے جہاں یہ مشق نہیں ہوتی وہاں تعلیمی معیار بھی نہیں ہوتا۔(۳۹۴) تعلیمی اصلاحات کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ تعلیمی میدان میں کچھ ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے قومی اور ملی اہداف واضح اور منزل کا حصول آسان ہو جائے۔ نوجوان نسل کو فکری پراگندگی سے بچایا جا سکے اور ان کو ایک واضح نصب العین کی طرف راہنمائی کی جا سکے۔(۳۹۵)

دینی مدارس:

برطانوی استعمار نے برصغیر میں وارد ہو کر سب سے پہلا تخریبی کام یہ کیا کہ مسلمانوں کے اس نظام تعلیم کو تباہ کر دیا جو مدت سے یہاں رائج تھا۔ اس نے دینی و دنیوی تعلیم کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل تک

مسلمانوں کے دینی اور دنیوی تعلیم کے مدارس ایک ہی ہوتے تھے اور جداگانہ نظام تعلیم کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ ایک ہی درسگاہ سے طلبہ کو سائنس، ریاضی، فلسفہ، منطق، حدیث و قرآن اور فقہی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ (۳۹۶) گزشتہ دو سو برسوں کے دوران انگریز، ولندیزی، ہسپانوی، فرانسیسی، روسی، کمیونسٹ روسی، استعماری اور توسیع پسند قوتوں نے مسلم دنیا کو محکوم بنایا ان کی جابرانہ حاکمیت کے خلاف مسلمان ملکوں اور قوموں میں آزادی کی تحریکوں کے لیے عام مسلمانوں کو ابھارنے میں دینی تعلیم کے چھوٹے بڑے اداروں نے ایک بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔(۳۹۷) انٹرنیشنل کرائسس گروپ نامی ایک غیر سرکاری تنظیم نے پاکستان میں دینی مدارس میں زیر تعلیم پندرہ لاکھ طلبہ کے مستقبل کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ دنیا کے بارے میں محدود سوچ رکھتے ہیں، عصری تعلیم سے عاری ہیں اور غریب بھی ہیں اور یہ وہ عوامل ہیں جو انہیں ایک انحطاط پذیر معاشرے کا حصہ بناتے ہیں۔ (۳۹۸)

آج مسلم ممالک کی مقتدر اور اعصابی مراکز پر گرفت رکھنے والی قوتیں، جو داخلی اہداف بھی رکھتی ہوں گی، مگر ان کا فکری ایجنڈا عالمی استعمار کے زیر اثر دکھائی دیتا ہے۔ ایسی قوتیں شدت سے دینی مدارس کے مقاصد، کردار، تعلیم، تدریس، افرادقوت، گویا کہ دینی مدارس سے منسوب ہر چیز کو الزامی مہم کے بل ختم کرنے یا ان کی کلی ہیئت تبدیل کرنے کی درپے نظر آتی ہیں۔(۳۹۹)

۲۱ ویں صدی میں مسلمانوں کے حوالے سے جن الفاظ کو سب سے بڑا ہوا بنا کر تواتر کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے وہ ہیں جہاد، تنگ نظری اور عدم برداشت کے الفاظ۔ اس کے منبع کے طور پر دینی مدارس کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک عالمگیر مہم ہے جس کی صدائے بازگشت خود مسلمان حکمرانوں، صحافیوں اور ہر مسلم ملک کے سیکولر عناصر کے قلب و زبان سے سنی جا سکتی ہے۔ (۴۰۰) دینی نظام تعلیم اور دینی مدارس کے خلاف بین الاقوامی استعماری نظام کا حصہ ہے۔ مغربی اقوام نے دینی مدارس کے خلاف جو مہم شروع کر رکھی ہے اور سیکولر حلقے اسے جس طرح ہوا دے رہے ہیں اس کی وجہ وہ مزاحمت ہے جو دینی نظام تعلیم کی طرف سے مغربی غلبے کے خلاف ہے۔ داخلی اور خارجی سیکولر طاقتوں کو احساس ہے کہ دینی نظام تعلیم کے استحکام سے سیکولر کلچر کو خطرہ ہے۔ (۴۰۱)

تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی میں

دینی مدارس میں جدید تعلیم (عصر حاضر کا تقاضا):

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کا حصول وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے اس کے بغیر عہد حاضر کے مسائل اور بدلتے ہوئے تقاضوں سے احسن طریق سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا حقیقت پسندانہ اور وقتی ضروریات کے مطابق عملی حل تب ہی دریافت کیا جا سکتا ہے جب علماء اور دینی مدارس کے طلبہ جدید تعلیم سے کماحقہ بہرہ ور ہوں۔(۴۰۲) پچھلے دو سو سال سے خاص طور پر اور اس سے پہلے پوری اسلامی تاریخ میں عام طور پر ایک انتہائی فعال، تعمیری اور مؤثر کردار ادا کیا ہے ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ہاں دینی مدارس اور غیر دینی مدارس کی تفریق

نہیں تھی۔ تقریباً بارہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں دنیائے اسلام اس تفریق سے نا آشنا رہی ہے۔ (۴۰۳) دینی مدارس کے خلاف جو بھی اندرونی اور بیرونی سازشیں ہورہی ہیں، ان اداروں کو کمزور کرنے اور غلط رنگ میں پیش کرنے کی جو بھی منفی کوششیں ہورہی ہیں، ان کا علاج ردعمل میں محض جوابی تقریریں کرنا نہیں ہے اور نہ اس چیز کا تدارک یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے اپنی کمزوریوں یا خامیوں کو بھی دانش اور بصیرت کا پرتو ہی قرار دیا جائے۔ بلکہ اس مسئلے کا علاج یہ ہے کہ جس منصب پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فائز کیا ہے، اس کا احساس کیا جائے، ان لمحوں کو غنیمت جانتے ہوئے اور پروپیگنڈے کو نظر انداز کرتے ہوئے خود مسائل کو حل کرنا چاہیے۔ (۴۰۴) دینی نظام تعلیم کے منتظمین اور قائدین سے مل کر ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو موجودہ نظام تعلیم کا حصہ ہو اور جامعات کی سطح تک اس کی منظوری ہو۔ یہ نصاب دینی اور عصری علوم پر مشتمل ہو۔ دینی نظام تعلیم کو لادین اور سیکولر اہل کاروں کی مداخلت سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ (۴۰۵) نصاب میں لسانیات، تاریخ، تقابل ادیان و معاصر افکار، تاریخ فقہ، جدید عصری علوم، اختلاف میں برداشت، فن تدریس، ذرائع ابلاغ سے شناسائی جیسے مضامین شامل کرنے چاہئیں (۴۰۶)

نصاب و نظام تعلیم کی تبدیلی اور اداروں کے قیام کی ذمہ داری:

علم انسانیت کی معراج، معرفت حق کا زینہ، روحانی اور مادی ترقی کا سرچشمہ، دینی و دنیوی کمال کو اوج ثریا تک پہنچانے کا مؤثر ذریعہ، دنیا وعقبیٰ کی ظفریابی و کامیابی کا موجب تہذیب و ثقافت کی روح رواں، انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور ذہنی قوتوں کی نشوونما کا واحد ذریعہ ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد ہی تعلیم کتاب وحکمت بیان کیا ہے۔ (۴۰۷) اس موضوع پر اردو عربی انگریزی میں کئی ہزار کتب لکھی گئی ہیں۔ (۴۰۸) علم ہی وہ صنف ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دیگر فضیلت دی۔ (۴۰۹) اسی علم کی بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت منگوایا۔ (۴۱۰) اسی کی بدولت عام انسانوں کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ (۴۱۱) آپ ﷺ نے اس کی اہمیت کو نمایاں کرنے کے لئے فرمایا **انما بعثت معلما** (۴۱۲) میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور علماء میرے وارث ہیں۔ (۴۱۳) آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کے بعد مسجد کی تعمیر کی جس میں مدرسہ کا اجراء فرمایا، مکہ مکرمہ میں تین خفیہ درسگاہیں تھیں۔ (۴۱۴) مدینہ میں درگاہ صفہ کے علاوہ تین مساجد بنی زریق، قباء نقیع الخضمات میں تعلیمی ادارے قائم کئے۔ (۴۱۵) یہ سلسلہ پھیلتا گیا، حتی کہ بقول قاضی اطہر مبارکپوری نوے درسگاہیں قائم ہوگئیں۔ (۴۱۶) اور ان درگاہوں میں اس زمانہ کے جدید علوم کے ساتھ جدید زبانیں سیکھنے کی ترغیب بھی دی گئی، ہمیں بھی چاہئے عہد حاضر کے علوم و ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ ادارے قائم کریں اور علم کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کریں، آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِی وَزِدْنِیْ عِلْماً۔ (۴۱۷)

اے اللہ مجھے جو علم عطا کیا ہے اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرما اور جو علم فائدہ پہنچانے والا ہو وہی مجھے عطا فرما اور میرے علم میں اضافہ فرما۔

مشترک اور متوازن نظام تعلیم:

نظام تعلیم کا مسئلہ تمام مسلمان ممالک کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ تمام ہی مسلمان ممالک میں دو مختلف اور متضاد نظام تعلیم چل رہے ہیں۔ اس پر مشنری تعلیمی ادارے مستزاد ہیں جو ایک تیسرا ہی عنصر ہمارے معاشروں میں پیدا کر رہے ہیں اور استعماری طاقتوں کے لیے مفید مطلوب عناصر تیار کر رہے ہیں۔(۴۱۸) فکری یلغار نے اسلام کے تصور علم پر کاری ضرب لگائی ہے جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف وتعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظریہ تعلیم اور تعلیم یافتگی کا مقصد عین، خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔(۴۱۹) یورپ نے عربوں سے تہذیب حاصل کی یورپ میں عربوں کے علوم سپین، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پہنچے اگر عربوں کا نام یورپ کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو یورپ کی نشاۃ ثانیہ سو سال پیچھے جا پڑتی ہے۔(۴۲۰)

سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کا حصول:

امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو بھی حاصل کرے۔ دنیا میں ترقی کی رفتار کو اپنے اپنے ساتھ برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی ان عصری علوم پر دسترس حاصل کریں۔(۴۲۱) اسلام کبھی بھی ترقی اور سائنس کی راہ میں حائل نہیں رہا۔ وہ انسان کی عقلی سرگرمیوں کو اس قدر پسند کرتا ہے کہ اس کو فرشتوں سے افضل قرار دیتا ہے۔ کسی اور مذہب نے عقل پر اتنا زور نہیں دیا جتنا اسلام نے دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی کے تمام مظاہر میں علم کو فوقیت حاصل ہے۔(۴۲۲)

مسلم طلبہ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کریں۔ یورپ تو اپنے اداروں میں مسلم طلبہ کو ان مضامین میں داخلہ دیتا ہی نہیں۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ مسلم سائنس دان جو نیوکلیئر سائنسز میں ماہر ہیں مسلم ممالک میں اس سائنس کو فروغ دیں۔ مسلم ممالک کی یونیورسٹیاں یہ تعلیمی ذمہ اٹھا سکتی ہیں کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم میں ایسے قائدین کی ٹیم تیار کریں جو عمرانی اور معاشرتی میدانوں میں ایسے سائنس دانوں کو تیار کریں جن کی اسلامی ممالک کو ضرورت ہے۔(۴۲۳) کوئی بھی اسلامی ملک بھاری مشینری بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے لیے انہیں بیرون ملک سے درآمدات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی دنیا کا تعلیم بالخصوص سائنس وٹیکنالوجی سے غفلت برتنا اور انہیں نظر انداز کرنا ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل کا زیادہ حصہ تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں پر صرف کریں۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کے تقاضوں کے تحت جدید تعلیم اور اطلاعاتی تعلیم (Information Technology) کا دائرہ اپنے ملکوں میں وسیع کیا جائے۔(۴۲۴) اکیسویں صدی کی جنگ صرف اور صرف علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ جیتی جائے گی۔(۴۲۵) قرون وسطیٰ میں سائنس کی ترقی مسلمانوں کی بدولت تھی۔(۴۲۶)

معاشی فنون کا حصول:

جہاں تک فنون کا تعلق ہے انبیاء کرام علمی خدمات کے ساتھ کسی نہ کسی فن کے ذریعہ اپنی معاشی کفالت کرتے تھے، اور علمی و

اصلاحی خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے قرآن کے الفاظ میں صاف اعلان کر دیتے: **اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ معاوضہ** اللہ کے ذمہ ہے، مسلم اسکالرز نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، امام محمدؒ لکھتے ہیں، آدم علیہ السلام زراعت کرتے تھے۔(۴۲۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام بزاز تھے۔ داؤد علیہ السلام لوہار تھے، ذراع (ڈھال) بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام درخت کے پتوں سے چیزیں بناتے تھے جسے مکاتل کہا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی محنت کے ذریعہ کماکر کھاتے، ہمارے پیغمبر پہلے بکریاں چراکر پھر تجارت کے ذریعہ معاش کماتے تھے۔(۴۲۸) لہٰذا ضرورت ہے کہ جدید فنون و ہنر کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ طلبہ علمی خدمت کے ساتھ معاش بھی مستحکم کرسکیں، قرآن و احادیث میں کماکر کھانے کی بے شمار فضیلتیں بیان کی گئی ہیں، جسے مولانا زکریاؒ نے اپنی کتاب ''فضائل تجارت'' میں جمع کر دیا ہے۔(۴۲۹)

غیرملکی زبانوں کا حصول:

عصر حاضر میں غیرملکی زبانیں سیکھنا وقت کا تقاضا ہے۔ غیرملکی زبانیں سیکھنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا تھا حضرت زید بن ثابت دربار رسالت کے میرمنشی تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے حکم سے فارسی، حبشی، عبرانی وغیرہ زبانیں سیکھ لی تھیں تاکہ ملکوں کے بادشاہوں کی جانب سے خطوط موصول ہوں تو ان کے جوابات دیئے جاسکیں۔ وہ عربی زبان کے علاوہ سریانی، فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ جدید دور میں عصری علوم میں مہارت حاصل نہ کرنے کی ایک وجہ زبانوں پر دسترس نہ ہونا بھی ہے۔(۴۳۰) مسلمانوں نے ہمیشہ تعلیمات نبویہ ﷺ سے استفادہ کرتے ہوئے جدید علوم و فنون کو حاصل کیا اور اس کے لئے جس زبان کو سیکھنے کی ضرورت پڑی اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔ (۴۳۱) بغداد کے عالم زین الدین کو عربی رومی فارسی ترکی اور بالغی پانچ زبانوں پر عبور تھا۔(۴۳۲) تفضل حسین نے انگریزی اور رومی زبان سیکھی۔ مخدوم چریا کوٹی نے سنسکرت سیکھی۔ (۴۳۳) نصرت علی خاں دہلوی نے فارسی عربی ترکی انگریزی ہندی پانچ زبانیں سیکھیں، شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزی سیکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا۔(۴۳۴) قاضی اطہر مبارکپوریؒ لکھتے ہیں عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاں سیکڑوں غلام تھے ان میں سے ہر ایک الگ الگ زبان میں بات کرتا تھا اور زبیرؓ ہر ایک سے اس کی زبان میں بات کرتے تھے۔(۴۳۵) حضرت حنظلہؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ نے سریانی زبان میں مہارت حاصل کی۔(۴۳۶) بہت سے یہودی دانشوروں نے عربی زبان پر بھی عبور حاصل کیا اور اپنی تخلیقات کے ذریعے نام پیدا کیے۔ ان دانشوروں میں موسیٰ میمونائڈز کا نام قابل ذکر ہے۔(۴۳۷)

تعلیم نسواں:

اسلام نے تعلیم کو صرف ایک طبقے تک محدود نہیں رکھا بلکہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں معاشرے کے ہر طبقے کو علم سے استفادہ کا حق حاصل ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ رومی دنیا میں یہ بحث چل رہی تھی کہ عورت انسان ہے یا نہیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔(۴۳۸) مسجد نبوی ﷺ میں درسگاہ نبوت کا ایک دن خواتین کی تعلیم کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن وہاں صرف خواتین مسائل دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھی۔ خواتین نے مطالبہ کیا کے ہمیں

بھی وقت ملنا چاہیے تو آپ ﷺ ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر کیا اور ان کے مسائل سنتے اور جواب دیتے۔ خواتین کے شغف اور علم کا احساس اس روایت سے ہوتا ہے:

قالت النساء للنبی ﷺ علبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیہ فو عظھن و امر ھن بصدقۃ (۴۳۹)

ترجمہ عورتوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ، مردوں نے آپ ﷺ سے ہماری نسبت زیادہ حصہ لیا ہے آپ ﷺ ہمارے لیے ایک مخصوص دن رکھیں۔ آپ ﷺ نے ایک دن کا وعدہ فرمایا، اس میں آپ ﷺ ان سے ملے، انہیں نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا۔''

آپ ﷺ نے ایک عورت سے خواہش ظاہر کی وہ آپ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ (۴۴۰) آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو تو وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے اور اس کی تربیت کرے اور اچھی تربیت کرے۔ پھر اس کو آزاد کر کے نکاح کرے تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔ (۴۴۱) امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں عورت کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کرے۔ اسلام نے عورت کو تعلیم حاصل کرنے پر بھرپور زور دیا ہے۔

تہذیبی و ثقافتی چیلنج

تہذیبی و ثقافتی یلغار کا سامنا:

سیکولر مفکرین نے کلچر کو مذہب کے متبادل مذہب سے وسیع تر معنوں میں متعارف کرایا ہے۔ مسیحی معاشروں میں ایک اچھے انسان کی پہچان، اس کے اخلاقی و روحانی اوصاف اور ایسے معاشرتی رویوں پر منحصر تھی جو مسیحی مذہب و روایت پر مبنی تھے۔ سیکولر مفکرین نے ایک اچھے انسان کی پہچان کے لیے کلچر کو بنیاد بنایا ہے اور پھر وہی کلچر کی تعریف و توضیح میں ایک فکری فریم ورک تیار کیا ہے۔ (۴۴۲) آج جب کہ مغرب، مسلسل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طبل جنگ بجا رہا ہے اور دنیا کو مستقبل میں اسلام اور مغرب کے درمیان ایک زبردست تہذیبی معرکہ برپا ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنی طرف سے اس جنگ کے لیے پوری تیاریاں بھی کر رہا ہے اور جو کچھ پیش قدمی اس وقت کرنا ممکن ہیں وہ بھی کر رہا ہے۔ (۴۴۳) آج اسلام کا مقابل ضرور ایک ہے یعنی یورپ اور اس کی عریاں تہذیب۔ یورپ کا کمال دیکھیے کہ عریانی اور بے حیائی جیسے باطل اقدار پر کروڑوں روپے صرف کر رہا ہے۔ (۴۴۴) لڑکوں اور لڑکیوں کی دوستی چند عشروں سے معیوب سمجھی جاتی تھی آج طلبہ کی اکثریت جنس مخالف سے دوستی کرنا پسند کرتی ہے اور یہ دوستی صرف کلاس روم تک محدود نہیں ہوتی بلکہ ہوٹلوں اور پارکوں تک جا پہنچتی ہے۔ یہ اخلاقی گراوٹ ہے جو آج ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکی ہے۔ جس کی واحد وجہ مغربی تہذیب و ثقافت کی تقلید ہے۔ (۴۴۵) بقول علامہ اقبال

گلا تو گھونٹ دیا اہل یورپ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

پروفیسر سیموئیل پی ہن ٹنگٹن کے مطابق ''مغرب کی روبہ زوال قوت کے تناظر میں، مغربی تہذیب کے تحفظ کے

لیے امریکا اور یورپی ممالک کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ باہمی سیاسی، اقتصادی اور فوجی یکجہتی حاصل کریں اور اپنی پالیسیوں میں اس طرح تال میل پیدا کریں تاکہ دوسری تہذیبوں سے تعلق رکھنے والی مملکتوں کو ان کے درمیان اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزاحمت سے باز رکھا جائے۔(۴۴۶) تہذیبوں کا ٹکراؤ بنیادی طور پر دو طرز ہائے زندگی کا ٹکراؤ ہے۔ ایک کے ہاتھ میں بے حیائی کا جھنڈا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں حیا کا جھنڈا ہے جن کو انہوں نے بنیاد پرست کہا یہ وہ لوگ ہیں جو حیا کا جھنڈا لیکر کھڑے ہیں (۴۴۷) کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ''**الحیاء شعبة من الایمان**'' ترجمہ ''حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے''

مغربی ثقافت کی یلغار نے آج کے نوجوان کی ہیئت ہی بدل دی ہے۔ قومی لباس عیدین و جمعہ کے سوا شاز و نادر ہی نوجوانوں میں نظر آتا ہے۔ فیشن کے نام پر آدھی پتلون اور بنیانیں پہن کر سڑکوں پر گھومنے کو بھی عار نہیں سمجھتے۔ لڑکیاں بھی اس دوڑ میں لڑکوں سے پیچھے نہیں بلکہ گزشتہ عشرے میں لڑکوں سے زیادہ لڑکیوں کے سادہ شلوار قمیض میں جدت آمیزی کا رنگ غیر ملکی ٹی وی چینلز کے ذریعے آیا۔ اس جدت کو خوش آئند اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ شلوار تنگ ہوکر پاجامے بن گئے ہیں اور قمیض چھوٹی ہوکر TOP کی شکل اختیار کرگئیں۔ لباس کی اس تبدیلی کو وقتی فیشن کہہ کر اس لیے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اصل مسئلہ لباس کی تبدیلی نہیں بلکہ ذہنی رجحان کی تبدیلی ہے۔ اردو یا مادری زبان کی جگہ انگریزی کے چند گھسے پٹے جملے، خاندان سے دوری، دوستوں سے قربت، زیادہ سے زیادہ آزادی یہ سب مغربی تہذیب وثقافت کے تحفے ہیں جو مسلم معاشرے کے نوجوانوں کے اذہان کو پراگندہ کررہے ہیں۔(۴۴۸)

تہذیب جدید کے خالقین علم و دانش سے محروم ہیں کیونکہ اس تہذیب کی ابتداء اور اس کا نشوونما آخری تین صدیوں میں ہوا اور اس وقت سے اب تک انسان کے بارے میں جہالت بدستور ہے۔ انسان کے بارے میں صرف وہی بات صحیح ہوسکتی ہے جو اس کے خالق نے بتلائی ہو اور جدید مادی تہذیب کے مزاج میں کلیسا بیزاری اور مذہب دشمنی موجود ہے۔(۴۴۹)

گزشتہ عشرے میں ایک بڑی تہذیبی و ثقافتی تبدیلی فاسٹ فوڈز اور ریسٹورنٹ میں نوجوان کا ذوق سے جانا ہے۔ آج سے 20 سال پہلے کسی ہوٹل میں کوئی طالبہ یا کئی طالبات کا مل کر جانا بھی انتہائی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ نوجوان طلباء ہی نہیں طالبات بھی فخر کے ساتھ ریسٹورنٹ میں جاتی ہیں یہاں تک کہ پرائیوٹ اسکول بھی نہ صرف طلبہ کے لیے ایسے پروگرام بطور تفریح تشکیل دیتے ہیں بلکہ والدین کو ہدایات دی جاتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ان ریسٹورنٹ میں وقتاً فوقتاً لیکر جائیں تاکہ بچے جدید معاشرتی تبدیلیوں سے روشناس ہوسکیں۔ گویا کہ ہمارے معاشرے نے اجتماعی طور پر مغرب کی اس ثقافت کو نہ صرف قبول کرلیا ہے بلکہ اپنے آپ کو اس ضم کرنے کے لیے دل و جان سے تیار ہیں۔ آج کہ طلبہ روایتی دیسی کھانوں پر ناک سکیڑتے ہیں اور فخر یہ اپنے آپ کو (Vegetarian) "Vege" کہلاتے ہیں لیکن ساتھ ہی مغرب سے برآمد شدہ برگر، پیزا اور دوسرے کھانے شوق سے کھاتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ تمام غیر ملکی ریسٹورنٹ اور فاسٹ فوڈز ہمارا قیمتی زرمبادلہ ملک کے باہر بھیج رہے ہیں۔ بقول علامہ اقبال

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

مغربی ثقافت کی بے تحاشہ اندھی تقلید جتنی حالیہ دور میں سامنے آئی ہے اتنی کسی دور میں نہیں آئی تھی۔ ہمارے طلبہ آج اپنی قومی روایات سے منہ موڑ کر مغربی ثقافت کے پیچھے اندھا دھند بھاگ رہے ہیں اور اس میں وہ صحیح اور غلط کی پہچان بھی بھول گئے ہیں۔ اس کی بہترین مثال Chattingاور Dating ہے۔ جن کا کچھ عرصے پہلے تصور بھی محال تھا۔ بلاشبہ یہ برائیاں بلکہ عریانیاں، فحاشیاں اور بے حیائیاں جتنی تیزی سے ہمارے معاشرے میں سرایت کرگئی ہیں دیدہ بینا کے لیے عبرت کا مقام ہے۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ نہ ہی طلبہ اور نہ ہی والدین کسی کو اس پر اعتراض نہیں رہا۔(۴۵۰)

تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی میں

اسلامی تہذیب کا احیاء:

اسلامی ثقافت کی ابتداء آپ ﷺ کے زمانے سے ہوئی جب آپ ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں نے اسے قبول کیا۔ آپ ﷺ دین اسلام کے ذریعے دنیا کا عظیم ترین ثقافتی انقلاب لے کر آئے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پرانے رسم و رواج جن پر لوگ نسل در نسل عمل کر کے چلے آرہے تھے ختم ہوگئے اب ان کی جگہ نئی اسلامی روایتوں نے لے لی۔ اسلامی ثقافت آپ ﷺ سے لیکر خلفائے راشدین کے دور تک تو واضح نظر آتی ہے لیکن اس کے بعد اس کی ہیئت تبدیل ہوتی گئی۔(۴۵۱)

اسلام مکمل نظام زندگی ہے اور اس پورے نظام زندگی کا فکری حصہ اسلامی تہذیب ہے۔ اسلامی ثقافت سے مراد اعلیٰ نظریات، بلند نصب العین اور معاشرتی و اخلاقی اقدار ہیں اور اس ثقافت کی روح :وحدت ربانی، رسالت، جواب دہی کا تصور، وحدت نسل انسانی، عظمت انسانی اور تقویٰ ہے۔ ان ہی پر ثقافتی ڈھانچے کی استواری کا دارمدار ہے۔(۴۵۲)مسلمان ممالک کو پوری سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اپنے اپنے ہاں اسلامی تہذیب کے احیاء اور فروغ کی فکر اور کوشش کرنی چاہیے۔ آج تہذیبی میدان میں ہم بڑے عظیم خطرات سے گھیرے ہوئے ہیں اور یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کو مضبوط تر کیا جائے اور غیر مسلم تہذیبوں کو بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے مضبوط بند باندھے جائیں۔ (۴۵۳) آج کا مغرب بظاہر جتنا تعلیم یافتہ اور بعم خود تہذیب یافتہ دکھائی دیتا ہے، اس کے عوام دنیا کے معاملات سے اسی قدر بے خبر، اپنی ذات میں گم اور دوسری قوموں سے تعلقات میں بے رحمانی جہالت میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر نہایت قیمتی تحقیقات، نہایت مؤثر ٹیکنالوجی اور بیش قیمت وسائل، ان اقوام کے محض چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہوکر رہ گئے ہی جس کے نتیجے میں بقیہ دنیا ان افراد کے سامنے بے بس اور جدید دور وحشت کا نشانہ بنی دکھائی دیتی ہے۔(۴۵۴)علامہ اقبال کے بقول

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

سیاسی مسائل و چیلنجز

جمہوریت:

آج ضرورت ہے کہ قیام امن کے لیے اقوام متحدہ و دیگر عالمی ادارے عراق، افغانستان، کشمیر، فلسطین اور دیگر خطوں میں ظلم و طاقت کے بجائے امن و مذاکرات کے ذریعے ان عالمی مسائل کو حل کرائیں تا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکے۔ کشمیر میں رائے شماری نہ ہوسکی۔ الجزائر کو الیکشن جیتنے کے باوجود عوامی حکومت بنانے کی اجازت نہ دی گئی اور فرانسیسی سازش کے تحت وہاں فوجی حکومت مسلط کر کے خون کی ندیاں بہادی گئیں اور اقوام متحدہ ایک مذمتی بیان بھی جاری نہ کرسکی۔ عیسائی اقلیت تیمور کو انڈونیشیا پر دباؤ ڈال کر آزادی دلوادی گئی جبکہ مسلم اکثریت کا علاقہ جموں کشمیر آج تک لہولہان ہے۔(۴۵۵)

مسلمان ممالک میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ فوج سیاسی حکومتوں کا تختہ الٹ کر برسراقتدار آجاتی ہے۔ یہ ایک بہت افسوسناک صورتحال ہے جو بہت سے مسلم ممالک کو درپیش ہے۔ اسلامی لحاظ سے دیکھئے تو مسلمان حاکم قرآن کی رو سے اولی الامر ہونے کی حیثیت سے واجب الطاعت ہے (۴۵۶)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلم حاکم کی اطاعت کرو خواہ وہ نکٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔(۴۵۷) اہل مغرب کو فوجی حکومت اس لیے پسند ہوتی ہے کہ سارا معاملہ فرد واحد سے کرنا پڑتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جمہوری حکومت سے معاملہ کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا کیونکہ اسے پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔(۴۵۸)۔

تدارک:

اگر مغرب یا امریکہ کی من پسند حکومت ہوتو جمہوریت کہلاتی ہے اور اگر ان کے پسند کی حکومت نہ ہوتو آمریت یا پھر انتہا پسند حکومت کہلاتی ہے۔ الجزیرہ، فسطین، ترکی، سوڈان یہاں پر گوکہ جمہوری حکومتیں قائم ہیں مگر چونکہ یورپ اور امریکہ کی من سپند حکومتیں نہیں ہیں لہذا وہ اسے قبول نہیں کرتے اور یہاں کے حکمرانوں کو رجعت پسند، انتہا پسند، بنیاد پرست جیسے اصطلاحات سے پکارتے ہیں۔ یہ جتنی حکومتیں قائم ہیں سب عوام کے ووٹوں کے ذریعے برسراقتدار آتی ہیں اور اپنے اپنے منشور پر عمل پیرا ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ امریکی اور یورپی مفادات ان کو پیارے نہیں ہوتے لہذا ان کے ساتھ تعاون نہیں کیا جاتا۔ جمہوریت نام ہے عوامی حکمرانی کا، عوام کے ذریعے، عوام کی حکومت، عوام پر۔ لہذا جو تعریف جمہوری حکومت کی یا جمہوریت کی گئی ہے چاہیے کہ ان پر عمل کریں اور جیو اور جینے دو کی پالیسی پر گامزن رہیں۔

کثرت آبادی کا چیلنج

آبادی:

11 جولائی 1978ء کو دنیا کی آبادی میں جب ایک خاص حد تک اضافہ ہوا تو عالمی ماہرین نے اس شرح آبادی پر تشویش کا اظہار کیا۔ اس روز دنیا کی آبادی 5 ارب تک پہنچ گئی۔ عالمی ماہرین نے اس بارے میں سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر

شروع کر دیا کہ لوگوں میں اس بات کی آ گاہی پیدا کی جائے کہ آبادی میں شرح اضافہ کم ہو، تا کہ آبادی کے بڑھنے سے دنیا میں مسائل نہ بڑھ جائیں اس حوالے سے ہر سال 11 جولائی کو عالمی سطح پر یوم آبادی منانے کا فیصلہ ہوا۔ اس وقت دنیا کی کل آبادی 6ارب 39 کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ (۴۵۹)یورپ کی وادیوں میں کبھی صدائیں بلند ہوتی تھیں کہ تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔ حکمرانوں کی طرف سے آج وہی یورپ ان نعروں سے گونجتا ہے کہ تم مجھے زیادہ بچے دو میں تمہیں دولت سے نوازدوں گا آبادی کا پھیلاؤ ترقی پذیر ممالک میں سالانہ 3 تا 7فیصد ہے جبکہ جاپان میں 0.5% جرمنی میں 0.3% برطانیہ میں 0.2% اور امریکہ میں 1% ہے۔ (۴۶۰)جاپان کی حکومت نے کہا ہے کہ اگلے پانچ سالوں کے دوران بیس اور تیس سالوں کی خواتین کو مزید بچے پیدا کرنے پر راضی کرنے کے لیے حکومت کی پالیسی میں جلد از جلد تبدیلیاں لانا ضروری ہے۔ جاپان میں اس وقت دنیا کی سب سے کم شرح پیدائش ہے۔(۴۶۱) 10 مئی 2006ء کے دن روس کے صدر نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت قوم کا سب سے بڑا مسئلہ کم ہوتی ہوئی آبادی ہے۔ انہوں نے ایک قومی پروگرام کا اعلان کیا ہے جس کے تحت عورتوں کو زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب دی جائے گی اور حکومت انہیں زیادہ امداد دے گی۔ (۴۶۲)

تدارک:

ایک اندازے کے مطابق دنیا میں مسلم آبادی میں اس وقت مسلم آبادی میں اضافے کی سالانہ شرح اوسطاً 3 فیصد ہے۔ اس اضافے کی وجہ اگرچہ مغربی طرز مفکرین نے یہ بتلائی ہے کہ مسلم آبادی میں شرح ولادت کی زیادتی کی حقیقت اسلام میں جلدی نکاح کرنے اور اولاد پیدا کرنے کی ترغیب ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ" تم شادیاں کرو اور بچے پیدا کرو، میں تمہاری کثرت پر قیامت کے دن انبیاء کے سامنے فخر کروں گا"(۴۶۳)۔ ایک طرف مغرب اسلامی ممالک میں شرح پیدائش روکنے کے لیے کروڑوں روپے کی امداد اور قرضے دے رہا ہے۔ دوسری طرف انہی ممالک کو یہی ممالک کبھی ویاگرا، کبھی جوئے اور کبھی کسی اور صورت میں مختلف قسم کی جنسی لذت والی ادویات فراہم کرتے ہیں۔ مغربی ممالک اپنے اپنے ممالک میں کم آبادی کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں اور عورتوں کو زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

تبصرہ:

اسلام بنیادی طور پر اللہ کے حکم کا دوسرا نام ہے۔ دور جدید میں عدل انصاف کا فقدان، منشیات کا استعمال، دہشت گردی، جوا و شراب نوشی، اتحاد کا فقدان، معاشرے میں غیبت کی کثرت، قادیانیت کی سرپرستی، انحرافی تحریکات کی سرپرستی، توہین رسالت، غربت، بھوک، عالمگیریت، معیشت، اعلیٰ تعلیم، ٹیکنالوجی کا حصول، اسلام کے خلاف ذرائع ابلاغ کا کردار، سیاست، کمزور دفاع، تہذیبی و ثقافتی یلغار، اور فرقہ واریت وغیرہ وہ معاشرتی اور سماجی مسائل ہیں جن سے آج امت مسلمہ دوچار ہے۔ عہد جدید میں ملت اسلامیہ بحیثیت مجموعی ایک مضطرب اور سیال حقیقت ہے۔ آج اس کی جو بھی صورت دکھائی

دیتی ہے اس کے پس منظر میں اسباب وعلل کا ایک طویل نظام کارفرما ہے اور بین الاقوامی منظر پر بدلتی ہوئی صورتوں کے تسلسل میں ملت اسلامیہ کی کہانی بہت سے نئے امکانات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔۔سیرت طیبہ نے انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی دکھائی ہے۔سیرت طیبہ کے ذریعے دین کی تکمیل بھی ہوئی اور نبوت کا سلسلہ بھی اپنے اختتام کو پہنچا۔آپ ﷺ کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے۔تعلیمات نبویﷺ میں ہمیں تمام انسانیت کے مسائل کا حل ملتا ہے۔

مشرق ہو یا مغرب مذہبی انتہاپسندانہ سوچ رکھنے والوں کی وجہ سے انسانوں کو مسائل و اضطراب کا سامنا ہے۔فرق یہ ہے کہ مشرق میں انتہا پسند زیادہ اثر و رسوخ کے حامل نہیں ہیں جبکہ مغرب میں اقتدار و وسائل پر انتہا پسندوں کی بالا دستی محسوس ہوتی ہے۔ انسانیت آج امن و آشتی کی جانب بڑھنے کے بجائے طاقتوروں کے ہاتھوں روز نئے نئے زخم کھارہی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یورپ خواہ کتنی روشن ضمیری، روشن خیالی، اعتدال پسندی، لبرل ازم اور علمی برتری کا دعویٰ کرے مگر اپنی ذہنیت اور مزاج کے اعتبار سے وہ آج بھی بدترین جہالت اور وحشت کے تہ در تہ اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے۔علم، سائنس، جمہوریت، روشن خیالی اور انسانی حقوق و احترام کے اس دور میں عراق، افغانستان، لبنان، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، اور کشمیر ایسے آئینے ہیں جہاں امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی، انڈیا اور اٹلی کے مذہبی تعصب، تنگ نظری، آدم کشی اور بے ضمیری کی بھرپور تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ یہودیوں پر اسپین اور یورپ میں مظالم ہوئے تو مشرق وسطیٰ ان کے لیے بہترین پناہ گاہ سمجھی جاتی رہی۔ یہودیوں پر ظلم وستم تو یورپ میں ہوا لیکن اس کا بدلہ لبنان، فلسطین اور عراق میں لیا گیا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام   وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

انڈونیشیا سے مراکش تک جو وسیع ہلالی حلقہ قائم ہے وہ زبردست مسلم آبادی رکھتا ہے۔مسلم انڈونیشیا بحرالکاہل کے ساحل پر سنتری کی طرح کھڑا ہے۔مسلم مراکس بحر متوسط کے نکڑ کا پہرے دار ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا براعظم افریقہ مسلم اکثریت کا براعظم ہے۔ یونان، اٹلی، اسپین اور فرانس سے قطع نظر کیجئے اور دیکھئے تو بحر متوسط (بحیرہ روم) عالم اسلام کا گھریلو تالاب نظر آتا ہے۔ اس کا 65فیصد حصہ آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ خطے کی سیاسی، جغرافیائی اور عسکری اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ چار براعظموں یعنی امریکہ کو چھوڑ کر ایشیا، افریقہ، یورپ اور آسٹریلیا کے بری، بحری اور فضائی راستوں کا باہمی رابطہ اس خطے میں گزرے بغیر ممکن نہیں۔ دنیا کی کل پیداوار میں مسلم دنیا کی پیداوار کا تناسب اس طرح سے ہے۔ پٹ سن %90 قدرتی ربڑ %70 گوند %85 مسالے %97 کھجور کا تیل %65 کپاس %35 ٹن %51 اور فاسفیٹ %32۔ یہ بالکل اجارہ داری کی صورت ہے۔ اس کے علاوہ کچا لوہا، قدرتی گیس، تانبا، ایلومینم، کوئلہ، باکسائٹ، کرومائیٹ، یورنیم، سونا چاندی اور کوبالت میں بھی اسلامی ممالک ثروت مند اور زرخیز ہیں۔ پٹرول کے ضمن میں مسلم ممالک کو ایک طرح کی اجارہ داری حاصل ہے۔صرف مشرق وسطیٰ میں دنیا کی کل پیداوار کا %40 تیل نکلتا ہے۔

ان تمام خوبیوں کے باوجود اسلامی ممالک کی اقتصادیات مکمل طور پر مغرب کے رحم و کرم پر ہے۔ پوری مسلم دنیا پوری دنیا کی مجموعی قومی پیداوار کے صرف %4 کی مالک ہے۔ ان %4 میں سے بھی %3 فیصد پیداوار تیل پیدا کرنے والے ممالک کے حصے میں آتی ہے۔کوئی ایک مسلم مملک بھی بجا طور پر صنعتی ملک کہلانے کے لائق نہیں۔مسلم دنیا اپنی غذائی

ضروریات پوری کرنے کے لیے غیر مسلم ملکوں کی محتاج ہے۔ غیر ملکی امدادی قرضے جو شگوفے کھلا رہے ہیں ہم سب اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ تقریباً 40 کروڑ مسلمان افلاس کی کم سے کم سطح سے بھی نیچے گر کر انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ذہنی افلاس کی بھی مسلم دنیا میں کوئی کمی نہیں۔ تین چوتھائی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو اپنے سالانہ بجٹ کا 4% فیصد بھی تعلیم پر خرچ نہیں کرتے۔ مسلم دنیا سائنس وٹیکنالوجی پر اپنی مجموعی قومی پیداوار کا 0.5% سے بھی کم خرچ کرتی ہے۔ ہر دس لاکھ باشندوں میں سے صرف ایک سائنس داں مل جاتا ہے۔ مسلم دنیا بیک وقت انتہائی امیر بھی ہے اور انتہائی غریب بھی۔ اس کا ایک ہی حل ہے اور وہ اسلام کا بتایا ہوا راستہ یعنی دولت کی جائز اور منصفانہ تقسیم۔ مغرب میں سٹاک، بانڈ اور بینک ڈپازٹ کی صورتوں میں مسلم دنیا جو سرمایہ جمع کرتا ہے اور جو مسلم دشمن ملکوں کی فوجیں مضبوط کرنے پر صرف کیا جاتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ حصہ غریب مسلم ملکوں پر بھی خرچ کیا جائے۔

اسلامی ملکوں میں باہمی تعاون نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسلم دنیا کی موجودہ کل تجارت 120 ارب ڈالر ہے۔ تاہم اسلامی ممالک کی آپس کی تجارت فقط 15 ارب ڈالر پر مشتمل ہے۔ اسلامی ممالک کی موجودہ مسلح افواج کی تعداد نیٹو اور وارسا پیکٹ (سابقہ) کی مشترکہ فوجوں سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود فلسطین، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، خلیج، افغانستان، عراق، لبنان وغیرہ میں جارحیت کا جواب نہیں دیا جاسکا۔ مسلم دنیا میں اب تک کوئی مؤثر اور قابل قبول سیاسی نظام وجود میں نہیں آسکا۔ کہیں بادشاہت، کہیں جمہوریت برائے نام، کہیں آمریت، کہیں پارلیمانی جمہوریت تو کہیں صدارتی طرز حکومت کے تجربات ہو رہے ہیں۔ ملوکیت یا جمہوریت کے منافی کوئی بھی سیاسی ڈھانچا ہے تو اسے جوں کا توں برقرار رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بلکہ عین اسلامی ثابت کرنے کے لیے دلائل بھی دیے جارہے ہیں۔ مذہب اب ایک نجی معاملہ بن رہا ہے اور ریاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس کی دو نمایاں ترین مثالیں ترکی اور انڈونیشیا ہیں۔ مسلم ممالک کی حکومتیں زیادہ تر غیر نمائندہ ہیں۔ عوامی جذبات وتوقعات کے لیے خود کو جواب دہ نہیں سمجھتیں۔ غیر ذمہ دارانہ اور من مانی کاروائیاں کرتی ہیں۔ متعدد اسلامی ممالک میں احیائے اسلام اور نفاذ اسلام کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اجتہاد کے ذریعے روایات ورسوم کو جدیدیت سے ہم آہنگ کیا جارہا ہے۔ اس عالم پر اعلام بڑھ بھی رہا ہے اور جھجک بھی رہا ہے۔ بقول علامہ اقبال

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا　　　رقابت، خود فروشی، ناشکیائی، ہوسناکی

آج ہم ہر وقت مغرب کی طرف دیکھنے کے قائل ہیں جبکہ مغرب تو ڈوبنے کی جگہ ہے۔ مغرب میں سورج ڈوبتا ہے جبکہ مشرق وہ جگہ ہے جہاں سے سورج ابھرتا ہے مشرق روشن ہے اس کا افق روشن ہے یہ ابھرنے کی جگہ ہے۔ مغرب کی نہ صرف تہذیب اندھی بلکہ یہاں کی انسانیت بھی اندھی ہے۔ آپ ﷺ مشرق وسطیٰ میں پیدا ہوئے اگر مغرب اللہ کو اتنا ہی پیارا ہوتا ہے تو یقیناً وہاں پر کچھ نہ کچھ کرشمے ضروری ہوتے۔ آج بے حیائی، بے پردگی اور ناچ گانا تہذیب وثقافت بن گئی۔ مغربی عورت اگر اسکرٹ اور بلاؤز زیب تن کرے تو روشن خیالی اور مشرق کی بیٹی اگر شلوار قمیض، حجاب یا برقع اوڑھ کر گھر سے نکلے تو بنیاد پرستی اور رجعت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج ہماری نوجوان نسل مغرب کی اندھی تقلید کر رہی ہے جبکہ دم توڑتی ہوئی تہذیب کے پیچھے چلنے والوں کو منزل نہیں ملا کرتی۔ آج وہاں پر کونسی روشنی تلاش کی جائے؟ جس طرح

سابقہ قوموں بے حیائی اور غرور وتکبر میں ہلاک ہوئی ان کا بھی انجام ایسا ہی ہوگا یہ تہذیب کب ٹوٹے گی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کفر کوتو برداشت کرتا ہے مگر بے حیائی کو برداشت نہیں کرتا۔ بقول علامہ اقبال

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

جب تک عیش پسندی، آرام طلبی اور مغرب پرستی کا کلچر تبدیل نہیں ہوگا اور جب تک سادگی، جفاکشی اور ملی غیرت و حمیت کے جذبات و احساسات روشن نہیں ہونگے، مسلم عوام کے سروں پر فرعونیت و چنگیزیت کی تلوار لٹکی رہے گی اور ایک ملک کے بعد دوسرا ملک اور دوسرے ملک کے بعد تیسرا ملک جارحیت کا شکار بنتا رہے گا لیکن حکمران طبقہ بھی نشانہ عبرت بننے سے بچ نہیں سکے گا۔

نوح کا جوش تبلیغ، ابراہیم کا ولولہ توحید، اسحاق کی وراثت پدری، اسماعیل کا ایثار، موسیٰ کی سعی وکوشش، ہارون کی رفاقت حق، یعقوب کی تسلیم، داؤد کا غربت حق پر ماتم، سلیمان کا ثروت وحکمت، زکریا کی عبادت، یحییٰ کی عفت، عیسیٰ کا زہد، یونس کا اعتراف قصور، لوط کی جانفشانی، ایوب کا صبر، یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہے جن سے ہماری روحانی اور اخلاق دنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں کہیں ان صفات عالیہ کا وجود ہے وہ ان ہی بزرگوں کی مثالوں کی نمونوں کا عکس ہے۔

قہاری وغفاری وقدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

(علامہ اقبال)

مذکورہ بالا بے شمار اندرونی، بیرونی، بین الاقوامی، روحانی یا باطنی مسائل کے باوجود اسلامی ممالک میں ایک نئی امنگ، آزادی کی نئی تڑپ اور نشاۃ ثانیہ کی نئی آرزو پیدا ہوئی ہے۔ اسلامی ممالک اپنی اپنی جگہ، اپنی اپنی حیات کی تعمیر نو کے چیلنج کے زیر اثر جہاں رائج الوقت نظریات پر غور کررہے ہیں وہاں اسلام کی حقانیت پر فکر و تدبر بھی ہورہا ہے۔

سردر کائنات ﷺ کے پیغام کی یہ خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمگیر پیام امن وآزادی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس پیغام کو نہ صرف مسلمانوں تک پہنچایا جائے بلکہ جو مسلمان نہیں ہیں انکو بھی اس پیغام کی دعوت دی جائے۔ اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سب سے اچھا اور مؤثر طریقہ وہی ہے جو اللہ کے آخری پیغمبر نے اختیار فرمایا تھا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے (علامہ اقبال)

حواشی وحوالہ جات

۱- قاضی محمد سلیمان منصور پوری/ رحمتہ للعالمین/ لاہور/ شیخ غلام علی اینڈ سنز/۱۹۷۲/ ج ۲/ص ۳۱۳) ۲- ایضاً/ ج ۲/ص ۳۱۳) ۳- (برنارڈ لیوس مترجم محمد احسن بٹ / اسلام کا بحران جہاد اور دہشت گردی/ لاہور/ نگارشات/ ۲۰۰۳ء/ ص ۷) ۴- (سورہ الفتح/ ۲۹) ۵- (سورہ الاحزاب/ ۴۶) ۶- (سورہ الاعراف/ ۱۵۸) ۷- (سورہ القلم/ ۴) ۸- (سورہ النمل/ ۴) ۹- (سورہ العلق/ ۴)، ۱۰- (سورہ بنی اسرائیل/ ۱) ۱۱- (سورہ آل عمران/

۱۶۴) ۱۲- (سورہ البقرہ ر ۸۷) ۱۳- (سورہ الانعام ر ۱۴۹) ۱۴- (سورہ التوبتہ ر ۳۸) ۱۵- (سورہ النجم ر ۱۶) ۱۶- (سورہ المزمل ر ۴) ۱۷- (سورہ جمعہ ر ۲) ۱۸- (سورہ آل عمران ر ۶۴) ۱۹- (سورہ الشوریٰ ر ۵۶) ۲۰- (سورہ الاحزاب ر ۴۰) ۲۱- (سورہ القصف ر ۹) ۲۲- (سورہ سبا ر ۵) ۲۳- (سورہ القصف ر ۳۹) ۲۴- (سورہ الاحقاف ر ۴۳) ۲۵- (سورہ انشراح ر ۷) ۲۶- (سورہ جن ر ۱۹) ۲۷- (سورہ آل عمران ر ۲۱) ۲۸- (سورہ الاحزاب ر ۴۵) ۲۹- (سورہ الضحیٰ ر ۵) ۳۰- (سورہ التوبتہ ر ۱۲۸) ۳۱- (سورہ التحریم ر ۱۸) ۳۲- (سورہ التکویر ر ۲۰) ۳۳- (سورہ الکہف ر ۲۰) ۳۴- (سورہ حم سجدہ ر ۶) ۳۵- (سورہ سباء ر ۵) ۳۶- (سورہ النصر ر ۳) ۳۷- (سورہ الاحقاف ر ۱۳) ۳۸- (سورہ الرعد ر ۷) ۳۹- (سورہ الانفال ر ۶۴) ۴۰- (سورہ الفرقان ر ۵۸) ۴۱- (سورہ الحجر ر ۹۹) ۴۲- (سورہ الدھر ر ۲۵) ۴۳- (سورہ الاعراف/ ۱۵۷) ۴۴- (صحیح مسلم' باب المساجد) ۴۵- مولانا سید سلیمان ندوی/ خطبات مدراس/ لاہور/ اظہار سنز/ ۱۹۷۶/ ص ۴۱) ۴۶- (سورہ سبا/ آیت نمبر ۲۸) ۴۷- (سورہ الاحزاب/ آیت نمبر ۲۱) ۴۸- (مولانا ابو الکلام آزاد ر قرآ ن کا قانون عروج و زوال ر لاہور ر طیب پبلیشرز ر ص ۹) ۴۹- (www.websters-online-dictionary.org/definition/Islam) ۵۰- (رشید احمد قاسمی ر دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی اور اس کا خاتمہ ر اسلام آباد ر وفاقی وزارت مذہبی امور ر ۲۰۰۶ء ر ص ۲۲۱) ۵۱- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۲۱۳ ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۱۹، ۱۰۳) ۵۲- (القرآن ر سورہ النساء ر آیت نمبر ۸۶_ ۱۱۴، ۱۴۸ ر سورہ الاعراف ۵۶) ۵۳- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۸۳ ر آل عمران ر آیت نمبر ۱۷۲) ۵۴- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۲۲۰، سورہ آل عمران ر ۱۰۳) ۵۵- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۲۵۶، سورہ یونس ر آیت نمبر ۹۹_ ۱۰۰) ۵۶- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۱۹۰) ۵۷- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۳۲) ۵۵- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۲۵۶، سورہ یونس ر آیت نمبر ۹۹_ ۱۰۰) ۵۶- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۱۹۰) ۵۷- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۳۲) ۵۸- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۵۷) ۵۹- (القرآن ر سورہ المائدہ ر آیت نمبر ۶۴) ۶۰- (القرآن ر سورہ الانعام ر آیت نمبر ۱۴۱) ۶۱- (القرآن ر سورہ الانفال ر آیت نمبر ۵۸)، ۶۲- (القرآن ر سورہ النحل ر آیت نمبر ۲۳) ۶۳- (القرآن ر سورہ القصص ر آیت نمبر ۷۶) ۶۴- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۱۹۵) ۶۵- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۲۲۲) ۶۶- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۷۶) ۶۷- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۱۵۹) ۶۸- (القرآن ر سورہ المائدہ ر آیت نمبر ۴۲) ۶۹- (القرآن ر سورہ التوبہ ر آیت نمبر ۷) ۷۰- (القرآن ر سورہ التوبہ ر آیت نمبر ۱۰۸) ۷۱- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۱۱۷_ ۱۸۲، سورہ النساء ر آیت نمبر ۴۰، سورہ الانعام ر آیت نمبر ۱۳۱) ۷۲- (القرآن ر سورہ النساء ر آیت نمبر ۸۳، سورہ المائدہ ۱۵_ ۱۶، سورہ الفرقان ۶۳) ۷۳- (القرآن ر سورہ آل عمران ر آیت نمبر ۱۱۴_ ۱۱۰، سورہ الاعراف ر آیت نمبر ۱۹۹) ۷۴- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۳۰، سورہ فاطر ر آیت نمبر ۳۹) ۷۵- (القرآن ر سورہ لقمان ر آیت نمبر ۱۹، سورہ المجادلہ ر آیت نمبر ۹) ۷۶- (القرآن ر سورہ یونس ر آیت نمبر ۳۶) ۷۷- (القرآن ر سورہ یونس ر آیت نمبر ۲۷، سورہ الجاثیہ ر آیت نمبر ۲۱) ۷۸- (القرآن ر سورہ الاحزاب ر آیت نمبر ۵۸) ۷۹- (القرآن ر سورہ النور ر آیت نمبر ۱۹) ۸۰- (القرآن ر سورہ المومنون ر آیت نمبر ۵_ ۶) ۸۱- (القرآن ر سورہ الذاریات ر آیت نمبر ۱ تا ۵) ۸۲- (القرآن ر سورہ القصص ر آیت نمبر ۸۳) ۸۳- (القرآن ر سورہ الجمعہ ر آیت نمبر ۲) ۸۴- (القرآن ر سورہ ہود ر آیت نمبر ۱۱۲) ۸۵- (القرآن ر سورہ الطور ر آیت نمبر ۴۸، ۴۹) ۸۶- (القرآن ر سورہ بنی اسرائیل ر آیت نمبر ۵۳) ۸۷- (القرآن ر سورہ الحشر ر آیت نمبر ۲۱، سورہ الملک ر آیت نمبر ۱۲) ۸۸- (القرآن ر سورہ البینہ ر آیت نمبر ۷_ ۸) ۸۹- (القرآن ر سورہ الزمر ر آیت نمبر ۳۳ تا ۳۵) ۹۰- (القرآن ر سورہ السجدہ ر آیت نمبر ۱۸) ۹۱- (القرآن ر سورہ النحل ر آیت نمبر ۱۲۶) ۹۲- (القرآن ر سورہ القصص ر آیت نمبر ۸۴) ۹۳- (مفتی محمد تقی عثمانی ر آنحضرت ﷺ کا انداز تعلیم و تربیت اور اس کے انقلابی اثرات ر کراچی ر ماہنامہ البلاغ ر مئی ۲۰۰۳ء ر ص ۱۵) ۹۴- (HILLARY RODMAN CLINTON/Los Angeles ۹۵- (www.cnn.com/WORLD/9704/14/egypt.islam/

(شکیل رشید؍ -۹۸ (http://www.alhayat.com/) -۹۷ memri.org/) http://www.-۹۶ Times/May 31, 1996/P.3)
یورپ اور امریکہ میں تیزی سے اسلام پھیلنے کا سبب بن گیا ؍ حیدر آباد دکن؍ روزنامہ منصف ؍ ۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ء) ۹۹- (راؤ پرویز علی رضا؍ اسلام انتہا
پسندی کا نہیں۔شائستگی کا دین ہے؍ کراچی؍ روزنامہ جنگ ؍ ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء؍ ص ۶) ۱۰۰- (مطالعہ تہذیب اسلامی ؍محمد ارشد خان بھٹی؍ لاہور ؍ اصباح
الادب ؍ ۱۹۹۲ء ؍ ص ۲۴۴) ۱۰۱- (اسلام کا عمرانی نظام ؍ پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ؍ لاہور؍ علم و عرفان پبلیشرز؍ ۲۰۰۴ء؍ ص ۳۵۲) ۱۰۲-
(لسان العرب (الام) ۱۲؍ ۲۷) ۱۰۳- (اسلام کا معاشرتی نظام ؍ ڈاکٹر خالد علوی؍ لاہور ؍ الفیصل ناشران ؍ جون ۲۰۰۵ء ؍ ص ۳۰۵) ۱۰۴-
(القرآن ؍ سورہ یونس ؍ آیت نمبر ۱۴۹ و سورہ یونس ؍ آیت نمبر ۳۸) ۱۰۵- (القرآن ؍ سورہ انعام ؍ آیت نمبر ۴۹) ۱۰۶- (القرآن ؍ سورہ آل
عمران؍ آیت نمبر ۱۰۴) ۱۰۷- (القرآن ؍ سورہ الزخرف ؍ آیت نمبر ۲۲) ۱۰۸- (القرآن ؍ سورہ النحل ؍ آیت نمبر ۱۲۰) ۱۰۹- (القران ؍ سورہ
ہود؍ آیت نمبر ۸) ۱۱۰- (القرآن ؍ سورہ آل عمران؍ آیت نمبر ۱۱۰) ۱۱۱- (القرآن ؍ سورہ الانبیاء ؍ آیت نمبر ۹۲) ۱۱۲- (القرآن ؍ سورہ المومنون
؍ آیت نمبر ۵۲) ۱۱۳- (القرآن؍ سورہ البقرہ؍ آیت نمبر ۱۴۳) ۱۱۴- (القرآن؍ سورہ الحج ؍ آیت نمبر ۶۷) ۱۱۵- (ابن ماجہ ؍ کتاب الفتن ؍ باب فتنۃ
الرجال ؍ ریاض ؍ مکتبہ دارالسلام ؍ ص ۵۹۱) ۱۱۶- (اسلامی نظام حیات ؍ شیخ محمد اقبال؍ لاہور ؍ علمی کتب خانہ ؍ ۱۹۸۴ء ؍ ص ۲۴۷) ۱۱۷- (مطالعہ
تہذیب اسلامی ؍محمد ارشد خان بھٹی؍ لاہور ؍ اصباح الادب ؍ ۱۹۹۲ء ؍ ص ۲۴۵) ۱۱۸- (اسلامی نظام حیات ؍ شیخ محمد اقبال؍ لاہور ؍ علمی کتب خانہ
؍ ۱۹۸۴ء ؍ ص ۲۴۷) ۱۱۹- (اسلام کا عمرانی نظام ؍ پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ؍ لاہور؍ علم و عرفان پبلیشرز؍ ۲۰۰۴ء؍ ص ۳۵۳) ۱۲۰- (علامہ جلال
العالم مترجم قاضی ابوسلمان محمد کفایت اللہ؍ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں ؍ لاہور ؍ دارابلاغ پبلیشرز ؍ ۲۰۰۵ء ؍ ص ۹) ۱۲۱- (ڈاکٹر
ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز احمد؍ مذاہب عالم میں تصور خدا؍ لاہور؍ دارالنوادر؍ ۲۰۰۵؍ ص ۱۴۷) ۱۲۲- (اسلامی اصول و موجودہ مسائل کا حل ؍ مولانا
سعیدالرحمن اعظمی ندوی؍ کراچی؍ ہفت روزہ ختم نبوت؍ ۹ تا ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶؍ ص ۱۲) ۱۲۳- (ڈاکٹر ایچ رشید احمد قاضی؍ ہمارے معاشی، اقتصادی اور سماجی
مسائل کا حل، حضور اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں ؍ کراچی؍ ماہنامہ بینات ؍ جون ۲۰۰۵ء؍ ص ۱۶) ۱۲۴- محمد یوسف کاندھلوی/ حیاۃ الصحابہ/
لاہور/ کتب خانہ فیضی / ج ۳/ صفحہ ۵۸۵) ۱۲۵- (http://en.wikipedia.org /wiki/Fundamentalism) ۱۲۶- (ڈاکٹر ذاکر نائیک
مترجم سید امتیاز احمد؍ مذاہب عالم میں تصور خدا؍ لاہور؍ دارالنوادر؍ ۲۰۰۵؍ ص ۸۱) ۱۲۷- (پروفیسر خورشید احمد؍ توہین آمیز خاکے ؍ لاہور؍ قومی پریس ؍
۲۰۰۶؍ ص ۶) ۱۲۸- (سیموئیل پی ہن ٹنگٹن مترجم سہیل انجم؍ تہذیبوں کا تصادم ؍ کراچی ؍ اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس ؍ ۱۳۴) ۱۲۹- (کیرم آرم
اسٹرانگ مترجم محمد احسن بٹ؍ مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال ؍ لاہور؍ نگارشات؍ ۲۰۰۳ء؍ ص ۱۸۰) ۱۳۰- (ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز
احمد؍ مذاہب عالم میں تصور خدا؍ لاہور؍ دارالنوادر؍ ۲۰۰۵؍ ص ۸۳) ۱۳۱- (چوہدری غلام رسول / مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ / لاہور/ علمی کتب خانہ
/ ۱۹۸۰ء/ ص ۱۰۱۔۱۰۳) ۱۳۲- منشی عبدالرحمان خان / تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی / لاہور/ ادارہ اسلامیات / اشاعت دوم ۱۹۹۲ء/ ص ۲۴۔
۱۳۳- ڈاکٹر اشیاق حسن قریشی / براعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ/ ترجمہ ہلال احمد زبیری/ کراچی/ شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی/ اشاعت
چہارم ۱۹۸۹ء/ ص ۲۶۳۔۳۶۳۔ ۱۳۴- منشی عبدالرحمان خان/ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی /لاہور/ ادارہ اسلامیات / اشاعت دوم ۱۹۹۲ء/ ص ۲۷۔۲۸۔
۱۳۵- (یجر وید۔ ۲/ ۳۷) ۱۳۶- (رگ وید۔ ۱، ۲۹، ۷) ۱۳۷- (رگ وید، ۱۰، ۳۴، ۳) ۱۳۸- (ساگر طارق اسماعیل/ آپریشن بلیو
اسٹار/ لاہور/ مقبول اکیڈمی / ۱۹۹۳ء/ ص ۲۰۵) ۱۳۹- (آل عمران، ۱۱۲) ۱۴۰- (القرآن ؍ سورہ النساء؍ آیت نمبر ۱۵۵) ۱۴۱- آل عمران ۱۱۲، مزید
دیکھیں البقرہ ۹۱۔ آل عمران ۱۸اور ۲۱) ۱۴۲- حمید اللہ، ڈاکٹر/ محمد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / لاہور/ ادارہ اسلامیات انارکلی/ ص ۳۱۹)
۱۴۳- بوڈلے، آر۔ وی۔ سی ؍۔ محمد رسول اللہ ﷺ (مترجم محمد علی چراغ نذیر سنز لاہور ۱۹۹۶ء) ص ۱۶۴، بحوالہ کتاب استثناء باب ۲۰ آیات ۱۰۔
۱۴، سعد بن معاذ نے بنی قریضہ یہود کے بالغوں کو قتل کا فیصلہ کیا تھا وہ انہی کے مذکورہ مذہبی حکم کے تھا) ۱۴۴- (ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی/

مطالعہ سیرت/میانوالی/پروگریسیو پبلیشرز/۱۹۹۳/ص ۱۱۶) ۱۴۵- ندوی، مجیب اللہ، اہل کتاب صحابہ و تابعین/اعظم گڑھ/معارف پریس انڈیا/۱۹۵۱/ص ۹۱-۹۲) ۱۴۶- چوہدری غلام رسول/مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ص ۱۰۳) ۱۴۷- (Arnold toyn bee J/A study of history/Vol. 12) ۱۴۸- (ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز احمد/مذاہب عالم میں تصور خدا/لاہور/دارالنوادر/۲۰۰۵/ص ۲۳) ۱۴۹ (Atrur Gilman/The Saracens/London/1887/P.184) ۱۵۰- محمد مارماڈیوک پکتھال/اسلام کلچر مترجم پروفیسر محمد ایوب/لاہور/مکتبہ تعمیر انسانیت/ص ۸۲-۱۵۱- رضوی، سید واجب علی/رسول میدان جنگ میں/ص ۲۷۲) ۱۵۲- (جارج کونستان ورژیل/پیغمبر اسلام ﷺ مترجم/مولانا وارث علی/کراچی/شمع بک ایجنسی/ص ۱۰) ۱۵۳- (دیکھیے: New York/George Braziller/New York/Penguine books/P 1951) ۱۵۴- (تفصیل کے لیے دیکھیے (Card, Richard A.ED, (Encyclopedia of Religion and Ethics/New York/1931) ۱۵۵- (فرید وجدی/المدینۃ والاسلام/مصر/ص ۱۴۳) ۱۵۶- (ابوالحسن ندوی/انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر/کراچی/مجلس نشریات اسلام/ص ۳۵) ۱۵۷- (ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/رسول اکرم ﷺ اور رواداری/فضلی سنز/کراچی/مارچ ۱۹۸۸) ۱۵۸- (سید محمد اسماعیل/رسول عربی اور عصر جدید/لاہور/احمد پبلی کیشنز/۲۰۰۳ء/ص ۱۷۳) ۱۵۹- (مقالات سیرت ۲۰۰۳، تقاریر/مفتی غلام الرحمان/پشاور/صفحہ ۲۱) ۱۶۰- (H.G.Wells/ A short History of the World/London/1924/Page No. 140) ۱۶۱- (انجیل متی ۱۰/۲،۱۵/۲۴) ۱۶۲- (ڈاکٹر حمید اللہ/رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/کراچی/دارالاشاعت/۱۹۸۸/صفحہ ۲۲۸) ۱۶۳- (علامہ جلال العالم مترجم قاضی ابو سلمان محمد کفایت اللہ/اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں/لاہور/دارالابلاغ پبلیشرز/۲۰۰۵ء/ص ۹۰) ۱۶۴- (علامہ جلال العالم مترجم قاضی ابو سلمان محمد کفایت اللہ/اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں/لاہور/دارالابلاغ پبلیشرز/۲۰۰۵ء/ص ۱۱۷) ۱۶۵- (علامہ جلال العالم/معرکۃ المصیر/بیروت/ص ۹۴) ۱۶۶- (علامہ جلال العالم مترجم قاضی ابو سلمان محمد کفایت اللہ/اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں/لاہور/دارالابلاغ پبلیشرز/۲۰۰۵ء/ص ۹۸) ۱۶۷- (علامہ جلال العالم/التبشیر والاستعمار/بیروت/ص ۱۸۴) ۱۶۸- (علامہ جلال العالم/الاسلام والتنمیہ الاقتصادیہ/بیروت/ص ۵۲) ۱۶۹- (جذور ابلاء/ص ۲۰۲) ۱۷۰- (خرم مراد/اسلام اور مغرب میں کشمکش/لاہور/منشورات/۲۰۰۶ء/ص ۴) ۱۷۱- (ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز احمد/مذاہب عالم میں تصور خدا/لاہور/دارالنوادر/۲۰۰۵/ص ۲۷) ۱۷۲- (پروفیسر علی اوسط صدیقی/اسلامی نظام تعلیم و نظریہ پاکستان/کراچی/طاہر سنز/۱۹۹۹ء/ص ۱۲) ۱۷۳- (محمد ارشد/اشاعت اسلام اور تلوار/کراچی/ماہنامہ بینات/اپریل ۲۰۰۳ء/ص ۲۱) ۱۷۴- A.S. Triiton/Islam/London/1951/p.21 ۱۷۵- (پروفیسر حسن الدین ہاشمی/اسلامیات/کراچی/رشید اینڈ سنز/۱۹۹۶ء/ص ۲۳)۔ ۱۷۶- (De Lacy O'Leary/ISLAM AT THE CROSSROADS/London/1923/P.8) ۱۷۷- (ڈاکٹر ذاکر نائیک مترجم سید امتیاز احمد/مذاہب عالم میں تصور خدا/لاہور/دارالنوادر/۲۰۰۵/ص ۷۷) ۱۷۸- (ایضاً/ص ۷۸) ۱۷۹- (T.W.Arnold/Preaching of Islam/London/1913/Page 51) ۱۸۰- (حشمت اللہ صدیقی/اسلام اور تلوار/کراچی/روزنامہ جنگ/۲۷ ستمبر ۲۰۰۶ء/ص ۵) ۱۸۱- (منو بھائی/اسلام اور تلوار/کراچی/روزنامہ جنگ/۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء/ص ۲) ۱۸۲- (پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ/سیرت مجمع کمالات ﷺ/سیالکوٹ/ادارہ تعلیمات سیرت/۱۹۸۸ء/ص ۲۲۶) ۱۸۳- (القرآن/سورہ الفتح/آیت نمبر ۲۸) ۱۸۴۔ (محمد تنزیل الصدیقی الحسینی/اسلام اور عصر حاضر/کراچی/مکتبہ نور حرم/۲۰۰۳ء/ص ۷۵) ۱۸۵- (علی نواز میمن/ملت اسلامیہ/کراچی/انجمن ترقی اردو پاکستان/۲۰۰۱ء/ص ۸۴) ۱۸۶- (www.thelightofgolrasharif.com/Website/TheLight of golrasharif/hazrat/intro_to_qadyanism.html) ۱۸۷- (محمد متین خالد/ثبوت حاضر ہیں/لاہور/علم و عرفان پبلیشرز/۲۰۰۱/ص ۱۹) ۱۸۸- (مولانا سعید احمد جلالپوری/قادیانیت کا مکروہ چہرہ/کراچی/ہفت روزہ ختم نبوت/۲۴ تا ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء/ص ۴) ۱۸۹- (ڈاکٹر محمد حمید اللہ/

محمد رسول اللہ ﷺ / لاہور / بیکن بکس / ۲۰۰۵ء / ص ۲۲) ۱۹۰- (محمد متین خالد / ثبوت حاضر ہیں / لاہور / علم و عرفان پبلیشرز / ۲۰۰۱ / ص ۱۲) ۱۹۱-
(مفتی عبدالرؤف سکھروی / توہین رسالت / کراچی / ماہنامہ بینات / اپریل ۲۰۰۶ء / ص ۱۸) ۱۹۲- (پروفیسر خورشید احمد / توہین آمیز خاکے / لاہور / قومی
پریس / مارچ ۲۰۰۶ء / ص ۹) ۱۹۳- www.bbc.co.uk/urdu/regionla/story/ 2006/09/Printable/060201
_france_cartoon_si.shtml ۱۹۴- (خرم مراد / مغرب اور اسلام میں کشمکش / لاہور / ۲۰۰۶ء / منشورات / ۹) ۱۹۵- (قاری عبدالوحید قاسمی /
کیا توہین رسالت ﷺ نام نہاد آزادی صحافت کا حصہ ہے؟ / کراچی / ہفت روزہ ختم نبوت / ۸ تا ۱۵ اپریل ۲۰۰۶ء / ص ۹) ۱۹۶- (روزنامہ امت /
کراچی / ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۶ء / ص ۱) ۱۹۷- (روزنامہ اسلام / کراچی / ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۶ء / ص ۱) ۱۹۸- (حوالہ کے لیے
www.messiangifts.com دیکھی جاسکتی ہے۔) ۱۹۹- (ڈاکٹر محمد اسرار مدنی / ارتداد اور توہین رسالت / لاہور / ادارہ اسلامیات /
۱۹۹۵ء / ص ۱۴_۱۵) ۲۰۰- (بخاری / مسلم / ابوداؤد) (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں مختصر تفسیر ابن کثیر / جلد دوم / بیروت / دارالقرآن الکریم /
۱۹۶۳ء / صفحات ۱۳۱_۱۳۲) ۲۰۱- (القرآن / سورہ المجادلہ / آیت نمبر ۲۰) ۲۰۲- (ڈاکٹر محمد اسرار مدنی / ارتداد اور توہین رسالت / لاہور / ادارہ
اسلامیات / ۱۹۹۵ء / ص ۹۶) ۲۰۳- (www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2005/03) ۲۰۴- (مسز طاہرہ منہاس / پاکستان کے
لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۲۰۰۲ / ص ۳۶۳) ۲۰۵- (مولانا چراغ علی (مرحوم
/ جہاد دہشت گردی یا دفاع / لاہور / دوست ایسوسی ایٹس / ۲۰۰۳ء / ص ۲۱) ۲۰۶- (مولانا عبدالحق بی اے / مقدمہ تحقیق الجہاد / لاہور / مثال
پبلیشنگ / ۲۰۰۳ء / ص ۲۵) ۲۰۷ (بلی تھیلے سے باہر آرہی ہے / مشتاق احمد قریشی / کراچی / روزنامہ جنگ / ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۲۰)
-۲۰۹ www.bbc.co.uk/urdu/pakistan/story/2006/09/printable/060914_ pope_criticism_shtml-۲۰۸
(پروفیسر شمیم اختر / اسلام کے خلاف پوپ کی ہرزہ سرائی / کراچی / ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل / ۲۲ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص) ۲۱۰- (سید عباس حسین زائری /
فلسفہ جہاد / کراچی / روزنامہ جنگ / ۲۷ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۶) ۲۱۱- (اسلام اور دہشت گردی، ایک مذاکرہ / اسلام آباد / اسلامی نظریاتی کونسل /
۲۰۰۶ء / ص ۲۱_۲۲) ۲۱۲- (سید عباس حسین زائری / فلسفہ جہاد / کراچی / روزنامہ جنگ / ۲۷ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۶) ۲۱۳- (اسلام اور دہشت گردی،
ایک مذاکرہ / اسلام آباد / اسلامی نظریاتی کونسل / ۲۰۰۶ء / ص ۲۱_۲۲) ۲۱۴- (بلی تھیلے سے باہر آرہی ہے / مشتاق احمد قریشی / کراچی / روزنامہ جنگ
/ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۲۰) ۲۱۵- (مسلم سجاد / حدود قوانین / لاہور / ماہنامہ ترجمان القرآن / اگست ۲۰۰۶ء / ص ۱۵) ۲۱۶-
(http://www.hrcp-web.org/report_ncsw.cfm تفصیل کے لیے دیکھیے) ۲۱۷- (محمد کاشف شیخ / اسلامی قوانین مغرب کے
نشانے پر / کراچی / روزنامہ جنگ / ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۵) ۲۱۸- (http://www.state.gov/g/drl/rls/irf/2005/51621.htm)
/031211_fracne_headscarf_na.shtml www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2003/printable -۲۱۹
-۲۲۱ story/2003/12/printable /0312120_hijab_france_sen.shtml) (www.bbc.co.uk/urud/news/-۲۲۰
-۲۲۲ urdu/regional/story/2004/o4/printable /040401_scarf_ban_germany_uj.s) (www.bbc.co.uk/
-۲۲۳ (www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2004/01/printable /040121_Scarf_beard_na.shtml)
-۲۲۴ story/2004/04/Printabl e/040427_Soccer_scarf_na.shtml) (www.bbc.co.uk/urdu/regional/
-۲۲۵ regional/story/2004/03/Printable /-4-331_headscarf_us_na.Shtml) (www.bbc.co.uk/urdu/
(www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2005/11/Printabl e/051110_turkey_Scarf_Sen.shtml)
(www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2006/10 /Printable061005_Istraw_Veil_ns.shtml)-۲۲۶

۲۲۷-(روزنامہ جنگ ر کراچی ر۱۲ اکتوبر رکراچی رص ۴) ۲۲۸- (اسد مفتی (ایمسٹر ڈیم) ر ہمارے دامن صد چاک کے اسباب رکراچی ر روزنامہ جسارت ر ۹ اکتوبر ۲۰۰۶ء) ۲۲۹- (ڈاکٹر خالد علوی ر اسلام کا معاشرتی نظام رلاہور رالفیصل ناشران و تاجران ر ۲۰۰۵ء رص ۴۸۰) ۲۳۰- (مولانا محمد تقی امینی ر اسلام اور جدید دور کے مسائل رکراچی رقدیمی کتب خانہ ر۱۹۸۸ء رص ۲۷۹) ۲۳۱- (ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی ر دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت رلاہور ر مکتبہ خلیل رص ۲۸) ۲۳۳- (ڈاکٹر غلام برق ر اسلام اور عصر رواں رلاہور رشیخ غلام علی اینڈ سنز ر ۱۹۸۵ء رص ۳۰۴) ۲۳۴- (عطاء الرحمٰن منگلوری ر میڈیا کی یلغار، ایک بڑھتا ہوا چیلنج ر راولپنڈی رظلال القرآن فاؤنڈیشن ر ۲۰۰۴ء رص ۵۸) ۲۳۵- (محمد تنزیل الصدیقی الحسینی ر اسلام اور عصر حاضر رکراچی رمکتبہ نورحرم ر ۲۰۰۴ء رص ۱۱۶) ۲۳۶- (حبیب اللہ اچکزئی ر عالم اسلام وسائل اور مسائل ر کراچی ر مکتبہ حسن ر ۲۰۰۳ء رص ۱۲۳) ۲۳۷- (ڈاکٹر محسن نقوی ر دہشت گردی اسباب، نتائج اور حل ر لاہور رفکشن ہاؤس ر ۲۰۰۵ء رص ۸) ۲۳۸- (حبیب اللہ اچکزئی ر عالم اسلام وسائل اور مسائل ر کراچی ر مکتبہ حسن ر ۲۰۰۳ء رص ۱۲۳) ۲۳۹- حضرت مولانا محمد یوسف کاندہلوی/ حیاۃ الصحابہ/ لاہور/ کتب خانہ فیضی / ج ۳/ صفحہ نمبر ۵۸۸ صفحہ نمبر ۵۸۸۔ ۲۴۰- (پروفیسر کے ایس راما کرشنا راؤ مترجم صفت علی قدوائی ر پیغمبر اسلام محمد ﷺ ر کراچی رادارہ معارف اسلامیہ ر ۲۰۰۰ء رص ۱۳) ۲۴۱- (مسلم سجاد ر حدود قوانین ر ماہنامہ ترجمان القرآن ر لاہور ر اگست ۲۰۰۵ء رص ۱۴) ۲۴۲-(القرآن ر سورہ نساء ر آیت نمبر ۱۴) ۲۴۳- (پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ ر مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ر لاہور رعلم و عرفان پبلیشرز ر ۲۰۰۶ء رص ۸۷۶) ۲۴۴- (ابوداؤد) ۲۴۵- (القرآن ر سورہ الحجرات ر آیت نمبر ۱) ۲۴۶- (مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن ر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب ر کراچی رمجلس نشریات اسلام ر ۱۹۹۴ء رص ۲۷) ۲۴۷- (مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن ر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب ر کراچی رمجلس نشریات اسلام ر ۱۹۹۴ء رص ۲۸) ۲۴۸- (مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن ر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب رکراچی رمجلس نشریات اسلام ر ۱۹۹۴ء رص ۲۹) ۲۴۹- (ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی /ص ۳۴۲۔۳۲۵) ۲۵۰- (سورہ الکہف/ ۲۹ اور سورہ الکافرون) ۲۵۱- (متفق علیہ) ۲۵۲- (کلیات اقبال رعلامہ اقبال ر ابانگ درا ر کراچی رفضلی سنز ر ۲۰۰۳ء /ص ۳۰۰) ۲۵۳- (Joyce M.Hawkins/Oxford Universal Dictionary/London/Oxford university press/1981/p.437) ۲۵۴- (http://en.wikipedia.org/wiki/Mass_media) ۲۵۵- (مولانا عمر دفاروق لوہاروی رعورتوں کا مردوں کی امامت کرنا ر کراچی ر ماہنامہ بینات ر جون ۲۰۰۵ء رص ۲۱) ۲۵۶- نذر الحفیظ ندوی ر مغربی میڈیا اور اس کے اثرات رکراچی رمجلس نشریات اسلام رصفحہ نمبر ۹۳) ۲۵۷- (محمد نسیم خان ر دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان ر اسلام آباد روفاقی وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر ر ۲۰۰۴ء رص ۲۵۴) ۲۵۸- (نذر الحفیظ ندوی رمغربی میڈیا اور اس کے اثرات رکراچی رمجلس نشریات اسلام رصفحہ نمبر ۳۵۱) ۲۵۹- (روزنامہ ایکسپریس ر کراچی ر ۱۲ ستمبر ۲۰۰۶ء رص ۱) ۲۶۰- (مولانا سعید احمد جلال پوری رمغربی میڈیا کی یلغار رکراچی ر ماہنامہ بینات رفروری ۲۰۰۵ء رص ۳) ۲۶۱- (محمد مشتاق ر عالمی نظام نو کی تشکیل ر اسلام آباد ر وفاقی وزیر مذہبی امور ر ۲۰۰۳ء رص ۱۹۰) ۲۶۳- (مفتی عتیق الرحمان رذرائع ابلاغ کی جنگ اور اسلام رکراچی ر ماہنامہ بینات راپریل ۲۰۰۳ء رص ۴۱) ۲۶۴-(ایضاً رص ۴۴) ۲۶۵- (راؤ پرویز علی رضا ر اسلام انتہا پسندی کا نہیں۔شائستگی کا دین ہے رکراچی ر روزنامہ جنگ ر ۱۵ ستمبر ۲۰۰۶ء رص ۶) ۲۶۶- (القرآن ر سورہ البقرہ ر آیت نمبر ۲۷۲) ۲۶۷-(http://en.wikipedia.org/wiki/Poverty#Causes_of_poverty) ۲۶۸- (مولانا وحید الدین خان رسوشلزم اور اسلام ر کراچی ر فضلی سنز ر ۱۹۸۵ء رص ۱۷۴) ۲۶۹- (ڈاکٹر فضل الرحمان ر دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان ر اسلام آباد روفاقی وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر ر ۲۰۰۴ء رص ۱۹۷) ۲۷۰- (بابر سلیمان ر دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان ر اسلام آباد روفاقی وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر ر ۲۰۰۴ء رص ۵۲۳) ۲۷۱- (اداریہ ر روزنامہ خبریں ر کراچی ر ۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء رص ۱۰) ۲۷۲- (www.uno.org/who) ۲۷۳-(ڈاکٹر افضل

الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت /لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۱۰)
۲۷۴-(http://en.wikipedia.org/wiki/Globalization #Anti-globalisation_.28Global_Justice.29)
۲۷۵-(ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت /لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۳۳-۳۴) ۲۷۶- (ڈاکٹر خالد علوی / اسلام اور عالمگیریت / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی /۲۰۰۶ء / ص ۵)۔ ۲۷۷- (محمود مرزا / مسلم ریاست جدید کیسے بنائے / لاہور / دارالتذکیر / ۲۰۰۵ء / ص ۶۹-۷۱) ۲۷۸- (ڈاکٹر خالد علوی / اسلام اور عالمگیریت / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی /۲۰۰۶ء / ص ۱۳-۱۹)۔ ۲۷۹- (محمد جاوید اقبال / مسلم دنیا میں اقتصادی تعاون کی ضرورت / روزنامہ جنگ / کراچی / ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء / ص ۶) ۲۸۰- (علی نواز میمن / ملت اسلامیہ / کراچی / انجمن ترقی اردو پاکستان / ۲۰۰۱ء / ص ۱۰۵) ۲۸۱- (فیضان اللہ خان / لاہور / ماہنامہ ترجمان القرآن / مئی ۲۰۰۱ء) ۲۸۲- (محمد تنزیل الصدیقی الحسینی / اسلام اور عصر جدید / کراچی / مکتبہ نورحرم / ۲۰۰۴ء / ص ۴۷) ۲۸۳- (پروفیسر خورشید احمد / اسلام اور عصر حاضر کے معاشی چیلنج / لاہور / الابلاغ ٹرسٹ / ص ۳۹)
۲۸۴- (http://www.isdb.org/31Annualreport/ chapter-1-1426H.pdf ۲۸۵- (ڈاکٹر مرزا اختیار بیگ / مسلم ممالک کے بیرونی قرضوں کا حجم / کراچی / روزنامہ جنگ / ۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء / ص ۵) ۲۸۶- (President's Speech at the International Seerat Conference/Islamabad/12th April 2006) ۲۸۷- (بحوالہ : سید قاسم محمود / اسلامی دنیا 2005 / لاہور / الفیصل ناشران / ۲۰۰۵ء / مختلف صفحات سے جمع کر کے جدول مصنف نے خود ترتیب دیا ہے) ۲۸۸- (محمد جاوید اقبال / مسلم دنیا میں اقتصادی تعاون کی ضرورت / روزنامہ جنگ / کراچی / ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء / ص ۶) ۲۸۹- (سورہ البقرہ / آیت نمبر ۱۷۲) ۲۹۰- (علی نواز میمن / ملت اسلامیہ / کراچی / انجمن ترقی اردو پاکستان / ۲۰۰۱ء / ص ۱۱۴) ۲۹۱- (علی نواز میمن / ملت اسلامیہ / کراچی / انجمن ترقی اردو پاکستان / ۲۰۰۱ء / ص ۱۱۷) ۲۹۲- (علی نواز میمن / ملت اسلامیہ / کراچی / انجمن ترقی اردو پاکستان / ۲۰۰۱ء / ص ۱۲۱) ۲۹۳- حضرت مولانا محمد یوسف کاندہلوی / حیاۃ الصحابہ / لاہور / کتب خانہ فیضی / ج ۳ / صفحہ نمبر ۵۸۸ ۲۹۴- (محمد زین العابدین منصوری / فکری یلغار / لاہور / ماہنامہ ترجمان القرآن / ستمبر ۲۰۰۶ء / ص ۵۹) ۲۹۵- (مولانا وحید الدین خان / سوشلزم اور اسلام / کراچی / فضلی سنز / ۱۹۸۵ء / ص ۱۸۷) ۲۹۶- (ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی / دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت / لاہور / مکتبہ خلیل / ص ۵۴) ۲۹۷- (ڈاکٹر محمود احمد غازی / دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل / اسلام آباد / انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز / ۲۰۰۱ء / ص ۶۹) ۲۹۸- (ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی / استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل ہوسکتی ہے / اسلام آباد / وفاقی وزارت مذہبی امور / ۱۹۹۷ء / ص ۴۱-۴۲) ۲۹۹- (روزنامہ جنگ کراچی / ۱۸ اگست ۲۰۰۶ء / ص ۱۰) ۳۰۰- (www.taipeitimes .com/News/worldbiz/ archives/2006/192003323856) ۳۰۱- (روزنامہ ایکسپریس / کراچی / ۱۹ اگست ۲۰۰۶ء / ص ۱۲) ۳۰۲- (www.bbc.co.uk/urdur/news/ /020219_islamic bankingx.shtml) ۳۰۳- (پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی / پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں / اسلام آباد / وفاقی مذہبی امور / ۲۰۰۲ء) ۳۰۴- (علامہ عبدالوحید خان / مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان / لاہور / دوست ایسوسی ایٹس / ۲۰۰۳ء / ص ۲۳) ۳۰۵- (ڈاکٹر خالد علوی / اسلام اور عالمگیریت / اسلام آباد / دعوۃ اکیڈمی / ۲۰۰۶ء / ص ۴۸) ۳۰۶- (حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، ص/۳۹۹) ۳۰۷- (القرآن / سورۃ الحجر ۱۵/ ۲۰) ۳۰۸- (القرآن / سورۃ النباء، ۷۸/ ۱۱) ۳۰۹-(سورۃ الزخرف ۴۳/ ۳۲) ۳۱۰- (سورۃ طٰہٰ ۲۰/ ۱۲۴) ۳۱۱- مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ص/۴۰۳) ۳۱۲- (پروفیسر کرم حیدر / ہمارے مسائل اور ان کا حل / اسلام آباد / علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی / ۱۹۸۱ء / ص ۲۴۶) ۳۱۳- (نہج الفصاحت / ص ۴۲۲) ۳۱۴- (ابن ماجہ / باب برکتہ الغازی فی مالہ / رقم ۲۱۳۹) ۳۱۵- (جامع الترمذی / ابواب البیوع) ۳۱۶- (ترمذی شریف / ج ۴ / ۳۳۷ / حدیث ۱۹۵۱ء) ۳۱۷- (ملاحظہ ہو عبدالرحمٰن بن عوف کی تجارت کی مثال / بخاری / جلد ۱ / ص ۵۶۱ / مزید مثالوں کے لیے ملاحظہ

ہوں مسند احمد ر ج ار ص ۶۲ ر، ج ۳ ر ص ۲۴۷، ر ابن سعد : ج ۲ ر ص ۵۹۔۶۰ ر ج ۳ ر ص ۱۳۰) ۳۱۸- (ابن سعد ر ج ۲ ر ص ۸ اور ۱۰ ر، بلاذری ر فتوح البلدان ر ص ۴۸۷) ۳۱۹- (ابن سعد ر ج ۲ ر ص ۶۲، نیز مسعودی : التنبیہ والاشراف ر دار صعب ر بیروت ر ۲۱۵) ۳۲۰- (ڈاکٹر مرزا اختیار بیگ/ مسلم ممالک کے بیرونی قرضوں کا حجم/ کراچی/ روزنامہ جنگ/ ۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء/ ص ۵) ۳۲۱- (ڈاکٹر افضل الرحمٰن فریدی ر دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت ر لاہور ر مکتبہ خلیل ر ص ۴۷) ۳۲۲- (محمد جاوید اقبال ر مسلم دنیا میں اقتصادی تعاون کی ضرورت ر روزنامہ جنگ ر کراچی ر ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۶) ۳۲۳- (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ر عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل ر لاہور ر ادارہ معارف اسلامی ر ۱۹۹۸ء ر ص ۹۸) ۳۲۴- (مسلم ممالک کے مالی وسائل ر مراد آباد، انڈیا ر ماہنامہ ندائے شاہی ر فروری ۲۰۰۵ء ر ص ۴۷) ۳۲۵- (القرآن ر سورہ المومنون ر آیت نمبر۔۔۔) ۳۲۶- (سنن ترمذی کتاب البر والصلة باب ماجاء فی الستره علی المسلم، ۳۲۶/۴) ۳۲۷- (القشیری، مسلم بن حجاج صحیح مسلم کتاب البرباب تحریم ظلم المسلم، ۱۱/۷، اور صحیح بخاری کتاب المظالم باب لایظلم المسلم، ۹۸/۳) ۳۲۸- (السیوطی، جلال الدین، جامع الصغیر، بیروت دار المعرفة، ۱۳۹۱ھ، ص/۱۷۹۱، ج/۲،) ۳۲۹-(ایضاً) ۳۳۰- (متفق علیه) ۳۳۱- (سنن ترمذی/ باب فی لزوم الجماعۃ) ۳۳۲- (سنن ابی داؤد۔ باب فی اصلاح ذات البین) ۳۳۳- (محمد متین خالد ر میرا پیمبر عظیم تر ہے ر لاہور ر علم و عرفان پبلیشرز ر ص ۲۰۰۵ء ر ۲۷) ۳۳۴- ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ/ مصر/ مصطفیٰ البابی الحلبی / ج ۲/ صفحہ نمبر ۴۴۷۔ ۳۳۵- البدایہ والنھایہ/ ج ۶/ ص ۴۲/ الذھبی : السیرۃ النبویہ ص ۳۲۳۔ ۳۳۶- ریاض الصالحین/ ج ۱/ ص ۳۰۴۔ ۳۳۷- (ڈاکٹر محمد امین ر مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل ر لاہور ر بیت الحکمت ر ۲۰۰۴ ر ص ۱۲۸) ۳۳۸ (ڈاکٹر محمد امین ر مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل ر لاہور ر بیت الحکمت ر ۲۰۰۴ ر ص ۱۶۷) ۳۳۹- (قاضی جاوید ر اسلام اور مغرب ر لاہور ر سارنگ پبلیکیشنز ر ۱۹۹۹ء ر ص ۱۵۰) ۳۴۰- (www.uno.org) ۳۴۱- (ڈاکٹر محمد امین ر مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل ر لاہور ر بیت الحکمت ر ۲۰۰۴ ر ص ۳۰۲) ۳۴۲- (قاضی جاوید ر اسلام اور مغرب ر لاہور ر سارنگ پبلیکیشنز ر ۱۹۹۹ء ر ص ۱۵۲) ۳۴۳- (علی نواز میمن/ ملت اسلامیہ/ کراچی/ انجمن ترقی اردو پاکستان/ ص ۵۴-۵۸) ۳۴۴- (محمد نسیم خان/ دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر/ ۲۰۰۴ء/ ص ۱۵۲) ۳۴۵- (ظفر محی الدین ر تاریخ کا انصاف اور امریکہ ر کراچی ر روزنامہ جنگ ر ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء ر ص ۶) ۳۴۶- www.newsfrombabylon.com/Iraq/ Naom Chomsky/Drain the Swamp and there ۳۴۷- Propagnad_and_why_do_ they_hate_us.html/) will no more Mosquitoes /www.Guardian.co.uk) ۳۴۸- (اداریہ ر روزنامہ خبریں ر کراچی ر ۱۶ ستمبر ۲۰۰۶ء ر ص ۱۰) ۳۴۹- (محمد اقبال جاوید/ پھر وہی یو این او/ کراچی/ روزنامہ جنگ/ ۲۵ ستمبر ۲۰۰۶ء/ ص ۵) ۳۵۰- (محمد جاوید اقبال ر مسلم دنیا میں اقتصادی تعاون کی ضرورت ر روزنامہ جنگ ر کراچی ر ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء ص ۶) ۳۵۱- (تہذیبوں کا تصادم نہیں مفادات کا تصادم/ ظفر محی الدین/ کراچی/ روزنامہ جنگ/ ۲۵ ستمبر ۲۰۰۶ء/ ص ۲) ۳۵۲- (www.harunyahya.com) ۳۵۳- (ظفر محی الدین ر تاریخ کا انصاف اور امریکہ ر کراچی ر روزنامہ جنگ ر ۱۴ ستمبر ۲۰۰۶ء ر ص ۶) ۳۵۴- (www.armedforcesjournal. com) ۳۵۵- (علی نواز میمن ر ملت اسلامیہ ر کراچی ر انجمن ترقی اردو پاکستان ر ۲۰۰۱ء ر ص ۳۲) ۳۵۶- (حافظ محمد سعد اللہ ر استحکام پاکستان کا حصول ر اسلام آباد ر وفاقی وزارت مذہبی امور ر ۱۹۹۷ء ر ص ۲۶) ۳۵۸- (القرآن ر سورہ النساء ر آیت نمبر ۶۷) ۳۵۹- (القرآن ر سورہ الانفال ر آیت نمبر ۶۰) ۳۶۰- (علامہ شبیر احمد عثمانی ر تفسیر عثمانی ر مدینہ منورہ ر شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ پریس ر ۱۹۸۹ء ر ص ۲۴۴) ۳۶۱- مولانا چراغ علی ر جہاد ر لاہور ر دوست ایسوسی ایٹس ر ۲۰۰۳ء ر ص ۱۴۷۔ ۳۶۲- (ڈاکٹر حمید اللہ ر خطبات بہاولپور ر اسلام آباد ر ص ۴۴۲، ۴۴۳) ۳۶۳- (السہیلی : روض الانف، فضل ذکر تعلیم اہل الطائف، نیز البدایۃ والنہایۃ ر ج ۴ ر ص ۳۴۸) ۳۶۴- (السہیلی : روض الانف، فضل ذکر تعلیم اہل الطائف، نیز البدایۃ والنہایۃ ر ج ۴ ر ص ۳۴۸) ۳۶۵- (السہیلی : روض

الانف،فصل ذکر تعلیم اہل الطائف، نیز البدایۃ والنہایۃ ر ج ۴رص ۳۴۸) ۳۶۶- (ایضاً مقریزی: امتاع الاسماع حصر الطائف رص ۴۱۸)
regional/story/2003/10/ Printable/031016_ mahathir_speech_fz.shtml) (www.bbc.co.uk/urdu/ -۳۶۷
۳۶۸- (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رعصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل ر لاہور ر ادارہ معارف اسلامی ر۱۹۹۸ءرص ۹۷)
۳۶۹- (القرآن رسورہ المائدہ رآیت نمبر ۵۱) ۳۷۰- (القرآن رسورہ الممتحنہ رآیت نمبر۱) ۳۷۱- (ڈاکٹر محمد امین/مسلم نشاۃ ثانیہ اور اس کا لائحہ
عمل/ لاہور/کتاب سرائے/ ۲۰۰۴ء/ص ۲۸۰) ۳۷۲- (سلمیٰ بی بی ر پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں ر اسلام
آباد ر وفاقی وزارت مذہبی امور ر۲۰۰۲رص ۴۵۸) ۳۷۳- (پروفیسر سید محمد سلیم ر اسلامی تعلیم، بنیادی تصورات و افکار ر لاہور ر ادارہ تعلیمی تحقیق ر
۱۹۸۹ء رص ۱۴۰) ۳۷۴- http://www.maxwell. syr.edu/maxpages/faculty/ gmbonham
Copy%20of%20ICNweb/Conflict %20Resolution%2 /2000-Fall-IR-Projects/Website-Group ICN/
0P..htm ۳۷۵- (ارشاد احمد حقانی رعالم اسلام کی تعلیمی زبوں حالی ر وزنامہ جنگ رکراچی ر ۲۱ اپریل ۲۰۰۱ء) ۳۷۶- (ڈاکٹر افضل الرحمٰن
فریدی ر دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت ر لاہور ر مکتبہ خلیل رص ۱۱۔۱۲) ۳۷۷- (ڈاکٹر محمد امین ر مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل
ر لاہور ر بیت الحکمت ر۲۰۰۴رص ۱۲۶) ۳۷۸- (ماہنامہ اردو سائنس میگزین ر لاہور ر اردو سائنس بورڈ ر اپریل تا جون ۲۰۰۲ء) ۳۷۹- (ڈاکٹر محمد
امین ر مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل ر لاہور ر بیت الحکمت ر۲۰۰۴رص ۱۲۶) ۳۸۰- الطاف احمد/تاریک راہوں کے مسافر/کراچی/روزنامہ
جنگ/ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۶ء/ص ۶۔ ۳۸۱-(www.uno.org/HDI) ۳۸۲-/www.irfi.org/ articles/articles_251_300/
status of muslim societies aroun.htm) ۳۸۳- (http://www. maxwell.syr.edu/maxpages/faculty/
gmbonham /2000-Fall-IR-Projects/Website- Group/ICN/Copy% 20of%20ICNweb/
Conflict%20Resolution %20P..htm) ۳۸۴- (ڈاکٹر محمد امین ر مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل ر لاہور ر بیت الحکمت ر۲۰۰۴ء
ر ۱۲۴) ۳۸۵- (ماخذ: World Development Report 2004-2005)(تحریر کنندہ نے جدول مختلف صفحات سے جمع کر کے ترتیب دیا
ہے) ۳۸۶- (President's Speech at the International Seerat Conference/Islamabad/ 12th April 2006
۳۸۷- (بحوالہ ر سید قاسم محمود ر اسلامی دنیا 2005 ر لاہور ر الفیصل ناشران ر اعداد و شمار مختلف صفحات پر دیئے گئے ہیں اور تحریر کنندہ نے جمع کر کے
ترتیب دیئے ہیں) ۳۸۸- (مسز طاہرہ منہاس ر پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں ر اسلام آباد ر وفاقی وزارت
مذہبی امور ر۲۰۰۲رص ۳۶۳) ۳۸۹- (ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی ر پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں ر اسلام
آباد ر وفاقی وزارت مذہبی امور ر۲۰۰۲رص ۱۸) ۳۹۰- (ترمذی شریف) ۳۹۱- (منظور الحسن صباحسنی رمخلوط تعلیم اور اسلامی نقطہ نظر قلمی مذاکرہ
(مقالہ) صفحات ۷۰۔۴۹) ۳۹۲- (ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر ر نصاب اور انتہا پسندی ر کراچی ر روزنامہ جنگ ر ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء رص ۶) ۳۹۳- (ڈاکٹر
نگار سجاد ظہیر ر نصاب اور انتہا پسندی ر کراچی ر روزنامہ جنگ ر ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۶ء رص ۶) ۳۹۴- (محمد اشرف خرم رتعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں
ر کراچی ر اردو اکیڈمی سندھ ر ۱۹۹۶ء رص ۳۸۸) ۳۹۵- (پروفیسر سید محمد سلیم رعلوم جدید کی اسلامی تشکیل ر لاہور ر ادارہ تعلیمی تحقیق ر ۱۹۹۳ء رص
۹۹) ۳۹۶- (پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری رفرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے ر لاہور ر منہاج القرآن پبلی کیشنز ر ۲۰۰۴ء رص ۶۳) ۳۹۷- (سلیم
منصوری ر دینی مدارس میں تعلیم ر اسلام آباد ر انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز ر ۲۰۰۲ء ر ص ۸۷) ۳۹۸-
(www.bbb.co.uk/urdu/news/020731_madaris_us.shtml) ۳۹۹- (سلیم منصور خالد ر دینی مدارس میں تعلیم ر اسلام آباد ر انسٹی
ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز ر ۲۰۰۲ء رص ۲۱) ۴۰۰- (پروفیسر خورشید احمد ر امت مسلمہ، دینی مدارس، درپیش چیلنجز ر اسلام آباد ر انسٹی ٹیوٹ آف

پالیسی اسٹڈیز/ ۲۰۰۱ء/ص ۳۳) ۴۰۱- (ڈاکٹر خالد علوی/ دینی نظام تعلیم، اصلاح کی حکمت عملی/ اسلام آباد/ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز/ ۲۰۰۱ء/ص ۴۷) ۴۰۲- (پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری/ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے/ لاہور/ منہاج القرآن پبلی کیشنز/ ۲۰۰۴ء/ص ۶۵) ۴۰۳- (ڈاکٹر محمود احمد غازی/ دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل/ اسلام آباد/ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز/ ۲۰۰۱ء/ص ۶۱) ۴۰۴- (پروفیسر خورشید احمد/ امت مسلمہ، دینی مدارس، درپیش چیلنجز/ اسلام آباد/ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز/ ۲۰۰۱ء/ص ۳۶) ۴۰۵- (ڈاکٹر خالد علوی/ دینی نظام تعلیم، اصلاح کی حکمت عملی، اسلام آباد/ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز/ ۲۰۰۱ء/ص ۴۸) ۴۰۶- (مولانا زاہد الراشدی/ دینی نظام تعلیم، اصلاح کی حکمت عملی/ اسلام آباد/ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز/ ۲۰۰۱ء/ص ۵۴_۵۶) ۴۰۷- (سورۃ الجمعۃ/۲، سورۃ آل عمران/۱۶۲، سورۃ بقرہ/۱۲۹،) ۴۰۸- (دیکھئے مقالہ شیر نوروز خان اسلام اور تعلیم کتابیات سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، ج/ ۳۷ ش/۱/ جولائی ستمبر ۱۹۹۹ء) ۴۰۹- (سورۃ بقرہ/۳۳ اور ۳۳،) ۴۱۰- (۲۴۵ سورۃ النمل/۴۰،) ۴۱۱- (سورۃ المجادلۃ/ ۱۱، اور ۴۶) ۴۱۲- (ابن ماجه، ابو عبدالله محمد بن يزيد سنن ابن ماجة بيروت دارالحياء التراث العربي ۱۳۹۵، ص/۸۳، ج/۱، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم) ۴۱۳- (ابوداؤد، سليمان بن اشعث صحيح سنن أبوداؤد محمد ناصر الدين البانى مكتبة العربية الدول الخليج ۱۴۰۹ھ، ص/۶۹۴، ج/۲، حدیث نمبر ۹۶، اور صحیح البخاری، ص/۱۸۹، ج/۱،) ۴۱۴- بخاری، محمد بن اسماعیل صحيح البخاری كتاب الكفالة باب جوار أبي بكر اور سیرت بن ہشام، ص/۴۴۴، ج/۱، اور سیرت حلبیہ ص/۳۰۱، ج/۱،) ۴۱۵- (ابن حجر عسقلانی الاصابة فى تميز الصحابة، ص/۹۰، ج/۲، فتوح البلدان لبلاذری، ص/۱۵۶، اور ۴۵۹، اور سیرت ابن ہشام، ص/۴۳۴، ج/۱،) ۴۱۶- (قاضی اطہر مبارکپوری/ خیر والقرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت/ ص/ ۱۴۶ تا ۳۳۴) ۴۱۷- (الترمذی، سنن الترمذی بیروت دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۰۸ھ، حدیث نمبر ۳۵۹۹) ۴۱۸- (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی/ عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل/ لاہور/ ادارہ معارف اسلامی/ ۱۹۹۸ء/ص ۹۵) ۴۱۹- (محمد زین العابدین/ فکری یلغار/ لاہور/ ماہنامہ ترجمان القرآن/ ستمبر ۲۰۰۶ء/ص ۵۸) ۴۲۰- (گستاؤلی بان مترجم سید علی بلگرامی/ تمدن عرب/ لاہور/ص ۵۱۳) ۴۲۱- (محمد مشتاق/ عالمی نظام نو کی تشکیل/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور/ ۲۰۰۳ء/ص ۱۹۳) ۴۲۲- (علامہ محمد اسد/ ملت اسلامیہ دوراہے پر/ ریاض/ دارالسلام/ ۲۰۰۴ء/ص ۷۰) ۴۲۳- (ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی/ پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور/۲۰۰۲/ص ۲۱) ۴۲۴- (پروفیسر عبدالرزاق/ پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور/۲۰۰۲/ص ۲۰۴) ۴۲۵- (قاضی محمد مطیع الرحمن/ پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل، سیرت طیبہ کی روشنی میں/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور/۲۰۰۲/ص ۲۸۸) ۴۲۶- (ڈاکٹر ڈریپر مترجم مولانا ظفر علی خان/ معرکہ منصب وسائنس/ لاہور/ ۱۹۹۸ء/ص ۲۳۱) ۴۲۷- (**الشيبانى، امام محمد بن الحسن كتاب الكسب مكتبة المطبوعات الاسلاميه حلب** ۱۹۹۷ء، ص/ ۷۵_۷۷) ۴۲۸- (۱۹۲ایضاً) ۴۲۹- (مولانا محمد زکریا/ فضائل تجارت/ کراچی/ ریجوئیشنل پریس کراچی/ سن ۱۹۸۰/ص ۲۲ تا ۲۶) ۴۳۰- (محمد مشتاق/ عالمی نظام نو کی تشکیل/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور/ ۲۰۰۳ء/ص ۱۹۶) ۴۳۱- (گیلانی، مولانا مناظر احسن/ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ج ۲/ص ۴۰) ۴۳۲- (ایضاً/ص ۴۰) ۴۳۳- (ایضاً/ص ۴۱) ۴۳۴- (ایضاً ج ۱/ص ۳۶۳) ۴۳۵- (مبارکپوری، قاضی اطہر خیر القرون کی درسگاہیں، ص/۱۳۰) ۴۳۶- (محمد عبدالمعبود، مولانا عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، ص/۷۱_۷۲) ۴۳۷- (ڈاکٹر صلاح الدین ثانی/ پاکستان کے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل/ اسلام آباد/ وزارت مذہبی امور/ ۲۰۰۱ء/) ۴۳۸- (محمد مشتاق/ عالمی نظام نو کی تشکیل/ اسلام آباد/ وفاقی وزارت مذہبی امور/ ۲۰۰۳ء/ص ۱۹۷) ۴۳۹- (بخاری، کتاب العلم، باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ، ۱/۳۴؛ کتاب الاعتصام، باب تعلیم النبی امتہ، ۸/ ۱۴۹_) ۴۴۰- کتانی/ نظام الحکومیہ النبویہ ﷺ/ ج ۱/ص ۴۹_۵۵) ۴۴۱- ابن عبد البر/

جامع البیان العلم وفضلہ/ص ۲۶_۴۴۲- (ڈاکٹر خالد علوی/ ثقافت کا اسلامی تصور/ اسلام آباد/ دعوۃ اکیڈمی/ ۲۰۰۶ء/ص ۵) ۴۴۳- (خرم مراد/ مغرب اور اسلام میں کشمکش/ لاہور/ منشورات/ ص ۲) ۴۴۴- (ڈاکٹر غلام جیلانی برق/ اسلام اور عصر رواں/ لاہور/ شیخ غلام علی اینڈ سنز/ ۱۹۸۵ء/ ص ۱۵۱) ۴۴۵- (فرزانہ پروین/ اعلی ثانوی سطح کے طلبہ پر مغربی ثقافت کے اثرات/ کراچی/ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن/ ۲۰۰۵ء/ ص ۷۰) ۴۴۶- (سیموئیل پی ہن ٹنگٹن/ دی کلیش آف سویلائزیشن/ نیویارک/ ٹاکسٹر/ ۱۹۹۶ء/ ۳۱۱_۳۱۲) ۴۴۷- (ذوالفقار احمد نقشبندی/ ذرا نم ہو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی/ فیصل آباد/ مکتبۃ الفقیر/ ۲۰۰۶ء/ ص ۲۴) ۴۴۸- (فرزانہ پروین/ اعلی ثانوی سطح کے طلبہ پر مغربی ثقافت کے اثرات/ کراچی/ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن/ ۲۰۰۵ء/ ص ۵۷_۵۹) ۴۴۹- (سید قطب شہید مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی/ اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل/ لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ ۱۹۸۲ء/ ص ۱۷۷_۱۱۸) ۴۵۰- فرزانہ پروین/ اعلی ثانوی سطح کے طلبہ پر مغربی ثقافت کے اثرات/ کراچی/ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن/ ۲۰۰۵ء/ ص ۵۸) ۴۵۱- (محمد انور بن اختر/ یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر/ کراچی/ مکتبہ ارسلان/ ۲۰۰۳ء/ ص ۱۰) ۴۵۲- (ڈاکٹر خالد علوی/ ثقافت کا اسلامی تصور/ اسلام آباد/ دعوۃ اکیڈمی/ ۲۰۰۶ء/ ص ۱۸_۱۹) ۴۵۳- (مولانا سید ابو الاعلی مودودی/ عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل/ لاہور/ ادارہ معارف اسلامی/ ۱۹۹۸ء/ ص ۹۵) ۴۵۴- (سلیم خالد منصور/ تہذیبی تصادم یا بقائے باہمی/ لاہور/ منشورات/ ۲۰۰۶ء/ ص ۹_۱۰) ۴۵۵- (محمد اقبال جاوید/ پھر وہی یواین او/ کراچی/ روزنامہ جنگ/ ۲۵ ستمبر ۲۰۰۶ء/ ص ۵) ۴۵۶- (سورہ النساء/ آیت نمبر ۵۹)۔ ۴۵۷- (صحیح بخاری/ کتاب الاحکام/ باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ) ۴۵۸- (ڈاکٹر محمد امین/ مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل/ لاہور/ بیت الحکمت/ ۲۰۰۴ء/ ص ۳۰۱) ۴۵۹- (طارق اقبال چوہدری/ پاکستان میں آبادی کی صورتحال/ کراچی/ جنگ سنڈے میگزین/ ۹ جولائی ۲۰۰۶ء/ ص ۱۰) ۴۶۰- (عرفان احمد عبدالسلام/ ایک منٹ میں 160 بچے/ کراچی/ جنگ سنڈے میگزین/ ۹ جولائی ۲۰۰۶ء/ ص ۱۰) ۴۶۱- (www.bbc.co.uk/urdu/regional/story/2004/12/ printable/041203_ japan_population_as.shtml) ۴۶۲- (www.bbc.co.uk/urdu/regional/ story/2006/05/ printable/060510_ putin_population_ak.shtml) ۴۶۳- (حبیب اللہ اچکزئی/ عالم اسلام وسائل اور مسائل/ کراچی/ مکتبہ حسن/ ۲۰۰۳ء/ ص ۶۲۲)

☆○☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عامر طاسین-کراچی

عصر حاضر میں عالمی معاشرے پرنظرڈالیں تو مسلمان اقوام پوری دنیا میں انحطاط و زوال میں مبتلا نظر آتی ہیں، مشرق و مغرب میں اکثریتی ممالک ہونے کے باوجود سیاسی، معاشی، تہذیبی بحرانوں سے دوچار ہیں مسلم معاشرے جہالت، پسماندگی، بیروزگاری، گروہیت اورانارکی کا نظارہ پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ جدید ترقیات سے محروم یہ معاشرے دیگر اقوام کے دست نگر بن چکے ہیں۔غالب اقوام نے ان معاشروں کی سیاسی، معاشی اقتصادی اور تہذیبی اقدار کو اپنے کنٹرول میں کر کے ان کی ہر سطح پر ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ عالمی معیشت کا تجزیہ کیا جائے تو پورے عالم اسلام کی آمدنی صرف ایک یورپین ملک فرانس کی سالانہ آمدنی کے برابر ہے۔اسلامی ممالک علمی، تحقیقی اور تخلیقی اقدار سے محروم نظر آتے ہیں۔اپنے قدرتی وسائل اور انسانی ذرائع کو استعمال میں لانے کی سکت نہیں رکھتے۔غربت اور پسماندگی، گروہیت نے اتنا کمزور کر دیا ہے کہ غیر مسلم طاقتیں ان کی آزادی و دیگر حقوق کی پامالی میں طرح طرح کے حربے استعمال کرتی ہیں اوروہ ان کے سامنے بے بسی کی تصویر نظر آتے ہیں۔عالمی سطح پر ان کی آواز اور تشخص کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اکثریت میں ہونے کے باوجود اپنے مفادات کا تحفظ کرنے میں بری طرح ناکام ہیں۔غالب اقوام نے جہاں مسلمانوں کو سیاسی، معاشی و اقتصادی طور پر اپنے شکنجوں میں جکڑ رکھا ہے وہاں انہیں فوجی طاقت سے بھی دبانے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔فلسطین سے لیکر کشمیر تک اور افغانستان سے لے کر عراق تک، مسلمان اپنے سیاسی تشخص اور آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور ان پر تاریخ کے ہولناک مظالم ڈھائے جارہے ہیں اور وہ بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنے محکومی اور مظلومی کی اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔

پسماندگی، علمی تحقیقات، سائنسی سوچ وفکر سے محرومی کے نتیجے میں غربت، جہالت، تنگ نظری، فرقہ واریت نے مسلمان معاشروں کو طوائف الملوکی کا شکار کر دیا ہے۔ ایک طرف غالب اقوام اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے ان پر غالب ہیں اور دوسری طرف اندرونی عدم استحکام انہیں کمزور اور بے بس کر رہا ہے۔ معاشی، اقتصادی اور سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ مسلمان معاشرے فکری پستی اور زوال سے بھی دوچار ہو چکے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اسلام کی حقیقی ترقی پسند اور انسان دوست، امن پسند تعلیمات کی بجائے رجعت پسندی، تنگ نظری، جذباتیت، تشدد پسندی، انفرادیت پرستی، عقل دشمنی، اور عصری تقاضوں سے غفلت اور عدم آگاہی کو اختیار کر بیٹھے ہیں۔ بے شعوری کے اس طرز عمل یا فکری انحطاط کے نتیجے میں جدوجہد کا رخ تبدیل ہو کر رہ گیا شعوری عمل کی بجائے بے شعوری پر مبنی متشددانہ طرز عمل کو فروغ دیا جا رہا ہے۔اسلام کی امن پسند تعلیمات کی بجائے متشددا ورفرقہ وارانہ سوچ کی آبیاری دیگر اقوام اور انسانیت کے خلاف نفرت اور تعصب کو اس درجہ ہوا دی گئی کہ مسلح تحریکات وجود میں آگئیں، عقل پر جذبات غالب آ گئے اور اپنے معاشروں کی درستگی اور ارتقائی عمل میں شرکت کے بجائے تشدد کا راستہ اختیار کرنے پر زور دیا گیا جس سے شعوری تحریک کا راستہ بند ہو گیا۔لہذا اس وقت امت

مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کا تدارک وقت کی اہم ضرورت ہے۔پیغمبر اسلامﷺ ایک جامع سماجی پروگرام لے کر آئے اور امت مسلمہ ان تعلیمات کی وارث ہے۔آپﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں ارتقاء اور خوشحالی کے لئے فطری اصولوں سے متعارف فرمایا۔ارشاد خداوندی ہے۔لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃ(۱)''تمہارے لئے رسولﷺ کی سیرت طیبہ میں بہترین نمونہ ہے'' عصر حاضر میں درپیش چیلنجز ومسائل کے حوالے سے سیرتﷺ کیا رہنمائی کرتی ہے اور ان مسائل اور چیلنجز کی نوعیت کیا ہے۔آئندہ صفحات میں اس کو زیر بحث لایا جائے گا۔

اُمت مسلمہ کو درپیش اہم مسائل اور چیلنجز اور ان کا تدارک

عصری علوم میں پسماندگی

عصر حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت اُجاگر ہے اور ساتھ ہی سائنسی اور عقلی علوم کی توجیہات ہے، یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ''سائنسی ترقی سے علم ونظر کو وسعت حاصل ہوئی ہے ہر چیز عقل کی کسوٹی پر پرکھی جانے لگی۔پرانے توہمات کا تار وپود بکھر کر رہ گیا۔''(۲)مگر آج امت مسلمہ کے معاشروں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ سائنسی علوم اور فنون کے میدان میں وہ تمام اقوام عالم کے مقابلے میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔جس کا ثبوت یہ ہے کہ''دنیا بھر میں ایک سال میں تقریباً ایک لاکھ سائنسی کتب اور دو لاکھ سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ان میں اسلامی ممالک میں شائع ہونے والی کتب ومقالات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔''(۳)''پورے عالم اسلام میں سالانہ پی ایچ ڈی کی تعداد ۶۰۰ ہے جبکہ اکیلے برطانیہ میں ان کی تعداد ۲۰۰۰ ہے پورے عالم اسلام میں ۳۸۰ جامعات ہیں جبکہ صرف جاپان میں ۱۰۰۰ یونیورسٹیاں ہیں''(۴)

حالانکہ ماضی کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہی کہ مسلم دنیا نے سائنس کو بنیادیں فراہم کیں۔لیکن آج عالم اسلام کی یونیورسٹیاں صرف آلہ کار پیدا کر رہی ہیں جو صرف ترقی یافتہ اقوام کی ٹیکنالوجی کی کھپت اور استعمال کے لئے مخصوص ہیں۔اُسی تعلیمی پسماندگی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلم معاشرے جدید صنعتی ترقی میں کوئی خاص مقام نہیں حاصل کر سکے اور نتیجہ یہ ہوا کہ غیر اقوام نے ان کو اپنا دست نگر بنا دیا۔آج کے دور میں تعلیمی نظام کے حوالے سے مسلمان ممالک میں یہ تصور جڑ پکڑ گیا ہے کہ دینی علم الگ ہے اور دنیاوی علم الگ ہے۔دین اور دنیا کی اس تقسیم نے بھی اسلام کی ہمہ گیریت اور مسلمانوں کی اجتماعی صلاحیتوں پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اور بالآخر''مسلمانوں کی گزشتہ تباہی وبربادی کا اصل سبب یہی ہوا کہ انہوں نے دین ودنیا کی وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا۔بادشاہ دنیاوی کاروبار کا اور شیخ الاسلام دینی معلومات کا ذمہ دار بنا اور عیسائیوں کی طرح دین اور دنیا الگ قیصر،الگ اور خدا الگ قرار دیا گیا دینی کاموں کی فہرست الگ تیار کی گئی کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو خانقاہوں،مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر اپنے کو دنیادار قرار دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دین ہونے کے مدعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دنیا کہلانے والے خدا کے خوف وخشیت کو بھلا کر اور اس کی رضا کی دولت کو کھو بیٹھے۔اب

امت محمدیہ پر فرض ہے کہ دین ودنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات کی تدبیر تلاش کرے۔''(۵) اسلام کائنات کے سربستہ رازوں پر ہر طرح کی تحقیق کی بھرپور دعوت دیتا ہے تاکہ اپنی عقل وجستجو کے ذریعے نت نئی ایجادات کرکے معاشرے کو خوشحالی اور امن کا گہوارہ بنایا جائے۔ جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے انہیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ جدید سائنسی دور کا آغاز چودھویں صدی عیسوی سے نہیں بلکہ نزول قرآن کی تاریخ (چھٹی صدی عیسوی) سے ہوا ہے۔اُسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ کائنات کی ساری چیزیں (آفتاب وماہتاب سے لے کر ذرہ تک) اپنی اصلی ساخت اور مقصد کے لحاظ سے انسان کی خدمت گزاری کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور انسان کو یہ اہلیت دی گئی ہے کہ وہ عقل وتجربہ کی رہنمائی سے ان پر قابو حاصل کرکے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔مصر کی عطیہ الابرشی لکھتی ہیں۔

Islam is a religion of knowledge and light ,not of ignoranceand darkness.The first verse revealed to the prophet commanded him repeatedly to read and to praise knowledge and learning.

''اسلام علم وروشنی کا دین ہے نہ کہ جہالت وتاریکی کا،پیغمبر اسلام پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی میں آپ کو بار بار پڑھنے علم کی تعریف اور اسے سیکھنے کا حکم دیا گیا''(۶)

قرآن حکیم علم کو باعث ارتقاء قرار دیتا ہے۔یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۷) ''اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے اور جن کو علم دیا گیا ان کے درجات بلند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے جو تم کرتے ہو''

رسول اکرم ﷺ علم کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے حصول کو ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیتے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة(۸)''علم کا حصول ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے'' علم کی اہمیت کے حوالے سے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ انما العلم آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة(۹)'' کہ علم تو آیات محکمات یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ ہے'''اس حدیث کی تتبع میں امام غزالی نے علوم کو فرض عین اور فرض کفایہ میں تقسیم کیا ہے فرض عین تو معرفت الٰہی پر مبنی علوم ہیں جبکہ فرض کفایہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انسان کی مختلف ضرورتیں پوری کرتے ہیں مثلاً طب،زراعت،وغیرہ سوسائٹی میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو ان کی تحصیل کریں ورنہ پورا معاشرہ گنہگار ہوگا۔''(۱۰) یہی وجہ ہے کہ علماء حق ہر دور میں اس کی اہمیت بیان کرتے رہے ہیں اور اس امر کی طرف توجہ دلاتے رہے ہیں کہ جدید علوم وقت کی اہم ضرورت ہے اور امت مسلمہ کی بقاء اور ترقی کے لئے ان کا حصول ضروری ہے۔ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں۔

"According to the Quran ,there are two other sources of

knowledge.Nature and history;and it is in tapping these sources of knowledge that the spirit of islam is seen at its best."(۱۱)

''انسان کو سب سے پہلے جو علم عطا کیا گیا وہ علم اشیاء ہے۔یعنی تمام موجودات عالم اور ان کی خصوصیات وامتیازات کا علم۔اس کو ہم مختصر طور پر''علم اسماء''یا علمی مظاہر کائنات کہہ سکتے ہیں۔موجودہ دور میں سائنس جن چیزوں سے بحث کرتی ہے وہ ہی موجودات عالم ہیں'' (۱۲)

گویا سائنسی علم موجودات پر تحقیق کا نام ہے اور خالق کائنات نے سب سے پہلے آدم کو موجودات کی طرف توجہ دلا کر اس کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور اسی طرح شیخ طنطاوی اشیاء کے علوم سے واقفیت کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ فمن لم یقدرمعرفة مراتب الاشیاء لا یستحق ان یکون خلیفة علیھا۔(۱۳)''جو ہستی اشیائے عالم کے مراتب سے ناواقف ہو وہ ان اشیاء پر خلیفہ ہونے کی مستحق نہیں ہوسکتی'' رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ہمیں یہ بھی رہنمائی ملتی ہے کہ غیر اقوام کی زبان اور علوم سیکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان سے سبقت حاصل کرنے کے لئے ان کے علوم سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔اس طرح ان کی کی گئی تحقیقات سے استفادہ کر کے ہم ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں جیسا کہ ہمارے دور عروج میں لکھی جانے والی تحقیقی کتب کا عربی سے دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے ان سے استفادہ کیا گیا اور سائنسی ترقیات کو آگے بڑھایا گیا۔حضرت زیدؓ سے روایت ہے۔ قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انه یاتینی کتب من اناس لا رحب ان یقرا با احد منهل تستطیع ان تعلم العبرانیة،او قال السریانیة،فقلت نعم،قال فتعلمتها فی سبع عشر لیله۔''آپ ﷺ نے فرمایا جب میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں لیکن میں پسند نہیں کرتا ان خطوط کو کوئی دوسرا شخص پڑھے کیا تم عبرانی یا سریانی زبان سیکھ سکتے ہو تو میں نے جواب دیا ہاں پس میں نے عبرانی زبان سترہ دنوں میں سیکھ لی''(۱۴)

''حضرت زیدؓ نے فارسی بھی سیکھ لی تھی تاکہ وہ اس زبان میں روز مرہ کی گفتگو کر سکیں اور لوگوں کی ضرورتیں معلوم کر سکیں اور ان کے مختلف سوالات کے جوابات دے سکیں۔''(۱۵) سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں دیگر اقوام کی زبانوں کو سیکھنے کی تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے ''شاہ عبدالعزیز نے انگریزی زبان سیکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا۔''(۱۶)

رسول اکرم ﷺ نے دور اول میں تعلیم وتربیت کا ایک ایسا نظام وضع کیا اور اس پر عمل بھی کیا جس کے نتیجے میں ایک اعلیٰ اور باصلاحیت نسل پروان چڑھی جس نے معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا چونکہ ''تھوڑے ہی دنوں کی تعلیم وتربیت سے اگر ایک طرف خالد بن ولیدؓ ابو عبیدہ بن الجراحؓ،سعد بن وقاصؓ،سلمان فارسیؓ،وغیرہم جیسے فاتحین عالم اور سپہ سالار پیدا ہو گئے جنہوں نے قوی سے قوی اور مضبوط سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تو دوسری طرف ابوبکر بن ابی قحافہؓ،عمر بن خطابؓ،عثمان بن عفانؓ جیسے سیاسی جہاں بان بنا دیئے گئے۔اگر ایک طرف ابو ذر غفاریؓ،عبداللہ بن عمرؓ،عبداللہ بن عمرو العاصؓ جیسے زہاد وعباد وتارک الدنیا بن گئے تو دوسری طرف حکیم بن حزامؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے اعلیٰ تاجر تیار ہو گئے اگر

ایک طرف حضرت علی بن ابی طالبؓ،زید بن ثابتؓ،عبداللہ بن عباسؓ جیسے قاضی اور جج تیار ہو گئے تو دوسری طرف ابو ہریرۃؓ انس بن مالکؓ،عبداللہ بن مسعودؓ جیسے پروفیسران علوم موجود ہو گئے۔''(۱۷)

یعنی آپﷺ نے اپنے اصحاب کو اس قدر علوم اور عصری شعور سے بہرہ مند کیا کہ انہوں نے آنے والے ادوار میں پوری دنیا کو نئے تمدن اور جاندار تہذیب کی طرف بلا یا اور بہترین سیاسی،سماجی اور معاشی نظام کا تصور عطا کیا۔اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ رسول اکرمﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کو جو نظریہ تعلیم دیا اس میں دین اور دنیا کی تقسیم کا تصور نہیں تھا۔یعنی ایک صحابی جہاں ایک امام کی حیثیت سے مسجد میں فرائض انجام دے سکتا تھا تو دوسری طرف وہ ملکی سیاسی نظام کو چلانے اور پالیسیاں بنانے میں اتنا ہی ماہر بھی تھا۔

درج بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ سیرت رسولﷺ کی روشنی میں اگر مسلمان معاشرے اپنے تعلیمی نظاموں کو جدید خطوط پر استوار کریں اور اس وقت یورپ کی ترقیات سے استفادہ کرنے کے لئے ان کی زبان اور ان کی تحقیقات سے استفادہ کر کے صنعت وحرفت،معیشت اور سماجی زندگی میں ترقیات سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔اور اپنی ترقیات وعلوم کا دائرہ بڑھا کر اپنے آپ کو ان کے فکری اور تہذیبی تسلط سے نکال سکتے ہیں۔یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہئے کہ یورپ کی ترقیات سے استفادہ کر کے ہی ہم اقوام عالم میں کسی مقام کو پا سکتے ہیں اور''اگر ہم یورپ کی دو سو سال کی جدو جہد اور سائنس نے دنیائے اسباب کی تسخیر میں جو معجزات دکھائے ہیں ان کا انکار کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ترقی کی اس منزل سے بہت پیچھے چلے جائیں گے۔''(۱۸)

اس تناظر میں اگر سوچا جائے تو مسلمان معاشروں میں علم دوستی کا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے اسلحہ کی بجائے قلم اور کتاب کا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔لائبریریاں آباد ہوں،لیبارٹریاں کام کر رہی ہوں علوم وفنون کی درسگاہیں صحت مند اور قابل ذہنوں کی تخلیق کر رہی ہوں۔زندگی کی حقیقتوں سے پردہ کشائی کی جدوجہد ہو رہی ہو۔ایجاد و اختراع کا عمل ہو رہا ہو۔مادی دنیا پر کنٹرول کر کے علم وسائنس کی برکتوں کو کل انسانیت کے لئے عام کرنے کا جذبہ وعمل کار فرما ہو۔کیوں کہ''اسلام کی حکومت خدا کی حکومت ہے اور حکومت کے معنی یہ کہ اس کی نعمتیں اس کے سارے بندوں کے لئے عام ہو جائیں۔''(۱۹)لب لباب یہ کہ عصر حاضر میں مسلمان معاشروں کی علمی پسماندگی کے تدارک کے لئے اسوہ رسولﷺ میں یہ ہدایت موجود ہے کہ

- ☆ علم کا حصول ہر ایک پر فرض ہے۔
- ☆ علم کے ذریعے سے ہی معاشرتی زندگی میں ارتقاء ہو سکتا ہے۔
- ☆ غیر مسلم اقوام کی زبان اور علوم سیکھے جا سکتے ہیں۔
- ☆ ان علوم کی تربیت ضروری ہے جن کی مدد سے مسلمانوں میں قائدانہ صلاحیتیں پیدا ہوں۔

انتہا پسندی وتشدد پسندی:

موجودہ زمانے میں سماجی زندگی کے ارتقاء میں جمہوری رویوں، امن وآشتی کے نظریات وافکار، انسانی حقوق کی

پاسداری کی سوچ کا کلیدی کردار ہے۔ اس صورت میں مذہب کے نظریات و افکار ایک سوالیہ نشان کی طرح ہیں کہ آیا وہ سماجی زندگی کے اس ارتقاء میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ اور آیا مذہب آج کے دور میں عالمی امن و سلامتی اور انسانوں کا انفرادی اور اجتماعی حقوق کا کتنا ضامن ہو سکتا ہے؟ عصر حاضر کے مذہبی مفکرین و دانشوروں کے لیے یہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے کہ آیا بین المذاہب امن اور رواداری کے قیام کے لیے کس طرح کے افکار تعبیر و تشریح پیش کر سکتے ہیں جس سے انسانی معاشرے کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا بھی سامان ہو سکے اور انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق بھی محفوظ ہو سکیں۔ عصر حاضر میں مسلمان معاشروں کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ ایک طرف تو بھوک افلاس، طبقاتی کشمکش، مادیت پرستی کی پریشان کن کیفیات ہیں اور دوسری طرف مذہب کے نام پر انسانوں کا قتل عام، تشدد، دھماکے، دہشت گردی کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ پوری دنیا میں اسلام کے حوالے سے عالمی سطح پر پروپیگنڈہ ہو رہا ہے۔

اگر شعوری تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مذہبی طبقات عصری تبدیلیوں سے نا آشنا قدیم طرز عمل کے ذریعے دور جدید میں برسر پیکار ہیں۔ عقل و شعور کی بجائے تشدد سے اسلام کی حقانیت کو غالب کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ حالانکہ ''آج کا دور جمہوری رویوں اور عدم تشدد کا دور ہے۔ سیاسی تبدیلی کے لئے سیاسی شعور، منظم نیٹ ورک اور تربیت یافتہ سیاسی قیادت کی ضرورت ہے اور یہ عمل عوامی رائے اور اس کی بھرپور حمایت کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اس کے لئے عوامی خدمت کے عملی اقدامات عوام کے مسائل کے حل کا شعور و ادراک اور عوامی طاقت کو شعوری حوالے سے اس منزل تک لے جانا کہ وہ اپنے قومی مسائل کا ادراک کر سکیں'' (۲۰)

سیاسی تبدیلی کے لئے جبر و تشدد کا راستہ شعوری قوتوں کو سلب کر دیتا ہے۔ خصوصاً اسلام میں جہاد کے عمل کو تشدد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ''جہاد کو عام طور پر تیغ آزمائی اور کشور کشائی ہی سمجھا جاتا ہے اور انقلاب کے معنی ہم توڑنا پھوڑنا، قتل و غارت اور تخریب ہی لیتے ہیں'' (۲۱) حالانکہ اسلام نے جہاد کا وسیع تر مفہوم دیا ہے ''جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے اور قلم سے بھی، زبان سے بھی، دل سے بھی اور اکثر تو خود اپنے نفس سے جہاد کرنا پڑتا ہے'' (۲۲) '' قرآن حکیم کی رو سے ہمہ گیر حق و صداقت انسانی شرف و عظمت اور اعلیٰ اخلاق کے نام پر جو جدوجہد ہو وہ اسی وقت جہاد قرار دی جا سکتی ہے جبکہ نہ قومی یا نسلی اقتدار کا تصور سامنے ہو اور نہ فرقہ پرستی اور دھڑے بندی کی کوئی شکل کسی فتنہ و فساد کو پیدا کر سکے۔'' (۲۳) جبکہ عصر حاضر میں اجتماعی تقاضوں کو نظر انداز کر کے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ ''مسلمانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کرنے، معیشت کو مضبوط بنانے کے لئے اقدامات کرنے اور ایسے ہی دیگر اقدام کرنے کی بجائے صرف اور صرف جہاد (قتال) کے لیے اُٹھ کھڑے ہونا چاہئے اور پوری دنیا کے کافروں (غیر مسلموں) سے مسلح تصادم شروع کر دینا چاہئے'' (۲۴) اس طرح کے طرز عمل سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر نقصان ہو رہا ہے۔ قومی سطح پر امت مسلمہ جدید ترقیات کے عمل سے کٹ کر رہ گئی ہے مسلمان نوجوان معاشی، اقتصادی، سماجی، فکری و عقلی ترقی سے بے گانہ ہو کر رجعت پسندی اور علم دشمنی کے جذبات کا شکار ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی بے انتہا ترقی کے نتیجے میں معاشی اور اقتصادی دست نگری عام ہو کر رہ گئی ہے۔

اسلام انتہا پسندی اور تشدد پسندی کی بجائے امن و آشتی محبت اور اخوت کی تعلیم دیتا ہے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے امن کو معاشرے کے لئے اپنی نعمتوں میں سے قرار دیا ہے سورۃ القریش میں ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِیۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ وَّ اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ (۲۵) ''اللہ ہی ہے جس نے بھوک میں کھانا اور خوف میں امن عطا کیا'' اسلام کی امن پسند تعلیمات کو اپناتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ایک امن پسند شخصیت کا ہمہ گیر کردار ادا کیا بلکہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی جس کی اساس امن و امان اور بھائی چارہ پر مبنی تھی۔ آپ ﷺ اپنے ابتدائی ایام میں جب نبوت عطا نہ ہوئی تھی اس وقت سے ایک داعی امن اور امن کے قیام کی کوششیں کرنے میں سب سے زیادہ عامل تھے۔ آپ ﷺ نے دیگر مکہ کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر امن کمیٹی جس کو تاریخ میں معاہدہ حلف الفضول کا نام دیا گیا ہے جس کا قیام عمل میں لے کر آئے، جو طاقتوروں کے خلاف مظلوم کی مدد کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ آپ کی امن پسندی کا یہ عالم تھا کہ ہمہ وقت معاشرے کی اصلاح اور اخوت کے بارے میں سرگرم رہتے۔ مشہور تاریخی واقعہ حجر اسود کی تنصیب کا ہے جب مکہ کے قبائل میں ایک زبردست جنگ چھڑ سکتی تھی مگر آپ کی حسن تدبیر اور امن کے قیام لئے آپ کی سچی کاوش نے بڑے احسن طریقے سے اس تنازعہ کا تصفیہ کر دیا۔

نبوت کے عطا ہونے کے بعد آپ معاشرے کے لئے اور زیادہ کڑھن کا شکار ہوئے اور آپ نے ہمہ وقت جنگ کی بجائے امن کے راستے کو ترجیح دی۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں پر تشدد کی انتہا کر دی گئی لیکن آپ نے مکی زندگی میں جنگ و جدل سے پرہیز کیا اور امن اور مذاکرات کو اہمیت دی۔ مدنی زندگی میں حضور ﷺ نے امن کے قیام کے لئے انتہائی اقدام کئے۔ جن میں میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ جن میں آپ نے معاشرے کو انتشار، سے بچانے کے لئے مخالفین سے دب کر معاہدہ کیا اور جنگ کو ٹال کر معاشرے کو نئی امن اور سلامتی کی نوید سنائی۔

اسلام ایک صلح کل مذہب کی حیثیت سے ظاہر ہوا، اس کی تعلیمات کا بنیادی اصول ''دین میں جبر'' کے منافی ہے جو صریح نص قرآنی ہے۔ اسلام میں جبر اور زبردستی کی گنجائش نہیں۔ اسلام کا پیغام تو یہ ہے کہ اسلام کی خوبیوں اور اچھائیوں کو زبان اور عمل سے بہتر ثابت کرو۔ پھر اس کا ماننا اور نہ ماننا دیکھنے اور سننے والے پر چھوڑ دو۔ اسلام تلوار، جنگ و جدل سے نہیں پھیلا بلکہ اس کا پیغام امن و سلامتی ہے۔ اسلام اچھے رویوں، عادلانہ طرز عمل اور ظلم کے خلاف جد و جہد کی وجہ سے پھیلا۔ اسلام نے رواداری کا وہ عالمگیر تصور دیا جو کوئی مذہب پیش نہ کر سکا۔ اسلام کی امن پسندی اور غیر مسلموں کے ساتھ روادارانہ رویوں کو عیسائی اسکالرز اور تاریخ دانوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کا مصنف لکھتا ہے کہ

> ''آنحضرت ﷺ تاریخ انسانیت کے زبردست پیغمبر ہیں۔ آپ نے مذہبی تعصبات کا خاتمہ کر دیا اور مذہب کو ہر طرح کی آزادی دلا دی'' مزید لکھتا ہے کہ ''حضور ﷺ کا سلوگن تھا وہ اپنے پیروؤں سے کہتے، جس کسی نے خدا کے امن میں آنا قبول کیا خواہ اس کا مذہب کچھ ہی ہو وہ تمھاری حفاظت میں ہے۔ اس کی جان و مال اور آبرو کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسی کہ خود تم اپنی کرتے ہو'' (۲۶)

سیرت رسول ﷺ سے جہاں انسان کی دیگر آزادیوں اور فطری تقاضوں کا احترام کا سبق ملتا ہے۔ وہاں ان کو

مذہبی منافرتوں اور تعصّبات سے پاک ماحول بھی مہیا کرتا ہے ہر فرد معاشرہ اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق عبادت کرنے میں آزاد ہو اور دوسرے مذاہب کے خلاف متشدد رویہ نہ اپنائے اور ان کا احترام کرے۔لہذا قرآن حکیم معاشرے کے اندر فساد پھیلانے کی ممانعت کرتا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تُفْسِدُوْفِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلٰحِهَا (۲۷)'' اور دنیا میں صلح وامن چھا جانے کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔'' ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (۲۸)اورزمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اور پھر فرمایا۔ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (۲۹)''اور صلح بہرحال بہتر ہے''

قرآن حکیم کی ان ہی تعلیمات کا نمونہ آنحضرتﷺ کی ذات اقدس ہے۔آپﷺ نے معاشرے کو ہر طرح کے تشدد سے محفوظ بنانے کے لئے عملی اقدامات کیے اور ہمہ وقت معاشرے کی اس حوالے سے تربیت کو یقینی بنایا۔آپﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

فان دماء کم واموالکم واعراضکم حرامٌ کحرمة یومکم هذا(۳۰) بے شک تمھاری جانیں اور تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں،اُسی طرح حرمت والی ہیں،جیسے تمھارے لئے آج کے دن (یعنی حجتہ الوداع) کی حرمت ہے۔ ایک اور مقام پر رحمتہ اللعالمین فرماتے ہیں۔ المومن امته الناس علی اموالهم و انفسهم (۳۱)''مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے لحاظ سے امن پائیں''

معاشرے میں بسنے والے مختلف مذاہب اور رنگ ونسل کے افراد کے ساتھ سلوک کے بارے میں انتہائی محتاط رویہ اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ ان کی کسی بھی حالت میں دل آزاری نہ ہو۔ اس حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ تمام مذاہب کی اصل ایک ہے سب اسی خداوند کی طرف بلاتے ہیں۔لہذا کسی بھی مذہب کے پیشوا کو برا مت کہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہی کوئی پیغمبر اور حکیم ہو۔اس طرح ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّمَآاَنْتَ مُنْذِرٌوَّلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۳۲)'' آپ صرف خبردار کردینے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہ بتادینے والے ہو''

پھر ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّاخَلَافِیْهَا نَذِیْرٌ(۳۳)'' اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو'' یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے یہودیوں کے انبیاء، عیسائیوں کے انبیاء دیگر حکماء کا تذکرہ بے حد شائستہ لب ولہجہ میں کیا ہے ان کی عظمت، وقار اور تقدس کا خیال رکھا ہے۔ گویا قرآن حکیم نے یہ سمجھایا ہے کہ یہ جتنے بھی انبیاء، صلحاء تھے انہوں نے راست بازی، خدمت انسانیت اور خدائی تعلیمات کو عام کرنے کا فریضہ سرانجام دیا جس کو قرآن آگے بڑھارہا ہے جس طرح قرآن اور نبیﷺ کی عزت وتوقیر ضروری ہے اُسی طرح دیگر انبیاء علیہ السلام کی عزت وتوقیر بھی ضروری ہے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور اسی طرح اسلام کسی قوم کی دشمنی میں بھی عدل کے تقاضوں کوملحوظ خاطر رکھنے کی ہمہ وقت تلقین کرتا ہے۔قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

وَلَایَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوااللّٰهَ(۳۴) '' اور کسی قوم کی سخت دشمنی بھی تمھیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو'' رسول خداﷺ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔آپﷺ نے جنگوں کے دوران بھی دامن

عدل کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔'' عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی اس طرح روزانہ تقریباً (۲۷۴) مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا ان فتوحات میں دشمن کا ماہانہ ایک آدمی قتل ہوا۔ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے (انا نبی الرحمة انا نبی الملحمة) میں رحمت کا پیغمبر ہوں' میں جنگ کا پیغمبر ہوں) اس کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے دشمن کے ۷۰ آدمیوں کا مارا جانا (جنگ بدر میں) سب سے بڑی تعداد ہے یاد رہے کہ یہ عہد نبوی کی سب سے پہلی جنگ تھی'' (۳۵)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل اور تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کو سلامتی اور امن کا پیغام دیا اور ہر طرح کے تعصب سے پاک رہ کر انسانی رشتوں کے احترام کی تعلیم دی اور کل انسانوں کو امن وسلامتی کے سائے تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ المومن من آمنه الناس علیٰ اموالهم و انفسهم(۳۶)''مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے لحاظ سے امن پائیں'' ''اسلام نے جہاں مسلمانوں کی اقامت شعائر کی حفاظت و خیانت کے سلسلہ میں پابندیاں عائد کی ہیں۔ وہاں اس نے یہ بھی کیا ہے کہ غیر مسلموں کے لئے اس امر کی پوری آزادی تسلیم کر لی ہے کہ وہ اپنے شعائر دینی قائم کریں۔ اپنے نقائص اور معابد میں اپنی مذہبی ریت رسم پورے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ انجام دیں۔ غیر مسلموں کو اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے معاملات اور احوال شخصی پرسنل لاء۔ میں اپنے احکام کی پوری آزادی کے ساتھ پیروی کریں۔ اس رواداری اور اسلامی طرز عمل اور حریت اعتقاد کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہے۔ جو آپ ﷺ نے ذمیوں کے بارے میں فرمایا تھا۔ یعنی ہم اگر راحت میں ہیں۔تو وہ بھی آرام اٹھائیں گے، ہم اگر دکھ میں ہیں، تو وہ بھی مصیبت برداشت کریں گے۔ جتنے عہد نامے غیر مسلموں سے کئے گئے ان میں جہاں ان کی حرمت، ذات و مال تسلیم کی گئی۔ وہاں ان کی عقائد اور اقامت شعائر کی آزادی بھی مانی گئی'' (۳۷)رسول اکرم ﷺ نے انسانی معاشرے میں رحم کا برتاؤ کرنے کی ہمہ وقت تلقین کی ہے۔ تمام مخلوقات کے ساتھ رحم وکرم اخلاقیات کو اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا کام قرار دیا۔ آپ کی عملی زندگی رحم وکرم کے حسن سلوک سے بھری ہوئی ہے آپ ﷺ نے دوسروں پر رحم کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ مَن لا یَرحمُ لایُرحَمُ (۳۸)'' جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''

آپ ﷺ کی امن پسندی اور صلح جوئی کا اندازہ صلح حدیبیہ کے اس تاریخی واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب انھوں نے عام معاشرتی امن اور استحکام کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ دب کر صلح گوارہ کی لیکن معاشرتی امن وسکون کو برباد ہونے سے محفوظ کر لیا۔ تو اس حوالے سے علماء سیرت لکھتے ہیں کہ'' صلح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار اور مسلمانوں کے درمیان سلسلہء آمدورفت قائم ہو جانے سے اس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت میں کفار کی اکثر جماعتیں مشرف بااسلام ہو گئیں اور اسلامی اخلاق اور حسن سلوک نے ان کو بہت مسخر کر لیا''(۳۹)

یہ معاہدہ رواداری کی روح رواں تھا۔اس نے یثرب کی اس ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو ایک

اجتماعیت کی لڑی میں پرو کر رکھ دیا۔ اس کی بہترین مثال جو تاریخ میں رقم ہے کہ''مدینہ منورہ میں قیام کے بعد حضورﷺ نے مہاجرین و انصار کی جانب سے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور نسل و مذہب کے اختلاف کے باوجود سب کو تمدن اور تہذیب کی بنیاد پر ایک جماعت قرار دیا'' (۴۰) گویا قرآن حکیم کے احکاماتِ اصول و قوانین اور سیرت رسول ﷺ کے کردار کی روشنی میں ہر ایک مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ

☆ انسانی معاشرے میں امن وسکون کے لئے جدو جہد کرے۔

☆ دیگر مذاہب کے ساتھ انتہا پسندی کا رویہ رکھنے کی بجائے عادلانہ طرزِ عمل اپنائے۔

☆ انسانی قدروں کا احترام کرے۔

☆ انسانی معاشرے میں متشدد رویے کی بجائے رحم وکرم کا اخلاق پیدا کرے۔

☆ دوسروں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھے۔

اور قرآن حکیم کے احکامات کے ساتھ رسول اکرمﷺ کی سیرت و کردار کی اُن تعلیمات کو اگر اپنایا جائے تو کوئی شک نہیں کہ مسلمان معاشروں میں جاری انتہا پسندی اور تشدد کا تدارک ہو سکے۔

☆ معاشی دست نگری و بدحالی

''عہد حاضر کو معیشت کا عہد بھی کہا جاتا ہے مطلب یہ کہ عہد حاضر میں زندگی کے معاشی مسئلے کی اہمیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ گویا یہ مرکزی اور بنیادی مسئلہ ہے۔'' (۴۱) عصر حاضر میں امت مسلمہ کو سب سے اہم درپیش مسئلہ معاشی مفلوک الحالی ہے، اکثریت مسلمان ممالک کی معیشتیں قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔ ان ممالک کی زراعت، صنعت اور دیگر وسائل بہترین ٹیکنالوجی نہ ہونے کی وجہ سے کمزوری کا شکار ہیں۔ مسلمان ممالک کے زمینی قدرتی وسائل بے شمار ہونے کے باوجود وہ خود اس سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اکثر مسلمان ممالک کے قومی وسائل پر دیگر اقوام کی کمپنیاں اجارہ دار ہیں اور وہاں سے دولت کو سمیٹ کر اپنے اپنے ممالک کو بھیج رہی ہیں اور یہ مسلم ممالک دن بدن پسماندگی سے دوچار نظر آتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان ممالک واقوام کی دوڑ سے پیچھے رہ گئے ہیں جو دن بدن ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں۔ مسلمان ممالک کی معاشی کارکردگی کا اندازہ خوراک کے حوالے سے منعقدہ کانفرنس کی اس رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے جس میں مسلمان ممالک کی زراعت کے شعبے میں پسماندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

Realizing with utmost concern the deteriorating food security situation in the Islamic world,

Being Convinced that this unsatisfactory food security situation is the result of,

Low level of scientific and technological progress.☆

Inadequate utilization of natural resources available in the Islamic World.☆

Inadequate incentives for the production and processing of food.☆

Delivery mechanism for food production inputs.☆

درج بالا رپورٹ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا میں جہاں ٹیکنالوجی کے بحران اور انتظامی صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے زراعت کے شعبے میں ناقص کارکردگی سامنے آئی ہے وہاں معاشی کمزوری بھی اس شعبے میں ترقی کے حوالے سے رکاوٹ ثابت ہوئی ہے۔ معاشی کمزوری بھی اس شعبے میں ترقی کے حوالے سے رکاوٹ ثابت ہوئی ہے۔قرآن حکیم میں معیشت کو انسانی زندگی کے لئے اہم قرار دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیا ہے۔ارشاد قرآنی ہے۔فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوااللّٰهَ كَثِيْراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۴۳) ''جب نماز جمعہ ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی حصول رزق اور کسب معاش میں لگ جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے معیشت کو اپنا فضل قرار دیا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے معاشی جدو جہد کو ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔طلب كسب الحلال فريضة بعدالفريضة(۴۴)'' جائز ذرائع سے معاشی جدوجہد بھی اللہ کے مقرر کردہ فریضے کے بعد ایک فریضہ ہے'' انبیاء کرام علیہ السلام کی تاریخ کے مطالعے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ذریعہ معاش کے لئے مختلف پیشے اختیار کئے ''حضرت ابراہیم علیہ السلام بزاز تھے،حضرت داؤد علیہ السلام لوہار تھے ذراع (ڈھال) بناتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام درخت کے پتوں سے چیزیں بناتے تھے جسے مکاتل کہا جاتا ہے۔حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام محنت کے ذریعے کماتے تھے پیغمبر ﷺ بکریاں چراتے اور تجارت کے ذریعہ معاش کماتے تھے۔''(۴۵)

گویا معاشی تگ ودو اور محنت خوشحالی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی علامت ہے۔سیرت رسول ﷺ اس سلسلے میں امت مسلمہ کی رہنمائی کرتی ہے کہ وہ اپنی معیشت کو کس طرح مستحکم کریں اور معیشت کے مختلف شعبہ جات میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر خود کفالت حاصل کر کے اپنے آپ کو اغیار کی دست نگری سے چھٹکارا دلائیں۔رسول اکرم ﷺ نے زراعت کے شعبہ کو ترقی دینے کی ترغیب دی ہے۔کیونکہ زراعت کسی بھی معیشت میں اہم کردار ادا کرتی ہے،لہذا آپ ﷺ نے زمین کو زیر استعمال لانے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اطلبوا الرزق من خبا یا الارض''رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو''(۴۶) آپ ﷺ نے معاشی جدوجہد کو انتہائی ضروری قرار دیا اور آلات زراعت کو استعمال کرنے کی ترغیب دی اور۔لَا يَدْ خُلُ هذا بَيْتَ قَومِ الَّا اَدْ خَلَه الذِّلِ(۴۷) ''آپ ﷺ نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو قوم کی ذلت وبدحالی قرار دیا'' کسی بھی معاشرے میں معاشی نظام کی ترقی کا دارومدار اس ملک میں تجارت کے شعبے کی ترقی سے منسلک ہوتا ہے۔لہذا آپ ﷺ نے تجارت کی اہمیت بیان کی ہے اور خود بھی تجارت سے منسلک رہے۔آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیرو برکت اور رفاہیت پیدا ہوتی ہے''(۴۸) تجارت کے حوالے سے بھی آپ ﷺ نے غیر مسلم اقوام کی اجارہ داری کو ختم کیا۔آپ ﷺ نے اس مقصد کے لئے اسلامی تجارت کو فروغ دیا تا کہ غیر مسلموں کی تجارتی اجارہ داری کا خاتمہ ہو سکے۔(۴۹)

اسلام کے حوالے سے یہ طے شدہ بات ہے کہ'' بین الاقوامی تجارت کی بنیاد ہی اسلام نے ڈالی ہے۔اس سے

پہلے دنیا کو بین الاقوامی تجارت کی خبر نہیں تھی۔ تجارتیں بے شک بڑی بڑی تھیں لیکن ایک ملک اور ایک شہر میں ہوتی تھیں لیکن ایک ملک سے دوسرے ملک کو اور دوسرے سے تیسرے پھر پوری دنیا کو مال سپلائی اور پوری دنیا سے رقم اور روپیہ آئے اور جائے۔ یہ صورت نہیں تھی نہ ہی اس کے وسائل تھے لیکن اسلام نے اس کی بنیاد ڈالی۔قرآن حکیم نے ایک دو نہیں بلکہ چھ سات قسم کے سفر بتلائے۔تعلیمی سفر،تبلیغی سفر،اخلاقی سفر،تجارتی سفر، اور سیاسی سفر وغیرہ'' (۵۰) آپ ﷺ نے معاشی حوالے سے خود کفالت پر زور دیا ہے اور قرض لینے کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے آپ ﷺ اکثر ان الفاظ میں قرض سے پناہ مانگتے تھے۔''اللهم انی اعوذ بك من المغرم"(۵۱)

آپ ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں آج ہم بین الاقوامی سودی اداروں کے قرضوں سے اپنے آپ کو چھٹکارا دلا سکتے ہیں اگر ہم یہ عہد کر لیں کہ قرض سے اجتناب کریں گے اور خود کفالت کے لئے مشکلات کو برداشت کریں گے لیکن قرضہ نہیں لیں گے تو کوئی شک نہیں کہ ایک خود کفیل معیشت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت اقدس نہ صرف فرد واحد کے لیے بلکہ اجتماعی طور بھی پوری امت مسلمہ کی رہنمائی کا سبب ہے اور وہ نایاب اصول کو اس طرح بیان کرتی ہے کہ

☆ زراعت کے شعبہ کو خاص طور پر ترقی دی جائے۔
☆ تجارتی نظام کو مستحکم کر کے اُسے آزاد اور معیاری بنایا جائے۔
☆ قرض لینے کی روش ختم کی جائے اور خود کفالت کے لئے حکمت عملی وضع کی جائے۔
☆ تجارت پر غیر مسلم اقوام کی اجارہ داری ختم کرنے کے لئے حکمت عملی طے کی جائے۔

فرقہ وارانہ تعصبات:

موجودہ زمانہ میں امت مسلمہ کے اندر بھی درپیش مسائل میں فرقہ واریت کی آگ نے جو تعصبات پیدا کیے ہیں وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں کیونکہ یہی فرقہ واریت انسانی معاشروں کے لئے زہر قاتل ہے۔اس سے انسانوں کے درمیان نفرت اور تنگ نظری کا روّیہ پیدا ہوتا ہے۔احترام انسانیت اور برداشت کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر گروہیت اور فرقہ واریت نے انسانی معاشرے میں وہ کشت خون روا رکھا کہ آج بھی انسانیت لرز جاتی ہے۔فرقہ واریت کی حقیقت کو جاننے کے لئے اگر معاشرتی رویوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ ہر مذہب کا بنیادی عقیدہ ہوتا ہے کہ سچائی صرف اس کے پاس ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ گمراہ ہیں ایک مرتبہ جب یہ فرق قائم ہو جاتا ہے تو پھر اپنا اور دوسروں کا علیحدہ سے ایک تصور بنتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے علاوہ دوسرے سب دشمن بن جاتے ہیں۔پھر انہیں مارنا،ختم کرنا،یا کمزور کرنا اپنی بقاء کے لئے لازمی قرار پاتا ہے۔اسی طرح ایک فرقہ کے افراد دوسرے فرقہ کو باطل قرار دے کر اُسی قسم کے جذبات اختیار کر کے ایک دوسرے کو کمزور کرنے اور ختم کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ایسی حالت چونکہ معاشرے میں فساد کا باعث ہے لہٰذا قرآن حکیم فسادی لوگوں کو اپنی رحمت سے دور قرار دیتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَمِنَ الْمُصْلِحِ (۵۲) اور اللہ فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے ہر ایک کو جانتا ہے سو

لوگوں کے لئے (خدا کی رحمت سے) دوری ہے۔ مذکورہ آیت میں مفسد اور مصلح کے اعمال و کردار کے بارے میں اللہ خوب جانتا ہے اور یقینی بات ہے اللہ کے نزدیک صرف وہی اس کی رحمت کا مستحق قرار پا سکتا ہے جو معاشرے میں نیکی اور اصلاح کا عمل جاری رکھے گا اور مفسد شخص چونکہ معاشرے میں ظلم اور فساد کا باعث بنتا ہے لہٰذا وہ اللہ کی رحمت کی بجائے اس کے عذاب ہی کا حق دار ٹھرایا جائے گا۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ بھی اسی فساد کا شکار نظر آتی ہے۔ اُسے جہاں دیگر بیرونی مسائل کا سامنا ہے وہاں اسے اندرونی طور پر فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے حوالے سے بھی مشکلات درپیش ہیں، مسلمانوں کے مختلف فرقے آپس میں دست وگریبان نظر آتے ہیں۔ گزشتہ کئی دھائیوں سے ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی ان تعصبات کی نذر ہو چکی ہے۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ اُمت مسلمہ اپنی اجتماعی طاقت سے محروم ہو رہی ہے اور اُس کی یکجہتی کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے جس کا فائدہ غیر مسلم دشمن طاقتیں اٹھا رہی ہیں۔ اگر امت مسلمہ کو دیگر بحرانوں سے اپنے آپ کو نکالنا ہے تو اسے اندرونی استحکام اور اتحاد ویکجہتی کی سخت ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات بہترین رہنمائی کرتی ہیں قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۵۳)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (اللہ کے ساتھ اپنے فرائض) کا پورا پورا خیال رکھو اور نہ مرومگر اس حالت میں کہ تم مسلم ہو۔ تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور آپس میں جدا نہ ہو۔ اپنے اوپر اللہ کی مہربانی کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں کو جوڑا اور تم سب بھائی بھائی ہو گئے۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے اس نے تم کو اس سے بچایا۔ اس طرح اللہ تم کو اپنی آیات کھول کر بتاتا رہتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ''

مسلم اخوت اور بھائی چارگی کا یہ قرآنی درس آپ ﷺ نے عملی زندگی میں رائج کر کے دکھایا۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک مسلمان کو دوسرے کا محافظ بنا دیا ایک دوسرے کے ہر طرح کے حقوق کا نگہبان بنا دیا۔ حتیٰ کہ کعبہ کی حرمت کو ایک مسلمان کے خون کے سامنے کم قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ **قال رایت رسول یطوف بالکعبة ویقول ماطیبک واطیب ریحک ما اعظمک واعظم حرمتک والذی نفس محمد بیده لحرمته المومن اعظم عند اللہ حرمته منک ما له ودمه وان نظن به الا خیرا**۔ (۵۴) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے اے کعبہ تو کتنا پاک ہے اور تیری فضا بھی پاک ہے، تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت و عزت بھی عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ بے شک ایک مومن کی عزت وحرمت اللہ کے نزدیک تیری عزت وحرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اس کا مال، اس کا خون اور اس کی آبرو (یعنی) اس کے بارے میں سوائے بھلائی کے اور کوئی گمان نہ کرنا اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ برگزیدہ ہے۔ دوسرے مقام پر اسلامی معاشرہ میں حرمت جاں کو ضروری قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ **کل المسلم علیٰ المسلم حرام دمه وماله**

عرضه(۵۵) ''ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت و آبرو حرام ہے''۔ ایک اور مقام پر رحمتہ اللعالمین فرماتے ہیں المومن امته الناس علی اموالھم و انفسھم(۵۶)'' مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے لحاظ سے امن پائیں''اور اسی طرح بخاری شریف میں ایک روایت ملتی ہے جس میں مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ دوسرے مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہیں۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده(۵۷)''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''امت مسلمہ تو ایک ایسے عظیم پیغمبر ﷺ کی سیرت کی داعی ہے کہ جس کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر تحمل اور ضبط کی تعلیمات موجود ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو اُن صفات سے مزین کرنے کا حکم دیا گیا جس کے اختیار کرنے کے بعد یقینی طور پر زندگی میں بھر پور قسم کا انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور یہی انقلابی صورتیں ایک بہتر معاشرے کی نوید سناتی ہے۔

مسلم اُمّہ کی اجتماعی ذمہ داری:

آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں قرآنی احکامات اور سنت نبوی کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر والی امت قرار دیا اور خیر والی امت کے بارے میں قرآن حکیم کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے۔

كُنْتُم خَيْرَ اُ مَّةٍ اُ خرِجَتْ لِلنَّاسِ تَا مُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ و تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُومِنُونَ با اللهِ(۵۸)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''

ایک جانب تو بتادیا گیا کہ تم خیر والی امت کا درجہ رکھتے ہو اور اس خیر والی امت کا بنیادی تصور یہی سے اجاگر ہوتا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اس عمل کی جانب ہر ایک مسلمان میں انفرادی طور پر اس بات کا احساس پیدا کرنے کے لیے نہ صرف توجہ مبذول کرائی گئی بلکہ آگے مزید مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ تم میں سے کچھ ایسے لوگوں پر مبنی جماعت تیار ہونی چاہیئے جو لوگوں کو اللہ کے احکامات کی جانب دعوت ترغیب اور اصلاح کی جانب رہنمائی کریں اور انھیں تمام ایسے برے اقوال وافعال سے بچانے کی بھی ترغیب دیں جس سے معاشرے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیاں جو حق تلفی کا باعث بنتی جارہی ہو اور ان میں ظلم اور استحصال کی کیفیت پیدا ہو جائے، لہذا قرآن حکیم کی دعوت اُن اہل خیر ا، اہل استطاعت، اہل فراست اور اہل علم جو کہ نیک اور صالح ہوں اور اپنے ماحول اور معاشرے میں سماجی کردار انفرادی نوعیت کے اعتبار سے ادا کر رہے ہوں اُنھیں چاہیئے کہ وہ باقاعدہ جماعت کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ یہی جماعت کے وہ لوگ ہونگے جو اللہ کی جانب سے مسلم اُمّہ کی فلاح اور نجات کا باعث بنیں گے۔ اس جانب قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْ عُوْنَ اِلَى الْخَيرِ وَيَاْ مُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(۵۹)

مذکورہ آیت کے تناظر میں یہ بات سامنے آتی ہے نیکی کا عمل صرف یہی نہیں کہ عبادات ہی کی جانب راغب کیا جائے بلکہ تمام ایسے معاشرتی فلاحی اُمور اور ان کے تقاضے جن کی بنیاد پر کسی بھی خیر پر مبنی ہو اور اس فلاح و خیر میں اور امت کی بھلائی کا تصور نظر آئے انھیں اختیار کرنا اور جن اعمال میں انسانیت کے لیے باعث نقصان اور ضرر کے پہلو نمایاں نظر آتے ہوں ان سے اجتناب کی تحریک بھی سامنے آنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ اس طرح کے پیغامات اور دعوات کو موجودہ دور کے مطابق اگر دیکھا جائے تو مذکورہ بالا آیت کے موجودہ تناظر میں یہ تعبیر بھی پیش کی جا سکتی ہیں کہ ہم اُن تمام عصری تقاضوں کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے نہ صرف حاصل کر سکتے ہیں بلکہ انھیں پوری امت مسلمہ کے لیے موجودہ در پیش چیلنجز کا جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم کے حصول سے مقابلہ کرنے کی سعی بھی پیدا کر سکتے ہیں کیونکہ انسانیت کی فلاح میں ہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پوشیدہ ہے اور یہی باعث نجات بھی ہو سکتا ہے۔

مسلم امہ کی اجتماعی ذمہ داریوں میں علوم کی اہمیت کو مسلمہ حیثیت حاصل ہے جس کے بغیر آج مسلم معاشرے کے ارتقائی سفر میں مقابلہ ناگزیر ہوتا جارہا ہے۔ حقیقی معنوں میں علم کی اہمیت کو سمجھتے اور جانتے ہوئے بھی آج اُسے در پردہ رکھدیا جائے تو موجودہ مسائل کے حل میں بالخصوص مسلم ممالک میں سیرت نبوی ﷺ کے احکامات کی روشنی میں وہ کیا تبدیلیاں رونما کی جا سکتی ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے اردگرد در پیش مسائل کا مقابلہ کرنے کی سعی کر سکیں۔ لہذا نبی علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق تعلموا العلم و علموہ الناس (۶۰) ''علم سیکھو اور اسے لوگوں تک پہنچاؤ'' کی اہمیت جب تک واضح اور اجاگر نہیں ہوگی ہم اس وقت تک در پیش چیلنجز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

نتائج:

اس اعلیٰ درجہ کی صفات کے حامل پیغمبر ﷺ کے پیرو کاروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سیرت کے آئنے میں پرکھیں اور معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے عمل کر کے دکھایا۔ سیرت اور اقوال پیغمبر ﷺ سے ہمیں یہ ہدایت میسر آتی ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ ہر قسم کی دل آزاری، بدزبانی، بہتان تراشی اور بداخلاقیوں کی ممانعت ہے۔ مسلمان کا مسلمان کے ہاتھ سے محفوظ رہنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی فرقہ واریت، دہشت گردی، تخریب کاری پر پابندی عائد ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ کا مقصود اصلی یہ تھا کہ انسانی معاشرے کو حیوانی معاشرے میں تبدیل ہونے سے بچایا جائے اور ایسا معاشرہ تشکیل پائے جس کی اساس بقائے باہمی پر ہو۔ آپ ﷺ نے امن و سلامتی، محبت و اخوت کے اس پیغام کو عالمی سطح پر بھی پہنچایا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے انسان دوست تھے اور معاشرے کے اندر وحدت اور بھائی چارے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتے تھے۔ آپ انسانیت سے بے حد محبت کرتے۔ غیر مسلموں حتیٰ کہ کفار و مشرکین جو آپکو ہمیشہ ضرر پہنچاتے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے کی جستجو میں رہتے تھے ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرتے۔ اگر ان میں سے کسی کو تکلیف پہنچتی یا بیمار ہوتا تو اسکی مدد و عیادت کرتے۔ روز مرہ زندگی میں بلا تفریق سب کے کام آتے۔ خود بھوکے رہتے دوسروں کو کھانا کھلاتے۔ حضور ﷺ نے اسی جذبہ انسان دوستی کے تحت معاشرے کے اندر اخوت اور بھائی چارے کی فضاء پیدا کی۔ آپ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو تاریخ کا سب سے

عمدہ مظاہرہ'' مواخات'' کے نام سے ہوا جو کہ بھائی چارے کا ایک ایسا اظہار تھا کہ تاریخ اسکی مثال پیش نہیں کر سکتی'' مواخات'' بھائی چارے کے اسی اصول پر آپؐ نے مدینہ کے معاشرے کی اساس رکھی اور اگے چل کر اسی اساس پر میثاق مدینہ وجود میں آیا۔

خلاصہ یہ سامنے آیا عصر حاضر میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کے حل میں سیرت رسولﷺ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے اور نہ صرف یہ کہ بہترین مثالی معاشرہ کی تشکیل کا بھی پیغام دیتی ہے اور ساتھ ہی ان خصوصیات کو بھی ظاہر کرتی ہے جو انسانیت کی اور مفاد عامہ کے لیے بھی مفید ثابت ہوسکتی ہے اس تناظر میں آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہم سیرت رسولﷺ کی روشنی میں ایک رواداری مسلم معاشرہ کا قیام عمل میں لائیں کیونکہ بہتر معاشرہ کی علامات ہی یہ وہ خوبیاں ہیں۔

☆ محبت والفت

☆ حقوق کی ادائیگی

☆ صبر وبرداشت

☆ بغض اور عناد سے اجتناب

☆ مسلمان کا احترام، جان ومال کی حفاظت

☆ ایک دوسرے کی تحقیر اور تکفیر کی ممانعت جیسے اہم مقاصد کی تکمیل ہی میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کا تدارک کر سکتے ہیں۔کیونکہ بحیثیت مسلمان''مسلمان مکلف اور پابند ہیں کہ وہ اصلاح معاشرہ اور تبدیلی نظام کے لئے جب بھی کوئی کام کریں اسی پیغمبرانہ طریق کار سے کریں جو سیدالانبیاء خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰﷺ نے اپنے عمل سے پیش فرمایا اور جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔''(۶۱)

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

ا۔ القرآن،۳۳:۲۱۔ ۲۔اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل،محمد مقبول عالم بی اے،شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن،ملتان،ص۳۔ ۳۔ سائنس کی اعلیٰ تعلیم اور پاکستان،ڈاکٹر عطاء الرحمٰن،مکتبہ علم،لاہور،ص۴۷۔ ۴۔روزنامہ جنگ،۲۱ اپریل ۲۰۰۱ء (کالم نگار ارشاد احمد حقانی) ۵۔ دین وحدت،مولانا سید سلیمان ندوی،شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن،ملتان،ص۲۹ تا۳۰۔ ۶۔ l-Abrashi,Atiya.Education in islam translated to ismail kashmiri.pub.the supreme council for islam affairs,Cairo,Egypt,1967 ۷۔ القرآن،۵۸:۱۱ ۸۔ ابن ماجہ، ابو عبداللّٰہ محمد بن یزید قزوینی،السنن دار المعرفہ،بیروت،جلد۱،ص۷۹۔ ۹۔ سنن ابو داؤد،سلیمان بن اشعث السجستانی،ابو داؤد،کتاب الفرائض،کراچی،دارالاشاعت ۱۰۔احیاء العلوم الدین،ابو حامد الغزالی،بیروت، دارامعرفتہ،س ن،جلد اول،ص ۲۴۲۔ ۱۱۔ The recnstruction of religious thought in islam,Doctor allama iqbal,p-102 ۱۲۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں،مولانا شہاب الدین ندوی،مجلس نشریات اسلام،کراچی،۱۹۸۳ء،ص۴۰۔ ۱۳۔ ایضاً ۱۴۔ طبقات ابن سعد،محمد بن

سعد،اردو ترجمہ،کراچی،نفیس اکیڈمی،۱۹۸۱ء،جلد۲،ص۳۵۸۔ ۱۵۔ ڈاکٹر حمیداللہ،خطبات بہاولپور، اسلام آباد،ادارہ تحقیقات اسلامی،۱۹۹۲ء،ص۳۰۹۔ ۱۶۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،مولانا مناظر احسن گیلانی،جلد ا،ص۳۶۳۔ ۱۷۔ دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم،مولانا سید حسین احمد مدنی،شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن،ملتان،ص۷۔ ۱۸۔ شعور وآگہی،عبید اللہ سندھی،مولانا،لاہور،مکی دارالکتب،۱۹۹۴ء،ص۵۴۔ ۱۹۔ ایضاً،ص۵۵۔ ۲۰۔ ماہنامہ،تعمیر افکار،مدیر پروفیسر ڈاکٹر حقانی میاں قادری،کراچی،جلد ۲،مارچ ۲۰۰۲ء، شمارہ ۱۰،ص۶۲۔ ۲۱۔شعوروآگہی،عبیداللہ سندھی،مولانا،محولہ بالا،ص۵۲۔ ۲۲۔ ایضاً،ص۵۳۔ ۲۳۔ ایضاً،ص۱۳۰۔ ۲۴۔ اسلام میں تصور جہاد اور دور حاضر میں عمل جہاد،مبشر حسین لاہوری،حافظ،لاہور،دعوت واصلاح سینٹر،۲۰۰۳ء،ص۴۷۳۔ ۲۵۔ القرآن،۴:۱۰۶۔ ۲۶۔ انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا''مقالہ اسلام''،فلپ ڈبلیوجونز،شگاگو، آئی سی این،۱۹۸۷ء ۔ ۲۷۔ القرآن،۷:۵۶۔ ۲۸۔ القرآن،۲:۶۰۔ ۲۹۔ القرآن،۴:۱۲۸۔ ۳۰۔ البخاری،کتاب الایمان، باب المسلم من سلمه، رقم الحدیث ۹۔ ۳۱۔ سنن ابن ماجه، ابو عبداللّٰه محمد بن یزید بن ماجه،بیروت، دارالمعرفه، ۱۹۹۸ء،ص ۲۹۰۔ ۳۲۔ القرآن، ۱۳:۷۔ ۳۳۔ القرآن،۲۴:۳۵۔ ۳۴۔ القرآن،۵:۸۔ ۳۵۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی،حمیداللہ،حیدرآباد دکن،مکتبہ ابراہیمیہ،۱۹۴۹ء،ص ۲۶۵،ج ا۔ ۳۶۔ سنن ابن ماجه،باب حرمه دم المؤمن وماله، لکھنؤ، مطبع اصح المطابع، ۱۳۱۵،ص ۲۹۰۔ ۳۷۔ اسلام اوررواداری،مولانا رئیس احمد جعفری ندوی،لاہور، ادارہ ثقافت اسلامی،۱۹۵۵ء،ص۹۴تا۹۵۔ ۳۸۔ البخاری،باب یبل رحم ببلالها،رقم الحدیث ۹۲۲۔ ۳۹۔ نورالبصر فی سیرت خیرالبشر، مولانا حفظ الرحمن سیو ھاروی،لاہور، سنی پبلیکیشنز، ۱۹۸۰ء،ص ۱۲۲۔ ۴۰۔ حیات سرور کائنات ﷺ،ملا واحدی دہلوی،کراچی،دفتر رسالہ نظام المشائخ،۱۹۵۳ء،ص ۲۰۲،ج ا۔ ۴۱۔ ماہنامہ،تعمیر افکار،اشاعت خاص بیاد علامہ محمد طاسین،زوار اکیڈمی پبلی کیشنز،کراچی جون جولائی۔ اگست ۲۰۰۶ء،ص۱۱۴۔ ۴۲۔ The Sixth Islamic Republic of Dakar ,held in Summit Conference (Session of Al-Quds Al-Sharif, Concord and Unity) Senegal from 3 to 5 Jumada Al-Thani, 1412H (9-11 December 1991) ۴۳۔ القرآن،۴۲:۱۰۔ ۴۴۔ طبرانی،المعجم الکبیر،موصل، مکتبه العلوم والحکم،۱۹۸۳،ج۱،ص۷٤۔ ۴۵۔ کتاب الکسب،امام محمد بن الحسن الشیبانی،مکتبه المطبوعات الاسلامیه،حلب،۱۹۹۷ء،ص۷۵۔ ۴۶۔ ابن کثیر البدایة، عماد الدین ابن کثیر،مصر،مطبع مصطفیٰ محمد،۱۹۳۷ء،ج۷،ص۳۵۔ ۴۷۔ البخاری،باب فی الحرث، کتاب المزارع،رقم حدیث ۲۱۸۵۔ ۴۸۔ کنز العمال،کتاب فی انواع الکسب وادابه۔ ۴۹۔ صحیح بخاری،شرح تفہیم البخاری،جلد۱،ص۵۶۱۔ ۵۰۔ دینی تمدن کی تشکیل نو،مولانا قاری محمد طیب،شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن،ملتان،ص ۱۱۔ ۵۱۔ البخاری، باب من استعاذ من الدین،مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ۔ ۵۲۔ القرآن،۲:۲۲۰۔ ۵۳۔ القرآن،۶:۱۰۳،۱۰۲۔ ۵۴۔ ماجه، ابو عبداللّٰه محمد بن یزید بن،سنن ابن ماجه،بیروت، دارالمعرفه، ۱۹۹۸ء،ص ۲۹۰۔ ۵۵۔ایضاً۔ ۵۶۔ ایضاً۔ ۵۷۔ البخاری،کتاب الایمان، باب المسلم من سلمه، رقم الحدیث ۹۔ ۵۸۔ القرآن ۳:۱۱۰۔ ۵۹۔ القرآن ۳:۱۰۴۔ ۶۰۔سنن دارمی،ج ا،ص ۸۴،رقم الحدیث۱۲۲۔ ۶۱۔ ماہنامہ تعمیر افکار،اشاعت خاص بیاد علامہ محمد طاسین،زوار اکیڈمی،۲۰۰۶،ص ۲۱۸

☆--☆--☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اوران کا تدارک

سیرت طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

حافظ عطاء الرحمٰن- وہاڑی

مسلم امہ ایک نظریاتی امت ہے۔ان کے نظریۂ حیات کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی:

عن عبداللہؓ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان الا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ ویوتوا الزکوۃ فاذا فعلوا عصوا فی دماء ھم واحوالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ(۱)

''سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں پس جب یہ (باتیں/کام) کرنے لگیں تو مجھ سے اپنے خون اور مال کو بچا لیں گے، سوائے حق اسلام کے اور ان لوگوں کا حساب اللہ کے حوالے ہے''

سورۃ توبہ میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے

ان تابوا واقاموا الصلواۃ وآتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم(۲)

اگر (کفار شرک) توبہ کرلیں نماز قائم کریں زکوۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو۔

چمنستان دہر میں اس نظریہ کے حامل افراد کو مسلمان کہا جاتا ہے، امت مسلمہ دنیائے آب وگل کا 1/4 حصہ ہے۔اس کی 55 کے قریب آزاد ریاستیں قائم ہیں۔مسلم امہ کی اکثریت براعظم ایشیا اور افریقہ میں آباد ہے۔مسلم آبادی کا کچھ حصہ یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا میں بھی آباد ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے مسلم امۃ درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

1۔ وہ ممالک جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور ان کی اپنی حکومتیں قائم ہیں۔

2۔ ایسے ممالک جہاں مسلم آبادی اور غیر مسلم آبادی تقریباً برابر ہے یا مسلم آبادی وہاں کی بڑی اقلیت ہے لیکن حکومت غیر مسلم ہے۔

3۔ ایسے ممالک جہاں مسلم آبادی اقلیت میں ہے اور مسائل کا شکار ہے۔

دورِ جدید میں امت مسلمہ بے شمار مسائل کا شکار ہے مسلمان خواہ حکومت میں ہیں یا صرف عوام ہی ہیں۔ یا اقلیت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔لیکن ان کے مسائل میں حیرت انگیز طور پر مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جب امت مسلمہ کے زخموں کے چور چور وجود پر نظر دوڑاتے ہیں تو جو مسائل اسے درپیش ہیں ان کی صورت کچھ اس قسم کی بنتی

نظر آتی ہے۔

(۱) نااتفاقی (۲) جدید علوم ناآشنائی (۳) غیر مسلم اقوام کی اندھی تقلید (۴) دین سے دوری (۵) معاشی عدم توازن (۷) ناانصافی (۸) حکمران وعوام میں فاصلے اور بعد (۹) مسلسل امہ میں سیاسی عدم استحکام، مسلم امہ کی مختلف بلاکس میں تقسیم، غیر واضح سیاسی نظام، افراط وتفریط کا شکار معاشرہ، میڈیا پر غیر مسلم اقوام کی اجارہ داری، نام نہاد دہشت گردی کے لیبل کا شکار، بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا فقدان، علمائے اسلام کا جدید علوم و رجحانات سے بے بہرہ ہونا، علمائے دین کا قدیم و جدید نظریات میں منقسم ہونا، جہاد سے بے رغبتی، دینی حمیت کا فقدان، غیر مسلم اقوام کے منفی پروپیگنڈہ سے مرعوبیت، مرکزیت کا فقدان، مغربی ثقافتی یلغار کے اثرات، جدید فنون سے بے رغبتی، نظریاتی پستی، قابل اور ہنر مند افراد کی پذیرائی نہ ہونا۔ UNO میں بالخصوص اور عالمی برادری میں بالعموم کوئی خاص اہمیت کا نہ ہونا، وسائل بکثرت لیکن عالمی منڈی میں کلیدی کردار کا عدوم، فرقہ واریت کا فروغ، انتہا پسندی کے جزیات کی آبیاری و وجود، جدید فن حرب وضرب اور عسکری رجحانات سے ناآشنائی۔

جملہ مسائل کا حل صرف اور صرف رجوع الی اللہ وسنۃ رسول اللہ میں ہی موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپناتے ہوئے نظام سیاست کو خلافت میں تبدیل کر دیجیے اور غیر مسلم اقوام کے خلاف اعلان جہاد کر دیجیے۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب اسلام کا دنیا میں غلبہ ہوگا۔

جہاد کے لیے افراد تیار ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق عالم اسلام میں باقاعدہ افواج کی تعداد 66 لاکھ ہے۔(۳) صرف جذبہ اور اتنی بڑی فوج کو ایک کمان کے تحت کرنے سے ہی اتنی بڑی طاقت عالم اسلام کو میسر آ سکتی ہے۔ جس کا اندازہ اغیار کو بھی ہے۔ اسی لیے وہ عالم اسلام کو متحد نہیں ہونے دے رہے۔ لیکن عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر اتحاد پیدا کرے۔ آقاء نے مدینہ قدم رنجہ فرما ہوتے ہی مواخات اور میثاق مدینہ فرمایا تھا۔ اس میثاق کی شق ۴۶ کے تحت شرکائے معاہدہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف مشترکہ دفاع کے پابند تھے۔(۴) آپ ﷺ یہود اور غیر مسلم افراد کو بذریعہ معاہدہ دفاع مدینہ پر مجبور کر سکتے تھے تو آج عالم اسلام جملہ اسلامی ممالک کی اتنی بڑی فوجی طاقت کو ایک کمان کے تحت کیوں نہیں کر سکتا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان موجود ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

''اللہ کی رسی کو تم سب مل کر مضبوط تھام لو پھوٹ نہ ڈالو''(۵)

جب نااتفاقی ختم ہو گی، اتحاد پیدا ہوگا، غیر اقوام پر رعب و دبدبہ ہوگا، وسائل پہ عالم اسلام کا تصرف ہوگا، منفی پروپیگنڈہ خود بخود رک جائے گا۔ UNO میں اہمیت ہو گی، بین الاقوامی منڈی میں راج ہوگا، مغربی ثقافتی یلغار دم توڑ دے گی، غیر اقوام کے سلیم العقل افراد مائل باسلام ہوں گے اور اسلام دنیائے عالم کا امام ہوگا۔

اندرونی طور پر فرقہ واریت کا خاتمہ ہوگا۔ علماء میں قدامت و جدت پسندانہ رجحانات احتشام پذیر ہوں گے۔ انتہا

پسندی، دہشت گردی جیسے دوسرے تخریبی رجحانات خود بخود بیخ و بن سے اکھڑ جائیں گے۔ حکمران و رعایا میں جو بعد اور فاصلے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔

(ب) آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے دوسرا اہم کام یہ کرنا ہے کہ اسلامی فوج کو جدید فن حرب وضرب سے لیس کیا جائے۔

آپ ﷺ کا قافلۂ جہاد بدر سے چلتا ہے۔ اور حنین پر پہنچتا ہے۔ بدر و حنین میں آپ ﷺ روایتی طریق جنگ لڑ رہے ہیں لیکن جونہی قافلہ جہاد وادی طائف پہنچتا ہے آپ منجنیق بھی میدان جہاد میں استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

(ج) تیسرا سب سے بڑا اور اہم کام یہ کرنا ہے احیائے خلافت کیا جائے۔ اسلام کا مزاج اور ہے۔ عیسائیت کا مزاج اور ہے یہودیت کا اپنا مزاج ہے۔ ہندوازم بھی اپنے مخصوص مزاج کا حامل ہے لیکن اسلام کی بقا اور اور اسلام کا استحکام صرف اور صرف خلافت میں ہی مستور و پوشیدہ ہے۔ عالم اسلام جب تک خلافت سے وابستہ رہا۔ عالم کفر پہ اس کا رعب و دبدبہ طاری رہا۔ جونہی خلافت کی چھتری ملت اسلامیہ کے سر سے اتری اغیار اسے نوچنے کو دوڑے اور آج ملت اسلامیہ کا وجود زخموں سے چور ہے۔ ان زخموں کا مداوہ صرف خلافت ہی ہے۔

مسند احمد میں بروایت نعمان بن سبیہ از روایت حذیفہ منقول ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا

''تکون النبوۃ فیکم اذا ماشاء اللہ ان تکون، ثم یرفع ھا اذا شاء ان یرفعھا، ثم تکون خلافت علی منھا ج النبوۃ فتکون ماشاء اللہ فتکون، ثم یرفعھا اذا شاء ان یرفعھا، ثم تکون ملکا عضوضاً فتکون ماشاء اللہ ثم یرفعھا اذا شاء ان یرفعھا، ثم ملکاً حیریۃ ثم تکون خلافه علی منھا النبوۃ

حدیث مبارکہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے:

۱۔ امت مسلمہ کا دور اول اور ابتدائی زمانہ نبوت کا ہوگا۔

۲۔ دوسرا دور خلافت کا ہوگا لیکن یہ خلافت نبوت کے طریق پہ ہوگی۔ یعنی خلافت راشدہ

۳۔ تیسرا دور خلافت تو ہوگی لیکن اس میں ملوکیت آ جائے گی۔ جیسے خلافت امیہ، عباسیہ، عثمانی

۴۔ امت اسلامیہ کا چوتھا دور وہ ہوگا جس میں جمہوریت، آمریت، طالع آزمائیت اور مطلق العنان حکمران ہوں گے۔

۵۔ اس بدترین دور کے بعد پھر امت خلافت کی طرف رجوع کرے گی۔

حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت اس وقت چوتھے دور سے گذر رہی ہے۔ اس دور میں کچھ ایسے اسلامی ممالک ہیں جہاں وراثتی بادشاہت ہے جیسا کہ سعودی عرب و اردن اسی طرح آمریت ہے جیسا کہ پاکستان میں ہے۔ شام مصر ایسے ممالک ہیں جہاں مطلق العنانیت قائم ہے۔ انتخاب بھی ہوتے ہیں لیکن صرف ایک ہی پارٹی ہے اور وہی برسراقتدار ہے۔ اسی طرح افغانستان و عراق ایسے ممالک ہیں جہاں طالع آزمائیت حکمرانی ہے۔ مختلف افراد مختلف

ممالک کی مدد سے قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ بہرحال کوئی بھی سیاسی نظام ہو اور کسی بھی اسلامی ملک میں رائج ہو اس کی جڑیں عامۃ المسلمین میں نہیں ہیں۔ اور یہ نظام اسلامی نظام خلافت سے کسی صورت بھی میل نہیں کھاتا۔ اس لیے عالم اسلام اس قدر مسائل میں گھرا ہوا ہے اور درپیش چیلنجز اس کے علاوہ ہیں۔

مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں بحوالہ طبرانی ابن عباسؓ سے منقول حدیث کے الفاظ بھی حدیث بالا کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔لیکن اس حدیث میں نبی ﷺ نے ان حالات میں جہاد کا حکم فرمایا ہے۔ حدیث مبارکہ کا متن ہے:

''قال رسول الله اول هذا لامر نبوة ورحمة ثم يكون خلافت ورحمة ثم يكون ملكا ورحمة ثم يكون امارة ورحمة ثم .... فعليكم بالجهاد''

یعنی ملت اسلامیہ کا ابتدائی سیاسی ڈھانچہ نبوت کی بنیاد پر قائم ہوگا۔ دور نبوت سراپا رحمت ہوگا۔ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف ۹ سال کے عرصہ میں ۱۱ لاکھ مربع میل علاقے کو مشرف بہ اسلام فرمایا۔ روم و ایران اس دور کی سپر پاورز تھیں۔ اس کا غرور خاک میں ملایا۔ عرب کے بدوؤں میں اتحاد و اتفاق کی ایسی روح پھونکی کہ تہذیب جدید کے بانی قرار پائے۔ جاہل و ناخواندہ تھے۔علم،تعلیم اور تعلیم کے امام ٹھہرے۔

۲۔ آپ ہی کے فیض یافتہ اصحاب نے خلافت راشدہ کی داغ بیل ڈالی۔ دنیا کو امن ملا۔ انصاف ان کی دہلیز تک پہنچا،علم کو فروغ حاصل ہوا۔ بہرحال یہ دور بھی سراپا رحمت تھا۔

۳۔ خلافت راشدہ کے بعد نام تو خلافت ہی کا استعمال ہوتا رہا۔لیکن ان میں کسی قدر دینی حمیت تھی۔ شورائیت تھی۔ انصاف تھا۔ امن وامان تھا۔ غلبۂ اسلام موجود تھا۔ خلافت کا سایہ عالم اسلام پر فگن تھا۔ خلفاء جہادی قافلوں کی قیادت کرتے۔

۴۔ اب خلق کی ہمت جواب دے گی۔خلق کی جگہ امراء آئے انفرادی حیثیت میں انہوں نے نخل اسلام کی آب یاری کی جیسے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی وغیرہ۔ یہ دور چلتا رہا حتیٰ کہ 1924ء میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ خلیفہ اسلام جو اسلام کی مرکزیت و طاقت کا محور تھا۔ اسے جلا وطن کر دیا گیا۔ پھر نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق امت کا پانچواں دور شروع ہوا۔

۵۔ کہ ایسے حکمران مسلط جو کاٹنے والے۔ انہوں نے اسلام کی عظمت وسطوت کو کاٹا۔ آپس میں ایک دوسرے کی قرابت داریوں کو کاٹا۔ جب ملوکیت کے نام پر لوگوں کو لڑایا کبھی آمریت کے دلدادہ قوم کے پیچھے لگ گئے، بہرحال یہی وہ دور ہے۔جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دور میں تم پر لازم ہے کہ جہاد کرو۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ فعليكم بالجهاد قابل غور ہیں۔ اور اگر آپ ﷺ کے اسی حکم پر عمل ہو جائے تو امہ مسلمہ کے تمام مسائل خودبخود حل ہو جاتے ہیں۔ جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت نظر آتی ہے۔

''وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون''

''انسان اور جنات کو میں نے صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

''یا ایھا الذین امنوا ادخلو فی السلم کافۃ''

اے ایمان والو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

پورے اسلام پر عمل ممکن نہیں جب تک قرآن وسنت کا علم نہ ہو۔

یرفع اللہ الذین امنو منکم والذین اوتوا العلم درجات

اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے درجات بلند کر دے گا۔ جو ایمان لائے اور علم دیے گئے۔

قرآن وسنت کے علم کا ہونا ممکن نہیں جب تک تبلیغ واشاعت دین کا بندوبست نہ ہو۔

''یایھا الرسل بلغ ما انزل الیک من ربک''

اے رسول ﷺ جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، پہنچا دیجیے۔

تبلیغ واشاعت دین کا بندوبست نہیں ہوسکتا جب تک بذریعہ جہاد اسلام کو دنیا پر غالب نہ کر دیا جائے۔

''فقال فی سبیل اللہ لاتکلف الانفسک وحرض المومنین عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا واللہ اشدبا ساً واشد تنکیلاً (۱۴)

''تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہے، تجھے صرف تیری ہی نسبت حکم دیا جاتا ہے۔ ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہے، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالیٰ سخت قوت والا ہے۔ اور سزا دینے میں بھی سخت ہے''

غلبہ اسلام ممکن نہیں جب تک موجودہ تمام اسلامی ممالک کو ملا کر ایک عظیم تر اسلامی مملکت ''دارالسلام'' کو معرض وجود نہ لایا جائے۔

''ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ''

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے''

اور یہ ممکن نہیں ہے جب تک خلیفہ وخلافت متمکن نہ ہو۔

''ولا تھنوا ولا تحزنو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۱۵)

''تم نہ سستی کرو، اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایمان دار ہو''

معلوم ہوا کہ ملت اسلامیہ کی کامیابی وکامرانی کا اصل دارومدار ایمان پر ہے۔ ان کی اصل قوت بھی ایمان ہی ہے۔ سستی اور غم سے کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ ایمان میں کمی آتی ہے۔ اس لیے ان سے بچنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اہل ایمان ہی سے اللہ تعالیٰ نے وعدۂ خلافت (حکومت فی الارض) فرمایا ہے۔

وعد اللہ الذین امنو منکم وعملو الصلحت لیستخلفنھم فی الارض (۱۶)

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ

انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا'' یعنی زمین میں غلبہ وحکومت عطا کرے گا۔

اس خلافت ارضی کا فائدہ کیا ہوگا؟

ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا (۱۷)

''اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا''

یہی وہ حقیقت ثابتہ ہے جس کا مظہر دور خلافت وملوکیت اور امارت تھا۔ اور اس کی ابتدا عہد نبوت سے ہوئی تھی۔

عالم اسلام کو درپیش چیلنجز میں سے سب سے بڑا اور اہم چیلنج جو درپیش ہے وہ قبلہ اول کی آزادی ہے۔ اس کے بعد مشرق وسطیٰ میں اقوام مغرب کی مداخلت جس کا شاخسانہ عراق و لبنان کی صورت میں ملت بھگت رہی ہے۔ علاوہ ازیں کشمیر کے مسلمانوں کو اپنا حق استصواب رائے ملنا بھی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ روسی عظمت وسطوت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد وہاں کی مسلم آبادی میں پیدا شدہ آزادی کی تڑپ بھی ایک لمحہ فکریہ ہے۔ ہندوستان میں مسلم قوم اور مسلم ثقافتی ورثہ کو بھی خدشات لاحق ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں بسنے والی مسلم آبادی بھی تعصب کا شکار ہے۔

درپیش چیلنجز میں سے ایک چیلنج یہ بھی ہے کہ UNO میں مسلم امہ کی واضح نمائندگی کے باوجود کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان کی کوئی موثر آواز نہیں ہے۔ امت کے حقوق کے تحفظ کے دعوے دار حکمران اپنا اقتدار بچانے کی خاطر غیر مسلم اقوام بالخصوص امریکہ کے کاسہ لیس ہیں۔ اپنے دفاع کے لیے غیروں کے دست نگر ہیں۔ علاوہ ازیں امت مسلمہ کے جوان خون میں ایک تڑپ اور امنگ پیدا ہو رہی ہے لیکن کوئی ایسی فکری، روحانی اور تنظیمی رہنمائی اور رہنما موجود نہیں جو ان کی اس پیاس کو بجھا سکے۔ جس کے نتیجے میں تشدد وانتہا پسندی کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ جو ملت کے لیے ایک کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

موجودہ مسائل ہوں یا درپیش چیلنجز ان کا تدارک سیرت پاک سے حاصل کردہ رہنمائی سے ہی ممکن ہے۔ درج ذیل اقدامات تجویز کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ملت اسلامیہ اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرے۔ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد مغربی اقوام کی قائم کردہ سرحدیں ختم کر دیں اور پورے عالم اسلام ایک مملکت کا مظہر ہو۔ تمام عالم اسلام کا دفاع، خارجی تعلقات اور کرنسی ایک ہی ہو۔ حکمران اعلیٰ امیر کہلائے یا خلیفہ اس کے ماتحت ممالک اسلامیہ اپنی علاقائی ضروریات و مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے انتظامیہ قائم کریں۔ جیسا کہ خلافت عباسیہ وعثمانیہ میں ہوتا رہا ہے۔

2۔ UNO میں عالم اسلام کو ایک سپر پاور کے طور پر منوایا جائے اور انہیں بھی ویٹو کی پاور حاصل ہو۔ بلکہ اقوام متحدہ میں عالم اسلام کو اہم مقام حاصل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ میثاق مدینہ میں مدینہ کے حکمران کی حیثیت نبی ﷺ کو حاصل تھی۔ (۱۸)

3۔ عالم اسلام کو جدید علوم وفنون اور فن حرب وضرب سے روشناس کروایا جائے۔ غزوہ بدر کے قیدیوں اور محاصرۂ طائف سے یہی سبق ملتا ہے۔

4۔ عالم اسلام کے ہر نوجوان کو عسکری تربیت دی جائے اور سالانہ اس کا اعادہ (مشق) بھی ضرور ہو۔ اس کی مقررہ تعلیمی حد میٹرک ہونی چاہیے۔

5۔ عالم اسلام کو خالق ارض و سماء نے لامتناہی معدنی وسائل سے نوازا ہے۔ تمام وسائل کو امت کا مشترکہ ورثہ قرار دیا جائے اور عالم اسلام کی فلاح پر خرچ کیے جائیں۔

6۔ نظام خلافت و امارت کے قیام و احیاء کے لیے اور اس کو بقائے دوام بخشنے کے لیے سابقہ تجربات اور جدید حالات کے تناظر میں مستقل پالیسی وضع کی جائے تاکہ یہ نظام رحمت الٰہیٰ کا موجب ہو۔

7۔ نظام عدل کو منظم، مربوط اور بااختیار بنایا جائے۔

8۔ آزادی اظہار پر کوئی قدغن نہ ہو۔

9۔ ممالک اسلامیہ میں تفرقہ بازی اور فرقہ پرستی کا خاتمہ کیا جانا چاہیے اور کتاب و سنت کے علم کو عام کیا جانا چاہیے۔

10۔ ہم پہلے مسلمان اور پھر پاکستانی اور کوئی شناخت کو عام کیا جائے۔

عالم کفر ملت اسلامیہ کو تباہ و برباد کرنے پہ تلا ہوا ہے۔ لیکن عالم اسلام تحفۂ خداوندی ہے اسے صرف کمرِ ہمت باندھنا ہے۔ اسباب خود بخود پیدا ہوں گے اور غلبہ اسلام ہر صورت ہو کر رہے گا۔ یہ قادر مطلق کا وعدہ ہے۔ اور ھادی عالم نے اس کی بشارت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

يريدون ليطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون(١٩)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال کمال تک پہنچانے والا ہے۔ گو کافر برا مانیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

ثم تكون خلافت على منهاج النبوة(٢٠)

نبوت کے طریق پر خلافت قائم ہو گی۔ یہ خلافت رحمت اور غلبہ اسلام کا سبب ہو گی۔

حوالہ جات

۱-مختصر صحیح بخاری، دارالاندلس لاہور، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۴۲۔ ۲- التوبہ (۹: ۵)۔ ۳- روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۹ ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۳، کالم ۵-۳۔ ۴- نقوش ج ۱۱، ص ۲۲۹۔ ۵- آل عمران (۳: ۱۰۳)۔ ۶- الرحیق المختوم (اردو) صفی الرحمٰن، المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۳۹۷-۵۹۹۔ ۷- مسند احمد ج ۴، ص ۲۷۳، حدیث نمبر ۱۵۱۱۴ فی مسند نعمان بن بشیر۔ ۸- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۲، ص ۳۴۵ بحوالہ طبرانی۔ ۹- الذاریات (۵۱: ۵۶)۔ ۱۰- البقرۃ (۵۱: ۲۵)۔ ۱۱- المجادلۃ (۵۸: ۱۱)۔ ۱۲- المائدۃ (۵: ۲۲)۔ ۱۳- النساء (۴: ۸۴)۔ ۱۴- الصف (۶۱: ۹)، التوبۃ (۹: ۳۳)۔ ۱۵- آل عمران (۴: ۱۳۹)۔ ۱۶- النور (۲۴: ۵۵)۔ ۱۷- ایضاً۔ ۱۸- الرحیق المختوم، ص ۲۵۹ بحوالہ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۰۲-۵۰۳۔ ۱۹- الصف (۶۱: ۸)۔ ۲۰- مسند احمد حدیث نمبر ۱۵۱۱۴۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر نور الدین جامی- ملتان

آج مسلمانوں کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے کہیں دنیوی امن کو خطرات لاحق ہیں۔ دوسری طرف رنگ و نسل کے امتیاز کے چیلنجز درپیش ہیں۔ آج معاشی ناہمواری اور سماجی بے راہ روی کا دور دورہ ہے۔ پہلے مسلمانوں میں اخلاقی بے قاعدگیاں روز کا معمول بن چکی ہیں۔ مسلمانوں میں محبت اور الفت کی جگہ عداوت اور شقاوت نے لے لی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو جو چیلنجز درپیش ہیں درج ذیل ہیں۔ سیاسی، معاشی و معاشرتی مسائل، غربت، ناخواندگی، بے روزگاری، طبقاتی کشمکش، عائلی نظام میں شکست و رنجیت کا عمل، شراب نوشی، منشیات کی سمگلنگ اور استعمال روحانیت سے دوری، دہشت گردی، مذہب سے بیزاری، الحاد، امن کا فقدان، اخلاقی تنزلی اور مغرب کی تقلید یہ وہ چیلنجز ہیں جو مسلم امہ کو درپیش ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا نمونہ ہو جسے سامنے رکھ کر ہم ان درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرسکیں۔ وہ نمونہ رسول ﷺ کی حیات طیبہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''(۱)

''بے شک تمہارے لیے رسول ﷺ کی زندگی میں ایک نمونہ موجود ہیں۔''

یہ مختصر سا مقالہ اس بات کا متحمل تو نہیں کہ مسلمانوں کو درپیش چیلنجز کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں اس کا حل پیش کیا جائے البتہ ہم درپیش مسائل اور چیلنجز کا جائزہ لیتے ہیں اور سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- فکری چیلنجز
۲- مذہبی و روحانی چیلنجز
۳- معاشرتی چیلنجز
۴- معاشی چیلنجز

۱۔فکری چیلنجز:

تہذیب مغرب نے جہاں ہماری زندگی کے مختلف ادوار پر اثر ڈالا ہے وہاں ہماری فکر پر بھی حملہ کیا ہے ہماری فکر میں تشکیک و ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے لہذا ضرورت اس امر کی ہے ہم اپنی فکر کو اغیار کی فکر سے محفوظ رکھیں اور اس میں اختلاط نہ ہونے دیں تقلید جامد سے گریز کریں اپنی زندگی کا نصب العین متعین کریں۔ ہماری فکر میں کسل مندانہ رجحانات پائے جاتے ہیں۔ انسان دنیا کی ہر شے پر بلند ہے اگر وہ خود انسان ہی زوال پذیر ہو جائے تو تہذیب کی ساری

دل کشی اور مادی دنیا کی تمام تر عزمت چند لمحوں میں ختم ہو جائے۔ کارلائل نے کہا تھا انسان وراثت اور ماحول کی پیداوار ہے ٹیکنالوجی نے جو ماحول بنایا ہے انسان اس میں اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کر سکا اور اب یہ ماحول رو بہ زوال ہے۔ فکر کے مہذب نہ ہونے کی وجہ سے آج کے جدید معاشرہ میں عدم رواداری اور تشدد پسندانہ رجحانات پائے جاتے ہیں اور آج کا جدید معاشرہ اخلاقی احساس سے بالکل دستبردار ہو چکا ہے۔ اس وحشیانہ تہذیب نے نہ صرف عقلی ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی ہے بلکہ نرم خود، شریف کمزور اور تنہا شخص کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ فکری مسائل سے مراد وہ نئے مسائل ہیں جو معاشرہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا ایسا حل تلاش کیا جائے کہ ایک طرف تو ان کی اصل روح باقی رہے دوسری طرف وہ جدید تقاضوں کے مطابق ہوں۔ فکر کبھی تو ایسے عمل میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہو تو کبھی ایسے امور سے بھی ہوتا ہے جس کا تعلق دنیا سے ہے۔

فکر کا مفہوم:

فکر کا لغوی معنی سوچ بچار، غور، تدبر اور دھیان ہے اصطلاح میں طلب علم اور آگاہی کے ہیں اور جو علم کے فوراً معلوم نہ ہو اس کو طلب کرنا۔ فکر دراصل ذہن کی وہ قوت ہے جو علم کی طرف لے جاتی ہے اور تفکر کا مطلب عقل کے مطابق اس قوت کو بہترین انداز میں پروان چڑھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کا عطیہ ہر انسان کو عطا کر رکھا ہے مگر اس کو ترقی دینا انسان کے اختیار میں دیا ہوا ہے تاکہ وہ غور وفکر کے ذریعے حقیقت کا سراغ لگا سکے کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اچھی فکر اطاعت اور عبادت کی بنیاد ہے۔

قرآن و سیرت رسول میں فکر کی اہمیت:

آج کی یہ ترقی یافتہ تہذیب اور عظیم الشان تمدن، انسان کی ذکاوت و ذہانت اور اس کی عقل و دانش کا نتیجہ ہے اگر عقل کی یہ بیداری نہ ہوتی تو انسان کبھی قوانین حیات سے آشنا نہ ہوسکتا، وہ اسباب وجود کو جان سکتا اور نہ اس میں کارفرما قوانین الہیہ کا ادراک کر سکتا بلکہ شاہراہ ترقی پر وہ ایک قدم بھی نہ چل سکتا اور یوں انسان اسی حالت پر قائم رہتا جس حالت پر وہ پیدا کیا گیا تھا نہ کوئی تبدیلی ہوتی اور نہ کوئی ترقی۔ جس طرح انسانی بدن کے ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے اسی طرح عقل کا کام غور وفکر کرنا ہے اگر عقل، غور وفکر کو ترک کر دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کا عمل ختم ہو گیا اور اس نے اپنا فریضہ سرانجام دینا چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ میں زندگی کی نشوونما رک جائے گی اور جمود، موت اور فنا انسانی زندگی پر حکمران ہوگی۔ اسلام عقل کو اس کی بندشوں سے آزاد کر کے اس کی ترقی کا خواہاں ہے اسلام نے غور وفکر اور خبر ونظر سے کام لینے کی دعوت دی ہے اور اسے مغز دین اور اصل عبادت قرار دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"انْظُرُوْا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ." (۲)

"زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو"۔

نیز فرمایا:

''قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا. ''(۳)

''کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے ایک ایک اور دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر غور وفکر کرو''۔

ابن حبان نے حضرت علیؓ کی روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا عبادة كالتفكير (۴)

''غور وفکر سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں''

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں:

فكرة ساعة خير من عبادة سنة(۵)

''ایک گھڑی کا غور وفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے''

حضرت عائشہؓ صدیقہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول ﷺ نے وضو کیا اور نماز پڑھنی شروع کی۔ ساری رات نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلالؓ نے آ کر صبح کی نماز کی اطلاع دی۔ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ رونا کیسا؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں فرمایا:

يا عائشة افلا اكون عبدا شكورا(۶)

''اے عائشہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں''

اور میں ایسا کیوں نہ کروں جب کہ آج ہی کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیتیں نازل کی ہیں:

'' اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا. سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ''(۷)

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچاؤ''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' فَبَشِّرْ عِبَادِ. الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ. اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ''(۸)

''میرے بندوں کو بشارت سنا دو جو بات کو سنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقل والے ہیں''

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سیرت رسول کی روشنی میں تفکر و تدبر سے کام لیں اس تفکر کے نتیجے میں اپنے عقائد کی اصلاح کریں۔

عقیدہ ایک عظیم قوت ہے ہر عمل عقیدے کے سانچے میں ڈھلتا ہے عقیدہ بیج ہے اور عمل درخت یا وہ بنیاد ہے اور یہ دیوار، بنیاد ٹیڑھی ہو تو تا سریا میں رود دیوار کج۔ کسی قوم کی صفوں میں اتحاد تبھی ہو سکتا ہے جب ان کے عقائد میں وحدت ہو ہزار خداؤں کا پجاری ایک مواحد سے اشتراکی عمل کر ہی نہیں سکتے۔ اسلام میں جہاں جہاں ایمان صالح کی تفصیل دی ہے وہاں اہل ایمان کے لیے چند عقائد بھی تجویز کیے ہیں تا کہ عقائد کی وحدت سے ایک ایسی ملت پیدا ہو جو فکر اور عملاً ایک ہو یہ عقائد وہ سنچے ہیں جن میں غیر اسلامی عقائد ڈھل ہی نہیں سکتے ایک خدا کو ماننے والا بت پرستی کیسے کرے گا اللہ تعالیٰ کو قہار سمجھنے والا گناہ کے تصور سے کانپ اٹھے گا۔ آخرت ایمان رکھنے والا عقبیٰ پر ہی نظر رکھے گا ہماری فکر کے بنیادی عقائد یہ ہیں اللہ تعالیٰ، رسول، انبیاء ملائکہ آخرت پر ایمان لانا نیز اس بات کو تسلیم کرنا کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ عقائد بنیاد اعمال بھی ہیں جب فکر پاک اور طیب ہو تو مسلمان ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے ریاکاری نمود و نمائش اس کے پاس سے بھی نہیں بھٹکتی۔ تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں جو اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

جب مدائن کی فتح میں ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ کسریٰ کا تاج ہاتھ لگا تو اس کو اپنے دامن میں چھپا کر امیر افواج اسلامی سعد بن ابی وقاص کے پاس لایا جیسے کوئی چوری کا مال چھپا کر لاتا ہے۔''ایھا الامیر'' یہ کوئی بہت قیمتی چیز معلوم ہوتی ہے یہ میں آپ کے حوالے کر رہا ہوں تا کہ آپ اسے بیت المال میں داخل کر دیں پہلے تو مسلمان امیر نے جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں سپاہی کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور حیرت کے دریا میں ڈوب گئے کہ اللہ اکبر کتنا قیمتی جواہرات سے مرصع تاج زریں اور اس غریب سپاہی اور عرب کے بدو کی نیت خراب نہیں ہوئی اس کو کسی وقت یہ خیال نہیں ہوا کہ بجائے یہاں لانے کے اپنے خیمہ میں لیجا کر رکھ دے۔ کہا آپ کا نام؟ اس نے دروازے کی طرف منہ کر کے اور پیٹھ پھیر کر کہا جس چیز کے لیے میں نے یہ کام کیا ہے وہ میرا نام جانتا ہے۔(۹)

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ جب ایمان راسخ ہو فکر پاک ہو اللہ کا خوف انسان کے دل میں ہو تو انسان کا ہر فعل صحیح جانب اٹھتا ہے۔

۲- دینی و روحانی چیلنجز:

سیکولرزم:

عصر حاضر کے فکری و تہذیبی مسائل کے پیچھے تہذیب مغرب کا ہاتھ کارفرما ہے اس دور جدید نے انسان کو مادی ساز و سامان تو بہت دیئے مگر اس سے خدا اور مذہب کو چھین لیا حالانکہ مذہب انسان کا ایک فطری تقاضا ہے۔ مذہب سے مراد روحانی دانش اور اخلاقی حکمت ہے جو ابن آدم کو انبیاء کی وساطت سے دی تھی کہ انسان کس طرح رہے دوسروں سے اس کے روابط کیسے ہوں اس کا مقصدِ حیات کیا ہے کس چیز کو خیر سمجھے اور کس چیز کو شر سمجھے مذہب انسان کو ایمان اور ایقان کی

دولت سے مالا مال کرتا ہے جبکہ انسان اپنے عزائم کو تعلیمات الٰہیہ سے ہم آہنگ نہ کر لے اسے روحانی بالیدگی اور سکون قلب میسر نہیں آ سکتا جبکہ مغرب نے مذہب کو ریاست سے بے دخل کرتے ہوئے سیکولرازم کی اصطلاح واضح کی ہے۔ سیکولر خیالات بہت قدیم ہیں لیکن سیکولرزم کی اصطلاح جارج جیکب ہولی اوک نامی ایک آزاد خیال انگریز نے ۱۸۴۰ء میں وضع کی۔ وہ شہر برمنگھم کے مکینکس انسٹی ٹیوٹ میں استاد تھا۔ ۱۸۵۱ء میں اس نے لندن میں سنٹرل سیکولر سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ ہولی اوک کا مؤقف یہ تھا:

۱۔ انسان کی سچی رہنما سائنس ہے۔
۲۔ اخلاق مذہب سے جدا اور پرانی حقیقت ہے۔
۳۔ علم و ادراک کی واحد کسوٹی اور سند عقل ہے۔
۴۔ ہر شخص کو فکر اور تقریر کی آزادی ہونی چاہیے۔
۵۔ ہم کو اس دنیا کی بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سیکولر اور سیکولرزم خالص مغربی اصطلاحیں ہیں۔(۱۰) لاطینی زبان میں سیکولم کے لغوی معنی ''دنیا'' کے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ میں رومن کیتھولک پادری دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک وہ پادری جو کلیسائی ضابطوں کے تحت خانقاہوں میں رہتے تھے۔ دوسرے وہ پادری جو عام شہریوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ کلیسا کی اصطلاح میں آخر الذکر کو ''سیکولر'' پادری کہا جاتا تھا۔ وہ تمام ادارے بھی سیکولر کہلاتے تھے جو کلیسا کے ماتحت نہ تھے۔ آج کل سیکولرزم سے مراد ریاستی سیاست یا نظم ونسق کی مذہب یا کلیسا سے علیحدگی ہے اور سیکولر تعلیم وہ نظام ہے جس میں دینیات کو تعلیم سے الگ کر دیا جاتا ہے۔(۱۱)

۱۔ انسائیکلو پیڈیا امریکانا میں سیکولرزم کی تشریح اور زیادہ وضاحت سے کی گئی ہے۔ اس کے مطابق سیکولرزم ایک اخلاقی نظام ہے جو قدرتی اخلاق کے اصول پر مبنی ہے اور الہامی مذہب یا مابعد الطبیعات سے جدا ہے۔ اس کا پہلا کلیہ فکر کی آزادی ہے یعنی ہر شخص کو اپنے لیے کچھ سوچنے کا حق۔
۲۔ تمام فکری امور کے بارے میں اختلاف رائے کا حق۔
۳۔ تمام بنیادی مسائل مثلاً خدا یا روح کی لافانیت وغیرہ پر بحث مباحثے کا حق۔

سیکولرزم یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ موجودہ زندگی کی خوبیوں کے علاوہ کوئی اور خوبی نہیں ہے۔ اس کا مقصد وہ مادی حالات پیدا کرنا ہے جن میں انسان کی محرومیاں اور افلاس ناممکن ہو جائیں۔(۱۲)

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی اردو انگلش ڈکشنری کے مطابق سیکولرزم اس معاشرتی اور تعلیمی نظام کو کہتے ہیں جس کی اساس مذہب کی بجائے سائنس پر ہو اور جس میں ریاستی امور کی حد تک مذہب کی مداخلت کی گنجائش نہ ہو۔(۱۳) سیکولرزم کی بنیاد اس کلیے پر قائم ہے کہ ضمیر وفکر اور اظہار رائے کی آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے لہٰذا ہر فرد و بشر کو اس کی پوری پوری اجازت ہونی چاہیے کہ سچائی کا راستہ خود تلاش کرنے اور زندگی کے تمام مسائل پر خواہ ان کا تعلق سیاسیات اور اقتصادیات سے ہو یا مذہب و اخلاق سے، فلسفہ وحکمت سے ہو یا ادب وفن سے، اپنے خیالات کی بلاخوف

وخطر ترویج کرے۔

لادینیت و مادیت پرستانہ رجحانات:

کمیونسٹ معاشرہ نے تو مذہب کو اپنے دائرہ عمل سے خارج کر دیا ہے اور اس نے اپنی اساس لا الہ اور مادیت کے اصول پر رکھی ہے۔ اس لیے کہ کمیونسٹ معاشرہ درحقیقت، معاشرہ کی نفسیات کی عکاسی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے صحیح احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ مذہب سے انحراف کا یہ نظریہ محض چند افراد کے ذہن کی پیداوار ہے جسے غربت و افلاس اور محتاجی و بے کسی جیسے مخصوص اجتماعی و سماجی حالات میں پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ اس نظریہ کو فروغ اس لیے بھی ہوا کہ اس وقت کوئی ایسا مثالی دینی و عملی نمونہ موجود نہ تھا جو عقل کو منور اور قلب کو مطمئن کر سکتا، بلکہ خود دین سے منسوب حضرات پسماندگی اور کمینگی کا نمونہ بنے ہوئے تھے۔ وہ حقارت و حماقت میں ضرب المثل بن چکے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک دن بھی محروموں اور محتاجوں کی اصلاح کے لیے نہیں گزارا بلکہ وہ تو ہمیشہ ملوکیت کے حامی اور جبر و استبداد کا سہارا بنے رہے۔

لہذا یہ بے دینی اور لامذہبی کا نظریہ علم کی پیداوار ہے نہ انسانی فطرت کا نمائندہ یہ تو ایک شاذ نظریہ ہے جسے سنگین حالات نے جنم دیا۔ اس کے پھیلنے میں ان کینوں اور دشمنیوں کا بڑا دخل ہے جو ایک طویل عرصہ سے سینوں میں مچل رہی تھیں۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ کمیونزم کے اختیار کرنے میں عوام کی رائے یا اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے قبول کرنے میں ان کی مرضی شامل نہیں ہے یہ تو قوم پر زبردستی ٹھونسا گیا ہے اور ان پر مسلط کیا گیا ہے کمیونزم اپنے روز اول سے لے کر آج تک جبر وتشدد کا مظہر ہے۔ میرا ایمان ہے کہ فطرت انسانی ان تمام قوموں سے کہیں زیادہ طاقتور ہے جو اسے مٹانے پر تلی بیٹھی ہیں اور اس کے نشانات کو تبدیل ومحو کر دینا چاہتی ہیں۔ خواہ کتنا ہی عرصہ کیوں نہ گزر جائے فتح بالآخر انسانی فطرت کو ہی حاصل ہوگی اور کامیابی اسی کے حصہ میں آئے گی۔ اشتراکیت بھی اس کا دوسرا نام ہے اس کے بارے میں بتانا ضروری ہے کہ یہ کیا چیز ہے۔ اشتراکیت ایک خالص مادہ پرستانہ نظریہ ہے جس کا ذکر قدیم فلسفہ میں موجود ہے اور جدید دور میں فیورباخ (Feuerbach) نے اس کی مزید وضاحت کی ہے:

> ''یہ فلسفہ مادیت، مذہبیات، دینیات بلکہ ہر طرح کے مابعد الطبیعیات کے خلاف مستقل جہاد ہے''(۱۴)

اشتراکیت کے نزدیک حقیقت بس وہی کچھ ہے جس کو ہم اپنے حواس خمسہ کے ذریعے معلوم کر سکیں۔ چنانچہ انیجلز نے لکھا تھا مادہ ہی زندگی کی واحد حقیقت ہے۔ اسی طرح ان مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ انسانی ذہن مادے ہی کا ایک مظہر ہے اور اپنے گرد وپیش کے بیرونی مادی ماحول کا عکس ہے ان کے خیال میں انسانی روح کی بھی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ خالص مادی حالات کی پیداوار ہے۔

انکار مذہب کی تحریک:

تحریک احیائے کے وقت سے اللہ کے وجود سے انکار اور یورپ کی رومی وثنیت کی جانب رجوع کی بنا پر جدید

تہذیب لادینی بنیاد پر اٹھی اسی سے تمام آفتیں نازل ہوئیں۔ انسان کے خلاف تہذیب جدید کا سب سے بڑا جرم اسی مصدر خبیث سے پھوٹا اور انسانی اقدار اور اس کے نوعی اور انفرادی خصائص کے زوال کی جڑ بھی یہی ہے۔ تہذیب جدید مذہب کو اللہ کا مقرر کردہ ضابطہ حیات ہونے کی صورت میں وہ سارا اقدار و اختیار نہیں دیتی جو اسے ملنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں تہذیب جدید اللہ کی الوہیت سے منکر ہے۔ انسان اپنے رب سے، رب کے مقرر کردہ ضابطہ حیات سے اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایت سے روگرداں ہو گیا۔ اس نے اپنے نفس اور اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت و تکریم عطا کی اور انسان نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان بنایا مگر اس نے اپنے آپ کو حیوان تصور کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مشین کا خالق بنایا مگر وہ خود مشین بن گیا بلکہ مشین کو اپنا صاحب ارادہ بنا لیا اور مادہ کو بھی اپنا الٰہ بنا لیا اور اقتصاد کو بھی اپنا الٰہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انسان مادہ اور اقتصاد دونوں کا آقا ہو مگر اس نے اس تکریم کو ٹھکرا دیا تاکہ وہ کلیسا اور کلیسا کے خدا سے نجات پا سکے۔ انسان نے اللہ کو چھوڑ کر سینکڑوں الٰہ بنائے انسان کو اپنی تمام حرکات کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ انسانیت نے فطرت کی خلاف ورزی پر اپنی زندگی کے ہر پہلو پر تاوان دیا اور جو قومیں مادی ترقی کے بام عروج تک پہنچ چکی ہیں ان کے لیے نسلی کمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ انسانی خصوصیات میں کمی انہیں بربریت کی طرف لے جا رہی ہے اور عقلی معیار میں کمی اس سائنس کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہے جس پر تہذیب جدید کی بنیاد ہے۔

مذہبی بیزاری:

جب یورپ کی عقلیت تک مسلمانوں کا واقعی اور تجربی طریقہ کار پہنچا تو مغربی فکر بھی علمی اور تجربی بحثوں میں مصروف ہو گئی۔ اس علمی تحقیق کے نتیجے میں نئے نئے فلکی، جغرافیائی اور طبعی حقائق سامنے آئے جو اس مجموعہ ادہام دیومالا اور خرافات کا عیسائی مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس زمانے کے لوگوں میں پھیلے ہوئے غیر علمی افکار تھے۔ اللہ کے نازل کردہ نہیں تھے۔ انہی افکار کو کلیسا نے اپنا لیا اور اس طرح ان کی مدافعت کرنے لگا جیسے یہ بھی عقیدہ کا ایک جزو ہوں۔

کلیسا نے اندلس اور مشرق کی اسلامی ثقافت سے پھوٹنے والی اس نئی رو کے بالمقابل سخت موقف اختیار کیا اور یورپ کے جو سائنس دان اس چشمے سے سیراب ہوئے ان کی تحقیقات کا کلیسا نے نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور انتہائی وحشیانہ طریقے پر اپنے اقتدار کو ان کے خلاف استعمال کیا جس کے نتیجہ میں کلیسا، اور کلیسا کے اس خدا سے بیزاری پیدا ہو گئی۔ جس خدا کے نام پر کلیسا خوب خوب جھوٹ بولتا اور بہتان تراشی کرتا تھا لوگ مذہب کے سائے سے بھی بیزار ہو گئے۔ مذہب کے اعتراف اور اس کے سامنے جھکنے کے معنی کلیسا کے ظالمانہ اور جابرانہ اقتدار کو تسلیم کرنے اور اس کے سامنے جھکنے کے ہوں گے۔ مذہب و اخلاق کی حالت یہ تھی کہ براعظم کے دونوں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ممالک میں عیسائی مذہب کی طرف سے بداعتقادی عام ہو گئی تھی۔ کیتھولک ممالک کے بیشتر پادری اپنی اوباشی کی وجہ سے بدنام تھے اور ان کی اس مذہب کے اصولوں سے ظاہراً نفرت ان کی بدکرداری کے برابر تھی جس کی وہ تعلیم دیتے تھے۔ جرمن کے پروٹسٹنٹ پادری بھی اپنی بے دینی میں ایسے ہی آزاد تھے۔

پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ممالک میں عیسائیت اخلاق کے دل پذیر حالات میں تبدیلی ہو گئی تھی ان موہوم اور

بے اصول اخلاق کی وجہ سے کئی مخفی انجمنیں جیسے کہ ''روزیٹی'' اور ''ریلومیٹی'' مجذوبوں کے حلقے وجود میں آ گئے تھے جنہوں نے مذہب کی جگہ مشین اور علامتیں رسمیں رکھی تھیں۔

☆ عیش پرستی کی ذہنیت عام ہوگئی تھی۔ مذہب کی یہ حالت نشاۃ ثانیہ سے قبل کی تھی

☆ مذہب دنیا طلبی اور ہوس رانی کا ذریعہ بن گیا تھا۔ محنت اور کام سے بچنے کی غرض سے لوگ مذہبی زندگی اختیار کرنے لگے تھے۔

☆ مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دے دیا تھا جس کی بناء پر ہر قسم کی علمی وتمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی۔ انہیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دیا گیا بلکہ سخت سے سخت سزاؤں میں مبتلا کیا گیا۔

☆ مذہب انسانی اور معاشرتی کمزوریوں اورخرابیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

الغرض زمانہ وسطی میں یورپ کی اس حالت اور زندگی میں مذہب کے اس کردار سے انسانیت پناہ مانگ رہی تھی اور ہر قسم کی علمی وتمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی۔ یہ زمانہ ۴۰۶ء اور ۱۴۹۵ء تک کا شمار ہوتا ہے۔

اس لیے مذہب و سائنس میں سخت ترین تفریق قائم ہوگئی۔ لوگوں کی اور سائنسدانوں کی بالخصوص مذہب بیزاری کی یہ کیفیت ہوگئی جیسے شیر کو دیکھ کر گدھے بھاگ کھڑے ہوں۔ بیسویں صدی کے شروع میں جب لوگ چار صدیوں کے طویل اور پرمشقت بیابانی سفر کے بعد سانس لینے رکے تو انہیں شدت سے روحانی خلا محسوس ہوا تو کسی قدر مذہب بیزاری میں بھی کمی واقع ہوئی۔ الحاد و دہریت نے آج مسلمان کا دلی سکون چھین لیا ہے زندگی کی مشکلات میں اس کے لیے کوئی سہارا نہیں رہا ان حالات میں تجدید ایمان باللہ کی ایک تحریک برپا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایمان باللہ ہی انسان کے قلبی سکون کو لوٹا سکتا ہے اور اسے خوف وحزن سے نجات دلا سکتا ہے قرآن کہتا ہے:

''بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَرَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ.''(۱۵)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ.''(۱۶)

ایک اور جگہ قرآن حکیم دلوں کے چین کا منبع ایمان اور ذکر الٰہی قرار دیتا ہے۔

''الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب'' (۱۷)

قرآن میں ایک اور مقام پر کہا گیا ہے کہ امن اور چین صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائیں اور شرک کی آلودگیوں سے بچیں:

''الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الا من وھم مھتدون''(۱۸)

ایک اور مقام پر قرآن میں فرمایا گیا کہ اللہ کے دوستوں کیلیے کوئی غم وفکر نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں خوشیوں کا

سامان ہے۔

'' اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ. ''(۱۹)

آج کی مغربی دنیا میں بھی ایمان کی ضرورت کا احساس انتہائی شدت سے ابھر رہا ہے۔ مغرب میں اس کے علمبرداروں میں پال ٹلش (Paul Tillich) داخلیت کے فلسفی Buber اور مذہبی مفکر J.B.Magee کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ J.B.Magee نے اپنی کتاب "Religion and the Modern mind" میں جدید ذہن کا شرح وبسط سے تجزیہ کر کے یقین وایمان (Faith) کو مغربی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے۔

ایمان باللہ کا بدیہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے آپ کو رسول عربیؐ کے دامن سے وابستہ کریں، انہیں اپنا رہنما اور ہادی مانیں اور ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ یہی ایک صورت نظر آتی ہے جو انسان کو دونوں جہانوں کی سلامتی مہیا کر سکتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ پوری عالم انسانیت کے لیے رحمت ہیں آپ نے تمام انسانی مسائل کا حل تعلیمات الٰہیہ کی روشنی میں پیش کیا اور ہر قسم کے ابہام کی وضاحت فرمائی اور ہر طرح کی تشکیک وتریب کو زائل کرنے کے ضمن میں حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کو بنیاد قرار دیا اور اس قدر پختہ ایمان ویقین یہ کیفیت آفاق والنفس میں تنہا وہی فاعل مطلق اور موثر حقیقی اور مسبب الاسباب نظر آئے:

''عن ابی ذر قال سالت رسول اللہ ای العمل افضل؟ قال الایمان باللہ..... ''(۲۰)

'' حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا''۔

ساتھ ہی آپ ﷺ نے ایمان باللہ کو قلب ودماغ میں راسخ کرنے اور عمل سے اس کو ثابت کرنے کا حکم دیا:

''عن سفیان بن عبداللہ قال قلت: یارسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لاسئال عنه احدا غیرک قال: قل اٰمنت باللہ ثم استقم''۔(۲۱)

''سفیان بن عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہے اللہ کے رسول مجھ کو اسلام میں کوئی ایسی کافی وافی نصیحت فرمایئے کہ آپ کے بعد پھر کسی سے کچھ پوچھنے کی نوبت نہ آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، پھر اسی پر جمے رہو''۔

ایمان لامحالہ کچھ ماوراء الطبعیاتی حقائق پر یقین کا نام ہے اور اس راہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ انسان ان دیکھی حقیقتوں پر دکھائی دینے والی چیزوں سے زیادہ یقین رکھے اور اس کے ذریعے فکر ونظر کا یہ انقلاب اور نقطہ نظر اور طرز فکر کی یہ تبدیلی لازمی ولابدی ہے کہ کائنات غیر حقیقی اور محض یہی خیال نظر آئے لیکن ذات خداوندی ایک زندہ جاوید حقیقت معلوم ہو۔ کائنات کا پورا سلسلہ نہ از خود قائم معلوم ہو اور نہ کچھ بندھے ٹکے قانون کے تحت چلتا نظر آئے۔ ایمان باللہ کے ساتھ ہی

ایمان بالآخرت کا تصور بھی آپ نے اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا۔

کن فی الدنیا کانک غریب او کعا برسبیل (۲۲)

''دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی یا راہ چلتا مسافر ہوتا ہے''۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسے کو انسانی قلب کی کیفیت کے ساتھ لازم قرار دیا۔

''حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا دل ہر وادی میں بھٹکتا رہتا ہے جو شخص اپنے دل کو وادیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے تو اللہ کو پرواہ نہ ہوگی کہ اس کو کون سی وادی تباہ کرتی ہے اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ان وادیوں اور راستوں میں بھٹکنے اور تباہ ہونے سے بچائے گا''۔(۲۳)

روحانی چیلنجز:

جدید تہذیب نے انسان کو خدا سے محروم کر کے اس کو روحانی چیلنج میں مبتلا کر دیا ہے۔ اسی روحانی چیلنج کا نتیجہ ہے کہ موجودہ جاپان کے نوجوان، صنعتی ترقی کی انتہاء پر پہنچ کر یہ کہنے لگے ہیں کہ ''ہمارا کلچر ایک مرچنٹ کلچر ہے'' اور صرف مرچنٹ کلچر انسان کے لیے کافی نہیں۔ مغربی سوسائٹی کا وہ مظہر جس کو ہپی ازم کہتے ہیں وہ بھی اسی فاقہ زدگی کا شکار ہے۔ ایک ہپی نوجوان دہلی کی سڑک پر پیدل چل رہا تھا اس کے جسم پر نہایت معمولی ہندوستانی لباس تھا اور گلے میں ڈھول، کینیڈا کا باسی تھا۔ ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ کینیڈا میں ہر طرح سے مالا مال تھا۔ یہاں پر بے گھر ہوں جہاں پر مجھے نیند آتی ہے سو جاتا ہوں۔ سواری، روزگار، بیوی بچے یہاں پر نہیں ہیں۔ یہاں آپ کو جب اتنی تکلیف ہے تو کینیڈا چھوڑ کر یہاں کیوں آئے۔ مغربی نوجوان نے جواب دیا وہاں میں جسمانی طور پر مطمئن تھا مگر یہاں روحانی طور پر مطمئن ہوں۔

There I was comfortable physically. Here i am comfortable spiritually(24)

جدید تہذیب نے انسان کو جسمانی عیش کا سامان تو دیا مگر روحانی تسکین کا سامان دینے سے قاصر رہی۔ جدید مشینی تہذیب کا یہی وہ تضاد ہے جس نے وہ تمام مشاہر پیدا کیے جن کو موجودہ زمانے میں ہپی ازم، بورڈم ازہسیت وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جس کو ''پیس آف مائنڈ'' (Peace of Mind) کا کھونا کہتے ہیں۔ مشہور ماہر نفسیات ٹپل ہنگ کہتے ہیں۔(۱۹۶۱-۱۸۷۵ء)

پچھلے تیس برسوں میں روئے زمین کے تمام متمدن ملکوں کے لوگوں نے مجھ سے اپنے نفسیاتی امراض کے سلسلے میں مشورے حاصل کرنے کے لیے رجوع کیا ہے۔ میرے مریضوں میں زندگی کے نصف آخر میں پہنچنے والے تمام لوگ جو کہ ۳۴ سال کے بعد کی جا سکتی ہے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کا مسئلہ اپنے آخری تجزیہ میں زندگی کا مذہبی ...... کے سوا کچھ اور ہو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص کی بیماری یہ تھی کہ اس نے وہ چیز کھو دی تھی جو کہ موجودہ مذاہب ہر دور میں اپنے پیرودں کو دیتے رہے ہیں اور ان مریضوں میں سے کوئی بھی حقیقتاً اس وقت تک شفایاب نہیں ہو سکا جب تک اس نے اپنا

مذہبی تصور دوبارہ نہیں پایا۔

عصر حاضر کا اہم مسئلہ سکون وطمانیت ہے اور یہ سکون مادی دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتا تو یہ سکون ایک برتر ذات کے وجود کو تسلیم کرنے میں ہے۔ یہ روحانی سکون اور اطمینان قلب اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے:

''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب.''(۲۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے لیے ویسا ہی ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے اور جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کیساتھ ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں''۔(۲۶)

آپ نے توبہ کو دل کے سکون کے لیے لازم قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:

''خداوند بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک نزاع کا عالم نہ ہو''(۲۷)

آپ نے سحر گاہی کو ذریعہ اطمینان قلب فرمایا حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسولﷺ نے فرمایا کہ تم نماز تہجد ضرور پڑھا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا وسیلہ ہے اور یہ گناہوں کے اثرات سے دور کرنے والی اور معاصی سے دور کرنے والی ہے۔(۲۸)

معاشرتی چیلنجز:

معاشرتی نظام کی بنیادی اکائی مرد عورت کا سلسلہ ازدواج میں منسلک ہو کر ایک خاندان کی تشکیل ہے۔ مغربی تہذیب نے مرد عورت کو ایک ہی صنف قرار دے کر اس خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا ہے عورت کو گھر سے نکال کر زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورت بچوں کی پرورش کی ذمہ داری سے آزاد ہوگئی مرد پہلے ہی آزاد تھا اس طرح نئی نسل جانور کی طرح ہر پابندی سے آزاد ہوگئی اور جانوروں کی طرح کھانا پینا اور ہر قسم کے اصول اور قاعدہ سے مبراء ہو کر خاندانی نظام کو درہم برہم کر دیا۔

خاندانی چیلنجز:

خاندان وہ عالمگیر ادارہ ہے جسے تمام معاشروں میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ شوہر اور بیوی اور بچوں کے باہمی مل جل کر رہنے سے خاندان کی تشکیل ہوتی ہے ایسے قریبی رشتہ دار جو ایک ہی مکان میں رہ کر خورد ونوش میں شرکت کرتے ہیں خاندان کہلاتے ہیں۔

خاندان کی اہمیت:

خاندان ہی اصل میں انسانی تمدن کی جڑ اور انسانی سوسائٹی کا اولین اور بنیادی ادارہ ہے اور پھر متعدد خاندان ہی کسی ایک مقام پر سکونت اختیار کر کے انسانی معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی تشکیل کرتے ہیں۔ خاندان کی بنیاد ایک مرد اور

ایک عورت سے پڑتی ہے۔ اسی ملاپ سے ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے پھر اس سے دوسرے رشتوں، کنبوں اور برادریوں کے تعلقات استعمال ہوتے ہیں اور بالآخر یہی سلسلہ پھیلتے پھیلتے ایک وسیع معاشرہ یا ملک بن جاتا ہے۔(۲۹)

خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس میں ایک نسل اپنی بعد میں آنے والی نسل کو انسانی تمدن کو وسیع تر خدمات سرانجام دینے کے لیے نہایت محبت، ایثار، دلسوزی اور خیرخواہی کے ساتھ تیار کرتی ہے۔ یہی خاندانی ادارہ تمدن انسان کی بقاء اور نشوونما کے لیے نئے نئے افراد تیار کرتا ہے اور اس کے کارکن دل سے اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ ان کی موت کے بعد ان کی جگہ لینے والے زیادہ بہتر صلاحیتوں کے مالک ہوں۔ اس لیے انسان کے معاشرتی مسائل میں اسلام سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ کرتا ہے کہ خاندانی ادارے کو صحیح بنیادوں پر قائم کیا جائے۔ انسان کی یہ خاندانی زندگی عین منشاء فطرت بھی ہے۔

خاندان کی اصلاح کے بنیادی عوامل:

ایک خاندان کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ہر فرد اپنی ذاتی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس کرے وہ ہر اچھے کام میں دوسروں سے تعاون کرے اور برے کام میں عدم تعاون کرے۔ خاندان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بچے کی اچھے ماحول میں تربیت کرے۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنے اندر خود احتسابی کا شعور پیدا کرے۔

خاندانی زندگی میں غلطیاں:

خاندانی زندگی کی وہ عام غلطیاں جن میں عام لوگ ملوث ہیں وہ درج ذیل ہیں:

پہلی غلطی:

مغربی ممالک کی سائنسی، ٹیکنیکی اور صنعتی ترقی کو دیکھتے ہوئے مشرقی ممالک میں بھی جدید تعلیم یافتہ خواتین اور مردوں کا ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جو ہر بات میں مغرب کی تقلید کرتا ہے۔ اس طرح سے بڑی خامیاں پیدا ہوتی ہیں۔ امریکہ میں ہر سال زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں ایک (ورلڈ المینک) شائع ہوتی ہے۔ جس میں مختلف اعداد وشمار ہوتے ہیں۔ اس کے مطابق ایک سال کی پہلی ششماہی میں (۹۸۷۰۰۰) شادیاں ہوئیں جن میں سے (۵۳۸۰۰۰) طلاقیں ہوگئیں۔ اس طرح اس ملک میں ہر منٹ بعد طلاق ہوتی ہے اہل فکر اس فکری مسئلہ میں پریشان ہیں۔

کینیڈا کا مشہور رسالہ (اسٹار ٹورنٹو) اس تشویشناک حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''پندرہ برس قبل کی کامیاب شادیاں اب خیال وخواب معلوم ہوتی ہیں جو جوڑے مہر ومحبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ اب روز بروز اقلیت بنتے جارہے ہیں''۔

روس، سویڈن، ڈنمارک اور جرمنی جیسے ملکوں میں بھی خاندانی انارکی عام ہے۔ ہمارے ہاں کی نام نہاد ترقی پسند خواتین اور مرد ترقی کا راز اگر مغرب کی تقلید کو سمجھتے ہیں تو انہیں امریکہ کے نفسیاتی جریدہ (سیکالوجی ٹوڈے) کے یہ الفاظ یاد

رکھنے چاہیں۔

''ہم نے متعدد جوڑوں کو دیکھا ہے اور ان میں سے ایک بھی فرد ایسا نہیں پایا جو علیحدگی کے بعد خوش رہا ہو''

جو لوگ مل کر رہنے کی صلاحیت سے عاری ہو جاتے ہیں وہ پھر کسی کے ساتھ بھی مل کر نہیں رہ سکتے۔

دوسری غلطی:

دوسری غلطی شادی بیاہ پر غلط رسم و رواج ہیں جو عام آدمی کی برداشت سے باہر ہیں۔

جہیز کا مسئلہ:

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق پچھلے سال ہندوستان کے صرف ایک شہری دہلی میں کم جہیز لانے والی (۲۷۵) عورتوں کو زندگی جلایا گیا جن میں سے (۹۰) عورتیں جاں بحق ہوگئیں۔ لوگوں نے شادیوں میں جہیز کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا لیا ہے جبکہ شادی تو دو خاندانوں کے آپس میں پیار و محبت کے رشتہ میں منسلک ہونے کا ذریعہ ہے۔

تیسری غلطی:

شادیوں میں دیکھا دیکھی بڑی بڑی باراتوں اور کھانوں کا بندوبست محض مصنوعی تعلقات کا لوگوں پر اظہار کرنا ہے کہ دیکھو ان کے کتنے تعلقات ہیں۔ فضول خرچی کا بازار دونوں طرف سے گرم ہوتا ہے۔(۳۰)

خاندانوں کی اصلاح اور بگاڑ میں اس قسم کے رسم و رواج کا چونکہ بڑا دخل ہوتا ہے اس لیے ہمیں اپنے حالات کی اصلاح کے لیے سیرت رسول کو نمونہ بنانا چاہیے۔ قرآن مجید اور سیرت رسول کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں مرد عورت کے دائرہ کار الگ الگ رکھے گئے ہیں تا کہ ان میں اختلاط کے مواقع کم سے کم ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى''(۳۱)

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو''۔

اس لیے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران بنائی گئی ہو اور اس سے ان چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا'' (۳۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے مسجد نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لیے خاص کر دیا تھا۔(۳۳)

اسی طرح صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر کتابوں میں رسول ﷺ نے مرد اور عورت کے اختلاط کو منع فرمایا ہے اس لیے کہ جب معاشرے میں مرد عورت کا اختلاط عام نہ ہو تو اخلاقی پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے اور معاشرہ ان تمام خرابیوں سے پاک رہتا ہے جو مرد و زن کے آزادانہ اختلاط سے مغربی ملکوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ عورت گھر میں رہ کر مضبوط خاندانی نظام کی بنیاد ڈالتی ہے۔

معاشی چیلنجز

مادیت:

تہذیب الحاد کا دوسرا عنصر ترکیبی مادیت (Materialism) ہے اسے مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں مادہ کے سوا کوئی چیز نہیں حتیٰ کہ انسان میں بھی صرف برقیہ اور سالمیہ ہی کی کرشمہ سازی ہے اسے دنیا میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ صرف مادی احتیاجات کی تسکین ہے۔ اس نقطہ تک پہنچنے کے لیے کافی مدت صرف ہوئی۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کچھ مدت تک مادی زندگی اور مسیحی اعمال و رسوم کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی رہی مذہب کی پیروی سے وہ پوری طرح آزاد ہونا نہیں چاہتے تھے اور اسی بات کے آرزومند تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کم از کم زندگی کے معاملات میں مذہب رسوم کی ضرور پابندی کریں ان کا خیال تھا کہ اس سے قوم کے افراد کے درمیان ربط قائم رہ سکے گا اور اس طرح ملک اجتماعی انتشار اور اخلاقی ابتری سے محفوظ رہے گا لیکن مادی تہذیب کا ریلا اتنا تیز تھا کہ اس کے سامنے مذہب اس کمزور حیثیت میں کھڑا نہ رہ سکا اور وقت کے دھارے کی نذر ہو کر رہ گیا اور اس کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔(۴۴) مصنفین اہل قلم اور اہل دماغ گروہوں نے اپنی جادو بیانی، سحر طرازی اور زور خطابت سے قدیم مذہبی رسوم و قیود کے خلاف ملک میں ایک عام بغاوت برپا کردی۔ انہوں نے دنیا پرستی کو نہایت دلفریب بنا کر پیش کیا جو چیز اس کی راہ میں حائل ہوئی اس کے خلاف غیظ وغضب کا جذبہ بھڑکایا اور اس طرح طبعیتوں کو ہر قسم کی قید و بند سے آزاد کر دیا۔ انہیں زندگی سے بھرپور نفع، مطالبات نفس کی بے عنان تکمیل اور لذت پرستی کی اعلانیہ دعوت دی۔ حرص و ہوس کی اس زندگی کی اہمیت جتانے میں بڑے علوم سے کام لیا گیا۔ نقد لذت اور ظاہری اور محسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا ابطال کیا گیا حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مذہب صرف مادہ پرستی ہے اس کے متعلق ایک مفکر نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو دینی طریقہ پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں امکانی کوشش ہی کرتے ہیں مگر یہ مستثنیٰ مثالیں ہیں۔ یورپ کا عام اور متوسط آدمی خواہ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتا ہو، فاشزم پر، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی جسمانی مشقت کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا ہو وہ ایک ہی مذہب رکھتا ہے اور وہ مادی ترقی کی پرستش ہے اور اس کی غایت حیات صرف یہی ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان پر راحت اور عام محاورے کے مطابق قدرت سے آزاد بنا سکے اس مذہب کے معابدے بڑے بڑے کارخانے، کیمیائی دارالصنعت، ناچ گھر اور بجلی کے مراکز ہیں۔ اس مذہب کے پیشوا بنکوں کے افسر، انجنیئر، اداکار، بڑی بڑی صنعتوں کے ناظمین اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ لذت اور طاقت کی اس ہوس اور چٹور پن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حریف گروہ سامان جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں تاکہ جب کبھی ان کے مصالح میں تصادم ہو تو بغیر کسی تاخیر کے ایک دوسرے کو تباہ کردیں اور جہاں تک تمدن کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا گروہ جنم لے چکا ہے جن کے نزدیک نیکی اور اخلاق کا اصل پیمانہ صرف ذاتی مفاد ہے اور ان کے ہاں

بھلائی اور برائی کو جانچنے کا اصل معیار صرف مادی کامیابی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس بیان کو زیادہ وقعت نہ دی جائے کیونکہ ان خیالات کا پیش کرنے والا اسلامی افکار سے متاثر ہے اس لیے ہم ذیل میں چند دوسرے مفکرین کی آراء پیش کرتے ہیں ان سے اس رجحان کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر جوڈ کہتے ہیں:

''صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے حصول دولت کی خواہش پچھلے دو سو سال سے دیگر محرکات عمل سے زیادہ بڑھ کر کارفرما رہی ہے کیونکہ دولت حصول ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور عظمت و شان سے انسان کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سیاسیات، ادب، سینما، ریڈیو اور کبھی کبھی گرجاؤں کے منبروں سے سال بسال سامعین کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ مہذب قوم وہی ہے جس میں تملیکی جذبہ انتہائی ترقی کر چکا ہو''۔(۳۵)

لن یوٹانگ (Linyuton) ایک چینی مفکر نے دور جدید کی مادہ پرستی کا نقشہ اپنی کتاب ''اشک وتبسم کے درمیان'' (Between Tears and Laughter) میں ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ معاشی طرز فکر نے تمام دوسرے افکار پر غلبہ پا لیا ہے اور اس زمانہ میں معاشی معاملات دوسرے تمام معاملات کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہیں اس وقت معاشیات کے لگائے ہوئے چرکوں پر ہمارا ہوس پرست طبقہ اسی جنسی آزادی کی خاطر اشتراکیت اور سوشلزم کا شیدائی ہے اور پاکستان کو سرخ دیکھنا چاہتا ہے کراچی کی آگ ان ہی کی لگائی ہوئی بیان ہوتی ہے''(۳۶)

خودغرضانہ رجحانات:

نظام معیشت کی خرابی کا نقطہ آغاز خودغرضی کا حد اعتدال سے بڑھ جانا ہے پھر دوسے رذائل اخلاق اور ایک فاسد نظام سیاست کی مدد سے یہ چیز بڑھتی اور پھیلتی ہے۔ یہاں تک کہ پورے معاشی نظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہریلا اثر پھیلا دیتی ہے۔ شخصی ملکیت اور بعض انسانوں کا بعض کی بہ نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا یہ دونوں عین فطرت کے مقتضیات تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی اگر انسان کی تمام اخلاقی صفات کو توازن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور خارج میں بھی ایک ایسا نظام سیاست موجود ہوتا جو زور وقوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو ان سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو سکتی تھی لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خودغرضی، تنگ نظری، بداندیشی، بخل، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شیطان نے انہیں یہ سمجھایا کہ تمہاری اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت تمہیں ملتے ہیں اور جن پر تمہیں حقوق مالکانہ حاصل ہیں ان کے صحیح ومعقول مصرف دو ہیں۔

ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش، آرائش، لطف، تفریح اور خوش باشی میں صرف کرو دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کرو اور بن پڑے تو انہی کے ذریعے انسانوں کے خدا اور ان کا داتا

بھی بن جاؤ۔(۳۷)

غربت اور اس کے اسباب

افراط زر:

غربت کے اسباب میں سے پہلا سبب افراط زر ہے۔اسی نے دنیا کی معیشت کا بیڑا غرق کیا ہے اس کے خاتمے پر معیشت پر اچھا اثر پڑے گا۔سونا و چاندی، پیدائش کے اعتبار سے نقد ہیں۔اس لیے ان کو نقد اصلی یا نقد حقیقی کہتے ہیں۔ سکہ رائج الوقت نقد عرفی ہے۔ یہ نقد اصلی کی جگہ نقد عارضی ہے۔نقد اصلی کی نقدیت کو کوئی طاقت منسوخ نہیں کر سکتی مگر نقد عارضی کو جب چاہیں منسوخ کر سکتے ہیں۔منسوخ ہونے کے بعد نقد عارضی کی قیمت گر جاتی ہے بلکہ ختم ہو جاتی تو جب نقد عارضی نقد اصلی کی جگہ ہے تو سکہ رائج الوقت یا نوٹ اتنا ہی چھاپنا چاہیے جتنا نقد اصلی ہمارے پاس ہے کیونکہ یہ روپیہ وغیرہ تو سونے اور چاندی کی وجہ سے اس کی نسبت سے ثمن اصلاحی ہے تو سونا اور چاندی منسوب الیہ ہونے اور روپیہ یا سکہ رائج الوقت مقابلۃً بڑھ جائے گا و بلا نسبت رہ جائے گا اور وہی معیشت کی بدحالی کا باعث بنے گا اور بن رہا ہے لہذا افراط زر سے بچنا چاہیے ورنہ معیشت کسی بھی ملک کی خراب ہوسکتی ہے۔(۳۸)

ارتکاز دولت:

غربت کے اسباب میں سے دوسرا سبب ارتکاز دولت ہے۔ارتکاز کے لغوی معنی ہیں ایک جگہ اکٹھا ہونا یعنی دولت کا ایک مرکز پر جمع ہونا۔یہ خرابی سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ کی ملکیت سے ایک انسان ذرائع پیداوار دولت پر قابض ہوجاتا ہے اور تمام دوسرے عوامل اس کے اجرتی غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام میں حکومت ارتکاز دولت کے معاملے میں بالکل بے بس ہوتی ہے اس نظام کے ارتقاء کے نتیجہ میں دولت بتدریج سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھ آ گئی اور غریب اور مزدور اپنی جائیداد اور دولت غرض سب کچھ سے محروم رہ گئے۔اس سے سرمایہ داروں کو مزدور حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہوگئی۔

بے روزگاری:

غربت کے اسباب میں سے تیسرا سبب بے روزگاری ہے اس کی وجہ بھی سرمایہ دارانہ نظام ہے جب کوئی نظام انسانی حق آسائش زندگی پر متجاوز ہونا شروع ہوتا ہے تو اس کے بطن میں کئی فتنے پرورش پانے لگ جاتے ہیں۔سرمایہ دار اپنے ہم جنس سے بدظن ہوکر اس کی تخریب کے درپے ہو جاتا ہے چونکہ اس کی ساری پیداوار منڈی کے لیے ہوتی ہے اور معاشی منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے اس کی مقدار پیداوار کو طلب وضرورت سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ رسد (Supply) طلب (Demand) سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔اس سے منڈی کے بھاؤ گر جاتے ہیں۔ متوقع منافع میں کمی ہو جاتی ہے اب اس کا علاج یہ ہے کہ کچھ کارخانے بند ہو جائیں۔اس کے لیے کارخانہ داروں کے

درمیان مقابلہ بلکہ مقاتلہ شروع ہو جاتا ہے اور عیار سرمایہ دار اپنے حریفوں پر عرصہ حیات تنگ کر کے ان کو میدان عمل سے نکال دیتے ہیں۔ نتیجتاً ملک کے وسائل حیات پر چند سرمایہ دار قابض ہو جاتے ہیں۔ وہ پیدائش کے مفاد کے خلاف اپنی معاشی اغراض کے لیے جدوجہد کریں۔ روپیہ کمانے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے۔

ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کر کے مال دار بن سکتا ہے قانون کی نظر میں جائز ہے شراب بنایئے اور بیچئے اور بداخلاقی کے اڈے قائم کیجئے، شہوانی فلم بنایئے، فحش مضامین لکھیے، جذبات کو بھڑکانے والی تصویر شائع کیجئے، سٹے کا کاروبار پھیلایئے، سودخوری کے ادارے قائم کیجئے، قمار بازی کی نئی نئی تصویریں نکالیے۔ غرض جو چاہے کیجے قانون نہ صرف آپ کو اس کی اجازت دے گا بلکہ الٹا آپ کی حقوق کی حفاظت کرے گا۔ پھر جو دولت اس طرح سمٹ کر جس کے پاس جمع ہوگئی ہو قانون یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ سمٹی رہے۔(۳۹) یہ وہ اسباب ہیں جن سے نوع انسانی کے لیے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی زمین میں ہر شخص کو سامان زیست بہم پہنچانے کا انتظام کس طرح کیا جائے۔

عیش پرستی و اسراف وتبذیر:

اسلامی اخلاقیات کی رو سے عیاشی اور لذیت پرستی کی وہ تمام صورتیں جو دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ سرے سے جائز ہی نہیں ہیں۔ اسلام ان تمام کو ممنوع قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی مالکوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنے ملازمین سے بے انصافی کے مرتکب نہ ہوں اور ان کے جائز معاوضوں میں کوئی کمی نہ کرے، بلکہ انہیں کا پورا پورا حق دیں۔ ارتکاز دولت بھی لازمین پر ظلم اور زیادتی ہی کی ایک صورت ہے۔ اس لیے بے انصافی کے خاتمہ کے لیے اس کا سدباب بھی ضروری ہے چنانچہ اسلام اس لیے بھی ارتکاز دولت کے خلاف ہے۔ اسلام لوگوں کے اندر خدا کی راہ میں اہل خرچ کرنے کا جذبہ ابھارنا چاہتا ہے۔ خواہ اس کے لیے انہیں اپنا سبھی کچھ لٹا دینا پڑے۔ جس معاشرے میں خوشحال لوگ اس طرح خدا کی خاطر دوسروں پر خرچ کرتے رہتے ہیں، وہاں غربت اور محرومی باقی رہ ہی نہیں سکتی، کیونکہ یہ دونوں تو خود غرضی کی پیداوار ہیں اگر صراحتاً یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عیاشی اور اسراف وتبذیر خودغرضی کی پیداوار ہیں، جس کی وجہ سے معاشرے کے متمول افراد اپنی ساری دولت اپنے ذاتی آرام و آسائش پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ چنانچہ یہ برائی سرمایہ دارانہ نظام اور غلط معاشی نظام کا نتیجہ ہے۔(۴۰)

ان سرمایہ داروں نے اپنی اصل ضروریات میں بے شمار دیگر ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو اپنی صلاحیتیں، تہذیب وتمدن کی بہتر خدمات کے لیے استعمال ہوسکتی تھیں۔ اپنی نفسیاتی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ زنا کے لیے فاحشہ عورتوں اور دیوثوں کا ایک لشکر فراہم کر دیا۔ غناد موسیقی کے لیے گویوں، ناچ کرنے والیوں، سازندوں اور آلات موسیقی تیار کرنے والوں کی ایک اور فوج تیار کی گئی۔ دیگر تفریحات کے لیے مسخروں، نقالوں، ایکٹروں، ایکٹرسوں، داستان گووں، مصوروں اور نقاشوں وغیرہ کا گروہ کثیر مہیا کیا گیا۔ ان سرمایہ داروں کے لیے شکار بھی ضروری تھا جس کے لیے ان افراد کو اس کام پر لگایا گیا جو اس کام سے بھلا اور بہتر کام کر سکتے تھے کہ جنگلوں میں شکاری

جانور پالتے پھریں۔ ان کے لیے سرور و نشاط اور خود رفتگی بھی ایک ضرورت تھی جس کی خاطر بہت سے انسان شراب، کوکین، افیون اور دوسرے مسکرات کی فراہمی میں مشغول کیے گئے۔

غرض اس طرح ان شیطانوں کے بھائیوں نے نہ صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ بے رحمی کے ساتھ سوسائٹی کے ایک بہت بڑے حصے کو اخلاقی، روحانی اور جسمانی تباہی میں مبتلا ہونے کے لیے چھوڑ دیا بلکہ مزید ظلم یہ کیا کہ ایک اور بڑے حصے کو صحیح اور مفید کاموں سے ہٹا کر بیہود اور ذلیل کاموں پر لگا دیا پھر بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ انسانی سرمایہ (Human Capital) کو ضائع کرنے کے ساتھ مادی سرمایہ کو بھی غلط طریقہ سے استعمال کیا۔ ان کو محلات، کوٹھیوں، گلستانوں، تفریح گاہوں، ناچ گھروں وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوئی حتیٰ کہ مرنے کے بعد زمین میں لیٹنے کے لیے ان کو ایکڑوں زمین اور عالیشان عمارتوں کی حاجت درپیش ہوئی اور اس طرح سے وہ زمین وہ سامان تعمیر اور وہ انسانی محنت جو بہت سے بندگان خدا کے لیے سکونت اور معیشت کا انتظام کرنے کے لیے کافی ہوسکتی تھی ایک ایک عیاش آدمی کے لیے ان کے مستقر اور مستودع پر صرف ہوگئی۔ ان سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو شاندار سواریوں، نفیس لباسوں، اعلیٰ درجے کے آلات وظروف، زینت و آرائش کے سامانوں، زیوروں اور نامعلوم کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئی۔ حتیٰ کہ ان ظالموں کے دروازوں کو قیمتی پردوں کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس کے بغیر وہ تنگ ہوتے تھے۔ ان کے محلات کی دیواریں ہزاروں اور لاکھوں روپے کی تصویرات سے مزین ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں۔ ان کے کمروں کی زمین بھی لاکھوں روپے کے قالین اوڑھنا چاہتی تھی ان کے کتوں کو بھی مخمل کے گدے اور سونے کے پٹے درکار تھے۔

اس طرح سے وہ بہت سا مواد اور وہ کثیر انسانی عمل جو ہزار ہا انسانوں کے تن ڈھانکنے اور پیٹ بھرنے کے کام آسکتا تھا وہ ایک ایک شخص کی عیش پرستی اور نفس پرستی کے لیے وقف ہوگیا۔(۴۱) نبی کریمﷺ کے معاشی سلوک یا معاشی رویہ کے بارے میں آپ وہ معاشی سکون تلاش کر سکتے ہیں جس پر آپ سنگدل سرمایہ دار تو نہیں بن سکیں گے۔ مگر آپ ایک اچھے انسان ضرور بن سکتے ہیں جس کے رزق میں برکت ہوگی جس کو اللہ کریم کے وعدوں پر یقین ہوگا جو سخی اور قناعت پسند ہوگا۔ جو خود بھوکا رہ کر بھی دوسروں کو کھانا کھلانے والا جو کمزوروں، بے کسوں اور غریبوں کا سہارا ہوگا جسے دوسروں کا حق دبانا اس سے کہیں زیادہ شاق گزرے گا جتنا اس کا کوئی حق دبا جائے تو اسے شاق گزرتا ہے۔ رسولﷺ نے معاشیات کے ایسے اصول وضع فرمائے جن پر عمل کر کے ہم اپنی معیشت کو آسودہ حال کر سکتے ہیں رسولﷺ نے معیشت کو بہتر بنانے کے لیے جو زریں اصول دیئے وہ درج ذیل ہیں:

اپنی محنت سے کمانا:

نبی کریمﷺ کے اسوہ حسنہ کا اولین پہلو یہ ہے کہ آپ اپنی محنت کر کے اللہ کریم کے رزق کے خزانوں سے کماتے، خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے۔

قال رسول اللهﷺ اذا اصليتهم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقكم(۴۲)

''رسول کریمﷺ نے فرمایا جب تم نماز فجر پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند کا نام نا لو''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

قال رسول اللہ ﷺ الذنوب ذنوب لایکفر الالھم فی طلب المعیشۃ(۴۲)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بعض گناہوں میں ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف طلب و حیثیت کی فکر اور جدوجہد ہی ہوسکتا ہے۔

آپ ﷺ نے باقاعدہ نبوت ملنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں بکریاں چلائیں تجارت کو وسیلہ رزق بنایا پھر نبوت ملنے کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی دولت کے ساتھ تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ آپ کے اس مبارک معاشی طرز عمل میں تمام مسلمانوں کے لیے بالعموم اور دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لیے بالخصوص یہ قیمتی سبق موجود ہے کہ یہ ایسے لوگ کسی دوسرے کے مال یا معاشی سہارے پر گزر اوقات کے بجائے اللہ کریم کے خزانوں میں سے محنت کر کے کمائیں اور خوددار رہ کر دعوت دین کا کام کریں۔ وہ سرمایہ داروں اور مال کو ذریعہ عزت سمجھنے والے احمقوں کی نگاہ میں بے وقعت بھی نہیں رہیں گے اور اس طرح حق بات کہنے میں کسی وڈیرے کا جھوٹا رعب بھی ان پر نہیں رہے گا۔

سخاوت اور فیاضی:

سخاوت اور فیاضی نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے دو ایسے پر تو ہیں جن کی چمک سے افلاس و محتاجی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے محتاج خانے بھی امید اور خوشحالی کے نور سے جگمگانے لگتے ہیں سخاوت اور فیاضی کے ذریعے اغنیاء کے خزانوں سے نکل کر محتاج فقیر کی جھونپڑی تک پہنچ جاتی ہے۔

عن ابی ھریرہ یبلغ بہ النبی ﷺ قال قال اللہ یا بن آدم انفق علیک وقال یمین اللہ فلای وقال ابن نمیر ملاں سحاء نخیضیحا شی اللیل النھار (۴۴)

''ابوھریرہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم خرچ کر میں بھی تیرے اوپر خرچ کروں اور فرمایا حضرت محمد ﷺ نے کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور رات دن کے خرچ سے کچھ کم نہیں ہوتا ہے''۔

اسی طرح دوسری روایت ہے کہ:

عن ابی مسعود ن البدری رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ قال المسلم اذا انفق علی اھلہ نفقۃ ھو یحتسبھا کانت لہ صدقہ(۴۵)

''ابومسعود نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور اس میں ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ صدقہ ہے اس کے لیے''۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ سخی اور رمضان المبارک کے مہینہ میں زیادہ سخاوت فرماتے زندگی بھر کسی سائل کے سوال پر ''نہیں'' کا لفظ آپ کی زبان مبارک پر نہیں آیا مگر اس پر تواضع اور عبدیت کا یہ عالم ہے کہ کبھی اس سخاوت کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں فرمایا بلکہ اسے اللہ کریم کے کرم اور احسان سے ہی

تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

انما انا قاسم و خازن الله یعطی(۴۶)

''میں تو صرف تقسیم کرنے والا اور خازن ہوں دینے والا تو اللہ کریم ہی ہے''۔

اس فیاضی اور سخاوت کے ذریعے آپﷺ نے امت کو یہ سبق بھی سکھانا تھا کہ دولت کو کنز بنانے کی بجائے اسے حاجت مندوں تک پہنچائیں اور اس سنہری سبق پر پہلے معلم انسانیتﷺ نے خود عمل کر کے دکھایا۔

مزدور سے محبت:

مزدور کسی بھی ملک کی گاڑی کا ایک پہیہ ہوتے ہیں جب کہ دوسرا پہیہ سرمایہ دار ہوتا ہے اگر مزدور کو خوش رکھا جائے اور اس کی عزت افزائی کی جائے جس کا وہ بجا طور پر اہل بھی ہے تو وہ خوش اسلوبی سے کام کرے گا جس کے نتیجہ میں ملکی معیشت ترقی کرے گی مگر بدقسمتی سے یہ طبقہ بھی غریبوں کی طرح ہمیشہ سے مالدار کارخانہ دار اور زمیندار کے استحصال کا شکار رہا ہے۔ نبی کریمؐ نے اس مزدور طبقہ کو اس کا صحیح مقام دلانے کے لیے عملی اور قولی دونوں طریقوں سے کوشش فرمائی، مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی۔ آپ نے ہمیشہ مزدوروں کی طرح پتھر، پانی اور گارا اٹھا اٹھا کر گویا مزدور بن کر مزدوروں کو فرمان حال سمجھا دیا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں اور ساتھی وہی ہوتا ہے جو ساتھی کے جذبات و احساسات کی قدردانی کرے اور اس کے دکھ سکھ کا شریک ہو اور اس کی عزت کا پاسبان ہو۔ فرمان رسالتﷺ ہے:

قال رسول اللهﷺ اعطوا الاجیر اجرۃ قبل ان یجف عرقه(۴۷)

''رسول اللہﷺ نے فرمایا مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو''۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین قسم کے آدمی ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا ایک وہ شخص جس نے مجھ کو اپنا عہد دیا اور پھر غداری کی اور ایک وہ شخص جس نے آزاد غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کا ثمن کھایا اور ایک وہ انسان جس نے کسی شخص سے اجرت پر کام لیا اور کام پورا کرالیا اور اس کی واجبی اجرت نہ دی''۔(۴۸)

احتکار اور چور بازاری:

فقہ میں احتکار سے مراد کوئی شخص غلہ وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لیے خرید لے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا مرکز صرف وہ ہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے تو وہ من مانی گراں فروشی کرے۔ اسی احتکار کی مثال کے لیے اس زمانے یں زیادہ کنج وکاو کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مہاجنوں کا وہ گروہ جو کاشت کاروں کو قرض کے نام سے سود پر روپیہ دے کر ان کی کمائی کو غلہ کی شکل میں دستبردار کرتا ہے اور ان سے ارزاں نرخ پر خرید کر کھیتوں میں بھر رکھتا ہے اور اس طرح ارزانی وگرانی کا کفیل بن جاتا ہے۔ یہ احتکار کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ احتکار

کے مضر اثرات کی شدت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کاروباری افراد ذخیرہ شدہ شے کو کھلے بازار میں لانے کی بجائے چور بازاری کے ذریعہ کئی گنا زیادہ قیمت پر فروخت کرنا شروع کر دیتے ہیں ہوتا دراصل یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے حامل ممالک میں جب بھی کبھی قدرتی عامل کے تحت گرانی پیدا ہوتی ہے تو بجائے اس کے عامل کی اصلاح کی طرف توجہ کی جائے Price Control وغیرہ کے ذریعہ ایسے اقدامات کیے جاتے ہیں کہ ان کی بناء پر نا صرف تاجر لوگ احتکار پر مجبور ہو جاتے ہیں بلکہ ان میں چور بازاری کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ قدرتی عامل کے تحت اگر چیزیں گراں ہو جاتی ہیں تو ان کے ارزاں نرخ متعین کرنا ان اشیاء کے پیدا کرنے والوں اور فروخت کرنے والوں پر ظلم کے ہم معنی ہیں۔ ظاہر ہے کوئی بھی کاروباری فرد کسی بھی حالت میں اس پر تیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنے مال کو ایسے داموں فروخت کر دے جو اس کی اصل لاگت سے بھی کم ہوں اسے اگر قانونی دباؤ کے تحت مجبور کیا جائے گا تو وہ خسارے سے بچنے کے لیے فطری طور پر یہی کرے گا کہ کھلی منڈی میں فروخت بند کر دے اور چوری چھپے ضرورت مندوں کے ہاتھوں خاطر خواہ نفع پہنچے۔ تسعیر کا طریقہ تو اسی وقت درست ہے اور مفید بھی اسی وقت ہوسکتا ہے جب گرانی قدرتی عوامل کے تحت رو پذیر نا ہوئی ہو۔ بلکہ خود غرض اور مفاد پرست عناصر نے مصنوعی طور پر رسد میں کمی کر کے نرخ گرانے کی کوشش کی ہو۔

غرض احتکار ایک ایسی معاشی بیماری ہے جو سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں نہ صرف ناگزیر ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نا ہوگا کہ خود اس کی اپنی پیدا کردہ ہے یہی وجہ ہے نظام سرمایہ داری کے پاس اس بیماری کا موثر علاج نہیں۔ اگر آپ نبی ﷺ کے معاشی رہنما اصولوں کا تقابل جدید سرمایہ دارانہ معاشی نظریات سے کریں تو ان دونوں میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشیات کی تعلیم سے کسی فرد کا بہترین رویہ اور عقل مند اور معقول معاشی رویہ اس وقت ہوگا جب وہ کم از کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کرنے والا ہو۔ یعنی بخیل بھی ہو اور معاشی فائدہ بھی زیادہ اٹھانے والا ہو یہ جدید سرمایہ دارانہ معاشیات کا مسلمہ اصول ہے کیا اس مسلمہ اصول پر عمل کر کے کسی فرد کو آپ تخی اور دوسرے کی خاطر ایثار کرنے والا پا سکتے ہیں؟ جب کہ نبی کریم ﷺ کا اسوہ تو یہ سبق لکھاتا ہے کہ خود بھوکا رہ کر تمام خوراک بھوکوں اور مہمانوں کو کھلا دی جائے اور اپنا نقصان کر کے بھی دوسرے مسلمان بھائی کے نفع کا تحفظ کیا جائے۔ الغرض اگر ہم سیرت رسول ﷺ سے رہنمائی حاصل کریں تو مسلم امہ کو درپیش تمام چیلنجز کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱- القرآن الحکیم: (۲۱:۳۳) ۲- ایضاً: ۱۰ (یونس): ۱۰۱۔ ۳- ایضاً: ۳۴ (سبا) ۴۶۔ ۴-متقی ہندی کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال: ج:۳، ص: ۵۷۱۱۔ ۵- سیوطی، جلال الدین: الجامع الصغیر، ج:۱، ص: ۱۱۳۔ ۶- الترمذی، محمد بن عیسیٰ سورہ ابوعیسیٰ، سنن الجامع، ج:۲، ص: ۱۸۷۔ ۷- القرآن الحکیم: ۳ (آل عمران) ۱۰۱-۹۰۔ ۸- ایضاً: ۳۹ (الزمر) ۱۸-۱۷۔ ۹- محمد طفیل، نقوش رسول نمبر ج ۱ دسمبر ۱۹۸۲ء ص ۱۶۔ ۱۰- خان اشفاق، محمد ڈاکٹر، مذہب اور سیکولرزم مطبع المطبعہ العربیہ لاہور ۱۹۹۶ء،

ص:۳۹-۳۳۸ـ ۱۱- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج:۱،ص:۲۰۴ـ ۱۲- انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج:۲۴،ص:۵۲۱ـ ۱۳- ایضاً، ج:۲۴: ص۱۰۹۱ـ ۱۴- امینی محمد تقی، مذہبی امور کا تاریخی پس منظر،فضل سنز اردو بازار، کراچی ۱۹۸۷ء ص:۱۷۰ـ ۱۵- القرآن الحکیم، ۲(البقرہ) ۱۱۲ـ ۱۶- ایضاً ۴۶:۳:۱۱۳ـ ۱۷- ایضاً: ۲۸:۱۳ـ ۱۸- ایضاً، ۸۳:۲ـ ۱۹- ایضاً، ۶۲:۱۰-۶۴ـ ۲۰- صحیح مسلم، صحیح بخاری۔ ۲۱- صحیح مسلم۔ ۲۲- صحیح مسلم، کتاب الزہد۔ ۲۳- شیخ محمد علی، اسلام اور افکارنو،ص ۳۰۶ـ ۲۴- مولانا وحید الدین خان، اسلام اور عصر حاضر (عصری اسلوب میں اسلام کا تعارف) ص:۱۰۸، مکتبہ اشرفیہ لاہور۔ ۲۵- القرآن، ۲۸:۱۳ـ ۲۶- القرآن الحکیم: ۲۸:۱۳ـ ۲۷- CA Coulson Science and Chirstian Belief. P-10 ۲۸- صحیح بخاری و صحیح مسلم ۲۹- سیتاپوری نام، تلخیص مقدمہ ابن خلدون، ص:۸۸-۸۵ـ ۳۰- محمد اسحاق سندیلوی، اسلام کا سیاسی نظام، ندوہ العلماء لکھنو معارف اعظم گڑھ، ص ۸۵ـ ۳۱- القرآن الحکیم، الاحزاب ۳۳ـ ۳۲- صحیح مسلم، کتاب العمارہ باب نمبر ۵ـ ۳۳- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ باب فی اعتزال النافی المساجد عن الرجال۔ ۳۴- سید قطب شہید، اسلام اور مغرب کی تہذیبی مسائل، ص:۱۳۳ـ ۳۵- Lawerance wamlers Gettles History of Polittical Thoughr London P.335-336 ۳۶- Langatong between Tears and Laughers p-25 ۳۷- سید قطب شہید، اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، ص:۱۳۶ـ ۳۸- مودودی، ابوالاعلیٰ سید، معاشیات اسلام، ص:۵۵-۵۴ـ ۳۹- قریشی حسین محمد مولانا، شاہ ولی اللہ کا نظریہ معیشت اور عصر حاضر میں اس کی افادیت ص:۱۴۵-۱۳۵ـ ۴۰- ایضاً: ص:۱۹ـ ۴۱- محمد اسحاق حکیم، اسلام کا معاشی معیار اخلاق، حصہ اول ص:۱۸۱-۱۷۸ـ ۴۲- متقی ہندی، کنز العمال، ج:۲،ص:۲۸۶ـ ۴۳- طبرانی فی الاوسیط، ص ۶۷ـ ۴۴- علامہ وحید الدین صحیح، مترجم شرح نووی ج ۳،ص:۲۱ حذیفہ اکیڈمی لاہور۔ ۴۵- ایضاً۔ ۴۶- بخاری، کتاب الادب باب حسن الخلق ص:۵۶ـ ۴۷- القشیری، ابوالحسن مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب القطہ دارالکتب بیروت ص:۴۹ـ ۴۸- قزوینی، عبداللہ بن محمد زید القزوینی، ابن ماجہ، باب لا جارہ، ص ۴۷، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر سید عبدالمالک آغا - کوئٹہ

الحمد لِلّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ ۔ وان ھذا امتکم امۃ واحدۃ وأنا ربکم فاتقون(۱)

ترجمہ: بے شک، یہ تمہاری امت، فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تم مجھ ہی سے ڈرو"

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ اٰخرین (۲)

''حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔حق تعالیٰ جل شانہ قرآن مجید کے ذریعہ قوموں کو بلند فرماتے ہیں اور اسی قرآن مجید کے ذریعہ قوموں کو ذلت وپستی میں مبتلا کر دیتے ہیں''

:Abstract

آج کے دور میں امت مسلمہ کو، بلکہ ہر مسلمان ملک کو نہ صرف مختلف نوعیت کے مسائل کا سامنا ہے بلکہ انتہائی سنگین چیلنجز بھی درپیش ہیں۔ یہ مسائل اور چیلنجز اندرونی بھی ہیں اور بیرونی بھی۔ مثلاً انفرادی بگاڑ ہو، اجتماعی نقص ہو، مادیت اور روحانیت میں عدم اشتراک ہو، اعلیٰ اخلاقی اقدار میں تباہ کن زوال ہو، انسداد منشیات ہو، یا قانون، سیاست، نظام عدل، دفاع، اقتصاد، معاشرت، تعلیم، تہذیب وثقافت اور وحدت امت کے گھمبیر مسائل ہوں، عربی زبان کی ترویج، سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی وخودکفالت کا چیلنج ہو، مغربی میڈیا کے منفی اثرات کا چیلنج ہو، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی یکطرفہ الزام تراشی کا چیلنج ہو، عالمی برادری کی توجہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے پس پردہ عوامل کی طرف مبذول کرانے کا چیلنج، اسلام کو درست طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنے کا چیلنج ہو یا عالمگیر دباؤ اور جدید گلوبلائزیشن کے ہمہ جہت اثرات کا چیلنج، ان تمام چیلنجز اور جملہ مسائل کے درحقیقت دو بنیادی اسباب ہیں:

(۱) قرآن سے روگردانی اور

(۲) آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی

علاوہ ازیں ایک تیسرا اہم سبب مادہ پرستی بھی ہے۔ اس کا علاج اور مداوا رجوع الی القرآن، اسوۂ حسنہ کی پیروی، اتحاد امت، اجتماعی توبہ اور مادیت اور روحانیت میں توازن واشتراک ہے۔ نیز اسلام کو مغربی معاشرے اور تہذیب کی صحت مندی کے لیے ایک اہم علاج کے طور پر پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مسلم ممالک میں تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ

پہلے مغربی ملکوں میں تبدیلی لائی جائے۔

چیلنج اور مسائل کے اسباب

قرآنی تعلیمات سے روگردانی:

اس وقت مسلم امہ کو جو چیلنج اور مسائل درپیش ہیں اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کے سب سے بڑے سبب دو ہیں یعنی قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مالٹا کی چار سالہ قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات عشاء کے بعد دارالعلوم میں علماء کی جماعت سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ: ''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔''

یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا۔ فرمایا کہ:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان اپنی اور دینوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے (۳)

عروج و زوال کا ذریعہ قرآن:

اقوام مسلم کے عروج و زوال اور عزت و رسوائی کا ذریعہ ہمیشہ قرآن رہا ہے۔ حکیم ونباض امت حضور ﷺ نے کافی پہلے بلندی اور ذلت و پستی کا ذریعہ یہی ارشاد فرمایا تھا:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ ان الله یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع به اخرین (۴)

''حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ جل شانہ قرآن مجید کے ذریعہ قوموں کو بلند فرماتے ہیں اور اسی قرآن مجید کے ذریعہ قوموں کو ذلت و پستی میں مبتلا کر دیتے ہیں''

بقول اقبال

ع وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

رجوع الی القرآن:

امت مسلمہ کے تمام امراض وعلل کا مداوا قرآن اور اسوہ حسنہ کی پیروی ہے۔ اب بھی ملت اسلامیہ کے افراد اگر اس زندہ کتاب کی جانب رجوع کریں تو ان کے جملہ مسائل حل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ہدایت کا اصل منبع قرآن وسنت ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ(۵)
میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے یہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے''

علامہ اقبالؒ نے بھی امہ کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے رجوع الی القرآن تجویز کیا۔ چنانچہ نہایت پرشکوہ الفاظ میں حسب ذیل فارسی اشعار میں بیان کیا کہ:

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج گردش دوران شدی (۶)
اے چو شبنم بر زمین افتندہ
دربغل داری کتاب زندہ! (۷)

ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی امت مسلمہ کی زبوں حالی کا مداوا قرآن تجویز کیا:

''یعنی'' اے امت مسلمہ، تو درحقیقت تو خوار اور زبوں حال اس لیے ہوئی کہ قرآن حکیم سے اپنا تعلق توڑ بیٹھی۔ گردش دوران کے شکوے خوامخواہ کر رہی ہے۔ اے وہ قوم جو شبنم کی طرح زمین پر پڑی ہوئی ہے (چنانچہ اغیار واعداء تجھے پامال کر رہے ہیں۔) اب بھی اس ''زندہ کتاب'' کی جانب رجوع کرے جو تیری بغل میں ہے (تو تیرے تمام امراض وعلل کا مداوا ہو جائے گا۔'' (۸)

ایک منظم تحریک کی ضرورت:

قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلمان ایک منظم تحریک چلائیں۔ جیسا کہ مفتی سیاح الدین کاکا خیل نے لکھا ہے:

''اس اساسی خرابی اور اجتماعی نقص کا ازالہ یوں کرنا چاہیے کہ بڑے پیمانے پر ایک تحریک کی صورت میں قرآن مجید کی تعلیمات کی نشر واشاعت ہو۔ ہر جگہ قرآن مجید کی تعلیم وتدریس کے حلقے قائم ہوں اور ایک منظم اور زوردار تحریک کے طور پر مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر حلقہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کو خوب اچھی طرح پھیلایا جائے''(۹)

آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی:

آج کے دور میں مسلم دنیا کی پستی، محکومی اور زوال کا دوسرا سبب مسلمانوں کا آپس میں اختلاف اور انتشار اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ان کی فرقہ بندی وفرقہ پرستی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری مسلمان قوم میں بلا تفریق نظریہ ومسلک، اتحاد واتفاق اور پوری یکجہتی پیدا کی جاوے اور ہر قسم کا اختلاف وانتشار اور فرقہ واریت کا خاتمہ کر کے ان میں ہم رنگی اور ہم آہنگی کی کوشش تیز کی جائے (۱۰) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا(۱۱)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا''

قرآن حکیم نے امت مسلمہ سے قبل امتوں اور ان کے اختلافات کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (۱۲)

''اور سب لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر جدا جدا ہو گئے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی اختلاف کی سختی سے ممانعت فرمائیں۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

لا تختلفوا فان من كان قبلكم اختلفو فهلكو (۱۳)

''اختلاف نہ کرو تم سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے اختلاف کیا لہٰذا وہ ہلاک و برباد ہو گئے۔''

حق سبحانہ وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو ایک امت یعنی جماعت دیکھنا چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (۱۴)

''اور (اے لوگو) یہ تمہاری جماعت بلاشبہ ایک ہی جماعت ہے (تم فرقے فرقے نہ بن جانا) میں تمہارا (واحد) رب ہوں لہٰذا مجھ سے ڈرتے رہنا''

پس کتاب وسنت سے اعراض اور آپس کے اختلافات وفرقہ بندی کا نتیجہ امہ کی ناکامی اور ضعف ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (۱۵)

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانا کرو اور آپس میں جھگڑے نہ کیا کرو، ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

امت مسلمہ کے تمام افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپس میں رحیم وکریم اور جسد واحد کی طرح باہم متحد ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۱۶)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں، وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل ہیں''

حدیث نبوی ﷺ ہے:

ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم تعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضواً تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (۱۷)

''تم مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، باہم محبت کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ نرمی و

شفقت کرنے میں ایسے دیکھو گے جیسے ایک جسم ہوتا ہے(جسم کا حال یہ ہوتا ہے کہ) اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے، تو اس کی وجہ سے سارا جسم بیدار رہتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے''

ایک اور فرمان نبوی ﷺ ہے:

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً وشبک بین اصابعہ(۱۸)

''مومن، مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے''

پھر آپ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک دی(یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر باہم پیوست ہونے کو واضح کیا) آپ ﷺ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ: ایا کم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنا جشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدا بروا وکونوا عباد اللہ اخوانا(۱۹)

''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ کسی کی راز جوئی نہ کرو، کسی کی جاسوسی نہ کرو، قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ دو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، باہم دگر روگردانی نہ کرو، اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن کر رہو''

دوسروں سے پہلے اپنی اصلاح:

اگرچہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا طبقہ علماء ہی ہے لیکن بعض اوقات یہ جماعت بھی آزمائش میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس لیے علماء پہلے اپنے اصلاح کی فکر کریں اور اپنے دلوں کو بغض وعناد سے پاک رکھیں۔ مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے:

کاش ہم مل کر سوچیں اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ کیونکہ اصل مرض یہی ہے کہ حب مال وجاہ، حسد وبغض کی نجاستوں سے اپنے قلوب پاک نہیں، ہمیں اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم چوری، رشوت، سود، شراب، رقص وسرود، اور سینما سے پرہیز کرتے ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں۔ لیکن خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہماری یہ نماز روزہ کی پابندی اور سود، شراب، رقص وسرود سے پرہیز کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اپنی مولوی گری پیشہ کی خاطر ہو..... ورنہ اگر ہم ان چیزوں سے خالص اللہ کے خوف کی بنا پر بچے ہوتے تو حب مال وجاہ، حسد وبغض، کبر وریاء سے بھی بچے ہوتے۔...... اور یہی وہ چیزیں ہیں جو دراصل سارے تفرقوں کی بنیاد ہیں''(۲۰)

بداعمالی:

اس وقت مسلمانوں کی زبوں حالی کا ایک خاص سبب ان کی اجتماعی غلط روی اور مجموعی بداعمالی ہے۔ کیونکہ قوموں

اور امتوں کو ان کی مجموعی بداعمالی کی سزا اکثر و بیشتر دنیا میں دے دی جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف!(۲۱)

لہٰذا ضروری ہے کہ موجودہ صورت حال کے اسباب اور قرآن کے فلسفہ عذاب کو مدنظر رکھا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (۲۲)

اور جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کے باعث ہوتی ہے۔ اور اللہ بہت سی کوتاہیوں سے تو درگزر بھی کرتا رہتا ہے۔''

لمحہ فکریہ ہے گناہ گاروں کے ساتھ ساتھ بے گناہ بھی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً. وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲۳)

''اور ڈرو اس وبال سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو لاحق نہ ہوگا! اور جان رکھو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے''

حدیث نبوی ﷺ ہے:

''حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے کہ تم مبتلا ہو تو پانچ چیزیں بطور نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی۔ پھر ان کی تفصیل فرمائی (۱) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں تو ان میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہیں ہوئیں۔ (۲) اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے ان کی گرفت کی جائے گی (۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی (حتیٰ کہ) اگر چوپائے (گائے، بیل، گدھا، گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ (۴) اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑ دے گی اللہ اس پر دشمن کو مسلط فرما دے گا۔ جو ان کی مملوک چیزوں پر قبضہ کرے گا۔ (۵) اور جس قوم کے بااقتدار لوگ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلے دیں گی تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے''(۲۴)

امہ کو عالمگیریت کے چیلنج کی پیشگوئی:

اس وقت امت مسلمہ کو مختلف محاذوں پر جن زبردست چیلنجز کا سامنا ہے اس کی اطلاع حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں کافی پہلے دی تھی:

''حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قریب ہے کہ اقوام عالم ایک

دوسرے کو تم پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دیں گی جیسا کہ کھانا کھانے والے ایک دوسرے کو اپنے دستر خوان کی طرف بلاتے ہیں'' اس پر کسی نے کہا: ''کیا اس روز ہم تعداد میں کم ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تعداد میں تو اس روز تم بہت زیادہ ہو گے، لیکن تمہاری حیثیت جھاگ سے زیادہ نہ ہوگی، جیسا کہ سیلاب کا جھاگ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وہن (کی بیماری) ڈال دے گا''۔ پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ وہن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت'' (۲۵)

حدیث بالا میں حب زر کا تذکرہ ہے۔ اس لیے مادیت اور روحانیت میں توازن و اشتراک کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان دونوں میں عدم توازن ایک طرح کی انتہا پسندی ہے۔ جسے اسلام نے رد کیا ہے۔ امت مسلمہ کی ترقی و کامیابی صرف مادیت میں نہیں بلکہ مادیت و روحانیت کے اشتراک میں مضمر ہے۔ خود مغرب کے دانشور اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں۔ جرمن دانشور مراد ہوف مین اور ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ بیل، دونوں دانشوروں نے اس بدیہی حقیقت کو دریافت کر لیا ہے کہ کوئی انسانی تہذیب کبھی روحانیت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ (۲۶)

قول اور عمل میں تضاد:

مسلمانوں کی زوال پذیری کا ایک خاص سبب ان کا قول اور عمل میں تضاد ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۲۷)

اے ایمان کے دعویدارو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ تمہارا یہ طرز عمل کہ جو زبان سے دعویٰ کرو اس پر عمل میں پورے نہ اترو اللہ کے غضب کو بہت بھڑکانے والا ہے۔''

اجتماعی توبہ:

مسلم امہ کی نجات کا واحد ذریعہ اجتماعی توبہ ہے۔ بشرطیکہ وہ توبہ نصوح ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ. (۲۸)

''سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی، اور جو ایمان لائے اور جنہوں نے بالفعل اچھے عمل کیے، تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔''

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس کی سواری جنگل میں گم ہو گئی، جس پر اس آدمی کے کھانے پینے کا سامان تھا، سو وہ اس سے ناامید ہو گیا پھر مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں ایک درخت کے سائے تلے لیٹ گیا۔ پس جب وہ اس پریشانی میں مبتلا تھا تو ناگہاں اس کی سواری اس کے قریب آ کھڑی ہوئی، اس نے

سواری کی لگام تھام لی، پھر اس نے فرطِ مسرت سے اس طرح کہہ دیا: ''اے اللہ! تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں'' اس نے بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے غلطی کی (یعنی الٹ کہہ دیا)(۲۹)

لوگوں پر عذاب الٰہی کے نزول کا ایک سبب یہ بھی ہے تا کہ لوگ توبہ کر لیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (۳۰)

''خود لوگوں کے ہاتھوں کی کرتوتوں سے خشکی میں اور تری میں (یعنی ہر جگہ ہر طرح) خرابیاں ظاہر ہو چکیں ہیں۔ اس غرض سے کہ خدا ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تا کہ وہ ایسی حرکات سے باز آ جائیں۔''

تفسیر کاشف البیان میں مواخذہ کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے:

لعلهم يرجعون میں تنبیہ ہے تا کہ لوگ اپنے ناکردنی اعمال سے باز آ جائیں اور آئندہ کے لیے اصلاح کر لیں اور یہی ان حوادث تکوینی کا راز ہے''(۳۱)

جدید گلوبلائزیشن کے ہمہ جہت اثرات

معیشت کو درپیش مسائل اور چیلنجز:

عالمگیریت کیا ہے؟ عالمگیریت تسخیر عالم کا نیا نام ہے۔ جدید عالمگیریت کا سب سے زیادہ زور آزاد منڈی پر ہے۔ نیز مالیاتی کنٹرول بھی عالمگیریت کا حصہ ہے۔ چنانچہ عصر حاضر کا ایک دانشور اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہے:

''اس وقت عالمگیریت کا جو تصور پیش کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کو ایک کھلی منڈی قرار دیا جائے اور آزادانہ تجارت کا اصول اپنایا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہر ملک اپنی مصنوعات بغیر کسی روک ٹوک کے مارکیٹ میں لا سکے گا۔ اس تجارت میں دوڑ ہو گی جو پیچھے رہ جائے گا وہ پٹ جائے گا۔ یہ معمولی عقلمند آدمی بھی جانتا ہے کہ دوڑ میں وہی کامیاب ہو گا جو طاقتور ہو، مضبوط اعصاب والا ہو، غریب ممالک اس دوڑ میں کب مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میدان امیر ممالک کے ہاتھ میں رہے گا''(۳۲)

معیشت ہر ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن آج مسلم ممالک وسائل کے باوجود پسماندہ ہیں۔ امت مسلمہ کے پاس اقتصادی وسائل بہت ہیں۔ مثلاً دنیا بھر میں پٹرولیم کے ذخائر کا 70 فیصد حصہ مسلم ممالک کے پاس ہے۔ عالمی پیداوار کے حوالے سے پٹ سن میں 92 فیصد، گوند میں 89 فیصد، قدرتی ربڑ میں 73 فیصد، کپاس میں 36 فیصد، ٹن میں 52 فیصد، فاسفیٹ میں 33 فیصد اور گرم مصالحہ جات میں 28 فیصد حصہ امت مسلمہ کے پاس ہے۔ مجموعی طور پر دنیا

بھر کے وسائل اور معدنیات کے 35 فیصد حصے کے مالک مسلم ممالک ہیں۔ ان وسائل کے باوجود امت مسلمہ اقتصادی طور پر پسماندہ ہے۔(۳۳)

مسلم ممالک کی سالانہ فی کس آمدنی سے ان کی غربت اور پس ماندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دنیا میں سب سے کم فی کس آمدن کے لحاظ سے 10 ممالک ہیں جن میں سے 5 مسلم ممالک ہیں۔ مثلاً ایتھوپیا، چاڈ، مالی، صومالیہ اور نائجیر مسلم ممالک ہیں۔ ایک طرف لکسمبرگ کی فی کس سالانہ -/33700 امریکن ڈالر جبکہ دوسری طرف چاڈ کی فی کس سالانہ آمدن 856 امریکن ڈالر ہے(۳۴)

اس وقت وطن عزیز پاکستان میں 3 کروڑ 64 لاکھ افراد خط غربت کے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جمعہ کو وقفہ سوالات کے دوران وزیر منصوبہ بندی کی طرف سے ایوان کو بتایا گیا کہ وفاقی ادارہ شماریات کی جانب سے پاکستان سماجی و معیار زندگی پیمائش سروے 05-2004 کے مطابق مذکورہ اعداد و شمار سامنے آئے۔ غربت کے مسئلے پر قابو پانے کے لیے حکومت طویل المدت تخفیف غربت حکمت عملی اپنائے ہوئے ہے(۳۵)۔ وطن عزیز میں اقتصادی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ بیرونی سرمایہ کاری کو مزید پرکشش بنایا جائے۔ صدر پاکستان کی اس سلسلے میں مساعی قابل قدر ہیں ان کی بیرونی سرمایہ کاروں کو سہولیات فراہم کرنے کے سلسلے میں ایک بھرپور عزم نو ہے۔

مسلم ممالک کی اقتصادی بدحالی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے ممالک تین کھرب 183 ارب ڈالر کے مقروض ہیں۔(۳۶)

حالانکہ اسلام نے حتی الوسع قرض سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ حدیث نبویﷺ ہے:

ایاکم و الذین فانه هم باللیل، ومزلة بالنهار (رواه البیهقی)

غیر سودی معیشت:

آج کے اکثر جدید تعلیم یافتہ افراد یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سود کو مکمل طور پر ختم کرنے کے بعد بنک کاری، تجارت خارجہ، بین الاقوامی مالی تعلقات کیسے منظم کیے جا سکیں گے؟ حالانکہ اس وقت مسلم اور غیر مسلم ماہرین اقتصادیات اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا میں غربت اور بے روزگاری کا سبب سودی نظام ہے۔ حضور نبی اکرمﷺ نے 15 صدی قبل ایک بے مثال ریاست اسلامی قائم فرمائی تھی جس کا معاشی نظام سود سے پاک تھا۔

سودی نظام کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ عصر حاضر کے ایک ماہر اقتصادیات کے بقول: ''نچلا اور متوسط طبقہ بے روزگاری اور گرانی میں پستا چلا جاتا ہے...... مولانا مناظر احسن گیلانی کے خوبصورت الفاظ میں ایک طرف ''دولت کا ورم'' اور دوسری طرف معاشی لاغری پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں نفرت کا لاوا کروڑوں انسانوں کے سینے میں جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔'' (۳۷) موصوف آگے رقمطراز ہیں:

''مشرق اور مغرب سے اقتصادی اور معاشی میدان میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سود کو دنیا سے ختم کر دیا جائے۔ دور جدید میں مغربی معاشیات کا امام ''لارڈ کینز'' لکھتا

ہے کہ جب تک دنیا سے سود کو ختم نہیں کر دیا جائے گا، بے روزگاری کا مسئلہ حل طلب رہے گا''(۳۸)

حرمت سود کے بارے میں چند احادیث:

1۔ ''سات تباہ و برباد کر ڈالنے والے امور سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! وہ تباہ و برباد کر ڈالنے والے امور کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا...... اور سود کھانا......(۳۹)

2۔ ما احد اکثر من الربوا الا کان عاقبة امره الی قلة (۴۰)

''جس شخص نے سودی کاروبار کیا، اس کا انجام ہمیشہ مال کی کمی اور نقصان پر ہوا''

معیشت میں توازن:

اسلام نے میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

ما عال من اقتصد(۴۱)

''جس نے معیشت میں میانہ روی اختیار کی۔ وہ تنگدست نہ ہوگا''

ایک اور فرمان نبوی ﷺ ہے:

الا قتصاد فی النفقة نصف المیعشة(۴۲)

''خرچ میں میانہ روی نصف معیشت ہے''

حدیث نبوی ہے۔

کلو واشربو والبسوا و تصروا من غیر اسراف ولا مخیلة وقال ابن عباس کل ماشئت والبس ماشئت ماخطا تک اثنان، سرف او مخیلة(۴۳)

''نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو اور ابن عباس نے کہا ہے اسراف اور گھمنڈ سے بچتے ہوئے جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہو پہنو''

پس معاشی نظام کو مستحکم رکھنے کے لیے جتنی اہمیت طلب رزق میں اعتدال و قناعت کی ہے اس سے کہیں زیادہ خرچ میں اعتدال کی ہے۔ اس لیے ہر مسلم ملک کے لیے ضروری ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کو پیش نظر رکھ کر اقتصادی پالیسی وضع کرے۔ تعلیمات نبوی ﷺ کے آئینے میں معاشی ترقی کو ترجیح دی۔

پس اندازی (بچت) کرنا:

نبی کریم ﷺ کی معاشی تعلیمات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ فرد اپنی ساری کمائی میں سے کچھ بچا کر رکھے۔ تاکہ اس سے مستقبل کی غیر متوقع ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ آپ ﷺ نے حضرت کعبؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

امسک علیک بعض مالک فهو خیر لک(۴۴)

''اگر تم اپنے مال میں سے کچھ بچا لو (یا بچا لیا کرو) تو تمہارے لیے بہتر ہوگا''
ایک اور فرمان نبوی ﷺ ہے:
''ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس فی ایدیھم''(۴۵)
''اگر تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر مرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج کر کے چھوڑو اس حال میں کہ وہ جو کچھ دوسرے لوگوں کے پاس ہے اسے تکتے پھریں''
آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہراتؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:
ان امرکن مما یھمنی من بعدی(۴۶)
''تمہارے معاملے نے مجھے فکر میں ڈال رکھا ہے کہ تمہاری گذر میرے بعد کیوں کر ہوگی''

معاشی ترقی وخوشحالی:

اسلام نے دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی، ترقی وخوشحالی اور فراخی کا درس دیا ہے۔ حلال کسب کے طلب کو فرض قرار دیا ہے۔جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:
''طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ''(۴۷)
''حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے لیے فریضہ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے''
آپ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد نیند سے منع فرمایا ہے اور طلب رزق کے لیے کوشش کی تعلیم دی ہے: اذا صلیتم صلوٰۃ الجفر فلا تناموا عن طلب ارزاقکم (۴۸) ''جب تم صبح کی نماز ادا کر لو تو اپنے رزق کے لیے جدوجہد کئے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو'' حضور نبی کریم ﷺ نے ہاتھ کی کمائی کو بہت کمائی قرار دیا ہے: ما اکل احد کم طعاماً قط خیرا من عمل یدہ (۴۹) ''تم میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کے کھانا سے بہتر کوئی نہیں کھایا ہوگا''
آپ ﷺ نے اپنی ایک جامع حدیث میں فرد کے معاشی رویہ کا احاطہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:
''اور یہ یقیناً یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے مگر جس نے اسے حلال طریقہ سے کمایا اور حلال طریقہ سے خرچ کیا یہ اس کا دنیا وآخرت میں اچھا مددگار بنے گا۔ جس نے اسے حرام طریقہ سے حاصل کیا حرام طریقہ سے استعمال کیا وہ اس شخص کی مانند ہوگا جو کھاتا رہے مگر پیٹ نہ بھرے اور قیامت کے دن یہی مال اس کے خلاف گواہ بھی بنے گا اور اسے رسوا کر کے چھوڑے گا''(۵۰)
فراخی وخوشحالی سے متعلق فرمان نبوی ﷺ ہے:
''فراخی وخوشحالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے''(۵۱)
آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:
''وسیع مکان، نیک پڑوسی اور عمدہ سواری آدمی کی بہبود میں شامل ہیں''(۵۲)
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کسی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے(۵۴)

حدیث کی رو سے غربت انسان کو کفر کے قریب لے جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات نے فقر، قلت اور ذلت سے پناہ کی دعا مانگی ہے:

اللهم اعوذ بک من الفقر، وأعوذ بک من القلة والذلة،

''اے اللہ مجھے فقر، قلت اور ذلت سے پناہ عطا فرما(سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، باب الاستعاذہ)

پس امت مسلمہ کو نبی کریم ﷺ کے ان فرامین کو پیش نظر رکھنا ہوگا بالخصوص فقر اور غربت کے حوالے سے کہ غربت انسان کو کفر کے قریب لے جاتی ہے۔

تعلیم، سائنس وٹیکنالوجی کا چیلنج:

آج امت مسلمہ کو تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی زبردست چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں اعلیٰ ترین یونیورسٹیاں پانچ سو ہیں۔ مگر ان میں سے ایک بھی یونیورسٹی کسی مسلم ملک میں موجود نہیں ہے۔ اکثر اسلامی ممالک ناخواندہ ہیں۔ مسلم ممالک میں خواندہ افراد کا تناسب مایوس کن ہے۔ مثلاً افغانستان میں خواندہ افراد کا تناسب 29 فیصد، البانیہ میں 75 فیصد، الجزائر میں 52 فیصد، بحرین میں 77 فیصد، بنگلہ دیش میں 35 فیصد، چاڈ میں 15 فیصد، کومورو میں 15 فیصد، ایران میں 54 فیصد، مالی میں 25 فیصد، ماریطانیہ میں 30 فیصد، مراکش میں 35 فیصد، عمان میں 20 فیصد، پاکستان میں 35 فیصد، سینگال میں 10 فیصد، صومالیہ میں 24 فیصد، اور یمن میں 38 فیصد ہے۔ جبکہ دوسری جانب تمام مغربی ممالک میں خواندہ افراد کا تناسب 90 اور 100 کے درمیان ہے(۵۵)

سائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف شعبوں میں اکٹھ اسلامی ممالک کی مجموعی افرادی قوت 80 لاکھ ہے جو اس شعبے میں مصروف کار عالمی آبادی کا صرف 4 فیصد ہے۔ ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ کے میدان میں اسلامی ممالک کا حصہ عالمی افرادی قوت کے ایک فیصد سے بھی کم ہے(۵۶) اقوام متحدہ کے اعداد وشمار کے مطابق یورپ میں اس وقت فی ہزار پچاس سائنس دان کام کر رہے ہیں حالانکہ عالمی اوسط چار سائنس دان فی ہزار ہیں۔ لیکن مسلم دنیا میں تو یہ صرف اعشاریہ ایک سائنس دان فی ہزار رہ جاتی ہے جو کہ نہایت ہی قابل افسوس ہے(۵۷) پس ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھیں کیونکہ یہ دور تحقیق اور ترقی کا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی معاشرے کی معاشی ترقی کی بنیاد فراہم کرتی ہے لیکن اس میدان میں مسلم ممالک بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

عصری علوم:

علم مومن کی میراث ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

''طلب العلم فريضة على كل مسلم''(۵۸)

علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد یوں ارشاد فرمایا:

انما بعثت معلما (۵۹)

''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''

الغرض دینی علوم، عصری علوم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ معاون ہیں۔ قرآن حکیم نے انسان کی توجہ تسخیر کائنات کی طرف مبذول کرائی ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے وہ سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے تمہارے لیے مسخر کر دیا اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر دیں'' (۶۰)

حدیث نبوی ﷺ ہے:

''وہ لوگ اللہ کے بہترین بندے ہیں جو سورج، چاند، ستاروں اور رویت ہلال کے نظام کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس سے ان کو اللہ کی قدرت یاد آتی ہے یا اس سے ذکر اللہ کے لیے اوقات کے تعین میں مدد ملتی ہے (۶۱)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کے رائج الوقت مفید علوم کا اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ نے ترغیب دلائی کہ نشانہ بازی، تیراکی، طب، علم الانساب اور علم تجوید کی تعلیم ضرور دی جائے۔ عصری علوم سے متعلق امام غزالی کا نقطۂ نظر یہ ہے:

''علم شریعت میں کمال حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور علم طب، علم زراعت، علم حساب و ہندسہ حتیٰ کہ بال کاٹنا بھی فرض کفایہ ہے کیونکہ اگر بال کاٹنے کا فن کسی کو بھی معلوم نہ ہو تو انسان کا کیا حال ہوگا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جملہ علوم جس پر امت مسلمہ کی ترقی کا انحصار ہو امت مسلمہ کے لیے اس کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے (۶۲)

تمام مسلم ممالک کے لیے ضروری ہے کہ جدید وعصری علوم پر خصوصی توجہ دیں کیونکہ ان کے بغیر مسلم عالمگیریت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے خود انحصاری کا درس دیا ہے۔ امت مسلمہ کو خود انحصاری کی ضرورت ہے۔ برطانیہ جیسے ممالک میں مسلمان طلباء کو نیوکلیر سائنسز میں داخلہ بہت کم ملتا ہے۔ اس لیے مسلم ممالک اپنی بین الاقوامی یونیورسٹیاں بنائیں جہاں مسلمان طلباء کو تمام عصری علوم وفنون پڑھانے کا اہتمام ہو۔

مغربی میڈیا کا چیلنج:

اس وقت مغربی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈہ کر رہا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اسلام کو غلط رنگ دے کر اسے بدنام کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ انتہاء پسند اور دہشت گرد ہر معاشرے میں اور مذہب میں ہوتے ہیں لیکن کسی دوسرے مذہب کا تعلق دہشت گردی سے نہیں جوڑا جاتا۔ اس معاملے میں صرف مسلمانوں کو ہی نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ نذر الحفیظ نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

''اس دور میں پچانوے فیصدی میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور وہی پوری دنیا کی ذہن سازی کا کام

کر رہے ہیں، یہودیوں کی پسند پوری دنیا کی پسند، ان کا ذوق پورے عالم کا ذوق، اور ان کی کراہیت ونفرت کا جو نشانہ بنتا ہے پوری دنیا اس سے نفرت کرتی۔۔۔ آخر ایسا کیوں ہے، اس لیے ہے کہ ذرائع ابلاغ اور اقتصادیات جیسے دو مضبوط و مستحکم ستونوں پر ان کی عمارت قائم ہے''(۶۳)

اسلام میں میڈیا کی دینی اہمیت وضرورت:

دنیا کو پیغام رسانی کے سبب حق سبحانہ وتعالیٰ نے امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا ہے:

كنتم خير امت اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله (۶۴)

''تم بہترین امت ہو جسے تمام انسانوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ تمہارا کام یہی ہے کہ نیکی کا حکم دو، برائیوں سے روکو اور خود اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھو''

عصر حاضر کے ایک دانشور نے میڈیا کی دینی اہمیت کو یوں اجاگر کیا ہے:

''اسلام میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کی دینی اہمیت وضرورت کی حسب ذیل بنیادیں ہیں!

1۔ دین اسلام پوری دنیا اور تمام نوع انسانی کے لیے ہے۔۔۔۔2۔اس دین کو جو بھی قبول کرتا ہے اس کے ذمہ اس پیغام کا حق دوسروں تک پہنچانا بھی واجب ہے(۶۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ما على الرسول الا لبلاغ والله يعلم ما تبدون وما تكتمون(۶۶)

''رسول ﷺ پر تو صرف پیغام پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کھلے چھپے حالات سے باخبر ہے''

میڈیا اور دعوت:

قرآن حکیم میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا مفہوم ادا کرنے کے لیے جو لفظ مستعمل ہے وہ لفظ ''دعوت'' ہے جو بلیغ ترین قرآنی تعبیر ہے جیسا کہ نذر الحفیظ نے لکھا ہے:

قرآن حکیم نے دعوت کی تعبیر کو مندرجہ ذیل مقامات پر استعمال کیا ہے:

ادع الى سبيل ربك با لحكمة...... ولتكن منكم امة يدعون الى الخير...... قال نوح رب انى دعوت قومى ليلا''(۶۷)

مسلم ممالک کا المیہ یہ ہے کہ اصل مسائل سے چشم پوشی کرتے ہیں اس کے برعکس حضور ﷺ معاشرے کے ہر چھوٹے بڑے واقعات اور خبروں کا نوٹس بروقت لیا کرتے، جب بھی کوئی قضیہ پیش آتا، کوئی خبر یا افواہ ہوتی، آپ ﷺ ان سے فوری طور پر حکمت عملی اور دانشمندی سے نمٹتے، آپ ﷺ بڑی سرعت سے مسجد تشریف لاتے، الصلاۃ جامعۃ کا اعلان ہوتا، منبر پر تشریف لے جاتے، اور حمد وثنا کے بعد اس قضیہ یا خبر یا واقعہ کے متعلق پوری وضاحت فرماتے(۶۸)

الغرض ذرائع ابلاغ دو دھاری تلواریں ہیں جن سے خیر اور بھلائی کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے اور برائی اور شر کو بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔(۶۹)

عصر حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلم ممالک کی میڈیا پالیسی ایک ہونی چاہیے۔

اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل کا چیلنج:

اس وقت امت مسلمہ کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کے چیلنج کا سامنا ہے۔ اسلام امن و آتشی کا دین ہے اور اس میں دہشت گردی اور انتہاء پسندی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ انتہا پسندی خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، قرآن و سنت میں اس کی ممانعت ہے۔ اسلام نے کسی معاملے میں بھی یہاں تک کہ عبادت میں بھی انتہا پسندی کا درس نہیں دیا۔ فرقہ بندی کی تردید میں تقریباً قرآن حکیم کی اکیس مقامات پر مختلف سیاق میں تذکرہ موجود ہے۔ اگر تمام مسلم ممالک میں ایسے تھنک ٹینکس قائم کیے جائیں جو دہشت گردی، انتہاء پسندی، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی یکطرفہ الزام تراشی کا جواب دینے اور اسلام کا صحیح رخ سامنے لانے کے لیے کام کریں تو بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ گذشتہ دنوں اسی مقصد کے لیے سعودی بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے عالم اسلام کا ؤنٹر ٹیررازم سنٹر قائم کرنے کی تجویز دی تھی(۷۰)

دنیا بھر میں اسلام کے اس عظیم عالمگیر پیغام کو پھیلانا ہے کہ اسلام نظام امن ہے اور اس کی اساس میانہ روی اورانسان دوستی پر ہے۔ مشہور عالم ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے پوری دنیا کو دارالدعوۃ قرار دیا ہے(۷۱) کیونکہ امت مسلمہ کے کاندھوں پر تمام روئے زمین کے لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی کے خیال میں جب تک خود مغربی ملکوں میں تبدیلی نہیں ہوگی اس وقت تک مشرقی ملکوں میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس لیے کہ تمام مشرقی ممالک کے سوچ مغربی ممالک کے پاس ہیں۔(۷۲)

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں و سفارشات:

۱۔ رجوع الی القرآن۔(۲) وحدت امت (۳) اجتماعی توبہ(۴) ایک امیر کا انتخاب(۵) عربی زبان کی ترویج: عربی زبان کو عصر حاضر میں بین الاقوامی جدید ترین زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے اسے عالم اسلام میں بہتر فضا، اتحاد کے حوالے سے، پیدا کرنے کے لیے ایک مشترک زبان کے طور پر رواج دینے کی اشد ضرورت ہے۔(۶) اقتصادی میدان میں امیر مسلم ممالک کا تعاون (۷) اسلامی مشترکہ منڈی (۸) خود انحصاری و خود کفالت (۹) مشترکہ بنکنگ اور بین الاملی کرنسی کی ترویج (۱۰) افرادی قوت اور اس کی حفاظت (۱۱) وسطی ایشیائی ریاستوں سے خصوصی اقتصادی تعاون (۱۲) سود کی تنسیخ یعنی غیر سودی معیشت (۱۳) عرب او رغیر عرب ممالک مغربی بنکوں سے اپنا پیسہ نکال کر مسلم ممالک کے بنکوں میں جمع کرنا (۱۴) اسلامی تہذیب کا احیاء اور فروغ (۱۵) مشترکہ میڈیا پالیسی (۱۶) تھنک ٹینکس کا قیام (۱۷) اسلام کا صحیح رخ دنیا کے سامنے پیش کرنا (۱۸) انتہاء پسندی اور دہشت گردی کے اسباب سے نمٹنے اور ان کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کرنا۔(۱۹) دینی تحریکات اور حکومتوں کے مابین کشمکش کا خاتمہ (۲۰) مسلم ممالک کو ایک دوسرے کے مسائل میں بھرپور دلچسپی

کا مظاہرہ کرنا چاہیے (۲۱) عالم اسلام کاؤنٹر ٹیررازم سنٹر کا قیام عمل میں لائیں۔

:Conclusion

امت مسلمہ تعلیم، سائنس وٹیکنالوجی، اقتصادیات اور میڈیا کو تعلیمات نبویﷺ کی اساس پر بھرپور ترقی دیں۔ نیز عالمی برادری کی توجہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے پس پردہ عوامل کی طرف مبذول کرائیں۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی یکطرفہ الزام تراشی کا جواب دیں اور اسلام کا صحیح رخ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ عالمگیر پیغمبر رحمتﷺ کے تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا اہتمام کریں۔ تمام عالم کو اپنا میدان عمل بنائیں اور تمام انسانوں کو اپنا مخاطب سمجھیں۔ عین ممکن ہے کہ اکیسویں صدی اور اس کی عالمگیریت کے ہتھیار زیر ہو کر عالمگیر امت مسلمہ کی تشکیل کا وسیلہ بن جائے۔ جیسا کہ حدیث میں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے: اللہ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھا دیا۔ چنانچہ میں نے اس کیسارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی اور یقین رکھو کہ میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔" (۴۳)

حوالہ جات

۱- المؤمنون،۲۳:۵۲۔ ۲-مسلم، ابوالحسن الشافعی (م ۲۶۱ھ) جامع الصحیح، کتاب المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلمہ۔ ۳-مفتی محمد شفیع، مولانا وحدت امت، طارق اکیڈمی ڈی گراؤنڈ، فیصل آباد، ۲۰۰۴ء ص ۵۷-۵۸۔ ۴-مسلم، جامع الصحیح، کتاب المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ۔ ۵- خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب اعتصام بالکتاب و السنۃ۔ ۶- اسرار احمد ڈاکٹر، مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، مکتبۃ انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۶۲۔ ۷- ایضاً۔ ۸- ایضاً، ص ۱۶۲-۱۶۳۔ ۹- چوہدری، انتخاب محمد شاہد اتحاد امت ملکتبۃ المصباح، اچھرہ، لاہور، اپریل ۲۰۰۳ء ص ۷۔ ۱۰- ایضاً، ص ۱۲۔ ۱۱- ال عمران ۳:۱۰۳۔ ۱۲- یونس، ۱۰:۱۹۔ ۱۳- البخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم (م ۲۵۶ھ) الجامع الصحیح، کتاب فی الخصومات، باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم و الیھود۔ ۱۴- المؤمنون ۲۳:۵۲۔ ۱۵- الانفال، ۸:۴۶۔ ۱۶- الفتح، ۴۸:۲۹۔ ۱۷- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبھائم۔ ۱۸- ایضاً، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم۔ ۱۹-ایضاً: کتاب الادب، باب لینھی عن التحاسد والتدابر۔ ۲۰-مفتی محمد شفیع، مولانا وحدت امت، ص ۵۱-۵۲۔ ۲۱- اسرار احمد ڈاکٹر سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانانِ پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، ص ۱۸۔ ۲۲- الشوریٰ ۴۲:۳۰۔ ۲۳- الانفال: ۸:۲۵۔ ۲۴- ابن ماجہ، السنن ابواب الفتن، باب العقوبات۔ ۲۵-عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہﷺ: یو شک الامم ان تلاعی علیکم کماتداعی الاکلة الی قصعتها فقال قائل: من قلة نحن یومئذ–؟ قال: بل انتم یومئذ کثیر، ولکنکم غثاء لغثاء السیل ولیسنز عن الله من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوهن قیل: وما الوهن یارسول الله؟ قال: حب الدنیا و کراهیة الموت، ابوداؤد السنن۔ ۲۶- ندوی، نذر الحفیظ، مغربی میڈیا اور اس کے اثرات، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۳۷۲۔ ۲۷- الصف، ۶۱: ۲-۳۔ ۲۸- الفرقان، ۲۵:۷۔ ۲۹-مسلم، الجامع الصحیح، کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا۔ ۳۰- الروم، ۳۰:۴۱۔ ۳۱-محمد عبدالطیف خان، مولانا، تفسیر کاشف البیان، الروم: ۴۱، ج ۵، ص (ناشر محمد علی خان

آف ہوتی صوبہ سرحد) ۳۲- محمد مطیع الرحمن، قاضی، نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں، سیرت طیبہ کی روشنی میں مقالات سیرت، قومی کانفرنس، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء وفاقی وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، ص ۲۶۵۔ ۳۳- لیاقت علی خان، ڈاکٹر نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں، تعلیمات نبوی کی روشنی میں، ص ۳۳۰۔ ۳۴- ڈوگر، شاہد محمود، عامر شہزاد، دنیائے معلومات، ڈوگر پبلشرز ۱۷، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۱-۲۰۰۲ء ص ۳۱۹-۳۲۰۔ ۳۵- ہفت روزہ، ضرب مومن، جلد ۱۰، شمارہ ۳۷، یکم تا ۷رستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۔ ۳۶- لیاقت علی خان، ڈاکٹر نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں، ص ۳۳۰۔ ۳۷- محمود احمد غازی، ڈاکٹر اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۱۳۔ ۳۸- ایضاً: ص ۱۱۔ ۳۹- البخاری، جامع الصحیح۔ ۴۰- ابن ماجہ، السنن، ابواب التجارات، باب التغلیظ فی الربا۔ ۴۱- ابن حنبل، المسند، ج ۱، ص ۳۴۷۔ ۴۲- خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۶۳۲۔ ۴۳- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب قول، اللہ تعالیٰ: (قل من حرم زینة الله التی اخرج لعبادہ) ۴۴- ایضاً: کتاب الوصایا، باب اذا تصدق او وقف بعض مالہ او رقیقہ او دوابہ فھو جائز۔ ۴۵- ایضاً: ۴۶- خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب مناقب العشرہ رضی اللہ عنہم۔ ۴۷- ایضاً: کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال۔ ۴۸- علی المتقی، حسام الدین الہندی برہان پوری (۹۷۵) کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، ج ۲، حدیث ۴۱۲۸۔ ۴۹- خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال۔ ۵۰- ایضاً، کتاب الرقاق، فصل اول۔ ۵۱- محمد طفیل، نقوش ''رسول نمبر'' ادارہ فروغ اردو، لاہور ۱۹۸۴ء، ج ۸، ص ۵۶۲۔ ۵۲- البخاری، الجامع الصحیح، الادب المفرد، ص ۷۶۔ ۵۳- محمد طفیل، نقوش ''رسول نمبر'' ج ۸، ص ۵۶۵۔ ۵۴- ایضاً: ص ۵۶۲۔ ۵۵- جامی، نور الدین، نئے عالمی نظام کی تشکیل اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں۔

اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

عبدالماجد- مانسہرہ

ستاون (۵۷) سے زائد مسلم ممالک پر مشتمل امت مسلمہ دنیا میں خاص جغرافیائی اہمیت کے باوجود آج زندگی کے اکثر شعبوں میں جدید معیار کے مطابق نہ صرف غریب اور خستہ حال ہے بلکہ معاشی، سیاسی، سائنسی، عسکری اور دفاعی میدانوں میں دوسروں کی دست نگر ہے۔ اسی کمزوری کی وجہ سے دنیا میں سے ارزاں شے مسلمانوں کا خون اور ان کی عزت و عصمت کی تذلیل ہے۔ افغانستان ہو کہ فلسطین، عراق ہو کہ لبنان، کشمیر ہو کہ دنیا کا کوئی اور خطہ، ہر جگہ خون مسلم بہہ رہا ہے۔ عراق اور گوانتاناموبے کے عقوبت خانوں میں دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اس پر عددی اعتبار سے ڈیڑھ ارب پر مشتمل آبادی اتنی بے بس اور خاموش کیوں رہی، امت کا درد رکھنے والا ہر فرد عالم اسلام کی موجودہ صورت حال پر کرب و اضطراب کا شکار ہے۔ امت کے زوال کی یہ حکایت خونچکاں لکھنا اور اس کے زوال کے اسباب پر غور کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ ہمیں اپنی انتہائی پستی کا احساس ہو اور یہ احساس پیدا ہو کہ وہ امت جسے اس کے نبی ﷺ نے جسد واحد کہا تھا آج وہ زخموں سے چور ہے اور بقول حالی:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا عرب سے
وہ آج پردیس میں غریب الغرباء ہے

اس سے زیادہ اور کیا ہماری پستی ہوگی کہ دنیا میں ایک ہندو اور ایک بدھ کے مقابلے میں دو مسلمان، ایک یہودی کے مقابلے میں ۱۰۰ مسلمان ہیں اور امت کی جغرافیائی حدود سوا تین کروڑ مربع میل پر محیط ہونے کے باوجود ۵۷ اسلامی ریاستوں کی نمائندہ تنظیم او آئی سی (OIC) لبنان اور عراق میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو مضبوط قسم کی قرارداد مذمت پاس کر کے یک آواز رکوا نہ سکی۔ امت کی اس تمام بے بسی اور ناگفتہ بہ حالت پر اگر غور کیا جائے تو چند بڑے بڑے اسباب وعلل نظر آتے ہیں جو امت کے زوال کو دوام و استمرار بخشے ہوئے ہیں وہ اسباب یہ ہیں:

۱- علمی اور تحقیقی میدان میں پستی
۲- معاشی تنزل
۳- دفاعی اور عسکری میدان میں پسماندگی
۴- فکری میدان میں اتحاد کا فقدان
۵- داخلی انتشار اور افتراق وتشتت

۶- حقیقی ایمان و یقین سے محرومی اور قرآن سے دوری۔

آئیے درج بالا اسباب کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں۔

۱-علمی اور تحقیقی میدان میں پستی:

دنیا میں ترقی کا پہلا اصول علم اور تحقیق کے میدان میں آگے بڑھنا ہے، اس وقت پوری اسلامی دنیا میں صرف ۵۰۰ یونیورسٹیاں ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کو اگر ہم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کریں تو ایک یونیورسٹی ۳۰ لاکھ مسلمان نوجوانوں کے حصے میں آتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں صرف امریکہ میں ۵ ہزار ۷ سو ۵۸ یونیورسٹیاں ہیں اور ٹوکیو کے شہر میں ۱۰۰۰ یونیورسٹیاں ہیں، عیسائی دنیا کے ۴۰ فیصد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں جبکہ اسلامی دنیا کے دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں، اسلامی دنیا میں اکیس لاکھ لوگوں میں سے صرف ۲۳۰ لوگوں کو سائنس کا علم ہوتا ہے جبکہ امریکہ کے دس لاکھ شہریوں میں سے ۴ ہزار اور جاپان کے ۵ ہزار شہری سائنس دان ہوتے ہیں، پوری عرب دنیا میں صرف ۳۵ ہزار فل ٹائم ریسرچ سکالرز ہیں جبکہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد ۲۲ لاکھ ہے۔ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اعشاریہ دو فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے جبکہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ تحقیق اور علم پر لگاتی ہے۔ اس وقت دنیا میں ۲۰۰ یونیورسٹیاں ہیں، ان دو سو یونیورسٹیوں میں سے ۵۴ امریکہ، ۲۴ برطانیہ، ۱۷ آسٹریلیا، ۱۰ چین، ۱۰ جاپان، ۱۰ ہالینڈ، ۹ فرانس، ۹ جرمنی، ۹ کینیڈا اور ۷ سوئٹزر لینڈ میں ہیں، ان دو سو یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کی صرف ایک یونیورسٹی ہے جبکہ اس فہرست میں بھارت کی تین یونیورسٹیاں آتی ہیں، اگر ہم اس فہرست کا ذرا سا کڑا جائزہ لیں تو دنیا کی پہلی بیس یونیورسٹیوں میں ۱۸ یونیورسٹیاں امریکہ میں ہیں، کمپیوٹر کے پہلے دس بڑے ادارے امریکہ میں ہیں اور دنیا کے ۳۰ فیصد غیر ملکی طالب علم امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، پوری دنیا میں امریکہ اپنے جی ڈی پی کا دو اشاریہ چھ فی صد ہائر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں یورپ ایک اشاریہ دو اور جاپان ایک اشاریہ ایک فیصد خرچ کرتے ہیں۔ امریکہ ٹیکنالوجی اور ایجادات میں پوری دنیا میں پہلے نمبر پر آتا ہے اس کی کمپنیاں تحقیق پر دنیا میں سب سے زیادہ خرچ کرتی ہیں، امریکہ تحقیقی اداروں کے معیار میں سب سے آگے ہے اور اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ نوبل انعام یافتہ سائنسدان امریکہ میں ہیں۔ چین اور بھارت علم اور ٹیکنالوجی میں نئی طاقت بن کر ابھر رہے ہیں، امریکی ماہرین کا خیال ہے چین ۲۰۴۵ء میں امریکہ کی جگہ لے لے گا، اس کی وجہ یونیورسٹیاں اور ٹیکنالوجی ہے، چین میں اس وقت ۹۰۰۰ اور بھارت میں ۸۴۰۷ یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ دونوں ملک ہر سال ۹ لاکھ ۵۰ ہزار انجینئر پیدا کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں امریکہ میں ہر سال صرف ۷۰ ہزار نئے انجینئرز مارکیٹ میں آتے ہیں، اس وقت دنیا میں ۱۲۰ کیمیکل پلانٹس بن رہے ہیں، ان میں سے ۵۰ چین میں ہیں لہذا آپ دیکھ لیجئے اس وقت ہر وہ ملک ترقی یافتہ ہے جو علم، یونیورسٹیوں اور شرح خواندگی میں دنیا سے آگے ہیں اور ہر وہ ملک پسماندہ ہے جو علم میں پیچھے ہے اور بدقسمتی سے اسلامی دنیا اس شعبے میں سب سے پیچھے ہے۔(۱)

۲- معاشی تنزل:

ترقی کا دوسرا اصول معیشت ہوتی ہے، ۶۱ اسلامی ممالک کا مجموعی جی ڈی پی صرف ۲ ٹریلین ڈالر ہے جبکہ امریکہ صرف مصنوعات اور خدمات کے شعبے سے ۱۲ ٹریلین کماتا ہے، امریکہ کے صرف ایک شہر لاس ویگاس کی معیشت سوا تیرہ ٹریلین ڈالر ہے، امریکہ کی سٹاک ایکسچینج وال سٹریٹ ۲۰ ٹریلین ڈالر کی مالک ہے، صرف کوکا کولا کمپنی کے نام کی قیمت ۹۷ ارب ڈالر ہے، دنیا میں اس وقت ۳۶ ہزار ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں ان میں سے ۲۵ ہزار کا تعلق امریکہ سے ہے، دنیا کے ۲۵ امیر ترین لوگوں میں سے ۱۲ کا تعلق امریکہ سے ہے۔ دنیا کی ۵۲ فیصد فیکٹریاں عیسائی دنیا میں ہیں جبکہ دنیا کی ۷۰ فیصد صنعتوں کے مالک عیسائی اور یہودی ہیں، دنیا کی دس ہزار بڑی ایجادات میں سے ۶۱۰۳ ایجادات امریکی جبکہ ۸۳۱۵ ایجادات عیسائیوں اور یہودیوں نے کی تھیں۔اسلامی دنیا جتنی رقم کا تیل فروخت کرتی ہے امریکہ اور یورپ اس سے دوگنی رقم کی ہر سال شراب بیچتے ہیں، ہمارے سارے تیل کی مالیت امریکہ کی برگر بنانے والی تین کمپنیوں کے سالانہ ٹرن اوور کے برابر ہے۔ امریکہ کے سروسز کے شعبے کی آمدنی پوری اسلامی دنیا کے مجموعی جی ڈی پی سے زیادہ ہے اور ۶۱ اسلامی ممالک ہر سال ایکسپورٹس سے جتنی رقم حاصل کرتے ہیں اتنی رقم ہالینڈ صرف پھول بیچ کر کما لیتا ہے۔(۲)

۳- دفاعی اور عسکری میدان میں پسماندگی:

اس وقت دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت کون سی ہے؟ کس ملک کے پاس بڑی فوج ہے، کس کا دفاعی بجٹ زیادہ ہے، کس کے پاس دنیا میں سب سے زیادہ جوہری ہتھیار ہیں، میزائل کس کے پاس زیادہ ہیں، کس کے طیارے پوری دنیا کا چکر لگا سکتے ہیں، وہ کون سا ملک ہے، جس کے پاس توپیں اور ٹینک ہیں، جو لیزر گائیڈڈ بموں سے ہزاروں میل دور تباہی مچا سکتا ہے، کس کے مصنوعی سیارے دنیا کی ایک ایک انچ پر نظریں گاڑھے بیٹھے ہیں، وہ کون ہے جو دنیا کا ہر کمپیوٹر اور ہر ٹیلی فون مانیٹر کر رہا ہے یقیناً آپ کا جواب ہوگا کہ امریکہ ہے اور امریکہ کے بعد برطانیہ، جرمنی، فرانس، اٹلی اور روس آتے ہیں اور اس کے بعد چین اور بھارت کا نمبر آتا ہے(۳)، جبکہ بدقسمتی سے ایک بھی اسلامی ملک دفاعی سازو سامان بنانے والے ممالک کی فہرست میں شامل نہیں۔ پورے عالم اسلام میں پاکستان واحد اسلامی ملک ہے جس کے پاس ایٹم بم ہیں، اسلامی بلاک کے کسی ملک میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ کی یورپی ملک کے بغیر اپنا دفاع کر سکے، آپ اسلامی دنیا کی فوج تنصیبات اور فوجی اثاثوں کا تجزیہ کرلیں، ان میں سے اکثر کے پاس رائفل سے لے کر جہاز تک امریکہ اور یورپ کے ہوں گے یہ ہے اسلامی دنیا کی سائنسی، معاشی اور عسکری صورتحال جس کی وجہ سے امت زبوں حالی کا شکار ہے اور امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی دست نگر ہے۔

۴- اتحاد کا فقدان:

وہ امت جس کو پوری دنیا کی امامت کے لیے بھیجا گیا تھا اور جس کا فرض منصبی یہ تھا کہ ”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالی گئی ہو، تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکرات سے منع کرتے ہوئے اور اللہ پر ایمان رکھتے

ہو(۴) لیکن آج وہ امت خود رہنمائی کی زیادہ محتاج ہے۔ وہ امت جس نے اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے بنیان مرصوص بننا تھا اور باطل کا مقابلہ کرنا تھا وہ خود تفرقے کا شکار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امت نے ان اسلامی احکامات کو پسِ پشت ڈال دیا جو ان کی وحدت کا ذریعہ تھے، رسول پاک ﷺ نے امت کو باہم جوڑنے کے لیے جو ہدایات عطا کیں تھیں آج امت ان پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے زوال کا شکار ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.''(۵)

تمام مومن بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح رکھو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مسلمان کا مسلمان سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسے دیوار کے اجزاء جو ایک دوسرے سے پیوست ہو کر آپس کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے المسلم للمسلم کاالبنیان یشد بعضه بعضاً.(۶) مسمانوں کی آپس کی محبت اور رحمت و مہربانی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

لوگو! تمہارا خون، تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن تم اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو(۷) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ اس کی تکذیب کرے اور نہ ہی اس کی تحقیر کرے(۸) آج عددی اعتبار سے یہ امت کثیر ہے لیکن پھر بھی اتنی کمزور کہ ہر جگہ پٹ رہی ہے، وجہ اس کی فکری وحدت اور آپس کے اتحاد کا فقدان ہے ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ ہے۔

۵-مسلمانوں کا آپس کا انتشار اور افتراق:

اگرچہ حضور ﷺ کی تعلیمات افراط و تفریط سے پاک راہ معتدل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور بنی نوع انسان کو پرامن بقائے باہمی (Peaceful mutual co-existance) کے اصول کے ذریعے ایک کنبہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی اور جسے بنیان مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا آج وہ افتراق و تشتت کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں اور چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطہ نظر کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک کیا جا رہا ہے جو انتہائی خطرناک ہے کسی بھی معاملہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مذموم چیز نہیں کیونکہ قدرت کے نظام میں سو فیصد یکسانیت (Monotony) محال ہے لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھا لینا کہ باہم نزاع اور جنگ و جدال تک بات پہنچ جائے یہ بہرحال مذموم ہے۔ غیر منصوص احکام کے بارے میں اختلاف رائے خود رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں، جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن و احادیث میں صراحتاً نہ تھا، تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل و دیانت کی بناء پر ناگزیر بھی تھا لیکن بات کبھی بھی مستقل جھگڑوں اور ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر تک نہیں پہنچی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے حضورؐ اور صحابہ کے بے شمار ارشادات ہیں اور ائمہ کرام نے تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔(۹)

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہیں کرنا چاہیے یعنی ایک دوسرے کو یوں نہ کہے کہ آپ نے غلطی کی یا آپ غلطی پر ہیں(۱۰) کیونکہ مجتہدین کے اختلافات میں جب کوئی جانب منکر نہیں ہوتی تو غیر منکر پر نکیر خود منکر ہے اس لیے نرمی، خیر خواہی سے انسان دوسرے کو متنبہ کر دے اگر وہ قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ جھگڑا اور بدگوئی نہ کرے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ علم میں جھگڑا اور جدال ورعلم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے(۱۱) مفتی محمد شفیعؒ نے اس حوالے سے بڑی اچھی بات کہی ہے:

> ''اجتہادی و فروعی اختلافات کے ساتھ جو معاملہ آج کیا جا رہا ہے اسی بحث و مباحثہ کو دین کی بنیاد بنا لیا گیا ہے اور اس پر باہمی جنگ و جدال اور سب وشتم تک نوبت پہنچا دی گئی ہے۔ یہ طرز عمل بلاشبہ وَّلَا تَفَرَّقُوْا کی کھلی مخالفت اور صحابہ و تابعین کی سنت کے بالکل خلاف ہے، اسلاف امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہاد اختلافات کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو''(۱۲) (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے)

آج حضورﷺ کے وارثین کو آپﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے آپس میں افہام و تفہیم پیدا کرنی ہوگی بمطابق حکم ربانی ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''(۱۳) اور بزرگوں کے اس قول پر عمل کرنا ہے کہ ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ''(۱۴)

۲- قرآن حکیم سے دوری:

قرآن حکیم سے بعد بھی مسلمانوں کی پستی کا ذریعہ ہے جب مسلمان قرآن حکیم اور سنت رسولﷺ پر عمل پیرا تھے تو ان میں عروج کی طرف لے جانے والی وہ تمام صفات تھیں جو قرآن چاہتا ہے لیکن مرور زمانہ سے جب قرآن صرف تبرک اور ثواب کی چیز بن گیا اور عملی زندگی میں اس سے رہنمائی لینا ترک کر دی تو مسلمانوں میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جو قرآن نہیں چاہتا اور یہی چیز مسلمانوں کے زوال کا نقطۂ آغاز بن گئی۔ حضرت محمدﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب تک تم اس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو تم نہ ہلاک ہو سکتے ہو اور نہ ہی گمراہی تمہارا مقدر بن سکتی ہے(۱۵)'' لیکن فی زمانہ امت مسلمہ ہلاکت اور گمراہی کی طرف جا رہی ہے وجہ اس کی قرآن سے دوری ہے۔

خوار از مہجوریٔ قرآن شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

اے	چو شبنم	بر زمین	افتندۂ
دربغل	داری	قرآن	زندۂ

آج بھی شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی امت کے حوالے سے یہ تشخیص سو فیصد درست ہے:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور وفکر کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی و دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کا اختلاف اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن حکیم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔(۱۶)

۷۔حقیقی ایماں و یقیں سے محرومی:

اللہ رب العزت کا مسلمانوں سے غلبے اور نصرت کا وعدہ قرآن عظیم میں کئی جگہ کیا گیا ہے، مثلاً ملاحظہ ہوں چند آیاتِ ربانی۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ: ہم پر یہ حق تھا (ہے) کہ مومنوں کی مدد کریں(۱۷)

كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ: اور ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔(۱۸)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ: اللہ مومنوں کا ولی اور حمایتی ہے۔(۱۹)

اور وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کہ تم ہی غالب رہو گے۔(۲۰)

لیکن اس وقت امت مسلمہ (کی مجموعی صورتحال کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے) عدد کثرت اور جغرافیائی اہمیت کے باوجود دنیا میں مغلوث اور کمزور ہے بلکہ پٹ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اب بھی اپنی جگہ سچا ہے لیکن مسلمان آج اس ایمان کی قوت سے محروم ہیں جو اسے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنائے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس لیے تو فرماتا ہے کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن شرط یہ ہے ''اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' اگر تم حقیقی طور پر مومن ہو۔(۲۱)۔ بلکہ حدیث میں ایمان باللہ کی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: لو عرفتم الله حق معرفته لزالت بدعائكم الجبال. (۲۲) یعنی اگر تم اللہ کی معرفت کما حقہ حاصل کرلو تو تمہاری دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔ گویا آج امت مسلمہ مجموعی اعتبار سے اس ایمان حقیقی سے محروم ہے جس کی بناء پر نصرت و غلبے کا وعدہ ہے، فرشتوں کے نزول کے مژدے ہیں، وہ وعدے آج بھی ہیں لیکن فضا بدر پیدا کرنی ہے، ایمان ابراہیم کا احیاء کرنا ہے اور '' يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا '' کے مطابق دوبارہ اس تعلق کو قوی بنانا ہے جسے امت مجموعی اعتبار سے کمزور کر چکی ہے۔ مادی اسباب اپنی جگہ اہم ہیں اور رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں حاصل کرنا ضروری ہے لیکن اس دوران اس حقیقی مسبب کو نہ بھولا جائے جو تمام اسباب کو موثر بنانے والا ہے۔

امت کو درپیش چیلنجز: (Challenges faced by Ummah)

امت مسلمہ کو درج بالا مسائل کے ساتھ کچھ ایسے چیلنجز درپیش ہیں جن کا بروقت تدارک بھی انتہائی ناگزیر ہے ان میں سے مادی و اقتصادی چیلنجز کے علاوہ مغربی اور امریکی میڈیا وار کی وجہ سے امت کو فکری چیلنج درپیش ہے۔ آج مسلمانوں (اور ان کے پیغمبر رحمت و رأفت) پر مغربی میڈیا کا یہ الزام ہے کہ وہ

۱- دنیا میں بدامنی اور عدم برداشت کے ذمہ دار ہیں۔

۲- دہشت گردی اور انتہا پسندی کے داعی ہیں، ماضی میں بھی اور اب بھی تلوار کے زور پر اسلام پھیلانے کے حق میں ہیں۔

۳- جدیدیت اور زمانے کے ساتھ چلنے کے مخالف ہیں۔

۴- انسانی حقوق خصوصاً عورتوں کے حقوق کے غاصب ہیں۔(۲۴)

ان تمام شبہات کا اظہار بہت پہلے بھی ہوتا رہا ہے لیکن ۹/۱۱ کے بعد خصوصاً مسلمانوں کو اس طرح کے فکری چیلنجز کا سامنا ہے، چنانچہ انہی شبہات کا اظہار یورپ کے کئی ممالک میں توہین آمیز کارٹونوں کی صورت میں ہوا جن کے ذریعے سے مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کو سراپا دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دیا اور حال ہی میں پوپ بینیڈکٹ کی زبان سے جہاد اور پیغمبر اسلام کے بارے میں نازیبا الزامات کا اظہار ان ہی شبہات کا نتیجہ ہے۔(۲۵) چنانچہ اب وقت آ گیا ہے کہ دنیا کو ان شبہات اور غلط فہمیوں (Misconception and misunderstandings) کا مسکت جواب دیا جائے جو ٹھوس دلائل پر مبنی ہے۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قم باذن اللہ
کیا نوائے اناالحق کو آتشیں جس نے
تیری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

آج امت کو ان تمام گھمبیر مسائل اور چیلنجز کے باوجود ناامید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم عرفاں ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

رب العالمین کے نصرت کے وعدوں کو سامنے رکھنا ہے کیونکہ بقول اقبال

مسلم استی سینہ راز آرزو آباددار
ہر زمان پیش نظر لا یخلف المیعاد دار

ایمان باللہ کی قوت اور عشق مصطفی سے امت آج بھی ذلت و پستی سے نکل کر ترقی کی اوج کمال تک پہنچ سکتی ہے کیونکہ

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بردار گوشہ دامان اوست

درپیش چیلنجز کا تدارک اور مسائل کا حل: سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی صورت میں

جذبات اور جوش کے بجائے اگر ٹھنڈے دل سے امت مسلمہ کے مسائل کی بنیادی وجہ پر غور کیا جائے تو ایک بات قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں (وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا)(۲۶) اور کسی فرد یا جماعت پر ذرا برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔(وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ)(۲۷)۔

خصوصاً وہ امت جسے وہ خود اپنی کتاب میں خیر امہ اور امت وسط کے القابات سے شرف بخشتا ہے، کیا وہی خدا پھر اسی امت کو ظالموں کے حوالے کر کے خوب پٹواتا ہے اور ان کی مدد بھی نہیں کرتا۔ امت کی اس حالت کو پہلی امتوں کے واقعات کی روشنی میں وہ صاف بیان کرتا ہے۔''وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ''(۲۸) انہوں نے ہمارا نقصان نہیں کیا لیکن وہ (ہم سے روگردانی کر کے) اپنا ہی نقصان کرتے تھے وہ تو صاف اپنی کتاب میں فلسفہ عذاب کو یوں بیان کرتا ہے:''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ''(۲۹) اور''وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ''(۳۰) گویا اللہ رب العالمین کے تمام وعدے سچے ہیں، وہ اب بھی امت کے آخری حصے کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہتا ہے جو اس نے سابقون الاولون کے ساتھ کیا۔ لیکن اس کے لیے مادی اور دنیاوی تیاری کے ساتھ رب تعالیٰ سے اپنے تعلق کو دوبارہ ازسرنو استوار کرنا پڑے گا اور آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں پیچھے لوٹ کر اپنے خدا سے معاملہ صاف اور رابطہ قوی بنانا پڑے گا اور اسی سچے خدا اور حقیقی طاقت کا سہارا پکڑنا پڑے گا جسے چھوڑ کر ہم بہت آگے نکل آئے ہیں یہی وہ بات ہے جسے آپ ﷺ نے بھی بیان فرمایا:

''عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں، کسی نے پوچھا کیا یہ (ذلت و شکست) اس وجہ سے ہوگی کہ ہم لوگ اس زمانے میں کم ہو جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ تعداد میں تم اس زمانے میں بھی زیادہ ہوگے لیکن اس زمانے میں تمہاری حیثیت سیلاب کے اوپر بہنے والے خس و خاشاک اور جھاگ کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وھن کی بیماری ڈال دے گا'' پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ وھن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت'' (حب الدنیا و کراھیۃ الموت)(۳۱)

دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کیوں آتی ہے، جب انسان کا اپنے اللہ سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے وعدوں پر یقین اور اعتماد کے بجائے عاجلہ (دنیا) کے عیش و آرام کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے، پھر رب تعالیٰ کی مدد ہٹ جاتی ہے اور جب وہ کسی بے یارو مددگار چھوڑ دیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور اعلیٰ سے اعلیٰ ٹیکنالوجی انسان (یا اس جماعت) کو ذلت سے نہیں بچا سکتی، اللہ کا وعدہ ہے:

''اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ. وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْم بَعْدِہٖ.''(۳۲)

''وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَآ رَآدَّ لِفَضْلِہٖ.''(۳۳)

یہی وہ خدائی طاقت تھی جس نے حضورﷺ اور صحابہ کو ہر میدان میں غلبہ سے ہمکنار کیا اور جسے ایران کے گورنر نے خوب بیان کیا۔

جب ایک ماضی میں ایران کے شکست خوردہ ہرمزان سے حضرت عمرؓ نے پوچھا: ''ماضی میں جب کبھی بھی عرب والوں نے آپ پر حملہ تو آپ نے اتنی آسانی سے شکست دے دی لیکن کیا وجہ ہے اب انہی عربوں نے آپ کی عظیم سلطنت (فارس) کو شکست دے دی۔ ہرمزان نے جواب دیا ''ماضی کی جنگوں میں ایرانیوں کا مقابلہ صرف عربوں سے ہوتا تھا اور ان پر غلبہ حاصل کرنا کچھ مشکل نہ تھا لیکن اب کی بار ایران کے مقابلے میں عربوں کے ساتھ انکا خدا (جو تمام طاقت کا سرچشمہ) بھی موجود ہے تو ہم کیسے ایسی طاقت کو شکست دے سکتے ہیں۔(۳۴)

امت کو اس عظیم طاقت کو ساتھ لینے کی ضرورت ہے جس کی طاقت میں نہ کبھی کمی آئی ہے اور نہ ہی وہ کبھی کسی سے شکست کھاتی ہے ہم دعویٰ تو نبی رحمت حضرت محمدﷺ کی امت میں ہونے کا کرتے ہیں اور لیکن کبھی اس نبیﷺ اور اس کے خدا سے وہ رشتہ اور تعلق جوڑا ہی نہیں جو دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔

تبدیلی احوال کے لیے سنت الٰہی:

قوموں کو مسائل اور مشکلات سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے کچھ ضابطے اور قوانین ہیں جنہیں وہ عام طور پر تبدیل نہیں کرتا: '' فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا. وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحْوِیْلً ''(۳۵) قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس سنت الٰہی کو بیان کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب لوگ خیر کو چھوڑ کر شر اختیار کرتے ہیں، بناؤ کے بجائے بگاڑ کے کام کرنے لگتے ہیں اور ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں، تو اللہ اپنے ضابطے اور سنت کے مطابق ان کی خوشحالی کو بدحالی سے، طاقت کو ضعف سے، عزت کو ذلت سے اور ان پر اپنی نوازشوں اور عذاب سے بدل دیتے ہیں۔ قرآنِ عظیم میں آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا انجام بیان کرنے کے بعد اسی سنت الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

''ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ. وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴿۵۳﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ. وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ. کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ. وَکُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ''(۳۶)

یہ اللہ کی سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے طرز عمل کو نہیں بدل دیتی۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ آل فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطے کے مطابق تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تب ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کیا اور ال فرعون کو غرق

کر دیا یہ سب ظالم لوگ تھے۔

اسی سنت کا دوسرا روشن پہلو بھی ہے جس کے بغیر یہ سنت مکمل نہیں ہوتی اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنے اندر یا اپنے طرزِ عمل میں مثبت تبدیلی لانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جب ان کی اس تبدیلی کا رجحان شر سے خیر، گمراہی سے ہدایت، انحراف سے استقامت، بگاڑ سے بناؤ، کسل مندی سے عمل اور رذائل اخلاق سے اعلیٰ اخلاق کی طرف ہو جاتا ہے تو وہ اس ضابطہ الٰہی کی رو سے اس بات کے مستحق ٹھہرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدحالی کو خوشحالی، ان کی کمزوری کو طاقت وقوت، ذلت کو عزت، شکست کو فتح و نصرت اور حالتِ خوف کو حالت امن سے بدل دے۔ جس طرح وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اس دنیا میں دوسروں کی نگاہ میں بے حیثیت اور بے وزن ہو گئے تھے، اب انہیں اس دنیا میں اقتدار و تمکنت عطا کرے۔''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ.''(۳۷)''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی''۔ آج امت مسلمہ اگرچہ سنتِ الٰہی کے مطابق سزا بھگت رہی ہے لیکن اب اگر وہ اصلاح احوال پر کمر بستہ ہو جائے تو۔

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات: سیرت طیبہ کی روشنی میں

آج امت مسلمہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا کی روشنی میں:

قرآن حکیم جو کہ اللہ کی مضبوط رسی ہے(۳۸) کو مضبوطی سے تھامنا ہو گا اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں آپس میں ہر سطح پر اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اتحاد کی درج ذیل صورتیں امن کی بقاء اور ترقی اور اس کے مسائل کے حل کے لیے انتہائی ضروری ہیں:

۱- مسلم ممالک کی مشترکہ تنظیم OIC کو فعال بنانے کی ضرورت کا احساس جتنا شدت سے اکیسویں صدی میں ہوا اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ تنظیم اگر فعال ہو کر تمام امت مسلمہ کے ممالک کو اپنے دست و بازو سمجھتے ہوئے ان میں ایسا فکری و نظری اتحاد پیدا کرے کہ تمام امت جسد واحد بن جائے تو ممکن نہیں ہے کہ دوسرے ممالک اور اقوام اسلامی ممالک پر قبضے کریں اور ان پر ہر قسم کے ظلم روا رکھیں۔ یہ امت کی کمزوری اور ضعف کی غماز ہے کہ باطل بلا خوف و خطر امہ کے کسی بھی ملک پر چڑھ دوڑتا ہے اور اسے روکنے والا کوئی نہیں۔

۲- اسی طرح امت کی دولت مشترکہ کے قیام کے لیے اقدامات کیے جائیں تاکہ امت کا سرمایہ غیر ملکی بنکوں سے امت مسلمہ کے مفاد میں صرف کیا جا سکے۔(کیونکہ اس وقت مسلم ممالک کا ۱۳۰ ملین ڈالر کا سرمایہ امریکہ اور یورپی ممالک میں لگا ہوا ہے۔)(۳۹)

۳- امت کی معاشی ترقی اور استحصال سے بچنے کے لیے اسلامی ممالک کی مشترکہ منڈی کا قیام بھی انتہائی ضروری ہے۔

۴- ''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ''(۴۰) کی روشنی میں آج امت کو اپنے رعب اور دبدبہ (Deterrence) کو قائم رکھنے کے لیے جدید اسلحہ سے لیس ہونا انتہائی ضروری ہے، اس کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی بنیادی شرائط میں سے ہے۔

۵- آج تمام امت مسلمہ کو یورپی یونین کی طرز پر اپنی علیحدہ کرنسی (مثلاً اسلامی دینار و درہم) اور دفاع کا نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ امت کے جسد واحد کے اعضاء کی طرف باطل میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔

۶- موجودہ دور ابلاغ عامہ اور پراپیگنڈے کا دور ہے۔ اس میں عسکری وار کی طرح میڈیا وار نہایت اہم ہے۔ اکثر اوقات مغربی میڈیا حقائق کو مسخ (distort) کرتے ہوئے مسلمان ممالک میں ہونے والے واقعات کو ایسے انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ ان کے عوام اسلام کے قریب نہ ہوں۔ اس لیے اس وقت امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد کی خاطر اطلاعات کا ایک مضبوط نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جو دنیا کی دیگر بڑی بڑی نیوز ایجنسی کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام اور ملت اسلامیہ کا حقیقی تشخص اجاگر کر سکے اور اسلامی ممالک میں وقوع پذیر واقعات کو ان کے حقیقی تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کر سکے۔(۴۱)

۷- اس طرح عالمی سطح پر اسلامک جوڈیشل فورم کے قیام کی تجویز جو کہ پاکستان کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی طرف سے سامنے آئی ہے اس پر عمل درآمد انتہائی ضروری ہے کہ اس کے ذریعے دہشت گردی کی کوئی متفقہ تعریف پیش کر کے اس کی روشنی میں مسلمانوں کے مفادات اور موقف کے تحفظ کے لیے راہ ہموار کی جا سکتی ہے، کیونکہ عالمی قوتوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے اہداف اور ٹارگٹس اپنی مرضی سے طے کرنے کے لیے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے کہ دہشت گردی کی کوئی متعین تعریف موجود نہ ہو تاکہ وہ اپنی مرضی اور مفاد کے تحت دنیا کے جس ملک، قوم اور طبقہ کو چاہیں دہشت گرد قرار دے کر نشانہ بنا سکیں، چنانچہ ابھی تک یہی ہو رہا ہے اور کسی بھی فرد، گروہ یا ملک کو دہشت گرد قرار دینے اور اس پر بموں کی بارش کر دینے کا اختیار عملاً صرف ''پینٹا گون'' تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔(۴۲)

چنانچہ اگر تمام اسلامی ممالک کی حکومتیں اگر اس تجویز پر سنجیدگی سے توجہ دیں اور ''اسلامک جوڈیشل فورم'' کے قیام کے لیے اقدامات کریں تو اس کے ذریعے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر کی جانے والی ناانصافیوں کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے اور مسلم ممالک کے جائز حقوق کے لیے بین الاقوامی سطح پر آواز بلند کی جا سکتی ہے، جو اپنی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ یا حصول آزادی کے لیے جارح اور غاصب ملکوں کے خلاف برسرپیکار ہیں اور بیرونی تسلط اور جارحیت کے خلاف مسلح مزاحمت کا قانونی اور اخلاقی حق استعمال کر رہے ہیں۔

۸- اسی طرح مسلم ممالک اپنے اپنے ممالک میں سماجی اور اجتماعی پہلوؤں پر توجہ دیں، افراد کے درمیان جذبہ اخوت و محبت کو پروان چڑھائیں، اغنیاء اور فقراء (Haves & Haves-not) کے درمیان فاصلہ کم کرنے کے لیے اسلامی معاشی نظام اور نظام زکوٰۃ کو اس کی حقیقی سپرٹ میں نافذ کریں۔ اسی طرح اسلام نے جو بے مثال حقوق

عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو دیئے ہیں، ان کا عملی طور پر نفاذ ہونا چاہیے تاکہ غیروں کو ہم پر انگشت نمائی کا موقع نہ ملے کہ مسلمان تو خود انسانی حقوق (Human rights) کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور عورتوں پر تشدد کے روادار ہیں۔(۴۳)

آخری بات:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ کو اس وقت مادی، سیاسی، معاشی اور دفاعی مسائل اور چیلنجز کے علاوہ سب سے بڑا چیلنج فکری اور نظریاتی سطح پر ہے امریکہ اور مغربی ممالک کا سرکاری میڈیا ہر سطح اور مختلف واقعات کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دینے پر تلا ہوا ہے، یہ ان کے میڈیا کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے تاکہ ان ممالک کے عوام اسلام کی دل کو موہ لینے والی تعلیمات سے دور ہیں اور ان ممالک میں ہی تیزی سے پھیلنے والے مذہب (اسلام) کے پھیلاؤ میں کمی آئے۔ آج تمام امت مسلمہ کو اجتماعی سطح پر بھی اور امت کے ہر صاحب فہم شخص کو انفرادی سطح پر اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات امن و آشتی اور محبت و اخوت کو تمام دنیا تک دلائل کے ساتھ پہنچائیں اور ان ممالک کو عوام کو سمجھائیں کہ:

- ☆ مسلمان ہر وقت سلامتی اور امن کے پھیلانے اور اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔
- ☆ ان کے پاس جو الہامی کتاب ''قرآن مجید'' ہے وہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ وہ سب کے لیے ذکر للعالمین ہے اور ان کے پیغمبر رحمت للعالمین ہیں۔
- ☆ مسلمان وہ ہے جو سارے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لاتا ہے اور ان میں تفریق کا قائل نہیں۔
- ☆ وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی اسی طرح تعظیم و توقیر کرتے ہیں جس طرح وہ پیغمبر اسلام کی تعظیم کرتے ہیں۔(۴۴)
- ☆ انہیں یہ بھی سمجھانے کی ضرورت ہے مسلمان کبھی بزور کسی کو بھی اسلام میں داخل نہیں کرتا بلکہ اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے کہ دین میں داخل کرنے کے لیے کوئی جبر نہیں بمطابق حکم قرآنی: '' لَآاِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ.(۴۵) اور لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ''(۴۶)
- ☆ انہیں اسلام کے تصور جہاد کی حقیقت بتانے کی ضرورت ہے اور اسلام جہاد فی سبیل اللہ کے حوالہ سے جو شرائط لگاتا ہے، انہیں بھی ان کے حقیقی تناظر میں سمجھانے کی ضرورت ہے۔(۴۷)
- ☆ اس وقت پیغمبر اسلام کے دور کے کل غزوات کے دوران کل مسلم اور غیر مسلم مقتولین کی تعداد کو تمام دنیا کو باور کرانے کی بھی ضرورت ہے (جو ایک ہزار سے کم بنتی ہے(۴۸) بلکہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق تین سے بھی کم بنتی ہے) تاکہ وہ موجودہ جنگوں اور جنگ عظیم اول اور دوم میں ہونے والے جانی و مالی نقصان سے تقابل کر کے خود دیکھ لیں کہ پیغمبر اسلام کے بارے میں تعصب پر مبنی مغربی لٹریچر اور میڈیا میں جو تصور پیش کیا جاتا ہے وہ سراسر غلط اور پیغمبر اسلام تو پیغمبر امن (Messenger of Peace) ہیں۔(۴۹)

یہ میرا ذاتی تجربہ (Personal experience) ہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک کے بڑے بڑے سکالرز اور اسلام کے امن و آشتی اور محبت اور پرامن بقائے باہمی کے تصورات سے حقیقی طور پر آگاہی نہیں ہے، وہ ان تصورات کو اپنے میڈیا اور تعصب پر مبنی لٹریچر کے آئینہ میں دیکھتے ہیں جو اکثر ان تصورات کو مسخ (distort) کر کے پیش کرتے ہیں۔(۵۰)

مواصلاتی انقلاب اور جدید ذرائع ابلاغ نے دنیا کو ایک گلوبل ولیج بنا کر دعوت کے کام کو نہایت آسان بنا دیا ہے، اس لیے آج ہمیں امت وسط کے افراد کی حیثیت سے اسلام کے پیغام محبت اور سلامتی کو عام کرنا ہے، کسی جذباتی، جوشیلے یا محض منفی ردعمل کے ذریعے سے اس کام کو انجام تک نہیں پہنچایا جا سکتا، نہ ہی کچھ مہم جو حضرات کے ایسے اقدامات کے ذریعے سے جو وقتی طور پر دشمن کو زک پہنچا کر یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، یہ راستہ اختیار کرنا موجودہ حالات میں صحیح نہیں ہے۔ اسی حوالے سے مولانا زاہد الراشدی کا تجزیہ کتنا درست نظر آتا ہے:

''وسیع تر قومی اور ملی مفاد میں دینی عسکری تحریکات کے قائدین کو دو باتیں سمجھانے کی ضرورت ہے ایک یہ کہ ہر مسئلے کا حل ہتھیار نہیں اور نہ ہی ہر جگہ ہتھیار اٹھانا ضروری ہے، جہاں کسی مسئلے کے حل کا کوئی متبادل راستہ موجود ہو، اگرچہ وہ لمبا اور صبر آزما ہی کیوں نہ ہو، وہاں ہتھیار سے کام لینا ضروری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں شاید شرعاً جائز بھی نہ ہو۔ ہتھیار تو آخری حربہ ہے جہاں کوئی اور ذریعہ کام نہ دیتا ہو اور کسی جگہ مسلمانوں کا وجود اور دینی تشخص حقیقی خطرات سے دوچار ہو گیا ہو تو آخری اور اضطراری حالت میں ہتھیار اٹھانے کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لیے اضطرار کے بغیر ہتھیار کو ہاتھ میں نہ لیا جائے۔ دوسری بات ان سے یہ عرض کرنے کی ہے کہ آزادی تشخص اور خودمختاری کے لیے اضطرار کی حالت میں قومیں ہتھیار اٹھایا کرتی ہیں، یہ زندہ قوموں کا شعار ہے اور آزادی کی عسکری تحریکات سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے لیکن غیر متعلقہ لوگوں کو نشانہ بنانا اور بے گناہ لوگوں کا خون بہانا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی قانون اس کی اجازت دیتا ہے ان تحریکات کو اس حوالے سے شرعی احکام و قوانین کی پابندی کا ایک بار پھر عہد کرنا چاہیے اور شرعی احکام بھی وہ نہیں جو خود ان کے ذہن میں آ جائیں بلکہ وہ قوانین و ضوابط جو امت کے اجماعی تعامل و توارث کے ساتھ تسلیم شدہ چلے آ رہے ہیں اور جنہیں وقت کے اکابر علماء و فقہاء کی طرف سے ضروری قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کے بغیر کوئی تحریک اور جدوجہد تمام تر خلوص و جذبہ اور ایثار و قربانی کے باوجود خلفشار پیدا کرنے کا باعث بنے گی اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہوگی اس لیے ایسی تحریکات کو کسی بھی ایسی بات سے قطعی طور پر گریز کرنا چاہیے جو:

☆ معروف اور مسلمہ شرعی اصولوں کے مطابق نہ ہو۔

☆ جس سے مسلمانوں کی مشکلات میں بلاوجہ اضافہ ہوتا ہو۔

☆ جو اسلام کے لیے بدنامی کا باعث بن سکتی ہو۔

☆ اور جس سے خود ان تحریکات کی قوت اور دائرہ عمل متاثر ہوتا ہو۔''(۵)

اس لیے ہر امتی کو صبر و برداشت کی صفت سے متصف ہو کر آگے بڑھنا ہے اور ایک داعی کی حیثیت سے کام کرنا ہے اور داعی اور مدعو کے درمیان جو محبت اور ہمدردی کا رشتہ ہوتا ہے اس کا اظہار عملی طور پر کرنا ہے:

> کیونکہ مسلمان تو ایک امت دعوت کے افراد ہیں اور مقابلے کے لیے قوت کوئی بھی ہو اور مقابلے کا زمانہ کچھ بھی ہو، ان کا مقصد دشمن کی تباہی نہیں، انسانیت کی اصلاح اور فلاح ہے اور اللہ کے بندوں کو، خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور کسی بھی نظام کے تحت ہوں، بالآخر دلائل و براہین کے ساتھ اس عالمگیر راستے کی طرف بلانا ہے جس کی طرف سب انبیاء بلاتے رہے۔ مقابلے، لڑائی اور جنگ میں بھی ہمارا مقصود دوسروں کی تباہی نہیں، ان کو خیر کی طرف بلانا ہے۔ اس لیے آج امریکہ کے استعماری عزائم اور جنگی کارروائیوں کے باوجود ہمیں یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ امریکی (اور دیگر ممالک کے) عوام کی تباہی ہمارا ہدف نہیں'' (بلکہ ان کی فلاح مقصود ہے)(۵۲)

References and Foot Notes حوالہ جات اور حواشی

۱- مزید تفصیل ملاحظہ ہو جناب جاوید چوہدری کا مضمون: آج کی عالمی صورتحال اور عالم اسلام، نوائے شریعت، پاکستان شریعت کونسل کا نیوز لیٹر، زیر نگرانی مولانا زاہد الراشدی (جامع مسجد امن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء) ص ۱-۲۔ ۲- ایضاً: اور صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی: عالم اسلام، چند تلخ حقائق، خون جگر ہونے تک (خورشید گیلانی ٹرسٹ، لاہور) ص ۱۱۹-۱۲۲۔ ۳- ایضاً۔ ۴- آل عمران: ۳:۱۱۰۔ ۵- الحجرات: ۴۹-۱۰۔ ۶- صحیح البخاری (مختصر) کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین (دارالسلام، ریاض سعودی عربیہ) ترجمہ ڈاکٹر محسن خان۔ ۶ الف ایضاً، باب رحمۃ الناس و البھائم) ۷- بحوالہ قاضی سلیمان منصور پوری: رحمت للعالمین (غلام علی اینڈ سنز، کراچی) ج ۱ ص۔ ۸- صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ بحوالہ اربعین نووی (شرح) (نعمانی کتب خان، لاہور) ص ۲۳۰، ترجمہ و تشریح پروفیسر عبدالحفیظ و ظفر اقبال۔ ۹- تفصیل ملاحظہ ہو مفتی محمد شفیعؒ وحدت امت (مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور: ۱۹۸۵ء) ص ۱۷، ۴۴-۴۷۔ ۱۰- ایضاً: ص ۱۷-۱۸۔ ۱۱- ایضاً، ص ۱۶۔ ۱۲- مفتی محمد شفیع: معارف القرآن (دارالعلوم کراچی، کراچی) ج ۲، ص ۱۴۴۔ ۱۳- آل عمران: ۳:۱۰۳۔ ۱۴- قول مولانا اشرف علی تھانویؒ، دراسات اسلامیہ۔ ۱۵- طبرانی کبیر عن جبیر ابن مطعم اور جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل القرآن (مکتبہ رحمانیہ لاہور) ۱۶- مولانا محمد شفیع: وحدت امت، ص ۳۹-۴۰۔ ۱۷- الروم ۳۰:۴۷۔ ۱۸- یونس ۱۰:۱۰۳۔ ۱۹- آل عمران ۳:۶۸۔ ۲۰- آل عمران ۳:۱۳۹۔ ۲۱- آل عمران ۳:۱۳۹۔ ۲۲- فرمان رسول ﷺ بحوالہ شیخ یوسف قرضاوی: ایمان ایک عظیم قوت، ترجمان القرآن (ادارہ ترجمان القرآن لاہور) ستمبر ۲۰۰۳، ص ۴۲۔ ۲۳- النساء ۴:۱۳۶۔ ۲۴- تفصیل ملاحظہ ہو محمد ادریس آزاد: اسلام مغرب کے کٹہرے میں (خزینہ علم و ادب لاہور، ۲۰۰۴ء) ص ۴۲۔ ۲۵- پوپ بینیڈکٹ کا مکمل لیکچر ملاحظہ ہو "news.bbc.co.uk" پر اور یہ جملہ جو اس نے چودھویں صدی عیسوی کے بازنطینی بادشاہ Manuel II Palaeaglous II کے حوالہ سے

بیان کیا اور جو تمام دنیا کے مسلمانوں کے احتجاج کا سبب بنا۔ حقیقت میں یہ جملہ بڑا ہی دل آزار ہے اور حقیقت سے لاعلمی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور انتہائی تعصب پر مبنی ہے، کیا پوپ کو اس کے علاوہ اور کوئی حوالہ یا اقتباس نہیں مل سکتا تھا۔ (In fact this quote is very abominable and utterly based on ignoance of the Prophet's teachings) "Show me what Muhammad brought was new, and there you will find things only evil and inhuman, such as his command to spread by the sword the faith he preached. (نعوذ باللہ من ذالک)۔ ۲۶- سورۃ النساء۴:۱۲۲اسی سورۃ کی آیت نمبر ۸۷ میں ہے ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ ۲۷- سورۃ ق ۵۰:۲۹۔ ۲۸- البقرۃ ۲:۵۷۔ ۲۹- الشوری: ۴۲:۳۰۔ ۳۰- السجدہ: ۳۲:۲۱۔ ۳۱- ابوداؤد شریف، کتاب الملاحم، باب ماجاء فی تداعی الامم علی السلام (مکتبہ امدادیہ، ملتان) ج ۲،ص ۲۴۲۔ ۳۲- آل عمران ۳:۱۹۰۔ ۳۳- یونس ۱۰:۱۰۷۔ الانعام ۶:۱۷۔ ۳۴- شاہکار رسالت: حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح حیات بحوالہ مضمون What happend to Islam after Umar ماہنامہ طلوع اسلام مئی ۲۰۰۶ء۔ ۳۵- فاطر ۳۵:۴۳۔ ۳۶- الانفال ۸:۵۳-۵۴۔ ۳۷- الرعد ۱۳:۱۱۔ ۳۸- قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی قرآن کو حبل اللہ کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں قرآن کی مدح اور عظمت کے بیان میں آپ ﷺ نے فصاحت و بلاغت کے جو موتی پروئے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ظاہر ہوگا، پوچھا کہ اس سے بچ نکلنے کا راستہ کیا ہوگا، فرمایا: قرآن حکیم، پھر اس کی مزید تفصیل فرمائی اس قرآن میں تم سے پہلے اور بعد والوں کے حالات ہیں اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والے احکامات ہیں، یہی اللہ کی مضبوط رسی ہے وہی ذکر حکیم ہے اور صراط مستقیم ہے، اس کے عجائبات کبھی نہیں ختم ہوں گے اور اس سے علماء کبھی نہیں سیر ہوں گے اور نہ ہی یہ بار بار تکرار سے پرانا ہوگا جس نے اس کے مطابق کہا سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر ملے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے سیدھی راہ پائی۔ [جامع ترمذی وسنن دارمی رواہ علیؓ ابن ابی طالب] باب ماجاء فی فضل القرآن، ج ۲،ص ۲۸۲-۲۸۳ (مکتبہ رحمانیہ لاہور) اقبال نے بھی کہا تھا:

از یک آئینی مسلمان زندہ است — پیکر ملت ز قرآن زندہ است
ماہمہ خاک و دل آگاہ اوست — اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست

۳۹- پروفیسر خورشید احمد: شذرات، ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۳ء، ص۱۹۔ ۴۰- الانفال ۸:۶۰۔ ۴۱- تفصیل ملاحظہ ہو شیخ یوسف قرضاوی: غلبہ اسلام کی بشارتیں، ماہنامہ ترجمان القرآن، جولائی ۲۰۰۴ء، ص ۴۷ تا ۶۲، ربانی قوطان: امت کے لیے لائحہ عمل، ترجمان القرآن نومبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۹-۴۳ اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں از علامہ جلال العالم ۴۲- مولانا زاہد الراشدی: عالمی سطح پر اسلامک جوڈیشل کونسل کا قیام، پاکستان شریعت کونسل گوجرانوالہ کا نیوز لیٹر، نوائے شریعت، ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۴۳- ڈاکٹر حمودہ عبدالعاطی: (Islamic Book Trust, Kuala Lumpur) Islam in Focus باب ۵،ص ۱۵۸-۲۱۶ اور ایک امریکی مسلمہ عاصمہ گل حسن کی کتاب (Harpercollins Publisher) Why I am a Muslim باب ۲،ص ۱۱۵-۱۴۳، عورتوں کے حقوق کے حوالے سے۔ ۴۴- تفصیل ملاحظہ ہو راقم الحروف کے مضمون: "Interfaith Relationship:Islamic Perspective: Science-Religion Dialogue (Hazara Society for Science Religion Dialogue Mansehra, 2005) 4:1,2, Pp97-107 and on our website,www.hssrd.org/journal,2005(Electronic version)۔ الحمد للہ جب راقم الحروف نے مذہب اور سائنس پر کام کرنے والے دنیا کے چوٹی کے سکالرز کے سامنے دوسرے انبیاء اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآنی تعلیمات کو پیش کیا (امریکہ کے سفر کے دوران) تو وہ متعجب بھی ہوئے اور خوش بھی۔ خصوصاً قرآنی تعلیم لانفرق بین احد من رسلہ پر تو وہ واہ واہ کرتے رہ گئے، کیونکہ انہیں علم نہیں تھا

کہ اسلام سارے انبیاء بشمول حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی برابر عزت وتکریم کرتا ہے۔ ۴۵- البقرہ۲:۲۵۶۔ ۴۶- ۹:۱۰۹۔ ۴۷- جہاد کے لفظ سے ہی امریکہ اور مغرب والے خائف ہیں لیکن اگر اسے اس کے حقیقی تناظر میں سمجھا جائے تو وہ کافی مطمئن ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو ڈاکٹر جیفری لنگ کی کتاب: Even Angels Ask: A journey to Islam in America (Lahore: Sohail Academy, 2000) Pp-117 اور علامہ جلال العالم: اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں (مکتبہ لاہور، لاہور) ص ۱۱۷-۱۷۶، اسی طرح برنارڈ لیوس کی کتاب *The Crises of Islam: Holy War and Unholy Terror (Phoenix: London)* کیرن آرم سٹرانگ کی کتاب: *The Battle for God (London: Harper Collins Pub)* سے بھی جہاد کے حوالے سے مغرب کے ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔ ۴۸- قاضی سلمان منصور پوری: اسوۂ حسنہ (مسلم پبلیکیشنز لاہور) ص ۷۹ اور ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب عہد نبویﷺ کے میدان جنگ (اسلام اکیڈمی لاہور) ص ۷، وہاں ڈاکٹر صاحب نے غزوات اور سرایا میں مسلم شہداء کی تعداد ۱۲۰ اور غیر مسلم مقتولین کی تعداد ۱۵۰ لکھی ہے۔ ۴۹- تفصیل ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۴۴ میں، اس مضمون میں راقم نے Facts & Figures سے ثابت کیا کہ ہمارے پیغمبر تو حقیقت میں پیامبر امن ہیں۔ ۵۰- امریکہ کے چار اسفار کے دوران راقم کو یہ ذاتی تجربہ ہوا کہ غیر مسلم سکالرز اسلام کو Terrorism یا کم از کم Extremism کے ساتھ equate کرتے ہیں لیکن جب راقم نے اسلام اور ایمان کے لفظی اور اصطلاحی معانی اور قرآنی آیات اور احادیث سے اسلام کی امن و سلامتی کی تعلیمات کو بیان کیا تو انہوں نے خوشگوار حیرت کا اظہار کیا۔ آج امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کے بڑے بڑے سکالرز اور دینی رہنماؤں (پادریوں) کو براہ راست سمجھانے اور مکالمہ بین المذاہب کی آگے سے بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ۵۱- مولانا زاہد الراشدی: کلمۂ حق، ماہنامہ الشریعہ (الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ) نومبر ۲۰۰۳ء۔ ۵۲- پروفیسر خورشید احمد: شذرات، ماہنامہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۳ء ص ۱۹، تغیر لفظی اور چند جملوں کے اضافے کے ساتھ۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

صاحبزادہ باز محمد - کوئٹہ

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ '' (الاحزاب:۲۱)

لوگو! تمہارے لیے خدا کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ ساری انسانیت کے لیے منبع و رشد ہدایت ہے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کی پیروی سے حقیقی اخلاق، شرافت اور تقویٰ و پرہیزگاری کے اوصاف حاصل ہوتے ہیں حب رسول حب خداوندی کا پیش خیمہ ہے علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ میلاد النبیؐ کے جلسے میں مقرر کی حیثیت سے شرکت کی اور فرمایا'' میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ اسوہ رسولؐ کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبہ تقلید اور جذبہ عمل قائم رہے۔(۱)

انسان ہمیشہ ایسی ہستی اور شخصیت کو اپنے لیے نمونہ عمل بناتا ہے جو اس کے نزدیک کامل، مکمل اور ہر لحاظ سے جامع صفات کا حامل ہو اگر ہم روئے زمین پر نظر دوڑائیں یا کتب تاریخ کی اوراق گردانی کریں آنحضرت ﷺ کے سوا ہمیں کوئی دوسری شخصیت، ہر لحاظ سے کامل اور مکمل نظر نہیں آتی آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو آپ کی زندگی بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ایک شفاف آئینہ کی مانند ہے۔ آنحضرتؐ کی سیرت کا ہر پہلو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک مینارہ نور اور کامیابی کا ضامن ہے آپؐ کی اتباع میں ہر طائفہ انسانی کی اصلاح و فلاح مضمر ہے نبی پاکؐ کی اتباع خود خالق کائنات نے دیا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ''(۲)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو''

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی(۳) نبی پاکؐ کی سیرتِ طیبہ کی پیروی میں ساری انسانیت کی نجات اللہ کی خوشنودی و رضا اور ذنوب کی بخشش کا سامان موجود ہے آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری انسانیت، عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان جن جن مشکلات و مسائل سے دوچار ہے ان کا حل سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ڈھونڈا جائے اگر ہم سیرت طیبہ اور آنحضور اکرمؐ کی تعلیمات کو اپنا رہنما بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے مسائل و مشکلات پر قابو نہ پاسکیں۔عصر حاضر میں اُمّت مسلمہ بہت سے مسائل و مشکلات کا شکار ہے اور روز بروز نئے نئے مسائل کا اضافہ ہو رہا ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کے مسائل

اتحادِ اُمّت کا مسئلہ:

کوئی قوم اور معاشرہ جب تک ہر سطح پر ملی سطح پر، قومی سطح پر، خاندانی سطح پر، سیاسی طور پر، معاشی طور پر غرض ہر لحاظ سے پوری طرح متحد اور یکجان نہ ہو وہ نہ تو طاقتور ہو سکتا ہے اور نہ قوموں کی برادری میں اس کی کوئی عزت اور وقار ہو سکتا ہے اتحاد کی برکات کا مظاہرہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں عموماً کرتے رہتے ہیں اتحاد کی انہی برکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد رہنے کا حکم دیا اور فرمایا:

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''(۴)

اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ رہو اور باہمی اختلاف سے الگ الگ نہ ہو جاؤ۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

''مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ''(۵)

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اے نبیؐ اسی دین کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیمؑ کو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا کہ اس دین پر قائم رہو اور اس میں اختلاف نہ پیدا کرو۔

اور نبی کریمؐ نے فرمایا:

''مومنوں کے باہمی تعلق کی مثال جسمِ انسانی کی سی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایک حصہ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو بخار اور بے آرامی ہوتی ہے۔(۶)

مسلمانوں کی مثال ایک عمارت کی سی ہے جس کی اینٹیں باہم دگر پیوست ہو کر ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی اور عمارت بناتی ہے۔(۷)

اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ مسلمان کفر کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے انہی تعلیمات نے اُمّتِ مسلمہ کو رنگ، نسل، زبان، خاندان اور علاقے کے اختلاف کے باوجود ایک متحد اُمّت بنا دیا یہاں تک کہ قریش کا نامور سردار اور عربوں کا عظیم قائد (عمرؓ بن خطاب) افریقہ کے ایک حبشی غلام کو سیدنا بلالؓ کہہ کر پکارتا تھا اور عباسی خلیفہ معتصم غصے سے لبیک کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ ایک مسلمان بچی نے سندھ کے پانیوں سے اسے مدد کے لیے پکارا ہے اور اس نے ایک لشکرِ جرار اس بچی کی فریاد رسی کے لیے بھیجا جس نے راجہ داہر کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جس نے مسلمانوں کے لیے فتح ہند کے دروازے کھول دیئے۔(۸)

اُمتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا تجزیہ:

سیرت طیبہ کی روشنی میں کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ وہ انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین(۹) کے مژدہ کی مصداق نہیں رہی بلکہ بہت سی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی ہے جیسے کہ حضور پاکؐ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ:

''عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گے جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں کسی نے پوچھا ''کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ ہم لوگ اس زمانہ میں تعداد میں کم ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں بلکہ تعداد میں تم اس زمانہ میں بہت زیادہ ہوں گے لیکن اس زمانے میں تمہاری حیثیت سیلاب کے رخ پر بہنے والے خس و خاشاک اور جھاگ کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وھن (کی بیماری) پیدا کر دے گا پوچھا گیا ''وہن کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا'' حب الدنیا و کراھیۃ الموت کہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔(۱۰)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن جب مالٹا کی چار سال کی اسارت کے بعد جب وطن واپس آئے تو انہوں نے ایک بڑے جلسے میں اپنی اسیری کے دوران کے غور و خوض کا حاصل ان الفاظ میں بیان کیا ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور و خوض کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی و دنیاوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کا اختلاف اور خانہ جنگی اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن حکیم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔(۱۱) آج اگر اُمتِ مسلمہ ان دو اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کا باہمی نفاق ختم ہو سکتا ہے اور اُمت کی حالت سدھر سکتی ہے۔

مسلم قیادت کا بحران:

سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت عالم اسلام میں صحیح قیادت کا فقدان ہے اگر صحیح اور صالح قائد مل جائے تو تمام مسائل خود ہی حل ہو جائیں آج باوجود مختلف نظریات کے کفر متحد ہو چکا ہے اپنا امام بنا چکا ہے مگر ایک مسلمان ہے کہ غفلت کی نیند سو رہے ہیں اور تمام اسلامی ممالک اور ان کے حکمرانوں پر سکتہ کا عالم طاری ہے آج اُمتِ مسلمہ ایسی قیادت سے محروم ہے جو براہ راست کفریہ طاقتوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر جہاد کے ذریعہ دنیا میں ظلم و ستم کو ختم کرا سکے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مسلم دنیا کے علماء اور اسلامی ممالک کے سربراہان باہمی مشاورت سے اپنا امیر منتخب کریں اگر ایسا جلد ممکن نہیں تو کم از کم پوری اسلامی دنیا کے علماء کرام اور دانشور اپنی ذمہ داری پوری کریں اور تمام اسلامی ممالک کے علماء اور دانشور حضرات کی مجلس شوریٰ تشکیل کر کے پوری اُمت کا امیر یعنی خلیفہ کا جلد از جلد انتخاب کریں۔(۱۲)

عالم اسلام کا موازنہ اقوام غیر سے:

اگر عالم اسلام کا موازنہ اقوام غیر سے کیا جائے تو صورتحال کچھ اس طرح سامنے آتی ہے کہ (او آئی سی) میں

شامل ۵۷ اسلامی ممالک کی آبادی ایک ارب تیس کروڑ سے زیادہ ہے یعنی دنیا کے تین براعظموں میں پھیلے ہوئے ۵۷ اسلامی ممالک دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ ہے جبکہ مادی وسائل اور قدرتی خزائن کی کثرت وغلبہ کے ساتھ ۵۰ لاکھ کے لگ بھگ مشترکہ افواج بھی ہے صرف کویت، متحدہ عرب امارات اور برونائی کی فی کس سالانہ آمدنی دس ہزار ڈالر سالانہ سے زیادہ ہے البتہ اس حقیقت سے بھی انکار مشکل ہے کہ ان ۵۷ اسلامی ممالک میں ۱۷ کا شمار دنیا کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے جیسے ایتھوپیا، افغانستان، کمبوڈیا، نائیجیریا، پاکستان، موزمبیق وغیرہ ۵۷ اسلامی ممالک کی جی ڈی پی ملا کر دو کھرب ڈالر ہے جبکہ صرف امریکہ کی جی ڈی پی ۱۰،۶ کھرب، چین کی ۵،۷ کھرب، جاپان کی ۳،۵ کھرب، جرمنی کی ۲،۱ کھرب اور بھارت کی تین کھرب سے زیادہ ہے۔ ۵۷ اسلامی ممالک دنیا کی ۲۲ فیصد آبادی ہونے کے باوجود دنیا کی مجموعی جی ڈی پی کا ۸ فیصد سے بھی کم حصہ رکھتے ہیں۔ ۵۷ اسلامی ممالک میں صرف ۶۰۰ یونیورسٹیاں ہیں جبکہ صرف بھارت میں اس وقت آٹھ ہزار چار سو ساٹھ اور امریکہ میں آٹھ ہزار سات سو اٹھاون جامعات ہیں۔(۱۳)

اس وقت عالم اسلام میں صحیح قیادت نہ ہونے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کی یہ مسائل درپیش ہیں ملائشیاء کے سابق صدر مہاتیر محمد نے پچھلے سالوں میں جس بہترین انداز میں مسلمانان عالم کی صحیح ترجمانی کی اگر مسلم حکمران ان کی آواز پہ لبیک کہتے اور ہر اعتبار سے ان کے ساتھ دیتے تو شاید مسلم دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن افسوس صد افسوس کہ کسی بھی مسلم حکمران نے کھول کر ان کی مدد نہیں کی یوں وہ بھی خاموش ہو گئے۔

تعلیم و تربیت:

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس میں تعلیم عام نہ ہو تعلیم سے مراد ہے تمام علوم اس میں ہر قسم کی تعلیم شامل ہے دینی اور دنیوی بنیادی اور اعلیٰ، نظری اور عملی، تجربہ و تحقیق پر مبنی ہو یا عقل وفکر پر۔ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کے طور پر جس شخص کا انتخاب کیا وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے اس پیغمبر پر پہلی وحی بھیجی تو اسے پڑھنے ہی کا حکم دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔''پڑھو اور یقین رکھو کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے وہی ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔(۱۴)

یعنی پیغام ہدایت بھیجنے والا بھی معلم اور العلیم اور جو پیغام بھیجا گیا وہ یہ ہے کہ ''پڑھو'' اور پھر ڈیوٹی یہ لگائی کہ ''دوسروں کو پڑھاؤ'' سورۃ البقرہ میں ارشاد خداوندی ہے۔''اور ہم نے تمہارے درمیان ایک رسولؐ بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے تمہارے تزکیہ کرتا ہے تمہاری کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔(۱۵) چنانچہ اس پیغمبر کی ساری عمر تعلیم میں ہی گزر گئی اور تحدیث نعمت اور اظہار حقیقت کے طور پر فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں(۱۶) اور آخری عمر میں جب حج کے موقع پر سارے مسلمان اکٹھے ہوئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے؟ تو سب نے کہا ہاں! اس پر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور عرض کیا ''اے اللہ'' گواہ رہنا۔(۱۷)

اسلام میں علم کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس لیے کہ صحیح علم کے بغیر آدمی خدا کو پہچان سکتا ہے نہ اس کائنات میں اپنی

حیثیت کو اسی لئے قرآن نے فرمایا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے (الزمر ۳۹:۹) بلکہ اہل علم کا درجہ تو بہت بلند ہے (یوسف: ۱۲، ۷۶) آنحضرتﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اور مدینے میں بھی ایسے لوگ کم تھے اور آنحضرت کو اس کی کو پورا کرنے کا اتنا خیال تھا کہ بدر میں جو پڑھے لکھے قیدی تھے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ جیسے عالم نے اس موقع پر ہی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔(۱۸) قرآن کریم سائنسی علوم کی بھی تعلیم دیتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ''اے نبیؐ! ان سے کہو کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا''(۱۹) اور مسلمانوں کو مظاہر فطرت کے مشاہدے پر ابھارتا ہے۔''بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا دن اور رات کا بدلنا، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا تیرنا اور ان سے لوگوں کا فائدہ اٹھانا، آسمان سے بارش کا برسنا اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کا زندہ ہو جانا روئے زمین پر طرح طرح کے جانوروں کا پایا جانا، ہواؤں کا چلنا اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کا حکم کے تابع ہونا، یہ ان لوگوں کے لیے اللہ کی کھلی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔(۲۰)

اس میں دینی تعلیم کے علاوہ دوسرے امور میں غیروں سے استفادہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ آنحضرتﷺ کا فرمان ہے کہ: ''كلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث و جدها فهوا حق بها'' ''یعنی علم وحکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے بھی ملے وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے۔(۲۱) اس میں نظری تعلیم ہی نہیں عملی فنون بھی شامل ہیں چناچہ آپؐ نے مدینے میں نیزہ بازی اور تیراندازی کی مشقوں کی تحسین فرمائی۔(۲۲) آپؐ نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو انسانی زندگی پر اثرات مرتب نہ کریں۔''اللهم انی اعوذبک من علم لاینفع''(۲۳) ''اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔

اُمّتِ مسلمہ کا تعلیمی المیہ:

سارے عالم اسلام میں ایک خوفناک قسم کا علمی جمود نظر آتا ہے اس وقت مسلمان ملکوں میں تعلیم کی صورتحال یہ ہے کہ دو چار ملکوں کو چھوڑ کر پورے ۵۶ یا ۵۷ ملکوں میں ۷۰ فیصد سے زیادہ شرح خواندگی کا حامل ملک نہیں مغرب ملکوں کا تو ذکر ہی کیا سری لنکا جیسے چھوٹے موٹے ملکوں میں بھی شرح خواندگی ۹۹ فیصد ہے۔ پورے عالم اسلام کے پاس کوئی جدید یونیورسٹی نہیں ہے جامعات تو کئی ہیں لیکن ان میں ہارورڈ، آکسفورڈ، سٹین فورڈ یا اس جیسی دوسری یونیورسٹیوں کا مقابلہ تو درکنار ان کے ۵۰ فیصد پر بھی پورا اترنے کی صلاحیت ہے نہ اہلیت، سارے عالم اسلام تعلیمی المیہ سے دوچار ہیں پاکستانی اس وقت مسلم امہ کے اکثر ممالک سے تعلیم اور افرادی قوت میں آگے ہے یہاں شرح خواندگی تیس پینتیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے اعلیٰ تعلیم کی شرح ایک فیصد ہے ہم مجموعی قومی آمدنی کا صرف ۲ فیصد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ۱۵ کروڑ آبادی صرف ۲۶ سرکاری یونیورسٹیاں ہیں(۲۴) امریکہ میں شرح تعلیم اس وقت ۹۹ فیصد ہے اور وہاں چار ہزار یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں جو کہ ایک ریکارڈ ہے کیونکہ اتنی یونیورسٹیاں دنیا کے کسی اور ملک میں موجود نہیں وہ تعلیم پر اپنے جی ڈی پی کا ۵ فیصد (۵۰ بلین ڈالر) خرچ کرتا ہے امریکہ کی ایک ایک یونیورسٹی کا بجٹ سارے پاکستان

کے بجٹ سے زیادہ ہے۔(۲۵)

برنارڈ لیوس ''کرائسس آف اسلام'' میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید سے لیکر دور حاضر تک مسلمان ملکوں میں بمشکل ایک لاکھ غیر ملکی کتابوں کے تراجم شائع ہوئے ہوں گے جب کہ مغربی یورپ کے ایک ملک سپین میں ایک برس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں شائع ہوتی ہیں اسی طرح وہ بتاتے ہیں کہ پورے عالم عرب میں ایک برس میں جتنی کتابیں شائع ہوتی ہیں صرف مشرقی یورپ کے ملک یونان میں ہی ان سے ۵ گنا زیادہ شائع ہوتی ہیں اس کے علاوہ امریکہ میں اس وقت ساڑھے چار لاکھ کے قریب ریسرچ سکالر موجود ہیں جبکہ پورے عالم اسلام میں ۵۰ ہزار سے بھی زیادہ نہیں ہوں گے۔(۲۶)

''معاشی عدم توازن کا مسئلہ''

کمیونسٹ اور مغربی تہذیب نے اُمت مسلمہ کو جو تحفے دیے ان میں نظام معیشت کی ناہمواری بھی شامل ہے اس سے دنیا کی اقتصادیات پر مضر اثرات مرتب ہوئے آج کے نظام معیشت کی بنیاد سرمایہ دارانہ بنیادوں پر استوار ہے جس میں مرکزی حیثیت سود کو حاصل ہے حلال وحرام کا تصور مفقود ہے سرمایہ اکٹھا کرنے میں ہر قسم کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں استحصال، ظلم، قارونیت، احتکاز، کساد بازاری، یہ تمام موجودہ نظام معیشت کے خدوخال ہیں جن کے نتائج انتہائی خطرناک ہیں۔ اس صورت حال کو محسوس کر کے امریکہ نے حال ہی میں دوسری دفعہ اپنی شرح سود کو کم کرنے کا اعلان کیا ہے اس کے علاوہ اس نے مغربی جرمن، فرانس، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک سے بھی شرح سود کم کرنے کو کہا ہے۔(۲۷)

معاشی عدم توازن کا حل:

حضور اکرمؐ نے سود اور اس کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیا جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں'' آپؐ نے اس کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

الربا ثلاثة و سبعون بابا ایسرها ان ینکح الرجل امه.(۲۸)

''سود تہتر قسم کا ہے اور معمولی قسم کے سود کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے''

دوسری جگہ سودی کاروبار اور اس میں حصہ لینے والے تمام افراد کو گنہگار ٹھہرایا:

لعن الله اکل الربا و موکله و شاهدیه و کاتبه.(۲۹)

''اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے اور لکھنے والے پر بھی''۔

سودی نظام سے نجات کی اس کے سوا اور کوئی سبیل نہیں کہ نظامِ مصطفیٰ جیسے عادلانہ نظام کے دامن میں پناہ لی جائے۔

غربت کا مسئلہ:

غربت مسلم امہ کا سب سے سنگین مسئلہ ہے ورلڈ بنک کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کے ترقی یافتہ ممالک دنیا کے وسائل کا ۸۰ فیصد حصہ خرچ کر رہے ہیں جبکہ باقی ۲۰ فیصد وسائل تیسری دنیا کے ممالک استعمال میں لا رہے ہیں ان پسماندہ ممالک میں آبادی بھی زیادہ ہے وہ غربت اور افلاس کے منحوس چکر سے باہر نہیں نکل پاتے یہ ممالک صاف پانی، حفظان صحت اور تعلیم کی سہولتوں سے محروم رہتے ہیں، پاکستان میں ہر سال ایک ہزار میں سے ۹۵ بچے اپنی عمر کے پہلے سال میں ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں ہر سال ۳۵ لاکھ بچے سکول جانے کی عمر کو پہنچتے ہیں ان میں سے صرف ۵۴ فیصد لڑکوں اور ۳۰ فیصد لڑکیوں کو پہلی جماعت میں داخلہ ملتا ہے صرف ۴۸ فیصد بچے پانچویں جماعت پہنچتے ہیں ہماری خواندگی کی مجموعی شرح ۳۵ فیصد ہے جس میں لڑکے ۴ فیصد اور لڑکیاں ۲ فیصد ہیں۔(۳۰)

صرف تیسری دنیا کے ممالک میں غربت و افلاس اور بے روزگاری نے ڈیرے نہیں ڈال رکھے ہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک بھی اس صف میں شامل ہو رہے ہیں۔ امریکی محنت کی ایک نئی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ میں غربت کی شرح بہت بڑھ گئی ہے وائس آف امریکہ کے مطابق امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہے ہیں سیاہ فام اور ہسپانوی کارکنوں میں غربت کی شرح تقریباً دوگنی ہے۔(۳۱)

غربت کا حل:

غربت و افلاس کا مسئلہ براہ راست معاش سے متعلق ہے اس وجہ سے آپؐ نے اس ضمن میں اس کا بھی حل بیان فرما دیا ہے سب سے پہلے حضور اکرمؐ نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانے کی ترغیب دی کسی شخص نے اس سے اچھا کھانا نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے مل کر کے کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داوٴدؑ اپنے ہاتھ کے عمل سے کھاتے تھے(۳۲) اسی طرح آپؐ نے بے کار بیٹھنے اور لوگوں سے سوائی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی حضور اکرمؐ نے معاشرے میں مجموعی طور پر ہمدردی اور تعاون کی فضا کو پیدا کرنے پر زور دیا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا(۳۳) آپؐ نے غریبوں اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی کا حکم دیا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلائے'' سائل کو کچھ دیں کر واپس کرو اگرچہ جلی ہوئی کھیر کیوں نہ ہو۔(۳۴)

سیاسی عدم استحکام:

حضرت حسین ابن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد جمہور امّت کا یہ مسلک بلاشبہ کسی حد تک سیاسی استحکام کا سبب بنا کہ مسلم حکومت اگر آئیڈیل اسلامی حکومت نہ بھی ہو تو اس کے خلاف بغاوت نہ کی جائے اور اسے صرف پرامن اسلامی جدوجہد سے راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے لیکن اس کا ایک انتہائی منفی پہلو یہ نکلا کہ امّت نے سیاسی آمریت کو برداشت کرنے کی روش کا اس سے مسلم معاشرے کو ہمہ جہتی نقصان پہنچا تاہم اس کا سیاسی نقصان یہ ہوا کہ مسلم معاشرے

میں شورائیت پروان نہ چڑھ سکی اور آمریت اور جبر کی وجہ سے حکمرانوں اورعوام میں فاصلے پیدا ہو گئے اور یہ چیز بالآخر سیاسی عدم استحکام پر منتج ہوئی اس وقت مسلم ممالک کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ وہاں شورائیت نہیں ہے اور حکمران مسلم عوام کی مرضی سے برسر اقتدار آتے ہیں اور نہ مرضی سے جاتے ہیں لہذا انہیں عوام کے مفادات اور ان کی خواہشات کی پرواہ بھی نہیں ہوتی ایک طرف وہ اقتدار کے سلسلے میں ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں جیسے فوج، بیوروکریسی، برادری ازم، علاقائی، لسانی اور قبائلی عصبیت، جاگیرداری وغیرہ اور دوسری طرف انہیں خارجی منابع یعنی مغربی سپر پاورز کی کاسہ لیسی اور دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے ان دونوں باتوں نے اُمت میں سیاسی عدم استحکام پیدا کر دیا ہے اور وہ جاں بلب ہے مسلمان ممالک کا یہی سیاسی عدم استحکام ان کی اکثر بیماریوں کی جڑ ہے اور جب تک وہ اس کا حل تلاش نہیں کریں گے ترقی اور عظمت تو رہی ایک طرف ان کی بقاء ہی خطرے میں رہے گی۔

سیاسی عدم استحکام کا حل:

بحیثیت خاتم النبین حضور اکرمؐ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر پوری انسانیت کے لیے ایک ایسا دستور زندگی اور اجتماعی نظام مرتب کیا جائے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہو اور جس کے ذریعے فرد، معاشرہ اور اقوام عروج اور ترقی کی منزلیں طے کر سکیں یہ جامع دستور کامل دین اور مکمل نظام جو ہر خطہ زمین کے اور ہر زمانہ کے لیے کارآمد اور قابل اعتماد ہے اور جس کو اختیار کیے بغیر انسانیت کی ترقی وخوشحالی ممکن نہیں حضور اکرمﷺ کے واسطے عطا کیا گیا۔

خلافت کا تصور:

حضور اکرمﷺ نے قرآن حکیم کی تعلیمات کی توضیع فرمائی اور ریاست وحکومت کو خلافت کا تصور دیا کیونکہ اس میں خلیفہ ذمہ دار اور خدا رسول کے احکام کا پابند ہوتا ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ ''اس کے بعد نبوت کے طریقہ پر کام کرنے والی خلافت آئے گی جب تک اللہ چاہے گا'' (۳۵) خلافت میں شورائیت کو لازم قرار دیا...... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسول اکرمﷺ سے زیادہ لوگوں سے مشورہ لینے والا ہو۔ (۳۶)

اسلامی ریاست کو مسلمانوں کے مجموعی حقوق کی تحفظ کی ضمانت قرار دیا گیا۔ آگاہ رہو تم سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا اسی طرح امام بھی ذمہ دار ہے اس سے بھی اس کی رعایا کی بابت پوچھ ہوگی'' (۳۷) مسلمانوں کو ہر حال میں اطاعت حکام کا حکم دیا اور آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ مسلم حکمران کی اطاعت کرو خواہ وہ نک کٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو (۳۸) ان ہدایات سے مقصود یہ تھا کہ مسلم حکومت مستحکم رہے اور اس میں انتشار پیدا نہ ہو ان تعلیمات کا نتیجہ یہ تھا کہ خلفائے راشدین مستحکم حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں دشمن اور منافقین ان کی نرم طبعیت سے فائدہ اٹھا کر دلیر ہو گئے اور مسلم حکومت اگلے کچھ عرصہ تک غیر مستحکم رہی لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے اسے جلد ہی مستحکم کر دیا اس استحکام کے نتیجے میں مسلم سلطنت ہمیشہ وسعت پذیر رہی آج ان گئے گزرے حالات میں بھی وہ وسعت پذیر ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز

ٹیکنالوجی:

نئے عالمی نظام کا ایک اہم ستون اور مغرب کا ایک اہم ہدف ٹیکنالوجی ہے خصوصیت سے نیوکلیر اور ہائی ٹیک (Hi- tech) کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر مغربی اقوام کی اجارہ داری ہے نئے عالمی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابل چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے جہاں سے بھی خطرہ ہو اسے ختم کرنے کا حق ہے اور اس کی زبان میں ایٹمی عدم پھیلاؤ کا مقصد دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنا نہیں بلکہ مغرب کی نیوکلیئر بالادستی کو دائمی بنانا اور اسے لاحق ہونے والے ہر چیلنج کا راستہ روکنا ہے کیمیاوی اور گیس کے ہتھیاروں پر پابندی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے اسی طرح میزائل کے نظام کو لگام دینے کا پروگرام بھی اسی عسکری بالادستی کے تحفظ کے لیے ہے اس ساری منصوبہ بندی کا ہدف مسلمان بن رہے ہیں اس لیے مسلمانوں کو نہ صرف اس پہلو سے بھی ہوشیار رہنا ہوگا بلکہ اپنی توانائیاں اس کا توڑ کرنے میں بھی صرف کرنی ہوں گی سائنس اور ٹیکنالوجی میں مسلمان بہت پیچھے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں تعلیم کم ہے جو ہے اس کا کوئی معیار نہیں عمدہ تجربہ گاہیں موجود نہیں سائنسی ترقی پر خرچ کرنے کے لیے بجٹ نہیں، سائنسی ترقی کے لیے اسلامی ممالک کی تنظیم کامسٹیک کا اجلاس ستمبر ۲۰۰۱ء میں اسلام آباد میں ہوا جس میں سارے مسلم ممالک نے مل کر آئندہ مالی سال کے لیے سات ملین ڈالر کا بجٹ بنایا۔(۳۹) یہ بجٹ شرمناک ہے اگر یہ سات ہزار بلین ڈالر ہوتا تو بھی کم تھا لیکن سات ملین ڈالر یہ تو اونٹ کے منہ میں زیرہ بھی نہیں اس پر بھی اگر ہم کہیں کہ ہم سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو پھر لوگ ہم پر ہنسیں نہیں تو اور کیا کریں ممتاز ماہر معاشیات محمود احمد مرزا مسلم دنیا کی پسماندگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ''آج کل قوموں کی ترقی کا انحصار سائنس وٹیکنالوجی پر ہے جبکہ کیفیت یہ ہے کہ مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد کی تعداد مایوس کن ہے مسلم ممالک میں اوسطاً دس لاکھ افراد میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے آگاہ افراد صرف ۲۰۰ ہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑے رسالوں میں مسلم ممالک کے لکھنے والے ماہرین کا حصہ صرف ایک فیصد ہے دنیا میں ہر سال سائنس پر تقریباً ایک لاکھ کتب چھپتی ہیں ان میں سے ایک بھی مسلم ممالک میں نہیں لکھی جاتی۔(۴۰)

دہشت گردی:

اُمتِ مسلمہ کو آج جس چیلنج کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے اور خود اسلام ہی کو دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے اور جو مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سلامتی کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہے دہشت گرد کون ہے؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے وہ دوسرے کے نزدیک مجاہد حریت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاستدان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن

لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دیکر ان کی تعریف کر رہی تھی فلسطین کے رہنما یاسر عرفات دہشت گرد تھے اور اب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn-Fein) کے جیری آدم بھی جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہنما ہیں کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جا سکتا تھا۔(۴۱) ۳۰ سال قبل چومسکی نے ہمیں یاد دلایا تھا کہ قومی تحفظ کے نام پر اذیت اور دہشت گردی کے آلات استعمال کرنے والی حکومتوں کی دو تہائی تعداد امریکہ کی گاہک ہے اگر ہم اس اصول پر توجہ دیں کہ دہشت گردوں کو تحفظ ور مالی مدد کون مہیا کر رہا ہے تو ہمیں ایک بار پھر مغربی طاقتیں مشرق وسطی اور جنوب میں ان کے حلیف ہی مجرم نظر آئیں گے(۴۲) دہشت گردی کی حالیہ اصطلاح صرف مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جا رہی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا ریکارڈ اس بارے میں خاصا سیاہ ہے اس حد تک سیاہ کہ مسلم اُمت اس کے پاسنگ بھی نظر نہیں آتی صرف امریکہ کو لیجئے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کے عرصہ میں امریکہ نے جن ملکوں سے جنگ کی اور جن پر بمباری کی ان کی فہرست یہ ہے چین (۴۶/۱۹۴۵/۱۹۵۳ء) کوریا (۱۹۵۰-۵۳ء) گوئٹے مالا (۱۹۵۴ء-۶۹-۱۹۶۷ء) انڈونیشیا(۱۹۵۸ء) کیوبا (۱۹۶۰- ۱۹۵۹ء) بلجیین کانگو (۱۹۶۴ء) پیرو (۱۹۶۵ء) لاوس (۶۴-۱۹۷۳ء) ویت نام (۱۹۶۱-۷۳ء) کمبوڈیا (۱۹۶۹-۷۰ء) گریناڈا (۱۹۸۳ء) لیبیا (۱۹۸۶ء) ایل سلواڈور (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ) نکاراگوا (۱۹۸۰ء کا پورا عشرہ) پانامہ (۱۹۸۹ء) عراق (۱۹۹۱-۹۹ء) بوسنیا (۱۹۹۵ء) سوڈان (۱۹۹۸ء) یوگوسلاویہ (۱۹۹۸ء) افغانستان (۲۰۰۲ء) اور اب پھر عراق (۲۰۰۳ء)(۴۳) اس بارے میں پروفیسر خورشید احمد کے خیالات ہر مسلمان کی ترجمانی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

''دہشت گردی کے باب جو محاذ کھولا گیا ہے اس کا مقصد بھی دنیا میں ابھرنے والی ہر متبادل قوت کو ایک قسم کے سوچے سمجھے تشدد کا نشانہ بنانا ہے جو خود انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے کوئی صحیح العقل انسان دہشت گردی اور تشدد کی حمایت نہیں کر سکتا لیکن مظلوم اگر ظالم کے خلاف ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جائے یا محکوم اقوام اپنی آزادی کے لیے سیاسی جدوجہد کی راہیں مسدود ہونے کی صورت میں ظالم اور استعماری حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کریں تو اسے دہشت گردی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اگر یہ دہشت گردی ہے تو دنیا کے موجودہ سیاسی نقشے کا ۸۰ فیصد ایسی ہی جدوجہد کے نتیجے میں صورت پذیر ہوا ہے اور یہ عمل آج بھی جاری ہے اس کی سب سے قریبی مثال مشرقی تیمور ہے جہاں ۲۰ سالہ عسکری جدوجہد کے بعد اقوام متحدہ کے زیر انتظام استصواب ہوا ہے یہ اور بات ہے کہ مشرقی تیمور اپنے تیل کے ممکنہ ذخائر کی وجہ سے مغربی اقوام کی توجہ کا مرکز بنا ہے اور ایک مسلمان ملک کو کمزور کر کے ایک عیسائی ریاست کا قیام اس کا نتیجہ ہے لیکن بات اصول کی ہے اور جس حق کے تحت اقوام متحدہ کے ۱۳۰ ممالک آزاد ہوئے ہیں اسے محض اس لیے دہشت گردی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ کشمیر، کوسووا، چیچنیا اور منڈاناؤ میں اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا(۴۴) اس لیے اُمت مسلمہ کو پورے اتحاد کے

ساتھ اس مسئلے پر توجہ دینے کی فوری ضرورت ہے''۔

تہذیبی تصادم:

اس وقت اُمّتِ مسلمہ کو درپیش ایک اہم چیلنج تہذیبوں کے ٹکراو کا ہے یہ تصادم قدرتی حالات کا پیدا کردہ نہیں بلکہ خاص مقاصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے یہ درحقیقت حصول دولت کی تڑپ ہے جس نے مغرب کو اس تصادم پر مجبور کیا ہے لیکن صورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے اور اس تڑپ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے فضا ایسی بنا دی ہے کہ تہذیبوں کے مابین بھی محورے کی فضا پیدا ہوگئی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس تہذیبی کشمکش کو سمجھتے ہوئے ہم اپنے دفاع کا جائز حق استعمال کریں اور مغرب کی تہذیبی یلغار سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے سامنے صحیح حالات اور حالات کا صحیح تناظر پیش کریں اور اسے بتائیں کہ اس وقت ضرورت حق کو تسلیم کرنے کی ہے اس سے برگشتہ ہوکر متصادم ہونے کی نہیں اس بحث کا ایک اور پہلو ''مذاہب کے مابین اتحاد'' ہے یہ نعرہ بھی بلند کیا گیا ہے کہ رواداری بین المذاہب کو عام کیا جائے اس سلسلے میں صحیح صورت یہ ہوگی کہ اس فارمولے پر عمل کیا جائے کہ ''ہر مذہب قابل احترام ہے'' نہ یہ کہ ہر مذہب سچا ہے یہ جملہ مبالغہ آمیز بھی ہے اور مغالطہ آمیز بھی نیز منطقی اور اصولی اعتبار سے غلط بھی' مذہبی اتحاد کا واحد قابل عمل فارمولا باہمی احترام ہے ٹھیک اسی طرح جیسے ایک شخص ایک خاتون کو دل سے اپنی ماں سمجھتا ہے اس کے ساتھ وہ دوسری تمام خواتین کا پورا احترام کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس نے یہ اعلان کیا ہو کہ دوسری تمام خواتین بھی میری حقیقی مائیں ہیں۔(۴۵)

میڈیا کی یلغار:

آج اُمّتِ مسلمہ کی ایک اہم ذمہ داری میڈیا کے حوالے سے ہے کیونکہ موجودہ غیر اعلانیہ جنگ میں میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے بلکہ یہ جنگ درحقیقت میڈیا کے ہی سہارے لڑی جا رہی ہے اس لیے یہ شعبہ بھی ہم سے سرگرم و متحرک جذبہ عمل کا خواہاں ہے میڈیا کی دونوں اقسام یعنی پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا ہمارے معاشرے میں موجود ہیں یہ حقیقت کسی طرح جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ اُمّتِ مسلمہ اس وقت جو خطرات لاحق ہیں ان میں سے اہم اور خطرناک مغرب کا ثقافتی یلغار ہے جس کے ذریعے نوجوان نسل کے ذہنوں کو تبدیل کیا جا رہا ہے اور ایک افسوس ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ہماری اپنی حکومتیں بھی ان عوامل کی مدد کر رہی ہیں جو در پردہ اُمّتِ مسلمہ کو اسلامی اقدار سے کنارا کش کرنے کے لیے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کام کر رہے ہیں مثلاً مغربی طرز کے تعلیمی ادارے، ذرائع ابلاغ، ملٹی نیشنل کمپنیز (NGO's) ڈش کلچر، غیر ملکی عریاں لٹریچر وغیرہ وغیرہ۔(۴۶) اس وقت دنیا میں پانچ بڑی میڈیا فرم ہیں پہلے نمبر پر والٹ ڈزنی آتی ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی میڈیا کمپنی ہے اس کے پاس ۳ بڑے ٹیلی ویژن چینلز ہیں اے بی سی نام کا دنیا کا سب سے زیادہ دیکھا جانے والا کیبل نیٹ ورک ہے صرف امریکہ کے اندر اس کیبل نیٹ ورک کے ایک کروڑ ۴۰ لاکھ کنکشنز ہولڈرز ہیں یہ کمپنی دو ویڈیو پروڈکشن کمپنیوں، فلمیں بنانے والی دنیا کی تین بڑی کمپنیوں، آرٹ کے دو ٹیلی ویژن چینلز، ۱۱ اے ایم ریڈیو اور ۱۰ ایف ایم ریڈیو چینل کی مالک ہے دنیا کے ۲۲۵ ٹیلی ویژن چینلز والٹ ڈزنی کمپنی سے وابستہ ہیں دنیا کے ۳ ہزار ۴۰۰ ریڈیو اس سے

وابستہ ہیں دوسری بڑی میڈیا فرم ٹائم وارنر ہے اس کے پاس دنیا میں سب سے زیادہ دیکھا جانے والا فلموں کا چینل ایچ بی او موسیقی کا سب سے زیادہ دیکھا جانے والا چینل میوزک، ایک ویڈیو پروڈکشن کمپنی اور دنیا کے ۵ کثیر الاشاعت میگزین، ٹائم اسپورٹس، السٹرئیڈ، پیپل اور فارچون ہیں یہ کمپنی دنیا میں اختلافات اور کشمکش پیدا کرنے میں اپنا کوئی جواب نہیں رکھتی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے امریکہ میں کالے اور گورے امریکی اور ایشیائی کی تفریق کی بنیاد رکھی۔

پیراماؤنٹ دنیا کی تیسری بڑی فرم ہے یہ فرم ہر سال ۱۰ ارب ڈالر کماتی ہیں اس کے پاس ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ۱۲، ۱۲ چینلز ہیں یہ کتابیں شائع کرنے والے تین بڑے اداروں اور ایک فلم ساز ادارے کی بھی مالک ہے رگیا پرنٹ میڈیا تو اس وقت امریکہ سے ڈیڑھ ہزار اخبارات شائع ہوتے ہیں ان میں سے ۷۵ فیصد اخبارات یہودیوں کے پاس ہیں ''نیو ہاوس'' یہودیوں کی ایک اشاعتی کمپنی ہے یہ کمپنی ۲۶ روزنامے اور ۲۴ میگزین شائع کرتی ہیں ان کے علاوہ ''دی نیویارک ٹائمز'' والی اسٹریٹ جنرل اور واشنگٹن پوسٹ دنیا کے تین بڑے اخبارات ہیں نیویارک ٹائمز روزانہ ۹۰ لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے ان اخبارات کو صحافتی زبان میں اسٹوری میکرز کہا جاتا ہے یہ وہ ایشوز چھیڑتے ہیں جو آگے چل کر دنیا بھر کے اخبارات کے لیے خبر بنتے ہیں اخبارات کے بعد نیوز ایجنسیوں اور انٹرنیٹ کی دنیا ہے دنیا میں ۳ بڑی نیوز ایجنسیاں ہیں اے ایف پی، رائٹر اور اے پی ان تینوں ایجنسیوں پر بھی یہودیوں ہی کا قبضہ ہے انٹرنیٹ تو ایجاد ہی ان کی ہے دنیا کے تمام سرچ اور انجن کے ہاتھ میں ہے انٹرنیٹ پر ان لوگوں نے نعوذ باللہ جعلی اسلام کی ۱۰۳ سائٹس بنا رکھی ہیں جن کے ذریعے یہ نومسلم اور کچے ذہن کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں ایک طرف تو یہ صورت حال ہے اور دوسری پورا عالم اسلام خواب غفلت کے مزے لے رہا ہے پوری اسلامی دنیا میں ایک بھی ایسا بین الاقوامی سطح کا اخبار، رسالہ اور میگزین نہیں جو یہودیوں کی دست درازیوں کا جواب دے سکے۔ (۴۷)

اُمّتِ مسلمہ کیلئے تجاویز:

اُمّتِ مسلمہ کی بقاء اور سلامتی کی ضمانت اس بات میں ہے کہ وہ باہم اتحاد و اتفاق کے ساتھ ایک مشترکہ منشور تشکیل دیں اور متفقہ منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے تمام معاملات ذمہ دارانہ طریقے سے طے کریں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اس سلسلے میں چند تجاویز پیش کی جا رہی ہیں جن کے بارے میں سیرت طیبہ اور تعلیمات نبویؐ سے رہنمائی ملتی ہے۔ سب سے پہلے مسلم امہ باہم اپنی اپنی الگ ''اقوام متحدہ'' تشکیل دے کیونکہ اقوام متحدہ سے اب مسلمانوں کی بقاء کی ضمانت نہیں دی جا سکتی نہ اپنے اہم مسائل مسلم اُمّت اب اس پر چھوڑ سکتی ہے او آئی سی نے بھی اپنے کردار سے مسلمانوں کو سخت مایوس کیا ہے اس لیے اب نئے ادارے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ متفقہ فوج: مسلم اُمّت کی ایک اتحادی فوج کی تشکیل بھی ازحد ضروری ہے جو نہ صرف وقت پڑنے پر ہر اسلامی ملک کے دفاع کا فریضہ انجام دے سکے بلکہ وہ باہم مناقشات اور اختلافات حل کرنے کی بھی طاقت رکھتی ہو۔

مسلم اُمّت کا متفقہ مالی نظام بھی ضروری ہے جو مستحق ممالک کی مدد کرے مسلمانوں کے مالی وسائل کو جمع کر کے انہیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کرنے کا انتظام کرے مستحق طلباء کے لیے اسکالرشپس کا انتظام کرے اور غربت و

بے روزگاری کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کرے۔

مسلم بینک، ایسا بینک بھی قائم کیا جائے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے خالص غیر معیشت کو فروغ دے اور مسلمانوں کی رقوم کی حفاظت کرے تمام مسلماں ممالک اپنی رقوم غیر مسلم ممالک سے نکال کر اس سے رکھیں۔ متفقہ خارجہ پالیسی کی تشکیل کی جائے اور خاص طور پر طے کر لیا جائے کہ کسی مسلمان ملک کے خلاف استعمال نہیں ہوں گے بلکہ نہ اس کے خلاف کسی کارروائی میں کسی طور پر شرکت کریں گے بلکہ ہر مجبوری میں مسلم ممالک ہی کی مدد و اعانت کریں گے۔

اسلحہ سازی پر زور تمام مسلم ممالک اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسلحہ سازی میں مکمل خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کریں تا کہ اس معاملے میں غیر مسلم اقوام اور ریاستوں کے دست نگر ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بھی خود کفالت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اس مقصد کے لیے جدید تعلیمی ادارے کثرت سے قائم کیے جائیں تا کہ مسلم افرادی قوت تعلیم کے لیے باہر جانے پر مجبور نہ ہو اور ان کی صلاحیتیں مسلمانوں ہی کے کام آ سکیں اس غرض سے تمام مسلم ممالک متفقہ پالیسی کی تشکیل کریں مالی اعانت کے لیے مسلم بنک تعاون کرے اور ہدف یہ مقرر کیا جائے کہ تمام مصنوعات مسلم دنیا اپنی ہی بنائی ہوئی استعمال کرے گی بلکہ ان کے لیے خام مال بھی باہر سے درآمد نہیں کیا جائے گا نیز جو ملک جس شعبے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے اسے باقی تمام ممالک سپورٹ کریں۔

میڈیا پالیسی: تمام ممالک کی میڈیا پالیسی ایک ہونی چاہیے تا کہ مغرب کے پروپیگنڈے اور ثقافتی یلغار سے بچا جا سکے اور انہیں اسلام کی تبلیغ کی بھی سہولت ہو سکے۔

مسلمانوں کا مشترکہ کمیشن اور عالمی عدالت تشکیل دی جائے جو مسلمانوں کے باہمی مسائل اور بین الاقوامی معاملات کے فیصلے کرے جس کا فیصلہ سب پر واجب العمل ہو نیز بین الاقوامی اسلامی لیگل سیل قائم کیا جائے جو پوری دنیا میں مسلمانوں کے مفادات اور ان کی مختلف تنظیموں کے معاملات کی نگرانی کرے اور ضرورت پڑنے پر عملی اقدامات کرے۔

مسلمان اپنے اپنے علاقائی ملبوسات اور کھانوں کو فروغ دیں غیر مسلم ثقافت اور تہذیب اپنانے کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اپنی ثقافت، زبان، تہذیب اور تمدن کے اسلامی مظاہر کو فروغ دیا جائے۔ وہ افرادی قوت جو غیر مسلم دنیا میں مصروف عمل ہے خصوصاً مسلم سائنس دان، اہل علم اور موجدین انہیں مسلم دنیا میں واپس لانے کا انتظام کیا جائے انہیں مراعات و ترغیبات دی جائیں انہیں سہولتیں فراہم کی جائیں اور انہیں کام کرنے کے بھرپور مواقع دیئے جائیں۔

حوالہ جات

۱- محمد ریاض، مطالعہ اقبال کی روشنی میں مرد مسلمان پر سیرت رسول کے اثرات ماہنامہ فکر و نظر مئی ۱۹۷۲ء۔ ۲- النساء: ۵۹۔ ۳- مولانا ابوالاعلی مودودی ''تفہیم القرآن جلد اول'' لاہور (مکتبہ تعمیر انسانیت) ۱۹۷۹ء ص ۳۶۳۔ ۴- العمران (۳:۱۰۳) ۵- الشوری (۴۲:۱۳) ۶- الجامع الصحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس و البھائم، دارالسلام، الریاض ۱۹۹۹ء۔ ۷- الجامع الصحیح الامام المسلم ''کتاب البر، باب تراحم المؤمنین و

تعاطفہم و تعاضدھم۔ ۸- ڈاکٹر محمد امین ''مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل'' بیعت الحکمت لاہور، ۲۰۰۴ء ص ۷۷۔ ۹- آل عمران: ۳:۱۰۳۔ ۱۰- سنن ابی داؤد بحوالہ، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل، از ڈاکٹر اسرار احمد، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص ۵۰۔ ۱۱- مولانا محمد شفیع وحدت اُمت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ص ۳۹، ۴۰۔ ۱۲- ماہنامہ الفاروق، کراچی، ذیقعد ۱۴۱۳ھ شمارہ نمبر ۱۱ جلد نمبر ۸ ص ۴۵۔ ۱۳- ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی، جنوری ۲۰۰۶ء مدیر مولانا محمد صدیق ارکانی او آئی سی، اعلان مکہ اور ناروے معاہدہ، ص ۱۲۔ ۱۴- العلق (۹۶:۳-۵) ۱۵- البقرۃ (۲:۱۵۱) ۱۶- سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فضل العلماء علی طلب العلم۔ ۱۷- الصحیح البخاری کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاہد الغائب۔ ۱۸- ابن سعد، الطبقات الکبری، القاہرہ، ۱۳۷۹ھ ج ۲ ص ۱۴۔ ۱۹- العنکبوت (۲۹:۲۰) ۲۰- البقرۃ (۲:۱۶۴) ۲۱- سنن ترمذی، کتاب العلم، باب (ماجاء) فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ ۲۲- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجہاد، باب التحریض علی الرمی۔ ۲۳- حکیم محمد سعید ''اکیسویں صدی اور ہم'' ہمدرد کتب خانہ پریس، کراچی، ص ۲۵۵۔ ۲۴- ڈاکٹر محمد امین ''مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل'' حوالہ مذکور ص ۱۲۲۔ ۲۵- ایضاً ص ۱۶۴۔ ۲۶- برنارڈ لیوس، مترجم محمد احسن بٹ ''اسلام کا بحران جہاد اور دہشت گردی'' المطبعۃ العربیہ لاہور ۲۰۰۳ء ص ۶۔ ۲۷- رپورٹ، بی بی سی، لندن، اگست ۱۹۸۶ء۔ ۲۸- المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، باب ان اربی الربا۔ ۲۹- صحیح مسلم ''کتاب المساقات'' باب لعن اکل الرباء و موکلہ: مسند احمد ۳/۴۴۔ ۳۰- ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تحقیقی مقالہ عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی، مطبوعہ مقالات سیرت النبیؐ قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۵ء (ص ۵۵) وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ ۳۱- وائس آف امریکہ بحوالہ روزنامہ خبریں، لاہور ۲۱رجولائی ۱۹۹۵ء۔ ۳۲- صحیح بخاری: بحوالہ مقالات سیرت النبیؐ ''قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۵ء، ص ۳۰۸، وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ ۳۳- ابن ماجہ بحوالہ بالا ایضاً ص ۳۰۹۔ ۳۴- ایضاً۔ ۳۵- مسند احمد، حدیث نعمان بن بشیر، ص ۲۷۲ (یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں حضور اکرمؐ نے اپنی بعثت سے لے کر قیامت تک کے ادوار کا ذکر فرمایا ہے جس میں نبوت، خلافت، ملوکیت، جبرو بادشاہت اور پھر خلافت شامل ہے) ۳۶- صحیح بخاری ''بحوالہ مقالات سیرت النبیؐ'' قومی سیرت کانفرنس، ۱۹۹۵ء ص ۳۱۰ وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، اسلام آباد۔ ۳۷- صحیح بخاری کتاب الاحکام باب اطیعو اللہ: ۲/۱۰۵۷۔ ۳۸- صحیح مسلم ''کتاب الامارۃ'' باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ۔ ۳۹- بحوالہ اردو سائنس میگزین شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۲ء اردو سائنس بورڈ لاہور۔ ۴۰- روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۳/ ۹/ ۲۰۰۲ء۔ ۴۱- ماہنامہ محدث، نومبر ۲۰۰۲ء/ ص ۴۷۔ ۴۲- ایضاً ص ۴۸۔ ۴۳- ایضاً ص ۵۶۔ ۴۴- پروفیسر خورشید احمد، امریکہ، مسلم دنیا کی بے اطمینانی، منصورہ لاہور، ۲۰۰۲ء ص ۷۸، ۷۹۔ ۴۵- مولانا وحید الدین خان ماہنامہ تذکیہ لاہور مئی ۲۰۰۱ء ص ۱۹۔ ۴۶- مولانا نور اعوان/ ماہنامہ الجمعیۃ اسلام آباد/ مئی ۲۰۰۰ء/ ص ۲۲۔ ۴۷- یاسر محمد خان/ ہفت روزہ ضرب مؤمن، کراچی/ ۹ جلد ۸ شمارہ ۲۰۵، ۷ تا ۱۳ مئی ۲۰۰۴ء۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اوران کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

نصرت کمال صدیقی-کراچی

ابتدائیہ:

امّتِ مسلمہ کے موجودہ مسائل کی وجوہات جاننے کیلئے ہمیں عالمی تاریخ پر نظر ڈالنی ہوگی کہ ماضی ہی نہ صرف حال، بلکہ مستقبل کا پتہ دینے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ قدیم تہذیبیں کیوں کمال و زوال کے مدو جزر سے گذریں اور انہوں نے کس طرح اپنے مسائل اور درپیش چیلنجز کا مقابلہ کیا۔ یہاں صرف چند مشہور تہذیبوں کا مختصراً ذکر کروں گا۔

تمام قدیم وعظیم تہذیبیں جن کے بس اب آثار رہ گئے ہیں کسی نہ کسی دریا کی مرہونِ منت ہیں،جنکی وادی میں یہ پروان چڑھیں۔ چاہے وہ سمیری ہو، موہنجودرو ہو، فراعین ہوں یا مہر گڑھ۔ انسان کی تقریباً پانچ، چھ ہزار سالہ مرتب شدہ تاریخ میں شروع کے ڈھائی ہزار سالہ دور کی تہذیبوں کے آثار تو ملتے ہیں مگر تحریری مواد بہت کم پایا جاتا ہے۔اس ابتدائی زمانے میں چند تصویری زبانوں نے اتنی ترقی کر لی تھی کہ تاریخ ضبطِ تحریر میں آنی شروع ہو چکی تھی جسکا ثبوت ہمیں کہیں کہیں مٹی کی سوختہ ٹکیوں وتختیوں یاPapyrus پر لکھائی کی شکل میں ملتا ہے، جن میں علم وفن کے بجائے تاریخ اور بادشاہوں کے واقعات کا ذکرزیادہ پایا جاتا ہے اور جن کے نام تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں ہی کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں تعمیرات پر بہت زور رہا۔شائد وہ لوگ یہ سوچا کرتے تھے کہ مستقبل کیلئے وہ یہی نشانیاں چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ ہاں بابل کے بادشاہ حمورا بی کا نام، جس کا دورِ حکومت اٹھارویں صدی قبل مسیح میں تھا،اور جس کا ضابطہء قانون ہم تک پہنچا ہے، اب بھی لوگ عزت سے لیتے ہیں،کہ اس نے آنے والی نسلوں کیلئے آثارِ قدیمہ کے بجائے ایک دستاویز مہیا کی جو اصلاح و تربیت اور ایک نظام قائم کرنے کیلئے بنیاد بن سکے۔

کوئی چھٹی صدی قبل مسیح سے یونانی فلسفیوں کا علم تحریری شکل میں تفصیل سے ملتا ہے جواُس زمانے کے علوم کے نہ صرف ماہربلکہ خالق تھے۔ ویسے انہوں نے اپنے سے قدیم تہذیبوں یعنی سمیری (میسوپوٹیمیا، دجلہ و فرات)؛ مصری(فراعین،دریائے نیل) ؛ موہنجو درو (دریائے سندھ)، مہر گڑھ (دریائے بولان) ؛ چینی (Sage Kings،پیلا دریا) ؛ آئجین (جزیرہ کریٹ) وغیرہ سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔

چھٹی سے دوسری صدی قبل مسیح تک موجودہ یورپ کے علاقے یونان میں فیثا غورث، سقراط، افلاطون، ارسطو اور ارشمیدس وغیرہ نے فلسفہ اور سائنس کی بنیاد ڈالی۔اس زمانے میں رومن ریپبلک بھی وجود میں آ گئی تھی۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں یونان کے سکندرِ اعظم کی عارضی اور عظیم فتوحات کے باوجود یونان،روم کے زیرِ نگیں آ گیا۔ یہ رومن ایمپائر کا ابتدائی زمانہ

تھا جب علم کی وقعت تھی، اور شہنشاہیت موروثی نہ ہونے کے سبب یہ انتہائی عروج کا دور تھا، لیکن جلد ہی وراثتی جانشینی کی بنا پڑی اور اخلاقی برائیوں کے ساتھ ساتھ رومن بادشاہ علم و فلسفہ سے دور ہوتے چلے گئے اور یہی انکے پہلے زوال کا سبب بنا۔

مشرقِ قریب میں یہ زرتشت مذہب کے عروج کا زمانہ تھا اور ۵۵۰ سے ۳۳۰ سال قبل مسیح کے دوران انکی ایک عظیم بادشاہت (Persian Empire) دریائے نیل سے لیکر دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی، جسکو سکندرِ اعظم نے تباہ کیا۔ زرتشتی دور کے خاتمے کے بعد ۳۰۰ سے ۱۰۰ سال قبل مسیح تک رومی تہذیب پھر آگے آئی اور سائنس و فلسفہ کا عروج ہوا جو تقریباً دوسری صدی عیسوی کے نصف تک رہا۔ چوتھی صدی میں رومن ایمپائر مغربی اور مشرقی حصوں میں بٹ گئی اور پانچویں صدی عیسوی میں دنیا نے مغربی رومی حکومت کا آخری زوال دیکھا۔ گو مشرقی سلطنت روما بازنطین کے نام سے قائم رہی۔ اسی دوران مشرقِ بعید میں پانچویں صدی قبل مسیح سے کنفیوشس کی تعلیمات کا چرچا ہوا حتیٰ کہ دوسری صدی قبل مسیح تک چین میں اس نے مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ چین کی تہذیب، جو تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح سے موجود ہے، کا یہ منفرد پہلو ہے کہ یہ خود ہی کمال و زوال سے گذرتی رہی ہے اور کسی بیرونی طاقت کا اس اتار چڑھاؤ میں کم ہی حصہ رہا ہے۔ چودھویں صدی میں چین ایک عالمی بحری قوت تھا۔

گو سکندرِ اعظم نے ۳۳۰ قبل مسیح میں زرتشت حکومت کو تباہ کردیا تھا مگر تیسری صدی عیسوی میں اس مذہب نے پھر سر اٹھایا اور تقریباً بعد کے چار سو سال بحیرۂ اوسط سے لیکر دریائے سندھ تک پھر یہی قوم برسرِ اقتدار رہی۔ ۴ یا ۶ (قبل مسیح!) میں حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی مگر اسکے تین سو سال بعد تک عیسائی مذہب کے ماننے والے بہت کم تھے۔ لیکن جب رومی شہنشاہ قسطنطین (Constantine) نے ۳۱۲ء میں عیسائی مذہب قبول کیا تو اس مذہب کو عروج حاصل ہوا، گو تثلیث کا نظریہ شاملِ مذہب کر کے اسکو ایک غلط رنگ دیدیا!

زرتشت بادشاہ خسرو پرویز نے ساتویں صدی کی ابتداء میں رومن (بازنطینی) حکومت سے کامیابی کے ساتھ ٹکر لی اور ۶۱۴ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ۹۰ ہزار عیسائیوں و یہودیوں کو قتل کیا۔ ۶۱۶ء تک رومی حکومت تقریباً ختم ہوچکی تھی۔ لیکن سورۂ روم (۳۰: ۱-۴) اور حضور ﷺ کی پیشینگوئی کے مطابق ۹ سال کے اندر ہی یعنی ۶۲۵ء میں عیسائی مذہب (اللہ تعالیٰ کوتو یہ بھی مانتے تھے!) ماننے والے رومیوں نے آتش پرست Persian Empire کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کردیا۔ اس سے صرف ایک سال پہلے یعنی ۶۲۴ء، میں صرف اور صرف ایک خدا کو ماننے والے مسلمانوں نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود بدر کے مقام پر فتح مبین حاصل کی تھی۔

پانچویں صدی عیسوی میں مغربی رومن ایمپائر کے خاتمے پر مشرقی سلطنت روما 'بازنطین' کے نام سے پندرھویں صدی عیسوی تک قائم رہی، جو یونانی اقدار اور رومی اقتدار کا مجموعہ تھی۔ یونانی عیسائی، مذہبِ قدیم اور رومی عیسائی، مذہب جدید کو مانتے تھے جو آخرِ کار دونوں میں اختلاف کا سبب بنا اور ۱۰۵۴ء میں پاپائے روم سے یونانی چرچ نے علیحدگی اختیار کرلی۔ اسکے بعد مذہبِ قدیم کے اثرات روس اور بلقان کے علاقوں میں پھیلے، اور جدید عیسائیت کو مغربی یورپ میں فروغ حاصل ہوا۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تہذیبیں مثلاً سمیری، فراعین، زرتشتی وغیرہ جنکے عروج کا سبب انکی طاقت وقوت رہا، اور جو ملوکیت اور ایک خاندان یا قبیلے کے ہاتھ میں رہیں بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ گئیں، اور اب انکے صرف آثار ہی ملتے ہیں۔ اسی طرح انفرادی (سکندر اعظم وغیرہ) یا بعد میں آنے والی ایک قوم (منگول) فتوحات اور قتل و غارت گری کی وجہ سے دنیا میں جتنی تیزی سے پھیلے، اتنی ہی تیزی سے ختم بھی ہوگئے۔ سوائے تعمیرات اور ظلم وستم کی کہانیوں کے ان لوگوں نے دنیا میں کچھ نہ چھوڑا۔ اس تقریباً پانچ، چھ ہزار سالہ تاریخ میں صرف ایک یونانی تہذیب، جسکی بنیاد علم و فلسفہ پر رہی وہی آنے والی اقوام کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہوئی۔ یا پھر اٹھارویں صدی قبل مسیح کے بادشاہ حمورابی کا نام اب بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

اسلام کا فروغ اور بنیادی اصول:

اسلام کی ابتداء ماضی کی اقوام کے مقابلے میں دریا کے بجائے ایک ریگستان یعنی صحرائے عرب میں واقع ایک قصبہ مکہ سے ہوئی جہاں ایک کنواں بنام زمزم کا ذکر روایات میں تو ملتا تھا لیکن زمین پر اسکا نشان تک موجود نہ تھا۔ گو حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے اپنی جوانی میں ایک خواب دیکھنے کے بعد چاہِ زمزم کو ڈھونڈ نکالا تھا۔ مکہ مکرمہ کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ یمن اور شام کے تجارتی راستے پر واقع تھا جہاں تجارتی قافلے پڑاؤ ڈالا کرتے تھا۔ اسکے علاوہ کعبہ کی بھی ایک مذہبی حیثیت تھی جہاں سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ معاشرہ قبیلوں میں بٹا ہوا تھا جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں جنگ و جدال میں مصروف رہتے تھے۔ اسوقت جزیرہ نما عرب کے جنوبی علاقے میں یمن اور عدن کی حکومتیں ترقی یافتہ تھیں اور شمال میں بازنطینی حکومت کا زور تھا۔ یمن میں مآرب ڈیم وہاں کی زرخیزی اور خوشحالی کا سبب تھا اور پیداوار کا بڑا حصہ قافلوں کی مدد سے شمالی ملکوں کو برآمد کیا جاتا تھا جو مکہ سے ہوکر گذرتے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں چند واقعات ایسے ہوئے جس نے ان علاقوں کی برتری کو اگر ختم نہیں تو کمزور ضرور کردیا۔ چھٹی صدی کی ابتداء میں مآرب ڈیم کی تباہی سے یمن کو زوال آیا، حضور ﷺ کے سالِ پیدائش میں یمن کے عیسائی سردار ابرابہ کی کعبہ کو منہدم کرنے کی کوشش ناکام ہوئی اور شمال کی بازنطینی حکومت اندرونی سازشوں اور آتش پرست ایران سے مستقل جنگوں کی وجہ سے رو بہ زوال ہوئی۔ کعبہ کو منہدم کرنے کی ناکام کوشش سے اس عبادت گاہ کی قدر ومنزلت پورے علاقے میں بڑھ گئی۔ اسکے علاوہ حضور ﷺ کی پیدائش سے کئی سال قبل عبدالمطلب کا چاہِ زمزم کو دوبارہ جاری کردینے سے خاندانِ بنو ہاشم کی عزت و اقتدار میں مزید اضافہ ہوا۔ یہ واقعات مجھے اتفاقیہ نہیں لگتے۔ میں کبھی سوچتا ہوں کہ رب العزت نے یہ سب کچھ اسلئے تو نہیں کیا کہ آخری پیغمبر ﷺ کا نزول اس علاقے میں ہونا تھا، اور یہ کہ وہ ﷺ خاص طور پر بیرونی خطرات سے دوچار ہوئے بغیر اسلام کو اس نہج تک پہنچادیں کہ بعد میں غیر ملکی خطرات کا بہ احسن مقابلہ کرسکیں! اور ہوا بھی یہی کہ چاہے وہ مکہ ہو یا مدینہ اپنے ہی علاقے کے لوگوں سے مقابلہ رہا جن میں یہودی بھی شامل تھے۔ جب اندرونی مسائل خاصی حد تک قابو میں آ گئے تو حضور ﷺ نے بیرونی ممالک کی طرف توجہ دی اور اپنی زندگی ہی میں اسلام کی دعوت نہ صرف بیرونی ممالک کے حکمرانوں تک پہنچادی بلکہ اپنی فوجی قوت کا مظاہرہ بھی سریہ موتہ (جمادی الاول ۸ھ) اور غزوہ تبوک (رجب ۹ھ) کی فتوحات سے کردیا۔ اس میں

بھی ہمارے لئے ایک سبق ہے کہ وہ قادرِ مطلق جو سب سے بڑا مسبب الاسباب اور 'کن فیکون' کا سزاوار ہے اس نے بھی دنیاوی معاملات، اور اپنے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کیلئے کبھی بھی 'کن فیکون' کا استعمال نہیں کیا، بلکہ دنیاوی اسباب پیدا کئے۔ حضور ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ بعثت سے پہلے مندرجہ بالا حالات پیدا کئے کہ حضور ﷺ بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اسلام کی بنیاد مضبوط کر سکیں۔ اور پھر اس کام کیلئے اندرونی مشکلات اور مسائل تو کجا، حتیٰ کہ ذاتی تکالیف مثلاً طائف کی لہولہانی، وادیٔ شعب ابی طالب کی تین سالہ بندش، ہجرت کے خطرات، غزوہ احد میں زخمی ہونا وغیرہ کہیں بھی براہِ راست آسمانی مدد نہ آئی، جب تک کہ اسکی شدید ضرورت نہ پڑی۔ عبدالمطلب اور ابو طالب کا اپنے پوتے اور بھتیجے کی کفالت اور حفاظت سے کسی حال میں بھی ہاتھ نہ اٹھانا، ہجرت کی رات قریش کے محاصرے سے بخیریت نکل جانا، سراقہ بن مالک بن جعشم کا ہجرت کے دوران راستہ روکنا اور پھر تائب ہو جانا، یا قریش کا میدانِ اُحد سے مکمل فتح حاصل کئے بغیر واپسی کا سفر اختیار کر لینا وغیرہ اس زمرے میں آسکتے ہیں۔ ورنہ دنیاوی مسائل و حالات کو قدرتی دھارے پر ہی جانے دیا گیا، گو ہدایات آتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تیل کی دولت اور انسانی وسائل کی شکل میں ہمارے لئے بھی اسباب فراہم کئے ہوئے ہیں۔ اب ہمیں عمل اور صحیح فیصلوں کے ذریعے اپنے دنیاوی حالات کو سنبھالنا ہے، قرآن اور ہدایات رسول ﷺ تو موجود ہی ہیں۔

اس صدیوں پر پھیلے ہوئے معاشرے اور اسکے پس منظر میں حضور ﷺ کی ۵۷۰ء میں ولادت با سعادت اور ۶۱۰ء میں پہلی وحی آنے کے بعد ایک نئے دین اور بالکل مختلف نظامِ حکومت اور معاشرے کی بنیاد رکھی گئی، جس نے ایک مختصر مدت میں عربوں کو بدل کر رکھ دیا۔ پدرم سلطان بود اور رنگ و نسل کسی کا معاشرے میں بلند ہونے کا معیار نہ رہا، اور صرف تقویٰ، علم و فضل اور انفرادی کردار و قابلیت ہی معیار قرار پایا، جو صدیوں پر پھیلی ہوئی معاشرتی روایات کے بالکل برعکس، مگر ایک صحت مند معاشرے کے بنیادی عنصر ہوتے ہیں۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۳ میں اسکا اظہار اس طرح ہے 'بیشک تم میں سب سے زیادہ قابلِ تکریم وہ ہے جو سب سے بڑھ کر صاحب تقویٰ ہے' (القرآن)۔ دینِ ابراہیمی کے دو ابتدائی ادوار میں یہود و نصاریٰ نے علم و فلسفہ پر کم ہی توجہ دی لیکن جب یہی دین ایک مکمل شکل میں حضور ﷺ کی وساطت سے اس دنیا میں بھیجا گیا تو تبلیغِ دین کے ساتھ ساتھ تبلیغِ علم و فلسفہ، اور اسکا حصول پسندیدہ عمل بنے۔ اسلام کی بنیاد ہی تقویٰ، مساوات، حصولِ علم، اجتماعیت اور مشاورت پر زور دیتی ہے، اور یہ کہ احتساب سے کوئی بھی بالاتر نہیں ہے۔ جب تک اس پر عمل ہوتا رہا ایک مضبوط و مستحکم معاشرہ قائم رہا، لیکن خلفائے راشدین کے آخری دور ہی سے اقرباء پروری اور بعد میں ملوکیت کا زہر تیزی سے پھیلنا شروع ہوا۔ حالانکہ اگر ہم خلفائے راشدین کی انتخابی ترتیب دیکھیں تو اس میں اقرباء پروری کا شائبہ تک نہیں، بلکہ بالکل الٹ ترتیب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سلسلہ حضور ﷺ سے آٹھ نسلیں قبل پیدا ہونے والے کعب کے بیٹوں مرہ اور عدی سے بالترتیب ملتا ہے۔ حضرت عثمانؓ تین نسل قبل ہاشم کے چھوٹے بھائی عبدالشمس کے سلسلے میں تھے اور آخری خلیفہ حضرت علیؓ تو سب سے قریبی رشتہ دار یعنی چچا زاد بھائی تھے۔ بہر حال بعد میں آنے والے مختلف حکمران گو کہلاتے تو خلیفہ ہی تھے لیکن اصل میں ملوکیت کے علمبردار تھے، جہاں عوامی نمائندوں کے بجائے ایک خاندان ہی اسوقت تک حکومت کرتا رہتا تھا، جب تک کہ کسی دوسرے خاندان نے اس سے حکومت نہ چھین لی۔ یہ صرف تعلیم کی قدر و منزلت، حضور ﷺ کی

تعلیمات پر تھوڑا بہت عمل اور خلیفہ کی مذہبی مرکزیت کا مسلم امہ میں ایک احساس تھا جس نے حضورﷺ کے وصال،اور خلفائے راشدینؓ کے بعد مزید تقریباً پانچ صدیوں تک مسلم امہ کو دوسری اقوام سے سربلند رکھا۔

امتِ مسلم کے موجودہ مسائل کی طرف دیکھنے سے پہلے ہمیں مندرجہ ذیل چار امور، یعنی عمل کی اہمیت، مذہب و دین کا فرق، جہاد اور امراللہ ولوحِ محفوظ کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔

عمل:

وقت کا تقاضا ہے کہ حضورﷺ کے اُس کردار پر بھی توجہ دی جائے جس کو من حیث القوم ہم نے اپنی ترجیحات میں بالکل پیچھے ڈال دیا ہے یعنی عمل ! حضورﷺ کی زندگی عبادت اور عمل کا ایک مکمل ترین امتزاج تھی ،اور دنیاوی معاملات میں انہوں نے ہمیشہ عمل کو عبادات و دعاؤں پر ترجیح دی۔ حضورﷺ نے دعا کے ذریعے اللہ تعالی کی مدد کا سہارا ہمیشہ مقدور بھر دنیاوی کوششیں کرنے کے بعد ہی لیا۔ غزوۂ بدر اس کی ایک درخشندہ مثال ہے کہ جب مکہ سے کفار کی فوج کی آمد کی خبر آئی تو اُس وقت کی بے سرو سامانی اور محدود دنیاوی ذرائع کے باوجود مسجد نبوی کا رخ صرف دعائیں مانگنے کیلئے نہ کیا بلکہ مشاورت فرمائی اور حکمتِ عملی بنائی گئی، جسکے نتیجے میں مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور مسلمانوں کی کل متاع یعنی ۳۱۳ مسلمان، ۷۰ اونٹ اور دو گھوڑے،ٹوٹے پھوٹے اسلحے کے ساتھ جمع کئے جا سکے۔ ہاں، جذبۂ جہاد لامحدود تھا۔ اسکے مقابلے میں کفار کی تقریباً ایک ہزار سے زیادہ اور پوری طرح مسلّح فوج۔

میدانِ بدر پہنچنے کے بعد حضورﷺ نے اونچی اور قدرے سخت زمین والے حصہ کا انتخاب اور پانی کے کنوئیں پر قبضہ کرنے کے بعد فوج کی ترتیب فرمائی اور اس بات کا بھی خیال رکھا کہ جب لڑائی شروع ہو تو سورج مسلمان فوج کی پیٹھ اور دشمن کی آنکھوں کے رخ پر ہو۔ ان تمام دنیاوی تیاریوں کے بعد ہی دعاؤں کا سہارا لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اگر آج یہ تیرے تھوڑے سے ماننے والے ختم ہو گئے تو تیرا نام لینے والا کوئی اس دنیا میں نہیں رہے گا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ فتح بدر اسلامی تاریخ میں اہم ترین سنگِ میل ہے۔حفیظ جالندھری نے شاہنامہء اسلام میں اسکا نقشہ بہت اچھا کھینچا ہے جس کے چند منتخب اشعار ہی نقل کر رہا ہوں:

کھڑے تھے روبرو صف بہ صف حق، صف بہ صف باطل
ادھر حق سر بکف موجود، اُدھر خنجر بکف باطل

ادھر مسلم اُدھر مشرک، ادھر مومن اُدھر کافر
پدر مسلم پسر مشرک، پسر مومن پدر کافر

اِدھر تقدیر پر شاکر، اُدھر تدبیر پر تکیہ
اِدھر فضلِ خدا پر ناز، اُدھر شمشیر پر تکیہ

نہ دیکھا تھا کبھی خورشید نے پہلے یہ نظارہ
اِدھر ایمان صف آرا، اُدھر شیطان صف آرا

حضور ﷺ کی تمام زندگی عمل اور دین و دنیا میں اعتدال کا بہترین نمونہ رہی کہ پہلے اپنی مقدور بھر کوشش اور ساتھ ہی ساتھ دعا کا سہارا۔ ہم نے نہ صرف یہ کہ ترتیب بدل دی ہے بلکہ دعا کے بعد اگر وہ قبول نہ ہو تو عمل کے بجائے پھر دعا ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ اتنے آسان دینِ فطرت کو ایک 'مذہب' بنا دیا گیا ہے۔ سادگی کے بجائے اس میں مشکلات پیدا کر کے ایسی چیزوں کو دینی زندگی کا حصہ بنا دیا گیا ہے جو صرف اور صرف فراریت کی طرف لے جاتی ہیں، اور عمل کے بجائے ظاہری رسوم، زبانی تعریف و توصیف، نعت گوئی، قوالی، رمضان میں مساجد کی سجاوٹ کیلئے روشنیوں کا استعمال، میلادِ رسول ﷺ، دینی مجالس اور وعظ و نصیحت کو ہی اسلام کی خدمت سمجھا جانے لگا ہے۔ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کیلئے تقاریب اور مختلف قسم کے مذہبی جلوس تو خوب نکالے جاتے ہیں، لیکن کیا صرف یہی کافی ہے؟ کیا رمضان کے مہینے میں شبینے کے دوران تین راتوں میں قرآن ختم کرنا ایک مسلمان کو بہتر مسلمان، یعنی مومن بنا دیتا ہے؟ صرف قاری ہونا کافی نہیں بلکہ مومن وہ ہے، جو بقول اقبال:

ع قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

کوئی دینی اور خاص طور پر دنیاوی عمل ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ کی زندگی سے مثال تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔ حضور ﷺ کی زندگی نہ صرف اظہر من الشمس تھی بلکہ ایک انسانی زندگی کے تمام رخ مکمل ترین انداز میں اس میں موجود تھے، جن کا ذکر تفصیل سے، اور ہر دور میں دستاویزی طور پر موجود رہا۔ خود قرآن ایک معجزہ ہے جو انسان کی دینی، عائلی، معاشرتی، معاشی زندگی وغیرہ پر ایک مکمل ہدایت نامہ ہے اور ہمارے پاس کسی قسم کا عذر نہیں ہوسکتا کہ ہم یہ کیسے کریں اور وہ کیسے کریں، اور کسطرح کریں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر حضور ﷺ نے عمل نہ کیا ہو اور ہدایات نہ چھوڑی ہوں کہ ہم اس کا کم از کم اتباع تو کرسکیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ حضور ﷺ کی سیرت لکھنا اس لئے مشکل نہیں کہ دستاویزی ثبوت موجود نہیں، بلکہ اسلئے مشکل ہے کہ بہت زیادہ تاریخی کتب اور بڑے بڑے علماء کی لکھی ہوئی سیرتیں موجود ہیں۔ انسان لکھے تو کیا لکھے! قرآنِ کریم میں سورہ حٰم السجدہ (آیت ۶:۴۱) میں صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے کہلوادیا ہے کہ 'قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ' (کہدو کہ میں بالکل تمہاری طرح ہی کا انسان ہوں) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک انسان وہ سب کچھ کرسکتا ہے جو حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے انکی زندگی میں کروادیا۔ ضرورت صرف انسانِ کامل ہونے کی ہے۔ ہم اُس عالی مقام تک پہنچنے کا تو سوچ بھی نہیں سکتے جس پر حضور ﷺ فائز ہیں لیکن کم از کم اُن جیسی زندگی گزارنے کی کوشش تو کرسکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک مضمون 'سیرت کے فہم میں اپنوں اور غیروں کی کوتاہی' اخبار نوائے وقت کی ۳۰ مارچ ۲۰۰۷ء، بروز جمعہ کی اشاعت (ملّی ایڈیشن) میں چھپا تھا۔ حضور ﷺ کے بارے میں مختلف غیر مسلم مصنفین کی تعریفی اور تنقیدی آراء پر تبصرے کے بعد لکھتے ہیں:

''........ ہمارے ہاں تصویر کا ایک بالکل دوسرا رخ نظر آتا ہے۔ ہمارے سارے مطالعہ سیرت، ساری تقاریر سیرت اور محافل میلاد کے سارے بیانات کا حاصل اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ ایک بالکل مافوق الفطرت یا مافوق البشر ہستی کا تصور سامنے آتا ہے۔ انسانی سطح پر نبی اکرم ﷺ کو سمجھنے اور آپ کے اصل

کارناموں کی عظمت کو جانچنے کی ہمارے ہاں کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ ہماری ایک سیرت کانفرنس میں مفتی محمد حسین نعیمی نے ایک بہت عمدہ جملہ کہا تھا کہ 'اللہ تعالیٰ کی صرف اطاعت ہوگی اور محمد ﷺ کی اطاعت بھی ہوگی، اتباع بھی ہوگا'۔ دیکھئے کتنی خوبصورتی سے اللہ کی اطاعت اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت میں فرق واضح کردیا۔ اللہ جو کچھ کہتا ہے، وہ تمہیں کرنا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اسے تم کر ہی نہیں سکتے۔ وہ تو خالق ہے، اسکی شان تو کن فیکون ہے۔ وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہو جاتا ہے۔ تو اسکا اتباع کیسے کروگے؟ اس کی صرف اطاعت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کرو، وہ کرو، یہ حلال ہے، وہ حرام ہے۔ مان لیا تو اطاعت ہوگئی۔ مگر نبی ﷺ کے ساتھ رشتہ جدا ہے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ بھی کرنا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں وہ بھی کرنا ہے۔ بہت پیاری بات ہے۔ لیکن اس کے لئے لازم ہے کہ سیرت کا وہ نقشہ لوگوں کے سامنے لایا جائے کہ محمد رسول ﷺ نے جو کچھ کیا انسانی سطح پر کیا۔ ان تمام مواقع کے علی الرقم کیا جو کسی بھی انسان کو پیش آسکتے ہیں۔ ان تمام مسائل اور تکالیف کو جھیل کر کیا جو کسی بھی انقلابی جدو جہد میں پیش آتے ہیں۔ ہمارے ہاں سیرت النبی ﷺ کا بالعموم جو نقشہ پیش کیا جاتا ہے اس میں رسول ﷺ کو ایک قابلِ پرستش وجود بنا لیا گیا ہے۔ لیکن وہ نقشہ سامنے نہیں آتا کہ جس سے کوئی درسِ عمل ملے، جس سے کچھ کرنے کا داعیہ پیدا ہو، جس سے آپکے نقشِ قدم کے اتباع کا جذبہ ابھرے۔ یہ دو انتہائیں ہیں اور ان دونوں کے بین بین ہے سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلواۃ والسلام۔''

ہمیں اپنی حالتِ زار کا شاید احساس تو ہے لیکن ہم اسکو بہتر بنانے کے لئے عمل کے بجائے دعاؤں کا ہی سہارا لیتے ہیں۔ اور پھر جب قبول ہونے میں دیر ہوتی ہے تو شکوہ تک زبان پر لے آتے ہیں۔ بقول اکبر الہ آبادی:

ع درست ہیں نہ عقیدے، نہ ہیں عمل اچھے دعا میں کیوں نہیں ہوتا اثر، یہ خوب کہی!

اس چیز کو دیکھتے ہوئے ایک عیسائی پادری نے کہا تھا کہ آجکل کے مسلمانوں کا حال وہی ہے جو قرونِ مظلمہ (Dark Ages) میں عیسائیوں کا تھا کہ جہاں کوئی مصیبت آئی، یا کسی فوج نے حملہ کیا تو بجائے مقابلے کی تیاری کرنے کے سیدھے گرجا کا رخ کرتے تھے!

ہم طویل دعائیں مانگنے میں اتنا مصروف رہتے ہیں کہ بقول شخصے عمل کا وقت ہی نہیں ملتا۔ دعا کی ضرورت، اہمیت اور قبولیت سے کسے انکار ہوسکتا ہے مگر میرا یقین ہے کہ جتنا وقت ہم دعائیں مانگنے کے بعد بے عملی میں گذارتے ہیں اسکا اگر آدھا بھی حضور ﷺ کی زندگی اور ہدایات پر غور وفکر کرنے اور اس پر عمل کرنے میں صرف کردیں تو حالات اب بھی خاصے بہتر ہو سکتے ہیں اور ضرور ہونگے، کیونکہ تاریخ یہی بتاتی ہے۔ اگر صرف دعاؤں ہی سے سب کام ہونے ہوتے تو ۶۱۰ء میں پہلی وحی آنے کے فوراً بعد ہی اسلام کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل جاتی۔ لیکن اعلانِ نبوت کے بعد سے ۶۳۰ء، یعنی فتح مکہ تک حضور ﷺ اور اُنکے ماننے والوں کی زندگی جس تکلیف دہ دور سے گذری تھی اسکو ہر مسلمان جانتا ہے اور تاریخ

میں تفصیل سے اسکا ذکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی رسول وپیغمبر کو اسکی اُمت نے کبھی قبول نہیں کیا۔ صرف حضورﷺ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انکی حیات مبارکہ ہی میں تمام جزیرۂ عرب اور چند پڑوسی ممالک تک انکی عظمت کے معترف ہو چکے تھے۔ کیا حضورﷺ نے صرف نمازیں ادا کر کے، اور دعائیں مانگ کر ہی نہ صرف غزوۂ بدر بلکہ مجموعی طور پر ۲۳ سال کی مختصر مدت میں وہ کامیابیاں حاصل کیں جس نے انسانی تاریخ کو بدل کر رکھدیا؟ اور جسکے اثرات اب تک جاری وساری ہیں، اور تا ابد رہینگے۔

اسی طرح ہمارے ہاں دعا اور نماز پر زور کے علاوہ اس بات کی ترغیب بھی بہت زوروشور سے دی جاتی ہے کہ فلاں وقت یا فلاں دن اگر عبادت کی جائے تو ستر گنا ثواب ہوگا۔ یا یہ کہ اتنی دفعہ فلاں لفظ یا دعا کا وِرد کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ دعا قبول ہوگی بلکہ سارے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے، اور ایک گناہ گار معصوم بچے جیسا بن جائے گا وغیرہ۔ یہ ضرور کرنا چاہئے مگر میری رائے میں اگر اس ترغیب دینے کے بعد یہ بھی بتادیا جائے کہ اس عبادت کا ثواب اُسی وقت ممکن ہے جب کہ باقی دینی فرائض و دنیاوی ذمہ داریاں بھی پوری کی جائیں، ورنہ اس قسم کی عبادات کا اثر زائل ہوسکتا ہے، تو شائد لوگ عمل اور بنیادی فرائض کی طرف بھی آجائیں۔ بقول اقبالؔ:

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے ۔۔۔ وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج ۔۔۔ یہ سب باقی ہے تُو باقی نہیں ہے

اگر ہم سیرتِ نبیﷺ کی جدید اشاعتیں، نہ صرف اردو بلکہ انگریزی میں پڑھیں تو اسمیں حضورﷺ کی دینی اورخاص طور پر عملی زندگی کے رخ جسطرح اجاگر کئے جارہے ہیں، وہ پرانی کتابوں میں نہیں ملتے۔ اس تبدیلی سے احساس ہوتا ہے کہ ترجیحات کو صحیح رخ دینے کی کوشش شروع ہوگئی ہے، جو ایک بہت خوش آئند بات ہے۔ ورنہ اکثر پرانی شائع شدہ سیرت کی تصانیف تو جدوجہدِ محمدﷺ کے بجائے عبادات اور القابات و خطاباتِ محمدﷺ پر ہی زیادہ زور دیتی رہی ہیں!

۱۹۹۸ء میں شائع ہونے والی ڈاکٹر آغا آئی۔ احمد کی کتابِ سیرت کا عنوان حضورﷺ کی ہمہ گیر شخصیت کا بہت صحیح اظہار کرتا ہے:

Prophet Muhammad - Jurist, General and Statesman

اور یہی وجہ ہے کہ ایک عیسائی مصنف مائیکل ہارٹ (۱۹۷۸ء) نے حضورﷺ کو تاریخِ عالم کی سب سے زیادہ مؤثر شخصیت کا درجہ دیا ہے۔ مشہور شاعر مجازؔ کی نظم 'خوابِ سحر' کے یہ اشعار اس تبدیلی کی بہت اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ بس پہلے مصرعہ کے شروع میں 'ذہنِ انسانی' کو 'اُمتِ مسلم' سے بدل دیا ہے:

'اُمتِ مسلم' نے اب اوہام کے ظلمات میں
زندگی کی سخت طوفانی اندھیری رات میں
کچھ نہیں تو کم سے کم خوابِ سحر دیکھا تو ہے
جس طرف دیکھا نہ تھا اب تک، اُدھر دیکھا تو ہے

اور پھر اوپر مذکورہ عمل کے نتیجے میں فیض احمد فیضؔ کے الفاظ میں یہ دعا ضرور قبول ہوگی:

آیئے ہاتھ اُٹھائیں ہم بھی — ہم جنہیں رسمِ دعا یاد نہیں
آیئے عرض گزاریں کہ نگارِ ہستی — زہرِ امروز میں شیرینیٔ فردا بھر دے

مذہب اور دین کا فرق:

اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ دینِ فطرت ہے یعنی زندگی گذارنے کا مکمل طریقہ، جس میں اعتدال پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مذہب اور دین میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ مذہب کی صرف تقلید کی جاتی ہے، اور دین کی نہ صرف تقلید کی جاتی ہے بلکہ بسر بھی کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسکا بہتر اظہار کیا جا سکتا ہے کہ:

A religion is followed, but a Deen is lived.

حضورﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ یہی بتاتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے دین کو مکمل انداز اور ایک اعتدالی روش کے ساتھ بسر کیا، اور اُنکی زندگی کے وہ رخ بھی واضح ہوجاتے ہیں جو صرف اور صرف مذہبی ہی نہ تھے۔ دینِ فطرت ہونے کے ناطے مومن ہونا بذاتِ خود ایک مستقل عبادت ہے اور دین میں صرف پانچ ارکان کا ادا کرنا ہی نہیں ہوتا، بلکہ ہر ہر سانس اور نیک عمل جو دن کے چوبیس گھنٹوں میں اپنی تمام زندگی میں لیا اور کیا جائے، وہ ایک مومن کی عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔ بقول شاعر:

ع — محوِ تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں — زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

جہاد:

ایک مومن کی پوری زندگی جہاد ہے یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد، جو قدم قدم پر انسان کو برائی کی طرف کھینچتا ہے۔اب جہاں اپنے دفاع کیلئے 'تلوار' سے بھی جہاد کی ضرورت پڑ جائے تو اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔ لیکن جہاد کو صرف اور صرف اپنی سرحد اور نظریات کی حفاظت سے ہی منسلک کر دینا ہماری دینی تعلیمات کا حصہ نہیں ہے۔

امراللہ اور لوحِ محفوظ:

کہا جاتا ہے کہ لوحِ محفوظ میں ہر بات جو ازل سے ابد تک ہوئی ہے اور ہوگی وہ لکھ دی گئی ہے، حتیٰ کہ جو انفرادی عمل بھی کوئی کرتا ہے وہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔اس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ہر کام چاہے اچھا ہو یا برا وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ('امراللہ') سے ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا کیا مطلب ہوا؟

میری رائے میں لوحِ محفوظ سے مطلب یہ لینا چاہئے کہ وہ تمام قوانین جن پر یہ دنیا قائم ہے صرف وہ لوحِ محفوظ پر مکتوب ہیں۔ یہ قوانینِ فطرت کائناتی، انسانی، حیوانی، جماداتی، طبعی، غیر طبعی، کیمیائی، غیر کیمیائی، معاشرتی، عائلی، شعوری، غیر شعوری، نفسیاتی، نفسانی، جذباتی، خیالی، تجریدی غرض اس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسکا مکمل طور پر احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ان قوانین میں تبدیلی لاسکتا ہے جنکا اظہار معجزوں کی شکل میں ہوتا رہا ہے اور شائد ایسا

بعد میں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھے، برے کی تمیز پوری طرح ودیعت کی ہے اور وہ ان قوانینِ فطرت کے دائرے میں رہ کر ہی ایک عمل کرتا ہے اور کرسکتا ہے، اور یہی امراللہ سمجھا جانا چاہیئے۔اب ایک انسان غلط فیصلہ کرتا ہے تو یہ اسکا ذاتی فعل ہے جسکی اسکو سزا ملے گی، اور صحیح فیصلہ جنت کی طرف لے جائے گا۔تو 'امراللہ' کو اگر ہم اسطرح سمجھیں کہ ہر چیز قوانینِ فطرت کے طابع ہے، اور یہ کہ کوئی انسانی عمل یا ردِّ عمل ان قوانین کے خلاف نہ ہوتا ہے نہ ہی کیا جاسکتا ہے تو جزا اور سزا ملنے کی حقیقت بہتر طریقے سے سمجھ آتی ہے۔ انگریزی میں مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ لوحِ محفوظ پر:

Laws are written, individual actions are not.

قرآن میں سورۃ النجم، آیت ۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسانِ اِلاَّ مَا سَعٰی۔ کہ انسان کو صرف اُتنا ہی ملتا ہے جتنی اسکی محنت اور کوشش ہوتی ہے (Man gets not, unless he strives) ۔ جب کہ یہ اکثر سننے میں آتا ہے کہ ہماری تقدیر میں یہی تھا، مطلب یہ کہ لوحِ محفوظ میں یہی لکھا ہوا تھا! قرآن کی مذکورہ آیت کی روشنی میں ہمیں تقدیر کو سو فیصدی اللہ تعالیٰ پر ڈال کر اپنی دنیاوی کاوشوں سے گریز کرنے کی عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا، اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اپنی تقدیر بنانے میں انسان کا خود بھی بہت ہاتھ ہوتا ہے:

Destiny is not a matter of chance, but choice!

اسی مفہوم کو علامہ اقبالؒ نے خوبصورت انداز میں کہا ہے، اور مخاطب پوری مسلم امہ ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارا

ملّتِ اسلامیہ اور دیگر اقوام:

ملّتِ اسلامیہ کے زوال اور یورپی نشاۃ ثانیہ کا اگر تقابلی جائزہ لیا جائے تو ایک بات سامنے آتی ہے کہ بغداد کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے بعد ملت اسلامیہ کے رو بہ زوال رخ، اور یورپ کا، نشاۃ ثانیہ کے سبب رو بہ کمال رخ نے تقریباً پندرھویں صدی تک دونوں قوموں کو عالمی سطح پر ایک مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔پچھلی پانچ صدیوں سے مذکورہ رخ نہ بدلنے کی وجہ سے فی زمانہ یورپ، بشمول امریکہ بامِ عروج پر پہنچ چکے ہیں اور ملّتِ اسلامیہ عمیق گہرائیوں میں۔

لیکن مغرب کے زوال کی نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں، اور Beginning of the end کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ اخلاقی انحطاط جو ایک قوم کو نیست نابود کرنے کا سب سے بڑا سبب ہوتا ہے اسکی ابتداء تو یورپ اور امریکہ میں کئی دہائیوں پہلے سے ہی ہو چکی ہے۔ایک خاندان کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے۔شادی کی ذمہ داریاں اور افزائش نسل کو اپنی ذاتی زندگی کی خاطر ایک بوجھ سمجھا جانے لگا ہے۔ شادی اگر کر بھی لی اور ذرا محسوس ہوا کہ گذارہ نہیں ہو رہا تو فوراً چھٹکارا، یعنی طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے لئے تو کہا جاسکتا ہے کہ 'نہ گذارا، تو فوراً چھٹکارا'۔ لیکن ترقی پذیر ممالک، خاص طور پر برصغیر پاک و ہند میں اگر میاں بیوی میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے ذاتی زندگی تکلیف دہ ہو بھی تو اسکے برعکس ہے کہ 'نہ گذارہ، نہ چھٹکارا' ! گو اسلام طلاق کی اجازت دیتا ہے لیکن معاشرے میں اب بھی ایک غیر پسندیدہ عمل سمجھے جانے کی وجہ سے طلاق کا رجحان خاصا کم ہے، جس سے ایک خاندان کا تصور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔مغرب

میں تو بقول شخصے 'وہ شادی شدہ ہیں، اور ساتھ نہیں رہ رہے' سے زیادہ 'وہ غیر شادی شدہ ہیں، اور ساتھ رہ رہے ہیں' کا دور ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ہم جنس شادیاں بہت تیزی سے مختلف مغربی ممالک میں قانونی شکل اختیار کرتی جارہی ہیں۔ طاقت کا غرور، اخلاقی انحطاط اور علم سے دوری ہی ماضی کی تہذیبوں کے زوال کا سبب رہے ہیں جو مغربی اقوام خاص طور پر امریکہ میں تیزی سے سرایت کر رہے ہیں۔ ابھی جو علم کی وقعت وعظمت ان ممالک میں باقی ہے صرف وہ انکے زوال کے عمل کو سست کر رہی ہے۔

اگر ہم اسلام اور عیسائی (بمعہ یہودی) مذہب ماننے والی اقوام کے کمال و زوال کا موازنہ کریں تو ایک یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ پچھلے دو ہزار سال میں ان قوموں نے پانچ سو سال مائل بہ کمال اور پانچ سو سال مائل بہ زوال کارخ دیکھا ہے۔ یعنی مجموعی طور پر ہزار سال کسی قوم کو نیچے جانے اور اوپر آنے میں لگے ہیں۔

آجکل کے عالمی حالات مسلم امۃ کی نشاۃ ثانیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جسکی کچھ کچھ جھلک نظر آنے لگی ہے۔ ہم اگر علم وفن اور صنعت وحرفت پر توجہ دیں تو کیا کچھ نہیں ہوسکتا۔ پچھلی ڈھائی ہزار سالہ تحریری تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ تہذیبوں اور اقوام کے کمال و زوال کا تعلق طاقت وقوت سے نہیں بلکہ انکے علم وفن کی آگاہی سے ہی رہا ہے۔ ورنہ منگول تیرھویں صدی میں ایک طوفان کی طرح اٹھے اور چودھویں صدی تک انکا اثر دنیا سے ناپید ہو چکا تھا۔ دینِ فطرت کے اعجاز سے وہ مسلمان بھی ہو گئے، اور بقول اقبالؔ:

ع پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ بات خوش آئند ہے کہ ملّتِ اسلامیہ، خاص طور پر ملائشیا اور پاکستان کے رہنماؤں نے کم از کم زبانی طور پر آواز بلند کرنی شروع کی ہے، اور ترجیحات کو بدلنے کے رجحان سے اسلامی نشاۃ ثانیہ کی شروعات کا احساس ہونے لگا ہے۔ ماضی قریب کے تناظر میں تو ابھی کوئی چار، پانچ صدیوں کا وقت درکار ہے۔ یعنی اب سے تقریباً چار، پانچ صدیوں کے بعد ہی ملّتِ اسلامیہ موجودہ ترقی یافتہ، لیکن رو بہ تنزل ممالک کی صف میں آسکے گی۔ یعنی ہمارا رو بہ کمال رخ اور موجودہ ترقی یافتہ ملکوں کا رو بہ زوال رخ دونوں اقوام کو تقریباً چوبیسویں صدی کے آس پاس ایک جگہ لا کھڑا کرے گا۔ اِلّا یہ کہ آسمانی آفتیں یا عالمی جنگیں اس عمل کو تیز یا بالکل ہی بدل دیں! جیسے کہ شائد آئنسٹائن نے کہا تھا کہ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ تیسری عالمی جنگ کس قسم کے ہتھیاروں سے لڑی جائے گی مگر یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ چوتھی عالمی جنگ تیر کمان اور نیزے وغیرہ سے لڑی جائے گی!

بہرحال جس طرح پندرھویں صدی میں ہوا، اسکے الٹ رخ پر چلتے ہوئے اس بار مسلم امۃ بامِ عروج، اور موجودہ ترقی یافتہ اقوام اپنے زوال کی طرف جاتے ہوئے اُسی حال کو پہنچ جائینگی جس پر ہم آج پہنچے ہوئے ہیں۔ اور ہم ایک بار پھر بغداد جیسے سنہرے دور تک واپس پہنچ جائیں گے، ان شاء اللہ۔ کہ یہی تاریخی مد و جزر میں ہوتا آیا ہے۔ اس بامِ عروج کی طرف جانے کیلئے علم وفن کے حصول کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کا صحیح ادراک ہمارے لیے بہترین ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

مندرجہ بالا تاریخی اور موجودہ حقائق کی روشنی میں ملّتِ اسلامیہ کے مسائل اور درپیش چیلنجز کے تدارک کے

طریقے سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔وجوہات تو بہت واضح ہیں۔

۱- دین کی حقیقی روح سے دوری:

اسلام دینِ فطرت ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب میں عبادات، رسومات (Rituals) کی شکل میں ادا کی جاتی ہیں۔ دینِ فطرت ہونے کے ناطے اسلام میں رسومات کی جگہ نہیں ہے۔ ہر دینی حکم اور اس پر عمل کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے جس سے متوقع ثواب کے ساتھ ساتھ جسمانی صفائی، ذہنی آسودگی اور معاشی و معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔چاہے وہ وضو ہو، ادائیگیِ نماز کا طریقہ و اوقات کی پابندی،روزہ، زکوٰۃ یا حج۔ پانچ ارکان میں صرف کلمہ اور روزہ ہیں جو ایک انفرادی عبادت کے زمرے میں آتے ہیں ورنہ اسلامی عبادات میں ثواب کے ساتھ ساتھ اجتماعی مقاصد اور دور رس فوائد ہیں جن کو ہم نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اور جہاں حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔

وضو اور ادائیگیِ نماز:

وضو کا اولین مقصد پاک ہونا اور صفائی ہے لیکن جس طرح سے یہ عمل کرنے کی ہدایت ہے اسکا موجودہ سائنس بھی اعتراف کرتی ہے کہ جن مقامات پر پانی لگایا جاتا ہے وہ اعصابی سکون دیتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں عبادات زیادہ تر بیٹھ کر کی جاتی ہیں جبکہ ادائیگیِ نماز کا طریقہ ایسا ہے کہ جسم کے تمام جوڑ اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں اور جسم کو ایک طرح کی ورزش مل جاتی ہے۔ پانچ اوقات میں فجر سے لیکر مغرب تک کی چار نمازیں مختصر ہیں کیونکہ ایک فرد پر دنیاوی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی ہوتا ہے۔نمازِ عشاء تک انسان کے آرام کا وقت آجاتا ہے،اور اس سے پہلے کہ وہ کھانا کھا کر سوجائے ایک نسبتاً زیادہ رکعتوں کی نماز کا حکم ہے کہ وقت بھی ہوتا ہے اور کھانا ہضم کرنے میں بھی آسانی ہو۔ دیگر مذاہب کی طرح عبادت کیلئے کوئی مسلمان کسی پادری یا پنڈت کا بھی محتاج نہیں، اور نہ ہی کسی خاص جگہ کی قید ہے۔ ہر مسلمان براہِ راست اور کسی بھی پاک جگہ میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگا سکتا ہے۔

نماز باجماعت ادا کرنے کا مقصد صرف باجماعت نماز ادا کر کے گھر واپس آنا نہیں ہے بلکہ محلّہ داروں کی خیر خیریت اور باہمی مسائل پر بات چیت کی جائے، تاکہ ایک دوسرے کے تجربے سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں اور معاشرتی ہم آہنگی پیدا ہو۔ہم نے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کو صرف ثواب سے منسلک کر دیا ہے، اور اجتماعیت کی روح اور مقصد کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے صرف نماز ادا کر کے گھر واپس آجاتے ہیں۔اور اگر اکٹھے بیٹھتے بھی ہیں تو تبلیغ دین ہی موضوعِ سخن ہوتا ہے۔

روزہ:

دیگر مذاہب میں بھی روزے کا تصور ہے۔مگر اسلام میں یہ ایک عبادتِ اختیاری نہیں بلکہ ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اور پوری اُمّت ساری دنیا میں ایک ہی مہینے میں رمضان کی برکتوں سے مستفیض ہوتی ہے۔ رمضان میں

ایک مہینے روزے رکھنے سے ایک طرح سے جسم کی سالانہ 'زکوۃ' نکل جاتی ہے اور روزے رکھنے والا نہ صرف سخت حالات کا مقابلہ کرنے، نفس پر قابو پانے اور بھوک و پیاس کی تکلیف سہنے کے قابل ہو جاتا ہے بلکہ دوسروں کی تکالیف کا بھی احساس کرسکتا ہے۔

زکواۃ:

معاشی نظام کوٹھیک کرنے کیلئے اس سے بہتر طریقہ نہیں جسکا درجہ اتنا بلند ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں شامل کردیا گیا ہے، اسی لئے ایک مسلمان زکوۃ کیلئے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ لیکن اسکی وصولی کا نظام ہمارے معاشرے کی ضرورت ہے۔ یہ تزکیہء مال کا تصور دینِ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ اپنے مال کو پاک و صاف کرنے کے علاوہ اسکی مستحق لوگوں میں منصفانہ تقسیم معاشرے سے غربت کا خاتمہ کرسکتی ہے۔

حج:

یہ اسلام کا پانچواں رکن ہے اور صرف اُس شخص پر فرض ہے جو مالی طور پر استطاعت رکھتا ہو۔ ایک دفعہ سے زیادہ حج کرنے کے بجائے اگر وہ رقم غریبوں میں تقسیم کردی جائے یا کسی اور شخص کو حج کروادیا جائے تو شائد زیادہ ثواب اور قبولیت کا سبب بنے۔ حج کے فرائض میں خانہء کعبہ کا طواف، صفا و مروی کی سعی، مِنا، مزدلفہ اور عرفات میں حاضری اور قیام شامل ہیں۔ ان فرائض کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں رسومات (Rituals) کا رنگ ہے۔ خاص طور پہ طوافِ کعبہ کے بارے میں یہی تاثر دیا جایا ہے، لیکن اسکی مقصدیت کو لوگ نظر انداز کر جاتے ہیں۔ مسلم امہ میں خلافت کا تصور ایک مرکزیت کے احساس کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ اسکے باوجود کہ تقریباً پانچ سو سال سے خلیفہ کی حیثیت بس آئینی ہی رہ گئی تھی مگر مختلف مسلم حکمران اقتدار میں آنے کے بعد اسکی اطلاع خلیفہ کو رسمی طور پر دیتے رہتے تھے، جس سے ۱۹۲۲ء میں خلافت کے خاتمے تک ایک عالمی مرکز اور اتحاد کا احساس زندہ تھا۔ میرے خیال میں اب کعبہ صرف ایک ایسی جگہ رہ گئی ہے۔ ہر حاجی کعبہ کا طواف کرتا ہے، ہر مسلمان کہیں بھی ہو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے اور ایک طرح سے امتِ مسلمہ کے عالمی مرکز اور اتحاد کا نشان ہے۔ اسی لئے یہود و نصاریٰ کی طرف سے کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادوں کا اکثر اظہار ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال حج کے بنیادی مقصد کو بھی ہم نے نظر انداز کیا ہوا ہے۔ جس طرح مساجد عبادات کے علاوہ اپنے محلِ وقوع کی مناسبت سے محلّہ، قصبہ، شہر، یا کچھ تاریخی یا بڑی مساجد قومی سطح پر اجتماعیت، مشاورت اور ہم آہنگی کا ذریعہ ہونا چاہئیں یا ہو سکتی ہیں، اسی طرح حج کا بنیادی مقصد ایک بین الاقوامی اجتماعیت اور مشاورت ہے۔ مختلف ممالک کے مسلمانوں کا ایک عظیم اجتماع تقریباً ایک ہفتے تک ایک چھوٹے سے علاقے میں رہتا ہے جہاں عوامی سطح پر اپنے اپنے مسائل اور وسائل کا ذکر، خاص طور پر منا اور مزدلفہ کے قیام کے دوران، من حیث القوم بہتری کا سبب بن سکتا ہے۔

مذکورہ تفصیل میں جانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی ارکان اور عبادات کا تعلق صرف ثواب ہی سے نہیں ہے بلکہ ہر ایک میں کچھ مقصدیت بھی چھپی ہوئی ہے جس پر عمل ہمارے مسائل کو کم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

مندرجہ بالا پانچ ارکان کے علاوہ ایک پورا نظامِ حیات بمعہ ہدایات کے موجود ہے جس میں عمل، حقوق العباد، حقوق اللہ، مساوات، احتساب، طرزِ حکومت، طرزِ زندگی غرض ہر رخ شامل ہے۔ صرف جہادِ نفس کی ضرورت ہے۔ احتساب کیلئے مختلف ادارے بنانے کے ساتھ ساتھ 'احتسابِ خود' کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نظام ایسا ہونا چاہئے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آج نہیں تو کل، دنیا میں بھی پکڑ ہوسکتی ہے۔ اور پھر ہلکے ہلکے یہ احساس آتا جائے گا کہ: Self accountability is the best accountability. اس کا اردو ترجمہ 'احتسابِ خود۔۔۔۔۔ثوابِ خود' زیادہ موثر اور کارگر ہوسکتا ہے کیونکہ یہ نفسِ لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) کو تحریک دینے میں مددگار ہوگا، اور امید ہے کہ ایک یا دو نسلوں میں ہی معاشرتی بہتری آ جائے گی۔

۹ ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیو یارک (امریکہ) میں Twin Towers کو ہوائی جہاز ٹکرا کر تباہ کردیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اسلام کے خلاف جو ایک عالمی تحریک شروع کی گئی ہے اس سے نقصان کے بجائے کچھ فائدہ ہی محسوس ہو رہا ہے۔ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام کے بارے میں ایک تجسس پیدا ہوگیا ہے۔ قرآن کے تراجم اور اسلام کے بارے میں انگریزی و دیگر زبانوں میں کتابوں کے لکھنے اور بکنے میں ایک تیزی آ گئی ہے۔ دینِ فطرت ہونے کے سبب امریکہ اور یورپ میں اسوقت اسلام ہی سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب (دین) ہے، جس کا اعتراف خود وہاں کے لوگ کر رہے ہیں۔

۲- ذاتی فوائد کیلئے اسلام کا استحصال:

میرے پاس کچھ پرانے رسائل و اخبارات کے فائل موجود ہیں جن میں میرے دادا محمد فضل حسین بسمل مرادآبادی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ضیاالاسلام بتاریخ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۰۷ء (نمبر ۴، جلد ۲) میں صفحہ ۱۹ پر 'موجودہ اور گزشتہ علماء' کے عنوان سے مندرجہ ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا:

موجودہ اور گزشتہ علماء:

اسوقت چار دانگ عالم مین یہ بات محسوس کی جارہی ہے کہ نہ صرف عوام بلکہ موجودہ زمانہ کے علمائے دین کا بھی مذاقِ علمی بگڑ گیا ہے اور انمیں خودداری، نخوت اور اپنے علم پر ایک بھروسہ پیدا ہوگیا ہے اور اسی کی وجہ سے باوجود مذہبی مدارس اور علمی چرچون کی کثرت کے بھی ایک عجیب کشمکش پیدا ہوگئی ہے۔ یعنی جسقدر مدارس اور علماء کی کثرت ہوتی جاتی ہے اور اسی قدر نفاق وتفریق بڑھتی جاتی ہے۔ مسلمان چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم ہوتے جاتے ہین اور ہر ایک عالم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد طیار کر رہا ہے۔' (نقل مطابق اصل ہے تاکہ پرانے زمانے کی اردو زبان کا بھی اندازہ ہو سکے)۔

کیا یہ سب کچھ بعینہٖ وہی نہیں جو آجکل ہو رہا ہے۔ یعنی سو سال گذرنے کے باوجود ابھی تک وہی حالات چل رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس نفاق وتفریق کو ختم کرکے حیاتِ طیبہ ﷺ کے نہ صرف دینی بلکہ دنیاوی رخ پر بھی بھرپور توجہ دی جائے، کہ اسی میں امتِ مسلمہ کی نجات ہے۔ ذاتی مفاد کیلئے اسلام کے استحصال کیلئے ہم صرف اپنے علماء کو ہی موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے بلکہ اکثر سیاستدان، حکمران اور جس کسی کو بھی موقعہ ملتا ہے ایسا کرنے سے نہیں چوکتے۔

۳۔علم و فلسفہ سے دوری:

اسلام کی ابتداء ہی لفظ 'اقرا' (پڑھیئے) سے ہوئی جو پہلی وحی کا حرفِ اول تھا۔ بعد میں یہ ہدایت بھی آئی کہ 'وقل ربِ زدنی علما' (اور کہیئے اے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر۔ القرآن)۔اور پھر ان احادیث کو تو سب ہی جانتے ہیں 'طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم' (علم حاصل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے)۔'اطلبولعلم من المهد الی اللحد' (ماں کی گود سے لبِ گور تک علم حاصل کرو)۔یہی وجہ تھی کہ ابتداء میں اسلام کا پیغام تقریباً تمام جنوب مغربی ایشیاء، جنوبی یورپ اور شمالی افریقہ تک پہنچا کر علم کے حصول اور ترویج پر یکسوئی سے عمل شروع کیا گیا۔

۷۵۰ء سے ۱۲۰۰ء تک کا زمانہ،عباسی خلفاء کی سربراہی میں اسلامی حکومت میں علم و فلسفہ کے لحاظ سے سنہری دور کہا جاتا ہے، اور بغداد تمام دنیا کے علمی مرکز کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ یہ ایک مسلسل دور تھا جسمیں جابر، الخوارزمی، رازی،مسعودی،وفا، البیرونی، ابو سینا،عمر خیام، ابنِ رشد، ابن نفیس جیسے بہت سے مشہور سائنس دان،ریاضی دان،علمِ طب کے ماہر اور فلاسفر مسلم دنیا میں پیدا ہوئے۔ ایک مستشرق (Orientalist) جان گلب (۱۹۷۶ء) لکھتا ہے کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کا ۸۱۳ء سے لیکر ۸۳۳ء کا دورِحکومت تمام دنیا کے لئے سائنس اور علم کا سنہری دور تھا۔

اس دور میں مامون الرشید نے یونانی فلاسفروں کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کروانے کاادارہ قائم کیا جسکا نام 'بیت الحکمہ' تھا۔ ترجمہ کرنے والوں کو، جتنا وہ ترجمہ کرتے تھے، اسکے ہم وزن سونا تول کر دیا جاتا تھا۔ اس کام کیلئے مسلمان ہونے کی شرط نہ تھی بلکہ جسکو بھی عربی اور یونانی زبان پر عبور تھاوہ اس ادارے کا ملازم ہوسکتا تھاجن میں یہودی،عیسائی اور مسلمان سب شامل تھے۔ یہودی اورعیسائی مترجم کیونکہ قدیم زبانوں پر عبور زیادہ رکھتے تھے اسلیئے انکی اکثریت تھی۔ ان مترجموں نے یا تو یونان جاجا کر کتابیں ترجمہ کیں یا خلیفہ کی درخواست پر وہاں کے حکمرانوں نے یہ نادر کتابیں بغداد بھیج دیں جنکو ترجمہ کرکے واپس بھیج دیا گیا۔ اس دانشمندانہ عمل کا یہ فائدہ ہوا کہ صدیوں سے عام دنیا سے پوشیدہ قدیم علوم ایک ایسی زبان، یعنی عربی میں منتقل ہوگئے جسکے جاننے یا سمجھنے والے تین براعظموں پر پھیلے ہوئے تھے۔ ایک اور مستشرق فلپ ہٹی اپنی کتاب 'عربوں کی مختصر تاریخ' میں لکھتا ہے کہ نویں اور بارھویں صدی کے درمیان فلسفہ،طب، فلکیاتی، جغرافیائی اور تاریخی علوم پر جتنا کام عربی زبان میں شائع ہوا وہ کسی اور زبان میں نہ ہوا تھا۔ یہ کتابیں صدیوں تک یورپ کی جامعات اور دوسرے تعلیمی اداروں میں شامل نصاب رہیں۔

ریڈرز ڈائجسٹ کے World Atlas (۱۹۶۴ء) کی اشاعت میں صفحہ ۱۲۸ پر مرقوم ہے کہ:

> "Islam taught belief in the Oneness of God and in the prophetic mission of Muhammad (pbuh), and was as remarkable for its intellectual brilliance as for its religeous spirit. The Arabs preserved the knowledge of ancient science, philosophy and geography, translated Ptolmey, Euclid and Aristotle, and introduced into Europe the use of numerals and the making of paper."

افسوس ناک بات یہ ہے کہ آنے والی مسلمان نسلوں نے تو اس علم کا فائدہ نہ اٹھایا،لیکن یورپ، جو تقریباً ہزار سال یعنی پانچویں سے پندرھویں صدی عیسوی تک روبہ زوال رہا اور جسکو قرونِ مظلمہ(Dark Ages کا نام دیا جاتا ہے، میں یہی علم نشاۃ ثانیہ (Rennaissance) کا سبب بنا۔ بقول اقبالؔ ،جو انہوں نے یورپ کی لائبریریوں میں مسلمان سائنسدانوں اور فلسفیوں کی کتابیں دیکھ کر کہا تھا:

ع گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

اور اسی علم سے دوری نے اقبالؔ کو یہ سوالات کرنے پر مجبور کردیا:

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے
کھویا گیا کس طرح تیرا جوہرِ ادراک؟
کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق؟
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک؟
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم تیرے کیوں؟
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک؟
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزا وار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک؟۔

برنارڈ لوئس کی کتاب What went wrong? کے صفحہ ٦ تا ٧ سے اقتباس اسکا اظہار برملا کرتا ہے:

"At the peak of Islamic power, there was only one civilization that was comparable in the level,quality and variety of achievement; that was of course China. But Chinese civilization remained essentially local, limited to one region, East Asia, and to one racial group. It was exported to some degree, but only to neigbouring and kindred peoples. Islam in contrast created a world civilization, polyethnic, multiracial, international, one might even say intercontinental. For centuries the world view and self-view of Muslims seemed well grounded. Islam represented the greatest military power on earth - its armies, at the very same time, were

invading Europe and Africa, India and China. It was the foremost economic power in the world, trading in a wide range of commodities through a far-flung network of commerce and communications in Asia, Europe and Africa; importing slaves and gold from Africa, slaves and wool from Europe, and exchanging a variety of foodstuffs, materials, and manufactures with the civilized countries of Asia. It had achieved the highest level so far in the human history in the arts and sciences of civilization. Inheriting the knowledge and skills of the ancient Middle East, of Greece and of Persia, it added to them several important innovations from outside, such as the use and manufacture of paper from China and decimal positional numbering from India. It is difficult to imagine modern literature or science without the one or the other. It was in the Islamic Middle East that Indian numbers were for the first time incorporated in the inherited body of mathematical learning. From the Middle East they were transmitted to the West, where they are still known as Arabic numerals, honoring not those who invented them but those who first brought them to Europe. To this rich inheritance scholars and scientists in the Islamic world added an immensely important contribution through their own observations, experiments, and ideas. In most of the arts and sciences of civilization, medieval Europe was a pupil and in a sense a dependent of the Islamic world, relying on Arabic versions even for many otherwise unknown Greek works."

حضورﷺ کی بعثت کے بعد، ساتویں صدی سے بارھویں صدی عیسوی تک مسلمان، ایشیاء، خاص طور پر مشرق وسطیٰ اور اور شمالی افریقہ پر چھائے رہے۔ گیارھویں صدی میں مسلمانوں کی کمزوری دیکھتے ہوئے پوپ اربن دوئم نے ۱۰۹۶ء میں عیسائی جنگوں (Crusades) کا آغاز کردیا اور ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر قبضہ کرلیا، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرنے کے علاوہ عیسائیوں نے ایسا قتل عام کیا کہ مستشرقین اب تک اس پر شرمندہ ہیں۔ یہ جنگیں تقریباً دو سو سال تک چلتی رہیں اور اسلام کا زور ٹوٹنے لگا۔ عباسی خلفاء تو اس قابل نہ رہے تھے کہ کوئی مقابلہ کرسکیں۔ آخر کار مصر کے حکمران صلاح الدین

ایوبی (۱۱۳۷ء-۱۱۹۳ء) نے ۸۸ سال بعد یروشلم کو ۱۱۸۷ء میں فتح کرکے دوبارہ مسلمانوں کی حکومت میں شامل کیا، اور سنت رسول ﷺ کے مطابق عام معافی کا اعلان کیا۔ منگولوں کے اچانک اور عارضی عروج نے ملت اسلامیہ کے زوال میں مہمیز کا کام کیا اور ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی کے بعد پھر ہم گرتے ہی چلے گئے۔ چودھویں صدی میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ نے (امریکہ سمیت) یہود و نصاریٰ کو موجودہ عروج پر پہنچادیا۔

سولھویں سے انیسویں صدی کے دوران گو مغلیہ حکومت اور عثمانی خلافت نے اسلام کو سہارا دیا لیکن میری رائے میں یہ علم وفن سے زیادہ اپنی قوت اور حکمرانی صلاحیتوں کی وجہ سے قائم رہیں۔ یورپ میں اس دوران صنعتی انقلاب آرہا تھا اور ہم طرح طرح کی تعمیرات پر زیادہ زور دے رہے تھے، اور فلسفہ و سائنس کو وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو تہذیبوں کے عروج کا اصل منبع ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان دونوں حکومتوں میں عظیم فلسفی اور سائنسدان نہ پیدا ہوسکے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پندرھویں صدی کے بعد سے آج تک فلسفیوں، سائنسدانوں اور ایجادات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو یورپ اور امریکہ کی اقوام میں پایا جاتا ہے، اور ہمارے ہاں انکا فقدان۔ علوم وفنون، فلسفہ وادب اور عسکری قوت کے لحاظ سے آجکل یورپ اور امریکہ ہی بام عروج پر ہیں۔ اور مسلم امہ اپنے تمام مادی وسائل (تیل کی دولت) کے باوجود ذلت کی گہرائیوں میں! بس ایک بات خوش آئند ہے کہ اتنے نیچے چلے گئے ہیں کہ اب صرف اوپر جانے کا رخ رہ گیا ہے۔ پندرھویں صدی سے لیکر آج تک، کوئی پانچ صدیوں سے مسلم امہ مستقل رو بہ انحطاط ہے۔ موجودہ حالت اور ماضی کی تاریخ دیکھتے ہوئے تو یہی لگتا ہے کہ مزید چار، پانچ صدیوں کے بعد ہی کمال تک پہنچیں گے! کیونکہ ایک یا دو نسلیں نہیں بلکہ متعدد نسلوں کی تعلیم و تربیت کے بعد ہی بہتری کی امید کی جاسکتی ہے۔ ہمارے رو بہ کمال رخ کی ابتداء تو ہوچکی ہے۔

ایک اچھا انسان اور علم کے حصول کا شوق پیدا کرنے کیلئے ایک بنیادی قدم تمام مسلم ممالک میں یہ لینا چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم سے زیادہ پرائمری تعلیم پر زور دیا جائے۔ پیدائش کے بعد شروع کے دس، بارہ سال ہی ایک بچے کی تربیت میں بہت اہم ہوتے ہیں۔ پہلے ماں کی گود اور بعد میں پرائمری اسکول میں اگر تربیت صحیح خطوط پر ہوجائے تو باقی زندگی ایک فرد خود سیدھی راہ پر رہے گا اور ہر لحاظ سے ایک اچھا شہری ثابت ہوگا۔ اور ہر آنے والی نسل پہلے سے بہتر ہوتی جائے گی۔

۴- اپنے وسائل کا غلط استعمال اور دوسروں پر انحصار:

دنیا کے تقریباً ۷۰ فیصد تیل کے ذخائر مسلم ممالک میں ہی ہیں جن میں سے ۵۵ فیصد صرف عرب ممالک میں اور ۲۵ فیصد خلیج فارس کے اطراف کے ملکوں میں پائے جاتے ہیں، جبکہ ترقی یافتہ ممالک کے پاس ۵ فیصد سے زیادہ تیل کے ذخائر نہیں ہیں۔ موجودہ صنعتی دور میں تیل کے بغیر گذارہ ناممکن ہے اور یہی مشرق وسطیٰ میں جنگوں کا منبع ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ خاص طور پر عربوں کا تیل فروخت کئے بغیر گذارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اپنی ہر ضرورت، چاہے وہ اشیائے خورد ونوش ہوں، سامان تعیش ہو یا دفاعی ضروریات، ہر چیز کیلئے وہ ترقی یافتہ ممالک کے مرہون منت ہیں جو وہ اپنی من مانی قیمت پر انکو فراہم کرتے ہیں۔ یعنی عرب جتنی تیل کی قیمت بڑھاتے ہیں اتنی ہی قیمت صنعتی ممالک اپنی چیزوں کی بڑھا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تیل کی شکل میں موجودہ وسائل ہونے کے باوجود انکا کچھ فائدہ نہیں اٹھایا جارہا۔ بلکہ تیل کے ذخائر کی موجودگی مسلم

امہ میں ترقی معکوس کا ایک بڑا سبب بن چکا ہے۔

انتہائی دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ پچاس سے سو سال پر پھیلی ہوئی تیل کی پیداوار سے حاصل شدہ بے حساب دولت سے ہم نے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ کیونکہ مسلم ممالک اب تک تیل پیدا کرنے اور برآمد کرنے والے ممالک سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔ اگر ہم اس آمدنی کو استعمال کرنے کے قابل بھی ہو جاتے یعنی اس دولت کو تحقیق و تعلیم اور صنعت و حرفت کی ترقی میں استعمال کر چکے ہوتے تو یہ حال نہ ہوتا جو اب ہے۔ الٹے ہوا یہ کہ مسلمان ممالک کو، خاص طور پر عربوں میں اختلافات کو ہوا دیکر (جسے خود انہوں نے اپنی ناعاقبت اندیشیوں سے طوفان کی شکل دیدی) ایسے سیاسی اور فوجی گورکھ دھندوں میں پھنسا دیا گیا ہے کہ جن سے باہر نکلنے کی صورت فی الحال تو نظر نہیں آتی۔

اگر اب بھی دنیاوی وسائل کی موجودگی میں مسلم امہ کچھ نہ کر سکی تو جب یہ تیل کی دولت ختم ہو جائے گی تو اسوقت کیا ہوگا؟ کیونکہ اس ختم ہونے والی دولت کو ایک ناختم (Renewable) ہونے والی دولت، یعنی علم و حکمت، صنعت و حرفت اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت حاصل کرنے کے سلسلے میں بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔

دنیا میں آجکل تیل کے تقریباً ایک ٹریلین بیرل دریافت شدہ ذخائر موجود ہیں۔ پچھلے دس سالوں میں دنیا میں نئے ذخائر ملنے کی اوسط بھی بہت افزا نہیں ہے، اور اندازاً ہر چار بیرل خرچ ہونے کے مقابلے میں صرف ایک بیرل تیل دریافت ہوا ہے۔ فی زمانہ تیل کی عالمی کھپت تقریباً ۲۷۔۲۸ بلین بیرل سالانہ ہے۔ اگر کوئی بڑی دریافت آنے والے برسوں میں نہ ہوئی تو جس رفتار سے یہ ذخائر مختلف ممالک میں ختم ہو رہے ہیں اسکے نتیجہ میں میرا اندازہ ہے کہ سن ۲۰۳۰ء کی دہائی میں تیل پانچ اسلامی ممالک یعنی سعودی عرب، عراق، متحدہ عرب امارات، ایران اور کویت کے علاوہ صرف وینیز ویلا (Venezuela) کے پاس ہی رہ جائے گا اور عالمی پیداوار موجودہ ۷۔۸۰ ملین بیرل یومیہ سے شاید آدھی سے بھی کم رہ جائے۔ اس صورت حال میں کوئلے کا بڑھتا ہوا استعمال فضائی آلودگی کو خطرناک حد تک لے جا سکتا ہے۔ تیل کی بتدریج کم ہوتی ہوئی پیداوار مشینوں کو چکنائی فراہم کرنے کیلئے تو شاید کافی ہو مگر قوت پیدا کرنے کیلئے ناکافی، جس کیلئے متبادل ذرائع یعنی بایو گیس، مصنوعی تیل مثلاً Ethnol شمسی و ایٹمی توانائی، دریائی پانی، ہائیڈروجن، ہوا، سمندری لہریں وغیرہ کے استعمال کے بغیر گذارہ نہ ہوگا یا پھر کوئی بالکل نیا متبادل ذریعہ دریافت ہو جائے۔

تیل کی شکل میں امت مسلمہ کو ایک بہت طاقتور ہتھیار میسر ہے جس سے حاصل کی ہوئی دولت کا باشعور و بامقصد اقتصادی اور سیاسی استعمال دنیاوی ذرائع کو مجتمع کرنے میں ایک بہت اہم کردار ادا کر سکتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔ اگر ہم اپنی جغرافیائی یکجہتی، یعنی کہ مراکش سے بنگلہ دیش تک پھیلے ایک مسلسل خطہ ارض پر، اور پھر مشرق بعید تک اسلام کے ماننے والوں کی موجودگی کو اسلامی یکجہتی میں تبدیل کر سکیں تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ وسائل کی زیادتی کبھی مسلمانوں کو راس نہیں آئی۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں محدود وسائل کے باوجود جو حیران کن کامیابیاں حضور ﷺ کے غزووں سے لیکر طارق بن زیاد کے اسپین فتح (۷۱۱ء) کرنے تک ہوئیں، وہ اس چیز کا بین ثبوت ہیں۔ جوں جوں طاقت کا نشہ چڑھتا ہے اور دولت کے انبار لگ جاتے ہیں تو مسلمان حکمرانوں میں شمشیر و سناں اول

اور 'طاؤس و رباب آخر' کی ترتیب الٹ کر 'طاؤس و رباب اول' اور 'شمشیر و سناں آخر' کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ جسکا نتیجہ بغداد جیسی تباہی، اور اسپین سے مسلمانوں کے بے نشان انخلاء کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جب ۳ ستمبر ۱۴۹۲ء کو ٹھیک ۷۱۹ سال کی حکمرانی کے بعد غرناطہ میں مسلمانوں کو آخری شکست ہوئی۔ مجھے ۱۹۸۰ء میں اسپین میں بارسلونا کے علاقے میں تقریباً ایک مہینے جیولوجیکل فیلڈ ورک کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ سوائے اسپینی لوگوں کے کالے بالوں اور کچھ شکلوں میں مشرقی جھلک کے علاوہ کسی طرح بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں تقریباً آٹھ سو سال عرب حکمران رہے تھے۔ ہاں کچھ تاریخی عمارتیں ضرور باقی ہیں۔ اسی لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان وسائل کی ایک صحت مند تقسیم پر زور دیا جائے جس کے نتیجے میں مسلم اقوام اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بھی ہو جائینگی اور ہم 'تیل کی دولت سے مالا مال، کنگال اسلامی دنیا' کے بجائے 'تیل اور علم وفن کی دولت سے مالا مال اسلامی دنیا' بن جائیں گے، ان شاء اللہ۔

تیل بطور ہتھیار:

اسرائیل اور عربوں کا مسئلہ نصف صدی سے چل رہا ہے، جس میں مستقل ہزیمت ہی اٹھانی پڑ رہی ہے۔ عربوں نے ۱۹۷۳ء میں تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کی اور Oil embargo (تیل کی بندش) لگا کر خاص طور امریکہ اور ہالینڈ کو تیل کی ترسیل فوراً بند کردی، کیونکہ ان دو ممالک نے مصر اور اسرائیل کی اکتوبر ۱۹۷۳ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران اسرائیل کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ لیکن اگر اس زمانے کی عالمی پیداوار کو دیکھا جائے تو یومیہ پیداوار پر بہت معمولی عرصے کیلئے فرق پڑا کیونکہ سابقہ سوویت یونین اور انگلینڈ نے اپنی پیداوار بڑھا کر اس کمی کو پورا کردیا تھا۔ اور اب تو موجودہ تیل کی بڑھی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے روس کی پیداوار سعودی عرب کے مقابلے پر آگئی ہے۔ علاوہ ازیں تیل کی قیمت بڑھانے سے جو تیل برآمد کرنے والے ممالک (OPEC) کی آمدنی بڑھی (جس میں عربوں کا حصہ ساٹھ فیصد سے زیادہ ہی ہوتا ہے) اس کا کچھ فائدہ بھی نہ اٹھایا جا سکا۔ مسلم ممالک بالعموم، اور عرب ممالک بالخصوص، صنعتی اور فنی طور پر پیچھے ہونے کی وجہ سے اس پیسے کو اپنی ترقی کے لئے استعمال نہ کر سکے اور زیادہ تر پیسہ امریکی اور یورپی بینکوں میں رکھوا دیا گیا۔ ان بینکوں نے اس رقم کا خوب استعمال کرتے ہوئے اپنی ضروریات پوری کیں اور اس طرح اسکا فائدہ بھی براہ راست اُنہی ممالک کو پہنچا جن کے خلاف تیل کی بندش لگائی گئی تھی۔ تیل کی بندش کا ہتھیار نہ پہلے کسی کام آیا تھا اور نہ اب اسکا کچھ فائدہ ہوگا۔ بہر حال یہ بعد خوش آئند ہے کہ ۹ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد عرب ممالک نے تیل کی آمدنی کو اپنے ملکوں ہی میں بڑے بڑے صنعتی وتعمیراتی پراجیکٹ، بشمول مزید تیل کی تلاش کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔

ڈالر بطور ہتھیار:

اس وقت ڈالر ایک بین الاقوامی زرمبادلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ عالمی تجارت اور خاص طور پر تیل کے تمام سودے ڈالر میں ہوتے ہیں۔ تیل کی آمدنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۷۳ء میں OPEC کی سالانہ آمدنی ۳۵ ارب ڈالر سے بڑھ کر ۱۱۳ ارب ڈالر، ۱۹۷۹ء میں ۱۹۵ ارب اور ۱۹۸۰ء میں، جب تیل کی قیمت ۳۰ ڈالر فی بیرل تک پہنچ گئی

تھی تو ۲۷۲ ارب ڈالر ہوگئی تھی۔ ۱۹۹۹ء کے اعدادوشمار کے مطابق صرف سعودی عرب،متحدہ امارات، کویت اور قطر نے تیل کی فروخت سے ۱۸۲ ارب ڈالر کمائے تھے۔ آجکل تیل کی قیمت ۷۰ ڈالر فی بیرل ہے اور مسلمان ممالک کی پیداوار تقریباً ۲۰ ملین بیرل یومیہ۔ یعنی تقریباً ایک اعشاریہ چار بلین ڈالر کا لین دین یومیہ ہوتا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے تیل کی پیداواری لاگت بہت کم ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اوسطاً ۱۵ سے ۲۰ ڈالر فی بیرل سے زیادہ تیل کی پیداواری لاگت نہیں ہے، اسطرح ۵۰ ڈالر فی بیرل منافع کے حساب سے صرف آمدنی ایک ارب ڈالر یومیہ بن جاتی ہے، یعنی ۳۶۵ بلین ڈالر سالانہ! جیسا اوپر مذکور ہے کہ اس تمام آمدنی کا ایک بڑا حصہ ملکی ضروریات کے بعد بچ جاتا ہے جو ترقی یافتہ ممالک میں تجارت اور زمین وجائیداد وغیرہ خریدنے میں خرچ کیا جاتا ہے، یا بنکوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

ایران میں ۱۹۰۸ء، عراق میں ۱۹۲۷ء، سعودی عرب اور کویت میں ۱۹۳۸ء، الجزائر اور نائیجیریا میں ۱۹۵۶ء اور لیبیا میں ۱۹۵۹ء میں تیل دریافت ہوا تھا۔ یعنی سو سے پچاس سال کی آمدنی کا بڑا حصہ ترقی یافتہ ملکوں کے بنکوں میں جمع ہورہا ہے جو اسوقت کسی طرح سے بھی کئی ٹریلین ڈالرز سے کم نہ ہوگا۔ اگر اتنی بڑی رقم کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی نکلوا لیا جائے تو بنک تو کیا پورے ملک کی معاشی حالت متاثر ہو جائے گی۔ اسکے علاوہ اگرڈالر کو کسی اور کرنسی، مثلاً یورو (Euro) میں ہی تبدیل کردیا جائے، یا تیل کی قیمت یورو میں وصول کرنا شروع کردی جائے تو صرف یہی عمل ڈالر کی ساکھ پر بری طرح اثر انداز ہوگا۔ مشرقِ وسطیٰ میں عراق وہ پہلا ملک تھا جس نے اپنے تیل کی قیمت یورو میں لینے کا ارادہ ہی ظاہر کیا تھا تو وہاں کے صدر صدام حسین پر ہرقسم کے جھوٹے، سچے الزامات لگا کر ایسی عبرت کی نشانی بنا دیا گیا ہے کہ پڑوسی ممالک ڈر کے مارے اس کا سوچیں گے بھی نہیں، لیکن کب تک۔ بہر حال اگر ان اقدامات پر عمل کیا جا سکے تو مسلم امہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کا خاصی حد تک تدارک کیا جا سکتا ہے۔ اس حربہ کی افادیت کا اندازہ صدام حسین کی مثال سے بالکل واضح ہے۔ لیکن جب تک ہم اپنے قوت بازو کے بجائے دوسروں پر بھروسہ کرتے رہیں گے تو یہ انتہائی دوررس قدم شائد نہ اٹھا سکیں۔

انگلش زبان کا ایک محاورہ میرا مافی الضمیر بہت اچھی طرح ادا کرتا ہے:

The best helping hand you can find is at the end of your own arm!

فی زمانہ دوسروں پر انحصار کی وجہ سے کوئی بھی اسلامی حکومت اس قابل نہیں کہ مسلم امہ کے مفاد کیلئے عالمی سیاست پر اثر انداز ہوسکے اورتمام مذکورہ بالا وسائل کی موجودگی کے باوجود ہم معاشی، فنی، دفاعی حتیٰ کہ اپنے سیاسی فیصلوں کیلئے بھی دوسری ترقی یافتہ قوموں کے محتاج اور مرہونِ منت ہیں۔

۵- اجتماعیت ومشاورت کے بجائے انفرادیت وملوکیت پر زیادہ ترمسلم حکومتوں کا انحصار:

دینِ اسلام کی بنیادی تعلیم اجتماعیت اور مشاورت پر زور دیتی ہے۔ چاہے وہ عبادات ہوں، معاشی و معاشرتی مسائل ہوں یا طرزِ حکومت۔ اسکے برعکس عالمی سیاست کا ایک ایسا گورکھ دھندا پھیلایا گیا ہے کہ خاص طور پر تیل برآمد کرنے والے ملکوں میں انفرادیت اور ملوکیت ہی کا دور دورہ ہے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اس گورکھ دھندے کی کامیابی کے ذمہ

دار صرف اور صرف ہم خود ہیں۔ ایک ملک کے عوام کے مقابلے میں ایک برسر اقتدار شخص اور اسکے خاندان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا بہت آسان ہے اور یہی کچھ مشرق وسطی کے زیادہ تر ممالک میں ہو رہا ہے۔ جب کسی نے اس شکنجے سے نکلنے کی کوشش کی تو اسکو راستے سے ہٹادیا، چاہے وہ شاہ فیصل ہوں یا صدام حسین۔ حتی کہ اگر کسی حکمران کی افادیت ختم ہوگئی تو شاہ ایران کی طرح ایسا بے یارو مددگار کردیا کہ قبر کی جگہ ملنی مشکل ہوگئی۔

ایران میں بادشاہت ختم ہوئی تو مذہبی جماعتیں آگے آئیں اور جمہوریت کا دور شروع ہوا۔ فی زمانہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے نتائج کچھ بہتر ہی سامنے آرہے ہیں کہ جہاں جہاں بھی عوام کو اپنا فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا گیا تو مذہبی جماعتوں کے نمائندے بڑی تعداد میں حکومتوں میں شامل ہوئے چاہے وہ لبنان ہو، الجزائر ہو، ترکی ہو یا پاکستان۔ بس یہ نمائندے اگر مذہب کی صحیح روح پر عمل کرنے لگیں تو دین کے ساتھ سیاست کا بھی بول بالا ہو جائے گا۔

۲۔ اپنی ناکامیوں اور نفاق کا دوسروں پر الزام:

اپنی ناکامیوں کا الزام دوسروں پر دھرنا فطرت انسانی ہے۔ یہ انسان انفرادی طور پر، اور ایک معاشرہ یا ملک اپنے مفادات کا تحفظ کرنے میں حق بجانب ہے اور اس پر الزام دھرنا سوائے فراریت کے اور کچھ نہیں۔ ہم اسرائیل اور یہودی سازشوں پر کیوں الزام تراشی کریں، خود کو اس قابل کیوں نہ بنائیں کہ انکی سازشیں کامیاب ہی نہ ہوں! اپنی کمزوریوں سے چشم پوشی اور انکے حل کیلئے قلیل المیعاد منصوبوں پر عمل ہمارے مسائل کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اس سوچ کو ختم کرکے، اور اپنے آپ کو متحد کرکے اس قابل بنانا کہ اپنے مفادات کا دفاع کرسکیں وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہمیں خود کو اتنا مضبوط بنانا ہوگا کہ دوسرے ہمارا استحصال نہ کر پائیں۔ اپنے دفاع کو اتنا مضبوط کرلیں کہ کوئی ہماری طرف بری نگاہ سے دیکھنے کی جرأت تک نہ کرسکے۔ قلیل المیعاد منصوبوں کی مثال پاکستان ہی سے لی جاسکتی ہے کہ جہاں تعلیمی، فراہمی روزگار و رہائش اور مہنگائی کے خلاف اسکیمیں مختلف ناموں سے ہر نئی اقتدار میں آنے والی حکومت بڑے زور وشور سے شروع کرتی ہے اور انکا انجام ایک ہی جیسا ہوتا رہا ہے کہ تعلیمی معیار اور بیروزگاری میں معمولی فرق ہی پڑا ہے، غریب اسی طرح بے گھر ہے اور مہنگائی تو الامان الحفیظ!۔ شرمناک بات تو یہ ہے کہ تقسیم زکوۃ کے نظام کو بھی لوگوں نے نہ بخشا، کہ غربت میں کمی تو کیا اضافہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اگر جاگیرداری کو ختم کردیا جائے تو کسی قسم کی اسکیم شروع کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ جاگیرداری ختم ہونے سے جاگیردار اپنے ذرائع آمدنی کو بدلنے پر مجبور ہو جائیگا اور صنعت وتجارت کی طرف توجہ دیگا۔ نئی نئی صنعتیں اور تجارتی ادارے کھلیں گے تو بیروزگاری ختم ہوگی۔ وہ تمام مزدور وکسان جن کی آنے والی نسلیں تک جاگیردار کے قرض کے بوجھ تلے دبی ہوتی ہیں وہ وقت کے ساتھ ساتھ آزاد ہو جائیں گی، اور وہ بھی ان نئے مواقع سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔ جب رزق کا مسئلہ باعزت طریقے سے حل ہو جائیگا تو انسان بچوں کی تعلیم پر توجہ دے گا، اور جوں جوں مالی حالت ٹھیک ہوتی جائے گی تو گھر بھی بن جائے گا۔ یعنی ایک دونسلوں کے اندر ہی یہ صحت مند تبدیلی بغیر حکومتی اسکیموں کے، اور ایک قدرتی طریقے سے حاصل ہو جائے گی۔

مسلم امہ کی آبادی کا تناسب:

اگر ہم امت مسلمہ کی سوا بلین سے زیادہ آبادی کا تناسب دیکھیں تو ایک بات سامنے آتی ہے۔ کم آبادی پر مشتمل مشرق وسطی کے، اور افریقی عرب ممالک (مصر، تیونس، مراکش، ماریطانیہ وغیرہ کے علاوہ) بمعہ نائیجیریا تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ زیادہ آبادی والے ممالک یعنی مصر، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ملائیشیا، فلسطین اور اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو بھی شامل کرلیں تو انسانی وسائل کا ایک عظیم و بے پایاں سمندر ہے جو عالمی آبادی کے تقریباً پانچویں حصہ کے برابر ہے۔ ان ممالک میں ملائیشیا صنعتی اور فنی اعتبار سے سب سے آگے ہے اور دوسرے ممالک مثلاً مصر، پاکستان، انڈونیشیا اور فلسطین کے لوگ فنی اعتبار سے خاصے بہتر ہیں۔ یعنی مادی اور انسانی وسائل موجود ہیں لیکن اس صحت مند امتزاج کا فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔ ملائیشیا کے سابق صدر ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اس طرف صحیح توجہ دلائی ہے کہ اگر یہ ڈالرز ترقی یافتہ ملکوں میں رکھنے کے بجائے ترقی پذیر مسلم ممالک میں تعلیم کے فروغ، صنعتی ترقی اور بین الامہ تجارت کیلئے خرچ کئے جائیں تو ایک انقلاب آسکتا ہے۔ پیسہ جب حرکت میں آتا ہے تو فائدہ دونوں ہی کا ہوتا ہے۔ منجمد پیسہ اسکے مالک کو بہت معمولی فائدہ دیتا ہے۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلم ممالک برابری کی حیثیت سے عالمی مسائل پر گفت و شنید کرسکیں گے، اور اپنی شرائط بھی منوانے کے قابل ہو جائیں گے۔

چند ملکوں میں دولت کی زیادتی اور اسکے خطرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا طریقے سے دولت کی تقسیم سے من حیث القوم ایک معاشی انقلاب آسکتا ہے، نتیجتاً دوسروں پر انحصار کم سے کم ہوتا جائے گا اور تعلیمی اور فنی معیار، جو کسی قوم و تہذیب کی ترقی کا اصل منبع ہوتا ہے، خود بخود بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا۔

تاریخی کمال و زوال کا گراف:

تاریخ عالم کی چند مشہور تہذیبوں کے کمال و زوال کی داستان کو میں نے ایک گراف کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اس مضمون کے ساتھ منسلک ہے۔ گراف میں حضورﷺ اور حضرت عیسیٰ کے ناموں کے علاوہ صرف چیدہ چیدہ فلسفیوں اور سائنسدانوں کے نام استعمال کئے گئے ہیں جنہوں نے مختلف قوموں کے عروج میں مرکزی کردار ادا کیا تھا، ورنہ یوں تو فہرست بہت لمبی ہے۔ بادشاہوں اور شہنشاہوں کے نام بالکل نہیں ہیں کہ وہ صرف اپنے لئے حکومت کرتے تھے اور عوام کی خوشحالی اور ضروریات کا خیال اسلئے رکھتے تھے کہ امن و امان رہے اور حکومت چلتی رہے! ہاں ہلاکو خان کا نام ضرور استعمال کیا ہے کہ اسکے ہاتھوں بغداد کی تباہی مسلم امہ کے زوال کا فوری سبب بنی۔

اختتامیہ:

موجودہ دور میں مندرجہ بالا مسائل، وسائل اور حالات پر غور کرکے ایک مثبت تبدیلی لانے کی کوشش وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جس طرح آٹھویں سے بارھویں صدی کے دوران بغداد کے عباسی خلفاء نے یونان (یورپ) یعنی اہل مغرب کی طرف دیکھ کر انکے علم سے فائدہ اٹھایا، اور اسکے بعد یورپ نے پندرھویں صدی سے مشرقی علوم کو حاصل کرکے

عروج حاصل کیا،اسی طرح اب پھر ہماری باری ہے کہ ہم جدید علوم و فلسفہ کیلئے مغرب کی طرف دیکھیں اوران کے حصول کو ترجیحی بنیادوں پر اپنے ہاں فروغ دیں کہ علم و فلسفہ کی قدر اقوام کے عروج وکمال کا بہت اہم حصہ رہا ہے۔ ہمیں تو اللہ تعالی اور حضورﷺ کی حمایت اور شفاعت بھی حاصل ہے، بس تملل اور صحیح ایمان وعمل کی ضرورت ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہمارا سب سے بڑا چیلنج بغداد کی عظمتِ رفتہ کو واپس لانا ہے،اور یہ بھی کہ اس تبدیلی لانے کیلئے کوئی Shortcut نہیں ہے۔صرف دور بینی ،طویل المیعاد منصوبہ جات، اتحادِ امہ اور دینِ فطرت کا صحیح ادراک ہی ہمارے مسائل کا حل ہے۔

میں نے جان بوجھ کر بنیاد پرستی (گو بنیاد پرست ہونا ضروری ہے، کہ بنیاد کو مضبوط ہونا ہی چاہئے!) دہشت گردی،خودکش حملوں وغیرہ کا ذکر اپنے مقالے میں نہیں کیا ہے کہ یہ اُن تمام دینی ،معاشرتی، معاشی بشمول عالمی نظام کی خرابیوں کا نتیجہ ہیں جن کو بدلنے، اور مسلم امہ کے حق میں بہتر بنانے کی تجاویز پر بحث کی گئی ہے۔ اس قسم کے مسائل نہ ماضی میں کبھی طاقت سے ختم ہوئے ہیں نہ آئندہ ہونگے۔

مختصراً مندرجہ ذیل لائحہ عمل ہمارے مسائل کے تدارک کا سبب بن سکتا ہے، اور ضرور بنے گا،ان شاء اللہ:

۱- دین کی صحیح روح کا ادراک، جس میں عبادات کے علاوہ ایک پورا معاشی و معاشرتی نظام، قرآن وسنت سے ہدایات کی شکل میں موجود ہے۔

۲- حضورﷺ کی دینی زندگی سے زیادہ دنیاوی زندگی کا مطالعہ اور اس پر عمل۔ دوسرے تمام سابقہ پیغمبروں کی طرح حضورﷺ صرف پیغمبرِ مذہب نہیں، بلکہ پیغمبرِ دینِ کامل تھے جو زندگی کے تمام رخوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور رہنمائی کیلئے نہ صرف ہدایات تفصیل سے موجود ہیں بلکہ اجتہاد کا حق بھی دیا گیا ہے۔ یعنی صرف تقلید ہی نہیں بلکہ دین کو بسر کیا جائے اور حدود کے اندر رہتے ہوئے موجودہ تقاضوں سے ہمکنار۔ایک مومن ہونا ۲۴ گھنٹے کی عبادت ہے۔ خاص وقت کی عبادتیں اور تبلیغ عبادات کا بس ایک حصہ ہیں، اور صرف وہ نہ ہم کو جنت میں لے جائیں گی،اور نہ ہی موجودہ حالات میں تبدیلی لانے کا سبب بنیں گی۔

۳- احتساب کا فقدان۔من حیث القوم مسلم ممالک میں قانون کی بالادستی کا اطلاق نہیں۔عدالتی نظام کو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۴- تعلیم اور فلسفہ کا حصول۔پچھلی تمام تہذیبوں میں سے صرف ایک یونانی تہذیب تھی جس سے آنے والی نسلوں کو فائدہ پہنچا۔ ان نسلوں میں سب سے پہلے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا،جنہوں نے ان مخفی علوم میں اپنا گراں قدر اضافہ کرکے اُنکو باقی دنیا تک پہنچا کر حق ادا کردیا۔افسوس یہ ہے کہ اس سے آگے کا سفر ہم جاری نہ رکھ سکے اور دوسری اقوام اس علم کی روشنی میں بامِ عروج پر پہنچ گئیں۔ اب پھر ہماری باری ہے، اور حصولِ علم ہماری پہلی ترجیح ہونا چاہیے۔

۵- پرائمری اسکول اور انکے اساتذہ کو بہتر سہولیات فراہم کرنے کا نظام ہماری آنے والی نسلوں میں دین کی سمجھ، اخلاقی اقدار اور علم کے حصول کا شوق پیدا کرنے میں یقینی بہتری لائے گا۔ یعنی HEC کے بجائے LEC

(Lower Education Commission) قائم کرنا چاہئے، کہ چند نسلوں کے بعد HEC کی ضرورت ہی نہ پڑے گی!

۶۔ مسائل کے حل کیلئے قلیل المیعاد منصوبوں کے بجائے طویل المیعاد منصوبے بنائے جائیں جن سے معاشی حالات بہتر ہوں، اوران پر دلجمعی کے ساتھ کام کیا جائے کہ طویل المیعاد منصوبوں کے نتائج جلد سامنے نہیں آتے۔

۷۔ تیل کی آمدنی کو اُن مسلم ممالک میں صنعت وحرفت اور تجارت کی ترویج کیلئے لگایا جائے جہاں کے انسانی وسائل فنی طور پر نسبتاً بہتر ہیں۔ کیونکہ معاشی کمزوری ہی تمام مسائل کا بنیادی سبب ہوتا ہے۔ اس عمل سے من حیث الامۃ معاشی حالت بہتر ہوگی، اور جس کے اثرات ایک یا دو نسل ہی میں سامنے آجائیں گے۔

۸۔ ترقی یافتہ ممالک کے بنکوں میں رکھی ہوئی ڈالرز کی شکل میں تیل کی دولت کو ہلکے ہلکے اسلامی ملکوں کے بنکوں میں منتقل کیا جائے، یا فی الحال کسی دوسری عالمی کرنسی میں ہی تبدیل کر دیا جائے۔ مستقبل کی تیل کی آمدنی کو مسلم ممالک کے بنکوں میں رکھا جائے اور حتی الوسع اسلامی ممالک میں صنعت وحرفت کی ترقی کیلئے ہی استعمال کیا جائے۔

۹۔ تیل برآمد کرنے والے مسلم ممالک تیل کی قیمت مستقبل میں ڈالرز کے بجائے کسی دوسری عالمی کرنسی میں وصول کریں۔
(انکلوژر: چند منتخب اقوامِ عالم کے کمال وزوال کا گراف)

حوالہ جات

-۱۹۰۷ء: محمد فضل حسین بسمل مراد آبادی: 'موجودہ اور گزشتہ علما'، ماہنامہ ضیاء الاسلام۔ نمبر۴، جلد۲۔ بابت ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۹۰۷ء۔ صفحہ ۱۹۔ افضل المطابع پریس، مفتی ٹولہ، مراد آباد۔ -۱۹۶۴ء: ریڈرز ڈائجسٹ ورلڈ اٹلس (صفحہ ۱۲۸ اور ۱۲۹) ۔ -۱۹۷۶ء: جان بگوٹ گلب: Haroon al Rasheed and the great Abbasids' by John Bigot Glub Published by Hodder and Stoughton Ltd. Northumberland Press (pages 380). 1976۔ -۱۹۷۸ء: مائیکل ایچ۔ ہارٹ: 'A Ranking of the Most Influential Persons in History' A &W Publishers, New York, INC.1978. p. 33-40۔ -۱۹۹۷ء: ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنگز): 'Mohammad (PBUH), His life based on the earliest sources' (by Martin Lings), Suhail Academy, Urdu Bazar, Lahore, 7th impression, 1997, pages 359۔ -۱۹۹۸ء: ڈاکٹر آغا آئی۔ احمد: 'Prophet Muhammad - Jurist, General and Statesman' Nigar Printing Press, Nazimabad, Karachi, 1998, pages 934۔ -۱۹۹۸ء: طارق جان: The Life and Times of Muhammad Rasul Allah- Universalizing the Abrahamic Tradition' Institute of Policy Studies, Isalmabd, pages 287۔ -۱۹۹۹ء: نصرت کمال صدیقی: 'غارِحرا کی زیارت، میری زندگی کا ایک اچھوتا ارضیاتی جائزہ'۔ ماہنامہ گلوبل سائنس، کراچی۔ دسمبر ۱۹۹۹ء۔ صفحہ ۳۴ تا ۳۷۔ -۲۰۰۲ء: ....: 'تیل اور گیس کی دولت سے مالا مال،

کنگال اسلامی دنیا۔ایک لمحہ فکریہ۔ ماہنامہ گلوبل سائنس، کراچی۔ مئی ۲۰۰۲ء۔ صفحہ ۲۱ تا ۲۳۔ - ۲۰۰۲ء: برنارڈ لوئس: What went wrong?
in the Middle East' Oxford University Press. New The clash between Isalm and modernity
York (reprint). 2002, p. 6,7. - ۲۰۰۵ء: عبدالقادر جیلانی: اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر (تحقیقی مقالہ،
پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی) مرتب آصف اکبر۔ بیت الحکمت، لاہور۔ صفحات ۳۹۱۔ - ۲۰۰۵ء (تاب): ابوالاثر حفیظ جالندھری: شاہنامہ اسلام
(اشاعت جدید)۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور۔ - ۲۰۰۶ء (طبع جدید): قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین، جدید مطبوعہ
اسلامی کتب خانہ، فضل الٰہی مارکیٹ، چوک اردو بازار، لاہور، صفحات جلد اول ۲۸۳ و جلد دوم ۳۹۲۔ - ۲۰۰۷ء: ڈاکٹر اسرار احمد: امت کے
فہم میں اپنوں اور غیروں کی کوتاہی۔ روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ملی میگزین، جمعہ، ۳۰ مارچ۔ - ۲۰۰۷ء: نصرت کمال صدیقی: از آدم تا ابن
مریم صفحہ ۴۵ تا ۵۸ (زیر طباعت، صفحات ۳۱۵)۔

☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

سید باچا آغا-کوئٹہ

اقوام عالم کی موت وحیات، ترقی وتنزلی، تسلط وتنزع اور سعادت و شقاوت کے جو اصول اسباب و مراتب ہیں، ان میں سب سے اہم واعظ ترین اتحاد و اشتراک عمل ہے۔ قوم کے تمام افراد اپنے آپ کو ایک ہی جسم کے اجزاء سے مختلف یقین کرے، سب کا مقصد ایک ہی ہو، اسی کا عشق دامن گیر ہو، اور اسی کی محبت کی زنجیریں سب کے پاؤں میں ہوں، مریں تو اسی کے لیے اور زندگی ہو تو اسی کی خاطر

پیکرش از قوم و ہم جانش زقوم
ظاہرش از قوم و پنہاں نش زقوم

قرآن حکیم نے جا بجا اتحاد و اجتماع کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور اصل قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (۱)

''ترجمہ: سب مل جل کر اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، سب کے ہاتھ ہی ایک جبل اللہ سے وابستہ ہوں، اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت ہے جس سے سرفراز کیے گئے، تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا اور اکٹھے کر دیا، پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے۔''

شارع علیہ السلام نے اسی بنا پر اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا اور علیحدگی کو جاہلیت سے تعبیر کیا۔

من خرج من الطاعة و فارق الجماعة فمات، مات مية جاهلية(۲)

ترجمہ'' جو اطاعت سے باہر ہو گیا اور اس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا پھر اسی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی۔

ترمذی شریف میں ہے

ترجمہ'' جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا، اس کا حکم یہ ہے کہ گویا اس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔''(۳)

نماز میں جماعت پر زور دیا، اھدنی کی جگہ پر اھدنا الصراط المستقیم فرما کر بتا دیا کہ قرآن کی نزدیک فرد، اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں، ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے۔ جمعہ و عیدین کو اگر حقیقت کی نظر سے دیکھیے تو اتحاد کی

غرض نمایاں اور ممتاز نظر آئے گی، زکوۃ کی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ جماعتی زندگی کے بقاء و استحکام کی جانب فرزندان توحید کو متوجہ کیا جائے، شارع نے تؤخذ من اغنیائهم ترد الی فقرائهم، میں اسی فلسفہ اجتماع کو بیان کیا تھا۔ حج میں منجملہ اسرار و مصالح کے ایک سب سے بڑی غرض و مصلحت یہی ہے، جب ایک شخص نے حضرت رسالت سے دریافت کیا کہ حج کسے کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''الحج عرفة'' میدان عرفات میں اجتماع کا نام حج ہے۔ چنانچہ تمام ائمہ اعلام کا یہی مذہب ہے کہ جو شخص عرفات میں حاضر نہ ہو اس کا حج نہیں ہوتا۔

اسلام کے ان حسین ہدایات اجتماعیت کے مقابلے میں ہر ظالم و جابر طاقت کی اولین سعی و کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح جائز و ناجائز طریقوں سے کام لے کر متحد امت میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دے، ان کے مختلف گروہ بن جائیں، ان میں اس قدر اختلافات بیدا ہوں کہ شب و روز ان میں مبتلا رہ کر ایک دوسرے کو فنا کرنے کی فکر میں رہیں، اگر ایک بھائی ترقی کرنے لگے تو دوسرا اس کے گرانے اور ذلیل کرنے کے درپے ہوں، ہر وقت اپنی ہی قوم کے ذبح کرنے کی تجاویز پر غور فکر ہوتی رہے اس اختلاف و تفریق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم و جابر طاقت یا اجنبی حکومت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہیں جو ہر وقت ان مختلف گروہوں کو آپس میں لڑائی رہتی ہیں، اور ہر ضعیف جماعت و قوی کے مقابلے میں بھڑکا کر دونوں کی قوت کو پاش پاش کر دیتی ہے۔

اس خانہ جنگی کے باعث عوام کے دل میں نہ تو کبھی شریفانہ جذبات پیدا ہوئے ہیں اور نہ ہی کبھی حریت و استقلال قومی کا انہیں خیال آتا ہے، بلکہ ہر فریق کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہی اجنبی حکومت ہمارے ملک پر قابض رہے اور بیانگ دہل ہر جماعت اپنی کوتاہ فہمی اور کم عقلی کی وجہ سے اس کا اعلان کرتی ہے کہ ہماری زندگی صرف اس حکومت کے بقاء و استحکام کے ساتھ وابستہ ہے، اس لیے تمام جماعتیں اپنے اپنے طور پر اس کے قیام کی خاطر، ہر قسم کی غداری اور ملت فروشی کی مرتکب ہوتی ہیں اور انہیں دیکھتیں کہ وہ دراصل اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہی ہیں، قدرت کی جانب سے ہر قوم کو جارحانہ اور مدافعانہ قوت و طاقت سے نوازا جاتا ہے کہ حسب ضرورت اس کو غیروں کے مقابلہ میں صرف کیا جائے، لیکن صد افسوس! اختلاف کے وقت یہی چیز اپنے بھائیوں کو غلام و محکومی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لیے صرف کی جاتی ہیں جن کی واضح مثال افغانستان و عراق میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ فیالاد سف ویا للعار.

اپنے حقوق کی نگہداشت، حریت حقہ کی حفاظت اور ارتقائے ملت کا خیال دل سے مٹ جاتا ہے اجنبی حکومت خواہ کیسی ہی ظلم و جور کرنے والی اور ناانصاف و مفسد پرداز ہو، جس کے مظالم روز روشن کی طرح الم نشرح ہو چکے ہوں اور جس نے کبھی اپنے عہد کی پابندی نہ کی ہو، اختلاف و تفریق کے وقت اسی کو رحمت الہی قرار دیا جاتا ہے، خوشامد، چاپلوسی اور تملق کے جذبات خبیثہ ان بدبختوں کی تمام انفرادی و اجتماعی زندگی کو فنا کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم ان حقیقتوں کی طرف ہماری یوں رہنمائی کرتا ہے:

''اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ. اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ''(۴)

''ترجمہ: فرعون ملک مصر میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا، اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دیئے تھے، ان میں سے ایک گروہ یعنی بنی اسرائیل کو اس قدر کمزور سمجھ رکھا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح روا دیتا، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا، اس میں شک نہیں کہ وہ بھی فسادیوں میں سے ایک فسادی تھا۔''

مذکورہ بالا آیت میں فرعون کے چند مظالم بیان کیے گئے ہیں۔

الف: بنی اسرائیل کے سپاہیانہ جذبات کو فنا کرنے کے لئے فرعون نے سیاسی فریب اور مکاری کے ذریعے اس میں بغض وعداوت پھوٹ و نفاق اور باہمی انتقام کے امراض پیدا کر دیئے۔ ان کی جمعیت کو توڑ دیا، ان کی قومیت کو فنا کر دیا اور ان کی اجتماعی قوت کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا، یہی مسئلہ توازن ہے، جب ایک قوم اختلافات و تنازعات باہمی کا شکار ہو جائے تو اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے، عروج کی جگہ تسفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ غلامی اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اس پر چھا جاتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم پر خدا کی لعنت طاری ہوتی ہے تو وہ غلامی اور محکومی کی صورت میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔ مفسرین کرام نے

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (۵)

(جہاں دیکھو ذلت ان کے سر پر سوار ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کے ذریعے سے اور نیز لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے کہیں ان کو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہے) کی یہی تفسیر کی ہے، اور

هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ (۶)

(وہی خدا اس پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے کوئی عذاب تمہارے لیے نکال کھڑا کرے) کا مطلب یہی ہے۔

سورہ انفال میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (۷)

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، کہ آپس میں جھگڑا کرنے سے تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی''

(ب): فوجی طاقت، جب بنی اسرائیل میں مختلف جماعتیں پیدا ہو گئیں تو اب فرعون کو یہ خیل دامن گیر ہوا کہ چونکہ اس قوم میں ابھی تک کچھ لوگ بیدار دماغ، متحرک اعصاب اور مضطرب دکھتے ہیں اور سیاست کی چھپی ہوئی چالوں کے زہر آلود اثر کو محسوس کرتے رہتے ہیں، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیا جائے، نہ لڑکے زندہ رہیں گے نہ ان میں حریت و استقلال قومی کے خیالات پیدا ہوں گے، صبر و استقامت، ہمت و جوانمردی اور جوش فدا کاری و سرفروشی یک قلم نابود ہو جائے گا، نوجوان ہی سے فوج بنی ہے جو ہتھیار سنبھالتی ہے اور دشمنوں کے ساتھ میدان جہاد و قتال گرم کر کے اپنے حقوق کی حفظ ونگہداشت کرتی ہے، قتل کرنے سے لڑکوں کا نام و نشان باقی نہ رہے گا، فوجی طاقت فنا ہو جائے گی، حکومت کو عوام کی جانب سے کسی قسم کا خوف و خطر باقی نہ رہے گا اور اس طرح یہ لوگ بے دست و پا ہو کر اس

ظالمانہ حکومت کے ہاتھ میں آلہ بے جان بن جائیں گے اور اپنی فطری حرکت کو چھوڑ کر اس کے اشاروں پر چلیں گے۔ اس ظلم و جور اور قہر و استبداد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی فوجی طاقت پر عالم ممات طاری ہو گیا اور آن واحد میں نشو و ارتقاء سے رک گئی۔

ج: قلت افراد، لڑکوں کے ذبح کرنے سے فرعون کے پیش نظر ایک چیز یہ بھی تھی کہ بنی اسرائیل کی آبادی روز بروز کم ہوتی جائے، تاکہ بتدریج ان کی ترقی کی تمام راہیں بند ہو جائیں اور کچھ مدت کے بعد ان کا نام و نشان بہ حیثیت قوم کے حرف غلط کی طرح دنیا سے باطل ہو جائے۔

د: اخلاقی قوت، قوم عبارت ہے اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے، رسول کریم ﷺ نے اپنی بعث کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان فرمائی

"بعثت لا تمم مکارم الاخلاق(۸)

"میں عمدہ ترین اخلاق کی تکمیل و اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں"

قوموں کی بنیاد، مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اس کے افراد آپس میں مل جل کر اور جماعت بن کر رہیں۔ سپاہیانہ جذبات اور جنگ جویانہ احساسات رکھتے ہوں۔ فضائل اخلاق اور محاسن اعمال سے آراستہ ہوں۔

فرعون نے لڑکوں کو ذبح کیا کہ بنی اسرائیل کی لڑکیاں آزادانہ عصمت فروشی کریں، ان کی اخلاقی قوت برباد ہو، ہر گلی اور کوچہ میں فاحشہ عورتوں کے چکلے ہوں جن کی نگرانی خود حکومت کے ذمہ ہو، انہیں کی سرپرستی اور ولایت میں بدعملی و بدکاری کا بازار گرم ہو اور اس بدبخت قوم کی ہر لڑکی، حاکم سے سند اجازت لے کر بازار میں اپنے حسن و جمال کی نمائش کر سکے، فوجی لوگ بغیر کسی ظاہری رکاوٹ کے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کر سکیں اور اگر ارکان حکومت کو دوشیزہ اور نوجوان لڑکیوں کی تلاش و جستجو ہو تو آسانی سے مل سکیں۔

ہ: نوجوان، اسے معلوم تھا کہ آزادی و حریت کی راہ میں بوڑھے ہمیشہ پیچھے رہتے ہیں، سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ان میں مصلحت، دور اندیشی اور عاقبت بینی آ جاتی ہے، بات بات میں بحث و جدل کے عادی ہو جاتی ہیں، ان کی کمزوریاں تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لیے بچنے کی فکر میں رہتے ہیں، قربانی اور ایثار کی اگر کوئی توقع ہو سکتی ہے تو صرف نوجوان سے، جو والہانہ و مضطربانہ نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر اپنی ہر چیز حریت و استقلال قومی کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے نوجوانوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم سے یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا، فرعون نے اس فتنہ کو روکنے کی یہ تدبیر کی کہ نوجوانوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔

یہ تمام مظالم آپ کے سامنے ہیں، انکو دیکھیے اور پھر گہری نظر سے دیکھیے کہ فرعون کیا چاہتا ہے؟ یہ کہ قوم حریت اور اجتہاد فکر سے محروم رہے۔

مذہب و اخلاق سے اجنبی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو۔

اپنے آباؤ اجداد کے روشن کارناموں کو فراموش کر دے اور قومی روایات سے دور جا پڑے۔
غلامی اور محکومی کی بوجھل بیڑیاں اس کے پاؤں میں ہمیشہ کے لیے رہیں۔
اپنی قوم کی آزادی کے خیال سے محروم ہو کر غلامی پر قناعت کر لے۔
اپنے تمام اوقات بے کار میں صرف کرے، اسمیں سستی اور کاہلی پیدا ہو، جسم و جان کمزور و ناتواں ہوں۔
منافقت، بدعہدی اور دنائت نفس کا شکار ہو(۹)

جس قوم کے قبضہ میں سامان حرب ہو وہ آلات جنگ کے استعمال سے واقف ہو، اور ہمیشہ رزم گاہوں میں شریک ہوتی ہو، وہی قوم زندہ رہتی ہے، اسی کے قبضہ و اقتدار میں ہر قسم کی طاقت ہوتی ہے، حاکمانہ طور پر زندگی بسر کرتی ہے اور کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ اس کے مقابلے کا خیال بھی دل میں لاسکتیں دوسری قومیں مجبور ہوتی ہیں کہ اس کے ہر فرمان کے آگے اپنی گردنیں خم کریں۔ زمین وآسمان کی ہر چیز زندہ رہنے کی سعی و کوشش میں مصروف رہتی ہے، یہی تنازع للبقاء ہے اور اس کشمکش میں صرف اسی کو دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے جس میں قوت و طاقت ہو، یہی بقائے اصلح ہے اور اسی کا دوسرا نام انتخاب طبعی ہے۔ٹھیک اسی اصول کے مطابق قرآن حکیم نے اس کشمکش حیات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَلا یزالُوْن یُقاتِلُوْنکُمْ حتّٰی یرُدُّوْکُمْ عنْ دِیْنِکُمْ اِن اسْتطَاعُوْا.(۱۰)

ترجمہ: یہ کفار سدا تم سے لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں۔

اس تصادم اور باہمی جنگ و جدل کا علاج قرآن حکیم نے اس طرح بیان فرمایا۔

واعِدُّوْا لھُمْ مَا اسْتطعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخیْلِ تُرْھِبُوْن بہٖ عدُوَّاللّٰہِ وَعدُوَّکُمْ وَاٰخرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ. لا تعْلمُوْنھُمْ. اَللّٰہُ یعْلمُھُمْ.(۱۱)

ترجمہ: اور مسلمانو! سپاہیانہ قوت سے اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے، جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لیے ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے اور نیز ان کے سوا دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اور ان کے حال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے۔

اور یہ دائمی حکم نافذ کر دیا کہ

وقٰتِلُوْھُمْ حتّٰی لاتکُوْن فِتْنۃٌ وَّ یکُوْن الدِّیْنُ لِلّٰہِ.(۱۲)

ترجمہ: اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے، اور ایک خدا کا حکم چلے''

جب صحابہ کرام کے ایک جماعت میں یہ گفتگو ہوئی کہ''ای الاعمال احب الی اللہ'' یعنی ساری نیکیوں اور عبادتوں میں سب سے زیادہ کون سا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے۔ تو اس کے جواب میں سورہ صف نازل ہوئی جس میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْص (۱۳)

ترجمہ: اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس استقامت سے لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کر دی گئی ہے اور یہ دیوار بھی کیسی، ایسی جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت و برتری کے لیے صرف یہی ایک حدیث بس کرتی ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح حدیث میں روایت کیا ہے جس سے معلوم ہو گا کہ ختم نبوت کے اعلیٰ ترین مرتبہ کے باوجود حضورﷺ کس طرح شہادت فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ لو ددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل، ثم احیٰ ثم اقتل، ثم احیٰ ثم اقتل (۱۴)

ترجمہ: خدا کی قسم اگر ممکن ہوتا تو میں یہ چاہتا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں، تاکہ اس کی راہ میں جان دینے کی لذت و سعادت ایک ہی مرتبہ ختم نہ ہو جائے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

والذی نفسی بیدہ لا یکلم احد فی سبیل اللہ، واللہ اعلم من یکلم فی سبیلہ الاجاء یوم القیامۃ اللون الدم والریح ریح المسک (۱۵)

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ کی راہ میں جو شخص بھی زخمی ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں رنگ خون کا ہو گا اور بو مشک کی ہو گی۔

اگر کسی قوم کو فنا کرنا منظور ہو تو اس کی آسان ترین صورت یہی ہے کہ اس سے آلات حرب چھین لیے جائیں، ہر قسم کے سامان جنگ کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے اور قانونی طور پر اس کی خرید و فروخت بند کر دی جائے، اس طریق عمل کا یہ لازمی نتیجہ ہو گا کہ تمام قوم خود بخود بے دست و پا ہو جائے گی۔ اس کے بہادری کے تمام جذبات حقہ پر عالم ممات طاری ہو جائے گا پھر اس قوم کے کروڑوں افراد بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ سے زیادہ حقیقت نہ رکھتے ہوں گے، ایک اجنبی انسان ان کروڑوں انسانوں پر حکومت کرتا ہو گا، رعب و ہیبت کا یہ عالم ہو گا کہ حاکم و بالا دست نام سنتے ہی کانپ جائیں۔ آج عالم کفر اُمت مسلمہ کے ساتھ یہی طرز اپنائے ہوئے ہیں۔ ہر وہ طاقت یا حکومت جس کی بنیاد ظلم و جور جبر و استبداد اور غلبہ پر ہو، جو دلوں کے بجائے جسموں پر فرماں روائی کرتی ہو، جس کے تعلقات عوام کے ساتھ محض آجرانہ اصول پر مبنی ہوں وہ ہمیشہ اسی قانون کی پناہ لیتی ہے۔ قرآن حکیم ان حقائق عالیہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (۱۶)

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تم کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔

اس بدترین عذاب کی تفسیر میں حسب ذیل امور داخل ہو سکتے ہیں جو بطور اعتبار کے اس آیت سے منسلک ہو سکتے ہیں۔

الف: فرعون نے بنی اسرائیل سے آلات حرب چھین لیے اب وہ اپنی فطری حکومت کو چھوڑ کر حکام کے اشاروں پر چلتے، انہیں کی کہتے، ان کے احسانات کی یاد سے ان کی زبانیں نغمہ سنج رہتیں چونکہ محکومی کی وجہ سے تمام قوتیں بے کار ہو جاتی ہیں، اس لیے وہ دیکھتے تو ان کی آنکھوں سے، سنتے تو ان کے کانوں سے اور غور وفکر کرتے تو انہیں کے ارتقاء شیطانی کے مطابق، چنانچہ اس حوالے سے ارشاد ہے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (۱۷)

ترجمہ: بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتی، بلکہ دل جو سینوں میں ہے وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

جو لوگ یا اقوام محکوم ہوتے ہیں ان پر ہر اعتبار سے یہ آیت صادق آتی ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۱۸)

ترجمہ: ان کے دل تو ہیں مگر ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کے کان بھی ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے، غرض یہ لوگ چار پایوں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوئے یہی لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔

ب: فرعون تمام جلیل القدر عہدوں کو اپنی قوم کے لیے مخصوص کر لیتا اور بنی اسرائیل کو نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ کاموں کے لیے مجبور کرتا، اس حوالے سے بائبل میں درج ہے۔ مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سخت قسم کی زرعی خدمت کروا کر ان کی زندگی تلخ کی ان کی ساری خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے، مشقت کی تھیں'' (۱۹)

ج: اگر قدرتی اسباب و ذرائع کی فیاضی سے ملک کی زرعی حالت قابل اطمینان ہوتی تو مصنوعی قحط ڈال کر گرانی پیدا کر دی جاتی۔

د: کام کی اس قدر کثرت ہوتی کہ صبح سے شام تک لگاتار مصروف رہنے کے باوجود پھر بھی کم ہونے میں نہ آتا۔ کثرت کار اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے ان کی دماغی قوتیں بے کار ہو جاتیں، جسمانی قوتوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے، آنکھوں کی قوت جاتی رہتی، کان بہرے ہو جاتے تھے اور مسائل ملکی میں کبھی غور وفکر کا موقع نہ ملتا۔

''تم اس میں سے کچھ کم نہ کرو کہ وہ کاہل ہیں اور ان کا کام بڑھا دیا جائے تاکہ اس میں مشغول رہیں

اور بے ہودہ باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوں''(۲۰)

مذکورہ بالا حقائق ملاحظہ کرنے کے بعد اگر ہم امت مسلمہ کے مجموعی صورتحال کے طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہی تمام چیزیں موجود نہیں۔ امت مسلمہ اگر آلات حرب حاصل کرنا چاہے سب سے پہلے تو اسے معاشی پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے اگر پھر بھی باز نہ آئے تو انجام کار فوج کشی کی جاتی ہے جس طرح کہ عراق میں کیا گیا۔ آج ہر شریف کو شریر اور ہر شریر کو شریف ثابت کیا جاتا ہے جس کی مثال افغانستان کے حالات ہیں۔

موجودہ دور میں حاکم و جابر طاقتیں ایک چیز کو بطریق احسن جانتے ہیں کہ جنگیں ہمیشہ دو چیزوں سے جیتی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ لڑنے والی قوم کا اپنے نظریہ پر غیر متزلزل اعتماد ہو اور دوسرا یہ کہ ان کے پاس عصری مہارت، حسن تدبیر اور ٹیکنالوجی ہو، یہی چیز جملہ مسلم اور غیر مسلم مؤرخین و فلاسفرز کے نزدیک مسلم ہے کہ غزوہ بدر میں کامیابی اس وجہ سے تھی کہ دونوں چیزیں موجود تھیں۔ جبکہ غزوہ احد میں ناکامی اس وجہ سے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی تدبیر پر تا آخر عمل نہ کیا گیا اور گھاٹی والے نیچے اتر آئے۔ اگرچہ عقیدہ تو یہاں بھی غیر متزلزل تھا۔ لہٰذا اسلام دشمن قوتیں بہتر جانتی ہیں کہ اب اسلام اس پوزیشن میں ہے کہ بطور نظریہ اور نظام کے آگے آئے، سو اگر مسلمان کے پاس ٹیکنالوجی بھی ہو تو یہ ان کے تسلط کے لیے خطرہ ہے لہٰذا اب ہدف مسلمان اقوام ہیں۔ لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان ملک میں حکمران یا پھر کوئی سیاسی جماعت نفاذ اسلام کی بات کرے تو وہاں بدنام زمان اصطلاح بنیاد پرستی کا پروپیگنڈہ کر کے یورپ کو انکے مقابلہ میں مثال بنا دیا جاتا ہے اگر کہیں مسلم اقوام فنی اور تکنیکی مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہاں اسے دہشت گرد اور امن وسلامتی کے لیے خطرہ قرار دے کر اس کا ناطقہ اور پانی تک بند کر دیتے ہیں اور اگر کہیں کسی اسلامی ملک میں احکام شریعہ کا کچھ نفاذ ہو تو اسے بنیادی حقوق کے خلاف قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسے امتیاز Discrimination کا نام دیا جاتا ہے تاکہ کسی نہ کسی صورت دنیا اسلام کے عملی نفاذ سے خائف رہے اور اس کا راستہ مسدود ہو(۲۱)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان علماء، عوام اور حکمران اس ایک چیز کو محور بنا دے کہ اسلام انسانی فلاح و کامیابی کا ضامن اور ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اور دنیا کو بتلائے کہ دین اسلام بنیادی طور پر امن وسلامتی کا ضامن اور یہ کہ یہ دین ایک انسان تو کیا ایک زہریلا حیوان سے بھی ظلم روا نہیں رکھتا اور یہ کہ دین قبول کرنا ہر ایک کا اختیاری معاملہ ہے یہ دین میں جبر کا تصور نہیں اور اگر جبر ہوتا تو برصغیر پر ایک ہزار سال سے زیادہ تک مسلمانوں کی حکمرانی رہی لیکن کسی کو شکایت کرنے کا موقع نہیں ملا کہ مذہبی بنیاد پر میرے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیا جا رہا اور اگر جبر ہوتا تو اب برصغیر میں ایک بھی غیر مسلم نہ رہتا اور امت مسلمہ خود ''انابت الی اللہ'' کے فارمولے پر عمل درآمد کریں کہ ہر حالت میں ہمارا رابطہ اور رجوع انفرادی اور اجتماعی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ امت مسلمہ اتحاد و اتفاق اور جماعت میں رہ کر زندگی گذارے اور اس کا عملی مظاہرہ کر کے دکھائیں۔

اسی طرح امت مسلمہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے پر بھرپور توجہ دیں تاکہ دینی علوم کے ساتھ جدید علوم سے بھی بہرہ ور ہوں اور حضور ﷺ کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ

تعلموا النجوم ما تهتدون به فی ظلمات البر و البحر (۲۲)

ترجمہ: علم نجوم حاصل کروتا کہ خشکی وتری کے راستے دریافت کرنے میں آسانی ہو۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشادِ گرامی ہے کہ

تعلموا الرمی و القرآن (۲۳)

ترجمہ: تیر اندازی سیکھو اور قرآن کی تعلیم حاصل کرو۔

اُمت مسلمہ کے جینے کا راز اسی میں ہے۔ ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ منزل مقصود سامنے ہے اور سورج اگرچہ دکھائی نہیں دیا مگر اس کی روشنی خبر دے رہی ہے کہ ظلمت و تاریکی گئی اور نور کا زمانہ آ گیا۔ یاس و قنوط کی کوئی وجہ نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ م بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ. وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ (۲۴)

ترجمہ: اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کی برکت کو پھیلا دیتا ہے اور وہ کارساز اور سزاوار حقیقت ہے۔

فیضی گماں مبر کہ غم دل نہفتہ ماند
اسرار عشق آنچہ تواں گفت، گفتہ ایم

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆

فہرست مراجع و مصادر

۱۔ آل عمران ۳:۱۰۳۔ ۲۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ترمذی بحوالہ طریق النجات از مولانا محمد حسن فاروقی، مکتبہ اشیق استنبول، ۱۹۷۹ء، صفحہ ۷۷۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ القصص ۲۸:۴۔ ۵۔ آل عمران ۳:۱۱۲۔ ۶۔ الانعام ۶:۶۵۔ ۷۔ الانفال ۸:۴۶۔ ۸۔ موطا امام مالک بحوالہ منتخب احادیث از مولانا محمد یوسف کاندھلوی، مکتبہ الحسن لاہور، ۱۴۱۸ھ، ص ۴۸۸۔ ۹۔ خواجہ عبدالحئی فاروقی، ایمان، المحمود اکیڈمی، لاہور ۱۹۸ء صفحہ ۳۴۔ ۱۰۔ البقرہ ۲:۲۱۷۔ ۱۱۔ الانفال ۸:۶۰۔ ۱۲۔ البقرہ ۲:۱۹۳۔ ۱۳۔ الکہف ۱۸:۲۱۔ ۱۴۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری کتاب الذبائح باب المسک، اصح المطابع دہلی، ۱۹۳۸ء۔ ۱۵۔ ایضاً۔ ۱۶۔ ایضاً۔ ۱۷۔ البقرہ ۲:۴۹۔ ۱۸۔ الحج ۲۲:۴۶۔ ۱۹۔ الاعراف ۷:۱۶۹۔ ۲۰۔ کتاب مقدس، خروج باب ۱، فقرہ ۱۳، ۱۴۔ ۲۱۔ کتاب مقدس، خروج باب ۵، فقرہ ۸، ۹۔ ۲۲۔ قاضی فضل اللہ ایڈووکیٹ، فتنہ منفعہ سیکولرزم اور اسلام، جامعہ امام ولی اللہ دھلوی صوابی، ۲۰۰۳ء، صفحہ ۷۰۔ ۲۳۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری بحوالہ جمع الجوامع، عنوان تعلموا، جلد ۱، صفحہ ۵۷۴۔ ۲۴۔ ایضاً۔ ۲۴۔ الشوریٰ ۴۲:۲۸۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

سید حیدر شاہ۔ کوئٹہ

تاریخ انسانی میں مجد و شرافت کی تنہا وارث اُمت مسلمہ دور حاضر میں جس قدر ادبار و ذلت سے دوچار ہے۔ اس سے اس کی عظمت رفتہ پر سے بھی اعتبار اٹھنے لگتا ہے۔ ترقی و سربلندی کے لیے مطلوب مادی وسائل اب بھی مسلم امہ کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں۔ مثلاً افرادی قوت میں ایک ارب بیس کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ ستاون ممالک میں نہ صرف مسلم آبادی اکثریت میں ہے بلکہ مسلم حکمران برسر اقتدار ہیں تیل جیسا اہم قدرتی خزانہ مسلم امہ کے پاس ہے اس کے علاوہ بے شمار وسائل کی ملکیت کے باوجود یہ اُمت زبوں حالی کا شکار ہے اور گوناگوں مسائل سے دوچار ہے۔ مسلم دنیا کی ان مشکلات کا اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی ﷺ کے تناظر میں جائزہ لیا جائے اور ان کے انسداد کی مخلصانہ سعی کی جائے تو امید واثق ہے کہ نہ صرف ان مشکلات و مصائب سے نجات ملے بلکہ اس کی عظمت رفتہ بھی بحال ہو دور حاضر میں مسلم امہ جن بڑی مشکلات سے پریشان ہے وہ یہ ہیں۔

عالمی جارحیت:

غیر مسلم اقوام کے عمومی رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی نسل کشی پر گویا متفق ہو چکی ہیں۔ بوسنیا ہرزگوینا میں سرب فوج کے ہاتھوں لاکھوں مسلمان نہایت بے دردی سے قتل و مجروح ہوئے۔ ہزاروں مسلم خواتین کی اجتماعی عصمت دری ہوتی رہی۔ چیچنیا کے مسلمان طویل عرصے سے روسی جارحیت کا شکار ہیں۔ امریکی ہیومن رائٹس کے مطابق روس نے چیچنیا کے مسلمانوں کی زندگیوں کو توہین آمیز بنا دیا ہے(۱)۔ کشمیری مسلمان نصف صدی سے ہندو جارحیت سے دوچار ہیں اور اقوام متحدہ ان کا مسلمہ حق رائے دہندگی دلانے میں بری طرح ناکام رہی ہے افغانستان پر روسی جارحیت سے لاکھوں مسلمان ہلاک و مجروح ہوئے پورا ملک کھنڈر بن گیا اس تباہی کے کچھ ہی عرصہ بعد بڑی طاقتوں نے دہشت گردی کے خاتمے کے بہانے ان پر نئی جنگ مسلط کر دی۔ تقریباً پانچ سال سے ہر قسم کا مہلک ہتھیار افغانیوں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے اور اب نیٹو کی امن فوج کے ہاتھوں یہ سلسلہ جاری ہے۔ عراق میں کویت کی حمایت و مدد کے حوالے سے بڑی طاقتوں نے پورے ملک کو تباہی کے دہانے پہنچا دیا۔ نیز اقتصادی پابندی کے ذریعے خوراک اور دواوں کی بندش کے سبب لاکھوں بچے مروا ڈالے۔ اس پر بھی بس نہ کی بلکہ جوہری ہتھیاروں کی موجودگی کے الزام میں دوبارہ عراق پر جنگ مسلط کی گئی۔ جس میں پورے ملک کی معیشت کو تباہ کر دیا گیا اور لاکھوں عراقی مسلمان اس جنگ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ عراق، افغانستان اور گوانتا ناموبے وغیرہ کی جیلوں میں مسلمان قیدیوں پر ماورائے عدالت انتہائی غیر انسانی تشدد کیا جاتا رہا ہے۔

اسرائیل جیسے بڑی طاقتوں کی بھرپور حمایت و تعاون حاصل ہے۔ فلسطینی مسلمان کے لیے ناسور بن چکا ہے۔ ۱۹۶۵ء سے اب تک سات لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو جیلوں میں بند کیا گیا ہے۔ ان قیدیوں میں کافی تعداد خواتین اور بچوں کی بھی شامل ہے اس وقت بھی دس ہزار ایک سو قیدی مختلف اسرائیلی جیلوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں(۲) فلسطینی مہاجرین کے کیمپوں پر زمینی و فضائی حملے کر کے ان کا قتل عام کرنا اسرائیلی فوج کا تقریباً روز کا معمول ہے۔ اسرائیل کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی تو درکنار اقوام متحدہ وسلامتی کونسل کی قرارداد تک ویٹو کر دی جاتی ہے۔

ابھی حال ہی میں اسرائیل نے اپنے پڑوس مسلم ملک لبنان پر فضائی و زمینی حملہ کر دیا اور چونتیس روز تک یکطرفہ جارحانہ جنگ جاری رکھی۔ اس حملے میں ہزاروں شہریوں کی جانیں ضائع ہوئیں، سینکڑوں رہائشی عمارتیں، تجارتی مراکز، کارخانے پل اور ہسپتال وغیرہ تباہ کر دیئے گئے۔ ایک اندازے کے مطابق لبنان میں بیس ارب امریکی ڈالرز کا نقصان ہوا۔ عالمی امن کے علمبردار اسرائیل کی اس دہشت گردی کی نہ صرف تائید بلکہ تعاون کرتے رہے۔ حیرت و افسوس تو اس امر پر ہے کہ خود مسلم امہ بھی جنگ بندی کے لیے کوئی موثر کردار ادا نہ کر سکی۔ عالمی دہشت گردی کی یہ تلوار اب ایران اور شام کے سر پر لٹک رہی ہے تمام جدید اور تباہ کن ہتھیاروں کا تجربہ مسلم آبادیوں پر کیا جاتا ہے۔ حالیہ اسرائیلی جنگ میں لبنان پر بارہ لاکھ کلسٹر بم گرائے گئے۔(۳)

اس قدر جارحیت کے باوجود خود مسلمانوں پر بنیاد پرستی، انتہا پسندی، شدت پسندی اور دہشت گردی کے الزامات لگائے جا رہے ہیں اور عالمی سطح پر اعتدال پسندی اور مذہبی ہم آہنگی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے عملی جدوجہد بھی شروع ہو چکی ہے جس میں مسلم قومی رہنما ان کی اعانت بھی کر رہے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہم آہنگی صرف مسلم امہ سے مطلوب ہے اور جہاں تک دیگر اقوام کا تعلق ہے تو خود امریکی صدر جارج بش نے مسلم امہ کے خلاف طاقت کے استعمال کو صلیبی جنگ قرار دیا ہے۔ نیز گزشتہ سال ڈنمارک، جرمنی اور سویڈن میں حضور اقدس ﷺ سے متعلق انتہائی غیر اخلاقی نوعیت کے کارٹون شائع کر کے پوری مسلم امہ کی مذہبی دل آزاری کی گئی اور امریکہ سمیت کئی عیسائی حکومتوں نے آزادی صحافت کے نام پر ان کے اس موقف کی تائید کر ڈالی۔ اب حالیہ دنوں میں کیتھولک فرقے کے عالمی سربراہ پوپ بینی ڈکٹ کی جانب سے اسلامی تعلیمات پر ناروا تنقید نے پوری مسلم امہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اقوام عالم کی جانب سے اس طرح کے اقدامات مسلم امہ کے لیے واضح طور پر پریشان کن ہیں۔

مسلم امہ کے خلاف اس ہمہ گیر جارحیت کے اسباب پر غور کیا جائے تو کچھ بنیادی نوعیت کے فیکٹر نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے مسلم امہ عمومی طور پر اغیار کے لیے تر نوالہ بن چکی ہے۔ مثلاً

عدم اتحاد:

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت مسلم امہ میں اتحاد و اتفاق کی ہے۔ علاقائی لسانی اور مسلکی گروہ بندیوں نے اُمت کو پارہ پارہ کر دیا ہے دیگر اقوام اُمت کی اس کمی سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ افغانستان اور عراق کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ خود پاکستان میں علاقائی و لسانی بنیادوں پر عالمی قوتیں خلفشار پھیلانے میں مصروف ہیں صوبہ بلوچستان اس کی

زندہ مثال ہے۔ جہاں مسلمان باہم دست وگریباں ہو رہے ہیں اور خوف کی حالت طاری ہے۔ وطن عزیز میں ہر جگہ تقسیم در تقسیم کے مطالبات زور پکڑ رہے ہیں۔ اغیار کا یہی پروگرام اور کوشش ہے کہ مسلم امہ کے حصے بخرے کر کے اس کی اجتماعی قوت کو غیر موثر کر رہا ہے۔ بقول نپولین ''مسلم معاشروں کو خود ایک دوسرے پر بھوکے شیروں کی طرح چھوڑ دیا جائے اور یہ آپس ہی میں لڑتے مرتے رہ جائیں۔(۴) اور علامہ اقبالؒ نے اُمت کے اسی انتشار کے سبب فرمایا تھا۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو ساری دنیا کے ایمان والوں کو رشتہ اخوت میں جوڑ دیا ہے اور اس اسلامی اخوت کو قائم رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ''(الحجرات:۱۰) نیز اسلامی تعلیمات پر سب کو کاربند رہنے اور اختلافات میں پڑنے سے منع فرمایا ہے۔''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' (آل عمران:۱۰۳) اور خدا و رسولﷺ کے احکامات کو پس پشت ڈالنے اور باہمی افتراق کے نقصانات پر متنبہ فرمایا ہے:''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ'' (الانفال:۴۶) آپس کے عدم اتفاق سے ہی اُمت آج اس مقام کو پہنچی ہے آپس کے تمام اختلافات کا خاتمہ صرف اور صرف تعلیمات اسلام کی طرف رجوع ہی سے ممکن ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ'' (النسآء:۵۹)

حضور اقدسﷺ نے ساری مسلم امہ کو جسد واحد کی مانند قرار دیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے''مسلمان ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارے اعضاء بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں''(۵) آپﷺ نے مسلم امہ کے اتحاد میں قوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے ارشاد ہے ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے''۔(۶) مسلم امہ کی بقاء وسربلندی باہمی اتفاق واتحاد ہی میں مضمر ہے۔ مسلمانوں میں باہمی صلح کرانا عبادات سے بھی افضل عمل بتایا گیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے''میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی زیادہ افضل ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا! دو آدمیوں میں صلح کرادو''(۷) آپؐ کا دوسرا ارشاد ہے''جو شخص مسلمانوں میں مصالحت کرانے کے لیے جھوٹ بول دے جس سے اس کا مقصد صلح کرانے کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہے''(۸) یعنی دو مسلمانوں میں باہمی صلح کے لیے جھوٹ جیسے گناہ کو بھی مباح قرار دیا ہے لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ ملکی سطح پر اتفاق وہم آہنگی کی خاطر مخلصانہ کوشش کی جائے صوبوں اور مرکز کے مابین شکوک وشکایات کا ازالہ کیا جائے۔ برادران ملت کے خلاف جارحانہ اقدامات سے گریز کیا جائے آپس کی رنجشوں کو اسلامی اخوت کے ماحول میں بذریعہ گفت وشنید دور کیا جائے۔ عالمی سطح پر بھی مسلم امہ کو ایسے قوی اور موثر اتفاق واتحاد کی ضرورت ہے جس سے ساری اُمت مسلمہ کا سود وزیاں یکساں ہیئت اختیار کرلے۔ کسی بھی مسلم ملک کے خلاف جارحیت ساری مسلم امہ کے خلاف حملہ تصور ہو اور پورا عالم اسلام دفاع کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ مسلم امہ اپنا الگ یو این او بنائے موجودہ او آئی سی کے فورم کو مضبوط وموثر بنایا جائے تاکہ اقوام عالم میں اس

کے موقف کو پذیرائی حاصل ہو سکے۔ نیٹو کی طرز پر اسلامی امن فوج بنانے کی ضرورت ہے۔ جس کے ذریعے جارح طاقتوں کے ظلم و تشدد سے مدافعت ممکن ہو۔ اس مقصد کے لیے مسلم دنیا کے قومی رہنماؤں کو خلوص و جرأت اور حکمت و دانش سے فیصلے اور اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

عسکری قوت:

اسلام امن کا داعی دین ہے مگر امن کا قیام صرف تمناؤں اور باتوں سے ممکن نہیں اس کے لیے مضبوط دفاعی قوت مہیا کرنا ضروری ہے۔ عالم اسلام عمومی طور پر حربی ٹیکنالوجی اور اسلحہ سازی میں پسماندہ ہے اس کے برعکس بڑی طاقتیں ایٹمی قوت کی مالک ہیں وہ مزید تباہ کن اور جدید نوعیت کے ہتھیار بنا کر تیسری دنیا پر اپنا تسلط بڑھا رہی ہیں ان کی اسی برتری کی وجہ سے مسلم امہ خوف کے سائے میں جی رہی ہے۔ بڑی طاقتوں سے رحم وسلامتی کی توقع رکھنا عبث ہے بلکہ عالم اسلام کو اپنے تحفظ کے لیے مؤثر لائحہ عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ'' (الانفال:۶۰)

ترجمہ: اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے ''اپنے زمانے کے لحاظ حضور ﷺ نے قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی اور دو مرتبہ یہی فرمایا کہ تیر اندازی کیا کرو اور سواری کیا کرو'' (۹) ارشاد باری ہے:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا'' (النسآء:۷۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جدی جدی فوج ہو کر یا سب اکٹھے''۔

اس کی تفسیر میں لکھا ہے ''خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبرداری اور احتیاط کرلو ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے ہو عقل سے ہو یا سامان سے'' (۱۰) اس بارے میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے ''قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے اور یوں تو سب میں خوبی ہے'' (۱۱) اور دوسرا ارشاد ہے ''جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں''۔ (۱۲)

دور حاضر میں قوت سے مراد مروجہ نوعیت کی حربی تیاری مراد ہو گی۔ عسکری ٹیکنیک میں برتری کا واضح فائدہ ایٹمی طاقتوں کو حاصل ہے حتیٰ کہ اپنی منشاء کے فیصلے نافذ کرنے کے لیے ویٹو کا اضافی حق رکھتے ہیں۔ وہ اسلحہ میں برتری کی بناء پر ورلڈ آرڈر کے نام سے ساری انسانیت پر اپنے تسلط کے خواہاں ہیں اور مسلم دنیا کے نقشے میں ردوبدل کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ (۱۳) ان حالات میں مسلم امہ کا تحفظ و بقاء اسی میں ہے کہ وہ مروجہ حربی ٹیکنالوجی کو حاصل کرے۔ بڑی طاقتوں کی پابندیوں اور سرزنش کے باوجود اس سلسلے میں پیش رفت کو جاری رکھے۔ تمام مسلم ممالک باہم تعاون کریں۔ بڑی طاقتوں

کی جانب سے اقتصادی پابندیوں اور عسکری اقدامات کی متفقہ طور پر مدافعت کریں۔ مسلم امہ کی امداد و معاونت کا وعدہ ہے بشرطیکہ یہ خود ہمت و جرأت سے کام لے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

''فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ'' (محمد آیت ۳۵)

ترجمہ: ''تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب ہو۔ اللہ تعالی تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال کو ہرگز کم (ضائع نہیں کرے گا''

یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ہمت و حوصلے سے کام لینے پر اللہ کی معیت اور غلبے کی نوید سنائی گئی ہے۔ دور حاضر میں بھی امت مسلمہ کو ان اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی دفاعی قوت کو مضبوط کر کے اپنی بقاء کا سامان کرنا ضروری ہے ورنہ بقول علامہ اقبال:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

عالمگیریت:

بڑی طاقتوں کے ساہوکاروں نے ہوس زر میں ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے جو منصوبہ بندی کی ہے اسے گلوبلائزیشن کا نام دیا گیا ہے جس سے مراد آزادانہ تجارت کو مروج کرنا ہے اس طرح ملٹی نیشنل کمپنیاں تیسری دنیا (جن میں اکثریت مسلم ممالک کی ہے) کی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کر رہی ہیں۔ اس آزاد تجارت کی آڑ میں عالمی سرمائے کی یلغار سے پسماندہ ممالک کو روندا جا رہا ہے۔ ٹیکنالوجی اور انفارمیشن کے ذریعے غیر تحقیقی معاشروں کو عالمی منڈی میں مقابلے کی دوڑ میں اپاہج کیا جا رہا ہے جس سے دولت کا ارتکاز ایک نئی شکل میں سامنے آ رہا ہے۔ گلوبلائزیشن درحقیقت ترقی یافتہ اقوام کا ایک سیاسی پروجیکٹ ہے جو ساہوکاروں اور گلوبلسٹ کلاس کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے مصروف کار ہیں۔ عالمی تجارتی تنظیم، عالمی بنک اور آئی ایم ایف غیر مرئی شکل میں بڑی طاقتوں کے تجارتی مفادات کے تحفظ میں مصروف کار ہیں ''یہ بھی شنید میں آیا ہے کہ عالمی تجارتی تنظیم اور آئی ایم ایف وغیرہ نے مقروض ممالک میں سرکاری اداروں کی نج کاری کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ پانی، بیج، علاج معالجے و ادویات کے علاوہ سماجی اور بڑے ہسپتال سب کی نجکاری لازمی قرار دی گئی ہے''۔ (۱۴)

یعنی جو ادارے قوم کی ملکیت تھے اور مفاد عامہ کے لیے مصروف عمل تھے انہیں بھی نج کاری کے ذریعے قومی خدمات کے عمل سے الگ کر کے عالمی تجارتی اداروں کے لیے حصول زر کا ذریعہ بنا دیا جائے۔ ان عالمی ساہوکاروں نے ظاہری کشش کا کچھ ایسا بندوبست کیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے ارباب اختیار از خود انہیں اپنے علاقوں میں سرمایہ کاری کی دعوت دے رہے ہیں اور ان سے ملکی معیشت میں ترقی کی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں دو صدیاں پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی بھی تجارت کی غرض سے آئی تھی جس نے نہ صرف ملکی

معیشت کو تباہی کے دہانے پہنچا دیا بلکہ مسلمانوں کو ملکی سیادت سے محروم کر کے نان شبینہ کا محتاج کر دیا۔ وہی ساہوکار اب نئے عزم کے ساتھ ترقی پذیر دنیا پر دوبارہ اپنے پنجے گاڑھنے لگے ہیں۔ لہذا مسلم امہ کو اس نئے خطرے سے بچنے کے لیے اقدامات کی ضرورت ہے اس بارے میں خلافت راشدہ کی تجارتی پالیسی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں غیر ملکی تاجروں سے مال تجارت پر عشور لیا جاتا تھا۔ جس میں قومی آمدنی میں اضافے کے علاوہ ایک اہم غرض ملکی تجارت و معیشت کو تحفظ دینا بھی تھی۔ لہذا مسلم ممالک کو چاہیے کہ بڑی طاقتوں کی اس گلوبلائزیشن کا موثر حل تلاش کریں۔ مقامی مصنوعات کا معیار بلند کریں صنعتوں کے قیام کے لیے سازگار ماحول مہیا کریں۔ مسلم ممالک آپس میں تجارت کو فروغ دیں تیل کی صنعت کو اپنے قابو میں لے لیں۔ عرب ممالک افرادی قوت بھی صرف مسلم ممالک سے حاصل کریں جس سے مسلم دنیا میں بے روزگاری کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو سکتا ہے۔ مسلم امہ کو مقامی مصنوعات کے استعمال کی ترغیب دلائی جائے تاکہ درآمدات پر زرمبادلہ خرچ نہ ہو۔ اس بارے میں حدیث نبوی ہے۔ ''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی۔ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارس کی ایک کمان تھی۔ آپؐ نے فرمایا اسے پھینک دو اور عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو لے لو اور جو اس سے مشابہ ہو۔(۱۵)

اس کے علاوہ قومی سطح پر سادگی اور کفایت شعاری اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ بیرونی قرضوں کی احتیاج ہی نہ رہے۔ جن کے لیے بڑی طاقتوں کو سود کی ادائیگی کے علاوہ ان کے بے جا مطالبات بھی تسلیم کرنا پڑتے ہیں۔ نیز مسلم امہ کو اپنی رقوم غیر مسلم دنیا کی بینکوں سے نکال کر اپنے پاس رکھنی چاہییں اور مضاربت وغیرہ کے اصول پر باہم کاروبار کرنا چاہیے تاکہ بڑی طاقتوں پر انحصار سے گلوخلاصی ہو۔

ارتکاب معاصی:

مسلم امہ کے انحطاط و مشکلات کا ایک اہم سبب احکام شریعت سے روگردانی ہے دیدہ و دانستہ حدود اسلام کو پامال کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

سود:

جو صریحا حرام ہے'' واحلّ اللّٰہ البیع وحرّم الرّبٰوا. '' (البقرۃ: ۲۷۵) اور حکم عدولی کرنے پر خدا اور رسولؐ کی جانب سے اعلان جنگ ہے''فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہ.''(البقرۃ:۲۷۹) ''پھر اگر (سود) نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے'' سودی کاروبار میں معصیت کے علاوہ بے برکتی کی بھی خبر دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے''سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر انجام کار وہ کمی کی طرف پلٹتا ہے''(۱۶) سود پر مبنی معیشت کے نقصانات کے باعث اب مغرب میں بھی اس کی نفی ہونے لگی ہے مثلاً معروف معیشت دان (Dord Maynard Kenes) کہتا ہے'' جب تک سود خواری کو کسی غیر تکلیف دہ طریقہ سے معدوم نہیں کر دیا جاتا اس وقت تک دنیا سے بے روزگاری کو ختم نہیں کیا جا سکتا''(۱۷) اسلام میں سود کا متبادل نظام مثلاً مشارکہ اور مضاربت وغیرہ موجود ہے قرض حسنہ کا ادارہ

بیع مؤجل، اجارہ اور مرابحہ نیز بیت المال کا قیام سود کا متبادل ہے اس کے نفاذ سے سود کی لعنت سے نجات پائی جا سکتی ہے۔

منشیات:

مسلم دنیا میں منشیات کی پیداوار و استعمال کا عموماً محتاج بیان نہیں صرف پاکستان میں ایک تخمینہ کے مطابق ۵۰ لاکھ افراد منشیات کے عادی ہیں اور کروڑوں روپیہ اس پر ضائع ہو جاتا ہے۔ نشہ کرنے والے افراد ذہنی اور جسمانی طور پر ناکارہ ہو کر معاشرے میں بوجھ بن رہے ہیں۔ اس کے علاوہ منشیات کی پیداوار و ترسیل کے حوالے سے پاکستان سمیت کئی مسلم ممالک بدنام ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں شراب اور ہر نشہ آور چیز حرام بتائی گئی ہے۔ حضورﷺ نے ہر اس شے سے منع فرمایا ہے جو نشہ لائے اور بعد میں سست کر دے''۔(۱۸)

چنانچہ شراب، بھنگ، افیون اور ہیروئن وغیرہ تمام منشیات حرام ہیں۔ حضورﷺ نے نشہ آور اشیاء کی تھوڑی مقدار کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے''ما اسکر کثیرہ فقلیہ حرام''(۱۹) ترجمہ جو چیز ایسی ہو کہ زیادہ استعمال کرنے سے نشہ لاتی ہو تو اس کی کم مقدار میں استعمال بھی حرام ہے۔ آپؐ نے شراب نوشی کو بت پرستی کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:''شارب الخمر کعابد الوثن''(۲۰) شراب و دیگر منشیات کے استعمال سے معاشرہ اسلامی صفات سے محروم ہو کر غیر اسلامی اقدار کا خوگر ہوتا ہے۔ اس لیے حضورﷺ نے شراب (و دیگر منشیات) میں ملوث تمام افراد پر لعنت فرمائی ہے: ارشاد ہے''شراب کی وجہ سے دس اشخاص پر لعنت ہوتی ہے پینے والے پر، نچوڑنے والے پر، نچڑوانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، لیجانے والے پر، جس کے لیے لے جائی گئی، اس کی قیمت کھانے والے پر اور اس کے پلانے والے پر''۔(۲۱)

اس لعنت سے چھٹکارے کے لیے ضروری ہے کہ اس دھندے میں ملوث ہر سطح کے اشخاص کے خلاف سخت کارروائی ہو، انہیں عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔ سعودی عرب و ایران وغیرہ کی مثال ہمارے سامنے ہے لہذا پاکستان میں بھی اس کے خلاف بھرپور اور موثر مہم چلانے کی ضرورت ہے۔

عریانیت و فحاشی:

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے مغربی و ہندوانہ کلچر مسلم امہ پر ٹھونسا جا رہا ہے۔ اسلام ہر تفریح کا مخالف نہیں اور نہ ہی مخصوص حدود کے اندر انسانی آزادی کے خلاف ہے مگر دور حاضر میں میڈیا کے ذریعے جو عریانیت و بے حیائی تفریح اور کلچر کے نام سے پیش کی جا رہی ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ میڈیا ہی کی یلغار کا اثر ہے کہ مغربی دنیا کی طرح اب مسلم امہ بھی اسلامی اقدار سے عاری ہو رہی ہے۔ مسلم خواتین میں شرعی پردہ کا اہتمام سرعت سے روبہ زوال ہے۔ اسلامی شرم و حیاء عنقاء ہوتی جا رہی ہے زندگی کے ہر شعبے میں مرد و زن کا اختلاط عام ہو رہا ہے جنسی آوارگی بڑھ گئی ہے۔ حتیٰ کہ ایدھی ٹرسٹ کے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں لاوارث نوزائیدہ بچے سنبھالنا پڑتے ہیں۔(۲۲) اس بات سے اخلاقی پسماندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے پہلے جو جنسی جرائم بے دین معاشروں کا خاصہ تھے۔ اب مسلم امہ میں راہ پا چکے ہیں

مخلوط تعلیمی ادارے، ہسپتال، تفریح گاہیں، اونچے درجے کے ریسٹورنٹ و کلب وغیرہ تو اب یورپی معاشرے کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ملحد تہذیب کا یہ نظریہ جنسیت بڑی تیزی سے مسلم دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، اس کے مہلک اثرات کو اب تو خود اہل مغرب بھی محسوس کرنے لگے ہیں مثلاً لکھا ہے ''نکاحوں کی کمی علاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر یا عارضی ناجائز تعلقات کی کثرت کے یہ معنی ہیں کہ ہم حیوانیت کی طرف واپس جارہے ہیں۔ بچے پیدا کرنے کی فطری خواہش مٹ رہی ہے۔ پیدا شدہ بچوں سے غفلت برتی جارہی ہے اور اس امر کا احساس رخصت ہو رہا ہے کہ خاندان اور گھر کی تطہیر تہذیب یافتہ و آزاد حکومت کی بقاء کے لیے ضروری ہے۔'' (۲۳)

اخلاقی پسماندگی کی اس دلدل سے نکلنے کے لیے مسلم امہ کو حضور ﷺ کی اتباع ناگزیر ہے آپؐ نے جو پاکیزہ عائلی نظام تشکیل دیا۔ جو اخلاقی تعلیمات دیں ان پر عمل پیرا ہو کر اس بگڑتی صورت حال پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے جنسی آسودگی کا بہترین ذریعہ نکاح کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے ''اے نوجوانو! کی جماعت تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ یہ نظر کو محفوظ رکھتا ہے اور شرمگاہ کو بچاتا ہے۔ جو ایسا نہیں کر سکتا اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے'' (۲۴) آپؐ نے آزاد شہوت رانی کی مکمل حوصلہ شکنی فرمائی ہے ارشاد ہے ''عاقل آدمی کیلیے اس کا حصہ زنا میں مل کر رہے گا شہوت کی نظر سے دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، شہوانی باتیں سننا کانوں کا زنا ہے، اس موضوع پر گفتگو کرنا زبان کا زنا ہے، پکڑنا ہاتھ کا زنا ہے اس کے لیے چل کر جانا پیروں کا زنا ہے، خواہش اور تمنا کرنا دل کا زنا ہے اور شرمگاہ یا تو زنا کا عمل کر بیٹھے گی یا رک جائے گی۔ (۲۵)

ایڈز:

فحاشی اور جنسی آوارگی کے دیگر کئی نقصانات کے علاوہ ایک نہایت مہلک خطرہ ایڈز کا مرض ہے جس کا انکشاف پہلی بار یورپ میں ۱۹۸۱ء کو ہوا۔ اس وقت سے یہ مرض نہایت سرعت سے پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اب تک دنیا بھر دو کروڑ تیس لاکھ افراد اس کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں اور چار کروڑ سے زائد افراد اس میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد اکیاسی لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ تمام مسلم ممالک میں ایڈز کے اثرات موجود ہیں۔ پاکستان میں رجسٹرڈ ایچ آئی وی اور ایڈز کے مریض تین ہزار کے قریب ہیں جبکہ ایک تخمینے کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ (۲۷)

اس موذی و مہلک مرض سے حفاظت کا سب سے موثر ذریعہ عریانیت فحاشی اور جنسی بے راہ روی سے مکمل پرہیز میں ہے۔ ارباب اقتدار اور عوام سب کی ذمہ داری ہے کہ مسلم معاشرے میں جنسی انارکی پھیلانے کے تمام ذرائع کا انسداد کریں اور اسلامی پاکیزہ ماحول کے قیام میں کوشش کریں۔

دہشت گردی:

دہشت گردی انگریزی لفظ Terrorism کا ترجمہ ہے۔ ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

''تحفظ یافتہ افراد کے خلاف اچانک غیر منصفانہ طریقے سے جان بوجھ کر طاقت کا استعمال دہشت گردی ہے''۔

اسلامی دنیا کافی عرصہ سے دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے اور لاکھوں مسلمان اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں بیرونی طاقتیں پاکستان میں داخلی انتشار کے لیے کوشاں ہیں۔ گزشتہ سات برسوں میں ملک میں ایک ہزار سے زیادہ دھماکے ہو چکے ہیں۔ نمایاں مذہبی و سیاسی شخصیات کے ٹارگٹ قتل، عوامی اجتماعات سے لے کر صدر اور دیگر قومی رہنماؤں، قومی اہمیت کی تنصیبات اور ضروری سہولتوں کی فراہمی کے مراکز تک کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ مسلم امہ کو جان بوجھ کر منصوبہ بندی کے تحت دہشت گردی کی دلدل میں دھکیلا جا رہا ہے۔ جبکہ دین اسلام امن کا داعی و حامل دین ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے۔ ''وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ. اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ'' (القصص: ۷۷) ترجمہ: اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں، اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے'' اور ارشاد ہے'' اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ''(الشوریٰ: ۴۰) ترجمہ: ''بیشک اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا'' اسلام تو فتنہ و فساد کو قتل سے بھی زیادہ ناپسند کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی'' وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. '' (البقرۃ:۱۹۱) ترجمہ: ''اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور فتنہ تو مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے'' قتل ناحق پر اللہ تعالٰی کے ہاں نہایت سخت سزا ہے ارشاد ہے: ''وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا'' (النسآء:۹۳) ترجمہ: ''اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب'' ان شرپسندوں کے لیے دنیا میں بڑی سخت سزا رکھی گئی ہے۔ ارشاد ہے''اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ. ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' (المائدہ:۳۳) ترجمہ: ''یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھا دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے۔ یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے''

یہ لوگ تو مسلم کہلانے کے بھی حقدار نہیں ہیں اگرچہ کوئی مذہبی پس منظر بھی رکھتے ہوں کیونکہ مسلم کی تعریف حضور ﷺ نے یہ فرمائی ہے''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده'' (۴۸) ترجمہ مسلم وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے باقی مسلمان محفوظ ہوں لہذا ضرورت اس امر کی ہے عوام کو خدا و رسول کے ان ارشادات سے روشناس کرایا جائے اور مرتکب افراد کو عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ دہشت گردی کے اصل محرک اور منصوبہ ساز قوتوں کا سراغ لگا کر مسلم معاشرے سے اس فتنہ و فساد کو ختم کیا جائے۔

مذہبی جماعتوں کے ذمہ داروں کو باہمی رواداری اور وسعت نظر کا پابند کیا جائے اور خلاف ورزی پر سخت باز پرس و تادیبی کارروائی کی جائے۔ لوگوں کی جائز شکایات و مطالبات پر ہمدردانہ کارروائی کی جائے کیونکہ محرومیاں بھی بدامنی اور

لاقانونیت کا سبب بنتی ہیں۔

خلاصہ بحث:

دین اسلام چونکہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس لیے ہر دور میں انسانیت (اور خصوصاً مسلم امہ) کے تمام مسائل اور پریشانیوں کا حل اس میں موجود ہے یہی چیز اسلام کے دائمی اور غیر منسوخ ہونے کا ثبوت ہے ضرورت صرف اتباع کرنے کی ہے ارشاد الٰہی ہے" وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا. وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ " (النور۵۴) ترجمہ: "اگر تم کہا مانو تو راہ پاؤ اور رسول کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر" اسی ضرورت پر ہمارے قومی رہنما علامہ اقبالؒ نے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا "میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو بہترین نمونہ ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے اس وجہ سے بھی مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسوہ رسول ﷺ کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبہ تقلید اور جذبہ عمل قائم رہے" (۲۹) کاش مسلم امہ اجتماعی طور پر اس گوہر نایاب کی قدر کرے۔

☆○☆○☆○☆

حوالہ جات

۱- مقالات قومی سیرت کانفرنس ۱۹۹۵، اسلام آباد صفحہ نمبر ۱۴۱۔ ۲- روزنامہ جنگ کوئٹہ ۲۱راگست ۲۰۰۶ء۔ ۳- ایضاً ۱۵رستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۴- ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، ستمبر ۲۰۰۶، صفحہ ۹۷۔ ۵- صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المؤمنین، جلد ششم، صفحہ ۲۲۰۔ ۶- ایضاً جلد ششم، صفحہ ۲۲۱۔ ۷- سنن ابی داؤد، جلد III کتاب الادب، باب اصلاح ذات البین، صفحہ نمبر ۵۲۷۔ ۸- ایضاً صفحہ نمبر ۵۲۸۔ ۹- تفسیر ابن کثیر جلد II ص ۳۱۲۔ ۱۰- شبیر احمد عثمانی، تفسیر و ترجمہ القرآن (سعودیہ پرنٹ) صفحہ ۱۱۶۔ ۱۱- تھانوی، اشرف علی مولانا، حیات المسلمین، لاہور مکتبہ رحمانیہ، صفحہ نمبر ۱۲۵۔ ۱۲- ایضاً۔ ۱۳- مثلاً امریکہ وزیر خارجہ نے کہا ہے We are creating a new middile east بحوالہ ہفت روزہ تکبیر، کراچی ۱۹راگست ۲۰۰۶، صفحہ ۲۹۔ ۱۴- ماہنامہ بیداری حیدرآباد، اکتوبر ۲۰۰۶، عنوان، عالمگیریت، صفحہ نمبر ۱۷۔ ۱۵- سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد جلد دوم، صفحہ نمبر ۵۲۵۔ ۱۶- ابو الاعلیٰ مودودی، سود صفحہ نمبر ۱۴۱۔ ۱۷- Tereral theory of employment Interest and Money بحوالہ سود کی متبادل اساس شیخ محمد احمد صفحہ ۲۶ تا ۲۸۔ ۱۸- سنن ابی داؤد، جلد III باب ۱۰۹، لاہور، اسلامی اکیڈمی، صفحہ ۱۳۰۔ ۱۹- ایضاً صفحہ نمبر ۱۲۸۔ ۲۰- سنن ابن ماجہ، ابواب الشربہ، جلد II صفحہ نمبر ۳۳۰۔ ۲۱- ایضاً صفحہ ۳۳۱۔ ۲۲- روزنامہ جنگ، کوئٹہ ۶ تا ۱۲ر دسمبر ۲۰۰۰، خصوصی ایڈیشن، جھولا (ایدھی ٹرسٹ) ۲۳- Show, Hudson Mrs, Sex and Commnosence بحوالہ شیخ محمد علی، اسلام اور افکار نو، اسلامک بک کارپوریشن کراچی ۱۹۸۷، صفحہ نمبر ۴۰۔ ۲۴- جامع ترمذی کتاب النکاح، جلد اول صفحہ ۳۷۷۔ ۲۵- مسند احمد جلد II صفحہ ۵۳۵۔ ۲۶- نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام، اسلام آباد، قومی ادارہ صحت، ستمبر ۲۰۰۴ء۔ ۲۷- صحیح بخاری، جلد اول، کتاب الایمان، صفحہ نمبر ۱۱۲۔ ۲۸- محمد ریاض، مطالعہ اقبال کی روشنی میں مرد مسلمان پر بیت رسول کے اثرات، ماہنامہ فکر و نظر مئی ۱۹۷۶، صفحہ ۳۹۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد اکرم اشرف۔ سیالکوٹ

آج سے چودہ سو سال قبل جبکہ شجر زندگی کی ہر شاخ خشک ہو چکی تھی۔ تہذیب وتمدن کے پھول وحشت اور درندگی کی بادِسموم سے مرجھا چکے تھے۔ زمین پر جوہر انسانیت کا نام ونشان تک باقی نہ تھا۔ غرضیکہ عرب جہالت کے سمندر میں غرق تھا اور انسانیت دم توڑ چکی تھی۔ اس وحشت اور سراسیمگی کے عالم میں خاسر و نامراد انسان ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا لیکن خدا کی اس وسیع زمین پر اسے کہیں بھی زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہ ملتا تھا۔ چاروں طرف سے مایوس اور ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک سننے والے کو پکار رہی تھیں یہ وہ وقت تھا جب فطرت چاروں طرف سے مایوس اور ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک سننے والے کو پکار رہی تھیں اور یہ وہ وقت تھا جب فطرت کے اٹل قانون نے اس افسردگی کو پھر سے تازگی اور شگفتگی میں بدل دیا۔ اللہ رب العالمین رحمن الرحیم کا سحاب کرم ربیع الاول کے مقدس مہینے کی بارہ تاریخ کی نورانی صبح کو فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور بطحا کی مبارک وادیوں میں کھل کر برسا۔

گویا دنیا میں رحمت دو عالم سرور کائنات احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہوا۔ آپ ﷺ کی آمد سے اخلاق و تمدن کے خشک چشمے حیات تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل ہو گئے درندگی اور سرکشی کی بادِسموم عدل و احسان کی بادِنسیم میں بدل گئی۔ انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے آپ ﷺ اپنے ساتھ وہ نظام عدل وحریت لائے جو تمام انسانوں کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۲۱)

ترجمہ: ''البتہ تمہارے لیے آپ ﷺ کی ذات اقدس میں عمدہ نمونہ موجود ہے''

اسی طرح سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

ترجمہ: ''جو شخص آپ ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی''۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی''۔ (بخاری شریف)

اسی اطاعت نے عربوں کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ تہذیب وتمدن کے مرجھائے ہوئے ریگستانوں کو عظمت و رفعت

کے نخلستانوں میں تبدیل کر دیا نفرتوں کے سمندر کو پاٹ دیا انسانوں کی نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا کیے۔ عظمت کے سارے معیار آپ ﷺ کے سامنے ہیچ اور پست ہیں آپ ﷺ نے اپنے اخلاق حسنہ سے نفرت کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔ حضور ﷺ کی ارفع و اعلیٰ تعلیمات نے عربوں کی زندگی یکسر بدل کر رکھ دی اور ''بدو'' ساری دنیا کے ''امام'' کہلائے مسلمان نہ صرف عظمت کے اعلیٰ معیار پر پہنچے بلکہ دوسری اقوام نے انہیں دیکھ کر عظمت کے معیار قائم کیے۔ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب The Making of Humanity میں لکھتے ہیں ''یورپ کی حقیقی نشاۃ الثانیہ پندرہویں صدی میں نہیں بلکہ عربوں اور موروں کی احیائے ثقافت کے زیر اثر وجود میں آئی۔ یورپ کی نئی پیدائش کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا''۔

سائنس و ٹیکنالوجی کا میدان ہو یا عام زندگی کے معاملات اپنے ملک پر حکمرانی کے اصولوں یا غیر مسلم رعایا کے ساتھ تعلقات، معاہدات امن ہوں یا جنگی قوانین، علم کی روشنی پھیلانے کی بات ہو یا جہالت کو ختم کرنے کی، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، زندگی گزارنے کے اصول و ضوابط یا عقیدہ آخرت، جنگ ہو یا امن، دوست ہو یا دشمن، محبت رواداری کے زریں اصول ہوں یا عدل انصاف مساوات اور بھائی چارے کی باتیں، اتحاد کا درس ہو یا نفاق کا مسئلہ اسلام ہمیشہ اعلیٰ اور ارفع روایات کا امین رہا اس کی تاریخ مسلمانوں کے عظیم کارناموں سے بھری پڑی ہے۔

علم و ادب کے میدان میں مسلمان درخشاں روایات کے حامل رہے۔ علم سپاہ گری میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر جیسے جرنیل چشم فلک نے شاید ہی کبھی دیکھے ہوں۔ صفہ کی درس گاہ سے اٹھنے والے علم کے اجالے نے ساری دنیا کو ایک مدت تک بقعہ نور بنائے رکھا۔ کون ہے جو حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جید صحابہ کرامؓ کے علم، دانش کو چیلنج کر سکے۔ اسلامی تاریخ مسلم سائنسدانوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ جابر بن حیان کو علم کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے سلفیورک ایسڈ نائٹرک ایسڈ اور ہائیڈرو کلورک ایسڈ پہلی دفعہ جابر بن حیان نے تیار کیے تھے۔ ابن الہیثم کا شمار دنیا کے ماہر طبعیات میں ہوتا ہے۔ پن ہول کیمرہ آپ نے ایجاد کیا تھا ان کی شہرہ آفاق کتاب کا نام ''کتاب المناظر'' ہے جو صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ البیرونی نے ریاضی کے موضوعات پر تقریباً ۱۵۰ سے زائد کتابیں لکھیں۔ اس نے ضلع جہلم کی تحصیل پنڈ دادنخان کے قصبے نندنا سے جسے ٹیلا بالا ناتھ بھی کہتے ہیں کے قلعے میں حساب لگا کر بتایا کہ زمین کا نصف قطر ۶۳۳۸ کلومیٹر ہے جو جدید تحقیق ۶۳۵۳ سے صرف ۱۵ کلومیٹر کم ہے۔ بوعلی سینا کو مسلم دنیا کا ارسطو کہا جاتا ہے طب کے موضوع پر بوعلی سینا کا انسائیکلو پیڈیا ''القانون فی الطب'' ۱۴ جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ یورپ کے تمام میڈیکل کالجوں میں پڑھایا جاتا رہا ہے۔ الغرض مسلمانوں نے قانون، طب، سائنس، کیمیا، فلسفہ، ریاضیات، ہیئت اور تاریخ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ جو آہستہ آہستہ تاریخ کے اوراق میں گم ہو گئیں اور آج ہمارا تابناک ماضی قصہ پارینہ بن چکا ہے اور ہم بے عملی کا شکار ہو کر دوسروں کے دست نگر بن گئے ہیں۔

آج مسلمان غیروں کی یلغار کی زد میں ہیں۔ آج ہمیں بہت سے مسائل درپیش ہیں اگر ہم نے ان درپیش

مسائل اور چیلنجز کا کماحقہ ادراک نہ کیا تو ہم زندگی کی دوڑ میں دوسری اقوام سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔علم سے دوری امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام جہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد پر زور دیتا ہے وہاں وہ علم حاصل کرنے کا سب سے زیادہ زور دیتا ہے لیکن ہم نے درخشاں اسلامی روایات کو پس پشت ڈال دیا ہے اور علم سے دور اور دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم بنظر غائر جائزہ لیں تو آج دنیا ہمیں گنوار اور ان پڑھ قوم کے طور پر جانتی ہے۔ ہمارا عمومی تاثر یہی ہے کہ ہم تعلیم سے عاری اور شدت پسند رویوں والی قوم ہیں ہمیں مثبت سوچ کی حامل قوم کی بجائے منفی سوچ اور انتہا پسند ذہن رکھنے والی قوم تصور کیا جانے لگا ہے۔

اگر ہم دنیا کی بڑی بڑی جامعات کے پروفیسروں، دانشوروں اور مفکروں کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہمارا حصہ ان میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ پچھلی ایک صدی کے دوران تمام شعبوں میں مسلمانوں نے صرف چار ''نوبل پرائز'' حاصل کیے ہیں جبکہ دوسری اقوام نے کئی سو نوبل پرائز حاصل کیے ہیں۔

اسلام شروع دن سے علم پر زور دیتا آیا ہے ایک وقت تھا کہ مساجد کے ساتھ حجرے بنائے جاتے تھے مساجد میں باقاعدہ درس و تدریس کا سلسلہ ہوتا تھا اور دور دراز سے آنے والے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے اور ان حجروں میں قیام کرتے تھے بڑی بڑی مساجد درس و تدریس اور علم کے بڑے بڑے مراکز ہوتے تھے لیکن آج یہ چیز ناپید ہے اور ہم نے اس کو تقریباً ختم کر دیا ہے آج ہم نے صفہ کی درس گاہ سے پھوٹنے والی علم و آگہی کی کرنوں کو بھلا دیا ہے۔

آپ ﷺ پر تو پہلی وحی ہی یہ نازل ہوئی تھی کہ ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے......'' آپ ﷺ کی تو دعا ہی یہ تھی ''قل رب زدنی علما'' ''اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما''۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہی یہی تھا کہ ''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے'' اور اس کو ہر مرد و زن پر ضروری قرار دے دیا گیا اور جنگ بدر کے موقع پر تو آپ ﷺ نے بعض کفار کو اس بناء پر رہائی دے دی کہ وہ مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں۔ جس مذہب کے ماننے والوں کے مصلح اعظم کی یہ تعلیمات ہوں اس پر یہ الزام لگانا کہ یہ قوم ان پڑھ اور گنوار ہے سراسر زیادتی ہے بلکہ کوتاہی ہماری اپنی ہے کہ ہم نے علم سے دوری کی روش اپنا رکھی ہے اور دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کی بجائے بے راہروی کا شکار ہیں۔

علم سے دوری نے ہمیں مذہب سے دوری میں اہم کردار ادا کیا ہے اور ہم اسلام کے زریں اصولوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے سے کترانے لگے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس اسوۂ کیمیا کے مطالعہ کا شاید ہی موقع ملا ہو اور اگر ملتا بھی ہے تو پڑھتے نہیں ہیں ہمارے کردار اور گفتار میں اسلامی رنگ کا پرتو نظر نہیں آتا ہم میں سے اکثر بات بات پر ایک دوسرے سے الجھ پڑتے ہیں جذبات اتنے مشتعل ہیں کہ تحمل اور برداری جیسے دنیا میں موجود ہی نہیں نفرت، بغض، رویوں میں اشتعال اور تشدد کا عنصر پوری قوم میں دن بدن کینسر کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے روگردانی کی وجہ سے ہمارے اندر اتفاق، اتحاد، رواداری، اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی روایات دم توڑ چکی ہیں۔ ہمیں اپنی زندگیوں کو اس اسوۂ حسنہ ﷺ اور نسخہ کیمیا کے مطابق ڈھالنا چاہیے جس نے صدیوں سے بگڑے ہوئے ''بدوؤں'' کو زمانے بھر کا امام بنا دیا۔

امت مسلمہ آج اتحاد بین المسلمین کے فقدان کا شکار ہے امت واحدہ کے حصول کا جذبہ ٹھنڈا پڑ چکا ہے۔ آج ہم اجتماعی مفاد کی بجائے ذاتی مفادات کو ترجیح دینے لگ پڑے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک امت کا جذبہ پروان چڑھنے کی بجائے سرد ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے فروعی اختلافات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے ملی وحدت کا تصور مفقود ہے افتراق و انتشار کا فساد برپا ہے۔ یہ قوم تو ''ماہ کامل کا ایک ٹوٹا ہوا تارا'' تھی لیکن آج باہمی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہیں۔ ماضی قریب میں عراق نے ایران سے جنگ کی، کویت پر قبضہ کیا، سعودی عرب پر میزائل برسائے، افغانستان، پاکستان پر الزام تراشی کرتا ہے تو پاکستان افغانستان کو ہر معاملے میں موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں پر جنگ مسلط ہے۔ بھائی کو بھائی سے لڑایا جا رہا ہے لیکن مسلمان ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ طاغوتی قوموں نے اپنے پنجے ان کے سینوں پر گاڑھ رکھے ہیں اور ان کے قدرتی وسائل پر قابض ہیں لیکن انہیں ہوش نہیں۔ "OIC" عرب لیگ اور ECO اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اتحاد بین المسلمین کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں کر سکے اور آج مسلمان متحد ہو جائیں تو کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق میں مسلمانوں کے خون کی ہولی بند ہو سکتی ہے لیکن ضرورت اس درد کو محسوس کرنے کی ہے جس کا اظہار حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

''تمام مسلمان ایک آدمی کی مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ یا سر میں تکلیف ہو تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے''۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا۔

''اگر ایک عضو کو تکلیف ہو تو تمام بدن میں بیداری اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے''۔

اسلام تمام مسلمانوں کو باہمی اتفاق و اتحاد اور اخوت و یکجہتی سے رہنے کی تلقین کرتا ہے اسی اصول پر ملت اسلامیہ کی عمارت کھڑی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اور سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالنا اور خدا کو یاد کرو جب تک تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی تھی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا''۔ (آل عمران: ۱۰۳)

ایک اور جگہ فرمایا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰)

ترجمہ: ''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں''۔

اقبال اس کا پرچار اس طرح کرتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

ہم شاید اس اتحاد و اتفاق کے شاندار مظاہرے کو بھول گئے ہیں جس کا اظہار بدر کے میدان میں ہوا تھا۔ تین سو تیرہ افراد نے جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اپنے سے تین گنا بڑے دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا وہ ہماری درخشندہ روایات کا روشن باب ہے آج بھی فضائے بدر پیدا ہوسکتی ہے لیکن ضرورت اتفاق اتحاد اور یقین محکم کی۔

آج امت مسلمہ کا بین الاقوامی سیاست میں کردار اور اثر و رسوخ نہ ہونے کے برابر ہے پچاس سے زائد اسلامی ممالک اور ایک ارب سے زیادہ آبادی ہونے کے باوجود ہم اقوام متحدہ میں ویٹو پاور حاصل نہیں کر سکے اور اپنے معاملات کے حل کے لیے دوسروں کے رحم و کرم پر ہیں اور یوں مخصوص مفادات کی حامل سپر طاقتیں اپنے اپنے مذموم مقاصد کے لیے مسلمان ممالک کو گمراہ کر رہی ہیں اور ان کے استحصال کر رہی ہیں اور مسلمان ہیں کہ پس رہے ہیں یہ تو غیروں کی بات ہے لیکن عرب لیگ اور OIC میں بھی وہ جوش خروش اور دم خم نہیں جو یورپی یونین جیسی بین الاقوامی تنظیموں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ یہ تنظیمیں اپنے اندرونی معاملات بھی سلجھانے میں ناکام رہی ہیں اور اس سلسلے میں بھی دوسروں کے دست نگر ہیں۔ جب صورت حال یہ ہو تو من حیث القوم امت کا تصور مجروح ہوا ہے آپس کی نااتفاقی اور اتحاد ملی کے فقدان نے ملت واحدہ کے تصور کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''یعنی آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی''۔(انفال:۴۶)

بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ:

''جو شخص اپنی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور اسی حالت میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا یعنی کافروں کی سی موت پائی''۔

اسی بات کو اقبال نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

گزشتہ کچھ سالوں سے ہماری قوم گھسٹ گھسٹ کر اسلامی بھائی چارے کے مقام اخوات سے گر کر طبقاتی نفرت کے قریب آ پہنچی ہے یہ ایک ایسی دلدل ہے جس سے قتل و خون کا بازار گرم ہوتا ہے۔ محاذ آرائی مذہبی منافرت اور رویوں میں انتہا پسندی عام ہے ہر شخص اپنی بات کو ہی حرف آخر سمجھے بیٹھا ہے اپنے اپنے نظریے پر پوری شدت کے ساتھ جمے ہوئے ہیں کسی دوسرے کی تنقید برداشت کرنے کا یارا نہیں اپنے مکتبہ فکر کے لوگوں کو ہی درست پاتے ہیں اور دوسرے مکاتب فکر کو نہ صرف پسند نہیں کرتے بلکہ انہیں غلط بھی قرار دیتے ہیں کسی معمولی سے اختلافی مسئلے کی بنیاد پر ایک دوسرے

کے خلاف محاذ کھڑا کر لینا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ فرقہ واریت اور اس تعصب نے ہماری قومی اقدار کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ حضور ﷺ کی وسیع النظری اور وسعت قلب سے رہنمائی حاصل کریں جو اپنوں کے علاوہ غیر مسلموں سے بھی بڑی بردباری اور تحمل سے پیش آتے تھے۔ فرقہ واریت، شخصیت پرستی کی اندھی تقلید اور ہیرو ازم کے تصور نے ہماری ملی اساس کو کھوکھلا کر دیا ہے بیرونی محاذ پر طاغوتی اور لادینی قوتوں اور اندرونی طور پر نام نہاد مذہبی تنظیموں نے ہماری اسلامی ساکھ کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہمارے نوجوان طبقہ کو بالخصوص اور عوام الناس کو بالعموم ایک اشتعال پسند، پرتشدد اور جذباتی قوم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انتہا پسندانہ سوچ ایک اعتدال پسند اور روشن خیال معاشرے کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی ہے۔ اسلام کی مسلمہ روشن تعلیمات کو پس پشت ڈال کر قوم ایک دقیانوس اور پسماندہ ذہن والی قوم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

دنیا میں دہشت گردی کی لہر نے ہماری دنیا اور بالخصوص مسلم ممالک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ دہشت گرد اپنے مرموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں اس سے نہ صرف قیمتی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات قومی املاک کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ ہر دہشت گرد واقعہ کے بعد خوف و ہراس کی ایک لہر تمام دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد بالخصوص ساری دنیا دہشت گردی کا قلعہ قمع کرنے کا عزم بالجزم کیے ہوئے ہے۔ لیکن مسلم امہ کے لیے سب سے بڑی تشویش ناک بات بن گئی ہے کہ ہر دہشت گردی کے واقعہ کو اسلام اور مسلمانوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے اور یوں بیرونی دنیا میں مسلم امہ کو ایک دہشت گرد شدت پسند اور انتہا پسند قوم کے طور پر جانا لگا ہے۔

ہنود و یہود نے مل کر ایسی پلاننگ کی ہوئی ہے کہ دہشت گردی کے واقعات تواتر کے ساتھ رونما ہو رہے ہیں اور یوں مسلمانوں کا ان واقعات سے تعلق جوڑ کر انہیں بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جا رہا طاغوتی قوتیں ہر دہشت گرد واقعے کے بعد بہانہ بنا کر کسی اسلامی ملک پر چڑھ دوڑتی ہیں اور اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کر رہی ہیں۔ مسلم دنیا کو اس کا موثر حل ڈھونڈنا ہوگا۔ پاکستان نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور دہشت گرد عناصر کی بیخ کنی میں موثر اور بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس سے بیرونی دنیا میں مسلم امہ کے بارے میں جاری غلط تاثر کو ضائع کرنے میں کافی مدد ملی ہے۔

پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم میں فرنٹ لائن اسٹیٹ کی حیثیت سے جہاں القاعدہ کی ایک ادارے کی حیثیت کو ختم کیا ہے اور لندن سے امریکہ جانے والی پروازوں کو تباہ کرنے کی سازش سمیت متعدد خطرناک منصوبوں کو ناکام بنایا ہے وہاں اس کا یہ موقف بھی واضح ہے کہ دہشتگردی کا خاتمہ صرف فوجی کارروائیوں سے ممکن نہیں اس مقصد کے لیے دہشت گردی کے بنیادی اسباب اور وجوہ کے خاتمے پر توجہ دی جانی چاہیے یہ دیکھا جانا چاہیے کہ آخر دہشت گرد عناصر ترقی یافتہ جمہوری معاشروں میں پڑھے لکھے نوجوانوں کو کیسے بھرتی کر رہے ہیں جیسے حالیہ لندن ٹرین بم دھماکوں میں ملوث افراد برطانیہ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل تھے۔ اس کی واضح وجوہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مسلم دنیا میں پرانے تنازعات کو سنگین بنایا ہے اور نئی فوجی مداخلتوں سے محرومی اور ناانصافی کا گہرا احساس پیدا کیا ہے۔ ہر نئے محاذ

نے کسی اسلامی مملکت کو دہشت گردی اور انتہا پسندی کے پھلنے پھولنے کا مرکز بنا دیا ہے۔ بے پناہ بمباری شہریوں کی ہلاکتوں تشدد انسانی حقوق کی پامالی، نسلی امتیاز، ترقی پذیر اقوام کے وسائل پر قبضے کرنے کی پالیسیوں نے دہشت گردی کو شکست دینے کے کام کو مشکل بنا دیا ہے۔ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند سوچ ہی اس صورت حال کو بہتر بنا سکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تنازعات کو بھی طے کیا جانا چاہیے جو مختلف خطوں بالخصوص اسلامی دنیا کو متاثر کر رہے ہیں۔ جب تک مسلم عوام پر غیر ملکی تسلط اور جبر کو ختم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک دہشت گرد اور انتہا پسند عناصر کے ہاتھوں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کو بھرتی کرنے کا رجحان جاری رہے گا۔ لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ چند افراد کی کارروائی کو پوری مسلم قوم پر تھوپ دینا ناانصافی ہے۔ مسلمان قوم نے ہمیشہ دہشت گردی کی مذمت کی ہے اور انتقام لینے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد پاک ہے کہ جس نے ناحق ایک بھی انسان کو قتل کیا گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے سارے خون کالعدم قرار دے دیئے اور انتقامی رویے کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی کیونکہ انتقامی جذبہ ہی تشدد پسند رویہ کو پروان چڑھاتا ہے اور یہی رویے آگے چل کر منظم دہشت گردی کا باعث بنتے ہیں مومن مسلمان کبھی تنگ نظر، شدت پسند، غصہ ور اور آتش مزاج نہیں ہو سکتا۔ دلنوازی ایک اعتدال پسند مسلمان کی شان ہے ''ایمان تحمل اور فراخ دلی کا نام ہے اور ''مومن'' وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کا کوئی خطرہ نہ ہو''۔

حضور ﷺ کی انقلاب آفریں تعلیمات نفرتوں اور شدت پسندی کو ترک کر کے ایک پرسکون معاشرہ کی تشکیل کرتی ہیں۔ محبت، امن، صلح جوئی، اعتدال پسندی، روشن خیالی، رواداری، بردباری، اسلامی بھائی چارے، فرقہ واریت کی نفی اور غیر مسلموں سے بھی اچھا برتاؤ، رویوں میں انتہا پسندی کی بجائے اعتدال پسندی اور فکر ونظر میں روشن خیالی جیسے سنہری اصولوں کا درس ہمیں سیرت طیبہ سے ملتا ہے۔

مسلم امہ کو درپیش چیلنجز میں سے ایک چیلنج مغربی دنیا کی طرف سے معاندانہ نسلی اور مذہبی امتیاز کا ہے اسلام کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ بن ہونا چاہیے اور اس خلیج کو مکالے اور مفاہمت سے پر کرنا چاہیے۔ یہ بڑی افسوس ناک صورت حال ہے کہ بڑی بڑی شخصیات اہم لمحات میں بھی مسلمانوں کی حساسیت سے بے خبر ہیں مغربی ملکوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ رویے کا اظہار اگرچہ بعض گروپوں اور تنظیموں کی سرگرمیوں کی صورت میں تواتر کے ساتھ جاری رہا ہے لیکن سوویت یونین کے زوال کے بعد جب نیٹو کے سیکرٹری جنرل نے اپنی پالیسی بیان میں اسلام کو دشمن قرار دیا تو اس کے بعد بوسنیا اور کوسووا میں مسلمانوں کی نسل کشی کے ایسے ہولناک واقعات ہوئے جن کی روک تھام کے لیے خود نیٹو فورسز کو حرکت میں آنا پڑا۔ ٹی وی چینلوں پر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی، انٹرنیٹ پر مسلمانوں کے مقدس مقامات کے بارے میں بدترین عزائم کے اظہار اور پھر ۹/۱۱ کے واقعات کے بعد مساجد اور مسلمانوں پر حملوں اہم مغربی شخصیات کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں نازیبا الفاظ کا استعمال اور توہین آمیز کارٹونوں کی اشاعت سمیت اسلامی دنیا کے جذبات مجروح کرنے کے واقعات سے بلاشبہ ایسے شکوک جنم لے رہے ہیں جنہیں دور کرنے اور تہذیبوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے اوپر جن رویوں کی بات ہوئی اسلامی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضور ﷺ کی پوری زندگی محبت و آشتی

کے جذبات سے لبریز تھی۔ اپنے تو اپنے آپ ﷺ غیر مسلموں سے بھی بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کے عقائد کا پورا احترام کرتے تھے۔ مذہبی رواداری میں آپ ﷺ کو کوئی ثانی نہیں ''کفار ثقیف'' جنہوں نے طائف کے سفر میں آپ ﷺ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا ۹ ہجری میں وفد لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی ﷺ میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ اسی طرح آپ ﷺ اپنے یہودی ہمسائیوں سے حسن سلوک سے پیش آتے ان کے ہدیے قبول فرماتے۔ ''حبشہ'' سے آنے والے عیسائیوں کو نبی ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا خود ان کی خدمت کی۔

یہی رویہ ''نجران'' کے عیسائیوں کے ساتھ بھی کیا۔ انہوں نے مسجد نبوی میں عبادت بھی کی۔ جب ان لوگوں نے حضور ﷺ سے اپنے عقائد کے بارے میں بحث کی تو حضور ﷺ نے بڑی بردباری اور اخلاق سے جواب دیئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مصر میں ایک مسجد کو وسعت دینے کے لیے ایک غیر مسلم عورت کے مکان کو مسجد میں شامل کیا گیا اس نے شکایت کی۔ مسلمانوں نے مسجد کو مسمار کر کے اس عورت کو اس کا گھر واپس کر دیا کیونکہ وہ قیمتاً بھی یہ جگہ دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو آپ نے بیت المقدس کے گرجے میں اس لیے نماز ادا نہ کی کہ عیسائی یہ نہ سمجھیں کہ آپؓ وہاں نماز پڑھ کر اپنی ملکیت ظاہر کر رہے ہیں۔

آج طاغوتی قوتیں جہاد کے مطلب کو غلط انداز میں پیش کر رہی ہیں اور مسلمانوں پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ جہاد کی آڑ میں مسلمان غیر مسلموں کو کافر قرار دے کر ان کے قتال کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام ایک امن پسند مذہب نہیں بلکہ اس کے پیروکار جنگجویانہ ذہن رکھنے والی قوم ہیں۔ ابھی حال ہی میں عیسائی دنیا کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا ''پوپ بینڈکٹ'' نے ''ویٹی کن سٹی'' سے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ''اسلام تلوار سے پھیلا ہے'' اس پر اسلامی دنیا میں شدید احتجاج ہوا اور انہیں اپنا بیان واپس لینا پڑا اگر عیسائی دنیا کے سب سے بڑے روحانی پیشوا اس انداز میں سوچتے ہیں تو عام آدمی کا کیا حال ہوگا؟ اسلام کے خلاف اس متعصب رویے کی وجہ کیا ہے؟ اہل مغرب اسلام کے بارے میں اس طرح کیوں سوچتے ہیں؟ اس بارے میں فرانس کا مشہور مصنف ''ہنری دی کاستری'' یوں بیان کرتا ہے۔

> ''وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرون وسطیٰ میں رائج تھے ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں'' (۳)

معروف دانشور اور محقق ''جارج برنارڈ شاہ (George Bernard Shaw)'' لکھتا ہے:

> ''ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت و تعصب کی وجہ سے اسلام کی نہایت بھیانک تصویر پیش کی۔ انہوں نے محمد ﷺ اور دین اسلام کے خلاف منظم تحریک چلائی یہ سب راہب اور منصف غلط کار تھے کیونکہ محمد ﷺ ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ تھے''۔ (۴)

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے بارے میں اس منفی سوچ کو موثر انداز میں تحریک کے ذریعے مثبت سوچ میں بدلنا چاہیے اور اسلام کا صحیح چہرہ اہل مغرب کے سامنے رکھنا چاہیے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام جہاد جنگ اور امن کے بارے میں کیا فلسفہ رکھتا ہے جس کے بارے میں مغربی دنیا زہریلا پروپیگنڈہ کرتی رہتی ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دنیا کا امن تہہ و بالا کیا جائے بلکہ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک، حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک، حضرت موسیٰؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک اور حضرت عیسیٰؑ سے حضرت محمد ﷺ تک ہر پیغمبر نے محبت، صلح جوئی اور امن و بھائی چارے کا پیغام دیا اور اپنے پیروکاروں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ وہ انسانوں کو صفحہ ہستی سے مٹائے۔ ارشاد ربانی ہے:

''ترجمہ: اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ (البقرہ:۱۹۱)

ایک اور جگہ فرمایا:

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا۔ اس نے گویا تمام انسانوں کا قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا انسانوں کو زندگی بخش دی''۔

ہر مذہب امن و محبت کا داعی ہے کوئی بھی مذہب بشمول اسلام انسانیت کا بلاوجہ قتال نہیں چاہتا یہ محض پروپیگنڈہ ہے کہ اسلام جنگ و جدال کا مذہب ہے یہ امن کا داعی ہے اس کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں جہاد محض ظلم کو روکنے کے لیے ہے اور یہ درج ذیل صورتوں میں جائز ہے۔

۱۔ کوئی دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو۔

۲۔ کوئی اہل اسلام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے۔

۳۔ کوئی دشمن لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے سے روکے یا دین و مذہب پر پابندیاں عائد کرے چاہے یہ پابندیاں اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا پر ہی کیوں نہ ہوں۔

۴۔ دشمن فتنہ فساد پیدا کرے۔

مندرجہ بالا نکات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ جہاد کا اصل مفہوم کیا ہے اور مغربی دنیا جہاد کے مفہوم کو کس طرح اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی اور تعلیمات سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ آپ ﷺ امن کے داعی اور جنگ و جدل کے خلاف تھے اسلامی دور تو کجا آپ ﷺ عہد جاہلیت میں بھی رواداری امن صلح جوئی اور اعتدال پسندی کے قائل تھے۔

''حرب فجار'' جو قریش اور قیس قبیلہ میں ہوئی کے خاتمہ کے کچھ عرصہ بعد قریش کے تمام قبائل نے آپس میں عہد کیا کہ آئندہ جنگ نہ کریں گے چاہے وہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں تاریخ میں اس معاہدہ امن کو ''حلف الفضول'' کے نام

سے جانا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اس تاریخی معاہدے میں شرکت کی اور اس کو اس قدر پسند فرمایا کہ عہد نبوت میں بھی اس معاہدے پر فخر کرتے تھے۔ درحقیقت عرب کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا معاہدہ امن و سلامتی تھا جس کی رو سے برسوں کے دشمن مل کر کام کرنے لگے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:

''اگر اس معاہدے کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی نہ لیتا اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو اس میں شرکت کے لیے تیار ہوں''(۴)

حضور ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جس کی بنیادیں اتحاد باہمی تعاون اور صلح و آشتی پر استوار کی گئیں۔ آپ ﷺ نے ابتدائی ایام میں مدینہ کے قبائل اور یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اسی اسلامی فلسفہ صلح جوئی باہمی تعلقات اور اعتدال پسند رویے کا عکاس تھا۔ اس کی شق کے الفاظ یہ تھے ''شرکائے معاہدہ کے آپس کے تعلقات خیر خواہی خیر سگالی اور نیکی پر مبنی ہوں گے۔ اسی طرح کا ایک معاہدہ ''نجران'' کے عیسائیوں اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان بھی ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدوں میں ''اہل اعانات'' ''اہل حیرہ'' اور ''اہل ایلیا'' سے معاہدات امن ہوئے حضرت عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ فتح کیا تو اہل شہر سے معاہدہ ہوا جو اپنے اندر محبت و امن اور بھائی چارے کا بحر بیکراں لیے ہوئے ہے۔ اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔

''تمہاری جان، مال، مذہب، گرجا، صلیب، عزت، بحر و بر غرض ہر چیز کی امان دیتا ہوں ان چیزوں میں کسی قسم کی مداخلت اور کمی بیشی نہ کی جائے گی''۔

اب آئیں ذرا اسلام کا جنگ میں طرز عمل دیکھیں اور اس کا موازنہ طاغوتی قوتوں کے بیان کردہ تصور سے کریں۔ فاتح جب کسی ملک میں داخل ہوئے ہیں تو خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنا کر جذبہ انتقام کی تسکین کرتے ہیں لیکن دنیا نے فاتح مکہ کا بھی نظارہ کیا جس نے رواداری اور عفوو درگزر کی ناقابل یقین مثالیں قائم کیں۔ جنگ افعال انسانی کا بدترین منظر ہوتا ہے اور عرب کی جنگ تو سفاکی بیدردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ ہوئی لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس انسانی فرض بن گئی۔ آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو جو احکام دیئے جاتے ان میں یہ ایک لازمی حکم ہوتا ابو داؤد میں یہ حکم ان الفاظ میں مذکور ہے۔

لا تقتلوا شیخاً فانیاً و لا طفلاً و لا صغیراً و لا امراء اۃ.

''کسی کہن سال کو، بچے کو کمسن کو، عورت کو قتل نہ کرو''۔

فتح مکہ کے موقع پر دشمنان اسلام جب مفتوح و مغلوب ہو کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے تو آپ ؐ نے ان سے پوچھا آپ کو مجھ سے کس سلوک کی توقع ہے؟ مفتوح دشمن نے کہا: ''آپ کریم ابن کریم ہیں'' یہ کون لوگ تھے یہ وہ لوگ تھے جو حضور اکرم ﷺ کی جان کے دشمن تھے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلامی تحریک کے سارے دور میں صرف مزاحمت اور مخالفت کا کردار ادا کیا تھا۔ آپ ﷺ کے راستے میں قدم قدم پر کانٹے بچھائے تھے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ

کے ساتھیوں کو اذیتیں دی تھیں۔ مدینے میں ہجرت کے بعد بھی آپ ﷺ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا تھا۔ مدینے پر بار بار حملہ آور ہوئے تھے۔ جنگ احد اور جنگ احزاب برپا کی تھیں ہجرت حبشہ تک میں پیچھا کیا تھا اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو پریشان کیا تھا۔ اب وہ سارے کے سارے آپ ﷺ کے سامنے مغلوب ہو کر کھڑے تھے ان میں ''ہندہ'' جگر خوار بھی تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ ان میں قاتل ''وحشی'' بھی تھا جس نے اپنے نیزے سے آپ ﷺ کے چچا کو شہید کیا تھا ان میں سینکڑوں ہی دشمنان اسلام موجود تھے جن کی گزشتہ بیس سال کی دشمنی کی خونچکاں تاریخ سامنے تھی اور آپ ﷺ سب سے بدلے چکانے پر قادر تھے لیکن آپ تو رحمۃ اللعالمین تھے آپ ﷺ نے ہی فتح مکہ کے وقت راستوں سے شہر میں داخل ہونے والے اپنے فوجی دستوں کو یہ ہدایات دی تھیں کہ:

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۲۔ جو شخص خانہ کعبہ کے اندر چلا جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۳۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۴۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۵۔ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پہنچ جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔
۶۔ جو شخص بھاگ جائے اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔
۷۔ جو شخص زخمی ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

ان ساری فیاضیوں کے بعد جب قریش کا مجمع حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا جاؤ آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ **لا تثریب علیکم الیوم**......... آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے آج تم سب آزاد ہو بالآخر آپ کا یہ فیاضانہ طرز عمل اسلام کے جنگی قانون کی اہم دفعہ بن گیا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ جنگ و جدل میں بے جا اور بے محابا خون ریزی سے گریز کیا اور انسانی جانوں کا احترام آخری دم تک کیا(۷)

لیکن اس کے برعکس یورپی ممالک کا طرز عمل معاندانہ ہے یورپین سلطنتیں جب مسلمانوں کو لڑائیوں میں گرفتار کرتی تھیں تو ان سے جانوروں کی طرح کام لیتی تھیں۔ ''علامہ ابن جبیر جبین'' ''حروب صلیبیہ'' کے زمانے میں سسلی سے گزرے ہیں تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے چنانچہ لکھتے ہیں۔

> ''ترجمہ: اور منجملہ ان درد انگیز حالات کے جو ان شہروں میں نظر آتے ہیں اسیران اسلام ہیں جو بیڑیاں پہنے نظر آتے ہیں اور جن سے سخت محنت شاقہ لی جاتی ہے اور اسی طرح مسلمان عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام کرتی ہیں جن کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے''۔(۸)

لیکن اس کے برعکس رحمۃ اللعالمین نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید کی کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے

پائے۔ اسیران بدر کو جب آپ ﷺ نے صحابہؓ کے حوالے کیا تو تاکید کی کہ کھانے کی تکلیف نہ ہو وہ خود تو کھجوریں کھا لیتے لیکن قیدیوں کو کھانا کھلاتے۔ حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہوئی تو نہ صرف اس کا ہر طرح سے خیال رکھا بلکہ اسے یمن روانہ کرنے کا مکمل بندوبست کیا لیکن اس کے برعکس مسلمانوں پر تنقید کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اسلام میں کسی ''گوانتانا موبے'' جیل کا تصور تک بھی نہیں ملتا۔

آج امت مسلمہ گوناگوں مسائل کا شکار ہے منشیات کا استعمال جس طرح معاشرے میں سرایت کر گیا ہے اس نے تمام اہل دانش کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ شراب، ہیروئن، افیون اور دوسری نشہ آور اشیاء نے نوجوان نسل کو تباہ و برباد کر دیا ہے کیونکہ اس میں مبتلا ہو کر انسان نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا لیکن اسلام نے صدیوں پہلے اس کا ادراک کرتے ہوئے اس کے مضر اثرات کو محسوس کر لیا اور حکم دیا کہ:

''مسلمانو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔(المائدہ:۵۰)

اگر آج بھی ہم نے معاشرے کو مکمل تباہی سے بچانا ہے تو اس اسوہ پر عمل کرنا ہوگا جو حضور ﷺ نے دیا تھا۔ اکیسویں صدی میں غربت و افلاس، بھوک، بے روزگاری، اقتصادی، عدم توازن اور چھوٹے چھوٹے سیاسی تنازعات امت مسلمہ کو جھنجوڑ رہے ہیں لیکن ہم ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ ہم غربت کی چکی میں پس رہے ہیں، قرضوں کے بوجھ نے ہماری کمر ٹیڑھی کر دی ہے ہمارا تابناک ماضی، ہمارے حال کی بے بسی پر ماتم کر رہا ہے۔ تیل کے ذخائر سے مالا مال قوم قدرتی وسائل کی بے انتہا فروانی لیکن وائے افسوس کہ یہ بھی غیر ملکی کمپنیوں کے قبضہ میں اور ہم خالی ہاتھ ان کو لوٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

دنیا میں ازل سے ایک طرف اہل ثروت اور امیر طبقہ ہے جو اپنی تمام تر عیاشیوں کے ساتھ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں اور دوسری طرف پسے ہوئے غریب مزدور اور مفلس افراد ہیں جن کی مفلسی پر انسانیت بھی شرما جاتی ہے۔ غریب کے کھانے کے لیے سوکھے ٹکڑے اور ننگے بدن کو ڈھانپنے کے لیے چیتھڑے بھی نہیں لیکن اہل ثروت اپنی دولت کے نشے میں مست ہیں اس کے ساتھ ساتھ مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ جاری ہے اور دونوں اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے کوشاں ہیں سوشلزم، کمیونزم، انارکزم اور بالشوزم کے طوفان ہر جگہ اٹھ رہے ہیں اور دنیا میں معاشی ناہمواری ختم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی جا رہی ہے لیکن اس پلاننگ کی دائمی کامیابی مشکوک نظر آتی ہے انہی مسائل سے مسلم ممالک بھی دوچار ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے دنیا کی اس مشکل کا اندازہ کر لیا تھا اور اس نے اسی کے حل کرنے کے لیے یہ اصول مقرر کر دیا کہ ذاتی و شخصی ملکیت کے جواز کے ساتھ جس کی انسانی فطرت متقاضی ہے دولت و سرمایہ کو چند اشخاص کے ہاتھوں میں جانے سے روکا جائے۔ سود کو حرام قرار دیا، متروکہ جائیداد کو صرف ایک ہی شخص کی ملکیت قرار نہیں دیا۔ نفع عام کی چیزیں اشخاص کے بجائے جماعت کی ملکیت قرار دیں قیصریت اور شہنشاہیت کی بجائے جماعت کی حکومت قائم کی زمینداری کا پرانا اصول جس میں کاشتکار غلام کی حیثیت رکھتا تھا بدل یا اور اس کی حیثیت اجیر اور مزدور کی رکھی۔ انسانی فطرت کے

خلاف یہ نہیں کہ سرمایہ کو لے کر تمام انسانوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے تا کہ دنیا میں کوئی ننگا اور بھوکا نہ رہے بلکہ یہ کیا کہ ہر سرمایہ دار پر جس کے پاس سال کے مصارف کے بعد مقررہ رقم باقی بچ جائے اس کے غریب بھائیوں کی امداد کے لیے ایک سالانہ رقم قانونی طور سے مقرر کر دیتا کہ وہ اس کے ادا کرنے پر مجبور ہو اور جماعت کا فرض قرار دیا کہ وہ اس رقم سے قابل اعانت لوگوں کی دستگیری کرے یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر اسلام کے تمدن کا دور اس قسم کی اقتصادی مصیبتوں سے محفوظ رہا اور آج بھی اگر اسلامی ممالک میں اس پر عملدرآمد ہو تو یہ فتنے زمین کے اتنے رقبہ میں جتنے میں محمد رسول اللہ ﷺ کی روحانی حکومت ہے پیدا نہیں ہو سکتے۔(۹)

سودی نظام نے آج ہر ملک کو اپنے پنجہ استبداد میں لیا ہوا ہے امیر، امیر سے امیر تر اور غریب، غریب سے غریب تر ہوتا جا رہا ہے سرمایہ دار تو اس نظام کی بدولت اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں انسانی سسک رہی ہے لیکن یہ آخری قطرہ خون بھی چوس لینے کے درپے ہیں۔ یہ ایک ایسی دلدل ہے کہ جو اس میں ایک بار پھنس گیا اس کا نکلنا محال ہے۔ سودی نظام نے انسانوں کو انسانوں کا نسل در نسل غلام بنا کر رکھ دیا۔ ورلڈ بنک IMF اور نہ جانے کتنے ادارے سود کاروبار سے تمام دنیا پر اپنے خونی پنجے گاڑ چکے ہیں اور ان کا معاشی استحصال کر رہے ہیں۔ لیکن اسلام کا معاشی نظام ان تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ حضور ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے سود کو مکمل طور پر حرام قرار دیا۔ سود کے پیسے لینے اور اس کا کاروبار کرنے والوں کو سخت سزا کی وعید سنائی۔ حضرت عباسؓ جو حضور ﷺ کے چچا تھے اور اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں پر آپ کا سود تھا لیکن آپ ﷺ نے حجۃ الوداع پر اس کاروبار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور اس فرض کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کیا۔

ترجمہ: ''جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔''(صحیح مسلم و ابوداؤد)

آج بھی اگر ہم ان تعلیمات پر صدق دل سے عمل کریں تو معاشرے سے معاشی ناہمواری کو ختم کیا جا سکتا ہے اور اس معاشی استحصال کو ختم کیا جا سکتا ہے جو معاشرے کو ناسور کی طرح چاٹ رہا ہے۔ انسانی حقوق کی بات ہو یا معاشرتی عدل و انصاف اسلامی تعلیمات ہر جگہ موجود ہیں ضرورت ان کو سمجھنے اور مثبت سوچ اپنانے کی ہے آج ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ:

''کنگ جان کا میگنا کارٹا (شہری آزادیوں کا منشور) ۱۹۴۵ء کا اٹلانٹک چارٹر اور اقوام متحدہ کا منشور ''حقیقت میں حضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع سے ماخوذ ہیں لیکن افسوس کے ہمیں ہی ان باتوں سے عاری قوم سمجھا جا رہا ہے''۔

ایک اہم مسئلہ جس سے امت مسلمہ دوچار ہے وہ قیادت کا فقدان اور ایک مرکزی خلافت کا نہ ہونا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مسلمان ایک پرچم تلے اکٹھے ہونے کی بجائے الگ الگ اپنی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کسی بھی بیرونی یلغار کی صورت میں مسلم درد کی ٹھیس تو محسوس کرتی ہے لیکن اس کے خلاف کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنے سے قاصر

نظر آتی ہے۔ حضورؐ کے دور نبوت خلفائے راشدینؓ کے ادوار اور اس کے بعد کچھ عرصہ تک مسلمان ایک مرکز کے تحت رہے اور ایک مربوط مرکزی خلافت کی وجہ سے دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا۔ دنیا کے تمام محقق اور مفکرین آج بھی حیران و ششدر ہیں کہ وہ کونسی مقناطیسی قوت تھی جس نے مسلمانوں کو ایک ملت کی شکل دی اور نہایت قلیل عرصے میں وہ ساری دنیا پر چھا گئے۔ دنیا کو گمراہی اور تاریکی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر اشد ہدایت کے دریچے ان پر وہ کیے۔ معاشرتی انصاف، عدل و انصاف، تہذیب وتمدن، جنگی آداب، مذہبی رواداری، اخوت، بھائی چارہ دوسری حکومتوں سے تعلقات غرض ہر چیز میں انہوں نے رہنما کا کردار ادا کیا۔

لیکن انسان کو انسانیت کا درجہ دینے والے، انصاف کی خاطر چوری کرنے پر اپنی بیٹی کا بھی ہاتھ کاٹنے کا جذبہ رکھنے والے، عربی اور عجمی، کالے اور گورے، نسلی تعصّبات ختم کرنے اپنے راستے میں کانٹے بچھانے والوں کو دعائیں دینے والے، دنیا کے سب سے منفرد فاتح مکہ، اپنی کمر پر آٹے کی بوریاں لاد کر بیوہ عورتوں کے گھر پہنچانے والے، میری حکومت میں اگر دریائے دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو قیامت والے دن اس کا حساب بھی دینا پڑے گا۔ ایسی سوچ رکھنے والے، بیواؤں اور یتیموں کو لوٹنے والوں کی سرکوبی کے لیے محمد بن قاسم کو بھیجنے والی عظمی اور برگزیدہ ہستیوں کے جان لیوا آج ''مسلمان'' کہلاتے ہوئے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ مغربی میڈیا نے گویا اسلام کے خلاف ایک یلغار شروع کی ہوئی ہے اور مسلمانوں کی بے عزتی کرنے، دین کے چہرے کو مسخ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے رہے اس زہریلے پروپیگنڈے کا پرچار میڈیا پر بڑے تواتر سے جاری ہے کہ:

۱- اسلام عصری تقاضوں سے ناآشنا ہے اور اس میں جدید دور کی ضروریات کا کماحقہ احاطہ نہیں ہے۔

۲- اسلام میں عورت کی گواہی آدھی ہے اور اس کو چار دیواری کے اندر مقید کر دیا گیا اور یوں اس کی آزادی کو سلب کر لیا گیا ہے۔

۳- علمی لحاظ سے پسماندہ قوم ہے۔

۴- ان کا طرز معاشرت غیر شائستہ ہے۔

۵- مسلمان قدامت پسند، تشدد پسند، دہشت پسند، انتہا پسند اور جنگ جویانہ ذہن رکھنے والی قوم ہے۔

۶- سیکولر خیالات کی ترویج کی جارہی ہے۔ داڑھی مبارک جو سنت نبویؐ ہے کو دہشت گردی کی علامت تصور کیا جانے لگا ہے اور اہل مغرب کی نظر میں ہر وہ شخص جو داڑھی مبارک رکھے ہوئے ہے دہشت گرد مانا جاتا ہے۔ داڑھی کو بڑا ہی معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔

۷- عورت کے پردے کو انتہا پسندی سے تشبیہ دی جارہی ہے۔

۸- جہاد کی غلط انداز میں تشریح کی جارہی ہے اور ایک ظالمانہ فعل قرار دیا جارہا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کافروں کو مارنے کے لیے ہے۔

۹- ہر شدت پسند تحریک کو اسلام اور مسلمانوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی بھی

افسوسناک واقعہ ہو جائے اس کی کڑیاں اسلام اور مسلمانوں سے ملا کر انہیں ذمہ دار اور بدنام کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا۔

۱۰- مدرسے جو علم وفضل کے مراکز ہیں اور دنیا کا سب سے بڑا فلاحی نیٹ ورک ہیں جہاں تعلیم مفت اور رہائش کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور فرزندان توحید اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے یہاں آتے ہیں کو بھی دہشت گردی کے مرکز قرار دیا جا رہا ہے اور یہ زہریلا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ یہ مدرسے دہشت گردی کی تعلیم دیتے ہیں۔

۱۱- تمام بین الاقوامی میڈیا پر یہودی اور عیسائی چھائے ہوئے ہیں اور یہاں مسلمانوں کے خلاف نسلی تعصب اور رنگ ونسل کے تقاضر کو بڑے بھیانک انداز میں ابھارا جا رہا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ غیر مسلموں کی ان تخریبی سرگرمیوں اور زہریلے پروپیگنڈے کا جواب دینے کے لیے ایک موثر ٹیلی ویژن چینل اور ایک معلومات کے تبادلے کا نیٹ ورک قائم کریں تاکہ یہود و نصاریٰ کی منفی سرگرمیوں کی بیخ کنی کی جا سکے اور اس کا موثر جواب دیا جا سکے یہ تصویر کا ایک رخ ہے آیئے ان الزامات کا جواب مغربی مفکرین کی تحریروں میں ڈھونڈتے ہیں۔ ہفت روزہ اخبار ''ٹائم'' کی ۱۵ر جولائی ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں ''تاریخ کے عظیم رہنما کون کون تھے'' کے موضوع پر مختلف تاریخ دانوں مصنفین فوجی ماہرین، کاروباری افراد اور دوسرے لوگوں کی آراء پر مبنی انتخاب شائع ہوا۔ بعض کے بقول یہ ہٹلر تھا بعض نے گاندھی، مہاتما بدھ سکن اور ون جیسے دوسرے لوگوں کا نام لیا۔

لیکن امریکہ کے ایک ماہر تحلیل نفسی جیولز میسر مین (Jules Messer Man) نے بے لاگ معیار پیش کیے جن میں پرکھ کے لیے صحیح پیمانے مقرر کیے گئے تھے اس نے کہا لیڈروں کو تین فرائض منصبی کی تکمیل کرنا چاہیے۔

۱- پیروؤں کی فلاح و بہبود کا اہتمام کرے۔

۲- ایک معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل کا اہتمام کرے جس میں وہ اپنے آپ کو نسبتاً محفوظ سمجھیں۔

۳- اور ان کے لیے عقائد کا ایک مجموعہ مہیا کرے۔

مذکورہ بالا تین معیاروں سے وہ تاریخ کو کھنگالتا ہے اور ہٹلر، لوئی پاسچر، سیزر، موسیٰ، کنفیوشس اور بہت سے اور بہت سے دوسروں کا تجزیہ کرتا ہے۔ ''پاسچر اور سالک جیسے لوگ پہلی قسم کے لیڈر ہیں'' ''ایک طرف گاندھی کنفیوشس دوسری طرف سکندر اور سیزر کا شمار دوسری قسم اور شاید تیسری قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے'' ''مسیح اور بدھ صرف تیسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں'' اور آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے۔ ''تمام زمانوں کے عظیم ترین رہنما شاید (حضرت) محمد ﷺ تھے جنہوں نے تینوں فرائض کو اکٹھا کر دیا'' ایک معروف سکالر اور محقق ''جی ہگز'' لکھتا ہے۔ ''کہاں ہیں وہ یورپ، آرچ، بشپ آف کنٹربری اور کونسلز آف کانووکیشن، اسقف، پادری اور مسیحی قوانین بنانے والے۔ جنہوں نے افریقہ میں غلامی کی اجازت دی، جنہوں نے حبشیوں کو غلام بنانا مذہب کے مطابق قرار دیا۔

آج ان کا کوئی نام نہیں جانتا وہ تاریخ کی گرد میں لپٹے گمنامی کی نیند سو رہے ہیں کوئی محقق یا مورخ، ان کا نام گرد جھاڑ کر تلاش بھی کرتا ہے تو صرف اس لیے کہ وہ انہیں مطعون کر سکے اور ان کے بھیانک جرائم کا اظہار کر سکے۔ اس کے

ساتھ ساتھ ایک نام ہے محمد(ﷺ) جس نے انسانیت کو رنگ اور نسل کی زنجیروں سے آزادی عطا کی۔ یہ نام روشن سے روشن تر ہوتا چلا جا رہا ہے اس نام کی تجلیات پوری دنیا میں پھیلتی جا رہی ہے''۔ جارج برنارڈ شاہ کا تجزیہ بڑا جامع اور دور جدید کے نام نہاد سیکولر مفکروں کے منہ پر طمانچہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام دور جدید کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ جارج برنارڈ شاہ لکھتا ہے۔

''محمدﷺ کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی حیران کن قوت اور صداقت کی وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے میرے خیال میں محمد کا مذہب دنیا کا واحد مذہب ہے جو ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لیے کشش رکھتا ہے میں نے اس حیران کن انسان (ﷺ) کا بغور مطالعہ کیا اور اس سے قطعہ نظر کہ اسے مسیح کا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ محمدﷺ ہی انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔

میرا ایمان ہے ہے کہ اگر اس جیسا شخص دنیا کا حکمران ہوتا تو ہماری اس دنیا کے سارے مسائل حل ہو چکے ہوتے اور یہ دنیا خوشیوں اور امن گہوارہ بن جاتی۔ میں محمدﷺ کے مذہب کے بارے میں یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ یہ کل کے یورپ کے لیے بھی اتنا ہی قابل قبول ہے جتنا کہ آج کے یورپ کے لیے جو اسے قبول کرنے کا آغاز کر چکا ہے''۔(۱۰)

اس بات سے ہر غیر جانبدار مورخ اتفاق کرتا ہے کہ اسلام نے عورت کو معاشرے نے اعلیٰ مقام دیا اسے ماں، بہن، بیٹی، بیوی کے روپ میں عزت و احترام دیا۔ اسلام سے پہلے عورتوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا ہندو مذہب میں تو عورت کو خاوند کے ساتھ ہی ''ستی'' کر دیا جاتا تھا۔ اس کے معاشرے میں کوئی حقوق نہ تھے اور انہیں بکاؤ مال خیال کیا جاتا تھا اسلام نے انہیں جائیداد میں حقدار قرار دیا۔ اسے باپردہ کر کے اس کی نسوانیت کو پاکیزگی عطا کی۔ اسلام میں عورت جس قدر محفوظ اور اس کے حقوق متعین ہیں دنیا کے کسی بھی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آج کے پرآشوب دور میں رہنمائی کا واحد معیار حضورﷺ کا اسوہ حسنہ ہے کیونکہ جب کبھی دنیا کے کسی بھی ملک میں انتہا پسند قوتیں سر اٹھائیں گی وحشت و بربریت کا بازار گرم ہوگا نفرتیں اور کدورتیں بڑھیں گی جنگ و جدل کے بعد سسکتی ہوئی لاشیں امن کے لیے آہ و بکا کریں گی۔ جب صنف نازک کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا جائے گا اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جائے گا۔ جب اقتصادی عدم توازن پیدا ہوگا اور معاشی مسائل غریب اور پسے ہوئے لوگوں کی قمر توڑ دیں گے اور ان سے جینے کا حق چھین لیں گے۔ انسانوں کے اس جہاں سے انسانیت دم توڑ جائے گی جب مذہبی فرقہ پرستی اور مذہبی رواداری ختم ہو جائے گی جب قوم اسلام اور اتحاد و اتفاق سے بے بہرہ ہو جائے گی جب رواداری برداشت اور بردباری کا جذبہ ختم ہو جائے گا جو رویوں میں اشتعال اور شدت پسندی عروج پر ہوگی محبت امن صلح جوئی عدل و انصاف پیار اور آشتی ختم ہو جائے گی تو پھر بھی ایک پیغام انسانی زندگی کی تاریخ راہوں کو بقعۂ نور بناتا رہے گا تڑپتی ہوئی انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرتا رہے گا وہ پیغام، پیغام محمدیؐ ہے اور اس پیغام پر جتنا عمل پیرا ہونے کی ضرورت آج ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔

حوالہ جات

۱- بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور مؤرخہ ۲۱رنومبر ۲۰۰۴ء۔ ۲-اسلامی طرز حیات ''وحدت ملت'' از سید اسعد گیلانی ص ۱۵۳، فیروز سنز لاہور۔ ۳- سیرت النبی ﷺ جلد اول از شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی۔ ۴- "George Bernard Shaw" مجلّہ مہک ص ۳۹۶ جی سی گوجرانوالہ۔ ۵- اسلامیات از ڈاکٹر حافظ محمود اختر صفحہ ۱۸۵۔ ۶- کتاب الجہاد فی باب فی دعاء المشرکین۔ ۷-''اسلامی طرز حیات'' از سید اسعد گیلانی۔ ۸- سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی جلد اول، ص ۱۷۲۔ ۹- سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی جلد ۵، ۶، ۷، ص ۱۰۹۔ ۱۰- اردو مجلّہ مہک جی سی گوجرانوالہ

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد اشفاق رحمانی - پسرور

دنیا کی آبادی اس وقت تقریباً چھ ارب سے کچھ زیادہ افراد پر مشتمل ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب اور تین کروڑ بتائی جاتی ہے تقریباً 61 کے قریب آزاد مسلمان ممالک ہیں۔ تصویری خاکہ کے دو رُخ آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کرونگا۔ ایک رُخ، 14 کروڑ 84 لاکھ 29 ہزار مربع کلا میٹر دنیا کا رقبہ ہے۔ دنیا کا چوتھائی حصہ پر مسلم امہ کے 61 ممالک موجود ہیں جن کا مجموعی رقبہ 3 کروڑ 32 لاکھ 75 ہزار 405 مربع کلومیٹر ہے۔ اس میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب چالیس کروڑ ستائیس لاکھ بیالیس ہزار سے زائد ہے۔ دنیا میں عیسائیوں سمیت کسی بھی مذہب کے لوگوں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ نہیں (جو لوگ عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ بتاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اگر کوئی محض میری بات چیلنج کرے تو میں دلائل سے ثابت کروں گا کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ دنیا میں اس وقت اہم ترین بندرگاہیں 40 ہیں جن میں سے ایک تہائی یعنی 13 بندگاہیں مسلم ممالک کے پاس ہیں۔

دنیا میں تیل پیدا کرنے والے بڑے ممالک کی تعداد 17 ہے جن میں سے 14 مسلم ممالک ہیں۔ گیس کے بڑے ذخائر دس ممالک میں ہیں جن میں مسلم ممالک کی تعداد پانچ ہے۔ یورینیم کے بڑے ذخائر رکھنے والے سات ممالک میں مسلم ممالک کی تعداد چار ہے دنیا کی اہم ترین راستے بھی مسلم ممالک کے پاس ہیں۔ تصویر کا دوسرا رُخ، کثیر تعداد کے باوجود مسلمان دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے مقابلے میں پسماندہ ہیں ان کی کثیر آبادی ناخواندہ ہے۔ ہمارہ آبادی کا لگ بھگ ساٹھ فیصد حصہ ان پڑھ اور ناخواندہ ہے یعنی ہم ایک ان پڑھ اور ناخواندہ قوم ہیں ناخواندہ قوم لازمی طور پر پسماندہ ہوتی ہے۔ سیاسی نظام میں بھی ابتر ہوتی ہے اور اپنے بنیادی و جمہوری حقوق سے نابلد ہونے کے باعث جمہوری حقوق سے محروم رہتی ہے۔ طالع آزماؤں، خودغرضوں اور نفس پرستوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ ہر زور آور جابر، ظالم اور سفاک کے لیے نرم چارہ ہوتی ہے۔ امن کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے۔ خودکشی عام ہو جاتی ہے

امت مسلمہ معاشی ترقی کے لوازمات، تیل، گیس اور دوسرے وسیع ذخائر کے باوجود معاشی لحاظ سے مفلس ہیں۔ سیاسی اور کسی حد تک اخلاقی لحاظ سے پست ہیں۔ ''سائنس اور امریکہ'' پر بحث اپنی جگہ یہ جو ہم چین، جاپان، سے بھی پسماندہ ہیں ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے وسائل کے ہوتے ہوئے آخر مسلم امہ اتنی کمزور کیوں ہے۔ جس طرف بھی نظر اٹھائیں ان کی مار کھانے کی تصاویر عام نظر آتی ہیں۔ تازہ مثالیں عراق و افغانستان ہیں جبکہ کشمیر، بوسینیا، فلسطین، صومالیہ، لبنان ہر طرف مسلمان ہی پٹ رہے ہیں۔۔ نہایت ضروری ہے کہ ہم غور و فکر کر کے اپنی پسماندگی کی وجوہات جاننے کی کوشش کریں اور پھر اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ تہذیب انسانی کی معلوم تاریخ کے کم و بیش سات ہزار سال پورے ہو رہے ہیں اس عرصہ میں انسان نے نئی سے نئی ایجادات دریافتیں کیں، ان گنت ایجادات کر

کے تمدن کی صورت ہی بدل ڈالی۔اس معلوم عرصے میں رب کائنات نے بھی انسان کو انسانیت پر قائم رکھنے کے لیے نبوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ نے آ کر اس سلسلے کو پایہء تکمیل تک پہنچایا۔انسان کی تہذیبی تاریخ میں ''اسلام'' کی حیثیت ایک دین فطرت ہی کی نہیں،ایک عظیم ذہنی اور معاشرتی انقلاب کی بھی ہے۔اسلام کے ظہور کے وقت دنیا شدید تہذیبی انحطاط سے دو چار تھی۔آج کا تہذیب یافتہ یورپ قرونِ وسطیٰ کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔وادی نیل، وادی دجلہ وفرات اور وادی سندھ کی قدیم تہذیبیں عروج پر پہنچ کر زوال کا شکار ہو چکی تھیں۔ ہندوستان میں ویدوں کا عہد ختم ہو چکا تھا۔ یونان میں طالیس اور فیثا غورث سے لے کر افلاطون اور ارسطو تک علوم وفنون ترقی کے نہایت اعلیٰ معیار تک پہنچے تھے لیکن کوئی پانچ سو سال ہوئے یونانی افکار کا یہ سنہری دور بھی ختم ہو چکا تھا۔اس عرصے میں یورپ میں مملکتِ روما تہذیب کی ایک نئی شکل لے کر ابھری تھی لیکن کوئی چھ سو سال کے عرصے میں یہ عظیم مملکت بھی زوال آمادہ ہو گئی۔اس طرح مشرق اور مغرب میں تہذیب کا ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔اس خلا کو ''اسلام'' نے نہایت کامیابی سے پُر کیا۔چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی۔چالیس سال کے غور وفکر، عبادت اور عملی زندگی گذارنے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اسلام کو اپنے قول وعمل اور آسمانی صحیفہ'' قرآن کریم'' کے ذریعے انسان سے متعارف کرایا۔خدا کے اس پیغام وکلام نے عربوں کی کایا پلٹ دی۔ایک قدامت پرست، پسماندہ اور غیر منظم قوم روحانی اور مادی ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ایک صدی سے کم عرصہ میں ہندوستان سے لے کر سپین اور جنوبی فرانس تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیر اثر آ گیا۔مسلمانوں کے پاس بڑے بڑے بحری بیڑے اور صنعت میں بھی مسلمانوں نے خوب ترقی کی۔بغداد، بصرہ مراغہ، قرطبہ، صقلیہ، سرقسطہ،غرناطہ میں علم ودانش اور فلسفہ وسائنس کی تعلیم اور ترویج کے لیے یونیورسٹیاں اور تجربہ گاہیں قائم ہوئیں جہاں مشرق ومغرب سے طالبان علم وفن کھنچے چلے آتے تھے اور فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔فلسفہ ریاضی طبیعات کیمیا، طب، فلکیات، تاریخ وسیاست وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں مسلمانوں نے اہم دریافتیں اور اضافے نہ کیے ہوں۔ اہل مغرب نے'' مسلمانوں'' کے کارناموں سے بے انتہا استفادہ کیا۔حتیٰ کہ اہل مغرب نے یونانی فکر وفلسفہ کو بھی مسلمانوں کی مدد سے سیکھا اور اس سلسلہ میں غرناطہ وقرطبہ آیا کرتے تھے۔۔اُس دور کی مہذب دنیا کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا۔روم وفارس جیسی عالمی طاقتیں مسلمانوں کے زیرنگیں رہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ جس زمانے میں قرطبہ میں لمبی لمبی دورویہ پختہ سڑکیں تھیں اور ان پر روشنی کا اہتمام تھا اس کے سات سو سال بعد بھی لندن اور پیرس میں کوئی ایک بھی عوامی چراغ نہ تھا۔ اور جن ملکوں پر مسلمانوں کی حکومت نہیں تھی وہ بھی فکری اور تہذیبی اعتبار سے مسلمانوں کے زیر اثر تھے۔اس اسلامی انقلاب کی وجہ سے تقریباً تمام دنیا مسلمانوں کی تہذیب کے زیر اثر آ چکی تھی۔ اور پھر یوں ہوا سیاسی مصلحتیں علم ودانش پر غالب آ گئیں۔ اور کوئی تیرہ سو سال ہوئے مسلم امہ کو نئے نئے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آج امت مسلمہ جس پستی اور ذلت کا شکار ہے اور اس کو جو سب سے بڑے چیلنج کا سامنا ہے وہ ہے علم ودانش،تعلیمی ترقی کا فقدان مسلمانوں کے لیے سب سے کٹھن اور اذیت ناک وہ دور تھا جب مسلمان حاکموں کو یہ باور کرایا

گیا کہ علم و دانش کے فروغ سے اسلام کا فروغ متاثر ہوتا ہے۔ یہ ایک جذباتی فیصلہ تھا۔گزارش یہ ہے کہ قوم کا مزاج جب جذباتی ہو جاتا ہے تو اس کے نتائج خطرناک اور دور رس ہوتے ہیں سب سے خطرناک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوم کے فیصلے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔اس حالت میں فیصلوں میں عقل کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ جذباتی صورت میں اکثر فیصلہ پہلے کر لیا جاتا ہے،معلومات اور ان کا تجزیہ بعد میں کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی یہاں ہوا، اسلام جس نے دنیا و آخرت اور عقل و ایمان سے پر محیط نظام فکر پیش کیا تھا اُسے علم وفن سے متصادم کر دیا گیا۔اسلام کے تحفظ کے نام پر علوم عقلیہ ،فلسفہ اسلام،اور فلسفہ سائنس کی مخالفت کی گئی اور اسلامی مفکروں دانشوروں سائنس دانوں کو اسلام سے خارج کر دیا گیا۔دین اسلام جسے رسول اکرمﷺ اپنی زندگی میں مکمل کر چکے تھے،متعدد فرقوں اور ''مذاہب'' میں اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ ہر فرقے کے نزدیک دوسرے سب فرقے اسلام سے خارج قرار دے دیئے گئے۔اس طرح ''ملت اسلامیہ'' امت مسلمہ میں پہلی بار ایک فکری خانہ جنگی شروع ہوئی جس نے باقاعدہ عملی خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ باہمی کشت وخون ہوا اور نتیجہ وہی ہوا جو قانون فطرت کا تقاضا تھا۔حکومت اور مملکت کمزور ہوئی بیرونی حملہ آور آئے ،اور پھر واقعہ بدر و حنین.....؟، واقعہ کربلا....؟ خلافت بغداد کی کمزوریاں......؟ اور سپین میں مسلمانوں کا اقتدار.....؟ تاریخی حقائق مصر، ترکی، ایران، ہندوستان میں شاندار روایات کی حامل حکومتوں کا'' حال'' بتاتے ہیں۔ افغانستان و لبنان کی حالت ہمارے سامنے ہے: لیڈروں کی خودغرضی و زر پرستی علوم فقہ وشرعیہ سے انحراف،عوام کی غفلت و بے خبری نے مملکت اسلامیہ کو زندگی کے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا کہ ملت خود سوالیہ نشان بن گئی۔تاریخ کے عمیق مطالعے سے اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومیں اپنے مسائل اور زوال کے اسباب کی خود ذمہ دار ہوتی ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے سورت النجم 39:53 تا41 جس کا مفہوم یہ ہے کہ'' انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں ہے، جس کے لیے اُس نے جتنی اور جیسی محنت وکوشش کی ہے۔نیز اُس کی محنت اور کوشش کو جانچا جاتا ہے، پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے''۔یعنی'' قومیں اپنی محنت وکوشش سے زمانے میں اپنی ساکھ، وقارخود بناتی ہیں عروج وزوال (تغیر) کی خود ذمہ دار ہیں جیسی اور جتنی کوشش کریں گی اللہ رب العزت اُس کے لیے اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے کئی درجے زیادہ فائدہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔حضرات، کہنے کا مقصد کہ عمومی طور پر قوموں کے عروج وزوال اور ان کو درپیش مسائل ان کی فکر کے صحیح یا غلط ہونے پر ہوتے ہیں۔ ان کا حل اپنی کوشش ومحنت پر ہے کوشش ومحنت کی ڈائیریکشن خود ترتیب دیتی ہے۔اپنے بیان کو عام فہم بنانے کے لیے اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ کوشش ومحنت کی فکر کے تین اہم پہلو ہیں۔

نمبر ایک :ایسے افکار جن کی بنیاد زیادہ تر عقیدے پر ہوتی ہے۔

نمبر دو : ایسے افکار جن کی بنیاد زیادہ تر جذبات پر ہوتی ہے۔

نمبر تین :ایسے افکار جن کی بنیاد زیادہ تر عقل پر ہوتی ہے۔

ایک صحت مند انسان کے لیے یہ تینوں انداز فکر ضروری ہیں اور ان کی اپنے اپنے مقام پر مساوی اہمیت ہے۔ یہ تینوں انداز فکر ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔عقیدہ جذبات پر اثر

انداز ہوتا رہتا ہے اور عقل پر بھی، جذبات عقیدے اور عقل دونوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔عقل کبھی عقیدے سے ہمکنار ہوتی ہے اور کبھی جذبات سے۔ جو قدر ان تینوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے وہ کسی فکری عمل میں عقیدے کا اثر زیادہ ہے یا جذبات کا یا عقل کا۔ یوں جیسے کہ میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ ان تینوں عوامل کی اہمیت مسلم ہے۔عقیدہ نہ ہو تو زندگی مشکل ہو جائے۔ دین و مذہب کی عطا کردہ روحانی بالیدگی کے علاوہ عقیدہ روزمرہ کے دیگر معمولات میں بھی ضروری ہے انسان ہر بات کی صحیح ہونے یا نہ ہونے کی تفتیش خود نہیں کر سکتا۔ کسی دوسرے قابل اعتماد فرد یا ذریعے کے بیان کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔مثلاً اگر عقل و خرد کو خیر باد کہہ دیا جائے تو انسان زندگی کے بیشتر عواقب میں قوت فیصلہ سے عاری ہو جائے گا اور محض جذبات اور جبلت کا غلام بن کر حیوان کی سطح پر آ جائے گا۔ اس لیے ایک متوازن زندگی کے لیے یہ تینوں انداز ہائے فکر ضروری ہیں۔

اسلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ان تینوں انداز فکر میں توازن قائم رکھنے کی تعلیم دی۔قرآن حکیم میں عقیدے پر بھی زور دیا گیا ہے اور عقل پر بھی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ علم و حکمت کی اہمیت کو واضح فرمایا اور حکمت کو ''خیراً کثیراً'' کہا ہے۔مختصر یہ کہ اسلام اور قرآن نے انسان کو ہدایت کی کہ ذہنی جمود اور تنگ نظری کو ختم کیا جائے اور ذہن کو آمادہ کیا جائے کہ وہ قدیم تعصبات سے آزاد ہو کر نئے افکار، نئے تقاضوں اور نئے مسائل کو سمجھنے کے لیے تیار کرے۔

''امت مسلمہ کی پریشانیوں کا اہم سبب دینی علوم اور دنیوی علوم'' کی علیحدگی بھی ہے۔اسلام نے دین و دنیا دونوں کے لیے لائحہ عمل پیش کیا ہے۔میں یہاں صرف ایک آیت کا حوالہ دینا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں جس نے اہل عرب اور دیگر مسلمانوں کے انداز فکر میں اہم اور انقلابی تبدیلی پیدا کی۔قرآن کی آیت مبارکہ حسب ذیل ہے:''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ.'' (الرعد:11a) سادہ الفاظ میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ'' اللہ کسی قوم کی حالت کو اسی حد تک بدلتا ہے جتنا کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدلتی ہے۔'' آیئے اس آیت مبارکہ اور فرمان ایزدی کو اس دور کے فکری رجحانات کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔مشرق و مغرب میں کچھ اس قسم کی فضا تھی کہ دونوں جبریت کی زد میں تھے۔عرب قوم شدید طور پر جبریت کے انداز فکر کی شکار تھی۔زمانہ جاہلیت کا ادب اگرچہ جمالیاتی اعتبار سے عظیم کہا جاتا ہے لیکن فکری اعتبار سے اس پر جبریت کی چھاپ نمایاں تھی۔پھر اسی فضا میں جب قرآن مجید نازل ہوا،قرآن میں ارشاد خداوندی ہے،ترجمہ کا مفہوم عرض کرتا چلوں'' قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔کہ'' انسان بے بس و عاجز نہیں،قسمت کے سامنے کھلونا نہیں انسان اور قوم اپنی قسمت خود بنا سکتی ہے۔قوم کو عقل اور اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی قسمت جس طرح چاہے بنائے''۔ اپنے آپ کو بدلنے میں نہ صرف قوم وہ قوت استعمال کر سکے گی جو فی نفسہ اس میں موجود ہے بلکہ وہ قوت بھی خود رب العالمین اسے عطا کرے گا۔دوسرا اہم نکتہ اس آیت میں یہ ہے کہ قوم میں تبدیلی پیدا کرنے میں پہل خود قوم کو کرنا ہوگی۔شرط واضح ایک ہی ہے۔کہ ازل سے ابد تک سب کے لیے صحیح اور نیک عمل کریں۔مزید کچھ بیان کرنے سے پہلے میں یہاں یہ وضاحت کر دوں کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں جہاں انسان کے اختیار اور سعی کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔وہاں ایسی آیات مبارکہ

بھی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور ''علیٰ کل شیءٍ قدیر'' ہونے پر اصرار کیا گیا ہے۔یعنی اللہ ہر شے پر قادر ہے۔وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔اس کا مفہوم آسان سا ہے کہ مشیتِ ایزدی اور حکم الٰہی قانون قدرت ہے جس کے فیضان سے یہ کائنات قائم ہے۔اللہ کا حکم کائنات کو قائم اور رواں دواں رکھنے میں ہمیشہ سے جاری و ساری ہے۔قرآن خدا کا قول ہے۔رسول اکرم ﷺ نے پیغمبر اور ایک عظیم انسان کی حیثیت سے قول خداوندی کو فعل کی شکل میں پیش کیا۔قرآن میں جن تعلیمی،سیاسی،معاشی،اور معاشرتی مسائل کے بارے میں احکامات صادر فرمائے گئے تھے،رسول ﷺ نے اپنے قول وفعل سے ان کی وضاحت فرمائی۔عقل وخرد،فکر ونظر،تحقیق وتجربہ ہر موضوع پر رسول ﷺ کی متعدد احادیث موجود ہیں۔میں اپنے موضوع کے اعتبار سے یہاں ایک حدیث شریف کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔رسول اکرم ﷺ کی حدیث ہے جس میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ علم حاصل کرنے کے لیے چین تک جائیں۔اس حدیث شریف کے حوالے سے تین اہم نکات:
پہلی بات یہ کہ علم حاصل کرنے کے لیے اگر زحمت اُٹھانا پڑے تو اسے برداشت کیا جائے۔علم کا راستہ صبر آزما ہے،آسان نہیں۔دوسرے یہ کہ علم کے لیے کسی قوم۔کسی نسل اور کسی ملک کی تخصیص نہیں،کسی کا اجارہ نہیں۔علم دنیا کے ہر گوشے میں مل سکتا ہے۔پھر اس کی بھی قید نہیں کہ وہ علم کسی خاص جغرافیائی حدود ہی میں حاصل کیا جائے۔البتہ غور وفکر کے بعد اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ علم اسلام کے بنیادی عقائد سے متصادم ہے تو اسے مسترد کرنا ہوگا۔علم پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے،علم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔آں حضرت ﷺ خود مدینۃ العلم تھے۔ان کی ذات گرامی عقلی لوم کا کنز گراں مایہ تھی لیکن سرکار دو عالم کو اس پر اعتراض نہیں تھا کہ مسلمان ''علوم'' حاصل کرنے کے لیے اسلامی ممالک سے باہر جائیں۔اس حدیث شریف نے نہ صرف ''تمام علوم'' کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول نے یہ بھی طے کر دیا کہ دینی علوم اور عقلی علوم علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ دونوں اسلامی نظام فکر کے ضروری اجزاء ہیں۔ایک کے بغیر دوسرا نامکمل رہے گا۔کاش اس عظیم حدیث مبارکہ کے مضمرات مسلمانوں کے پیش نظر رہتے۔جناب محترم،عرب وعجم،ترک و ویلم،ہند و سندھ جس نے اس عالمگیر تحریک اور اس کے لانے والے رب عظیم کے محبوب ﷺ کے فرمان کو اپنے سینے سے لگایا اس نے فتح وظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا،تخت شاہی اپنے پاؤں کے نیچے بچھایا اور حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا سب کوشش ومحنت اور صدق دل سے ملت اسلامیہ کو پروان چڑھانا ہی مقصد تھا، عربوں کی کیا بساط تھی،تاریکی اور مصر کے بحری ممالک، ہندوستان کے ترکی غلاموں کی حیثیت کیا تھی،مگر جب انہوں نے سیرت نبوی ﷺ سے صحیح طریقے سے راہنمائی حاصل کی قرآن و احادیث کی غلط تشریح نہیں کی اور علم حاصل کرنے کے لیے چین تک جانے والی آیت کو صحیح معنوں میں سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھا تو........یہی وجہ ہے کہ یہ دین ہمیشہ زندگی سے بھرپور اور مقبول ومحبوب رہا، انسانی معاشرہ کی قیادت کرتا رہا اور اسلام کے دائرہ کے اندر صحیح راہ کی طرف راہنمائی میں مدد فراہم کرتا رہا۔امت مسلمہ کے مسائل کا حل ''انقلابی جدوجہد میں ہے معاف کیجیئے گا خونی انقلاب سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں ہمارے مسائل اسلامی تعلیمی انقلاب،اسلامی معاشی انقلاب، اسلامی اخلاقی و روحانی انقلاب،اسلامی معاشرتی انقلاب،مغرب اور اسلام کے درمیاں جاری کشیدگی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے والا انقلاب،طویل المدت منصوبہ جات کا فقدان،اسلامی ممالک کے آپس

کے چھوٹے چھوٹے تنازعات کا فوری حل پیش کرنے والا انقلاب، طاغوتی طاقتوں کے اثر ورسوخ میں جکڑی معیشت کی آزادی،تہذیبوں کے تصادم کی روک تھام کے انتظامات،اسلامی معاشرے کی جامد عقلوں کوجھنجھوڑنے کی بھرپور سعی،بنیادی وجمہوری حقوق کی واپسی کا لائحہ عمل،قدرتی وسائل خداداد انسانی صلاحیتوں کے بہتر استعمال کی منصوبہ بندی،اور دین ودنیا کی اسلامی زندگی میں رکاوٹ بننے والا ہر وہ عمل جس سے عہد خلافت کے بعد ہم پست ترین ہوتے گئے کو رد کرنے والا انقلاب،آیئے علم ودانش کے فروغ کے لیے آج اسلامی بنیادوں پر انقلاب برپا کرنے کے لیے نبی پاک ﷺ سے حاصل راہنمائی کی صورت میں اپنے آپ کا جائزہ لیتے ہیں اور امت مسلمہ کو درپیش پریشانیوں کا نہ صرف حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ان چیلنجز کا مقابلے کرنے کی پالیسی مرتب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کیئے۔حضرت نوحؑ کی دعا نے عالم کو غرقاب کردیا......حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے آگ برسائی........ حضرت موسیٰؑ کے معجزے نے فرعون کو بحر احمر کا لقمہ بنا دیا........عصائے موسیٰ کی کارفرمائی نے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا اور بحر احمر کے دوٹکڑے کر دیئے.......دم عیسیٰؑ نے جسم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھوں کو چنگا کیا،فرش موت کے سونے والوں کو جگایا اور قبر کے مردوں کو باذن اللہ کہہ کر.....:یہ واقعات دنیا میں پیش آئے اور ختم ہو گئے برق کا شرارہ تھا جو دم کے دم چمکا اور بجھ گیا،لیکن ایک پیغمبر ایسا بھی آیا جس کے حیرت انگیز معجزے نے قوموں کو ہلاک کرنے کے بجائے ان کو حیات تازہ بخشی ، پتھر دلوں کو موم، عقل کے اندھوں کو بینا اور بنی آدم کی جمعیت کو غفلت و بے ہوشی کی نیند سے جگا کر ہوشیار اور کفروشرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا۔"یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعتاً ظاہر ہوکر غائب نہیں ہوگیا، یہ ید بیضاء عصائے موسیٰ کی طرح اپنے مکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں، یہ روز روشن کی طرح واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور سال ہا سال تک ممتد ومتواتر واقعیت بن کر دنیا اور اہلِ دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا" محمد رسول ﷺ آخری دین اور آخری صحیفہ (قرآن مجید) لے کر اور نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ بن کر اس دنیا میں تشریف لائے، وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپ کو ایک ایسا خاص معجزہ بھی بخشا گیا جو قیام قیامت تک قائم اور باقی رہنے والا ہے، یہ معجزہ ہے قرآن اس میں ہدایت کے خطوط (Guide Lines) موجود ہیں۔قرآن کریم نے ایک مہذب معاشرے کے انسان کے لیے ضابطہ حیات پیش کیا۔اس عظیم کتاب میں وہ بنیادی اصول بیان کیئے گئے ہیں جو ایک پس ماندہ قوم کو ترقی کی راہ دکھانے کے لیے ضروری ہیں اور جن کی قدروقیمت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم نہیں ہوتی اس میں نہ صرف توحید، رسالت اور دیگر ارکان دین کی نوعیت اور اہمیت واضح کی گئی ہے بلکہ ایک عام شہری کے لیے فہم ہدایات موجود ہیں جن سے ایک صحت مند اور ترقی پسند معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔قرآن،جس نے 23 برس کی تعلیم میں ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا جس کی عظمت نے دنیائے قدیم کے دونوں بازو قیصر وکسریٰ کو توڑ دیا۔چالیس برس کی مدت میں خلافت راشدہ کے دور تک قرآن کے ماننے والوں اور اپنے محبوب آقا ﷺ کے فرمان کو ماننے والوں نے جو بحرِ ہند کے دہانے سے لے کر بحرِ (Atlatic) کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے دنیا

کی کایا پلٹ دی۔

تاریکی کی جگہ نور، جہالت کے بدلے علم، شرک وکفر کے بجائے توحید (خدا پرستی) آئی، دنیا کی سب سے غریب ومفلس قوم سب سے بڑی دولت مند اور سب سے نادان و جاہل، وحشی قوم سب سے بڑی علم پرور اور متمدن ہو گئی۔ دنیا کی سب سے ضعیف وکمزور قوم سب سے بڑی قوی اور سب پر غالب ہوگئی جی ہاں اس تحریک کے حامیوں کے عملی نمونے نے عالم دیگر کو بتا دیا کہ جب اپنے محسن کی بات پر عمل کیا جاتا ہے تو صدیوں تک نظام زندگی اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور باقی قوموں کی راہنمائی کرتا ہے ...تاریخ شاہد ہے، اسلام کی حقانیت اور اعلیٰ بصیرت کو قائم و دائم رکھنے والوں نے جو دراصل اس مقصد کے لیے اٹھے انسانی عقل وفکر، فقہ، سائنس، فلسفہ، ریاضی، فلکیات، ارضیات، معاشی، معاشرتی، لسانی، تمدنی، زندگی پر طاری جمود کو توڑا، علم وفکر کے بہتے ہوئے دریا کی سطح پر جم جانے والی کائی کو دور کیا اور معاشرہ میں رائج ان رسموں، عادات اور رواجوں کی زنجیروں کو توڑا جن کی نہ کوئی دینی حقیقت تھی اور نہ معقولیت......جوفکریں اس لیئے وجود میں آئیں کہ اسلامی معاشرہ کی جامد عقلوں کوجھنجھوڑیں ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں تاکہ نئی نسل اپنے زمانہ کو اور زمانہ کی مشکلات کوسمجھ سکے، زمانہ کی صحیح اور معقول تقاضوں کی تکمیل کر سکے، زمانہ کا ساتھ دے سکے اور صرف ساتھ ہی نہیں بلکہ اپنے زمانہ کی قیادت ورہنمائی کر سکے اور اس بات کا عملی ثبوت پیش کر سکے کہ اسلام ہر زمانہ کے سوالات کا جواب فراہم کر سکتا ہے، مشکلات کوحل کرسکتا ہے، ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی اور ہر دور میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور اسلام کی غلط انداز میں تشریح کرنے والوں کو بتا سکیں کہ اسلام کبھی بھی زمانہ سے پیچھے نہیں رہا، اس نے ہمیشہ انسانی معاشرہ کی قیادت کی ہے اور اپنی تعلیمات اور زمانہ کے تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے۔ ایسے علماء، مفکرین ہر دور میں موجود رہے ہیں جن میں فکری بالیدگی تھی بے مثال ذہانت تھی۔ وہ علمی، دینی اصولوں اور شریعت کے اولین مصادر سے احکام کے استنباط اور اجتہاد کی قدرت وصلاحیت رکھتے تھے اسلام کے طے کردہ اصول زیست کی پیروی کی وجہ سے ہی ان کے ہاتھوں سے عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں۔ فلسفہ وعقل کی جلوہ آرائی ہوئی۔ علم وفن نے ترقی کی، بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی اور ان کی بری، بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کرلیا، عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کے سبق ازبر ہوئے اور اہل جہان کی آنکھوں کو وہ منظر دیکھا یا جس کو آغاز آفرینش سے آج تک انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا مغرب کی قوموں کومشرق سے اور مشرقی بستیوں کومغرب سے ملا دیا۔

☆مدینہ شریف میں ہجرت کے بعد یہاں آپ ﷺ کے پیش نظر جو اہم مسائل تھے اُن کے بارے میں مختلف تفاسیر کی روشنی اور احادیث کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل رہنمائی کے بعد عرض کرتا چلوں کہ آقا حضرت ﷺ کی ان مسائل کے حل کے لیے حکمت عملی امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز کے مقابلے کے لیے راہنمائی ومشعل راہ ہے۔ اہم مسائل یہ تھے،

☆قریش مکہ کی تجارتی بالادستی کا خاتمہ جو اسلام کی ترویج واشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔

☆امت واحدہ کے تصور کو زیادہ سے زیادہ موثر اور مقبول عام بنانا کہ مدنی قبیلوں کی خانہ جنگی ختم ہو۔

☆امن وصلح کی قوتوں کا فروغ تاکہ اسلامی اتحاد و اخوت کی جڑیں مضبوط ہوں۔

☆مہاجروں کی آباد کاری

☆مدینہ کے قرب و جوار کے بدوی قبیلوں سے امن وصلح کے معاہدے

تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے ان مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا۔ آیئے موجودہ دور کے مسائل پر بھی ذرا غور کرتے ہیں اور پھر مندرجہ بالا نقاط کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

موجودہ مسلم اُمہ خاص طور پر عرب کی دنیا ڈالر کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے اپنے آپ کو دولت مند سمجھتے ہیں۔حالانکہ ''پیٹرو ڈالر'' مغرب میں میوچل فنڈ، اسٹاک مارکیٹ، بانڈ مارکیٹ، اور عیاشیوں کے ذریعے واپس جا رہے ہیں۔مغرب کے ڈیری اور فوڈ پراڈکٹس اور سروسز کی مصنوعات کی آمد پر اربوں پیٹرو ڈالر جہاں سے آئے وہاں جا رہے ہیں۔انرجی کے بحران کے بعد عرب دنیا چرواہوں کی دنیا میں نہ بھی جائیں عالمی سرمایے کے غلام ہو جائیں گے۔اس وقت عالمی تیل کی طلب کی تخمینہ کاری کریں تو روزانہ 86.01 ملین بیرل ہے۔جو 8 سال میں بڑھ کر 120 ملین بیرل ہو جائے گی، اعداد و شمار یہ بھی کہتے ہیں کہ 99 فی صد تیل دنیا کے 44 ممالک پیدا کرتے ہیں جن میں 24 ممالک ایسے ہیں جو اپنی پیدا وار کے عروج سے گزر کر اب زوال کی طرف مائل ہیں ان 24 میں سے 10 ممالک امت مسلمہ میں معیشت کے حوالے سے ریڑھ کی ہڈی جانے جاتے ہیں۔سیرت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے امت واحدہ کے طور پر مسلم امہ کے 61 ممالک کیا میثاقِ مدینہ کی طرز پر موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور خاص طور پر 9/11 کے بعد مغربی صیہونی و طاغوتی عناصر کو اسلام کی حقانیت بتانے اور اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے ایک دستاویز مرتب کر کے ایک جان ہو سکتے ہیں۔اور یہ عہد باندھیں کہ اگر کوئی غیر مسلم ریاست اگر ریاستی دہشت گردی کا ارتکاب کرے تو ہمیں مل کر ان کا مقابلہ کرنا ہو گا۔اور نازک حالات میں ہر ممکن تعاون کرنے کا پابند بننا ہو گا تاہم سب سے پہلے امن و سلامتی کے لیے راستہ نکالنا ضروری ہو گا۔موجودہ دور میں مسلم ممالک کو معاہدے کے ذریعے اے ایسا وار پیکٹ شامل کرنا چاہیے جس کے مطابق ایک ملک پر حملہ امت مسلمہ پر حملہ تصور ہو اور پھر سب مل کر دشمن کے خلاف نبرد آزما ہوں۔اگر ایسا وسیع تر اتحاد و بلاک بنا لیا جائے تو صیہونی شکنجے سے ہمیشہ کے لیے رہائی مل سکتی ہے۔جس کی بدولت ہماری تہذیبی روایات کے احیاء کے ساتھ ساتھ معیشت کی بحالی بھی ممکن ہے۔ایسی یادداشت سربراہان کی نہیں بلکہ مشترکہ طور پر مسلم ریاستوں کے درمیان ہونی چاہئے۔ کیونکہ'' میثاق مدینہ'' میں شامل دفعات کا تعلق مدینے کے عرب قبیلوں کے مابین امن قائم رکھنے سے ہے۔ میثاق مدینہ بڑی اہم دستاویز ہے اور موجودہ دور میں امت مسلمہ اس سے بڑی رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔در اصل اس معاہدے کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ اہل مدینہ اپنے قبائلی جھگڑوں کو ختم کر دیں۔اور امت واحدہ کے رشتے میں منسلک ہو کر شہر میں پُر امن زندگی گزاریں اور امت کے دشمنوں (قریش) کے خلاف متحد ہو جائیں۔آج ہم مشترکہ طور پر آنحضرت محمد ﷺ کی سیاسی و معاشی علاقائی قیادت(میثاقِ مدینہ) کی جانب پہلے قدم پر قدم رکھ کر معاشرے میں جاری نسلی فسادات، آپس کے

جھگڑے ختم کر کے وہ وقت اور سرمایا امت کی بھلائی اور علم وفن کی ترویج وترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔اور جنگ بدر (2 ہجری) میں مال غنیمت کا کامل مہاجرین میں تقسیم کرنے اور اس کی وجہ سے انصار کی اعانت کی ضرورت باقی نہ رہنے کے فارمولے کو بھی استعمال میں لاتے ہوئے اجتماعی تعلیمی، سائنسی، معاشی ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کر سکتے ہیں افریقہ جیسے غریب ملک کی معاونت کر سکتے ہیں۔مثال کے طور پر ہم امت واحدہ کے طور پر ایک مضبوط معاشی بلاک کے طور پر تیل، معدنیات، گیس، کو سامنے رکھتے ہوئے ملٹی نیشنلز سسٹم متعارف کروا سکتے ہیں۔اگر ہم پرسکون عقلی ماحول میں بیٹھ کر سوچیں گے تو یقیناً مثبت نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے پھر شاید ہی روایتی اسلامی سربراہی کانفرنس بلانے کی ضرورت پڑے۔اور اس پر اُٹھنے والے اخراجات بھی امت کی اجتماعی ''بچت'' ہوگی۔آج امت واحدہ کو عالمی معاشی نظام، انرجی کا بحران، پیٹرو ڈالر کی واپسی، چین کی معاشی ترقی کو پیش نظر کر اجتماعی طور پر دیکھنا ہوگا۔اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں جغرافیائی قربت کی بنیاد پر الگ الگ علاقائی یا ذیلی علاقائی بلاک بننے کے روشن امکانات موجود ہیں یہ علاقائی بلاک آپس میں تعاون کی بنیاد پر ایک عالمی اسلامی بلاک کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔لیکن یہاں بھی میں عرض کرتا چلوں مسلم ممالک کی تنظیم (OIC) کے سربراہی اجلاس میں متعدد بار مسلمان ممالک کے سربراہان کو اس بات کا احساس دلایا گیا کہ جب تک تعلیم کو مسلمان ممالک میں فروغ نہیں دیا جائے گا دنیا کے دیگر مذاہب کے ساتھ موثر اور باہمی ربط پیدا نہیں ہو سکے گا۔اور اسلامی معاشرہ قدامت کا شکار رہے گا۔مسلمانوں کی نمائندہ اسلامی کانفرنسوں کے گذشتہ اجلاسوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کو دو حصوں میں باآسانی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک وہ روایتی اعلانات جو اسلامی کانفرنس کی شناخت اور وجود کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ان میں باہمی اتحاد، کشمیر اور فلسطین کے مسائل کے حل پر زور دیا جاتا ہے اور کچھ کمیٹیاں قائم کر دی جاتی ہیں اور ایسے ہی ادارے قائم کرنے کی تجاویز پر غور کیا جاتا ہے۔دوسرے حصہ میں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ اجلاس کسی خاص گروہ کے مفادات کا تحفظ بھی ہے۔اس کی مثال آپ کے گوش گذار کرنا چاہوں گا کہ افغانستان پر روس کے قبضے کے بعد امریکہ نے ویت نام کا حساب چکانے اور روس کو سرد جنگ میں گرانے کی غرض سے مسلمانوں کی جہاد کے نام پر کئی کانفرنسیں منعقد کروائیں۔اور 9/11 کے بعد مغرب اپنی چال بدل کر مسلمانوں میں اپنے خلاف ابھرتی ہوئی نفرت کو انتہا پسندی اور جہالت کا پیش خیمہ قرار دیتا ہے۔اور اس کا پرچار کرنے کے لیے ایک اسلامی نہج کی کانفرنس کرواتا ہے کہ مسلمان دہشت گردی کو فروغ دینے والوں کا محاسبہ کریں ورنہ امن و امان کا خطرہ بڑھ جائے گا۔اور اس طرح بڑی چالاکی سے مسلمانوں کو دہشت گرد کہہ کر مسلمانوں کو ان کے خلاف استعمال کروا رہا ہے اور یہ فیصلہ بھی اسلامی کانفرنس سے ہی کروایا جاتا ہے۔ماضی کی ایسی کئی کانفرنسوں میں پاکستان، سعودی عرب، لیبیا، ملائیشیا، اور فلسطین، کے سربراہان امت مسلمہ کے ایسے ''اتحاد و اتفاق'' کی بے انتہا مثالیں چھوڑ چکے ہیں مگر مضبوط حکمت عملی نہ ہونے کی وجہ سے بے یارو مددگار ہوکر جاچکے۔ماضی کے واقعات اور حقائق اور آنے والا کل یہ بتاتا ہے کہ سارک ممالک کے کانفرنس کی طرح اسلامی سربراہی کانفرنس بھی سوالیہ نشان بن چکی ہے۔پاکستان بلکہ مسلم امہ کے پاس مذہبی ہم آہنگی کے حوالے سے ایک بھی ایسا جید عالم نہیں جو پوری امت مسلمہ کی اسلامی اقدار میں راہنمائی کر سکے۔اور قوم اس کی آواز پر لبیک کہہ سکے اس نہج پر یہ کہنا بالکل

صحیح ہے کہ قحط الرجال کا دور ہے، اسلام کردار کے بحران سے گزر رہا ہے۔ اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ سعودی عرب کو اقوام عالم میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہے اسے بجا طور پر مسلمان ممالک کا قائد ہونے پر فخر ہے اسے دوسرے عرب ممالک پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ظہور اسلام کے مقام کا حکمران ہونے اور دنیا میں سب سے بڑا تیل برآمد کرنے والا ملک عالمی کردار ادا کر سکتا ہے۔اگر کسی اندرونی خلفشار یا بیرونی وجوہات کی وجہ سے سعودی عرب کے تیل کی پیداوار میں رخنہ پڑ جائے تو اس کے عالمی معیشت پر تباہ کن اثرات مرتب ہو نگے۔اس کے علاوہ اسلام کے دو مقدس ترین مقامات مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا محافظ ونگران ہونے کی بدولت سعودی عرب کی دینی قیادت اپنے فتاویٰ کے ساتھ دنیا بھر کے مسلمان علماء ومفکرین میں انتہائی موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔تاہم چودہ سو سال گزرنے کے باوجود مذہبی سکالرز آج تک متفق نہیں ہو سکے اور صرف اہل سنت فرقے کے چار بڑے مسلک ہیں جن کے آپس میں اختلاف کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہی ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے خدارا اس سمت بھی کچھ سوچئے تمام مسالک باہمی مشترک قرآن و سنہ کی مطابقت رکھتی ہوئی فقہی معاملات میں اجتہاد ضروری ہے۔تمام تر اسلامی ممالک سے عالم دین کو جمع کریں اور 3/5 اور دس سالہ منصوبہ کے ساتھ ایک اللہ، ایک رسول (آخری نبی حضرت محمد ﷺ) ایک قرآن مجید، ایک مسجد ایک مسلک، ایک فقہ (قرآنی) کو ہمیشہ کے لیے لاگو کریں۔مسلمانوں کو اپنے ممالک، اپنی قومی سطح پر اور اس طرح عالمی سطح پر متحدہ طور پر فلاحی اور معلمی ادارے بنانا ہونگے۔اسلامی سربراہی کانفرنس کے حوالے سے یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے کبھی یہ تسلیم نہیں کیا کہ ان کی پسماندگی میں ان کا بھی کوئی قصور ہے۔وہ اس کی بڑی ذمہ داری، یہودیوں عیسائیوں اور ہندوؤں پر عائد کرتے ہیں یعنی یہ کہ غیر مسلموں نے سازش کے ذریعے انہیں پسماندہ بنا دیا ہے۔مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلم اقوام کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ مسلم معاشرے میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نئے علوم کو فروغ حاصل نہ ہو سکنا بھی ہے۔آج شعوری بیداری کے لیے مستقل جدو جہد کی ضرورت ہے۔مستقل جدو جہد نہ ہو تو اس کا حصول نہ ممکن ہے۔آپ ﷺ نے جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم و تربیت کی زینت سے اراستہ فرمایا اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی جماعت کے شعور کی تربیت میں بھی کسی قسم کی کمی باقی نہیں رہنے دی۔عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے۔وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکے۔اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو، کسی اسلامی ملک وقوم کا جوش عمل، صلاحیت کار کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔شعور سے نابلد مسلمان ممالک کی آپس میں نا اتفاقی اور یگانگت کا فقدان امت کی پستی کی ایک اور اہم وجہ ہے۔

مسلمانوں کے پسماندہ رہ جانے کی ایک اہم وجہ حکومتی سطح پر ''تحقیقی'' نوعیت کے کاموں کا نہ ہونا بھی ہے۔ اس وقت مسلم دنیا کو علاوہ ازیں تین چیلنجز درپیش ہیں۔اگر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے معاشی طور پر مستحکم نہ ہوئے تو خدشہ ہے کہ انکی مشکلات مزید بڑھ جائیں گی۔ان میں سب سے بڑا چیلنج ''گلوبلائزیشن'' یعنی عالمگیریت کا ہے۔آج کل ترقی یافتہ ممالک اپنی اعلیٰ فنی کارکردگی کے باعث معیاری اشیاء پیدا کر رہے ہیں۔خاص کر اشیاء ''صرف'' عالمی تنظیم WTO کے

فیصلے کے مطابق بین الاقوامی تجارت کے راستے میں محصولات اور دیگر رکاوٹیں خاصی کم ہو جائیں گی۔جس سے تجارت کا دباؤ بہت بڑھ جائے گا۔خدشہ ہے کہ اس صورت حال کی وجہ سے اسلامی ممالک زیادہ قدر قیمت والی تیار شدہ اشیاء کی بجائے کم قدر و قیمت والے خام مال پیدا کرنے والے ملک بن جائیں گے۔اور ان کے اپنے صنعتی ڈھانچے کو زبردست نقصان پہنچے گا۔☆ ایک اور بڑا چیلنج ''ملٹی نیشنل کمپنیز'' کا ہے جو اپنے وسیع وسائل اور عمدہ تنظیمی ڈھانچے کی وجہ سے اتنی طاقتور ہوگئی ہیں کہ انہوں نے اکثر ممالک کی معیشت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق دنیا کی دو تہائی تجارت پر پانچ سو بڑی ملٹی نیشنل کمپنیز کا قبضہ ہے۔یہ کمپنیاں زیادہ تر یورپین، امریکن، اور جاپانی ہیں ان میں اسلامی کمپنیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

☆ تیسرا بڑا چیلنج عراق، فلسطین، کشمیر، افغانستان، ایران، کے مسائل کی شکل میں 9/11 کے بعد خاص طور پر ابھرا ہے۔اس کی وجہ سے مغربی دنیا اسلامی دنیا میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک نیا نو آبادیاتی نظام پیدا ہو رہا ہے۔گلوبلائزیشن اسی نظام کی ایک جارحانہ شکل ہے۔جس کی وجہ سے عالمی غربت میں اضافہ ہوا ہے۔اسلامی دنیا عالمی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔بشرطیکہ وہ اس سلسلے میں باہمی تعاون کے لیے متحرک حکمت عملی اختیار کرے۔ترقی وتعمیر کے تمام بنیادی عوامل اسلامی دنیا میں وافر مقدارر میں موجود ہیں۔افرادی قوت، قدرتی وسائل۔سرمایہ۔فنی ماہرین، اور انتظامی اور زندگی بخش نظریہ حیات ☆اسلامی ممالک ایک اقتصادی بلاک کا سوچیں آپس میں کاروبار کریں۔ایک دوسرے کے وسائل سے خوب استفادہ کریں۔انڈونیشا سے لے کر مراکش تک ویسے ساری اسلامی دنیا بہت پھیلی ہوئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ ایک مربوط معاشی بلاک نہ بنا سکیں کیونکہ ان میں سیاسی اور تنظیمی ڈھانچوں کا تنوع ہے۔البتہ اسلامی دنیا کے اندر علاقائی یا ذیلی بلاک نسبتاً آسانی سے موثر شکل اختیار کر سکتے ہیں اور پھر ان بلاکس کا مشترکہ لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے۔۔اسلامی ملکوں میں ڈی ایٹ گروپ تو موجود ہے جن کے اراکین میں پاکستان، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، ایران، ترقی، نائجیریا، شامل ہیں ان کا اشتراک رفتہ رفتہ بڑھ بھی رہا ہے۔مگر ان میں مزید اصلاحات کی صورت موجود ہے۔ایک بلاک گلف سٹیٹس کونسل کی شکل میں تشکیل دیا گیا ہے۔شمالی افریقہ میں مراکش اور الجزائر نے باہمی معاشی تعاون کے معاہدہ پر دستخط کر رکھے ہیں۔پاکستان میں ECO کی تنظیم بنی ہوئی ہے۔ان کے اراکین میں پاکستان،ایران، افغانستان، ترکی، آذربائیجان، ترکمانستان، تاجکستان، قزقستان،اور کرغیزستان، شامل ہیں۔ان میں سے کوئی تنظیم بھی صحیح معنوں میں نہیں اُٹھ اور محدود پیانے پر بھی فعال نہیں ہوسکتی اس افسوس ناک صورتحال کی بہت ساری وجوہات ہیں تاہم تین کافی اہم ہیں۔

☆اول باہمی تعاون کا کوئی ویژن موجود نہیں۔باہمی معاشی تعاون کا کامیاب تجربہ یورپ میں ہوا ہے (مسلم امہ کے لیے یہ کسی لمحہ فکریہ سے کم نہیں کہ یہ تجربہ ''میثاق مدینہ'' کی زبردست مثال ہے)جہان سارا مغربی یورپ ایک اکائی شکل اختیار کر چکا ہے۔ایک کرنسی، ایک پارلیمنٹ، ایک تجارتی بلاک، سرمایہ کاری اور ٹرانسپورٹ کی ایک جیسی سہولتیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور فرانس کے چند قائدین نے ایک واحد یورپ کی شکل میں دیکھا تھا اور جیسے عملی جامہ پہنا

نے کے لیے فکری ماحول پیدا کیا تھا۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ یہ خواب یہاں (مسلم امہ) کے لیے جمال الدین افغانی اور ڈاکٹر علامہ اقبال مفکر پاکستان دیکھ چکے تھے تاہم موجودہ قائدین اس ولولہ تازہ سے محروم ہیں۔ ☆ دوئم یہ کہ باہمی تعاون کو فروغ دینے کے لیے ٹھوس اور مخصوص نفع بخش منصوبوں کی ضرورت ہے۔ یعنی ایسے منصوبے جن سے سارے فریقین مطمعین ہوں۔ تیل، گیس، کوئلہ، کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے منصوبے بنائے جا سکتے ہیں۔ پھر یورپ کی مثال لے لیجئے، وہاں ابتدائی طور پر مختلف ملکوں کی کوئلے اور لوہے کی صنعتوں کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی کی شکل دے کر انتہائی نفع بخش بنا دیا گیا اور پھر اس تجربے کو آہستہ آہستہ دیگر شعبوں پر لاگو کیا گیا۔ ECO تنظیم کے رکن ممالک میں پٹرولیم اور گیس کے وافر ذخیرے موجود ہیں لیکن ان کی بنیاد پر کوئی ملٹی نیشنل کمپنی معرض وجود میں نہیں آئی۔ اگر ایسا ایک بھی تجربہ ابتدائی طور پر کامیاب ہو گیا تو پھر دیگر شعبوں میں معاشی تعاون کی راہیں کھل جائیں گی۔

☆ سوئم یہ کہ ٹھوس اور نفع بخش منصوبے بنانے کے لیے ایک سنجیدہ اور باخبر تحقیقی اور مشاورتی ادارہ قائم کرنا چاہیے۔ یورپ نے OECD صورت میں 1950 کی دہائی میں ماہرین کا ایک گروپ تشکیل دیا۔ جو اس وقت بین الاقوامی شہرت کا حامل ادارہ بن چکا ہے۔ اس ادارے کے بعد تجارتی اصولوں پر پے در پے ایسے منصوبے تیار کئے جن کے اندر یورپ مختلف ممالک کو زیادہ روزگار، زیادہ آمدنی، زیادہ اشیاء، خدمات پیدا ہونے کے واضح امکانات نظر آئے۔ انہی منصوبوں کی کامیابی کے بعد یورپ میں پہلے آزاد باہمی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ پھر باہمی یکساں محصولات کا نظام رائج ہوا۔ پھر سرمایہ داری اور رسد و طلب کی مشترکہ منڈی قائم ہوئی اور آخر کار یورپی یونین کی شکل میں واحد یورپی طاقت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مسلمان ملکوں میں غربت ہے۔ سب سے زیادہ افریقہ میں، یہاں سب کی ذمہ داری ہونے چاہئے کہ ایک دوسرے کے ملکوں میں مل جل کر غربت دور کر سکیں اور ساتھ ساتھ ہی جو ملک تیل و گیس کے ذخائر کی وجہ سے امیر بھی ہیں۔ وہ پیسہ آپس میں ایک دوسرے کے ہاں انویسٹ ہونا چاہئے تاکہ ایک دوسرے کے لوگوں یعنی مسلمانوں کو روزگار کے مواقع ملیں۔ یہ سارے ملک ایک دوسرے کی منڈیوں کو فروغ دیں۔ اس لحاظ سے سارک، یورپ، نا سٹا، افریقی ممالک اگر کامن مارکیٹ بنا سکتے ہیں تو مسلمان کیوں نہیں۔۔۔؟ انہیں بھی اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ اس طرح پاکستان، مصر، انڈونیشیا، اور ملائیشیا، میں اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں ان کے تعلیمی اداروں کو مضبوط کیا جائے تاکہ یہ ایک دوسرے کے انسانی وسائل کو عالمی سطح کے مطابق ٹیکنالوجی کی تعلیم سے روشناس کرا سکیں۔ اسلامی ممالک کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ان کا نظام تعلیم اور تھینک ٹینکس کی صورتحال نہایت مایوس کن ہے۔ وہ اپنے بہترین لوگ جن کو مغربی ممالک سے ٹیکنالوجی وائز اچھی تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے ان کو بہتر مستقبل نظر نہ آنے کی وجہ سے مغرب میں ہی نوکری یا اپنی فیلڈ میں ریسرچ کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور اگر ڈاکٹر عبدالقدیر جیسا بندہ ان کے ہاتھ لگ جائے تو اس کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک آپ کے سامنے ہے قطع نظر اس کے کہ اس پر کیا الزامات ہیں اور وہ کس حد تک درست ہیں۔ اسلامی ممالک کے پاس اپنا کوئی میڈیا نہیں ہے۔ ان کے چینلز ریاست کی ملکیت ہیں اور جو اکا دکا بچ جاتا ہے وہ مغرب کی نقالی میں اپنی چال

بھی بھول چکا ہے۔اسلامی ممالک کا کوئی بھی گلوبل یا کمرشل انوسٹمنٹ بنک نہیں ہے۔ان کی کرنسی امریکی ڈالر کی مرہون منت ہے اور اس کے رحم و کرم پر ہے۔مسلمان اپنی کسی بھی ایک کرنسی کو اپنا نہیں سکے، ان کا اپنا تیل امریکی ڈالروں میں فروخت ہوتا ہے اور نیو یارک اور لندن میں ان کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت مغرب کے ہاتھ میں ہی ہماری لگا میں ہیں۔کوئی جہاز، عینک، دوائیاں، کتابیں، بحری جہاز، بندوقیں، وہ اپنی ایک سپلائی بند کر کے روک سکتا ہے۔ ہمارا تیل ہمارا ایمان مگر اپنے عوام کو متحرک نہیں کر سکتے۔ہم تیل کو بطور ہتھیار استعمال نہیں کر سکتے جس کے نتیجے میں بین الاقوامی معیشت زمین بوس ہو سکتی ہے اورامریکہ اتحادیوں سمیت گھٹنوں کے بل آ سکتا ہے۔ہم قدیم زمانے کے اندھیروں میں گم ہیں اور ایسے نام نہاد سکالرز سے رہنمائی حاصل کر رہے ہیں جو خود 7 ویں صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ملت اسلامیہ کی پریشانیوں کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے۔

اسلامی ممالک میں سیاحت کو فروغ دیا جا سکتا ہے،اسلامی فیملیز سیاحت کے لیے یورپ، امریکہ کا رخ کرتی ہیں ان کی بجائے وہ ترکی انڈونیشیا،ملائشیا، مڈل ایسٹ جا سکتی ہیں انہیں راغب کرنے کی ضرورت ہے بہتر ماحول دینے کی ضرورت ہے۔وسائل کے اعتبار سے مسلم ممالک مالا مل ہیں لیکن وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا رہے آپس کے اختلافات بھی اس کی اہم وجہ ہے۔

بنگلہ دیش میں بہترین چائے پیدا ہوتی ہے لیکن زیادہ تر انحصار ہم کینیا اور سری لنکا پر کرتے ہیں۔پاکستان بہترین کپاس اور گارمنٹس تیار کرتا ہے لیکن سارہ کھپت یورپ اور امریکہ میں ہے۔اگر اسلامی ممالک آپس میں اپنی اشیاء کی خرید و فروخت کریں تو یہ از خود ایک مضبوط اقتصادی بلاک بنتا ہے۔جس سے یقیناً ہمارے وسائل بڑھیں گے اور زر مبادلہ میں اضافہ ہوگا۔اسی طرح پاکستان سرجیکل آلات سپورٹس گڈز،لیدر، ٹیکسٹائل ان ملکوں کو برآمد کر سکتا ہے، ملائیشیاء الیکٹرونک میں ایک اہم مارکیٹ بن گیا ہے۔وہ دیگر اسلامی ممالک کو ٹیکنا لوجی ٹرانسفر کر سکتا ہے۔عرب ممالک تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔وسائل گنجائش اور استعداد کی کمی نہیں ہے۔ضرورت ہے ایک نئی فکر اور نئے جذبے کی اور ایک نئی سوچ کی اس جذبے اور سوچ کو ایک لڑی میں پرونا ہے۔پاکستان میں ای سیون،سارک اسلامک چیمبرز کے ہیڈ کوارٹرز ہیں لیکن پاکستان نے ان سے ابھی تک کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھایا۔

اسلامی ممالک ٹیکنا لوجی ٹرانسفر پر توجہ دیں۔علاقائی ریسرچ کی جائے اور آپس میں مضبوط روابط کے لیے پُر امن مقاصد کے لیے اجتماعی ریسرچ کے مشترکی ادارے بنائیں۔اشیاء کی کوالٹی بہتر بنائی جائے ان کی لاگت میں کمی کے لیے ضروری اقدامات کیئے جائیں اور استعداد حاصل کی جائے۔تعلیمی اداروں اور پروفیشنل اداروں کے نصاب مارکیٹ کی ضرورت اور طلب کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیئے جائیں۔نصاب کو انڈسٹری سے لنک کیا جائے۔پاکستان سمیت اسلامی زرعی ممالک کا انٹرنیشنل زرعی تحقیقاتی ادارہ کسی بھی ملک میں بنایا جائے اور زرعی الات ادویات اور زرعی اجناس میں ٹیکنالوجی ٹرانسفر (تخم ریزی) کا ادارہ بنایا جائے۔اور اس کو ویلیو ایڈڈ کی طرف لے جانا ہوگا۔زراعت پر ریسرچ کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ پیداواری اہداف حاصل کرنے کے لیے

مشترکہ لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔خاص طور پر فشری کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ملت اسلامیہ ''سمندر'' کو ایک علیحدہ ملک قرار دے سکتے ہیں ہم نے ابھی تک سمندر کو نظر انداز کیا ہوا ہے۔اس کے وسائل ہم نے دریافت ہی نہیں کیئے۔کیا اس کا کوئی حل ممکن ہے۔۔۔؟جن مما لک کے پاس تیل ہے وہ اپنے اسلامی مما لک کو کچھ سستا تیل دیں۔اور کسی حد تک ایک ٹیکس ایسا وصول کریں جو ہر حال میں انتہائی غربت زدہ علاقوں کی امانت ہو وہاں روزگار کی مواقع جدید خطوط پر استوار کیئے جائیں اور باہمی ترقی میں افریقہ جیسے مما لک کے غریب ترین علاقوں کو بھی شامل کیا جائے۔جو مما لک فوڈ گرین ہیں وہ فوڈ پروڈکٹس پر سپیسلائزیشن کریں تو اس طرح سے پوری مسلم امہ کے لیے خوراک کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔اور جو ملک ٹیکنالوجی بیسڈ بن گئے ہیں مثلاً دبئی کی مثال آپ کے سامنے ہے اگر ان مما لک کے درمیان آپس میں کامن پورٹس اور شپنگ کے معاہدے ہو جائیں تو یہ شپنگ کی کاسٹ آف ٹرانسپورٹیشن کو بھی بچا سکتے ہیں۔اور اس بچت کو غربت اور تعلیم پر مشترکہ لائحہ عمل سے استعمال میں لا سکتے ہیں۔یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مشترکہ منڈیوں کے فروغ سے اور آپس کے تعلقات سے دہشت گردی کو بھی روکا جا سکتا ہے۔ظاہر ہے جن لوگوں کو انہی مسلم مما لک میں روزگار ملے گا۔اچھی تعلیم ملے گی اور بنیادی سہولیات حاصل ہونگی تو یہ لوگ مرنے کی بجائے زندہ رہنے کی خواہش کریں گے۔جی ہاں بنیادی سہولیات کے نہ ملنے کی وجہ سے بھی کچھ لوگ دہشت پھیلا کر اسلام اور مسلم امہ کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ایک مضبوط اقتصادی بلاک اور مشترکہ نظام سے مسلمان مما لک اپنے اپنے عوام کا معیار زندگی بہتر بنا سکتے ہیں اور غیر ملکی قرضوں سے نجات مل سکتی ہے۔پاکستان کے اندر براہ راست سرمایہ کاری کرنے والے مما لک کی تعداد 15 جن میں سے مسلم امہ اور دیگر بھی شامل ہیں۔اگر اقتصادی روابط مزید موثر ہو جائیں تو اسلامی بلاک مزید مستحکم ہونے کی طرف اچھا قدم ہو سکتا ہے۔میں یہاں یہ بات بتانا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں کہ ایشیا کی صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنے وسیع رقبے،افرادی قوت،اور معدنی وسائل کے اعتبار سے پوری دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے اور اگر ان تمام وسائل کو طویل المدت منصوبہ بندی کے ذریعے استعمال میں لانے کا کوئی جامع اور مربوط عمل تشکیل دینے میں کامیابی حاصل کر لی جائے تو اس سے علاقے کے تمام مما لک اور بالخصوص مسلم امہ میں ترقی وخوشحالی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو سکتا ہے لیکن اس راستے میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے بعض مما لک آپس کے چھوٹے چھوٹے تنازعات میں اس طرح الجھے ہوئے ہیں(خواہ یہ تنازعات مغرب کی سوچی سمجھی سازش ہی کیوں نہ ہو) کہ ان کی قوت کا بڑا حصہ انہی رنجشوں کی نظر اور ان کا حل تلاش کرنے میں صرف ہو رہا ہے۔مسلمانوں کی ایک پرانی عادت اب ان کی خصلت بلکہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔وہ حالات کی پیش بینی کر کے حالات کے دھارے کو اپنے حق میں موڑنے کی بجائے اس پر اُس وقت توجہ دیتے ہیں جب وہ دھارا انہیں اچھا خاصا نقصان پہنچا چکا ہوتا ہے۔چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان مما لک،حکومتیں،حکمران طبقے،دانشور،بیدار مغز صحافی،اور باشعور عوام مغرب اور اسلام کے درمیان تصادم کے امکان پر بروقت تدبر کر لیتے ہیں۔مگر یہاں.........اگر وہ اپنی صفیں سیدھی کر کے باہم سر جوڑ کر بیٹھ جاتے اور خدا نے جس فراوانی سے انہیں تیل جیسے قدرتی اور محنت جیسے انسانی وسائل دیئے تھے انہیں بے حسی بددیانتی بدنظمی

اور عیاشی کی نذر نہ کر دیتے تو آج وہ امریکہ اور طاغوتی طاقتوں کے دباؤ کو بڑی حد تک ختم کر سکتے تھے۔ اسلامی ملکوں کا سرمایہ دار خوف زدہ ہے وہ اپنے کاروبار اور سرمائے کا تحفظ چاہتا ہے۔ وہ وہاں جائے گا جہاں اسے اس بات کا یقین ہو گا۔ پاکستان اسے یقین دلا سکتا ہے کہ یہاں ان کا سرمایہ محفوظ ہے اسلامی ممالک کے لیے پرکشش بن سکتا ہے لیکن یہاں صرف باتیں کی جاتی ہیں۔ آپ دیکھیں یورپ اب بیشتر معاملات میں ایک ہو کر سوچتا ہے (امت واحدہ کی مثال) اسلامی ممالک ایسا نہیں کر رہے۔ ان کی سوچوں میں بہت فرق ہے۔ آج کے سیاسی حالات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کن ایشوز پر ان کی ہم آہنگی ہے۔ سیاست درست ہو گی تو معیشت درست ہو گی لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ معیشت کی درستگی کے لیے سیاست درست کی جائے۔ ایک مشہور سکالر ایڈ منڈ برک کا کہنا ہے ''ایک عظیم سلطنت چھوٹے دماغوں کے ساتھ کبھی نہیں چل سکتی'' یعنی ایک عظیم الشان سلطنت اور چھوٹے دماغ ایک دوسرے کے ساتھ کبھی بھی نہیں چل سکتے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے علم حاصل کرنے کے لیے تمام ذرائع استعمال کرنے کی جو ہدایت فرمائی خلیفہ المامون عباسی نے اسے صحیح معنوں میں اطاعت وفرمانبرداری سے پورا کیا۔ ''بیت الحکمت''؟ جہاں مشرق ومغرب کے حکما یا ان کی کتب جمع کرنے کی کوشش کی۔ علم وفضل کی فضا پیدا ہوئی، قوم نے عالمانہ مزاج اختیار کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں فلسفی اور سائنسدان، پیدا ہوئے، جن کے فیضان سے انسانی تہذیب وتمدن میں گراں قدر ترقی ہوئی۔ اور تب اہل یورپ نے اپنی ترقی کی بنیاد مسلمان مفکرین کی کاوشوں پر استوار کی۔ اس طرح دنیا کی ترقی جو ہم دیکھ رہے ہیں بہت حد تک مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔ ایک اور اہم بات مغرب کے حوالے سے بتانا چاہوں گا۔ مغرب جس کے پاس اس وقت علم ہے اس نے مسلمانوں سے علم تو لیا مگر اس کے پاس وہ ''روح'' نہیں ہے۔ وہ علم سے دوسرے کے استحصال واستبداد (لوٹنے ودبانے) کا کام لیتا ہے کاش علم کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کے پاس خدا کی وہ روح تو ہوتی جو اس نے تخلیق آدم کے وقت انسان میں پھونکی تھی۔ (و نفخت فیه من روحی)، کبھی اس روح نے مسلمانوں کو ایمان، محبت، خیر، صداقت، اور امن کی روحانی قدروں کا امین بنایا تھا۔ (**ادفع بالتی ھی احسن**) پھر جیسا کہ قرآن حکیم نے بتایا ہے۔

ہمارا جانی دشمن ہمارا جگری دوست بن سکتا ہے مگر آج سارے عالم اسلام میں ان قدروں کا کوئی نام نہیں لیتا بس لے دے کہ ایک جملہ ہمارے پاس (مسلمان علماء) کی نوک بر زبان رہتا ہے.......''اسلام کے پانچ ستون ہیں'' (کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ) جناب محترم یہ باتیں سر آنکھوں پر، لیکن ستون تو اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ اُن پر کوئی شاندار عمارت تعمیر کی جائے۔ وہ بنیاد کیا ہے....؟ وہ عمارت کیا ہے...؟ نہ کوئی پوچھ رہا ہے نہ کوئی بتا رہا ہے۔ اسلام نے تو ایک شاندار پورا نظام حیات دیا تھا بھائی، بات علم اور روح سے محرومی کی ہے۔ ہم بطور امت واحدہ ہوا میں لٹکے لٹکے شعوری یا غیر شعوری طور پر دعا کر رہے ہیں اور کامیابی کے طلب گار ہیں۔ حضرات یہ کتاب مسلمانوں کو اُس حیات افروز اسلام سے متعارف کرانے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے (جو نبی پاک ﷺ کے ذریعے سے ہم تک پہنچی اور اس پر عمل کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔) اسلام کی تعلیمات اور حضور ﷺ کا فرمان موت نہیں زندگی ہے۔ مایوسی نہیں امید ہے۔ تباہی

نہیں تعمیر ہے۔نا کامی نہیں کامیابی ہے۔ اور کتاب کا مقصد دور حاضر کے مضطرب پراگندہ دل و پراگندہ حال لیکن درد مند مسلمانوں پر کچھ بھولی اور بھلائی ہوئی سچائیاں بے نقاب ہو جائیں۔ یہ سچائیاں ایک تو انہیں اپنا اسلامی تشخص قائم رکھتے ہوئے انہیں اس قابل بناتی ہے کہ وہ انسان کو درپیش دیرینہ پیچیدہ مسائل اور چیلنجز کو اسلام کی روحانی قدروں ....ایمان، محبت، خیر صداقت، کی روشنی میں حل کر کے پوری انسانیت کے لیے روشن مثال بن جائیں پھر یہ جو رسم چلی ہے کہ مسلمان سر اُٹھا کر نہ چلیں ان قدروں پر صدق دل سے عمل انہیں اقوام عالم میں سر بلند کر سکتا ہے۔ یاد رکھئے ہم رسول اللہ ﷺ کے لگائے درخت کا پھل بارہ سو سال تک کھاتے رہے ہیں باوجود اپنی کوتاہیوں، ناعاقبت اندیشیوں، ریشہ دوانیوں، مطلق العنانیت، ملوکیت، غیر اسلامی قدروں کی ترویج، تفرقہ بازیاں، تقسیم در تقسیم کے، اور ہم غلامی در غلامی کی طرف بڑھ رہے ہیں اور آخر کار نہ سنبھلے تو۔۔۔؟

☆○☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد بلال-کراچی

تعارف:

عہد حاضر کا اہم ترین موضوع ہے کہ امت مسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز کو پرکا جائے، جس کا علاج صرف اورصرف اس راستے میں پنہاں ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود تصدیق فرمائی۔'' ھذا صراط ربک مستقیما''(۱) یعنی یہ ہے تمہارے رب کا سیدھا اور سچا راستہ، دنیائے عالم کا دستور یہ رہا ہے کہ ہرقوم اپنی تہذیبوں کی بنیاد رکھتے وقت ان امور کا خاص خیال رکھتی ہیں جن میں نہ صرف ان کی اقوام کوعسکری تحفظات مہیا ہوسکیں بلکہ وہ اقوام دنیا میں اپنی روایات کو اپناتے ہوئے سر اٹھا کر چل سکیں۔ ماضی کے دریچوں سے ہمیں مسلم دنیا کی چندعمدہ مثالیں خلیفہ راشدین سے خلافت عثمانیہ تک کے دور میں ملتی ہیں، جبکہ مغرب بھی ایسی تہذیبوں کی بے انتہا مثالیں پیش کرتا ہے،لیکن امت مسلمہ کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ امت ''اَسلم تَسلم''(۲) یعنی تم اسلام قبول کرلو سلامتی پالو گے، کے نظریے کے تحت فارس کے سلمان فارسیؓ ہوں، شام کے عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں، یا پھر حبشہ کے بلال (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہوں تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے تلے''انما المؤمنون اخوۃ'' (۳) یعنی تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، زمین پر آسمان دنیا کے ستاروں کی مانند (اصحابی نجوم) (۴) نکھر ابھرے اور تابد اپنے نشانات چھوڑ گئے،لیکن کیا آج کے مسلمان ان مفروضہ خدمات دین پر عمل پیرا ہیں، جن کے باعث اصحاب الرسول نے نہ صرف دنیا میں سرخروئی پائی بلکہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (۵) کے ذریعے رضا الٰہی (جوکہ مقصد دین تھا) ان کو حاصل ہوئی۔لہذا ان کے قدموں تلے قیصر و کسریٰ کے تاج روندے گئے لیکن ان اصحاب کے دلوں میں ذرہ برابر بھی دنیا کی حرص وطمع گھر نہ کرسکی، جبکہ موازنہ کیا جائے تو آج کا مسلمان جس کی ناکامی کا گراف ایک تسلسل کے ساتھ بڑھتا چلا جارہا ہے تو اس ناکامی کے اسباب آخر کیا ہیں؟ لہذا ہمیں دیکھنا ہے کہ ایسی صورتحال میں حقائق کی روشنی ہمیں کس سمت کا تعین دے رہی ہے۔

تاریخ اسلام سے ایک عکس:

تابعین و تبع تابعین کے ادوار کی حدتک مسلمانوں کی کامیابی کی وجوہات میں ان کا مزاج جو ایک عرصہ تک جنگ و جدال سے ہٹ کر علوم الاسلامیہ کے زور پر فتوحات کے ذریعے دنیاوی نقشوں میں تبدیلی کا باعث بنا رہا، ہماری بات کی تائید محققین و مؤرخین کی آراء سے ہوتی ہے، جن میں ایک غیر مسلم محقق ڈاکٹر وکٹر عمانویل ڈیوس ہیں وہ کہتے ہیں: اس کتاب (قرآن کریم) کی مدد سے عربوں نے سکندر اعظم اور رومیوں کی سلطنتوں سے بڑی دنیا فتح کر لی فتوحات کا جو کام رومیوں سے سینکڑوں برس میں ہوا تھا، عربوں نے اسے دسویں حصہ وقت میں انجام پر پہنچایا، اسی قرآن کی مدد سے سامی اقوام میں

صرف عرب ہی یورپ میں شاہانہ حیثیت سے داخل ہوئے۔ جہاں اہل فینیشیا بطور تاجروں کے اور یہودی لوگ پناہ گزینوں اور اسیروں کی حالت میں پہنچے۔ ان عربوں نے بنی نوع انسان کو (علوم آگہی کی) روشنی دکھلائی، جبکہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ان عربوں نے یونان کی عقل و دانش کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق کو فلسفہ، طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں انہوں نے حصہ لیا۔(۲) جبکہ امریکہ کے شہر نیویارک کے مقیم امام مسجد فیصل عبدالرؤف فرماتے ہیں:

> The US military victory over Saddam Hussain's regime in Iraq means that America is now responsible for shaping a new Iraq, a land deeply associated in the Muslim mind with some of Islam's greatest historical heritage. Iraq's capital, Baghdad, was the seat of the Abbasid Islamic caliphate for five centuries, jurisprudence and from 750CE to 1258CE, a period of great development in all the Islamic science, from philosophy to the physical sciences and fine arts.

> ''گو کہ امریکن آرمی کی صدام حسین کی عراقی حکومت کو ہتھیا لینا گویا امریکہ نے اب عراق کو نیا رنگ و روپ دینے کا ارادہ کر لیا ہے جبکہ وہ یہ بات بھول رہا ہے کہ بغداد کی سرزمین مسلمانوں کے دل و دماغ میں ایسی رچی بسی ہے اس لیے کہ وہ ان کے آباؤ اجداد سے انہیں ورثہ میں ملی ہے۔ خصوصاً بغداد جو عراق کے دارالخلافہ ہے، جو مسلم عباسی خلفاء کے تحت گزشتہ پانچ صدیوں سے (۷۵۰ تا ۱۲۵۸ء) تک سے چلا آ رہا ہے، جو اپنی نوعیت کا انفرادی سنہرا باب ہے، جس میں اسلام نے سائنسی میدان ہوں یا قوانین، فلاسفی ہو یا طبعی سائنس و آرٹس ہوں''(۷)

درجہ بالا آراء سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ مفکرین و محققین کے سامنے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مسلم دنیا نے ایک انتہائی پرجوش و پرمغز علم و عرفان کا دور دیکھا ہے جیسا کہ عباسی دورِ خلافت میں جب بغداد ایشیاء کا ''پیرس'' بن گیا اور کتاب و سنت کے وارث آپس میں معمولی معمولی باتوں پر لڑنے اور کفر و شرک کے فتوے لگانے میں لگے ہوئے تھے، تاتاریوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن اسی دور میں امام تیمیہؒ کی للکار نے، جس میں کتاب و سنت کی پوری روح جلوہ گر تھی، بڑھتے ہوئے تاتاری طوفان کا رخ موڑ دیا، ہماری تاریخ کی ایسی ان گنت مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ امت رسول ہاشمیﷺ ایک خاص امتیاز رکھتی ہے جو اسے دوسری اقوام وہاں سے ممتاز کرتا اور اس کی قوت کا باعث بنتا ہے یہ امتیازی وصف اس کی کتاب و سنت سے وابستگی ہے جو اس کے وجود کی بنیاد ہے۔(ترکت فیکم ثقلین کتاب اللہ و سنتی) جب اس بنیاد میں کمزوری آتی ہے تو اس کی طاقت کا سوتا سوکھ جاتا ہے۔(۸) لیکن جب خلافت عثمانیہ کا زوال آیا تو اس پر نہ صرف یہ کہ افسوس کی انگلیاں منہ میں دی جاتیں، کہ ہمارے پاس کچھ باقی نہ ہے اور نہ ہی آج تک ہم کچھ کر

سکے، علامہ اقبالؒ جو خود دورِ عثمانیہ پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں ایک طرف فرماتے ہیں:

عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

آج برہمنیت، اشتالیت، لادینیت اور دیگر طاغوتی طاقتیں اسلام کے درپے ہیں اور امت مسلمہ کو کمزور کرنا چاہتی ہیں۔ اخوت، بے مثال ربط وضبط، ایثار اور قربانی کے جذبے مفقود ہو رہے ہیں، داغہاوے غم اور چراغ سینہ کتنے ہیں۔ بوسنیا، لبنان، کشمیر اور دیگر دنیا کے خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے، افسوس! اب وہ قافلہ نہیں جس میں حضرت عمرؓ جیسے درویش منش حکمران اور خلیفہ وقت جن کی قمیض پر دس دس پیوند لگے ہوتے تھے، موجود ہوں، وہ قافلہ جس میں حضرت علیؓ جیسے بطل عظیم تھے جو علم کے بحر ذخار تھے اب وہ قافلہ نہیں جس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابراہیم بن ادھم تھے، ابوبکر شبلی معروف کرخی تھے اور ایسے پاکیزہ اخلاق والے بزرگ تھے جن کے رعب سے عرب وعجم لرزتے تھے، بقول علامہ اقبال(۹)

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بیکرانہ ترا
ترے فراق میں مضطر ہے موج نیل و فرات

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور چیلنجز کا تعین:

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے باعث مغرب پر جو سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی دباؤ پڑا اس نے شدید ردعمل پیدا کیا۔ زرتشتیت، بدھ مت اور دیگر مذاہب کو اس قوت تہمتوں اور ملامتوں کا ہدف کبھی بھی نہیں بنایا گیا جتنا اسلام کو، دیگر مذاہب سے مغرب کو نہ تو مسابقت کا سامنا کرنا پڑا نہ ہی کبھی وہ عہد وسطی کے مغرب کے لیے خطرہ بنے۔ لہذا اولا خوف اور پھر دشمنی اور تعصب وہ عناصر تھے، جنہوں نے مغربی تصور اسلام میں رنگ بھرے اور طرز عمل کا تعین کیا، اسلامی عقائد دشمن کے عقائد تھے پس غلط نہ بھی تو مشکوک ضرور تھے۔(۱۰) کیونکہ توحید اسلام کی ایک ایسی داخلی قوت تھی جو عیسائیت کے بنیادی عقائد سے متصادم تھی توحید اور تثلیث کی کشمکش سے عیسائیت کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

ماضی میں اس طاقت نے عالم عیسائیت کے امن کو بارہا تہ و بالا کیا ہے۔ یہ مسئلہ اس لیے اور بھی سنگین ہو گیا کہ تورات کے احکام عشرہ (Ten Commandments) کا اولین حکم توحید تھا، عیسائیت کے دل میں یہ ایسا کمزور مقام تھا، جہاں یہود کے تیرونشتر داخل ہو کر عیسائیت کے ضمیر کو ہمیشہ مجروح کرتے تھے۔(۱۱) چونکہ یہود عیسائی معاشرے کی ایک بے دست و پا اقلیت تھے، اس لیے ان کی آواز کو دبا دینا مشکل نہ کام تھا، لیکن اسلام کے نعرہ توحید کے آگے کلیسا بے بس تھا، یہ نہ کسی بدعتی (Heresy) کی آواز تھی کہ کلیسا کا حکم یا تلوار اسے خاموش کر دے، نہ یہ کسی مجبور اقلیت کی مذہبی حمیت کا اظہار۔ یہ ایک ایسی عظیم خارجی قوت تھی جس کی حمایت کے لیے عظیم ملت اسلامیہ اور اس کے جید علماء کی فکر موجود تھی نہ یہ قابل قبول تھی نہ اس کے قوی اثرات کو روکا جا سکتا تھا۔ چارہ کار صرف یہ تھا کہ اسلام سے لوگوں کو اس قدر متنفر کیا جائے کہ اس کا ہر عقیدہ اس نفرت کی نذر ہو جائے۔(۱۲) عقل وخرد کی گمراہی کی ایسی مثالیں اسلامی تاریخ کے بعد کے دوروں (ادوار) میں

بھی بکثرت ملتی ہیں اور مختلف زمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے اپنے زمانہ کے اچھے سے اچھے اور نہایت نیک سیرت بندوں (علماء) سے عداوت و دشمنی و بدگوئی و ایذارسانی کو اپنا خاص مشغلہ بنایا، بلکہ شاید امت کے اکابر و ائمہ میں سے شاذو نادر ہستیاں ہی ایسی ہوں گی جن کو نبوت کی اس میراث سے حصہ نہ ملا ہو۔ شیخ تاج الدین سبکیؒ نے ''طبقات الشافیعۃ الکبریٰ'' میں رنج و غصہ کے ساتھ لکھا ہے:

مامن امام الا وقد طعن فیه طاعنون و هلک فیه هالکون

امت کا کوئی امام ایسا نہیں ہے جس کو حملہ کرنے والوں نے اپنے حملوں کا نشانہ نہ بنایا ہو اور جس کی شان میں گستاخیاں کر کے ہلاک ہونے والے (خود) ہلاک نہ ہوئے ہوں۔(۱۳)

چنانچہ آج مسلمانوں کو جو مسائل وچیلنجز درپیش ہیں ان کی ایک لمبی فہرست ہے، جس میں اہم ترین اور چوٹی کے مسائل کو ہم اس مختصر آرٹیکل میں قلم بند کرنے کی کوشش کریں گے جن میں سے اسلام کے خلاف مغرب کی ان منصوبہ بندیوں ہم نے درج ذیل طریقوں سے ترتیب دیا ہے۔(۱۴)

۱- مذہبی مسائل کا چیلنج: (الف) مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا جانا۔ (ب) مذہبی فرقہ واریت کا کھلا چیلنج (ج) توہین رسالت مآب(ﷺ) کے ارتکاب کا چیلنج (د) اسلامی ریاستوں پر نظریاتی حملے۔ ۲- سیاسی مسائل اور ۳- معاشی، تعلیمی و ثقافتی نوعیت کے مسائل کا چیلنج۔ یوں تو یہ موضوع مباحث کے اعتبار سے اتنا وسیع ہے کہ اسپراسائیکلو پیڈیا کی ضخامت بھی کم ہے، لیکن اپنے اس مختصر مقالہ میں ہم درجہ بالا عنوانات کی درجہ بندی کو ایک نظر دیکھتے ہیں، کم وبیش کچھ نہ صحیح تب بھی ہماری رائے واظہار خیال اپنے دین وملت کی پاسبانی پر اس معصوم چڑیا جیسی کا ثواب تو مل ہی جائے گا، جیسا کہ اس نے اپنی چونچ میں پانی کے چند قطرے جمع کر کے چلی نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ بجھانے، تو کسی نے پوچھا کہ اری او بیوقوف تیری اس چونچ میں کتنا پانی ہے جس سے تو اتنی بڑی آگ کو بجھا سکے گی تو چڑیا کا جواب مجھ جیسے ہر طالب راہ علم و رشد کے لیے قابل تقلید ہے کہ چڑیا نے جواب دیا کہ ''اتنا تو مجھے بھی علم ہے کہ میری اس معمولی چونچ سے اتنی بڑی آگ تو نہیں بجھ سکتی البتہ یہ میری کوشش کل ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والوں کی پرخلوص جماعت میں تو لاکھڑا کرسکتی ہے(بحوالہ خطاب پیر ذوالفقار نقشبندی) پس اس کے مصداق ہم بھی اپنی درجہ بالا درجہ بندیوں کو زیر قلم لانے کی ایک سعی کررہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرمائیں۔(آمین)

۱- مذہبی مسائل کا چیلنج:

آج پھر مشرق وسطی ایک نئے طوفان کی لپیٹ میں ہے یہ سیلاب صیہونیت کا ہے جو ماضی کے تاتاری فتنہ کی مثال بلکہ اس سے بھی شدید تر ہے۔ حال اور ماضی کے ان دوفتنوں میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ تاتاری فتنہ اپنے وجود میں مستقل تھا اور عہد حاضر کا صیہونی فتنہ استعماری طاقتوں کا ایک بہروپ ہے، چہرہ دیکھیے تو اسرائیل کا ہے، لیکن اس کے دل و دماغ، اعضاء وحواس، ارادے اور عزائم سب استعماری طاقتوں کے ہیں۔ اس میں ساری توانائی استعمار کی ہے، اسے جنم بھی استعمار نے دیا، غور و پرداخت بھی اسی نے کی، اور حفاظت بھی وہی کر رہا ہے اور یہی حقیقت فتنہ سامانی کو بڑھاتی

ہے(۱۵) یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا اکیسویں صدی میں پرامن طریقہ پر داخلہ مغرب کی نظروں میں کھٹک رہا تھا لہذا پانچ سال پیشتر ۹/۱۱ کا سانحہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے انہدام کی صورت میں وقوع پذیر ہونے کا بہانا بنا کر، مسلمانوں پر مغرب کی جانب سے ذلت و رسوائی کی بجلی گرائے جانے کا ایک لامتناہی عنوان شروع کیا گیا جو بظاہر دہشت گردی (Terrorism) و بنیاد پرستی (Fundamentalism) کا سلوگن (slogan) لیے اس تیزی سے مسلم دنیا پر حملہ آور ہوا کہ غیر مسلم تو کجا مسلمان خود اپنی شناخت کھو بیٹھا، حتیٰ کہ مسلم طبقوں سے بھی صحیح العقیدہ مسلمان کو دقیانوسیت کا طعنہ دیا جانے لگا، لیکن کیا ان سب کے کرنے سے وہ مسلمان جو اپنے آپ کو جدیدیت پسندی کے ہمنوا تصور کر کے انتہائی خوش فہمی کا شکار ہو چکے ہیں کسی بھی طرح مسلم معاشروں پر ٹوٹنے والے مظالم سے خود کو بچا نہ سکیں گے کیونکہ اسلام کے خلاف مغرب نئی ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے، لہذا ان کے خلاف مسلمانوں کو نبرد آزما ہونا ہوگا۔(۱۶)

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری بلکہ بہت ہی اہم ہے کہ وہ ثبات اور تغیر کے باہمی ربط اور ان کی حقیقت کو واضح طور پر سمجھیں اور آئندہ زندگی پر ان کے اثرات کا جائزہ بھی لیں۔ یاد رہے کہ زندگی ثبات ہے اور نہ ہی صرف تغیر اس کے کچھ عناصر ابدی اور کچھ وقت کے زیر اثر ہیں لہذا تغیر پذیر زندگی میں تمام عناصر پر نظر رکھنا، اور بدلنے والی جہتوں کو حق، مصلحت وضرورت کے مطابق تبدیل کرنا ضروری ہے اور ان تبدیلیوں کو کھلے دل سے قبول کرنا خوش کن بقاء کی شرط اول ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانان عالم میں مسلمان پہلے اور محقق بعد میں ہے۔ اسے چاہیے کہ ضد و زیادتی سے اخلاص و رواداری کے تحت، اللہ کی رضا کی خاطر پرہیز کرے۔(۱۷) لہذا ماضی میں مسلمان خواہ کتنی ہی عظمت کی زندگی گزار چکے ہوں مسئلہ تو اب موجودہ دور کی دوڑ کو سمجھنے کا ہے نہ کہ ماضی کے دریچوں پر خوش فہم ہو کر بیٹھے رہنے کا۔ لیکن ہماری وابستگی انسان اول، حضرت آدم علیہ السلام سے نسبتاً دیگر مذاہب عالم کے زیادہ ہے، لہذا قرآن کریم کے اسلوب کے مطابق ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھ کر مستقبل کے لیے مشعل راہ متعین کرنا بھی ناگزیر ہے جبکہ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جہاں کہ مسلمان ایسے انداز سے مرنے اور مارنے پر یکجا ہو سکیں ہوں جیسا کہ آج کا دور ہمیں انتہائی ناگفتہ بہ حالات دکھلا رہا ہے اگر ہائی جیکرز کا عمل اسلام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا تو اسلام کے ساتھ اس بیسویں صدی میں کس قسم کا انتقام لیا جا رہا ہے۔(۱۸)

(الف) مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا جانا:

دنیا بھر میں مسلمانوں کی مذہبی عبادت گاہوں ''مساجد'' کی بے حرمتی، حتی کہ انہیں شہید کرنے کی روش ہمارے ملک پاکستان کے پڑوسی ہندوستان کا شاخسانہ ہے، جس نے بابری مسجد پر لاکھوں ہندوؤں کے ذریعے بلا بلوا کر اس کی ابتداء کی اور پھر مقبوضہ کشمیر کی درگاہ بل شریف ہو یا دنیا کے کسی بھی خطہ کی مسجد، سب نے ایک ہی راستہ دیکھ لیا، ایسے موقع پر دنیا کی فلاحی تنظیمیں سو رہی ہوتی ہیں، جبکہ اسلام نے دنیا کے ہر مذہب کی عبادت گاہوں کو بلاتفریق محافظت عطا کی ہے، اسلام میں مذہبی رواداری کا اس حد تک حکم ہے کہ اگر جنگ بھی ہو رہی ہو تو پھر بھی مسلمان فوج اپنے مخالفین کے اپاہج لوگوں، عورتوں، بچوں اور عبادت گاہوں کے خادموں اور راہبوں کو قتل نہ کرے۔ (حتی کہ اگر چاروں جانب سے دشمن گھیرے میں آ

جائے تب بھی ایک راستہ دشمن کو بھاگ جانے کے لیے مختص کرنا اسلام کا تقاضا ہے) (کتاب الخراج: امام محمد یوسف) حضرت عمرؓ کے زمانے میں جتنے ممالک فتح ہوئے ان میں کوئی معبد نہیں توڑا گیا، امام یوسف کتاب الخراج کے صفحہ ۸۳ پر رقمطراز ہیں: ''ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا نہ مسمار کیا گیا اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا''۔

بدائع الصنائع میں امام کاسانی لکھتے ہیں کہ ''قدیم عبادتگاہوں کو مسمار کرنا بہرحال ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کو ازروئے قانون جو حقوق دیئے تھے وہ تاریخ طبری میں درج ہیں: ''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے بیت المقدس والوں کو دی۔ یہ امان جان، مال، گرجاج صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی۔ نہ وہ منہدم کیے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا''(۱۹)

(ب) مذہبی فرقہ واریت کا کھلا چیلنج:

انیسویں صدی سے مسلم امۃ کے خلاف ہونے والی سازشوں میں ایک بڑی اور کامیاب سازش مذہبی فرقہ واریت کا پھیلانا ہے، یوں تو دیگر مذاہب میں بھی فرقے موجود ہیں جیسے عیسائیوں میں رومن، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ، بدھ مت میں ہنایانا اور مہایانا وغیرہ لیکن ایک ارب مسلمانوں میں صرف دو یا تین مذہبی فرقوں کا پایا جانا کوئی عجیب بات نہیں بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی: ''ہمارے ملک میں فالفصل صرف تین فرقے پائے جاتے ہیں۔

۱- حنفی جو دیو بندیوں اور بریلویوں میں میں تقسیم ہونے کے باوجود فقہ اسلامی پر متفق ہیں۔

۲- اہل حدیث

۳- شیعہ

ان تینوں فرقوں کے اختلافات عملاً ایک اسلامی ریاست کا نظام بننے اور چلنے میں کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے۔(۲۰) جبکہ اس کے علاوہ جتنے فرقے دنیا میں مسلمانوں میں موجود ہیں وہ سب کے سب فرنگی چالوں کی پیداوار ہیں تاکہ مسلمان آپس میں اکٹھے نہ بیٹھ سکیں۔ لہذا میری نظر میں فرقہ واریت کے خاتمے کا حل یہ ہے کہ: قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جنھوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں''(۲۱) سورۃ آل عمران میں جو ارشاد مذکور ہوا'' وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو(۲۲) چنانچہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد ہی ایک ایسی کڑی ہے جس کے جھنڈے تلے مسلمان اگر جمع ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کسی بھی قوم سے زیر ہو سکیں۔

(ج) توہین رسالت مآب (ﷺ) کے ارتکاب کا چیلنج:

توہین رسالت مآب (ﷺ) تاریخ اسلام میں کوئی نئی شے نہیں بلکہ ۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ کی تاریخ میں مہدی، موسیٰ

بن مہدی الملقب بہ ہادی خلافت عباسیہ کے دور میں سب سے پہلے گستاخ رسول کا سر قلم کروانے کا علماء سے متفقہ فتویٰ لیا اور اس پر عمل درآمد کیا(۲۳) اسی طرح آج جو مسئلہ کارٹونسٹ کا کھڑا کیا گیا ہے وہ بھی دراصل مسلمانوں کے دینی و ملی جذبات کو مشتعل کرنے کی بہت منظم سازش ہے۔ لہٰذا یورپی دنیا کے ایک ملک ڈنمارک کے دانش نیوز پیپر نے ۳۰ رستمبر ۲۰۰۵ء کو جیلینڈ پوسٹن میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے کارٹون بنا کر ان کی اشاعت کے ذریعے ساری دنیا کو اپنی کمینگی و نیچ ذہنیت کا پتہ دیا ہے جس کے بعد نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی جانب سے دنیا بھر میں انقلابی احتجاجی مظاہروں کا آغاز ہوا بلکہ کئی ممالک نے دینی حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈنمارک کی بنائی ہوئی اشیاء کا سوشل بائیکاٹ کر دیا لیکن اس سب کے باوجود اس ناپاک حرکت کے خبائث اذہان نے مزید جلتی پر تیل چھڑکنے کی خاطر دنیا کے بیشتر اخبارات میں ان کارٹونوں کا سلسلہ جاری کر دیا جسکے باعث مسلمانوں کے دینی جذبات مجروح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس سلسلہ میں ایک رسالہ میں خبر چھپی ہے کہ ''کارٹونی خاکوں نے دنیا بھر کے کم و بیش سوا ارب مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے لہٰذا فوری طور پر ۱۱ ممالک کے سفراء نے ڈنمارک کے وزیراعظم سے اس معاملہ کی نزاکت پر بحث کے لیے فوری میٹنگ بلائی ہے''(۲۴) اس قسم کی بے انتہا کوششیں کی گئی ہیں جن میں دنیا بھر میں مسلمانوں کے مظاہرے وغیرہ شامل ہیں۔ تب کہیں جا کے اس دور کا یہ طوفان تھما ہے۔

(د) اسلامی ریاستوں پر کھلے حملے:

اسلامی ریاستوں پر حملے تاتاریوں کے زمانے سے چلے آ رہے ہیں لیکن آج کی دنیا نے جبکہ مسلمان چین وسکون کی سانس لیے بیٹھے تھے کا اسرائیلی سامراج نے اپنا پھن دکھلانے کے لیے مسلم دنیا کا رخ کیا ہوا ہے۔

> The sense of siege among Muslims did not occur abruptly after September 11, nor is it restricted to Muslims. Over the last decades the pace and scale of political, culutral and technological changes coming from the West have unsetteld people living in traditional scoieties.(Page-47) War was declared on "Terrorism" and in early October 2001 the bombing of Afghanistan began. In the highly charged atmosphere of the United States at the time no voice was raised to point out that not a single one of the nineteen hijackers was an Afghan; neighter was bin Laden an Afghan. It appeared as if some one almost at random had to be selected and sacrificed to avenge September 11. Afghanistan was the most convenient choice at hand.(25)

''باوجود اس کے کہ مغرب آنے والے سیاسی وتمدنی اور تیکنیکی تبدیلیوں نے گزشتہ دہائی میں لوگوں کی زندگیاں اجیرن کر رکھی تھیں، مسلمانوں میں ستمبر ۱۱ کے بعد تک کسی قسم کی خود ساختہ مغلوبیت کا احساس تک نہ تھا۔ لیکن اکتوبر ۲۰۰۱ء کے اوائل میں جب ''دہشت گردی'' کی آڑ میں افغانستان پر خود ساختہ حملوں کا آغاز کیا گیا تو بھی کسی نے یہ آواز اٹھانے کی زحمت گوارا نہ کی کہ بہادر امریکہ سے یہ تو پوچھ بیٹھتے کہ بھئی ان نوں (۹) جہاز اغوا کنندگان میں سے ایک بھی تو افغان باشندہ نہ تھا، جبکہ بن لادن خود بھی افغان باشندہ نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ایک اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لیے خود ساختہ منتقم بن بیٹھا ہے''۔

لہذا پہلے افغانستان اور پھر عراق سمیت پوری دنیا کو اپنے زیر نگین بنانے کا خیال کر بیٹھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے شر سے ہمارے ملک پاکستان سمیت تمام دیگر مسلم ممالک کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

۲- سیاسی مسائل کا چیلنج:

عام معاملات میں قومی ریاستوں کا کردار اہمیت رکھتا ہے اور ان کی اہمیت مستقبل میں بھی برقرار رہے گی، تاہم ان قومی ریاستوں کے مفادات باہمی اتحاد اور تنازعے تہذیبی اور ثقافتی عوامل کے تحت زیادہ سے زیادہ رونما ہوں گے۔ ۱۹۹۳ء کے ابتدائی چھ مہینوں میں واقع ہونے والے حالات کے ذریعے نئی تشکیل پائی ہوئی دنیا کے حوالے سے تہذیبی تھیوری کو واضح کیا جا سکتا ہے۔

☆ سابق یوگوسلاویہ کے اندر کروٹوں، مسلمانوں اور سربوں کے مابین جنگ کا مسلسل جاری رہنا اور اس میں شدت آ جانا۔

☆ بوسنیا کے مسلمانوں کو بھرپور مدد مہیا کرنے کے حوالے سے مغرب کی ناکامی یا کروٹوں کی طرح سربوں کے ظلم و ستم کی مذمت میں ناکامی۔

☆ کروشیا میں کروٹ حکومت کے ساتھ صلح کے لیے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں روس کا سربوں کی حمایت سے انکار اور ایران اور دوسرے مسلمان ممالک کی جانب سے بوسنیا کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے اٹھارہ ہزار فوجی بھیجنے کی پیشکش۔

☆ آرمینیوں اور آذربائیجان کے مابین جنگ میں اضافہ، ترکوں اور ایرانیوں کا آرمینیوں سے جنگ روکنے کا مطالبہ۔ ترک فوجی دستوں کی آذربائیجان سرحدوں پر تعیناتی اور ایرانی فوجوں کا آذربائیجانی سرحدیں عبور کرنا۔ روس کا دھمکی دینا کہ ایران کا مذکورہ اقدام ''تنازعے کو بڑھا دے گا'' اور ''اس کو بین الاقوامیت کی خطرناک حدود میں لے جائے گا''

☆ وسطی ایشیاء کے اندر روسی فوجوں اور ''مجاہدین'' گوریلوں میں ہونے والی جنگ

☆ ویانا میں منعقد ہونے والی انسانی حقوق کی کانفرنس کے موقع پر امریکی وزیر خارجہ کی قیادت میں ''ثقافتی اضافیت''

کو رد کرنے والے مغرب اور ''مغربی آفاقیت'' کو رد کرنے والے اسلامی اور کنفیوشسی ملکوں کے اتحاد میں باہمی کھینچا تانی۔

☆ روس اور ناٹو کے عسکری منصوبے بنانے والوں کے مابین ''شمالی خطرے'' کے حوالے سے یکساں طور پر توجہ کرنا۔

☆ امریکی دفتر خارجہ کی ایران اور عراق کے حوالے سے ''دوہری تحدید'' کی پالیسی کا انکشاف

☆ امریکی وزارت دفاع کا دو بڑے علاقائی تنازعوں کے تناظر میں نئی حکمت عملی کا اعلان جن میں سے ایک تنازعہ شمالی کوریا اور دوسرا ایران، عراق کے خلاف جنگ ہے۔ (جن میں سے عراق کے خلاف دہشت گردی کے خاتمہ کے عنوان سے امریکی پلان پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے)

☆ بغداد پر امریکہ کی بمباری کی مغربی حکومتوں کی متفقہ طور پر تائید اور تقریباً تمام مسلمان حکومتوں کی طرف سے کہتے ہوئے کہ یہ مغرب کے ''دوہرے معیاروں'' کی ایک مزید مثال ہے۔

☆ امریکہ کی طرف سے سوڈان کو دہشت گرد ملکوں کی فہرست میں شامل کرنا اور مصری نژاد شیخ عمر عبدالرحمن اور ان کی پیروی کرنے والوں کو امریکہ کے حوالے کرنا۔(۲۶)

مندرجہ بالا مثالوں کو نوے کے عشرے کے آخر کی مثال کہا جاسکتا ہے جبکہ اب تو امریکہ کی جانب سے عراق پر حملہ اور اسرائیل کا فلسطین کی سرزمین پر کھلا دہشت گردانہ حملے نے افغانستان پر شروع کیے جانے والے حملوں کو بھی مات کر کے رکھ دیا، جس پر امریکہ کی جانب سے دہشت گردی کے خاتمہ کے اعلان کے بہانے سے سوائے مسلمانوں کے حقوق سلب کیے جانے کے اور کوئی مقصد کارفرما نظر نہیں آتا۔

۳- معاشی تعلیمی و ثقافتی نوعیت کے مسائل کا چیلنج:

ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ معیشت ہو یا معاشرت، ذرائع ابلاغ نے دنیا کو ماضی کے فاصلوں کو کم سے کم کرتے ہوئے انتہائی دلفریب قربتوں کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی جانب یکجا کرتے ہوئے ایک گاؤں کی شکل مہیا کردی ہے، جسے مغرب کی اصطلاح میں گلوبلائزیشن (Globalization) کہا جا رہا ہے گلوبلائزیشن کیا ہے؟ (What is Globalization?) بہتر ہے کہ ہم گلوبلائزیشن (Globalization) کی اصطلاح سے کچھ واقفیت حاصل کرلیں تاکہ ہمیں موجودہ دور کے مسائل بھی واضح طور پر سمجھ آسکیں۔ گلوبلائزیشن موجودہ دور کا مغرب کی جانب سے سب سے بڑا موضوع ہے جس کی توجیہہ اس کے موجد حضرات ہی کی زبانی معلوم کرتے ہیں اس سلسلہ میں جب ہم نے تحقیق شروع کی تو ہمیں محسوس ہوا کہ اس لفظ کے اصل موجد ورلڈ بنک (World Bank) ہے، جس کا اظہار امریکہ سے چھپنے والا جریدہ (The Challange of Globalization) میں درج ہے کہ:

The World Bank defines globalization as: "The growing integration of economies and societies around the world"

یعنی گلوبلائزیشن ایسے احوال ہیں کہ جن میں معیشت کی جدید پیمانے پر پھیلاؤ (مختلف) معاشروں کے دنیا میں

یکسانیت پر لانے کا ذریعہ ہو، جبکہ انٹرنیٹ کا بین الاقوامی رسالہ (انسائیکلو پیڈیا) (Wikipedia) گلوبلائزیشن کو ایک اور پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے:

Wikipedia. the internet encyclopedia. describes globalization as: "the changes in societies and the world economy that result from dramatically increased international trade and cultural exchange"

یعنی معاشرتی اقدار اور دنیاوی معیشت میں تبدیلیاں اس بات کا پیش خیمہ ہیں کہ دنیا میں کاروباری معاملات کے تیزی سے ترقی کے باعث تہذیب وتمدن میں بھی یکساں تبدیلی آ جائے۔(۲۷)

ہم آج جس دور سے گزر رہے ہیں یہ گلوبلائزیشن اور نیوورلڈ آرڈر کا ہے (امریکہ جس کے نفاذ کا خواہاں ہے) تہذیبی تصادم کی خوش نما اصطلاح کی آڑ میں مذہبی تصادم کو فروغ دینا چاہتے ہیں گو کہ تمام تر کوششوں کے باوجود مطلوبہ صورت حال دنیا پر طاری کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ (حالانکہ ۹/۱۱، ۲۰۰۱ء کو آج چار سال مکمل ہو چکے ہیں) (اس سال تک ۵ سال مکمل ہو چکے ہیں) فرق صرف اتنا ہے پہلے جو کچھ چھپ کر کیا جاتا تھا اب کھل کر کیا جا رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس گلوبلائزیشن کے دور میں دنیا سمٹ رہی ہے ایک فون، موبائل اور کمپیوٹر پر دنیا کے ہر کونہ میں رابطہ ممکن ہے یہ تہذیبی تصادم نہیں بلکہ اختلاط کا دور ہے البتہ عالمی قوتیں اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے خوش نما اصطلاحات اور میڈیا کی مضبوط قوت کا سہارا لے رہی ہیں، اس نئی تہذیبی ارتقاء کی باگ ڈور و قیادت عالم اسباب میں کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ اس کا جواب اس وقت واضح ہوگا جب دنیا کے وسائل کو کنٹرول کرنے کے حوالے سے کشمکش کا خاتمہ ہوگا؟ اور یہ کشمکش اس وقت ختم ہوگی جبکہ عسکری طور سے دیگر عالمی قوتیں میدان عمل میں آ جائیں گی۔(۲۸)

درجہ بالا وضاحتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مغرب دراصل تجارتی ذرائع کو ذرائع ابلاغ کا آلہ کار بنا کر دراصل پوری دنیا کی مختلف تہذیبوں کو اپنے اندر سمو لینا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ کی اہم کڑی یہ ہے کہ مقامیت اور مذہب کا احیاء، عالمی مظاہر ہیں، ایشیاء اور اسلام اپنی اپنی ثقافتوں کا بھی احیاء کر رہے ہیں، اسلامی چیلنج کا اظہار اسلامی دنیا میں مغربی اقدار اور اداروں کو رد کرنے سے اور اسلام کے ثقافتی، سماجی اور سیاسی احیاء سے ہوا ہے۔ ایشیاء چیلنج ساری ایشیاوی تہذیبوں بشمول چینی، جاپانی، بدھ اور اسلامی تہذیبوں میں رونما ہوا ہے جو کہ مغرب سے ثقافتی اعتبار سے اپنے مختلف ہونے پر زور دیتے ہیں۔ ایشیائی اور مسلمان دونوں ہی مغربی ثقافت پر اپنی اپنی ثقافت کے برتر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دیگر غیر مغربی تہذیبوں کے افراد بشمول ہندو، آرتھوڈوکس، لاطینی امریکی، افریقی مغربی ثقافت کے مقابلے میں اپنی اپنی ثقافتوں کے منفرد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان چیلنجوں کے پس پردہ الگ الگ اسباب ومحرکات موجود ہیں۔ ایشیاء چیلنج کی جڑیں اقتصادی ترقی میں ہیں۔ جبکہ اسلامی چیلنج سماجی بیداری اور آبادی کی کثرت سے رونما ہوا ہے چنانچہ اس اقتصادی ارتقاء نے ایشیاء ملکوں، جاپان، انڈونیشیا، جنوبی کوریا، تائیوان، ہانگ کانگ، اور چین ملائیشیا، اور تھائی لینڈ وغیرہ کو طاقت عطا کر دی ہے اور اضافہ آبادی نے مسلمان ملکوں اور غیر مسلم معاشروں کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔(۲۹)

مسلمانوں کو ان چیلنجز کے سامنا کرنے کی وجوہات:

اسلامی احیاء جدیدیت کو تو قبول کرتا ہے لیکن مغربی ثقافت کو مسترد کر دیتا ہے اور جدید دنیا میں زندگی کے رہنما کی حیثیت میں اسلام سے دوبارہ وابستگی چاہتا ہے۔ چنانچہ ایشیاء کے لوگ اقتصادی ترقی کی وجہ سے بلند بانگ دعوے کرنے لگے ہیں اور مسلمان اسلام کے تشخص، معنویت، استحکام، جواز، ترقی اور قوت کے سرچشمے مانتے ہوئے اس کی طرف کثیر تعداد میں رجوع کر رہے ہیں۔ ان کے لیے اسلام امید کا بھی سرچشمہ ہے، وہ امید جو کہ اس نعرے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کہ ''اسلام ہر مسئلے کا حل ہے'' لہٰذا اسلام کا احیاء ہی مغرب سے تعلقات کا ایک نیا مرحلہ ثابت ہوگا۔(۳۰) علامہ یوسف القرضاوی مسلم امت میں بگاڑ کی ایک شکل یوں پیش کرتے ہیں: ''تحریک اسلامی جس طرح کے بگاڑ کا شکار ہو رہی ہے اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ عقلی اور علمی پہلو پر جذبات کی دھند چھا رہی ہے تحریک کی راہوں میں بلاشبہ جذبات کا ایک رول ضرور ہے۔ اس حد تک جذبات کی اہمیت سے انکار نہیں، جذبات و کیفیات قلبی کی لطیف لہروں کو یکسر مسدود کر دینا مقصود نہیں ہے اور نہ یہ منشاء ہے کہ عقل کو اتنا غلبہ حاصل ہو جائے کہ تحریک اسلامی عقلیت کے تابع ہو کر رہ جائے۔ یہ چیز نہ صرف تحریک کے مزاج کے خلاف ہے بلکہ اسلام کے مزاج سے بھی اس کو کوئی مطابقت نہیں۔ اسلام عقل کا احترام سکھاتا ہے اور فکر و نظر کو کام میں لانے کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن یہ کوئی مجرد و جامد عقلی و منطقی فلسفہ نہیں ہے، جس میں جذبات انسانی کا سرے سے کوئی گزر ہی نہ ہوتا ہو اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جذبات و ارادات کے عمل دخل سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہ جذبات اپنے مقام پر بڑی قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ اللہ کے لیے محبت، اللہ کے لیے نفرت، خدا کی نعمتوں اور فراغت کو پا کر فرحت و طمانیت، نیکی پر مسرت کی کلیوں کا کھلنا، معصیت کے ارتکاب پر حزن کی کیفیت پیدا ہونا، اللہ کا خوف دلوں میں بیٹھنا اور اس سے امید بھرا ایک تعلق قائم کرنا، سب ایسے نفسیاتی احوال ہیں جن کی اہمیت مسلم ہے'(۳۱) اس بیان کی تائید میں اگر ہم علامہ اقبال کے فلسفہ عقل و خرد کو ملاحظہ کریں تو ہمیں علامہ یوسف القرضاوی کے بیان میں ذرا بھر اختلاف نظر نہ آئے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ علامہ اقبال کے یہاں عقل و خرد کی مذمت اور تحقیر کیوں پائی جاتی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب مسلمان دین اسلام کو سمجھ بیٹھتا ہے تو اسے ہر وہ شے جو دین کی راہ میں فساد کا سبب ہوا سے ایسے نظر آتی ہے جیسے کسی ذاتِ پاک نے اسے اندھیرے سے نکال کر اجالے میں لا کھڑا کیا ہو۔'' اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. ''(۳۲) چنانچہ علامہ اقبال کا فلسفہ عقل و خرد دراصل حکمت و موعظبۃ کے زمرے میں ایک مشعل راہ ہے آپ فرماتے ہیں:

زمانہ عقل کو سمجھے ہوئے ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک

ازل میں سامنے عقل و جنوں دونوں کا ساماں تھا
جو میں عقل و خرد لیتا تو کیا میں کوئی ناداں تھا

عقل کی مزید تعریف کرتے ہیں:

عقل ''عیار'' ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا نہ زاہد نہ حکیم

چنانچہ عقل کی قید سے آزادی دلانا وہ اپنا فرض منصبی ''یعنی دعوت الی اللّٰہ عند الحکمۃ'' سرانجام دیتے ہوئے کہتے ہیں:

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
میری خاک جگنو بنا کر اڑا
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
نشانِ راہ ہے منزل نہیں ہے

اور اسلام پر کاربند رہنے کا نسخہ بتلاتے ہیں:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اِس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں عشقِ محمد سے اجالا کر دے

اور آخر میں عشق کا وار کاری ضرب کے طور پر استعمال کرتے ہیں:

عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

محمد حسن عسکری نے اپنی معرکہ آراء تصنیف ''جدیدیت یعنی مغربی فکر کی گمراہیوں کا خاکہ'' میں لکھا ہے کہ ''افلاطون تک مغرب عقل کلی یعنی Intellect اور عقل جزوی یا Reason کے فرق سے واقف تھا لیکن اس کے شاگرد رشید ارسطو کے بعد مغرب اس فرق کو بھولتا چلا گیا اور بالآخر اس نے عقل جزوی یا Reason ہی کو سب کچھ سمجھ لیا لیکن ان دونوں کا بنیادی فرق کیا ہے؟ (اس کو سمجھنے کی ازحد ضرورت ہے) عقل جزوی یعنی Reason دراصل تجزیہ کار عقل ہے اور وہ چیزوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے انہیں سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تفہیم ادھوری یا ٹکڑوں کی تفہیم ہوتی ہے۔ شے کی کلیت یعنی Totality کی تفہیم نہیں ہوتی۔ یہ عقل حواس کی فراہم کردہ معلومات سے آگے جانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس عقل کلی یا Intellect وجدان اور الہام کے ذریعے شے کی پوری حقیقت کو سمجھ لیتی ہے اور اسے تجزیے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی اس کا اثر مغربی تہذیب پر یہ پڑا کہ وہ مخیلات یا Perception کی اسیر ہوگئی اور ارسطو نے کہا کہ ''انسانی ذہن تصویروں کی مدد سے سوچتا ہے'' اس کے بغیر مغرب میں مصوری اور مجسمہ سازی کی اتنی بڑی روایت پیدا نہیں ہو سکتی تھی مگر اسلامی تہذیب ہزار مسائل کے باوجود عقل کلی کے تصور سے بے نیاز نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے خواہ تفسیر لکھی ہو یا شاعری کی ہو وہ ساٹھ ستر سال پہلے تک عقل کے ان تصورات، ان کے امتیازات اور جداگانہ وظائف یا Functions سے آگاہ رہے ہیں چنانچہ اقبال عقل کی مذمت کرتے ہیں جو ہمارے انفرادی اور اجتماعی شعور پر چھاپا مار چکا تھا۔(۳۳) چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ

مغرب کی جدیدیت مزاجی نے خود ان کے مذاہب کے ساتھ کیا سلوک کیا:

The history of the West is that of a progressive differentation between Church and State, between relgion and society. The redical change came as a result of the religious Wars which followed the Reformation. The Seventeenth centry saw the full emergence of the State as secular: that is the ligitimation of its power struture without any appeal to the Christian religion. Apart from the differentiation of Church and State, of religion and culture, the process of defferentiation affected other functions of society. The economic sphere established itself as an autonomous realm, allowing only economic factors to guide economic policy and decisions. But if modern society consists of autonomous yet interrelated spheres of meaning and action, what is the function of relgion? Is religion outside the social order or does it still have a fuention? It is the argument of *the recent book Marcl guchet, Le Desenchantement du monde' Une* histoire politique de la religion (Paris: Gallimard, 1986), examined in Chapter 2, that religion as a structural principle of society has come come to an end. Christianity came on the scene as the religion of the exist from religion, and the Christian religion came to an end around 1700. When Gauchet speaks of religion he limits its meaning to religion as a social system. He doest not deny that religion as a reality outside the social order still has validity. It follows from his thesis that religion in its purest from, namely as a social system, came at the beginnig in primitive religion. For him, then, religion in the strict sense means that way of thinking and acting which presupposes that society with its structure is given prior to human agancy and is therefore unchangeable.

ریاست اور کلیسا میں بڑھنے والا اختلاف مغرب کی تاریخ کا حصہ ہے، جو دراصل معاشرت یا سوسائٹی اور مذہب کا اختلاف ہے۔ مذہبی جنگوں کے باعث اس میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا ہوگئی جو بعد میں اصلاح کا ذریعہ بھی بنی۔ سترہویں صدی عیسوی نے ریاست میں لادینیت کا بھرپور ہنگامی دور دیکھا ہے جوکہ نصرانی مذہب سے بالکل علیحدہ ریاست کی طاقت کو قائم کرنا ہے، ان اختلافات نے تمدنی حالات پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اسی میں ایک اقتصادی مسئلہ بھی نمایاں ہے اقتصادی گروہ نے علیحدہ خود مختاری حکومت قائم کرلی جوکہ صرف اور صرف معاشی اقدامات اور وسائلی معاملات کو مدنظر رکھا گیا ہے لیکن اگر جدید سوسائٹی خود مختاری کا درجہ رکھتی ہے تو وہ ایک برادرانہ درجہ رکھتی ہے مثلاً: اعمال اور اس کی معنی میں توازن قائم کرتی ہے (لہٰذا ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے) کہ مذہب کا کیا عمل دخل ہے کیا مذہب تمدن سے باہر بھی کوئی شے ہو سکتی ہے؟ عیسائیت اسٹیج پر اس طرح سامنے آئی ہے کہ مذہب کو مذہب سے برخاست کیا جائے اور مذہب عیسائیت اپنے اختتام کو تقریباً ۱۷۰۰ میں پہنچ گیا۔(۳۴)

چنانچہ ہم محسوس کر سکتے ہیں کہ جب مغرب کی ہواؤں نے ان کے اپنے مذہب کو اپنی تہذیب و تمدن و معاشرت و معیشت سے علیحدہ نکال پھینکا ہے، لہٰذا وہ اب اپنی دنیاوی سرخروئی کے نشے میں کیوں اسلام کے ساتھ وہی حشر نہ کریں یہ ایک فطری بات ہے، کیونکہ دنیا کی قیادت کے لیے مغربی تہذیب کا حریف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ ہے اسلام اس لیے کہ اسلام ایک نظریہ ہے اور یہ آج کی دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد نظریہ ہے یہ نظریہ انسانی تجربے اور مشاہدے سے ماوراحق کے وجود ا مدعی ہے۔ اس کے نزدیک وہ حق ہے جو چودہ سو سال پہلے محمد ﷺ پر نازل ہوا اور قرآن کی صورت میں موجود ہے۔ ایک تہذیب کے غلبے اور قوت کے لیے ایسے الحاق پر یقین کی قوت کے برابر کوئی قوت نہیں، اسی لیے یورپین اسلام اور مسلمانوں سے خائف ہیں انہیں خطرہ ہے کہ ایک نئی سرد جنگ آ رہی ہے جو غالباً سرد نہ رہے گی۔ چنانچہ اسلام کا احیاء اور مسلمان مغرب کی تہذیب اس کی طرز زندگی کی اقدار اور اس کی آج تک حاصل کردہ ''ترقی'' اور تہذیبی نشوونما کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔ چنانچہ حق و باطل کے مابین عروج و زوال کی کشمکش اور غلبے کی مسابقت کو مشیت خداوندی میں ایک تکوینی مسلمہ کا مقام حاصل ہے۔ اہل باطل اس امر سے واقف ہیں کہ اہل حق پر مکمل غلبے کے لیے محض جنگی مشینوں سے یورش اور فوجی یلغار، کافی اور دیرپا نہیں ہو سکے گی کیونکہ دوسری اقوام سے مختلف، ملت اسلامیہ کی قوت و توانائی اور عزم و حوصلہ کا اصل سرچشمہ اساسیاتِ دین اور اس کی اسلامی تہذیبی اقدار اور اخلاقی ضابطے ہیں۔ لہٰذا اس وقت کو مضمحل اور کمزور کر دینا صرف فکری و نظریاتی یلغار ہی سے ممکن ہے چنانچہ باطل نے صدیوں اس کے لیے محنت اور تیاری کر کے آج ہر میدان میں مسلم امہ کو پریشان و مبتلائے غمِ جاں بنا کر رکھ دیا۔(۳۵)

مسلمانوں کے ان چیلنجز سے نکلنے کا واحد راستہ اسوۃ حسنہ پر عمل و اتحاد بین المسلمین کی صورت میں ہی ممکن ہے

پہلا حل اسوۃ حسنہ پر عمل کی ضرورت واہمیت:

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قوموں اور تہذیبوں کے زوال کے دو بڑے اسباب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کسی قوم/ ملت کا نظریہ حیات صحیح ہو تو اس کے زوال کا بنیادی سبب اس نظریہ حیات سے وابستگی کھو دینا ہوتا ہے جبکہ دوسرا یہ کہ اگر کسی قوم/ تہذیب کا نظریہ حیات غیر صالح اصولوں پر مبنی ہو تو ترقی وعروج کے معروضی اصولوں پر عمل کر کے وہ وقتی طور پر تو عروج حاصل کر سکتی ہے لیکن غلط اصول حیات کی وجہ سے وہ جلد ہی فساد فی الارض کا شکار ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مسلم ملت کے زوال کی وجہ پہلی ہے یعنی اس کے عروج کی وجہ اس کے صالح نظریہ حیات سے محکم وابستگی تھی جس کی بناء پر ترقی وعروج کے فطری ومعروضی اصولوں پر بھی عمل ہو گیا اور اسے قوت وغلبہ بھی مل گیا، پھر جب مختلف عوامل کی بناء پر اپنے نظریہ حیات سے وابستگی کمزور پڑ گئی تو ترقی وعروج کے معروضی اصولوں پر عمل بھی چھوٹ گیا اور نتیجتاً اسے زوال وادبار نے آ لیا۔(۳۶) چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا: ''وتلک الایام نداولھا بین الناس'' یعنی ہم زمین میں غلبہ واقتدار کبھی کسی گروہ کو دیتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے کو۔(۳۷) لہٰذا جب تک مسلمان اللہ کے راستے پر یکسوئی سے چلتے رہے وہی غالب رہے لیکن جب انہوں نے صالحیت (اللہ کی سچی فرمانبرداری) گنوا دی تو پھر ان کا عروج بھی زوال میں بدلتا چلا گیا اور پھر یہ اقتدار اللہ نے اس گروہ کو دے دیا جو زمین میں اسباب زندگی مہیا کرنے پر دوسروں سے زیادہ بہتر طور پر قادر تھا خواہ وہ صالح نہ بھی تھا یوں دنیا کی قیادت مغربی قوموں کے حصے میں آ گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وضاحت فرما دی ہے کہ'' وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ'' یعنی زمین میں اقتدار کے اصل حقدار تو اللہ کے صالح بندے ہیں اور اگر صالح بندے نہ ہوں یا وہ تھوڑے اور غیر بہتر ہوں انہیں اقتدار دے دیا جاتا ہے۔(۳۸) لہٰذا غور کرنے کی بات ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے کہ عرب کے اندھیرا میں اجالا بن کر ابھرے: وہ چند اصولی باتیں تھیں جو مسلمانوں کی اساس ٹھہریں: ایک یہ کہ پندرہ سو برس پہلے احمد مجتبیٰ نبی مکرم ﷺ نے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ سے ایسے افراد تیار کیے تھے، پھر چشم فلک نے دیکھا کہ وہ طوفان بن کر اٹھے اور گھٹا کی طرح چھا گئے، دوسرے یہ کہ دنیا کی سپر پاورز ان کے سامنے ریت کے گھروندے کی طرح بیٹھتی چلی گئیں کہ وہ علم وعمل کے سچے تھے ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گزرتی تھیں۔ اپنے مقصد کی خاطر مرنا انہیں عزیز تھا کہ وہ اس کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ چنانچہ ان کی زندگی ایسی تھی کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔ امید کی ایک کرن موجود ہے کہ وہ دور پھر لوٹ سکتا ہے بشرطیکہ ہم چاہیں، بشرطیکہ ہم صبغۃ اللہ میں اسی طرح رنگ جائیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رنگا تھا، آج ہم میں رسول ﷺ موجود نہیں ہیں لیکن ان کی لائی ہوئی ''کتاب'' اور ان کی ''سنت'' تو ہمارے پاس موجود ہے۔(۳۹) جیسا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''وانی قد ترکت فیکم ثقلین کتاب اللہ و سنتی ومن اخذتہ فلا یضل بعدی ابدا'' یعنی میں تم میں مرکز ثقل دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت پس جس نے ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھا وہ قیامت تک کبھی گمراہ نہ ہوگا۔(۴۰) چنانچہ یہ کوئی فلسفیانہ مفروضہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو افراد تیار کیے وہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ آپ ﷺ کے تعلیم

یافتہ اور تربیت یافتہ افراد جہاں بھی گئے جس شعبے میں بھی گئے، انہوں نے اس شعبہ کے سارے مسائل حل کر دیے (نہ تو وہ ٹیکنو کریٹ تھے، نہ ٹیکنالوجسٹ، نہ ڈاکٹر نہ انجینئر) لیکن اس سب کے باوجود جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسا مدبر، حضرت عمر فاروقؓ جیسا منتظم، حضرت عثمان غنیؓ جیسا سرمایہ دار، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسا فقیہ، حضرت خالد بن ولیدؓ جیسا سپہ سالار، حضرت ابیؓ بن کعب جیسا قاری، حضرت انسؓ بن مالک جیسا خادم، حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی خاتون خانہ، غرض زندگی کے جس شعبے کا بھی نام لیں وہاں ایسے درخشاں ستاروں کے نام ہمیں ملتے ہیں کہ جن کی مثال پیش کرنے سے انسانی تاریخ عاجز ہے۔(۴۱)

دوسرا حل اتحاد بین المسلمین کے لیے اسلامی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت و اہمیت:

بعض لوگ ''اسلامی نشاۃ ثانیہ'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ یہ بات مناسب محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اسلام تو اللہ کا زندہ و جاوید پیغام ہے جو کبھی ضعیف نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ اسے نشاۃ ثانیہ کی ضرورت ہو البتہ مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ ضرور ہے کہ وہ دین کے ساتھ تمسک اور دوسرے عوامل کی وجہ سے کبھی کمزور ہو جاتے ہیں اور کبھی طاقتور''نشاۃ ثانیہ'' کی اصطلاح ترجمہ ہے ایک انگریزی لفظ Renaissance کا (یعنی تحریک احیائے علوم) کا جو مفہوم مغرب میں ہے اس کا اطلاق اسلام پر ہو سکتا ہے نہ اسلامی معاشرے پر، تاہم نشاۃ ثانیہ کی اصطلاح چونکہ اردو میں عام مروج ہے اور جس مفہوم میں مروج ہے وہ اپنی جگہ واضح بھی ہے اور مغربی مفاہیم سے متاثر بھی نہیں اس لیے مروجہ دور میں اس کی اصطلاح بین الاقوامی اتحاد بین المسلمین میں بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔(۴۲)

تجاویز وطریق کار:

جیسا کہ یہودی دانشوروں نے پروٹوکولز مدون کر رکھے ہیں اور وہ برسوں پہلے سے ہر چیز کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ عیسائی مغرب میں بھی بہت سے تھنک ٹینک (Think Tank) بنے ہوئے ہیں جو وہاں کے معاشرے کو درپیش مسائل کی تنقیح کرتے اور ان کے مناسب حل پیش کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے ہاں اس قسم کی منظم سوچ اور مستقل ادارے کم ہیں جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم نشاۃ ثانیہ جیسے اہم موضوع پر منظم طریقے سے سوچا جائے۔ اس کیلیے ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک ''مرکز مطالعہ مسلم نشاۃ ثانیہ'' (Mulsim Renaissance Study Center) قائم کیا جائے۔ جس میں مسلم امہ کے بہترین دماغ باقاعدگی سے جمع ہوں۔ وہ مسلم امت کے زوال کے اسباب اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے طریقوں پر غور کریں اور امت کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کے عروج اور غلبے کے لیے لائحہ عمل پیش کریں۔ اسی طرح ایک دوسرا تحقیقی و تجزیاتی ادارہ (تھنک ٹینک) ''مرکز مطالعہ مغرب'' کے نام سے بننا چاہیے جو امت مسلمہ کے خلاف مغرب (نصاریٰ اور یہود و ہندو) کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو سمجھے اور اپنے نتائج فکر مسلم امت کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ ان سازشوں کا توڑ بھی ہوتا رہے اور مسلم عوام وخواص کی فکری تربیت بھی ہوتی رہے۔(۴۳)

مسلم جدیدیت پسندوں نے جان بوجھ کر امام غزالیؒ کو نظر انداز کیا کیوں کہ مغرب کو قبول کرنے کی راہ میں سب سے بڑی علمی رکاوٹ امام غزالیؒ کے فلسفیانہ نظریات ہیں جن کا ۱۲ سو سال گزرنے کے باوجود ابھی تک جواب نہیں دیا جا

سکا۔ جس طرح امام غزالیؒ کے عہد میں عالم اسلام کو یونانی فکر، فلسفے اور تہذیب کا خطرہ درپیش تھا جس کی بنیاد عقل، ریاضی، طبعیات اور خود پسندی پر رکھی گئی تھی، اسی طرح عصر حاضر میں عالم اسلام کو مغرب سے یہی خطرہ درپیش ہے۔ امام غزالیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی نظام فکر و فلسفے میں یونانی الہیات، مابعد الطبعیات اور کونیات کے مباحث کو مخلوط کرنے کی کوشش نہیں کی اور ان تمام موضوعات و مباحث کو اجنبی اور غیر مانوس قرار دے کر ان کی درجہ بندی کی اور ان کا محاکمہ پیش کیا۔(۴۴)

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ (Orientalist: W.Montgomery Watt) کو امام غزالی کی اہمیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس کے خیال میں اسلام کو عصر حاضر میں مغرب سے وہی معرکہ درپیش ہے جو ماضی میں یونانی فلسفے کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا، وہ لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کا حل فلسفہ غزالی کے عمیق مطالعہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر مسلمان موجودہ صورت حال سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآء ہونا چاہتے ہیں: منٹگمری واٹ کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں:(۴۵)

> "Al-Ghazali has sometimes been acclaimed in both East and West as the greatest Muslim after Muhammad and he is by no means unworthy of that diginity. His greatness rests above all on two things:(1) He was the leader in Islam's supreme encounter with Greek Philosphy that encounter from which Islamic theology emerged victorious and enriched; and in which Arabic Neoplatonism received a blow from which it did not recover.(2) He brought orothodoxy and mysticism into closer contact: the orthodox theologians still went their own way, and so did the mystics, but the theologians became more ready to accept the mystics as respectable, while the mystics were more carefull to remain within the bounds of orthodoxy.

مسلمانوں کی اجتماعی یکجہتی کے اقدام کی ضرورت و اہمیت

پہلی صورت- اخلاقی اقدار کی بحالی:

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اگر چہ بالذات عبادت الٰہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسد کو فناء کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے۔ اسی لیے آخری پیغمبر خدا حضرت محمد ﷺ کو اخلاق پر معظم و مکرم کے علاوہ کامل اخلاق بنا کر بھیجا گیا ارشاد باری تعالیٰ: ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''(۴۶) بیشک آپ بہت بڑے عمدہ اخلاق پر فائز کیے گئے ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''انما انا بعثت لا تم مکارم

الاخلاق ''میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہو کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں یہی وجہ ہے کہ اس مقدس ہستی کی تعلیم میں رہبانیت، کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی (۴۷) چنانچہ دین اسلام اخلاقیات کی تعلیم کا سب سے بڑا علم بردار مذہب ہے، جس نے انسانیت کو ذلت سے نکال کر عزت پر لا کھڑا کیا۔

دوسری صورت-محسن انسانیتﷺ کی زندگی مبارک تمام دنیا کے اور ہر عہد کے مسلمانوں کے لیے عمدہ نمونہ عمل ہے:

آپﷺ کی تعلیمات ہر زمانے میں یکساں کارآمد اور مفید ہیں۔ آج بھی سیاست و حکمت کے اصول جہاں بانی و جہاں سازی اسی وقت بہترین نتائج دے سکتے ہیں جب ہمﷺ کی تعلیمات پر عمل کریں اور یہ آنے والے ہزاروں برسوں میں بھی اسی طرح قابل عمل رہیں گے جس رہنما کی تعلیمات ایک خاص زمانے میں خاص ماحول اور وسائل کے مطابق ہوں وہ پورے جہاں کا سردار نہیں کہا جا سکتا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپﷺ نے صرف اصول پیش کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں جاری کر کے دکھایا اور ان کی بنیاد پر ایک ایسی جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر کے دکھلا دی، جس کی مثال تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتی۔ آپﷺ کی پیش کردہ اصلاحی تجاویز مشرق و مغرب کی قید سے آزاد ہے، روئے زمین پر جہاں جہاں انسان آباد ہیں یہی ایک اصلاحی تجویز ان کی زندگی کی بگڑی ہوئی کل کو درست کر سکتی ہے۔ یہ ماضی و مستقبل کی قید سے بھی آزاد ہے چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے یہ جتنی صحیح اور کارگر تھی اتنی ہی آج بھی ہے اور اتنی ہی دس ہزار برس بعد تو کیا قیامت قائم ہونے تک رہے گی۔

تیسری صورت- عام سماجی رابطہ میں آپﷺ فقید المثال ہیں، لہٰذا آپﷺ کی تقلید امت پر فرض کا درجہ رکھتی ہے:

بڑے بڑے کام کرنے والے لوگ بالعموم رابطہ عام کے لیے وقت نہیں نکال سکتے اور نہ ہی ہر طرف توجہ دے سکتے ہیں بعض بڑے لوگوں میں خلوت پسندی اور خشک مزاجی پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ کبر کا شکار ہو کر اپنے لیے ایک عالم بالا بنا لیتے ہیں مگر حضور انورﷺ انتہائی عظمت : عرفان کے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود، تاریخ کا رخ بدلنے والے کارنامے انجام دے کر عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے اور جماعت و معاشرہ کے افراد سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے، علیحدگی پسندی یا کبر یا پیوست کا شائبہ تک نہ تھا درحقیقت آپﷺ نے سب سے پہلے جس نظام اخوت کی تاسیس فرمائی تھی یہ اس کا اہم ترین تقاضا تھا کہ لوگ باہم و مربوط رہیں تاکہ ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق کو پہچانیں۔ (۴۸)

چوتھی صورت- مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اعتدال پسندی سے رہنے کا حکم:

قرآن کریم میں ارشاد ہو گیا کہ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ''(۴۹) اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ تو ایسی صورت میں سیدھا اور آسان نسخہ ہمیں حدیث کے حوالہ سے مل جاتا ہے کہ ہم کیوں کر ان میں اپنی ذات کو مدغم کریں بلکہ صرف مصارف دنیا کو مندرجہ حدیث کی روشنی میں اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص

کرتے ہوئے سرانجام دے سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا کہ:"لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبو هم وقولوا امنا بالله وما انزل الینا"(۵۰) یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

خلاصہ بحث:

فطرت الہیہ کے عطا کردہ اصول وضوابط کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طریقہ و انداز پر مزاجی کیفیت کے اعتبار سے جس طرح انسانی جسم کی تخلیق کی ہے بالکل اسی جسمانی کیفیت کے مطابق پر لوح محفوظ سے اٹھا کر اپنی کتاب اللہ کے تمام مضامین عطا کیے ہیں تاکہ فطری طور پر ہر مضمون و ہر حکم انسانی جسم کے تقاضوں میں اسی طرح آ کر فٹ ہو جائیں جس طرح کسی سوراخ میں اس کا بولٹ فٹ ہو جاتا ہے جیسے انگریزی کا مقولہ ہے "A pag in squre hole" چکور سوراخ میں گول کھونٹی لگانا غلط ہے، اسی طرح ذرا دیر کے لیے مذہب سے ہٹ کر انسانی فطرت کے لحاظ سے سوچیں تو پتہ چلتا ہے کہ جسم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب و لا مذہب آدمی کا ہو، جب بھوک لگے گی تو کچھ کھائے گا، جب پیاس لگے گی تو پانی پیئے گا۔ جب جسم میں درد یا تکلیف ہوگی تو اس کا علاج معالجہ کرے گا، جب غم ہوگا تو روئے گا، جب خوشی ہوگی تو ہنسے گا، مسکرائے گا، الغرض اس کے کھانے پینے، علاج معالجہ کرنے اور رونے ہنسنے کا جو عمل ہوگا وہ کیا تھا کہ پیاسے کو پانی پلانا، بھوکے کو کھانا کھلانا بیمار کو دوائی دلانا، زخمی کی طبی امداد کرنا سب کچھ کرنا ہمارے ہاں بھی ہے پھر کسی واسطہ تم اپنے مذہب (اسلام) کو تھامے ہوئے ہو؟ چنانچہ یہ سوال جب ایک مسلمان سے کسی ہندو نے کیا تھا تو اس کو جواب دیا گیا کہ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو مگر ہمارے یہاں اس عمل میں اور تمہارے عمل میں بڑا فرق ہے کہ تم اپنے فطری اور عقلی تقاضوں سے یہ عمل کرتے ہو، جبکہ ہم یہ عمل اپنے اللہ اور اس کے رسول کے بتانے سے کرتے ہیں۔ دوسرے تمہارے عمل کا فائدہ تمہیں دنیا میں ملے گا اور ہمارے عقیدے کے مطابق تمہیں وہاں کچھ نہ ملے گا۔"وماله فی الاخرة من نصیب"(۵۱) چنانچہ ہمارے مذہب کے مطابق ہمیں ان انسانی خدمات کے صلے میں یہاں بھی فائدہ ہوگا کہ وہ شخص ہمارا ہمدرد بھی ہو جائے گا اور آخرت میں بھی وہ کچھ جزاء اور انعام ملے گا جو"ثواب" کے الفاظ میں اللہ و رسول نے فرمایا لہٰذا اس دنیا کے تمام انسانوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اپنے تمام مسائل کے حل کے لیے صرف اور صرف اس عظیم ہستی کی پیروی کرنی ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ اللعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا ہے۔ (اللهم صلی علی محمد و علی آله وصحبه وسلم) اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

مصادر و مراجع

۱۔ سورۃ الانعام (۶:۱۴۶) ۲۔ اس کا حوالہ: حضور اکرم ﷺ کے ارسال کردہ خطوط میں سے ایک (قیصر کے نام خط) جس میں آپ ﷺ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے اسلم تسلم یعنی تم اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے، مزید دیکھیے: سیرۃ النبی ﷺ، ندوی سید سلیمان، ص: ۲۷۰) ۳۔

الحجرات (۴۹:۱۰) ۴- خطبات جمعہ کی مشہور حدیث، متفق علیہ۔ ۵- سورۃ البینۃ (۹۸:۸) ۶- | بحوالہ: رسالہ پیشوا، دہلی، جنوری ۱۹۳۳ء و دیگر ملاحظہ ہو، عرض الانوار، المعروف بہ تاریخ القرآن، مصنفہ قاضی عبدالصمد صارم، ناشر: میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی ص:۲۰۲۔ ۷-
(Page-xviii-preface) What's Right with Islam" Imam Feisal Abdul Rauf, Harper San Franciscom.
US-2004 ۸- [ص:۱۱، تاریخ بیت المقدس، ممتاز لیاقت، سنگِ میل پبلیکشنز، لاہور ۲۰۰۰ء] ۹- [ص: ۱۰، جدید دور کے مسائل اور انکا حل، ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۹۸ء] ۱۰- اسلام پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر... ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی (مرتب: آصف اکبر) بیت الحکمت، لاہور ۲۰۰۵ء۔ ۱۱- ایضاً: ص ۱۰۲ بحوالہ (the Concise Encyclopedia of the Living Faiths: P-70) ۱۲- ایضاً: ص ۱۰۲۔ ۱۳- ص: ۸۰ عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین (مضمون: مولانا منظور احمد نعمانی) ترتیب جدید: مولانا حسین احمد نجیب، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۷ء۔ ۱۴- [ص:۱۰، جدید دور کے مسائل اور ان کا حل، ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۸ء] ۱۵- ایضاً ۱۶- ایضاً ۱۷- [ص: ۹۳، تقلید (تجزیاتی مطالعہ) صدیقی سرفراز حسین، رائل بک کمپنی BG-5 ریکس سینٹر فاطمہ جناح روڈ، کراچی ۲۰۰۶ء] ۱۸- (ص:۳۱) Islam under siege-Akabar S.Ahmed, Vistaar Publications, New Delhi India-2003 ۱۹- (ص: ۱۳۷) نیازی، لیاقت علی خان، ڈاکٹر دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور، زکوۃ وعشر حکومت پاکستان (قومی سیرت کانفرنس) ۲۰۰۴ء۔ ۲۰- (ص: ۱۳۵) ایضاً۔ ۲۱- سورۃ الانعام (۶:۱۵۹) ۲۲- سورۃ آل عمران (۳:۱۰۳) ۲۳- تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی۔ ۲۴- (ص: ۳، دی مسلم ورلڈ، فروری ۲۰۰۶ء، مؤتمر عالم الاسلامی، کراچی) ۲۵- Islam under Siege- Akbar S Ahmed- Vistaar Publications New Delhi-2003 ۲۶- (ص:۲۵ تا ۲۸، تہذیبوں کا تصادم، سیموئیل پی ہنٹنگٹن، ترجمہ عبدالمجید طاہر، نگارشات مزنگ روڈ، لاہور ۲۰۰۵ء۔ ۲۷- e-Journal USA-The Challagnes of Globalization- Fabruary 2006. Page No-1 http://usinfo.state.gov/pub/ejournalusa.html. ۲۸- سید صلاح الدین ڈاکٹر اداریہ علوم اسلامیہ انٹرنیشنل، (ششماہی) تعلیم وتحقیق نمبر ۲۰۰۵ء۔ ۲۹- (ص:۷۸، تہذیبوں کا تصادم، سیموئیل پی ہنٹنگٹن ترجمہ عبدالمجید طاہر، نگارشات مزنگ روڈ، لاہور ۲۰۰۵ء) ۳۰- (ص: ۸۵) (ایضاً) ۳۱- ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی تحریکات کا ایک تنقیدی جائزہ، ماہنامہ الشریعہ/ جولائی ۲۰۰۲ء۔ ۳۲- سورۃ البقرۃ (۲:۲۵۷) ۳۳- کالم نویس: شاہنواز فاروقی، روزنامہ "جسارت" کراچی ۲۲/ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۳۴- Page-227; The World's Religions (Old Traditions and Modern Transformations) by ninian Smart- Cambridge University Press-NY-1993 ۳۵- محمد زین العابدین منصوری، فکری یلغار-- ماہیت اور اثرات، ترجمان القرآن، ستمبر ۲۰۰۶ء، ۳۶- ص:۱۱۱، ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل، بیت الحکمت، لاہور ۲۰۰۴ء، ۳۷- سورۃ آل عمران (۳:۱۴) ۳۸- سورۃ الحج (۲۲:۱۰۵) ۳۹- ص: ۳۷۷، ڈاکٹر محمد امین مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل، بیت الحکمت، لاہور ۲۰۰۴ء۔ ۴۰- ص:۱۸۱، ڈاکٹر نثار خطبہ حجۃ الوداع، بیت الحکمت لاہور ۲۰۰۵ء۔ ۴۱- ص: ۲۷۰ ڈاکٹر محمد امین، مسلم نشاۃ ثانیہ اساس اور لائحہ عمل، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۴ء۔ ۴۲- ص: ۱۵ تا ۱۶: ایضاً۔ ۴۳- ص: ۲۷۷، ایضاً ۴۴- ص: ۹۵، جریدہ (۲۹) (جلد اول) مرتبہ سید خالد جامعی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء۔ ۴۵- ص: ۹۶، ایضاً۔ ۴۶- سورۃ قلم (۶۴:۴) ۴۷- ص: ۲۹، سیوہاروی محمد حفظ الرحمن مولانا، اسلام کا اقتصادی نظام، ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور طبع دوم ۱۹۸۴ء۔ ۴۸- ص: ۲۱۱-۲۱۲، مقالات سیرت وزارت مذہبی امور زکوۃ وعشر حکومت پاکستان، قومی کانفرنس برائے خواتین، مقالہ نگار: عظیم پروفیسر ڈاکٹر فرحت کراچی ۲۰۰۴ء۔ ۴۹- سورۃ المآئدۃ (۵:۵۱) ۵۰- جواہر الفقہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، ادارہ المعارف کراچی نمبر ۱۴/ ج ۱، ص ۶۳۔ ۵۱- سورۃ الشوریٰ (۴۲:۲۰)

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمد حسین نجک۔کوئٹہ

مسلم امہ کا ایک تعارف:

کرہ ارض پر موجود اسلام کے تمام پیروکار کسی بھی قسم کے سماجی، سیاسی، ثقافتی تفاوت اور قومی سرحدات سے بالاتر ایک وحدت یا Entity تشکیل دیتے ہیں جسے اصطلاحاً مسلم امہ کہا جاتا ہے۔ مسلم امہ اس وقت عالمی آبادی کا تقریباً 22 فیصد ہے یعنی کوئی سوا چھ ارب انسانوں میں سے 1.5 بلین (ارب) مسلم امہ پر مشتمل ہے۔ اسلام مذاہب عالم میں دوسرا بڑا مذہب ہے۔ اسلام خالق کائنات کی طرف سے اپنے آفاقی اور عالمگیر پیغام کی بدولت بنی نوع آدم کے لیے رہتی دنیا تک اپنے اندر مکمل ضابطۂ حیات سموئے ہوئے ہے اور ہر لاینحل مسئلے کا حل پیش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت اسلام دنیا کے اندر سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ پھیلتا ہوا مذہب ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کا اپنے اور اپنی پیاری امت کی بابت ارشادِ گرامی ہے۔

''میں آخری نبی ہوں اور میری امت آخری امت ہے'' (خطبہ حجۃ الوداع)

یعنی آپ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا لہٰذا آپ ﷺ کی امت ہی آخری امت ہے، یعنی امت مسلمہ۔ امتِ مسلمہ عالمی آبادی کا ایک خاص تناسب، قدرتی وسائل سے مالا مال، تابناک اور قابلِ رشک ماضی کے باوجود فی زمانہ چند ایک مسائل سے دوچار ہے جنہیں درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱-اتحاد و یکجہتی کا فقدان، ۲- معاشی و اقتصادی درماندگی، ۳- جدید تعلیمی و تکنیکی پسماندگی، ۴- سیاسی عدم استحکام، ۵-تہذیبوں کا تضاد اور بقائے امت، ۶- حربی و دفاعی کمزوری، ۷-مسلم امہ اور عالمی طاقتوں کے دوہرے معیار

۱- اتحاد و یکجہتی کا فقدان:

امت مسلمہ کو درپیش مسائل میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ اتحاد و یکجہتی کا فقدان ہے۔ یہ اتحاد بین المسلمین کا فقدان ہی ہے جو کہ امت کو درپیش دیگر مسائل کا ایک بنیادی سبب ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے تمامتر استعداد Potential کو کمزوری یا Vulnerability میں بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اتحاد بین المسلمین کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم (امت مسلمہ) دیگر دنیا سے قطع تعلق کر لیں یا غیر مسلموں کو بلا وجہ نقصان پہنچانے کے لیے پوری امت ایک ہو جائے بلکہ ہم خالق کائنات کے ازلی و ابدی، آفاقی و عالمگیر سچائی کے حامل پیغام کی رسی کو اس حسنِ ادا سے اکٹھے ہو کر تھامیں کہ اسلام کی صداقت ہمارے قول و فعل سے ثابت ہو اور دیگر بنی نوع انسان اس رسی میں پروئے بغیر اپنے آپ کو بے ڈھب، حقیقت سے پرے اور اپنے وجود کو نامکمل سمجھنے پر مجبور ہو جائیں۔

یہاں اس بات کا ادراک بے حد اہم ہے کہ امت مسلمہ کا پارہ پارہ وجود نہ صرف یہ کہ امت کو نقصان پہنچانے کا سبب ہے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی خالق کائنات کے پیغام سے مزید بعد کا باعث بنا ہے۔ جو کہ اسلام کی آفاقی روح Universal Spirit اور امت مسلمہ کی بنیادی ذمہ داریوں کے منافی ہے۔ یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ جب انتشار امت اس حد تک بڑھ جائے کہ وہ امت مسلمہ کے بنیادی فرائض کی ادائیگی میں حائل ہو تو کیا اس امت کا اپنا وجود خطرات سے دوچار نہ ہوگا؟ امت مسلمہ کے اندر اتحاد و یکجہتی کے فقدان کی وجوہات کچھ بھی رہی ہوں، اپنی کوتاہیاں ہوں کہ غیروں کی سازشیں، یہود و ہنود کی ریشہ دوانیاں ہوں کہ بے رحم استبدادی طاقتوں کے Globalization کے چیلنجز، یہ سب ہیچ ہیں میرے آقا ﷺ کی سیرت طیبہ کے سامنے جس پر عمل کر کے امت مسلمہ نہ صرف اپنے عظمت رفتہ کو پا سکتی ہے بلکہ اوج ثریا کو چھوسکتی ہے۔

۲- معاشی و اقتصادی درماندگی:

عالمی آبادی کے 1/5 حصے پر مشتمل، بہترین جغرافیائی محل وقوع اور عالمی قدرتی وسائل کے ایک کثیر حصے (مثلاً 70 فیصد توانائی اور 40 فیصد عالمی خام مال) کی مالک امت مسلمہ اس وقت جس اقتصادی اور معاشی درماندگی کا شکار ہے وہ انتہائی پریشان کن ہے۔ امت مسلمہ کی 1.5 بلین آبادی میں سے 522 ملین یا تقریباً آدھی آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کرتی ہے۔ 276 ملین آبادی صحت کی سہولیات سے محروم اور کثیر آبادی کو پینے کے لیے صاف پانی دستیاب نہیں۔ امت مسلمہ کے 10 ملین انسان ایسی ہی معذوریوں میں مبتلا ہیں جن سے آج کے جدید سائنسی دور میں بچاؤ ممکن ہے۔ کچھ اور قابل اعتماد اعداد و شمار کے مطابق صرف چھ اسلامی ممالک اعلیٰ انسانی ترقی کے اشاریے یا High Human Development Index میں جگہ پاتے ہیں 22 اسلامی ممالک درمیانے درجے اور 23 اسلامی ممالک نچلے درجے کی HDI میں شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کے مطابق 178 ممالک پر مشتمل انسانی ترقیاتی اشاریے HDI کی فہرست میں سب سے اوپر اسلامی ملک 36 ویں جبکہ سب سے نیچے اسلامی ملک 173 ویں نمبر پر ہے۔ او آئی سی کے 56 ممبر ممالک کی کل مجموعی قومی پیداوار 101 ٹریلین Trillion ڈالر ہے جو صرف فرانس کی مجموعی قومی پیداوار یا GNP سے بھی کم ہے جو کہ 1.5 ٹریلین ڈالر بنتی ہے۔ اور جاپان کی مجموعی قومی پیداوار کا پانچواں حصہ ہے جو کہ 5.1 ٹریلین ڈالر پر مشتمل ہے۔ دنیا کی 22 فیصد آبادی پر مشتمل خطے کا حصہ عالمی GDP میں صرف 02 فیصد اور عالمی تجارت میں 1.3 فیصد ہے اور 22 فیصد آبادی پر مشتمل مسلم امہ کا عالمی آمدنی میں حصہ چھ فیصد سے بھی کم ہے۔

۳- جدید تعلیمی و تکنیکی پسماندگی:

اسلام جس کی ابتدا ''اقرا'' اور داعی اسلام ﷺ ایسے معلم اعظم کہ جن نے عالم کے قلم کی سیاہی کو شہید کے خون سے افضل و بالاتر، علم کو اپنا سرمایہ اور دلیل کو اپنے مذہب کی بنیاد، حتیٰ کہ پڑھے لکھے قیدیوں کی رہائی کو بھی ترویج علم سے

مشروط قرار دیا۔ آج آپ ﷺ کے پیروکار (امت مسلمہ) جس ناگفتہ بہ تعلیمی و تکنیکی پسماندگی سے مد مقابل ہے اس کا مختصراً احوال کچھ اس طرح ہے۔

امت مسلمہ کی اوسط شرح خواندگی تقریباً 38 فیصد ہے اور مسلم ممالک کے دیہی علاقوں میں خواتین کی شرح ناخواندگی 93 سے 97 فیصد تک ہے ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم امہ کی تقریباً دو تہائی آبادی ناخواندہ ہے۔ پاکستان سائنسی و تکنیکی اعتبار سے مسلم امہ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ایٹمی ملک ہے تاہم مسلم اُمہ کے دوسرے بڑے ملک پاکستان کی شرح خواندگی دیگر اسلامی ممالک کی اوسط شرح خواندگی سے بھی کم ہے۔

OIC ممالک میں یونیورسٹیز یا جامعات کی کل تعداد 500 سے کم ہے جبکہ صرف جاپان میں ایک ہزار یونیورسٹیاں ہیں جس میں 120 جامعات صرف ٹوکیو شہر میں ہیں۔ OIC خطے کے اندر مجموعی طور پر بارہ ہزا جامعات کی ضرورت ہے۔ دنیا میں ایک لاکھ سائنسی کتب اور 20 لاکھ تحقیقی مقالے سالانہ شائع ہوتے ہیں ان میں پوری مسلم دنیا کا حصہ ایک ہزار تحقیقی مقالا جات پر مشتمل ہے۔ یہ ساری باتیں مسلم امہ کی سائنسی و ٹیکنالوجی کے شعبے میں انتہائی انحطاط کی غمازی کرتی ہیں۔

۴- سیاسی عدم استحکام:

سیاسی اعتبار سے مسلم امہ اس وقت ستاون 57 اسلامی مالک پر مشتمل ہے جو کہ اقوام متحدہ اور OIC کے رکن ہیں۔ جبکہ دیگر 400 ملین سے زیادہ مسلمان دنیا کے مختلف ممالک میں آباد ہیں۔ ستاون اسلامی ممالک پر مشتمل تنظیم او آئی سی جس کا بنیادی مقصد اپنی عوام بشمول دنیا بھر کے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اور ترقی کو یقینی بنانے کے لیے اپنے تمامتر وسائل کے ساتھ مشترکہ جدوجہد کے لیے یک زبان آواز بلند کرتا ہے۔ تاہم OIC کی عدم فعالیت کے باعث مسلم امہ کو نہ صرف یہ کہ داخلی سیاسی عدم استحکام کے مسائل درپیش ہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں کے اندر کئی مسلم ممالک/خطوں کی سیاسی آزادی سلب کر لی گئی ہے۔ مثلاً کشمیر، فلسطین، عراق، لبنان، افغانستان، بوسنیا، چیچنیا، سوڈان اور قبرص وغیرہ کے مسائل اس مجموعی سیاسی عدم استحکام کے ثبوت ہیں۔ جن سے مسلم امہ اس وقت دو چار ہے۔ مزید براں 9/11 کے بعد سے مسلم امہ کو بالخصوص کھلم کھلا جارحیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کی مثال افغانستان، عراق اور لبنان ہیں جہاں خونِ مسلم کی ارزانی عام ہے۔ مزید دو اسلامی ممالک ایران و شام مبینہ طور پر ابھی Waiting List پر ہیں۔

مسلم امہ کے اندر سیاسی انتشار کے پیش نظر اب تو علی الاعلان مشرق وسطی اور جنوبی ایشیا کے نئے سیاسی نقشے کی باتیں ہو رہی ہیں، ظاہر ہے یہ سب باتیں مسلم امہ کو سیاسی اعتبار سے مزید تقسیم اور نتیجتاً کمزور کرنے کے عزائم پر مبنی ہیں جو کہ مسلم امہ کے مجموعی سیاسی شعور کا سلامتی اور بقا کے حوالے سے درپیش سب سے بڑا چیلنج ہے۔

۵- تہذیبوں کا تصادم اور بقائے امت:

انسانی تاریخ تہذیبوں کے عروج و زوال کی تاریخ ہے۔ پہلے زمانے میں ایک تہذیب کا زوال دوسری تہذیب

کے عروج کا باعث ہوا کرتا تھا یا اگر ایک ہی وقت میں متعدد تہذیبیں وجود رکھتی تھیں تو ان کے مختلف جغرافیائی محل وقوع اور رسل و رسائل کی سست روی کے باعث بین التہذیبی تصادم کے امکانات کم ہوتے تھے۔ تاہم فی زمانہ دنیا کے اندر کوئی آٹھ بڑی تہذیبیں وجود رکھتی ہیں۔ بشمول مسلم امہ یا اسلامی تہذیب کے۔

تہذیبوں کے درمیان تصادم کا معاملہ امت مسلمہ کے حوالے سے اس لیے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اس وقت دنیا کے اندر دیگر تہذیبوں کے درمیان تصادم کی بازگشت اتنی زوردار نہیں جتنی کہ مغربی دنیا اور مسلم امہ کے مابین تصادم کا غوغہ جس کی مثال نت نئے اسلامی ممالک/ملک کے خلاف جنگ کا اعلان مغرب کے حکمران برملا Crusades یا صلیبی جنگ یا تہذیبوں کے تصادم کے نام سے کرتے ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم کی بات صرف مغربی حکمرانوں کے جنگی جنون تک موقوف نہیں بلکہ مغربی میڈیا سے لے کر پاپائے روم کے منصب جلیلہ پر فائز لوگ بھی اس عقیدے کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب جبکہ عالمی سیاست معاشی اور تہذیبی بنیادوں پر اس انداز سے استوار ہو رہی ہے کہ جس میں تہذیبوں کے درمیان تصادم کا حرکی عامل مکمل طور پر فعال اور اس کے رخ کا تعین بھی ہو چکا ہے جو کہ مسلم امہ کی طرف ہے۔

یہاں مذہب اور تہذیب کے کلیدی تعلق کے حوالے سے ایک نقطے کی وضاحت ضروری ہے بقول کرسٹوفر ڈاسن ''عظیم مذاہب عظیم تہذیبوں کی بنیاد ہوتے ہیں'' یہاں خدشہ صرف اس بات کا ہے کہ حالیہ تہذیبوں کا تصادم کہیں نہ صرف مسلم امہ بلکہ عالمی تہذیبی اثاثے کو کہیں ایک عظیم تہذیبی اکائی سے محروم نہ کر دے؟

۶-حربی و دفاعی کمزوری:

مسلم امہ کی حربی و دفاعی کمزوری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عالمی طاقتوں نے جب جس بہانے کو بنیاد بنا کر جس اسلامی ملک پر حملہ کرنا چاہا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ ملک عملاً فتح ہو گیا (یہی وجہ ہے کہ اس وقت عرب اور باقی مسلمان، دنیا کے اندر 22 فعال شورشوں سے دوچار ہیں۔) اور باقی اسلامی دنیا چاہنے کے باوجود بھی غیر قانونی، بلا جواز اور مبنی بر جارحیت حملوں کو رکوا نہ سکی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ امت مسلمہ کی مجموعی حربی و دفاعی استعداد بھی مذکورہ حملوں سے Deterrance کے لیے کافی نہیں یا پھر حملہ آوروں کو امت مسلمہ کے مجموعی حربی و دفاعی استعداد کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے امکانات معدوم نظر آتے ہیں۔

مسلم امہ کے اندر پاکستان سب سے زیادہ فوجی، دفاعی و حربی استعداد کا حامل ایٹمی قوت سے لیس ملک ہے۔ ترکی اور ایران بھی مسلم امہ کے اندر قابل ذکر دفاعی استعداد کے حامل اسلامی ممالک ہیں تاہم دفاعی لحاظ سے یہ تین چوٹی کے اسلامی ممالک بھی وہ جدید ٹیکنالوجیکل استعداد نہیں رکھتے جو جدید جنگوں کے لیے کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔

۷-مسلم امہ اور عالمی طاقتوں کے دوہرے معیار:

مسلم امہ جن بے رحم عالمی عصریتوں کے درمیان گھری ہوئی ہے وہ کمزور کی آواز سننے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے رکن ستاون اسلامی ممالک میں سے کسی کے پاس بھی یہ قوت و اختیار نہیں کہ اس عالمی تنظیم کے سیاہ و سفید کے مالک ویٹو پاورز اگر رات کو دن کہہ رہے ہوں تو وہ اس کو چیلنج کر سکیں یا کم از کم رات کو رات ہی کہہ سکیں۔ عالمی طاقتوں کے دوہرے معیارات کا اندازہ مسلم مقبوضہ علاقہ جات کی فہرست، عرب اور باقی مسلمانوں کو دنیا کے اندر درپیش 22 تنازعات اور اسرائیل کا کرہ ارض پر وجود کسی بھی ملک سے سب سے زیادہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کے ریکارڈ سے لگایا جا سکتا ہے، جو کہ کم از کم 65 اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے جبکہ فلسطینیوں نے ایک بھی قرارداد کی خلاف ورزی نہیں کی۔

درپیش چیلنجز:

امت مسلمہ کے مسائل اور درپیش چیلنجز کی فہرست تو خوفناک حد تک طویل ہو سکتی ہے لیکن میرے نزدیک امت کے سامنے سب سے بڑا چیلنج امت مسلمہ کا اپنی حالتِ مخدوش کا فی الفور ادراک اور اپنے وجود کے اثبات میں ''ہاں'' کہنے کا چیلنج ہے۔ اگر ہم (امت مسلمہ) اس سے پہلے اور سب سے بڑے چیلنج سے نبرد آزما ہونے میں کامیاب ہو جائیں تو دیگر مسائل و چیلنجز کی Remedy بھی اسی میں پنہاں ہے۔

Globalization ہو کہ war on terror، Islmophobia ہو کہ Estophobia 9/11 ہو کہ 7/7 کے چیلنجز، یہ سارے چیلنجز offshoots ہیں۔ مذکورہ بالا سب سے بڑے چیلنج کے جس کے ذریعے امت مسلمہ نے اپنی معرفت، اپنے وجود کے اثبات کے ثبوت کے طور پر ایک جامع اور ٹھوس Response تشکیل دینا ہے۔

مسلم امہ کے مسائل و چیلنجز کے تدارک کے لیے سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تجاویز:

1۔ مسلم امہ کو اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کو اپنا اولین اور Constant مطمع نظر بنانا چاہیے۔

2۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''بے شک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔'' (الحجرات10:49)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی مثال ہمیں مہاجرین و انصار کے درمیان حضور ﷺ کا مواخاۃ قائم کرنے سے ملتی ہے جس کے تحت مہاجر اور انصار آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ دنیا آج تک انصار کے اس ایثار پر ششدر ہے جس کے تحت مہاجر وراثت میں بھی حصہ دار ٹھہرے۔ امت مسلمہ آج جس اضطراری کیفیت سے گذر رہی ہے آج پھر اتحاد بین المسلمین کے لیے ہمیں مہاجرین و انصار کے جذبہ مواخاۃ کی بے انتہا ضرورت ہے جس کو بروئے کار لاتے ہوئے امتِ مسلمہ کا ہر فرد دوسرے مسلمان بھائی کے لیے قوت و راحت کا سبب بن سکے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

> ''مومن (ہر دوسرے مومن) کے لیے ایک دیوار کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ مل کر قوت پکڑتا ہے۔'' (صحیح المسلم 32:2)

3۔ امتِ مسلمہ کے معاشی و اقتصادی مسائل کے تدارک کے لیے "Intra Ummah trade and

"commerce اور سرمایہ کاری کو اولین ترجیح دینی چاہیے اور مسلم امہ کے نسبتاً امیر ممالک کو اپنی دولت اور Skills کے Tunnels امت کے غریب اور ضرورت مند ممالک کے لیے کھول دینے چاہئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور تمام مالداروں کے اموال و ذرائع میں سوال کرنے والوں اور ضرورتمندوں کا حق ہے'' (سورہ الذاریات 9:51)

4۔ امت مسلمہ کو اپنے معاشی وسائل میں سے کچھ دنیا کی دیگر غیر مسلم اقوام جو کہ غریب نادار یا کسی قدرتی زمینی و سماوی آفت سے متاثر ہوں، انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ان پر صرف کرنے کے لیے مختص کرنے چاہئیں۔

5۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اقدس ہے:

''ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے''

امت مسلمہ کے اندر تعلیمی و تکنیکی پسماندگی کے تدارک کے لیے ہمیں کائنات کے معلم اعظم ﷺ کے اس قول اقدس کے مصداق مسلم ممالک کو اپنے ملکوں کے اندر ایک تعلیمی Emergency کا نفاذ کر دینا چاہیے۔

6۔ اس تعلیمی Emergency کے نفاذ کے تحت ابتدائی دس سالوں کے لیے امت مسلمہ کے اندر موجود تعلیمی وسائل و درسگاہوں کو 24 گھنٹے استعمال کرنا چاہیے۔

7۔ امت مسلمہ کے اندر علمی و جدید سائنسی و ٹیکنالوجیکل انقلاب برپا کرنے کے لیے تمام جدید سائنسی و تکنیکی اور Emerging Sciences کے Desciplines کے اندر ایک درجن بھر Centre of Excellence قائم کر دینے چاہئیں۔ جہاں سے پوری امت مسلمہ کے سکالرز اور سائنسدان استفادہ کر سکیں۔

8۔ امت مسلمہ کے سیاسی عدم استحکام کے تدارک اور سیاسی غلبے کے حصول کے لیے ہمیں اسلام کے حاکمیت اعلیٰ کے تصور اور Good Governance کو فروغ دینا چاہیے۔

9۔ OIC کو مالی، انتظامی، سیاسی، ثقافتی، علمی اور سائنسی اعتبار سے ہر ممکن حد تک فعال و متحرک کر دینا چاہیے۔

قرآن کریم میں اسلام اور امت مسلمہ کے سیاسی غلبے کی نوید اس طرح بیان ہوئی ہے:

ترجمہ: ''تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم کامل یقین رکھتے ہو'' (آلِ عمران 139:3)

اور ایک مقام پر فرمایا:

ترجمہ: پس تم سستی نہ کرو اور نہ باطل سے سمجھوتہ کرو پھر تم ہی غالب آ کر رہو گے اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہاری کوششوں کو بے نتیجہ (یا خسارے میں) نہیں جانے دے گا۔ (محمد 35:47)

10۔ تہذیبوں کے تصادم کے تدارک اور بقائے امت کے لیے ہمیں دنیا کے سامنے اسلام کے امن اور سلامتی کے پہلوؤں کو عملی طور پر پیش کرنا چاہیے اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کو فروغ اور تصادم کے عقیدے کو رد کرنا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ ''اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے۔ (آل عمران 64:3)

11۔ امت مسلمہ کو اپنے حربی و دفاعی مسائل کے تدارک کے لیے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ قابل اعتماد Deterrance کا حصول یقینی بنانا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: '' اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعے سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں (الانفال 60)

12۔ امت مسلمہ کو حربی و دفاعی معاملات میں ہادی برحق سپہ سالار اعظم ﷺ کے عملی نمونے کو اپنے لیے حرزِ جان بنانا چاہیے جس کا بنیادی اصول حملے میں پہل نہ کرنا، بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور کھڑی فصلوں کو جنگ کے دوران تلف کرنا جائز نہیں۔

13۔ امت مسلمہ کو عالمی طاقتوں کے دوہرے معیارات کے باوجود اپنے معاملات میں عدل و انصاف، مساوات اور انسانی جان کی حرمت کے بنیادی اسلامی اصولوں کو اپنے ہاتھ سے پامال نہیں ہونے دینا چاہیے۔

14۔ امت مسلمہ کو دنیا کے سامنے حضور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین کے ارشادِ گرامی ''**الطهور شطر الايمان**'' کا عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے طہارت اور پاکیزگی نہ صرف ہمارے جسم، روح اور فکر سے آشکار ہو بلکہ پورے کرہ ارض پر جہاں جہاں مسلم امہ کا تصرف اور اختیار ہے وہاں ہر ذی روح چرند پرند، حشرات الارض، نباتات وحیوانات اور جمادات، بحر و بر اور فضا کو ہر قسم کی آلودگی اور کثافت سے پاک رکھنا چاہیے اور امت مسلمہ کو حیاتیاتی تنوع "Biodiversity" کے تحفظ و بقا کے حوالے سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

(وما علینا الاالبلاغ)

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

عبدالحکیم خان۔کراچی

جب آپؐ چالیس (۴۰) سال کے ہوئے تو غارِحرا میں فرشتہ غیب نے قرآنی آیات اقرأ باسم ربک الذی خلق نازل کیں۔ آپؐ نے تین سال تک خفیہ تبلیغ کی اور جب آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو یہودیوں (بنو قینقاع، بنو النضیر، بنو قریضہ) نصرانیوں (عیسائیوں) اور کفار مکہ (مشرکین) نے جارحانہ اقدامات شروع کردیئے۔ تمام مسلمانوں کے خلاف اور خود حضرت محمد ﷺ کے خلاف ہر طرح کی سختیاں جن میں کانٹے بچھانا۔ غلاظت ڈالنا، گلے میں چادر سے گلا دبانا، پتھر مارنا، دشنام طرازی نیز مسلمانوں کو کوڑے مارنا، چھاتی پر گرم پتھر رکھنا، دھوپ میں لٹانا وغیرہ اس تشدد کی بناء پر اور ظلم وستم (ایذاءرسانی) کی باعث مسمانوں کو دو مرتبہ حبشہ کی ہجرت کرنا پڑی۔ علاوہ ازیں جب کفار مکہ (ہنود) آپ کی جان کے دشمن ہو گئے تو آپ بھی مدینہ ہجرت کر گئے اور سب مشکلات سے دوچار ہوئے لیکن آپ نے مہاجرین اور انصار کے اتحاد و اتفاق اور جہاد کے جذبے کے تحت دشمنان اسلام پر قابو پا لیا اور ان سے گفت وشنید، صلح ناموں، میثاق مدینہ سلطانین کو دعوت اسلام (کسریٰ ایران، قیصر روم، عمائدین عرب) غزوات فتح مکہ، عہد رسالت کا نظام حکومت (انتظامیہ، صوبائی نظام، عدلیہ، فوج، ذرائع آمدنی (مال غنیمت، زکوٰۃ وعشر، صدقات، جذیہ، خراج)۔

نیز قرآن حکیم، سنت اور نیکی پر عمل کرنے کی ہدایت بھائی چارے عفوودرگزر، نماز، روزے، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی تلقین وغیرہ فرمائیں جو انسانی نظام حیات اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کو جلا بخشتی ہیں اور انسانی اساس کو تحت الثریٰ سے نکال کر اوج ثریا عطا کرتی ہیں۔ نیز ذمیوں نے حقوق ومراعات حاصل کیں لیکن کفار مکہ (ہنود) یہودیوں اور عیسائیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ شرپسندی کی اور اسلام کی توہین کرتے رہے ہیں اور ان کی یہ ریشہ دوانیاں سال ۲۰۰۶ء میں بھی جاری وساری ہیں اور اس کی وجہ تینوں قوموں کا گٹھ جوڑ ہے موجودہ دور میں امت مسلمہ کی پریشانی مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سوویت یونین اور امریکہ دو بڑی طاقتیں جو اسلام کے خلاف ہیں اور ۱۹۸۰ء میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر اور جارحیت۔

۲- سپر پاور کی اسلامی مملکتوں پر جارحیت، تشدد ظلم وستم، SEVERITY CRULETY OFFENSIVENESS

۳- اسلامی ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی کمی (ناخواندگی)

۴- نیوکلیئر پاور (سول) کے استعمال میں رکاوٹیں۔ جیسے ایران اور مصر کے ایٹمی توانائی کے مرکز پر اسرائیل کا حملہ۔

۴- غربت وافلاس (کم مائیگی) خط غربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی

۵- مسلمانوں میں آپس کا نفاق (سنی، شیعہ، دیوبندی، بریلوی) کے اختلافات

۶- اسلام، مسلمانوں حضرت محمد ﷺ کی ذات پر رکیک حملے (کارٹون، خاکے) قرآن شریف کی آیتوں کی بے حرمتی (کلمہ کو جوتوں پر لکھنا)

۷- کعبہ جو اسلام کا مرکز ہے اس کے لیے یہ کہنا: Macca is a free state, come and see Macca. اسلام کے لیے یہ کہنا کہ وہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ جہاد کو ظلم پر مبنی قرار دینا۔ دہشت گردی اور خودکش بم دھماکوں کے لیے مسلمانوں کو مورد الزام بتانا، انگو فاشسٹ، انتہا پسند کہنا۔

۸- دین اسلام خودکشی کو اور خودکش حملوں کو منع کرتا ہے نیز خودکشی کو حرام موت قرار دیتا ہے جبکہ جاپان میں خودکشی عام بات ہے۔ نیز سورۃ نساء میں ہے: ترجمہ ''اپنے آپ کو قتل نہ کرو''۔

۹- دنیا کے بڑے مذاہب جس میں اسلام امن اور آشتی کا پیغام دیتا ہے اس کی نسبت یہودیت، عیسائیت اور ہندومت نے امت مسلمہ کو انتشار کا شکار بنا دیا ہے اپنی نت نئی ریشہ دوانیوں کے باعث اور ان میں نفاق کا بیج بو دیا ہے۔ سورۃ انفال (۴۶) ترجمہ: باہمی جھگڑوں سے بچو، اگر جھگڑو گے تو پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی نیز سورۃ مائدہ کے آخری حصے میں ہے۔ ترجمہ: اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۱۰- مندرجہ بالا یعنی یہودیت، عیسائیت اور ہندومت امت مسلمہ کی مذہبی اقدار تہذیب وتمدن اور اختلافات کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی میں مصروف عمل ہیں اور ان کو رزائل کے تحت رسوا کرنا چاہتے ہیں اس بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''ترجمہ: اور جو اپنے جی کو لالچ، حرص سے بچا گیا وہی کامیاب ہے''۔ سورۃ بقرہ میں آیت مسلمہ کو ''امت وسط کہا گیا ہے'' ترجمہ: اس طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا''۔

علاوہ ازیں امت مسلمہ کو مندرجہ ذیل چیلنجز کا سامنا ہے جن کا تدارک ضروری ہے۔

۱- ۲۰۰۱-۱۱-۹ کا واقعہ جس میں ٹریڈ سنٹر کی تباہی ہوئی اور پینٹاگون امریکہ میں حملہ ہوا جس کا الزام امت مسلمہ کے افراد پر لگایا گیا ہے۔

۲- ۲۰۰۶-۷-۷ کا بم دھماکہ لندن ریلوے پر جس کا الزام بھی امت مسلمہ کے افراد پر لگایا گیا ہے۔

۳- ۲۰۰۶-۷-۱۱ کو بھارت کے شہر ممبئی میں ریل میں دھماکہ جس میں ۲۰۰ جانیں تلف ہوئیں اور جس کا الزام بھی امت مسلمہ کے افراد پر ڈال دیا گیا ہے۔

۴- علاوہ ازیں امت مسلمہ پر مزید چیلنجز ہیں۔ جن میں اسلامی بنیاد پرستی *Islamic Fundamentalism* اسلام دہشت گردی، اسلامی جنون پسندی اور اسلامی انتہا پسندی/ شدت تیز مذہبی جنون، مذہبیت شامل ہے۔ جن کو غیر مسلموں نے اپنی چالبازیوں اور عناد کے ذریعے اپنے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو استعمال کیا ہے۔ جو اُمت مسلمہ کے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کا اپنا ایک بین الاقوامی طور کا پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ہونا چاہیے۔

۵- دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں موجود ہے جس کا تدارک نہایت ضروری ہے۔

دین اسلام فطرت پر مبنی ہے اور ظلم و تشدد کو پسند نہیں کرتا ہے بلکہ عفو اور درگزر کی تلقین کرتا ہے۔

۶- سورۃ الحجرات آیت ۱۰ میں ہے ترجمہ: ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' سورہ مومنون (۲۳) ''مگر بعد میں لوگوں نے اختلاف کر کے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے حالانکہ مسلمان ایک بہترین امت ہیں۔

۷- نیز امت مسلمہ کو ایک عالمگیر جارحیت اور دہشت گردی کا سامنا ہے۔ افغانستان، عراق کوسوو، چیچنیا، فلسطین، کشمیر، لبنان، الجزائر، سوڈان، لیبیا، بوسنیا وغیرہ اس کا شکار ہیں۔

۸- نیز لبنان ایران اور پاکستان جن کو دھمکیاں مل رہی ہیں۔ ۳۴ روز تک سلامتی کونسل (یو این او) لبنان پر اسرائیلی جارحیت کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔ جبکہ پاکستان اور ترکی دہشت گردی (عالمی) کے خلاف امریکہ کے دو صف اول کے اتحادی ہیں۔ ۲۰۰۱-۱۱-۹ کے بعد مسلم امہ پر دہشت گردی کو پروان چڑھانے کے الزامات ہیں۔

۹- جبکہ کینیڈا کے وزیر دفاع گولڈن لوکونر نے کہا ہے کہ پاکستان دہشتگردی کے خاتمے کے لیے نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔

۱۰- نیز اقوام متحدہ کے مطابق عراق میں روزانہ امت مسلمہ کے ۱۰۰ افراد کو ہلاک کیا جا رہا ہے اور کئی زخمی ہوتے ہیں۔

۱۱- امریکی صدر نے مسلمانوں کے لیے فاشست کا لفظ استعمال کیا ہے اور ان کے خلاف جنگ کو صلیبی جنگ اور مزید مسلم امہ کے لیے دہشت گرد اور انتہا پسند کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ نیز پوپ نے بھی اسلام اور حضور اکرم ﷺ کے خلاف بھی نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۱۲- نفرت اور تعصب کا تمام تر اظہار مسلم امہ کے اوپر ہے اور اس کی ایک بڑی وجہ مسلمانوں میں اتحاد کی کمی ہے نیز یہ تمام باتیں جہاد کے خلاف ہیں تاکہ مسلمان جہاد سے دست بردار ہو جائیں۔

۱۳- کرہ ارض کے ۱۸۲ ممالک کی آبادی ۶ ارب کے لگ بھگ ہے جن میں اسلامی دنیا کے ۵۷ ممالک کی آبادی کا تناسب ایک ارب تیس کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ جن کو زمانے کی نئی ہزاروں کے نشیب و فراز نے کربناک، دردناک اور پریشان کن مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے اور جن کا تدارک وقت کی اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ امن و آشتی، خوشحالی اور انسانی فلاح و بہبود کو مقدم رکھتی ہے اور دین اسلام اس کی غمازی کرتا ہے اور انسانوں کو قدر کی منزلوں سے آشنا کرتا ہے۔

۱۴- جبکہ یورپ اقوام، اسرائیلی اور ہنود نسلاً درنسلاً جارحیت پسند اور ایذارسانی کے نت نئے حربوں سے معمور رہے ہیں اور تاریخ ان کی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کی عکاسی کرتی رہی ہے اور فی الوقت یہ عروج پر ہے ان کی چیرہ دستیوں نے اُمّتِ مسلمہ کے دلوں اور مذہب اسلام کی خوشیوں کو تاراج کیا ہے اور ان کے شیرازے اور یک جہتی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اس میں اُمّتِ مسلمہ کی بھی کمزوری ہے اور نااتفاقی بھی۔

۱۵- اُمّتِ مسلمہ کی کمزوریوں میں غربت، پستی، افلاس، ناخواندگی، سائنس اور ٹیکنالوجی سے ناواقفیت، سامان حرب کی

کمی، آپس کی ناچاقی ان تمام عوامل نے سپر پاور امریکہ کو جارحیت کا موقع دیا ہے۔

۱۶- اس بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے: ترجمہ: ''تم میں جتنی استطاعت ہے اہتمام کرو' غیر مسلموں کے یہ بڑے عوامل ہیں جن کی بیخ کنی ضروری ہے تاکہ امت مسلمہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر سکے اور جارحیت جو مسلم امہ کو سرنگوں کیے ہوئے نجات ملے۔

۱۷- علاوہ ازیں سائنس اور ٹیکنالوجی اور معیشت کے باعث دنیا سکڑ کر ایک گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہود، نصاریٰ اور ہنود مشرق وسطیٰ اور اُمّتِ مسلمہ کے ممالک کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے خواہاں ہیں۔ اس لیے اُمّتِ مسلمہ کو اتحاد، اتفاق اور جہاد کی راہ اختیار کرنا چاہیے۔ اسلام سلامتی کا مذہب ہے لیکن جب مذہب پر آنچ آئے تو جہاد لازمی ہے کیونکہ ان کی شرانگیزی کی انتہا ہو گئی ہے۔ اب اُمّتِ مسلمہ پر جہاد بالمال، جہاد باللسان، جہاد بالقلم اور جہاد بالدعا وقوع پذیر ہونے کے قریب تر ہیں۔ اسلام مسلمان بھائیوں کی سچی خیر خواہی چاہتا ہے ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ''صبح کو یا شام کو خدا کی راہ میں جان دینا، دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ: ''ان سے خوب لڑو، خدا ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا''۔

چیلنجز کا تدارک:

۱- اُمّتِ مسلمہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کا مقابلہ اپنی علمی صلاحیت کو اجاگر کرنے سے کر سکتی ہے جس میں تعلیم کا معیاری ہونا۔ سائنسی تعلیم اور ٹیکنالوجی وقت کی اہم ضرورت ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی اس کے لیے اسلامی ممالک کی تنظیم اور عرب لیگ ایک فنڈ کے ذریعے کر سکتے ہیں اور ان دونوں تنظیموں کو فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔

۲- دنیا میں اسلامی بنکوں کے اثاثے ۳ کھرب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں اور اسلامی بنکاری کا آغاز ۱۹۹۶ء میں ملائشیاء نے کیا تھا وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ادارے منتخب اسلامی ممالک میں کھول کر اپنے فنڈ سے مدد کر سکتے ہیں نیز اس کام میں مخیّر حضرات بھی حصہ لے سکتے ہیں۔

۳- اُمّتِ مسلمہ کے ایک ملک ایران پر پابندیاں لگانے کا عمل جاری و ساری ہے۔ مسلم امہ کو اتحاد کے ساتھ اس پر غور کر کے ایک لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے اور یہ او آئی سی کے پلیٹ فارم سے ہو اور اس کو متحرک ہونا چاہیے۔

۴- ایران کی مزاحمت اور دوسرے تین غیر اسلامی ممالک کی مزاحمت کے باعث عالمی سپر پاور امریکہ کے جلد جارحی کے قدم رک گئے ہیں۔

۵- دین اسلام کے تاثر اور تصور کو واضح کرنے کے لیے امت مسلمہ کے تمام علماء کرام کو بھرپور کوششیں کرنا چاہیے تاکہ اسلام کی ہمہ گیریت واضح ہو۔

۶- اسلام میں دہشت گردی، خودکش حملوں، فرقہ واریت، انتہا پسندی، ظلم و ستم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ سلامتی کا

درس دیتا ہے اور انسانیت کے احترام کی تلقین کرتا ہے۔ امریکہ نے اختراع سازی کی حد کر دی ہے۔ ۸رستمبر ۲۰۰۶ء کی ایک اخباری اطلاع نے تمام عالم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ وائٹ ہاؤس امریکہ کی سازش تھی۔

۷- نیز سابق امریکی صدر نے کہا ہے ''فلسطینیوں پر مسلسل ظلم منفی نتائج مرتب ہو سکتے ہیں'' لہٰذا پوری اُمّتِ مسلمہ کو امریکہ اور اسرائیل کی جارحیت اور توسیع پسندی کے خلاف آواز بلند کرنا چاہیے جو یک جہتی ظاہر کرے۔

۸- نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ ترجمہ: ''تمام مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں جس کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارے بدن میں تکلیف ہوتی ہے'' اس لیے مسلم امہ کو ۲۱ ویں صدی کے چیلنجوں کا جواب دینے کے لیے اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

۹- امریکہ نے اسرائیل کو جولان کی پہاڑیوں سے دس بردار نہ ہونے کی ہدایت کر دی ہے نیز جہادی تنظیم کی مالی معاونت کے الزام میں امریکہ نے ایرانی بنک کو بلیک لسٹ کر دیا ہے یہ امریکہ کا ناجائز دباؤ ہے۔

۱۰- علاوہ ازیں امریکہ کے نائب وزیر خارجہ نے پاکستان کو جو امت مسلمہ کا ایک نیوکلیئر پاور کا پہلا اسلامی ملک ہے دھمکی دی تھی ۲۰۰۰ء میں امریکہ یا طالبان میں سے ایک کا انتخاب ورنہ پتھر کے زمانے میں پہنچا دیں گے۔ ایک بڑی دھمکی ہے اس کے تدارک کے لیے حکمرانوں کو ٹھوس منصوبہ بندی کرنا چاہیے۔

۱۱- ۲۰۰۱-۱۱-۹ کے بعد ورلڈ اکنامک فورم (ڈبلیو ای ایف) نے ۲۰۰۴ء میں تمام عقائد کے سو رہنماؤں پر مشتمل ایک کونسل سی-۱۰۰ کی بنیاد رکھی تھی۔ سی-۱۰۰ بالاترین سطح پر باہمی اعتماد کے عملی اظہار کے باعث خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ سی-۱۰۰ نے سیاست، مذہب، تجارت، میڈیا اور رائے عامہ ہر شعبے کے بیس بیس رہنماؤں کو جمع کیا ہے تاکہ مغرب اور اُمّتِ مسلمہ کے درمیان جو فاصلے بڑھ رہے ہیں ان کو کم کیا جا سکے۔ یہ کردار با آسانی او آئی سی اور عرب لیگ دونوں ادارے انجام دے سکتے ہیں تاکہ دنیا میں امن و امان برقرار رہے اور مسلمانوں کی اور ان کی تہذیب کی آبیاری ہو۔

۱۲- نیز امریکی صدر نے ۲۰۰۶ء میں کہا ہے ''امریکہ میں دہشت گردی روکنے کے لیے دنیا بھر میں لڑیں گے'' اور فیصلے کی گھڑی آئے گی۔ مسلم امہ کو بھی فیصلے کی اس گھڑی کی بھرپور تیاری کرنا چاہیے۔ صرف اتحاد و اتفاق سے اس کا بھرپور مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۳- اُمّتِ مسلمہ کو ناگہانی آفات مثلاً سیلاب، زلزلے، وبائی امراض کا سامنا ہے جس میں مسلمان ملکوں کو ان مشکلات میں بھرپور مدد کرنا چاہیے۔ ایک حدیث کے مطابق ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

۱۴- میثاق مدینہ ہجرت کے بعد پہلا تحریری معاہدہ ہود اور انصار مہاجرین کے درمیان ہوا تھا۔ جو امن و سلامتی کے لیے تھا مسلم امہ کو بھی ایسا ہی کوئی میثاق ہود، نصاریٰ اور ہنود کے ساتھ کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں امن قائم رہے۔

۱۵- قرآن حکیم میں رسول اکرم ﷺ کا امتیازی وصف تعلیم و تربیت بتایا گیا ہے مسلم امہ کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے چار

مرکز بنانا چاہیے جہاں مسلم ممالک کے سائنس دان ایشیاء مرکز، افریقہ مرکز، مشرق وسطیٰ مرکز اور مشرقی بعید مرکز بنایا جائے اور جہاں تحقیق وٹریننگ دی جائے علمی قابلیت کی بناء پر مسلم امہ کے ملکوں کے طلباء و طالبات اور اس کے فنڈ کیلیے ۵۷ ممالک کے مرکزی بنک ایک مناسب حصہ دیں تاکہ دور جدید کے تقاضوں کا مقابلہ کیا جا سکے اور مسلم امہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکے۔ علم کی فرضیت اور اہمیت کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: ''کہو اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما'' اور حدیث مبارک میں ہے ترجمہ: ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے''۔

۱۶- سعودی عرب اور خلیج کے ممالک کے دو لاکھ شہریوں کے مغرب اور دوسرے غیر اسلامی ملکوں میں ۱۱۰۰ ارب ڈالر کے اثاثے ہیں جبکہ دنیا بھر میں اسلامی بنوں کے مجموعی ڈپازٹس کا حکم اس سے ایک چوتھائی سے بھی کم ہے۔ اگر ان اثاثوں کو مسلم امہ کے ممالک میں اس رقم کا ایک چوتھائی بھی جمع کیا جائے تو مسلم امہ کے ممالک کو فائدہ ہوگا اور بھائی چارے میں اضافہ ہوگا۔

۱۷- جرمن سائنس دان روزن برگ نے ایٹمی صلاحیت امریکہ کو دی تھی نیز امریکی سائنس دان بونونو نے بتایا ہے کہ اسرائیل نے ایٹمی صلاحیت امریکہ، برطانیہ اور جرمنی سے حاصل کی ہے تو اس کو قید کر دیا گیا اور پھر وہ ۲۰۰۴ء میں رہا ہوا۔ تجزیہ یہ ہے کہ امریکہ خود تو صلاحیت حاصل کر لے لیکن کوئی مسلمان ملک حاصل نہ کرے جو اس کا بنیادی حق ہے۔ پاکستان نے نیوکلیئر پاور حاصل کر لی ہے لیکن ایران کو اس سے باز رکھا جا رہا ہے۔ اس کا مسلم امہ کو بھرپور منصوبے کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ جس میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کا تعاون امت مسلمہ کی بھلائی کے لیے ہو۔

حوالہ جات

۱- قرآن حکیم۔ ۲- احادیث مبارکہ ﷺ (مختلف کتب) ۳- روزنامہ جنگ، ڈان۔ ۴- ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگرام۔ ۵- خبریں اور مذہبی پروگرام، ڈان، نیویارک ٹائمز۔ ۶- ذاتی مشاہدات یورپ میں قیام کے دوران۔ ۷- اسلامی کلچر پر مضامین

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

الطاف احمد شاہ۔ ڈیرہ اسماعیل خان

تمام دنیا کی آبادی کا اکیس فیصد اور 1.3 بلین مسلمان جو دنیا کی کل آبادی کا 1/5 حصہ بنتے ہیں۔ اپنے قیام سے چار یا پانچ سو سالوں کے بعد بالعموم اور 9/11 کے بعد بالخصوص کئی ایک مسائل اور چیلنجز کا شکار ہیں۔ کیونکہ 1500ء کے بعد کی بدلتی معاشرتی حالت مسلمانوں کا تہذیبی زوال اور مغرب کی تہذیبی ترقی نے امت مسلمہ کو قدامت پسندی کے رجحانات دئے۔ یہی وجہ ہے مسلمان دانشوروں نے جدید Innovation اور Adoptation کو منفی انداز میں لیا۔ جسکا نتیجہ جمود اور زوال کی صورت ہمارے سامنے ہے۔ جسکے نتیجے میں سوچ وفکر پر جمود طاری ہوا اور پھر کہیں اسے تشدد کا مذہب، کہیں اسے دہشت گردی کا مذہب، کہیں اسے تعصب اور الگ تھلگ رہنے والا اور عدم برداشت کا مذہب کہا جانے لگا ہے۔ حالانکہ میثاق مدینہ میں اس وقت کے مذاہب کو ماننے والوں کو اس انداز میں ساتھ رکھا گیا کہ وہ ریاست کا حصہ نظر آتے ہیں اورا نہیں سالانہ ٹیکس کی صورت مذہبی آزادی حاصل ہے۔ دفاعی حکمت عملی میں ان کو ساتھ رکھا جا رہا ہے۔ اور اس سے سیرت طیبہ (ﷺ) کا Accomodating behaviour کا پہلو روز روشن کی طرح سامنے آتا ہے جس میں دوسرے مذاہب کیلئے مذہبی آزادی، برداشت احترام اور پرامن بقائے باہمی کے اصول سامنے آتے ہیں۔

جبکہ اس کے برعکس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ نے اپنوں کو بھی برداشت کرنے کی قدریں بھلا دیں۔ ہم فرقوں میں بٹ گئے اور منفی بنیاد پرستی کے نام پر ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے اور قتل مقاتلے پر اتر آئے۔ امت مسلمہ جو براعظم افریقہ، براعظم ایشیاء اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں اکثریت اور مغرب میں اقلیت کے طور پر آباد ہے۔ Eight Islamic Schools کی ماننے والی ہے۔ ان میں چار سُنی سکول، جعفریہ سکول، عابدی سکول (Abidi)، زیدی سکول (Zaydi) اور تھہاری سکول (Thahiri) قابل ذکر ہیں۔

اب امت کیلئے اندرونی طور پر سب سے بڑا مسئلہ اور چیلنج یہ ہے کہ ان تمام کو کس صورت ہم آہنگ کیا جائے کہ ہمارا Image دوسرے مذاہب اور تہذیبوں میں یگانگت، یکجہتی اور اتحاد والا نظر آئے کیونکہ بنیادی طور پر امت میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہم ایک اللہ، ایک نبیؐ ایک قرآن اور ایک کعبہ پر متفق ہیں۔ اس کا بہترین حل سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی کئی ایک مثالوں سے ہمارے سامنے واضح ہے۔ جب حضور ﷺ نے کچھ صحابہؓ کو ایک مقام کی طرف بھیجا اور ان سے فرمایا کہ شام کی نماز وہیں پڑھنی ہے۔ صحابہؓ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے سے پہلے نماز کا وقت ہو گیا۔ اب کچھ صحابہؓ نے اصرار کیا کہ نماز وہیں پڑھیں گے۔ جہاں حضورؐ کا حکم ہے۔ جبکہ کچھ صحابہؓ اس بات کے حامی تھے کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے اس لئے نماز یہیں پڑھ لینی چاہیے۔ تو انہوں نے نماز راستے ہی میں پڑھ لی جبکہ باقی صحابہؓ نے وہیں پہنچ کر نماز ادا کی جب واپسی پر حضورؐ کو اس واقعہ سے متعلق اور نماز کی ادائیگی سے متعلق بتایا گیا تو حضورؐ خاموش رہے۔ انہوں نے کسی کو بھی غلط

نہیں کہا۔ دراصل نماز اس خاص مقام پر پڑھنے کا مقصد یہ تھا کہ صحابہؓ کی جماعت اس منزل تک بلا تاخیر اور جلدی پہنچے۔ جبکہ اس کا مطلب کچھ صحابہؓ نے ظاہری لیا اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) سے رہنمائی کی صورت ہم ان اختلافات کے باوجود ایک متحد شکل میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کھلے ذہن سے تعصب کی عینک اتار کر سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) سے رہنمائی حاصل کریں۔ کیونکہ اسی طرح کے 23 سالوں پر محیط 1 تعداد واقعات اور مثالیں ہماری رہنمائی کیلئے موجود ہیں۔ اور پھر ہم سب میں بہتر کون ہے۔ وہ مقام بھی حضورؐ کی سیرت کی روشنی میں تقوی کو حاصل ہے۔

امت مسلمہ کو درپیش دوسرا بڑا اندرونی مسئلہ اور چیلنج مختلف فرقوں کی طرف سے کفر کے فتوے ہیں۔ حالانکہ اسلام اس حوالے سے مکالمے کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھتا ہے۔ کیونکہ اسلام جوڑ کا مذہب ہے۔ توڑ کا نہیں۔ حضورؐ کی ذات منافقین کو بھی کھلم کھلا کچھ نہیں کہتی بلکہ ان کے ساتھ حضورؐ رعایتیں برتتے رہے حتیٰ کہ ابن ابی کعب کے انتقال سے پہلے جب انہوں نے کفن کیلئے آپؐ سے کرتا مانگا تو آپؐ نے مرحمت فرمایا دیا اور جب اس نے مرنے کے بعد اپنا جنازہ پڑھانے کی حضورؐ سے درخواست کی تو وہ بھی آپ ﷺ نے مان لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت ایک ہزار منافقین توبہ تائب ہو کر سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ یہ کھلم کھلا منافقین کے ساتھ حضورؐ کا رویہ اور برتاؤ ہے اور سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کا درس بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ جب وحی کی صورت باقاعدہ آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے جنازہ نہیں پڑھایا لیکن کرتا عطا کرنے پر منافقین مسلمان ہو گئے۔

غزوہ تبوک جس میں منافقین کی منافقت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ پھر بھی جب تک وحی نازل نہیں ہوئی ان کو کچھ نہیں کہا گیا۔ سورۃ توبہ میں جہاں وعدہ توڑنے اور معاہدے سے پھر جانے والوں کا ذکر اور ان کیلئے غصے کا اظہار ہے وہاں ان لوگوں کیلئے جنہوں نے عہد نہیں توڑا ان کیلئے یہ حکم ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ معاہدوں کے پابند رہیں گے یہ تو تھا سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کا معمول کہ دوسروں کو اپنے دامن میں جگہ دیتے ہیں اور ہم اپنا دامن اپنوں کیلئے اتنا تنگ کئے بیٹھے ہیں کہ اس میں ہمارا خود سانا بھی ہمارے لئے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اردن کی ہاشمیہ مسجد سے 2004ء کے رمضان المبارک کے موقع پر جاری ہونے والے پریس ریلیز میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ Islamic Jurisprudence میں اس کیلئے باقاعدہ بنیادی Mathadology ترتیب دی جائے اور اس میں وضاحت کی جائے کہ کون اور کس قابلیت رکھنے والا فتویٰ جاری کرنے کا مجاز ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ اس وجہ سے دوسروں کو کفر اور الحاد کے ناموں سے بدنام نہ کیا جائے۔ کیونکہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلام برداشت، انصاف، انسانیت کی عظمت اور مختلف مذاہب کا احترام اور ان کے ماننے والوں کو برابری عطا کرتا ہے۔ جبکہ بہتری کا پیمانہ تقوی ہے۔

ہمارے موجودہ مسائل میں ایک مسئلہ ہمارا انفرادی تعصبانہ اور انتہا پسندانہ رویہ بھی ہے۔ جو دنیا کی نظروں میں ہمیں بحیثیت امت غلط رنگ میں پیش کر رہا ہے۔ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) تو ہمیں بچوں عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ حالت جنگ میں بھی درگزر کا درس دیتی ہے۔ صحابہؓ نے حضورؐ کے فرمان کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر گھروں کے

دروازے بند رکھنے والوں کو (کیونکہ وہ براہِ راست لڑائی نہیں کرنا چاہتے تھے) ابو سفیان کے گھر پناہ لینے والوں کو اور خانہ کعبہ میں داخل لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے سے منع کیا ہوا تھا۔ عام معافی ہوتی ہے۔ ہندہ معاف ہو جاتی ہے جبکہ اس کے برعکس آج ہم نہتے لوگوں پر اسلام کے نام پر انفرادی سطح پر چڑھ دوڑنے کو فخر اور دین کا حصہ سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ ہمارے نبیؐ کی سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) ہمیں انسانوں اور جانوروں پر رحم کرنے کا درس دے رہی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب اللہ اور حضورؐ کی خوشنودی کے نام پر کیا جا رہا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ "جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا اُس پر اللہ تعالیٰ رحم نہیں کرتا" ایک اور موقعہ پر آپؐ ارشاد فرماتے ہیں "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے مسلمان سلامتی میں رہیں اور مومن وہ ہیں جن سے لوگوں کے جان و مال محفوظ ہوں"

سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں انسانیت کی بنیاد ٹھوس اور پاکیزہ جذبات پر رکھی جا رہی ہے۔ بھلا جو دین اور نظام انسانوں کو ایسے جذبات و اخلاق سے مزین کرے وہ انسانیت کو فلاح و کامرانی بخشے گا یا اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔

امت مسلمہ کا ایک اور مسئلہ اپنی اقدار پر قائم نہ رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے احترام میں کمی ہے۔ حالانکہ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں میثاق مدینہ اس کا بہترین حل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بھی واضح کرتا ہے اور سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) میں بھی یہ وضاحت ہمیں ملتی ہے کہ اللہ پر ایمان، ملائیکہ پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان اور رسولوں پر ایمان، ایمان کی بنیادی شرطیں ہیں۔ تمام انبیاء قابل احترام اور حضورؐ ہمارے آخری رسول ہیں۔ اس حوالے سے سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے واضح ہے کہ جس قدر کتب مشہور سماویہ پہلے نازل ہوئی ہیں۔ ان سب کی نظیر قرآن شریف میں موجود ہے اور اس حوالے سے ہے کہ تورات کے بدلہ میں سبع طول، زبور کے بدلہ میں مئین اور انجیل کے بدلہ میں مثانی سورتیں ہیں۔ تو اتنی واضح ہدایات کے بعد مذاہب کے احترام کا درجہ نہایت اعلیٰ اور ضروری ہو جاتا ہے۔

امت مسلمہ کا ایک اور مسئلہ دوسرے ممالک اور خصوصاً مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کا ہے جو یا تو بہتر روز گار کی تلاش میں وہاں قیام پذیر ہیں یا وہیں کے وہ مستقل شہری جو تبلیغ دین کی بدولت، ایمان لا چکے ہیں۔ اس حوالے سے ان کو کئی ایک مسائل کا سامنا رہا ہے۔ لیکن 9/11 کے بعد یہ مسائل کئی گنا بڑھ گئے ہیں۔ سوئٹزر لینڈ کی BernUniversity میں منعقدہ ایک سیمنار میں Swiss United Commission against Discrimination نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہاں رہنے والے 200,000 مسلمانوں کے ساتھ آج کل روزگار کے حصول کے سلسلے میں امتیازی سلوک کا برتاؤ ہو رہا ہے۔ جبکہ سوئٹزر لینڈ کی شہریت حاصل کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کا حال بھی تسلی بخش نہیں رہا۔

ہالینڈ جہاں مسلمانوں کی آبادی چھ فیصد بنتی ہے وہاں بھی آج کل انہیں کافی مسائل کا سامنا ہے۔ جس میں ایک

Multiculturalism & Assismilation Policy ہے جس پر وہاں رہنے والے ترک مسلمان کمیونٹی نے گہری ناراضگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ Rightful & Proper Integration کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح الجیریا یا مراکش کے مسلمانوں کا فرانس میں، ترک مسلمانوں کا جرمنی میں پاکستانی مسلمانوں کا برطانیہ میں اور پوری مسلمان کمیونٹی کا بالعموم اور پاکستان اور افغانستان کے مسلمانوں کو امریکہ میں بالخصوص مسائل کا سامنا ہے۔

امریکہ جہاں 1.5 ملین سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ وہاں اور مسائل کے علاوہ مڈل کے سطح پر ایسی درسی کتب نصاب میں شامل کر دی گئیں ہیں۔ جن میں مسلمانوں، مسلمان خواتین اور عربوں کے خلاف مواد موجود ہے۔ خصوصاً "The Terrorist" by Caroline B Cookey جیسی کتابیں بھی مسلمانوں کے تشخص کو منفی انداز میں پیش کر رہی ہیں۔ اس حوالے سے اس تاثر کو زائل کرنے اور سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) سے رہنمائی کی صورت کہ تم دوسروں کے جھوٹے خداؤں کو گالی نہ دو تاکہ تمھارے سچے خدا کو کوئی گالی نہ دے (سورۃ انعام)۔ اس حوالے سے ہم نے اپنے طرزِ عمل سے ایسا مظاہرہ کرنا ہوگا اپنی روز مرہ کی معمولات اس انداز میں ترتیب دینی ہوگی۔ جو حضورؐ کی سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کا پرتو ہوں۔ حضورؐ کا سفر طائف ہمیں ہر قدم پر اس حوالے سے رہنمائی فراہم کر رہا ہے کہ اپنی بات اور اپنے طرزِ عمل سے امن کا پیامبر بننا ہے۔ حتیٰ کہ گالیوں کا جواب بھی نہیں دینا۔ لہولوہان ہونے کی صورت میں بھی صبر، استقامت اور ثابت قدمی کا پہلو نمایاں رکھتے ہوئے ان کے حق میں بہتری کی دعا کرنا اور ان کی بہتری کی مثبت سوچ پر قائم رہنا ہے۔ اس سے ہم اقلیت کے طور پر دوسرے ملکوں میں اچھے شہری بن کر رہ سکتے ہیں۔

اسی طرح نجاشی بادشاہ کا وفد جب مدینہ آیا۔ تو سب سے پہلے ان کی اونٹوں کی لگام پکڑنے والے اور انہیں مسجد میں بٹھانے والے، حضورؐ ہی تھے۔ اور جب بعد میں وفد کو پتہ چلا کہ یہ حضورؐ ہیں تو وہ ان کی عظمت اور سادگی کے قائل ہوئے۔ آج ہمیں سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں ان مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے۔ ان کو اپنی مساجد میں بھی بٹھانا ہے اور ان سے بات چیت بھی کرنی ہے۔ پھر کہیں جا کر یہ منفی پروپیگنڈہ زائل ہوگا کہ غیر اسلامی ممالک کی مسلمان کمیونٹی اپنے آپ تک محدود الگ تھلگ، متعصب، دہشت گرد اور صرف اپنی عبادت گاہوں کو مقدس سمجھتی ہیں۔ کیونکہ اس سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اس کے علاوہ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو جب مختلف ممالک میں سفیر بھیجے جا رہے تھے تو ان کیلئے واضح ہدایات یہ تھیں کہ آپ وہاں اسلام اور اسلامی ملک کے نمائندہ ہوں گے۔ آپ کے طرزِ عمل ہی پر اسلامی ساکھ کا دارومدار ہے۔ آپ کا عمل ہی دعوت تبلیغ ہے۔ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) جو کہ قرآن پاک کا عملی نمونہ ہے۔ قرآن میں بھی 17 پارہ میں ارشاد ہوتا ہے جس کا مفہوم ہے کہ آپ لوگوں کا عمل آپ کے مسلمان ہونے کی گواہی دے۔ یعنی آپ کے عمل سے ظاہر ہو کہ آپ مسلمان ہیں اور آپ اپنی اقدار پر عملی طور پر کاربند رہیں۔

امت مسلمہ کا ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اجتہاد کے دروازے اپنے اوپر بند کئے ہوئے ہیں اور اگر کہیں کوئی ہلکی سی روشنی نظر بھی آتی ہے تو وہ اس حوالے سے کہ جس مسئلے پر قرآن اور احادیث سے ہمیں رہنمائی نہیں ملتی وہاں

تھوڑی بہت دھندلی روشنی میں اجتہاد کی گنجائش دی جاتی ہے اس حوالے سے کافی عرصہ بعد سب سے پہلے علامہ محمد اقبال نے اپنے افکار میں اجتہاد کے دائرے کو وسیع تناظر میں دیکھا حالانکہ حضورؐ کی رحلت کے صرف 15 سال بعد حضرت عمرؓ بن الخطاب نے چوری کی صورت میں ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف کر دی تھی اور اسکی وضاحت میں بھوک، غربت اور خشک سالی اور قحط کی دلیل پیش کی تھی۔ کیونکہ انصاف کا اصول ہر دور میں مقدم ہے۔

اسی طرح امام محمد بن ادریس الشافعیؒ نے ایک مرتبہ بغداد میں ایک قانونی رائے دی۔ ایک سال بعد آپ قاہرہ تشریف لے گئے۔ وہاں اسی سوال کے جواب میں بالکل مختلف رائے کا اظہار کیا۔ کسی نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا وہ بغداد تھا، یہ قاہرہ ہے وہ پچھلا سال تھا اور یہ اب ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہاد میں وقت، جگہ حالات اور Norms کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اجتہاد ہمیں سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے رہنمائی کا درس دیتا ہے۔ حضورؐ جب دوسرے یا مفتوح علاقوں میں حاکم مقرر کرتے تو انہیں مسائل کے حل میں قرآن، احادیث اور اجتہاد کا درس دیتے اور اسطرح حضرت معاذ بن جبلؓ سے بہت خوش ہوئے جب انہوں نے کہا کہ میں مسائل اللہ کی کتاب سے حل کروں گا۔ اور احادیث کی روشنی میں حل کروں گا۔ جب حضورؐ نے فرمایا کہ اگر ان سے رہنمائی نہ ملی۔ تو انہوں نے فرمایا تھا کہ پھر اپنی فہم سے۔ تو یہ دراصل اجتہاد ہی تھا۔ جس کا اشارہ یمن کے نئے مقرر ہونے والے حاکم نے روانگی کے وقت حضورؐ کے سامنے کیا۔

مغربی ممالک میں اس حوالے سے مسلمانوں کو کئی ایک مسائل کا سامنا ہے۔ جیسے Mortgages اور Interest پر گھروں کا حصول۔ اس حوالے سے امت مسلمہ کو سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) روشنی اور رہنمائی عطا کرتی ہے کہ مدینہ میں مسلمان یہودیوں کے ساتھ مزدوری کیا کرتے تھے۔ اور یہودی سے کام کے بدلے اجرت وصول کرتے تھے اس بنیاد پر سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے 2000ء میں کونسل آف علماء (Scholors) نے یہ فیصلہ کیا کہ یورپ اور امریکہ کی سماجی، معاشی اور معاشرتی ضروریات کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہاں بسنے والے مسلمان گھر Mortgages اور Interest پر خرید سکتے ہیں۔ اور اس طرح وہاں کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قسم کے اور جدید مسائل کو بھی سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں حل کیا جائے تاکہ دین میں آسانیاں پیدا ہوں۔

امت مسلمہ کا ایک اور مسئلہ کسی بین الاقوامی اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے قیام کا فقدان ہے۔ جو جدید اور عالمگیر یت کے حوالے سے تحقیق کر سکے کیونکہ جب کبھی کوئی ایسا جدید مسئلہ جس پر تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے تو ہمارے پاس کسی ایسے ادارے کی شدید کمی محسوس ہوتی ہے کہ جو ان امور پر تحقیق اور پھر کوئی متفقہ لائحہ عمل ترتیب دے سکے۔ اس حوالے سے سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) میں ہمیں یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ اس دور میں شوریٰ کو بنیادی اہمیت حاصل رہی اصحاب صفہ کی جماعت اس حوالے سے نہایت اہم رہی ہے۔ جن کی تعداد تین سو تک تھی اور جو ایک وقت میں 70 صحابہ اکرامؓ پر مشتمل ہوتی تھی۔ جنگ خندق سلمان فارسیؓ کے مشورے کی روشنی میں خندق کی حکمت عملی کے تحت لڑی گئی۔ اسی

طرح یہ مشورہ ہر امر میں ہوتا رہا ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا ادارہ تشکیل دیا جائے جس میں علماء، دانشور، خواتین، علم طب، فلکیات، معاشیات، سماجی امور، سیاسیات اور قانون کے ماہرین بھی ہوں کیونکہ حضورؐ کے پاس اس وقت یہ سارے مضامین قرآن پاک میں وحی کی صورت نازل ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف صحابہ کرامؓ مختلف ممالک کے حالات کا مشاہدہ اور مختلف مذاہب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور اسی حوالے سے حکمت علمی ترتیب دی جاتی تھی اور اس حوالے سے مسجد نبوی کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ جس میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی فیصلوں کو آخری شکل دی گئی اور فتح مکہ کیلئے بھی حکمت عملی ترتیب دی گئی۔

عورتوں کے حوالے سے بھی دوسرے مذاہب اور خصوصاً مغرب اسلام کے بارے میں صحیح نظریہ نہیں رکھتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں ایسے وفود باہر دنیا میں بھیجے جائیں جو خواتین کے حوالے سے صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش کر سکیں۔ ایسی کتابیں اور ریسرچ پیپر زتحقیق کئے جائیں جو مختلف غیر مسلم صاحب رائے لوگوں کو ارسال کی جائیں۔ کیونکہ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) میں ہمیں اسی حوالے سے کئی ایک مکتوبات بھی ملتے ہیں۔ اس حوالے سے غیر مسلموں نے خود بھی تسلیم کیا ہوا ہے۔ کہ اسلام سے پہلے عورتوں کو ان کے جائز حقوق حاصل نہیں تھے۔ Amrican Journal of Comperative law میں اس بات کا ذکر موجود ہے۔

Georgetown University کے اسلامیات کے پروفیسر کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مرد پر کوئی پابندی نہیں تھی کہ وہ لا تعداد شادیاں کر سکتا تھا۔ عورت کو خلع کا حق نہیں تھا۔ اور شادی کے معاملے میں مرد مطلق العنان تھا جبکہ اسلام نے شادی کو ایک Contract کی حیثیت دی۔ جس میں Offer اور Acceptance کا اصول رائج کیا۔ اور اس میں عورت کی مرضی لازمی قرار دی گئی Dowry جو اسلام سے پہلے لڑکی کا والد وصول کرتا تھا اسلام کے بعد اسے لڑکی کا عروسی تحفہ قرار دیا گیا۔ عورت کو تعلیم اور وراثت میں حق دیا گیا اور یہ سب ایک انگریز پروفیسر کی باتیں ہے۔ جبکہ Hadded & Esposito کا خیال ہے کہ اسلام میں جو عورت کا کمتر درجہ بظاہر نظر آتا ہے وہ دوسری اور تیسری صدی کے علماء کا اس وقت کے معاشرے کی گھٹن کی وجہ سے ہے اور ان روایات کی وجہ سے ہے جو اسلام سے قبل رائج تھیں۔ اس لئے اسلام عورت کو بنیادی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ ان باتوں کی مناسب تشہیر کی ضرورت ہے تاکہ سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ اور ان کے جائز مقام کا تعین ہو سکے۔ اسی طرح بیعت عقبی ثانی کو اسلامی تاریخ میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ عورتوں کا نماز با جماعت ادا کرنا، جمعہ کے خطبے میں شریک ہونا اور اسی وقت سوال پوچھنا جیسے واقعات اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں۔ اور آج بھی سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں نہ صرف ہم عورتوں کے مقام کو بہتر بنا سکتے ہیں بلکہ مغربی دنیا کا قائم کردہ غلط تاثر بھی زائل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ عورت کے بارے میں ہمارا تصور تو دوسرے مذاہب سے اس لحاظ سے بھی بہتر ہے کہ مسلمانوں کے مطابق بی بی حوا اور حضرت آدمؑ ایک ہی روح سے پیدا کئے گئے ہیں۔ جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں یہ تصور ہے کہ بی بی حوا بعد میں حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئیں۔ اس کے علاوہ بی بی حوا نہیں تھیں بلکہ حضرت آدمؑ تھے جو شیطان

کے جال میں پہلے پھنسے اور ممنوعہ شجر کھایا۔

عورتوں کے مقام کے حوالے سے اسلام کا نظام اس قدر مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے کہ قرآن کے بعد اسلامی قوانین کا سب سے مستند اور اہم ماخذ احادیث کا ایک قابل توجہ حصہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے۔ امام سخاویؒ کے مطابق بائیس سو دس احادیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں اندازہ لگایئے کہ اسلام میں عورت کا مقام کتنا اعلیٰ اور معتبر ہے کہ ہم آج کے دور میں بھی ایک خاتون حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بحیثیت Source کے Quote کرتے ہیں۔ اس کی مثال نہ تو ہمیں دوسرے مذاہب میں کہیں ملتی ہے اور نہ مغرب کے فلسفہ میں۔ لیکن اس کی مناسب مثبت تشہیر کی ضرورت ہے۔ سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں اس پر غور فکر اور اس سے رہنمائی لینے کی مسلم امہ کو اشد ضرورت ہے۔

امت مسلمہ کا ایک اور بڑا مسئلہ خود کفالت کا مسئلہ ہے مسلمان ممالک اپنی خوراک اور پوشاک کا بالترتیب 90 اور 80 فیصد حصہ باہر کے ملکوں سے درآمد کرتے ہیں۔ اسی طرح 98 فیصد مشینری بھی باہر ممالک سے ہی منگوائی جاتی ہے اس حوالے سے زرعی اجناس کی دیکھ بھال مدنی دور میں نمایاں رہی ہے حتیٰ کہ غزوات میں جانے سے پہلے صحابہ کرامؓ کو ہدایات دی جاتی تھیں کہ دشمن کی پکی فصلات، پھل دار پودوں اور سایہ دار درختوں کو نقصان نہیں پہنچانا۔ یہ تو دشمن کے زرعی اجناس کا خیال رکھنا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام زراعت کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ اس تناظر میں ہمیں سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے زراعت اور پانی کے استعمال کو جدید خطوط پر استوار کرنا ہوگا۔ تاکہ ہم زرعی خود کفالت کی منزل حاصل کرسکیں۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے اس آدمی کو انعام کا حقدار ٹھہرایا ہے جو مردہ زمین کو زندہ کرے اور اس زمین کی فصل جو بھی ذی روح کھائے گا اس کا ثواب اسی آدمی کو ملے گا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں ہم نہ صرف موجودہ زرعی زمینوں کی بہتر دیکھ بھال کر کے ان سے زیادہ پیداوار حاصل کریں بلکہ بنجر اور خشک زمینوں کو دوبارہ آباد کر کے، ان کیلئے مناسب منصوبہ بندی سے پانی کا بہتر انتظام کر کے اور پھر جدید زرعی آلات کے استعمال سے اپنے ملک کیلئے زرعی خود کفالت کے اہداف حاصل کریں۔ اس کے علاوہ شجر کاری اور درختوں کے لگانے کو صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے۔ جس سے سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں نہ صرف ہم باغات سے زرمبادلہ کما سکتے ہیں بلکہ دنیا کو درپیش ماحولیاتی آلودگی کے چیلنج کا مقابلہ بھی بخوبی کر سکتے ہیں۔

مذاہب کے درمیان مکالمہ بھی اب ایک مسئلے کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ حالانکہ جب شروع میں مسلمانوں نے قریش کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت کی تو عیسائی بادشاہ نجاشی نے ان کی نہایت عزت وتکریم کی اسی طرح حضورؐ کے مکتوبات جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے بادشاہوں کے نام تھے کو بھی اسلامی تاریخ میں کافی اہمیت حاصل ہے۔

اسی طرح مدینہ میں پہلے پہل یہود اور عیسائیوں نے حضورؐ کے ساتھ تعلق نسبتاً ٹھیک رکھا۔ میثاق مدینہ ہوا لیکن جب ان کی طرف سے تعلق اچھا نہ رہا تو فاصلے کے باوجود بھی وہ ریاست میں شامل رہے۔ اور کہیں بھی مکالمے اور بات چیت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ حضورؐ کے دور میں کئی ایک وفود غیر ممالک میں دعوت کی غرض سے گئے اور یہ سلسلہ چلتا رہا تو

آج بھی یہ ہو سکتا ہے اس کے علاوہ حضورؐ بدر میں قیدیوں کو چھوڑنے کیلئے یہ شرط بھی عائد کی کہ ہر قیدی ایک مقررہ تعداد میں بچوں کو پڑھادے تو اس کو چھوڑ دیا جائیگا۔ یہ شرائط دراصل مکالمہ ہی تھا اور پھر اس مکالمے میں یہ بات بھی پوشیدہ تھی کہ وہ اس پڑھائی میں مختلف علوم (دنیاوی) سیکھ سکتے تھے۔ جو بعد میں مکالموں میں بخوبی کام آ سکتی تھیں۔ آج بھی ہر سطح پر یہ ہر وقت مکالمہ سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں ممکن ہے۔ قرآن پاک میں بھی تیسرے پارے میں اہل کتاب سے اس کلمے کی جانب مکالمے کیلئے کہا گیا ہے کہ اس کلمے کی جانب آؤ جس پر ہم متفق ہیں۔ اسی طرح 21 پارہ میں احسن مکالمے کا درس موجود ہے جو سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

ایک اور بڑا مسئلہ مغربی اقوام کی طرف سے امت مسلمہ کے فرقوں کو Power Politics کیلئے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا ہے بین الاقوامی تناظر میں عراق میں ایسی صورتحال سامنے آ رہی ہے۔ اسی طرح مختلف ممالک میں بھی یہیں کھیل کھیلا جارہا ہے تاکہ امت مسلمہ کو کمزور کیا جا سکے۔ حالانکہ امت مسلمہ تو ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے جس حصے میں بھی تکلیف ہوگی۔ سارا جسم اسکی تکلیف محسوس کرے گا۔ اس لئے سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں ہمیں باہم متحد ہو کر رہنا ہے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے غیر ممالک کی ریشہ روایتوں کا شکار نہیں ہونا۔ کیونکہ غیر اقوام تو اس بات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ سنی اور اہل تشیع (15 فیصد) کے درمیان فاصلے پیدا کئے جائیں۔ اسی طرح سنی مسالک میں بھی فاصلے پیدا کیے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ممالک کو حاشیہ بردار بنایا جا سکے۔

دنیائے مغرب اور خود مسلمانوں کی نظر میں آج کا سب سے بڑا مسئلہ جہاد ہے۔ جہاد ایک طرف امت مسلمہ کا مذہبی فریضہ ہے تو دوسری طرف مغربی اقوام اسے دہشت گردی سے تعبیر کر رہی ہیں۔ اس کی وجہ چند عناصر کی جذباتیت ہے کیونکہ جہاد کیلئے باقاعدہ اصول وضوابط مقرر ہیں۔ جن کی مثالیں ہمیں غزوہ بدر سے بخوبی مل سکتی ہے جس میں سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں واضح ہدایات موجود ہیں کہ اسباب کے ساتھ ایک مقابلے میں دس کی تعداد ہونی چاہیے۔ اگر یہ تعداد مکمل ہو جائے تو پھر اسباب کے ساتھ میدان میں اترنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو بغیر تعداد کے بھی نصرت فرما سکتا ہے۔ لیکن اللہ نے پہلے تعداد پورا کرنے کیلئے حکم دیا۔ اسی طرح بعد میں ایک غزوہ میں اس تعداد کا تعین اس طرح کر دیا گیا۔ کہ وہ ایک اور پانچ کا تناسب رہ گیا تو اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ پہلے امت مسلمہ نے سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کی روشنی میں جہاد کی تیاری کرنی ہے۔ اپنے لئے اسباب ڈھونڈنے ہیں۔ تعداد کی بات تو اب رہی نہیں۔ اس لئے اپنے آپ کو جدید فوجی سازوسامان سے لیس کرنا ہے۔ گھوڑوں کو تیار رکھنا ہے پھر کہیں جا کر جب یہ تیاری اسی نسبت تک آ جائے جس نسبت سے حضورؐ کے دور میں ہوتی تھی تو پھر اگر جہاد فرض ہو جائے تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اسباب کے ساتھ اسی نسبت سے میدان میں کود جانا ہے۔ پھر نصرت خداوندی کا وعدہ بھی ہے اور کامیابی کا بھی۔ اور پھر وہ جہاد بھی خاص اللہ کی رضا کیلئے ہوگا۔ اس لئے اپنے نفوس کو اس درجہ پر لے جانا ہوگا کہ ہمارا نفس یہ فیصلہ کر سکے کہ یہ میری لڑائی ہے یا اللہ کے دین کی۔ تب کہیں جا کر بات بنے گی۔ اور اگر بغیر تیاری کے بلا سوچے سمجھے کوئی عمل کر ڈالا تو اس کے نتائج نہ صرف فرد واحد کیلئے خطرناک ہو سکتے ہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

عالمگیریت کا مسئلہ بھی آج امت مسلمہ کیلئے پریشانی کا باعث بن رہا ہے۔ کہ عالمگیریت کے اس دور میں جدید تبدیلیوں کو اپنے اندر سموتے ہوئے کس طرح اپنی تہذیبی وحدت اور مذہبی وحدت کو بچایا جائے۔ اس حوالے سے اس سے نمٹنے کیلئے تین طرح کی آراء سامنے آرہی ہیں۔

ایک یہ کہ عالمگیریت ایک طاقت کا کھیل ہے اس سے بڑے ممالک کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور وہ باقی کمزور دنیا پر غلبہ پانے کیلئے عالمگیریت کا سہارا لے رہے ہیں۔ اس لئے اس کی مزاحمت کی جائے۔ یا اس سے فاصلہ رکھا جائے یا اس کی ساتھ دھارے میں بہتے ہوئے عالمگیریت کا حصہ بن جانا چاہیے۔ کچھ مسلمانوں کا خیال ہے کہ عالمگیریت ایک ارتقائی عمل ہے اور اس کی واپسی ممکن نہیں اس لئے مسلمان معاشرہ اس میں ڈھل جائے۔ کیونکہ اس سے فرار ممکن نہیں۔

ان سب باتوں کو اگر سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں پرکھا جائے تو اس میں ڈھلنے کی گنجائش اس لئے موجود ہے کہ عالمگیریت کا تصور دراصل اسلام کا ہی تصور ہے اسلام ایک عالمگیر دین ہے یہ کسی خاص طبقے، ذات یا قبیلے تک محدود نہیں۔ یہ جغرافیائی حدود وقیود کا پابند نہیں۔ حج عالمگیریت کا ایک روشن باب ہے۔ اسی طرح مساجد میں عیسائی وفود کا بٹھانا دراصل کھلے ذہن اور عالمگیریت کی دلیل ہے۔ عام معافی کا تصور عالمگیریت کی ایک کڑی ہے۔ جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام نے متعارف کروائی۔ انسانوں کی برابری کا تصور جو اسلام نے دنیا کو دیا دراصل عالمگیریت کے خدوخال میں نمایاں حیثیت کا حامل ایک پہلو ہے۔ حضورؐ جو ساری مخلوق کیلئے معبوث ہوئے ہیں یہ بھی دراصل عالمگیریت ہی ہے۔ آپ عالمگیر نبیؐ ہیں آپؐ کا دین عالمگیر ہے اسلام کا بنیادی حقوق کا تصور آج عالمگیریت کے تمام مراحل طے کرتے ہوئے بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر کے طور پر پورے عالم میں عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسلام ہی نے دنیا کو پہلا لکھا ہوا میثاق دیا۔ جس کی افادیت عالمگیر ہوئی اور آج ہر وہ آئین ایک اچھا اور بہترین آئین قرار دیا جاتا ہے جو لکھا ہوا ہو اور اس میں انسانی حقوق کی ضمانت بھی ہو۔ یہی وجہ ہے آپؐ کی سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) ہیں پورے عالم کیلئے نجات اور کامیابی ہے اس کے علاوہ قرآن ہمیں کہہ رہا ہے کہ تم درمیان والی اعتدال والی امت ہو۔ جو لوگوں کو نفع رسانی کیلئے بنائی گئی۔ اس لئے ہمیں سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں عالمگیریت کو خوش آمدید کہنا ہے۔ کیونکہ دراصل یہ تو ہمارا مدعا تھا۔ جو مغرب نے پیش کر دیا۔ ہم اس حوالے سے عالمگیریت کو قبول کرتے ہوئے اپنے عالمگیر دین کو پوری دنیا تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ حضورؐ نے اپنے دور میں متعدد جید صحابہؓ کو دین کی نسبت سے دنیا کے دور دراز ملکوں میں بھیجا۔ دراصل اس میں اس بات کا پیغام تھا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اور پھر آخری خطبہ کی روشنی میں عالمگیریت کی دلیل نہایت روشن انداز میں سامنے آجاتی ہے۔ کہ یہ باتیں غائبین تک پہنچا دو۔ اس حوالے سے سیرت طیبہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم) کی روشنی میں عالمگیریت کو قبول کرنے میں نہ صرف ہماری بہتری ہے۔ بلکہ یہ اعلیٰ مقصد کی طرف ایک ٹھوس قدم بھی ہے۔

☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر حافظ خالد محمود ترمذی-ڈریو اسماعیل خان

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين الصطفىٰ

امت مسلمہ کو اگرچہ گوناگوں مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے جن کا احاطہ کرنا اس مختصر مقالے میں جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن ان میں سے چند اہم مسائل اور چیلنجز کا مکمل تجزیہ اور تدارک ناگزیر ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بحیثیت خیر الامم اسلام کا عالمگیر پیغام تمام اقوام عالم کو پہنچانا۔

۲۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عموماً اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف خصوصاً زہر آلود تشہیری مہم اور اشتعال انگیز بیانات۔

۳۔ تعلیمی پس ماندگی۔

۴۔ سماوی آفات کی پیش بینی اور اس کے تدارک کے لئے استعداد کی بہم رسانی

۵۔ امت مسلمہ پر غیر منتخب حکمرانوں کا تسلط۔

۱۔ بحیثیت خیر الامم اسلام کا عالمگیر پیغام تمام اقوام عالم کو پہنچانا۔

امت کی تعریف:

امت کا لفظ عربی لفظ ام سے مشتق ہے جس کے معنی ماں، مرکز، اصل بنیاد اور طور طریقے کے ہیں۔ ہر خاندان کی بنیاد ار اصل محور ماں ہوتی ہے اسی لیے جب تک اہل خاندان اپنی اصل (ماں) سے وابستہ رہتے ہیں تو اس میں وحدت فکرو عمل موجود رہتی ہے ایک ریاست کی وحدت و یکسانیت اور یک جہتی بھی امت کے تصور سے وابستہ ہوتی ہے کیونہ لفظ ام میں مرکزیت کے مفہوم کے علاوہ وحدت فکر وعمل کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اس لیے امت کے معنی محض طریقہ اور طرز عمل ہی کے نہیں بلکہ اس طرز عمل کے ہیں جو خدا ترسی اور تقوی پر مبنی ہو۔ امت سے مراد ایسا گروہ ہے جس کا مرکز اور تشخص ایک ہو اس کے اقدار میں بھائی چارہ اور اخوت موجود ہو اور زندگی گزارنے کے ایک واضح ہدایت نامے پر عمل پیرا ہو۔

امت مسلمہ:

توحید الٰہی پر ایمان و یقین رکھنے والی امت کو امت مسلمہ کا نام دیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مرکز توحید یعنی خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے (وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ) (البقرۃ: ۱۲۷) اپنی اولاد میں نہ صرف رسول بھیجنے کی درخواست کی (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

مِّنۡهُمۡ) (البقرۃ:۱۲۹) بلکہ رسول کو امت کی بھی درخواست کی جسے امت مسلمہ کا نام دیا۔

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّکَ (البقرۃ:۱۲۸)

امت کا لفظ ایسے مجموعہ افراد کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی اصل مشترک پر جمع ہو تمام انبیاء چونکہ اختلاف زمانہ و مقام کے باوجود ایک عقیدے ایک دین اور ایک دعو پر جمع تھے اس لیے فرمایا گیا کہ ان سب کی ایک ہی امت ہے و ان ھذہ امتکم امة واحدة و انا ربکم فاعبدون (الانبیاء : ۹۲) بعد کا فقرہ خود بتا رہا ہے کہ وہ اصل مشترک کیا تھی جس پر سب انبیاء جمع تھے سورۃ آل عمران میں اسی اصل مشترک کا ذکر ہے۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَاللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ قف وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡم بَعۡدِ مَاجَآءَ هُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًا م بَیۡنَهُمۡ (آل عمران:۱۹)

’’اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیئے جنہیں کتاب دی گئی تھی ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں نے علم آ جانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیئے ایسا کیا‘‘۔

یعنی اللہ کے نزدیک انسان کے لئے صرف ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح ودرست ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا معبود و مالک تسلیم کرے اور اس کی بندگی و غلامی میں اپنے آپ کو بالکل سپرد کرے اور اس کی بندگی بجا لانے کا طریقہ خود ایجاد نہ کرے بلکہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو ہدایت پہنچی ہے ہر کمی بیشی کے بغیر صرف اسی کی پیروی کرے اسی طرز (فکر وعمل کا نام اسلام ہے اور یہ بات سراسر بجا ہے کہ خالق کائنات اپنی مخلوق ورعیت کے لئے اس اسلام کے سوا کوئی دوسرے طرزِ عمل کو جائز تسلیم نہ کرے‘‘ ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه‘ دنیا کے کسی گوشے اور کسی زمانے میں اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی آیا ہے اس کا دین اسلام ہی تھا اور جو کتاب بھی دنیا کی کسی زبان اور کسی قوم میں نازل ہوئی اس نے اسلام ہی کی تعلیم اسی اصل دین کو مسخ کر کے اور اس میں کمی بیشی کر کے جو بہت سے مذاہب نوع انسانی میں رائج کیے گئے ان کی پیدائش کا سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوگوں نے اپنی جائز حد سے بڑھ کر فائدے حقوق اور امتیازات حاصل کرنا چاہئے اور اپنی خواہشات کے مطابق اصل دین کے عقائد اصول اور احکام بدل ڈالے۔ وہ جماعت یا گروہ جو توحید الٰہی پر جو اسلامی بنیاد ہے یقین و ایمان رکھتی ہوں ان کے اندر بھائی چارہ اوراخوت موجود ہو کہ فرمان الٰہی ہے :

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ (الحجرات: ۱۰)

یہ آیت دنیا کے تمام مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتی ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ کسی دوسرے دین یا مسلک کے پیروؤں میں وہ اخوت نہیں پائی گئی ہے جو مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس حکم کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بکثرت ارشادات میں بیان فرمایا ہے جن سے اس کی پوری روح سمجھ میں آ سکتی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی۔ ایک یہ کہ نماز قائم کروں گا۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا۔ تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔ (بخاری: کتاب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر'' (بخاری: کتاب الایمان۔ مسند احمد میں اسی مضمون کی روایت حضرت سعید بن مالک نے بھی اپنے والد سے نقل کی ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے'' (مسلم، البر والصلہ ترمذی، ابواب البر والصلہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا۔ ایک آدمی کے لیے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے'' (مسند احمد)

حضرت سہل بن سعد ساعدی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ گروہ اہل ایمان کے ساتھ ایک مومن کا تعلق ایسا ہی ہے جیسا سر کے ساتھ جسم کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ اہل ایمان کی ہر تکلیف کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح سر جسم کے ہر حصے کا درد محسوس کرتا ہے۔ (مسند احمد)۔

اسی سے ملتا جلتا مضمون ایک اور حدیث میں ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ''مومنوں کی مثال آپس کی محبت، وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت کے معاملہ میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو دوسرا جسم اس پر بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے'' (بخاری ومسلم)۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے کہ ''مومن ایک دوسرے کے لیے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے'' (بخاری کتاب الادب، ترمذی،، ابواب البر والصلہ)۔

امت وسط:

امت مسلمہ کو امت وسط بھی کہا گیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرہ: ۱۴۳)

امت وسط کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل وانصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق اور تعلق کسی سے نہ

ہو پھر یہ جو فرمایا کہ تمہیں ''امت وسط'' اس لیے بنایا گیا ہے کہ ''تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھ حساب لیا جائے گا۔ اس وقت رسول ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکر صحیح اور عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم ہم نے اسے دی تھی، وہ اس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچادی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھادیا۔ اس کے بعد رسولؐ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہو گا اور یہ شہادت دینی ہو گی کہ رسولؐ نے جو کچھ پہنچایا تھا وہ تم نے انہیں پہنچانے میں اور جو کچھ رسولؐ نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

اس طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جاتا ہے اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے لیے خدا ترسی، راست روی عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کیلئے زندہ شہادت بننا چاہئے حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور برتاؤ، ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خدا ترسی اس کا نام ہے، راست روی یہ ہے، عدالت اس کو کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔ پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری بڑی سخت تھی، حتیٰ کہ اگر وہ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی کرتے تو خدا کے ہاں ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے عام انسانوں تک اس ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ ہم نے تیری ہدایت، جو تیرے رسول کے ذریعے سے ہمیں پہنچی تھی تیرے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے تو ہم بہت بری طرح پکڑے جائیں گے اور یہی امامت کا فخر ہمیں وہاں لے ڈوبے گا۔ ہماری امامت کے دور میں ہماری واقعی کوتاہیوں کے سبب سے خیال اور عمل کی جتنی گمراہیاں دنیا میں پھیلی ہیں اور جتنے فساد اور جتنے فتنے فساد اور فتنے خدا کی زمین میں برپا ہوئے ہیں ان سب کے لئے آئمہ شر اور شیاطین انس و جن کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں معصیت ظلم اور گمراہی کا یہ طوفان برپا تھا، تو تم کہاں تھے۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن ادارہ ترجمان القرآن ۱۹۹۴ء ص: ۱۲۰) فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ (آل عمران : ۵۰)

''اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں اس وقت موجود ہے اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے بھی بنیادی نکات یہی تین تھے۔

ایک یہ کہ اقتدار اعلیٰ جس کے مقابلہ میں بندگی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور جس کی اطاعت پر اخلاق و تمدن کا پورا نظام قائم ہوا ہے صرف اللہ کے لیے مختص تسلیم کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اس مقتدر اعلیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کے حکم کی اطاعت کی جائے۔

تیسرے یہ کہ انسانی زندگی کو حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کی پابندیوں سے جکڑنے والا قانون و ضابطہ صرف اللہ کا ہو، دوسروں کے عائد کردہ قوانین منسوخ کر دیے جائیں۔

پس در حقیقت حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے مشن میں یک سرمو فرق نہیں ہے۔ اگرچہ موجودہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مشن کو اس وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا جس طرح اوپر قرآن پاک پیش کیا گیا ہے۔ تاہم منتشر طور پر اشارات کی شکل میں وہ تینوں بنیادی نکات ہمیں ان کے اندر ملتے ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ بات کہ مسیح صرف اللہ کی بندگی کے قائل تھے ان کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔

''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (متی ۴:۱۰)

اور صرف یہی نہیں کہ وہ اس کے قائل تھے بلکہ ان کی ساری کوششوں کا مقصود یہ تھا کہ زمین پر خدا کے امر شرعی کی اسی طرح اطاعت ہو جس طرح آسمان پر اس کے امر تکوینی کی اطاعت ہو رہی ہے ''تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی پوری ہو'' (متی ۴:۱۰) پھر یہ بات کہ مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے ان کے متعدد اقوال سے معلوم ہوتی ہے۔ جب اپنے وطن ناصرہ سے انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو انت کے اپنے ہی بھائی بند اور اہل شہر ان کے مخالف ہو گئے اس پر متی، مرقس اور لوقا تینوں کی متفقہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ''نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا''۔ (لوقا ۱۳:۲۳)

اسلام کیا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک اصل دین صرف اسلام کی فرمانبرداری ہے۔ اور خدا کی کائنات میں خدا کی مخلوق کے لیے اس کے سوا کوئی دوسرا دین ہو ہی نہیں سکتا۔ آغاز آفرینش سے جو بھی نبی انسانوں کی ہدایت کے لیے آئے ہیں وہ یہی دین لے کر آئے ہیں۔ نیز یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ خود مسلم رہے ہیں اپنے پیروؤں کو انہوں نے مسلم ہی بن کر رہنے کی تاکید کی ہے اور ان کے وہ تمام متبعین جنہوں نے نبی کے ذریعے سے آئے ہوئے فرمان خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے ہر زمانے میں مسلم ہی تھے۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ. (سورہ عمران: ۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کرے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ.يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ. قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا. وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ۱۳۲:۱۳۳)

''اور اسی چیز کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بچو اللہ نے تمہارے اسی دین کو پسند کیا ہے لہٰذا تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمانوں کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی وفات کا وقت آیا جبکہ اس نے اپنی اولاد سے پوچھا تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا ہم آپ کے معبود کی بندگی کریں گے اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی بندگی کریں گے۔ اس کو اکیلا معبود مان کر اور ہم اسی کے مسلم ہیں''۔

حضرت یوسف بارگاہ رب العزت میں دعا فرماتے ہیں۔توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین۔ مجھ کو مسلم ہونے کی حالت میں اٹھا اور صالحین کیساتھ ملا (یوسف:۱۰۱)

اس سے قبل حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان اجری الا علیٰ اللہ و امرت ان اکون من المسلمین(یونس: ۷۲)

میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلموں میں شامل ہو کر رہوں۔

یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین تھا جب وہ اپنی قوم سے فرماتے ہیں: یقوم ان کنتم اٰمنتم باللہ فعلیہ تو کلت ان کنتم مسلمین (یونس:۸۴)

اے میری قوم کے لوگو اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو۔

یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دین تھا جب ملکہ سباء ان پر ایمان لاتی ہے: ''اسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین''(النمل:۴۴)

میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی مسلم ہو گئی۔

یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا دین تھا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ. قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ(المائدہ:۱۱۱)

اور جب کہ میں نے حواریوں پر وحی کی کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو انہوں نے کہا ہمارا ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔

سیرت کی تعریف:

السیر کی جمع سیرت ہے امام رضی الدین سرخسی کہتے ہیں ''السیر کی اصطلاح شرع میں مطلقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کے طریقے کے لئے استعمال کی جاتی اور خصوصاً آپ کے جنگوں کے اسلوب کیلئے اسی لئے رسول اللہؐ نے فرمایا"ہرنبی کا ایک پیشہ ہے اور میرا پیشہ جہاد ہے او میرا رزق نیزے کے سائے تلے ہے۔"

سیرت طیبہؐ سے راہنمائی۔ بین المذاہب مکالمہ:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیروایت ہے کہ نبی ارم صلی اللہ علہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة لهم اجران رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه و آمن بمحمد۔۔۔۔

"تین شخص ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اہل کتاب میں سے تھا اور اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا"۔ (بخاری)

یعنی انہیں یہ دوسرا اجر اسی بات کا ملے گا کہ وہ قومی ونسلی اور وطنی وگروہی تعصبات سے بچ کر اصل دین حق پر ثابت قدم رہے اور نئے نبی علیہ السلام کی امد پر جو سخت امتحان درپیش ہیں میں انہوں نے ثابت کر دیا کہ دراصل وہ مسیح علیہ السلام پرست نہیں بلکہ خداپرست تھے اور شخصیت مسیح علیہ السلام کے گرویدہ نہیں بلکہ اسلام کے متبع تھے اسی لیے مسیح کے بعد جب آپ علیہ السلام وہی اسلامی لے کر آئے جسے لائے تھے تو انہوں نے بے تکلف اس کی رہنمائی میں اسلام کا راستہ اختیار کرلیا اور ان لوگوں کا راستہ چھوڑ دیا جو مسیحیت پر جے ہوئے تھے۔ انہی کے حق میں قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے۔

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (سورة القصص:۵۳۔۵۴)

"اور جب یہ (قرآن) ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو پہلے ہی مسلم ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبر دیا جائے گا اس صبرو ثبات کے بدلے جو انہوں نے دکھایا۔"

اس آیہ کریمہ میں حبشہ کے عیسائیوں کے وفد کی آمد اور قبول اسلام کی طرف اشارہ ہے۔

اس واقعہ کو ابن ہشام اور بیہقی نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد حضرت جعفر طیارؓ کی دعوت سن کر ۳۰ کے قریب عیسائیوں کا ایک وفد تحقیق حال کیلیے مکہ معظمہ آیا اور مسجد حرام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔ قریش کے بعد بہت سے لوگ یہیں یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ وفد کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سوالات کیے جن کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سامنے قرآن مجید کی چند آیات کریمہ پڑھیں جنہیں سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اور وہ اسی وقت آپ کے رسول برحق ہونے کی تصدیق کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرایمان لے آئے۔

پھر جب وہ آپ کے پاس سے اٹھے تو ابوجہل قریش کے چند لوگوں کے ساتھ ان سے ملا اور انہیں سخت ملامت کی اس نے

کہا ''تم سے زیادہ احمق قافلہ یہاں کبھی نہیں آیا تمہارے لوگوں نے تو تمہیں اس لیے بھیجا تھا کہ اس شخص کے حالات کی تحقیق کرتے مگر تم اس کے ملتے ہی اپنا دین چھوڑ بیٹھے'' وہ شریف لوگ کہنے لگے ہم تم سے بحث نہیں کرنا چاہتے تم اپنے دین کے مختار ہو ہم اپنے دین کے۔ ہمیں جس چیز میں خیر نظر آئی اسے ہم نے اختیار کر لیا ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ (القصص: ۵۵) (سیرت ابن ھشام ج ۲ ص ۳۲، نیز البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۸۲)

اس واقعے کو نظیر بنا کر ہم اپنے عیسائیوں کو دعوت دیں کہ جھگڑے اور بحث والی تو کوئی بات نہیں ہے ہم سب حق کے متلاشی ہیں تو حبشہ کے عیسائیوں کی طرح حق کا ادراک کریں اور اسے اختیار کریں خواہ ہمیں کوئی بھی بہکائے اپنے یا پرائے ان کے بہکانے میں نہ آئیں۔ آؤ مکالمہ کریں تہذیبوں کے تصادم کی باتیں نہ کریں مناظرہ نہیں کٹ حجتی نہیں جو صحیح ہے جو درست ہے اس کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں یہی راستی کی راہ ہے سلامتی کا راستہ ہے اسلام کا منشاء ہے کیونکہ ہم سب مسلم ہیں ایک اللہ کو ایک مانتے ہیں انبیاء کو مانتے ہیں کتابوں پر ایمان ہے آخرت پر یقین ہے تو ہم سب مسلم ہیں یہی اسلام ہے یہی اللہ کی فرمانبرداری ہے اس میں ہماری فلاح ہے کامیابی ہے۔

اس معاملہ میں یہاں اگر کوئی یہ اعتراض اٹھائے کہ عربی زبان کے الفاظ اسلام اور مسلم ان مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں کیسے مستعمل ہو سکتے تھے تو ظاہر ہے یہ شخص ایک نادانی کی بات ہے کیونکہ اصل اعتبار عربی کے ان الفاظ کا انہیں بلکہ اس معنی کا ہے جس کے لیے یہ الفاظ عربی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ دراصل جو حقیقت ان آیات میں بتائی گی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے آیا ہوا حقیقی دین مسیحیت، یہودیت اور محمدیت نہیں ہے بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعے آئے ہوئے فرمان خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے اور یہ رویہ جہاں جس بندہ خدا نے یہی جس زمانے میں اختیار کیا ہے وہ ایک ہی عالمگیر ازلی ابدی دین حق کا متبع ہے۔

ایک اہم اعلامیہ:

مشہور کالم نویس خورشید ندیم اپنے کالم بین المذاہب مکالمہ اور اہل کلیسا کا نقطہ نظر (روزنامہ جنگ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۶ء) میں رقمطراز ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر مسیحیوں (کیونکہ مغرب میں مذہبی تنوع کے باوجود انہیں بہر حال پر معمولی اکثریت حاصل ہے) نے فی الجملہ اسی روایت کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے جس کا بنیادی نکتہ مسلمانوں کے اختلافات کو سمیٹنا اور ان دو آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کو قریب لانا تھا۔ جرمنی میں اپنے قیام کے دوران میں مجھے اس کے بہت سے شواہد ملے۔ مثال کے طور پر اکتوبر ۲۰۰۴ء میں گھانا میں جرمن اور افریقی پادریوں (Bishops) کا ایک جتماع ہوا جس کا موضوع مسلم مسیحی تعلقات تھا۔ اس سات روزہ اجتماع کے اختتام پر ایک اعلامیہ جاری ہوا جس سے کیتھولک چرچ کی سوچ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اعلامیہ میں تہذیبوں کے تصادم کے تصور کو سختی سے رد کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں مذاہب خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں جو انسانوں کا خالق ہے اور امن دونوں مذاہب کی بنیادی پہچان ہے۔ اعلامیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

Both Christanity and Islam do not only worship the one God. The

Creator of mankind but peace form the hallmark of the two religions.

اس اعلامیہ سے مندرجہ ذیل حقائق ثابت ہوئے:

۱) اسلام بھی عیسائیت کی طرح آسمانی مذہب ہے۔

۲) دونوں مذاہب خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دیتے ہیں۔

۳) دونوں مذاہب امن کا پرچار کرتے ہیں اب ایک آخری نبی کے آنے کا عقیدہ مسیحی مذاہب میں بھی موجود ہے بلکہ آخری نبی کے نام کا واضح ذکر ہے احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا چاہئے نیز یہ بھی طے ہونا چاہئے کہ آسمانی وحی اپنی اصل حالت میں کس مذہب میں موجود ہے تو پھر حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

۴۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عموماً اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف توہین آمیز تشہیری مہم اور اشتعال انگیز بیانات۔

نماز اچھی روزہ اچھا حج اچھی زکوۃ اچھی
ان سب کے باوجود مگر میں مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرت کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

(مولانا ظفر علیخان)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف الشفاء میں رقم طراز ہیں: ''ہر وہ شخص جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی نقص نکالے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مبارک میں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی صفت میں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی کنایہ کرے یا کسی دوسری چیز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشابہت کرے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین، بے عزتی، تذلیل کرے، بے لحاظی یا نقص کے طور پر تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاتم ہے اور قتل کیا جائے گا اور علماء فقہاء کا اس نکتہ پر اجماع صحابہ کے زمانہ سے آج تک ہے (الشفاء از قاضی عیاض جلد دوم ص ۲۱۴)

پھر قرطبہ کے چیف جسٹس قاضی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے شاتم رسول کی سزا کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ عراق کے کچھ فقہاء نے اس کو درے لگانا تجویز کیا ہے اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ غضبناک ہو گئے اور کہا:

''اے امیر المؤمنین! اس امت کو زندہ رہنے کا کیا حق حاصل ہے جب اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی جائے پس اس شخص کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہے، قتل کرو اور اس کو درے لگاؤ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو برا بھلا کہے (الشفاء جلد دوم ص ۲۱۵)

رہا معافی کا معاملہ تو یہ وضاحت ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعض شاتمین کو معاف فرمادیا لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذات خود ہی معافی کا اختیار تھا لیکن امت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاتمین کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔ (الصارم المسلول، ابن تیمیہ صفحات ۲۲۲۔۲۲۳) ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے ایک اوسط درجے کی اشاعت والے اخبار جلنڈ پوسٹن (Jylland Posten) میں ۱۲ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت ایک ناپاک جسارت ہے۔ بعد ازاں جنوری ۲۰۰۶ء میں ناروے کے اخبار (Magazin) میں دوبارہ اشاعت اور پھر فرانس کے مشہور اخبار (Le -Monde) میں انہی دل آزار کارٹونوں کی اشاعت، پھر یورپ کے ۷۵ مزید اخبارات میں ان کی اشاعت بظاہر ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔ یہ مشہور امریکی محقق ہنٹنگٹن کے پیش کردہ نظریہ ''تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کو عملی جامہ پہنانے کی گھناؤنی اور مذموم کوشش ہے لیکن اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی دل آزاری اور ان کو اشتعال دلانے کی یہ پہلی مذموم کوشش نہیں ہے۔

تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس کی کڑیاں بارہویں صدی عیسوی کی اس ناپاک مذہبی جنونی مہم سے جا ملتی ہیں۔ جب اندلس میں عبد الرحمٰن دوم کے عہد حکومت کے آخری حصہ میں مذہبی جنونی عیسائیوں کے ایک نابکار گروہ نے اپنی اسلام دشمنی کی بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر براہ راست سب وشتم اور گستاخیاں کرنے کی ایک مہم چلائی۔ (عبرت نامہ اندلس، جلد اول حصہ دوم ص ۴۵۸) جو یہ سمجھی تھی کہ مسلمانوں کے پیغمبر اور ان کی تعلیم کے متعلق ان پادریوں نے اپنے دماغ میں نہایت بے ہودہ اور غلط خیالات بھر لیے تھے۔ ان کی نسبت نہایت مہمل اور نامعقول قصوں کا یقین کر لیا۔ (ڈوزی جلد دوم ص ۴۶۰)

اس ناپاک مہم کا سرغنہ قرطبہ کا ایک متعصب راہب یولوجیس (Eusogious) تھا اس کے علاوہ الوارو کو بھی اس کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یولوجیس کی مذموم مہم آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ ایک شخص پرفلکس (Perfectus) جسے لین پول نے احمق اور کہا ہے، نے بھرے بازار میں مسلمانوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں دریدہ دہنی شروع کردی۔ مسلمان یہ منظر کیسے برداشت کرسکتے تھے۔ فوراً پکڑ کر اسے قاضی کے سامنے لے گئے۔ قاضی کے استفسار پر اس نے اقرار کیا کہ اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی بلکہ بے ہودہ گوئی سے کام لیا تھا۔ لہٰذا قاضی نے اسے مجبوراً سزائے موت دے دی اور اس کی لاش قرطبہ کا پادری اٹھا کر لے گیا اور اسے عیسائی ولی کا درجہ دلایا۔ اس کے بعد ایک دوسرے پادری اسحٰق (Ishse) نے قاضی کی عدالت کے روبرو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا۔ قاضی نے اس کو تنبیہ کی لیکن وہ دشنام طرازی سے باز نہ آیا اس لیے اسے بھی سزائے موت دی گئی۔ اس طرح ایک دوسرے نام نہاد مسیحی شہید کا اضافہ ہوا۔

بعدازاں قصر شاہی کے ایک پہرہ دار سنکو (Suncho) نے بھی ان دو جنونیوں کی پیروی کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور دشنام طرازی سے کام لیا اسے بھی سزائے موت دی گئی اور وہ بھی مسیحی شہیدوں میں شمار ہوا۔ اگلے اتوار اس تحریک سے متعلق پادریوں نے قاضی کے پاس حاضر ہوکر کہا کہ ہم بھی وہی الفاظ

دہراتے ہیں جو ہمارے بھائی اسحاق اور سنکو نے کہے تھے اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشنام طرازی کا نشانہ بنانا شروع کر دیا انہیں بھی سزائے موت دی گئی (لین پول ص ۹۰)

اس طرح ۸۵۱ء کے ایک سال میں گیارہ ایسے مذہبی جنونی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں انتہائی رکیک حملوں اور گالیاں بکنے کے جرم میں اپنے کیفر کردار کو پہنچے لیکن اس کے باوجود بقول لین پول عیسائی آبادی کی اکثریت اپنے ہم مذہبوں کے اس طرز عمل کو ناپسند کرتی تھی۔ اور انھیں مسلمانوں کے روادارانہ طرز عمل کی نشاندہی کرتے ہوئے انجیل مقدس کا یہ جملہ بھی یاد دلایا کہ ''بدزبانی کرنے والے آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہوں گے'' لیکن ان سادہ دل عیسائیوں کی کوئی بات ان مذہبی جنونیوں کو متاثر نہ کر سکی۔ بالآخر اشبیلیہ کے اسقف اعظم نے ایک مجلس منعقد کر کے اس ناپاک مہم کی مذمت کی اور حکومت نے تنگ آ کر بقیہ آدمیوں کو قید کر دیا (لین پول ص ۹۲-۹۳)۔

اس جنونی مہم کا سلسلہ امیر محمد کے عہد حکومت تک جاری رہا۔ امیر محمد نے تخت نشین ہونے کے بعد ان متعصب عیسائیوں پر سختی شروع کر دی کیونکہ وہ کسی طور پر بھی اپنی نازیبا حرکات سے باز آنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یولوجیس جو اس ناپاک مہم کا روح رواں تھا اسے بھی بالآخر امیر محمد کے عہد حکومت میں گرفتار کر کے قاضی کے سامنے پیش کیا گیا وہاں بھی اس نے نہایت دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گالی گلوچ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چونکہ وہ اب سارے اندلس کا بڑا پادری منتخب کیا جا چکا تھا اس لیے قاضی نے اس کو سزا دینے کی ذمہ داری سے بچنا چاہا اور گرفتار کر کے قصر امارت میں بھیج دیا چنانچہ معاملہ وزراء تک پہنچا تو وہاں بھی چند مسلمانوں نے اسے مجنون سمجھ کر معافی نامہ لکھنے اور جان بخشی کرانے کا مشورہ دیا لیکن یولوجیس اپنے مسلک پر اڑا رہا۔ چار و ناچار ایک ایسے متعصب پادری کو جس کے ماخذ مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھے اور بقول ڈوزی دراصل ایسے عیسائیوں کا راہنما تھا جو مسلمانوں کے مقابلہ میں قوت و اختیار حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اسے بالآخر سزائے موت دے دی گئی۔ اس کی موت کے بعد یہ ناپاک مہم دم توڑ گئی اور بقول ڈوزی ''متعصبین'' قرطبہ کا سردار گو زندہ نہ تھا مگر پھر بھی متعصب عیسائی قتل ہونے کی غرض سے مسلمانوں کے پیغمبر کو دشنام دیتے رہے اور عیسائیوں کا یہ عجیب و غریب تعصب قرطبہ میں برسوں جاری رہا تھا۔ کچھ زمانہ کے بعد نام نہاد شہادت کا یہ جنون قصہ پارینہ ہو گیا۔ (ڈوزی، ص ۵۱۴)

مندرجہ بالا ناپاک مہم کو مذہبی جنونیت (Religious Fanaticism) کا نام دیا گیا حالانکہ مغرب مسلسل مسلمانوں کو بنیاد پرستی، دہشت گردی اور مذہبی جنونیت کا الزام دیتا آ رہا ہے۔ مغرب پہلے اپنے گریبان میں جھانکے اور دیکھے کہ مذہبی جنونی دہشت گرد تو وہ خود ہے۔

مغرب کا دہرا معیار ملاحظہ ہو ہولوکاسٹ پر لکھنے پر سزا مقرر ہے حالانکہ وہ کوئی مذہب عقیدہ نہیں ہے۔ ایک تاریخ ہے،، ایک واقعہ ہے۔ اس کے بارے میں ہر شخص کی اپنی رائے ہو سکتی ہے۔ یہاں آزادی رائے کا حق کہاں چلا جاتا ہے؟ صرف اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف لکھنا ہی آزادی رائے ہے؟۔ تمام عالم اسلام کو متحد اور یک جان ہو کر او آئی سی کے ذریعے اقوام متحدہ سے مندرجہ ذیل مطالبے منوانے چاہئیں۔

۱) آزادی اظہار صحیح ہے لیکن اس کی حد ہونی چاہئے کسی کے عقیدے کسی مذہب پر رائے کے برملا اظہار کی اجازت نہ ہو ورنہ اس کی وہی سزا ہوگی جو ان کے مذہب میں رائج ہو جس کے خلاف اظہار رائے کیا گیا۔ جیسا کہ ہولو کاسٹ کے خلاف لکھنا جرم ہے اسی طرح ہر مذہب کے خلاف لکھنا جرم ہے۔

۲) صدر کلنٹن کے بیان کے مطابق توہین آمیز خاکوں کے بنانے والے کارٹونسٹوں کو سزا دی جائے۔ ایسے ملعونوں کو ایوارڈ دینا بھی جرم ہے۔

۳) یورپ اور امریکہ نے شیطان لعین سلمان رشدی، بنگلہ دیش کی ڈاکٹر تسلیمہ نسرین اور کینیڈا کی ارشاد مانجی کو جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف کتابیں لکھیں آزادی اظہار رائے کی آڑ میں تحفظ فراہم کیا ہوا ہے۔ انہیں مسلمانوں کے حوالے کیا جائے تاکہ انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

۴) کسی بھی مذہب کے عبادت خانوں اور مزارات کا تقدس مجروح نہ کیا جائے، وہاں بمباری جرم ہو، دنیا کی دوسری بڑی نام نہاد جمہوریت اور سیکولر سٹیٹ یعنی بھارت بابری مسجد دوبارہ تعمیر کر کے بھارتی مسلمانوں کے حوالے کرے اور مقبوضہ کشمیر میں ریاستی دہشت گردی بند کرے اور وہاں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق چناؤ کروائے۔

۵) مسلمانوں کی اکثریت آبادی کی بنیاد پر سلامتی کونسل میں ایک سیٹ مسلمانوں کا حق ہے۔

۶) سعودی عرب کو بادشاہت کی وجہ سے بدی کا محور کہنا بھی جرم ہے وہ مسلمانوں کا قبلہ وکعبہ ہے دیکھا جائے تو جمہوریتوں کی ماں برطانیہ میں بھی تو بادشاہت ہے۔ جاپان میں بھی بادشاہت ہے مگر وہ پھر بھی جمہوری ملک ہیں۔

۷) کسی آزاد ملک پر خواہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم حملہ اور قبضہ نہیں کیا جائے گا اپنی فوجیں اتار کر وہاں کی حکومت کو تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ افغانستان اور عراق پر قابض ممالک وہاں سے اپنی افواج فوراً واپس بلائیں وہاں ظلم و تعدی بند کریں اور ان کو تاوان جنگ ادا کریں ان پر حملہ آور ممالک پر جنگی جرائم کے مقدمات چلائے جائیں تبھی دنیا زیادہ محفوظ، مامون اور رہنے کے قابل بن سکے گی۔ نیز کسی بھی ملک کے طرز حکومت کے حق یا مخالفت میں بیان دینا اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت تصور کیا جائے گا۔

۸) قیدیوں کے حقوق کے جنیوا کنونشن کے مطابق پذیرائی کی جائے اور گوانتاناموبے کے قیدیوں پر مقدمہ چلائے بغیر اور ان کو صفائی کا موقع دیے بغیر ان پر تشدد تفتیش، انسانیت سوز سلوک، دہشت گردی قرار دی جائے گوانتاناموبے کے اذیت کدے کو بند کیا جائے۔

۹) دہشت گردی کی کوئی متفقہ تعریف متعین کی جائے۔ جنگ آزادی دہشت گردی میں فرق و امتیاز کیا جائے۔

۱۰) ایٹم بم برائے چیں سب ممالک کا حق تصور کیا جائے۔ یورینیم کی افزودگی اگر جرم ہے تو پھر پہلے جن ممالک نے ایٹم بم بنائے ہیں وہ سب اسے تلف کریں۔ پھر کوئی بھی ایٹم بم نہ بنائے خواہ وہ ایران ہے، کوریا ہے۔ اسرائیل

یا امریکہ یا یورپ ہے۔

۱۱) قوام متحدہ عالمی جنگیں روکنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ بین الاقوامی سرحدی تنازعے اور مسائل حل کرنا اس کا مقصد تھا مگر یہ اس میں ناکام رہی ہے۔ مسئلہ کشمیر اور فلسطین ۵۸ برس سے لاینحل ہیں اور ان کے حل کی کوئی امید نہیں۔ اگر اب بھی اقوام متحدہ مسلمانوں کے مسائل حل نہیں کرتی تو مسلمان او آئی سی کو فعال بنا کر اس کا نام ایم این او (Muslim Nations Organisation) رکھیں اور اپنے مسائل خود اسی فورم میں حل کریں۔ اپنا مسلم بینک بنائیں، اپنی مسلم مارکیٹ بنائیں، اپنی مسلم نیوز ایجنسی بنائیں اور اپنی مشترکہ فوج قائم کریں پھر دیکھیں کہ کون توہین رسالت کی ناپاک جسارت کرتا ہے۔ اگر اقوام متحدہ، کوئی بین الاقوامی قانون تمام مذاہب، ان کے عقائد و عبادت خانوں اور مقامات مقدسہ کے احترام کا قانون بنانے میں ناکام رہتی ہے تو پھر ہمارا تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قانون تو موجود ہے جو مضمون کے شروع میں مذکور ہے امت مسلمہ اسے ہی عملی جامہ پہنائے۔

۱۲) امت مسلمہ تمام ان ممالک کے جنہوں نے خاکے چھاپے ہیں یا جو ان کی حمایت کرتے ہیں مصنوعات، ماکولات ومشروبات کا بائیکاٹ کرے۔

۳۔ تعلیمی پسماندگی:

مسلمان سائنسدانوں اور اہل علم وفضل کے کارنامے

قوت افرنگ نہ از چنگ ورباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است (اقبال)

تہذیب وتمدن کے چراغ علم سے روشن ہوتے ہیں اور یہی ان کی قوت وشوکت کا راز ہے۔ یورپی تہذیب کا غلبہ واستیلاء علوم وفنون کا مرہون منت ہے جیسے کبھی اسلامی تہذیب کا غلبہ واستیلاء بھی علوم وفنون کی بدولت تھا نہ کہ تلوار کی بدولت۔ بقول پروفیسر سید محمد سلیم مغرب میں تحصیل علم لازمہ حیات ہے اور اسلام میں اساس حیا ہے۔ قرآن میں اس کی اہمیت اس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ لفظ علم مختلف صورتوں میں ۲۲۸ مرتبہ وارد ہوا (دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳ ص ۴۴۷) اورسب سے پہلی وحی کے الفاظ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۞ ۱ ۞ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ ۲ ۞ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۞ ۳ ۞ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ ۴ ۞ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق: ۱ تا ۴) ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو جمے ہوئے خون (لوتھڑے) سے پیدا کیا۔ پڑھ اپنے بزرگ وبرتر رب کے نام سے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔(العلق ۱ تا ۴)

یعنی اولین وحی مسلمانوں کو تعلیم وتدریس اور قلم وقرطاس سے وابستگی کی تلقین کرتی ہے اور ہمارے اسلاف نے

اس پر ایسا عمل کیا کہ وہ دنیا کے امام بن گئے دنیا کے استاد بن گئے کیونکہ ان کے پیغمبر کو بھی استاد ہونے پر فخر تھا۔ انما بعث **معلما**۔ بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسلام اور علم و حکمت لازم و ملزوم ہیں۔ معلم اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھیلائے ہوئے علوم سے آج تک دنیا فیضیاب ہو رہی ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسانیت پر احسان عظیم ہے۔

رابرٹ بریفالٹ اپنی مشہور تصنیف (Making of Humanity) میں رقمطراز ہے۔ ''عصر حاضر پر اسلامی علوم وفنون کا بڑا احسان ہے۔ عربوں (مسلمانوں) نے علم کے ان تمام سرچشموں سے جو دستیاب تھے اپنا علم حاصل کیا انہوں نے قدیم معلوم میں تحقیق کی نئی روح پیدا کی۔ ریاضیات کو ترقی دی اور تجربے و مشاہدے اور پیمائش کے لئے اسلوب اختیار کئے۔ عربوں نے یونانیوں کے علمی نظریات پر تنقید بھی کی اور اضافہ بھی کیا۔ انہوں نے بطلیموس کے علم الکائنات کو قبول کیا لیکن اس کی فہرست نجوم یا ستاروں کی جدول یا اس کی پیمائشوں کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے ستاروں کی بیشمار نئی فہرستیں خود مرتب کی کسوف کے ترچھے پن اور استقبال اعتدالین کی صحیح مقدار معلوم کی اور ثمن الراس کی دو الگ الگ پیمائشوں سے کرۂ ارضی کی جسامت کا تعین کیا۔ البیرونی نے جو معدنیاتی نمونے جمع کیے وہ اب تک صحیح ہیں مختلف اشیاء کو الگ الگ تول کر بھی اوزان مخصوصہ کے جو نقشے تیار کیے وہ بھی صحیح ہیں۔ عربوں نے صفر کا استعمال کر کے ترمیم اعداد کے نظام کو مکمل کیا انہوں نے الجبرا ایجاد کیا اور اسے چوتھے درجے کی تعدیلات کے حل تک پہنچادیا انہوں نے علم مثلث کا استعمال شروع کیا اور یونانیوں کے وتر (Chart) کی جگہ جیب زادیہ اور مماس (Sine, Tangent) کو ترویج دی۔ البنانی نے سورج کے اوج مدار کی حرکت کا انکشاف کیا اور ابوالوفا نے قمر کے ثانوی اختلافات معلوم کی۔ ابن الہیثم نے قوس قزح پر لکھا۔ اس طرح انہوں نے انسانی تحقیق و تجسس کی قوتوں میں ہزار گنا اضافہ کیا اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ عربی علوم و فنون کے مطالعہ ہی کے زیر اثر وجود میں آئی''۔ رابرٹ بریفالٹ (Making of Humanity) لندن نمبر ۱۹۱ ص ۱۹۵۔۱۹۴)

یہ بات خود یورپی علماء کی تصانیف سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مسلمانوں کے علوم وفنون اور افکار ہی یورپ کی عملی وفکری ترقی کی بنیادی ہیں۔ یورپ کی تمام یونیورسٹیوں میں عربی کتابوں کے تراجم شامل نصاب رہے ہیں ابن سینا کی مشہور آفاق تصنیف ''القانون'' کو طب کے میدان میں انسائیکلوپیڈیا کا درجہ حاصل ہے جو یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل تھی۔ جیراڈ کیموئی (بارہویں صدی عیسوی) نے ۹۰ سے زائد کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ تحریک احیاء العلوم کے زمانے میں بہت سے علوم مثلاً حیوانیات، نباتیات، تجربیات، آثار علومہ اور کیا بانی مشہور ترین شخصیت عظیم البرٹس (Albertus Magnuss) کو سمجھا جاتا ہے اب ثابت ہو چکا ہے کہ وہ یونانی زبان سے ناواقف تھا اور اس کا ماخذ ابن سینا، ابن رشد اور جابر بن حیان کی کتابیں ہیں۔ راجر بیکن (Rpger Bacon) البرٹس میگنس (Albertus Magnuss) رابرٹس گروسٹے (Rpbertus Grosseteste) جو تیرھویں صدی عیسوی کے سائنسی علوم کے ستون سمجھے جاتے ہیں ان کے علوم کی بنیاد وہ عربی کتب تھیں جو عربوں نے یونانی سے ترجمہ کی تھیں اسی طرح لیوی بن گرسوں (Leve bin Gerson) کو برتیلس، گلیلیو، ورکیلر کے اہم ماخذ عربی کتب تھیں اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کے سائنسدان اور فلاسفہ مسلمانوں کی بہت سی کتب اور ایجادات غلط طور پر اپنے نام سے منسوب کرتے رہے ہیں مثلاً حجرہ تاریک (Camera

(Obscure) مثلثات کرویہ (Spherical Triangel) اور عصائے یعقوب (Jacor'Statt) کی ایجاد کو غلط طور پر لیوی سے منسوب کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں یورپی محققین نے ثابت کیا کہ حجرہ تاریک کا کارنامہ ابوالبصریات ابن الہیثم نے انجام دیا تھا۔ مثلثات کرویہ کو چوتھی صدی ہجری کے مسلمان ریاضی دان الجندی، ابوالاوفا، ابوز جانی نے دریافت کیا تھا اور عصائے یعقوب کا اصل موجد ابن سینا ہے (تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام علی ھذا القیاس۔

برصغیر میں ناخواندگی:

اس دور میں تعلیم سے ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لیے تعلیم مثل نشتر (اقبال)

انگریز مؤرخین اور ذمہ داران حکومت اس بات کے معترف ہیں کہ مسلمانوں کے دور میں برصغیر میں تعلیم عام اور مفت تھی، معیار تعلیم بلند تھا اور تعلیمی سہولتیں وافر تھیں سر تھامس منرو ۲۵ جون ۱۸۲۲ء کی رپورٹ پہلی اہم دستاویز ہے جس میں اعتراف کیا ہے کہ مدراس کے صوبے میں ہر پانچ سو افراد کی آبادی میں ایک مدرسہ موجود تھا اور آبادی کے ایک تہائی لوگوں کو تعلیم کی سہولت دستیاب تھی۔ بمبئی میں تعلیم کی وسعت کے بارے میں آر۔ ڈی۔ پروفیسر لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں پڑھے لکھے لوگوں کا تناسب اتنا ہی ہے جتنا یورپی ممالک میں ہے''

صوبہ بنگال اور بہار کی تعلیمی حالت کے متعلق سب سے زیادہ مفصل رپورٹ ایک عیسائی مبلغ ولیم آدم نے تیار کی۔ رپورٹ کے مطابق انگریزی حکومت کے آغاز کے وقت صوبہ بنگال وبہار میں پانچ سے دس سال کی عمر کے بچوں کے ایک لاکھ مدارس موجود تھے۔ جس میں نوشت وخواند اور ابتدائی حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ پنجاب کے متعلق مسٹر آرنلڈ اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں ''تعلیم یہاں عام ہے مسلمان ہندو اور سکھ بھی یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں البتہ اساتذہ سب مسلمان ہیں بیشتر اساتذہ بغیر کسی معاوضہ کے تعلیم دیتے ہیں یہ مدارس اوقاف کی آمدنی سے چل رہے ہیں۔ لڑکیوں کے مدارس علیحدہ ہیں''۔ سرولیم نے ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق لکھا ہے ''ملک پر ہمارے قبضہ سے پہلے مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ علمی اعتبار سے ہندوستان میں بڑی قوت رکھتے تھے۔ ان کا نظام تعلیم اعلیٰ درجہ کی ذہنی تربیت دیتا تھا اور یہ ہندوستان کے دیگر تمام تعلیمی نظاموں سے بدرجہا بہتر تھا''۔

ان رپورٹوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ انگریزوں کے قبضے کے وقت مسلم نظام تعلیم عروج پر تھا اور کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جہاں مدرسہ نہ ہو۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ حکومت صرف سرپرست تھی لیکن مداخلت نہیں کرتی تھی۔

برصغیر میں لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی:

لارڈ میکالے نے جو ۱۸۳۴ء میں سپریم کونسل کا ممبر اور پبلک انسٹرکشن کمیٹی کا سیکرٹری مقرر ہوکر ہندوستان آیا تھا۔ ۲ فروری ۱۸۳۵ء کو گورنر جنرل کی کونسل کو پیش کی جانے والی اپنی یادداشت میں اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان کے قدیم

نظام تعلیم علم و ادب کو ختم کر دیا جائے اور ہندوستانیوں کی جملہ معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کے لئے مقامی علوم کی بجائے یورپی علوم پڑھائے جائیں، عربی اور فارسی کی بجائے اس نے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی وکالت کی۔ اس نے ۱۸۱۳ء کے ایکٹ کی رو سے مشرقی علوم کی ترقی کے لئے دی جانے والی مالی امداد بند کرنے کی سفارش کی اور واضح طور پر کہا ''تعلیم کا مقصد ایسی نسل تیار کرنا ہے جو مغربی افکار و نظریات کی ترجمان ہو۔ جو رنگ و نسل کے اعتبار سے بے شک ہندی ہو لیکن فکر و نظر اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے خالص انگریز ہو۔''

انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا نظام تعلیم جاری کیا ہندو جو پہلے مسلمان حکمرانوں کی رعایا کے طرز پر زندگی گزار رہے تھے اب انگریزوں کی غلامی کو قبول کر چکے تھے جب کہ مسلمان ذہنی طور پر انگریز کی غلامی کے لئے تیار نہ تھے۔ یہی سبب تھا کہ مسلمان تعلیمی لحاظ سے پسماندہ رہ گئے ان کے تعلیمی نظام کو مفلوج کر دیا گیا تھا انگریزی نظام تعلیم ان کی روایات کے منافی تھا۔ ۱۸۶۲ء میں انگریزی سکولوں میں مسلمان طلبہ کی تعداد 10% تھی گورنمنٹ کالج ہگلی میں ۴۰۰ طلبہ میں صرف ۴ مسلمان تھے۔ سر سید احمد خان نے گزشتہ ۲۰ سال کے اعداد و شمار اکھٹے کئے تو یونیورسٹی گریجوایٹ اور اعلیٰ ڈگریوں کے مالک ۳۱۵۵ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمان صرف ۵۷ تھے۔ ۱۸۵۲ء تک کلکتہ ہائی کورٹ نے ۲۴۰ ہندوؤں کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت دی جن میں صرف ایک مسلمان تھا۔ تعلیمی لحاظ سے سندھ جو انگریزی دور میں بمبئی کا حصہ تھا) بہت زیادہ پس ماندہ تھا قیام پاکستان کے وقت سارے صوبے میں صرف تین ہائی سکول تھے اور کوئی سرکاری کالج نہ تھا۔ البتہ حیدر آباد اور میرپور خاص میں ہندوؤں کے کالج موجود تھے الغرض جنگ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی سیاسی سماجی اقتصادی اور تعلیمی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی اور وہ مادی احتیاج اور ذہنی زوال کا شکار تھے۔ یہی حال صوبہ سرحد کا تھا وہاں صاحبزادہ عبدالقیوم خان جنہیں سرحد کا سر سید کہا جاتا ہے نے اسلامیہ سکول قائم کیا۔ سابق صدر غلام اسحاق خان جس کے Bursar رہے تھے پھر اسلامیہ کالج قائم کیا اور انگریزوں (مشن) کا ایڈورڈز کالج پشاور تھا۔ یا ڈیرہ اسماعیل خان میں ہندوؤں کا ڈی اے وی کالج تھا جو آج کل گورنمنٹ کالج نمبر ا ہے۔ (راقم اسی کالج میں پڑھا۔ پھر اسی مادر علمی میں استاذ مقرر ہوا اور صدر شعبۂ اسلامیات رہا) جہاں بنوں اور اس کے ملحقہ قبائلی علاقہ جات یعنی وزیرستان کے مسلمان طلبہ بھی علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ پشاور یونیورسٹی ۱۹۵۱ء میں قائم ہوئی۔

پاکستان میں شرح خواندگی:

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں خواندگی شرح 47% بتائی جاتی ہے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو صرف اپنا نام لکھ اور پڑھ سکتے ہیں (حالانکہ ان لوگوں کو پڑھا لکھا تو نہیں کہا جا سکتا) میرے خیال میں اصل شرح خواندگی ۳۰ سے ۳۵ فیصد تک ہے۔ اس کا مطلب ہے علم کے میدان میں ہم دوسروں سے صدیوں پیچھے ہیں۔ تعلیم کسی ایک قبیلے یا قوم یا طبقہ کی میراث نہیں ہے کہ محض اعلیٰ طبقے یا مالی طور پر قوی خاندانوں کے افراد ہی تعلیم حاصل کریں اور چھوٹے طبقے یا مالی طور پر نادار لوگ غیر تعلیم یافتہ رہیں اور جاہل رہیں یا غیر ہنر مند یا دوسروں کی غلامی کریں۔ ہمیں بطور ایک آزاد قوم و ملک کی جہالت کا خاتمہ کرنا چاہئے، ورنہ ہمیں اپنی دنیاوی و اخروی زندگی میں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

ناخواندگی کے تدارک کا پہلا قدم: مفت تعلیم

ناخواندگی کے خاتمے کے لئے پہلا قدم یہ اٹھانا ہے کہ سب کے لئے میٹرک تک مفت تعلیم کا بندوبست کریں۔ بلا شبہ یہ ایک بہت بڑا منصوبہ ہے جس کے لئے کھربوں روپے کی ضرورت ہے جو حکومت کے بس سے باہر ہے۔ بے شک اس کے خزانہ میں کھربوں روپے ہیں لیکن تعلیم کے لئے ۲۰۰۵۔۰۶ کے بجٹ کا 1.51% فیصد مختص کیا گیا جو اونٹ کے منہ میں زیرے اور آبادی میں قطرے کے برابر ہے۔ آبادی میں روز افزوں اضافے کی شرح اور ملک کے ابتر مالی حالات کا موازنہ کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ہم اگلے ۱۰۰ سال تک بھی دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا مقابلہ تو درکنار ترقی پذیر قوموں کا مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔

دوسرا قدم: جبری تعلیم:

میٹرک تک تعلیم از روئے قانون جبری قرار دے دی جائے۔ جو والدین اپنے بچوں کو سکول میں اداخل نہ کرائیں ان کو سزا دی جائے یعنی قید میں ڈال دیا جائے۔ لیکن اس کے لیے خصوصی پولیس تشکیل دی جائے جو صرف تعلیم سے متعلق ہو، یورپ، امریکہ اور یہاں تک کہ نائیجیریا میں جبری تعلیم کا قانون نافذ ہے۔ جو والدین بچوں کو سکول نہیں بھیجتے انہیں قید کردیا جاتا ہے۔ لیکن بچوں کی تعلیم کا خرچ ہمارے دینی مدارس کی طرح حکومت برداشت کرتی ہے۔ ان کو کپڑے، کتابیں مہیا کی جاتی ہیں، حتیٰ کہ ان کو گھر سے بسوں میں سکول لایا جاتا ہے اور چھٹی کے بعد گھر پہنچایا جاتا ہے۔ اس کے لئے چائلڈ لیبر کو قانوناً جرم قرار دینا ہوگا۔

تیسرا اقدام: لائبریریوں کا جال:

فی زمانہ ملک میں لائبریریاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ طلباء اور دیگر عوام میں مطالعہ کا شوق دوسری اقوام کے مقابلے میں صفر ہے۔ سکول میں لائبریریاں موجود ہیں لیکن ناکافی ہیں۔ جن کا ذخیرہ ایک یا دو الماریوں پر مشتمل ہے جن پر قفل پڑا رہتا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ ان کو پڑھنے کی زحمت نہیں کرتے، یعنی بچوں میں مطالعہ کا شوق پروان نہیں چڑھایا جاتا۔ پبلک لائبریریاں تو نہ ہونے کے برابر ہیں اور جو ہیں ان کی بھی رکنیت کی شرائط اتنی کڑی ہیں کہ اچھا خاصا شوقین انسان بھی رکن بننے کی ہمت نہیں کرتا، عام آدمی کا تو کیا کہنا۔ البتہ پبلک لائبریریوں کا جال پھیلانا ضروری ہے۔ لائبریریوں میں ہر موضوع سے متعلق ملکی اور غیر ملکی مصنفین کی تحریر کردہ کتب کا وافر ذخیرہ موجود ہونا چاہئے اور ایک معقول تعداد میں کمپیوٹر بھی دستیاب ہونے چاہئیں، نیز عوام میں مطالعے اور ریسرچ (Research) کے ذوق کو عام کرنے کے لئے لائبریری کی رکنیت ہر شہری کے لئے بلا فیس میسر ہونی چاہئے۔

فروغ تعلیم کے لئے مالی وسائل کی فراہمی:

یہ امید لگائے رکھنا کہ حکومت ناخواندگی اور بیروزگاری دور کرے گی، محض ایک سہانا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ عوام کی تعلیم کا تمام بجٹ عوامی سطح پر خود تیار کرنا ہوگا۔ حالات اور واقعات کا تقاضا یہ ہے کہ تعلیم کو ملکی مالی خستہ

حالی کی چکی میں مزید پسنے سے محفوظ کیا جائے۔ تعلیم کو ایک نجی معاملہ (Private Entity) قرار دے کر اس کے لئے باہمی سرمایہ کاری نیٹ ورک (Mutual investment Network) قائم کیا جائے اور تعلیم سے متعلق تمام معاملات باہمی سرمایہ کاری نیٹ ورک کے سپرد کردیئے جائیں۔ یہی ملک وملت کی فلاح کا راستہ ہے۔ ملک سے جہالت و ناخوندگی ختم ہو گی نیز روزگار کے نئے مواقع پیدا ہونگے

ناخواندگی کا تدارک (سفارشات اور تجاویز)

i) تعلیمی میدان میں بہتر نتائج حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کی تربیت کے ادارے قائم کرنا بہت ضروری ہیں۔

ii) اسلامی نظریات اور جدید علوم (مروجہ) پرمبنی ہائی سکول تک مفت اور جبری تعلیم بھی لازمی ہے تاکہ ہم ایک پڑھا لکھا معاشرہ قائم کر سکیں جو درپیش تمام چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔

iii) موجودہ فرسودہ نظام تعلیم کو جدید ترین تقاضوں کے مطابق بہترین خطوط پر ترقی یافتہ بنانا اور اس کے لئے ہمیں دنیا بھر کے ممالک میں پھیلے ہوئے مسلمان اہل علم و ہنرمند افراد، اساتذہ، ذہین پاکستانیوں، دانشوروں اور قابل لوگوں کو پاکستان آکر ملک وقوم کی خدمت کرنے کے لئے مختصر مدت کے لئے یا لمبے عرصے کے لئے (جیسے بھی وہ چاہئیں) دعوت دینا اور انہیں جو سہولتیں اور مراعات غیر ممالک میں میسر ہیں ان سے بہتر یا ایسی سہولتیں اور مراعات فراہم کرنا تاکہ وہ اپنے علم و ہنر، دانش، مہارت اور قابل قدر تجربے سے ترقی پذیر پاکستان کی نئی نسل کو مستفید کر سکیں۔

iv) عربی کے علاوہ انگریزی، جرمن، اطالوی، ہسپانوی، سویڈش، ڈچ، رشین، جاپانی زبانوں میں سے کوئی ایک غیر ملکی زبان سیکھنا نصاب میں لازمی قرار دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے پہلے اساتذہ تیار کئے جائیں یا تلاش کیے جائیں جو ان زبانوں میں اور اردو میں مہارت رکھتے ہوں۔

v) صنعت وحرفت کی ترقی اور استحکام کے لئے تربیت یافتہ کاریگروں اور ہنرمند افراد کی فراہمی ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے تکنیکی اداروں کا قیام لازمی ہے۔

vi) خواندگی کی شرح کو بڑھانے اور ہنرمند افراد پیدا کرنے میں سود سے پاک قرضے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

vii) اعلیٰ تعلیم خصوصاً ڈاکٹریٹ (Ph-D) پی۔ایچ۔ڈی کے طلبہ کے لئے معقول وظائف کا اجراء و نیز ضروری سہولتیں تعلیمی میدان میں ایک سنگ میل ثابت ہوں گی۔ (منصور علیخان۔ تقدیر امم ترجمہ ڈاکٹر خالد محمود ترمذی پبلیکیشنز ۲۰۰۶ء ص ۲۹۶)

عربی زبان کی لازمی تدریس:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم آخرت کی زندگی میں کامیاب ہوجائیں۔ اس کے لیے اس نے قران کریم میں بڑی واضح اور بہترین ہدایت دی ہیں لیکن ہماری اکثریت ان ہدایت کو اصل عربی زبان میں سمجھنے سے قاصر ہے اور ہمیں

ان کی اصل روح تک پہنچنے سے محروم کیے ہوئے ہے، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی زبان و لغت سے ہماری اکثریت نابلد ہے، لہٰذا ہم قرآن کے احکامات کے معنوں مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں اور نتیجتاً اپنے قلوب و اذہان کو منور نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس موقع پر یہ پختہ عزم کرنا ہے کہ عربی زبان کو ہماری تعلیم کا لازمی عنصر ہونا چاہیے، اسے ہم لازمی مضمون قرار دیں اور اسے لازمی قرار دینے میں جو بھی رکاوٹیں ہیں وہ دور کریں مثلاً مسئلے کو مؤخر کرتے رہنا، کسی اور وقت پر اٹھا رکھنا، ٹالتے رہنا، سرکاری تعلیمی اداروں کی کمی اور جو ہیں ان کی ناخواندگی کے صحیح معنوں میں خاتمے میں نااہلی یا عدم دلچسپی، پست معیار تعلیم، غیر تربیت یافتہ اساتذہ، فرسودہ طرز تعلیم و تدریس، غیر اسلامی نصاب اور فنڈز کی کمی وغیرہ۔ مشہور کہاوت ہے کہ دوسروں کو قصور وار ٹھہرانا حیلے بہانے ہیں اور ناکام لوگوں کے طریقے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنا کر ہمیں ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ ہمیں چیلنجوں کو کامیابی کے زینے بنانا چاہیے۔ ہر قسم کی برائی اور خامی ہماری ازلی دشمن ہے اور اسے ہمیں زیر کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں روزگار پیدا کرنے کے مواقع بہت کم ہیں اور روزگار مہیا کرنے یا اس میں مدد دینے کے پروگرام ناکافی ہیں بلکہ سرے سے ہی مفقود ہیں۔ آبادی میں اضافہ روز افزوں ہے اور اس کی ضروریات اسی حساب سے روز بروز بڑھ رہے ہیں جب کہ روزگار کے مواقع گھٹ رہے ہیں جسکی وجہ سے ایک غیر صحت مند معاشرہ اور غیر مستحکم معیشت جنم لے رہی ہے۔ یہ دونوں مسائل حکومت اور عوام دونوں کے بس سے باہر ہو چکے ہیں جس کے نتیجے میں غربت بڑھ رہی ہے اور اس سے قوم و ملک بڑے سخت بحرانوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا ہمیں خاموش تماشائی بنے رہنا چاہیے یا اس بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالنا چاہیے اور اس کا رخ اصلاح کی طرف موڑنا چاہیے! ہم اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سنہری قول پر کیوں عمل نہیں کرتے؟۔

سیرت طیبہ سے راہنمائی:

''الحكمة ضالة المؤمن فهو لها اين وجدها''

حکمت و دانائی مؤمن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں سے ملے اسے حاصل کرنا ہے۔

ہر معاشرے میں عموماً تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

۱) قائدین: جو بہترین حالات اور ایجادات کو وجود میں لاتے ہیں۔

۲) قاعدین: جو حالات کا بیٹھ کر تماشا کرتے ہیں۔

۳) غافلین: انہیں پتا ہی نہیں ہوا کیا ہوگا، کیا ہو رہا ہے، وہ لوگوں سے پوچھتے ہیں ''کیا ہوا''؟ امت مسلمہ آج قائدین سے غافلین میں بدل گئی ہے۔

ایسی بلندی ایسی پستی:

یہ تو ماضی کے قصے تھے اب حال یہ ہے کہ پوری اسلامی دنیا میں تحقیق اور اعلیٰ تعلیم اور اورادارے اور جامعات ایک ہزار کے قریب ہیں جب کہ صرف جاپان میں ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔ دنیا میں ایک ارب سے زائد مسلمان ہونے کے

باوجود سالانہ ایک لاکھ سائنسی کتابوں اور بیس لاکھ تحقیقی کتابوں میں ان کا حصہ ایک فی صد سے بھی کم ہے۔ مغربی ممالک میں دس لاکھ افراد میں تقریباً تین ہزار پی ایچ ڈی ہیں اور مسلمانوں میں ایک سائنسدان ہے۔

مولانا ظفر علیخان کیسے بین کرتے ہیں:

کیا سکھاتے ہیں تمدن کی حقیقت ہم کو
آج قرآن کی دولت کو چرانے والے
فیض کس کا ہے یہ اس پر بھی ذرا غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سنانے والے

اور علامہ اقبال ماتم کرتے ہیں:

وہ کتابیں اپنے اباء کی وہ علم کے موتی
دیکھیں جنہیں یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

ہمیں حضرت اکبرالہ آبادی کے مشورے پر عمل کرنا چاہئے:

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانوں ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

احیائے اسلام کے لئے عالمی اسلامی یونیورسٹی کا قیام:

عالم اسلام کے شہرہ آفاق محقق جناب علامہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کو ایک عالمی اسلامی یونیورسٹی کا خاکہ تجویز کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا جو انہوں نے تیار کردیا تھا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس خاکے میں حقیقت کا رنگ بھرا جائے کیونکہ اس میں موصوف نے امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا تجزیہ اور ٹھوس اور قابل عمل تجاویز پیش کی ہیں۔ امت مسلمہ کو چاہئے اس پر عملدرآمد کے لیے عملی پیش رفت کرے۔

خاکے کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

اسلامی سیکریٹریٹ (جدہ) نے پاکستان میں عالمی یونیورسٹی قائم کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ نہایت ہی دور رس

مضمرات کا حامل ہے۔ یونیورسٹیاں تہذیب و تمدن کی ترویج و ترقی اور زندگی کے گوناگوں مسائل کے مطالعہ میں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں نے عالمی ثقافت پر جو گہرے اثرات چھوڑے وہ سب پر عیاں ہیں اور جس طرح آکسفورڈ اور ہارورڈ کی یونیورسٹیاں دور حاضر کے افکار پر اثر انداز ہو رہی ہیں وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ ۱۹۷۳ء میں جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے یونائیڈ نیشنز یونیورسٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کا مقصد انسانی فلاح و بہبود کے سلسلے میں کیے جانے والے تحقیقاتی کاموں کو مربوط کرنا اور اقوام متحدہ کے مقاصد کے حصول کے لیے پوسٹ گریجویٹ سطح پر ماہرین کی ایک بین الاقوامی جماعت تیار کرنا تھا عالمی اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا مقصد قرآنی منشور کی روشنی میں نوع انسانی کے فورم کے لیے اسی قسم کی خدمات انجام دینا ہوگا۔

فکری مرکز کا قیام:

پوری دنیا میں احیائے اسلام کا دوردورہ ہے اور ''سپر پاورز'' بھی اس تحریک پر توجہ مرکوز کرنے پر مجبور ہیں۔ اس تحریک کو مہمیز دینے اور اسے تعمیری خطوط پر آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی دینا میں ایک ایسا فکری مرکز قائم کیا جائے جہاں اسلام کے منتشر اہل علم و دانش جمع ہو کر ایسا ذہنی ارتعاش پیدا کریں جو کسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں سلامی اقتدار کا سورج اسوقت ماند پڑنے لگا جب ہمارے علم و دانش کے چشمے خشک ہوگئے۔ اور ہم نے جذبہ تحقیق و تجسس کو خیر باد کہہ دیا جس کے ہم خود داعی تھے۔ اگر اس زوال کو کمال میں بدلنا ہے تو ہمیں علم و فضل کے ان چشموں کو پھر سے جاری و ساری کرنا ہوگا جو ہماری کوتاہ اندیشی کے باعث خشک ہو چکے ہیں۔ احیائے اسلام کو حقیقی معنویت سے ہمکنار کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اس عمل کو تیز کرنے کے لیے علم وفن کے ایک ایسے فعال مرکز کا قیام ضروری ہے جہاں مسلمان نوجوانوں کے ذہن کی صحیح تربیت کی جائے اور ایک بین الملی سوچ کو پروان چڑھایا جائے۔

عالمی یونیورسٹی کے قیام کا اولین مقصد انسان کے ادراک حقیقت کو پروان چڑھانا اور اسے کائنات کی بنیادی صداقتوں سے از سر نو متعارف کرانا ہو۔ یہ مقصد ایک ایسے نظام تعلیم کے ذریعے حاصل کیا جائے جس کی اساس الہامی اور اکتسابی علوم کے امتزاج اور اشتراک پر ہو اور جس کے تحت ایسے مثالی ادارے قائم کیے جائیں جہاں سائنس دانوں اور دانشوروں کی ایسی نسلیں تیار ہوں جو ایک طرف تو عمرانی، طبیعاتی اور حیاتیاتی علوم کی ماہر ہوں اور دوسری طرف قرآن، حدیث اور فقہ پر گہری نظر رکھتی ہوں۔ جب تک اس قسم کے لوگ نسل در نسل زندگی کے ہر شعبے پر متمکن نہیں ہو جاتے تب تک احیائے اسلام کی کوئی تحریک جڑ نہیں پکڑ سکتی ہر چند کہ ایسی تحریک کا جڑ پکڑنا ناگزیر ہے کیونکہ دنیا کے متضاد معاشی نظامات اور متقابل سیاسی تصورات دم توڑتے نظر آرہے ہیں، اور ان کی جگہ لینے کے لئے ایک نئے عالمی نظام کا معرض وجود میں آنا لازمی ہے۔ البتہ یہ صاف ظاہر ہے کہ ہر نئے نظریے کی قسمت کا فیصلہ اس امر پر منحصر ہے کہ وہ نظریہ کس حد تک معاشی و معاشرتی عدل قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں اسلام دنیا کو بہت کچھ دے سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اسلامی افکار و نظریات کو سائنسی بنیادوں پر منظم کرنے کے لئے ایک ایسا فلسفیانہ ادارہ قائم کیا جائے جہاں ان افکار و

نظریات کو سائنٹیفک طریق سے پیش کیا جا سکے۔ اس نوعیت کا ادارہ ایک عالمی یونیورسٹی ہی ہو سکتا ہے۔

اسلامی فکری ورثہ:

اسی طرح ہمارے نوجوانوں کو اسلامی فکری ورثے کا بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہئے اور دور حاضر کے نت نئے تقاضوں سے عہدہ برآں ہونے کے لئے اجتہاد کے دائرہ کار پر اجماع امت کی صورت نکالنی چاہئے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بقول قرآنی اصولوں میں توجیہ وتفسیر کے ذریعے وسعت وترقی کے عظمی امکانات موجود ہیں اور ان کا خیال ہے کہ فکر اسلامی کی لچک، اسلام میں جاذبیت کا مادہ اور اسکی باطنی ماہیت، فقہاء کی متشددانہ قدامت پسندی کے باوجود اپنا کام کر کے رہے گی اور اجتہاد کی راہیں کشادہ ہوتی جائیں گی۔ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا بھی یقین ہے کہ اسلامی ادب کے مناسب مطالعہ سے ہم ان نقادوں کے سطحی اعتراضات کو جھٹلا سکتے ہیں جو اسلامی قوانین کو جامد اور ارتقاء کی صلاحیت سے محروم گردانتے ہیں۔ لشکر اسلام کے ان خیالات سے ظاہر ہے کہ اسلامی تصور حیات اور اسلامی طرز زندگی ہر دور کے تقاضوں سے نبٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمیں انتظامیہ سے متعلق اپنی شاندار روایات کا بھی گہرا مطالعہ کرنا چاہئے اور عربوں، ترکوں اور مغلوں نے جو انتظامی ڈھانچے تشکیل دے رکھے تھے ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بدقسمتی سے غیر ملکی تسلط کے دوران ہماری انتظامیہ کے بیشتر شعبے اس حد تک متاثر ہوئے کہ ہمارے معاشرے کی بنیادیں بھی کھوکھلی ہو کر رہ گئیں ہیں پھر سے وہ معجزنما انتظامیہ دریافت کرنی ہے جو اسلامی دنیا کا طرہ امتیاز تھی۔

تعلیم نسواں:

ہر نئی نسل کی تربیت عورتوں کے ذمے ہوتی ہے اور اس حیثیت سے وہی ہمارے ثقافتی ورثے کی اصل محافظ وامین ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کی طرف مناسب توجہ نہیں دی گئی حالانکہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے علم کے میدان میں مرد اور عورت کو برابر مقام پر لا کھڑا کیا ہے اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ علم ایک قوت ہے۔ اب وقت کا تقاضا ہے کہ عورتوں کے فطری رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے ایک ایسا فلسفہ تعلیم تشکیل دیا جائے جس میں بچوں کی پرورش کی خداداد صلاحیت امور خانہ داری کا جبلی میلان اور بیماروں اور معذوروں کی نگہداشت سے دلچسپی کو مرکزی اہمیت حاصل ہو۔ حقوق نسواں میں پہلا حق تعلیم نسواں ہے۔

طب نبوی و یونانی طریقہ علاج جسے مسلمان سائنس دانوں نے مقام عروج تک پہنچایا پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کی سرزمین میں رچا بسا ہوا ہے اگر اس طریقہ علاج کو ایلوپیتھی کی طرح جدید سائنسی خطوط پر ترقی دی جائے تو اس میں کروڑوں انسانوں کی طبی بہبود کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی جغرافیائی خطے میں جو امراض عام ہوئے ہیں ان کا علاج بھی فطرت نے اسی خطے میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں اور دیگر قدرتی وسائل میں مہیا کیا ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بیشتر حالات میں جسم انسانی کو وہ ادویات زیادہ راس آتی ہیں جو مفرد حالت میں استعمال کی جائیں۔ بہ نسبت ان ادویات کے جو پیچیدہ کیمیائی عمل کے ذریعے تیار کی گئی ہوں اور مابعد کے مہلک اثرات لیے ہوں۔ اس ضمن میں حکیم بوعلی سینا کے عہد آفریں طبی کام کو آگے بڑھنے کی ضرورت ہے جس کے لئے آج کے سائنس دان درمیانی

صدیوں میں جمع شدہ علم وحکمت اور جدید سائنسی آلات پر دسترس رکھنے کے باعث قدیم حکماء کی نسبت زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ امت مسلمہ کا ایک اورمشترکہ مسئلہ صحرا زدہ زمینوں کو قابل زراعت بنانا ہے۔ اس میدان میں بھی جدید تحقیق کے نتائج کومربوط کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ یہ ممالک اپنے غذائی وسائل میں اضافہ کرسکیں اور روز افزوں بنجر پن کا انسداد کر سکیں۔ یہ مسلم اقوام کے چیدہ چیدہ مسائل کا ذکر تھا کیونکہ یہاں تفصیلات کا موقع نہیں ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت:

مجوزہ اسلامی دانش گاہ کے ساتھ مسلم ممالک کے ایسے تعلیمی وتحقیقی اداروں کا الحاق بھی کیا جانا چاہئے جو ترقیاتی منصوبہ بندی میں اپنے تجربات کو باہمی استفادہ کے لئے مربوط بنا سکیں جیسا کہ یونائیٹڈ نیشنز یونیورسٹی اوراس سے ملحقہ ادرارے کر رہے ہیں اورجن کے سٹاف ماہرین کی بین الاقوامی جماعت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک مسلم ممالک اس نہج پر اپنے اعلیٰ تربیتی اور تحقیقی اداروں کومنظم نہیں کرتے اور اپنے تجربہ کار ماہرین اور نوجوان فاضلین کومشترک افادیت کے منصوبوں پر کام کرنے کے لئے یکجا نہیں کرتے، اس وقت تک انہیں اپنے وسائل پرکلی اختیار حاصل نہیں ہوسکتا اور اس اختیار کے بغیر قومی آزردی اور حاکمیت بھی مستحکم نہیں ہوسکتی۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ ترقی پذیر ممالک سائنس اورٹیکنالوجی کے میدان میں گراں خرچ تحقیق کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے انہیں دینا کے علمی ذخائر سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے محدود وسائل کو محض اطلاقی میدان میں استعمال کرنا چاہئے۔ یہ مشورہ ان ممالک کو دائمی محتاجی کی طرف دھکیل دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہرمسلمان ملک کو باہمی اشتراک سے سائنس دانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کرنی چاہئے جنہوں نے سائنس اورٹیکنالوجی کے ہرمیدان میں اعلیٰ ترین معیار حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہو۔

اسلامی نظریہ حیات کا احیاء اور تشکیل:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشکیل کردہ مدینہ منورہ کی مثالی ریاست کے بعد پاکستان ہی وہ واحد مملکت ہے جو اسلامی فلسفہ حیات کی بناء پر معرض وجود میں آئی۔ چنانچہ پاکستان کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کو دکھا دے کہ کس طرح اسلام ہردور کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس مشن کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسی ذہنی وفکری تحریک چلائی جائے جس کا آغاز حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ علیہ نے اپنے شہرہ آفاق خطبات بعنوان ''تشکیل جدید الہیات'' اور دیگر عہد آفرین تخلیقات سے کیا۔ مذکورہ خطبات کے دیباچے میں علامہ مرحوم نے امت مسلمہ سے فرمایا ہے کہ ''جوں جوں علم کا ارتقاء ہوتا جائے گا اور فکر کی نئی راہیں کھلتی جائیں گی۔ نت نئے نظریات، جوان خطبات میں پیش کئے گئے سے بھی زیادہ ٹھوس ہوسکتے ہیں، معرض وجود میں آتے رہیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ فکر انسانی کے ارتقاء کا بغور مطالعہ کرتے رہیں اور ایک آزادانہ تنقیدی رویہ برقرار رکھیں۔

جن موضوعات پر یونیورسٹی خصوصیت سے مطالعہ وتحقیق کا اہتمام کرے ان میں سے چند موضوعات یہ ہیں:

(الف) مختلف تہذیبوں کے قوانین اور فقہیات کا تقابلی مطالعہ

(ب) قرآن وحدیث کی روشنی میں فکر جدید کے ارتقاء کا جائزہ
(ج) ابن خلدون سے لے کر موجودہ دور تک کے فلسفۂ تواریخ کے مختلف مکتب فکر کا تنقیدی مطالعہ:
(د) سائنس کی تاریخ اور فلسفہ
(ہ) دنیا کے بڑے بڑے معاشی نظاموں اور مذاہب کا تقابلی جائزہ
(و) اسلامی اقتصادی نظام کا ایک ابھرتے ہوئے عالمی نظام کی حیثیت سے مطالعہ
(ز) مسلم ممالک میں بین الملکی تجارت وصنعت وحرفت امکانات
(ح) صحرازدگی کے عمل کو روکنے کی تدابیر
(ط) قرآنی احکام کی روشنی میں بھوک، بیماری اور جہالت کا خاتمہ
(ی) قدرتی وسائل کی ترویج اور ترقیاتی منصوبہ بندی وغیرہ۔

مندرجہ بالا موضوعات پر کام کرنے کے لیے ضروری کلیات اور شعبہ جات کا وسیع ڈھانچہ فراہم کیا جائے اور اسلامی، عمرانی اور طبیعی علوم کے مابین بین الضوابطی توازن قائم کیا جائے۔ اسلامی امور کے دائرے میں قرآن وتفسیر، حدیث وآثار، فقہ واصول فقہ، حکم واصول دین، سیرت وثقافت، تصوف اور تقابل ادیان کے شعبے شامل ہوں۔ عمرانی اور طبیعی علوم کے تحت تمام مروجہ مضامین پڑھانے کا بندوبست ہو۔ یہ یونیورسٹی اسلامی اقدار کی مسلسل پرورش کرے اور اسلامی دنیا کے لیے ایسی اساس مہیا کرے جہاں سے اسلام کو ایک متحرک تہذیب کی حیثیت سے پیش کیا جا سکے۔ ایسی تہذیب جس کا اپنا منفرد سیاسی فلسفہ، عادلانہ اقتصادی نظام اور منصفانہ ضابطہ،قانون ہے، الغرض یہ یونیورسٹی اس تفریق کو مٹانے کی کوشش کرے جو مغربی ذہن نے انسانی زندگی کی وحدت کو عطا کر کے اسے دوحصوں میں تقسیم کر کے دیا ہے یہ یونیورسٹی انسان کو اس قابل بنائے کہ وہ نیابت الٰہی کی اس ذمہ داری کو سنبھال سکے جو اس کا مقدر ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ۔ خطبات بہاولپور۳۲۱۔۵۲۳۔

۴۔ساوی آفات کی پیش بینی اور اس کے تدارک کی مکمل استعداد بہم پہنچانا۔

ناگہانی آفات ساوی سے نپٹنے کی استعداد ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو جو تباہ کن زلزلہ آزادکشمیر اورصوبہ صرحد میں آیا،ریکٹر سکیل پر جس کی شدت 7.6 درجے تھی اس نے 73.000 زندگیوں کو نگل لیا اور 128.000 افراد زخمی ہوئے۔ یہاں کی 90% عمارات (جن میں سرکاری عمارات زیادہ ہیں) کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ ایک سال گزرنے کے باوجود بھی وہ ملبہ ابھی تک اٹھایانہیں جا سکا۔تعمیر نو کا آغاز کب ہوگا۔ جس نے ۳۰ لاکھ لوگوں کو بے گھر کردیا جو خیمہ بستیوں میں رہنے پر مجبور ہیں جنہیں دوسرے مالیاتی مسائل کے ساتھ شدید موسم کا سامنا ہے۔

After the devastating earthquake of 8th:2005 we were not prepared to face up to the closal challenge of rescue, relief and rehabilitation. the need for a fool proof disaster response capability in the country was thus felt. the whole world community came forward to help the

affected people. everyone from plitician to general masses of pakistan, played their role and proved to be a great nation (the News,9th oct .2006)

گزشتہ رمضان میں یہ ہولناک زلزلہ آیا تھا۔ پھر رمضان کا مبارک مہینہ عالم اسلام اور پاکستان پر سایہ فگن ہے جو پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنھا، خواتین جنت کی سردار کے سے ایثار کا تقاضا کرتا ہے جنہوں نے مسلسل تین دن اپنی افطاری سائلین کو دیدی تا کہ ہم یہ ثابت کرسکیں کہ ہم ایک عظیم قوم ہیں ایک پرعزم ایثار پیشہ امت ہیں۔

۵۔ امت مسلمہ کو غیر منتخب حکمرانوں سے نجات دلا کر خلافت یعنی الاقوامی حکومت قائم کی جائے:

محمد سلیم قریشی روزنامہ جنگ (۱۳ اکتوبر ۲۰۰۶ء) میں اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

سلطان شمس الدین التمش کی نوزائیدہ سلطنت میں اس روز جشن بپا تھا جب خلیفہ ابوجعفر منصور المنتصر باللہ کی جانب سے ہندوستان کے فرمانروا کو پروانہ منظوری ملا تھا۔ خلیفہ وقت کی طرف سے یہ سلطان ہند کی حکومت کی اخلاقی اور مذہبی جواز کی توثیق تھی۔ مسلمان حکمرانوں کی نظر میں اس سرپرستی اور نمائندگی کی وقعت اس قدر تھی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق جو کہ ہندوستان کا انتہائی مقتدر بادشاہ تھا اس کے دربار میں جب خلیفہ وقت کے ایلچی اجازت نامہ لے کر پہنچے اور خلیفہ کی جانب سے سلطان کو علم اور خلعت عطا کی تو سلطان فیروز شاہ تغلق خلیفہ وقت کے دارالخلافہ کی طرف رخ کر کے سربسجود ہو گیا۔ بنو امیہ کے اقتدار سے لے کر تاحال انتہائی جہت سے بیزار اور بے نیاز مسلم حکمران آج بھی سجدہ ریزی کی اس روایت پر قائم ہیں لیکن سمت سجدہ بدل گئی ہے۔ ایک دو مستثنیات کے سوا اسلامی ممالک کے غیر مقبول حکمرانوں کو اب مسند حکمرانی وہائٹ ہاؤس سے جاری ہوتی ہے۔ ایلچیوں کی ساتھ تک بھی تعلق سرمایہ افتخار ہے لیکن اگر امریکی صدر بہ نفس نفیس نیابت عطا کرے تو وصولی کے لیے پرتعیش امریکی دورے قومی ضرورت سے زیادہ ذاتی معاملہ اور سہانے خوابوں کی تعبیر بن جاتے ہیں۔ ارسطو سے پوچھا گیا تھا ''ریاست کا اقتدار اعلیٰ کس کے پاس ہونا چاہئے؟ عوام کے پاس؟ اصحاب جائیداد کے پاس؟ اچھے لوگوں کے پاس؟ اس آدمی کے پاس جو سب سے افضل ہو؟ یا جو آمر اور جابر ہو، عالم اسلام میں اقتدار اعلیٰ کی تبدیلی کے پس منظر میں امریکی کارفرمائی بنیادی کردار ادا کرتی رہی ہے۔ یہاں انتخاب بذریعے عوام، اخلاقی اقدار اور جمہوریت کے اعلیٰ اصولوں کی پاسداری ضروری نہیں سوائے عالمی بالادستی کی۔ امریکی بے تابی میں شرکت اور اس کے مفادات کے تقاضوں کی تکمیل کرے۔ لہٰذا اس امریکی دباؤ بلکہ براہ راست مداخلت کے تدارک کے لیے خلافت کے باوقار ادارے کا احیا کیا جائے۔ جو عالم اسلام کو درپیش تمام مسائل اور چیلنجز کا مداوا ہوگا ان شاء اللہ العزیز اور یہی سیرت طیبہ کا مقصود ومنتہیٰ ہے۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

پروفیسر سید شعیب اختر، کراچی

خالق کائنات:

عظیم ترین وجود قادر مطلق کا نام ہے۔ اسلام میں خدا کا یہی وہ درست یا اصل نام ہے جس سے تمام انسان اپنے خالق یعنی روح حقیقی کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ کا نام صرف اسلام تک محدود نہیں ہے کیونکہ اللہ وہ نام ہے جس سے مشرقی گرجاگھروں کے نصرانی بھی خدا کو مخاطب کرتے ہیں(۱)۔ اللہ تعالیٰ دراصل حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت اور یہودیت کے تمام پیغمبروں کا خدا (GOD) ہے۔

مسلم:

لغوی طور پر اس شخص کو کہتے ہیں "جس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت قبول کر لی ہو" اور لفظ مسلم عربی لفظ اسلم سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "دستبردار ہونا، امن کا طالب ہونا" دین اسلام کا نام بھی اسی عربی لفظ سے نکلا ہے۔ لہٰذا مسلم وہ ہے جو اسلامی تعلیم اور اصولوں پر عمل کرتا ہے۔

نیا عالمی نظام:

۱۹۴۰ء کی دہائی کے اواخر میں دوسری عالمی جنگ کے بعد سے ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل میں سوویت یونین کی شکست و ریخت تک دنیا پر دو سپر طاقتیں یعنی امریکہ اور روس چھائی رہیں اس کے بعد سے صرف ایک ہی سپر طاقت کا غلبہ ہے۔ بے مثل طاقت ور پوزیشن کا مالک ہونے کے باوجود امریکہ نے سلامتی کونسل کے مستقل ارکان بالخصوص اپنے یورپی اتحادیوں سے صلاح مشورے کے بعد ہی اپنے اختیارات استعمال کیے ہیں۔

کویت پر عراقی حملے کے بعد سلامتی کونسل کے فوری فیصلوں کے نتیجے میں جنگ خلیج میں فوجی کارروائی ہوئی مگر بوسنیا میں فوجی کارروائی سے گریز نئے عالمی نظام کے تحت کیے جانے والے فیصلوں کی مثالیں ہیں۔ پہلی صورت میں امریکہ نے سلامتی کونسل کو فوجی کارروائی پر آمادہ کیا جب کہ دوسری صورت میں اس نے ایسا نہیں کیا۔

یاد رہے کہ عیسائیت امریکہ اور یورپ کی بھاری اکثریت کا مذہب ہے۔ تاہم امریکہ اور یورپی ممالک میں مذہب کو قطعی طور پر حکومت سے جدا کر دیا گیا ہے ان ممالک کے رہنماؤں کے قلوب تو مذہب سے متاثر ہو سکتے ہیں مگر ان کی حکومتوں پر سیکولر رنگ ہی غالب ہے۔ اکثر اوقات چرچ کے حلقے مذہب کو توجہ نہ ملنے پر پریشان بھی رہتے ہیں۔(۱) اسلام اور امت مسلمہ کی اساس و بنیاد کسی رنگ نسل علاقے یا زبان پر نہیں بلکہ ایک نظریہ اور پیغام پر ہے جس امت کی بنیاد کسی

نظریہ پر ہوتی ہے اسے اپنی بقاء اور دفاع کے لیے نظریے کا تحفظ اس طرح کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح ایک جاندار اپنی جان اور ذی روح مخلوق اپنی روح کی حفاظت کرتی ہے کیونکہ جب تک نظریہ قائم اور زندہ رہے قوم باقی رہتی ہے اور جیسے ہی نظریہ کمزور ہوتا ہے قوم کی وحدت اور یکجہتی اپنا دم توڑ دیتی ہے۔ (۲) بحیثیت امت مسلمہ ہماری تاریخ کا سب سے پہلا مرحلہ وہ تھا جب اسلام کا آغاز ہوا رحمۃ للعالمین و پیغمبر آخر الزمان فخرِ موجودات احمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے سیرت اخلاق اور کردار سے لوگوں کے سامنے پیش کیا مکہ معظمہ میں آپ ﷺ نے ۱۳ برس تک اللہ کی وحدانیت کی تعلیم لوگوں کو بیان کی (۳) انسانیت ایک غیر منقسم وحدت ہے اور اسے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دینا بہت بڑا جرم ہے رب العزت نے ساری دنیا کو پکار کر کہا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۴)

لوگو! تمہیں زندگی گزارنے کا قرینہ سیکھنا ہو، سلیقہ معلوم کرنا ہو، یہ جاننا ہو کہ تمہارے دن اور تمہاری راتیں کیسے گزریں، تم صاحب اختیار ہو تو اختیار کیسے استعمال کرو، حاکم ہو تو حکومت کیسے کرو، سپہ سالار ہو تو جنگ کیسے لڑو، صاحب ثروت ہو تو دولت کا استعمال کیسے کرو، تاجر ہو تو تجارت کیسے کرو، صاحب فقر و فاقہ ہو تو کس طرح خدامست رہو، اہل علم ہو تو علم کا فیضان کیسے عام کرو، انصاف کی مسند پر متمکن ہو تو عدل کیسے کرو، صاحب منبر ہو تو کیا انداز اپناؤ، کیا وقار بناؤ، زبان کھولو تو کیا بولو اور کیسے بولو ادیب ہو تو کیسے لکھو اور کیا لکھو تو اے لوگو! تمہارے لیے ایک ہی ذات ہے جس طرف دیکھو، جس کی سنو جو کامل اور اکمل ہے جس میں کوئی خامی نہیں کوئی نقص نہیں، عیب نہیں تمہارے لیے ہر قدم پر نمونہ بے مثال ہے، منزل ہے اول قدم بھی اور آخر قدم بھی۔

مردِ مومن را محمد ﷺ ابتدا است   مردِ مومن را محمد ﷺ انتہا است

اے لوگو! اب اپنے آپ کو بھی دیکھو اپنے اردگرد بھی دیکھو کون ہے جو کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس نمونے کی طرف دیکھتا ہے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا عزم کرتا ہے اس بہترین نمونے کی طرف لپکتا ہے اپنے اہل اقتدار کو اہل علم کو اہل قلم کو اہل اختیار کو اہم منبر و محراب کو اہل فتویٰ کو اور اہل تقویٰ کو دیکھو کہ کون ہے کہ جو اس بہترین نمونے کا نمونہ بنا ہے کیونکہ خالق کائنات نے انسانیت کی تمام مشکلات کو پہلے بھی اسی نمونے کی پیروی سے حل فرمایا تھا اور آج بھی انسانیت اسی نمونے کی پیروی سے ہی اطمینان سکون اور یقین سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔ (۴) امت مسلمہ کی بقاء اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے اسلام نے دعوت و تبلیغ کو ہر مسلمان پر فریضہ قرار دیا ہے۔ (۵)

تخلیق انسانی کا مقصد:

حقیقی علم سے محروم، حقیقت سے ناآشنا، معرفت سے ناواقف جب وہم گماں کے اساسات پر انسانی تاریخ مذہب پر فکر آزمائی فرماتے ہیں تو ان کا نتیجہ فکر یہ سامنے آتا ہے کہ انسانیت کا آغاز اس عالم ہست و بود میں شرک اور جہالت کی تاریکی میں ہوا تھا اور رفتہ رفتہ وہ توحید کے بلند نظریہ تک پہنچی ہے بالفاظ دیگر گویا خالق انسان نے انسان کی پیدائش کا فریضہ تو انجام دیا، لیکن مقصد تخلیق منزل حیات اور قوتوں کے مصرف سے اسے ناآشنا رکھا طرفہ ماجرا ہے کہ وجود آدم جو سراسر

رحمت خالق کا مظہر ہے ہر طرح سے نوازا جائے۔ قرآن جو حقیقی علم کا سرچشمہ ہے ہمیں بتاتا ہے کہ اس کائنات میں انسان کا آغاز علم و توحید کی روشنی میں ہوا اور سب سے پہلا انسان اس روشنی کے ساتھ دنیا میں آیا کہ اس کا مقصد تخلیق اور منزل سفر کیا ہے، کیا اس کا فریضہ منصبی ہے اور اسے پورا کرنے کا طریق کار اور حکمت کار کیا ہے۔(۶)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری اور فیصلہ کن حکم و ہدایت قیامت تک کے لیے ہے لیکن آج اس کے معنی و مطلب نہ ہی تو ان کے لیے ہے جو کل فوت ہو چکے ہیں اور نہ ہی ان کے لیے ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے آج انسان اور مسلمان کی حیثیت میں صرف ہم موجود جنس کے لیے ہیں(۷) قوموں کی زندگی میں نظریاتی اعتبار سے زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی موجودگی بڑی اہم ہوتی ہے یہ مقاصد اگر عالم گیر ہوں تو ان کی افادیت اور اثر پذیری بڑھ جاتی ہے موجودہ حالات میں امت مسلمہ کو ان اجتماعی مقاصد کے اعتبار سے ہی دنیا کی دوسری تمام قوموں پر فوقیت حاصل ہے حالانکہ عملی اعتبار سے وہ اس وقت دوسری بہت سی قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔ قرآن پاک کے ایک سادے مختصر لیکن جامع اور مؤثر ارشاد میں امت مسلمہ کی اجتماعی اور ملی ذمہ داری کا تعین کیا گیا ہے فرمایا گیا دنیا میں اب تم انسانوں کا ایک ایسا اچھا گروہ ہو جو دوسرے تمام انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو امت مسلمہ کی اسی اجتماعی ذمہ داری کا قرآن کی ایک اور آیت میں اس طرح اظہار کیا گیا ''ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم عالم انسانیت پر شاہد ہو اور مرکزیت کے امین رسول اللہ ﷺ تمہارے اعمال پر شاہد رہیں'' اگر ہم دیکھیں تو مسلمانوں کی پوری اجتماعی اور عالمگیر تاریخ میں ان ارشادات قرآنی کی واضح جھلک نظر آتی ہے اور یہ جھلک دور عروج اور دور زوال دونوں میں نظر آتی ہے مسلمانوں نے عالم انسانیت سے اپنا رشتہ کبھی نہیں توڑا اور وہ انسانوں کی تباہی کے درپے کبھی نہیں ہوئے۔ اپنی بہت سی داخلی خرابیوں کے باوجود مسلمانوں نے دوسری قوموں کی فکری اور سیاسی غلامی مستقل کبھی نہیں کی۔(۸) تاریخ انسانی اور تاریخ مذہب پر علم و بصیرت کی روشنی میں گفتگو کرنے والے اس حقیقت سے کبھی انکار کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ تخلیق انسانی علم وحق کی روشنی میں ہوئی ہے اور انسانیت کا فرد اولین انسانی مقصد وجود سے آشنا عالم وجود میں بھیجا گیا ہے اور وہ آدم علیہ السلام نے بلا امتیاز اپنی تمام اولاد کی اسی ایک حق سے روشناس کیا، اور تمام ہی انسان درحقیقت ایک امت ہے۔(۹)

ابتداء آفرینش سے لے کر آج تک اور آئندہ قیام قیامت تک کائنات پر سب سے اہم اور پرعظمت جو واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے، وہ خاتم النبیین ﷺ کی ولادت باسعادت کا واقعہ ہے مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے ہر سال اس مبارک واقعہ کی یاد میں اجتماعات منعقد کیے ہیں۔ خطیب حضرات کی زبانوں سے اس کا ذکر بلند ہوا ہے۔ اہل قلم نے اپنے مدحیہ مقالات و مضامین سے اس کا خیر مقدم کیا ہے۔ ریڈیو کی لہروں نے اس کے نغمے فضا میں بکھیرے ہیں یہ صرف آج ہی نہیں بلکہ چودہ سو سال سے ہی سلسلۂ ذکر و بیان تواتر کے ساتھ جاری ہے اور اس کا چرچا اس حد تک وسعت گیر ہے کہ بچے اپنی ماؤں کی گود میں اسے جانتے ہیں اس لحاظ سے آج کے خطباء اور انشاء پردازوں نے کوئی نئی بات نہیں کی ہے بلکہ وہ ذکر قدیم ہے جس کو رسمی طور پر دوہرایا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(۱۰)

نبی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ میں وہ تمام فضیلتیں سمو کر رکھ دی گئی ہیں، جن کا تصور انسان کی عقل سلیم میں آ سکتا ہے اس دور کے اہل وقلم و شریعت اور صاحب شریعت کے محاسن و محامد کو جس حد تک بھی گنوائیں، لیکن آیت مذکورہ نے جو حقیقت بیان کر دی گئی ہے اس سے آگے نہیں گزر سکتے بلکہ رحمت اور برکت کی جو آفاقی وسعتیں اس میں مضمر ہیں، زیادہ سے زیادہ ان کے بعض پہلوؤں روشنی پر ڈال سکتے ہیں یہ لوگ حضور ﷺ کے معجزات کو بیان کرتے ہیں لیکن ہم میں کونسا مسلمان ہے جو ان معجزات سے ناواقف ہے متقدمین اور متاخرین کی مبسوط اور ضخیم کتابیں ان کے ذکر سے لبریز ہیں جنہیں ہم ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے کھلا ہوا دیکھتے ہیں اور آئندہ بھی دیکھنے والے انہیں دیکھتے رہیں گے۔(۱۱)

رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے محاسن و فضائل کسی کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ آپ ﷺ دنیا کے سردار ہیں، افضل الخلائق ہیں، بشیر و نذیر ہیں، سراج منیر ہیں، طاہر مطہر ہیں غرض کہ جو لقب آپ اس ذات گرامی کو چاہیں دے لیں لیکن کیا آپ نے یہ کوئی انوکھی بات کہی جو آج سے پہلے کسی نے نہیں کہی ہے۔ آپ اپنے پورے زور بیان سے یہ کلمات دوہراتے ہیں کہ حضرت ﷺ کی شریعت نے انسانوں کو کفر و الحاد کے اندھیروں سے نکال کر صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا آپ ﷺ نے اونٹوں کے ساربانوں کو، خود تراشیدہ بتوں پر بیٹوں کی قربانیاں دینے والوں کو، بیٹیوں کو زندہ درگور کر دینے والوں کو، سوکھے چمڑے کھانے والوں اور کھجور کی گٹھلیاں چبانے والوں اور سنگدل و ستمران قوم کو روئے زمین کا حکمران اور مربی و استاد بنا دیا۔ آپ اس طرح کی صفات جس طرح چاہیں اور جس انداز میں چاہیں، بیان کر لیں لیکن کیا آپ کا محض زبانی جمع خرچ آج حضور ﷺ کی مریض امت کو شفایاب کر سکتا ہے اور اس کے رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کر سکتا ہے آج اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے اپنے گھر پر غیروں نے قبضہ کر رکھا ہے ایک طرف صیہونیت نے اس کے آباؤ اجداد کی کھوپڑیوں پر اپنی ریاست قائم کر رکھی ہے اور دوسری طرف مغرب و مشرق کے استعمار اسے حلق سے اتارنے کے لیے گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں اس کا چپہ چپہ مغربی رہزنوں کمیونسٹوں، ملحدوں اور خدا ناشناسوں کی زد میں آ چکا ہے، ایسے میں آپ کی مثال اس اعرابی کی سی ہے جس نے حکیم کے نسخہ کو استعمال کرنے کے بجائے پانی میں گھول کر پی لیا ہو اور سمجھتا ہو اسے شفا حاصل ہو جائے گی یا جسے سردی لگ گئی ہو اور وہ روئی، لحاف، روئی لحاف کا ورد کرنے لگے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ اس طرح وہ سردی سے محفوظ ہو جائے گا۔(۱۲)

انسان کی زندگی کا مصرف صرف کھانا پینا نہیں بلکہ بلند مقصد کا حصول اور ذمہ داریاں ہیں جو اسے مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں اور یہی ذمہ داریاں اسے تمام کائنات سے ارفع و اعلیٰ بناتی ہیں۔ اسی بلند مرتبہ تک پہنچانے اور کل کائنات سے اسے ممتاز کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے ذریعے اپنی ہدایات نازل فرمائیں اور ان ہدایات کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے انبیاء کی سیرت کو انسانوں کے لیے نمونہ بتایا کہ کسی کو اپنے مرتبہ و مقام کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے اور بہت آسانی سے اپنا مقصد زندگی سمجھ سکے۔ لیکن ہوا یہ کہ انبیاء کرام کے بعد ان کی

امتوں نے ان پابندیوں کو جو انہیں نقصانات سے بچانے کے لیے عائد کی گئی تھیں۔ اپنی نفسانی خواہشات کی بجا آوری میں ناگوار سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی عنایتوں اور نعمتوں کو ذخیرہ اندوزی اور اسباب تعیش کے حصول کی خاطر چھوڑا۔ الہامی ہدایتوں سے منہ موڑا اور ان میں من مانی تحریفات کر کے لفظی و معنوی تاویلات کے سہارے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے راہیں پیدا کیں ان ہی میں ایک تدبیر عقلیت پسندی بھی تھی جس کا منتہیٰ مقصود وحی و الہام کا اثر کم کرنا تھا جس کے نتیجہ میں غافل انسان نے اپنے ایجاد کردہ قوانین کو جاری و ساری کرنا شروع کر دیا اور خود اپنی پریشانیوں اور تباہیوں کے اسباب پیدا کر لیے۔

اللہ تعالیٰ کو اشرف المخلوقات انسان کی ابتری و بدحالی منظور نہ تھی اس لیے اس نے اپنے کرم سے ہدایت کے ذریعے انہیں سمجھایا اور خود ساختہ ادلنے بدلنے والے مفروضات اور گمراہی سے بچانے کی خاطر اپنے آخری نبی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے اپنا آخری کلام نازل فرمایا اپنے اس کلام کی حفاظت کا ذمہ خود لیا اپنے رسول ﷺ کے عمل کو اس کی واضح تفسیر بنا کر رہتی دنیا کے لیے سرچشمہ ہدایت قرار دیا اور تکمیل دین کی نوید سے سرفراز فرما دیا طلب علم کو فرض قرار دیا ہی لیے امت محمدیہ نے علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور ہر قسم کے علوم کی تحصیل کو اپنا فریضہ سمجھا اسی تحریک کے ذریعے ایجادات اور انکشافات میں کمال پر پہنچ گئے لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ سامنے آیا کہ عقلیت کی چاشنی نے ان کی ایمانی قوتوں کو کمزور کرنا شروع کر دیا اور نوبت یہ آ پہنچی کہ وہ ہر مسئلے پر عقلی دلیلیں دینے لگے ان حالات میں جب دماغ کو جوان اور دل کی رگیں کاٹی جا رہی تھیں علماء حقیقی نے ان کو اس فتنے سے بچانے کے لیے فلسفہ اسلام یعنی علم الکلام ایجاد کیا۔ تاکہ عقل پسند طبقے کو اسی طریقے پر راہ راست اور صراط مستقیم کی طرف لایا جائے اور عقلی دلیلوں کے ذریعے ان کے باطل نظریات کی تردید کی۔ (۱۴)

امت کی زندگی اور سربلندی کا راز دعوت محمدی ﷺ کے لیے جہاد میں پوشیدہ ہے پہلے انسانوں کے دل جیتنے کے لیے جہاد پھر تہذیبی غلبے کے لیے جہاد اور اس جہاد کے ساتھ ساتھ کامیابی کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرو تاکہ تقویٰ انفرادی طور پر حاصل ہو سکے۔ تو اے لوگو! تمہارے لیے ایک ذات ہے جس کی طرف دیکھو جس کی سنو جو وہ کامل اکمل ہے جس میں کوئی خامی نہیں، نقص نہیں، عیب نہیں، تمہارے لیے ہر قدم پر نمونہ ہے، مثال ہے، اول قدم بھی اور آخر قدم بھی۔ دین اسلام میں زندگی ایک مرکز و محور کی حامل ہے اور تمام انسانی مسائل اس مرکز و محور پر گردش کرتے ہیں کوئی مسئلہ بھی اس محور سے جدا ہو کر حل نہیں کیا جا سکتا زندگی کا ہر مسئلہ چاہے بڑا ہو یا چھوٹا ہر شعبہ اپنے مرکز سے رہنمائی لیتا ہے یہاں تک کہ شعبہ سیاست بھی بقول اقبال:

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۱۵)

قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کے جس شعبے میں بھی اس سے رہنمائی طلب کی ہے اس نے ہمیشہ اس کی دست گیری کی ہے اور متعلقہ شعبہ جات میں ایسے واضح ارشادات دیئے ہیں کہ جن سے تاریکیاں چھٹی اور گرہیں کھلتی چلی گئیں ہیں اور انسانی شاہراہ حیات روشن ہوتی چلی گئی ہے مغرب ۲۰ ویں صدی میں جدید رجحانات کے نام

سے جو افکار نظریات سامنے لایا ہے قرآن کئی قرن پیشتر انہیں اپنے مقدس صفحات میں پیش کر چکا ہے۔(۱۶) سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا. وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

ترجمہ: اور سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ میں نہ پڑو اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔(۱۷)

مولانا مودودی اللہ کی رسی سے متعلق بیان کرتے ہیں:

''اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے اس رسی کی مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت ''دین'' کی ہو اس سے ان کی دلچسپی ہو اس کی اقامت میں کوشاں رہیں اور اس کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کریں جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی ترجیحات اور دلچسپیاں جزئیات وفروغ کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ واختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصد حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔(۱۸) قرآن پاک کے سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تومنون بالله.

ترجمہ: مومنو جتنی امتیں یعنی قومیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔(۱۹)

اے امت مسلمہ تمہاری ہستی اور وجود محض بخت واتفاق بلا قصد وارادہ اور بغیر سوچ سمجھ کے وقوع وظہور میں نہیں آیا اے امت مسلمہ یہ دنیا تمہاری ہے لہٰذا از خود فریضہ منصبی بجا لاتے ہوئے اس میں نیکیاں واچھائیاں، ہمدردیاں اور دل جوئیاں عام کر کے اس کو چار چاند لگا دو نیز اپنے ایمان ویقین کی قوت اور روحانی طاقت کے ذریعے سے منکرات ومکروہات اور برائیوں وستم ظریفیوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ دو۔(۲۰)

سید قطب شہید مصری فرماتے ہیں:

ترجمہ: امت مسلمہ کا جاگ اٹھنا اور بیدار ہو جانا ہی بہتر ہے تاکہ وہ اپنی حقیقت واصلیت اور قدر وقیمت جان لیں اور وہ اچھی طرح باور کر لیں کہ اس کو رہبر ورہنما ہونے کے لیے پیدا کیا گیا نیز وہ بالفعل سیادت وقیادت کی مستحق ہو

جائے اس لیے کہ یہ بہترین امت ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سرزمین و کائنات میں اس کی سروری اور سرداری بطور اچھائی کی علامت ہو نا کہ برائی و تباہی اور فتنہ وفساد کا شاخسانہ چنانچہ اس امت کے لیے موزوں ومناسب نہیں ہے کہ وہ دیگر جاہل وگنوار گروہوں کی جھولی میں جا بیٹھے جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ بنیادی عقائد اور شرعی احکام ہمیشہ کے لیے سابقہ امتوں کے پاس رہیں جو ان کو عطا کیے گئے ہیں جیسے راسخ عقیدہ راست فکر مثالی ضابطہ حیات، بہترین اخلاق اور ٹھوس و پختہ علم شامل ہیں۔(۲۱)

شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام و نظام اور دین و قانون ہے جو جامع کامل اکمل عالمگیر دائم اور قائم ہے اگرچہ ابدی عقائد اور دائمی حقائق اس کی اساس ہیں لیکن زندگی وحرکت اس کی رگ و پے میں بھری ہوئی ہے جو اس پر کسی خاص عہد وتہذیب کا بدنما داغ لگنے نہیں دیتی۔ درحقیقت یہ ایک زندہ دین ہے۔ جو علیم وحکیم اور سمیع وبصیر سند کا بہترین نمونہ ہے یعنی یہ آخری، یہ عالمگیر اور دائمی شریعت ہے جسے خدائے ذوالجلال نے نبی آخر الزمان وختم الرسل حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور اس کو ہر کشمکش اور انقلاب زمانہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے بدرجہ اتم صلاحیت بخشی تاریخ گواہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں رونما ہونے والے مختلف تغیرات پے درپے آنے والے انقلابات اور مسلسل خراب حالات وحوادث کو شریعت اسلامیہ کے تسلسل بقاء اور دوام نے کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکے بلکہ اس کا شباب ہر وقت قائم رہا نیز یہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کی بقاء تسلسل اور دوام کے لیے ایسے غیبی انتظامات کر رکھے ہیں جو خراب ماحول کے اثرات کا مقابلہ کر رہے اور ان کو زائل کر رہے ہیں اور زمان ومکان کی تبدیلیوں سے بطریق احسن عہدہ برآں ہو رہے ہیں۔(۲۲)

عہد حاضر میں امت مسلمہ کی صورت حال:

آج ساری دنیا پریشان ہے انسانی مسائل میں گتھیوں پر گتھیاں پڑتی جا رہی ہیں جو طریقے بناؤ اور سدھار کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں وہ الٹا بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں کسی کو چین وسکون حاصل نہیں ایک دائمی بے اطمینانی کا عنصر ہے جو سب پر مسلط ہے لڑائی جھگڑے، خونریزی فسادات، انقلابات اور باہمی کشمکشوں نے دنیا کا سکون بالکل غارت کر دیا ہے۔ قومیں قوموں سے، فرقے فرقوں سے، طبقے طبقوں سے، پارٹیاں پارٹیوں سے، انسان انسانوں سے، فرد افراد سے دست گریباں ہیں اور یہ کشمکش وہ آگ ہے جو ٹھنڈا ہونے کا نام نہیں لیتی ہر شخص خودغرضی اور مکروفریب میں مبتلا ہے۔(۲۳)

دور حاضر میں امت مسلمہ کو جو مسائل ومشکلات اور چیلنجز کا سامنا ہے مفکر پاکستان علامہ اقبال اس حوالے سے اسلامی فکر کے سب سے مؤثر ترجمان کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں آپ نے نہ صرف جنوبی ایشیا کے مسلمانان ہند فکری وذہنی بیداری فریضہ سرانجام دیا بلکہ ملت اسلامیہ کو ان کے حقیقی مقام سے روشناس کرایا مغرب کے افکار وخیالات اور تصورات امت مسلمہ کے دل ودماغ پر جس انداز کے اثرات مرتب کر رہے ہیں اور کر سکتے تھے علامہ اقبال نے نہ صرف ان کا پوری طرح اندازہ لگایا بلکہ امت مسلمہ کو خواب غفلت سے جگاتے ہوئے ان کو فکری جہاد کے لیے تیار کیا۔(۲۴) علامہ اقبال امت مسلمہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ (۲۵)

اگر ہم غور کریں تو دور حاضر میں مختلف قوموں کا جو ٹکراؤ ہوتا ہے وہ حق و باطل کا ٹکراؤ نہیں ہوتا بلکہ دو باطل خداؤں کا ٹکراؤ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ساری انسانیت کے لیے ہولناک تباہی کے سارے امکانات موجود ہیں باطل خداؤں کے ٹکراؤ کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہی نہیں ہے کیونکہ باطل خداؤں کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہوتی کوئی وجود نہیں ہوتا ان کا وجود یا تو انسان کے جہل کا نتیجہ ہوتا ہے یا انسان کی نفسانی خواہشات دوسرے انسانوں کو فریب دینے کے لیے باطل خدا تخلیق کر لیتی ہے۔ جیسا قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے تم نے اس انسان کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا آلہ کار بنایا ہے اب تم اس کو راہ راست پر کس طرح لا سکتے ہو تو خواہشات شخصی ہو یا قومی اگر ان کو رتبہ خدائی دے دیا جائے تو نتیجے میں امن و سلامتی کسی صورت نہیں ہو سکتی کیونکہ انسانی معاشرہ میں سارا فساد انہی خواہشات، جذبات اور مفادات کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتا ہے اور اگر انسان کو وہ توانائی حاصل ہو جائے جو جذبات اور مفادات سے مغلوب ہونے کے بجائے اسے ان پر غالب کر دے تو پھر فتنہ وفسادات کے امکانات تو اسی نسبت سے کم ہوتے چلے جاتے ہیں انسان کو یہ توانائی کائنات کے خالق اور اس کے رب پر حقیقی ایمان کے وسیلے سے ہی حاصل ہو سکتی کیونکہ ارض و سماوات کا جو رب ہے اور خالق ہے وہ اپنی ذات میں جذبات، خواہشات اور مفادات سے بلند ہے، اس لیے اس پر ایمان انسانوں کے لیے امن و سلامتی کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔(۲۶)

کسی بھی اسلامی مملکت کو کسی بھی ایسے ادارے کے آئین، منشور، قوانین یا قواعد وضوابط کو تسلیم نہیں کرتا جو دین اسلام کے تابع نہ ہو اور دین اسلام کو اپنا صدر یا اعلیٰ ترین نظام تسلیم کر کے اپنے آپ کو اس کا تابع یا فروعی حیثیت میں قائم کر کے کام نہ کرتا ہو اب اپنے آپ کو اسلامی مملکت کہلانے والے ملک خود اپنا جائزہ لے سکتے ہیں کہ اپنی روشن خیالی اور اعتدال پسندی میں اللہ تعالیٰ کے حکم و ہدایت کی کون کون سی حدود پامال کر رہے ہیں۔(۲۷) اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اور جنہوں نے تکذیب کی ہماری آیات کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا''۔(۲۸) ملت اسلامیہ کے بیشتر ممالک خصوصاً پاکستان جو عالم اسلام میں اسلام کا قلعہ تصور کیا جاتا ہے مسلم اقوام اور ملت اسلامیہ کے ممالک کی یہ پستی اور مزید پستی کی طرف بہاؤ آج ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا مسلمان بھی دیکھ سکتا ہے اگر آنکھیں بند ہیں نظر نہیں آ رہا ہے تو صاحب اقتدار اور سربراہان مسلم ممالک کو نہیں آ رہا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نظام سے منقطع ہو کر کمال اتاترک کے نقش قدم کو اپنا کر عالمی سطح ایک معزز مقام حاصل کرنے کو موجودہ دور کا ایک تقاضا اور ترقی یافتہ طریقہ خیال کیے ہوئے ہیں اور اقوام عالم کی طرف سے اپنی تعریف کو فخر سے دیکھتے اور بیان کرتے ہیں(۲۹)۔

امت مسلمہ کے مسائل اور موجود صورتحال

امت محمدیہ جس کے بارے میں قرآن بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو

امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا'' (۳۰)۔ ایک اور مقام پر قرآن کا ارشاد ہے کہ

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہو ہے اور کون راہ راست ہے'' (۳۱)۔

مسلم دنیا کی آبادی

موجودہ دور میں اس وقت کل 202 ممالک ہیں ان میں تقریبا ساٹھ اسلامی ممالک ہیں جن کی آبادی ایک ارب پینتیس کروڑ کے لگ بھگ ہے دنیا کے 75% معدنی اور قدرتی وسائل سے قدرت نے مسلم ممالک کو نوازا ہے اس کے علاوہ قرآن جیسے عظیم رہنما کتاب اور نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ کی موجودگی کے باوجود آج امت مسلمہ اندرونی اور بیرونی محاذ پر مسائل مشکلات اور چیلنجز سے نبرد آزما ہے مغرب اور غیر مسلم طاقتوں کے سامنے چیلنجز کا سامنا ہے برادری اور من حیث القوم امت مسلمہ آج واضح طور پر بہت کمزور ہے امت مسلمہ کو جو مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں یہ ایک نہایت اہم عہد حاضر کا اہم موضوع ہے دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں میں قلبی اذیت کے اجتماعی احساس کے پیش نظر یہ مسئلہ سنجیدگی سے غور وفکر کا متقاضی ہے (۳۲)۔

امت مسلمہ کی کامیابی وترقی کے اجزائے ترکیبی

دور حاضر میں امت مسلمہ جس آزمائش اور امتحان سے گزر رہی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے اور دنیا میں ایک باوقار قوم کی حیثیت سے اپنا مقام بنانے کے لئے چار بنیادی تعلیمات پر تدبر اور غور وفکر کے ساتھ عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

۱- روحانی ترقی کا تصور

۲- اقتصادی ترقی کا تصور

۳- سیاسی ترقی کا تصور

۴- فوجی ترقی کا تصور (۳۳)

مسلمان کسی خطہ زمین کے رہنے والے ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں مسلم قومیت کا تصور ایک ملت کی شکل میں ہوتا ہے اور ملت رنگ ونسل اور علاقے کی قیود سے آزاد ہوتی ہے اس میں نہ عربی اور نہ عجمی کا فرق ہوتا ہے اور نہ کالے اور نہ گورے کا حدت در رسالت اس کی اولین شرط ہے قرآن مجید میں بار بار اس بات کا ذکر ملتا ہے ہر کلمہ گو آپس میں بھائی بھائی ہیں خواہ وہ عرب کا شہری ہو یا کسی اور خطے کا شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی اسلام کے ایک ملت کے تصور کو اپنے شعر میں اس طرح پیش کیا

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا ۔۔۔ نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (۳۴)

اسلامی تہذیب امت مسلمہ کی کامیابی کی دلیل ہے کیونکہ اسلامی تہذیب درخشندہ روایات اور اصول واقدار سے

مسلمان قوم کو بے پناہ قوت حاصل ہوسکتی ہے اسلامی تہذیب کا احیاء قومی زندگی کی حیات نو ہے اقبال نے بھی اپنے اشعار میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جذبات باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں   قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں (۳۵)

انسان کی زندگی میں فکر کی تجدید اسی طریقے عمل کی طرح ضروری ہے جس کے تحت انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے اور اس کی تطہیر ہوتی رہتی ہے۔ خون میں اگر تطہیر و تجدید کا یہ سلسلہ باقی نہ رہے تو پھر جسم کا سارا خون بدل دینے کی نوبت آ جاتی ہے اسی انداز میں انسانی زندگی میں افکار و اعمال کے مضر اجزاء کی تطہیر اور صالح اجزاء کی تجدید برابر ہوتی رہنی چاہیئے یہ اجتماعی صحت مندی کے لئے ضروری ہے۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم   کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب (۳۶)

امت مسلمہ کی روحانی ترقی کا تصور:

مذہبی اور روحانی طور پر مسلمان ایک خدا اور اس کے رسول ﷺ تمام علوم کے اصل منبع کی حیثیت سے قرآن اس دنیا میں زندگی کی عارضی نوعیت اور یوم حساب پر یقین رکھتے ہیں دور حاضر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے انہی بنیادی نکات پر یقین رکھتے ہیں امت مسلمہ جب تک بنیادی عقائد پر پختہ ایمان اور یقین سے قائم رہے تو کامیابی ان کے قدم چومتی رہی امت مسلمہ پر اس وقت بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسلام کے مساوات اور رواداری کو فروغ دیں ایک دوسرے کو بدعقیدہ اور کافر قرار دینا بے مقصد لا حاصل عمل ہے زیادہ سے زیادہ اقتصادی روابط کو فروغ دے آپس کے تنازعات اور اختلافات کو پر امن طور پر حل کرے اور غیر مسلموں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد اور دفاع کرے۔ (۳۷) بقول اقبال۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر

امت مسلمہ کی اقتصادی ترقی کا تصور:

اللہ رب العزت نے تمام مسلم ممالک کے اندر 75% سے زائد اپنے خزانے کو دے کر ملت اسلامیہ کو قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے تمام اسلامی ممالک امت مسلمہ کی بنیادی خوراک، مکان تعلیم، علاج معالجے کی بنیادی ضروریات کو اپنے وسائل سے پورا کریں مسلم ممالک کو اپنے مطلوبہ اقتصادی مقاصد کے حصول کے لئے انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے اقتصادی میدان میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم ممالک کو ایک گروپ کی حیثیت سے ایک دوسرے کے غیر متوقع مگر لازمی نوعیت کے اخراجات کا خیال رکھنے کے قابل ہونا چاہیئے دنیا کے تمام قوموں کے مابین ایک دوسرے پر اقتصادی انحصار اور تجارت لازمی اور نہ گزیر تاہم معاشی بقاء کے لئے غیر مسلم قوموں پر انحصار معاشی سیاسی اور روحانی تناظر میں قطعی نامناسب ہے۔ (۳۸)

امت مسلمہ کے سیاسی ترقی کا تصور:

اسلام میں ایک شخص ایک ووٹ کی بنیاد پر حکومت کی تشکیل کی نہ کوئی شرط ہے اور نہ اس کی کوئی ممانعت ہی ہے تاہم اسلام صلاح ومشورے، باہمی رضامندی، آزادی اظہار، عدل، اور نیک عمل کی تلقین کرتا ہے اور ساتھ ہی بدی سے گریز کا حکم دیتا ہے امت مسلمہ کے مسلم ممالک کو گروپ کے طور پر انہی بنیادی اصولوں پر مبنی طرز حکومت سے فائدہ پہنچے گا امت مسلمہ میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ وقفے وقفے سے انہیں اپنے حکمرانوں کے بارے میں اظہار رائے کا موقع ملنا چاہیے اسلام مستحکم حکومت کی تائید کرتا ہے اور شہریوں کو اپنے حکمرانوں کی اس وقت تک اطاعت کا حکم دیتا ہے جب تک صراط مستقیم سے نہ بھٹکیں۔ (۳۹) قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے،

> ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔ (۴۰)

امت مسلمہ کے حکمرانوں اور شہریوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلام ان سے کیا توقع رکھتا ہے۔ کہ حکومتوں کو دیانت دارانہ اور منصفانہ طور پر چلایا جائے گا اور تمام فیصلے اور اقدام اللہ کے احکام اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مطابق کئے جائیں گے اسلامی اعتبار سے ان حکمرانوں کی حکومت بھی ناجائز ہے جو اپنی مسلم رعیت کی فلاح و بہبود اور اللہ کی خوشنودی کو اپنا بنیادی مقصد قرار نہیں دیتے نمائندہ حکومت کا قیام ہی کلیدی سیاسی مقصد ہے۔

امت مسلمہ کے فوجی ترقی کا تصور:

فوجی نقطہ نظر سے امت مسلمہ کا بہترین مفاد اسی میں ہے کہ وہ اتنے طاقت ور ہو جائیں کہ اپنی سرحدوں کے دفاع کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کے اہم مفادات دفاع میں ان کی مدد بھی کر سکیں۔ آج ساری دنیا میں امت مسلمہ کی تعداد ایک ارب پینتیس کروڑ سے زائد نفوس پر مشتمل ہے مگر ان میں سے اکثریت نے کوئی فوجی تربیت حاصل نہیں کی امت مسلمہ کے مسلم ممالک میں کل 50 لاکھ افرادی قوت فوج سے وابستہ ہے بیشتر اسلامی دنیا کے پاس روایتی اسلحہ مناسب مقدار میں موجود ہے لیکن جدید جنگی ساز و سامان کی تیاری کی بابت امت مسلمہ برسوں پیچھے ہے اعلیٰ ٹیکنالوجی کے حصول اس کے فروغ میں امت مسلمہ کی مدد کرنے کے سلسلے میں مغرب روز افزوں تذبذب کا شکار ہے حقیقت یہ ہے کہ آج امت مسلمہ خود اپنی سرحدوں کے دفاع کی اہلیت اور دوسرے مسلمانوں کو مدد دینے کی صلاحیت سے بہت دور ہے۔ (۴۱)

نئے عالمی نظام میں امت مسلمہ کا کردار:

امت مسلمہ کا اتحاد بین الاقوامی میدان عمل میں ایک اہم اور مثبت کردار ادا کرے اگر مسلمان زیادہ طاقت ور یا کم از کم زیادہ متحد ہو جائیں تو عالمی نظام میں وہ زیادہ موثر انداز سے شرکت کریں گے اور اس طرح وہ عالمی امن کے تحفظ میں خاص طور پر امت مسلمہ کے سلسلے میں قابل ذکر مدد کریں گے تاہم غیر مسلموں کے دلوں میں ایک متحدہ اسلامی قوم کا خوف

اس بری طرح بیٹھ گیا ہے کہ ایسی کسی بھی پیش رفت کی مخالفت کے نہ صرف جاری رہنے کا امکان ہے بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔(۴۲)

آج دنیا میں ہر طرف یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں مسلمان تخریب کار ہے اور یہ سب کچھ میڈیا کے توسط سے ساری دنیا میں پھیلایا جاتا ہے دور حاضر میں میڈیا وار بڑی موثر اور کامیاب جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کی جارہی ہے اور مغرب کو میڈیا کے شعبے پر برتری حاصل ہے اس لئے وہ اس کا خوب استعمال امت مسلمہ کے خلاف کر رہا ہے۔

امت مسلمہ اور قرآن پاک کے احکامات:

امت مسلمہ کے لیے قرآن ہی سرچشمہ ہدایت ہے قرآن اللہ تعالیٰ کی عبادت کو انسان کے وجود کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے اسلام عبادت کو ایک مکمل طرز حیات قرار دیتا ہے اور دنیا اور آخرت کی زندگی پر زور دیتا ہے دور حاضر میں امت مسلمہ پر جو آزمائش امتحان اور مغربی دنیا کے سامنے جو چیلنجز کا سامنا ہے اس کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کے لیے قرآن پاک سے رجوع کرنا چاہیے۔(۴۳)

مسلمانوں کی تاریخ یہ ہے کہ انہوں نے کس حد تک احکامات قرآنی دور رسالت وخلافت کی روشنی میں عمل جاری رکھا اور کہاں کہاں انحراف کیا اور اسلام کی تاریخ یہ ہے کہ قرآن پاک کے احکامات اور ارشادات نے ہمارے ہادی برحق کی سیرت طیبہ نے اور حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے افکار و اعمال نے بطور مجموع انسانی تاریخ کو اس طرح متاثر کیا اور اب تک متاثر کرتے چلے جارہے ہیں گزشتہ چند صدیوں میں مسلمان بحیثیت مجموعی جہل کی جن تاریکیوں اور فکر و عمل کی جن گمراہیوں کا شکار ہوئے اگر انہیں اسلام کی قوت حاصل نہ ہوتی تو پوری قوم کے دنیا میں زندہ رہنے یا باقی رہ جانے کے امکانات ہی نہیں تھے ہم اگر کریں تو آج ہماری حالت عملاً اس حالت سے کسی طرح اچھی نہیں جو دور جہات میں عربوں کی تھی بلکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عربوں میں تو پھر بھی بہت سی اعلیٰ انسانی کردار کی صلاحیتیں موجود تھیں شجاعت، ایفائے عہد، خوداعتمادی اور مہمان نوازی جیسی اعلیٰ صفات ان کی خصوصیات تھیں(۴۴)۔

امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل

امت مسلمہ کے سامنے جو مسائل درپیش ہیں ان میں اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات، مواصلات ہر شعبہ زندگی مسائل اور مشکلات سے مزین ہے قرآن حکیم نے یہ بات واضح طور پر بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے مسمانوں کو اسی لئے ایک امت بنایا کہ وہ اعتدال کے ساتھ زندگی گزاریں اور اللہ کا رسول ان کا گواہ رہے اس طرح پوری امت مسلمہ درجہ بدرجہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا مکلف ہوجاتی ہے(۴۵)۔

امت مسلمہ کی موجودہ اقتصادی صورت حال

مسلم آبادی:

مسلم دنیا کے ساٹھ ممالک امت مسلمہ کی تعداد 1 ارب 35 کروڑ کے قریب ہے۔

فی کس آمدنی:

مسلم دنیا کے بیشتر ممالک میں آباد امت مسلمہ کی فی کس آمدنی کا گراف نہایت ہی کمزور رہا ہے مسلم دنیا کے 27 ممالک میں فی کس آمدنی 670 امریکی ڈالر یا اس سے بھی کم ہے۔۱۴ اسلامی دنیا کے ممالک نچلے درمیانہ آمدنی والے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی فی کس آمدنی 670 اور 630 امریکی ڈالر کے درمیان ہے۔ تین اسلامی ممالک اونچی آمدنی والے ممالک میں شمار ہوتے ہیں۔

مجموعی قومی پیداوار:

مسلم دنیا کی قومی پیداوار 23,275 بلین ڈالر تھی سب سے بڑی معیشت کے حامل ممالک چار ہیں جن میں ایران 131 بلین ڈالر، سعودی عرب 126 بلین ڈالر، انڈونیشیا 124 بلین ڈالر، ترکی 115 بلین ڈالر شامل ہیں۔

پسماندگی:

متعدد اسلامی دنیا کے ممالک پسماندگی کا شکار ہیں۔

آبادی کی بھاری فیصد شرح کی غربت کی کیفیت — کم آمدنی اور ناقص تقسیم کا تصور

بے روزگاری اور روزگار کے کم ذرائع — بنیادی ڈھانچے میں خرابی

غیر ملکی امداد پر انحصار (۴۶)

امت مسلمہ کی موجودہ روحانی کیفیت:

امت مسلمہ اس وقت مذہبی معاملے میں شدید اختلافات اپنے اندر رکھتی ہے۔قرآن نے واضح طور پر امت مسلمہ کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

> ''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہوں میں بٹ گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے'' (۴۷)

مسیحیت کی طرح اسلام میں بھی متعدد فرقے پائے جاتے ہیں سنی اور شیعہ امت مسلمہ کے دو بڑے فرقے ہیں جبکہ اس کے علاوہ بے شمار چھوٹے چھوٹے فرقے موجود ہیں اور ان میں مختلف نوعیت کے اختلافات پائے جاتے ہیں مسلمانوں کی اکثریت سنیوں پر مشتمل ہے۔ قابل ذکر شیعہ آبادی والے ملک بہت کم ہیں۔ امت مسلمہ کے مابین اہم مسائل مثلاً حدیث، اسلامی فقہ اور رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

احمدیہ فرقہ کے لوگ خود کو مسلمان کہتے ہیں اور مقررہ مذہبی رسوم کی پابندی بھی کرتے ہیں مگر ان کو دائرہ اسلام سے خارج کردیا گیا ہے(۴۸)۔

امت مسلمہ کی موجود عسکری وفوجی کیفیت مسلم دنیا میں چند ایک ممالک کے علاوہ عسکر اور فوجی نقطۂ نظر سے مستحکم اور مضبوط نہیں ہے۔ عددی اعتبار سے مسلم ممالک کی مجموعی مسلح افواج کی تعداد 44,39,930 گو کہ یہ تعداد بڑی اور اہمیت کی حامل نظر آتی ہے یہ دنیا کی کسی بھی طاقت کے مدمقابل ہوسکتی ہے برسوں سے جاری دفاعی اخراجات نے مسلم ممالک کے عوام الناس کو معاشی طور پر اقتصادی ترقی سے محروم کردیا ہے بہت سے مسلم ممالک کے پاس نسبتاً جدید فوجی ادارے موجود ہیں ترکی، ایران، پاکستان، انڈونیشیا، مصر، شام اور سعودی عرب کسی حد تک زیادہ ترقی یافتہ یا اسلامی دنیا میں شمار کئے جاتے ہیں(۴۹)۔

مغربی ٹیکنالوجی پر انحصار:

تمام مسلم ممالک جدید ترین ساخت کے فوجی سامان اور ٹیکنالوجی کے لئے کسی نہ کسی حد تک مغرب روس، چین پر ہی انحصار کرتے ہیں اپنے پاس ترقی یافتہ عسکری صنعتی اداروں کی موجودگی میں مغربی قوموں کو فنی شعبوں میں مسلمانوں سے کوئی زیادہ خطرہ نہیں تاہم روایتی فوجی سامان تیار کرنے کی استعداد متعدد اسلامی ممالک کے پاس موجود ہے۔

اس وقت متحد کرنے والا کوئی فوجی مقصد امت مسلمہ میں نظر نہیں آتا مذہبی اقتصادی معاشرتی اور سیاسی طور پر ان کی پراگندہ خیالی کسی قابل ذکر یکجہتی میں مانع ہے ایران اور سعودی عرب کے درمیان جاری آویزش بڑی مثال ہے مسلم ممالک میں جدید عسکری صلاحیتیں موجود ہیں۔مگر ان میں سیاسی اور اقتصادی تعاون نہ ہونے کے برابر ہے(۵۰)۔

دور حاضر کی تمام مشکلات اور مصائب کا حل رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات میں موجود اور اسوہ نبوی ﷺ کی پیروی میں پوشیدہ ہے اب انسانیت کی مزید ہدایت کے لئے کسی دوسرے نسخہ ہدایت کی ضرورت نہیں ہے دور حاضر کے انسان کی مشکلات اس کے ایجاد کردہ ساز وسامان میں پوشیدہ نہیں ہے بلکہ ان افکار ونظریات میں پوشیدہ ہیں جن کی لپیٹ میں ان کے معاشرے ہر ملک اور قوم میں الجھے ہوئے ہیں وہ نظریات ہی درحقیقت ان قوموں کے مصائب ہیں۔ ان کی بہت بڑی مصیبت سیکولرازم اور الحاد ہے جس نے انہیں اطمینان قلبی سے محروم کرکے خودغرضی اور مفاد پرستی کے خوفناک چکر میں پھنسادیا ہے ان کی ایک مصیبت انسان کی انسان پر حکمرانی جو سخت درجہ خودغرضانہ اور جابرانہ ہے(۵۱)۔

حضور اکرم ﷺ نے انسانیت کو وہ پائیدار علمی وفکری اقدار دی ہیں جن کی مدد سے آج امت مسلمہ اپنے مصائب سے نجات حاصل کرسکتی ہے وہ تمام اقدار قرآن وسنت کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور انہی کی پیروی میں امت مسلمہ کی مشکلات کا حل پوشیدہ ہے ہم انہی اقدار کو رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا نچوڑ اور امت مسلمہ کی مشکلات کا حل سمجھتے ہیں لمحہ فکریہ یہ ہے کہ حضور ﷺ امت مسلمہ پر جو ذمہ داریاں عائد کرکے دنیا سے رخصت ہوئے تھے ان ذمہ داریوں کی بجا آوری میں امت س کس قسم کی افسوس ناک کوتاہی ہوئی ہے تو اس کی آنکھوں میں جھلکنے والے خوشی کے آنسو اشک ہائے ندامت کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور وہ خیالات کے ہجوم میں کھو کر سوچنے لگتا ہے کہ حشر کے دن اپنے خالق ومالک کے دربار میں

یہ امت کن کن کوتاہوں بلکہ کس قسم کے سنگین گناہوں کے ساتھ پیش ہوگی۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ باطل کے ظلم وستم کے خلاف متحد اور یکجا ہو جائے اور صراط مستقیم کے مطابق اپنی زندگی گزارے اسلام اور دین حق کی مشعل لے کر آگے بڑھے اور اس راستے میں جو مشکل پیش آئے اسے حضور ﷺ کی سیرت کی روشنی میں حل کرے متاع غرور کے فریب سود وزیاں کا چکر یہ ہے جس نے انسان کو خدا اور عشق رسول سے دور کردیا ہے اقبال نے کیا خوب کہا ہے

کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا فریب سود وزیاں لا الہ الا اللہ

رسول اکرم ﷺ کی زندگی کو اگر دو لفظوں میں سمیٹا جائے تو اسے ''محور انسانیت'' کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے دنیا آج کی ہو یا ہزاروں سال بعد کی وہ جب بھی حقیقی انسانیت کی تلاش کرے گی تو اسے مجبور ہو کر حضور ﷺ ہی کی طرف جھکنا پڑے گا اور جتنا جتنا وہ اس پاک ہستی کی طرف جھکتی جائے گی اتنا اتنا ہی اس کی زندگی میں سکون، اطمینان، یقین، اعتماد، نکھار اور حسن پیدا ہوتا جائے گا اور اگر اس پاک زندگی کو پھیلایا جائے تو دنیا کتنا ہی کچھ بیان کرتی چلی جائے موضوعات اور ان کے تنوعات کم ہونے میں نہیں آئیں گے جس طرح تاریکی میں ہر انسان روشنی کا محتاج ہے اسی طرح یہ دور اور اس دور کا ہر انسان اس پاک ہستی کا ہر وقت محتاج رہے گا اس دین کا جسے قیامت تک کارفرما رہنا ہے یہی تقاضا بھی ہونا چاہئے کہ اس کو پیش کرنے والی ہستی کی تعلیمات ہر زمانے میں تابندہ رہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی ۲۰۰۱، ص ۹۔ ۲- ناطق، عبدالقیوم، مطالعہ پاکستان، طاہر سنز ۱۹۸۵ء۔ پیش لفظ۔ ۳- حجازی، اختر انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسول، ترجمان القرآن، لاہور۔ ص ۷۔ ۴- اصلاحی، مولانا محمد یوسف، فرقہ بندی اور امت مسلمہ، ص ۲۔ ۵- علی ظرف، ایک مثالی شہری، دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، پیش لفظ۔ ۶- اصلاحی، مولانا محمد یوسف، فرقہ بندی اور امت مسلمہ، ص ۳۔ ۷- سوری، محمد اکرم، قرارداد مقاصد وائرس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۳۶۔ ۸- کاظمی، حسنین منزل پاکستان، علمی ادارہ، کراچی، ص ۴۸۔ ۱۰- حجازی، اختر انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسول، ترجمان القرآن، لاہور۔ ص ۱۱۵-۱۱۶۔ ۱۱- ایضاً۔ ۱۲- اصلاحی، مولانا محمد یوسف، فرقہ بندی اور امت مسلمہ، ص ۱۲۔ ۱۳- سوری، محمد اکرم، قرارداد مقاصد وائرس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۵۔ ۱۴- حجازی، اختر انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسول، ترجمان القرآن، لاہور۔ ص ۱۱۰-۱۱۱۔ ۱۵- ناسخ، عبدالحمید، تناظرات تعلیم، یونیورسل پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۔ ۱۶- شاہد ایس ایم، اسلامک سسٹم آف ایجوکیشن، مجید بک ڈپو، لاہور، ص ۳۵۸۔ ۱۷- قرآن مجید، سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳، ۱۰۴۔ ۱۸- مودودی، مولانا، تفہیم القرآن، جلد اور، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۷۶، ۲۷۷۔ ۱۹- قرآن مجید، سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰۔ ۲۰- ہاشمی، سید محمد متین، سہ ماہی منہاج، نفاذ شریعت نمبر، لاہور، ص ۴۶۔ ۲۱- قطب، سید، فی ظلال القرآن، جلد اول، دالشروق، ص ۱۹۸۰ء، ص ۴۴۷۔ ۲۲- ہاشمی، سید محمد متین، سہ ماہی منہاج، نفاذ شریعت نمبر، لاہور، ص ۴۶۔ ۲۳- حجازی، اختر انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسول، ترجمان القرآن، لاہور۔ ص ۲۴۔ ۲۴- کاظمی، حسنین، منزل پاکستان، علمی ادارہ، کراچی، ص ۳۰۔ ۲۵- ناسخ، عبدالحمید، تناظرات تعلیم، یونیورسل پبلی

کیشنز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۷ ۔ ۲۶- کاظمی، حسنین، منزل پاکستان، علمی ادارہ، کراچی، ص ۳۱-۳۲ ۔ ۲۷- سوری، محمد اکرم خان، قرارداد مقصد میں وائرس، لاہور، مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۲۶۶ ۔ ۲۸- قرآن مجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۱۸۲ ۔ ۲۹- سوری، محمد اکرم خان، قرارداد مقصد میں وائرس، لاہور، مارچ ۲۰۰۵ء، ص ۶۷-۲۶۶ ۔ ۳۰- قرآن مجید، سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر ۱۰ ۔ ۳۱- قرآن مجید، سورۃ نمبر ۱۶، آیت نمبر ۱۲۵ ۔ ۳۲- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸-۱۹ ۔ ۳۳- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۰ ۔ ۳۴- قریشی، عبدالنعیم، مطالعہ پاکستان، مکتبہ فریدی، کراچی، جنوری ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۵ ۔ ۳۵- تاج، عبدالمجید، تناظرات تعلیم، یونیورسل پبلی کیشن، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۷ ۔ ۳۶- کاظمی، حسنین، منزل پاکستان، علمی ادارہ، کراچی، ص ۱۴۰ ۔ ۳۷- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۰ ۔ ۳۸- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۱ ۔ ۳۹- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۲ ۔ ۴۰- قرآن مجید، سورۃ نمبر ۴، آیت نمبر ۳۹ ۔ ۴۱- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۳ ۔ ۴۲- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۴-۴۴ ۔ ۴۳- کاظمی، حسنین، منزل پاکستان، علمی ادارہ، کراچی، ص ۳-۱۷۲ ۔ ۴۵- ناطق، عبدالقیوم، صراط مستقیم، طاہر سنز، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۳۰۲ ۔ ۴۶- کاظمی، حسنین، منزل پاکستان، علمی ادارہ، کراچی، ۴۴ ۔ ۴۷- قرآن مجید، سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۵۹ ۔ ۴۸- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۶۰ ۔ ۴۹- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۶۲-۶۳ ۔ ۵۰- میمن، علی نواز، ملت اسلامیہ، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۶۴ ۔ ۵۱- اختر حجازی، دور حاضر کی مشکلات اور سیرت رسول ﷺ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۴۹ ۔ ۵۲- ایضاً۔

اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

فیاض احمد-کراچی

نوع انسانی پر خلاقِ کائنات کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ رب تعالیٰ کے یہ برگزیدہ بندے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوموں کے لیے پیغام ربانی لے کر آئے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ پر لگایا۔ ربانی ہدایت کے اس سلسلے میں سب سے ممتاز و اہم ترین کارنامہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات آقائے نامدار محمد مصطفی ﷺ کا ہے جن کی سیرتِ طیبہ نوعِ انسانی کے لیے دائمی و مکمل نمونہ ہے۔ آپ انسانیت کے عظیم محسن، سرچشمہ رشد و ہدایت اور روشنی کا ایسا مینار ہیں جس کی کرنیں کائنات کے ذرے ذرے کو منور کر رہی ہیں۔ آپ نے انسانیت کو مادی و اخلاقی پستیوں سے نکال کر روحانی عظمتوں اور رفعتوں سے روشناس کرایا۔ آپ نے نوعِ انسانی کی فلاح کے لیے نہ صرف ابدی و لافانی پیغام دیا بلکہ اپنے اعمال، افعال اور کردار سے ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر تاریخِ انسانی میں ملنا محال ہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی قرآن حکیم کی مکمل تفسیر، انبیاء و مرسلین کی سیرتوں کا خلاصہ، آسمانی تعلیمات و ہدایت کا جوہر اور اخلاقی و روحانی اقدار کا گنجِ گرانمایہ تھی اور عالمِ انسانی کی رہبری کے لیے سب سے زیادہ روشن چراغ تھی ہے اور رہے گی۔ مگر عالمِ اسلام کو درپیش چیلنجز اور موجودہ مسائل کا جو سامنا ہے اس کیلیے تمام عالمِ اسلام کو مل کر دشمنِ اسلام سے مقابلہ کرنا ہوگا اور بالخصوص پاکستان کے مسائل و چیلنجز کا تدارک اسوہ رسولؐ سے تلاش کرنا ہوگا۔

مذہبی چیلنجز

۱- اہانت رسول ﷺ

اسلام اور پیغمبر اسلام کے حوالے سے اہانت و اشتعال انگیز مضامین و تقاریر آج کی بات نہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے دور سے ہی دشمنانِ اسلام کا وطیرہ رہا ہے۔ ابتدائے زمانہ اسلام میں مشرکین مکہ اور کفار نے آپ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا ایک طوفان کھڑا کیا ہوا تھا کبھی وہ آپ کو شاعر کہتے کبھی جادوگر اور کاہن ہونے کا دعویٰ کرتے وہ بدبخت تو آپ کو مجنون ثابت کرنے کی کوشش سے بھی باز نہ آتے تھے۔(۱) جس کا جواب قرآن نے یوں دیا ہے کہ ''(اے نبی) تم اپنے رب فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لیے بے حساب اجر ہے اور بیشک تم اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہو''(۲) ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا ہے اس بات کو ایک عیسائی نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کے نعوذ باللہ کارٹون بنا ڈالے اس قبیح حرکت سے تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو قلبی تکلیف پہنچی اور ابھی اس زخم کا ازالہ بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک عیسائی مبلغ جسے پوپ کہتے ہیں اس نے اسلام کے ستون جہاد کے بارے میں نازیبا الفاظ بول کر پھر مسلمانانِ عالم کو اذیت پہنچائی۔(۳)

۲- اسلام کے خلاف اشتعال انگیز پروپیگنڈہ:

ولید بن مغیرہ آنحضرت ﷺ کا صف اول کا دشمن تھا وہ طرح طرح سے آپ کو ستاتا تھا قرآن میں اسی کے لیے کہا گیا ہے کہ ''جھلانے والے کی بات نہ سننا وہ بہت قسمیں کھاتا ہے طعنہ دیتا ہے ادھر کی ادھر لگاتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے حد سے بڑھا ہوا گنہگار درشت خو ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کی اصل میں خطا ہے'' (۴) اٹلی کی معروف خاتون صحافی اوریانا فلاسی جو ابھی ۷۷ سال کی عمر میں مری ہے یہ بھی اسلام کے حوالے سے اشتعال انگیز مضامین لکھنے میں بدنام ہوئی۔ (۵) عالم اسلام کے سینوں کو اغیار کے ساتھ ساتھ نام نہاد مسلمانوں نے بھی برچھیاں مار کر لہولہان کیا ہے۔ ان میں ملعون سلمان رشدی (ایران) تسمینہ خاتون (بنگلہ دیش) سے ہے اس قسم کے لوگوں کی تحریرات بڑی پرفریب اور زہریلی ہوتی ہیں کہ ان کا اثر روح تک کو گھائل کر دیتا ہے۔ اس قسم کے اشتعال انگیز پروپیگنڈے شروع اسلام سے ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ (۶)

۳- فرقہ پرستی:

مذہبی چیلنجز میں ایک بڑا چیلنج فرقہ پرستی ہے مسلمان مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اندرونی طور پر کمزور ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے کو جان سے مار رہے ہیں باہمی انتشار کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے اسے ختم کرنا آسان نہیں اس کے لیے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے جو کہ بظاہر مشکل نظر آ رہے ہیں کیونکہ ارباب اقتدار و اختیار اس طرف توجہ نہیں دے رہے۔ ایک حدیث کے مطابق خود حضور ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ۷۲ فرقے تھے اور میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے جس میں ایک فرقہ صحیح ہوگا اور وہ ہو جو برائی سے روکے گا اور نیکی کی طرف بلائے گا۔ (۷) وطن عزیز پاکستان میں گزشتہ پندرہ بیس برس سے مذہبی فرقہ واریت اور علاقائی و لسانی تفرقات اور تعصبات نے جو شکل اختیار کی ہے اسے کوئی بھی پاکستانی تحسین کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا یہ حقیقت ہے کہ علاقائی اور لسانی تعصبات سے زیادہ خطرناک عامل مذہبی فرقہ واریت ہے۔ علاقائی اور لسانی معاملات میں بڑا مسئلہ معاشی مفادات کا ہے۔ ہم دنیا کے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کا مقابلہ تو درکنار اپنے عوام کو بھی معاشی مسائل سے نجات نہیں دلا سکتے۔ نہ ہی تمام طبقات کو ''معاشی'' عدل فراہم کر سکتے ہیں۔ نتیجتاً ہمارے عوام کی تمام تر مساعی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں صرف ہو رہی ہے۔

۴- پاکستان میں عیسائیت کی یلغار:

تیزی سے بڑھتی ہوئی غربت و افلاس نے پاکستان میں غربت کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا پچھلے چند برسوں نے عیسائیت، قادیانیت اور اسماعیلی مذاہب کو پروان چڑھتے ہوئے دیکھا۔ ایک انکشافی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ۱۷ ہزار سے زائد افراد عیسائیت قبول کر چکے ہیں، جن میں زیادہ تر خوف، لالچ، فریب، ترغیب یا بہتر مستقبل کی خاطر مذہب تبدیل کرنے پر راضی ہوئے اس رپورٹ کے مطابق عالمی عیسائی مبلغین نے ۱۹۹۵ء میں پاکستان کو عیسائیت کے فروغ کے لیے انتہائی موزوں قرار دیا۔ پاکستان میں عیسائیت کی جانب سے ۱۹۹۷ء میں تیار کی گئی رپورٹ میں بتایا گیا کہ

پاکستان میں دیگر ایشیائی ممالک سے عیسائیت کا پرچار تیزی سے ہو رہا ہے۔ پاکستان میں پیٹر رابرٹسن کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا گیا۔ پیٹر رابرٹسن بائبل کارسپانڈس کا سربراہ ہے اور اس کا صدر دفتر میانوالی میں ہے جبکہ پیپر رابرٹسن سول لائن میانوالی میں واقع چرچ سے سارا نیٹ ورک چلاتا ہے، جہاں عیسائیوں کا ۳۳ واں سالانہ مسیحی کنونشن منعقد کیا گیا تھا، اس اجتماع کو شفاعیہ اجتماع کہتے ہیں۔ اس موقع پر پیٹر فابرٹسن نے ۱۲۹ مسلمانوں کو عیسائی بنایا جو ملک کے چاروں صوبوں سے آئے ہوئے تھے، ان میں ۷ ہندو بھی شامل تھے جن کا تعلق تھرپارکر سے تھا جبکہ مسلمانوں میں سے پنجاب سے ۴۹، بلوچستان سے ۲۷، سندھ سے ۳۴ اور سرحد سے ۱۹ افراد کو لایا گیا۔(۸)

۵- دہشت گردی کا چیلنج:

انگریزی زبان میں دہشت کے لیے لفظ Terror استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ Terrorism ہے جس کے معنی ہیں تشدد اور دھمکی کا استعمال۔ مغربی لٹریچر اور اسلامی لٹریچر میں بنیاد پرستی کی اصطلاحات مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ اس لیے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں بنیاد پرستی کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اسلام میں بنیاد پرستی یہ ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادوں پر اپنی فکر و نظر اور کردار و عمل کو استوار کیا جائے۔ ان بنیادوں میں ایک عقیدہ توحید ہے اور چار دوسرے اعمال ہیں۔ یورپ میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ ''بنیاد پرستی'' کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدہ میں رونما ہو چکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے۔ بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے۔(۹) آئرلینڈ کے لوگ جو تشدد کرتے ہیں وہ عیسائیت کی تعلیم نہیں ہے یا جنوبی افریقہ میں سفید فاموں نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ عیسائی تھے مگر عیسائیت کی یہ تعلیم نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جگہ بعض مسلمان اپنے معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو ان کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔(۱۰)

۶- این جی اوز:

وہ تنظیمیں جو غیر سرکاری طور پر معاشرے کے مجموعی یا ایک مخصوص شعبے کی فلاح اور ترقی کے لیے کام کریں این جی اوز کہلاتی ہیں۔(۱۱) این جی اوز کا تصور انیسویں صدی کے دوران امیر صنعتی ممالک میں مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کے نام پر پروان چڑھا(۱۲) آج دنیا کے کسی بھی حصے میں این جی اوز اور درج ذیل شعبہ جات میں سب یا ان میں سے بعض میں مداخلت کرتی ہیں۔(۱۳) خدمات اور سپلائی، وسائل میں اضافہ، تحقیق و تجسس، انسانی وسائل کی ترقی، عوامی اطلاعات، تعلیم(۱۴)

این جی اوز کی ملکی امور میں مداخلت:

اب آیئے ایک نظر ڈالتے ہیں کہ امریکہ کی طرف سے نوازی جانے والی این جی اوز کن کن دھندھوں میں ملوث ہیں۔(۱۵) اسلام آباد میں وزارت داخلہ کو تمام حساس اداروں نے متفقہ رپورٹ دی ہے کہ پاکستان میں کام کرنے والی لاابی این جی اوز جاسوسی، عیسائیت کی تبلیغ اور افغانستان میں طالبان مخالف شمالی اتحاد کو اسلحہ سپلائی کرنے میں ملوث ہیں، تحقیقات کے بعد جب سنگین نوعیت کے یہ حقائق تمام تر شواہد کے ساتھ سامنے آ گئے تو حکومت نے اعلیٰ سطحی اجلاس میں فیصلہ کیا کہ این جی اوز سے کہا جائے کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنا بوریا بستر سمیت کر پاکستان سے چلی جائیں۔(۱۶) مگر مغربی ممالک نے حقائق کو دیکھتے ہوئے این جی اوز کی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ این جی اوز کو پاکستان میں کام جاری رکھنے دے۔ ایک مغربی ملک کے سفارت کار نے تنبیہ کی کہ اگر ہماری این جی اوز کے افراد کو پاکستان میں قیام کی اجازت نہ دی گئی تو ان کا ملک بھی پاکستان کے شہریوں کو ویزے جاری کرنا بند کر دے گا۔(۱۷) اس وقت پاکستان میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ۵۴ ہزار رجسٹرڈ این جی اوز کام کر رہی ہیں(۱۸) یہ دنیا میں سب سے بڑی تعداد ہے ان تنظیموں میں سے ۳۳ ہزار ۱۶۸ پنجاب (صرف لاہور شہر میں ساڑھے چھ ہزار این جی اوز ہیں) ۱۶ ہزار ۸۹۱ سندھ، ۳۵ ہزار ۳۷۶، بلوچستان اور ۳ ہزار ۳۳ صوبہ سرحد میں رجسٹرڈ ہیں۔(۱۹)

آپ ﷺ محبت کا پیکر عظیم تھے۔ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت سب کے لیے یکساں تھی(۲۰) آپؐ کی رحمت صرف امت کے لیے نہ تھی بلکہ آپ کافروں کے لیے بھی رحمت اللعالمین تھے۔(۲۱) طلوع اسلام سے قبل جنگ و جدل، قتل وخون، انتہا پسندی اور جمود کی کئی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں(۲۲) بقول ''ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا(۲۳) ہر مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے مذاہب ختم ہو جائیں اور ان سب کی جگہ ان کا مذہب لے لے اور ہر مذہب میں جبر و زبردستی داخل کرنا جائز ہے لیکن اسلام اور داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''لا اکراہ فی الدین، قدتبین الرشد من الغی ''(۲۴) (دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے) یہی وجہ ہے کہ مؤرخین پورے یقین کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کسی قوم یا گروہ کو اسلام میں لانے کے لیے زبردستی نہیں کی۔ زوبدتسواں اپنی کتاب ''تاریخ شارلکین'' میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: (مسلمان وہ واحد قوم ہے جس نے دینی عزت اور رواداری کی روح کو دوسرے مذاہب سے تعامل کے دوران پیش نظر رکھا، انہوں نے اپنے دین کی اشاعت کی شدید خواہش کے باوجود ان لوگوں کو آزاد چھوڑا جو اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے۔(۲۵)

تاریخ انسانی اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانانِ اسلام اور پیغمبر اسلام کے حوالے سے کسی بھی مذہب یا صاحب مذہب کے خلاف اہانت و اشتعال انگیز مضامین و تقاریر آج تک منظر عام پر نہیں آئیں ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں یہ بات شامل ہے کہ تمام عالم کے مذاہب کا احترام کیا جائے اور سابقہ تمام آسمانی کتب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان کو برحق جانے۔ اسی طرح فرقہ پرستی، تعصب و لسانیت کو بھی پسند نہیں کیا گیا ہے اور یہاں تک کہ آپؐ نے فرما دیا کہ جس نے

عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں (یعنی مسلمان نہیں) ان حالات میں اتباع رسولؐ میں ہماری نجات ہے آپؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

''یایھا الناس! انی قدترکت فیکم ما ان اعتصمتم فلن تضلوا ابداً، کتاب اللہ، سنۃ نبیہ ﷺ (۲۶)''

(اے لوگو! میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت)

رہنمائے کارواں انسانیت ﷺ کی سیرت ضیاء میں انسانیت کے اضمحلال اور تھکان کا مداوا تلاش کریں (۲۷) معلم اعظم ﷺ ہی اخلاق اور حکمت کا سرچشمہ ہیں انہی کی اتباع میں ہماری نجات ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ: وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۲۸) (تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے)

جب تک ہم اپنے سفر کا آغاز ''منہاج النبوۃ'' کی روشنی میں نہ کریں تو ہماری کامیابی ممکن نہیں بلکہ ناکامی قطعی اور یقینی ہے۔ ہمیں بغیر لیت ولعل کے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ تعلیمات نبوی ﷺ کے سوا ہمارا اور کوئی چارہ نہیں۔ (۲۹)

معاشی چیلنجز:

قرآن حکیم کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کے مقاصد میں یہ بات شامل ہے کہ ان نیک کاموں کو فروغ حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم انسانی کے لیے لازمی وضروری ہیں اور تمام انسان منکرات وخواہشات سے محفوظ رہیں جو انسانی زندگی اور انسانی معاشرے میں فساد وتضاد کی بنیاد بنتے ہیں۔ (۳۰) چنانچہ استحکام ریاست کے لیے یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ معاشی واقتصادی اعتبار سے مضبوط ومستحکم ہو اور دوسرے تمام معاملات کی طرح معاشی استحکام بھی صرف اور صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب ہماری معیشت واقتصادیات کی عمارت اسلامی خطوط پر استوار ہو (۳۱) دولت کی پیدائش اس کی گردش اس کے استعمال کا طریقہ اور اس کی آمدورفت کا سارا نظام اسلام نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ (۳۲)

دوسرے تمام رائج الوقت نظاموں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ ان کے ہاں دولت خواہ کسی طرح حاصل کی جائے جب کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو وہ اس کا مالک قرار دیدیا جاتا ہے اور یوں اس کو کھلی مالی من مانیوں کی اجازت مل جاتی ہے جبکہ اسلام کے مطابق ہر قسم کی دولت اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کی ملکیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ'' (۳۳) ''اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کے اس مال سے دو جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے''۔

۱- معاشی استحکام:

یہ پاکستان کی بدنصیبی ہے کہ اس میں ذاتی مفادات بالاتر رہے اور سیاسی ومعاشی استحکام قائم نہ ہو سکا۔ قائداعظم

اورتحریک پاکستان کے جانثاروں کی انتھک کاوشوں سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قائداعظم نے مہاجرین کی آبادکاری، معیشت کے رہنما اصولوں کے تعین اور خارجہ حکمت عملی سے اس نوزائیدہ مملکت کے استحکام کے لیے کاوشیں کیں لیکن ۱۹۴۸ء میں قائداعظم کی رحلت اور چند سالوں میں لیاقت علی خان جیسے عظیم لیڈر کی وفات سے پاکستان کو دھچکا لگا(۳۴)۔ ۵۸-۱۹۴۷ء کا دور پاکستان کے لیے ابتلاء کا دور تھا۔ خواجہ ناظم الدین غلام محمد اور اسکندر مرزا کے دور میں ذاتی مفادات کی وجہ سے استحکام پیدا نہ ہوسکا۔ آئین ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ (۶۹-۱۹۵۸ء) کے دوران مارشل لاء نافذ رہا تاہم معاشی ترقی ہوئی۔ ۷۱-۱۹۶۹ء کے دوران ملک کربناک دور سے نبرد آزما رہا۔ یحییٰ خان کے دور میں سقوط ڈھاکہ کا سانحہ پیش آیا۔ ۷۷-۱۹۷۲ء کے دور میں ۱۹۷۳ء کا آئین بنا۔ ۸۸-۱۹۷۷ء کے دوران مارشل لاء نافذ رہا ۹۹-۱۹۸۸ء کا دور عجیب سیاسی کشمکش کا دور تھا۔ معیشت اس دور میں بری طرح متاثر ہوئی(۳۵) یہ تھی ہماری زبوں حالی کی مختصر تاریخ۔ سب تاریخ نویسوں نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ پاکستان کی نظریاتی جڑیں اسلام میں ہیں مگر افسوس کا مقام کہ پاکستان کا سیاسی کلچر بدترین کلچر رہا جس کی وجہ سے شریعت محمدی ﷺ کا نفاذ نہ ہوسکا۔ معیشت کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ معاشی عدم استحکام کی ایک اور بڑی وجہ سابقہ حکمران ملک کی دولت لوٹ کر اپنے بیرونی اکاؤنٹ میں جمع کراتے رہے۔ ملک کھوکھلے سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا معیشت تباہ سے تباہ تر ہوتی چلی گئی۔(۳۶)

۲- معاشی عدم مساوات:

سماجی برائیوں، بدعنوانیوں اور معاشی ناہمواریوں کی بنیادی وجہ معاشی ناانصافی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشی اور اقتصادی لحاظ سے جو قومیں کمزور ہوتی ہیں وہ مغلوب ہوکر بالآخر ختم ہو جاتی ہیں اور مفلسی کی وجہ سے انہیں معاشی لحاظ سے غالب قومیں دین سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں اچھی معیشت کا انحصار جہاں دوسری باتوں پر ہے وہاں ملک کے سیاسی حالات کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے(۳۷) ہمیں مغربی جمہوری طرز سے گریز کرتے ہوئے اسلامی طرز معیشت اپنانا چاہیے مگر ایسا نہیں ہے ہمارے ہاں جو معاشی نظام رائج ہے وہ نیم جاگیردارانہ اور نیم سرمایہ دارانہ ہے۔ جس میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ جب تک معاشی عدل قائم نہیں ہوگا ہمارا حال بھی اچھا نہیں ہوگا۔(۳۸)

آپؐ کا معاشی اسوہ حسنہ یہ ثابت کرتا ہے کہ سادگی، کفایت شعاری، دیانت داری اور خود انحصاری کی وجہ سے اقوام ترقی کرتی ہیں۔ شمائل ترمذی اور دیگر سیرت کی کتب سے ثابت ہے کہ آپ کا ایک لباس ہوتا جو آپؐ پہنتے حتیٰ کہ سفراء سے بھی اسی لباس میں ملاقات فرماتے۔(۳۹) آپؐ نے اسراف اور خیانت سے منع فرمایا۔ یہ رذائل کسی ملک کو مستحکم نہیں ہونے دیتیں(۴۰) آپؐ نے قرض مانگنے سے منع فرمایا اس سے اقوام کی عزت نفس جاتی رہتی ہے۔ بیرونی قرضہ جات لعنت ہیں۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ اسلامی ریاست کے بجٹ کے اخراجات کے قواعد کی اساس ہے:

''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ''(۴۱)

حضورﷺ نے واضح طور پر فرمایا تھا: جو شخص قرض چھوڑے یا ایسے پسماندگان چھوڑ جائے جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو وہ میرے پاس آئیں میں ان کا سرپرست ہوں۔(۴۲)

۳۔ کرپشن:

ایک طرف پاکستان کی معیشت پر دفاعی اخراجات کا بوجھ ہے اور دوسری طرف کرپشن نے تباہی مچائی ہوئی ہے۔(۴۳) امریکہ نے پاکستانی سیاست دانوں، اعلیٰ سول وغیر سول فوجی افسروں اور تاجروں کی فہرست شائع کی ہے۔ جن کا تعلق منشیات کی اسمگلنگ سے ہے۔ اس فہرست کے مطابق ایسے افراد کی تعداد ۸ ہزار ہے۔(۴۴) ملاحظہ ہو انگریزی اخبار دی نیوز مؤرخہ ۳رستمبر ۱۹۹۶ء اپریل ۱۹۹۷ء میں پاکستان ائرفورس کا ایک آفیسر پی اے ایف کے جہاز میں ہیروئن لاتے ہوئے امریکہ میں پکڑا گیا ہے۔ ہمارے لیے کس قدر ذلت کا مقام ہے۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں وزیراعظم پاکستان کے بیان کے مطابق ایک بیوروکریٹ نے تحقیقاتی عمل سے بچنے کے لیے متعلقہ افراد کے ۲۰ کروڑ روپے رشوت دینے کی پیش کش کی ہے۔(۴۵)

خاک ہے اب بھی چمن میں اڑتی ہے
موسم گل اور یہ خزاں..... افسوس

ایک طرف کرپشن کا سیلاب اور دوسری طرف غربت کا ریگ رواں ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے بجٹ کا ۳۵ فیصد قرضوں کی ادائیگی میں گزرتا ہے دفاع پر اخراجات ۴۰ فیصد ہیں۔ انتظامیہ پر اخراجات ۱۵ فیصد ہیں۔ باقی ۱۰ فیصد سے خاک ترقی ہوگی۔ اپریل ۱۹۹۷ء کے جنگ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر پیدا ہونے والا بچہ تقریباً ۱۶ ہزار روپے کا مقروض ہے اور ہر خاندان اوسطاً ایک لاکھ روپیہ کا مقروض ہے۔(۴۶)

۴۔ آئی ایم ایف کا قرضہ:

سابقہ اور موجودہ حکمرانوں نے ملک کو چلانے اور ترقی دینے کے نام پر عالمی ادارہ IMF سے قرضہ وصول کرنے کا جواز نکال رکھا ہے جبکہ آقائے دو جہاںؐ نے قرضہ کے متعلق فرمایا۔ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ نے مجلس میں موجود چند صحابہ کرامؓ سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔(۴۷) ایک اور روایت میں ہے کہ ... دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے(۴۸) آپﷺ کے نظام حکومت کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپؐ قرض کو اچھا نہ سمجھتے۔ آپؐ غریبوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کے بجائے محنت اور جدوجہد کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضورﷺ سوال کرنے کی بجائے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانے اور بازار میں فروخت کر کے روزی کمانے کی ترغیب دلاتے۔(۴۹) IMF سے قرضہ لینے کے بعد اس کی جائز و ناجائز شرائط کو ماننا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ملک میں مہنگائی اور بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔(۵۰) اور اگر ان کا آرڈر مانا جائے تو اقتصادی پابندیاں اور بندشیں لگانے کی دھمکی ملتی ہے جس کی وجہ سے ملک ہمیشہ دباؤ میں رہتا ہے اور اس کی وجہ سے ایک عام شہری بھی مفلوک الحال رہتا ہے جس سے معاشرے میں

بے چینی اور خوف مسلسل بھی رہتا ہے۔(۵۱)

اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ممالک کو اپنی معیشت سنبھالنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک سے امداد اور قرض لینے کی ضرورت اکثر و بیشتر پیش آتی ہے، بلکہ ان کی معیشت کا انحصار ہی امدادی قرضوں پر ہوتا ہے مگر ان ملکوں کی معیشت کے جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ عالمی طاقتوں سے قرضہ و امداد حاصل کرنے والا کوئی بھی ملک نہ تو اقتصادی طور پر خوشحال ہوا ہے اور نہ ہی دفاعی لحاظ سے مضبوط، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان ممالک کی حالت خود انحصاری کی پالیسی اپنانے والے ممالک کے مقابلے میں انتہائی مخدوش ہے۔(۵۲)

۵- رشوت خوری

ملکی اور ریاستی استحکام کے لیے جو چیزیں سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ان میں سے ایک رشوت کی لعنت بھی ہے رشوت نے اچھے اچھے اور ترقی کرتے ہوئے معاشروں کا قلیل ترین مدت میں شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔(۵۳) جس ملک میں رشوت کا دور دورہ ہو وہاں امن و استحکام کی امید رکھنا عبث ہوتا ہے کیونکہ یہ ظلم و استبداد کو جنم دیتی ہے برائیوں اور بدعنوانیوں کو پروان چڑھاتی ہے اور عدل و انصاف کا قلع قمع کرتی ہے(۵۴) جب کہیں پر رشوت کا راج ہو جاتا ہے تو پھر عوام کے جائز حقوق غصب ہونے لگتے ہیں ان کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور حق تلفی، فریب کاری، حرص وطمع، عہد شکنی اور خباثت و بدبختی و بددیانتی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں باہمی تنازعات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو بالآخر حکومت و ریاست کی تباہ کاری پر منتج ہوتا ہے۔(۵۵) اس لیے آنحضورﷺ نے رشوت لینے اور دینے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔(۵۶) دنیا میں رشوت کے بہت سے طریقے رائج ہیں لیکن ان سب کی بدترین قسم وہ ہے جس میں ایک شخص کو اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینی پڑے۔ یہ سلسلہ آج کل ہمارے ہاں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے اور عوام الناس کے لیے نہایت تکلیف اور پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔(۵۷)

حکومتی مناصب پر فائز حضرات کی ایسی روش خاص طور پر زیادہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ کا ذکر ہے ابوحمید ساعدیؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسولؐ نے ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل مقرر فرما کر روانہ کیا۔ جب وہ مال وصول کر کے لوٹے تو آپؐ نے رقوم کا حساب طلب کیا۔ اس پر وہ کہنے لگے:ھذا مالکم و ھذا ھدیۃ (یہ آپ کا مال ہے یعنی وصول شدہ صدقات ہیں اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے) حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم کیوں نہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے رہے؟ یہ ہدیہ وہیں تمہارے پاس آ جاتا۔(۵۸) پھر آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس عمل کی مذمت فرمائی اور اس کے وبال کا بھی ذکر فرمایا۔ آپﷺ نے فرمایا ''حمد و ثناء کے بعد میں تم میں سے کسی شخص کو اس کام پر عامل مقرر کرتا ہوں جس کا اللہ نے مجھے ولی بنایا ہے پھر وہ شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ سو وہ اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ اس کا ہدیہ وہیں پہنچ جاتا۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز ناحق وصول کرے گا وہ قیامت کے روز اس حال میں اللہ سے

ملے گا کہ وہ اس کو اٹھائے ہوئے ہوگا۔ میں تم میں سے ہر اس شخص کو پہچان لوں گا جو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اونٹ اٹھائے ہوئے ہوگا جو بلبلا رہا ہوگا یا گائے اٹھائے ہوئے ہوگا جو چیخ رہی ہوگی یا بکری اٹھائی ہوئی ہوگی جو ممنا رہی ہوگی۔(۵۹) آنحضرتﷺ نے اپنے اس مبارک خطبے میں کئی باتوں کی وضاحت فرمادی(۶۰) وہ تمام حکام جو کسی بھی قسم کی مالی وصولیوں کے ذمہ دار ہیں ان کو ملنے والے تمام تحائف سرکاری خزانے کی امانت ہیں۔ ان کا ان تحائف پر کوئی حق نہیں۔(۶۱) اسی طرح تمام سرکاری حکام اور ذمہ دار حضرات کو ملنے والے تحائف بھی چونکہ ان کے مناصب اور عہدوں کی بناء پر انہیں ملتے ہیں اس لیے وہ ان کے حقدار نہیں۔(۶۲)

سیاسی چیلنجز

۱- اندرونی سیاسی مسائل:

کوئی بھی ملک اور قوم سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مستحکم نہیں ہوسکتی جو مخلص اور جرات مند قیادت سے محروم ہو۔(۶۳) ملک کی قیادت جس قدر مخلص، راستباز، دیانتدار اور قابل افراد کے ہاتھوں میں ہوگی اسی قدر ملک وقوم اور معاشرے کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی قیادت منتخب کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو مومن، صالح، قابل اور جرات مند ہو(۶۴) جو عوام کے مسائل کا ادراک رکھتی ہو، جھوٹ، دغا بازی، منافقت اور وعدہ خلافی پر مبنی سیاست سے پاک ہو، دولت، اقتدار، جاہ و منصب کی حرص اور طمع سے بے نیاز ہو(۶۵) ہمارے ہاں صورتحال اس کے برعکس ہے سیاستدانوں کی اکثریت دولت اور خاندانی اثر ورسوخ کی بناء پر اقتدار پر قابض ہوتی ہے اور ملک وقوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام تر صلاحیت و قابلیت کو دولت و شہرت کے حصول اور اپنے اقتدار کے مستحکم کرنے میں صرف کرتی ہے۔ فرائض سے غفلت، قانون شکنی، کرپشن، اختیارات کا ناجائز استعمال، اقربا پروری اور جماعتی وابستگیوں کی بناء پر نوازشات کا سلسلہ موجودہ سیاسی کلچر کا حصہ بن چکا ہے ایسی نااہل قیادت اپنی بداعمالیوں کے صلہ میں اپنے ساتھ ملک اور قوم کو بھی لے ڈوبتی ہے۔(۶۶)

۲- سیاسی عدم استحکام:

مسلم ممالک میں بالخصوص اور ہمارے ہاں سیاسی عدم استحکام کے پس پردہ مغرب کی سازشیں کارفرما ہیں وہ ان ممالک میں ایسی سیاسی قیادت کی حمایت کرتا ہے جو عوام کے مسائل کا شعور رکھنے اور ان کو حل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی، قابل اور لائق اور اس کے زیر اثر ملکی استحکام اور ترقی کو وہ اپنی بالادستی کے لیے خطرہ سمجھتا ہے اور ان کے ذریعے ملک میں اپنی پالیسیوں کا اجراء کرتا ہے۔ اسلامی سیاست کے ماہرین نے حکمرانوں کی شرائط انتخاب میں ایک اہم شرط ''حریت و آزادی'' ذکر کی ہے۔(۶۴) اس لیے کہ حاکمیت کہ حاکمیت، محکومیت اور غلامی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اس لیے یہ ضروری ہے کہ حکمران اپنے دین اور ملک کے معاملات میں اصول شریعت کے مطابق رائے اور فیصلوں میں آزاد ہوں لہٰذا ایسا شخص ہرگز حکمرانی کے قابل نہ ہوگا۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کو وجود میں آنے کے بعد سے اب تک ایسی قیادت نصیب نہیں ہوئی

جو اس ملک خداداد کو سیاسی استحکام عطا کرتی۔ جو اپنے نظریات، فیصلوں میں آزاد ہوتی اپنے فیصلے سپر طاقت سے نہیں کرواتی اور یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمارے حکمران حضور ﷺ کے عطا کردہ جمہوری اور شورائی نظام حکومت کو عصری تقاضوں کے مطابق رائج نہیں کر دیتے اور سیاسی لوٹوں اور بدعنوانوں سے اس ملک کو پاک نہیں کر دیتے۔(۶۷)

۳-محاذ آرائی کی سیاست:

ایک اسلامی ریاست میں سیاسی نقطہ نظر کے اختلاف کی بناء پر سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے جب وہ شریعت کی حدود میں عوام کی فلاح و بہبود، ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ملکی استحکام و ترقی پر مبنی منشور رکھتی ہوں اور انکی جدوجہد اسلامی نظام حکومت کے قیام میں مدومعاون ہو لیکن ان کا وجود اگر ذاتی مفادات اور حصول اقتدار کی خاطر ہو تو اسلام اس طرح کی بے ثمر و بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے انتشار، محاذ آرائی اور باہمی تعصب و مخاصمت کے کچھ نہیں نکلتا۔(۶۸) اس قسم کی جماعتیں اقتدار سے محروم ہونے کی صورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام سرد کرنے کے لیے بے جا تنقید و مخالفت، احتجاج، ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعہ افراتفری اور انتشار پیدا کرتی ہیں اور ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔

یہ طریقہ کار آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے سراسر خلاف ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **لا تسبوا الولاة فانهم ان احسنوا كان لهم الأجرو عليكم الشكروان اساؤ افعليهم الوزرو عليكم الصبر.** (۶۹) (حاکموں کو نہ کوسو، کیونکہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لیے اجر ہے اور تمہارے لیے موقع شکر ہے اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لیے صبر ہے)

۴- احتجاجی سیاست:

احتجاجی سیاست کا رویہ بھی پاکستان میں عام ہے اپوزیشن کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے یا کیسی بھی غیر حکومتی جماعت کے مزاج یا منفی کردار ادا کرنے یا لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلانے کے خلاف ان پر پابندی لگائی جائے تو وہ سراپا احتجاج بن جاتی ہیں اور عوام کو سڑکوں پر لے آتی ہیں یا جدید طریقہ احتجاج بم دھماکوں یا ملکی تنصیبات کو نشانہ بناتی ہیں۔ یہ وہ جماعتیں ہیں جو بیرونی ممالک سے جو اسلام اور ملک دشمن طاقتیں ہیں ان سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتی ہیں اور ملک کو اندرونی طور پر کمزور کرنے کے درپے ہیں۔(۷۰)

احتجاجی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی سراسر خلاف ہیں جن میں ''سمع و طاعت'' کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔(۳۶) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنو اور اطاعت کرو خود تم پر کوئی ایسا حاکم بنا دیا جائے جس کا سر خشک انگور یا کشمش کی طرح ہو۔(۳۷) اس لیے موجودہ سیاست کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں، ملک کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں، ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو اسلام اور ملک دشمن طاقتوں سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتی ہوں ان پر پابندی لگائی جائے۔ مثبت سوچ رکھنے والی جماعتوں کے لیے ایسا

ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔(۷۱)

۵- علاقائی عصبیت کی سیاست:

ملکی استحکام کے لیے علاقائی اور قبائلی عصبیت سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسا معاشرہ مسلسل طبقاتی کشیدگی اور انارکی کی زد میں رہتا ہے جہاں کسی بھی سطح پر تعصب روا رکھا جاتا ہو خاص کر جب یہ تعصب باہمی اور ریاستی معاملات میں در انداز ہو جائے تو اس کے نتائج نہایت مہلک اور دور رس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قبائلی و علاقائی تفریق کا رویہ ارشاد فرما کر بند کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور شرف کا مدار تقویٰ پر ہے قوم و قبائل پر نہیں۔ ارشاد باری ہے کہ:

''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ .''(۷۲)

(اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے)

ملک پاکستان میں ۴ صوبے ہیں اور ان صوبوں میں درجنوں علاقائی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہر علاقے کی اپنی زبان اور بولی ہے۔ اس ملک کا ایک سنگین المیہ یہ بھی رہا ہے کہ یہاں کے سیاستدانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں لسانی بنیاد پر جماعتیں بنا رکھی ہیں۔ ان کی نشاندہی کی ضرورت نہیں سب جانتے ہیں ان کے کام اور ان کی حرکتوں سے بھی سب ہی واقف ہیں۔ یہ صرف اور صرف عصبیت کی بنیاد پر سیاست کرتے ہیں۔ ان کی بیخ کنی کرنا بھی حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔(۷۳)

آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سب سے پہلے انصار و مہاجرین کے مابین رشتہ مواخات قائم کر دیا تھا کیونکہ آپ کو بھی اس قسم کی سنگینی کا بخوبی اندازہ تھا کیونکہ عرب میں بھی یہ رواج عام تھا۔ کیونکہ انصار و مہاجرین کے قبائلی پس منظر کو دیکھتے ہوئے ان کے مابین کسی بھی موقع پر اختلاف کا خدشہ موجود تھا۔ اس رشتہ اخوت نے جس کی بنیاد صرف مذہب پر قائم ہوئی، تاریخ انسانی میں نیا باب رقم کیا۔ ہمارے وطن پاک کے موجودہ حالات کے حوالے سے اس رشتہ اخوت کو اپنانا ہوگا اور اپنے وطن کو ہر قسم کی عصبیت و تعصب سے پاک کرنا ہوگا اور آپ کی سیرت کو اپنانا ہوگا۔

۶- امن و امان کا فقدان:

پاکستان میں امن و امان کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ جب سے پاکستان وجود میں آیا ہے اس وقت سے یہ مسئلہ مسلسل چلا آ رہا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور اسلام کے نام پر خالصتاً اسلامی تعلیمات کے عمل کے لیے حاصل کیا گیا تھا مگر پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس کے حکمرانوں ہی نے اس ملک کو لوٹنا شروع کر دیا تھا اس کے بعد سیاستدانوں نے اسے لوٹا اور اب بھی لوٹ رہے ہیں۔ آج کل کے حکمرانوں نے اس ملک کے

عوام کو عام لٹیروں کے حوالے کر دیا۔(۷۴) جس کی وجہ سے اسٹیٹ کرائم میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ روزانہ ملک کے ہر اخبار میں یہ خبریں لازمی ہوتی ہیں کہ کل شہر میں شہری ۱۰۰ موبائل فونز سے ۵۳ گاڑیوں سے محروم ہو گئے اور شہر کے مختلف علاقوں میں ۵ سے ۱۰ لاکھ کی ڈکیتی پڑی اور مزاحمت کرنے پر ڈاکوؤں نے ۲ شہریوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ۴ عورتوں کی عزتیں لوٹ لی گئیں، ایک تاجر کو اغوا کر لیا گیا، تاوان نہ دینے پر تاجر کے لڑکے کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ کپڑے کی مارکیٹ سے بھتہ وصول کرنے والوں نے ایک دکان دار کے بھتہ نہ دیتے پر اس کی دکان کو آگ لگا دی۔(۷۵)

ہونا یہ چاہیے تھا کہ جس طرح حضورﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اسی طرح پاکستان کی بھی بنیاد رکھنی چاہیے تھی اور حضورﷺ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے تمام معاملات کو اسلامی طرز پر لے کر چلنا چاہیے تھا۔ جس طرح حضورﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی۔ قوموں کے حقوق و فرائض متعین فرمائے۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی فرمائی۔(۷۶) رسول اللہؐ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ زکوٰۃ کا ادارہ ہو یا بیت المال، احتساب کا معاملہ ہو یا عدل و انصاف کی فراہمی کا، ہر ادارے کو صحیح اور درست سمت میں چلانے اور خدمت خلق کے راستے پر لانے کا اہتمام فرمایا۔(۷۷) انتظامی معاملات حل کرنے والے اداروں میں عموماً نبی کریمﷺ مقامی آدمیوں کے تقرر کو بہت اہمیت دیتے تھے۔(۷۸) اس لیے کہ مقامی افراد اپنی جگہ کے حالات و مسائل سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں علاقے سے جذباتی لگاؤ اور سماجی دباؤ کے تحت صحیح کام کرتے ہیں۔ داخلی امن وسکون کی بحالی کے لیے سماجی اقدامات بھی ضروری ہیں اس ضمن میں محلّہ وار کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں اچھی شہرت رکھنے والے پڑھے لکھے ایسے دیانتدار افراد کو رکھا جائے جن کے دل خدمت خلق اور خوفِ خدا سے معمور ہوں۔(۷۹)

۷- بیرونی خطرات:

ریاست کے داخلی استحکام کو بحال رکھنے کے ساتھ ساتھ بیرونی خطرات سے مدافعت کا انتظام بھی ضروری ہے۔ بیرونی خطرات سے نمٹنے اور جنگ کو کم کرنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ فنون حرب میں اتنی ترقی کی جائے کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔(۸۰) سیرت کے ذخیرے سے یہ بات ثابت ہے کہ نبیﷺ نے جدید ہتھیار حاصل کیے اور استعمال بھی فرمائے۔(۸۱) علاوہ ازیں آپؐ نے فنون حرب کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ اس ضمن میں آپؐ نے ان کھیلوں اور ورزشوں کی حوصلہ افزائی فرمائی جو جنگ کے لیے مفید ہو سکتے ہیں مثلاً نیزہ بازی، تیر اندازی، گھوڑ دوڑ اور تیراکی وغیرہ(۸۲) آپؐ نے مخالفین کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع حاصل کرنے کے لیے جاسوسی کا صحیح انتظام فرما رکھا تھا۔(۸۳) خارجی امن و استحکام کے سلسلے کی ایک اہم کڑی آنحضرتﷺ کے وہ معاہدے تھے جو آپؐ نے اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد کیے، سیرت کے ذخائر سے ثابت ہے کہ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے نبی کریمﷺ نے مدینہ کے اطراف میں اہم قبائل سے امن معاہدات کیے یہ معاہدات اسلامی ریاست کے خارجی استحکام میں بہت ہی کارآمد ثابت ہوئے۔(۸۴)

دفاعی سلامتی کے لیے حکومت کو جدید ترین ہتھیار نہ صرف حاصل کرنے چاہئیں بلکہ ان کا ملک کے اندر بھی تیار کرنا ضروری ہے ملکی سیکرٹ سروس کو سیاسی اثرات سے بچا کر پیشہ ورانہ مقاصد کے لیے فعال بنایا جائے۔ ہمسایہ ممالک خصوصاً اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات انتہائی بہتر بنائے جائیں اس ضمن میں ملک کی غیر مستحکم پالیسیوں کو استحکام دیا جائے تاکہ سیاسی جماعتوں کی تبدیلی کے ساتھ خارجہ پالیسی میں ردوبدل نہ ہو۔(۸۵)

ثقافتی چیلنجز

۱-مغربی عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار:

پاکستانی امہ لاکھ بیماریوں کی لپیٹ میں سہی مگر اب تک جس چیز نے اسے مکمل تباہی سے محفوظ رکھا ہے وہ اسلامی ثقافتی اقدار ہی ہیں لیکن تہذیب فرنگ کا عفریت ان اقدار کو بھی اب ہم سے چھین لینا چاہتا ہے۔ شرم و حیا، پردہ، مستحکم ازدواجی زندگی کے اصول و ضوابط اور باوقار لباس ہمارا طرہ امتیاز تھے لیکن یہود و نصاریٰ کی سازشوں سے پہلے ہمیں فرنگی تہذیب کی چکا چوند سے مرعوب کیا گیا پھر پردہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا گیا جب یہ حربے زیادہ کارگر نہ ہوئے تو فلموں کے ذریعے عریانیت اور بے حیائی کو رواج دیا گیا ہے۔ وی سی آر کی وبا پھیلائی گئی (۸۶) مخرب اخلاق اور حیا سوز فلموں کے ذریعے یورپین کلچر کو ترویج دی گئی اور اب الیکٹرانک میڈیا نیٹ ورک قائم کر کے ڈش، کیبل انٹرنیٹ کی لعنت کو عام کر دیا گیا ہے۔ ابھی تک شاید ہمیں یہ اندازہ نہیں کہ الیکٹرانک میڈیا کتنی بڑی طاقت ہے اور کتنی خطرناک ہے۔ یہ بولہبی ہمیں اس طرح گھیر چکی ہے کہ اخلاقی اور روحانی پستی کے ساتھ ساتھ اس نے ہمیں فکری طور پر بھی گمراہی کی دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ ہم کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی پیروی میں اپنی کامیابی سمجھنے لگے ہیں۔(۸۷)

میڈیا یعنی ذرائع ابلاغ کی بنیادی طور سے دو قسمیں ہیں ۱- پرنٹ میڈیا، ۲- الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا میں اخبارات و رسائل شامل ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں ریڈیو، ٹی وی انٹرنیٹ ویب سائٹس وغیرہ یہ ذرائع ابلاغ یا تبلیغ کے ذرائع ہیں۔ شاید ہم اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ کفار و مشرکین کا مقابلہ ہم ان کی پیروی کر کے ہی کر سکتے ہیں کاش ہمارے مدنظر یہ ارشاد ربانی ہوتا کہ: وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا.(۸۸) (اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا اور نہ ان کی اذیت رسانی کی پروا کرنا اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کردے) لیکن ہم کفار و مشرکین کی پیروی میں ہی اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں اس کفر و گمراہی کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

احادیث مبارک میں ہے کہ: ''لایؤمن احد کم حتی یکون هواه بتعاً لماجئت به''(۸۹) (اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جو میں لایا ہوں) تر کت فیکم امرین لن تضلوا

متمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ(۹۰) (میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے یہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں) بلاشبہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی مومن کا ضابطہ حیات ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے دنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٦٢ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ''(۹۱) (سن رکھو کہ جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ غمناک ہوں گے۔(یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے)

تعلیمی چیلنجز

۱- نظام کی تبدیلی:

کسی بھی معاشرہ کے افراد کی ذہنی تطہیر کے لیے تعلیم مؤثر ذریعہ ہے۔ موجودہ تعلیمی نظام افراد و تفریط پر مبنی ہے لہٰذا اس تعلیمی نظام کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔(۹۲) اس سلسلے میں ڈاکٹر برہان فاروقی یوں بحث کرتے ہیں کہ ''ایک معاند تہذیب سے اپنے ثقافتی فضائل کی برتری کا تعین ختم ہو گیا، لادینی نظام تعلیم کے نفاذ سے دینی علوم کی تدریس کے بجائے لادینی علوم کی تدریس ہونے لگی، دینی نظام تعلیم کو ہمارے دور اقتدار میں آزاد تعلیم کی حیثیت حاصل تھی کیونکہ اس میں طب، ہندسہ، فنون داخل نصاب تھے۔ اس کا تعلق زندگی کے معاشرتی سیاسی، ثقافتی اور تعلیمی پہلوؤں سے منقطع ہو گیا اور وہ صرف عقائد اور تلقین اور عبادات کی ترغیب کے لیے مخص ہو کر رہ گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری زندگی اور نظام لادینی کے تحت ڈھل گئی(۹۳) خدا، رسول ﷺ اور آخرت کا اثر معاشرے پر باقی نہ رہا، عصری تعلیم کے ساتھ دینی علوم کی تعلیم بھی دینی ہو گی اور دینی و دنیاوی تعلیم کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہو گا تعلیمی میدان میں عدل نہ ہونے کی وجہ سے ہماری حالت دنیا کے ۱۲۱ ممالک میں سے ۱۱۱ ویں نمبر پر ہے۔(۹۴)

استحکام پاکستان اور تعلیمی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بہترین رہنمائی حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے حاصل کرنا ہوگی(۹۵) جو کہ رہنمائے کارواں انسانیت، رحمۃ اللعالمین، عدم المثال سوشل ریفارمز، عظیم ترین معمار انسانیت، آفتاب درخشاں، مونس دل شکستگاں، ہادی اعظم، فخر عالم، مصلح اعظم، معلم اعظم، در نجف، ناشر حکمت اور عظیم ترین مدبر اور ماہر سیاست حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لیے آئیڈیل، عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے۔ آپؐ کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اسوہ حسنہ کی تقلید میں ہماری نجات ہے قرآن حکیم اعلان کر رہا ہے: ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا''(۹۶)

درپیش چیلنجز کا تدارک اسوۂ حسنہ کی روشنی میں:

رسول اللہؐ کی سیرت ہمارے لیے بہترین معیار ہے انفرادی زندگی گزارنے کا سوال ہو یا اجتماعی فلاح و ترقی کی منزلیں مقصود ہوں۔ ہمارے لیے رسول اللہؐ کی سیرت طیبہ کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہمیں امت مسلمہ کے موجودہ مسائل درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ کی روشنی میں کرنا ہوگا اور مندرجہ ذیل نکات پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔

۱- وسائل معیشت کی ترقی کے ذریعے اقتصادی پسماندگی کا خاتمہ کرنا ہوگا:

تیسری دنیا کے ممالک کا اہم مسئلہ اقتصادی پسماندگی ہے چونکہ یہ ممالک جن میں بدقسمتی سے ہمارا ملک بھی شامل ہے طویل عرصے تک سامراجی اقوام کے غلام رہے ہیں۔ جنہوں نے ان کی اقتصادی ترقی کی طرف توجہ دینے کے بجائے ان کے وسائل کو اپنی ترقی اور خوشحالی کے لیے استعمال کیا اس لیے ان ممالک کے معیشت کی بنیادیں نہایت کمزور ناتواں ہیں۔ اگر آزادی کے بعد بھی وہ اپنے وسائل پر انحصار کر کے ان کی ترقی کی طرف توجہ دیتیں تو آج وہ بھی ترقی یافتہ ممالک کی طرح ترقی کی منازل طے کر رہی ہوتیں۔(۹۷)

۲- زرعی ترقی کرنا ہوگی:

کسی ملک اور قوم کی خوشحالی کا دارومدار اس کی زرعی ترقی پر ہوتا ہے آپ ﷺ نے زراعت کو افضل ذریعہ معاش قرار دیا ہے اور اس کے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: اطلبوا الرزق من خبایا الارض (۹۸) رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو۔ خود آپ ﷺ نے مقام ''جرف'' میں کاشت فرمائی(۹۹) آپ ﷺ نے آلات زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو قوم کی ذلت و بدحالی قرار دیا(۱۰۰) کیونکہ اس سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے زراعت کی ترقی متاثر ہوگی اور معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔(۱۰۱)

۳- صنعتی ترقی کرنا ہوگی:

اقتصادی نظام میں صنعت وحرفت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسے پاکیزہ ذریع معاش قرار دیا ہے۔(۵۷) آپؐ نے اس شعبہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی ترغیبات دیں آج ہم اس شعبہ سے غافل ہو کر سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک کے حصول کے لیے غیروں کے محتاج ہیں۔(۱۰۲) جبکہ اس شعبہ میں ترقی کر کے ملکی پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ قومی آمدنی میں بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ دور حاضر میں دفاعی قوت کا دارومدار بھی صنعتی ترقی پر ہے اور اس میدان میں ترقی کر کے ہم اسلام کی سربلندی اور ملک کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے سکتے ہیں۔(۱۰۳)

۴- تعلیمی ترقی کرنا ہوگی:

معاشی اور سماجی ترقی میں تعلیم کا کردار بہت اہم ہے اور اسلام ''علم نافع'' کی تعلیم پر بہت زور دیتا ہے دنیا بھر میں جو اہم تحقیقی کام ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زرعی اور صنعتی ترقی کی محرک تعلیمی ترقی ہے اس کے لیے نصاب تعلیم کو اس معیار پر لانا ہوگا کہ وہ مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے مفید و معاون ہو سکے۔ تعلیمی انقلاب ہی کے ذریعہ معیشت معاشرہ اور ثقافت کو استحکام اور ترقی حاصل ہوسکتی ہے۔(۱۰۴)

۵- سادگی اور کفایت شعاری کی عادت اپنانا ہوگی:

خود انحصاری کی پالیسی اپنانے، اقتصادی محکومی سے بچنے اور ملکی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے

ہر سطح پر سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام اسراف اور تبذیر سے منع کرتا ہے اور فضول مال ضائع کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیتا ہے۔(۱۰۵) حضورﷺ اور خلفاء راشدین نے سادگی و خاکساری کی بہترین مثالیں قائم کی ہیں۔ خود کفالت اور خود انحصاری کے مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ سادہ طرز معیشت اختیار کرنے کے لیے عوامی اور سرکاری سطح پر تحریک چلائی جائے۔(۱۰۶)

۶- دفاعی استحکام حاصل کرنا ہوگا:

ملک کی سلامتی اور استحکام کے لیے جہاں داخلی انتظامات کی ضرورت ہوتی ہے وہاں بیرونی خطرات سے بچاؤ کے لیے بھی کچھ اقدامات کرنے پڑتے ہیں مثلاً جنگی تیاریوں، فوجی تربیت، اسلحہ اور ہتھیاروں کی تیاری اور ان کا حصول، دشمن کے مکروہ عزائم کو ناکام بنانے کے ساتھ ساتھ مضبوط ملکی دفاع جنگ سے بچنے کا بھی اہم ذریعہ ہے۔(۱۰۷) اس لیے قرآن حکیم میں جنگی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ **واعدو الھم ما استطعتم** (۱۰۸) اور دشمن سے بچاؤ اور حفاظتی اقدامات کی طرف اس آیت میں متوجہ کیا گیا ہے۔ **یاایھا الذین امنوا خذو احذرکم** (اے ایمان والو اپنا بچاؤ کرو) ان ہدایت کے ذریعہ مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے ہمیشہ چوکنا اور ہوشیار رہیں بلکہ حالت جنگ میں رہیں(۱۰۹) اس کے ساتھ ساتھ ہمیں جنگی تیاری اور طاقت کے حصول کے لیے ہمیشہ ترجیحی اقدامات اٹھانے ہوں گے۔ مخبری اور جاسوسی کا نظام بیدار رکھنا ہوگا۔ نوجوانوں کی لازمی جنگی تربیت اور دفاعی اخراجات میں کمی کرنا ہوگی۔ طاقت کا حصول جنگ سے بچنے کا بھی ذریعہ ہے اسے اپنانا ہوگا۔(۱۱۰)

حواشی وحوالہ جات

۱- نبی کریمؐ سلیم یزدانی/ ص:۱۵۶، مطبوعہ کراچی۔ ۲- القرآن سورۃ قلم آیت:۳۔ ۳- روزنامہ جنگ ۲۰۰۶-۹-۱۶، کراچی۔ ۴- نبی کریمؐ سلیم یزدانی ص:۱۵۶، مطبوعہ کراچی۔ ۵- روزنامہ جنگ ۲۰۰۶-۹-۱۹، کراچی۔ ۶- ششماہی علوم اسلامیہ انٹرنیشنل، ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، ص۲۰۴، مطبوعہ کراچی۔ ۷- فضائل اعمال، مولانا محمد زکریا، ص ۱۹۷، مطبوعہ لاہور۔ ۸- Rabbi A. Grohman. Neturei Karta. UK http:www.islamic-studies.org/terrorconfer.pro.htm (Middle East and Terrorism) ۹- سید معروف شاہ شیرازی، اسلام اور دہشت گردی، لاہور، ادارہ منشورات اسلامی، ۲۰۰۲ء، ص۱۷۵۔ ۱۰- کیرم آرم اشرانگ، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص۱۸۰۔ ۱۱- ڈاکٹر محمد فاروق خان اکیسویں صدی اور پاکستان، المورد (ادارہ علم وتحقیق) ناشر، لاہور، ۱۹۹۰ء۔ ۱۲- احمد سلیم، نیا عالمی نظام اور پاکستان مقالات مقالہ جوہر میر، لاہور، فکشن ہاؤس مزنگ روڈ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۔ ۱۳- جنگ سنڈے میگزین، ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ء ص:۶-۷۔ ۱۴- انوار ہاشمی/ این جی اوز اہداف ترجیحات و مقاصد/ لاہور، طیب پبلشرز اردو بازار، ص۱۰-۱۱۔ ۱۵- ماہنامہ ساحل، کراچی، ج ۱۳، ش۱۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، ص:۴۳ تا ۴۶۔ ۱۶- ماہنامہ الفاروق، کراچی، جمادی الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ/ ص۴۶-۴۷۔ ۱۷- اسرار علم، علم اسلام کی صورتحال، کراچی، ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۰، ص۶۷۔ ۱۸- ایضاً۔ ۱۹- ہفت روزہ تکبیر کراچی، جولائی ۱۹۹۸ء۔ ۲۰- نعیم صدیقی، محسن

انسانیتﷺ اسلامی پبلی کیشنز، لاہور۱۹۸۲ء۔ ۲۱- ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، رسول اکرمﷺ اور رواداری، فضلی سنز، کراچی مارچ ۱۹۸۸ء۔ ۲۲- ڈاکٹر
نصیر احمد ناصر پیغمبر اعظمﷺ و آخر، فیروز سنز، لاہور اشاعت اول۔ ۲۳- زین العابدین میرٹھی، پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام، نقوش رسول
نمبرﷺ، ج سوم، ص:۲۶۰۔۴۲۴- القرآن سورۃ البقرہ، آیت:۹۹۔ ۲۵- یوسف القرضاوی، شریعۃ الاسلام خلودھا وا جھا للتطبیق فی کل زمان و
مکان بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۹۸۹ء ص۵۲۔ ۲۶- محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، لاہور، کتب خانہ فیضی، ج ۳، ص:۵۸۵۔ ۲۷- محمد حسین
ہیکل اردو ترجمہ ابو یحیٰی امام خان، حیاۃ محمدﷺ لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۳ء، ص۲۸۔ ۲۸- القرآن، سورۃ البقرہ: آیت نمبر:۱۵۱۔ ۲۹-
مقالات سیرت ۲۰۰۳ء تقاریر، مفتی غلام الرحمٰن، پشاور ص:۲۱۔ ۳۰- وکیل انجم، سیاست کے فرعون، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء۔ ۳۱- منہاج (سہ
ماہی) اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۶ء مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ٹرسٹ سیل، لاہور۔ ۳۲- نقوش (رسولﷺ نمبر زیر ادارت محمد طفیل، جلد سوم،
ادارہ فروغ اردو، لاہور ۱۹۸۳ء۔ ۳۳- القرآن سورۃ النور آیت:۳۳۔ ۳۴- سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی نومبر
۱۹۷۹ء ص ۲۷-۲۸۔ ۳۵- اسلام کا نظام حکومت، ص ۳۸۶ مکتبہ الحسن لاہور۔ ۳۶- ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۱۱۲-۱۷۵ طبع
اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔ ۳۷- جدوجہد پاکستان، ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی ۱۹۹۰ء۔ ۳۸- ڈاکٹر حمید اللہ،
رسول اکرمﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی دارالاشاعت ۱۹۷۷ء ص:۲۲۸۔ ۳۹- عامہ کتب سیرت ابن ہشام ابن کثیر ابن سعد وغیرہ۔ ۴۰- سیرت
حلبیہ ج ۳، ص:۴۵۱-۴۵۲ طبع مصر۔ ۴۱- القرآن سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۰۔ ۴۲- بحوالہ اسلامی ریاست ص:۳۹۳۔ ۴۳- ماہنامہ ساحل، کراچی، ج
۱۳، ص ۱۰۔ ۴۴- ملاحظہ ہو انگریزی اخبار دی نیوز مورخہ ۳ رستمبر ۱۹۹۶ء۔ ۴۵- اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ڈاکٹر یوسف
القرضاوی، مترجم سلمان ندوی، لاہور، مکتبہ تعمیرات انسانیت، ص۹۔ ۴۶- بحوالہ جنگ، لاہور صفحہ اول یکم اپریل ۱۹۹۷ء۔ ۴۷- بحوالہ مسلم شریف
ج ۲، ۱۳۶، حدیث:۱۰۴۳۔ ۴۸- مسلم شریف، ج ۲، ۱۷۷۔ ۴۹- بخاری ۱: ۳۷۳، الزکوۃ باب ۵۰۔ ۵۰- سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی اسلام،
مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی نومبر ۱۹۷۹ء، ص ۲۷-۲۸۔ ۵۱- سنڈے میگزین اقتصادی رپورٹ، روزنامہ جنگ، کراچی ۲۰۰۳ء۔ ۵۲- قائداعظم محمد علی
جناح کی تقریر بطور گورنر جنرل پاکستان (انگریزی) ۱۹۴۳ء ص ۱۵۳-۱۷۴۔ ۵۳- اسلام کا نظام حکومت، ص ۳۸۶، مکتبہ الحسن لاہور۔ ۵۴- ڈاکٹر
حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۱۱۲-۱۷۵، طبع اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔ ۵۵- ایضاً۔ ۵۶- ابوداؤد، ترمذی۔ ۵۷- ماہنامہ ساحل، کراچی،
ج ۱۳، ص:۱۰۔ ۵۸- بخاری ۱۴۲۶-۴۔ ۵۹- نعیم صدیقی محسن انسانیتﷺ اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء۔ ۶۰- تفسیر ابن کثیر (عربی) ابو
الفداء عماد الدین ابن کثیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ۶۱- تفسیر مظہری (عربی) قاضی ثناء اللہ عثمانی مجلس اشاعت العلوم، حیدر آباد۔ ۶۲-
احسن البیان فی تفسیر (اردو) سید فضل الرحمٰن، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔ ۶۳- وکیل انجم، سیاست کے فرعون، فیروز سنز، لاہور ۱۹۹۲ء۔ ۶۴-
القرآن سورۃ النور آیت نمبر ۵۵۔ ۶۵- وکیل انجم، سیاست کے فرعون، فیروز سنز، لاہور ۱۹۹۲ء۔ ۶۶- ڈاکٹر محمد حمید اللہ خطبات بہاولپور، ادارہ
تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۵ء۔ ۶۷- ابن العابدین، درمختار، ج ۱ص:۵۱۲۔ ۶۸- ایضاً۔ ۶۹- ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص
۱۱۲-۱۱۷ طبع اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔ ۷۰- جعفری رئیس احمد، اسلامی جمہوریت، ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ۷۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی
اسلام مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی نومبر ۱۹۷۹ء ص:۴۲۔ ۷۲- ابن طقطقی، ''الفخری'' اردو ترجمہ، جعفر شاہ پھلواری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۱ء
ص ۳۸۔ ۷۳- وکیل انجم، سیاست کے فرعون، فیروز سنز، لاہور ۱۹۹۲ء۔ ۷۴- بخاری کتاب الاحکام، باب سمع و الطاعۃ للامام۔ ۷۵- سیوطی، تاریخ
الخلفاء نور محمد کتب خانہ، کراچی ص:۶۹۔ ۷۶- تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت (اردو) سید عزیز الرحمٰن، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔ ۷۷- القرآن
سورۃ الحجرات آیت:۱۳۔ ۷۸- ہادی اعظم (اردو) سید فضل الرحمٰن، دارالاشاعت، کراچی۔ ۷۹- سیرت النبیﷺ (اردو) شبلی نعمانی، سلیمان
ندویؒ دارالاشاعت، کراچی۔ ۸۰- تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت (اردو) سید عزیز الرحمٰن زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔ ۸۱- جعفری رئیس احمد،

اسلامی جمہوریت ثقافت اسلامیہ، لاہور۔ ۸۲- سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی اسلام مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی نومبر ۱۹۷۹ء ص:۲۴۔ ۸۳- روزنامہ جنگ، ۹/ اکتوبر ۲۰۰۶ء۔ ۸۴- دستور نبوی ﷺ مجموعہ الوثائق السیاسیہ وثیقہ نمبر نیز ابن ہشام، ج ۲ ص ۴۷، ۴۹، ۳۲۸۔ ۸۵- کتاب القضاء، باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ، ج ۲، ص ۱۴۸۔ ۸۶- بلاذری، النساب والاشراف ص ۵۳۰، ۵۳۱، ابن سعد، ج ۱ ص ۳۰۰، ۳۵۵، ۲۴۰، ۲۱۴۔ ۸۷- ایضاً۔ ۸۸- القرآن سورۃ الانفال آیت: ۲۰۔ ۸۹- السہیلی: الروض الانف مفصل ذکر تعلیم اہل الطائف المقریزی، امتاع الا مطبع التالف ۱۹۴۱ء، ص ۴۱۸۔ ۹۰- خطبات بہاولپور، ۲۴۲۔ ۹۱- التراتیب الاداریہ طبع رباط ج ۱، ص ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۶۱۔ ۹۲- اہم قبائل کے ساتھ معاہدات نبوی ﷺ ابن ہشام، ج ۲ ص ۳۱۸، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۷۱، ج ۲، ص ۱۰۸، ۱۲۔ ۹۳- Abdul Hameed Siddiqui. The Life of Muhammad. Islamic Publication Ltd. Lahore 1975 ۹۴- The News Lahore. September 3,1996 ۹۵- K.K Aziz. The Making of Pakistan. Islamic Book Service, Lahore 1986 ۹۶- القرآن سورۃ الاحزاب، آیت: ۲۸۔ ۹۷- مشکوٰۃ کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ج اول، ص: ۵۷۔ ۹۸- ایضاً ۹۹- القرآن سورۃ یونس آیت نمبر ۶۲-۶۳۔ ۱۰۰- Pakistan An Official Handbood (1995) Directorate General of Films & Publications. Ministry of Infomation & Broadcasting, Government of Pakistan, Islamabad, 1995. ۱۰۱- اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مترجم سلمان ندوی، لاہور مکتبہ تعمیرات انسانیت، ص ۹۔ ۱۰۲- جدوجہد پاکستان ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی ۱۹۹۰ء۔ ۱۰۳- ستار طاہر، ایک عالم ہے ثناء خواں آپ کا دوست پبلیکیشنز اسلام آباد ۱۹۹۵ء، بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ ۱۰۴- القرآن سورۃ الاحزاب: ۲۱۔ ۱۰۵- ابن کثیر البدایہ ج ۷، ص: ۳۵۔ ۱۰۶- سرخسی، المبسوط، مطبعہ السعادۃ مصر ۱۳۳۱، ج ۲۲، ص ۲۔ ۱۰۷- صحیح بخاری، ابوالحرث والمزارعۃ باب ما یحذر من عوقب الاشتغال بالۃ الزرع۔ ۱۰۸- ابو یوسف کتاب الخراج، المطبعۃ السلفیۃ قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ص ۲۴۔ ۱۰۹- مجموع الوثائق السیاسیۃ ص ۴۳-۴۵، ۷۳، ۱۳۷، ۱۶۵۔ ۱۱۰- مشکوٰۃ المصابیح بالکسب وطلب الحلال۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

سلطان محمود شاہین۔ اسلام آباد

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

عالم کون و مکاں کے اس کرہ ارضی پر مجبور ومظلوم انسانیت شرم ناک حد تک ظلم و جبر اور بربریت کا شکار ہے اور بتدریج عالم نزع کی حالت میں سسک سسک کر جان جانِ آفریں کے سپرد کر رہی ہے۔ بالخصوص مسلم امہ کی زوال پذیری خون کے آنسو رلاتی ہے۔ ان گنت مسائل کی ایک عمیق دلدل ہے جس میں قومِ رسول ہاشمی دھنستی ہی چلی جا رہی ہے اور اس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے مسائل کی اس دلدل سے آزاد ہونے کی چارہ گری کے ذرائع کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ ایک ایسی امت جو زمین پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے وجود میں لائی گئی تھی جس نے سیرۃ رسول ﷺ کی رہنمائی اور روشنی کے ذریعہ دنیا بھر کے انسانوں کو امن چین سکون فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت کی مستقل کامیابیوں اور کامرانیوں کی نوید بھی دینا تھی۔ اس امت نے قبل ازیں بھی اس روئے زمین پر اسلامی خلافت و امارت قائم کر کے دکھائی اور اسے بحسن وخوبی نبھایا۔ اس اُمت نے اپنی کوکھ سے سلطان محمود غزنوی، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کو جنم دیا آخر کیوں آج خود دنیا کے کونے کونے میں ذلیل و رسوا ہے۔ مسائل کے ایک بحر بے کراں میں غوطہ زن ہے لیکن باہر نکلنے کی صورتیں اور راستے معدوم ومفقود نظر آتے ہیں۔ اغیار اور عالمی استعمار نے اپنی شیطانی مکارانہ چالوں کے ذریعہ ظاہر کے ہر میدان میں امت کی قوت مدافعت کو ختم کر کے رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے تکمیل زیست کے ہر رخ پر مسائل کے بلند و بالا پہاڑ کھڑے ہو چکے ہیں۔ سیاست، معیشت، اقتصادیات، دفاع اور ان سب سے بڑھ کر علمی اور میدان میں فکر وشعور کی آزادی اور بیداری پر پنجۂ استبداد نے اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے اور مسلم امہ کی تمام میدانوں میں قوت پکڑنے کی راہیں مسدود کر دی گئی ہیں۔ حقائق بہت تلخ ہیں لیکن یہ سب کچھ ہماری اپنی وجہ سے ہے کیونکہ آج ہم اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق

حالات حاضرہ کے پیش نظر یوں تو امتِ مسلمہ کے مسائل بے شمار ہیں لیکن اس وقت عالمی سطح پر جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہے وہ ہے دہشت گردی اور انتہا پسندی کا۔ جسے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نہایت مکروہ اور شاطرانہ طریقوں سے چسپاں کر دیا گیا ہے۔ جبکہ درحقیقت دہشت گردی اور انتہا پندی کو ناانصافی کی بنیاد پر مسلمانوں پر منطبق کر دینے والی باطل قوتیں بذات خود اس میں ملوث بھی ہیں اور ان کی آڑ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ چونکہ ان مادی شیطانی طاقتوں کا مطمع نظر صرف کسی نہ کسی طرح دنیا کے اور بالخصوص مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کرنا ہے اس لیے وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے راستے میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو بے دردی اور سفاکی سے کچلتی چلی جا رہی ہیں۔ اس وقت دنیا کے بیشتر وسائل اور سرمائے پر ان کا قبضہ ہے، اور ان کے بل پر یہ اپنے باطل، ظالمانہ اور بے اصولی پر مبنی نظریات کو ساری دنیا پر نافذ کرنے کے درپے ہیں۔ اور انہیں درست ثابت کرنے کے لیے ہر حربہ روا رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ان اذیت ناک مراحل سے نکالے۔

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظر روز مکافات

امت مسلمہ کے دیگر مسائل میں ایک مسئلہ غربت کا ہے۔ دنیا کے اکثر مسلم ممالک میں روز مرہ زندگی میں غربت کی سطح انتہائی بلند تر ہے۔ جس کی وجہ سے ذہنی وفکری پسماندگی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ مطلوبہ خواندگی کا فقدان ہے۔ سیاسی نظام بھی تاحال ترقی یافتہ ہونے کی بجائے ترقی پذیر ہی ہے۔ عوام کو عدل و انصاف فراہم کرنے والے ادارے نحیف و نزار ہیں خوراک اور صحت کی سہولتوں کا فقدان ہے۔ قلت آب کا عفریت ہر سو منہ کھولے کھڑا نظر آ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے معیشت آگے پروان چڑھنے سے قاصر ہے۔ اگر چند بڑے بڑے شہروں میں یا چند بڑے بڑے لوگوں کے پاس یہ سہولتیں موجود ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہے۔ قوم کے باقی پچانوے فیصد طبقے کے پاس بنیادی ضروریات تک کا فقدان ہے۔ روٹی، کپڑا اور مکان کی عدم دستیابی کا یہ عالم ہے کہ کئی اسلامی ممالک کے بڑے بڑے شہروں یں فٹ پاتھوں پر اور پارکوں میں رات کے وقت ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسان جانوروں کی طرح پھٹے پرانے چیتھڑوں میں ملبوس گھاس پھوس کے اوپر سوئے ہوئے ملتے ہیں۔

انسان کے ارتقاء کی بلندیوں کو چھونے کے باوجود آج بھی انسانیت کی تذلیل، عزتوں کی پامالی، دوسروں کے مال و جائیداد پر غاصبانہ قبضہ، قتل و غارت گری، اغوا، ڈکیتی اور فتنہ و فساد اپنے عروج پر ہیں۔ ہماری ذہنی وفکری پسماندگی نے اخلاقیات کا اور قوتِ برداشت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے۔

قتل و غارت گری وظلم روا ہے سب کچھ
بستی کفر میں فرعون خدا ہو جیسے

خود کو تہذیب و تمدن اور علم و فضل کی دعویدار کہلانے والی کفریہ اور شیطانی طاقتیں آج ہی سے نہیں بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت سے مختلف ہتھکنڈوں اور شرمناک چالوں کے ذریعہ اسلام دشمنی پر مبنی انسانیت سوز حرکتیں کرتی چلی آ رہی ہیں۔ دور کی بات نہیں ماضی قریب کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں کہ انگریزی دورِ حکومت میں برصغیر کی تاریخ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ زندہ مسلمانوں کی سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑھاؤ میں ڈلوانا اپنی ماتحت رجمنٹ کے ذریعہ علی الاعلان مسلمانوں کے ساتھ اغلام کرنا، سڑکوں کے دونوں جانب دور دور تک درختوں پر مسلمانوں کی لاشوں کو لٹکانا، مساجد میں گھوڑوں اور خچروں کا باندھنا، وضو کے تالابوں میں گھوڑوں اور خچروں کی لید ڈالنا عبادت گاہوں میں دفتر قائم کرنا، ایک ایک دن میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام، یہ تو ظلم و ستم اور سفا کی کا ایک معمولی عکس ہیں ورنہ برصغیر کی انگریزی دور کی تاریخ ایسے بے شمار تکلیف دہ واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں بعض مظالم تو ایسے شرمناک اور کرب ناک ہیں جو ایک غیرت مند اور عقل و شعور رکھنے والا شخص لکھنے یا بیان کرنے کی تاب بھی نہیں رکھتا۔ کیا کبھی مسلمانوں نے اپنے زیر حکومت یا مفتوحہ غیر مسلم لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا؟ کیا مسلمانوں نے اقلیتوں پر اپنی حکومتوں میں غیر منصفانہ طور پر ظلم روا رکھا؟

آج کے دور میں زمین کی پشت پر مسلمانوں کے ساتھ جو بربریت اور سفا کی برتی جا رہی ہے اس پر غیر جانبدار عالمی ضمیر تک چیخ رہا ہے لیکن شیطانی اور کفریہ طاقتیں اپنے ظالمانہ کرتوتوں پر نہ صرف اندھی، بہری بنی ہوئی ہیں بلکہ روز بروز اپنی خبیث اور مکارانہ چالبازیوں کے ذریعہ ستم گری کے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں کتنی مسلم ریاستیں ہیں جن کے جسم سے کئی سالوں سے خون رس رہا ہے لیکن خود کو دنیا کا ٹھیکیدار سمجھنے والی قوتیں ان کا پر امن، جائز اور منصفانہ حل تلاش کرنے کی بجائے اپنے گھٹیا پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایکا کر کے مضحکہ خیز انداز میں ان کو مزید زخمی کرتی چلی جا رہی ہیں۔ دنیا میں صرف مسلمان اور کمزور پر ہی یہ ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ فلسطین میں کیا ہو رہا ہے عراق چیچنیا، کشمیر، افغانستان کے معصوم بچوں، بوڑھے اور ضعیف مردوں اور عورتوں کا آخر کیا جرم ہے جنہیں نہایت بے دردی کے ساتھ آگ اور بارود میں جھونکا جا رہا ہے۔ آئے روز انہیں کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل دیا جاتا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا۔ آخر اس سب کے پیچھے کون ہے؟ کیا دنیا بھر کی دہشت گردی اور بدامنی کے صرف مسلمان اور کمزور لوگ ہی ذمہ دار ہیں جن کے پاس نہ فوجیں ہیں نہ ایٹم بم ہیں نہ وسائل ہیں اور نہ ہی اسلحہ کے انبار ہیں۔ کیا بے دست و پا ہونا ہی ان کا جرم ہے ذرا سوچیئے غور کیجیے۔ روزانہ چھوٹے بڑے کتنے جرائم ہو رہے ہیں اب تو کرۂ ارض بھی چیخ چیخ کر تھک چکی ہے لیکن انسان ہے کہ اپنی درندہ صفات میں بڑھتا چلا جا رہا ہے آئے روز ظلم و بربریت و ناانصافی اور محرومی کے ہزاروں واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں بھی ان کا بہت ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے بڑے بڑے دانش ور اور قلم کار ان مسائل پر تقریریں کرتے رہتے ہیں اور لکھنے والے لکھتے رہتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے جیسے متعلقہ ارباب اختیار میں سے نہ کوئی انہیں سنتا

ہے اور نہ کوئی پڑھتا ہے اگر کوئی پڑھ سن بھی لے تو اپنی ذاتی بھاگ دوڑ، خود غرضی اور حرص و ہوس سے کسی کو اتنی فرصت ہی نصیب نہیں کہ وہ کسی دوسرے مظلوم، بے بس اور مصیبت زدہ کے مسائل کی طرف توجہ دے سکے اور اس کی دادرسی و دلجوئی کے لیے اپنی قومی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اپنے اعلیٰ ظرف ہونے کا ثبوت دے۔

مسلم امہ کے موجودہ مذکورہ مسائل اب ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ایسے میں ان مسائل کو سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں حل کرتے ہوئے ایک ایسے اسلامی فلاحی معاشرے کی تخلیق و تعمیر ناگزیر ہو چکی ہے جس میں نہ صرف یہ کہ ہر شخص کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو بلکہ ہر شخص اپنے طور پر دوسرے کی جان، مال اور عزت و آبرو کا محافظ ہو۔ ہر شخص کو اپنی تعمیری اور فکری صلاحیتیں اجاگر کرنے کے مواقع بہ سہولت میسر ہوں۔ ایک ایسا ضابطۂ حیات وجود میں لایا جائے جس میں ملک کا کوئی باشندہ کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچا سکے۔ ایک ایسی اسلامی یاست کی تشکیل جس میں مسلمان اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضرت محمد ﷺ کی سیرۃ طیبہ کی روشنی میں اپنے تمام مسائل کو حل کر سکیں۔ ہر شخص کی بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، لباس اور سر چھپانے کی جگہ اس کی دہلیز پر میسر ہوں۔ ہر ایک کے لیے حصول انصاف نہایت ہی آسان ہو ہر شخص کو بلا امتیاز صحت کی سہولتیں برابر حاصل ہوں۔ بے روزگاری اور ناخواندگی کا خاتمہ ہو۔ ہر شخص کو اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہو۔ ہر شخص اسلامی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے امن و امان کی زندگی بسر کر سکے۔

مسلم امہ کے موجودہ مسائل کا حل:

مسلم امہ کو درپیش تمام مسائل کا حل اور چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے رہنمائی حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔ آج دنیا میں مسلمان انتہائی ذلت و خواری، افلاس و ناداری کی حالت میں ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ہم سب کو سانپ سونگھ گیا ہے اور ہمارے اوپر ایک عالم نزع کی کیفیت ہے۔ جبکہ ہم اپنی گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عزت و عظمت، شان و شوکت، دبدبے اور جاہ و حشم کے تنہا مالک تھے اور آج ہم میں نہ وہ شان و شوکت ہے نہ ہی باہمی اخوت و محبت نظر آتی ہے۔ ہماری عادات، اخلاق اور اعمال سب خراب ہو چکے ہیں۔ ہر نیک کام سے بھاگتے ہیں۔ ہر برائی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ ہماری زندگیاں اپنے عظیم الشان پیغمبر کی سیرت سے ہٹ کر غیروں کے طور طریقوں میں ڈھل چکی ہیں ہماری تہذیب ثقافت، زبان، لباس، اٹھنا بیٹھنا سب عالم کفر کی ظاہری چکا چوند پر مرمٹ چکے ہیں اور کھلے عام اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں ایک جہان کو تہذیب و تمدن سکھانے والی قوم آج خود اپنے پیارے نبی ﷺ کی شریعت اور سیرت کو ناقابل عمل سمجھتی ہے اور آج خود اپنی تہذیب و تمدن سے عاری ہو چکی ہے۔ آنے والا وقت پہلے سے زیادہ تنگ و تاریک اور دشوار گذار زندگیوں کی گھنٹیاں بجا رہا ہے۔

عالم اسلام کی اس بے بسی و لاچارگی اور آنے والے خطرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے پہلے اصل مرض کی تشخیص کریں اور پھر ان اسباب وعلل کا علاج کریں جو ہمارے زوال اور پستی کا سبب بن گئے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کی تمام زندگی قرآن کریم کا نمونہ ہے، مسلمانوں کی

موجودہ زبوں حالی اور ذلت و رسوائی کی اصل وجہ ان کا اپنے ایمان اور عمل پر پورے طور پر قائم نہ رہنا ہے ورنہ اللہ جل شانہ کا سچا وعدہ ہے کہ کرۂ ارض کی خلافت و امارت مومنوں کے لیے ہی ہے اگر آج ہمیں یہ حاصل نہیں ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ہم ایمان کے مطلوبہ معیار اور سطح پر قائم نہیں رہے جس کی وجہ سے خلافت و امارت ہم سے چھن گئی۔ ورنہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (نور ع ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں سے وعدہ ہے جو تم میں سے ایمان لاوے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔

چونکہ ایمان والوں کی مدد کرنا اور انہیں فتح سے ہمکنار کرنا خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اس لیے ارشاد فرمایا

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم ع 5)

ترجمہ: اور لازم ہے ہم پر ایمان والوں کی مدد کرنا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منفقون 1)

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔

ان آیات کی روشنی میں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عزت وعظمت، کامیابی سر بلندی اور برتری ایمان والوں سے منسلک ہے۔ ہمارے اسلاف عزت و سرفرازی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچے ہوئے تھے جبکہ ہم انتہائی ذلت وخواری، ناکامی و نامرادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ہم آج بھی وہ شان وشوکت، عزت و سربلندی حاصل کر سکتے ہیں اگر ہمارا ایمانی تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے مستحکم ہو جائے جو ایمان کا مطلوب ومقصود ہے۔ ہم نے اپنے ایمان میں کمزوری پیدا کر لی ہے۔ ہم تارک قرآن ہو گئے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد ہم پر سے ہٹ گئی۔ یہی اصل سبب ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

سيأتي على الناس زمان لا يبقى من الاسلام الا اسمه ولا من القرآن الا رسمه (مشکوۃ)

ترجمہ: قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔

پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس دنیا میں آرام وسکون، عزت وآبرو، کامیابی و کامرانی کی زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دین و ایمان پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

واعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران)

ترجمہ: تم سب اللہ کی رسی (دین) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ٹکڑے ٹکڑے مت ہو۔

لیکن ہمیں ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہم پھر سے اپنے اسلاف کی میراث حاصل کر سکتے ہیں پھر سے خلافت و امارت کے مستحق ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پھر سے زمین کی حکمرانی اور سلطنت ہمارے حوالے کر دے گا اگر ہم اس کے فرمان پر مکمل طور پر عمل کر لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا. (نور ع7)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں ان کو روئے زمین پر خلافت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے اس سے ان کو قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد امن سے بدل دے گا بشرطیکہ میری بندگی کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

آخر میں ایک شعر پر بات ختم کرتا ہوں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین، برحمتک یا ارحم الرحمین۔

☆○☆○☆○☆

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

سید عابد میر قادر عابدی سلطانی برہانپوری - کراچی

آج یوم میلاد النبی ﷺ کے پُرمسرت اور عظیم دن کی مناسبت سے یہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس وقت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ وفاقی وزارت مذہبی امور، حج و اوقاف حکومت پاکستان کے تمام افسران و اہلکاران مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے آج ایک ایسے موضوع پر مقالہ نگاری کی دعوت دی جو کہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور ملت اسلامیہ کے لیے اس کی سفارشات لائحہ عمل کی حیثیت کی حامل ہوں گی۔ جسے ہم مستقبل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا پیش خیمہ بھی قرار دے سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے یوم ولادت پر منعقدہ اس اجتماع کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کے اہم اور مفید نکات پر امت مسلمہ کو گامزن ہو کر اپنے شاندار ماضی کی روایات کو زندہ کرنے اور دنیا میں امن و سلامتی کے پیغام کو عام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور مسلمانان عالم کو پھر سے اُن کا کھویا ہوا مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ کو آج کن مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے؟ اس کے بعد ہی ان کے تدارک کے لیے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں تجاویز مرتب ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر اور نگران ہو۔ نیز رحمت مصطفیٰ ﷺ ہمارے شامل حال ہو۔ آمین۔

مسائل اور چیلنجز تو بہت سے ہیں مگر چند اہم یہ ہیں۔

۱- مایوسی اور راستوں کا بند ہونے کا گمان، ۲- معیشت، ۳- غربت و افلاس، ۴- صحت، ۵- تعلیم اور ۶- جدید ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال

یہ ہیں وہ چند مسائل اور چیلنجز جن سے آج امت مسلمہ دو چار ہے اور مغرب پیر تسمہ پا بن کر امت مسلمہ کے کندھوں پر سوار اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اسے اپنے تابع مہمل کی طرح استعمال کر رہا ہے۔

آج کے اس مقدس اور متبرک دن ہمیں ان مسائل کے حل کے لیے رحمت کون و مکان فخر انس و جاں محبوب رب دو جہاں ﷺ کے در اقدس سے اکتساب فیض کرنا ہے کہ یہ نبی ﷺ وہی تو اعظم و اکرم ہستی ہیں جو نجات دہندہ کائنات ہیں آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی تو دائمی رہنمائی کا سرچشمہ ہے کاش اس منبع نور و ہدایت سے استفادہ کرتے ہوئے امت مسلمہ پھر ایک بار بام عروج پر پہنچ سکے اور اپنے وقار گم گشتہ کو دوبارہ پا سکے۔ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ تو بہت پہلے یہ نوید دے چکے ہیں۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو پلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

یہی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر ایک اور پیغام دیتے ہیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آج ہم امت مسلمہ کے لیے فلاح و بہبود اور ترقی کی راہیں تلاش کریں۔ مقصود فطرت و منشائے ربانی کی تکمیل کے لیے اپنا کردار ادا کر کے خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہو سکیں

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

آیئے اور دور حاضر میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کے جائزہ کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کی روشنی میں ان کے تدارک بھی تلاش کریں۔

۱- مایوسی اور بند راستوں کا گمان:

آج اقوام عالم میں سب سے زیادہ مایوس اور تباہ حال اگر کوئی قوم ہے تو وہ امت مسلمہ ہے۔ اسلامی ممالک ہوں یا مغربی ممالک۔ ہر جگہ مسلمان سخت حالات سے دوچار ہیں۔ ان کا عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنی بقا اور تحفظ کے لیے ہر وقت فکر مند ہیں دنیا بھر میں مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد کہا جا رہا ہے اور اگر کہیں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو بلا تحقیق سب سے پہلے مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور یہاں سے مصائب و آلام کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خود ممالکِ اسلامیہ کا یہ حال ہے کہ آئے دن ان پر بھی کسی نہ کسی دہشت گردی یا امن و امان کے حوالے سے عذاب نازل کیا جاتا رہتا ہے اور اہم مذہبی شخصیات و اداروں پر تمام نزلہ گرا دیا جاتا ہے۔ اور پورے ملک پر وہ قیامت توڑی جاتی ہے کہ الامان والحفیظ۔

بوسنیا چیچنیا، افغانستان، عراق، فلسطین اور لبنان اس بات کے گواہ ہیں بلکہ اب تو ایران اور شام کو بھی انہی حالات سے دوچار کر دینے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ پاکستان کو پتھر کے زمانے میں واپس دیے جانے کی بات تو ابھی کل کی بات ہے۔ مختصر یہ کہ امت مسلمہ ہر لحاظ سے اس قدر کمزور کر دی گئی ہے کہ سر اٹھا کر باعزت قوم کی طرح زندگی گذارنا تو دور کی بات ہے اس طرح سوچنا بھی ممکن نہ رہا۔ اور امت مسلمہ کو یوں گمان ہو رہا ہے کہ زندگی کے راستے بند ہو چکے اور مایوسی کے اندھیرے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔

حل:

ان حالات میں اسوۂ رسول اکرم ﷺ کا مکی دور بڑی مماثلت رکھتا ہے۔ مشرکین مکہ کسی بھی مسلمان کو اچھا نہ جانتے تھے۔ بلکہ انہیں نئے فتنے کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ ان کی شخصی حیثیت وعزت کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ان کے آقا و مولا کو جادوگر، شاعر اور نہ جانے کیا کیا نام دیے جاتے۔ بازاروں میں یا میلوں ٹھیلوں میں اگر رسول

اکرمﷺ تبلیغ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے تو مشرکین مکہ شور مچاتے، سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پھٹکارتے ہوئے تبلیغ کے کام میں رخنہ ڈالتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو صحابہ کرامؓ اپنے اوپر ہونے والے مظالم پہ بدلہ لیتے ہیں نہ ہی رسول اکرمﷺ مشرکین سے کسی طرح کی باز پرس کرتے یا ان سے لڑتے بلکہ صرف اللہ سے دعا کرتے کہ یا اللہ یہ مجھے نہیں پہچانتے ہیں تو ان کو معاف فرما دے اور ہدایت دے۔

کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے ہجرت کی اجازت لی اور حبشہ کو اپنا دوسرا گھر بنا لیا۔ اور تیرہ سالہ سخت حالات کے بعد حکم الٰہی آ گیا اور نبی اکرمﷺ کو ہجرت کا حکم ملا اور آپﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔(۵) یہاں پہنچتے ہی آپﷺ نے حکمت عملی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے مقامی قبائل سے معاہدہ فرما کر پرامن فضا کے لیے ماحول کو سازگار فرمایا اور اتحاد و امن کی فضا قائم فرمائی۔ لیکن مشرکین مکہ نے یہاں بھی آپﷺ کو چین نہ لینے دیا اور ۲ھ میں زبردست لشکر جرار کے ساتھ حملہ آور ہو گئے۔ گو مسلمان ابھی اس کے لیے تیار نہ تھے مگر نبی اکرمﷺ نے جب حالات کے تناظر میں مشورہ فرمایا تو مسلمان بجان و دل دشمن سے ٹکرانے اور ایمان و عقیدے کی شہادت کے لیے آمادہ ہو گئے اور بے سروسامانی کے باوجود میدان جہاد میں آ گئے صرف اللہ کے وعدے پر یقین کرتے ہوئے کہ

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

یعنی تم ہی غالب رہو گے اگر ایمان پر قائم رہو

اس غزوہ (بدر) میں تو تین سو دس صحابہ کرام دو کمسن بچے اور خود نبی اکرمﷺ شامل تھے۔ ستر اونٹ دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں کل اسلحہ ان کے پاس تھا جبکہ ابوجہل ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر آیا تھا لیکن ایمان کی قوت اور عقیدے کی پختگی نے مجاہدین کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اس موقع پر نبی اکرمﷺ نے ملتِ اسلامیہ کو اتحاد و یکجہتی اور ایثار و نظم و ضبط کے اعلیٰ اصولوں سے آراستہ فرما کر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیا عزم و حوصلہ ان کا رہنما ہوا اور وہ اپنے سے تین گنا بھاری لشکر پر غالب آ ئے۔

آج کے حالات میں ہمیں اسی ضابطہ اور کردار کو اپنانے کی ضرورت ہے ممالک اسلامیہ باہم یکجہتی اور اتحاد کو مضبوط بنائیں ایک دوسرے کی ہر طرح سے مدد کر کے ملت اسلامیہ کے لیے ایسا کردار ادا کریں کہ دنیا مسلمانوں کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنا بھول جائے۔ میں یہاں ایک حدیث نبویﷺ یاد دلانا چاہوں گا۔

آپﷺ نے فرمایا: ''تمام مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس تکلیف سے بے قرار رہتا ہے''

ہمیں فقہی مسائل میں اختلافات اور فرقہ وارانہ جھگڑوں سے ہٹ کر باہمی اتحاد و یکجہتی کو فروغ دینا ہوگا، صوبائیت اور لسانیات نیز رنگ و خون کے تعصبات سے آزاد ہو کر ملت واحدہ کے اس تصور کو اجاگر کرنا ہوگا جو نبی اکرمﷺ نے مدینہ طیبہ میں مہاجر و انصار کے درمیان مواخات کے ذریعہ قائم فرمایا اور تمام مسلمان ایک گلدستہ کی مانند ہو گئے۔

نیز ہمیں اپنی کردار سازی پر بھی توجہ دینی ہوگی اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعے غیر مسلموں کو یہ باور کرانا ہوگا کہ

مسلمان نہ تو شدت پسند ہیں نہ ہی دہشت گرد بلکہ وہ تو سلامتی اور بھلائی کے پیغام کو عام کرنے والے ہیں ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جانے والے ہیں۔

۲۔معیشت:

اس وقت دنیا میں معیشت سودی نظام کے زیر اثر ہے۔ بھاری ٹیکسوں کے خوف سے سرمایا چھپایا جاتا ہے اور ٹیکس چوری عام ہو رہی ہے جو ملکی معیشت کی تباہی کا سبب ہے۔ عالمی سطح پر تین بڑے معاشی نظام عروج پر ہیں۔

الف۔ اشتراکی نظام معیشت

ب۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت

ج۔ اسلامی نظام معیشت

اشتراکیت میں ذاتی ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہے ذاتی کاروبار کی ممانعت ہوتی ہے اور تمام فیصلوں کا اختیار اور انحصار حکومت کو ہوتا ہے۔ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں خدا اور مذہب کا کوئی تصور نہیں ہوتا بلکہ کارل مارکس ہی ان کا منبع و مرکز ہے یہ ظلم اجتماعی کی بدترین مثال ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ذاتی جائیداد کا تصور رکھتا ہے اور مزدور سرماہ دار کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ اس نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سود پر مبنی ہے۔ اور سود ہر زمانے میں افراد سے لے کر اقوام تک کی تباہی کا موجب رہا ہے۔

غرضیکہ یہ دونوں نظام ہائے معیشت افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں اب صرف اسلامی نظام معیشت ہے جسے فطری اور مبنی بر عدل کہہ سکتے ہیں اس کی بنیاد قرآن مجید اور سنت مصطفوی ﷺ ہے۔ اس نظام میں معاشیات مذہب اور اخلاق باہم مربوط ہیں۔ اس حوالے سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اسلام ہمیں دو باتوں کی تعلیم دیتا نظر آتا ہے۔ ایک خود انحصاری کی اور دوسری سادگی کی۔ ان دونوں باتوں کے بغیر معاشی استحکام ناممکن ہے۔ مولانا حامد الانصاری نے واضح طور پر اس حوالے سے بتایا ہے کہ معاشی مسئلہ انسانی فطرت کا قطعی مطالبہ اور اس کی تکمیل ایک خدائی فرض ہے۔ حکومت کا کام ہے کہ وہ جمہور کو ان کے حق کے مطابق کھانے پینے اور صاف ستھری زندگی کی سہولت دے(٦)

قرآن مجید سے اس ضمن میں چار باتیں ملتی ہیں۔

''زمین معاشی پیداوار کا مخزن ہے''(٧)

''دن معاشی دوڑ دھوپ کے لیے ہے''(٨)

''معاشی پیداوار کا ارتکاز نہ ہو، سب کو ملے''(٩)

''خوشحالی میں خدا کو یاد رکھے ورنہ معاش کا دائرہ تنگ ہو جاوے گا''(١٠)

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا''

جب بندہ اپنے بھائی کی خدمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے''(١١)

اسی طرح جو اپنے بھائی کے مسائل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مسائل حل کرتا ہے'' (١٢)

ارشاد نبویﷺ ہے ''جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے ساری عمر اللہ کی خدمت کرتا ہے۔''(۱۳) آج مسلم امہ کے معاشی مسائل کا حل ان مندرجہ بالا اصولوں میں مضمر ہے۔ کاش! ہم اپنے آقا و مولاﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

۳۔ غربت و افلاس:

مسلم امہ کے افراد غربت و افلاس کا زیادہ شکار ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے محنت کی عظمت کو بھلا دیا اور عیش پسند ہو گئے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ نبی اکرمﷺ تو محنت کی عظمت کو قابل عزت فرمائیں اور ایک صحابی کی تنگدستی کے لیے ڈھال یا زرہ کو فروخت کر کے کلہاڑی اس کا دستہ اور رسی خرید کر لانے کا حکم دیتے ہیں اور پھر اپنے ہاتھ سے کلہاڑی میں دستہ ٹھونک کر حکم فرماتے ہیں کہ جاؤ اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور فروخت کر کے اپنے حالات سنوارو'' یہ محنت اور خودداری و بہتر معاشی حالت کے لیے وہ اسوۂ حسنہ ہے جو رہتی دنیا تک رہنما رہے گا۔

آج ہم محنت سے جی چراتے ہیں آیئے اور محنت کے جذبہ کو بیدار کریں اور اپنے غریب بھائیوں کے دلوں میں رزق حلال کی اہمیت کو جاگزیں کر کے غربت و افلاس کے خاتمے کے لیے راستے فراہم کریں۔

۴۔ صحت:

غربت، مہنگائی اور جہالت سب معاشی ناہمواری کے شاخسانے ہیں اور خصوصاً مسلم ممالک ان تمام خرابیوں کے مسکن ہیں۔ مسلم معاشرہ ان حالات کے نتیجہ میں ایک محرومی کا شکار ہے اور وہ ہے ''صحت''۔ یہ مسئلہ اس وجہ سے زیادہ خراب ہے کہ کئی عوامل اس میں کارفرما ہیں۔ اور وہ ہیں خوراک، پانی اور ماحول غرضیکہ ہر لحاظ سے صحت کے منفی حالات درپیش ہیں اور یوں امت مسلمہ کو یہ بھی ایک بڑا چیلنج درپیش ہے۔ ہمیں اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسوۂ نبویﷺ پر ہی اپنی توجہ مرکوز کرنی ہو گی۔

اسلام نے طہارت کو نصف ایمان کہا ہے(۱۴) یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ تعلیمات نبویہﷺ دراصل حکمت کے موتی ہیں جو کہ ساڑھے چودہ سو سال سے دنیا کو اپنی اہمیت کا احساس دلا رہے ہیں اور جنہوں نے ان موتیوں کو رولا ہے وہ لوگ ہی کامیاب رہے ہیں۔

اسلام نے وضو کا جو طریقہ بتایا ہے اس میں بے شمار طبی فوائد مضمر ہیں ناک میں پانی دینا، گردن کا مسح کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا یہ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو آج کی سائنسی تحقیق سے بہت سی بیماریوں کے تدارک کا یا ان سے دفاع کا بہترین ذریعہ ہیں(۱۵) بیٹھ کر پانی پینا، سیدھے ہاتھ سے پانی کے برتن کو پکڑنا اور تین گھونٹ میں (ٹھہر ٹھہر کر) پانی پینے کے فوائد آج کی طبی تحقیق بتا رہی ہے۔ اسی طرح بیٹھ کر کھانا کھانا، سیدھے ہاتھ سے کھانا کھانا، کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ دھونا، پہلے دھوے ہوئے ہاتھوں کو تولیے سے خشک نہ کرنا اور بعد میں دھوے ہوئے ہاتھوں کو پونچھنا وغیرہ احکامات نبویﷺ میں کیا حکمتیں ہیں یہ آج کی طبی تحقیقات بتا رہیں ہیں(۱۶)

کھانا کھانے کے لیے نشست کا انداز حدیث مبارکہ کی روشنی میں بتایا گیا ہے اس کے طبی فوائد آج کی طبی تحقیقات کی روشنی میں سامنے آ رہے ہیں۔ یہ وہ جواہر پارے ہیں جو احادیث نبویﷺ کی صورت میں ہمارا سرمایہ افتخار ہیں۔ جن سے استفادہ کر کے ہم اپنی صحت کے بگاڑ کا تدارک کر سکتے ہیں(۱۷) نیز کھانے پینے اور استعمال ہونے والی غذاؤں، اجناس اور پھلوں، سبزیوں وغیرہ میں جو طبی فوائد مضمر ہیں ان کے بارے میں بھی مخبر صادقﷺ نے جو ہدایات دی ہیں وہ بھی ہمارے نظام صحت کے لیے بہترین ہدایتیں ہیں جن سے ہم اپنی صحت کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ ورزش اور مردانہ محنت کی طرف بھی ہمیں توجہ دینی ہوگی۔

۵-تعلیم سے دوری:

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے حصول علم ہر مرد وعورت پر فرض قرار دیا ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ امت مسلمہ ہی آج جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ تمام اسلامی ممالک مل کر بھی سال بھر میں اتنے عالم اور ماہرین پیدا نہیں کر پائے جتنے کہ کوئی بھی ایک مغربی ملک تیار کر لیتا ہے۔ اس کا اندازہ نوبل انعام کی نامزدگیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ جس میں دور دور تک کسی مسلم مفکر یا ماہر علم کا نام نظر نہیں آتا جبکہ بعض بعض شعبوں میں دو یا دو سے زائد غیر مسلم ماہرین کی نامزدگیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مسلم ممالک میں غربت بے روزگاری، معاشی حالات، قدرتی آفات، دہشت گردی اور دیگر وجوہات سے شعبہ تعلیم غیر فعال رہا ہے۔ اور ہوتا جا رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں ان رکاوٹوں کو دور کرنا ہوگا۔

عہد رسالت مآبﷺ میں بھی مسلمانوں کی تعلیمی حالت کچھ بہتر نہ تھی لہٰذا جب ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد اسیران جنگ کو فدیہ لے کر آزاد کرنا طے پایا تو نبی اکرمﷺ نے اس میں یہ بھی رعایت فرمادی کہ جو پڑھے لکھے قیدی ہیں وہ دس دس مسلمان نوجوانوں کو لکھنا سکھا دیں یہی ان کا فدیہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے مسلمان خواندہ ہو گئے۔(۱۸)

پڑھے لکھے صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے آقاﷺ کی پیروی میں اسی طرح دیگر مساجد میں درسگاہیں قائم کر دیں جس طرح کہ مسجد نبویﷺ میں حضور اکرمﷺ نے صفہ بنا کر یہاں رہنے والے صحابہ کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ نفس کا سلسلہ جاری فرمایا تھا۔(۱۹) یہ تین مساجد تھیں جو کہ مدینہ منورہ میں ہی واقع تھیں۔ بعد میں باہمت صحابہ کرامؓ نے فروغ علم کی طرف اپنی تمام توجہات مبذول کر دیں تو صرف مدینہ منورہ میں نوے درسگاہیں قائم ہو گئیں۔(۲۰) خود نبی اکرمﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

بعثت لاتمم مكارم الاخلاق

یعنی میں مکارم اخلاق کی تکمیل کیلیے مبعوث کیا گیا ہوں۔(۲۱)

ایک اور موقع پر آپﷺ نے فرمایا علماء میرے وارث ہیں۔(۲۲) آپﷺ اکثر یہ قرآنی دعا پڑھتے تھے رب زدنی علما (اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما) آمین (۲۳) نبی اکرمﷺ نے صحابہ کرامؓ کومختلف علاقوں کی زبانیں سیکھنے کے لیے روانہ فرمایا تاکہ وہاں تبلیغ اسلام کے لیے آسانی ہو۔ ان صحابہ کرامؓ نے غیر زبانیں بھی سیکھیں اور بہت سے

علوم بھی سیکھے ایک حدیث یہ بھی مشہور ہے:

اطلبوا العلم ولو کان بالصین

یعنی علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے۔

اس حدیث میں دور دراز مقامات پر پہنچ کر حصول علم کی ترغیب دی گئی ہے۔لیکن قدامت پرستوں نے اس حدیث کو بھی متنازعہ بنا دیا بلکہ دائرہ احادیث سے بھی خارج کر دیا۔ جبکہ ہم آج دیکھ سکتے ہیں کہ چین کے صوبہ سنکیا نگ میں ایک صحابیؓ کا مزار بھی ہے اور ان کے نام سے منسوب ایک مسجد بھی ہے جو گذشتہ چودہ سو سال سے وہاں مسلمانوں کی عبادت کا مرکز ہے۔

ہمیں تعلیم کو عام کرنا ہو گا۔قرآن پاک صرف نمازوں میں یا فاتحہ خوانی کے لیے ہی نہیں بلکہ اس کی تفسیریں پڑھ کر پڑھا کر علومِ قرآنی کو عام کرنا ہو گا جو کہ تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ اور مذہب وتہذیب کے ساتھ نت نئی معلومات کی بھی ترغیب دیتا ہے اور کائنات میں غوروفکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ اسی ضمن میں سائنسی وتکنیکی علوم کو بھی عام کرنے کی جانب ہمیں پیشرفت کرنی ہو گی۔

٦- جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال:

بنی نوع انسانی کو گمراہی اور شرک سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانا تبلیغ ہے۔ اور اس کے لیے جو ذرائع بھی استعمال میں آئیں وہ ذرائع ابلاغ کہلائیں گے ابتدائی عہد اسلام میں پہاڑ پر چڑھ کر، یا میلوں ٹھیلوں میں اور بازاروں میں جمع ہو جانے والے لوگوں تک پیغامِ حق پہنچانا عام تھا۔ پھر منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع ہوا تو منبر بھی ذرائع ابلاغ میں شمار ہونے لگا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ترکوک قائمہ۔ اور وہ تمہیں (منبر پر) کھڑا ہوا چھوڑ گئے (٢٤)

تبلیغ کے لیے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی حکم فرمایا کہ

بلغوا عنی ولو آیه

یعنی مجھ سے جو چھوٹی سے چھوٹی بات بھی سنو اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ (٢٥)

آج مغرب میں اسلام کے خلاف جھوٹے الزامات پر مبنی نشریات کا سلسلہ جاری ہے مسلمانوں کو دہشت گرد، بنیاد پرست، فرقہ پرست اور نہ جانے کن کن الزامات سے نوازا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تعزیرات وحدود پر بے جا مخالفانہ بلکہ معاندانہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کو بگاڑا جا رہا ہے۔

ان تمام غلط اور منفی ابلاغیات کا مسکت اور ٹھوس تردیدی جواب امتِ مسلمہ کی طرف سے دیا جانا چاہیے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے تمام ذرائع ابلاغ محض دھوکہ ہیں ان کا استعمال ہمارے امکان میں نہیں اس کے لیے بھی یورپ و امریکہ سے تربیت یافتہ ماہرین آتے ہیں جن کے ذہنوں میں پہلا سبق یہی ٹھونسا جاتا ہے کہ مسلمان سب کچھ ہو جائیں بس مسلمان نہ رہیں ایسا کام ہونا چاہیے۔ لہٰذا آج اسلامی ممالک کے ریڈیو ٹی وی اسی مشن پر لگے ہوئے ہیں۔ عریانی فحاشی اور مادر پدر آزادی کے سارے دروازے ٹی وی اور وی سی ڈیز، ڈی وی ڈیز کے راستے ہو کر گذرتے ہیں۔ اور تمام اسلامی ممالک کے

ذرائع ابلاغ سب کچھ پیش کر رہے ہیں لیکن اگر نہیں کر رہے تو صرف اسلام کے تعارف پر مبنی ٹھوس پروگرام۔

ارے یہ تو بڑی بات ہے وہ تو اسلام کے خلاف کی جانے والی ہرزہ سرائی کا جواب تک دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس روش کو بدلنا ہوگا۔ اور الیکٹرانک میڈیا کو بالخصوص اسلام اور اسلام کے احکامات پر ہونے والی بے جا تنقید کا جواب دینا ہوگا۔ ویسے تو مسائل امروزہ کی کوئی حد یا شمار نہیں ہر مسئلہ مسلمانوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ بن جاتا ہے کیونکہ ان کے سامنے وسائل کی کمی ہے اور یہ الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ مسلم امہ کے عوام میں دین سے محبت ہے لیکن ان کو گروہی چپقلشوں میں الجھا دیا گیا ہے انہیں معاشی مسائل سے دوچار کر دیا گیا ہے، انہیں حقوق کی جدوجہد میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور ہر طرف انتشار و افتراق ہے۔ جب ہر مردہ اپنے عذاب میں گرفتار ہوتو وہ دوسروں کی قبروں میں کیا جھانکے گا۔ یہی حال امت مسلمہ کا ہے۔ اتنے الجھاؤ اس کے چاروں طرف ہیں کہ وہ کسی صحیح سمت میں سوچنے کی مہلت ہی نہیں پاتا۔ پھر بھی چندے توقع ہے کہ سنت مصطفویﷺ کو اپنا آئینہ بنا کر اگر ہم اپنی صورت گری کریں تو کچھ عجب نہیں کہ خدا کی نصرت ہمارے شامل حال نہ ہو۔ ضرور ہوگی۔ ان شاء اللہ

☆❍☆❍☆❍☆

حوالہ جات

1۔ کلیاتِ اقبالؒ۔ 2۔ کلیاتِ اقبالؒ 3۔ کلیاتِ اقبالؒ۔ 4۔ سیرۃ الرسولﷺ (ڈاکٹر محمد حسین ہیکل)۔ 5۔ القرآن۔ 6۔ اسلام کا نظام حکومت (مولانا حامد الانصاری) 7۔ سورۃ الحجر 20/15۔ 8۔ سورۃ النساء 11/78۔ 9۔ سورۃ الزخرف 32/43۔ 10۔ سورۃ طٰہٰ 124/20۔ 11۔ سنن ترمذی کتاب البر و الصلہ۔ 12۔ صحیح مسلم کتاب البر، صحیح بخاری۔ 13۔ جامع الصغیر (امام جلال الدین سیوطیؒ) 14۔ حدیث نبویﷺ۔ 15۔ اسلام اور سائنس۔ 16۔ اسلام اور سائنس۔ 17۔ اسلام اور سائنس۔ 18۔ سیرۃ الرسولﷺ (ڈاکٹر محمد حسین ہیکل) 19۔ سیرۃ (ابن ہشام، الاصابہ، فتوح البلدان)۔ 20۔ خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم (قاضی اطہر مبارک پور) 21۔ حدیث نبویﷺ۔ 22۔ حدیث نبویﷺ۔ 23۔ القرآن مجید۔ 24۔ سورۃ الجمعہ رکوع نمبر 2۔ 25۔ حدیث نبویﷺ۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

محمود الحسن انصاری۔بہاولپور

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ: تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے"(احزاب ۲۱)

کیوں، اس لیے کہ آپ ﷺ نے امت مسلمہ کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا منتہائے نظر صرف اور صرف خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا تھا۔ سب سے پہلے ایمان اور اس کے بعد دوسرا کام دعوت تھا۔ یہ امت دعوت کے لیے بنائی گئی اور کسی بھی مورخ کے بس کی بات نہیں کہ وہ یہ ثابت کرے فلاں آدمی مسلمان تو تھا لیکن دین کا داعی نہیں تھا جو مسلمان تھا وہ مومن تھا اور جو بھی مومن تھا وہ دین کا داعی ضرور تھا۔ امت امت رہی جب تک انہوں نے اس پر عمل کیا۔

انتم الاعلون ان کنمتم مومنین.

تم ہی سربلند رہو گے جب تک تم ایمان والے رہو گے۔

امت افراد سے بنتی ہے۔ افراد بھیڑ ہوتے ہیں چاہے ایک ارب ہو یا دس ارب۔ جماعت امت نہیں بنتی اس لیے قرآن حکیم میں صرف دو جماعتوں کا ذکر ہے اس لیے انبیاء علیہ السلام کی دعوت کی مزاحمت کی جاتی ہے۔ مزاحمت کی مزاحمت سے انبیاء کی دعوت کامیاب ہوتی ہے اور

انما المومنون فی توادھم و تراحھم و تعاطفھم کسید واحد اذا شتکی عضو منہ استکی کلھ

بیشک مومن آپ سے محبت رحمدلی اور نرمی میں ایک جسم کی طرح ہیں جب ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے زبان سارے اعضا کے لیے بنائی گئی لیکن اگر زبان کو کاٹ دیا جائے تو پھر اعضا بے کار ہو جاتے ہیں۔ انسانی جسم میں سر بلاشبہ ایک قیمتی چیز ہے مگر جب یہ اپنے دھڑ سے علیحدہ کر دیا جائے تو کتوں کے کھانے کی چیز بن جاتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کی تیار کردہ جماعت کا ہر فرد ایک ذمہ دار فرد تھا۔ ہر آدمی کا طرز عمل ذمہ دارانہ تھا۔ ہر آدمی داعی تھا۔ اس کا ایک خاص مشن تھا کہ ہر قیمت پر آپ ﷺ کی پیروی اور اتباع کو اپنانا ہے ہر قیمت خود صحیح چلنا ہے اور ہر قیمت پر سب کو صحیح چلانے کی سعی کرنی ہے۔ نہ خود غلط کوئی کام کرنا ہے اور نہ ہی کسی کو غلط کرنے دینا ہے، نہ غلط کہنے کی گنجائش تھی اور نہ ہی غلط کرنے کی ہمت تھی۔ اس کا تو سوال ہی نہیں تھا کہ کوئی آدمی غلط کہے یا غلطی کرے اور امت خاموش رہے۔ یہی وجہ ہے سورۃ الحجر کی آیت ۴۲ میں ارشاد ہے: واقعی جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں۔ ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں سے تیری راہ پر چلنے لگے۔

قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق خدا کے بندوں کو دوگرہوں میں تقسیم کیا گیا۔ حزب اللہ اورحزب الشیطن ۔ اہل جنہ اہل النار، اصحاب حق، اصحاب باطل، اصحاب یمن، اصحاب شمال، اصحاب لمیمنہ، اصحاب اشمہ، خیر البریہ شرر البریہ۔ یہی وجہ ہے دنیا میں آج مسلمانوں کی تعداد یک ارب تیس کروڑ سے زائد جبکہ یہودی دنیا میں ڈیڑھ کروڑ سے زائد ہیں۔ مسلمان یہودیوں سے تعداد میں تقریباً سو گنا زیادہ ان کی اتنی تعداد ہونے کے باوجود بین الاقوامی سطح پر ان کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ عالم اسلام شدید بدامنی اورمصائب سے دوچار ہے۔ مسند احمد ابن حنبل ابوداؤد کی حدیث ہماری حالت پر کف افسوس ملتی ہے۔

''مجھے اندیشہ ہے کہ ایک زمانہ آئے گے کہ نہایت کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود تمہاری حیثیت سیلاب کے ریلے کے اوپر کی جھاگ سے بھی زیادہ نہیں رہ جائے گی''

یہی وجہ ہے کہ ہماری معاشرت معیشت سیاست ثقافت اور تعلیم کے لادینی نظام کے تابع ہو جانے سے پوری زندگی رسوم وظاوہر میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ جب کہ قرآن ہم سے تقوی کا مطالبہ کرتا ہے۔

''تم کیوں کر صاحب تقویٰ ہو سکتے ہو اگر اس دن کا انکار کرو جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا(المزمل ۱۲:۷۳)

جب کہ کفر اور اسلام کا جب بھی مقابلہ ہو گا کفر متحد ہو گا اور اسلام منتشر۔ یہی وجہ ہے کہ تقوی کو حزب اللہ کی وردی قرار دیا گیا۔ بھوک اور خوف کو حزب الشیاطین کی وردی کہا گیا۔ آج امت مسلمہ کو جو درپیش چیلنجز ہیں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ ان مسائل کے حل کے لیے انہیں کس قدر معاون ثابت ہو سکتی ہے یہی اس مقالے کی غرض وغایت ہے۔

۱- نظام ہائے حکومتوں کے درمیان رسہ کشی:

اس وقت امہ مسلمہ کو جو سب سے بڑا چیلنج درپیش ہے امت مسلمہ مختلف گروہوں اور مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ مختلف اسلامی ممالک میں مختلف نظام ہائے حکومت رائج ہیں۔ اور یہ سب کے سب جمہوری ہونے کا دعوی کرتے ہیں حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مغرب کا تصور حکومت ڈیموکریسی سیکولرزم یعنی مذہب سے مکمل برگشتگی ہے۔ جمہوریت اور عوامی حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔ سیاست میں منافقت اور دوعملی یعنی بے قید اور بے لگام آزادی لبرل ازم اور ماڈرن ازم کے خلاف تہذیب کی دقیانوسی منافرت آج کل کے امت مسلمہ کے حکمرانوں کے لیے اور پھر ان کے ان کی عوام تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہ صرف ملت اسلامیہ کے لیے خطرہ ہے بلکہ اس کی پیش بندی میں مصروف کار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مذہب کو سرمایہ داری اور مادہ پرستی کی دوڑ میں ایک رکاوٹ تصور کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے نوجوانوں کے اذہان کو اس طرح متاثر کر دیا گیا ہے کہ اکثر نوجوان مذہب کو غلط رنگ میں سمجھتے اور پھر اس کی تعبیر وتشریح اپنے ذہن سے کرتے ہیں۔ علماء وفضلاء بھی بعض اپنی کم علمی کی بناء مابعد طبیاتی مسائل پر دوسرے کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ خلافت و نیابت کا تصور دنیا کے سامنے سے اوجھل ہو چکا جبکہ اسلام کا تصور حکومت ان سب سے جدا ہے۔ اس کی جمہوریت کی مثال دنیا کی ترقی سے ترقی یافتہ قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اور اس وجہ سے اسلام حکم دیتا ہے تم میں سے ہر ایک حاکم اور تم میں سے ہر ایک

سے اپنی رعیت کے بارے میں جواب طلبی کا حکم آیا ہے۔ اسلام ایک اصولی ریاست کا تصور پیش کرتا ہے جس کے نظم ونسق کو وہی لوگ بہتر چلا سکتے ہیں جو اس کے اصولوں کو جانتے ہوں۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۴ واضح کہتی ہے: ''اور وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ ہے۔ کہو اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم میں سے ایمان قبول کیا اور عمل صالح کیا کہ وہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔'' اسلام میں ڈکٹیٹر شپ کی کوئی گنجائش نہیں اور مسلمانوں کے باہمی معاملات مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

''اے محمد ان سے معاملات میں مشاورت کرو (آل عمران ۱۵۹)

کنز العمال کی ایک حدیث ہے:

''جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اپنی یا کسی اور شخص کی امارت کے لیے دعوت دے تو تمہارے لیے حلال نہیں کہ اسے قتل نہ کرو اور اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت یعنی دیانتدار لوگوں کے سپرد کرو۔''

آج مغرب حقوق انسانی کا چیمپئن بنا ہوا ہے۔ مسلم ممالک میں احیاء تجدید کے حالیہ جوش وخروش کے نعروں نے محض امت مسلمہ کے حکمرانوں کو اندھا دھند الماروی کے قواعد دھرانے پر ہی اکتفا کیا یہ کسی کو احساس نہیں کہ پیغمبر اسلام کا مشن ہر خطے اور ہر زمانے کے لیے تھا۔ لہٰذا امت مسلمہ کے مفکروں کے لیے یہ ایک چیلنج ہے کہ قرآن وسنت کے مفہوم کو عملی جامہ پہناتے ہوئے جدید معاشرے میں انسان کے مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ آج موجودہ دور میں اسلام جدت پسندی اور مغرب کے درمیان ایک فریق بن چکا ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمان حکمرانوں اور مسلمان عوام کی اپنی شناخت اور وجود برقرار رکھنا مشکل ترین ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے مغرب امت مسلمہ کے حکمرانوں سے انسان کی قدرومنزلت کے حوالہ سے دلفریب معاہدے تو تحریر کراتا ہے مگر حقیقت میں کچھ اور ہوتا ہے۔ آج کی تمام تر اصلاحات کا فائدہ یہود و نصاریٰ کو پہنچ رہا ہے۔

آج امت مسلمہ میں داخلی انتشار اس حد تک سرائیت کر چکا ہے کہ ہر ملک کو صرف اپنی بقاء کی جدوجہد کرنا پڑ رہی ہے۔ امت مسلملے کے حکمران اپنی عوام میں مقبولیت کا گراف اس حد تک گرا چکے ہیں کہ انہیں اپنی عوام کی ابلتی ہوئی بحرانی کیفیت کا اندازہ نہیں۔ کشمیری انسانی عوام اپنی آزادی کے لیے جان کی بازی تک لگا چکے۔ افغانستان میں بیرونی مداخلت نے افغانی عوام کی حمیت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ فلسطین میں آزادی کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ جب کہ مغرب امت مسلمہ کے حکمرانوں کو محض اس نعرے پر ٹرخانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان گرے پڑے انسانوں کا معیار زندگی کیسے بلند ہو؟ وطن و علاقائیت کے جاہلی تعصبات کو کیسے ختم کیا جائے۔ ان نعروں کی بنیاد پر امریکہ کا اعلان ورجینا ۱۸۷۶ء میں معرض وجود میں آیا اور اسی کو ۱۹۸۹ء میں جرمنی اور فرانس نے اقوام متحدہ کے آرٹیکل ۳۰ پر عمل درآمد کے لیے اپنی کوششیں شروع کیں لیکن یہ تمام کوششیں دوعملی کا شکار ہو گئیں۔ مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلے بڑھ گئے اور اس طرح امت مسلمہ کے ایک

ارب سے زائد مسلمانوں کا استحصال شروع ہوا۔ امت مسلمہ کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ جب کہ حدیث مبارکہ ہے:

''جسے مومن اچھا گردانیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے''

اقوام متحدہ کا کردار انتہائی کمزور اور بوسیدہ ہے۔ مسلم امت کے حکمرانوں کو اقوام متحدہ میں محض تماشائی کی حیثیت سے شامل کیا جاتا ہے ان کی مثال صم بکم عمی فهم لا یرجعون کی سی ہے۔ حکمرانوں کے اعمال کا نتیجہ عوام کو ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حکمران صالح متقی اور پرہیز گار ہوں گے لیکن اگر حکمران عیش پرست زن و زر سے محبت کرنے والے ہوں گے تو ان کے رویوں کے اثرات ان کی عوام پر بھی ہوں گے۔ امت مسلمہ کے اندر کوئی واضح نظام حکومت اس لیے موجود نہیں کہ مغرب کا نظریہ Decide and Rule پوری امت مسلمہ کے اندر سرایت کر چکا ہے۔ مسلم امہ کے قائدین نے آج تک اس چیلنج کو سنجیدگی سے قبول ہی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے آپ ﷺ نے دین کے معاملے میں مدافعت نہیں کی۔ عیسائی سے امداد لینے کی خاطر بے جا تعریف اور خوشامد سے کام نہیں لیا۔ پرامن بقائے باہمی کا اصول اپنایا۔ مسلمان خانہ جنگی اور لباس الخوف الجوع میں نظر آتے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ دنیا کے چھوٹے بڑے ممالک کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ ممالک اسلامی اور غیر اسلامی ممالک اپنے مخصوص مفادات کی خاطر کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی سطح پر اسے بہت چاہتے ہیں۔ یہ جانے بغیر یہ ریشہ دوانیاں ان کے اپنے ہی خلاف استعمال ہوتی ہیں اور اس طرح ان کی اپنی مرکزیت کو شدید قسم کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ محض بڑی طاقوں کی وجہ سے بھارت کو اپنا گوشہ عافیت سمجھنے پر مجبور ہیں۔ روس اس کا سرپرست اعلی، امریکہ اس کا امین اسرائیل بھارت کا لنگوٹیا چین بھی کبھی کبھی اس کے لیے نرم گوشہ رکھنے والا یہ محض اس لیے ہے کہ اسلامی ممالک کا مضبوط بلاک بن کر مغربی استعماری طاقتوں کے لیے لوہے کی تلوار ثابت نہ ہو۔ بھارت کی حیثیت چھوٹی مچھلیوں کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی ہے۔ سکنڈے نیویا، سویڈن، ڈنمارک، ناروے میں جنسی بے راہ روی بہت زیادہ اور ان ممالک میں خودکشی کا رجحان بھی دوسرے ممالک کی نسبت زیادہ ہے۔ جنوبی امریکہ دینی روایات کا حامل لیکن غیر متحدہ اور استعماری استحصال کا شکار ہے۔ ریڈانڈین قبائل کے پاس دانش و حکمت موجود ہے لیکن سفید فام انگریزوں نے اس کو کچل کر رکھ دیا ہے۔

عالم اسلام اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیکھی کے مصداق مغرب اقصی سے لے کر ملائیشیا تک ایک متنوع خطہ زمین جو اپنی جغرافیائی وسعت، افرادی طاقت، معدنی قوت، تاریخی عظمت اور روحانی اخوت کے اعتبار سے منفرد ہے بدقسمتی سے سیاسی نظام ایک جیسے نہیں۔ ملوکیت کے ساتھ ساتھ آمریت اور رسمی جمہوریت بھی ہے۔ ایران اور عراق نے اسلامی اخوت کو اغیار کے کہنے پر پارہ پارہ کیا اور اس کا فائدہ اغیار کو ہی نصیب ہوا۔ عالمی مارکیٹ میں اغیار کی منڈی سونے کی کان بن گئی۔ پاکستان میں بھی چونکہ اسلامی نظام حیات کا مطالبہ دیرینہ چلا آ رہا ہے اور اس کی بنیاد بھی اسلامی نظریہ حیات پر بھی رکھی گئی ہے۔ اس لیے اس میں بھی اغیار کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم کرنے کی کہانیاں زد عام ہیں۔ ویسے بھی اس کا ایک بازو کاٹ دیا گیا ہے۔ خدا عالم اسلام کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی بھی حفاظت کرے (آمین)

ایشیائی اور افریقی مسلمان ممالک ایک اسلامی دولت مشترکہ کی تشکیل کی منزل سے ابھی بہت دور ہیں۔ اسلامی

ممالک نے جہاں مغرب سے ایجادات حاصل کیں وہاں قباحت کو بھی درآمد کیا۔ آزاد خیالی، فحاشی، جنسی جرائم اور منشیات نے جہاں انسانیت کو انسانیت کے مقام سے گرایا وہاں مسلمان امت سے اس کی خودداری اس کے ضمیر اور اس کے عقیدہ و ایمان سے بھی سودا کرنے سے گریز نہ کیا۔ اسلامی ممالک کی معاشی سیاسی دفاعی پالیسیوں پر ان کے اپنے کنٹرول کے بجائے اغیار کا قبضہ ہے۔ مسلم ممالک خصوصاً لیبیا میں کمیونزم اور سرمایہ داری کیخلاف نظریہ پیش کیا گیا لیکن اس کے عملی اثرات اتنے نمایاں نہیں کہ ان سے زیادہ امیدیں وابستہ رکھی جاسکیں۔

اس کے برعکس اسلام نے فطری اور عملی جمہوریت کا حقیقی نظارہ پیش کیا ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات حاکم ہوں یا محکوم جمہوری روایات کا امین، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ سے زیادہ کون پاسبان ہوگا۔ حجۃ الوداع کا موقع ہے۔ ایک عرب بدوی آپ ﷺ سے بدلہ لینے کا مطالبہ کر رہا ہے آپ ﷺ فوراً سرتسلیم خم کرتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی مہر نبوت کا بوسہ لے لیتا ہے۔ عمر فاروقؓ عوام سے پوچھتے ہیں کہ اگر میں تمہیں اللہ کے احکام کے خلاف اپنی اطاعت پر مجبور کروں تو کیا تم میری اطاعت کرو گے جواب ملتا ہے پھر ہم تمہیں اپنے نیزے کی نوکوں پر سیدھا کر دیں گے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

> تمہارے بہترین سربراہ وہ ہوتے ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ جن کو تم دعا دو اور وہ تمہیں دعا دیں۔ اور تمہارے بدترین سربراہ وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور تم سے نفرت کریں اور جن پر تم لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

امت مسلمہ کے حکمرانوں کے لیے لا طاعة لمخلوق فی معصية الله اسلام کے خلاف کسی قسم کی کوئی اطاعت نہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے۔ ''میں تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برستے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے قطرے گھروں کے اندر گرتے ہوں''

حدیث نبوی ﷺ ہے:

> ''جو لوگ اللہ کے احکام کے خلاف فیصلے کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو خانہ جنگی میں مبتلا کر دے گا۔
> خراب ترین قسم کا دھوکہ ہے کہ ایک حاکم منتظم اور عہدہ دار اپنے ماتحتوں کے حقوق پر سودا بازی کرے (حدیث)

کوئی صدا نہیں جسے زندگی کہوں
مدت سے ہے خموش میرے دل کی صدا

لبنان، عراق، شام، یمن، کویت، وغیرہ میں بھی محض مفادات کی جنگ جاری ہے۔ عالم اسلام دین اسلام کی تبلیغ کی بجائے سیاسی وذاتی مفادات کی فیکٹریاں بن چکا ہے۔ مشرق ومغرب میں بغض بعد کی کیفیت جسکی وجہ سے ایک پائیدار نظام حکومت جو امت مسلمہ کے جذبات اور ان کے احساسات کی ترجمانی کرے، مفقود ہے۔

۴- لسانی وگروہی اختلافات وملت کی یک جہتی کی شیرازہ بندی:

امت مسلمہ کو عصر حاضر کے خطرناک ترین چیلنجز میں سے ایک خطرناک ترین چیلنج امت مسلمہ کے اندر عصبیت پسندی لسانی گروہی اختلافات اور ان کی وجہ سے ملک وملت کی شیرازہ بندی ہے۔آج چیچنیا کے عوام ہوں یا کروشیا کی مسلم آبادی۔ عراق میں کرد ہوں یا ایران میں شیعہ دیگر ممالک میں پائے جانے والے سنی شیعہ دیوبندی بریلوی سب کے سب اجتماعی مفادات کی بجائے ذاتی مفادات میں ایک دوسرے سے برسرپیکارنظرآتے ہیں۔ جب کہ خدا ایک نبی ایک کتاب ایک لیکن اس کے باوجود آپس کے اختلافات اس حد تک جہالت کے ثبوت ہیں کہ مذہب کے نام پر قتل و غارت تو ہوتی ہے لیکن مذہب پر عمل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے:

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم تفرقہ میں نہ پڑو''

اللہ کی رسی کیا ہے وہی قرآن جو سب کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ تفرقہ کیا ہے آپس کی وہ ذاتی رنجشیں واختلافات جس کی بنا پر انسانیت دم توڑ جائے۔ یہ وہ مؤثر حربہ ہے جس کو استعمال کر کے اغیار نے مومنین سے قوت ایمان ختم کی۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:''وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کے سبب جنگ کی وہ شخص ہم میں سے نہیں جس کی موت اس صورت میں ہوئی کہ وہ عصبیت سے کام لے(بخاری)۔

ان کی جمیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے ہے مستحکم جمیت تیری

ایک حدیث میں ہے جو تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے اسے قتل کرو اور جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتہ کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ وہ صرف اس وقت ممکن ہے جب امت مسلمہ کے حکمران بذات خود مضبوط ہوں اور اختیارات کو اللہ کی امانت تصور کرتے ہوں۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ مسلمان ممالک جو اپنی جغرافیائی سرحدوں پر تقسیم ہو کر رہ گئے کس طرح اس قول پر عمل کر سکتے ہیں۔ افغانستان، عراق، ایران، ترکی، لبنان، شام، مصر، جزیرہ عرب کی کئی ریاستوں میں مذہب کے نام پر مختلف گروہوں اور مذہبی جماعتوں کی بنیاد صرف اس لیے متعارف کرائی گئی کہ امت مسلمہ کو کمزور کیا جائے۔ اس کے لیے دائیں بازو، بائیں بازو کی اصلاحات متعارف کرائی گئیں کہ اسلام کو ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ بنا دیا جائے جبکہ حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے معاملات کسی ایک شخص پر اکٹھے ہوں پھر کوئی شخص تمہاری قوت یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنے کا ارادہ کرے تو اسے قتل کرو اور جب دو خلیفوں کی بیعت ہونے لگے تو بعد والے کو قتل کرو۔ فرعون اللہ کی زمین میں بڑا سرکش ہو گیا تھا اس نے اپنے عوام کو مختلف جماعتوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان کو آپس میں لڑا کر ان کی طاقت کو زائل کرتا تھا۔(القرآن ۲۸:۴) عمرو بن کلثوم اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں کہ ہمارے خلاف کوئی آدمی یا قوم مفاہمت سے کام نہ لے ورنہ ہم الٹا مفاہمت سے کام لیں گے اور ان کو خوب سزا دیں گے۔

عصر حاضر میں مغربی نظریہ ریاست کی وبا زور پکڑ رہی ہے۔ جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں دنیا کا جو نقشہ قائم ہوا۔

اس میں بہت سی تبدیلیوں کے امکانات رونما ہوئے۔ نظریاتی ممالک کے لیے بہت سے خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ خصوصاً ایسی ریاستیں جہاں مختلف اقوام اور نسلیں آباد ہیں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں ایسے حالات میں اسلامی نظریہ پر مبنی ریاست میں نظریہ اسلام کے فروغ کا پرچار مرکزی قیادت پر ذمہ داری ڈالتا ہے کہ وہ اسلام کے معاشی سیاسی اور معاشرتی اصولوں پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں پر بھی اس کا عملی اطلاق کرا وے۔ موجودہ دور میں مختلف قوموں اور نسلوں پر مبنی اسلامی ریاست کے بچاؤ کا واحد راستہ منظم نظریاتی مرکزی قیادت ہے جو مغربی نظریہ قومیت کا جواب دے سکے۔ اس کا علاج کامیاب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ طریقہ جو جہالت ثانیہ کیلئے اختیار کرنا ہوگا جو جہالت اولی کے لیے اختیار کیا گیا۔ نپولین بونا پارٹ کے مطابق قرآن آج بھی عہد جدید کی بنیاد اسلامی تہذیب کے مطابق رکھ سکتا ہے۔ جہاں مذہبی و نسلی تفریق نہیں۔ بقول بہادر شاہ ظفر

نہ تھی حال کی جب ہمیں خبر ہرے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

اقبال نہ کہا تھا

منفعت بھی ایک قوم کی نقصاں بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایماں بھی ایک
حرم پاک بھی ایک اللہ بھی قرآں بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی جو ہوتے مسلماں بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج امت مسلمہ کے حکمراں دنیاوی فائدہ کے لیے قومی لسانی جغرافیائی تعصبات کو ہوا دے کر عوام کو مفادات کے سبز باغ دکھاتے ہیں جبکہ آپ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا اور اس کا انسداد کیا۔ الفتنہ اشد من القتل یعنی فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔ فتنہ پھیلانے والے کو مفسد قرار دیا گیا۔ سورۃ کافرون میں واضح ارشاد ہے:

''کفار تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔

مزید ارشاد ہے: یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ اور یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ﷺ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں۔ اس کے مقابلہ میں حکم ہے: ''اگر تم دین خدا کی مدد کرو گے تو وہ تمہیں مدد دے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا''

قوم بنانے والا ایک عامل زبان ہے یہ بھی فکری وحدت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور قومیت کی تشکیل میں ایک اہم قوت کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسی خاص خطہ زمین پر آباد ہونا وطنیت کہلاتا ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کی جماعت کے لیے لفظ

قوم استعمال نہیں کیا۔ اس کے مقابلے میں حزب کا لفظ استعمال کیا جس کے معنی ہیں اصول و مسلک کی بنیاد پر وجود میں آنے والی پارٹی نہ کہ نسل و نسب کی بنیاد پر بننے والی قوم۔ قرآن نے پوری زمین پر دو پارٹیوں کا تصور دیا۔ اللہ کی پارٹی/ جماعت اور شیطان کی جماعت۔ اللہ کی جماعت جس کے اصول و مسلک فکر عمل اسلام کے مطابق ہو جبکہ شیطان کی پارٹی رنگ و خون ونسب پر زور دیتی ہے۔۔

آپ ﷺ نے تیسرا لفظ بھی استعمال کیا جو جماعت ہے۔ جاہلیت کے عوامل سے بننے والی قوم میں رقابت اور منافقت ان ہی مشترک عوامل کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انکا کوئی فرد کسی مسلک اور نظریہ کے خلاف ہو جاوے تو وہ اس کو سزا نہیں دیتے بلکہ اس کی کسی غلطی یا حماقت کے پیش نظر اس کی امداد کرنا قومیت کے لحاظ سے اخلاقی فرض بنتا ہے۔ اگر جماعتی اصول و مسلک سے ہٹ کر کام کیا جائے تو اس کو جماعت سے نکال دیا جائے۔ قرآن کہتا ہے جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لیے اور گروہ در گروہ ہو گئے آپ ﷺ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں اور مشرکین اپنے سوا رب کو باطل تصور کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو حق پر جانتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ساتھ عزت عطا فرمائی جو اسلام کو چھوڑ کر عزت تلاش کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کر دے گا (مستد حاکم ج ۲ صفحہ ۸۲) اس قول کی روشنی میں امت مسلمہ کے حکمران اور ان کے عوام اپنے گریبان میں جھانکیں تو ذلت و رسوائی کی وجہ سمجھ میں آ جائے گی۔ بقول اقبال

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
تم ہوئے ذلیل تارک قرآں ہو کر

مزید مسلمانوں کی اور امت مسلمہ کی تبدیلی اور حالت زار کا ذمہ دار خود قرآن اور آپ ﷺ نہیں تھے۔ بلکہ واضح الفاظ میں یہ اعلان ہے ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم (۲۸:۴۲) یعنی جو مصیبت کبھی تم پر آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ کی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے یعنی اللہ کی بندوں پر خاص رحمت ہے۔

وہ قومیں جو آج کے ترقی یافتہ دور میں ایسے ہی تعصبات میں مبتلا ہیں۔ اور اپنے آپ کو بہت روشن خیال تصور کرتی ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی حقوق کے پاسبان ہیں۔ اس تصور ہی کی نفی کرتی ہیں کہ انسان انسان کو اپنا غلام بنائے ایک قوم دوسری قوم کو محض اپنے سیاسی یا معاشی غلبے کی وجہ سے کمتر وحقیر تصور کرے۔ اس کے حقوق پامال کرے، فلپائن اور فلسطین کے عوام کی جس طرح حقوق کی پامالی ہو رہی ہے امت مسلمہ محض گروہ بندویوں کی وجہ سے خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ کوئی بعید نہیں خدا کسی اور کو اسی امت کا حصہ بنا کر مسلمانوں کو دلدل سے نکال دے لیکن خلافی علی منہاج النبوت کا سیاسی نظام کیا ہو؟ اسلام دین فطرت ہے اس لیے نہیں کہ فی الواقع جو کچھ بطور واقعہ فطرت میں موجود ہے وہی اسلام ہے بلکہ وہ دین فطرت اس لیے ہے کہ فطرت انسانی میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی تکمیل کی ضمانت اسلام کی تعلیمات میں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زندگی پر اعمال مذہبی (عبادات) کے اثرات کیوں نہیں ہوتے اور بحالت ایں امت مسلمہ جو اپنے انفرادی اجتماعی اور بین الاقوامی پہلوؤں میں زوال سے دوچار ہے اب اس زوال سے نکلنے کی جدوجہد میں کامیابی کے اعتماد اور یقین سے محروم ہے۔ اسباب کیا ہیں۔ تدارک کیسے ہو؟ زوال سے نکلنے اور قرآن سے

عطا کردہ ہدایت سے دوبارہ عروج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے بلکہ یہ شرط ہے کہ پہلے انسانی استعداد کا زیادہ علم جس قانون ارتقاء کے تحت ترقی کر رہا ہے اس کے حوالہ سے ارتقاء کے مدارج کا تعین ہو پھر علم انسانی نشوونما کی راہ پر ہموار ہو۔ اخوت کا معیار حدیث کی رو سے لا یومن احدکم حتی یحب الا خیه ما یحب یقضه پر ہونا چاہیے۔ سورۃ ھود میں ارشاد ہے۔ اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے اسی لیے اللہ نے ان کو پیدا کیا (یہود ۱۱: ۱۹: ۱۱۸)

۳- ذرائع ابلاغ کا کردار اور تہذیب کا تصادم:

عصر حاضر میں امت مسلمہ کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج جو کہ تقریباً تمام امت مسلمہ کے تمام ممالک کو درپیش ہے وہ عصر جدید کی تہذیب ہے جو گذشتہ ڈیڑھ دو سو سال سے معرض وجود میں آئی ہے۔ ہمیں ہمارے فکری اساس اور ثقافتی ورثے سے ہٹا کر ایسی کشمکش میں مبتلا کر دیا گیا ہے جس کی بدولت ہم اپنے نظام افکار کی نتیجہ خیزی کے یقین سے دستبردار ہو جائیں اور ان کی پیروی میں منہمک رہیں اور کبھی کسی بھی حیثیت سے نہ ابھر سکیں۔ مسلمان کا ماضی ہے بے شک تابناک لیکن اس کا مستقبل بغیر یورپ اور مغرب کی تقلید کرنے میں نامکمل ہے۔ یہ عصر حاضر کا چیلنج امت مسلمہ کے لیے خصوصی طور پر پیدا کیا گیا۔ مغرب اسلام کے پیش کردہ جوابات کے باعث روز بروز زوال پذیر ہو چکا ہے اور رجعت پسندی کے انداز میں دوبارہ حریت میں گرفتار ہو چکا ہے ان سے جو نظریات مغرب میں پیدا ہوئے وہ صرف اس اور ناامیدی کے خود ساختہ پودے ہیں۔ جتنے بھی بین الاقوامی طور پر معاشی منصوبے امت مسلمہ کے مسلمان ملکوں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں نعرہ انسان دوستی کا ہوتا ہے لیکن درحقیقت اپنے مخصوص مفادات کی خاطر معاشی اعتبار سے کمزور اقوام خصوصاً مسلم امہ کی معیشت کو درہم برہم کر کے استحصال کے لیے انہیں اپنی گرفت میں رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اس طرح دینی فکر میں اختلال اور مسلمانوں کو معاشی ابتلاء میں ڈالنا ان کے دین ہی کے خلاف ایک مسلسل جارحانہ اقدام ہے جو ذرائع ابلاغ مسلسل سرانجام دے رہا ہے۔ ولیم میور کے بقول جب مسیحوں کو صلیبی محاربات میں شکست ہو گئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام مسیحیت کے مقبول ہونے کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے اور اسلام کو ناقابل قبول ثابت کرنے کی جب تک کامیاب کوشش نہیں کی جائے گی مسیحیت مقبول نہیں ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے مختلف تہذیبوں کے مسائل بنیاد بنا کر اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کا اپنا کچھ نہیں بلکہ اس نے یہ سب کچھ مختلف تہذیبوں سے لیا ہوا ہے۔ یہودیوں کے ایک گروہ نے اس پر کام کیا اور کہا کہ اسلام میں معاذ اللہ نقائص موجود ہیں۔ جن کو دور کیے بغیر معاشرہ میں کوئی اقدام نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جو معاشرہ کے لیے بہترین ہو۔ مستشرقین کے ایک گروہ نے باقی ماندہ اسلامی تہذیب کے فضائل اور آثار کو مسلمانوں اور امت مسلمہ کے خلاف اس طرح استعمال کیا کہ یہودیوں اور مسیحیوں کا فساد مسلمانوں اور امت مسلمہ کیخلاف ایک بار پھر مشتعل ہو اور وہ انہیں مٹانے کے لیے پوری شدت سے کام لیں۔ یہی وجہ ہے کہ انڈیا میں کبھی بابری مسجد کو شہید کیا جاتا ہے اور کبھی جان پوپ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایسی بیان بازی کرتے ہیں۔ جس سے پوری امت مسلمہ کو شدید دھچکا لگتا ہے۔ اسلامی تہذیب اور امت مسلمہ کے پاس کوئی ایسا مربوط نظام نہیں

جو مغرب کے اس ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ کا مثبت جواب دے سکے اور المیہ یہ ہے کہ ہماری جدید تعلیم یافتہ نسل کی رسائی صرف انہی ذرائع تک محدود ہے جو مغربی مستشرقین نے پیش کیے۔ ان کا خیال یہ ہے اور کوشش ہے کہ قیادت تو مسیحیت کے ہاتھ سے نہ نکلے مگر اشتراکیت کے محاذ پر مسلمانوں کو اور امت مسلمہ کو اپنی موافقت میں کٹوانے کی تدبیر دریافت ہو سکے۔ مسلم امہ کے درمیان نہ تنظیم ہو گی نہ اتحاد عمل ہو گا اور نہ ہی کوئی نتیجہ برآمد ہو گا۔ موجودہ دور میں مسلم امت کے حکمران اور امہ کے درمیان نہ تنظیم ہو گی نہ اتحاد عمل ہو گا اور نہ ہی کوئی نتیجہ برآمد ہو گا۔ موجودہ دور میں مسلم امت کے حکمران اور عوام مغربی فکر کے حوالے سے پریشان ہیں۔ مزید یہ کہ چونکہ امت مسلمہ کے اندر سے خلافت اور نیابت کا تصور ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے موجودہ دور کی سیاست امت مسلمہ کے لیے ایک نیا فکری انداز اور چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغرب تو سیاسی لحاظ سے ہر ملک فتح کرنا چاہتا ہے۔ دوسرے اپنی سوچ سے ہر اسلامی ملک پر اور بچی کھچی اسلامی تہذیب پر اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یونان اسپین کی تہذیبوں نے اس لیے اسلام کی تہذیب میں پناہ حاصل کی تھی کہ اس میں جدید تہذیب کی روشنی نظر آئی تھی۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو۔ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد الگ ہوں۔ آج امت مسلمہ کے حکمران اور عوام دونوں ہی اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں اس کی وجہ یہ ہے اگر مسجد کے خطیب سے اشتراکیت کا تصور پوچھا جائے تو اس کا جواب صرف وہی ہو گا جو لینن نے دیا تھا۔ لیکن اگر اس سے اسلام کا پوچھا جائے تو ہر ایک کا جواب مختلف ہو گا اس کے لیے امت مسلمہ کو از سر نو سعی کرنا پڑے گی۔ تاکہ تہذیبوں کا تصادم اذہان کے تصادم سے متصادم نہ ہو اس کی یعنی اسلام کی منتہائے نظری یہ ہے کہ معاشرہ میں بسنے والے افراد ہر قسم کے خوف وغم سے محفوظ رہیں اور اس معاشرے میں استحکام آنحضرت سے وفاداری ہو۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک امت کے سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کریں آج کی دنیا میں محدود وفاداریوں کی بنیاد پر جو گروپ اور تہذیبیں قائم ہیں یا ہو رہی ہیں وہ اس مسئلے پر اسلام سے متصادم ہیں کیونکہ کچھ بے انصافیاں اور بے نظامیاں خود محدود وفاداریوں پر قائم ہونے والے گروہ کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اور ان کی بناء پر جو لوگ مظلوم اور محروم ہیں ان کے لیے اسلام میں بہت کشش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نو مسلم جب اسلام قبول کرتے ہی تو وہ برملا اس مغربی تہذیب کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو روشنی انہیں مسلمان ہونے کے بعد ملی۔ اس سے پیشتر کی زندگی ان کے لیے ایک سیاہ دبہ کی مانند تھی جس کو کسی بھی مذہب نے صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ عالم اسلام میں یہ سوچ پیدا کرنا ہوگی جو مفادات مہلک ہیں انکا تدارک کرنا مذہب بھی ہے اور سیاست بھی۔ عالم اسلام کے کسی بھی حصے میں جب تک امت مسلمہ نے مغربی تصورات کو قبول نہیں کیا تھا مسلمان چاہے اس علاقے کی زبان جانتا ہو یا نہیں وہ اپنے آپ کو اجنبی نہیں سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے قرآن کہتا ہے کہ تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں کو صرف نہیں کرو گے اسلام کی مذہبیت خود اپنی جگہ مکمل ہے اور اس کی محتاج نہیں کہ جس کسی تہذیب اور تخیلی تہذیب کے تصورات کو جمع کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے تو دونوں کے نقائص ہی چند در چند ہوتے جائیں گے۔ اسلامی تہذیب

بجائے خود کامل ہے اور اس کے انحراف کی وجہ سے تہذیب ٹکڑوں میں بٹ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کسی بھی تہذیب کے اندر مکمل طور پر اپنے آپ کو سمو نہیں سکے۔

جبکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لوگو تم سب مریض ہو اور میں تم سے اور تمہارے سب اگلوں اور پچھلوں سے زیادہ تندرست صحیح المزاج متحمل اخلاق مستقیم العمل اور ایک پاک روحانیت سے بھرپور انسان ہوں۔ پس تم میں سے جسے اپنی صحت وتندرستی منظور ہو وہ مجھ جیسا قول میرے جیسا عمل میری جیسی عبادات اور میری عادت جیسی عادت اپنائے۔ اپنی زندگی کو میری زندگی پر ڈھالنے کی کوشش کرے پس جو بھی ظاہر و باطن میں بھی جس قدر میرے جیسا ہوتا جائے گا اتنی ہی اس کی ظاہری اور باطنی صحت ترقی کرتی جائے گی۔ تہذیب کے حوالہ سے آپ کا ارشاد ہے وہ مرد میری امت کے افراد میں سے نہیں جو عورتوں جیسی شکل اختیار کریں اور نہ ہی وہ عورت ہم سے ہے۔ جو مردوں جیسی وضع قطع بنائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے تمہارے نوجوانوں میں اچھے نوجوان وہ ہیں جو بزرگوں سے مشابہت کرتے ہیں اور تمہارے بوڑھے برے بوڑھے ہیں۔ جو نوجوانوں سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ جو شخص کفار ومشرکین سے دوستی کرتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے: جہلا یعنی اعدا الاسلام کی خواہشات کی پذیرائی نہ کیجیے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: آپ ﷺ ان کے باہمی معاملات میں ائمہ کی بھیجی ہوئی کتاب کیمطابق فیصلہ کیجیے اور ان کی خواہشات پر عمل نہ کیجیے اور یہ بھی احتیاط مدنظر رکھیے کہ وہ آپ کو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کے بارے میں آزمائش میں نہ ڈالیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ثقافت وتہذیب Co-operation for Existance کے قانون پر عمل پیرا ہے۔ جبکہ مغربی تہذیب وثقافت Struggle for Existance کے قانون پر عمل پیرا ہے۔ حکمتوں کو اکٹھا کرنے کے لیے جو صاف شفاف ہے اسے لے لو اور جو گدلا اور میلا ہے اسکو چھوڑ دے۔ کا حکم ہے عصر حاضر کے جدید ترین چیلنجوں میں سے ذرائع ابلاغ کا امت مسلمہ پر وہ کردار ہے جس پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ امت مسلمہ کو کسی بھی موقع پر اس کی تحقیر کرنے سے گریز نہ کیا جائے اور مسلمان ممالک اس کی خاطر خواہ جواب نہ دے سکیں۔ یہی وجہ ہے ذرائع ابلاغ نے جس جدید ترین ٹیکنالوجی کو متعارف کرایا ہے اس کا نعم البدل کسی بھی مسلم ملک کے پاس نہیں۔ میڈیا جن بھی تہذیبوں کے تصادم کا باعث بنتی ہے اس سلسلے میں سلامی کونسل یونین انٹرنیشنل آرمی پلان ورلڈ میس کونسل عالمی امن کانگرس روس کی امن مہم اور امریکہ امن بریگیڈ کی اصلاحات تو ذرائع ابلاغ میں جگہ پاتی رہتی ہیں لیکن مسلمہ امہ کا کوئی پلیٹ فارم ذرائع ابلاغ میں جگہ نہ پا سکا۔

ذرائع ابلاغ نے عالم اسلام کی تہذیب وتمدن کو مغربی تہذیب وتمدن کے ساتھ اس طرح سمو دیا ہے۔ موجودہ تہذیب بھی قدیم تہذیب کی طرح اپنی شناخت ختم کر چکی ہے۔ امت مسلمہ کے اسلامی ممالک میں پاکستان شاید وہ واحد اسلامی ملک ہے جو ایٹمی ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ خلائی ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے اور اپنی شناخت کرانے کیلیے کوشاں ہے۔ ذرائع ابلاغ نے فحش لٹریچر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام پر تہذیبوں کی سرد جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اور مغربی میڈیا مکمل طور پر اس کوشش میں ہے کہ اسلامی تہذیب وتمدن پر مغربی تہذیب وتمدن کا اس حد تک

رنگ چڑھا دیا جائے کہ ان کی اپنی شناخت ختم ہو جائے جس قوم کو اپنی چیز اچھی نہ لگے دوسروں کی ہر ادا پر فریفتہ ہو تو وہ کب تک زندہ رہ سکتی ہے۔ اس قوم کی خواہش زندگی کیا ہو گی جو اپنے وجود کا جواز ثابت نہ کر سکے۔ ذرائع ابلاغ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا چیلنج بن کر سامنے آیا ہے جس نے تہذیبوں کے تصادم کو فروغ دیا۔ اور اپنے مقابلے کے لیے حریف کو زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیا۔ امت مسلمہ کے معاشرتی انحطاط میں بھی ذرائع ابلاغ کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۴- عالم اسلام پر دہشت گردی کا الزام جبکہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے:

اس وقت عصر حاضر میں مغربی ذرائع ابلاغ نے مغربی ایجنسیوں نے عالم اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگایا ہوا ہے جس کی وجہ سے ان ہونی اور تمام تر فسادات کی ذمہ داری مسلمانوں اور خصوصاً عالم اسلام کے مختلف اسلامی ملکوں کی تنظیموں پر عائد کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان مسلمان اسلامی ملکوں کے عوام میں مغرب کے خلاف انتہائی نفرت کا اظہار سامنے آیا ہے۔ جس کی بناء پر مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کا طرز زندگی بھی متاثر ہوا ہے۔ ان الزامات کا مقصد اسلامی ملکوں کے وسائل پر مغرب کا غاصبانہ قبضہ ہے تاکہ اپنے ممالک کی بیروزگاری اور معاشی تفاوت کو ختم کیا جا سکے۔ آج کے اس نام نہاد مہذب دور میں کسی ملک پر جنگ مسلط کر دی جائے اور دشمن طاقت کے بل بوتے پر حالت امن میں رہنے کے لیے تیار نہ ہو تو کیا دوسرے فریق کو اس کھلی جارحیت کے سامنے تماشائی بن کر کھڑے رہنے اور اس جارح قوت کے ہاتھوں اپنی تباہی کا منظر دیکھنے کی تلقین کی جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ ظاہر ہے کوئی بھی باشعور انسان اس جارحیت کو برداشت نہیں کرے گا۔ فریق ثانی نہ صرف مدمقابل کو ہتھیار اٹھانے اور ظلم کا مزہ چکھانے کی اجازت نہیں دے گا بلکہ خاموش تماشائی بن کر رہنے کو قومی خودکشی اور ہلاکت قرار دے گا۔ سائنس میں نیوٹن کے تیسرے قانون کے مطابق ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اور یہ ردعمل، عمل کی مخالف سمت میں ہوتا ہے عالم اسلام پر مغربی ذرائع ابلاغ نے دہشت گردی کا الزام لگاتے وقت یہ نہ سوچا کہ اس طرح خود ان کی اپنی املاک جان بھی اس لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ مغرب و مشرق کے دانشور دہشت گردی کی کوئی واضح تعریف کا اعادہ تو نہ کر سکے چنانچہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے ۹ دسمبر ۱۹۷۵ء کو منظور کی جانے والی قرارداد میں دہشت گردی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ''کسی بھی سرکاری اہل کار کو یا اس کے ایماء پر کیا جانے والا تشدد جسمانی یا ذہنی تشدد یا تکلیف یا اذیت پہنچانے والا ہر عمل مراد ہے۔ امریکہ کی وزارت داخلہ نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی ہے۔

The term terrorism means premedicated policy motivated violence prepetuated against uncombatant targets by substential or clauclestine agests suappy is intended to influence an audiance(6).

دہشت گردی کی حدود بہت وسیع اس کے طریقے ان گنت اسکے اثرات انتہائی تکلیف دہ، خطرناک اور اس کے نتائج عموماً بھیانک اور غیر انسانی ہوتے ہیں۔ کیونکہ دہشت گردی کا خمیر ہی غیر طبعی اور غیر انسانی امر سے اٹھایا جاتا ہے۔ جب انسانی مصالحانہ جدوجہد ناکام اور مسائل حل کرنے کے جائز انسانی ذرائع ختم ہو جاتے ہیں۔ تو دہشت گردی کا آغاز

رہتا ہے۔حقوق کی پامالی وسائل کی غلط تقسیم جبری اقتدار فقر و فاقہ جہالت جیسے عوامل دہشت گردی کو فروغ دیتے ہیں۔

جنگ اور جہاد میں فرق ہوتا ہے جن کے لیے قتال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جب جہاد وسیع معانی میں استعمال ہوتا ہے جہاد میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ اس میں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دماغ سے تدبیر سوچنا زبان وقلم سے اس کی تبلیغ کرنا ہاتھ پاؤں سے اس کی کوشش کرنا اور اپنے تمام امکانی وسائل کو اسے حاصل کرنے کے لیے صرف کرنا اور اس مزاحمت کا پوری قوت سے مقابلہ کرنا جو اس راہ میں پیش آئے حتی کہ بوقت ضرورت جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کرنا یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ محض ائمہ کا دین غالب آ جائے اس کے علاوہ کوئی اور غرض نہ ہو۔ پروفیسر خورشید نے اسلامی نظریہ حیات میں جہاد کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ داخلی جہاد، دعوتی وفکری جہاد او رمسلح جہاد۔ داخلی جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زمرے میں آتا ہے۔ دعوتی فکری جہاد کی غرض و غایت کے سامنے یعنی تم ان منکرین اسلام کا کہنا نہ مانو اور قرآن کے ذریعے ان سے پورا پورا جہاد کرتے رہو گویا منکرین کے سامنے قران کی دلیلوں کو برابر پیش کرتے رہنا دعوتی وفکری جہاد کے مترادف ہے۔ یہ فکری اور استدلاتی لڑائی کی ہدایت قرآن نے یہ کہہ کردی ہے بحث و مباحثہ کا وہ طریقہ اختیار کرو جو سب سے بہتر ہو۔ صحابہ کرام کو حکم دیا گیا کہ وہ واضح طور پر کفار و مشرکین کو سنا دو او ان کی پرواہ نہ کرو۔ مسلح جہاد فتنہ ختم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ فتنہ وہ قرآنی لفظ ہے کہ لوگوں کو اسلام کی پیروی کا حق نہ دیا جائے اور انہیں اپنے معبود کی بندگی سے روکا جائے یعنی فتنہ قتل سے بھی زیادہ بری چیز ہے لیکن زبردستی کسی کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے فتنہ کرنا ''دین میں زبردستی ہے'' قوت کا استعمال کرنا ممنوع ہے۔ مقصد صرف شرک کو رفع کرنا ہے۔ مسلمانو ں کے نظام جنگ میں پورا ایک نظام موجود ہے جس میں جان کی سلامتی بھی ہے، امن کی بقا بھی، زندگی بھی ہے۔ موت بھی ذاتی خواہشات سے منوعیت بھی ہے اور تحفظ بھی۔ یہی وجہ ہے فتح مکہ کے دن بیک وقت چھ ہزار افراد اخلاق نبوی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے ہیں۔

دہشت گردی کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور پوری امت مسلمہ کو کس لیے دہشت گرد قرار دیا جائے؟ جبکہ اسلامی تعلیمات مسلسل معاشرتی قدریں اور انسانی جذبے دہشت گردی کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کا محور یہ ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو فساد اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ مسلمان اپنے دین کی نوعیت کے اعتبار سے مجموعی طور پر دہشت گردی کے مرتکب نہیں ہو سکتے اور نہ ہی دہشت گردی کی سرپرستی کر سکتے ہیں۔ یہ دراصل مغربی پریس الیکٹرانک میڈیا خفیہ اداروں کی آپس میں گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے جس کے نتیجے میں یہ ایک منظم تحریک کی شکل اختیار کر گئی ہے کہ کس طرح مسلمان ریاستوں کو دہشت گرد قرار دیا جائے۔

اسلامی ریاستوں کو قومیت اور نیشنلزم کے نام پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا جب چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کو کمزور کر دیا گا تو انہیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے لڑایا گیا اور عالمی دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہوئے ان کی حفاظت کے بہانے پہلے ان کے وسائل پر اور پھر ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ عراق کویت جنگ کو مسلط کیا گیا جس کے نتیجہ میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج کویت، قطر، سعودی عرب اور بحرین میں مقیم ہیں۔ اور اب یہ جنگ مسلمانوں کو بین الاقوامیت کا جھانسہ

دے کر اسلامی تہذیب ختم کرنے کے درپے ہے۔ فروری ۱۹۷۶ء میں نائجیریا کے حکمران مرتلا محمد کو اس لیے دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہوئے قتل کیا گیا محض اس لیے نائجیریا امریکہ کے خلاف تیل کے بائیکاٹ میں شریک نہ ہو۔ بوسنیا میں مسلمانوں کی اجتماعی خودکشی کی گئی۔ یہ صرف اس لیے کہ بوسنیا سے بھی مغرب کے خلاف آواز اٹھنے لگی تھی۔ اپریل ۱۹۹۶ء میں چیچنیا کی آزادی کے ہیرو جوہر داؤد کو اس لیے راستے سے ہٹایا گیا کہ احیائے اسلام کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ اسرائیل نے مشرقِ وسطیٰ میں دہشت گردی کا جو سلسلہ شروع کیا ہوا ہے جس سے عالمی امن خطرے میں پڑ چکا ہے۔ یہی وجہ ہے سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مسلمان ہی کو مغرب کا حریف تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے ذرائع ابلاغ مسلمان ملکوں اور عالمِ اسلام کو دہشت گرد قرار دے کر اپنی تحریک کو کامیاب کرنا چاہتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں کہیں بھی دہشت گردی کا تصور نہیں ملتا ہے۔ کفارِ مکہ اپنی ایذا رسانیوں کے جواب میں بھی آپ ﷺ نے اپنے قاتلوں کو بھی معاف کیا اگر خدانخواستہ آپ ﷺ نعوذ باللہ دہشت گرد ہوتے تو پھر آپ ﷺ کے معتقدین بھی اس راہ پر چلتے۔ جب کہ تاریخ قاصر ہے کہ آپ ﷺ پر کبھی کسی نے کردار کشی کی ہو۔ بہرحال ہماری ناقص رائے میں یہ ناممکن ہے کہ پوری امت مسلمہ کو دہشت گرد مانا جائے۔ مسلمان کو بلا ضرورت جنگ کرنے سے منع کیا گیا۔ اگر آپ پر زیادتی کی جائے تو آپ بھی اس قدر زیادتی کریں جس قدر آپ پر زیادتی کی گئی ہو۔ ان احکامات کی روشنی میں امت مسلمہ کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا کہ وہ دہشت گرد اور فسادی ہیں۔ حقائق کے برعکس ہے۔ مسلمان کو جہاد کی بھی مشروط طور پر اجازت دی گئی اس لیے وہ انسانی جان کی حفاظت کرتا اور امن کو فروغ دیتا ہے یہی وجہ ہے آپ ﷺ کی سیاست میں قوت کے استعمال کی بجائے حکمت دانائی دکھائی دیتی ہے۔ کسی بھی انقلابی نظریہ پر بغیر ایک قطرہ خون بہائے نظامِ ریاست کو اس طرح ترتیب دینا امن کی سلامتی و بقا کا مظہر ہے نہ کہ دہشت گردی۔ یہ محض ایک الزام ہے یہی وجہ ہے اسلام اپنے معتقدین کو ہر طرح کے ظلم جبر اور استبداد اور دہشت گردی سے علیحدہ رکھتا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کسی بھی وجہ سے دہشت گردی میں ملوث ہوتا ہے تو وہ اس کا انفرادی فعل ہے۔ کسی بھی فرد کی ذاتی دہشت گردی یا فساد کو پوری امت کا فعل قرار دینا قانونی اخلاقی اور تہذیبی لحاظ سے غلط ہوتا ہے۔ امریکی سلامتی کے ادارے کے محقق جوس دا فیس تحریر کرتے ہیں "اسلامی تنظیمیں اس وقت تشدد پسندی کی راہ پر چل نکلتی ہیں جب ان پر پرامن سیاسی ماحول میں کام کرنے کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر یہ قوت کے ذریعے حکومتیں جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کرتی ہیں" یہ ضروری نہیں کہ تمام تنظیموں کے تمام ارکان دہشت گرد ہیں۔ بلکہ چند افراد بھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی اصلاح کی جائے تاکہ یہ افراد بھی انتقام کی دنیا سے نکل کر مہذب انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں اور اس روئے زمین پر دہشت گردی ختم ہو اور انسان پرسکون زندگی بسر کرے۔ اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے سے پہلے جہالت و غربت کا مٹانا ضروری ہے۔ معاشی ناہمواریاں ختم کرنا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کا بنیادی مقصد امن کی فراہمی سب کے لیے ہے اور تمام راستوں سے بہتر راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے (مشکوۃ)

بہرحال عالمِ اسلام کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں دہشت گردی کے چیلنج کا جواب دینا ضروری ہے لیکن اس

کے لیے ضروری ہے کہ آپ اختلاف رائے کو برداشت کریں اعتدال پسندی کو اپنائیں اور اپنا دفاع مضبوط رکھیں۔

۵- بنیاد پرستی:

دہشت گردی سے پہلے مغرب نے اہل اسلام اور امت مسلمہ کے لیے ایک نئی اصطلاح متعارف کرائی یہ بنیاد پرستی کی اصطلاح تھی۔ گویا عصر حاضر کے چیلنجوں میں ایک نیا چیلنج امت مسلمہ کے لیے پیش کیا گیا وہ بنیاد پرستی کا چیلنج تھا۔ قرآن مجید میں اس چیلنج کا اس طرح ذکر آیا ہے

''اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ پھیر دیں تم کو تمہارے دین سے اگر قابو پاویں اور جو کوئی پھرے تم میں سے پھر مر جاوے حالت کفر میں تو بہت سے ضائع ہوئے دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲:۲۱۷)

تاریخ شاہد ہے کہ کفار اور خیر کی قوت ہمیشہ سے ہی نبرد آزما رہی ہے۔ ان قوتوں کی چالیں اور منصوبے اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر ان قوتوں نے ہمیشہ ہی اہل اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ اور اپنی منشاء کے مطابق مفاد حاصل کرو۔ اور بے شک اس میں دوسرے مذہب کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مذہب میں ایسی ریشہ دوانیاں پیدا کرو کہ مذہب کے جاننے والے یعنی علماء وفضلاء بھی عوام کے سامنے اپنی کم علمی کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں اور اس طرح مذہب کے پیروکاروں کی تعداد کو اس حد تک گھٹا دو کہ آخر کار انہیں دوسرے مذہب میں عافیت نظر آنے لگے۔ یہ وہ بنیادی فلسفہ تھا۔ جو مغرب نے امت مسلمہ کے لیے اپنے ذہن سے گھڑا۔ اور پھر اس کی مختلف تاویلات پیش کیں۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ کے تحت فرعون نے اپنی قوم کو کئی فرعونوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ماضی قریب میں برطانیہ نے یہ پالیسی ترکوں پر نافذ کی اور اس طرح سلطنت عثمانیہ تباہ ہو کر اہل اسلام کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے عبرت کا نشان بن گئی۔ برصغیر میں بنگال تقسیم کیا گیا، پاکستان کو مشرقی اور مغربی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ کشمیر کو آزاد اور مقبوضہ میں تقسیم کیا گیا۔ پنجاب کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ فلسطین کو دائیں کنارے اور بائیں کنارے کی پٹی پر تقسیم کیا گیا۔ الغرض جہاں کہیں بھی ان کو یہ احساس ہوا کہ کسی مقام پر کچھ لوگ یا گروہ یا قومیں ان کی مخالفت پر اتر سکتی ہیں تو انہوں نے ان کو آپس میں تقسیم کرنے اور ان کو ایک دوسرے کا مخالف بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ مذہبی رواداری کو ختم کر کے تشدد آمیزی کا رویہ اپنایا جاتا رہا۔ سید جمال الدین افغانی، مہدی سوڈانی، عبدالوہاب اور شاہ فیصل شہید جیسے لوگوں نے اس فلسفے پر چلنے کی بجائے ان کی مخالفت کی کوشش کی۔ نتیجۃً ان سب حضرات کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ امام خمینی سے عراق پر حملہ کرایا گیا اور امت مسلمہ کے تقریباً آٹھ سال عراق ایران جنگ پر ضائع ہوئے۔ امت مسلمہ کی توانائیاں منتشر ہوگئیں۔ افغانستان میں افغانیوں کی صلاحیت ایک دوسرے پر ضائع کی گئی اسی طرح کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور چیچنیا میں بھی یہی عمل دہرایا جاتا رہا۔ مذہب کے حوالے سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام یہودیت اور عیسائیت کی بنیادی تعلیمات کافی حد تک ایک ہیں۔ اسلام اور عیسائیت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نئے قوانین آنے پر پرانے قوانین منسوخ ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے ساتھ ان کی مخالفت کی بنیاد بھی یہی ہے۔ اس طرح جہاں جہاں مغرب

استعماری قوتوں نے دنیا کے کسی بھی حصے میں خصوصاً امت مسلمہ کے حوالہ سے مذہبی خطرات کی بومحسوس کی وہاں انہوں نے Resurgent یعنی اسلام مخالف دشمنی کا شوشہ ضرور چھوڑا۔ ایران میں انقلاب کے بعد بنیاد پرست عیسائی Red Alan Walder جو میتھڈسٹ چرچ کونسل کے ڈائریکٹر تھے، نے اپریل ۱۹۷۹ء میں پریس کانفرنس کے دوران عیسائیت کو تنبیہ کی کہ عیسائی دنیا کو انسانیت بچانے کے لیے اسلام کے خلاف اپنی قوتیں جمع کرنی ہوں گی۔ اسلام دنیا کے امن و ترقی کے لیے خطرہ بن رہا ہے۔ اسلامی ریاستوں میں جو کچھ ہو رہا ہے دنیا کو اس سے بڑا خطرہ ہے۔ اس پالیسی کو خلیج کی جنگ میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ بنیاد پرستی کے ضمن میں اہل اسلام اور امت مسلمہ کے افراد کے خلاف Liberalist, Modernist, Fundamentalist, Fanatic اور بنیاد پرست جیسی اصلاحات امت مسلمہ کے لیے استعمال کرنا شروع کیں۔ مگر اسلام پھر بھی اسلام ہے اور مسلمان پھر بھی مسلمان ہیں۔ بنیاد پرست اور بنیاد پرستی جیسی اصلاحات اسلام میں متعارف نہیں اس قسم کی اصلاحات اس لیے استعمال کی گئیں کہ امت مسلمہ کے دعوتی فکری جہاد کو روکا جا سکے۔ اور مذہب کے بارے میں بے بنیاد پراپیگنڈہ کر کے امت مسلمہ کو اسلام سے متنفر کیا جا سکے۔ اسلام اعتدال پسند ہے اور اعتدال پسندوں کو پسند کرتا ہے اسی لیے اسلام میں رجعت پسندی کا کوئی تصور نہیں۔ اسلام ایک حرکی طرز زندگی کا نام ہے اسی لیے اس میں ان تمام مسائل کا حل موجود ہے جن کے ساتھ وقتاً فوقتاً زندگی کے تمام میدانوں میں واسطہ پڑتا ہے۔ اسلام کو دائیں بازو اور بائیں بازو سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ صحیح اور غلط میں فرق روا رکھتا ہے۔ اسلام میں ری ایکشنری کا تصور بدی کا بدلہ برائی اور نیکی کا بدلہ اچھائی ہے۔ اس میں عمل کو فوقیت ہے۔ اس میں Rigid ہٹ دھرمی اور سیکولرزم کا کوئی تصور نہیں۔ یہی وجہ ہے جس کے لیے امت مسلمہ کو بنیاد پرستی، دہشت گردی جیسے چیلنجوں کے ساتھ ساتھ ان چھوٹی چھوٹی اوپر دی گئی اصلاحات کا بھی سامنا ہے۔ جس کے لیے امت مسلمہ کے مفکرین اور دانشوروں کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ اس کا جواب نسل نو کو بچانے کے لیے تیار کریں۔ اور نسل نو کو حقیقی اسلام سے آگاہ کرنے کے لیے خود عملی نمونہ کا ثبوت دیں۔

عالمی بدامنی:

۔ اس وقت دنیا کو بالخصوص اور عالم اسلام کو بالعموم جن چیلنجز کا سامنا ہے۔ انہیں امن کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ حکومت کو چاہے کوئی بھی امن اس کے لیے بنیادی آزمائش کی شرط ہے۔ امن کے لیے استعمال ہونے والا لفظ اسلام ساری دنیا میں باہمی سلامتی کے شعار میں استعمال ہوتا ہے اور یہی لفظ جنت میں داخلہ کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ امن ہی وہ فلاح ہے جس کے لیے رسول کریم نے معاشرہ کی تشکیل نظام صلوۃ کے ذریعہ فرمائی۔ اور حی علی الفلاح کی منادی کرائی۔ عالمی امن جو آج مہذب دنیا اور اقوام متحدہ کا مقصود اعلیٰ بنا ہوا ہے لیکن کیا اقوام متحدہ کو اپنے مشن میں کامیابی نصیب ہوئی۔ کیا اقوام متحدہ آج کی دنیا میں کسی بھی کونے میں امن حقیقی قائم کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اس کا جواب یقیناً ہر ذی شعور کے لیے نفی میں ہوگا۔ اس کی بنیادی وجہ جدید اسلحہ کی وہ قسم ہے جو بجائے امن کے اداروں یعنی پولیس فوج کی بجائے ملزموں کی پہچان ہے اور وہ اس کے بل بوتے پر اپنے گروپ کے گروپ قائم کر لیتے ہیں۔ انسانی خواہشات کے برعکس ذاتی خواہشات کی تکمیل کی جاتی ہے اور اسمگلنگ کو فروغ دیا جاتا ہے۔ ہیروئن اور نشہ آور اشیاء کی خرید وفروخت کی جاتی ہے۔ اور

انسانیت کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی بھی ترکیب ضائع ہونے نہیں دی جاتی اور ان کی رکاوٹ بننے والے ادارے اور ان کے وسائل کو روند دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح عالمی بدامنی معرض وجود میں آتی ہے۔ جس کا نشانہ مسلمان ممالک کو بنایا جاتا ہے۔ ہیروئن، پوست، افیون، اینٹی نارکوٹکس اشیاء نہ صرف انسان کی ذاتی شخصیت کو تباہ کرتی ہیں بلکہ معاشرے میں اس کے نمایاں اثرات واضح ہوتے ہیں۔ اس لیے قرآن حکیم نے شراب جوئے اور نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ عالمی امن کی بربادی میں جہاں اقوام متحدہ کا کردار دنیا کے سامنے ہے وہاں مسلم ممالک کا باضابطہ کوئی ایسا پلیٹ فارم نہ ہونا جس سے انکی آواز کو یدطولی کی حیثیت حاصل ہو سکے ایک نہایت ہی سنجیدہ قسم کا المیہ ہے۔ سلامتی کونسل مسلمانوں کے بہتے ہوئے خون اور ان کے غصب شدہ حقوق کی بجائے بھارت اور اسرائیل کے جارہانہ عزائم کو امداد دیتے ہیں۔ اس صورتحال میں اگر امت مسلمہ کے مسلمان اپنی جان مال آبرو کی حفاظت کے لیے کوئی تنظیم بنا لیتے ہیں یا انفرادی طور پر اپنے حقوق کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دینے لگتی ہیں تو یا تو دہشت گرد یا پھر بنیاد پرست تصور کیے جاتے ہیں۔ تعلیمات نبوی میں جانوروں تک کے حقوق کی حفاظت قرار دی گئی ہے۔ یورپ اور مغرب نے تعلیمات نبوی پر عمل درآمد کرتے ہوئے جانوروں کے لیے تو ان تمام ضروریات کو لازمی قرار دیدیا جو ان کی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن افسوس مسلمان کے خون کی قیمت ان کی نظر میں نہایت ہی حقیر ٹھہری۔ ایک عالمی سروے رپورٹ کے مطابق عالم اسلام میں بسنے والے ایک انسانی جان کی قیمت محض صرف اور صرف چار روپے ہے۔ گویا چار روپے میں آپ کسی بھی انسانی جان کو ختم کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی امن کے حوالہ سے مشہور فلسفی و ڈرامہ نگار برناڈ شاہ دوسری جنگ عظیم کے بعد برملا کہتا ہے کہ اگر آج محمد ﷺ کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا جائے تو دنیا میں ایک بار پھر امن قائم ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت میں جس مسئلہ پر سب سے پہلے فیصلہ ہوگا وہ خونی کیس ہوگا۔ انسانی جان کی قیمت انمول ہے اس لیے اس کی حفاظت ہر شخص کا مذہبی و اخلاقی فرض ہے۔ بدامنی کی جہاں اور دوسری وجوہات ہیں وہاں ایک سب سے بڑی وجہ اسلحہ کی بین الاقوامی سطح پر خرید و فروخت ہے۔ اس بین الاقوامی سطح پر اسلحہ کی خرید وفروخت امن قائم کرنے والے اداروں پولیس اور فوج تک تو درست اور صحیح ہے لیکن اس میں خود غرض مفاد پرست افراد یا تنظیموں کو اسلحہ کی فراہمی نقص امن اور عالمی امن کی بربادی کے مترادف ہے۔ اس لیے امت مسلمہ کے حکمرانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور ایسا کوئی لائحہ عمل اختیار کریں جس سے ان ممالک کے عوام اس سے نجات پا سکیں اور ایسے معاشی منصوبے ترتیب دیں جس سے ان کے عوام کی صلاحیتیں تعمیری طور پر ابھر سکیں۔

امت مسلمہ کے وسائل:

امت مسلمہ کے ممالک کے جغرافیائی محل وقوع اور ان کے اندر پائے جانے والے وسائل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے امت مسلمہ کے ممالک کو بے پناہ وسائل سے نوازا ہے۔ چاہے وہ وسطی ایشیاء کی ریاستیں ہوں یا مشرق وسطی کے ممالک جزیرہ ہائے عرب کے ممالک ہوں یا پھر برصغیر پاک و ہند کے ممالک۔ ان سب کے وسائل کو بروئے کار لایا جائے تو کوئی وجہ نہیں امت مسلمہ کے عوام کا معیار بلند نہ ہو۔ اور انسان کی جب معاشی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور وہ غربت و جہالت کی دلدل سے نکل آتا ہے تو اس کی انفرادی اور اجتماعی صلاحیتیں خود بخود معاشرہ کی تعمیر

میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ہمارے اسلامی ممالک کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ وسائل ان کے پاس ہیں۔ مگر وسائل کی قدرو قیمت کا اندازہ نہیں۔ افرادی قوت بھی ہے مگر اس افرادی قوت کو استعمال کرنے کی صحیح منصوبہ بندی نہیں۔ یہی وجہ ہے بے روزگاری کا مسئلہ یورپ اور مغرب کی نسبت امت مسلمہ کے ممالک میں زیادہ ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ایجنسیاں موجود ہیں ان ایجنسیوں نے مختلف الاقسام کے منصوبے ترتیب دیے ان منصوبوں کا مقصد انسانی وسائل پر بزور طاقت قبضہ اور پھر ان پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا تھا۔ روس کی ایجنسی KGB کے ایجنٹوں نے چیچن مسلمانوں کو فضائی حملوں اور توپ خانے کی گولہ باری سے ختم کیا جانے والا کھیل شروع کیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ چیچن مسلمانوں اور ان کی آبادی کو ختم کر کے اس کے وسائل پر قبضہ کر لیا جائے یہی کھیل امریکہ کی ایجنسی سی آئی اے نے عراق اور یوگوسلاویہ میں کھیلا۔ تاکہ عراق کی بڑھتی ہوئی ٹیکنالوجی کی صلاحیت اور اس کے وسائل یعنی تیل پر قبضہ کیا جا سکے۔ مغربی دنیا خاص کر یورپ اور ایٹمی طاقتوں کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ان کے علاوہ کسی دوسر ملک کو یہ حق نہ دیا جائے کہ وہ بھی ان کے مقابلے میں ایک سپر طاقت بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی اسلامی ملک نے اس طرف توجہ دینی شروع کی تو اسے مغرب کیااور ایٹمی طاقتوں کی طرف سے شدید مزاحمت اور نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ نامساعد حالات میں اقتصادی پابندیاں سرفہرست ہوتی ہیں۔ لیبیا نے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے دھمکیاں دی گئیں۔ شام لبنان مشرق وسطی کے ممالک بے بسی سے مغرب کی غلامی کرنے پر مجبور ہیں۔ ایران نے بھی اپنا ایٹمی پروگرام شروع کیا ہوا ہے۔ اورنتیجہ کے طور پر اقتصادی پابندیاں بھی اس کا مقدر بن چکی ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے عراق کی ایٹمی صلاحیت کا مزہ دنیا نے دیکھ ہی لیا ہے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت بھی دنیا کی خاص کر ایٹمی ٹیکنالوجی کے اجارہ دار ممالک کو کھٹک رہی ہے ان حالات میں ضروری ہے کہ تمام اسلامی ممالک اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور میثاق مدینہ کی یادتازہ کریں جس کے ساتھ امن سب کے لیے امن جنگ سب کے لیے کے اصول پر عمل درآمد ہونا ضروری ہے۔ سپر پاورامریکہ کی جانب سے ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کا معاہدہ CTBT اور NT اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اس کے تحت ویٹو پاور ممالک کے علاوہ دیگر ممالک پر ایٹمی ہتھیاروں کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے لیکن اس کی اپنی پارلیمنٹ نے اس معاہدہ کی مخالفت کی ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے۔ مساوات کے اصول کے تحت ہر ملک کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی خود مختاری اور آزادی کا احترام کیا جاوے۔ لیکن بعض ایسے عوامل بھی سامنے آتے ہیں جس کی وجہ سے کمزور ممالک کو طاقتور ممالک کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور اس طرح ان کی داخلی خود مختاری اور سلامتی کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے قرآن پاک مسلمانوں کو اور خاص کر مومنین کو اپنے دشمنوں کے خلاف حسب طاقت انرجی قوت و طاقت اور جنگی سازوسامان کی تیاری کا حکم دیتا ہے۔ جس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں کو مرعوب کرنا مقصود ہو۔ ہر ملک کی اپنی ایک خاص خارجہ پالیسی ہوتی ہے۔ مسلمان ممالک اپنی خشک زمینوں کی طرف توجہ دے کر ہنگامی بنیادوں پر خوراک کی ٹیکنالوجی حاصل کر کے بے روزگاری کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ یورپ کی طرح ایک علیحدہ کرنسی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اور اس طرح ایک من حیث الوجود کا ثبوت دے کر آپس میں مشترکہ سرمایہ کاری کو فروغ دے کر مغرب اور اہل یورپ کی خود ساختہ غلامی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

اور یہ ہمارے ذمہ ایک نہایت اہم ذمہ داری بھی ہے کہ دنیا کی غذائی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ غذائی ضروریات کے حوالہ سے قرآن نے سورۃ یوسف میں ایک دانے سے ۷۰۰ دانے ایک سیر سے ۷۰۰ سیر اور ایک من سے ۷۰۰ من غلہ اگانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اسطرح سرمایہ داری اور جاگیرداری کو ختم کرنے کے لیے حکم دیا گیا جو آدمی تین سال تک زمین کو کاشت سے روکے گا وہ اس زمین پر اپنا حق ملکیت ختم کر دے گا۔ لوہے کی زنجیر اور تلوار اس لیے بنائی گئی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اسلحہ دشمن کے حملے کو پسپا کرنے کے لیے موجود ہو۔ قطران اور پٹرول سے کپڑا بنانے کی طرف توجہ ہے۔ خلائی ٹیکنالوجی آج کی ترقی یافتہ قوموں میں ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلائی ٹیکنالوجی کا حصول اگر تم سے ہو سکے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل کر بھاگو اگر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ اس کے لیے بڑی طاقت درکار ہے۔ تسخیر کائنات کا اسی لیے حکم ہے کہ انسان خدا کی دی ہوئی صلاحیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے اپنی صلاحیتیں اس میں صرف کرے اور اس طرح مخلوق خدا کیلئے فائدہ مند ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ الحمد اللہ پاکستان جیسے ملک نے پہلے ایٹمی ٹیکنالوجی پر دسترس حاصل کی اور اب خلائی ٹیکنالوجی میں قدم رکھنے کا اعلان کیا ہے تمام اسلامی ممالک کو اس کی تقلید کرنا چاہیے۔ اور اپنے اپنے وسائل کے اندر رہ کر مزید تسخیر کائنات کے شعبوں میں تعاون کرنا چاہیے۔ مسلمان ممالک ایک دوسرے کی ضروریات ترجیحی بنیادوں پر مال کے بدلے مال کے اصول کے تحت آپس میں اشیاء کا تبادلہ تجربات کر سکتے ہیں۔ ایران سے تیل پٹرول ملائیشا سے خوردنی تیل درآمد کر کے مشترکہ منڈی کے قیام کے چیلنج کو آسان بنا سکتے ہیں۔ مچھلی کی پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ خود ٹیکنالوجی میں اہم قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ معدنی تیل سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، عراق و بحرین سے درآمد کر کے ایک دوسرے کی اقتصادی حالت کو مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ خوردنی تیل اور توانائی کے شعبوں میں ترقی پذیر ممالک ترقی یافتہ ممالک سے مل کر اپنی معیشت کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔

سوویت یونین کے خاتمے کے بعد وسط ایشیا کی چھ مسلم ریاستوں نے جن میں آزر بائیجان، تاجکستان، ازبکستان، قازقستان، ترکمانستان وکرغزستان نے مسلم ممالک میں شمولیت اختیار کی۔ اس وجہ سے کہ وہاں اسلامی تہذیب نے از سرنو جنم لیا۔ اور ان چھ مسلم ریاستوں کی مجموعی آبادی چار کروڑ سے زائد ہے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک ایران افغانستان ترکی شام مشرق وسطیٰ، وسط ایشیا کی ریاستیں موجود معدنی وسائل و معدنیات سے ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ برونائی ملائیشیا دارلسلام انڈونیشیا، الجزائر، لیبیا، تیونس مراکش اور خلیج فارس کی ریاستوں میں آپس میں تعاون ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سیٹو اور سینٹو سے نکلنے کے بعد ۵۷ اسلامی ملکوں کے آپس کے تعلقات اسلامی اتحاد کی شکل میں مضبوط ہو چکے ہیں۔ اور اسلامی کانفرنس سیکرٹری نے باہمی مشاورت گروپ قائم کر کے اس پر غوروغوص شروع کر دیا ہے کہ امت مسلمہ کے وسائل کو کس طرح کام میں لایا جائے اور آپس کے اختلافات کو کس حد تک ختم کیا جائے؟ پاکستان نے وسط ایشیاء کی ریاستوں کے ساتھ کچھ تجارتی معاہدات بھی کیے ہیں جن کا فائدہ بہرحال اقتصادی لحاظ سے ہر ملک کو ہو گا۔

امت مسلمہ کو خاندانی منصوبہ بندی اور ماحولیات کے چیلنج سے بھی متعارف کرایا گیا۔ جتنے وسائل آبادی کے مسائل

پر خرچ کیے گئے اگر اتنے وسائل بہبود آبادی کی بجائے خوراک کے انتظام پر خرچ کیے جاتے تو آج دنیا سے کم از کم نصف آبادی بھوک سے نجات پا چکی ہوتی۔ ماحولیات بھی مغرب کا پیدا شدہ امت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج ہے جس کو بطور خاص متعارف کرایا گیا ہے۔ اسلام نے ماحول کی پاکیزگی اوراس کے جملہ اثرات انسانی زندگی پر جس طرح پیش کیے ہیں۔ جدید سائنس اس کا عشر عشیر بھی تحقیقات کے بعد ثات نہیں کر سکی۔

اسلام کا مستقبل:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام چیلنجز جو آج امت مسلمہ کو درپیش ہیں۔ ان حالات میں ان ممالک کا مستقبل کیا ہونا چاہیے یا دوسرے الفاظ میں اسلام کا مستقبل کیا ہے۔ معاشروں میں وحدت کا شعور جغرافیائی وحدت زمین کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔ نسلی وحدت بھی اجتماعی وحدت کے شعور کی اساس بنتی ہے۔ معاشی مفاد کے ایک ہونے سے بھی اجتماعی وحدت کا شعور پیدا ہوتا ہے جیسے وطن پرستی کی بنیاد پر۔ امریکہ میں نسلی وحدت کی بنیاد پر عرب ممالک میں معاشی مفاد کے ایک ہونے کی اساس پر اسی طرح روس کا بھی حال ہے مگر جب مفادات ٹکراتے ہیں تو حقوق کا تصادم ختم نہیں ہو سکتا۔ صرف فریب سے یا طاقت سے دبایا جا سکتا ہے۔ اسلام کا مقصود ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے اس کی بقاء اور ترقی ہے جو نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو اور وہ مفاد پرستانہ عناد میں مبتلا نہ ہو۔ بلکہ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو تاکہ فرائض کی بجا آوری پر اصرار سے حقوق میں تصادم پیدا نہ ہو اور عملی جدوجہد میں اجر کی توقع صرف اللہ سے وابستہ ہو آج بھی اسلام اس کی حیثیت و اہلیت رکھتا ہے کہ دنیا کو اخلاقی لحاظ سے ایک صحت مند معاشی اعتبار سے ایک عادلانہ اور عمرانی اعتبار سے ایک پائیدار تہذیب عطا کر کے اس کو باقی رکھ سکے۔ کیونکہ عصر حاضر کی روح کا تقاضا بھی ہے کہ سیاسی تصور زیادہ ولولہ انگیز تصور ہو۔ اسلام ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی رو سے دین اور سیاست اس معنی میں ایک ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میرے پیغام کے تابع نہیں ہو جاتیں۔ اسلام کی اساس اسلامی معیشت اور اسلامی سیاست پر غور وغوض کر کے اپنے آپ کو اسلام کیمطابق ڈھالنا ہوگا۔

کیونکہ خود قرآن کا اعلان ہے ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں، کے حوالہ سے اسلام بہرحال قائم رہے گا۔ امت مسلمہ کو اپنی حالت بدلنے کے لیے اسلام کو اپنانا ہوگا۔ نہ کہ اسلام امت مسلمہ کے حالت کے مطابق تبدیل ہوگا۔ اس لیے انشاء اللہ اسلام کا مستقبل انتہائی روشن ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ ہے خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ قرآن مجید تفسیر محمد عثمان۔ ۲۔ اسلام عقل و سائنس از مولانا اشرف علی تھانوی۔ ۳۔ مقالات سیرت از وزارت مذہبی امور۔ ۴۔ مقالات سیرت از وزارت مذہبی امور۔ ۵۔ اسلام اور جدید ذہن کے مسائل پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی۔ ۶۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ ۷۔ امن عالم سیرت طیبہ کی روشنی میں از حاجی غلام احمد چودھری۔ ۸۔ قرآن اور اسلام۔ ۹۔ اسلام مغرب اور ہم (ٹی وی پروگرام) ۱۰۔ اخبارات جنگ۔ ۱۱۔ عالمی معاہدے نیو ورلڈ آرڈر (اداریہ نوائے وقت Time) ۱۲۔ حالات حاضرہ (ٹی وی پروگرام) ۱۳۔ نبی الخاتم مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ ۱۴۔ قرون وسطی کے مسلمانوں کے سیاسی نظریے بزم اقبال۔ ۱۵۔ ہادی عالم ﷺ محمد ولی رازی۔ ۱۶۔ سیاست نامہ ترجمہ عابد علی عابد۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

سید خادم حسین بخاری- رحیم یار خان

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

اس کرہ ارض کے نقشے پر نظر ڈالیے تو اسلامی دنیا مراکش سے انڈونیشیا تک ایک کروڑ دس لاکھ مربع میل پر محیط ہے۔ یہ رقبہ پوری دنیا کے پانچویں حصے کے برابر ہے اور آبادی کے لحاظ سے ہم دنیا کا ایک چوتھائی حصہ ہیں۔ جبکہ ہماری تعداد ایک ارب تیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ ۶۵ کروڑ مسلم اکثریتی ممالک میں بستے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق دنیا بھر کے ۸۵ فیصد (خام مواد) وسائل مسلم ممالک کے پاس ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنے افرادی اور مادی وسائل رکھنے کے باوجود دنیا کی مجموعی سیاست میں ہماری کوئی موثر حیثیت نہیں۔

اندلس سے دیس نکالا ہونے کے بعد ۱۸۵۷ء میں ہندوستان سے مسلمانوں کی حکمرانی کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر اندرونی عناصر کی بے تدبیریوں اور دشمن کی سیہ کاریوں کے باعث ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ بھی ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے اتنے ستون یکے بعد دیگرے منہدم ہو گئے تو مصلحین امت نے اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو دوبارہ مجتمع کرنے کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا، علامہ جمال الدین افغانی، مولانا محمد علی جوہر، مفتی عبدہ، مولانا مودودی، امام خمینی اور علامہ محمد اقبال نے اپنے اپنے رنگ اور اپنے اپنے انداز میں اسباب زوال امت کی نشاندہی کر کے مسلمانوں کو بیدار کیا اور عظمت رفتہ کے دوبارہ حصول کے لیے راہوں کا تعین کیا۔

سرور کائنات نے امت مسلمہ کا عروج شروع ہوتے ہی زوال کی طرف جانے والے راستے کی نشان دہی فرما دی تھی۔ آپؐ نے اس راستے کو وھن کا نام دیا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ تم تعداد اور وسائل کے لحاظ سے امیر ترین ہونے کے باوجود دنیا میں کمتر بن جاؤ گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم میں وھن کا مرض سرایت کر جائے گا۔ یہ مرض دولت کی ہوس اور موت کا خوف ہے۔ مسلمانوں کی اجتماعی بہبود اور شیرازہ بندی کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر، افراد ملت، اپنی بصیرت کے مطابق تلوار اور قلم کے جہاد میں مصروف ہیں لیکن اس جادہ و منزل پر گامزن افراد، تنظیموں اور جماعتوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ یہ قلیل تعداد عبادی الشکور، اتنے بڑے کام کو سرانجام دینے کے لیے ناکافی ہیں۔ جب تک امت کا کثیر حصہ اس جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر میدان عمل میں کود نہ پڑے۔ مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے ان ارب مسلمانوں کے دوبارہ اتحاد، ایک مشترکہ ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل، خلافت اسلامیہ کے قیام یا حاکمیت الہیہ کے نفاذ کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں یا اس وقت موجود ہیں انہیں دو زمروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ایک اندرونی خلفشار اور دوسرا بیرونی استعمار:

عالمی استعماری قوتوں نے امت مسلمہ کے اندر اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جو ہوس و زر اور رحب جاہ میں مبتلا عناصر کو تلاش کر کے انہیں ایک مشن سونپ دیتی ہیں۔ یہ اندرونی ایجنٹ ایک واضح نصب العین اور منصوبے کے تحت مرکز گریز رجحانات Contriful Tendencies کو فروغ دیتے رہتے ہیں۔ کبھی رنگ و نسل کا مسئلہ اٹھا دیتے ہیں تو کبھی زبان کو فتنہ کی شکل دے دیتے ہیں اور کبھی مذہب کا لبادہ اڑوھ کر فرقہ واریت کو ابھار دیتے ہیں۔ معمولی نکات کو یک جا کر کے نیا فرقہ معرض وجود میں لے آتے ہیں۔ فرقہ پیدا ہونے کے بعد فرقہ پرستی ایک زہر کی شکل میں جسد امت کی رگوں میں دوڑنے لگتا ہے۔ اسلامی دنیا اور پاکستان ایک انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے گو ہر مسلمان کا دل اس جذبے سے سرشار ہے کہ وہ حشمت اسلام کی بحالی کے لیے کچھ نہ کچھ کر گزرے گا۔ لیکن حقائق اور واقعات کی تصویر یہ ہے کہ عالم اسلام میں اختلاف کی خلیج روز بروز گہری ہوتی چلی جا رہی ہے۔ دوسری طرف کفر جو ملت واحدہ ہونے کی حیثیت سے ہر اسلامی ملک کے ذہنی تشخص کو ختم کرنے کے درپے ہے اور عالم اسلام کی نظریاتی بنیادوں کو مسمار کرنے کے لیے ہر طرح کے جدید اسلحہ سے لیس ہے۔ کبھی وہ قومیت کے نام پر مسلمانوں کو مسلمان سے لڑاتا ہے اور کبھی ثقافت کے نام پر ایسے رسوم و رواج اور عادات کو اسلامی معاشرے میں رائج کرتا ہے جن سے اسلامی ثقافت اور معاشرت کی بنیاد متزلزل ہو رہی ہے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ صیہونی لابی یورپ اور امریکہ میں روشن خیالی اور لبرل ازم (Liberalism) کا جادو جگانے کے بعد اب ہندو لابی کے ساتھ مل کر اسلامی ممالک کو بدترین شدت پسندی کا نشانہ بنانے کی کوششوں میں مصروف ہے اور دوسری جانب مختلف مذاہب کے درمیان غلط فہمیوں کا ڈول ڈال کر اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان تہذیبی تصادم کی راہ ہموار کر رہی ہے۔ یہ لبرل ازم کے ذریعے صیہونی طاقت کو دنیا پر مسلط کرنے کی سازش ہے۔ صیہونی لابی چونکہ دنیا کے میڈیا پر چھائی ہوئی ہے اور اسلامی ممالک کے معاشرتی اور تعلیمی نظام میں تبدیلیاں لانے کی کوشش کر رہی ہے حیرت ہے کہ یہودیوں کو اپنی مذہبی رسومات و روایات پر عمل پیرا ہونے پر کوئی پابندی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسرائیلی بنیاد پرستی کو دنیا بھر میں نظریاتی مذہبی ریاست کا نام دیا گیا ہے جبکہ اسلامی روایات کو دہشت گردی کے نام نہاد القابات سے نوازتے ہوئے اجتماعی قتل و غارت گری کا مژدہ سنایا جا رہا ہے۔

عراق اور افغانستان میں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کے بعد اب امریکہ اسرائیل اتحاد کی روشنی میں لبنان کے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے۔ مقبوضہ فلسطین اور لبنان کے جارحیت زدہ علاقوں میں بنیادی انسانی حقوق کی جس بے دردی سے خلاف ورزی کی گئی ہے۔ نسل انسانی کو جس بے دردی سے کچلا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مسلم ممالک کو تو وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی نام نہاد موجودگی پر واجب القتل قرار دیا جاتا رہا ہے جبکہ امریکہ، برطانیہ، منافقانہ اتحاد نے اسرائیل کو انسانی نسلوں کی تباہی کا لائسنس دے دیا ہے اور ایک ایسے بحران کو جنم دیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں دنیا قومیت کی نئی پیچیدگیوں سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

افغانستان اور عراق سے امریکہ کو یہ سبق ملا ہے کہ اگر آپ کسی ملک پر کئی ہفتوں کے لیے آسمان سے آگ

برساتے ہیں تو اس کے فوراً بعد اس کو فتح کرنا آسان ہو جاتا ہے لیکن اگر مقامی مزاحمت پر تل جائے تو وہاں پر قبضہ برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لبنان کی حالیہ جنگ سے اسرائیل نے یہ سبق سیکھا ہے کہ اگر چھوٹے ملک کے عوام موثر گوریلا ٹریننگ حاصل کرلیں اور جذبہ سے سرشار ہوں تو قبضہ برقرار رکھنا تو کجا اس ملک کو فتح کرنا بھی وبال جان بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ لبنان کا تجربہ امریکیوں کو ایران یا شام پر حملہ کرنے سے باز رکھنے میں معاون ہو۔ حزب اللہ کی کامیابی عالمی اسلام کے لیے ایک نمونہ عمل ہے۔ اب چھوٹے ملکوں اور عوام کا حوصلہ بلند ہو جانا چاہیے کہ اگر گوریلا جنگ کے طریقوں کا صحیح استعمال عمل میں لایا جائے تو اپنی سے بڑی طاقت کو اپنے ملک پر قبضہ کرنے سے روکا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو دنیا میں طاقت کا توازن بدل جائے گا اور شاید اس طرح سے بڑے ملکوں کو اپنے سے چھوٹے ملکوں پر چڑھ دوڑنے سے باز رکھا جا سکے۔ اس لحاظ سے لبنان کا معرکہ تاریخ حرب میں ایک خاص مقام حاصل کر لے گا۔

آج حزب اللہ نے پورے عالم اسلام کو باعث نڈر اور مضبوط جدید ترین فوج رکھنے کے باوجود امریکہ اور اسرائیل سے ڈرتے تھے اب ان پر واضح ہو گیا ہے کہ اگر قوت ایمانی اور عزم و استقلال ہو تو یہ سپر پاور ممالک زیرو پاور دکھائی دیتے ہیں۔ اب تمام اسلامی ممالک کو چاہیے کہ وہ بے سرو سامانی والے حزب اللہ کی بہادری، جرأت اور خدا پر کامل بھروسہ کو نمونہ عمل بنائیں اور وہ دن دور نہیں جب امریکہ اور اس کے حواری اپنے ناپاک عزائم کی سزا بھگتتے ہوئے اپنی موت مر جائیں گے۔

حالیہ لبنان و فلسطین جنگ کے نتائج سے پاکستان کو یہ بیش بہا فائدہ ہوا ہے کہ لبنان میں حریت پسندوں اور جہادی قوتوں اور حریت پسندوں کی کامیابی کے باعث اب بھارت کے لیے آزاد کشمیر کی طرف گرم تعاقب کا تصور ماند پڑے گا اور وہ کوئی بھی قدم بڑھانے سے پہلے سو بار سوچنے پر مجبور ہوگا تاہم اس مقصد کے لیے صرف جہادی عناصر پر تکیہ کرنا مناسب نہ ہوگا۔ بلکہ اس پر پوری پاکستانی قوم کو بھی لبنانیوں کی طرح قومی یک جہتی کا بھرپور مظاہرہ کرنا ہوگا۔ داخلی سطح پر موجود آج نظر آنے والے جوار بھاٹے کی کیفیت کو ختم کرنا ہوگا۔ حکومت اور اپوزیشن کو باہم متفق و متحد ہو کر اپنا قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ مستقبل کا تاریخ دان یہ طے کرے گا کہ حالیہ اسرائیل جارحیت اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کس حد تک کامیاب ہوئی ہے؟ قریب و بعید میں حالیہ جنگ کے دوران درپیش کمزوریوں کی روشنی میں امریکہ اور اسرائیل میں حالیہ خفت مٹانے کے لیے دوبارہ لبنان پر دھاوا بولنے سے نہیں چوکیں گے کیونکہ امریکہ میں برسر اقتدار کنزرویٹو اپنے آپ کو خدا کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے بھی صلیبی جنگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور کبھی فاشزم (Fascism) جیسے گھناؤنے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

دہشت گردی کے نام پر امریکہ نے جو جنگ چھیڑ رکھی ہے اس کا ہدف براہ راست مسلمان ہیں۔ وہ عراقی ہوں یا افغانی اور بش صدر امریکہ نے پہلے کروسیڈ Crusade کا پھر اسلامی فاش Islamic Fascit کے الفاظ استعمال کر کے اپنا ذہن واضح کر دیا ہے۔ صدر پرویز مشرف نے اپنے حالیہ دورہ امریکہ، اقوام متحدہ سالانہ ستمبر کے اجلاس میں خطاب کے دوران صدر بش کی طرف سے فاشٹ عناصر کے ساتھ اسلامی لفظ استعمال کرنے کی مخالفت کی ہے اور کہا کہ آخر بھارت اور اسرائیل ایٹم بموں کو ہندو اور یہودی بم نہیں کہا جا سکتا تو اسلامی بم یا پاکستانی بم قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ امریکہ نے کشمیر اور

فلسطین میں کبھی بھارتی و اسرائیلی ریاست کو دہشت گردی کے زمرے میں تصور نہیں کیا۔ الٹا بطور اتحادی ان کا دفاع کیا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ واضح طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ امہ اسلامیہ کے مسلم عوام کی یہ دیرینہ خواہش ہے کہ مسلمان ممالک، امریکہ کو کھل کر یہ باور کرائیں کہ وہ جہاد اور دہشت گردی میں تمیز کرے۔ جنگ آزادی یا حق خود ارادیت کی مسلم جدوجہد کو دہشت گردی کے زمرے میں شامل کر کے بھارت، اسرائیل اور دیگر اسلام دشمن ممالک کی پشت پناہی نہ کرے یہ صدر امریکہ کی پاکستان کے خلاف غیر دوستانہ حرکت ہوگی۔

پاکستان خدا کے فضل و کرم سے نیوکلیئر پاور ہے اور صدر پرویز مشرف کا دعویٰ ہے کہ اب اس کی حکومت کی اقتصادی بنیاد مضبوط ہو چکی ہے۔ اس لیے اسے پورے قد سے کھڑے ہو کر عالمی استعمار کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر مسلم ممالک مل کر امریکہ سے مطالبہ کریں کہ وہ آزادی کی جنگ اور دہشت گردی میں فرق کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں نفرت کا نشان بننے والی امریکی حکومت اپنے بھلے کے لیے اس پر غور نہ کرے۔ ایک ارب تیس کروڑ مسلمانوں کی آواز اتنی توانا ہونی چاہیے کہ واشنگٹن اس کو قرار واقعی اہمیت دے۔ صدر پرویز مشرف نے اپنی کتاب In the line of fire کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم ممالک مغربی دنیا سے مل کر امریکہ کی قیادت میں دہشت گردی کی وجوہات کا خاتمہ کریں۔ اس کے لیے ٹھوس اور واضح حکمت عملی اپنانا ہوگی۔ اس مقصد کے لیے پاکستان ایک پل کا کردار ادا کر سکتا ہے۔

قوموں کی آزادی و ترقی اعلیٰ قیادت کی مرہون منت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے مسلم ممالک میں اعلیٰ قیادت کے فقدان سے اسلام زوال پذیر ہے اور مغرب کی روایات کو اپنا لینے سے مسلمان اخلاقی تباہی و بربادی کی جانب تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ دوسری جانب مغرب کے نام نہاد ہیرو میڈیا کے ذریعے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں اور مسلم ممالک کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے وسائل پر قبضہ کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ جس میں چند مسلم ممالک بھی امریکہ کے آلہ کار بننے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ امریکہ نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کو جواز بنا کر افغانستان اور عراق پر دہشت گردی کی جنگ مسلط کر دی اور بے گناہ عوام پر ظلم شروع کر دیا۔ کیونکہ امریکہ عراق میں تیل کے ذخائر پر قبضہ اور افغانستان میں کنٹرول کے باعث ملک چین کو اپنے زیر اثر کرنا چاہتا ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ کبھی دہشت گردی کی ٹرم کو کبھی تہذیبوں کے درمیان تصادم کو ہوا دی جاتی ہے لیکن امریکہ کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکنے والے ممالک میں ایران اور ملائشیاء کے عوام کا جذبہ اور اعلیٰ قیادت کا ذکر نہ کرنا بھی ناانصافی کے مترادف ہے۔ اسلام کے جدید تقاضوں سے ہم کنار کرنے کے لیے اسلام کے خلاف جاری پروپیگنڈہ کا جواب دینے اور مغرب کی سازشوں کو بے نقاب کرنے والے مرد آہن مسلم امہ کے سرتاج سابق وزیراعظم ملائیشیاء ڈاکٹر مہاتیر محمد ہیں جو۔۔ کے حقیقی اصولوں کی روشنی میں مسلمانوں کو آگے لے کر چلنا چاہتے ہیں اور اس کی مثال خود ملائیشیاء ہے کہ جہاں چھ مذاہب کے لوگ آباد ہیں لیکن کبھی فرقہ واریت کے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ ۹۰ فیصد خواندہ ہیں اور ۹۰ فیصد لوگوں کو صاف پانی مہیا ہوتا ہے۔ وہاں ہسپتالوں کی حالت بھی

قابل دید ہے حالیہ پاکستان کے دورہ میں فرمایا کہ مسلمان دہشت گرد نہیں اور نہ ہی اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔ درحقیقت اصل دہشت گرد امریکہ، اسرائیل اور اس کے اتحادی ہیں جو معصوم عوام اور نہتے لوگوں کو بمباری کے ذریعے نشانہ بنا کر ان کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ امریکہ اسلام کی طاقت سے خوف زدہ ہے۔ مسلم امہ کو امریکہ کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کی ضرورت ہے اور امریکی مصنوعات اور ڈالر سے رابطہ کرنا بھی ضروری ہے۔

یورپ تہذیبوں کی جنگ یا تصادم کی نئی ٹرم کو اجاگر کر رہا ہے۔ حالانکہ یورپ میں ہر ایک ایک کو تاریخ پڑھانی چاہیے کیونکہ وہ لاعلمی کی بناء پر اسلام کے خلاف بول رہے ہیں اور مغربی میڈیا نے اپنے نام نہاد لیڈروں کی ہرزہ سرائی کا بول بالا کر دیا ہے اور بین الاقوامی میڈیا نے بدنیتی کی بناء پر دہشت گردی کو اسلام سے ملا دیا ہے حالانکہ سانحہ نائن الیون ۹/۱۱ کو جواز بنا کر افغانستان اور عراق کو ٹارگٹ کیا جا رہا ہے۔ امریکہ اپنے سیاسی مفادات کے لیے مسلمانوں کے وسائل کو قابو کرنا چاہتا ہے اگر دنیا مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے بلاجواز قیام کا ساتھ نہ دیتی تو خطے کے حالات مختلف ہوتے۔ دنیا نے فلسطین کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔ اسرائیل فلسطین پر بمباری کر رہا ہے کیا یہ دہشت گردی نہیں اور فلسطین کی امداد کے لیے کوئی ملک آگے نہیں بڑھتا اسی وجہ سے وہاں تحریک آزادی نے جنم لیا اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے خودکش حملے شروع ہو گئے۔ جنہیں اسلام سے منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ یہ ایک الگ معاملہ ہے اور جب فلسطینیوں نے اس صورت حال کے پیش نظر ہتھیار اٹھائے تو انہیں دہشت گرد کہا جانے لگا۔ امریکہ نے گیارہ ستمبر ۹/۱۱ کے بعد کھلی جنگ کا آغاز کیا اور صلیبی جنگ کا ذکر چھیڑا اور دہشت گردی کی جنگ کو جواز بنا کر مسلمانوں پر حملے کیے جاتے تھے۔ اب امریکہ افغانستان اور عراق کے بعد ایران اور شام کو ہدف بنانے کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے۔ افغانستان اور عراق پر حملوں کے دوران جدید اور خطرناک ہتھیار استعمال ہوئے۔ عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کی موجودگی کو جواز بنا کر حملہ کیا گیا۔

امریکہ اسرائیل اور ان کے اتحادی وغیرہ دہشت گردی کو فروغ دے رہے ہیں۔ ایک جانب شمالی کوریا نے ایٹمی معاہدے کی خلاف ورزیاں کیں۔ لیکن اس کے خلاف کوئی جنگ نہیں کی گئی اور نہ ہی اس پر پابندیاں لگائی گئیں۔ خودکش حملے اچھی بات نہیں اور نہ ہی مسائل کا حل ہیں مگر جب آپ لوگوں کو انصاف نہیں دیں گے تو وہ ایسا ہی کریں گے۔ قرآن پاک میں ۴۳ بار لوگوں کو انصاف دینے کا ذکر ہے اگر آپ امتیازی سلوک روا رکھیں گے تو خودکش حملے روکے نہیں جا سکتے۔

سری لنکا میں تامل ٹائیگر اور بلیک ٹائیگر کے حملے ۹/۱۱ سے پہلے شروع ہوئے تھے انہیں امریکہ نے دہشت گرد قرار نہیں دیا تو پھر دنیا میں ہونے والے خودکش حملوں کی ذمہ داری مسلمانوں پر کیوں عائد کی جاتی ہے؟ اسلام، عیسائیت، یہودیت کو مفاد پرستوں نے اپنے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے جو مسائل کو جنم دے رہے ہیں۔ وہ مسائل کی آڑ میں اپنے مفادات کا تحفظ دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد کے فرمان کے مطابق ایک وقت تھا جب آدھی سے زیادہ دنیا پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور مغربی مؤرخین اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس دور میں عیسائیت اور یہودیت کو بہت پرچار ملا مسلمان حکمران امتیاز نہیں کرتے تھے۔

ہسپانیہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی تھی اور یہودی تو اسلامی حکمرانوں کی مملکت میں بھی شریک تھے۔ سپین اور شمالی امریکہ میں سائنس اور ادب نے ترقی کی اس طرح مغرب کے عیسائیوں نے مسلم سکالرز کی تصنیف کردہ کتب کا ترجمہ کر کے قدیم یونانی تحقیق کا آغاز کیا۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت بھی دہشت گردی کی وکالت نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ دہشت گردی تعلیم سے ختم ہوتی ہے تو پھر امریکہ میں شرح تعلیم سب سے زیادہ ہے۔ اگر اسرائیل کو ایٹمی طاقت بننے کی اجازت ہے تو دیگر عرب ریاستوں کو ایٹمی طاقت نہیں بن سکتیں۔ تاہم دنیا میں پائیدار امن کے لیے یا تو سب ایٹمی طاقت ہوں یا پھر کسی کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہونے چاہئیں کہ وہ دوسرے ملک پر پابندیاں عائد کر سکے۔ اسلام میں اصلاحات کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن حکیم میں سب علوم واضح ہیں جس کی جامع تشریح ضروری ہے لیکن مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لیے ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہونا چاہیے۔ تبھی خطے میں امن کا توازن برقرار رہے گا اس وقت دنیا میں دو قسم کی دہشت گردی ہو رہی ہے ایک مستقل اور دوسری عارضی۔ امریکہ مستقل دہشت گردی کر رہا ہے اور اس کو پنپنے کے لیے عارضی دہشت گردی کے لیے امریکہ فنڈز کا استعمال کر رہا ہے۔

اور اس کو تہذیبوں کے درمیان تصادم قرار دیا جا رہا ہے۔ افغانستان، عراق، کشمیر، چیچنیا اور فلسطین تمام مسلم ممالک آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جس کو بدنیتی سے بین الاقوامی میڈیا دہشت گردی کی جنگ قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ وہ مذہب کے تحفظ اور سرزمین کی آزادی کے لیے برسر پیکار ہیں۔ مغربی میڈیا اسلام کے خلاف لٹریچر تقسیم کر کے لوگوں میں اسلام کے خلاف نفرت بھی پھیلا رہا ہے۔ جارج بش نے دراصل دہشتگردی کی آڑ میں اسلام کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ جس میں بعض مسلم لیڈروں نے بھی اس کا ساتھ دیا ہے۔ عالمی سطح پر تہذیبوں کے درمیان تصادم نہیں ہے بلکہ سیاسی مفادات کے لیے ان کو تاثر دیا جا رہا ہے۔ یہ تہذیبوں کا تصادم یورپ کا پیدا کردہ ایک خام خیال ہے جس میں کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

امریکہ نے منظم سازش کے ذریعے عراق، افغانستان پر حملے کرنے کے لیے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا ڈرامہ رچایا اور اسلام کو بدنام کیا تاکہ مفادات حاصل کرنے کے لیے دنیا کے سامنے مضبوط جواز پیش کر سکے یہ کیسا انصاف ہے؟ کہ آپ نہتے اور بے گناہ عوام پر خطرناک ہتھیاروں کا استعمال کرے اور دہشت گرد مسلمان کہلائیں۔ اگر امریکہ خطے میں امن چاہتا ہے تو پھر انصاف کو فروغ دے۔ اقبال فرماتے ہیں:

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور انداز ہے
شرق و غرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

عبدالخالق خان- میرپور آزاد کشمیر

دور حاضر میں مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں انہیں تین حصوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ۱- معاشی مسائل، ۲-سیاسی مسائل ۳- معاشرتی مسائل

۱- معاشی مسائل:

۱- غربت، اکثر مسلم ممالک غربت کا شکار ہیں، تقریباً ۴۰ فیصد مسلمان غربت کی ادنیٰ لکیر سے نیچے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

۲- بیروزگاری، اکثر مسلم ممالک میں بیروزگاری کے سنگین مسائل موجود ہیں جو چیلنجز بن رہے ہیں۔

۳- مصنوعی طلب برائے تعیشات، میڈیا اور اشتہارات نے تعیشات کی مصنوعی طلب پیدا کر کے مسلمانوں کی وہ دولت ہتھیا لی ہے جو بنیادی ضروریات زندگی پر صرف ہونی چاہیے تھی۔ مثلاً موبائل وغیرہ کی مصنوعی طلب، جو مختلف کمپنیوں کی جانب سے پیدا کی جاتی ہے۔

۴- غیر منصفانہ تقسیم دولت، آج عالم اسلام میں غیر منصفانہ تقسیم دولت کی خطرناک صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ایک طرف Excess of Wealth ہے اور دوسری جانب دولت سے مالا مال مسلم ممالک میں Excess of Poverty بھی پوری طرح موجود ہے۔ مولانا تقی عثمانی کا یہ خیال قابل توجہ ہے ''اس وقت ہمارا سب سے بڑا معاشی مسئلہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے''۔(۱)

۵- چینی مصنوعات کا مسئلہ، چین کی سستی مصنوعات جہاں پوری دنیا کی صنعت اور تجارت کے لیے ایک چیلنج بن چکی ہیں ان مصنوعات کے لیے وسیع تر مانگ کے سبب مسلمان ممالک کی صنعت، تجارت اور زراعت کو بھی سنگین مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے۔

سیاسی مسائل:

۱- اسلامی ریاست کے منشور سے تغافل، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صلوۃ زکوۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جو ریاستی منشور عطا کیا ہے (۲۲:۴۱) مسلمان اس سے غافل ہیں۔

۲- حکمرانوں اورعوام کے مابین ہم آہنگی کا فقدان، اکثر مسلم ممالک میں طاقت کے بل بوتے پر ایسے حکمران مسلط ہیں جن سے عوام نالاں ہیں۔ حکام اور عوام کے مابین خلیج متعدد معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کا سبب ہے۔

۳- جمہوریت کے لوازمات کا فقدان، اسلامی ممالک میں جمہوریت کے بنیادی لوازمات یعنی تعلیم، معاشی خوشحالی اور

اجتماعی شعور کی کمی ہے جس کے باعث جمہوریت کو فروغ حاصل نہیں ہو سکا۔

۴۔ غیر ملکی تسلط: اکثر مسلم ممالک مغرب کی نو آبادیات بن رہی ہیں جن پر بیرونی تسلط قائم ہو چکا ہے اور اندرون ملک خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔

۵۔ آزادی سے محرومی، مسلمانوں میں چند علاقے آزادی سے محروم ہیں اور طویل عرصہ سے لاحاصل تحریک آزادی چلا رہے ہیں جیسے کشمیر، فلسطین، بوسنیا، قرائن یہ بتا رہے ہیں کہ مسلمان آزادی کی نعمت سے محروم ہی رہیں گے۔

۶۔ نیا اتحاد: امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے مابین ایک اسٹریٹیجک اتحاد قائم ہو چکا ہے یہ اتحاد بالعموم پورے عالم اسلام کے لیے اور بالخصوص پاکستان کے لیے بڑا چیلنج ہے اور متعدد مسائل کا پیش خیمہ ہے۔

معاشی مسائل:

۱۔ اخوت کا فقدان، مسلم معاشروں اور ممالک کے مابین بھائی چارہ کا فقدان ہے۔ موجودہ معاشرے مدینہ منورہ کے مثالی معاشرے سے بالکل برعکس ہیں جس میں مہاجر اور انصار کے مابین اخوت کا رشتہ قائم ہوا تھا جبکہ موجودہ مسلم معاشرے جنگ و جدل اور چھینا جھپٹی کی آماجگاہیں بن چکے ہیں۔

۲۔ طبقاتی کشمکش، مسلم معاشروں میں امیر اور غیر طبقات پائے جاتے ہیں اور بتدریج ان کے مابین خلیج وسیع تر ہو رہی ہے۔ یہ بھی خدشات پائے جاتے ہیں کہ محروم طبقات استحصالی طبقات کو دبوچنے کے لیے تن من کی بازی لگا دیں۔ اس طرح امراء اور غرباء کے مابین خطرناک آویزش پیدا ہو سکتی ہے۔

۳۔ فرقہ واریت، مسلمان مختلف فرقوں میں منقسم ہیں اور ہر مسلک کے افراد اپنے فرقہ کو ہی اسلام سمجھتے ہیں اور اسی خول میں بند رہنا چاہتے ہیں اور دوسرے مسلک یا فرقہ کا ناطقہ بند کرنے پر کمر بستہ رہتے ہیں۔

۴۔ غیر اسلامی کلچر کی یلغار، مسلمان ممالک میڈیا کے جدید دور میں مغربی کلچر کی زد میں آ چکے ہیں۔ پاکستان پر عملی طور پر ہندوستانی کلچر کا غلبہ ہو چکا ہے۔ ایسی صورتحال دوسرے ممالک کی بھی ہے۔

۵۔ عدم تحفظ، مسلم معاشروں میں سماجی اور معاشی تحفظ کا فقدان ہے بتدریج یہ مسئلہ سنگین تر ہوتا جا رہا ہے اور لوگوں کا جینا دوبھر ہو چکا ہے۔

۶۔ دہشت گردی، ۹/۱۱ کے بعد مسلم ممالک میں دہشت گردی اور جوابی دہشت گردی کے چکر چل رہے ہیں۔ مسلمان ریاستی دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں لیکن طرفہ تماشہ ہے کہ خود ان مظلوم اور کمزور لوگوں کو دہشت گرد کہا جا رہا ہے اور وہ ناکردہ جرائم کی معذرت خواہی کرتے پھرتے ہیں لیکن کہیں شنوائی نہیں ہو رہی۔

دہشت گردی کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی ایک رپورٹ کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں:

''دہشت گردی اس آکاس بیل کی مانند ہے، جو پوری دنیا پر پھیل گئی ہے اور ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے کبھی ڈھکے چھپے انداز میں اور کبھی کھلے عام، کبھی بم دھماکوں کی صورت میں اور کبھی خودکش حملوں کی صورت میں، کبھی روایتی اور کبھی غیر روایتی ہتھیاروں سے، غرضیکہ ہر روپ اور انداز میں کہیں نہ کہیں قیامت

ڈھاتی اور اشرف المخلوقات کو لقمہ اجل بناتی رہی ہے۔ آج بھی اپنی تمام اشکال لیے ہر کہیں موجود ہے۔ جو انسان درد دل کے واسطے پیدا کیا گیا تھا، اس نے لوگوں کو دکھ درد میں مبتلا کر دیا، بستیاں کی بستیاں تباہ و برباد کر دیں، پورے پورے ملک پر اندھا دھند ڈرئی بموں کی بارش کر دی، کہ کسی کے درد کو کوئی اپنا کرب بناتا۔
اس سے کسی کو انکار نہیں کہ دہشت گردی، بم دھماکے، خودکش حملے اور بدامنی بہت پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ مگر ۹/۱۱ کے بعد اس میں تیزی ہی نہیں بلکہ شدت سے تیزی آ گئی ہے ۹/۱۱ واقعہ ابھی بھولا نہیں تھا کہ ۷/۷ کا واقعہ پیش آ گیا۔ پہلے امریکہ بہادر تھا اب ۷/۷ کے بعد برطانیہ بھی مسلمانوں کے درپے ہو گیا اور یوں ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا ہے''۔(۲)

۷- مسلمان ممالک میں حقیقی مسائل مثلاً غربت، جہالت بے روزگاری وغیرہ سے توجہ ہٹا کر انہیں Non Issues میں الجھا دیا گیا ہے جیسے پاکستان کی پارلیمنٹ میں ''وردی'' اور مختلف آرڈیننس وغیرہ پر پوری قوم کی توجہ مرکز کر دی گئی ہے اور غربت کا مسئلہ جو Core Issue ہے کہ پس پشت ڈال دیا گیا۔ اصل مسائل سے منحرف ہو کر نان ایشوز پر توجہ مرکوز رکھنا بجائے خود سنگین مسئلہ ہے اور اجتماعی شعور کی ناپختگی کا مظہرہ ہے۔

۸- جدید تعلیم کی کمی، مسلمانوں کے مسائل اور چیلنجز میں اہم مسئلہ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی کمی کا بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اصل ٹیکنالوجی تو ایٹمی ٹیکنالوجی ہی ہے۔ جس تک مسلمانوں کی رسائی مشکل تر ہو رہی ہے۔ البتہ Skill اور professionll کی حد تک مسلمان اپنے آپ کو آراستہ کر سکتے ہیں۔ ہائیر ایجوکیشن کمشن آف پاکستان اسی سلسلہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے محدود پیمانے پر اقدامات کر رہا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ غربت کے تدارک اور سوشل سیکورٹی کے انتظامات کے ذریعے ایسے ماحول بھی تشکیل دیا جائے جس میں سائنس و ٹیکنالوجی کے دروازے محض محدود طبقہ کی بجائے سب کے لیے کھل سکیں۔

مسائل اور چیلنجز کا تسلسل:

یہ امر قابل غور اور لائق عبرت ہے کہ مسلمانوں کو جو مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں وہ دراصل قرآن و سنت سے انحراف کے منطقی نتائج اور زوال کا تسلسل ہے۔ فیض احمد شہابی بالکل درست لکھتے ہیں۔ ''حقیقت یہ ہے کہ جب مسلم معاشرے کے افراد نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑا تو ان پر ادبار چھا گئی، نکبت کے اندھیروں میں نفاق، بدعملی اور جہالت کے عفریت پلتے بڑھتے رہے۔ تن آسان امراء سے روح وضمیر کی دولت چھن گئی اور معاشرے کے عام افراد یقین کے جوہر سے محروم ہو گئے۔(۳)

مسلمانوں کے مسائل اور چیلنجز کے بارے میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا نقطہ نظر فکر انگیز ہے۔ ''عصر حاضر کا چیلنج ایک نعرہ ہے جس میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ یہ چیلنج کس کی طرف سے ہے کس کے لیے ہے اور اس کے مضمرات کیا ہیں۔ اس چیلنج کا جواب کیا معنی رکھتا ہے؟ کونسی طاقت، کس کو جواب دے سکتی ہے؟ کس فکری اساس پر یہ جواب دیا جا سکتا ہے''۔(۴) آپ لکھتے ہیں ''عصر حاضر نے جو چیلنج تمام نوع انسانی کے لیے پیدا کیا ہے اگر ہم اس کا جواب مغربی تہذیب

کے اتباع سے نکلے بغیر تلاش کریں تو اس کا امکان باقی نہیں رہے گا کہ ہم فکری اساس اور اپنے ثقافتی نمونے پر قائم رہ کر ترقی کے لیے جدوجہد کرسکیں"(۵) آپ کے یہ الفاظ دعوتِ فکر دیتے ہیں"اسلام کی طرف سے اس چیلنج کے جواب کا دعویٰ صرف اس کو سزاوار ہے جو تکمیل دین کے معنی سمجھتا ہو"(۶) آپ رقمطراز ہیں"اگر مسلمان عصرِ حاضر کے چیلنج کا جواب سننے کا ارادہ رکھتے ہیں تو سب سے پہلے ان مؤثرات کا تدارک کریں جن کی بدولت دینی فکر میں اختلال پیدا ہوا ہے"(۷)

"فکر اسلامی عہد نو کے تقاضے" کے زیرعنوان پروفیسر فتح اللہ کے یہ الفاظ مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور دیگر لوگوں کے لیے بالعموم قابل غور ہیں"آج کی دنیا اپنی تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود امید سے زیادہ ناامیدی، مسرت سے زیادہ تلخی اور سکون سے زیادہ بے چینی و بے اطمینانی کی آماجگاہ بن گئی ہے"(۸) آپ لکھتے ہیں کہ بغیر علوم کے تصورات اور اصطلاحات سے خود کو نہ صرف باخبر کرنا ہوگا بلکہ اپنے ذہنوں کو بھی کھلا رکھنا ہوگا کیونکہ ہم ساتویں اور آٹھویں صدی کے اصطلاحی فریم ورک میں سوچتے ہوئے بیسویں صدی میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس بات کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں ہے کہ ہم جدید دنیا کے شہری بن جائیں اور اس بات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ رہیں کہ"جدید دنیا" کلی طور پر ہمارے روایتی سماج سے مختلف ہے"(۹)

اسلام اور مسئلہ غربت:

غربت جو مسلمانوں کے لیے Core issue ہے اس کے سبب دیگر کئی مسائل پیدا ہوئے ہیں جو مسلمانوں کے لیے چیلنج بن چکے ہیں۔ اس کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے وضاحت کی ہے کہ اسلام نے مسئلہ غربت کا جو حل پیش کیا ہے وہ جس طرح ضرورت مندوں اور کمزوروں کی کفالت کا نظام قائم کیا اس کی آسمانی مذاہب یا وضعی قوانین میں کوئی نظیر نہیں ملتی"(۱۰)

عالمگیر جنگ کے آثار:

مقالات سیرت کا مقالہ نگار رقمطراز ہے"دنیا بار بار امن وسلامتی اور اخوت ومحبت کے راگ الاپنے کے باوجود ظلم وبربریت میں جس طرح پھنسی ہوئی ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں قتل وغارت وخونریزی ہے"(۱۱) مسلم ممالک پر غیر ملکی تسلط اور خانہ جنگی کے علاوہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین آویزش ایک عالمی جنگ کے واضح آثار ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لیے بڑا چیلنج ہے فی الوقت مسلمانوں میں اسی چیلنج کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے۔ اس لیے بظاہر یہی لگتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی بداعمالیوں اور بے اعتدالیوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ عالمگیر جنگ کے بارے میں پیش گوئی بھی ایسی ہی ہے۔ بایں ہمہ ایسے مسلمان جنہیں حالات کے تیور کا ادراک ہوسکے ان کے لیے لازم ہے کہ وہ مصائب کے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی حکمتِ عملی اختیار کریں۔

رسول اکرم ﷺ کی آخری وصیت:

عصر حاضر کے مسائل اور چیلنجز کا سامنا کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کی آخری وصیت پیش نظر

رکھنی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے آخری زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ جس چیز کا تھا وہ یہی تھی کہ کہیں مسلمانوں میں جاہلی عصبیتیں پیدا نہ ہو جائیں اور ان کی بدولت اسلام کا قصر ملت پارہ پارہ نہ ہو جائے۔ اسی لیے حضور ﷺ بار بار فرمایا کرتے تھے: لاترجعون بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم پھر کفر کی طرف پلٹ کر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو)(۱۲)

آپؐ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، تو عرفات کے خطبہ میں عام مسلمانوں کو خطاب کر کے آپؐ نے فرمایا: ''سن رکھو کہ امور جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے تھے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ جاہلیت کے سب دعوے باطل کر دیئے گئے اب تمہارے خون اور تمہاری عزتیں اور تمہارے اموال ایک دوسرے کے لیے ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج حج کا دن تمہارے اس مہینہ تمہارے اس شہر میں حرام ہے''۔

مولانا مودودی اسلام کے لیے اس بڑے خطرے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ فتنہ جس کے ظاہر ہونے کا سید الکونین ﷺ کو اندیشہ تھا، حقیقت میں ویسا ہی مہلک ثابت ہوا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ قرون اول سے آج تک اسلام اور مسلمانوں پر جو تباہی بھی نازل ہوئی ہے اسی کی بدولت ہوئی ہے۔ وصالِ نبوی کے چند ہی برس بعد ہاشمی اقتدار کے خلاف اموی عصبیت کا فتنہ اٹھا اور اس نے اسلام کے اصلی نظام سیاست کو ہمیشہ کے لیے درہم برہم کر دیا۔ پھر اس نے عربی، عجمی اور عصبیت کی شکل میں ظہور کیا اور اسلام کی سیاسی وحدت کا بھی خاتمہ کر دیا''۔(۱۳)

مسئلہ سود:

مسلمانوں کو متعدد معاشی مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے طرفہ تماشہ ہے کہ یہ مسائل ان پر مسلط نہیں کیے گئے بلکہ ان کی اپنی بداعمالیوں کے نتائج ہیں۔ ان بداعمالیوں میں سود بدترین ہے جو مسلمانوں نے ایک ''ناگزیر برائی'' کے طور پر اختیار کرلی ہے۔ یہ مبینہ طور پر اللہ و رسول سے جنگ ہے اور انتہائی شرمناک فعل ہے اس لیے اس کی پاداش میں بیشمار انفرادی اور اجتماعی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک منفی عنصر (Negative ingredient) ہے جو بے شمار مسائل کی اساس اور اس کے باعث کئی چیلنجز پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے سدباب کے لیے تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔

کاروبار اور لین دین کی جائز اور مناسب صورتوں کو ایک استحصالی اور نامناسب نہج پر گامزن کر دینے والا ربا اس بناء پر حرام ہے کہ اس سے استحصال کے علاوہ بخل، خودغرضی، بے رحمی اور زر پرستی بھی فروغ پاتی ہے۔ سود کی علت حرمت اور اس کے سبب پیدا ہونے والے مسائل کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودیؒ رقمطراز ہیں۔ ''وہ (سود) سوسائٹی میں دولت کی آزادانہ گردش کو روکتا ہے، بلکہ دولت کی گردش کا رخ الٹ کر ناداروں سے مالداروں کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے جمہور کی دولت سمٹ کر ایک طبقہ کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہے اور یہ چیز آخر کار پوری سوسائٹی کے لیے بربادی کا موجب ہوتی ہے''(۱۴) سیرت سازی، اصلاح معاشرہ، تعمیر ملت کی کوئی پالیسی یا پروگرام سود کی موجودگی میں فروغ نہیں پا

سکتا۔ اس سے سماج کا انتشار، زوال اور بگاڑ یقینی ہے جس میں سود کلچر پروان چڑھ جائے۔ سود کے منفی اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں ''اسلام جس نقشے پر انسان کی اخلاقی تربیت، تمدنی شیرازہ بندی اور معاشی تنظیم چاہتا ہے اس کے ہر جز سے سود منافات رکھتا ہے اور سودی کاروبار کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور بظاہر معصوم سے معصوم صورت بھی اس پورے نقشے کو خراب کر دیتی ہے''(۱۵)

''سود کی ضرورت'' ایک عقلی تجزیہ کے زیر عنوان مولانا نے سود کے جواز کے لیے پیش کردہ ان دلائل کی تردید کی ہے۔ (الف) خطرے اور ایثار کا معاوضہ (ب) موقعہ اور مہلت کا معاوضہ (ج) نفع آوری میں حصہ (د) معاوضہ وقت آپ نے ان کمزور دلائل کی تردید کرتے ہوئے سود کی عدم معقولیت ثابت کی ہے۔ سود کا پوسٹ مارٹم کرنے اور کرتے ہوئے سود کی عدم معقولیت اور عدم جواز ثابت کیا ہے اس مصیبت سے چھٹکارا کی تجویز دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔''اس کو حرام کیجیے اور معیشت کے ساتھ اخلاق کا بھی وہ نظام اختیار کیجئے جو اسلام نے تجویز کیا ہے پھر آپ دیکھیں گے کہ شخصی حاجات اور کاروبار اور اجتماعی ضروریات، ہر چیز کے لیے قرض بلا سود ملنا شروع ہو جائے گا بلکہ عطیے تک ملنے لگیں گے۔ اسلام اس کا ثبوت دے چکا ہے''(۱۶) حقیقت یہ ہے کہ سود مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ اور سراسر نقصان دہ ہے تقویٰ اور ایمان کا تقاضا ہے کہ اسے ہر صورت اور ہر دور میں ترک کر دیا جائے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

'' يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. ''(۱۷)

ارشاد الٰہی کی روشنی میں سود بہرصورت ترک کرنا لازمی ہے اور اس کے انسداد سے مثبت نتائج کی قوی امید ہے۔ مولانا ''انسداد سود کے نتائج'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:''سود کی یہ قانونی بندش، جب کہ اس کے ساتھ زکوٰۃ کی تحصیل وتقسیم کا اجتماعی انتظام بھی ہو، مالیات کے نقطہ نظر سے تین بڑے نتائج پر منتج ہوگی''(۱۸)

۱۔ اجتماعی سرمایہ کی موجودہ غلط صورت کی اصلاح ہو جائے گی لیکن یہ تب ممکن ہو گا جب افراد کی ناگہانی ضروریات کے لیے نافذ العمل رہے۔

۲۔ جمع شدہ سرمایہ متحرک ہو جائے گا موجودہ صورت میں سود کی بلند شرح کے انتظار میں سرمایہ رک جاتا ہے۔ جب اڑھائی فی صد زکوٰۃ کی کٹوتی متوقع ہو گی تو سرمایہ کو لازما متحرک رکھ کر افزائش دولت (Growth of wealth) کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

۳۔ کاروباری مالیات اور مالیات قرض کی مدیں علیحدہ ہو جائیں گی۔ عارضی ضروریات کے لیے قرض حسنہ اور کاروباری طویل ضروریات کے لیے مضارب اور مشارکت کے اصولوں کے تحت سرمایہ فراہم ہو سکے گا۔

''غیر سودی مالیات میں فراہمی قرض کی صورتیں'' کے زیر عنوان مولانا لکھتے ہیں:''اس ناپاک رکاوٹ کے دور ہو جانے سے قرض کی فراہمی یہی نہیں کہ بند ہو گی بلکہ موجودہ حالات سے زیادہ آسان ہو گی''(۱۹) پاکستان جیسے معاشرے میں ڈیفالٹرنگ اور قرضوں کی عدم وصولی کا مسئلہ غیر سود کی معیشت میں حل ہو جائے گا۔ اس بارے میں مولانا محترم رقمطراز ہیں۔ ''قرضوں کی واپسی زیادہ سے زیادہ آسان ہو جائے گی کم سے کم آمدنی رکھنے والا بھی تھوڑی تھوڑی قسطیں دے کر بار قرض

سے جلدی اور باآسانی سبکدوش ہو سکے گا"(۲۰)

کاروباری اغراض کے لیے قلیل المدت قرض (Short Term Loans) اور ہنڈیوں (Bills of Exchange) کی سہولیات تجارتی قانون کے ذریعے کھاتہ داروں (Customers) کو فراہم کرنے کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مولانا کا یہ نقطہ نظر بڑا حوصلہ افزا ہے۔ "ایک صالح مالی نظام بندش سود اور تنظیم زکوٰۃ کی بنیاد پر قائم کر لیا جائے تو یقیناً بہت جلدی ہماری مالی حالت اتنی اچھی ہو جائے گی کہ ہمیں نہ صرف خود باہر سے قرض لینے کی حاجت نہ ہوگی بلکہ ہم اپنے گرد و پیش کی حاجت مند قوموں کو بلا سود قرض دینے کے قابل ہو جائیں گے۔(۲۱) "نفع آور اغراض کے لیے سرمایہ کی بہم رسانی" کے زیر عنوان مولانا لکھتے ہیں "سود کا انسداد لوگوں کے لیے یہ دروازہ تو قطعی بند کر دے گا کہ وہ محنت اور خطرہ (Lagour and Risk) دونوں چیزوں سے بچ کر اپنے سرمائے کو تحفظ اور متعین منافع یعنی (Fixed Interest) کی ضمانت کے ساتھ کسی کام میں لگا سکیں اور اسی طرح زکوٰۃ کے لیے اس دروازہ کو بھی بند کر دے گی کہ وہ اپنا سرمایہ روک رکھیں اور اس پر مارزر بن کر بیٹھ جائیں"(۲۲)

آپ تجویز دیتے ہیں کہ مناسب یہی ہے کہ "لوگ بنکوں کے توسط سے اپنا سرمایہ نفع بخش کاموں میں لگائیں"(۲۳) بینکنگ کی اسلامی صورت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا محترم لکھتے ہیں۔ سود کا لعدم ہونے کے بعد "نفع ملنے کی توقع تو ضرور ہوگی اور چونکہ نفع کا امکان غیر متعین اور غیر محدود ہوگا۔ اس لیے عام شرح سود کی بہ نسبت کم نفع حاصل ہونے کا جس قدر امکان ہوگا اسی قدر اچھا زیادہ نفع کا امکان بھی ہوگا"(۲۴) آپ لکھتے ہیں "ہر طرح کے کاروبار کو زیادہ فروغ حاصل ہوگا، روزگار بڑھ جائے گا اور آمدنیاں بھی بڑھ جائیں گی، اس لیے موجودہ حالت کی بہ نسبت کہیں بڑھ چڑھ کر فاضل آمدنیاں بنکوں میں جمع ہوں گی"(۲۵)

میلان صرف (Propensity of Consume) کے فروغ اور زکوٰۃ کلچر پر مبنی اسلامی معاشی نظام افراد معاشرہ کو مکمل معاشی تحفظ اور فلاح کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس نظام کی ترویج سے معاشرہ کو خوف وغم سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔"اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. وَ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْن."(۲۶) (جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دیتے پیچھے احسان نہ رکھیں۔ نہ تکلیف دیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ کچھ اندیشہ ہو اور نہ غم)

سید نعیم الدین مراد آبادی وضاحت میں لکھتے ہیں شیطانی وسوسے اس نظام کو سبوتاژ کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:" اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ."(۲۷) "بخل کی خوبی کس طرح ذہن نشین نہیں کر سکتا اس لیے وہ یہی کرتا ہے کہ خرچ کرنے کا ناداری کا اندیشہ دلا کر روکے"۔ اقتصادی نظام کی بنیاد بلا دینے والے نفسانی وسوسے اور شیطانی جیلے ساہوکاروں کے لیے سود خوری کے مواقع پیدا کرتے ہیں۔ شیطان سود خوروں کو باؤلا کر دیتا ہے۔ قیامت میں یہ اسی حالت میں لٹائے جائیں گے۔ لقولہ تعالیٰ:

"اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ."(۲۸)

وہ (لوگ) جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر (اس کی مانند) جو کھڑا ہوتا ہے جسے آسیب نے مخبوط کر دیا ہو)

سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح تخلیق کا نظام بطریق احسن اسی لیے چل رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اختیار میں ہے۔ ربوبیت کا حقیقی اختیار بھی اللہ کا ہی ہے۔ وہی نظام ربوبیت انسانی فلاح کی ضمانت دیتا ہے جو رب کائنات نے عطا فرمایا ہے۔ یہ اصلی اور حقیقی نظام فلاح ہے۔ یہ سود ہی ہے جس کے باعث اس فلاحی نظام سے انحراف ہوتا ہے اس کے اندر زوال اور خرابی مضمر ہے۔ جبکہ نظام زکوۃ میں پھلنے پھولنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سودی نظام کو مسدود کرنے اور نظام زکوۃ وسعت دینے کا اعلان فرمایا ہے لقولہ تعالیٰ:

''يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔'' (اللہ ہلاک کرتا سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو) (۲۹)

نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے (سود خور) سے صدقہ قبول کرے نہ حج نہ صلہ، جبکہ اس (صدقہ) جو زیادہ کرتا ہے اور اس میں برکت فرماتا ہے آخرت میں اس کا اجر وثواب بڑھاتا ہے'' (۳۰) عمل صالح، اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوۃ، سہ نکاتی نظام کی نشاندہی کرتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ سودی نظام جو خرابیوں اور خامیوں سے بھرپور ہے اسے اختیار کرنے کی ضرورت ہے جبکہ بروئے فرمان الٰہی مومنین کے لیے فلاحی نظام موجود ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. '' (۳۱) صلوٰۃ زکوۃ کا یہ نظام فلاح ترک کر کے نقائص اور خرابیوں سودی نظام اختیار کرنا غیر اسلامی، غیر انسانی اور احمقانہ حرکت ہے۔ جسے ترک کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر ایسی کھلی نافرمانی سے باز نہ آؤ تو تمہارے لیے اللہ و رسول کی جانب سے جنگ کا الٹی میٹم ہے۔ ''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه. '' (۳۲) (پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ و رسول سے لڑائی کا)

سید نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی صراحت یوں کرتے ہیں ''اس وعید و تہدید میں مبالغہ و تشدد ہے کسی کی مجال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا تصور بھی کرے۔ چنانچہ ان اصحاب نے اپنے سودی مطالبات چھوڑ دیئے اور یہ عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کی ہمیں کیا تاب اور تائب ہوئے'' (۳۳)

سود کے ''تحفے''

اسلامی معیشت صاف شفاف پانی کی مانند ہوتی ہے۔ سود کا ناپاک اور نمکین ایک قطرہ پاک اور صاف پانی میں ڈال دیا جائے تو سارا پانی ناپاک اور کھاری ہو جاتا ہے اور یہ کسی طرح بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا اور پینے اور نہ ہی آبپاشی کے کام آ سکتا ہے۔ پاکستان میں سودی معیشت کا تجربہ ایک عبرتناک داستان ہے۔ سود کی وجہ سے مہنگائی کا آسمان سے باتیں کرنا، بے روزگاری کا گھمبیر مسئلہ، اندرونی اور بیرونی قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ، کرائم کلچر کا خطرناک حد تک پروان چڑھنا، (۳۴) خوف وغم سے لبریز معاشی ماحول، اعصابی تناؤ اور نفسانی عوارض، یہ سب سود کے ''تحفے'' ہیں اور اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے دوران برسنے والے الٰہی تیر ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سود کی ترویج میں عام و خاص سب کا ہی

کردار ہے لیکن سب سے گھناونا کردار حکومت منتظمین، پالیسی سازان اور سود کے لین دین کے فروغ دینے والے صنعتکاروں اور بنکاروں کا ہے یہ خدائی مجرم کیفر کردار تک پہنچائے جاتے رہے۔ کوئی پھانسی لگ گیا، کوئی جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔

بدترین بے حیائی:

مذاہب عالم میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص، بدکاری کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا اور اس کے لیے سو دروں اور سنگسار کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ سود خوری کو نہ صرف زنا بلکہ ماں کے ساتھ زنا کے مترادف قرار دیا جانا اور یہ قرار دینا کہ یہ ادنیٰ ترین درجہ ہے جبکہ سود کے تہتر (۷۳) درجے ہیں سب سے ہلکا اپنی ماں سے زنا کے مثل ہے) اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ سود خور انسان کے قالب میں کتے اور خنزیر کی مانند جانور چھپا ہے۔ انسان کا اس جانور کی بے حیائی، جنسی بے راہروی، اخلاق اور عقل سے عاری ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ وہ ماں سے زنا کرتا ہے لیکن حدیث نے اس بے حیائی کی شدت اس سے تہتر گنا زیادہ قرار دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سود خور کتے اور خنزیر سے نچلے درجے کا جانور ہے۔ حضرت امام احمد رضا خان لکھتے ہیں اگر باہمی رضا مندی سے سود جائز ہو سکے گا تو زنا بھی جائز ہو سکے گا اور سود بھی جائز ہو سکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو'۔(۳۶)

اللہ و رسول ﷺ سے جنگ:

''فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. '' کے الفاظ میں جو الٹی میٹم دیا گیا ہے اس سے کلیجہ ہل جانا اور دل دہل جانا چاہیے کہ سود غیر معمولی نوعیت کا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور نبی ﷺ کی رحمۃ اللعالمین متقاضی ہے کہ وسائل معاش ہر فرد تک بلاکم و کاست پہنچتے رہیں۔ لیکن سود رخنہ اندازی کر لیتا ہے۔ یہ رخنہ اندازی کھلی نافرمانی ہے جس کے مرتکبین کو جنگ کا الٹی میٹم دیا گیا ہے اگر سودی لین دین میں ملوث افراد پھر بھی باز نہ آئیں تو سود خور چونکہ شیطان کے زیر اثر رہ کر مخبوط الحواس ہو جاتے ہیں اس لیے انہیں نہ یہ سمجھ آتا ہے کہ خدائی ترکش سے نکلنے والے تیروں کی زد میں کیونکر ہیں اور ان سے بچنے کی سبیل کیا ہے؟ دنیا میں مصیبت کے تیر کھانے کے بعد دار بقاء میں پہنچتے ہیں تو ان سانپوں اور اژدھاؤں کے ڈنگ کھانے کے لامتناہی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

سود کا لین دین چونکہ مبینہ طور پر اللہ و رسول ﷺ کے خلاف جنگ کے مترادف ہے اس لیے اتنی احمقانہ ڈھٹائی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی ''اللہ و رسول ﷺ سے لڑائی مول لینا'' کے زیر عنوان سود کے نقائص واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔''(جو) قرآن پر ایمان رکھتا ہے تو یقین جانے کہ خدا اور رسول ﷺ عز مجدہ ﷺ سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے''(۳۷) سود کے بارے میں قرآن و حدیث کے احکامات واضح کر کے لوگوں کے دماغوں سے یہ کیڑا نکالنا چاہیے کہ سود ایک ناگزیر برائی ہے اس کی بجائے اس حقیقت کی وضاحت اور تبلیغ ہونی چاہیے کہ یہ اللہ و رسول کے خلاف جنگ ہے جس کا سیز فائر ہونا چاہیے اللہ و رسول ﷺ سے جنگ بند کے بعد ہی دعاؤں کی قبولیت اور عنایت

الٰہی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

سود کا متبادل نظام نافذ کرنے کے لیے اقدامات کرنے چاہئیں۔ مبینہ طور پر یہ زکوۃ عشر کے ذریعے سرمایہ کی فراہمی اور مضاربت، مشارکت اور مزارعت و مساقاۃ کے متبادل انتظامات کرنے پڑیں گے۔ یہ انتظامات بالیقین ہمیں بیرونی سرمایہ کاری سے بے نیاز ہو کر دیں گے۔ البتہ اس بارے میں یہ گنجائش رکھنی چاہیے کہ بیرونی سرمایہ کاروں (Foreign investor) کو شرکت کے اصول پر خیر مقدم کیا جا سکتا ہے جس میں سود کی بجائے منافع ونقصان کارفرما ہوگا۔ راس المال کی اقساط کی واپسی کا اہتمام تو ہونا چاہیے لیکن اس کی گنجائش نہیں ہے کہ سود کی ادائیگی کی جائے۔ سود بہر صورت حرام ہے شریعت کی رو سے نہ یہ لینا جائز ہے اور نہ ہی دینا جائز ہے۔ احمد رضا خان لکھتے ہیں''اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے، بلکہ مطلقاً حرام فرمایا اور مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے''(۳۸) قرآن وحدیث کی روشنی میں سود کی قباحتیں واضح کرنے سے اسلامی اقتصادیات کے خدوخال واضح بھی ہو سکیں گے اور ان پر عمل درآمد کے لیے آمادگی ہوگی۔ اس حوالے سے ربوٰا کی حسب ذیل قباحتیں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

اخلاقی مسائل:

۱- سود سنگدلی پیدا کرتا ہے۔۲- سود سے خودغرضی جنم لیتی ہے۔۳- انسان کے مقابلے میں مال کی حیثیت برقرار باقی ہے۔۴- رزق حلال کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ ۵-سود خور کے نزدیک مال کا واحد متحرک سود ہو جاتا ہے۔ ۶- سود کی کوکھ سے قمار اور جوا جنم لیتے ہیں۔

سماجی مسائل:

۱- استحصالی طبقہ اور استحصال زدہ طبقات معرض وجود میں آ جاتے ہیں۔۲- سود خور طبقہ بے شمار اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔۳- سود اخلاقی اقدار پر مبنی سماج کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔۴- سود گھن کی مانند معاشرہ کو کھوکھلا کرنے کے بعد برباد کر دیتا ہے۔

اقتصادی مسائل:

۱- سود سرمایہ کی کارکردگی کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔۲-محتاجوں، بیروزگاروں اور چھوٹے کاروبار کے طالبان کو سودی قرضہ دستیاب نہیں ہوتا۔۳- صنعت وتجارت میں منافع خوری کے بے لگام رجحان کا سبب سود ہے۔۴- مکان یا کا کرایہ سود کے باعث زیادہ ہو جاتا ہے۔ ۵- منافع کی شرح بلند رکھنے کے لیے مزدوروں کے معاوضے کم سطح پر رکھے جاتے ہیں۔ ۶- سود گرانی کو بڑھاپے کا باعث بنتا ہے۔ ۷- مہنگائی کے باعث اشیاء کی طلب کم ہوتی رہتی ہے۔ ۸- منافع کی بلند ترین سطح برقرار رکھنے کے لیے پیداوار کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ ۹- روزگار اور قوت خرید بڑھانے کے لیے ساہوکاروں کو انگیخت پر حکومت کو اپنے اخراجات آمدن سے زائد رکھنے پڑتے ہیں۔ ۱۰- حکومت کو بھاری قرضے لے کر ان پر کثیر مقدار

میں سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ ۱۱- امیر اور غریب سے خلیج وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔۱۲- منڈیوں کی تلاش میں بین الاقوامی تناؤ اور جنگ و جدل کے خدشات رہتے ہیں۔۱۳- سود نام ہے اس رویہ کا کہ دولت کو انسان پر برتری حاصل ہے۔۱۴- سود کی وجہ سے اندرونی، کھنچاؤ بیرونی دباؤ اور کساد بازاری کے خطرات ہمیشہ منڈلاتے رہتے ہیں۔ ۱۵- سودی معیشت میں بے روزگاری کی جملہ اسکیمیں مہنگائی کو بڑھانے والی ہوتی ہیں۔ ۱۶- سود خور اپنے مفادات کی خاطر ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔

سنتِ نبوی کے مطابق مسائل کا حل:

سود سے بچنے کی انتہائی قابل عمل صورت جو سنت نبویؐ سے ثابت ہے وہ زکوٰۃ کا نظام ہے جس سے سود کی متبادل اساس فراہم ہوتی ہے اگر یہ نظام اپنی روح کے مطابق نافذ العمل ہو تو معاشرہ ان مسائل سے محفوظ ہو جاتا ہے جو سود کی ترویج کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کی حقیقت بالصراحت واضح کرنی ضروری ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث پیدا ہونے والے جملہ مسائل سے بچنے کے لیے دولت مند طبقہ پر لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی صورت میں اپنی فاضل دولت میں سے چالیسواں حصہ حاجتمند طبقہ کو لوٹا دیا کرے۔ اس طرح قومی دولت کی تقسیم اور گردش میں پیدا شدہ رخنے دور ہو جاتے ہیں۔ دولت ایک طبقہ میں رہنے کی بجائے سارے طبقات میں گردش کرنے لگتی ہے اللہ تعالیٰ نے حکمت یہ بتائی ہے۔

''لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ.''(۳۹) (زکوٰۃ دو تا کہ دولت تمہارے دولت مندوں کے مابین ہی گردش نہ کرتی رہے)

یہ اسلام کو طرہ امتیاز ہے کہ اس نے دولت کی بناء پر طبقات معرض میں آنے سے روکنے کے علاوہ طبقاتی کشمکش کے مسائل کو بھی ختم کر دیا۔ بصورت دیگر محروم طبقہ (Haves not) کا اپنی محرومیوں اور غربت سے تنگ آ کر قومی دولت پر اژدھا بن کر بیٹھنے والے طبقہ (Haves) پر قہر خداوندی بن کر ٹوٹ پڑنا بجائے خود بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔کمیونزم کے منصۂ شہود پر آنے اور کروڑوں افراد کے کچلے جانے کی داستان نوشتۂ دیوار ہے جس میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ اسلام کے معاشی نظام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے عظیم کساد بازاری (Great Depresstion) اور طبقاتی آویزش کے مسائل کو روکنے کا بہترین انتظام کر رکھا ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ قومی دولت کی تقسیم اور گردش میں رخنہ اندازی جاری رہے اور حکومت خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے۔ بلکہ اسلامی حکومت کے لیے لازم ٹھہرایا ہے کہ ''خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ.''(۴۰) چنانچہ اس حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے ارشاد نبوی ہے۔ نوخذ من اغنیانھم و نرد الی فقراء ھم (ہم ان کے مالداروں سے لیں گے اور ان کے ناداروں کو لوٹائیں گے)(۴۱)

ارشادِ نبوی ہے (تم میں سے جس کسی کے پاس ضرورت سے زائد کپڑا ہو وہ اس شخص کو لوٹا دے جسے اس کی ضرورت ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا ہو وہ اس شخص کو لوٹا دے جسے اس کی ضرورت ہے۔حتیٰ کہ ہم نے یہ سمجھا کہ زائد از ضرورت کسی چیز میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے)(۴۲)

بنیادی طور پر قوم کی دولت دراصل جملہ افراد معاشرہ کی ہوتی ہے۔ پیدائش، تقسیم اور گردش کے مراحل میں دولت

کی منصفانہ تقسیم اور دست گردش متاثر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تجارتی چکر (Trade Cycle) کے دوران بھی بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس عمل (Process) میں کچھ افراد کے حصہ میں دولت دوسرے افراد کے پاس چلی جاتی ہے۔ اگر اس عمل میں مداخلت کر کے اصلاح احوال نہ کی جائے تو طبقاتی کشمکش شدید تر ہونے کے علاوہ امیر اور غریب کے درمیان خلیج وسیع تر ہوتی رہتی ہے۔ اس کے نتیجے میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک واشگاف طور پر نشاندہی کرتا ہے کہ دولت مند طبقہ کے زیر قبضہ جو دولت ہے اس میں اس طبقہ کا حق بھی شامل ہے جو تقسیم اور گردش کے عمل میں اپنے حصہ (حق) سے محروم ہو گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ. لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ'' (اور ان دولت مندوں کے اموال میں سائلین اور محرومین کا حق بھی شامل ہے)(۴۳) مذکورہ حدیث میں فلیعد بہ (لوٹا دینا) کا جو حکم دیا گیا ہے وہ آیت میں بیان کردہ ''حق معلوم'' کے لیے ہی ہے۔ یہ حق معلوم زکوٰۃ ہے یعنی فاضل دولت کا چالیس واں حصہ جسے امراء سے وصول کر کے ناداروں اور محتاجوں کو فراہم کرنا اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے معاشی مسائل یعنی کساد بازاری، افراطِ زر، مہنگائی اور بے روزگاری کا یقینی سدباب ہو جاتا ہے۔

سود سے پاک معیشت کی اساس:

سود سے پاک نظام معیشت کی تشکیل کا اہم ہدف نظامِ زکوٰۃ کی ترویج سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کی خاطر سنت نبوی کے مطابق عاملین زکوٰۃ کی تکمیل، وصولی اور کفالت کے لیے جامع حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی۔ زکوٰۃ کی مد میں وافر رقوم حاصل ہو سکتی ہیں۔ جو مستحقین کی کفالت کے منصوبوں پر استعمال کرنے کے بعد کثیر مقدار میں بچت (Saving) کا امکان بھی ہے۔ زکوٰۃ فنڈ کی بچت قرضِ حسنہ کے طور پر ان آجرین کو فراہم کر دی جائے جو سرمایہ کی احتیاج رکھتے ہیں۔ اس طرح بلا سود سرمایہ کی فراہمی سے سود سے پاک نظام معیشت تشکیل ہونا ممکن ہو گا۔ یہ نظام معیشت بچت کرنے والوں (Savers) اور سرمایہ کاروں (Investor) کو ان نقصانات سے محفوظ رکھے گا جو سودی معیشت کے مدو جزر میں انہیں لازماً برداشت کرنے پڑتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر انور نے اس کی نشاندہی کی ہے۔

> "If the interest based finacial system is replaced by the interest free financial system. the real rates of return for savers and investers in the economy will be preserved during inflationary and deflationary periods"(44)

زکوٰۃ کی مد سے قرض حسنہ کی فراہمی سے بلاسود معیشت متعارف ہونے کی صورت میں محنت کی طلب، منڈی میں محنت کے دیگر معاملات عمل پیدائش، عمل صرف، سرمایہ کاری اور مصنوعات کا بہترین توازن قائم ہو سکے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر عارف لکھتے ہیں:

> "This step leads to modifiication of the equations representing labor demand functions labor market equalbrium condition. production

function, consuption, function. investment function and goods market equalibrium condition(45)

زکوٰۃ کے علاوہ مضاربت اور مشارکت کے طریقے بھی سودی معیشت کے مسائل کے سدباب میں اہم کردار ادا کریں گے۔ جس سے روزگار کے وسیع مواقع میسر آئیں گے۔ مساوات قائم ہوگی استعدادِ کار میں اضافہ ہوگا اور اقتصادیات کو فروغ حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر عارف لکھتے ہیں:

"A prerequisite for the abolition of interest is the establishment of free structures designed to ameliorate the economic ills associated with the practice of interest. Islam offers profit sharing system to generate maximum employment, promote equity, improve efficiency, and stimulate economic development"(46)

معیشت میں واقفیت اور بہتری کی ضمانت بلاشبہ زکوٰۃ، مضاربت اور مشارکت میں موجود ہے۔ اقتصادی مسائل کے حل میں زکوٰۃ کی اہمیت جناب ڈاکٹر راجی الفاروقی نے ان الفاظ میں واضح کی ہے۔

"Economically, Zakat has proved to be a tremendous stimulus to investment of income in productive enterprise, for the appropriated and not-invested capital would disappear in 2.5% annual Zakat levies in thirty years. Invested in production it adds to society's wealth creat jobs, and produces more than 2.5% Zakat tax for appropriation by the owner. More over Zakat is a great promoter of wealth circulation, a prime objective of any health economy". (47)

محکم بنیاد:

زکوٰۃ اسلامی معیشت کے استحکام کی ضمانت ہے۔ اسلامی معیشت کو متعارف کروانے سے ہی اسلامی فلاحی سماج تشکیل ہوسکتا ہے۔ فرد اور معاشرہ پر لازم ہے کہ سنت نبویؐ کے مطابق زکوٰۃ کی وصولی اور صرف کا اہتمام کریں۔ اس موضوع پر جدید مسلم محققین کی تحقیقی کاوشوں سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے The Muslim Word نے ایک اہم تصنیف "Contemporary Zakat" کے مصنف محمد ابوسعود کی نگارشات کا جائزہ لیتے ہوئے Book Review تبصرہ نگار رقم طراز ہے۔

"He begins by reiterating the religious nature of Zakat before advocating that the Islamic economic system must be established on

the basis of Zakat. Thus, in its essential nature, Zakat is paid in expression of gratitude to God for bounty, in one's possession. No part of wealth can be with held without payment of Zakat on it since such an act in prohibited Islamically and cursed by God. Its payment is not voluntary as it is paid to God though collected by the Muslim Community" (48)

اسلامک بنکنگ کی اساس:

اسلامک بینکنگ کی جانب اگرچہ توجہ دی جا رہی ہے اور منافع میں اشتراک (Profit Sharing) سود نعم البدل کے طور پر اسکیمیں متعارف کروانے کی سعی ہو رہی ہے لیکن یہ عمل بہت سست روی سے جاری ہے۔ ممتاز اسکالر محمد اکرم خان اسلامک بینکنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا طور پر تجویز دیتے ہیں۔

"Another area is the evaluation of Islamic banks in operation. A system of continuous appraisal of the functions of Islamic banks needs to be introduced. The focus of evaluation however, should be adherence to the shariah and achievement of stated objectives". (49)

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی عملی صورت زکوۃ سے میسر آ سکتی ہے۔ وہ اس طرح کے بنکوں میں زکوۃ کاؤنٹر متعارف کروائے جائیں جن میں زکوۃ فنڈ رکھا جائے اور یہ فنڈ شخصی حاجات اور کاروبار میں مقاصد کے لیے قرضِ حسنہ اور مضاربہ اور مشارکہ کے طور پر فراہم کیا جا سکتا ہے۔ زکوۃ کاونٹر کے منتظمین (عاملین) مستحقین زکوۃ کے نمائندگان کے طور پر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

زکوۃ ایک ایسی اساس ہے جو سماجی و معاشی مساوات کے اہداف کیلیے مواقع اور ضمانت فراہمی کرتی ہے۔ ایک ساتھ ہی دولت میں توازن بھی فراہم ہو جاتا ہے۔ زکوۃ کے مرکزی کردار کی وضاحت اہم عمر چھاپرا یوں کرتے ہیں۔

"In addition, it has a built in programme to reduce the remaining inequalities even further through Zakat, and numerous other methods to bring about a distribute of income which is humane and in conformity with its concept of human brother hood".(50)

نظام زکوۃ کی ترویج سے اسلامی معاشرہ کے افراد کو یقین ہو جائے گا کہ ناگہانی احتیاجات کے لیے انہیں زکوۃ فنڈ سے مالی اعانت ہو جائے گی۔ اس نفسیاتی کیفیت اور اطمینان کا یہ اثر ہو گا کہ میلان صرف (Propensity to consume) بڑھ جائے گا۔ اشیاء کی طلب بڑھے گی رسد میں اضافہ ہو گا۔ روزگار کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ آمدن میں

اضافہ ہو گا اور قوت خرید بڑھے گی۔ اس سارے عمل میں کاروباری مقاصد کے لیے سرمایہ کی فراہمی نسبتاً سہل ہو گی۔ اس بارے میں جو یہ تاثر دیا گا ہے کہ سود کی لالچ کے بغیر سرمایہ کی دستیابی مشکل ہے۔ قطعاً بے بنیاد واہم اور نفس و شیطان کی اختراع ہے۔ مضاربت کے تحت سرمایہ کی دستیابی کے امکان پر خیال آرائی کرتے ہوئے سید مودودیؒ رقمطراز ہیں۔

''پھر جس حد تک اسے سرمایہ کی حاجت ہوگی وہ موجودہ حالت کی نسبت بہت زیادہ سہولت کے ساتھ بہم پہنچ سکے گا''(۵۱)

نظام زکوۃ کی مد شخصی حاجات کے علاوہ کاروباری مقاصد کے لیے سرمایہ کی دستیابی کے وسیع امکانات کے باوجود سودی نظام کو ناگزیر برائی کے طور پر رائج کر کے اخلاقی، معاشی اور معاشرتی مصائب و مسائل کے انبار لگانا بلاشبہ ایسی بڑی برائی ہے جو اللہ و رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ کے علاوہ انتہائی شرمناک حرکت بھی ہے۔ نظام زکوۃ کی ترویج سے دولت زیر گردش رہے گی اور بطورخاص ان افراد کے ہاتھوں میں جائے گی جو فوری طور پر اسے صرف کر دیں گے۔ اس طرح فطری رفتار سے دولت زیر گردش رہے گی اس سے منشائے ایزدی'' **كي لا دولة بين الاغنيا منكم** '' (تاکہ دولت تمہارے مالداروں کے مابین ہی گردش نہ کرتی رہے) پوری ہو جائے گی اور اجتماعی معیشت کو مطلوبہ سرمایہ دستیاب ہوتا رہے گا۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔''دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ جمع شدہ سرمایہ رکنے کے بجائے (متحرک رہنے کی طرف مائل رہے گا اور اجتماعی معیشت کی کھیتوں کو ان کی حاجات کے مطابق اور ضرورت کے موقع پر برابر ملتا رہے گا''(۵۲)

سرمایہ کی دستیابی:

جدید مسلم محققین اور معاشین نے متفقہ طور پر بنک کے سود کو ربوا قرار دیتے ہوئے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے الفاظ میں''بنکوں کے سود کی حرمت کے بارے میں علمی و تحقیقی اداروں، تنظیموں اور فقہی اور اقتصادی کانفرنسوں میں لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے۔(۵۳) ایسی صورت میں سودی بنکنگ سسٹم کا برقرار رکھنا اور اسے بیک جنبش ختم کر دینا دونوں ہی مشکل ہیں۔ اس مسئلہ کا واحد اور بہترین حل یہ ہے کہ فوری طور پر نظام زکوۃ کا احیاء کرتے ہوئے شریعت کے اصولوں کے مطابق نافذ کر دیا جائے۔ اس کے نفاذ سے بنک کے زکوۃ کاؤنٹر میں اتنا سرمایہ دستیاب ہوگا کہ سود پر سرمایہ کی احتیاج باقی نہ رہے گی اس بناء پر سود کا سدباب سہل ہو جائے گا۔

مالی توازن اور خود کفالت کی ضمانت قرار دیتے ہوئے زکوۃ کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب رقمطراز ہیں:

''آپ ﷺ کی حدیث کے الفاظ جن میں اس حقیقت کی تصریح ہے۔ یہ ہیں کہ یہ زکوۃ ان کے مالدار لوگوں سے لی جاتی ہے اور انہی کے غریبوں اور مسکینوں کو لوٹا دی جاتی ہے'' جس کی بدولت قوم کا مالی توازن قائم رہتا ہے زکوۃ وصدقات کا نظام سراسر غریب اور بے مایہ طبقہ کی ہمدردی پر مبنی ہے، انہی کی بہبود کے لیے ہے اور انہی کی ضرورت کا کفیل ہے اگر یہ نظام ٹھیک طور پر عمل میں لایا جائے تو دنیائے اسلام میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔ سوشلزم اور بالشوزم سب اس لاعلاج روگ کے نامکمل اور ناقص علاج ہیں۔(۵۴)

درپیش مسائل اور چیلنجز کا اصل سبب مسلمانوں کی یہ کوتاہی ہے کہ وہ اس منشور سے غافل ہو چکے ہیں جو اجتماعی

زندگی میں ناگزیر طور پر نافذ العمل ہونا چاہیے۔ مصلحین اور مبلغین کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ وقت کی پکار سنیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے سعی کریں مولانا ابوالکلام کا یہی نظریہ ہے کہ آپ لکھتے ہیں: خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیاب کرنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زمین پر حکمران ہونے کے بعد اچھے اور نیک کاموں کو انجام دیں گے پھر ان کاموں کی بالترتیب تشریح کی اور سب کو مسلسل عطف کے ساتھ بیان کیا ہے جو معطوف اور معطوف علیہ میں تسویہ ثابت کرتا ہے۔ پہلے نماز کا ذکر کیا پھر زکوٰۃ کا اور یہ دونوں عمل ہر جگہ قرآن میں ایک ساتھ بیان کیے گئے ہیں اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام آیا ہے اور اسی سلسلہ اعمال جس میں نماز اور زکوٰۃ بلحاظ وجوب وفرض بیان کیے گئے ہیں اس سے ثابت ہو گیا کہ:

۱- مسلمانوں کو خدا نے جو نصرت و فتح اور دنیا میں کامیابی عطا فرمائی۔ اس کی علت یہ تھی کہ تا کہ وہ اعمال حسنہ انجام دیں۔

۲- وہ اعمال حسنہ (علی الخصوص) قیام نماز، ادائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر

۳- نماز اور زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ پس امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ (۵۵)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر، بہترین حکمت عملی:

مسلمان جب احکام شریعت سے منحرف ہوتے ہیں تو ان کے اپنے پیدا کردہ مسائل انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے سنگین چیلنج بن جایا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے لازمی قرار دیا گیا کہ اسلامی معاشرہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عمل ہمیشہ جاری رہے اور باہمی احتساب کا اہتمام بھی ہونا چاہیے اصلاح معاشرہ اور مسائل و چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی یہی حکمت عملی ہے جو سنت نبویؐ سے ثابت ہے۔ اگر مسلمانوں نے درپیش مسائل سے نجات حاصل کرنی ہے تو لازمی ہے کہ اسلامی معاشروں میں امرف بالمعروف و نہی عن المنکر کا جامع انتظام ہو جس کے تحت علماء اور مصلحین معروف امور کی جانب لوگوں کو راغب کریں اور منکرات سے گریز کی تعلیم دیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایک مستقل عمل اور مسائل سے نجات کا طریقہ ہے اس کی حقیقت کا ادراک دلائل کی روشنی میں ہو گا۔ معروف کا حکم منکر کی نہی نص قطعی کی رو سے مسلمانوں پر واجب ہے اس کا باضابطہ طور پر ادارتی اہتمام (Institutionalization) امت مسلمہ طر قرآن مجید کے الفاظ میں واجب قرار دیا گیا ہے۔

''وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔''(۵۶)

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔

سید نعیم الدین مراد آبادی کے مطابق ''اس آیت سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت اور اجماع کی حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے''۔ (۵۷) صلوٰۃ زکوٰۃ کے حوالے سے بالخصوص صلوٰۃ و زکوٰۃ و بالعموم نیکی کے فروغ اور برائی کے

استیصال کے لیے اصحاب امرا اور اہل دانش کی جانب سے ہمہ وقت جدوجہد جاری رہنی چاہیے بصورت دیگر امام غزالی کے مطابق ''خاص بندے جب برا کام دیکھیں اور منع کرنے کی طاقت کے باوجود منع نہ کریں تو پھر معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے''(۵۸) آپ لکھتے ہیں کہ شہداء میں بروئے حدیث وہ شخص افضل ہے ''جو جابر بادشاہ کا احتساب کرے اور اس سے باز پرس کرے اور بادشاہ اسے قتل کرا دے(۵۹)

احتساب کا ایک طریقہ دعوت وتبلیغ ہے اس طریقہ کے تحت سرگرم مبلغین کو چاہیے کہ وہ خود عامل ہوں بصورت دیگر دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت والوں کو آخرت میں شدید عذاب ہوگا۔ شب معراج میں آنحضرت ﷺ کو ایسے بے عمل واعظوں کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جانے کا سبب یہ ہے کہ ''وہ لوگ ہیں کہ ایک کام کا حکم تو کرتے تھے لیکن اپنا عمل نہ تھا۔ بری باتوں سے روکتے تھے لیکن خود نہ رکتے''(۶۰) احتساب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بزور طاقت برائی کو روکا جائے۔ بروئے حدیث منکرات کو روکنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا چاہیے۔ ''من رای منکم منکر افلیمغیرہ بیہ''(۶۱) اگر اس کی استعداد نہ ہو تو زبان سے روکے اور آخری درجہ یہ ہے کہ دل میں برا سمجھے۔ ابوبکر حصاص حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں ''ان انکامہ المنکر علی ھذا الوجوہ الثلاثہ''(۶۲) یعنی ہاتھ سے زبان سے اور دل میں برا سمجھنے سے امام غزالی نے احتساب کے آٹھ درجے بیان کیے ہیں۔(۶۳)

☆○☆○☆○☆○☆○☆○☆

مراجع

۱- ہمارا معاشی نظام، محمد تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۴۲۳ھ، ص ۲۰۔ ۲- اسلام اور دہشت گردی، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد ۲۰۰۶، ص ۱۵۔ ۳- مشرقی یورپ میں مسلمانوں کا عروج وزوال: فیض احمد شہابی، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۱ء ص ۱۲۔ ۴- قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۸۳۔ ۵- ایضاً، ص ۸۶۔ ۶- ایضاً، ص ۹۱۔ ۷- ایضاً، ص ۹۴۔ ۸- فکر اسلامی کی تشکیل جدید، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن، ص ۲۵۔ ۹- ایضاً ص ۲۹۔ ۱۰- فقہ الزکوۃ: یوسف القرضاوی، البدر پبلی کیشنز لاہور، ج ۱، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۔ ۱۱- مقالات سیرت، وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۰۔ ۱۲- بخاری کتاب الفتین۔ ۱۳- عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل، مولانا مودودی ادارہ معارف اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۸۶۔ ۱۴- معاشیات اسلام: سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۵۔ ۱۵- ایضاً ص ۲۳۶۔ ۱۶- ایضاً ص ۲۶۵۔ ۱۷- البقرہ: ۲۷۸۔ ۱۸- معاشیات اسلام: محولہ بالا ص ۲۷۸۔ ۱۹- ایضاً، ۲۸۱۔ ۲۰- ایضاً، ص ۲۸۲۔ ۲۱- ایضاً، ۲۸۷۔ ۲۲- ایضاً، ۲۸۸۔ ۲۳- ایضاً، ۲۹۱۔ ۲۴- ایضاً، ۲۹۳۔ ۲۵- ایضاً، ص ۲۹۳۔ ۲۶- البقرہ: ۲۶۲۔ ۲۷- البقرہ: ۲۶۸، کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور ص ۸۲۔ ۲۸- البقرہ: ۲۷۵، ترجمہ کنز الایمان۔ ۲۹- البقرہ: ۲۷۶۔ ۳۰- کنز الایمان، محولہ بالا ص ۸۴۔ ۳۱- البقرہ: ۲۷۷۔ ۳۲- البقرہ: ۲۷۹۔ ۳۳- کنز الایمان، محولہ بالا، ص ۷۵، سود کی حرمت کے بارے میں حکم نازل ہونے سے قبل جو اصحاب سودی لین دین کرتے تھے انہوں نے سودی نظام سے دست بردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ ۳۴- پاکستان میں سو بچوں کے قاتل جاوید جیسے آدمی میں درندگی پروان چڑھنے کی عبرتناک صورتحال اور پاکستان کے روزانہ اخبارات کی خوفناک خبریں کرائم کلچر کی عکاسی کرتی ہیں۔ ۳۵- رواہ الحاکم وصحیح علی شرطھما والبیقہی عن عبداللہ بن مسعودؓ۔ ۳۶- سود ایک بدترین جرم: امام احمد رضا خان بریلوی، پروگریسو

مجلس لاہور، س ن، ص ۳۳، امام صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ۔ ۳۷- ایضاً ص ۱۸۔ ۳۸- ایضاً ص ۳۲۔ ۳۹- الحشر ۷۔ ۴۰- التوبہ ۱۰۳۔ ۴۱- صحیح بخاری۔ ۴۲- ابوداؤد حسب روایت بو سعید خدریؓ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ دوران سفر جو ارشاد فرمایا اس کے الفاظ ہیں۔ ۴۳- المعارج ۲۴۔ Modern Interest free Economy Muhammad Anwar P.H.D. International Institute of Islamic 44- . 46- IBID, P-84. 47- The cultural Atlas 45- IBID, P-23 thought Washington. D.C. USA.,1987. P-XI. of Islam: Ismail R.al Faruqi and Lois Lamya-al-Faruqi, Macmillan Publishing Companay, New York, P-147. 48- The Muslim World Book Review, Vol, 9 No.2, winter 1989. The Islamic foundation 223 London Road Lecaster. Lt 212E,U.K. P-28. 49- Toward Islamization of Diciplines. cited above P-278. 50- Toward a just Monetary system M.Umer Chapra. The Islamic Foundation London. U.K. 1986/1406 H. P-37. ۵۱- معاشیات اسلام، محولہ بالا ص ۲۷۹۔ ۵۲- ایضاً ص ۲۷۹۔ ۵۳- ربا اور بنک کا سود: ڈاکٹر یوسف القرضاوی، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، ص ۴۸ حسب ذیل تین اہم بین الاقوامی اداروں کے حوالہ سے بنک کے سود کو حرام قرار دیئے جانے کی کارگزاری واضح کی گئی ہے۔ ۱- مجمع البحوث الاسلامیہ ازھر یونیورسٹی (قاہرہ) ۲- رابطہ عالم اسلامی کی مجمع الفقہی مکتبہ المکرمہ۔ ۳- موتمر الاسلامی کے تحت حصہ دوم مجمع الفقہ الاسلامی جدہ۔ ۵۴- حجۃ البالغہ، حضرت شاہ ولی اللہ، اسلامی اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۸۳۔ ۵۵- صدائے حق: مولانا ابوالکلام آزاد، مکتبہ جمال لاہور، س ن ۳۹۔ ۵۶- آل عمران: ۱۰۳، ترجمہ کنز الایمان فی ترجمہ القرآن، امام احمد رضا بریلوی۔ ۵۷- خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، سید نعیم الدین مراد آبادی ص ۱۱۴۔ ۵۸- کیمیائے سعادت، امام ابو حامد محمد الغزالی مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن، ص ۳۷۴۔ ۵۹- ایضاً، ص ۳۷۵۔ ۶۰- ایضاً، ص ۳۷۶۔ ۶۱- مسلم کتاب الایمان۔ ۶۲- احکام القرآن، ابوبکر جصاص، المطبعہ البہیہ مصر ۱۳۴۷ھ ج ۲، ص ۳۶۔ ۶۳- کیمیائے سعادت، محولہ بالا ص ۳۸۳۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

غلام عباس قادری - کراچی

امت مسلمہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں انسان کو اشرف و افضل بنا کر اسے خلافت و نیابت کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ ''ولقد کرمنا بنی آدم'' (بنی اسرائیل)۔''میں نے اولادِ آدم کو عزت عطا کی۔'' مخلوقِ خدا میں یہ اعزاز انسان کی ذات کو ہی حاصل ہوا۔ پھر اس انعام کے ساتھ اسے امانتِ الٰہی کا امین اور خلافتِ ارض میں نیابتِ حق کا نمائندہ بنایا گیا۔ ''انی جاعل فی الارض خلیفة''۔ (البقرۃ)۔''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔'' کے اعلان نے تمام مخلوق پر انسان کی عظمت کو واضح کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہی نہیں بلکہ پہلے نبی بھی تھے۔اور نیابت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ پر نبوت کو ختم فرمایا۔ اور رہتی دنیا تک رسالتِ محمدی علیٰ صاحبها الصلوٰة والتسلیم سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے گی۔ سابقہ امتیں اگرچہ اسلام و ایمان کی حامل تھیں، لیکن قرآن مجید میں اکثر ان امتوں کو یا تو اُس زمانہ کے پیغمبر کی طرف منسوب کر کے خطاب کیا گیا ہے، یا یہود و نصاریٰ کے نام سے وہ دنیا میں معروف ہوئیں۔ لیکن اس آخری امت کو ''هو سماكم المسلمين''۔''اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔'' کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ اس نام نے اس امت کی آفاقی شناخت عطا کی۔

حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے اس خطۂ زمین کی کیا حالت تھی جس میں آپ کو پیدا کیا گیا۔ قرآن کریم کی زبان میں ''ظهر الفساد في البر والبحر'' (الروم)۔''خشکی و تری میں فساد ہی فساد برپا تھا۔'' کرۂ ارض آپس میں انس و محبت کرنے والے انسانوں کی سرزمین نہیں تھا بلکہ ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے ہر لحظہ ہر پل بغض و فساد کی آگ برستی رہتی تھی۔ خصوصاً عرب میں ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار تھا۔ اوس و خزرج کا جدال ایک سو بیس (۱۲۰) سال تک جاری رہا، یہاں تک کہ اسلام کا بادل آیا، رحمت کا مینہ برسا، عداوت کی جگہ محبت نے، وحشت کی جگہ انس نے، انتقام کی جگہ عفوو درگزر نے، خودغرضی کی جگہ اخلاص و ایثار اور غرور و تکبر کی جگہ تواضع و انکساری نے لے لی۔

چھٹی صدی عیسوی کچھ یوں منظر پیش کر رہی ہے کہ تہذیب پامال، شرافت روبہ زوال، انسانیت کی آنکھوں سے خون کے اشک رواں ہیں، آبادیاں اُجڑ رہی ہیں، گھر لُٹ رہے ہیں، عرب کی سرزمین حرم کا حال سب سے بدتر ہے، جنگ و جدال، قتل وخون سرمایۂ فخر و ناز ہے، امن و اطمینان، آرام وسکون باعثِ شرم اور قمار بازی قابلِ فخر بات ہے۔ ظلم وستم، حقارت ونفرت، تکبر ونخوت، افتراق و انتشار اور بدامنی و بے چینی کی اس تاریک شب میں اچانک صبح کا اُجالا نمودار ہوتا ہے۔ ربِ کائنات کا ایک بندہ حراء سے صفاء کی چوٹیوں پر چڑھ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ:

"يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّ نِسَاءً"

''اے افرادِ نسلِ انسانی! تم (اخوت ومحبت کے رشتے توڑتے ہو) اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک اصل سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا پھر ان دونوں کی نسل سے گروہ در گروہ مرد اور عورتیں پیدا کیں۔'' (سورۃ النساء۔ پارہ: ۴)

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ حقیقت انسانیت تمام انسانوں کے مابین مشترک ہے۔ لہٰذا قرآن کریم اس وحدتِ حقیقت ہی کی طرف متوجہ کر کے باہمی الفت ومحبت کا مطالبہ کرتا ہے۔

آفاقی شناخت کے ساتھ امت مسلمہ کا نظریاتی وعملی رویہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"وكذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس" (البقرۃ-پارہ:۲)

''اسی طرح ہم نے تمہیں میانہ روی والی امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر (حق) کے گواہ ہو۔''

اس آیت میں امت مسلمہ کے نظریات وعمل کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ امت مسلمہ کے نظریات متوسط ہوں، جن میں افراط وتفریط شامل نہ ہو۔ بلکہ ان دونوں کمزوریوں سے امت کے عقائد ونظریات پاک ہوں تا کہ وہ اپنے احوال کی درستگی کے ساتھ دوسروں تک بھی صحیح پیغام پہنچا سکیں۔

اعمال میں میانہ روی:

عبادات ہوں یا معاملات، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، امت مسلمہ کی عبادت میں بھی میانہ روی مقصود ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو پانچ نمازیں فرض کی ہیں شب و روز میں ان کے اوقات مقرر ہیں۔ تا کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا کر سکیں۔ اسی طرح روزمرہ کے معاملات میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ سیاست اور اقتصادیات میں بھی وہی خوبی مطلوب ہے۔ تا کہ امت مسلمہ بحیثیت فرد اور اجتماعیت کی زندگی کے اعلیٰ اصولوں پر عمل پیرا ہو کر معاشرہ کو بہتر بنا سکیں۔

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل:

ہر معیار کے اعتبار سے عالم اسلام اس وقت بدحالی، کمزوری، نااتفاقی، بدانتظامی، اور بے انصافی کی آخری حد پر ہے۔تمام عالم اسلام کی مجموعی قومی آمدنی (تیل والے ممالک سمیت) ترقی یافتہ ممالک میں سے کسی ایک ملک کی آمدنی سے کم نہیں ہے۔ سوائے ملائیشیا، کے دوسرے کسی اسلامی ملک کی کوئی صنعتی بنیاد نہیں۔ چند افریقی ممالک کو چھوڑ کر ہمارے ہاں تعلیم سب سے کم ہے۔صحت کی سہولتوں کا بھی یہی حال ہے۔ پورے عالم میں سے کسی بھی ملک میں مضبوط ادارے موجو دنہیں۔ دفاعی صنعت کے اعتبار سے صرف پاکستان کے پاس نیوکلیئر ٹیکنالوجی موجود ہے۔ ہوائی جہاز، ٹینک، توپ، آب دوز،

بحری جہاز، ریڈار، بکتر بند گاڑیاں اور اس نوعیت کی دیگر تمام چیزوں کے لئے مسلمان دوسرے ملکوں کے محتاج ہیں۔ سعودی عرب کے علاوہ جزوی طور پر اسلامی قانون موجود ہے۔ دیگر ممالک میں انصاف نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ اور ہم ہر وقت مغرب پر دہرے معیار کا الزام لگاتے ہیں۔ یقیناً یہ الزام اس حد تک صحیح ہے کہ مغربی اور ترقی یافتہ ممالک اپنے اندرونی نظام میں تو نہیں، لیکن بیرون ملک تعلقات کے ضمن میں دہرے معیار کا نام لیتے ہیں۔ تاہم سوال یہ بھی ہے کہ کیا ہم نے اس ضمن میں اپنے مسلم ممالک کا جائزہ لیا ہے۔ اگر غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلم ممالک اندرونی اور بیرونی دونوں اعتبار سے بدترین دہرے معیار سے کام لیتے ہیں۔

مسلمان ممالک اور مجموعی صنعتی ترقی :

مسلمان ملکوں نے بلحاظ مجموعی صنعتی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ ہمارے یہاں سائنس دانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی ہماری ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ پچھلے سو برسوں سے شاید ہی کسی مسلمان ملک کے ہاں کوئی نئی ایجاد ہوئی ہوگی۔ ہر چیز میں ہمیں مغربی ممالک کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔

مسلم امہ کے مسائل جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں :

عام طور پر رشوت، کرپشن، سفارش، عیاشی اور کام چوری کا کلچر ہے۔ امیر طبقوں نے اپنی دولت کا بہت کم حصہ کمزور طبقوں کے لئے مختص کیا ہے۔ وہ بھی عجیب ترجیحات کے ساتھ۔ اور عام لوگوں کی ترجیحات بھی کسی زندہ قوم کے شایان شان نہیں۔ ہم اپنے بچوں کی تعلیم کے بجائے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں دکھاوے پر زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں۔ مسلم امہ کے ہاں وقت کی ناقدری بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ موجودہ دور میں مسلم امہ بے حسی، خودغرضی، لاپروائی اور غیر ذمہ داری کے آخری مقام پر ہے۔ سوائے پاکستان کے اکثر ممالک اپنے دفاع کی مطلوبہ صلاحیت نہیں رکھتے۔

مسلم ممالک کی پالیسیاں:

مسلم ممالک میں آپس کی جو پالیسیاں بنتی ہیں۔ وہ ہر اعتبار سے بھی بالکل منتشر، اور متفرق اور مختلف الخیال ہیں۔ عالم اسلام کی بھی عجیب حالت ہے کہ پاکستان کی عوام کی ایک بھاری اکثریت عراق اور فلسطین کی حامی ہے۔ اور پاکستان نے ہمیشہ ان کی حمایت کی ہے۔ مگر وہاں کی حکومتوں نے کبھی بھی پاکستان کے مسائل پر کھل کر اس کی حمایت نہیں کی۔ کشمیر کے مسئلہ پر اقوام متحدہ میں پاکستان کی آواز پر مسلم حکومتوں نے پاکستان کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ مخالف کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہے عالم اسلام کی زبوں حالی، کمزوری، نااتفاقی اور دہرے معیار کا ایک مختصر خاکہ، جو سامنے آتا ہے۔ اس حالت میں ہمارا زندہ رہنا بھی ایک بڑی باعث حیرت بات ہے۔ مذکورہ صورت حال میں ہم کیسے اپنی حالت بدلے بغیر دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے ہم پلہ بن سکیں گے۔ ان کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اور ان کی سازشوں کا توڑ کر سکیں گے۔ اس کے لئے گھر کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں چاہئے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے سبق حاصل کریں کہ جس نبی آخر الزماں ﷺ نے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو اجتماعیت کی مضبوط بنیاد پر کھڑا کر دیا۔

"کلکم من آدم و آدم من تراب"۔ (تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔)

(خطبہ حجۃ الوداع' الخطب الدائرۃ۔ص: ۱۹، جلد اوّل۔طبع اوّل۔مطبع الادارۃ العامۃ للارشاد والثقافۃ، قاہرہ)

کہیں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا اور کہیں اس کی مدد کرنے، مصیبت کو دور کرنے اور عیب چھپانے کی تعلیم دی۔ کسی مقام پر پھر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے خلاف عیب جوئی، بہتان تراشی، غیبت، زبان اور ہاتھ سے نقصان پہنچانے کی ممانعت فرمائی اور مسلمانوں کی خیر خواہی، ملاقات کے وقت سلام کا حکم دے کر اسے ضرور قرار دیا جیسا کہ ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہے۔ اسلامی و انسانی اخوت کی تعلیم نے قوم کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت کے روح پرور گلشن کھلا دیئے اور مدت سے بچھڑے ہوؤں کو گلے ملا دیا۔ اخوت اسلامی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر ہے کہ:

''مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (الحجرات)

''اور یاد کرو اللہ کی نعمت جو اس نے تم پر کی جبکہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔'' (سورۃ آل عمران)

اسی نازک آبگینہ کی حفاظت کے اصول وقواعد بیان کرتے ہوئے آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے اور اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ ہی اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔'' آپﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔

(ریاض الصالحین باب تعظیم الحرمات المسلمین،طبع چہارم ۱۹۸۵ء،مطبع النہضۃ الحدیثۃ مکۃ المکرمۃ، امام نووی، ایضاً بخاری و مسلم)

کھوکھلے دعوے، غیر تعمیری سوچ:

کسی بھی مسلم ملک کے حکمران ہوں یا سیاسی لیڈر، تعمیری سوچ کا صرف دعویٰ ہی کرتے ہیں۔ عمل کی دنیا میں قدم رکھنے کی تکلیف نہیں کرتے۔ دانش ور ہوں یا مذہبی واعظ، صحافی ہوں یا کالم نگار جذباتی الفاظ و اصلاحات، جذباتی تقاریر سے عوام کو ہر وقت سحر کے عالم میں رکھے ہوئے ہیں۔ تقریباً عوام بھی اس انداز کو پسند کرتے ہیں۔ ہر نوجوان کا دل چاہتا ہے کہ اٹھ کر عالم کفر کو للکار کر تخت وتختہ میں سے کسی کا انتخاب کرے۔

مذہب کے نام پر، جو دنیا میں امن و صلح کا پیغام ہونا چاہیے، اس کے برعکس جنگ وجدل کے نعرے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ بعثت محمدیؐ کے وقت بھی فضاء انہی نعروں سے مسموم تھی۔ بقول علامہ سیّد سلیمان ندوی ہندوستان کے رئیسوں

اور جنیوں نے اپنے خاندان سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی۔ خدا کی رہنمائی صرف اسی ملک اور یہیں کے بعض خاندانوں کے لئے مخصوص تھی۔ زرتشت خاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے خاندانوں سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے۔

یہ پیغام محمدیؐ ہی ہے جس نے پورب پچھم اتر دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنائی اور بتادیا کہ خدا سے رہنمائی کے حصول کے لئے ملک وقوم اور زبان کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان، پاکستان اور عرب سب برابر ہیں، ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔ پچھلے تمام انبیاء اور کتابوں پر ایمان لانا لازم ہوگیا۔

''كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ'' (البقرة).

قرآن پاک میں وارد ہے۔(خطبات مدراس)

ماضی کے جھروکوں سے :

ہم ماضی کے کسی بھی واقعہ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے کی بجائے اس کو افسانہ طرازی کے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ گویا مسلمانوں سے کبھی کوئی غلطی ہوئی ہی نہیں تھی۔ بعض مسلم رہنما ہر خواہش اور جذبے کو نعرے کی صورت دے کر دلوں کو گرماتے ہیں۔ چاہے وہ نعرہ کتنا ہی کھوکھلا کیوں نہ ہو۔ مسلم امہ میں لگائے جانے والا کوئی ایک نعرہ بھی لے لیں، اور سب مل کر اس کی عملی تفسیر بن جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ ہم صحیح معنوں میں اپنے دین کے عملی طور پر حامی بن جائیں گے۔

بعض مسلم قائدین اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر سوچنے کو تیار نہیں بس اپنی حکومت برقرار رکھنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ اسی لئے کسی بھی ملک کے اندر لیڈر شپ نہیں اُبھرتی۔ مسلسل غلطیوں پر غلطیاں کیے جا رہے ہیں اور اس کا خمیازہ مسلم امہ کے اندر نا اتفاقی، مسئلہ افغانستان، مسئلہ کشمیر، مسئلہ فلسطین، بوسنیا، شام، ایران، عراق، لبنان کی صورت میں بھگت چکے ہیں۔ ہم صرف یہ کہہ کر مطمئن ہوجاتے ہیں کہ یہ سب کچھ غیروں کی سازشوں سے ہورہا ہے۔ یہ طرز فکر حقائق سے آنکھیں چُرانے کے مترادف ہے۔

مسلمان ایک عالمگیر برادری کے رشتے میں مربوط ہیں اور یہ اسی کی برکت ہے کہ دوسرے دین یا مسلک کے پیروؤں میں وہ اخوت نہیں پائی گئی جو مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس حکم کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے بکثرت ارشادات میں بیان فرمایا ہے، جس سے اس کی پوری رُوح سمجھ میں آسکتی ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی: 'ایک یہ کہ نماز قائم کروں گا، دوسری یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا اور تیسری یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا' (بخاری۔ کتاب الایمان) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر دوسرے کی جان و مال اور عزت حرام ہے۔'' (مسلم- کتاب البر والصلة) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔'' (بخاری۔ کتاب الایمان) حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا۔'' ''ایک مسلمان کے لئے یہی شرط کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر نہ کرے۔'' (مسند احمد)

درپیش چیلنجز:

قومیں درپیش چیلنجز کا حکمت، دانائی اور مربوط عمل سے مقابلہ کرتی ہیں۔ اور اس طرح کوئی بھی قوم آگے کی طرف قدم بڑھاتی ہوئی ترقی کی منزلوں کو طے کرتی ہے۔ چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے سے قوم کی پوشیدہ توانائیاں بھی عیاں ہو جاتی ہیں جن کا اظہار اس سے قبل نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں اقوام کو مختلف قسم کے چیلنجوں سے سابقہ پڑا ہے۔ یہ چیلنج قدرت کی طرف سے بھی آتے ہیں اور دوسری اقوام کی طرف سے بھی۔ چنانچہ ان کے لئے لازم ہے کہ ہر آن خطرات سے مقابلہ کی تیاری رکھیں۔ اگر وہ تیار نہیں تو تباہی ان کا مقدر ہے۔ موجودہ دور میں درپیش چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلم امہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے وقت کی ٹیکنالوجی پر غیر معمولی عبور حاصل ہو۔ اور اس کے افراد علوم وفنون کے جدید رجحانات سے بے خبر نہ ہوں۔ اس کی قیادت اپنی کمزوریوں اور دشمنوں کی طاقت سے بخوبی واقف ہو۔ اور اس کے تدارک کے لئے بھرپور تیاری رکھتی ہو۔

معیارِ تعلیم میں انحطاط:

جب مسلمانوں کا علمی معیار بلند تھا تو ان میں غزالی، رازی، رومی، بوعلی سینا، فارابی، البیرونی، ابن خلدون اور ابن بطوطہ جیسے علماء، فلاسفر، مفکر، مورخین پیدا ہوتے رہے۔ جن کے علوم سے نہ صرف عالم اسلام مستفید ہوا بلکہ بعد کے زمانوں میں یورپ نے ان کی کتابوں کے تراجم کو تلخیص کرا کر اپنے معاشرے میں نئے سرے سے تعلیم وتعلم کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں نے اپنے علم وفکر کے ذریعے ایک اچھی تہذیب کی بنیاد رکھی۔ موجودہ دور کو دیکھتے ہوئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کتابیں چھاپنے کے لئے پرنٹنگ پریس، کمپیوٹر اور نت نئے طریقے موجود ہیں۔ لیکن تحقیق و تدقیق کا کام مفقود ہے۔ علم کی تقسیم سے معاشرے میں کئی طبقات پیدا ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے ایک دوسرے کو اپنا حریف بنالیا ہے۔ اسکول سے لے کر یونیورسٹی میں پڑھنے والا طالب علم دینی اداروں اور دینی علوم سے بڑی حد تک ناآشنا اور اجنبی نظر آتا ہے۔ اسی طرح دینی اداروں میں پڑھنے والے طلباء ایک الگ دنیا میں رہ رہے ہیں۔

ہماری اس علمی پسماندگی کے نتائج صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے رہ جانے کی صورت میں ہی ظاہر نہیں ہو رہے بلکہ یہ ہماری اجتماعی جہالت ہے کہ دیگر میدانوں میں بھی ہمارے لئے شدید مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ آج جو تنگ نظری، تعصب اور عدم برداشت کا ہم شکار ہیں، اس کا سبب بھی ہماری علمی پسماندگی ہے۔ علم ومطالعہ کی کمی کی بناء پر ہمارے ہاں لوگ صرف اپنا نقطہ نظر جانتے ہیں۔ وہ اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ یہاں کوئی دوسرا نقطہ بھی ہے۔ کسی بھی مسلم ملک میں علم وتحقیق کی روایت زیادہ روشن نہیں۔ اس ضمن میں مسلم رہنماؤں اور میڈیا، کو آگے بڑھ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں۔

الف: تقسیمِ علم کی وجہ سے حصول علم کا دائرہ محدود ہو گیا ہے

اس تقسیم کی وجہ سے علم حاصل کرنے والے طلباء محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو طلباء مخصوص چار دیواری میں علم حاصل کرتے ہیں۔ وہ کسی دوسری درسگاہ کے دروازے میں داخل ہونا ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اسی سے طلباء کے ذہن و فکر بھی محدود ہو جاتے ہیں ان کی سوچ کے دائرے سکڑ جاتے ہیں۔ پھر ایسے ماحول میں انتہا پسند لوگ، نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

ب: ناقص تعلیم و تربیت۔

ناقص تعلیم و تربیت بھی ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ تعلیم کا مقصد خدا خوفی اور خیر اندیشی ہے۔ جب یہ چیزیں تعلیم میں شامل نہ ہوں تو معاشرہ علم و آگہی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک نامکمل معلومات کے ذریعے کسی بھی کام کی مکمل منصوبہ بندی نہیں کی جا سکتی۔ اگر تربیت کا فقدان ہو تو افراد کی کردار سازی کا عمل جو ایک فلاحی معاشرہ کا جزو لاینفک ہے رو بہ پذیر نہیں ہو سکتا۔

ج: مسلم امہ اور تعلیمی بحران۔

آج مسلم امہ تعلیمی بحران کا شکار ہے۔ ایک آدھ ملک کے علاوہ مسلمانوں کی بڑی آبادی ناخواندہ ہے۔ تقریباً ستاون (۵۷) اسلامی ملکوں کو یہ چیلنج درپیش ہے۔ کسی بھی ملک میں نئی ایجادات روشن خیالی افراد کے تعلیم یافتہ ہونے پر منحصر ہے۔ تاکہ وہ نفع نقصان میں فرق کر سکیں۔

تعلیمی انحطاط من جملہ اسباب کا ایک سبب نصاب تعلیم ہے۔ ہمارا نصاب تعلیم قدیم و جدید کے امتزاج کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے، اس لئے وہ موجودہ مسائل کے ٹھوس حل سے خاموش ہے۔ جب تک جہالت و ناخواندگی عام ہے اور عوام کا بڑا حصہ تعلیم سے محروم ہے، مذکورہ نصاب تعلیم سے افراد کے ذہن و فکر کو جلا نہیں ملتی۔ دینی و عصری تعلیم زہد، تقویٰ، عزت نفس اور اخلاقی و دینی جرأت کی عملی مثالیں تقریباً مفقود ہیں۔ مسلم مخالف تحریکیں اور نظریات، اسلامی معاشرہ میں چور دروازے اور بعض اوقات علی الاعلان مسلم امہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرتی رہیں گی۔

مسلمان اور جدید تحدیات:

موجودہ زمانہ کے مسلمان سو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے مسائل کا شکار ہیں۔ ان کے مسائل کے خلاف ان کی جدوجہد ۱۹ ویں صدی کے نصف آخر سے شروع ہوتی ہے۔ اس وقت مسلم رہنماؤں کا عام ذہن یہ تھا کہ ہمارے مسائل کا اصل سبب مغربی قوموں کا سیاسی غلبہ ہے۔ اگر مغرب کا سیاسی غلبہ ختم ہو جائے تو اس کے بعد ہمارے تمام مسائل کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ نشانہ پورا ہو گیا۔ اس کے بعد تمام مسلم علاقے مغرب کے سیاسی غلبہ سے آزاد ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہوئے۔ وہ بدستور پوری شدت کے ساتھ آج بھی باقی ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا غلبہ سادہ طور پر صرف سیاسی غلبہ نہ تھا وہ دراصل جدید صنعتی

تہذیب کا نتیجہ تھا۔ سیاسی غلبہ کے خاتمہ کے باوجود صنعتی تہذیب کی فاتحانہ حیثیت بدستور شدت کے ساتھ انہی مغربی قوموں کو حاصل تھی۔ اس لئے ان کا غلبہ بھی بدستور جاری رہا۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ پہلے یہ غلبہ براہِ راست تھا، اور اب یہ غلبہ بالواسطہ انداز میں ہے۔

اس منفی انجام کو دیکھنے کے بعد مسلم دانشور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری اصل کمی صنعتی پسماندگی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس کی کمی کو دور کرنا ہے۔ ہمیں دوسری قوموں کی طرح ایک بڑی صنعتی طاقت بننا ہے اس کے بغیر ہماری قسمت بدلنے والی نہیں۔ مگر یہ بھی ہمارے مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ ٹھہرا ہوا نہیں ہے۔ وہ مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم صنعتی ترقی کی طرف بڑھنا شروع کر دیں تو ساری کوششوں کے بعد جب ہم انڈسٹریل دور میں داخل ہوں گے تو 'الون ٹافلر' کے الفاظ میں مغربی قومیں سپر انڈسٹریل دور میں داخل ہو چکی ہوں گی۔ اس طرح ہم بدستور پیچھے رہیں گے۔ اور ہمارا اصل مسئلہ اس کے بعد بھی غیر حل شدہ پڑا رہے گا۔ آج مسلمان جس قسم کے مسائل سے دوچار ہیں اور سیاسی، اقتصادی، صنعتی، تہذیبی اور ثقافتی سطح پر جو تحدیات ان کو درپیش ہیں وہ کوئی نئی صورت حال نہیں ہے۔ اس قسم کے حالات کا تجربہ امت مسلمہ کو طویل تاریخ میں بار بار مختلف شکلوں میں پیش آتا رہا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئیے کہ اس سے پہلے امت کو جب اس قسم کے مسائل اور تحدیات سے دوچار ہونا پڑا تو کیا صورت پیش آئی اور کس طرح اس کا مقابلہ کیا گیا؟۔ اس کا جواب تاریخ کی روشنی میں صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ کامیابی اسلام کی دعوتی طاقت کے ذریعے حاصل کی گئی۔ تیرہویں صدی عیسوی کے وسط میں تاتاریوں نے عالم اسلام کو غیر معمولی نقصان پہنچایا۔ وحشی اور خونخوار تاتاریوں کی طاقت بظاہر ناقابل شکست بنی ہوئی تھی مگر اس کے بعد اسلام کی دعوتی طاقت ظاہر ہوئی۔ اس نے تاتاری قوم کو مسخر کر لیا۔ ایک مستشرق نے اس کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب نے وہاں فتح حاصل کر لی، جہاں ان کے ہتھیار ناکام ہو چکے تھے۔

The Religion of the Muslims had conquered where their arms had faild. (P-488)

ہماری سیاست روز بروز علم سے خالی ہوتی جارہی ہے۔ نہ صرف علم سے بلکہ اخلاقیات کے کسی ضابطے کا نشان بھی نہیں ملتا۔ اسلام کی بات تو دور ہے خود غیر مسلموں کے ہاں جو ضابطے ہیں ہمارے اندر ان کی نقل کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رہی۔ البتہ دوسروں کی بری باتیں سیکھنے میں ہم پورے شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دیکھئے کہ سیکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ نے فرمایا۔ (ترجمہ) ''جو شخص دو دن ایک حالت میں رہا ہو وہ گھاٹے میں رہا۔'' اس سے بھی واضح مراد یہ ہے کہ ہر روز اس کے علم، عقل، تقویٰ اور ہدایت میں ترقی ہونی چاہئیے۔ ہمارے ہاں اکثریت تو ماضی میں پھنسی ہوئی ہے۔ جو باقی ہے وہ حال میں گم ہے۔ مستقبل نامی کوئی چیز ہمارے پورے معاشرے میں نہیں رہی۔

مسلم امہ کے لئے آنے والا وقت بڑے چیلنج کا ہے اور وہ چیلنج مستقبل ہے۔ نعرے بازی سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا جب تک کہ ہم بنیادی قدروں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے۔ جماعت ہو یا حکومت، مشورہ کا

باقاعدہ نظام مرتب کرنا چاہیئے تاکہ اللہ کے حکم سے صحیح استفادہ کیا جاسکے۔ بلا امتیاز تنقید کرنے والوں کے ساتھ بالخصوص مشورہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہی لوگ کسی کا نقص بتاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم امہ کے اجتماعی مزاج کا تجزیہ کیا جائے اس کے فاسد عناصر کی بیخ کنی کی جائے اور صالح عناصر کو فروغ دیا جائے۔

موجودہ زمانہ غیر معمولی تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں جو قدیم زمانہ میں نہ تھے۔ ضرورت ہے کہ مسلم امہ کو کلی نوعیت کے اجتہاد سے کام لینا چاہیئے۔ بصورت دیگر ملت اسلامیہ موجودہ زمانہ میں اپنا مقام حاصل نہ کر سکے گی اور اپنا کردار ادا کرنے میں بھی ناکام رہے گی۔ یہ کوئی سادہ بات نہیں بلکہ بہت زیادہ اہم بات ہے۔ اس کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کے لئے وسیع تر دائرہ میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مثبت امکانات کو دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ بہترین دینی امکانات روشن ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان آج جن مشکلات میں گھر گئے ہیں وہ یقینی طور پر مصنوعی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں موجودہ مسلمانوں کی ترقی کا سفر رک گیا ہے۔ مسلمان آج یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا راستہ ہر طرف سے بند ہے۔ مگر اس دنیا میں کبھی کسی کے لئے راستہ بند نہیں ہوتا۔ البتہ انسان بعض اوقات خود اپنی نادانی سے اپنا راستہ بند کر لیتا ہے۔ قوموں کی ترقی علم و ہنر سے ہے۔ کامیابی کا چراغ اسی سے روشن ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال کا علاج:

موجودہ صورتِ حال کو کوئی فوجی طاقت، کوئی تعزیر اور سزا اور کوئی احتساب و نگرانی روک سکتی ہے اور نہ اخباری اور میڈیائی پروپیگنڈا نہ مال و دولت کے ذریعہ قلب و ضمیر کی خریداری، نہ سفارتوں کی پُرتکلف اور شاندار تقریبات مسلم امہ کو خوش کرنے کے لئے کچھ منصوبے، نہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنسیں اور سیمینار جن سے ان ملکوں کی اسلام سے دلچسپی کا وقتاً فوقتاً اعلان کیا جاتا رہتا ہے۔ نہ ہی محدود ادارے اور دینی مظاہرے اس انقلاب اور بغاوت کا راستہ روک سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا واحد حل یہ ہے کہ: حقائق اور واقعات کا جرأت و دُور اندیشی اور صحیح دینی روح اور دینی بصیرت کے ساتھ سامنا کیا جائے۔ اور مسلم ممالک میں دینی وعصری تعلیم کے مطابق ہمہ گیر صالح اور ضروری تبدیلی کے لئے صدق دل اور اخلاص کے ساتھ کوشش شروع کی جائے۔ جن چیزوں کا ازالہ اور سدِّ باب ضروری ہو ان کا سدِّ باب کیا جائے جن اصلاحات کا نفاذ اور جن اسکیموں کا آغاز ضروری ہو ان کے آغاز میں دیر نہ کی جائے۔ اسلام، قرآن اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں اسلامی اقدار کے مطابق معاشرہ میں مساوات اور انصاف قائم کیا جائے۔ اہل اسلام کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے ضروری اقدام اٹھائے جائیں۔ بے جا اسراف اور حد سے بڑھی ہوئی فضول خرچی کو ختم کیا جائے جو عوام کی حقیقی ضروریات بھی پوری ہونے نہیں دیتی۔

نصابِ تعلیم کو نئے سرے سے اس طرح ڈھالا جائے کہ وہ اسلام کے عقائد و اصول اور عصرِ جدید کے تغیرات اور علوم و وسائل دونوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور دونوں کے تقاضے پورے کرتا ہو اور نئی نسل میں ایک طرف ایمان و یقین، اخلاقی قوت، استقامت، خود اعتمادی و خودداری، اپنے دین پر غیر متزلزل یقین اور اس کے لئے قربانی کا جذبہ دوسری طرف قوت ایجاد، فکری استقلال، بلند ہمتی اور اولوالعزمی پیدا کرے اور جرأت و ذہانت کے ساتھ طاغوتی قوتوں کا مقابلہ

کرنے کا جوہر اور اوصاف پیدا کر سکے۔ اس انتشار و بغاوت سے بچنے کے لئے مسلم امہ میں دینی روح، طاقت ور ایمان، اخلاقی حِس اور اسلامی شعور پیدا کرنا ہوگا۔ اس ذہنی انتشار اور بے دلی اور بغاوت کے جراثیم کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کے اسباب و محرکات کا مکمل ازالہ، حالات کی عمومی اصلاح اور سیرت و کردار میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ترقی یافتہ اقوام سے وہ لینا ہوگا جو اسلامی ممالک اور معاشرہ کے لئے مفید اور اس کے عقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔

ہمارے لئے صحیح راہِ عمل :

مندرجہ بالا اجتماعی کمزوریوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری نجات کا راستہ درج ذیل نکات پر عمل کرنے سے یقینی ہوگا۔(۱) امن کا وقفہ حاصل کرنا۔(۲) جمہوری کلچر اپنانا۔(۳) سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کو اپنا مقصدِ اوّلین قرار دینا۔ (۴) جذباتیت سے مکمل پرہیز۔ (۵) عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے باوقار انداز میں جدوجہد کرنا۔ امن کا وقفہ حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت جہاں جہاں مسلمان اور غیر مسلم ممالک کے درمیان مسلح تنازعات درپیش ہیں ان کے بارے میں ہم یہ یک طرفہ فیصلہ کریں کہ ہم اس کے حل میں اپنی طرف سے طاقت استعمال نہیں کریں گے۔ ہم مکالمے کے ذریعے سے سمجھوتے کی طرف پیش رفت کی کوشش کریں گے۔ اور اگر سمجھوتا نہیں ہوتا تب بھی کسی بھی حالت میں مسلح کاروائی کی طرف قدم نہیں اٹھائیں گے۔ کسی بھی سمجھوتے کے لئے ہم ''منصفانہ'' کی شرط عائد نہیں کریں گے۔ بلکہ کچھ لو اور دو کی بنیاد پر عمل کے حل کی طرف بڑھیں گے۔

اس نکتے کی بنیاد یہ ہے کہ اس وقت ہم کمزور اور ہمارے مقابل کی قوتیں توانا اور مضبوط ہیں۔قبل از وقت میدانِ جنگ میں کود پڑنا خود اپنے ہاتھوں اپنی شکست کو تحریر کرنا ہے۔ دوسری یہ ہے کہ درحقیقت مسلمانوں کو درپیش ہر مسئلہ کا ایک ایسا ممکن العمل حل موجود ہے کہ جس پر عمل پیرا ہونے سے معاملات سدھر جائیں گے۔یعنی کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان، مسلمان ممالک کو ایک دفعہ امن کا وقفہ میسر آ جائے تو وہ اگلے سو پچاس برس کے اندر اندر ترقی پذیر ممالک کے ہم پلہ بن سکتے ہیں۔واضح رہے کہ یہ ایک ایسی حکمتِ عملی ہے جس پر دنیا کی ہر ہوش مند قوم عمل کرتی ہے۔ خود مغرب نے اپنے زریں دور میں اس پر عمل کیا۔

دوسرا نکتہ یہ کہ تمام مسلمان ممالک اپنے ہاں کامل جمہوری کلچر کو بطور اصول و قدر اختیار کرلیں۔ جمہوریت کے بغیر عوام عملاً غلام رہتے ہیں۔ جمہوریت ہی کے ذریعے سے صحت مند مسابقت کا ذہن فروغ پاتا ہے۔جس سے ترقی کا راستہ کھلتا ہے۔مختلف ممالک کے آپس میں ایک دوسرے کے نزدیک آنے کے لئے بھی جو قدر سب سے زیادہ مدد ومعاون ثابت ہوتی ہے، وہ جمہوریت ہے۔ اس لئے تمام یورپی اقوام ایک دوسرے کے بے حد قریب آگئی ہیں، اور ان کے درمیان سرحدیں ماند پڑ گئی ہیں۔ مسلمان ممالک بھی صرف اسی وقت ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اور ان کا تعاون عملی حقیقت میں بدل سکتا ہے، جب ان سب کے ہاں جمہوری کلچر وجود میں آئے۔ یوں تو ہمارے ہاں ہر مرض کا علاج یہ نعرہ سمجھا جاتا ہے کہ ''عالمِ اسلام کو متحد ہوجانا چاہیئے'' لیکن اس امر کی طرف بہت کم نگاہ جاتی ہے کہ اس کے لئے شرطِ اوّلین جمہوریت پر کاربند ہونا ہے۔ آج کے حالات میں اس شرط کے پورا کئے بغیر ایک حد سے زیادہ تعاون پر کاربند ہونا ناممکن ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کو اپنا مقصدِ اوّلین قرار دیں۔ اس کے بغیر دنیا میں عزت ووقار سے جینے کا خواب دیکھنا فضول ہے۔ آج کے حالات میں وہی کامیاب ہے جس کی دسترس میں ٹیکنالوجی ہے یہی طاقت وقوت ہے اور یہی دولت ہے۔ اس کے سامنے باقی تمام سرمایہ ہیچ ہے۔ (عالمِ اسلام کے تمام ممالک بشمول تیل پیدا کرنے والے ممالک کے مجموعی آمدنی ایک اسپین کی آمدنی سے کم ہے۔) لیکن آج ٹیکنالوجی کا حصول جتنا آسان ہے، اتنا کبھی نہ تھا۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ایجاد نے ٹیکنالوجی کے حصول میں موجودہ اکثر روکاوٹیں قابلِ عبور بنادی ہیں۔ تاہم یہ کوئی قلیل المیعاد فیصلہ نہیں ہے۔ جب تمام ملکی توانائیوں کے رخ اس طرف پھیر دیا جائے تب کہیں جا کر چند دہائیوں میں ترقی یافتہ ممالک کہ ہم پلہ آنے کا سوچا جا سکتا ہے۔ چوتھا نکتہ جذباتیت سے مکمل پرہیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جذباتی نعرے نہ لگائے جائیں، جذباتی تقریریں نہ کی جائیں، مغرب کو نہ للکارا جائے، دھمکیاں نہ دی جائیں، بغیر سوچے سمجھے اقدامات نہ اٹھائے جائیں۔ بلکہ حکمت اور مصلحت کی پالیسی اختیار کی جائے۔ ہر مثبت بات کی جائے۔ اور منفی بات سے پرہیز کیا جائے۔ دراصل جذباتی اور بلند بانگ نعرے اور دعوے ایک انتہا پسندانہ ردّعمل کی ذہنیت کو جنم دیتے ہیں۔ جس میں انسان بے سوچے سمجھے مرنے مارنے پر اُتر آتا ہے۔ اسی عالم میں کئے گئے تمام انفرادی اور جذباتی فیصلے نیم پختہ اور غلط ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ خود ہمارے ہی لئے زہر قاتل ہوتا ہے۔ پچھلے تین سو برس میں ہم سے ایسے ہی غلط فیصلے سرزد ہورہے ہیں۔ اس سے دوسری قومیں بھی تشویش اور پریشانی کا شکار ہوجاتی ہیں۔ اور ہم بزوران کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

موجودہ مسائل، چیلنجز، اور ان کا تدارک سیرتِ طیّبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

جو شخص اسلام کی ترقی اور نبی ﷺ کی تعلیمات سے واقف ہوگا، ان میں غور وفکر کرے گا، اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ظہورِ اسلام کے وقت ایسے تمدن کا کوئی وجود نہ تھا۔ نبی ﷺ کی تعلیمات میں غور وفکر کرنے آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کے انواع سے واقفیت، قرآن مجید کے بیان کردہ معاشرتی آداب، باہم تعارف ویکجائی کے طریقے، احکامِ طبعیہ، اسرار و وجود اور کائنات کے بیش بہا اسرار کا بیان، حقوق کا تعین، نظام حیات کی روشن راہیں، جن کے قرآن میں واضح احکام اور اشارے موجود ہیں۔ نیز تہذیب نفوس اخلاق عالیہ کے حصول کے لئے سنتِ نبویہ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ خوب سے خوب تر کو اپنا لو، اس بات کی دلیل ہے کہ خوب تر کو اپنانا اور محکم تر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا ہی اخوتِ بشری اور معاشرتی ارتقاء کی سیڑھی ہے۔ اور اسی سے حریتِ فکر وعمل کو راہ ملتی ہے۔ اسے معلوم ہوجائے گا کہ قرآن مجید کے نزول کے اوّلین روز اور نبی ﷺ کے اعلانِ نبوت کے پہلے دن ہی سے اسلامی تمدن کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ اور اہل ایمان قرآن وسنت کی متعین کردہ راہوں پر چل کر اس تمدن کی آبیاری کرنے لگے۔

آنکھ کھول کر اور نگاہِ بصیرت سے اس دَور کا جائزہ لیں جس میں رحمتِ عالم ﷺ کی اس عالم آب وگل میں تشریف آوری ہوئی ہرطرف فساد، ظلم اور تباہی و بربادی، کا دور دورہ تھا۔ مشرق سے مغرب تک ایک ہی سماں تھا۔ اندرونی خلفشار روز افزوں تھا۔ بیرونی خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے تھے۔ قبل از اسلام جن کی دنیا گزشتہ کل تک محدود تھی۔ ان

کا کام مویشیوں کی دیکھ بھال تھا۔ کسمپرسی کی بدویانہ زندگی کے خوگر تھے۔ اسلام نے ان کی کایا پلٹ دی۔ آج یہ بہترین قائد، تجربہ کار منتظم، صاحبِ بصیرت سالار اور زیرک و ہوشیار سیاستدان تھے۔ نظام حکمرانی اور مختلف اداروں کی ترتیب و تنظیم کے روح رواں تھے۔ لامحالہ جب اس علم مصطفوی کے زیر سایہ آنے والوں اور اس کی آغوش میں پناہ لینے والوں کی کثرت ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے نظم و ضبط کے اصول مقرر فرمائے۔ ان کے لئے نظام کار تجویز فرمایا اور اس نظام کو جاری و ساری رکھنے کے لئے افراد اور اداروں کا سلسلہ قائم فرمایا۔ کیونکہ کسی حکمران کی حکمرانی اور کسی قوم کا نظام اس کے بغیر استوار نہیں ہوتا۔ اس نظام کے بغیر کسی افراط و تفریط کے قوم کو تحفظ ملتا ہے۔ یہ سب امور دین اسلام کی بنیادیں ہیں۔ اور اسلامی معاشرہ ان ہی اصولوں پر قائم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور اقدس میں زراعت پر توجہ فرمائی، اسی طرح صنعت اور دستکاریاں ہیں۔ علم کی طرف توجہ دی، علم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ خواہ اسے کفار کے ممالک سے حاصل کیا جائے۔ ایسے امور اور افعال پسند فرمائے جو مسلمانوں کے لئے نفع بخش تھے۔ جیسے فارس وغیرہ کے کفار سے خندق کی کھدائی، قندیلوں سے مسجد نبوی میں روشنی کا اہتمام، جس کا طریقہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ غیر مسلم ممالک کی سیاحت کے دوران دیکھ کر آئے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل مسجد نبوی میں آگ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ آپ نے علوم و معارف کی نشر و اشاعت، ذمہ داریوں کی تقسیم، اخوت کے وجوب، دفاعی طور پر طاقت کی پالیسی، فوری حادثات سے بچنے کی تدابیر، اور اس جیسے دیگر معاملات پر توجہ دینے کا حکم دیا۔

اسی طرح علم الابدان، طب، تحقیق و تشریح اعضاء، فطری اور قدرتی سائنس سے متعلق علوم کو اپنانے کا حکم فرمایا۔ عمومی آداب، مکارمِ اخلاق، تاریخ، جغرافیہ، سیاحت، کائنات کے سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی، اختراعات، نجوم، حساب، قصص و روایات، علمی ابحاث اور اندازِ بیان کے آداب غرضیکہ ہر شعبہ میں حیات کے لئے نافع ہر علم کی طرف توجہ مبذول فرمائی، ساتھ ہی ساتھ حکومتی ادارے اور ان کے لئے وسائل کی فراہمی کا انتظام فرمایا اور اقوام متمدنہ کی ہر خوبی کو اسلامی معاشرہ میں سمو دیا۔

خارجی طور پر آپؐ نے بہترین طریقوں سے اسلام کا پیغام عام فرمایا، ملت و مملکت کے حقوق مقرر فرمائے۔ جنگ، امن، باہم مصالحت، معاہدات، باہمی مذاکرات، دستاویزات کی تیاری، خط و کتابت، سیاسی نقد و نظر، حلیفوں اور پڑوسیوں کے حقوق اجنبی اور ذمی رعایا کے حقوق کے لئے اصول وضع فرمائے۔ اور ہر گروہ کو حکمت کے مطابق ایسا محدود حق عطا فرمایا جو حق و صواب پر مبنی تھا۔ اسی دور میں امن و سلامتی سے تعمیر ملت کا کام پوری دلجمعی کے ساتھ انجام پاتا تھا۔ کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام ہی امن و سلامتی کا مظہر ہے۔ علامہ رشید رضا مصری "**المنار**" میں لکھتے ہیں کہ:

"ملاقات کے وقت مسلمانوں کا سلام اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کا دین امن و سلامتی دینے والا ہے اور یہ کہ مسلمان امن و سلامتی پسند ہیں۔" (المنار۔ ج: ۵) "**وجعلت تحية المسلمين الاشعار بان دينهم دين الاسلام و الايمان و انهم اصل المسلم محبوا السلامة.**"

مکی دور کے پُرفتن ماحول میں رسول کریم ﷺ کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ کس طرح نفرتوں کو محبتوں میں بدل دیا

جائے۔جس رسول کے اوصاف میں قرآن گواہی دیتا ہے: (ترجمہ) ''بے شک تمہارے پاس تمہی میں سے رسول تشریف لائے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے۔'' تعمیر کعبہ کے وقت تنازعے کی ثالثی بھی آپ کی امن پالیسی کا بہترین حصہ ہے۔

کعبہ شریف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت تھی۔ حجر اسود کو اپنے مقام پر نصب کرنے پر نزاع کی خطرناک صورتِ حال پیدا ہوگئی، قریب تھا کہ نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہوجاتی لیکن بحثیت امن پسند مکی نوجوان آمنہ کے لال محمدؐ بن عبداللہ نے اپنی مدبرانہ حکمت سے متوقع انسانی جانوں کے ضیاع کو بچالیا اور جنگ کو امن کا پیرہن پہنادیا۔

قیامِ امن کی کوششیں:

محسنِ انسانیت نبی کریم ﷺ کا امن و سلامتی اور محبت و شفقت کا پیغام انسانی تاریخ کی اس شب تاریک میں جو کہ چھٹی صدی عیسوی کو ماضی سے ملی تھی نور بن کر اُبھر رہا تھا۔ چونکہ آپؐ سراپا محبت تھے اسی لئے آپؐ کی قیادت میں مختلف الخیال، مختلف العقیدہ اور مختلف النسل لوگوں کے درمیان محبت پروان چڑھ رہی تھی، منافرت کی دیواریں گر رہی تھیں، محبت وشفقت کے نئے دریچے کھل رہے تھے، صدیوں کے روایتی دشمن گلے مل رہے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر شخص قانون کے دائرے میں رہ کر قانون کے ذریعہ جو زیادتی اس پر کی گئی اس کا بدلہ لے سکتا ہے، لیکن امن کے پیغامبر ﷺ نے اس جائز بدلے کو بھی عفو و درگزر کی آغوش میں لے کر امن و سلامتی کی راہوں کو وسعت بخشی اور امت کو پیغامِ حق کا درس دیا کہ میرا رب تو اس سے خوش ہوتا ہے جو اس طرح معاملہ کرے: ''فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہ' عَلَی اللہِ''. (اور جس نے معاف کیا اور صلح کی راہ اختیار کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔)

مکی دور کی اذیتیں صفحاتِ تاریخ کا تاریک ترین باب ہے۔ آپ ﷺ کو گالیاں دی گئیں، آپ ﷺ سے تمسخر کیا گیا، پتھر برسائے گئے، دیوانہ کہا گیا، راہ میں کانٹے بچھائے گئے، آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کی گئیں، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریزی کے وقت آپؐ کے مقدس شانوں پر اوجھڑی رکھ دی گئی، بے وطن کیا گیا، پھر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا، عہد نامے توڑے گئے، بدر وحنین، احد و احزاب کے معرکے ہوئے، لیکن وہی ستانے والے، پتھر پھینکنے والے، گالیاں دینے والے، فتح مکہ کے دن جب شرم سے گردن جھکائے ہوئے آتے ہیں تو امن کا پیغام دینے والی شخصیت کی زبان اقدس سے اعلان ہوتا ہے: ''لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء''. (آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو جو چاہو کرو)۔

رسول اللہ ﷺ کا عمل دنیا کی امن پسند اور صلح جو قوموں کے لئے ایک بلند وبالا منارۂ نور ہے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں مسلمانوں کی علمی ترقی:

رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کی پہلی وحی کا آغاز ''اقرأ باسم ربک الذی خلق''. ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا''، سے ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے علم کی تحصیل کو خدا کی رضا کا ذریعہ بتایا اور آپ ﷺ نے خود علم کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ 'صفہ' چبوترہ بنوا کر آپ ﷺ نے پہلے اسلامی علمی مرکز کی بنیاد رکھی۔ غزوۂ بدر میں مکہ کے جو لوگ قیدی بن گئے تھے ان کی رہائی کا فدیہ دس مسلمانوں کو تعلیم دینا مقرر کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

"طلب العلم فریضہ علی کل مسلم و مسلمۃ" (طبرانی)

حضرت زید بن ثابت جو کاتب وحی تھے اور آپ ﷺ کے دربار میں خطوط لکھنے پڑھنے پر مامور تھے، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ دوسری زبانیں بھی سیکھیں۔ چنانچہ وہ عبرانی اور دوسری زبانیں بھی جانتے تھے۔ نیزہ بازی کی حوصلہ افزائی کر کے آپ ﷺ نے دفاعی صلاحیتوں میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ اور اس میں آج کل کے جدید علوم وفنون کا سیکھنا بھی شامل ہے۔

جذباتیت سے اجتناب اور حکمتِ عملی کا استعمال:

مسلم امہ کو آج کل بے شمار مشکلات کا سامنا ہے اور اسلام دشمن قومیں مسلم امہ کو استعمال میں لا کر ان سے ایسے اقدامات کرانے کے چکر میں ہیں کہ جس سے مسلمانوں کی فکری، علمی اور مادی قوتوں کو کمزور کر کے انہیں آسانی کے ساتھ مغلوب کیا جائے۔ان میں سے ایک بڑا ہتھیار الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کے استعمال کی بھر مار ہے۔ اور مسلم امہ کے لئے نت نئے محاذ کھلتے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر مسلمان اسی ہتھیار سے اس کا مقابلہ نہیں کریں گے تو وہ موجودہ دور میں دوسری اقوام کے لئے بہترین چارہ ثابت ہوں گے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم جذباتیت کے خول سے باہر نکل کر معاملات کا باریک بینی سے جائزہ لیں۔ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ". (الحجرات۔ پارہ:۲۶)

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو، کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو۔ پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔)

اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ افواہ سازی پر اپنے عمل کا دارومدار نہ رکھو اور اس سے بچو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"۔

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ جو سنے بیان کردے۔"(مشکوۃ المصابیح)

سیرت طیبہ کی روشنی میں امن کی حالت سے فائدہ حاصل کرنا:

(۱) ہجرت کے بعد مدینہ عالیہ میں مختلف مذاہب اور قبیلوں کے ساتھ آپ ﷺ نے امن کا معاہدہ فرمایا۔ جس کو تاریخ میں میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہ تاریخی معاہدہ آپ ﷺ کی مصرانہ قیادت کا بہترین عملی نمونہ تھا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے جو کہ ابھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچے تھے۔ نیز مدینہ شریف دو حریف قبائل "اوس وخزرج" اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے۔ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع مل جائے۔ اور یہ موقع میثاقِ مدینہ کے ذریعے مسلمانوں کو مل گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے نئی قائم شدہ اسلامی ریاست کے استحکام کے لئے جو قدم اٹھایا، تاریخ عالم میں وہ ایک مثالی اور انتظامی اقدام تھا۔ (۲) صلح حدیبیہ: اگر ہم صلح حدیبیہ کے معاہدے کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کو اس

حالت میں ہونے کی وجہ سے جزیرۂ عرب میں پھلنے پھولنے کا بہترین موقع میسر آیا۔ اور اس معاہدۂ امن کی بدولت مسلمانوں کی تجارت آزادنہ ہونے لگی۔ اور مسلمانوں نے تجارت سے معاشی فائدہ اٹھانے کے ساتھ انہوں نے اسلام کے پیغام کو دوسروں تک پہنچایا۔

مسلمان ایک ایسی امت ہیں جن کے اعمال، عبادات، فکری سوچ میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ایک خدا کو ماننے والی اس امت کو امتِ وحدت کہا جاتا ہے۔ خداوند کریم نے اس امتِ وسط کو ایسے رہنما اصول عطا فرمائے ہیں جن میں وحدت کی فکر موجزن ہے۔ اگر ہم عبادات دیکھیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، تمام عبادات میں ملتِ واحدہ کا فلسفہ کارفرما ہے۔ کلمہ شہادت نے مسلمانوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا ہے۔ کعبۃ اللہ ہدی للعالمین کے طور پر تمام مسلمانوں کے لئے مرکزِ ہدایت ہے۔ قرآن مجید میں کتاب وہدایت اور نبی آخر الزماں ﷺ ہادیٔ اعظم کی حیثیت سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانیت کے لئے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات سے بکھرے ہوئے قبائل، ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے انسان باہم جڑ گئے، ایک دوسرے کے قریب ہوگئے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوگئے۔ "**رحماء بینهم**" کی تصویر بن گئے۔ "**المسلم اخ المسلم**" کا مصداق بن گئے۔ حاجات وضروریات کے وقت "**یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة**" (ضرورت کے وقت اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں) کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسی فکر وعمل کو لے کر مسلمانوں نے اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچادیا، دنیا کو علوم وفنون سے آگاہ کیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے فرمان کے مطابق، "**المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا**"۔ ''مومنوں کی مثال اس دیوار کی طرح ہے جس کے بعض حصے ایک دوسرے کو مضبوط بناتے ہیں۔''

قرآن وسنت کو رہنما بنا کر اپنے اندرونی وبیرونی حالات کو درست کرنا ہے۔ عالم اسلام سے اپنے رشتے کو مضبوط کرنا ہے۔ یکجہتی واتحادِ ملت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ '**لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه**' کے رحمت والے شجرِ سایہ دار سے وابستگی کو مستحکم کرکے ہی ہم دنیا میں عزت کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

حرفِ آخر:

مطلب یہ ہے کہ جذباتی فیصلوں سے اجتناب اور صورتِ حال کی تحقیق کے بعد حکمتِ عملی کے ساتھ کوئی مؤثر تدبیر کی جائے۔

خلاصہ:

ہم نے اپنے مقالہ میں ان نکات کو واضح کیا ہے جن کے ذریعے مسلم امہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اس کا حل چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سیرتِ طیبہ کی روشنی سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆○☆○☆○☆○☆

اُمتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

ڈاکٹر عبدالرزاق آزاد- وہاڑی

مسلم امہ اس وقت جس کرب و اضطراب سے دوچار ہے اس نے پوری کائنات پر لرزہ طاری کر رکھا ہے اس کا مداوا نہ بڑی طاقتوں کے پاس ہے نہ اقوام متحدہ کے پاس۔ اس سلسلے میں وہ سائنسدان اور دانشور بھی قطعی ناکام نظر آتے ہیں جن کو ہر سال فروغ امن کے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی سوچیں اور کوششیں اپنے علاقائی اور قومی مفادات کے خود ساختہ حصاروں میں مقید ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انکی فروغ امن کی کوششیں ہی سب سے زیادہ امن دشمن ہیں۔

آج کرہ ارض کا شاید ہی کوئی حصہ ایسا ہو جہاں انسانیت ظلم وستم کا نشانہ نہ بن رہی ہو۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ امن دوستی کی آڑ میں ہو رہا ہے۔ یہ عصر حاضر کی سیاست کا وہ بھیانک چہرہ ہے جو تہذیب و شائستگی کے سنہری نقاب میں مستور ہے۔ اس سیاست کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں۔ دور زوال سے لے کر آج تک وہ بڑی طاقتوں کے ظلم وستم کی چکی میں پستے چلے آئے ہیں۔ یہ صورتحال مسلم امہ کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اقوام عالم بالخصوص یورپ نے تمام تر تلخیاں مسلم امہ کے لیے وضع کی ہیں۔ آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا یہ عالم ہے کہ یہ سیاسی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی میں ناکام و نامراد ہوتے جا رہے ہیں۔

اخلاقی لحاظ سے مسلمانوں کو جس اعلیٰ و ارفع مقام پر ہونا چاہیے تھا وہ منزل کوسوں دور جا چکی ہے کیونکہ ہم اس محمد عربی ﷺ کے پیروکار ہیں جو اعلیٰ اخلاق کے درجے پر فائز تھے۔ اگر ہم اسلام کے ماقبل معاشرتی حالات کے اوراق کا مطالعہ کریں تو ہر طرف انسانیت اخلاقی انحطاط کا شکار نظر آتی ہے۔ یہ وہ دور تھا جس میں صنف نازک کی حیثیت مویشیوں اور بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔ بعض اپنی پیدا ہونے والی بچی کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ظلم و بربریت کے اس دور میں آقائے دو جہاں ﷺ کی آمد ایک خوشگوار جھونکا تھا۔ ڈیڑھ ہزار سال قبل آپ ﷺ نے آوازِ حق بلند فرمائی آپ کے اخلاق حسنہ کی بدولت لوگ جوق در جوق اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ آج اسلام کو بزور شمشیر پھیلنے کا طعنہ دینے والے میرے آقا کا سفر طائف پڑھیں اگر ہو سکے تو تعصب کی عینک اتار کر فتح مکہ کا وہ منظر سامنے لائیں جب حضور ﷺ پر ستم ڈھانے والے سزا کے منتظر تھے۔ لیکن میرے پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو''

صحابہ کرامؓ کی مقدس حیات کا مطالعہ کریں تو بائیس لاکھ مربع میل کا رقبہ فتح کرنے والے حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں کسی گرجا گھر کو خراش تک نہیں آئی۔ لیکن افسوس عیسائیت کے یہ جھوٹے دعوے دار پاپائی پوپ آج اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلا مذہب قرار دینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ دنیا کے دیگر مذاہب کی کتب اٹھا لیں ان مذاہب کے بادشاہ سپہ سالار سب کی شان و شوکت، دبدبہ، جاہ و جلال، ظلم وستم اور جبر و تشدد کی بدترین مثال ثابت ہوگا۔ لیکن میرے آقا سرور

کائنات ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک روشن باب آپ کے اخلاق کی گواہی دے گا۔ آپ ﷺ کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت پروپیگنڈے کی بجائے راست بازی اور نیکوکاری پر مبنی تھی۔

آج عالمی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈے میں مصروف عمل ہیں۔ ان کی شیطنیت اتنی بڑھ چکی ہے کہ اس راہ میں اخلاق اقدار بھی مانع نہیں رہیں۔ اس وقت عالمی سطح پر مسلم امہ جن مسائل سے دوچار ہے اس صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے مسلمانوں کو اپنی صفیں منظم و مربوط بنانے کی ضرورت ہے۔ مسلم امہ کو بالخصوص سیاسی، اقتصادی، اور علمی میادین میں انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔ ان مسائل کا مختصر تجزیہ درج ذیل ہے۔

سیاسی مسائل:

خفیہ عالمی طاقتوں نے ایک طویل عرصے سے دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ مسلمان جنگی جنون میں مبتلا ہیں اور وہ اپنے مقدس جہاد کے ذریعے دنیا کا امن وسکون تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ وہ منفی پروپیگنڈہ ہے جو آج جاری ہے۔ تقریباً ڈھائی دھائیاں قبل برطانیہ سے شائع ہونے والے یہودی مجلّہ ''جیوئش کرانیکل'' میں (جہاد فی الاسلام) کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا(۱)۔ اس میں مقالہ نگار نے لکھا تھا کہ:

> ''عالم اسلام میں مختلف جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں کی طرف سے اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنے اور ان پر سختی سے کاربند ہونے کی دعوت مسلسل دی جارہی ہے۔ یہ تحریکیں اور جماعتیں کافی مضبوط ہو چکیں ہیں اور مغرب کی سیاسی حکمت عملی ترتیب دینے والوں نے اگر ان جماعتوں کی اس دعوت کو ملحوظ رکھ کر اپنی اسٹرٹیجی نہ بنائی تو یہ ان کی کوتاہ بینی کا بہت بڑا ثبوت ہوگا(۲)

اسی طرح برطانیہ سے شائع ہونے والے ایک دوسرے مجلّے ''سنڈے ٹیلی گراف'' میں ''اسلامی خطرے کا مقابلہ'' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا جس کے مقالہ نگار نے لکھا:

> ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے تک عرب اور دوسرے مسلم ممالک دنیا پر قابض ہو جائیں گے۔ بعض عرب ملکوں کے عوام میں تجدید اسلام کا عمل بھی جاری ہے۔ یہ ایک نیا خطرہ ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اس خطرے کے سدِ باب کے لیے مناسب وسائل اختیار کریں۔ ممکن ہے اس غرض کے لیے عسکری قوت سے بھی کام لینا پڑے۔ کیونکہ اسلام تجدید جہاد کی دعوت دیتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دوسرے مذاہب کو ختم کر دیا جائے۔''(۳)

عراق لبنان اور افغانستان پر عسکری قوت کا استعمال اسی کی کڑی ہے۔ سی آئی اے کے سربراہ رچرڈ بی مچل نے بظاہر ''الاخوان'' کے خاتمے کی تجاویز پیش کیں۔ حقیقت میں یہ حربہ ہر خطہ اسلامی میں آزمایا گیا۔ اس وقت تمام اسلامی دنیا شدید ترین سیاسی بحران کا شکار ہے۔ اسلامی ممالک میں اتحاد و یگانگت کا فقدان ہے۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، افغانستان، عراق، لبنان، کوسو، وغیرہ بلادِ اسلامیہ میں مسلمانوں کو بدترین مظالم کا سامنا ہے۔ تمام اسلامی ممالک اس صورت حال کو ملاحظہ کرنے کے باوجود بے بس ہیں۔ اس لیے کہ جرات ایمانی وقوت روحانی سے محروم ہیں۔

اقتصادی مسائل:

اس وقت ملٹی نیشنل کمپنیوں نے دنیا کو بالعموم اور اسلامی دنیا کو بالخصوص اقتصادی طور پر اپنا یرغمال بنا کر رکھا ہے۔ آج کی مادی دنیا نے انسان کی مادی خواہشوں کو بے لگام کر دا ہے کہ ہر شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر حد تک جانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ سلسلہ مال و دولت کا ارتکاز محض ایک مخصوص طبقے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جس نے معاشرے میں بے چینی و اضطراب کو جنم دیا اور یہی ہے جس کی کوکھ سے جرائم جنم لیتے ہیں۔

گویا اقتصادی بحران کا دائرہ اثر ونفوذ پورے معاشرے کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ اسلامی دنیا میں ملٹی نیشنل کمپنیاں نہ صرف ہماری اقتصادی جڑوں پر ضرب کاری لگا رہیں ہیں بلکہ اپنی مصنوعات ومشروبات میں حرام اجزاء کو شامل کر کے مسلمانوں کے ایمان پر بھی نقب زن ہو رہی ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی آمدنی کا معتد بہ حصہ اسرائیل کے تحفظ کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ گویا مسلمان خود ان کمپنیوں کی مصنوعات خرید کر اپنی تباہی و ہلاکت کا سامان تیار کر رہے ہیں۔

علمی مسائل:

اس وقت مسلم امہ کو علمی میدان میں بھی بہت مسائل کا سامنا ہے۔ ایک طرف قدامت پسند علماء ہیں جو محض رسومات ہی کو دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ سلف نے جو کچھ اپنے اجتہاد و قیاس سے کہہ دیا ہے اسے دین کے اصل پر فوقیت دیتے ہیں۔ دوسری طرف تجدد پسند علماء کی کھیپ تیار ہو رہی ہے۔ جو دین کے ہر معاملے میں اپنی عقل ناقص کی پیوند کاری ضروری سمجھتے ہیں۔ علمی طور پر جو سرمایہ اس وقت جمع ہو رہا ہے اس میں اسلامی فکر کے احیاء کی غذا مفقود ہے۔

فروعات پر کتابوں کے انبار لگ رہے ہیں ہر روز نت نئی سینتیں ایجاد ہو رہی ہیں۔

ہمارے پاس قرآن پاک موجود ہے۔ جس نے چودہ صدیاں قبل یہ دعویٰ کیا تھا

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب. الرعد ۲۸(۴)

لیکن افسوس کہ ہم اپنے شکستہ دل کی تسکین کے آلات لہو ولعب کے خوگر بنتے چلے گئے۔ کتاب و سنت سے اعراض مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کا سب سے بڑا علمی سانحہ تھا۔ غیر مسلم اسکالرز کا علمی پروپیگنڈہ اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے۔ جس نے عالمی رائے عامہ پر نہایت گمراہ کن اثر ڈالا ہے۔ اس کے برعکس مسلم اسکالرز کی کثیر تعداد اندرونی اختلافات میں الجھی رہی۔

فرقہ بندی:

مسلم امہ کو اپنے اندرونی اختلافات کی وجہ سے جو نقصان پہنچ رہا ہے شاید بیرونی طاقتیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکیں۔ فرقہ بندی کی وجہ سے ایک School of Thougt رکھنے والے دوسروں کے خلاف ہیں۔ شیعہ سنی، دیوبندی مسلک رکھنے والے ناحق ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ ساری مسلم امہ کو فرقہ واریت کا سامنا ہے۔ مسلمان آپس میں تقسیم ہیں۔ المیہ ہے کہ ان تفرقات کی اسلام میں ہرگز کوئی اجازت نہیں ہے۔

دین اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اپنے ماننے والوں میں اتحاد کو برقرار رکھا جائے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. العمران (۵)
ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو۔
قرآن مجید ہی اللہ کی وہ رسی ہے جسے سارے مسلمانوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے۔ہم مسلمان قرآن پاک کا مطالعہ سمجھ کر ہی کر لیں اور مستند احادیث کی اتباع کریں تو انشاء اللہ یہ تمام اختلافات حل ہو جائیں گے۔

دہشتگردی:

قال اللہ تعالیٰ
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا. المائدہ۸۲(۶)
ترجمہ: آپ ﷺ گروہ نفس انسانی میں اہل ایمان سے عداوت رکھنے میں سب سے زیادہ حریص یہود اور ان لوگوں کو پائیں گے جنہوں نے شرک کیا۔
قرآن کریم اس بات پر گواہ ہے کہ یہود ہمیشہ نبیوں کی توہین کے مرتکب رہے ہیں۔ بلکہ انہیں قتل کرنے تک دریغ نہیں کیا۔ قرآن مجید سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۶۱ میں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ.o البقرۃ ۶۱(۷)
ترجمہ: اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔
ایسے ہی ان یہود نے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کی شان مبارک میں بھی گستاخی کی ہے۔کبھی راعنا(ہمارا خیال کیجیے) کی بجائے رسول کریم ﷺ کو راعینا(ہمارے چرواہے) یاراعنا•احمق) وغیرہ کہ کر اپنے بغض و عناد کا اظہار کیا۔ السلام علیکم(تم پر سلامتی ہو) کی بجائے السام علیکم(تم پر موت آئے) کہتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے انہیں o اخوان القردۃ والخنازیرo کہا تھا۔
یہ یہودیوں ہی کی سازش ہے کہ مسلمانوں کی مقدس ترین کتاب قرآن مجید کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔کبھی توہین رسالت کرنے کی ذلیل حرکت کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ یہود نے ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں کیں، اسلام دشمنی میں تمام استعماری قوتیں باہم متفق ہی ہیں۔ ایک طرف تو یہودیوں کی غاصبانہ ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں آیا اور دوسری طرف مسلم امہ دینی، اقتصادی اور اخلاقی زوال سے ہمکنار ہوتی گئی۔قوت عمل سے محروم اقوام کے ساتھ اسرائیل کا رویہ ہمیشہ جارحانہ رہا۔ جون 1967ء کو مسلمانوں کے قبلہ اول بیت المقدس پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا اور مسلم امہ محض احتجاج کر کے رہ گئی۔ 9/11 کے بعد امریکا اور مغرب کا سارا غصہ مسلم دنیا پر نکل رہا ہے۔مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جا رہا ہے۔
حقیقت میں امریکہ خود سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔عصر رواں میں اسرائیل نے لبنان و فلسطین پر بھارت نے

مقبوضہ کشمیر پر ظلم و بربریت اور دہشت گردی کی بدترین مثالیں قائم کی ہیں۔ مسلمان آج زبان، قانون تہذیب و ثقافت میں اغیار کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ متحدہ قوم کی بجائے لسانی، گروہی اور صوبائی تعصب میں الجھ رہے ہیں۔ ایک سازش کے تحت امت مسلمہ میں نفرت و انتشار کے بیج بوئے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی نجات کی راہ وہ تمام تر تعصبات اور اختلافات کو بھلا کر قرآن و سنت پر متفق و متحدہ ہونے ہے۔ امت مسلمہ کو اتفاق و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔

مسلم امہ کو درپیش چیلنجز:

یوں تو عصر حاضر میں طاغوت اپنی تمام تر سروسامانیوں کے ساتھ مسلمانوں کو فکری، سیاسی، معاشی میدانوں میں مغلوب کر رہا ہے۔ ار مسلمان ہر روز ایک نئے فتنے، نئی آزمائش سے دوچار ہو ہرا ہے۔ یوں تو چیلنجز بہت ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

طاغوت کی حکمرانی:

طاغوت سے مراد ہر وہ طرز حکومت ہے جو قانون الہیٰ کے سوا کسی دوسرے کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتی ہو۔(۸) عالم اسلام کے حکمران اسلامی نظام حکومت اور حدود اللہ کو نافذ کرنے کی بجائے جاہلیت جدیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسلامی ممالک میں اسلام محبوس محکوم حکمران ہیں۔ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں ظالم، فاسق اور کافر کہا ہے۔ اسلام ایک ایسے نظریے اور دستور زندگی کا نام ہے جو دنیا میں نظام باطل کو مٹانے کے لیے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں (۱۰)

میڈیا وار:

عالم اسلام کو ذرائع ابلاغ کے سلسلے میں ایک بڑے چیلنج کا سامنا ہے۔ شیطان کے پجاری اور بے حیا مادر پدر آزاد معاشرے کی پیداوار تہذیب، مسلمانوں کو بھی اس طوفانِ بدتمیزی کی لپیٹ میں لینا چاہتی ہے۔ آج مغرب میڈیا وار کے ذریعے مسلمانوں کو مغلوب کر رہا ہے۔ اور اس میدان میں ان کو کامیابی بھی مل رہی ہے۔ سینکڑوں سیٹلائٹ چینلز، کیبل اور ڈش کلچر کے ذریعے شب و روز عالم اسلام کے دل و دماغ کو اس خطرناک زہر سے پراگندہ کر رہے ہیں۔

ہندوستانی تہذیب بھی اسی کیبل اور فلموں کے ذریعے گھر گھر میں اپنے ایجنٹ پیدا کر رہا ہے۔ مغربی اور ہندوستانی معاشرہ اخلاقی لحاظ سیانتہا درجے کی پستیوں میں ڈوبنے کے بعد عالم اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا چاہتا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اخلاقی حدود و قیود سے آزاد کر کے کوئی سود مند کام نہیں کیا بلکہ اس کے نتیجے میں ان کے یہاں ایسی نسل پروان چڑھی جو خاندانی نظام کے بے پرواہ، ماں باپ کو بڑھاپے میں (Old Home) میں داخل کروا کے اپنی ذمہ داری سے آزادہ ہونے والی ہر قسم کی منشیات سے وقتی سکون حاصل کرنے والی تھی۔ اب تو مغرب بھی بے ماں باپ کی اولاد کے بے

تحاشا پھیلاؤ سے پریشان نظر آ رہا ہے۔

تعلیم و معاشی چیلنج:

مسلمان سائنس و ٹیکنالوجی کے بانی و موجد ہونے کے باوجود آج اس میدان کار میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں(۱۱) حالانکہ قرآن کی پہلی وحی تعلیم کے ہی متعلق تھی اور قرآن نے مسلمانوں کو زمین کی وسعتوں اور آسمان کی جولان گاہوں میں غور وفکر کا حکم بھی دیا تھا۔(۱۲)

مسلمانوں کو اس میدان میں ابھی کئی چیلنج کا سامنا ہے لیکن ہمیں مغربی علوم وفنون کو من وعن لینے یا ان کو تسلیم کرنے کی بجائے ان علوم کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھنا اور مزید ترقی کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر انٹرنیٹ کی افادیت سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا مگر اس کے جلو میں آنے والی فحاشی کو قبول بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا کو اسلامائزیشن کر کے اس کو فحش ویب سائٹس سے خالی کر کے ہی اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر میں اسلامی تعلیم کے سلسلے میں بہت دباؤ بڑھ رہا ہے۔ لیکن یہ دینی مدارس و مرکز ہی تو اسلام کے قلعے ہیں جس میں ہم پناہ حاصل کرتے ہیں۔ معاشی میدانوں میں سود کی لعنت کو ختم کر کے اسلامی بینکنگ کو رائج کرنا، نظام زکوۃ کو بحال کرنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہم اسلامی نظام حیات کو فروغ دیں اس کو نافذ کریں و تمام درپیش چیلنجز سے جان چھڑا سکتے ہیں۔ تمام چیلنجز کا جواب ''اسلام'' میں ہی ڈھونڈنا چاہیے۔ ہماری عزت شان و شوکت اسلام ہی کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے اگر تم اسلام پر عمل کرو گے تو میں تمہارے مسائل حل کر دوں گا۔

مسائل اور چیلنجز کے تدارک کے لیے تجاویز:

1۔ تمام اسلامی ممالک ایوان کفر میں پیدا سرنگوں ہونے کی بجائے آپس میں اتحاد و محبت کی فضا پیدا کریں۔

2۔ او آئی سی (O.I.C) کو واقعتاً متحرک و فعال بنائے جائے۔

3۔ اپنے اندرونی معاملات میں استعماریت کی دخل اندازی کو سختی سے روکا جائے۔

4۔ اپنی دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنایا جائے۔

5۔ اسلامی حکومتیں ملک کے اندر ہونے والی صنعتی ترقی کی حوصلہ افزائی کریں۔

6۔ ان تمام مصنوعات و سامان اکل و شرب پر سرکاری سطح پر پابندی عائد کی جائے۔

7۔ مسلمان خریدار سب سے پہلے اسلامی اداروں کی تیار کردہ مصنوعات کو فوقیت دیں۔ اس کے بعد ان اداروں کی مصنوعات خریدیں جن کی آمدنی اسلام دشمنی میں صرف نہ ہو رہی ہو۔

8۔ اسلامی ممالک کی تعلیمی پالیسی میں دین اسلام کو واضح اور نمایاں مقام دیا جائے۔

9۔ میڈیا کو مشرف باسلام کیا جائے۔ گذشتہ چند سالوں سے میڈیا جس آزادی کے سفر پر گامزن ہے اس نے طہارت فکر و نظر اور نظافت روح و قلب کے تصور کو مجروح کر دیا ہے۔ بالخصوص ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کا

میڈیا جس انداز سے ''بسنت کی بہاروں'' اور ویلنٹائن ڈے کی ''معصومیت'' کا پرچار کرتی ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے۔

10۔ دینی ادارے ہوں یا انفرادی شخصیتیں ضرورت اس امر کی ہے کہ وسعت قلبی کے ساتھ دینی خدمت کے لیے مستعد ہوں ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے کی سعی کی جائے۔

11۔ مستشرقین کی وہ تحریریں جو اسلامی حقانیت کا پرچار کرتی ہوں ان کی زیادہ تشہیر کی جائے۔ مثلاً ڈاکٹر فرینک ٹیلر نے اپنی کتاب Physics of Imortality میں جو اہم ترین سائنسی انکشافات کیے ہیں اس سے اسلامی عقیدے کا اثبات ہوتا ہے۔ (۱۳)

12۔ مسلم امہ کو اچھے حکمرانوں کا انتخاب کرنا چاہی۔ ان کا ظاہر و باطن، قول وفعل ایک ہو۔

وہ معاشرہ جس کا قیام حضرت محمد ﷺ عمل میں لائے تھے۔ نصف صدی میں کرہ ارض پر اصول و اقدار کو نافذ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ان اصولوں کے ضمن میں عقائد عبادات معاملات عدل و احسان، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے پیغام کو عام کیا گیا (۱۴) ان کو عام کیا جائے۔

13۔ مسلمان اس میڈیا وار کے ذریعے مغربی و ہندوستانی تہذیب کے دلدادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ نوجوان نسل میں لباس، خوراک اور بودوباش کے مغربی طور طریقے رائج ہو رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر موجود لاکھوں فحش (Websites) سینکڑوں ٹی وی چینلز پر چلنے والی بے ہودہ فلموں اور اشتہارات نے اخلاقیات کو بری طرح متاثر کیا۔ عالم اسلام کو اس کا سدباب کرنا چاہیے۔ ہمیں جواباً قرآن وسنت کی تعلیمات پھیلانی چاہئیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مسلم امہ کو رسول پاک ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے۔ متحد ہو جانا چاہیے۔ اگر امت مسلمہ رسول پاک ﷺ کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالی ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

حوالہ جات

1۔ جیوئش کرانیکل مجلّہ ''جہاد فی الاسلام'' 2۔ ہفت روزہ، زندگی لاہور 16 مارچ 1979۔ 3۔ ایضاً۔ 4۔ الرعد 8 2۔ 5۔ القرآن آل عمران 103/3۔ 6۔ المائدہ 82۔ 7۔ البقرہ 61۔ 8۔ تفہیم القرآن جلد 1 ص 377۔ 9۔ سورۃ المائدہ 50۔ 10۔ سورۃ الصف 9۔ 11۔ اسلام اور جدید چیلنج وحید الدین خان۔ 12۔ آل عمران 190/3۔ 13۔ Physics of Imorality ڈاکٹر فرینک ٹیلر۔ 14۔ تدبیۃ الناشی المسلم، علی عبدالحکیم۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک

سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

نذیر احمد تشنہ۔ بھمبر آزاد کشمیر

امتِ مسلمہ اس وقت ان گنت اندرونی مسائل اور بے شمار بیرونی چیلنجز کا شکار ہے امت میں ان کے در آنے میں ہماری کوتاہیوں اور اغیار کی ریشہ دوانیوں کا بڑا عمل دخل ہے مقالے کے پہلے حصے میں ان مسائل اور چیلنجز کی نشان دی کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل کردہ رہنمائی کی روشنی میں ان کا حل تجویز کیا جائے۔

درپیش مسائل و چیلنجز:

۱۔ صلیبی یلغار

۲۔ جہاد کی غلط تعبیر

۳۔ تہذیبی حملے

۴۔ فرقہ بندی

۵۔ جلال پادشاہی:

الف۔ شورائی نظام سے لاتعلقی

ب۔ جمہوریت سے بے زاری

ج۔ نظامِ زکوٰۃ سے دوری

۶۔ بے راہ روی:

الف۔ فحاشی

ب۔ عیاشی

ج۔ منکرات

۷۔ دہشت گردی

۸۔ وطن پرستی:

الف۔ نسلی فساد

ب۔ لسانی جھگڑے

ج۔ صوبائی بکھیڑے

۹۔ معاشی عدم توازن:

الف- کساد بازاری

ب- ارتکاز زر

ج- رشوت

۱۰- رعایا کی زبوں حالی

۱۱- زراعت کی تباہی

۱۲- صنعت وحرفت سے لاپرواہی

۱۳- عسکری قوت میں کمی

۱۴- تجارت کی تباہ کاری

۱۵- تعلیم سے عدم توجہی

۱۶- معاشرتی اقدار کی عدم پاسداری

۱۷- طبقہ اناث کی محرومی

۱۸- لیڈرشپ کا بحران

۱۹- عدل وانصاف سے پہلو تہی

۲۰- بے روزگاری

صلیبی یلغار:

امریکہ افغانستان اورعراق میں برپا نام نہاد دہشت گردی کی جنگ کوصلیبی جنگ میں بدلنا چاہتا ہے۔اس کے پیشِ نظر پاپائے روم بنی ڈکٹ نے فلسفہ جہاد اور نبی اقدس ﷺ کے متعلق لیکچر دیا ہے۔صلیبی جنگوں (۱۰۹۷ء - ۱۱۴۴ء) کے اسباب میں ایک وجہ پوپ اربن ثانی کا فتویٰ جہاد تھا۔ پوپ اربن ثانی کے فتوے کا مقصد عیسائیت کو دنیا پر مسلط کرنا، پوپ کا رتبہ بڑھانا، یورپ کی بگڑی ہوئی اخلاقی حالت سدھارنا اورمشرقی ممالک کی دولت اور وسائل پر قبضہ کرنا تھا۔[1] پوپ اربن ثانی (۱۰۹۵ء) نے نواب گاڈفرے کے ہاتھ مضبوط کیے بعینہ حالات سے یورپ دوچار ہو چکا ہے۔ پاپائے روم کیتھولک دنیا تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ گرجے ویران اور شراب خانے آباد ہو رہے ہیں۔ پروٹسٹنٹ عیسائی یہودیوں سے ناطے جوڑ کر اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ یورپ کی اخلاقی حالت بھی دگرگوں ہو چکی ہے ایسے میں پوپ بنی ڈکٹ (۲۰۰۶ء) مشرقِ وسطیٰ کی دولت اور وسائل کا لالچ دے کر جارج ڈبلیو بش کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

"Most people think the crusades are a thing of the past- over forever. But they are wrong. Preparations are being made for a final crusade, and it will be the bloodiest of all"

مغرب کے اکثر ممالک امریکہ کی دہشت گردی کو جان گئے ہیں اور اب وہ صلیبی جنگ کا مہرہ بننے کے لیے تیار

نہیں ہیں۔ عراق میں امریکہ کی دہشت گردی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ بدیں وجہ وینزویلا کے صدر ہوگو شاویز نے اقوام متحدہ کے خطاب میں امریکی صدر بش کو شیطان، جھوٹا اور ظالم قرار دیا۔ تاہم اس کے باوجود امریکہ صلیبی یلغار کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے''امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ امریکہ مشرق وسطی اور وسطی ایشیاء میں محاذ گرم کرنے کے ساتھ اب تیسرا محاذ بھی کھولنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تیسرے محاذ سے مراد ایران پر حملہ ہے''(۳) امریکہ نے ایران کو ہراساں کرنے کے لیے اپنا بحری بیڑا بحر ہند میں اتار دیا ہے۔ اس ساری کارروائی کا مقصد امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور یہ چاہتی ہے کہ بقول فیض

اب نہ لپکے گی کسی شاخ پر پھولوں کی حنا
فصلِ گل آئے گی نمرود کے انگار لیے
اب نہ برسات میں برسے گی گہر کی برکھا
ابر آئے گا خس و خار کے انبار لیے

تہذیب:

مغربی تہذیب اس وقت تہذیبی، اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے سخت آزمائش میں ہے۔ مغربی تہذیب کے متعلق پروفیسر خورشید احمد امریکی صدر نکسن کی کتاب Beyond Peace کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ہمارے شہروں کو گھن لگا ہوا ہے اور اس کی سرانڈ ہمارے روحانی، اخلاقی اور تہذیبی عادات و اطوار میں رچ بس چکی ہے جس سے غربت، جرائم اور دیگر عوامی سہولتوں کے ناجائز استعمال جیسے عوارض نے جنم لیا ہے۔(۴)

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ دین اسلام دنیا کا اعلیٰ ترین نظام ہے جو سماجی، معاشی اور سیاسی ہر سطح پر کامل عدل و انصاف کا ضامن ہے۔ اس نظام کی برکات زمانہ دورِ خلافت راشدہ میں دیکھ چکا ہے۔ امریکہ کے نیوورلڈ آرڈر کی راہ میں اسلامی تہذیب سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ امریکہ اس رکاوٹ کو کروسیڈی حربوں سے دور کرنا چاہتا ہے۔

تہذیبوں کی کشمکش یا ٹکراؤ۔ کے حوالے سے ایک امریکی مفکر سموٹ SAMOET نے Clash of civilization میں لکھا ہے کہ دنیا میں اب تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوگا۔ اس وقت آٹھ تہذیبیں موجود ہیں۔ امریکی تہذیب ان تہذیوں کو کھا جائے گی۔ اس کا اصل مقابلہ دو تہذیبوں مسلم تہذیب Prophet Muhammad P.B.U.H اور کنفیوشیس تہذیب Conflicious (جس کی نمائندگی چین کر رہا ہے) سے ہوگا۔ مغربی تہذیب اگر ان دو کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے تو آپس کے اختلافات کو ختم کرے اور ان دو تہذیبوں سے الگ الگ نمٹے۔ ان کو ایک دوسرے کے قریب نہ آنے دے۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دے۔(۵)

امریکہ مسلم تہذیب کو نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک کے قدرتی وسائل تیل اور گیس سے از خود مالا مال ہونا چاہتا تھا۔ بدیں وجہ اس نے افغانستان اور عراق کو نشانہ بنایا ''القاعدہ اور طالبان نہایت کامیاب مزاحمت کر رہے ہیں۔ متعدد بار امریکہ اور ناٹو کے عسکری حکام تسلیم کر چکے ہیں کہ طالبان ان کی توقعات سے بڑھ کر سخت جان ثابت ہو رہے ہیں۔ وہ اس قدر کامیاب مزاحمت کر رہے ہیں کہ بار بار فوج اور اسلحہ منگوایا جا رہا ہے۔

امریکہ کا دوسرا ٹارگٹ کنفوشیس تہذیب یعنی چین ہے۔ امریکہ بھارت کو چین کے مدمقابل لا رہا ہے چین بھی امریکہ کی حکمت عملی سے غافل نہیں ہے۔ وہ ہوا کا رخ دیکھ رہا ہے اور خاموش تماشائی بنا ہوا ہے چین ایٹمی طاقت ہونے کے ساتھ ساتھ اقتصادی اعتبار سے اپنی پوزیشن مستحکم کر رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق امریکہ کے مشرق وسطٰی سے نکلنے تک چین امریکہ پر اقتصادی برتری حاصل کرلے گا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز نے مسلمانوں سے جذبہ جہاد سرد کرنے کے لیے سازشوں کے ہر طرف جال پھیلا دیئے۔ بعض علماء کو وظیفہ خوار بنایا اور انہوں نے اپنے دل کو یہ سمجھا کر مطمئن کرلیا کہ جہاد کے علاوہ بھی موضوعات ہیں جن پر اپنی جولانی طبع کو آزمایا جا سکتا ہے۔ سرکاری گرانٹ پانے والے تعلیمی اداروں نے جہاد کے موضوع کو شجرہ ممنوع قرار دے دیا۔(۶) نوبت ایں جارسید کہ منصب نبوت کو بازیچہ اطفال بنانے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی جیسے نامور مذہبی سکالر کو تیار کیا گیا جس نے مسیلمہ کذاب کی طرح کمال فیاضی دکھائی۔(۷)

اب چھوڑ دو جہاد کا دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

فرقہ بندی:

فرقہ بندی ایک لعنت ہے۔ مغرب دنیائے اسلام میں مختلف طریقوں سے اس لعنت کو عام کر رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان فرقہ پرستی کی بدولت ہوا۔ ہلاکو خان نے فرقہ پرستی سے فائدہ اٹھا کر بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ بنگال میں نواب سراج الدولہؒ، دکن میں سلطان ابوالفتح، ٹیپو اور جنگ آزادی میں بہادر شاہ ظفر کو فرقہ پرستی کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ عرب میں لارنس آف عریبیہ عربوں کا رازداں بنا اور خلافت کا نقشہ ہی تبدیل کر دیا۔ عیسائی طاقتوں نے عرب دنیا کو ٹکڑوں میں بانٹ کر ان کے سر پر فلسطین میں یہودیوں کو لا بٹھایا۔ عراق عرب دنیا کی طاقت بننے والا تھا۔ اسے شیعہ سنی کا خوف دلا کر امریکیوں نے صدام حسین کو ایران پر حملہ کرنے کی راہ دکھائی۔ عرب دنیا کے سارے ملکوں نے صدام حسین کی کھل کر مدد کی۔ عراق کو امریکہ اور یورپ والے اسلحہ فراہم کرتے رہے اور ایران کو اسرائیل اسلحہ

فروخت کرتا رہا۔ اس طرح انہوں نے دو اسلامی ملکوں سے کھربوں ڈالر کمائے۔ عراق جب عرب ملکوں کے قرضوں کے بوجھ تلے دب گیا تو اسے کویت پر حملے کے لیے تیار کیا گیا اور یوں آج عرب کا طاقت ور ملک بدحالی کا شکار ہے۔ امریکہ عراق میں شیعہ سنی فرقہ بندی قائم کر کے اپنے اقتدار کو طول دینا چاہتا ہے۔ حال ہی میں لبنان میں حزب اللہ نے اسرائیل کی جارحیت کو روکا تو عرب دنیا کی ساری سنی ریاستیں اسرائیل کے حق میں ہو گئیں۔ افغانستان میں آج بھی شمالی اتحاد (شیعہ) اور پشتون (سنی) علاقوں میں تقسیم کر کے باہم لڑایا جا رہا ہے۔ امریکہ عرب ریاستوں کو ڈرا رہا ہے کہ ایران کی شیعہ ریاست اگر ایٹمی طاقت بن گئی تو ان کا جینا دوبھر کر دے گی۔

جلال پادشاہی:

مغرب دنیائے اسلام کے موجودہ نظامِ حکومت کو بھی تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ اسلامی دنیا میں جلال پادشاہی(۹) ہے اور مغربی دنیا جمہوری تماشے سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیائے اسلام سے شورائیت کا علم چھن چکا ہے اور آمریت مسلط ہے یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں کو رعایا پر اعتماد نہیں ہے اور حکمرانوں کو عوام کی تائید حاصل نہیں ہے۔

مغرب دنیائے اسلام کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے کبھی وہ حکمرانوں کی پشت پناہی کرتا ہے اور عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈلواتا ہے اور کبھی اپنے ایجنٹوں کے ذریعے عوام میں بیداری کے نام پر نفرت کا زہر پھیلاتا ہے اور عوام کو حکمرانوں سے مزید بدظن کرتا ہے یوں ان دو طبقوں میں بدگمانی کی خلیج وسیع ہوتی چلی جاتی ہے۔

بے راہ روی:

ایک طبقہ امارت کی وجہ سے ننگا ہو رہا ہے اور دوسرا طبقہ غربت کی وجہ سے ننگا ہونے پر مجبور ہے۔ مغرب مسلمانوں میں میڈیا اور این جی اوز کے ذریعے روشن خیالی کے نام پر فحاشی پھیلانے کی راہ اپنائے ہوئے ہے۔ امریکہ اپنے دفاعی بجٹ سے اس مد میں زیادہ خرچ کرتا ہے۔ مسلم ممالک میں گھسے اس کے ایجنٹوں سے ''ہم مسلمان تین ''ڈی'' کا شکار ہو گئے ہیں اور ان تھری ڈی کی بدولت بہت سی قومیں روبہ زوال ہوئیں۔ پہلے ڈی سے ڈنر Dinner یعنی مرغن غذائیں جو سستی اور کاہلی کا سبب بنتی ہیں یہ ذہنی قابلیت و صلاحیت اور قوت فیصلہ کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہیں۔ دوسرے ڈی سے ڈانس Dance یعنی عیش و عشرت میں محو ہونا جو انسان کو دنیا کے اردگرد کے ماحول سے لاپرواہ بنا دیتا ہے اور دشمن کو ہر قسم کے مواقع فراہم کر دیتا ہے تیسرے ڈی سے ڈرنک Drink یعنی شراب اور نشہ آور چیزوں کا کھلے عام بکنا جس سے بے حیائی پھیل رہی ہے۔ اس سے والدین اور بڑوں کی قدر اور ادب ختم ہو جاتا ہے اور معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ ان کے متعلق فرانس کے فوجی کمانڈر انچیف نے اپنے ریمارکس میں کہا تھا کہ ہماری شکست ہماری فوج میں ان تین ڈیز کی موجودگی کی وجہ سے ہوئی۔ جن قوموں میں ان تین ڈیز کا رواج عام ہو جائے تو وہ غیروں کی غلام بن کر رہتی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں یہ تین ڈی تیزی سے فروغ پا رہے ہیں''۔(۱۰)

دہشت گردی:

امریکہ نے دہشت گردی کی اصطلاح ایجاد کر کے اسے مذہب اسلام سے جوڑ دیا ہے حالانکہ اسلام سلامتی کا مذہب ہے اور امن و آشتی کا علم بردار ہے۔ عیسائیت کے نام نہاد پیروکاروں کی دہشت گردی کا اندازہ کرنا ہے تو پھر ہسپانیہ کی تاریخ اور سقوط غرناطہ کے واقعات ہی کافی ہیں۔(۱۱)

صلیبی جنگوں میں عیسائی دہشت گردی پورے عروج پر تھی۔ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر ۷۰ ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آٹھ دن تک مسلسل قتل عام کے بعد لاشے اور انسانی اعضا خون میں تیرتے رہے۔(۱۲) دنیا کی ترقی یافتہ سپر پاور کی دہشت گردی تاریخ عالم میں ہیروشیما اور ناگاساکی کی ایٹمی تباہی ضرب المثل رہے گی۔ دہشت گردی کا یہ داغ ہر سال یوم ہیروشیما اور ناگاساکی منا کر تازہ کیا جاتا ہے۔ امریکہ کی حالیہ دہشت گردی افغانستان اور عراق میں صلیبی جنگوں کی ہولناکی اور ویت نام کی تباہ کاریوں کی یاد تازہ کر رہی ہے۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

وطن پرستی:

خلافت کے خاتمے کے بعد نظریہ وطنیت کو فروغ ملا ہے۔ دنیائے اسلام خطوں میں بٹ گئی ہے۔ بے شک قومیں اوطان سے بنتی ہیں لیکن ملت نظریہ اسلام سے وجود پاتی ہے۔ نظریہ اسلام سے روگردانی کی وجہ سے اہل مغرب کبھی پاکستان کو لے کر افغانستان پر چڑھ دوڑتا ہے اور کبھی عربوں کی حمایت سے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔ امت اگر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کلمے پر متحد نہ ہوئی تو اسلامی ممالک یکے بعد دیگرے صفحہ ہستی سے ناپید ہوتے چلے جائیں گے۔ جذبہ محبّ الوطنی ایک فطری جذبہ ہے لیکن وطن کی عصبیت روحِ اسلام کے لیے سم قاتل ہے۔ لارنس لارڈ نے عربوں میں وطنی عصبیت کو ہوا دے کر ترکوں سے لڑا دیا۔ اس وقت مغرب کردوں کو ترکی، عراق اور ایران کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ وطن پرستی میں نسلی فساد، لسانی جھگڑے اور صوبائی بکھیڑے سر اٹھاتے ہیں اور مخالفین اس سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

معاشی عدم توازن:

معاشی بدحالی انسان کو معاشی حیوان بنا دیتی ہے۔ زیست برائے خوردن حاصلِ زندگی ہو تو انسانی سوچ کا محور جنس اور جنسیت بن جاتی ہے۔ فرائڈ کا کہنا ہے کہ انسان میں پیدائشی طور پر دو خواہشیں موجود ہیں۔ زندگی سے محبت (روٹی، کپڑا اور مکان لازمہ زندگی) اور جنسی خواہش، ان دونوں خواہشوں کی تکمیل کے لیے کسی اخلاق، تہذیب اور شائستگی کی ضرورت نہیں۔ انسان جب بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے کولھو کا بیل بن جاتا ہے اور اس کا بیشتر وقت اسی مقصد کے لیے صرف ہوتا ہے تو اس سے اعلیٰ سوچ اور مثبت جذبے ختم ہو جاتے ہیں۔ حکومت کے غلط معاشی اقدامات ملک میں معاشی

اعتبار سے طبقاتی تقسیم کو پختہ کرتے ہیں۔ اس سے غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر بن جاتا ہے۔ پہلے مرحلے میں غریب مرد کشیاں کرتے ہیں اور دوسرے مرحلے میں سرکشی کر کے کاخ وکلاہ چھین لیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے امیروں کو یاد دلایا کہ تمہاری زندگی کا مقصد لذیذ کھانے، عورتوں کی ناز برداریاں اٹھانے، کپڑوں کی زیبائش اور مکانوں کی آرائش ہی نہیں ہے بلکہ تمہارے مالوں میں غریبوں اور یتیموں کا مال بھی ہے تم پر بخل اور کنجوسی نے غلبہ پا لیا ہے اور شیطان تم پر مسلط ہو گیا ہے۔ معاشی میدان میں ارتکازِ زر، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، رشوت، جاگیرداری اور بے روزگاری وغیرہ طبقاتی کش مکش کا سبب بنتی ہے۔

رعایا کی زبوں حالی:

شومئ قسمت سے دنیا اسلام میں بادشاہت یا آمریت کا دور دورہ ہے۔ ایسے نظام میں عوام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ معاشرہ حاکم ومحکوم کی ذیل میں تقسیم ہو جاتا ہے جب کہ جمہوری معاشرے میں عوام کی رائے اور رعایا کی بہبود کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ جمہوری حکومت عوام کی حکومت ہوتی ہے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتی ہے بدیں وجہ جمہوری معاشرے کے عوام باشعور ہوتے ہیں اور جبری معاشرے کے عوام شعور و آگاہی سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ اسلامی ممالک کے عوام کی زبوں حالی کہیں بھی زیر بحث نہیں آتی۔

زراعت کی تباہی:

تاریخ شاہد ہے کہ دنیائے اسلام کے خطوں کی ثقافت بڑی قدیم ہے۔ نیل، فرات، موہنجو داڑو، ہڑپہ اور گندھارا کی تہذیبیں ان ہی خطوں سے منسوب ہے۔ آریائی تہذیب ہو یا نینوا و بابل کی تہذیب، یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ دریاؤں کے کنارے آباد یہ تہذیبیں ''زرعی'' تھیں۔ خوش قسمتی سے پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور دنیا کا بہترین نظام اس خطے میں موجود ہے لیکن زراعت کا شعبہ عدم توجہ کا شکار ہے۔ بدیں وجہ زراعت میں خود کفالت کی منزل سے ملک کوسوں دور چلا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''جس گھر دانے اس دے کملے بھی سیانے'' زراعت سے وابستہ عناصر کی حوصلہ افزائی نہ ہونے کی وجہ سے ''دانے'' کم پیدا ہونے لگے ہیں اور ہمارے سیانے بھی امریکی اور بھارتی گندم کھا کھا کر انجانے بننے لگے ہیں۔

صنعت وحرفت سے لاپرواہی:

صنعت وحرفت سے مسلمانوں کو ہمیشہ سے رغبت رہی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے وقت بنگال کے مسلم باشندے اتنی نفیس قسم کی ململ تیار کرتے تھے کہ ایک تھان ماچس کی ڈبیا میں بند ہو جاتا تھا اور اسے ہاتھ کی انگلیوں سے گزارا جا سکتا تھا۔ انگریز نے ان کاری گروں کے ہاتھ چومنے کی بجائے ان کے انگوٹھے کاٹ دیئے اور بنگال کے مسلم جولاہے کا تار ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ یوں بنگال کی صنعت وحرفت دم توڑ گئی اور مانچسٹر کی رونقیں دوبالا ہو گئیں۔ قیام پاکستان کے بعد صنعتوں نے اپنی چمک دکھائی لیکن اب ان کی رونقیں ماند پڑ رہی ہیں۔ شاید ہمیں درآمدات بڑھانے کا چسکا پڑ گیا ہے یہی کیفیت دنیائے اسلام کی ہے۔ (۱۴)

عسکری قوت میں کمی:

برطانیہ کے اقتدار کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ اکثر اسلامی ممالک پر اس کا قبضہ تھا بیسویں صدی عیسوی میں آزادی کی رو چلی اور برطانیہ کو مجبوراً دنیائے اسلام کو آزاد کرنا پڑا۔ انگریز نے اقتدار چھوڑتے وقت ایسی چال چلی کہ دنیائے اسلام مسائل کا گڑھ بن گئی۔ مشرق وسطی میں ترکی سے دنیائے اسلام عرب کو الگ کیا اور حسب منشاء سعودی عرب، کویت، عراق، شام، فلسطین، اردن، عرب امارات کی ریاستوں میں تقسیم کر کے ان کے سر پر دنیا کی مغضوب قوم مسلط کر دی۔ مسلم ممالک سے برطانوی تسلط ختم ہو گیا لیکن عملی طور پر برطانیہ کا عمل دخل موجود رہا۔ اسلامی ممالک فوج، اس کی تربیت اور ساز و سامان کے لحاظ سے برطانیہ کے مرہون منت رہے۔(۱۴) اسلامی ممالک میں بادشاہت ہے حکمران فوج کو ذاتی اور خاندانی اقتدار کے استحکام کے لیے منظم کرتے ہیں ان ممالک کا دفاع ریگولر فورس کی بجائے مذہبی اور جہادی تنظیمیں کرتی ہیں۔ پاکستان اور ایران کے پاس مضبوط عسکری قوت موجود ہے۔ باقی اکثر اسلامی ممالک اپنے دفاع کے لیے دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔

تجارت کی تباہ کاری:

مغرب میں صنعت کے ساتھ ساتھ تجارت Trade کو بھی ایک اہم شعبے کا درجہ حاصل ہے۔ تجارت کی باقاعدہ یونیورسٹی تک تعلیم ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تجارت کے فیلڈ میں لوگ اتفاقیہ آتے ہیں۔ تجارت درآمد اور برآمد کے لیے میڈیا کی تعلیم انتہائی ناگزیر ہو گئی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ شارٹ کورسز کے ذریعے تجارت سے وابستہ افراد کو تربیت دی جائے۔ زندگی سے متعلق تمام شعبے نہایت اہم ہوتے ہیں۔ تجارت ریاست کی ترقی کا ایک ستون ہے۔ جو دنیائے اسلام میں تباہ کاری کی زد میں ہے۔

تعلیم سے عدم توجہی:

روزِ آفرینش سے ہی علم کی بدولت انسان کو فرشتوں پر برتری دی گئی ہے۔ علم باب تفعیل میں تعلیم بنتا ہے۔ ہر دور میں تعلیم ہی کی وجہ سے اقوام وملل کو قوموں پر سرفرازی حاصل رہی ہے۔ اس وقت مغرب سائنسی، تکنیکی، فنی علوم اور ایجادات کی وجہ سے مشرق پر برتری حاصل کر چکا ہے۔ ''مغرب کی صنعتی ترقی اور دولت نے مسلمانوں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ہے''۔ مسلمانوں میں بڑا ٹیلنٹ موجود ہے(۱۵) اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں میں ملی جذبہ مفقود ہے اس لیے اس ٹیلنٹ سے استفادہ نہیں کیا جا رہا۔

معاشرتی اقدار کی عدم پاسداری:

مغربی فلسفے کے مطابق اقدار Values عوام کی مرضی سے طے پاتی ہیں۔ عوام کے ترجمان جمہوری ادارے ہوتے ہیں۔ یہی ادارے پارلیمنٹ اور سینٹ اقدار کی تشکیل کرتے ہیں اسی لیے کہا جاتا ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ مرد کو عورت اور عورت کو مرد نہیں بنا سکتی، باقی سب کچھ کر سکتی ہے۔ اسلام میں اقدار وحی سے طے پائی ہیں۔ دین اسلام میں

اقدار کو اخلاقیات کی اصطلاح ملی ہے۔ اخلاق حسنہ اسوہ حسنہ میں محفوظ ہیں اور مسلمانوں کے لیے عملی نمونہ ہیں۔ مغرب کبھی انسانی حقوق کا واویلا کر کے، کبھی قوم پرستی کی سبز پری دکھا کر اور کبھی جنس کی آزادی کی راہ دکھا کر اسلامی اقدار کو مشکوک بنانے کے لیے این جی اوز کے ذریعے سرمایہ کاری کرتا رہتا ہے۔ متبادلات سے مراد دوسری اقوام کی اقدار اور تہذیبی یلغار ہوتی ہے جن کا مقابلہ تعلیمی ادارے اور دینی مدارس کرتے ہیں۔ مغرب ان اداروں کو بنیاد پرست قرار دے کر روشن خیالی کی رو دوڑانے کی فکر میں رہتا ہے۔

طبقہ اناث کی محرومی:

مغرب کی عورت اپنی نسوانیت کھو چکی ہے۔ امریکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ جنسی آزادی ہے۔ وہاں عورت خطرناک اجتماعی مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ فرانس اس سے بھی پہلے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیر چکا ہے۔ مغرب میں عورتوں کی آزادی مردوں کی عیاشی کی ایک چال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کی عورت نے مرد پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے شرح پیدائش میں تشویش ناک حد تک کمی واقع ہو گئی ہے۔ یورپ دنیائے اسلام کی شرح پیدائش سے خائف ہو کر اسلامی ممالک میں آزادی نسواں کا ڈھونگ رچا رہا ہے تاکہ مسلم خاندان کی عورت بھی مغربی عورت کی ڈگر پر چل نکلے اور بچوں کی پیدائش سے انکاری ہو جائے۔

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش

لیڈر شپ کا بحران:

دنیائے اسلام کے نظام حکومت سے مرکزیت یعنی خلافت ناپید ہو گئی ہے اور ہر ملک اپنی اپنی ڈفلی، اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے۔ بدیں وجہ دنیائے اسلام میں ایسا کوئی رہنما وجود نہیں پاتا جسے امت مسلمہ کا مسلمہ رہنما کہا جاسے اور اسے صلاح الدین ایوبی کا نام دیا جا سکے۔ دنیائے اسلام میں قحط الرجال نہیں ہے تاہم جسے امت مسلمہ کا ترجمان کہیں، کہیں نظر نہیں آتا۔

عدل و انصاف سے پہلوتہی:

عدل و انصاف ریاست کا انتہائی اہم رکن ہے۔ لادینی حکومت قائم رہ سکتی ہے لیکن انصاف سے عاری ریاست جلد نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ دنیائے اسلام اس وقت طبقاتی عصبیت کا شکار ہے، اس لیے انصاف کا پائمال ہونا یقینی امر ہے۔ مغرب جمہوریت کا چمپئن سمجھا جاتا ہے اور عدل و انصاف جمہوریت کا خاصا خیال کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں اس وقت ستر لاکھ سے زیادہ افراد قید خانوں اور جیلوں میں بند ہیں۔ ان میں سے ساٹھ فیصد کا تعلق نسلی اقلیتوں سے ہے اور آدھے سے زیادہ سیاہ فام ہیں۔(۱۷) ایک تحقیق سے پتہ چلا کہ امریکہ میں سفید فام کی نسبت سیاہ فام کو سزائے موت کے امکانات پندرہ فی صد زیادہ ہیں۔(۱۸)

بے روزگاری:

بے روزگاری دنیائے اسلام کا اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ بدیں وجہ مسلمان روزگار کی تلاش میں مغرب کی یاترا کرتے ہیں۔ مغرب ان سے دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک کرتا ہے۔ غریب الوطنی میں ان پر کیا بیتتی ہے کبھی انہیں توہین رسالت کے چرکے لگائے جاتے ہیں اور کبھی اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ''ہمارے انہی قومی جرائم کی سزا آج ہم پر مسلط ہے جس کے مظاہر قتل و غارت گری، بدامنی، ہوش ربا مہنگائی، ظلم و جبر، بے انصافی، سیاسی حقوق سے محرومی، بدترین ریاستی جبر، افلاس، بے روزگاری، افراطِ زر، کرپشن، شعائر اسلامی کی بے حرمتی، دینی و اخلاقی اقدار کی پامالی، ملکی آزادی و خود مختاری سے محرومی...... کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں''۔(۱۹) ملت اس وقت بہت سے اندرونی و بیرونی مسائل اور گوناگوں خطرات سے گھری ہوئی ہے۔ مقالے کے حصہ اول میں بطور مشتے از خروارے چند مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے اور حصہ دوم میں ان درپیش مسائل کا حل سیرتِ طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں تجویز کیا جاتا ہے۔

اس وقت کرہ ارض پر مسلم ممالک کی تعداد اکسٹھ ہے جن میں بسنے والے مسلمان ڈیڑھ ارب یعنی دنیا کی مجموعی آبادی کا ایک چوتھائی حصہ ہیں۔ دنیائے اسلام کے پاس دنیا کے کل ذخائر کا ۲۵ فیصد ہے اور تیل جیسی دولت کے ۷۰ فیصد ذخائر صرف عرب ممالک میں ہیں۔ تاہم باہمی عدم تعاون اور اتحاد و یگانگت کے فقدان کے باعث وہ ابھی تک بڑی قوت بننے سے قاصر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ استعماری طاقتیں دانستہ ملت اسلامیہ کو گوناگوں مسائل سے دوچار کر کے اسلامی قوت بننے میں سرراہ بنی ہوئی ہیں۔ افغانستان اور عراق پر غیر ملکی قبضہ، چیچنیا، بوسنیا ہرزیگوینا، انڈونیشیاء، کوسوو، فلپائن میں مسلمانوں کی جوجہد آزادی، قبرص کا مسئلہ، مسئلہ کشمیر، لبنان پر جارحیت، شام اور ایران کے خلاف سرد جنگ اور پاکستان میں دہشت گردی استعماری طاقتوں کے دیئے ہوئے روگ ہیں جو ملت اسلامیہ پال رہی ہے۔

ملت اسلامیہ کے تیسری طاقت بننے میں ہم خود بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسلامی ممالک پسماندہ اور معاشی محکومی کا شکار ہیں معاشی بدحالی دنیائے اسلام کا مقدر اور پسماندگی ان کے کندھوں کی سوار کیوں نہ ہو۔ عرب ممالک کے تقریباً ۸۰۰ بلین ڈالر اور پاکستان کے تقریباً ۱۰۵ بلین ڈالر کی رقوم اور مختلف نوعیت کے اثاثے مغربی ممالک میں موجود ہیں۔ مغرب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود اسلام کے ازلی دشمن ہیں۔ نصاریٰ نے صدیوں مسلمانوں پر صلیبی جنگیں مسلط کیے رکھیں۔ آج امریکہ، بھارت اور اسرائیل کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ ارشاد خداوندی:

> يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ. وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ.(۲۰)
>
> ترجمہ: اے ایمان والو! مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست۔ وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی دوستی کرے تم میں سے ان سے تو وہ انہی میں ہے۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔(۲۱)

یہود و نصاریٰ کی دوستی پر اعتماد کیے بغیر دنیائے اسلام کو باہمی تعاون و اتحاد سے سیسہ پلائی دیوار بن جانا چاہیے۔

دوقومی نظریہ نہ صرف برِاعظم Sub Continent سے متعلق تھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے نزول سے ہی وجود میں آ گیا تھا جو ہر نبی کی بعثت کے ساتھ ازسرِنو منظم ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی ہجرت کے ساتھ ہی یثرب اور خیبر کے یہودی سرگرم عمل ہو گئے۔ میثاقِ مدینہ کے باوجود یہود اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئے۔ وہ مسلم دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ غزوہ بنوقینقاع ۲ھ، غزوہ بنونضیر ۴ھ، غزوہ بنوقریظہ ۵ھ اور غزوہ خیبر ۷ھ میں یہودی سازش دم توڑ گئی۔

اس کے بعد نصاریٰ اسلام کی بیخ کنی کے لیے سرگرم ہوئے جس کے نتیجے میں جنگ موتہ اور غزوہ تبوک ۹ھ کی معرکہ آرائی ہوئی۔ اس سے اسلامی ریاست کی شوکت وسطوت کی دھاک بیرونِ عرب بھی بیٹھ گئی۔ حضرت عمرؓ کے عہد ۱۴ھ میں تسخیرِ دمشق، اردن، حمص، بیت المقدس اور مصر فتح ہوئے اور رومی سامراج کا جنازہ ہمیشہ کے لیے وادیٔ نیل سے نکل گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں قبرص اور طرابلس عیسائیوں سے چھین لیے گئے اور رومیوں کی بحری یلغار کو روکنے کے لیے بحیرہ روم میں اسلامی بحری بیڑے کی بنیاد رکھی گئی۔ عہد معاویہؓ میں اہل روم سے معرکہ آرائیوں کے نتیجے میں قسطنطنیہ اور بحیرہ روم کے دو اہم جزیرے روڈس اور ارواڑ چھین لیے گئے۔ عبدالملک بن مروان کے دور میں ۷۰ھ میں قیساریہ کے مقام پر ایک خون ریز معرکے کے بعد اہل روم کو زبردست شکست دی گئی۔ ولید بن عبدالملک کے دور ۹۲ھ میں اندلس فتح ہوا۔ ہشام کے دور میں ۱۰۷ھ میں فرانس پر حملہ کیا گیا اور مسلمان وسطی فرانس (عنبسہ) تک جا پہنچے۔ اس کے بعد ایک عرصے تک عیسائی دنیا اپنے زخم چاٹتی رہی اور دنیائے اسلام کے مقابلے میں آنے سے کتراتی رہی۔ تا آں کہ صلیبی جنگوں (۱۰۹۷ء-۱۱۴۴ھ) میں عیسائی دنیا دوبارہ منظم ہو کر برسرِ پیکار ہوئی۔ امریکہ ایک بار پھر عیسائی دنیا کو منظم کر کے صلیبی جنگیں برپا کرنے کا آغاز کر چکا ہے۔

اہل مغرب نے ایک طرف جہاد کو دہشت گردی کے نام سے متعارف کرایا اور دوسری طرف مسلمانوں میں جذبہ جہاد سرد کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے آزمائے۔ اسلام میں جہاد کے لیے ارشاد خداوندی ہے۔ **وقاتلوا فی سبیل اللہ الذی یقاتلونکم** (۲۲) اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے۔ (۲۳) غور سے دیکھو تو اس آیت میں انہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو مسلمانوں سے پہلے لڑنے آتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کیے جاتے تھے۔ تاہم غزوہ حنین اور غزوہ تبوک سے بات عیاں ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف اقوام بھی اسی ذیل میں آتی ہیں اور ان کے پرفشاں ہونے سے قبل ہی آشیانے میں (Nip The evil in the Bud) دبوچ لیا جائے جب ''الفتنة اشد من القتل'' ٹھہرا تو اسے پوری طاقت سے دبانے کی اجازت ہے۔

آپ ﷺ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد احترام آدمیت اور وحدت انسانیت پر رکھی آپؐ کا احترامِ آدمیت اور وحدت انسانیت جو رنگ ونسل، لسانیت اور وطنیت کے تمام تعصبات ختم کر کے بھائی چارے کی مشترکہ اساس فراہم کرتا ہے۔ ساری خدائی ایک کنبہ ہے اور کنگھی کے دندانوں کی طرح ایک دوسرے سے پیوستہ ہے۔ انسان کی ابتداء آدمؑ سے ہوئی۔ تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور انہیں مٹی سے بنایا گیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ ''کسی

عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں۔ اسی طرح سرخ و سفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو سرخ و سفید والے پر کوئی فوقیت نہیں''۔(۲۴) عدل و انصاف اسلامی حکومت کے بقاء کی علامت ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ لادینی حکومت قائم رہ سکتی ہے مگر انصاف کے بغیر کسی سلطنت کا اپنے وجود کو قائم رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا. اِعْدِلُوْا. هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى.(المائدة:۸)

اسلام کے صیغہ عدل و انصاف میں سب برابر ہیں۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں فاطمہ نامی عورت چوری میں پکڑی گئی۔ اس کے خاندان بنو مخزوم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ذریعے اس کے حق میں سفارش کرائی تو حضرت ﷺ نہایت ہی ناراض ہوئے اور فرمایا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو۔ اگلی امتیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ وہ امیروں کو چھوڑ دیتی تھیں اور غریبوں کو سزا دیتی تھیں۔ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی ایسا کرتی تو میں اس کے لیے بھی وہی فیصلہ کرتا جو اس کے لیے کروں گا۔

آپ ﷺ نے سربراہ مملکت کے لیے عدل و انصاف کی کئی مثالیں چھوڑی ہیں۔''ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی۔ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ پر لیٹے پھریں۔(۲۵) حکومت پاکستان نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے سربراہ ریاست مدینہ کے اسوہ حسنہ کی پیروی ہے۔ اس سے عدلیہ پر سے انتظامیہ کا دباؤ ختم ہو گیا ہے اب یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان کی عدلیہ عدل و انصاف کے معاملے میں اہم کردار ادا کرے گی۔ رشوت اور سفارش ناانصافی کے سکے کے دو رخ ہیں۔ یہی دو ترجیحات عدل و انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ انہی سے عدل و انصاف میں رخنہ پڑتا ہے اور معاشرے کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں۔لعن رسول اللہ ﷺ علی الراشی والمرتشی۔ آپ ﷺ نے راشی (رشوت دینے والے) اور مرتشی (رشوت لینے والے) دونوں پر لعنت فرمائی اور انہیں دوزخ کا حق دار ٹھہرایا۔ دنیا مہلک ہتھیاروں اور مسکرات کی بدولت قعر مذلت میں گرتی جا رہی ہے۔ اسلام نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ. قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.(البقرہ:۲۱۹)

اسلام میں نشہ آور چیز حرام ہے، اس کی کشید کرنے والا، کاروبار کرنے والا اور استعمال کرنے والا مجرم ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ نام بدل کر شراب کا استعمال کریں۔ سود قوموں کی معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے۔ یہودی سودی کاروبار کی وجہ سے پوری دنیا میں ملامت کی علامت بن چکے ہیں۔لعن رسول اللہ ﷺ علی اکل الربوا وموکلہ وشاہدہ وکاتبہ۔ آنحضرت نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اس پر گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

عورت اور مرد اس جہاں آب و گل کی رونق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقاء دونوں کے ملاپ میں رکھی

ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔(البقرۃ: ۲۱۹) مسلم کتاب النکاح میں ارشاد نبوی ﷺ اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی. میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، جس نے میری طریقے سے روگردانی کی، وہ مجھ سے نہیں محسن انسانیتؐ نے بیٹیوں کو باپ کی وراثت میں حصہ دار بنایا اور بیٹی کی پرورش اور تربیت کو ایک مقدس فریضہ قرار دیا ماں کے قدموں میں جنت بتا کر جوانوں کے سر مقدس رشتے کے پاؤں پر خم کر دیئے۔ طبقات اناث کو ماں، بیٹی اور بیوی کے روپ میں صحیح اور جائز مقام اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول نے عطا فرمایا۔ فرقہ بندی ایک لعنت ہے جسے ختم کیے بغیر کوئی ملک بھی امن و آشتی کا گہوارہ نہیں بن سکتا۔ فرقہ بندی، جہالت، گمراہی اور تعصب کی قابل نفرت کیفیت کا نام ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران:۱۰۳)

فرقہ بندی کا توڑ قرآن مجید کی تعلیم کے ذریعے ممکن ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ امت کے زوال کا علاج قرآن مجید قرار دیتے ہیں اور علامہ اقبال مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی علامت قرآن مجید بتاتے ہیں۔ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۴۳ء میں قائداعظم نے فرمایا "وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے"۔

آپ ﷺ نے چند برسوں میں ۱۰ لاکھ مربع میل کے رقبے میں فلاحی ریاست قائم کی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر کے زمانہ خلافت کے دس سالوں میں اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر ایران، عراق، شام، مصر اور افریقہ تک جا پہنچا۔ اسلامی نظام حکومت میں السید خادم قومھم، قوم کا سردار اصل میں قوم کا خادم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اگر دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھوکا مر گیا تو عمرؓ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ دنیائے اسلام میں سعودی عرب کو اسلامی مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ سلطان بادشاہت کی وجہ سے مغرب سے ہمیشہ خائف رہتا ہے۔ عوام اور حکام میں کوئی دستوری رابطہ نہیں ہے یہی معاملہ عرب کی دیگر حکومت کا ہے۔ اس وقت دنیائے اسلام میں قحط الرجال تو نہیں ہے تاہم مسلمہ رہنما بننے میں ابھی وقت لگے گا۔(۲۶)

بنو امیہ کے دور میں شخصی حکومت در کر آئی شام، عراق اور مصر اموی شہزادوں کی جاگیروں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ حضرت عمر ثانیؒ بن عبدالعزیز ۷۱۷-۷۱۹ء، نے غصب شدہ مال، جائیدادیں اور جاگیریں اصل ورثا کو لوٹا دیں۔ بیت المال کو مسلمانوں کے مفاد کے لیے وقف کیا۔ مملکت کے بے کسوں، معذوروں اور اپاہجوں کی فہرست تیار کر کے ان کے وظائف مقرر کیے اور ظالم عمال کا محاسبہ کیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں بھی سلطان ناصر الدین اور اورنگزیب عالمگیر ایسے بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے بیت المال کو شجر ممنوعہ قرار دے رکھا تھا۔ دنیائے اسلام میں وہی حکمران ہر دل عزیز بن سکے گا جو عمر ثانیؒ کے نقش قدم پر چلے گا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دونوں ٹاوروں کے زمین بوس ہونے اور پینٹا گون کے ایک حصے کے تباہ ہونے کے بعد امریکہ نے دہشت گری کا ہوا کھڑا کر دیا ہے اور اسے مسلمانوں کے

علاوہ کہیں بھی دہشت گرد دکھائی نہیں دیتے۔ ایک وقت تھا کہ سوویت یونین کو مہذب اور آزاد معاشرے کے لیے خطرہ قرار دیا جاتا تھا۔ اس خطرے کو افغانستان میں جب افغانیوں نے دبوچا تو مغربی میڈیا نے انہیں مجاہدین قرار دیا۔ سوویت فوج کی کمر ٹوٹتے ہی افغانیوں کو پہلے شدت پسند، پھر بنیاد پرست اور آخر میں بدتہذیب جنونی دہشت گرد قرار دے دیا گیا۔ مقبوضہ کشمیر میں کشمیری بھارت سے آزادی کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو کشمیری حریت پسند امریکہ کی نظر میں دہشت گرد ٹھہرتے ہیں لیکن بھارت جب ریاستی دہشت گردی کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ چپ سادھ لیتا ہے اسرائیلی فوج فلسطینیوں کا قتل عام کرتی ہے اور لبنان کی شہری آبادی کو لقمہ اجل بناتی ہے تو امریکہ کا کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا۔ اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امریکہ مسلمانوں کو پورے یورپ سے دہشت گرد منوانا چاہتا ہے۔ امریکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون منوانا چاہتا ہے۔(۲۷) اسلام سلامتی کا دین ہے۔ اسلام دہشت گردی کے خلاف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے معصوم جانوں اور عورتوں کی حفاظت عین میدانِ جنگ میں بھی کرنے کی تاکید فرمائی ہے لہٰذا کوئی بھی مسلمان کسی بے گناہ کی جان نہیں لے سکتا۔

خلاصہ کلام:

باقی امتوں کے پاس کلام اللہ اور فرمودات نبیؐ ایک کتابی شکل میں موجود ہیں جبکہ ملت اسلامیہ کے پاس قرآن مجید کلام اللہ اور سنت (اسوہ حسنہ) یعنی حضرت محمد ﷺ کا عملی نمونہ بھی موجود ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں ہر کسی کو زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر طائفہ انسانی کو رہنمائی مل سکتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ۲۱) اس مقالے کے پہلے حصے میں نہایت اختصار سے ملت اسلامیہ کے مسائل اور دوسرے حصے میں سنت طیبہ کی روشنی میں ان مسائل پر قابو پانے کے رہنما اصول ورطہ تحریر میں لانے کی سعی کی گئی ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا، اس اعتبار سے اسے ریاست مدینہ سے ایک خاص نظریاتی نسبت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پاکستان آگے بڑھے اور ملت اسلامیہ کی قیادت کا بیڑا اٹھائے اور مندرجہ ذیل ادارے منظم کرنے میں بھرپور کردار ادا کرے۔

۱- خلافت کی تجدید ۲- اسلامی سربراہی تنظیم کا استحکام ۳- ملت کی متحدہ تنظیم M.U.N.O ۴- اسلامی بنکوں کا قیام ۵- عالمی اسلامی بنک کا اجراء ۶- اسلامی ممالک کی مشترکہ کرنسی ۷- ملت کی متحدہ فورس ۸- مشترکہ تجارتی منڈی ۹- اقتصادی تعاون کی تنظیم میں وسعت ۱۰- ایشیائی تعاون بلاک۔

الحمد اللہ رب العالمین و ﷺ علی خیر خلقه محمد و آله وصحبه اجمعین.

حواشی حوالہ جات

۱- محمد عبداللہ ملک پروفیسر، خلافت بنو عباس ص ۲۵۰، قریشی برادرز پبلشرز، لاہور اردو بازار، سن ۱۹۹۸ء۔ ۲- "The

"Philadelphia trumpt" August 2001 بحوالہ میثاق، لاہور، اپریل ۲۰۰۶ء۔ ۳- ندائے ملت، شمارہ ۳۶ ص ۲۳، ۷/ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۴- اسلامی نظریہ حیات ص ۱۰۲۔ ۵- SAMDET.P.Hunting Page:147 "Clash of Civilization" ڈاکٹر وحید عشرت نوائے وقت سنڈے میگزین ۲۴/ستمبر ۲۰۰۶ء ص ۹ پر لکھتے ہیں۔ امریکی دانشور سموئل پی ہننگٹن نے اپنی کتاب ''تہذیبوں کے تصادم'' میں ۱۹۹۳ء میں اسلام اور چین کو امریکی تہذیب کے لیے خطرہ قرار دیا ہے جب کہ اقبالؒ نے ۱۹۳۵ء سے بھی پہلے کہہ دیا تھا کہ

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے
شب گریزاں ہو گئی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

روس افغانستان جنگ سے اتنا فائدہ تو ہوا کہ وسط ایشیائی مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں۔ افغانستان کے بعد عراق میں امریکی آپریشن اور بش کے کروسیڈ وار کہنے سے عالم اسلام کی آنکھیں کھل گئیں۔ اب پورا عالم اسلام مسلم تہذیب کے بچاؤ کے محاذ پر ہے اور مغرب اپنی تہذیب کے تحفظ اور بچاو کے لیے مسلمانوں کو ایک ایک کر کے تہ تیغ کر رہا ہے۔ ۶- مولانا شبلی نعمانی کو جہاد پر مضمون لکھنے کی پاداش میں علی گڑھ کالج سے الگ ہونا پڑا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے گورے اور کالے کے مقابلے کو نظم کیا ہے۔ ایک گورے نے کالے کو تھپڑ رسید کیا اور تھانے جا کر رپٹ لکھوائی کہ کالا بڑا سخت جان ہے کہ میرے مکے سے مرا نہیں۔ ۷- مسیلمہ کذاب اور سجاح بنت حارثہ نبوت کے دونوں دعوے دار ایک بند خیمے میں ملے۔ کافی دیر کے بعد جب وہ باہر نکلے تو دونوں نے ایک دوسرے کی نبوت کی تصدیق کی۔ دونوں نے آپس میں شادی کی اور حق مہر میں دو نمازیں معاف کر دیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کو دین سے خارج کر دیا۔ ۸- مستعصم باللہ، ابن علقمی، سلطان ٹیپو، میر جعفر، سراج الدولہ، میر صادق اور بہادر شاہ ظفر، نواب الٰہی بخش سنی شیعہ نظریاتی اختلافات کی وجہ سے مسلم حکومتیں زوال پذیر ہوئیں۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

۹- سعودی عرب کے شہزادہ ولید بن طلال نے ۱۱/ستمبر کو نیویارک کے مرنے والوں کے لیے ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ پیش کیا لیکن میئر جولیانی نے یہ چیک تحقیر کے ساتھ واپس کر دیا کہ شہزادے نے فلسطینی تنازعے کے سیاسی اسباب دور کرنے کی بات کی تھی۔ ۱۰- اکمل خان قادری لنڈی کوتل، ندائے ملت لاہور ص ۴۳، ۱۴/ستمبر ۲۰۰۶ء۔ ۱۱- سقوط غرناطہ کے موقعے پر ڈون جون نے پچاس ہزار شہری ذبح کر کے ان کی لاشوں پر تہوار منایا۔ لین پول اسٹینلے، مسلمان اندلس میں، ترجمہ حامد علی صدیق ص ۳۵۴۔ ۱۲- معین الدین احمد شاہ ندوی، تاریخ اسلام ص ۴۹۹، ناشران قرآن لاہور۔ ۱۳- سعودی عرب میں حاجیوں کے لیے مذہب سے متعلق تحائف دوسرے ملکوں سے درآمد ہوتے ہیں اب تو خاکِ شفا بھی چین سے درآمد ہونے لگی ہے۔ ۱۴-

انقلابِ ایران کے بعد امام خمینی نے فوج کا برطانوی سٹ اپ ختم کیا۔ ۱۵- بھارت کا ایٹمی سائنس دان عبدالکلام اور پاکستان کا ایٹمی سائنس دان عبدالقدیر خان زندہ مثالیں ہیں۔ ۱۶-علی شبر کاظمی، فلسفہ تعلیم وتدوین نصاب، مجید بک ڈپو، اردو بازار لاہور۔ سن ندارد۔ ۱۷- روزنامہ نوائے وقت ۲۲/مارچ ۱۹۹۹ء حقوق انسانی کا تحفظ اور امریکہ۔ ۱۸- ایضاً۔ ۱۹- میثاق ماہنامہ لاہور اپریل ۲۰۰۶ء ص ۴۔ ۲۰- پ ۶، المائدہ: ۵۱۔ ۲۱- یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض و عداوت کے باوجود باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ یہودی یہودی کا، نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں۔ الکفر ملة واحدة. (جو ان سے دوستی کرے مسلمانوں کے مقابلے میں) ان ہی کے زمرہ میں شامل ہے۔ ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ تفسیر شیخ اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۱۵۴ فہد لطباعۃ۔ ۲۲- بقرہ: ۱۹۰۔ ۲۳- مولانا شبلی نعمانیؒ، سیرۃ النبیؐ، مکتبہ تعمیر اسلامیہ لاہور جلد اول سن اشاعت ۱۹۷۵ء۔ ۲۴- حجۃ الوداع کا خطبہ انسانی حقوق کا چارٹر ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے انسانی منشور پیش کیا اور اسے نافذ کر کے دکھایا۔ ۲۵- ملائشیا۔ ۲۶- ملائشیا کے سابق وزیراعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد اور ایران کے صدر محمود احمدی نژاد ''ابھرتے ہوئے ملت کے ستارے ہیں مغرب ان کو عوامی تائید سے جدا کرنے کی فکر میں ہے۔ ۲۷- میمنے اور بھیڑیے کا معاملہ۔ او میمنے پانی کیوں گدلا کر رہا ہے، بھیڑیے جی! پانی تو آپ کی طرف سے آرہا ہے۔ اچھا! تو نے پچھلے سال مجھے گالی دی تھی۔ جناب میری عمر تو صرف چھ ماہ ہے اچھا وہ تمہارا باپ ہوگا کہا اور کھالیا۔

اُمّتِ مُسلمہ کے موجودہ مسائل، درپیش چیلنجز اور ان کا تدارک
سیرت طیبہ ﷺ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں

اخلاق عاطف- سرگودھا

ا۔ سب سے پہلے ہم قرآن آیات کی روشنی میں،انبیائے کرامؑ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہمی ربط اور اس کے بین الاسطور امت مسلمہ کے جامع تصور کو اجاگر کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات :۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔تم میں اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہی ہے ج وسب سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکنے والا ہے''۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً. فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (البقرة:۲۱۳)

''(ابتداء میں) لوگ ایک ہی دین پر تھے، پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو بھیجے اللہ نے انبیاء،خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، اورنازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کردے لوگوں کے درمیان''۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا بینات کے ساتھ،اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (معیار حق و باطل) نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ. (النساء:۱۰۵)

''اے محمد (صلی اللہ عیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ تم اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پرلوگوں کے درمیان فیصلے کرو''

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ:۳)

''آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل اور پوری کردی ہے تمارے اوپراپنی نعمت اورتمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا ہے''۔

متذکرہ قرآن آیات اور ان کے تراجم کے مفہوم کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر کے اجتماعی تناظر میں دیکھیں تو اس امر کے سچ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ تمام دنیا کے انسان اصل میں ایک اور حیثیت میں برابر

ہیں، ان کے درمیان فطرت نے قوموں، نسلوں، قبیلوں، زبانوں، وطنوں اور رنگوں کا جوفرق رکھا ہے وہ محض ان کے تعارف کے لیے ہے کہ آپس میں یکجا ہوکر بھی ان کی اپنی اپنی پہچان برقرار رہے۔ یہ فرق اس لیے نہیں ہے کہ اس سے ان کے مابین تفریق نمایاں ہو، عداوتیں پیدا ہوں اور ایک قوم (یا گروہ) دوسری قوموں (یا گروہوں) پر اپنی برتری کا زعم ظاہر کرتی پھرے۔ اس بنیادی انسانی مساوات کے دائرے میں اگر کوئی چیز لوگوں کے درمیان جائز اور معقول طور پر وجہ اجتماع بن سکتی ہے تو وہ عقیدہ وفکر ہے جو انہیں ایک امت کے طور پر نمایاں کرتا ہے، اور اس امت کے لوگوں کے درمیان اگر کوئی شئے (بجا طور پر) کسی انسان کی فضیلت کا سبب بن سکتی ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔ خدا سے ڈرنا، خدا کے بندوں کے درمیان امتیاز پیدا نہ کرنا اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیش نظر رکھنا، تقویٰ کی چند نمایاں جھلکیاں ہیں (حوالہ دی گئی سورۃ الحجرات کی آیت اسی احساس کو پیش کرتی ہے)

دنیا کی مختلف اقوام میں جتنے بھی پیغمبر مبعوث فرمائے گئے، ادوار زمانہ کے فرق کے باوجود اور مختلف اقوام کی تہذیب وتمدن میں تفریق کے باوصف تمام انبیائے کرامؑ کا پیغام ایک ہی تھا اور اس پیغام کا مدعا بھی ایک ہی تھا، کہ لوگوں اور گروہوں کے درمیان سر اٹھانے والے اختلاف کا انصاف پر مبنی فیصلہ کرنا، نیک کاروں کو خوشخبریاں سنانا اور کج راہ و کج خلق لوگوں کو عذاب خداوندی سے ڈرا کر راہ راست پر لانا، بیشتر انبیاء کو روشن نشانیاں دی گئیں اور چند ایک کو الہامی کتب عطا فرمائی گئیں (حوالہ دی گئیں سورہ البقرہ اور سورۃ الحدید کی آیات کا حاصل یہی نظریات ہیں) یہاں تک کہ نبی اخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دینا میں تشریف آوری ہوگئی، انہیں نبوت سے سرفراز فرما کر، اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے عالم انسانیت تک پہنچایا (حوالہ دی گئی سورۃ النساء کی آیت یہی بیان کرتی ہے) ایسا ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی صورت میں نازل کیا گیا پیغام خداوندی کوئی نیا نویلا اور نرالا پیغام تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پیغمبران کرامؑ نے اپنے اپنے ادوار میں اپنی اپنی اقوام کو جس پیغام زبانی سے آگاہ کی تھا، جن دینوی اور دنیاوی سرفرازیوں سے روشناس کرایا تھا اور کا حتمی آخری اور فیصلہ کن خلاصہ (بالکل مکمل صورت میں) عالم انسانیت کے سامنے پیش کر کے خدائے برتر نے اتمام حجت کردی تھی۔ حجۃ الوداع کی مبارک ساعتوں میں آخری پیغام تشکیل کے ساتھ ہی دین کے مکمل کئے جانے کا اعلان فرمادیا گیا تھا (حوالہ دی گئی سورۃ المائدہ کی آیت میں یہی ارشاد فرمایا گیا) اور اس کے مفہوم کا مقصد محض اعلان برائے اعلان نہ تھا، بلکہ تمام عالم انسانیت (وسیع تر مفہوم کے مطابق امت مسلمہ یا امت احد) کو تاکید کی گئی کہ ابتدائے افرینش سے اب تک جو پیغام نازل فرمائے گئے ہیں۔ اس آخری پیغام کی تکمیل کے ساتھ ہی تمہارا دین مکمل کردیا گیا ہے لہٰذا اب تمام انسانوں کے لئے لازم ہے کہ اس پیغام کو پیش کریں، اسی مکمل کیے گئے دین پر عمل پیرا ہوں، اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ جب مختلف الاوقت اور مختلف اقوام میں نازل کیا گیا پیغام ایک ہی ہے تو تمام انسانی نسل دراصل ایک ہی امت ہے، جس امت واحد بھی کہا جا سکتا ہے اور امت مسلمہ بھی۔

۲۔ اب ہم مختصراً یہ جائزہ لیتے ہیں کہ "امت واحد" کیوں اور کیسے ٹکڑوں میں تقسیم ہوئی۔

رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کے تعصبات، دنیا میں ہمیشہ سے عالمگیر فساد کے موجب بنے رہے ہیں، قدیم

زمانے سے آج تک ہر دور کا انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد ایسے چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا، اور باہر جنم لینے والوں کا کو غیر سمجھا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر استوار نہیں کیے گئے بلکہ محض اتفاقی پیدائش (Accident Of Birth) کی بناء پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں ان کی بنیاد، قبیلے، خاندان یا نسل بنی، کہیں جغرافیائی خطوں کی یکسانیت اور کہیں جسمانی خطوط اور رنگت وغیرہ اور پھر یہ تفریق صرف اس حد تک محدود نہیں رہی بلکہ جنہیں اپنا کہا گیا، ان کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ خلوص ومحبت کے مظاہرے کیے گئے ہوں بلکہ اس تفریق نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں بھی اختیار کی ہیں اور ایسا کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ (انسانی مساوات کو پس پشت ڈال کر) مختلف الاقسام فلسفے گھڑے گئے۔۔۔ (دین خداوندی کی تحریف کر کے) مذاہب ایجاد کئے گئے۔۔۔۔ (بالاتر طبقات کی جانب سے کمزوروں کو قابو میں رکھنے کے لئے) ناانصافی کے مظہر قوانین بنائے گئے۔۔۔۔ اپنی اپنی پسند کے اصول وضع کئے گئے اور یوں قوموں اور سلطنت نے اس طرز عمل کو مستقل وتیرا بنا کر پیغام خداوندی کو اپنی پسندیدہ تاویلات میں ڈھال کر اپنی مذہبی پہچان کے طور پر اپنا لیا، یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ سمجھنا سراسر غلط فہمی ہے کہ اسلام کی ابتداء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی۔ اس لیے ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بانیء اسلام تک کہہ دیا جاتا ہے، یہ سراسر غلط فہمی ہے اور اسے ذہن سے نکال دیا جانا چاہئے اور یہ بات سب کو معلوم ہونی چاہیے کہ نوع انسانی کا حقیقی مسلک ہمیشہ سے ایک ہی ہے، اسلام اور صرف اسلام! روئے ارض پر جب بھی اور جہاں بھی کوئی پیغمبر خدا کی طرف سے آیا یہی دین لے کر آیا۔ لیکن پیغام خداوندی کو اپنی پسندیدہ تاویلات میں ڈھالے جانے کی غیر دانشمندانہ بلکہ سراسر خود غرضانہ روایات کا سفر، صدیوں کے بعد یہاں تک آ پہنچا ہے کہ خدا کا ایک ہی پیغام، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے علیحدہ علیحدہ تعارفوں کے ساتھ روئے ارض پر موجود ہے۔

۳۔ اب ہم جائزہ لیں گے کہ خدا کے ایک پیغام کے علمبردار، اور امت واحد کے ترجمان ہونے کے باوجود، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے درمیان وجہ مخاصمت کیا ہے؟

مذاہب عالم کا مطالعہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی یہی پیغام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے رہے جو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی نسل کے دیگر انبیائے کرام نے پہنچایا،، اس پیغام کا خلاصہ یہی تھا کہ عقیدہ توحید و آخرت کی دعوت پر نظام حیات کو استوار کیا جائے (سیرت سرور عالم، جد اول، ص ۲۲) لیکن بنی اسرائیل نے ایک معزز قوم ہونے کے زعم باطل میں مبتلا ہو کر اپنے پیغمبروں کی تعلیمات سے نہ صرف یہ کہ انحراف کیا، بلکہ من مانی تحریفات کرتے رہنے کے جرائم کا شکار ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے خود کو خدا کی چنیدہ مخلوق ٹھہرایا، اپنے مذہبی احکامات میں بھی غیر اسرائیلیوں کے حقوق، اسرائیلیوں سے فروتر رکھے۔ معزز طبقات کے زعم غلط نے ہی ہندوؤں کے انورن آشرم ایسی نا منصفانہ تمیز کو جنم دیا جس کی رو سے برہمنوں کی برتری قائم کی گئی اور شودروں کو سماجی ذلت کے گڑھ میں پھینک دیا گیا۔ (سیرت سرور عالم جلد اول باب مرجہ مذاہب ص ۵۶۹)

اپنے پیغمبروں کی تعلیمات میں تحریف اور اصل پیغام سے دانستہ روگردانی کے سلسلے میں بنی اسرائیل کا معاشرہ

روحانی اقدار کے قطع کا شکار تو ہوا ہی تھا، اخلاقی طور پر بھی تتر بتر ہو گیا۔ سماجی ٹوٹ پھوٹ کے نادیدہ عمل نے رفتہ رفتہ یوں سرایت کیا کہ بنی اسرائیل کی عظیم الشان سلطنتیں (بنی مسی، بنی یعودہ، بنی آشر، ہ رودا عظم کی سلطنت وغیرہ(یکے بعد دیگرے زوال پذیر ہو کر بے نام ونشان ہو گئیں اور آخر کار چشم عالم نے وہ منظر بھی دیکھا کہ یہودیوں (بنی اسرائیل) کی اکثریت فلسطین سے یوں بے دخل کر دی گئی کہ دنیا کا کوئی بھی ملک (ایک قوم کے طور پر) انہیں قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ (سیرت سرور عالم جلد اول باب بنی اسرائیل)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس پیغام کو دین میں عام کیا وہ بھی یقیناً اسلام ہی تھا مگر ان کے بعد ان کے پیروکاروں نے خود حضرت عیسی علیہ السلام کو معبود بنا ڈالا اور ان کی تعلیمات کے ساتھ دیگر خود ساختہ نظریات ملا کر وہ مذہب ایجاد کیا ہے جیسے اب دنیا میں عیسائیت کے نام سے جانا جاتا ہے(سیرت سرور عالم،جلد اول،ص ۶۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تحریفات کا آغاز اگر چہ ان کے خاص پیروکاروں نے ہی شروع کر دیا تھا۔ مگر چوتھی صدی عیسوی کے آغاز (۳۲۵ء) میں نیقیہ کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طشور پ مسیحیت کا مذہب قرار دے دیا اور قیصر تھیوڈوسیس کی سلطنت کا یہی یسرکاری مذہب ''مسیحیت'' کا ترجمان قرار دیا گیا۔ یورپ کی اکثر مسیحی سلطنتیں اگر چہ کئی صدیوں تک نہایت مستحکم رہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے انحراف (یا یچی تعلیمات میں ترشید نظریات کی ملاوٹ) نے عیسائیوں کے مذہبی نظریات کو محل نظر بنا دیا،اس طرح کہ یہ لوگ (بیک وقت) توحید کے ماننے والے بھی ہیں اور عقیدہ تثلیث (خدا +ماں+ بیٹا) پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ عقیدے کی تبدیلی نے ان کے معاشروں کو تو جیسے کیسے روحانی طور پر زوال آشنا کیا سو کیا، لیکن تصور بندگی میں خودساختہ خیالا ت کی آمیزش نے انہیں نہ تو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے قابل چھوڑا، اور نہ ہی روئے ارض پر وہ کسی اعتبار و اعتماد کے قابل رہے۔) سیرت سرور عالم جلد اول باب عیسائیت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے چند برس پہلے تک ان دونوں مذاہب کی حکومتیں دنیا پر ایک دوسرے سے بڑھ کر بالا دستی کے لئے کوشاں تھیں کا ثبوت ۵۲۳ ء میں پیش آنے والے سنگین واقعے سے ملتا ہے کہ یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر نہایت ہیبت ناک حملہ کر کے انہیں عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہا اور جب عیسائی اپنا مذہب ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو ذونو اس نے خندقیں کھدوا کر انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے آلاؤ میں جھونک دیا، قران مجید نے سورہ بروج کی آیت میں اسی لرزہ خیز واقعے کی طرف شارہ کیا ہے(الرحیق المختوم،ص ۵۵) متذکرہ تحریفات اور زمین پر اقتدار کی ہوس کے نفرت انگیز اقدامات کے باعث، از خود یہ دو بڑے طبقے ''امت مسلمہ'' سے علیحدہ ہو چکے تھے۔

ایک طرف تو یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کی تعلیات کو اپنے مطالب کے پیرائے میں ڈھال کر راہ گم کردہ ہو چکے تھے، مزید یہ کہ ان کے سیاسی ادارے ہی مذہبی اداروں پر غلبہ حاصل کر کے سلطنت ریاست اور معاشرے کا اصل چہرہ بن چکے تھے، اور دوسری طرف عرب کی سرزمین اڑھائی ہزار سال سے کسی معزز پیشوا کی آمد کی منتظر تھی، یہ تھے وہ حالات جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپؐ نے پیغام خداوندی کو پیش کرتے ہوئے، رنگ ونسل اور زبان

وطن کے تمام امتیازات کو یکسر برطرف رکھتے ہوئے انسان کو بحیثیت انسان مخاطب فرمایا، برابری کی بنیاد پر انسانی معاشرے کی تعمیر وفلاح کے زریں اصول پیش کیے جو سراسر نوع انسانی کی خیر خواہی پر مبنی تھے، عقیدے کی وحدت پر قائم ہو جانے کے بعد ایک انسان کو دوسرے انسان سے جدا کرنے والا (آپس کی تفریق کا باعث بننے والا) کوئی بھی نظریہ یا اصول، نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قول کا حصہ بنا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل میں ایسا کوئی شائبہ محسوس کیا گیا۔۔۔اسی ممتاز انفرادیت سے مزین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے طفیل خطہ عرب کے تمدن میں محض بیس بائیس برسوں کے اندر یکسر تبدیلی واقع ہوئی، سوچوں کے زاویے ہی نہیں بدلے عمل کے دھارے بھی بدل گئے، منتشر ذہنیت کے حامل لوگ سچے نظریہ حیات سے وابستہ ہو کر امت مسلمہ کی لڑی میں پروئے گئے، نسل در نسل دشمنیاں پالنے والے نور ایمان سے آراستہ ہوئے تو باہم شیر و شکر ہو گئے۔۔۔امی لقب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا اک اک ورق پیام خداوندی کی صداقت کا ترجمان ٹھہرا کچھ جس نے انسان کو ایسے قانون کی بالا دستی کا سبق دیا، جسے ذاتی خواہشات کے تحت توڑنے مروڑنے اور اپنے مفادات کے مطابقت ررد و بدل کا تختہ مشق بنانے کا اختیار انفرادی طور پر نہ کسی عام آدمی کے پاس ہے نہ کسی بادشاہ (King) کے پاس نہ کسی آمر (Dictator) کے پاس اور اجتماعی طور پر نہ کسی جمہوری مجلس (Democratic Foram) اور نہ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہونے والی کسی بھی قوم کو دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی اجلی روشنی سے اکتساب فیض حاصل کرنے والے حامل یقین لوگوں نے امت مسلمہ کی مستقل اقدار (Permanent Valus) کے تصور کو محض تصور نہ رہنے دیا بلکہ دلوں پر نقش اور دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کے جاں فروشوں نے خطہ عرب کو اپنے احسن اقوال و اعمال سے جگمگانے کے بعد جب عرب سے باہر کے خطوں کا رخ کیا تو قیصر و کسریٰ کے ایوان لرز اٹھے روما کی سلطنت کے ستون ڈگمگانے لگے اپنے پیغمبروں کی سچی تعلیمات کو مسخ کرنیوالی قوموں کو اپنے ہاں مروج خود ساختہ نظاموں کے زمین بوس ہوجانے کے خطرے کا ادراک ہونے لگا۔۔۔۔ اور یہیں سے اس مخاصمت نے جنم لیا جو آنے والے زمانوں کے ساتھ ساتھ انداز بدل بدل کر شدید تر ہوتی چلی گئی۔۔۔۔ اس مخاصمت کے عملی مظاہرے کبھی سرزمین اندلس پر مسلمان شہداء کی لاشوں پر دوڑائے جانے والے فرنگی گھوڑوں کی صورت، کبھی سقوط بغداد کے خون آشام منظر میں کبھی یروشلم کی گلیوں میں عیسائی فاتحین کے ہاتھوں نہتے مسلمانوں کے قتل عام میں اور دور حاضر میں فلسطینیوں پر یہودیوں کے ظلم ستم کی ساٹھ سالہ داستان کی صورت نظر آتے ہیں۔ مخاصمت کا یہی تسلسل ایشیاء، افریقہ اور بلقان کے کئی خطوں میں مذہبی اور نسلی تفریق کی بناء ڈھائے جانے والے مظالم میں بھی جھلکتا ہے۔ زمانہ حال میں اس مخاصمت نے کئی حوالوں سے امت مسلمہ کے لئے چیلنجز کی صورت اختیار کر لی ہے، اس کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف بھی کرنا چاہیئے کہ امت مسلمہ کو جس حد تک بیرونی چیلنجز درپیش ہیں، مختلف زاویوں سے اسی حد تک اندورنی مسائل کا سامنا بھی ہے۔ اور یہ اندورنی مسائل متقاضی ہیں کہ ترجیحی بنیادوں پر ان کے سدباب کے ذرائع اختیار کئے جانے چاہیں کہ اسی صورت میں بیرونی چیلنجز کے تدارک کی تدابیر کامیاب ہوسکتی ہیں۔

۴۔اب ہم امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور چیلنجز کا جائزہ لیتے ہیں:

گزشتہ کئی صدیوں کے دوران امت مسلمہ مجموعی طور پر کئی سیاسی، سماجی، معاشی نشیب وفراز سے گزری ہے۔مختلف ادوار میں سیاسی تقسیم کے حوالے سے کتر بیونت کا شکار بھی ہوتی رہی ہے۔ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ مختلف نظاموں کے تجربات بھی کیے جاتے رہے ہیں۔ معاشیات کے پرانے فلسفوں کی جگہ نئے معاشی تصورات نے لی ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر ہر معاشرہ ناگزیر تبدیلیوں کے عمل سے گزرا ہے جن کی اثر پذیری سے امت مسلمہ، داخلی طور پر بھی اور خارجی طور پر بھی متاثر ہوئی ہے۔

اس وقت امت مسلمہ کو دوسطحوں پر مسائل اور چیلنجز درپیش ہیں۔ داخلی طور پر بھی کئی مسائل لاحق ہیں اور خارجی طور پر بھی گھمبیر چیلنجز کا سامنا ہے، دومختلف ابواب میں ہم ان کا تذکرہ کرکے سیرت طیبہ سے حاصل رہنمائی کی روشنی میں تجاویز پیش کرتے ہیں۔

امت مسلمہ کے معروف داخلی مسائل درج ذیل ہیں:

سیاسی، سماجی اور معاشی معاملات میں عدم توازن کی کیفیت

مسلم معاشروں میں عمومی طور پر تعلیمی پسماندگی

مسلم معاشروں میں موجود مذہبی نسلی اورلسانی تفریق

مسلمان خطوں میں آئینی بالا دستی اور قانون کے احترام پر سوالیہ نشان

انتظامی اور سیاسی سطح پر عامۃ الناس کی عدم شرکت

امت مسلمہ کی اجتماعی صنعتی ترقی کی ضرورت کا عدم احساس

سائنس اور ٹیکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم اور مہارت کے حصول کی اشد ضرورت

متذکرہ داخلی مسائل کے حل کی ترتیب وار تجاویز:

سیاسی، سماجی، اور معاشی معاملات میں عدم توازن کو دور کرنا کوئی بہت کٹھن مرحلہ نہیں اس کے لیے امت مسلمہ کے معروف و اہم ممالک کے بالغ نظر سیاسی اکابرین، سماجی ماہرین اوراقتصادی امور کے دانشوران کی مشاورت سے ایسا اجتماعی لائحہ عمل تجویز کیا جا سکتا ہے۔نہایت نچلی معاشرتی سطحوں پر صنعت وحرفت کی تعلیم اور سہولیات عام کرنے جیسے اقدامات سے آغاز کیا جا سکتا ہے۔مسلم ممالک کے تعلیمی ماہرین کا ایسا بورڈ تشکیل دیا جائے، جومختص وقت میں یکسوئی کے ساتھ غوروفکر کے بعد ایسا متفقہ تعلیمی لائحہ عمل تجویز کرے، جس کی تجاویز کا بنیادی ماحصل یہ ہو کہ ایسا نصابی انداز اپنایا جائے جس کے باعث پرائمری اور ثانوی تعلیم سے بہرہ مند نسل معروف اخلاقی اصولوں کی پاسداری پر عمل پیرا ہو سکے اور یہ کہ مجوزہ نصاب ان کے اذہان وقلوب میں اعلیٰ مدارج کی تعلیم کے حصول کی رغبت پیدا کر سکے۔

اہم اسلامی ممالک کے دینی سکالرز علمائے کرام، دانشور، اور ثقافتی ماہرین، باہمی مشاورت کے ساتھ اعتماد و اتحاد

کے حوالوں کو نمایاں کرتا ہو، ایسا لٹریچر، مساجد، کمیونٹی ہالز، سماجی اجتماعات اور آرٹس کونسلز ایسے عوامی مراکز کے ذریعے نا صرف تحریری طور پر تقسیم کیا جائے بلکہ عامتہ الناس کو بار بار ذہن نشین کروائے جانے کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان مملکت کو اپنے ہاں موجود تفرقہ باز (STheocratic) طبقے پر کڑی نظر رکھی جائے اور ان کی مبنی بر منافرت سرگرمیوں کی سختی کے ساتھ روک تھام کرنے کا بندوبست کیا جانا چاہیئے۔

آئینی بالا دستی اور قانون کی حکمرانی کو موضوع گفتگو بنانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تمام مسلمان خطوں کو بے آئین خطے کہنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔ مسلمان خطوں میں یقیناً آئین بھی ہیں اور اپنے اپنے قانون بھی لیکن کیا معروف معنوں میں عوام کی حکمرانی کا تصور کار فرما ہے؟ اس سوال کا بھی جواب آسانی کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جن مسلمان خطوں میں آئین اور قانون کی حکمرانی پر روبہ عمل نظر آتی ہے، وہاں آئین اور قانون سازی کے اہم مراحل میں عوام کے حقیقی منتخب نمائندوںGenuine Elected Representatives کی عدم شرکت کا تذکرہ دنیا بھر میں پڑھنے سننے اور دیکھے جانے والے ذرائع ابلاغ پر کثرت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے اس میں پروپیگنڈے کا عنصر بھی شامل ہو مگر یہ تذکرہ یکسر غلط بھی نہیں ہے کیونکہ جن مسلمان خطوں میں کئی عشروں سے مضبوط آئینی اور قانونی ادارے موجود ہیں، ان کے بارے دنیا بھر میں موجود یہ خیال کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے کہ یہ ''اوپر سے مسلط'' کیئے گئے ہیں۔ ایسے خطوں میں امور مملکت سرانجام دینے والے لوگ ''عوام کی ووٹ'' کے بجائے ''حکمرانوں کی مرضی اور خوشنودی'' کے ذریعے چنے جاتے ہیں۔

چند ایک مسلمان خطے ایسے بھی ہیں جہاں آئین، قانون اور منتخب ادارے ''موم کی ناک'' سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، طاقتور طبقے جب چاہتے ہیں، اپنی منشاء کا غیر آئینی موسم مسلط کر دیتے ہیں اور اس موسم کی چھتری تلے عامہ الناس کے دھتکارے ہوئے سیاسی طفیلیے عیش و عشرت اور بدعنوانی کے لمحات گزارتے ہیں۔ یہ ایک المیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ کئی مسلمان خطوں میں منتخب ادارے بہ مشکل اپنی نصف میعاد ہی پوری کر پاتے ہیں، جبکہ غیر آئینی طور پر تشریف لانے والے غیر منتخب لوگ، منتخب اداروں کی میعاد سے بھی دگنی، چگنی مدت کے اقتدار و اختیار سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ایسے خطوں میں انتظامی اداروں سے وابستگان کی حب الوطنی اور ایمانداری بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہوتی۔ آئین کی بالا دستی اور قانون کی حکمرانی کا تسلسل صرف غیر مسلم ممالک بالخصوص مغربی دنیا کی خوش نصیبی ہی کیوں ہے؟ مسلمان خطوں کے مقتدر طبقات کو اس بارے دردمندی اور اخلاص کے ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ مسلمان خطوں کے قابل احترام وابستگان عدل و انصاف کو اپنی اخلاقی ذمہ داری جانتے ہوئے، اس حوالے سے خاص طور پر غور کرنا چاہیئے، آئینی اداروں کے احترام و حفاظت اور معاشرہ میں قانون کی مثالی حکمرانی کے بین السطور مدبرانہ اور منصفانہ فکر کو عام کرنے کی ایماندارانہ کاوشیں کرنی چاہیں۔ طاقت ور طبقات آئینی اداروں کے احترام اور قانونی ضابطوں کی پاسداری کو روایت بنا لیں تو کسی بھی معاشرے کے، کسی بھی طبقے کو غیر آئینی اور غیر قانونی فکر اپنانے یا ایسے کسی طرز عمل کا مظاہرہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ امت مسلمہ کے ذمہ داران اس معاملہ میں جتنی جلدی ''امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد'' میں جرأت مندانہ فیصلے کر لیں گے، دیگر اندورنی مسائل کے بہتر حل کی راہیں اتنی ہی جلدی کشادہ ہوں گی اور سامنے آئیں گی۔ مسلم ممالک کو چاہیئے کہ اپنی اپنی آئینی حدود کے اند، انتظامی اور

سیاسی معاملات میں عامۃ الناس کی بامعنی شرکت کو یقینی بنانے کا اہتمام کریں، عوامی سوچ اور ریاستی پالیسی مل کر ایسی اصلاحات کا روپ دھار سکتی ہیں جنہیں افہام و تفہیم کے ذریعے سے روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار یقیناً مشکل ہے کہ تاحال بیشتر اسلامی ممالک کے عامۃ الناس امور ریاست میں عملی شرکت کے حق سے محروم ہیں۔

یہ تسلیم کئے بنا کوئی چارا نہیں کہ صنعت کے حوالے سے امت مسلمہ کو بطور خاص اپنی پالیسیوں کو نئے سرے تشکیل دینے ضرورت ہے۔ ورنہ امت مسلمہ ترقی کی دوڑ میں اسی طرح بہت پیچھے رہ جائے گی۔ خدا کے فضل سے وسائل بھی بے پناہ ہیں اور بااخلاص ہنر مندوں، محنت کشوں کی بھی کمی نہیں ہے، ضرورت صرف ٹھوس اقتصادی لائحہ عمل اور مثبت فکر کی ہے، اہم اسلامی ممالک باہم مشاورت کے ذریعے سے مستحکم مشترکہ صنعتی پالیسی تشکیل دیں جس کی روشنی میں چھوٹے ممالک اپنے ہاں بنیادی سطح پر چھوٹی گھریلو صنعتوں کو فروغ دیں اور بڑے ممالک بھاری صنعتیں مثلاً ہیوی کمپلیکسز، سائنسی اور صنعتی انسٹی ٹیوٹ وغیرہ قائم کرنے کی منصوبہ بندی کریں، امت مسلمہ آپس میں تجارت کو فروغ دینے کے لئے درآمدات، برمدات کے ضمن میں آسان پالیسیاں وضع کر کے بھی اقتصادی اور صنعتی میدان میں بہتر کارکردگی سامنے لا سکتی ہے۔ ان پالیسیوں کے ماحصل میں دیگر ثمرات کے ساتھ ہی یہ امر بھی شامل ہوگا کہ مسلم معاشروں کے مختلف طبقات کے درمیان معاشی عدم توازن کم تر ہوتا چلا جائیگا۔ نیز یہ کہ ترقی یافتہ غیر مسلم ممالک پر صنعتی انحصار کم ہونے لگے گا اور خود کفالت کی راہ پر گامزن ہونے کا موقع ملے گا۔

ترقی یافتہ ممالک کی ذہنی، دفاعی، صنعتی اور اقتصادی برتری کی اہم وجوہات ہیں یہ امر بھی شامل ہے کہ انہوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں نہایت سرعت کے ساتھ پیش قدمی کی ہے جب کہ امت مسلمہ کے بیشتر یونٹوں نے ابھی اس سمت میں ابتدائی قدم بھی نہیں اٹھایا۔ علم کسی کی میراث نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور خاص علم کے حصول کی تاکید فرمائی ہے، یہ وہ خزانہ ہے جسے جو چاہئے تلاش کر لے۔ سو، اس میدان میں درپیش بین الاقوامی رکاوٹوں کے باوجود امت مسلمہ کو حکمت و دانائی کے ساتھ اس راہ پر تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے اور کامیابیاں حاصل کرنے کی ضرورت کا احساس ہونا چاہیے۔ امن کے ساتھ جیو اور جینے دو کا فلسفہ اپنی جگہ درست، مگر طاقت، اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ یقینی امن کی ضمانت بھی ہوتی ہے۔ متذکرہ اقدامات اٹھانے کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک کو اپنے معاشروں میں اتحاد باہمی کا درس عام کرنا چاہئے، عام لوگوں کے لئے آزادی اظہار کے دور کئے جانے چاہیں۔ متذکرہ بالا تجاویز کو بروئے کار لاتے ہوئے سیرت طیبہ کے درج ذیل چمکتے ہوئے موتیوں سے حاصل رہنمائی کو ذہن نشین رکھا جانا چاہئے کہ یہی روشن اصول (انفرادی اور اجتماعی سطح پر) ترقی اور بقا کے ضامن بن سکتے ہیں۔

آپس میں بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو (صحیح بخاری ۲:۔۸۹۶) تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ (اقتباس از خطبہ حجۃ الوداع) علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے (مشکوۃ کتاب العلم) اور کچھ لوگ تو اپنے ہمسائیوں سے ہی کچھ نہ کچھ سیکھ لیا کریں۔ (مشکوۃ کتاب العلم) سارے مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں

کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ (مسلم، مشکوۃ :۲۔ ۴۲۲)

امت مسلمہ کو درپیش بیرونی چیلنجز:

دہشت گردی کے خلاف عالمی کارروائیوں میں عملی شرکت کے باوجود، الزامات کا سامنا۔ دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا، بین المذاہب جنگ میں تبدیل ہونے کا خطرہ۔ بین الثقافتی عالمی منظر نامے میں امت مسلمہ کی عدم موجودگی اور بین الثقافتی مکالمے کی عدم گویائی۔ اقوام متحدہ اور دیگر عالمی فورمز پر اجتماعی لائحہ عمل کی ضرورت۔

متذکرہ چیلنجز کا تدارک کیسے ممکن ہے؟ چند تجاویز (ترتیب وار)

دہشت گردی کے خلاف عالمی کارروائیوں میں عملی شرکت اور لاتعداد جانی و مالی قربانیاں دینے کے باوجود، بدقسمتی سے امت مسلمہ کو کئی طرح کے الزامات کا سامنا ہے، سچ تو یہ ہے کہ ان الزامات میں بے شمار ماہرین امور خارجہ، باہمی مشاورت کو بروئے کار لا کر ایسے نکات ترتیب دے سکتے ہیں جو نام نہاد الزامات کا مثبت جواب ہوں، ہمارے پاس یقیناً ایسے دلائل موجود ہیں جو ہمارے مؤقف کو سچ ثابت کرنے کی اہلیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ عالمی ضمیر ابھی ایسا مردہ بھی نہیں ہوا کہ معقول اور مدلل مؤقف کو تسلیم نہ کر سکے۔ اس حوالے سے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے خارجہ امور کے ذہین ماہر مشاورت اور تبادلہ خیال کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری رکھیں۔

دہشت گردی کے خلاف عالمی کارروائیوں کو بین المذاہب جنگ میں تبدیل ہونے کے خطرے کا بروقت ادراک کیا جانا اور اس کی روک تھام کی کوشش کرنا امت مسلمہ کے لئے اشد ضروری ہے، اس لیے بھی کہ متذکرہ کارروائیوں کے دوران کئی جگہوں پر غیر دانشمندانہ اقدامات کا باعث مالی اور جانی نقصان اٹھانے اور عالمی سطح پر بدنام ہو جانے کے بعد، ان کارروائیوں کے علم برداروں کا رویہ زخمی سانپ جیسا ہو چکا ہے، اگرچہ حال ہی میں حزب اللہ کے سرفروشوں نے زخمی سانپ اور اس کے پالتو سنپولیے کو ٹھیک ٹھاک کچو کے لگائے ہیں، پھر بھی یہ حقیقت پیش نظر رکھی جانی چاہئے کہ دفاعی اعتبار سے امت مسلمہ زیادہ مضبوط نہیں ہے، اس ضمن میں سب سے اہم قدم یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم ممالک کے چوٹی کے دینی سکالرز (جو اعتدال پسندی کے حوالے سے بھی معروف ہوں) انفرادی طور پر بھی سلسلے کے ساتھ دیگر مذاہب کے رہنماؤں کے ساتھ ذاتی طور پر رابطہ رکھیں اور بین المملکتی سطحوں پر وفود کی صورت میں بھی غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے ساتھ بین المذاہب کے مکالمے کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ مذاہب کے مابین کشیدگی کا باعث بننے والے خیالات و اقدامات کا بروقت سد باب کیے جانے کی سبیل نکالی جا سکے۔ معتدل سوچ کے حامل دینی سکالرز کی مشاورت سے ایسا لٹریچر بھی تجویز کیا جا سکتا ہے جسے اہم مسلم ممالک کی مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی امور کی وزارتیں (اپنے ہاں مروج املا کے مطابق) طبع کروا کے عامۃ الناس تک پہنچائیں اور یہی لٹریچر انگریزی فرانسیسی، چینی، جرمن، ہندی زبانوں میں ترجمہ کروا کر سفارت خانوں اور قونصل خانوں کی لائبریریوں کے ذریعے غیر مسلم ممالک کے عوام تک بھی پہنچایا جائے۔ ایسے اقدامات یقیناً اسلام کے بارے انتہا پسندانہ پراپیگنڈے کا مؤثر اور مسکت جواب بھی ثابت ہوں گے اور کرہ ارض کی فضا بھی بین المذاہب جنگ کے منڈلاتے ہوئے بادلوں سے محفوظ ہو جائے گی۔

اہم ثقافتی روایات کے حامل مسلم ممالک انفرادی طور پر بھی اور باہمی مشاورت کے ساتھ اجتماعی طور پر بھی، ایسے علمی، ادبی اور ثقافتی وفود تشکیل دیں، جو ایک باقاعدہ لائحہ عمل کی روشنی میں، مغربی دنیا میں پسند کی جانے والی، مسلم ثقافتی روایات اور سرگرمیوں کو زیادہ سے زیادہ متعارف کروائیں اور فروغ دیں۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی (دونوں) سطحوں پر ہمارا ثقافتی پیغام برائے خیر سگالی اور امن، غیر مسلم معاشروں کے عام باسیوں تک پہنچ کر ثقافت برائے امن اور امت برائے ثقافت کو یوں فروغ دے سکے گا کہ انسانی سلامتی کے نظریات نمو پذیر ہوں گے۔ امت مسلمہ کے دانشوروں اور فنون لطیفہ سے منسلک شخصیات کے فنی و فکری مظاہر بھی اسلامی فلسفہ امت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا مؤثر وسیلہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ ایسے بڑے عالمی ادارے میں عددی اعتبار سے مؤثر نمائندگی کے باوجود اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ یہ نمائندگی مشترکہ مؤقف کی عدم موجودگی کے باعث غیر مؤثر محسوس کی جاتی ہے۔ عالمی منظرنامے میں اپنی موجودگی، اہمیت اور افادیت تسلیم کروانے کے لئے ضروری ہے کہ مسلم ممالک، اپنے اوپر لگائے جانے والے غلط الزامات کے درست ردعمل میں ایسی اجتماعی خارجہ پالیسی تشکیل دیں یا کم از کم ایسا مشترکہ مؤقف اپنائیں جیسا اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں میں یہ تکرار اور یہ اصرار دہرایا جا تا رہے۔ خارجہ امور پر مشترکہ مؤقف میں یہ مطالبہ بطور خاص شدت کے ساتھ دہرایا جائے کہ مسلم ممالک کی تنظیم O.I.C کو ویٹو کا حق دیا جانا چاہئے۔

متذکرہ اقدامات یوں اٹھائے جائیں کہ امت مسلمہ کے مشترکہ مؤقف کے ترجمان بھی ہوں اور اثر آفرینی کے حامل بھی ہوں۔ متذکرہ اقدامات اور تجاویز کی امکانی عملی ترتیب کے دوران سیرت طیبہ کے درج ذیل روشن الفاظ و اسباق کو مشعل راہ بنایا جا سکتا ہے۔

ایک ایسی بات کی طرف آ ؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مشترکہ) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی، ص ۱۳۶-۷۔ بادشاہوں اور امراء کے نام لکھے گئے مختلف خطوط کا مشترکہ اقتباس) دیکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، یاد رکھو! کوئی جرم کرنے والا اپنے بیٹے پر، یا کوئی بیٹا اپنے باپ کے لئے جرم نہیں کرتا۔ (خطبہ یوم النحر، مشکوٰۃ ۲۳۴/۱) اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیراندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے اور یہ معاہدہ کسی ظالم کے لئے آڑ کا کام نہ دیگا۔ (مدینے کے یہود کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدے کا اقتباس، از ہشام، جلد اول۔ ص ۴-۵۰۳) امت مسلمہ کے مشترکہ خارجہ مؤقف کی تشکیل و ترتیب میں صلح حدیبیہ کے مبنی برحکمت مندرجات بھی بہترین رہنمائی کے حامل ہو سکتے ہیں۔

امت مسلمہ کے موجودہ مسائل قابل غور بھی ہیں اور درپیش چیلنجز، قابل فکر بھی ہیں، مگر ان کا تدارک کوئی بہت مشکل امر نہیں، مخلصانہ تدبر، حکمت، ذہانت اور مثبت فکر کے ساتھ آغاز سفر کرنے سے یقیناً آسانیاں اور کشادگی پر مبنی راستے سامنے آ سکتے ہیں۔ زیر نظر مقالہ، ایسے ہی کشادہ راستوں کی نشاندہی کے احساس سے سرشار (مخلصانہ تجاویز پر مبنی) ایک کوشش ہے اور ایسی ہی انفرادی کوششوں کے باہم یکجا ہونے سے قوموں اور امتوں کا، مسائل اور چیلنجز کے تدارک کا اجتماعی نصب العین اثر پذیر ہوا کرتا ہے۔